Resized

Aafaque Ehsen's IdeaMines Sites
for the public good
علم اپناؤ - خوشحالی پاؤ

Some of the .pdf files we download from the Internet are not fit enough for direct upload to our servers.

We enhance the scan quality of such files, resize the pages to a standard size which is reasonably readable and then upload them.

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

2

جامع
اردو انسائیکلوپیڈیا

4

سماجی علوم (جغرافیہ)

قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند
ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سنہ اشاعت : 2000
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
پہلا ایڈیشن : 3000
قیمت : -/254
سلسلۂ مطبوعات : 852
کمپوزنگ : محمد موسیٰ رضا

JAME URDU ENCYCLOPAEDIA, SAMAJI ULOOM (Geography)
ISBN 81-7587-000-13
Rs. 254/-

ناشر: ڈائرکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔ 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066
طابع: ایس نارائن اینڈ سنز، B-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریہ، فیس 2، نئی دہلی 110020، فون: 6844549, 6312873

پروجیکٹ ڈائرکٹر

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

پروجیکٹ کنوینر

ڈاکٹر انوار رضوی

پروجیکٹ کوآرڈینیٹر

ڈاکٹر محمد احسن

ادارتی بورڈ

پروفیسر اے۔ایم۔ خسرو	چیئرمین
پروفیسر فضل الرحمٰن	مدیر اعلیٰ
پروفیسر شاہ محمد	نائب مدیر اعلیٰ
جناب ایس۔ایم۔ مرتضیٰ قادری	نائب مدیر اعلیٰ
جناب کلیم اللہ	نائب مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر علی احمد جلیلی	نائب مدیر اعلیٰ

اور

جناب خواجہ محمد احمد

پیش لفظ

قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان، جامع اردو انسائیکلوپیڈیا کی سماجی علوم پر مشتمل جلد پیش کر رہی ہے۔ یہ انسائیکلوپیڈیا اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی علمی پیش کش ہے جس میں مختصر اگر جامع انداز میں زمانۂ قدیم سے موجودہ زمانے تک کے مختلف علوم و فنون، مذہب و فلسفہ، تہذیب و تمدن، تاریخ و ثقافت، زبان و ادب، سائنس و طب اور دیگر اہم موضوعات کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ جامع اردو انسائیکلوپیڈیا آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان آٹھ جلدوں کی اشاعت میں ایک بنیادی تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ ہر ایک جلد میں نوشتے ایک ہی نوعیت کے مضامین کے اعتبار سے ابجدی ترتیب میں دیے گئے ہیں۔ اس طرح اس کی ہر جلد خود اپنے آپ میں ایک انسائیکلوپیڈیا کا حکم رکھتی ہے، مثلاً ادبیات، سماجی علوم، سائنسی علوم، ارضی علوم وغیرہ۔ یہ انسائیکلوپیڈیا بہ طور خاص ان طلبہ و طالبات کی ضروریات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے جنھوں نے ابتدائی تعلیم اردو میڈیم سے حاصل کی ہے اور جنھیں آگے چل کر مختلف النوع مضامین پڑھنے ہیں لیکن یہ ایک جنرل انسائیکلوپیڈیا ہے اور اس سے عام قارئین بھی خاطر خواہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ مختلف علوم کے ماہرین کے لیے بھی اس میں خاصا مواد یکجا کر دیا گیا ہے، بالخصوص ان ماہرین کے لیے جو اپنے اختصاصی دائرے سے باہر دیگر مضامین کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جامع اردو انسائیکلوپیڈیا میں شخصی آرا کی شمولیت سے حتی الامکان احتراز رکھا گیا ہے اور صرف وہی حقائق پیش کیے گئے ہیں جنھیں عمومی طور پر تسلیم کیا جاچکا ہے۔ معلومہ اور مسلمہ حقائق کی پیش کش میں انفرادی تعبیر و توجیہہ سے گریز کیا گیا ہے خواہ وہ تعبیر و توجیہہ کتنے ہی عمدہ انداز میں کیوں نہ کی گئی ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ متعلقہ مضامین کے حوالے سے وہ تمام اہم معلومات جو ہمارے زمانے میں دستیاب ہیں ان کا ایک معروضی خلاصہ کسی رائے زنی کے بغیر پیش کردیا جائے۔ اختلافی مباحث کے بیان میں مرتبین کا طریق کار یہ رہا ہے کہ کسی قسم کے ذہنی تحفظ یا تعصب کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بغیر، موافق اور مخالف دونوں طرح کے نظریات بلاکم و کاشت پیش کردیے جائیں۔ بنیادی طور پر یہ انسائیکلوپیڈیا توثیق یافتہ معلومات کا خزانہ ہے، توثیق طلب خیالات و نظریات کی کھتونی نہیں۔

اس انسائیکلوپیڈیا کے نوشتے پروفیسر فضل الرحمن مرحوم کی نگرانی میں مولانا آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدر آباد میں تیار کیے گئے تھے۔ ان کی طباعت میں چونکہ بعدِ زمانی حائل ہو گیا ہے اس لیے ان پر نظر ثانی اور اپ ڈیٹنگ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ سماجی علوم پر مشتمل جامع اردو انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب، نظر ثانی، اصلاح و اضافے کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان **پروفیسر نفیس احمد صدیقی**، پرنسپل شہید بھگت سنگھ کالج، یونیورسٹی آف دہلی، نئی دہلی، کی رہینِ منت ہے جنھوں نے نظر ثانی کی۔ شاید ان کے بغیر یہ حصہ مکمل نہ ہو پاتا۔

جامع اردو انسائیکلوپیڈیا کا یہ ابتدائی نقش ہے یقیناً اس میں کچھ خامیاں اور کمیاں بھی جگہ پا گئی ہوں گی۔ قومی اردو کونسل ان کی نشاندہی کا خیر مقدم کرے گی اور آئندہ اشاعت میں ان کے تدارک کی سعی کرے گی۔ انسائیکلوپیڈیا کی عدم موجودگی اردو کے اشاعتی ذخیرے میں ایک زبردست کمی تھی۔ قومی اردو کونسل نے اس کمی کو دور کرنے کی شروعات کردی ہے۔ مجھے امید ہے، ہماری اس کاوش کو پذیرائی حاصل ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ا

اَبِد جن (Abidjan): جمہوریہ آئیوری کوسٹ (Ivory Coast) کا صدر مقام، سب سے بڑا شہر اور گہرے پانی کا بندرگاہ ہے۔ 1898 تک یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ بتدریج ترقی کر کے ختم انیسویں صدی تک یہ ایک اہم شہر بن گیا۔ یہاں سے کافی، کوکو، عمارتی لکڑی، کیلے، اناناس (Pineapple) اور مینگنیز کی برآمد ہوتی ہے۔ مرمری (Ivory) آرٹ کا بڑا مرکز ہے۔ اس کا جنوبی حصہ صنعتی علاقہ تک پھیل گیا ہے۔ سنہ 1969 میں آبادی تقریباً 510,000 تھی۔

ابلتا چشمہ: سطح زمین میں کسی گہرے سوراخ سے گرم کھولتا ہوا پانی وقفہ وقفہ سے قوت کے ساتھ اچھلتا ہوا نکلے تو اسے ابلتا چشمہ کہا جاتا ہے۔ سوراخ کی گہرائی میں بالائی پانی کے دباؤ کے باعث آبی نقطہ ابال 100 ڈگری سنٹی گریڈ سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً پانی شدید گرم ہو کر اوپر اٹھنے لگتا ہے۔ اس کیفیت میں سوراخ پر بالائی دباؤ کم ہو جانے سے زیریں پانی کا کچھ حصہ بھاپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ بھاپ اور گرم پانی زور سے باہر نکل کر بلندیوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی جگہ لینے کے لیے اوپر کا نسبتاً سرد پانی سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد یہ بھی گرم ہو کر سوراخ سے باہر نکل آتا ہے۔ اس طرح مسلسل تبخیر اور اخراج آب کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ خارج ہونے والے پانی کے فوارے 30 سے 60 میٹر کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے چشمے آتش فشانی علاقوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ کے یلو اسٹون نیشنل پارک، یامنگ اور نیوزی لینڈ کے شمالی جزیرہ میں ایسے ابلتے چشمے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

ابن حوقل: اس مفکر نے جو بین ربطی سائنس کا علم بردار تھا، سنہ 988 میں "راستوں اور سلطنتوں" کے عنوان سے علاقائی جغرافیہ پر ایک اہم کتاب لکھی ہے۔ اس میں مختلف علاقوں کے طبعی حالات اور آب و ہوا کے اعتبار سے متعدد ذیلی خطوں کا تذکرہ کیا ہے۔ بحیرۂ کیسپین اور متصلہ علاقوں کا عمیق مطالعہ کر کے اس نے انسان اور ماحول کے باہمی رشتہ کی وضاحت کی ہے۔

ابن خلدون: چودھویں صدی عیسوی کے اس اہم مسلم تاریخ داں کا شمار سماجی علوم کے متقدمین میں کیا جاتا ہے۔ اس کی پیش کی ہوئی عالمی تاریخ بہت بلند پایہ ہے۔ اس کے مقدمہ نے اسے جغرافیائی میدان میں بڑی اہمیت دی ہے۔ اس میں اس نے پہلی بار تاریخی ارتقا کا نظریہ پیش کیا ہے۔ آب و ہوا اور ماحول کا انسانی جسم و دماغ اور بستیوں سے رشتہ بتاتے ہوئے انسانی ارتقا اور جانوروں کے حالات کی وضاحت کی ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے کثرت اور قلت کے اثرات کے نظریہ سے روشناس کرایا ہے۔ آبادیوں کے پھیلاؤ پر اثر ڈالنے والے عوامل کی صراحت کی ہے اور بتایا ہے کہ چھوٹی چھوٹی مرکزی بستیاں ترقی کر کے کس طرح بڑے شہروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ان بستیوں کی تجارتی، سماجی اور عسکری اہمیت کی وضاحت کی ہے۔ انسان پر قدرتی ماحول کے اثرات کا تذکرہ کیا ہے لیکن اسے ماحول کا کلیتاً تابع نہیں بتایا۔ اس اعتبار سے اسے جدید جغرافیائی تصورات کا پیش رو تصور کیا جا سکتا ہے۔

ابن خورداذبہ: اس مسلم مفکر کا سفر ناموں کو مرتب کرنے والے متقدمین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں مختلف علاقوں کے جغرافیائی حالات کے ساتھ ذرائع آمد و رفت کے بیان کو بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اصطخری، ابن الفقیہ، ابن رستہ اور الیعقوبی وغیرہ نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔

ابن رستہ: یہ الیعقوبی کا ہم عصر عرب مفکر جغرافیائی میدان میں مختلف عناصر اور عوامل میں بین ربطی کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس تصور میں وہ اس قدر آگے بڑھ گیا کہ مذہبی پیغمبروں کی پیدائش کو بھی آب و ہوا کا تابع بتانے لگا۔ اس نے خطہ کی انفرادیت کو تو قائم رکھا مگر انسانی انفرادیت کو قطعی اہمیت نہ دی۔

ابن فضلان: یہ خلیفہ "المقتدر" کے زمانہ کا ایک مبلغ ہے جس نے سنہ 921 میں روس کے جغرافیائی اور معاشی حالات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

ابو سینا: اس مفکر کے خیالات میں ارسطو کے تصورات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ پہاڑوں اور وادیوں کی تشکیل کے اسباب جو اس نے بتائے تھے آج کے ماہرین ارضیات کے خیالات سے کافی مطابقت رکھتے ہیں۔

ابو ظہبی (Abudhabi): یہ متحدہ عرب امارات (U.A.E.) کو تشکیل دینے والی ایک امارت (Constituent Emirate) ہے۔ اس کی بین الاقوامی حدود نزاعی ہیں۔ رقبہ 67,350 مربع کلومیٹر یعنی 26,000 مربع میل ہے۔ یہاں پٹرولیم کے بڑے خزانے موجود ہیں۔ سنہ 1972 میں آبادی تقریباً 1,000,000 تھی۔

اپر سیلور ہائیڈرو الکٹرک اسکیم: آندھرا پردیش میں گنٹاواڑا کے قریب سیلور ندی کے نشیبی موڑ پر ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے اور ایک پاور ہاؤس قائم کیا گیا ہے جس میں 60 میگاواٹ کے دو یونٹ لگائے گئے ہیں۔ یہ پراجکٹ وشاکھاپٹنم میں چتاپلی سے 64 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

اپلائٹ (Aplite): ہلکے سفید رنگ کے لیوکوکریٹک (Leucocratic) اور مہین دانے دار (Fine Grained) حجرات جن کی جماداتی اور کیمیائی ترکیب گرینائٹ (Granite) جیسی ہوتی ہے، عموماً اپلائٹ کہلاتے ہیں۔ ان حجرات میں عام طور پر ٹورمالن (Tourmaline)، پکھراج (Topaz) اور فلورائٹ جیسے جمادات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ عموماً پگمیٹائٹ (Pegmatite) کی رگ (Vein) کی طرح گرینائٹی (Granitic) حجرات کو رگ (Vein) کی صورت میں منقطع کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ یہ عموماً میگما کے ٹھوس شکل اختیار کرنے کے سب سے آخری دور کی نشانی ہوتے ہیں۔

اتر پردیش: ہندوستان کی سب سے زیادہ آبادی والی ریاست اتر پردیش کے شمال میں تبت اور نیپال، مغرب میں راجستھان، ہریانہ اور ہماچل پردیش، جنوب میں مدھیہ پردیش اور مشرق میں بہار واقع ہیں۔

اس کا رقبہ 294,413 مربع کلومیٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 139,112,287 ہے۔

اتر پردیش کے تین طبعی خطے ہیں۔ (1) شمالی پہاڑی علاقہ۔ (2) جنوبی پہاڑیاں اور سطح مرتفع اور (3) گنگا کا میدان۔ ہمالیائی پہاڑی خطے کی آب و ہوا معتدل اور بقیہ ریاست کی آب و ہوا گرم ہے۔ اوسط سالانہ بارش 94 سنٹی میٹر ہے جو زیادہ تر بارش جون سے ستمبر تک ہوتی ہے۔

اہم دریا جمنا، گنگا، رام گنگا، گنڈک، گومتی اور گھاگرا ہیں۔ یہاں ملک بھر میں سب سے زیادہ گیہوں، مکئی، تیل نکالنے کے بیج، دالیں، گنا اور آلو پیدا ہوتا ہے۔ جنگلات یہاں کے اہم قدرتی وسائل میں سے ہیں۔

اہم پراجکٹ رام گنگا، شاردا ساگر، شاردا کنال، مغربی گنڈک ہیں۔ سوتی کپڑے اور شکر کی صنعتیں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ڈیزل انجن، سمنٹ، کھاد، کافور، آٹو موبائل ٹائر، اسکوٹر، اخباری کاغذ بنانے کے کارخانے واقع ہیں۔

یہاں کی ہینڈلوم کی صنعت اور دوسری گھریلو صنعتیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ لکھنؤ صدر مقام ہے اور کانپور بڑا صنعتی شہر ہے۔

ہردوار، برنداون، متھرا، مسوری، الہ آباد اور وارانسی ہندوؤں کے متبرک اور اہم مقامات ہیں۔ آگرہ تاج محل، موتی مسجد اور قلعے کے لیے مشہور ہے۔ سکندرہ اور فتح پور سیکری وغیرہ قابل دید تاریخی مقامات ہیں۔ دریائے گنگا اور جمنا کے اطراف کا علاقہ، جس کا بڑا حصہ اب صوبہ اتر پردیش میں شامل ہے، صدیوں سے ہندوستانی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ شری رام چندر جی کا جنم یہیں ہوا تھا اور پوری رامائن اسی علاقہ کی داستان ہے۔ سری کرشن جی کی جنم بھومی متھرا بھی اسی علاقہ میں ہے۔ مہابھارت کے واقعات کا تعلق بھی اسی علاقہ سے ہے۔ ہندوؤں کی سب سے متبرک ندی گنگا اسی میں سے گزرتی ہے۔ مہاتما بدھ اور بدھ مذہب نے یہاں بہت سارے نقوش چھوڑے۔ مغل شہنشاہوں نے اپنے فن تعمیر اور فنون لطیفہ کے ذوق کو یہیں، آگرہ اور اس کے اطراف میں پروان چڑھایا۔

یہ علاقہ زمانہ قدیم سے بڑی بڑی سلطنتوں کا حصہ رہا ہے۔ بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک یہ پٹھانوں، ترکوں اور مغلوں کی سلطنت کا حصہ تھا۔ یہاں اودھ کے نوابوں کی بھی حکومت رہی۔ 1764 سے انگریزوں نے یہاں قدم جمانے شروع کیے۔ سنہ 1857 میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کا علم بھی سب سے پہلے یہیں بلند ہوا اور اس کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور سنہ 1877 میں اودھ میں آگرے کا علاقہ ملا کر آگرہ و اودھ کا صوبہ بنا دیا جو صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ کہلایا۔ آزادی کے بعد سنہ 1950 میں اس کا نام بدل کر اتر

پردیش رکھ دیا گیا۔ آج بھی اس صوبہ کو ملک کی تہذیبی اور سیاسی زندگی میں اہم مقام حاصل ہے۔

سرکاری اور بڑی اکثریت کی بول چال کی زبان ہندی ہے اور یہ صوبہ ہندی زبان و ادب کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اسی کے ساتھ اردو کو بھی یہاں کی تہذیبی اور ادبی زندگی میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔

اتھاباسکا جھیل: کینیڈا (شمالی امریکہ) کے وسط مغرب سے اس کا پھیلاؤ البرٹا اور سسکاچوان جھیلوں کے کناروں تک ہے۔ تقریباً 230 میل لمبی ہے۔ اس جھیل کا رقبہ 2,842 مربع میل ہے۔ اس کے جنوب مغربی کنارے پر دریائے اتھاباسکا اس میں آکر گرتا ہے۔ مشرقی کنارے پر دریائے فانڈ ڈی لاک اسے جھیل کری سے ملاتا ہوا خلیج ہڈسن میں جاگرتا ہے۔ شمال میں اس جھیل کے پانی کا اخراج دریائے سیلو کے ذریعہ ہوتا ہے۔

اتھل پتھلے (Turbidites): عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ رسوب پانی سے مل کر ایک گاڑھے سیال کی طرح حرکت کرتے ہیں۔ مختلف قسم کے طاسوں (Basin) میں پانی میں گھلے ملے رسوب کے ایسے سیال کافی مقدار میں بن کر بے حد تیز رفتار سے حرکت کر سکتے ہیں۔ یہ سیال کافی بھاری یعنی زیادہ کثافت اضافی کا حامل ہوتا ہے، اس لیے اس کے بہاؤ کو ثقلی روئیں (Density Currents) یا اتھل پتھل روئیں (Turbidity Currents) کہا جاتا ہے۔ یہ روئیں اپنی قوت کے باعث کافی اتھل پتھل مچا سکتی ہیں۔ مثلاً یہ طاس کے فرش یا ڈھلانوں کی کاٹ (Erosion) کر سکتی ہیں اور اتھلے پانی کے رسوب کو گہرے پانی کے علاقوں میں پہنچا سکتی ہیں۔ ایسی رووں سے بننے والے رسوب اور رسوبی حجرات اتھل پتھلے یا ٹربیڈائٹ (Turbidite) کہلاتے ہیں۔ یہ عام طور پر ارضی ہم میلانوں (Geosynclines) میں گریویک (Graywacke) یا دانہ دار رسوبی حجرات کی صورت میں جمع ہوتے ہیں۔ اتھل پتھلے کئی اقسام کی رسوبی ساختوں کے حامل ہو سکتے ہیں جیسے خصوصی ترتیب شدہ درجہ دار پرت داری (Graded Bedding)، فلوٹ کا سانچہ (Fluite Cast) (دیکھئے رسوبی) اور شعلہ نما (دیکھئے داخلی ساختیں) ساختیں عام ہیں۔

اٹک: یہ مقام پاکستان میں فوجی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں پر دریائے سندھ کو آسانی سے عبور کیا جا سکتا ہے۔ یہ تیل اور سوئی گیس (Sui Gas) کے لیے مشہور ہے۔

اٹلی (اطالیہ) (Italy): یوروپ کے جنوب میں واقع جمہوریہ اٹلی (اطالیہ) اپنی قدیم تاریخ، علوم، فنون لطیفہ، خاص طور پر دور نشاۃ ثانیہ کے فن تعمیر، مصوری، اور مجسمہ سازی کے لیے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ جمہوریہ اٹلی، یوروپ کے جزیرہ نما اپی نائن (Apenine) میں واقع ہے۔ اس جزیرہ نما کے علاوہ کئی جزائر مثلاً سسلی (صقلیہ)، سارڈینیا وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ اس کے شمال میں فرانس، سوئیزرلینڈ، آسٹریا اور یوگوسلاویہ کی مملکتیں واقع ہیں۔ اٹلی اور ان ممالک کے درمیان کوہ آلپس پھیلے ہوئے ہیں۔ مغرب میں بحیرہ ٹرہنین (Tyrhenian) اور مشرق میں بحیرہ ایڈریاٹک واقع ہیں۔ یہ دونوں بحیرہ روم کی شاخیں ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اٹلی کے کئی علاقے فرانس، یونان اور یوگوسلاویہ کو دے دیے گئے اور اس کی براعظم افریقہ کی پرانی نو آبادیات جیسے لیبیا، صومالیہ اور اری ٹیریا نے آزادی حاصل کرلی اور اری ٹیریا، ایتھوپیا کے زیر اثر دے دیا گیا۔

جمہوریہ اٹلی کا رقبہ 301,268 مربع کلومیٹر ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی تقریباً 57,652,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر روم ہے۔ زبان اطالوی (اٹیلین) بولی جاتی ہے۔ اکثریت کا مذہب رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔

جمہوریہ اٹلی کی سرحدوں کے اندر دو آزاد مملکتیں بھی ہیں۔ ایک "ویٹیکن شہر" اور دوسرے "سان مارینو"۔ سسلی اور سان مارینو کو اندرونی خود مختاری دی گئی ہے۔ ویسے پوری جمہوریہ 19 علاقوں میں بٹی ہوئی ہے اور ہر علاقہ کو تھوڑی بہت اندرونی خود مختاری حاصل ہے۔

اٹلی کے شمال میں کوہ آلپس پھیلا ہوا ہے اور اس کے دامن میں وسط اٹلی تک میدانی علاقہ پھیلا ہوا ہے جسے دریائے پو اور اس کے معاون سیراب کرتے ہیں۔ یہ علاقہ انتہائی زرخیز ہے۔ کئی خوبصورت جھیلیں، بندگارہ اور صنعتیں واقع ہیں۔ پورا علاقہ بہت خوبصورت ہے۔ ساری دنیا سے بہت کثرت سے لوگ یہاں سیر اور سیاحت کے لیے آتے ہیں۔

اٹلی میں گیہوں، جو (بارلی)، چاول، اوٹس، تمباکو بحیرہ رومی آب و ہوا کے تمام میوے، پھل اور سبزیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ بڑے پیمانے پر انگور کی کاشت ہوتی ہے، جس سے وائن شراب اور برانڈی بنتی ہے۔

اٹلی کے تمام بڑے تہذیبی مراکز مثلاً فلورنس، پیسا، بلونا، پرما اور خود

روم وسطی اٹلی میں واقع ہیں۔ جنوبی علاقہ بہت غریب اور غیر ترقی یافتہ ہے۔ زمین سے زیادہ پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔ صنعتی کچے مال کی بھی اٹلی میں بہت کمی ہے۔ صرف گندھک، پارہ، نمک اور سنگ مرمر کی کان کنی ہوتی ہے اور یہ باہر بھیجے جاتے ہیں۔ کوئلہ اور لوہا بڑے پیمانے پر درآمد ہوتا ہے۔ دریاؤں سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ کچھ گیس بھی نکلتی ہے۔ سوتی اور ریشمی کپڑے، موٹریں مشینیں اور بحری جہاز بنانے کی صنعتیں قائم ہیں۔

درآمد کا 44 فی صدی حصہ یوروپ کے ملکوں سے آتا ہے اور برآمد کا 48 فیصدی حصہ ان ہی ملکوں کو جاتا ہے۔ زیادہ تر مشینیں، موٹر گاڑیاں، کیمیائی اشیااور کپڑے برآمد ہوتے ہیں۔ سیاحی یہاں کی بہت بڑی صنعت ہے۔ یہاں کے پر فضا مقامات اور خاص طور پر رومن عہد اور نشاۃ الثانیہ کے نوادرات اور آثار کی سیر کے لیے ہر سال ساری دنیا سے ایک کروڑ سے زیادہ سیاح آتے ہیں۔

رائج سکہ لیرا ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 3,004,264 طالب علم اور 255,429 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 5,010,467 طالب علم اور حرفی مدارس میں 1,926,642 طالب علم تھے، اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1,522,824 طالب علم اور تقریباً 56,522 استاد تھے۔

تاریخ: اٹلی کی تاریخ نہایت طویل ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح سے پہلے کے حالات نہیں ملتے۔ البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ جنوبی اٹلی اور سسلی میں یونانیوں نے نوآبادیاں قائم کی تھیں۔ 800ق.م. سے قبل اتروسکن (Etruscans) مشرق قریب سے یہاں آئے تھے۔ انھوں نے مقامی آبادی کو غلام بنا کر ایک بہت بڑی سلطنت قائم کی جو انتہائی ترقی یافتہ، مہذب اور خوش حال تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں کلٹ لوگوں نے (جنھیں اطالوی مورخ گال (Gaul) کہتے ہیں حملہ کر کے اتروسکن کو وادیٔ پو سے نکال بھگایا۔ اس زمانہ میں جنوبی اٹلی پر سمنائٹ (Samnites) کا قبضہ تھا۔ انھوں نے اتروسکن کو اس طرح آگے بڑھنے سے روکے رکھا اور بعد میں انھیں کمپانیا سے نکال باہر کیا۔

پانچویں صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی عیسوی تک کا زمانہ روم اور رومن سلطنت کی ترقی کا زمانہ تھا۔ اس دور میں پورے اٹلی پر لاطینی تہذیب پوری طرح چھا گئی۔ تمام آزاد اطالویوں کو رومن شہریت حاصل ہو گئی اور اس وقت روم کو جو خوش حالی نصیب ہوئی ویسی اس کی قسمت میں کبھی پھر نہ آئی۔ شروع پانچویں صدی میں رومن سلطنت کے اور دوسرے حصوں کی طرح اٹلی میں بھی عیسائیت تیزی کے ساتھ پھیلنے لگی۔ اس زمانہ میں جرمنی کے بربر قبیلوں اور ہنوں نے حملے شروع کر دیے۔ 476 میں مغرب کے آخری رومن شہنشاہ کو گدی چھوڑنی پڑی اور یہیں سے رومن سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ مشرقی رومن سلطنت نے، جس کا صدر مقام قسطنطنیہ میں تھا، اس پر اپنا حق کبھی نہیں چھوڑا اور اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

چھٹی صدی میں عیسائیت لاطینی تہذیب و تمدن کی علم بردار بن کر ابھری۔ پوپ گیری گوری اول نے، بغیر بازنطینی امداد کے، روم اور سینٹ پیٹر کو لومبارڈوں کے حملے سے بچایا اور یہاں سے پاپائی ریاستوں کی بنیاد پڑی۔ گیری گوری اول نے اس کے ساتھ روم کو بازنطینی اقتدار سے بھی آزاد کروالیا اور اٹلی کی سیاست میں پوپ کو زبردست دخل حاصل ہو گیا۔ آٹھویں، نویں اور دسویں صدیوں میں شمال سے اٹلی پر کئی حملے ہوئے اور ریاستیں بنیں اور ٹوٹیں۔ 961 میں پوپ نے جرمنی کے بادشاہ آٹو کو اٹلی پر حملہ کرنے اور دوسرے حملہ آوروں سے بچانے کی اپیل کی۔ آٹو نے حملہ کیا، پوپ کے مخالفوں کو شکست دی اور پوپ نے اس کے سر پر اٹلی کی حکمرانی کا تاج رکھا۔ اٹلی اور جرمنی کے اس اتحاد سے 'مقدس رومن' سلطنت کی بنیاد پڑی۔ لیکن جیسے ہی جرمن فوجیں اٹلی سے واپس جاتیں مقامی بغاوتیں ہوتیں اور چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں قائم ہو جاتیں۔ اس کے نتیجہ میں ہمیشہ افراتفری رہتی۔ اس سے پوپ اور جرمن شہنشاہ میں اختلافات ابھرتے اور اس لیے شمالی اٹلی میں جاگیرداری نظام جڑ نہ پکڑ سکا۔ یہاں جگہ جگہ شہری ریاستیں قائم ہوئیں۔ اس کے برعکس جنوبی اٹلی پر ایک عرصہ تک خاندان کا تسلط رہا اور جاگیرداری نظام اپنی بدترین شکل میں مسلط رہا۔ آج تک شمالی اٹلی میں جو خوش حالی ہے اور جنوب میں جو پس ماندگی ہے، اس کی یہی وجہ ہے۔

کئی سو سال تک اٹلی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا رہا اور ان میں آپس میں سخت لڑائیاں ہوتی رہیں۔ پندرہویں صدی میں جب نشاۃ ثانیہ اپنے عروج پر پہنچا تو اسپین، فرانس، آسٹریا، وغیرہ میں طاقت ور سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں۔ اٹلی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور خانہ جنگی کا شکار تھا اس لیے ان بڑی ریاستوں کی اس پر آنکھ تھی اور وہ ان کے حملوں کا شکار رہا۔ فرانس اور اسپین کی آپس میں اٹلی پر قبضہ کرنے کے لیے کافی رقابت رہی چنانچہ 1494 میں فرانس کے بادشاہ چارلس ہشتم نے اٹلی پر حملہ کیا اور 1559 تک اس کا بڑا حصہ اسپین کے قبضہ میں چلا گیا۔ اٹلی کے سیاست دانوں خاص طور پر چارلس ہشتم اور کئی پوپ کو اس کا احساس تھا کہ بغیر اتحاد کے اٹلی کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں لیکن کوئی بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ سے اٹلی کی معاشی حالت بھی برابر گرتی گئی۔

فرانس کے انقلاب نے ایک مرتبہ پھر اٹلی کی سیاسی زندگی میں ہلچل پیدا کردی۔ نپولین بوناپارٹ نے اٹلی کے بڑے حصہ پر قبضہ کرکے تمام پرانے اداروں کو توڑ دیا۔ بڑے پیانے پر زرعی اصلاحات کیں لیکن اب بھی بہت سے حصے اسٹریا کے قبضہ میں رہے۔ پوپ سے الگ کشمکش چلتی رہی۔ آخر کار 1848 میں سارڈینیا میں ایک نیا آئین منظور کیا گیا اور وکٹر ایمنول اور اس کے خاندان کی حکومت نے اصلاحات نافذ کرنے کی کوشش کی لیکن معاشی بدحالی بڑھتی گئی۔ بے چینی ابھرنے لگی۔ ہزاروں اطالوی ترک وطن کرکے امریکہ جانے لگے۔ 1882 میں حکومت اٹلی اور جرمنی کا معاہدہ ہو گیا اور اٹلی نے افریقہ میں مقبوضات حاصل کرنے شروع کیے۔ پہلے ایری ٹیریا اور صومالیہ کے کچھ حصے کو نوآبادی بنایا۔ 1911-12 میں ترکی کے ساتھ لڑائی کے بعد اٹلی نے لیبیا پر قبضہ کرلیا۔

جب ملک کی معاشی حالت بدتر ہونے لگی اور انقلابی طاقتیں ابھرنے لگیں تو فاشسٹوں نے بنٹو مسولینی کی سرکردگی میں روم پر چڑھائی کی اور بادشاہ نے اسے اپنا وزیر اعظم بنا دیا۔ مسولینی کوئی بھی مسئلہ حل نہ کرسکا۔ آبادی کی بڑی تعداد ترک وطن کرنے لگی۔ 1935 میں مسولینی نے ایک طرف سخت فوجی راج قائم کردیا، ہر قسم کی مخالفت کو انتہائی ظلم و تشدد کے ساتھ دبایا تو دوسری طرف اپنے سامراجی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ ایتھوپیا کے بادشاہ کو ہٹا کر اس پر قبضہ کرلیا۔ دوسری طرف جرمنی میں ابھرتی ہوئی فاشسٹ طاقت کے ساتھ اتحاد کرلیا اور 1936 میں ان دو فاشسٹ ملکوں نے ایک سامراجی محور قائم کرلیا تاکہ فوجی طاقت کی مدد سے ساری دنیا کو پھر سے تقسیم کیا جاسکے۔ 1936-39 میں اسپین کی خانہ جنگی میں فرانکو کی حمایت میں اٹلی نے مداخلت کی۔ 1939 میں اس نے البانیا پر قبضہ کرلیا۔ 1940 میں دوسری عالم گیر جنگ میں مسولینی ہٹلر کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اور اپنی فوجیں افریقہ اور یونان بھیجیں جہاں انھیں منہ کی کھانی پڑی اور صرف ہٹلر کی فوجیں اسے بچا سکیں۔ 1941 میں مسولینی نے سوویت یونین اور امریکہ کے خلاف بھی اعلان جنگ کردیا۔ لیکن جولائی 1943 تک اس کا افریقہ کا سارا علاقہ ہاتھ سے نکل چکا تھا اس کی فوجیں تباہ ہو چکی تھیں اور اتحادی فوجیں سسلی میں اتر چکی تھیں۔ پورے ملک میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ستمبر 1943 میں اٹلی کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیے لیکن جرمن فوجوں نے بڑھ کر شمالی اور جنوبی اٹلی پر قبضہ کرلیا۔ مسولینی گرفتار ہو گیا۔ جیل سے بھاگ کر حکومت قائم کرنے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے اسے پکڑ کر قتل کردیا۔

جنگ کے زمانہ میں عارضی حکومتیں رہیں۔ جنگ کے بعد عام رائے سے بادشاہت ختم کردی گئی اور اٹلی ایک جمہوریہ بن گیا۔ پہلی جمہوری حکومت میں اٹلی کی کرسچین ڈیماکریٹک پارٹی، کمیونسٹ پارٹی اور سوشلسٹ پارٹیوں نے حصہ لیا۔ بعد میں سوشلسٹ پارٹی میں پھوٹ پڑنے سے صرف کرسچین ڈیماکریٹک حکومت اور پھر سوشلسٹ پارٹی کے دائیں بازو کے تعاون سے حکومتیں بنتی رہیں۔ لیکن کمیونسٹ پارٹی اور بائیں سوشلسٹ پارٹی کا اثر ملک کی سیاست پر بہت گہرا رہا ہے۔ اکثر صورتوں میں حکومت کو ان کے پروگراموں کے بہت سے حصوں کو ماننا پڑا ہے۔

یکم جنوری 1946 کو ایک نیا ریپبلکن آئین مرتب ہوا اس کے بعد 1955، 1962، 1964، 1971، 1978 اور 1985 میں صدر تبدیل ہوتے رہے۔ 1992 میں آسکر لیگی اسکالفورو صدر بنا۔ گوکہ ملک میں سیاسی انتشار رہا لیکن معاشی اور معاشیاتی خوش حالی 1950 سے 1970 تک برابر بڑھتی رہی۔ 1974 کے وسط میں اٹلی کو سب سے زیادہ خراب معاشیاتی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ موجودہ اٹلی میں منشیات (ڈرگ) ایک بہت بڑا مسئلہ بن گئیں ہیں۔ یورپ کے تمام ملکوں میں سب سے زیادہ منشیات کا استعمال اٹلی میں ہوتا ہے۔

اجتماعی رکازی منطقہ (Assemblage Zone): جس کی شناخت محض واحد اشاری باقیہ، اشاری رکاز (Index Fossil) (ملاحظہ ہو اشاری باقیہ Index Fossil) کی بجائے پورے باقیاتی اجتماع کے مطابق کی جائے، اجتماعی رکازی منطقہ کہلاتا ہے۔

اجمیر: راجستھان (ہندوستان) کا ایک چھوٹا شہر ہے۔ یہ مشہور صوفی خواجہ معین الدین چشتی" کے مزار کے لیے مشہور ہے جو سنگ مرمر سے تعمیر کیا ہوا ہے۔ یہ مقام اراولی پہاڑیوں میں تاراگڑھ پہاڑی کے نچلے حصہ پر واقع ہے۔ شہر کے شمال میں ایک بڑی مصنوعی جھیل ہے جو "انا ساگر" کہلاتی ہے اسی کے قریب فائے ساگر جھیل ہے جو شہر کو پانی مہیا کرتی ہے۔ تاراگڑھ پہاڑی کے نچلے حصہ پر ایک جین مذہب کا مندر بھی ہے جس میں چالیس ستون ہیں جو اب بھی باقی ہیں۔ ہر ستون کا طرز تعمیر علیحدہ ہے۔

اجنتا (Ajanta): ریاست مہاراشٹرا (ہندوستان) میں اورنگ آباد کے اجنتا کے غار ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ ان غاروں کی نقاشی بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے۔ یہ غار جو تعداد میں تیس (30) ہیں، جل گاؤں سے 61 کلومیٹر

اور اورنگ آباد سے 115 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ان غاروں کی نقاشی اور سنگ تراشی کو دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

اچھابل: وادی کشمیر کا یہ حصہ ٹراوٹ مچھلیوں کے لیے مشہور ہے۔

احمد آباد (Ahmedabad): احمد آباد جو حال تک گجرات کی راجدھانی تھا، مغربی ہندوستان کا ممبئی شہر کے بعد دوسرا بڑا صنعتی شہر ہے۔ سنہ 1411 میں سلطان احمد شاہ نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی اور اسی کے نام سے یہ شہر مشہور ہے۔ یہ شہر اپنی تاریخی عمارتوں کے لیے معروف ہے۔ اس شہر کی مسلم عمارت سازی میں ہندو مسلم طرز کا نادر امتزاج ملتا ہے۔ سر تھامس رو نے جو شہنشاہ جہانگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا تھا، سنہ 1615 میں اس شہر کے بارے میں کہا تھا کہ "یہ خوبصورت شہر لندن کے مساوی بڑا شہر ہے"۔ شہنشاہ جہانگیر اور شاہجہاں نے بھی اس شہر کی تعریف کی تھی اور ماضی قریب میں مہاتما گاندھی نے جنوبی افریقہ سے واپسی کے بعد اسی شہر سے اپنی "عدم تشدد" کی تحریک کی ابتدا کی تھی۔

احمد آباد ملک کی پارچہ بافی کی صنعت کا دوسرا بڑا مرکز ہے اور اسے مشرق کا مانچسٹر کہا جاتا ہے۔ اس شہر میں 70 سوتی کپڑے کی ملیں ہیں جن میں 125,000 آدمی کام کرتے ہیں اور یہاں سے ملک کے مجملہ سوتی کپڑے کا 25 فیصدی حصہ حاصل ہوتا ہے۔

جامع مسجد احمد آباد کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ 1423 میں سلطان احمد شاہ نے اس کی تعمیر کی تھی۔ اس مسجد کے قریب بادشاہ نو جیرو کا مقبرہ ہے جس میں بانی شہر دفن ہے۔ نوجیرو کے مقابل رانی نوجیرو ہے، جس میں ملکہ دفن ہے۔ رانی روپ متی کی مسجد، سلطان محمود بیگارو کی ہندو بیوی کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کی تعمیر 1430-1440 کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر میں ہندو مسلم فن تعمیر کا امتزاج ہے۔ رانی سپری مسجد دوسری شاندار مسجد ہے۔ یہ بھی ہندو مسلم تعمیر کا نمونہ ہے۔ یہ مسجد اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مسجد نگینہ کہلاتی ہے۔ روضۂ سرکھی میں سلطان محمود بیگارو کا مقبرہ ہے اس کے قریب میں احمد کھاٹو "گنگ بخشی"، ایک مسلم صوفی کا مقبرہ ہے جنھوں نے احمد شاہ کو اس شہر کی تعمیر میں مدد دی تھی۔ احمد آباد کی ایک اور مشہور عمارت سدی بشیر مسجد ہے جو سارنگا پور گیٹ کے بیرونی حصہ میں واقع ہے۔ یہ ارتعاشی میناروں یعنی ہلنے والی میناروں کی مسجد کہلاتی ہے۔ جو پیسا کے جھکے ہوئے مینار کی یاد دلاتی ہیں۔ اسی طرح کی دوسری مسجد راج بی بی کی مسجد ہے۔ جھیل کنکاریا احمد آباد کی مشہور تفریح گاہ ہے۔ اس جھیل کو سلطان قطب الدین نے سنہ 1451 میں تعمیر کروایا تھا۔ اس کا رقبہ 29 ہیکٹر ہے۔

احمد آباد کی آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 3312,216 ہے۔ یہاں کی خاص صنعت پارچہ بافی ہے، جس میں 125,000 سے زیادہ مزدور کام کرتے ہیں۔ اس شہر سے ملک کا تقریباً 25 فی صد کپڑا حاصل ہوتا ہے۔ اس کی صنعتی اہمیت کی وجہ سے اس کو "مینچسٹر آف انڈیا" کہا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ احمد آباد کی کنکرا جھیل ایک تفریحی مرکز ہے، اس کے متصل ایک پہاڑی باغ ہے جو خوشگوار اور تفریحی مقام ہے۔ احمد آباد کئی ہندو اور جین مندروں کے لیے بھی اہم ہے۔ احمد آباد کی خاص یونیورسٹی گجرات یونیورسٹی ہے۔

احمد نگر: مہاراشٹر کا ایک ضلع ہے۔ اس ضلع کے صدر مقام کا نام بھی احمد نگر ہے۔ 1494 میں نظام شاہ بحری نے آباد کیا تھا۔ بعد میں یہ دولت سندھیا کے قبضہ میں آیا۔ 1817 کے پونا معاہدہ کے تحت انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ یہاں سے روئی اور ریشم کی تجارت ہوتی ہے۔ یہاں کی اہم پیداوار روئی، دیگر اجناس، دالیں اور گیہوں ہیں۔ شہر احمد نگر میں سوتی کپڑے کے کارخانے اور کئی چھوٹی صنعتیں بھی قائم ہیں۔

اختلافی تراز پیائی سے شکل کی تیاری: نتیجہ تین مقامات کے درمیانی فاصلے اور ان کی بلندیاں ایک جدول میں لکھ دی جاتی ہیں۔ جدول کے داہنی طرف سے پہلے خانہ میں تین مقامات کے درمیانی فاصلے لکھے جاتے ہیں۔ دوسرے خانہ میں انہی مقامات کی بلندیاں بھی درج کی جاتی ہیں۔ دونوں اندراجات کی مدد سے زیر پیمائش علاقہ کی یک رخی شکل تیار کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں دو مناسب پیمانے منتخب کیے جاتے ہیں۔ افقی پیمانہ علاقہ کے پھیلاؤ کو دکھائے گا اور عمودی پیمانے سے بلندیاں ظاہر ہوں گی۔ دونوں پیمانے ایک ہی رکھے جائیں تو بلندیاں زیادہ نمایاں نہ ہو پائیں گی۔ اسی لیے بالعموم عمودی پیمانہ ضرورت کے مطابق پانچ یا دس گنا زیادہ کر دیا جاتا ہے۔

اختلافی سطح پیائی: تراز پیا کی سطح درست کر لینے کے بعد دوربین کو اندازہ سے اسٹاف کے مقابل کر کے روزن چشم یا آنکھ پارہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ نظر نہ آئے تو دوربین کو کچھ دائیں حرکت دیتے ہیں ساتھ ہی پہلو کے پیچ (اسکرو) کو بھی گھمایا جاتا ہے۔ اس طرح ماسکہ درست ہو جاتا ہے۔ آلہ کے اندرونی حصہ میں آگے کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

طرف دکھائی دینے والا درمیانی تار جو افقی سمت میں پھیلا رہتا ہے نمایاں نہ ہو تو روزن چشم (آنکھ پارہ) کو گھما کر قدرے آگے پیچھے کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جس طرح شکل میں دکھایا گیا ہے ابتدائی مقام "ا" پر اسٹاف رکھ کر مقام "د" سے دوربین کے ذریعہ عقبی مشاہدہ پڑھ لیتے ہیں۔ بعد ازاں اسی مقام "د" پر دوربین کو گھمانے کے بعد مخالف سمت میں "ب" پر رکھے ہوئے اسٹاف کو دیکھ کر پیش مشاہدہ نوٹ کر لیا جاتا ہے۔ دونوں مشاہدات کے وقت دوربین کے اندر کا درمیانی تار جو افقی سمت میں پھیلا رہتا ہے اسٹاف کے کسی نہ کسی نشان پر ضرور منطبق ہوتا ہے۔ ان نشانات کو پڑھ لیں تو پیش مشاہدات اور عقبی مشاہدات کو بآسانی نوٹ کیا جا سکتا ہے۔

پیش مشاہدہ نیز عقبی مشاہدہ
(Forward and Back Bearing)

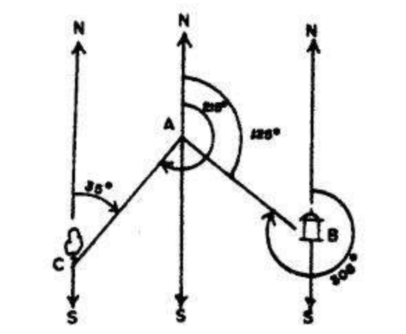

شکل میں ابتدائی مقام "ا" یعنی بینچ مارک (B.M) کی بلندی مفروضہ یا معلومہ ہوتی ہے۔ "ا" اور "ب" کے درمیان رکھے ہوئے آلہ سے "ا" کی طرف دیکھتے ہوئے عقبی مشاہدہ (Back Sight) کو اس معلومہ یا مفروضہ بلندی میں جوڑ دیتے ہیں۔ حاصل جمع میں سے پیش مشاہدہ کو گھٹا دیا جاتا ہے۔ حاصل تفریق سے "ب" کی تخفیف شدہ سطح (R.L) ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آلہ سے "ب" اور "ج" کے درمیان کسی مناسب مقام پر درج بالا عمل کو دہرا لیا جائے تو "ج" کی تخفیف شدہ سطح (R.L) معلوم ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی مختلف مقامات کے درمیان کے افقی فاصلے بھی ناپ لیے جاتے ہیں۔ پیمائشی مشاہدات کو مناسب حسابی عمل کے اضافہ کے ساتھ درج ذیل جدول کی شکل میں ترتیب دے لیا جاتا ہے۔

افقی فاصلہ	تخفیف شدہ سطح (RL)	پیش مشاہدہ	عقبی مشاہدہ	تبدیلی مقامات
ا تا ب 12.4	100 مفروضہ			
	100 0.155 - 3.040	3.040	0.155	"ا" تا "ب"
	97.115			
ب تا ج 22.7	97.1 150.625 - 2.350	3.390	.	ج
	95.390			
پہلے اور آخری مقامات کی بلندی کا فرق		مجموعہ	مجموعہ	حسابی جانچ
		4.61	5.39	0.780
پیش مشاہدہ اور عقبی مشاہدہ کا فرق		4.61		

اختلال یا گسل: دیکھیے گسل یا اختلال۔

اراتاستھنیز: یونان کے اس محقق نے آباد دنیا کا ایک نقشہ تیار کیا جس کا شرقاً غرباً طول 7,800 میل اور شمالاً جنوباً عرض 3,800 میل بتایا۔ جنوبی نصف کرہ میں آباد علاقوں کے تعلق سے قیاس آرائیاں کیں۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے سورج کی مدد سے کرہ ارض کے محیط کو ناپنے کا سائنسی طریقہ دریافت کیا۔ اپنے حساب سے اپنے ارضی محیط کا پھیلاؤ 25,200 میل بتایا اور ایک درجہ کے زاویائی فرق کو سطح زمین پر 70 میل کے مساوی ثابت کیا۔

اراکان یوما: مغربی مینمار (برما) کا یہ پہاڑی سلسلہ ساحل اراکان اور ایراودی کی وادی کے درمیان شمالاً جنوباً 600 میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی پاؤکساتانگ سطح سمندر سے 5,604 فٹ بلند ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ مینمار اور ہندوستان کے درمیان ایک طبعی حد بندی کا کام کرتا ہے اور جنوب مغرب کی بارانی موسمی ہواؤں کو وسطی مینمار تک پہنچنے سے روک دیتا ہے۔

اراکو ویالی: آندھرا پردیش (ہندوستان) میں وشاکھاپٹنم سے 127 کلومیٹر دور ایک خوبصورت وادی ہے جہاں پہنچنے کے لیے ایک اچھی پختہ سڑک ہے۔ یہ مشرقی گھاٹ کے پہاڑی سلسلہ میں سے ایک پہاڑی وادی ہے۔ یہاں آدی باسیوں کی کافی آبادی ہے۔

اراولی کی پہاڑیاں (اراولی رینج): راجستھان (ہندوستان) کا مشہور ماؤنٹ آبو اسی پہاڑی سلسلہ کی ایک اونچی چوٹی ہے۔ یہ دنیا کے قدیم ترین پہاڑوں میں سے ایک ہے۔

ارتفاع پیما: یہ ایک قسم کا انی رائڈ باد پیما ہے جو بالخصوص ہوائی جہازوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے "ڈائل" کی درجہ بندی سے ہوا کے دباؤ کے بجائے

اوسط سطح سمندر کی اضافت سے ہوائی جہاز کی بلندی معلوم ہو جاتی ہے۔

ارتقائی عناصر: کسی نوع یا عضویات کے گروہ کی تقسیم پر زمانہ اور اصل مقام پیدائش کا اثر پڑتا ہے۔ وہ تمام نباتات اور حیوانات جنھوں نے کسی خاص ارضیاتی دور میں نشو و نما پائی تھی، آج زندہ نہیں ہیں۔ بے شمار انواع ارضیاتی اور آب و ہوائی تبدیلیوں اور دوسرے انواع سے مقابلے وغیرہ کی وجہ سے ختم ہو گئے ہیں۔ تاہم کسی گروہ کی مدت حیات کی، اس کے موجودہ جغرافیائی مدارج کی حد میں کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہے، مثلاً ارضیاتی حادثات، جیسے بعض خشکی کے علاقوں کے منہدم ہو جانے کی وجہ سے ان راستوں کی تباہی اور بربادی واقع ہوئی جن کی مدد سے قدیم جسمانی شکلیں نقل وطن کرتی تھیں۔ چونکہ اب ایسے وسیع راستے پھیلاؤ کے لیے باقی نہیں رہے ہیں اس لیے نئے جانداروں کی نقل و حرکت زیادہ محدود ہو گئی ہے۔ نباتات کو فطری عناصر اسی طرح متاثر کرتے ہیں جیسے کہ وہ حیوانات کو متاثر کرتے ہیں۔ نباتات کی مخصوص حیاتی شکلیں ہوتی ہیں جن کا انحصار فطری خصوصیات پر ہوتا ہے۔ ان حیاتی اشکال کا نباتات کی تقسیم پر کسی قدر اثر ضرور ہوتا ہے۔ عضویات مخصوص فطری ماحول سے مطابقت پیدا کر لیتے ہیں، اس لیے وہ جب اس مخصوص فطری ماحول سے باہر نکلتے ہیں تو زندہ نہیں رہ سکتے۔ کم از کم ان کو اس نئے فطری ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ قدرتی عناصر انواع کی تقسیم کو محدود کر دیتے ہیں۔ ایک طبعی روک جو ایک نوع کے لیے مزاحمت کا باعث ہوتی ہے، وہی دوسری نوع کے لیے تقسیم اور پھیلاؤ کے راستے کھول دیتی ہے۔ بے شمار نباتات انتشار کے لیے مخصوص مطابقتوں کی حامل ہوتی ہیں۔ انتشاری میکانیتیں مختلف النوع ہوتی ہیں۔ ان میں پردار اور آنکوچہ بیج جو ہوا سے اڑ سکتے ہیں، تخمی ڈوڈے جو بیجوں کو باہر پھینکنے کے لیے فوراً پھٹ پڑتے ہیں، پھل جو گول ہوتے ہیں اور لڑھک سکتے ہیں اور ایسے پھل جو پانی پر تیر سکتے ہیں اور جن پر پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا، شامل ہیں۔

ارجنٹینا (Argentina): ارجنٹینا آبادی کے لحاظ سے جنوبی امریکہ کی دوسری سب سے بڑی جمہوریہ ہے۔ اس کا رقبہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے رقبہ کا ایک تہائی یعنی 2,766,889 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 32,713,000 ہے۔ اس کے مشرق میں بحر اوقیانوس اور مغرب میں چلی کا علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ شمال اور شمال مغرب نیز شمال مشرق میں یوراگوے اور برازیل واقع ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر بیونس آئرس ہے جس کی آبادی 30 لاکھ سے زیادہ ہے۔ سرکاری اور عام بول چال کی زبان ہسپانوی ہے۔ بڑی اکثریت رومن کیتھولک عیسائیوں کی ہے۔

طبعی طور پر ارجنٹینا کو پانچ بڑے حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ شمال مغربی انڈیز کا ہے۔ یہ تقریباً 300 میل چوڑا پہاڑی اور سطح مرتفائی علاقہ ہے۔ بارش کم ہوتی ہے اس لیے آبادی بھی کم ہے۔ ارجنٹینا ہی میں ہسپانوی سب سے پہلے آکر بسے تھے۔ مویشیوں کی افزائش اور گنے کی کاشت پر یہاں کی معیشت قائم ہے۔ اس کے مشرق میں دوسرا علاقہ ہے جو چیکو (Chico) کہلاتا ہے۔ یہ دو سو میل چوڑے میدان پر مشتمل ہے۔ انڈیز کے پہاڑوں سے نکلنے والے نالے اور ندیاں مٹی بہا کر لاتی ہیں جس سے پورے علاقے کی زمین زرخیز ہو گئی ہے۔ پورا علاقہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ آب ہوا سخت گرم اور مرطوب ہے۔ بارش 50 سینٹی میٹر سے 125 سینٹی میٹر (20 سے 50 انچ تک) ہوتی ہے۔ آبادی کم ہے معاشی طور پر بھی اس سے ابھی تک زیادہ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکا۔ مویشی پالے جاتے ہیں۔ روئی کی کاشت ہوتی ہے اور جنگلوں سے ساگوان لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔

تیسرا علاقہ شمال مشرق کا ہے جو اکثر میسوپوٹامیہ بھی کہلاتا ہے۔ صرف دو صوبوں پر مشتمل ہے اور دونوں دریائے پرانا کے مشرق میں واقع ہیں۔ بارش بہت ہوتی ہے اس لیے علاقہ دلدلی ہے۔ جنگل بہت ہیں۔ گھاس بھی خوب اگتی ہے۔ گرمیوں میں شدید اور مرطوب گرمی ہوتی ہے۔ سردیوں میں معمولی سردی ہوتی ہے۔ یہ بہت زرخیز علاقہ ہے۔ چوتھا علاقہ پمپاس کہلاتا ہے جو صدر مقام بیونس آئرس کے مغرب میں 560 سے 640 کلو میٹر (350 سے 400 میل) تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کل رقبہ پورے ملک کا پانچواں حصہ ہے۔ بارش اچھی ہوتی ہے اور علاقہ زرخیز ہے۔ پمپاس کا علاقہ ارجنٹینا کی معاشی زندگی کا مرکز ہے۔ بڑے پیمانے پر گیہوں کی کاشت ہوتی ہے اور مویشی پالے جاتے ہیں۔ پانچواں اور آخری حصہ پیٹگونیا (پاٹاگونیا) (Patagonia) کہلاتا ہے۔ یہ پمپاس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ ایک بنجر سطح مرتفائی علاقہ ہے۔ زمین پتھریلی ہے اور صرف گھاس اُگ سکتی ہے۔ اس لیے بھیڑیں اور بکریاں پالی جاتی ہیں۔

ملک کا سکہ پیسو (peso) ہے۔ درآمد زیادہ تر امریکہ، مغربی جرمنی، جاپان، برازیل، لیبیا، اٹلی اور چلی وغیرہ سے اور برآمد اٹلی، برازیل، امریکہ، ہالینڈ، روس، چلی اور برطانیہ وغیرہ سے ہوتی ہے۔ برآمد کا سولہ فیصدی مکئی اور گیارہ فیصدی گوشت اور سات فیصدی گیہوں ہے۔

3 لاکھ میٹر سڑکیں اور چالیس ہزار میٹر ریلوے لائن ہے۔ تقریباً ایک کروڑ ریڈیو اور 40 لاکھ سے اوپر ٹیلی ویژن سیٹ ہیں۔ ارجنٹینا دنیا کے سب سے

بڑے گیہوں پیدا کرنے والے ملکوں میں سے ہے۔ سالانہ 820,000 میٹرک ٹن گیہوں اور 770,000 میٹرک ٹن مکئی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو (بارلی)، سورگھم، لوٹس، چاول، آلو، تمباکو، روئی، تیلوں کے بیج وغیرہ کی بھی بڑے پیمانے پر کاشت ہوتی ہے۔ پھلوں میں سیب، لیموں، آرنج، انگور وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گائیں، بکریاں، سور اور مرغیاں وغیرہ کثرت سے ہوتی ہیں، جو زیادہ تر غذا کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

زمین سے تھوڑا سا تیل اور گیس بھی نکلتی ہے۔ سیمنٹ، کچے لوہے، سوتی کپڑے، مصنوعی دھاگے (نائلان) اور موٹر بنانے کی صنعتیں ہیں۔

جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 1991 میں 4,874,306 اور استادوں کی تعداد 275,162 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 1,974,119 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 816,888 طالب علم اور 1,077,212 استاد تھے۔

تاریخ: وہ علاقہ جو آج کل ارجنٹینا میں شامل ہے سب سے پہلے ہسپانوی مہم جویوں نے یوان ڈیاز ڈسولو (Juan Diaz desolo) کی سرکردگی میں 1516 میں دریافت کیا تھا۔ پرتگال نے اس کے بڑے حصہ پر اپنی عمل داری کا دعویٰ کیا۔ 1916 کے ختم تک یہ پورا علاقہ ہسپانوی اقتدار میں آگیا۔ 1910 میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت کی اور 1916 میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اسپین نے ایک طویل عرصہ تک مزاحمت کی۔ لڑائیاں ہوتی رہیں اور آخر کار 1842 میں اس نے اس کی آزادی کو تسلیم کر لیا۔ 1853 میں ایک آئین بنا جس کے تحت یہاں ایک جمہوریہ قائم کی گئی۔ 1890 میں حکومت کی بدانتظامی اور رشوت خوری کے خلاف بغاوت ہوئی اور انقلاب برپا ہوا۔ پہلی عالم گیر جنگ کے زمانے میں ارجنٹینا غیر جانب دار رہا اور بیرونی تجارت کے ذریعہ خوب دولت اکٹھا کی۔ جنگ کے بعد شروع ہی سے یہ جمعیۃ اقوام (League of Nation) کا ممبر رہا۔ دولت اور اثر کے لحاظ سے جنوبی امریکہ کا یہ سب سے اہم ملک بن گیا۔ تقریباً تین چوتھائی صدی تک یہاں کے لوگوں نے انتہائی پرامن زندگی بسر کی۔ دوسری جنگ عظیم سے عین پہلے اور اس کے شروع کے دور میں فاشزم نے بڑے پیمانے پر یہاں سر اٹھایا۔ جنگ سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کے جذبہ نے شدت اختیار کر لی۔ چنانچہ اس پورے دور میں وہ الگ تھلگ رہا۔ جنوبی امریکہ کے دوسرے ملکوں کا ساتھ نہیں دیا۔ صدر رامون کاسٹلو (Ramon Castillo) ڈکٹیٹر بن بیٹھا اور ہر قسم کی شہری آزادیوں کا خاتمہ کر دیا۔ جون 1943 میں اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور فوج کے ایک گروہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور پارلیمنٹ کو ختم کر کے آئین کو معطل کر دیا۔

جرمنی اور جاپان سے تعلقات توڑ لیے اور 1945 میں ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ بعد میں وہ مجلس اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا۔

فروری 1946 اور پھر 1951 میں وزیر دفاع یوان پیرون (Juam Peron) صدر مملکت منتخب ہوا۔ تقریباً دس سال کے عہد صدارت میں اسے فوج اور ٹریڈ یونینوں کی تائید حاصل رہی۔ شروع میں رومن کیتھولک چرچ نے بھی تائید کی۔ ان سب کی مدد سے وہ ڈکٹیٹر بن بیٹھا۔ اپنے دور حکمرانی میں اس نے بڑی بڑی صنعتوں اور مالی اداروں کو قومی ملکیت بنا لیا۔ اور تجارت پر سرکاری اجارہ داری قائم کر دی۔ مزدوروں کی اجرت بڑھا دی اور 1949 میں ایک نیا آئین نافذ کیا جس نے 1853 کے آئین کی جگہ لے لی اور مخالفوں کے تمام رسالے اور اخبارات بند کر دیے گئے۔ عورتوں کو پہلی مرتبہ سیاسی حقوق دیے گئے۔ نتیجہ میں اس کی مخالفت برابر بڑھتی رہی۔ 1954 میں جب اس نے ارجنٹائن کے رومن کیتھولک کلیسا پر حملہ کیا تو فوج کا ایک حصہ بھی اس کے خلاف ہو گیا اور فوج نے اسے 1955 میں اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد مختلف جنرل اس کے جانشین بنے۔ بعد میں انھوں نے انفرادی آزادی بحال کی۔ تجارت پر سے سرکاری اجارہ داری ختم کی اور 1853 میں ایک لبرل آئین نافذ کیا اور انتخابات کروائے۔ ریڈیکل پارٹی کے ڈاکٹر آرتورو فرانڈزی (Dr. Arturo Frondzi) صدر چنے گئے۔ اس کے بعد معاشی بحران شروع ہوا۔ نئے انتخابات میں 'پیرون' کے حامی اکثریت میں آگئے لیکن انھیں اقتدار حاصل کرنے نہیں دیا گیا اور مارچ 1962 میں فوج نے خود اقتدار سنبھال لیا اور سینیٹ کے صدر جوس مانا گیڈو (Juse Mana Guido) کو صدر بنا دیا۔ جولائی کے انتخابات میں پیرون مخالف ڈاکٹر آرتورو ایلیا (Dr. Arturo Illia) صدر بنائے گئے۔ اس دوران عدم استحکام کی وجہ سے ملک کی معاشی حالت برابر خراب ہوتی گئی۔ چنانچہ 18 سال کی جلاوطنی کے بعد قوم نے پیروں کو پھر سے بلایا اور اکتوبر 1973 میں اسے صدر بنا دیا گیا لیکن فوراً ہی لوگوں نے محسوس کیا کہ اب وہ نہ تو ملک پر کنٹرول قائم کر سکتا تھا اور نہ امن وامان برقرار رکھ سکتا تھا۔ جولائی 1974 میں جب اس کا انتقال ہوا تو ملک کی حالت کافی ابتر تھی لیکن جولائی 1974 میں اس کی بیوی ماریا استیلا (نائب صدر) صدر پیروں کی جانشین بنی۔ اس کے دور میں ملک کو سخت بحران، خلفشار اور تشدد کا سامنا کرنا پڑا اور فوج کے ساتھ اس کا تصادم بڑھتا گیا۔ ملک میں افراط زر 600 فیصدی کے حساب سے بڑھنے لگا۔ چنانچہ 24 مارچ 1976 کو فوج نے ماریا استیلا کو صدارت سے ہٹا دیا اور فوجی راج پھر سے قائم کر دیا گیا۔ جورگے رافل ویڈلا 1981 تک صدر رہا۔ 1981 میں ہی ارجنٹینا نے جزائر فاک لینڈ پر اپنے حقوق کا دعویٰ ادارہ اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ گو کہ ان

جزائر پر برطانیہ کا 150 سال سے قبضہ تھا لیکن ارجنٹینا نے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے 2 اپریل 1982 کو ان جزائر میں سے جزیرہ ساؤتھ جارجیا پر فوجی قبضہ حاصل کرلیا۔

1983 میں راؤل الفانیسن صدر بنا۔ 1988 میں کارلوس ساؤل مینم صدر بنا۔ لیکن ملک کی معاشی حالت بالکل خراب رہی۔

اردن (Hashemite Kingdom of Jordan): اردن، جہاں ہاشمی شاہی طرز حکومت قائم ہے 97,740 مربع کلو میٹر (37,737 مربع میل) رقبہ پر مشتمل ہے۔ اس میں سے تقریباً 2,350 مربع کلو میٹر رقبہ دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع ہے جس پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ اس ملک کی آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 4,145,000 ہے۔ اس کا پایۂ تخت عمان ہے۔ اس کی آبادی کے دیگر اہم مراکز میں یروشلم کا اردنی علاقہ جیریکو (JERICHO) اور نیلوس قابل ذکر ہیں۔ اس کے شمال میں سیریا (شام)، مشرق میں عراق، مشرق اور جنوب میں سعودی عرب اور مغرب میں اسرائیل واقع ہیں۔ سمندر تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ عقبہ کا بندرگاہ ہے جو تقریباً دس میل کے فاصلہ پر خلیج عقبہ میں واقع ہے۔ اردن کی 94 فی صدی آبادی مسلمان اور 6 فی صدی عیسائی ہے۔ زبان عربی ہے۔

اردن کا بیشتر علاقہ پہاڑی ہے جہاں متعدد خانہ بدوش قبیلے آباد ہیں۔ مغربی حصہ میں بڑے پیمانے پر زراعت ہوتی ہے۔ گیہوں، ترکاریاں اور میوے یہاں کی اہم پیداوار ہیں۔ مویشی بھی کافی پالے جاتے ہیں۔ اردن بحیرۂ لوط (بحیرہ مردار) سے فاسفیٹ اور پوٹاش حاصل کرتا ہے۔ جنوبی علاقہ میں تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ صنعتیں بتدریج بڑھ رہی ہیں۔ برطانوی امداد سے تقریباً 416 کلو میٹر (280 میل) لمبی ریلوے لائن بچھادی ہے جو جنوب میں عمان سے ہوتی ہوئی دمشق تک چلی گئی ہے۔ برآمدات کا 40 فی صدی فاسفیٹ، 11 فیصدی نارنگیاں اور 11 فیصدی ترکاریاں ہیں۔ ہر سال یہاں 7 لاکھ سے بھی زیادہ سیاح آتے ہیں۔ برآمدات زیادہ تر سعودی عرب، سیریا (شام)، ایران اور کویت کو جاتی ہیں اور درآمدات مغربی جرمنی، امریکہ، برطانیہ، جاپان اور اٹلی سے آتی ہیں۔

رائج سکہ اردنی دینار ہے۔

تعلیم: 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 40,694,000 طالب علم اور 2,424 استاد ہیں۔ ثانوی مدارس میں 109,429 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 46,068 طالب علم ہیں۔ یہاں پر صرف دریائے اردن کے مشرقی حصہ ہی کے حالات مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔ جدید اردن کا چپہ چپہ مذہبی روایات اور تاریخی آثار سے بھرا پڑا ہے۔ یہ تقریباً وہی علاقہ ہے جس کا ذکر انجیل مقدس میں عمان یا بشسان، اردوم اور معبا کے ناموں سے آتا ہے۔ علاقہ کو چوتھی صدی ق۔م۔ میں سلوکیوں نے فتح کیا تھا پھر یہ نبطیوں (Nabatians) کی سلطنت کا حصہ بنا جس کا پایۂ تخت پہلی صدی ق۔م۔ سے پہلی صدی عیسوی تک پیٹرا (Petra) تھا (جس کے آثار ابھی تک موجود ہیں)۔ ساتویں صدی کے وسط میں اس پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور مختلف خلفا کے زیر اقتدار رہا۔ پھر یروشلم کی لاطینی سلطنت میں بھی شامل رہا اور اس کے بعد مصر کے مملوک بادشاہوں کی عملداری میں آگیا۔ سولھویں صدی میں یہ سلطنت عثمانی کی حدود میں ضم کرلیا گیا اور پہلی جنگ عظیم تک اس سلطنت کی حکمرانی میں شامل رہا۔ 1920 میں اردن، فیصل اوّل کی چند سالہ حکومت کا حصہ بنا لیکن جلد ہی اس پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ اردن جو فلسطین کے ایک حصہ کی حیثیت سے لیگ آف نیشنز کے تولیتی نظم میں شامل تھا برطانیہ کے زیر انتظام دے دیا گیا۔ 1923 میں برطانیہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ اردن کو ہاشمی خاندان کے حسین ابن علی کے لڑکے عبداللہ کی زیر نگرانی آزاد کردیا جائے۔ بعض صیہونی (یہودی) حلقوں کی مخالفت کے باوجود 1928 کے ایک سمجھوتے کے تحت برطانیہ کو اردن میں اپنی فوجیں متعین کرنے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوگئے اور وہ اردن کے سیاہ سفید کا مالک بن گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران اردن کی وفاداری کے صلہ میں تولیتی نظام برخاست کردیا گیا اور 1946 میں اس کی بادشاہت کا اعلان کردیا گیا۔ 1948 کے ایک معاہدہ کے ذریعہ دونوں ملکوں کے تعلقات کا ازسرنو تعین عمل میں آیا اور یہ طے پایا کہ برطانیہ عرب لیجن کی نگہداشت کے لیے اردن کو سالانہ بیس لاکھ پونڈ کی مالی امداد دے گا اور اس کے معاوضہ میں برطانوی افواج زمانہ امن میں اردن کے صرف اہم ہوائی اڈوں پر متعین کی جاسکیں گی۔

شروع ہی سے اردن صیہونی تحریک کا مخالف رہا اور جب 1948 میں فلسطین کی تقسیم عمل میں آئی تو اس نے عرب لیگ کے دیگر اراکین کے ساتھ اسرائیل کی جارحیت کو روکنے کے لیے اپنی فوجیں روانہ کیں۔ اردن کی عرب لیجن کو اسرائیلی افواج کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہو سکی تاہم اس نے فلسطین کے اس حصہ کی مدافعت میں نمایاں حصہ لیا جسے اقوام متحدہ نے عرب علاقہ قرار دیا تھا۔ اواخر 1949 میں اردن نے اسرائیل سے جنگ بندی معاہدہ کیا اور اوائل 1950 میں اس نے دریائے اردن کے مغربی کنارے کے فلسطین کے اس حصہ کو اپنے علاقہ میں ضم کرلیا، جس پر اس کا قبضہ تھا۔ اس عمل سے اردن کی آبادی میں کوئی ساڑھے

چار لاکھ افراد کا اضافہ ہوا جس میں سے بڑی تعداد اسرائیل سے نکالے ہوئے بے گھر مہاجرین کی تھی۔ دوسرے عرب ملکوں نے اس کارروائی کی شدت سے مذمت کی۔ 1951 میں شاہ عبداللہ کو قتل کردیا گیا اور بالآخر اس کے پوتے شاہ حسین نے گدی سنبھالی اس کے بعد مخالف مغربی ہنگاموں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ تخت نشینی کے بعد سے عرب دنیا میں بڑے انقلابات آئے۔ عراق میں انقلاب آیا۔ شہنشاہیت ختم ہو گئی۔ یمن میں جمہوری نظام قائم ہوا اور مصر میں ناصر کی سرکردگی میں عرب اتحاد اور سامراج دشمن تحریکوں نے زور پکڑا جس کا اثر اردن پر بھی پڑا اور اسے کافی اندرونی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد 1967 میں اسرائیل کے ساتھ عرب کی جنگ ہوئی جس میں عربوں کے متحدہ محاذ کو شکست ہوئی اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کا پورا علاقہ اسرائیل کے قبضہ میں چلا گیا اور وہ اس پر آج تک قائم ہے۔ خود اردن کے اندر فسلطینی پناہ گزینوں نے شاہ کی پالیسی کے خلاف زبردست مہم چلائی جسے شاہ نے بزور قوت دبا دیا لیکن جب تمام متحدہ ملکوں نے فلسطین کے محاذ آزادی کو فلسطین کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرلیا اور اردن کے مقبوضہ اسرائیلی علاقہ کو فلسطین کا حصہ قرار دیا تو شاہ اردن نے اسے تسلیم کرلیا۔ 1973 کی اسرائیل کے خلاف جنگ میں اردن نے مصر اور سیریا (شام) کا ساتھ دیا لیکن لڑائی میں براہ راست حصہ نہیں لیا۔

اردن کو امریکہ اور برطانیہ کی ہمیشہ کافی مالی اور فوجی امداد حاصل رہی اور وہ اب بھی حاصل ہے۔ حال میں شاہ حسین کے 1999 میں انتقال پر شہزادہ عبداللہ نے حکومت سنبھالی ہے۔

1974 میں اردن نے فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (P.L.O) کو تسلیم کیا۔ 1976 میں سیریا سے تعلقات زیادہ قریبی ہو گئے۔ 1974 میں اردن نے بھی مصر کے اسرائیل کے ساتھ صلح نامہ کی مخالفت کی اور معاہدہ کیمپ ڈیوڈ کی بھی مخالفت کی۔ اس کے نتیجہ میں مصر کے ساتھ سفارتی تعلقات 1979 میں ختم ہو گئے۔ جو پھر 1984 میں بحال ہوئے۔ 1988 میں فلسطینیوں کے حق میں اردن نے مغربی کنارے کے علاقہ کو چھوڑ دیا۔ 1990 میں امریکہ نے اردن کی امداد میں اضافہ کردیا۔ لیکن 1991 میں عراق اور ایران کی جنگ میں اردن کی عراق کی حمایت کی وجہ سے امریکہ نے امداد منسوخ کردی۔ سعودی عرب اور کویت نے بھی اردن کی امداد بند کردی۔ 1992 میں ملک میں بے روزگاری کافی بڑھ گئی تھی۔

ارسٹارکس: سوماس کے اس قدیم مفکر نے شمس مرکزی مفروضہ پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ ستارے اور سورج غیر متحرک اجسام ہیں اور زمین فیثاغورث کے بتائے ہوئے مرکزی گول شعلہ کے بجائے سورج کے اطراف ترچھے دائرہ پر گردش کررہی ہے اور ساتھ ہی اپنے محور پر بھی گھومتی رہتی ہے۔ اس طرح اس نے کائنات کے نظام میں پھیلے ہوئے اجسام فلکی کی اضافت سے کرہ ارض کا صحیح مقام بتایا۔

ارسطو: چوتھی صدی کے اس فلسفی نے زمین کی کروی شکل کو دلیلوں سے ثابت کیا۔ فیثاغورث کا ہم نوا ہو کر اس نے جنوبی منطقہ معتدلہ کے مغربی حصہ میں آباد علاقوں کے وجود کے امکانات بتائے اور شمالی نصف کرہ کی طرح جنوبی نصف کرہ میں آب و ہوا اور انسان کے باہمی رشتہ کی توضیح کی اور منطقہ معتدلہ کے باشندوں کی تہذیب کو بلند ترین مقام عطا کیا۔

ارضی پلیٹ حرکیات: زمین کی اوپری پرت یا قشر کے تفصیلی ارضیاتی اور ارضی طبیعاتی مطالعوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ قشر پر پائے جانے والے مختلف خدوخال اور عوامل جیسے کوہستانی سلسلے، بین البحر پہاڑی سلسلے، براعظموں کے عظیم علاقے، قوسی جزائر، بحری خندقین، آتش فشاں اور زلزلے ایک خاص ترتیب اور تشکیل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس ترتیب اور تشکیل کی بنا پر زمین کی اوپری پرت یا قشر کو مندرجہ بالا خدوخال اور عوامل کی روشنی میں ایسے خطوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن سے زمین کے قشر کے ارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ایسے خطوں کو ارضی پلیٹ یا تودے کہا جاتا ہے۔ پلیٹ یا زمین کے تودے، قشر اور درمیانی پرت کے اوپری حصے پر مبنی ہوتے ہیں۔ سطح زمین پر پلیٹ یا تو براعظمی علاقوں، سواحل یا پھر سمندروں کی گہرائیوں سے عبارت ہو گی۔ مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک پلیٹ صرف سمندری علاقوں پر ہی مبنی ہو۔ پلیٹ، زمین کے ایسے تودوں پر مبنی ہو گی جن کی موٹائی عام طور پر 100 کلو میٹر ہوتی ہے، اس طرح پلیٹ یا تودے، نہ صرف قشر بلکہ زمین کی درمیانی پرت یعنی میانہ مینٹل کی اوپری گہرائیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

براعظموں کے بکھراؤ کے نظریہ کے مطابق براعظموں کے اجسام ایک دوسرے سے رفتہ رفتہ دور ہو رہے ہیں جبکہ ارضی پلیٹ کی حرکیات کے نظریے کے مطابق زمین کی پلیٹیں یا تودے خود حرکت پذیر ہیں۔ پلیٹوں کے حرکت پذیر ہونے کی وجہ سے مختلف قسم کے بری اور بحری خدوخال (جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) تشکیل پا سکے ہیں نیز یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ ارضی پلیٹوں کی حرکیات کی بنا پر ہی زمین کے دبیز تودے اپنے کناروں پر اختلال، آتش فشانی اور زلزلوں کے مظہر ہیں۔ جیسا کہ بین البحر پہاڑی سلسلوں پر دیکھا گیا ہے۔ جبکہ ارضی پلیٹوں کے

دوسرے کناروں پر ہی آتش فشانی اور زلزلوں کا حل موجود ہے جہاں پر بحری خندقیں پائی جاتی ہیں۔ اول الذکر صورت میں بین البحر پہاڑی سلسلے بحر اوقیانوس کے درمیان سے نکل کر مشرقی افریقہ کی عظیم آتش فشانی وادیوں سے مل جاتے ہیں جبکہ موخر الذکر بحری خندقیں بحر الکاہل کے مغربی سواحل پر جاپان سے لے کر انڈونیشیا اور ملایشیا کے ساتھ ساتھ ہمالیہ اور آلپس کے عظیم کوہستانی سلسلوں سے جا ملتی ہیں۔ اس طرح ارضی پلیٹوں کے کنارے یا پلیٹوں کی یہ سرحدیں قشر زمین پر پائے جانے والے اہم ترین خدوخال اور عوامل کو سمجھنے میں بہت مددگار ہیں۔

براعظموں کے گریز یا بکھراؤ کا نظریہ، فرش سمندر کے پھیلاؤ کا نظریہ اور حالیہ ارضی پلیٹ کی حرکیات کا نظریہ، ارضیاتی فکر میں زمین کے ارتقا کے بارے میں انقلابی حیثیت کے حامل ہو گئے ہیں۔

پلیٹ کی حرکیات کے نظریہ کے مطابق، قشر زمین کو مندرجہ ذیل پلیٹوں یا زمین کے تودوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) امریکی پلیٹ جس میں شمالی اور جنوبی امریکہ شامل ہیں۔ (۲) یوریشین پلیٹ جس میں یوروپ اور ہمالیہ کے شمال کا ایشیائی علاقہ شامل ہے۔ (۳) افریقی پلیٹ۔ (۴) ہندوستانی پلیٹ۔ (۵) آسٹریلیائی پلیٹ اور (۶) انٹارکٹیکا پلیٹ۔

پلیٹوں کے اس نظام میں ہر پلیٹ اپنی ساختیاتی حدوں یعنی بین البحر پہاڑی سلسلوں سے نکل کر مختلف سمتوں میں حرکت کرتی ہوئی رواں دواں ہے۔ ارضی پلیٹ کی حرکت کی رفتار عام طور پر 5 تا 10 سینٹی میٹر (سم) فی سال ہے۔ اس طرح اندازہ لگایا گیا ہے کہ ابتدائی اجتماع سے نکل کر براعظموں کی موجودہ تقسیم زیادہ سے زیادہ گزشتہ 160 ملین سال میں مکمل ہوئی ہوگی۔

ارضی خود ہم میلان (Auto Geosyncline): ایسا مکمل ارضی ہم میلان (دیکھیے مثل ارضی ہم میلان Para Geosyncline) جو بیضوی کاس کی شکل میں نشیں ہوتا ہے مگر جس کے ساتھ کسی پہاڑی سلسلہ کا تعلق نہیں ہوتا (دیکھیے ارضی ہم میلان Geosyncine)۔

ارضی ضد میلان (Geoanticline): بارڈر لینڈ شوشرٹ (Border land) (Shuchert) شوشرٹ (1923) کی دی ہوئی اس اصطلاح سے ایک وسیع و عریض ارضی علاقہ مراد ہے جو بالا نشین ہو کر اتنے عرصے تک قائم رہا ہو جب تک کہ ارضی ہم میلان یا کاس میں بالا نشینی نہ ہوئی ہو (دیکھیے کوہ سازی Orogeny) اور مستقل ارضی کاس کو رسوب فراہم کرتا رہا ہو۔

ارضی طبیعیات (Geophysics): علم ارضیات کا وہ شعبہ ہے جس میں زمین کے طبعی خواص کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ بڑی حد تک اطلاقی شعبہ ہے۔ جس میں زمین کی کشش، ثقل، زمینی حرارت، ارضی مقناطیسیت (Geomagnetism) اور زلزلیاتی خواص کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان مطالعوں کے مقاصد میں زمین کی ابتدا، ارتقا اور تاریخ کو سمجھنے کے علاوہ زمین کے اندر چھپے ہوئے معدنی اور غیر معدنی ذخائر کی شناخت بھی شامل ہے۔

گزشتہ 20 سال کی قلیل مدت کے اندر، ارضی طبیعیات کی تحقیقات نے زمین کے بارے میں زبردست معلومات بہم پہنچائی ہیں جن کی وجہ سے براعظموں کے ارتقاء، سمندروں کی پیدائش اور زمین کے ماضی کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ ارضی طبیعیاتی طریقۂ تلاش سے علمی فائدوں کے علاوہ تیل، کوئلے اور تاب کار توانائی کے ذخائر جو زمین کے اندر چھپے رہتے ہیں، نشان دہی کرنے میں زبردست مدد ملی ہے۔ (دیکھیے ارضی طبیعیاتی جائزے)

ارضی طبیعیاتی جائزے (Geophysical Survey): یہ ایسے جائزے ہیں جن میں زمین کے طبیعی خواص کی مدد سے زیر زمین چھپے ہوئے دھاتی، لودھاتی اور قدرتی ایندھن کے ذخیروں کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ ارضی طبیعیاتی جائزے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) ایسے جائزے جن میں زمین کے اپنے خواص سے مدد لی جاتی ہے جیسے زمین کی مقناطیسیت، زمین کی کشش، ثقل اور زمین کی تاب کاری وغیرہ۔ (۲) ایسے جائزے جن میں زمین کے کچھ منتخب علاقوں میں خاص قسم کی توانائی کو داخل کر کے عارضی طور پر زمین کے خواص کو انگیخت کیا جاتا ہے تاکہ اس علاقے میں زمین کے برتاؤ کا مطالعہ کیا جا سکے۔ مثلاً تیل کے ذخائر کی تلاش کے لیے مصنوعی دھاکوں کے ذریعہ توانائی پیدا کر کے ایسے علاقوں میں یہ توانائی زلزلی موجوں کی صورت میں گزاری جاتی ہے جہاں تیل کے ذخائر کے موجود ہونے کا امکان ہو۔ اگر تیل کے ذخائر موجود ہوتے ہیں تو زلزلے کی یہ مصنوعی موجیں ان سے منعکس یا منعطف ہو کر ان کے اندرونی ماحول اور ساخت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ایسے جائزوں کو زلزلیائی جائزے (Seismic Survey) کہا جاتا ہے۔ (دیکھیے زلزلے)۔ ارضی طبیعیاتی جائزوں سے نہ صرف معاشی طور پر قدرتی ذخائر کو تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے، بلکہ بڑے بڑے بند ہ پانی کے ذخائر (Reservoirs)، اور پلوں کی بنیاد میں کام آنے والے حجرات کی خصوصیات کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

ارضی کیمیا (Geochemistry): ارضی کیمیا ارضیات کی ایک اہم

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

شاخ ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ایک طرف تو زمین کی کیمیائی ترکیب کے بارے میں مسلسل کھوج کرنا ہے تو دوسری طرف ان اصولوں کی تلاش بھی ہے جو ان کیمیائی عناصر کو مختلف مرکبات کی صورت میں منضبط رکھتے ہیں۔ ارضی کیمیا ایک ایسی اصطلاح ہے جو سب سے پہلے 1838 میں ایک سوئیش کیمیاداں سی. ایف. شون بین (C.F. Schonbein) نے استعمال کی تھی۔ لیکن گزشتہ 20 سال کے دوران کیمیائی تجربوں کے بڑھتے ہوئے رجحان اور کیمیائی تجربوں کے لیے استعمال ہونے والے آلات میں جو زبردست ٹیکنالوجیکل تبدیلیاں آئی ہیں ان کے نتیجہ میں ارضی کیمیا، تحقیق اور تجربے کی ایک اہم شاخ بن گئی ہے۔

اب کیمیائی امتحانوں میں اس قدر ترقی ہو چکی ہے کہ عناصر کی تلاش میں ایسے عنصر کا بھی پتہ چلایا جا سکتا ہے جو کسی بھی شے یا حجر میں 10 لاکھ حصوں میں صرف کچھ ہی حصوں پر مشتمل ہو۔ کیمیائی امتحانوں کے حسابی تجربوں میں اس زبردست انقلاب کی بنا پر عناصر کی تقسیم اب نہ صرف حجرات بلکہ زمین کے مختلف حصوں بالخصوص قشر یا اوپری پرت (Crust) کی مختلف اکائیوں میں بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔

پہلے ارضی کیمیاداں صرف زمین کے قشر کے مختلف حصوں کے امتحان پر قادر اور قانع تھے مگر خلائی مہموں کی وجہ سے اب وہ چاند اور دوسرے سیاروں کے نمونوں کے عناصر کا بھی امتحان کر سکتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف زمین بلکہ نظام شمسی اور اس سے بھی آگے خلا کے دوسرے ستاروں اور کہکشاؤں سے بھی مادّہ کا "ارضی کیمیا" کے اصولوں پر تجربہ ہو رہا ہے۔ اس طرح ارضی کیمیا کو اب ہم "کائناتی کیمیا" (Cosmochemistry) بھی کہہ سکتے ہیں۔

اب تک جمع کیے گئے مواد کی روشنی میں تین اہم عام اصول بنائے گئے ہیں۔ (ا) کثیف عناصر جن کا جوہری وزن، نکل کے جوہری وزن 58.71 سے بھی زیادہ ہو، بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں لطیف عناصر کہیں زیادہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو گیارہ عناصر کائنات یا خلا کے دوسرے اجسام میں بھی مشترک پائے گئے ہیں، ان سب کا جوہری وزن بہر حال نکل سے کم ہے۔ (۲) ایسے عناصر جن کا جوہری وزن جفت اعداد ہیں، ان عناصر سے کہیں زیادہ کثرت میں موجود ہیں جن کا جوہری وزن طاق اعداد پر منحصر ہے۔ (۳) کائنات میں ہائیڈروجن دوسرے عناصر کے مقابلے میں ہزاروں گنا مقدار میں موجود ہے۔

ان عناصر کے علاوہ جو واضح طور پر اور کثرت سے پائے جاتے ہیں، ایسے عناصر کا بھی "لال شعاعی" تجربوں میں پتہ چلتا ہے جو نہایت کم مقدار میں صرف حجرات کے سالموں کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ ایسے عناصر کو عناصر خفی (Trace Elements/ Hidden Elements) کہا جاتا ہے۔

ارضی ہم میلان (Geosyncline): یہ ایسی بڑی بڑی ارضی ساختی اکائیاں (Structural Units) ہیں جو زمین کی اوپری پرت میں پائی جاتی ہیں۔ یہ نہ صرف قشر یا اوپری پرت (کرسٹ) میں اپنی ساخت کی وجہ سے پہچانی جا سکتی ہیں بلکہ قشر کے بڑے بڑے نشیبی علاقوں میں ہر قسم کے رسوبات (Sediments) (ملاحظہ ہو رسوبات) کا ذخیرہ بھی ان ہی علاقوں میں جمع ہوتا ہے۔ یہ نشیبی علاقے جن کو قشر ارض کے منفی عناصر میں شمار کیا جاتا ہے، عام طور پر یہ سب ارضی ہم میلان ہی کہلاتے ہیں۔ ساخت کے اعتبار سے چونکہ طشتری نما ہوتے ہیں، جن میں نشیبی علاقوں کے دونوں بازو ایک ہی سمت میں جھکے ہوتے ہیں، اس لیے ان کو "ارضی ہم میلان" کہا جاتا ہے۔ ارضی ہم میلان، لازمی طور پر طویل نشیبی علاقوں سے عبارت ہوتے ہیں جن میں رسوبات رفتہ رفتہ جمع ہوتی رہتی ہیں۔ رسوبات کے رفتہ رفتہ جمع ہونے کی وجہ سے بڑھتے ہوئے رسوبات کے بوجھ تلے یہ دھنستے یا ڈوبتے رہتے ہیں۔ اپنے اندر جمع ہونے والی عظیم رسوبات کی موٹائی کے سبب، زمین کی اوپری پرت کی تہوں میں، یہ اتنی گہرائیوں تک پہنچ جاتے ہیں کہ جہاں آتش فشاں لاوا نکل کر ان رسوبات کی تہوں کے درمیان داخل ہو جاتا ہے۔ رسوبات اور لاوے کا یہ ملا جلا آمیزہ جب زمین کی اندرونی حرکی قوتوں کی زد میں آجاتا ہے تو پھر ارضی ہم میلان کے سارے رسوبی ذخیرے مختلف سمتوں میں دب کر پچک جاتے ہیں، اس طرح یہ سارے رسوبات عام طور پر موجدار (لفاف) حجرات (Folded Rocks) (ملاحظہ ہو موجدار حجرات) کی صورت میں سطح زمین پر نمودار ہو کر بڑے بڑے کوہستانوں کے سلسلوں میں بدل جاتے ہیں۔ ان ارضی و حرکی عوامل کے زیر اثر عام طور پر ایسے رسوبی حجرات اپنے زیریں حصوں میں کایا بدل حجرات (Metamorphic Rocks) (ملاحظہ ہو کایا بدل حجرات) سے بھرے پڑے ہیں جن میں گرانائٹ (Granite) (ملاحظہ ہو گرانائٹ) جیسے حجرات کے بڑے بڑے علاقے بھی موجود رہتے ہیں۔ دنیا کے عظیم کوہستانی سلسلوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ "ارضی ہم میلان" میں ہی ان کا جنم ہوا ہوگا۔ ایسے کوہستانی سلسلوں میں آلپس (Alps)، ہمالیہ (Himalaya) اور راکیز (Rockies) قابل ذکر مثالیں ہیں۔

ارضی ہم میلان یاکاس (Geosyncline): ایک لمبوترا اور طویل کاس جس میں رسوب کی کافی دبیز ترتیب ہو اور ریا آتش فشانی ذخائر بھی جمع ہوئے ہوں۔ لیکن ضروری نہیں کہ تمام رسوب یکساں گہرائی کے پانی میں جمع

ہوئے ہوں۔ اکثر اتھلے پانی کے کئی ہزار میٹر گہرے رسوب پائے جاتے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس کاس کا فرش مستقل تہ نشینی یا زیر نشینی پر مائل تھا۔ جس کی وجہ سے قدیم تر رسوب مزید نیچے ہوتے گئے۔ پانی کا حجم اتنا ہی رہا اور اسی اتھلے پانی میں مزید رسوب جمع ہوتے گئے۔ اس طرح تہ نشینی (Subsidence) ارضی ہم میلان یا کاس کے بنیادی اوصاف میں سے ہے۔ اس تہ نشینی کی رفتار 12 میٹر فی سال سے زیادہ ممکن ہے۔ ارضی ہم میلان یا کاسوں کے رسوب زیادہ تر مولاسس (Molasses) اور فلا ئیش یا فلیش (Flysch) قسم کے ہوتے ہیں۔

ارضیاتی جائزہ (Geological Survey): ایک ایسا طریقہ امتحان ہے جس میں زمین کے کسی بھی حصے کے حجرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ایسے امتحان اور جائزے کا بنیادی مقصد ایک ایسے ارضیاتی نقشے (Geological Map) کی تیاری ہوتا ہے جس میں اس علاقے میں پائے جانے والے حجرات کی تقسیم، ساخت اور ترکیب کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر معدنی وجماداتی ذخائر بھی تفصیل سے دکھائے جائیں۔ ارضیاتی جائزوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ارضیاتی نقشوں کے ساتھ ایک تکنیکی رپورٹ بھی پیش کریں جس میں سارے ارضیاتی مواد کو جمع کیا جائے اور ان پر تفصیلی بحث کی جائے۔

ساری دنیا کی حکومتیں اپنے اپنے ملک کے ارضیاتی جائزوں کے لیے ایسے محکموں کا اہتمام کرتی ہیں جن کا مقصد سائنسی ارضیاتی جائزے تیار کرنا ہوتا ہے۔ ایسے محکموں کو عام طور پر "جیالوجیکل سروے" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسے محکموں کے مقاصد ہیں۔ (1) ملک کے ارضیاتی نقشوں کی تیاری اور رپورٹ نویسی۔ (2) ارضیاتی معلومات کی فراہمی اور ارضیاتی میوزیم کا قیام۔ (3) معدنی صنعتوں اور کان کنی کے لیے ملک کی مختلف تنظیموں کے درمیان تال میل قائم کرنا اور (4) ارضیاتی مسائل کے سلسلے میں حکومت کی رہنمائی کرنا۔ ہندوستان کا محکمہ ارضیات جسے "جیالوجیکل سروے آف انڈیا" (Geological Survey of India) یا جی. ایس. آئی (G.S.I.) مخفف سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، ایک مرکزی محکمہ ہے جس کا شمار دنیا کے قدیم ترین ارضیاتی محکموں میں ہوتا ہے۔ یہ 1815 میں قائم ہوا اور اب دنیا کے بڑے ارضیاتی محکموں میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ ہندوستان میں آزادی کے بعد صنعتی ضرورتوں کی تکمیل کی غرض سے مختلف وسائل کے حصول کے لیے ارضیاتی جائزوں کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ چنانچہ پٹرولیم کی تلاش کے لیے آئیل اینڈ نیچرل گیس کمیشن، کوئلہ کے لیے نیشنل کول ڈیولپمنٹ کارپوریشن، پانی کی تلاش کے لیے سنٹرل گراؤنڈ واٹر بورڈ، ایٹمی توانائی کے لیے ایٹامک منرل ڈیویژن (Atomic Mineral Division) اور معدنی اور غیر معدنی ذخائر کی تلاش اور کھوج کے لیے منرل ایکسپلوریشن کارپوریشن (Mineral Exploration Corporation) جیسے ادارے قومی سطح پر مرکزی حکومت کے زیر انتظام قائم کیے گئے ہیں۔ یہ تمام ادارے جیالوجیکل سروے آف انڈیا جیسی بڑی تنظیم کے علاوہ ہندوستان میں موجود اور مصروف کار ہیں۔ ان کے علاوہ ریاستی سرکاروں نے بھی ریاستی سطح پر اپنا اپنا ایک ریاستی محکمہ ارضیات و معدنیات بھی قائم کیا ہے جو ریاستی سطح پر معدنیات، خام وسائل اور آبی ذخائر وغیرہ کی تلاش اور تنظیم کے لیے کام کرتا ہے۔

ارضیاتی صوبے (Geologic Provinces): وہ علاقے جہاں کے بنیادی حجرات تابکار پیائی (Radioactive measurement) کے مطابق ہم عمر ہوں۔

ارضیاتی عامل (Geological Agent): زمین کی سطح پر پائے جانے والے مختلف خدوخال مسلسل ایسے بیرونی اثرات کی زد میں ہیں جن کی وجہ سے بیرونی تخریب کا عمل جاری وساری ہے جیسے موسمی فرسودگی، ہوائی فرسودگی اور گلیشیر کے ذریعہ فرسودگی، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تخریب کے ساتھ ساتھ قشر ارض پر تعمیر نو کا بھی سلسلہ جاری ہے جو بڑی حد تک ان ہی عوامل کا مرہون منت ہے جو بہ ظاہر سطح زمین پر تخریب کا باعث ہیں۔

علم ارضیات میں ان سارے فطری عوامل کو جو فرسودگی اور تراش خراش کے بعد حاصل شدہ مادے کو حمل و نقل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں تاکہ انھیں کسی مناسب مقام پر ذخیرے کی صورت میں جمع کیا جا سکے، ارضیاتی عامل (Geological Agent) کہا جاتا ہے۔

ایک ارضیاتی عامل ہونے کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ مندرجہ ذیل تین مرحلوں پر کارکرد ہونے کا ثبوت بہم پہنچائے۔ (1) تراش خراش یا فرسودگی کی اہلیت۔ (2) حاصل شدہ مادے کے حمل و نقل کی صلاحیت اور (3) اس حاصل شدہ مادے کو نئے ذخیرے کی صورت میں کسی رسوبی نشیب (Sedimentary Basin) میں جمع کرنے کی اہلیت تاکہ اس سے کوئی نیا ارضیاتی ذخیرہ حاصل ہو۔

ارضیاتی عناصر: الفریڈ ویگنر نے اس نظریہ کا اظہار کیا تھا کہ ابتدا میں تمام خشکی کے علاقے ایک عظیم جنوبی خشکی کے خطے یا اصل بر اعظم میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ جو گونڈوانہ لینڈ سے موسوم تھا۔ جس کے بعد میں ٹکڑے ہو

گئے اور جو علیحدہ ہو کر دور دور چلے گئے۔ اس کے سبب عضویات کی تقسیم اور منتقلی عمل میں آئی۔

ارضیاتی کالم (Geological Column): (ا) وہ خاکہ جو ایک کالم کی شکل میں یہ ظاہر کرے کہ کس مقام یا خط کی کلّی یا جزوی ارضیاتی تاریخ کی تقسیم یا طبقات نگار اکائیوں (Stratigraphic Units) کی ترتیب (قدیم ترین سب سے نیچے، جدید ترین سب سے اوپر) کس طرح کی گئی ہے۔ ایسے خاکوں میں چٹانوں کو افقی طور پر میلان کرتے ہوئے بتلایا ہے۔ ایسی شکلوں سے ان اکائیوں کا اضافی وقوع (Relative Position) اور ان کا ارضیاتی وقت سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ (ب) بہ لحاظ عمر، حجرات یا طبقات نگار اکائیوں (Stratigraphic Units) کی عمودی ترتیب (Vertical Sequence) جس کو ارضیاتی کالم کی شکل میں دکھایا جا سکے (ہم معنی طبقات نگاری کالم) (Stratigraphic Column)۔

ارضیاتی وقتی اکائی (Geologic Time Units): ارضیاتی وقتی پیمانے کی اکائیاں جس میں زمانہ، عہد، دور اور عرصہ شامل ہیں۔

ارضیاتی وقتی پیمانہ (Geological Time Scale): (دیکھیے عمر پیمائی Radiometery)۔ ابتدائے آفرینش سے اب تک کے وقت کو رکازات (Fossils) کے مطالعے اور زندگی کی تاریخ وارتقا کے مطابق تقسیم کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانے میں تابکار عمر پیمائی (Radiocarbon Dating) کے ذریعے چٹانوں کی وقتی عمر کا بھی تخمینہ کر لیا گیا ہے۔ ارضیاتی وقت کو چند زمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام خود توضیحی ہیں۔ ہر زمانے کو عہد اور پھر ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس پیمانے کی ترتیب روایتی ہے۔ یعنی قدیم ترین عمریں سب سے نیچے اور کم ترین عمر سب سے اوپر۔

	شروع ہونے کی عمر (ملین سال قبل) یعنی $x10^6$			دور Period	عہد Era	زمانہ Eon
	مطابق ہارلینڈ اور دوسرے	مطابق ہومز	مطابق کلپ	چوگانہ	نوحیاتی	ظاہر حیاتی
	Harland et al (1964)	Holmes (1959)	Kulp (1961)	Quar-ternary	Ceno-zoic or	Phane rozoic
	1.5-2.0	1	1	سہ گانہ	Caino-	
	65	73my	63	Tertiary	Zoic	
	136	135	135	کریٹیشین (Cretaceous)	وسط حیاتی (Mesozoic)	
	190-195	180	180	جراسک Jurassic		
	225	225	230	ٹرائسک Triassic		
	280	270	280	پرمین Permean	قدیم حیاتی Paleo-zoic	
280	350			کاربونی فیرس (پنسلوینین 310) Carboniferous (مسی سی پین 355)		
	395	400	405	ڈیونین (Devonian)		
430-440	440	425		سائیلورین Silurian		
	500	500	500	آرڈوویشین Ordovician		
	500	500	600	کیمبرین Cambrian		
	1000 m.y		(Late) آخر		سادہ حیاتی	پوشیدہ حیاتی
	1700 m.y		(Middle) وسطی		Protorozoic	Cryptozoic
		2500 m.y	(Early) ابتدائی			یا قبل کیمبرین
		4600 m.y			ابتدائی حیات Archeozoic	or Pre Cambrian

ارکاٹ: تامل ناڈو (ہندوستان) میں واقع ہے۔ یہ شمالی اور جنوبی ارکاٹ میں تقسیم ہے۔ یہاں چاول اور تیلوں کے بیج اگائے جاتے ہیں۔ دستی پارچہ بافی بھی ہوتی ہے۔

ارمند: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

اُرمیا جھیل: ایرانی زبان میں اس کا نام "شاہی" ہے۔ شمال مغربی ایران کی اُتھلی یا کم گہری کھاری جھیل ہے۔ اس کے مغرب کی جانب رضائیہ اور مشرق کی جانب شہر تبریز ہے۔ اس کا رقبہ 500 تا 2,300 مربع میل ہے۔ موسم کے لحاظ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

سے اس جھیل کے پانی کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اس جھیل کے شمالی کنارے پر شہر "شاہی" اور ساحل کے قریب چھوٹے چھوٹے جزیرے واقع ہیں۔ شمال مشرقی ساحل پر واحد بندرگاہ شریف خانہ ہے۔ شہر تبریز سے اس جھیل کو ریل کے ذریعہ ملادیا گیا ہے۔

ارناکلم: ریاست کیرالا کا ایک اہم شہر ہے۔ کوزھی کوڈ سے دو میل دور شمال مشرق کی جانب واقع ہے۔ کوزھی کوڈ اور ارناکلم کو بہترین سڑک اور ریل کے ذریعہ جوڑا گیا ہے۔ ان مقابل شہروں کے درمیان باربردار کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ یہاں کیرالا کا ہائی کورٹ اور کئی تعلیمی مراکز واقع ہیں۔ تیل، کوکو، ناریل، مچھلی اور صابن کی تجارت ہوتی ہے۔

ارنسٹ۔ ایچ۔ شیکلٹن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

اروناچل پردیش: اروناچل پردیش (طلوع آفتاب کی سرزمین) ہندوستان کی ایک ریاست ہے۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے جو ہندوستان کے شمال مشرقی حصہ میں سرحد پر واقع ہے۔ اس کی آبادی نہایت ہی کم ہے۔ اس کے مغرب میں بھوٹان، شمال میں چین، مشرق میں میانمار (برما) اور جنوب میں ریاست آسام (ہندوستان) واقع ہیں۔ مشرق میں یہ آسام کے ضلع ڈبروگڑھ کو گھیرے ہوئے ہے اور شمال میں ایک بڑے علاقہ کے متصل ہے۔

اروناچل پردیش بالکل پہاڑی ہے۔ اس کا صرف وہ حصہ جو آسام سے متصل ہے، مسطح ہے۔ اس کے دو تہائی حصہ پر گھنے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ اس کی بیشتر آبادی قبیلائی ہے اور ان تمام قبیلوں کا تعلق دستور کے تحت بیان کیے ہوئے شیڈولڈ قبیلوں (Scheduled Tribes) سے ہے۔ سنہ 1991 کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی کل آبادی 864,558 ہے۔ اس میں 79% آبادی قبیلوں پر مشتمل ہے۔ ان قبیلوں کی زبانیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس ریاست کا رقبہ 53,578 مربع کلومیٹر ہے۔

اروناچل جس کا قدیم نام نارتھ ایسٹ فرنٹیر ایجنسی (NEFA) تھا، 1948 میں راست طور پر نظم و نسق کی خاطر مرکزی حکومت کے تحت لے لیا گیا تھا۔ اب یہ ایک ریاست کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

اس ریاست کا صدر مقام ایتانگر ہے۔ تقریباً 46 فی صدی آبادی کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ یہاں کی خاص پیداوار چاول، مکئی، باجرہ اور رائی ہیں۔ جنگلات 61,000 مربع کلومیٹر رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اڑیسہ: اڑیسہ ہندوستان کا ایک صوبہ یا ریاست ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج بنگال، مغرب میں مدھیہ پردیش، جنوب میں آندھرا پردیش، شمال میں بہار اور شمال مشرق میں مغربی بنگال واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 155,825 مربع کلومیٹر اور 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 31,659,736 ہے۔

اڑیسہ کو چار طبعی حصوں (1) شمالی سطح مرتفع۔ (2) مشرقی گھاٹ۔ (3) وسطی پٹی اور (4) ساحلی میدان میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اس کو دریائے مہاندی، برہمنی اور بتارانی سیراب کرتے ہیں۔ ہیراکُڈ، مہاندی ڈیلٹا اور سالا ندی اہم پراجکٹ ہیں۔ چاول بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ دالیں، پٹ سن، کپاس، تمباکو اور گنے کی کاشت کی جاتی ہے۔ مینگنیز اہم معدنی دولت ہے۔ لوہا، کرومائیٹ، گرافائیٹ اور چونا پتھر بھی نکالے جاتے ہیں۔ یہاں روڑکیلا فولاد کارخانہ (Rourkela Steel Plant)، پگ آئرن پلانٹ (Pig Iron Plant)، فیرو مینگنیز پلانٹ (Ferro-Manganese Plant) اور سمنٹ پلانٹ، کھاد، شکر اور کپڑے کے کارخانے بھی واقع ہیں۔

بھوبنیشور اڑیسہ کا صدر مقام ہے۔ یہ ایک تجارتی شہر ہے جس کا رقبہ 65 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 411,542 ہے۔ یہاں مذہبی اور تاریخی اہمیت کے حامل کئی مندر ہیں۔

دوسرے مشہور شہر کٹک، بہرام پور اور پوری ہیں۔ ان شہروں کے اطراف گھنی آبادی ہے جس کی مادری زبان اڑیا ہے۔ اس صوبہ کا اندرونی علاقہ پہاڑی ہے اور یہاں آبادی کی اکثریت منڈا زبان بولنے والے آدی باسیوں کی ہے۔ یہ علاقہ زمانہ قدیم میں ایک زبردست کالنگا سلطنت کا مرکز تھا۔ 250 ق م میں اس پر مہاراجہ اشوک نے قبضہ کر لیا اور یہ پورا علاقہ تقریباً سو سال تک موریا سلطنت کا حصہ رہا۔ کالنگا سلطنت کے زوال کے بعد یہاں کئی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ بھوبنیشور، پوری اور کونارک میں ان کے بنائے ہوئے مندر آج تک ان کی یاد کو تازہ کیے ہوئے ہیں۔

سنہ 1568 میں یہ علاقہ دلی کے سلطانوں کے تحت آگیا اور پھر سلطنت مغلیہ کا حصہ بن گیا۔ سنہ 1803 میں اس پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ انھوں نے اسے بہار کے ساتھ ملا کر صوبہ بہار و اڑیسہ بنادیا۔ سنہ 1936 میں اڑیسہ ایک الگ صوبہ بن گیا۔ آزادی کے بعد اس صوبہ میں بعض دیسی ریاستیں ملادی گئیں اور اس کا رقبہ دوگنا ہو گیا۔ نیا آئین بننے کے بعد اسے ایک یونین ریاست کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ازبکستان: وسطی ایشیا کا ایک خود مختار آزاد جمہوریہ ہے جو ایک پہاڑی دامن پر واقع ہے اور ازبک بھی کہلاتا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ آمو (جیحوں) اور سیر (سیحوں) دریاؤں کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ مشرقی حصہ زیادہ بلند ہے۔ ریگستانی علاقہ میں بھورے رنگ کی مٹی زیادہ پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ رقبہ 447,400 مربع کلومیٹر (172,700 مربع میل) ہے۔ کل آبادی 1989 میں 19,810,077 تھی۔ کوئلہ اور پٹرولیم کے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ آب پاشی کی مدد سے زراعت کو ترقی دی گئی ہے۔ کپاس زیادہ اگائی جاتی ہے۔ صنعتی کاموں میں بھی کافی توجہ دی جا رہی ہے۔ آب و ہوا بہت خشک اور براعظمی ہے۔ بارش کا سالانہ اوسط صرف آٹھ انچ ہے۔ بیشتر بارش موسم سرما اور بہار میں ہوتی ہے۔ تاشقند صدر مقام ہے۔

اِزمر: اس کا پرانا نام "سمرنا" ہے۔ ترکی کا یہ بندرگاہ اسی نام کے صوبہ کا دارالحکومت ہے اور اسی نام کی خلیج کے کنارہ کیمزل کلوندی کے چھوٹے سے ڈیلٹائی میدان میں واقع ہے۔ اس کا عقبی علاقہ زرخیز ہے۔

سنہ 1922 میں اس کا 1/3 حصہ جل گیا تھا۔ ایشیائے کوچک میں یہ انقرہ کے بعد بہت اہمیت رکھتا ہے۔ صنعتی اور تجارتی مرکز ہے۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 753,443 تھی۔ شہر کا اہم حصہ کارسیاکا کہلاتا ہے۔ بہترین جغرافیائی محل وقوع کے باعث سنہ 1952 میں نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن (N.A.T.O.) کے جنوبی کمانڈ کا مستقر مقرر کیا گیا ہے۔ ازمر (سمرنا) ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ سنہ 627ق م سے پہلے کی بھی اس کی تاریخ ملتی ہے۔ یہ رومن اور بازنطینی سلطنتوں کا حصہ رہا ہے۔ ساتویں صدی میں عربوں نے اس پر حملہ کیا۔ گیارہویں صدی میں سلجوق اس پر قابض رہے۔ صلیبیوں نے بھی اس پر قبضہ کیا۔ سنہ 1402 میں یہ تیمور کے حملہ کا شکار بنا۔ سنہ 1424 میں یہ ترکی سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گیا۔ سنہ 1919 تک ان کی سلطنت کا جزو رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران تھوڑے عرصہ کے لیے یہ یونانیوں کے قبضہ میں چلا گیا لیکن مصطفیٰ کمال نے اسے آزاد کروالیا۔ 1928 اور سنہ 1939 میں زلزلوں سے یہ کافی تباہ ہوا۔ یہاں یونانیوں کی کافی آبادی ہے۔

ازورس (Azores): یہ مجمع الجزائر، پرتگال کے مغرب میں، بحر اوقیانوس میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 885 مربع میل ہے۔ انتظامی امور کے لحاظ سے یہ پرتگال کے ایک حصہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ تین اضلاع، پونٹا ڈیلگیڈا، آنگرا ڈو ہیروا سمو اور ہورتا پر منقسم ہے۔ اس میں نو جزائر شامل ہیں۔ ان جزائر کے زرخیز علاقے میں غلہ اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ موسم سرما کی تفریح گاہ ہے۔ 1971 میں آبادی 336,930 تھی۔

اساسی حجرات اور اساسی بیسالٹ (Alkalic/ Alkaline Rocks & Basalts): اساسی حجرات وہ آتشی چٹانیں ہیں جن کی جماداتی ترکیب میں فیلسپار (Felspar) عموماً سوڈیم (Sodium) آمیز اور ریا پوٹیشیم آمیز (Potassic) ہوتے ہیں۔ اساسی حجرات ان حجرات کو بھی کہتے ہیں جن میں فیلسپتھائڈ (Felspathoid) گروہ کے جمادات موجود ہوں۔ فیلسپتھائڈ کے حامل بیسالٹی حجرات اساسی بیسالٹ (Alkalic Basalt) کہلاتے ہیں۔

جماداتی ترکیب کے مطابق بطور خاص فیلسپار نما جمادات لیوسائٹ (Leucite) اور نفیلین (Nepheline) کی موجودگی کے مطابق ان اساسی بیسالٹ حجرات کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً لیوسائٹ (Leucite)، نیفلین بیسالٹ (Nepheline basanite)، لیوسائٹ ر نیفلین، اولیوین، فیلسپار، لیوسائٹ ر نیفلین ٹیفرائٹ (Leucite/ Nepheline Tephrite)، لیوسائٹ ر نیفلین، فیلسفپار) اولیوین لیوسی ٹائٹ (Olivine Leucitite)، اولیوین نیفیلنائٹ (Olivine Nephelinite)، لیوسی ٹائٹ (Leucitite) یا محض لیوسائٹ (Leucite)، نیفلینائٹ (Nephelinite) یا محض نیفلین۔

ایسے حجرات سلیکا (SiO_2) کی بے حد کم مقدار مگر سوڈیم اور پوٹاشیم آکسائڈ (Na_2O) اور (K_2O) کی کافی مقدار کے حامل ہوتے ہیں اور یہ سطح زمین پر صرف کچھ علاقوں تک محدود ہیں۔

اساسی خط: پیائش کے سلسلہ میں احتیاط سے ناپے ہوئے بنیادی خط کو اساسی خط کہا جاتا ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں دوران پیائش عرض البلد پر منطبق ہونے والے خط کو بھی اساسی خط کہا جاتا ہے۔

اساسی یا بنیادی مرکبہ (Basement Complex): آتشی یا کایا بدل حجرات جو ماقبل کیمبرین (Pre-Cambrian) زمانے کے ہیں اور جن کے اوپر اپ آرکین عدم تطابق (دیکھئے عدم تطابق Unconformity) کے ساتھ دوسرے رسوبی حجرات موجود ہوتے ہیں۔ قشر ارضی کی وہ تہ جو رسوبی تہ کے نیچے اور موہو یا "م" خط موقوفی (Moho or M-Discontinuity) کے اوپر واقع ہے۔

اسپلائٹ (Spilite): ایک بیسالٹی آتشی حجر، جس میں اگائٹ (Augite) کی بجائے کلورائٹ (Chlorite) اور اولوین (Olivine) موجود ہو اور پلیجیو کلیز بھی خوب سوڈیم آمیز ہو، گویا البائٹ (Albite) قسم کا ہو۔ عام طور پر یہ

تکیہ لاوے کے طور پر زیر آب آتش فشاں کے نتیجے میں بنتے ہیں۔ اس حجر کی پیدائش کے سلسلے میں مختلف نظریات ہیں۔ مگر اکثر سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ حجرات سمندر کے اندر آتش فشانیت کے باعث (جس کی وجہ سے ان میں تکیہ دار ساخت بنتی ہے) لاوے اور سمندری پانی میں موجود سوڈیم کے تعامل کی وجہ سے تشکیل پاتے ہیں۔

اسپین (Spain): اسپانیہ یا ہسپانیہ جنوب مغربی یوروپ کا ایک ملک ہے جسے ایک زمانہ سے یوروپ کی تاریخ، تہذیب اور فنون لطیفہ میں اہم مقام حاصل رہا ہے۔ یہ ملک جزیرہ نمائے آئبیریا کے کافی بڑے حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں فرانس، مشرق و جنوب میں بحیرۂ روم اور بحر اوقیانوس، مغرب میں پرتگال اور بحر اوقیانوس ہیں۔ اصل علاقہ کے علاوہ مملکت اسپین میں دو جزیرے کینری اور بیلیارک شامل ہیں۔

اسپین کا کل رقبہ 504,782 مربع کلو میٹر (194,884 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 میں 39,385,000 تھی۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام میڈرڈ ہے۔ زبان ہسپانوی ہے اور اکثریت کا مذہب رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ ملک میں آئینی بادشاہت ہے۔ منتخبہ پارلیامنٹ اور پارلیمانی حکومت ہے۔

اسپین انتظامی طور پر 50 صوبوں میں منقسم ہے۔ یہ تقسیم قدیم مور اور عیسائی حکمرانوں کے زمانہ میں ہوئی تھی اور وہی باقی رکھی گئی ہے۔ آب و ہوا گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں کافی سرد رہتی ہے۔ ساحلی علاقوں کا موسم معتدل ہوتا ہے۔ ملک کے وسط میں ایک وسیع سطح مرتفع ہے۔ مغرب سے مشرق کی طرف پہاڑوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے۔ چند وادیوں اور آب پاشی کے علاقوں کو چھوڑ کر زیادہ تر علاقہ پتھریلا ہے۔ زمین بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ میں ہے۔ کسان عام طور پر بہت غریب ہیں۔ گیہوں، اوٹس، بارلی وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کی ترکاریاں اور پھل، خاص طور پر انگور، پیدا کیے جاتے ہیں، جن کی شراب بنتی ہے۔ بھیڑ، بکریاں، گائیں، سور، مرغیاں وغیرہ پالی جاتی ہیں۔

ہسپانوی صنعتی طور پر پسماندہ ہیں۔ زیادہ تر صنعتیں میڈرڈ اور اس کے اطراف واقع ہیں۔ لوہے، تانبے، کوئلہ اور جست کی کان کنی ہوتی ہے اور ان کی صنعتیں بھی واقع ہیں۔ کپڑے کے کارخانے بھی ہیں۔ برآمد کا زیادہ تر حصہ یوروپ کے ملکوں کو جاتا ہے۔ مشینیں، لوہا اور فولاد، میوے، سبزیاں، سوتی کپڑے اور کیمیائی اشیا وغیرہ برآمد کی جاتی ہیں۔ سیاحی بہت بڑی صنعت ہے۔ ہر سال یہاں 3 کروڑ سے زیادہ سیاح آتے ہیں۔

رائج سکہ پسیٹا (Peseta) ہے۔ یہاں ابتدائی مدرسوں میں 1989 کے اعداد و شمار کے مطابق 2,961,953 طالب علم اور 140,285 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 4,845,905 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1,169,141 طالب علم تھے۔

تاریخ: اسپین کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ یہاں پر حجری دور کے سماج کے آثار ملے ہیں۔ اپنے محل وقوع کی وجہ سے یہ یوروپ، خاص طور پر بحیرۂ روم کی ہر سلطنت، کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ کلٹ، سلطنت قرطاجنہ، یونان اور رومن حکمرانوں نے اس کے مختلف علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور یہاں نو آبادیاں قائم کیں۔ رومن شہنشاہ آگسٹس کے دور میں اسے متحد کر کے رومن سلطنت کا ایک صوبہ بنا لیا گیا۔ ہسپانوی حکمرانوں نے بھی سلطنتیں قائم کیں لیکن وہ کافی کمزور تھیں۔

711 میں بربر فوج نے جو مور کہلاتے تھے طارق کی سرکردگی میں اسپین پر حملہ کیا۔ آخری ہسپانوی بادشاہ کو شکست دی اور استوریا اور باسک علاقوں کے علاوہ پورے اسپین پر قبضہ کر لیا۔ قرطبہ کو دارالخلافہ بنایا۔ 756 میں خاندان بنو امیہ کے ایک فرزند عبدالرحمٰن اول نے اس علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد مور حکمراں کو ہٹا کر بنو امیہ کی مغربی خلافت قائم کی جو خلافت قرطبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسلم خلافت عبدالرحمٰن (سوم) کے دور میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اسپین کے انتہائی شمال کے تھوڑے سے علاقہ کے علاوہ پورا اسپین اس کے زیر نگیں آ گیا۔

بعد کے دور میں استوریا اور نوارے کے علاقہ میں عیسائی حکمرانوں نے اپنا اثر اور طاقت بڑھانا شروع کیا اور اسپین کے علاقے موروں سے واپس لینے لگے۔ انھوں نے متحد ہو کر موروں کو پیچھے ڈھکیلنا شروع کیا۔ گیارہویں صدی تک خاندان امیہ کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئی تھیں۔ دوسری طرف عیسائی حکمراں متحد ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ مقامی مور حکمرانوں نے افریقہ سے المرود حکمرانوں کو دعوت دی اور انھوں نے بنو امیہ کے اسپین پر قبضہ کر لیا۔ پھر ان کی جگہ افریقہ ہی سے الموحد (1174) آئے اور انھوں نے المرود کی جگہ لے لی۔ اسلامی حکمرانوں میں پھوٹ اور ریاست کی تقسیم سے فائدہ اٹھا کر عیسائی حکمراں الفانسو ہشتم نے 1212 میں الموحد حکمراں کو شکست فاش دی اور اندلوسیہ کا پورا علاقہ ان سے چھین لیا۔ اب بھی انتہائی جنوب میں موروں کے ہاتھ میں کچھ علاقہ رہ گیا تھا جو 1492 میں فرڈینینڈ دوازدہم نے چھین لیا۔ اسلامی حکومت کے اس پورے پرزور دور میں اسپین کو بے حد فائدہ پہنچا۔ زراعت نے بے حد ترقی کی۔ آب پاشی کا نظام قائم ہوا۔ دست کاری اور صنعت و

حرفت کو زبردست ترقی ہوئی اور پائیدار امن قائم ہوا جس میں مسلمان عیسائی اور یہودی مل کر رہتے تھے۔ مسلمانوں کی شکست کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت عروج پر پہنچنے کے بعد حکمراں عیش و عشرت میں گم ہوگئے تھے اور ان کے مقابلے میں عیسائیوں میں نیا اور زبردست جوش و خروش تھا۔

عیسائیوں نے کیٹالونیا کے امراکی سرکردگی میں اقتدار حاصل کیا اور وہی عیسائی اب اسپین پر چھاگئے۔ اپنے جوش و خروش اور تعصب میں عیسائیوں نے 1492 میں پہلے یہودیوں کو ملک سے باہر نکالا اور پھر مسلم آبادی پر سخت ظلم و تشدد ڈھائے اور انھیں عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔

چودھویں صدی عیسوی میں اسپین کے لیے دولت اور طاقت کی ایک نئی راہ کھل گئی۔ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا۔ اسپین اور پرتگال نے ایک معاہدہ کے ذریعہ اپنے حلقہ اثر بانٹ لیے۔ جنوبی امریکہ، وسطی امریکہ، شمالی امریکہ کا جنوبی حصہ، فلپائن اسپین کی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ ہسپانوی وہاں جاکر بسنے لگے۔ بے حساب سونا یہاں سے اسپین آنے لگا اور سولھویں صدی تک اسپین دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ اس کی سلطنت پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بحری بیڑے کا کوئی مقابل نہیں تھا۔ اس سے ملک میں نہ صرف معاشی ترقی ہوئی بلکہ فنون لطیفہ، فن تعمیر اور ثقافت نے بھی بے حد ترقی کی۔

انیسویں صدی کے شروع تک کئی حکمراں خاندان اسپین پر حکمراں رہے اور یوروپ اور دنیا کی سیاست میں اہم رول ادا کرتے رہے۔ یوروپ کی بے شمار جنگوں میں شریک ہوئے۔ لیکن پورا دور اسپین کے مسلسل اور آہستہ آہستہ زوال کا تھا۔ امریکہ کی نو آبادیاں آہستہ آہستہ آزاد ہو رہی تھیں۔ 1825 تک جنوبی امریکہ کے تمام ہسپانوی علاقوں نے آزادی حاصل کرلی۔ صرف ویسٹ انڈیز میں چند علاقے رہ گئے تھے۔ امریکہ اور اسپین کے درمیان 1898 کی لڑائی میں کیوبا، پورٹوریکو، فلپائن وغیرہ بھی نکل گئے۔ ملک کے اندر بے چینی، کشمکش اور بغاوتیں بڑھتی رہیں۔ سوشلسٹوں اور بائیں بازو کی پارٹیوں کا زور بڑھنے لگا۔ پہلی عالم گیر جنگ کے دوران اسپین غیر جانب دار رہا لیکن اندرونی بے چینی دور نہ ہوئی۔ آخر کار 1931 میں بادشاہ الفانسو ہشتم کو گدی چھوڑنی پڑی اور اسپین ایک جمہوریہ بن گیا۔ لیکن ہیجان پر قابو نہ پایا جاسکا اور انتخابات میں جمہوریت پسند سوشلسٹ اور کیمونسٹ فتح مند ہوئے اور انھوں نے حکومت بنائی تو فاشسٹوں نے فرانکوں کی سرکردگی میں فوجی بغاوت کردی۔ انھیں ہٹلر کے جرمنی اور اٹلی کے مسولینی کی پوری عملی امداد حاصل رہی۔ ہر قسم کا فوجی سامان مہیا کیا گیا۔ جمہوریت پسندوں اور فاشسٹوں کے درمیان یہ جنگ 1936 سے 1939 تک جاری رہی۔ جمہوریت پسندوں کو کوئی فوجی امداد نہ مل سکی۔ صرف ترقی پسند نوجوان ساری دنیا سے اکٹھا ہوکر اور ایک فوجی دستہ بناکر ان کے ساتھ لڑتے رہے۔ فرانکو نے کامیابی کے بعد ایک مکمل فاشسٹ راج قائم کردیا۔ فرانکو کے انتقال کے بعد 1976 میں عام رائے دہی کے ذریعہ نیا آئین منظور ہوا اور اسپین میں ایک دفعہ پھر جمہوریت قائم کردی گئی اور کیمونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیوں کو بھی آزادانہ کام کرنے کا حق مل گیا۔

1977 میں فالان پارٹی کو ختم کردیا گیا اور اس کے بعد کیمونسٹ پارٹی کو قانونی حیثیت دے دی گئی۔

1978 میں 1938 کے بنے ہوئے آئین کو ترمیم کرکے نیا آئین (دستور) نافذ کیا گیا۔ یہ زیادہ جمہوری نظام تھا۔ اس آئین کے مطابق پارلیمانی شہنشاہیت نے رواج پایا اور تمام بالغوں کو حق رائے دہندگی حاصل ہوگیا۔ 1977 میں کیٹیلونیا اور باسک کے علاقوں کو محدود خود مختاری دے دی گئی۔ 1978 میں بالیلوک جزیرے، کاسٹل لیون اور ایکسٹری مدورا کو نیز 1980 میں انڈونیشیا اور گیلیشیا کو محدود حقوق دے دیے گئے۔ 1982 میں اسپین ناٹو کا ممبر بن گیا۔

1986 میں اسے یوروپین اکونامک کمیونٹی کا ممبر بنا لیا گیا۔ 1988 میں حکومت کو مزدوری اور تنخواہوں میں اضافہ کرنا پڑا۔ 1989 میں اسپین یوروپین کمیونٹیز (ای۔ سی) کے وزیروں کی کونسل کا صدر بن گیا اور یوروپین مونیٹری سسٹم کا بھی رکن بن گیا۔ 1992 میں بارسلونا میں اسپین نے اولمپک کھیلوں کی بین الاقوامی میزبانی کی۔

استعمال واقسام ظِل: کروی زمین کے کسی بھی حصہ کا نقشہ چپٹی سطح پر ٹھیک نہیں بنتا۔ کبھی رقبہ غلط ہوتا ہے اور کبھی شکل اور سمتیں۔ اس لیے نقشہ کشی کے مقصد کے پیش نظر طول البلد اور عرض البلد کو مخلوط طریقہ سے بنایا جاتا ہے۔ ہر ایک ایسا طریقہ ظل (تظلیل) کہلاتا ہے۔ استوائی علاقوں کے نقشے ظل استوائی پر، قطبی علاقوں کے ظل سمت الراس پر اور درمیانی علاقوں کے ظل مخروطی پر بنتے ہیں۔

استفادۂ زمین: یہ زمین کے استعمال سے مستفید ہونے کا طریقہ ہے جو طبعی اور ارضیاتی نقشوں کے گہرے مطالعہ اور تفصیلی سروے کے بعد اختیار کیا جاتا ہے۔ اس نوعیت کا کام سب سے پہلے سنہ 1930 میں ایل.ڈی. اسٹامپ کی زیر ہدایت انگلستان میں شروع کیا گیا۔ دوسری ایسی ہی کوشش سنہ 1958 میں اے. کولین نے کی تھی۔ سنہ 1950 میں یونسکو (UNESO) نے ساری دنیا میں مناسب استفادۂ

زمین کے پروگرام مرتب کرنے کی مہم شروع کی۔ اس نے زمین کو درج ذیل نو زمروں میں تقسیم کیا۔

(1) آباد اور غیر مزروعہ زمین۔ (2) باغبانی زمین۔ (3) درختوں اور دوامی فصلوں والی زمین۔ (4) دورانی استعمال کی یا تبدیل کاشت کی زمین۔ (5) دائمی مرغزار۔ (6) کھلی چراگاہوں والی زمین۔ (7) بن استحصالی زمین۔ (8) دلدلی زمین۔ (9) دیگر غیر پیداواری زمین۔

استنبول: جمہوریہ ترکی کا ایک اہم شہر ہے۔ اس کی آبادی 3,000,000 ہے۔ یہ صوبہ استنبول کا صدر مقام ہے جو باسفورس کے دونوں جانب اور بحیرہ مارمارا کے داخلہ پر واقع ہے۔ پہلے اس کا نام قسطنطنیہ (Constantinople) تھا۔ اسے سنہ 1930 میں بدل کر استنبول کر دیا گیا۔ یہ دنیا کے قدیم اور نہایت اہم تاریخی شہروں میں سے ہے۔ اور ترکی کا اہم بندرگاہ اور تجارتی شہر ہے۔ یہاں ایک جامعہ (یونیورسٹی) اور کئی اعلیٰ تعلیم کے کالج ہیں۔ یہ یونانی آرتھوڈوکس کلیسا، رومن کیتھولک چرچ کی لاطینی شاخ کے کلیسا اور آرمنی چرچ کا مرکز ہے۔ یہ دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں سے ہے اور روم کی طرح یہ سات پہاڑیوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔

یہاں پر بازنطینی دور کی نادر عمارتیں اور ترکی خلفا کے دور کے محل اور مسجدیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ بازنطینی دور کی ایک مسجد ایاصوفیہ ہے۔ یہ پہلے کلیسا تھی۔ یہ فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ ترکی کی عمارتوں اور مسجدوں کے فن تعمیر پر اس کا گہرا اثر ہے۔

استنبول کی بنیاد بازنطینی شہنشاہ قسطنطین اول (Constantine I) نے رکھی اور اپنے ہی نام پر اس کا نام قسطنطنیہ رکھا تھا۔ یہ اپنے شروع کے عہد میں ہی یورپ اور مشرق قریب کا حسین ترین شہر بن گیا تھا۔ اس کی قسمت بھی بازنطینی سلطنت کے عروج و زوال سے وابستہ رہی۔ آخر میں تو یہ سلطنت صرف اسی شہر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

شروع میں قسطنطین نے شہر کے اطراف ایک فصیل تعمیر کروائی تھی۔ جب شہر پھیلنے لگا تو بعد میں تین اور فصیلیں بنوائی گئیں۔ دسویں صدی عیسوی میں یہ شہر اپنے انتہائی عروج پر پہنچا۔ آبادی ایک لاکھ سے اوپر پہنچ گئی تھی۔ جس میں دنیا کی تقریباً ہر نسل اور قوم کے لوگ شامل تھے۔ اس وقت تک بے شمار محل، رہائشی عمارتیں اور گرجا گھر تعمیر ہو چکے تھے۔ مرکز میں ایاصوفیہ کا گرجا گھر تھا جو بعد میں مسجد میں بدل دیا گیا اور پھر اسے عجائب گھر بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ یہاں کتابوں اور نوادرات کا زبردست خزانہ تھا جو یورپی صلیبیوں نے سنہ 1204 میں حملہ کر کے تباہ کر دیا یا لوٹ لیا۔ جب ترکوں نے سنہ 1453 میں سلطان محمد ثانی کی سرکردگی میں اسے فتح کیا تو اسے انتہائی تباہ حالی میں پایا۔ پورا شہر اجڑا ہوا تھا۔ بعد میں ترکی سلطنت کے دور میں اسے نئی زندگی ملی اور اس نے بہت ترقی کی اور یہاں بے شمار محل، مسجدیں، باغات اور وسیع سڑکیں تعمیر ہوئیں۔ مسجد سلیمان آج بھی اس دور کی ثقافت اور اعلیٰ فن تعمیر کی نمائندگی کرتی ہے۔ استنبول کے اطراف کا علاقہ، خاص طور پر کوٹھیاں، باغات، قلعے اور باسفورس کا علاقہ ساری دنیا میں اپنے حسن کے لیے مشہور ہے۔ یہاں ترکوں کے علاوہ یونانی، آرمنی اور یہودی بھی خاصی تعداد میں رہتے اور بستے ہیں۔

استوائی خطہ: یہ خط استوا کے دونوں طرف 5 ڈگری عرض البلد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں وسطی امریکہ، جزائر غرب الہند، ایمزن اور کانگو کے طاس، مشرقی مڈغاسکر، ساٹرا، جاوا، بورنیو اور نیوگنی کے علاقے شامل ہیں۔ یہاں سال بھر سورج کی کرنیں تقریباً عمودی پڑتی ہیں اس لیے اوسط سالانہ درجہ حرارت 78°F تا 80°F رہتا ہے۔ سالانہ تفاوت حرارت بہت کم بالعموم 5 ڈگری تک ہوتا ہے۔ دن اور رات کے درجہ حرارت کا فرق 20 ڈگری سے زیادہ نہیں ہوتا۔ سمندر کا اعتدالی اثر ساحلوں پر زیادہ اور اندرونی علاقوں میں کم رہتا ہے۔ حرارت کی زیادتی سے بخارات زیادہ بنتے ہیں اور ہوائیں گرم اور ہلکی ہو کر اوپر اٹھتی رہتی ہیں۔ روزانہ سہ پہر میں جب یہ بلند سرد فضا میں پہنچتی ہیں تو عمل تکثیف کے نتیجہ میں بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ زور کی بارش ہو جاتی ہے۔ سالانہ اوسط بارش 200 سنٹی میٹر سے زیادہ رہتی ہے۔

گرمی اور بارش کی زیادتی کے سبب انواع و اقسام کے گھنے جنگلات اگ جاتے ہیں۔ بڑے درختوں کے اوپر بیلین اور نیچے چھوٹے چھوٹے درخت پھیل جاتے ہیں۔ درختوں کی ٹہنیاں باہم الجھ کر نباتاتی شامیانے سے بنا دیتی ہیں۔ سورج کی کرنیں درختوں کے نیچے بہت کم پہنچتی ہیں اس لیے پانی کے مستقل جمع رہنے سے اکثر دلدلی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گھنے جنگلات میں درختوں پر رہنے والے پرندے اور جانور زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان جنگلات کو کاٹا جائے تو جلد ہی ایک درخت کے بجائے کئی کئی درخت تیزی کے ساتھ اگنے لگتے ہیں۔ اس لیے قابل کاشت زمین حاصل کرنے کے لیے کہیں کہیں جنگلات کو جلا دیا جاتا ہے۔ اس خطہ کے باشندے اکثر غیر مہذب اور وحشی ہیں۔ بعض حصوں میں باہر سے پہنچے ہوئے ترقی یافتہ باشندے آباد ہو کر معاشی اور تمدنی حالات کو بدلنے کی جد و جہد کر رہے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اسٹاک ہوم: سویڈن کا یہ صدر مقام سویڈش زبان میں اسٹاک ہولیم کہلاتا ہے۔ سویڈن کے مشرقی وسطی حصے میں جھیل میلارن کے کنارے واقع ہے۔ بحیرۂ بالٹک پر یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ بھی ہے۔ یہاں جہاز سازی کے بڑے کارخانے واقع ہیں۔ یہ ایک بڑا صنعتی شہر ہے۔ یہاں کی صنعتوں میں مشینری، کپڑا، کیمیائی اشیاء ربر، غذائی اشیاء، تمباکو اور شراب بنانا شامل ہیں۔ اسٹاک ہوم سویڈن کا مالیاتی، ثقافتی اور سیاسی مرکز ہے۔ یہاں اسٹاک ایکسچینج، یونیورسٹی (جو 1877 میں قائم کی گئی تھی) کے علاوہ علم موسیقی، سائنس، فنون اور اکیڈمی آف یورپ، کئی میوزیم اور حیوانیاتی باغ ہیں۔ قرون وسطی میں بھی یہ تجارت کا مرکز رہا ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی تقریباً 806,900 تھی۔

سنہ 1520 میں ڈنمارک اور ناروے کے بادشاہ کرسچین دوم نے سویڈن کی بادشاہت کا بھی اعلان کر دیا۔ سنہ 1634 میں یہ سویڈن کا ایک باقاعدہ صدر مقام بنا اور ملکہ کرسٹنا کے دور میں یہ یورپ کے علم وادب کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ اس کی جدید طرز پر تعمیر انیسویں صدی میں ہوئی اور یہ دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں سمجھا جاتا ہے۔ یہ مختلف جزیروں اور جزیرہ نماؤں پر تعمیر ہوا ہے۔

اسٹائلولائٹ (Stylolite): پرتی سطح (Bedding Plane) کے علاوہ عام طور پر چونے پتھر یا لائم اسٹون قسم کے حجرات میں کبھی کبھی پایا جانے والا ناہموار اور خمیدہ خط اسٹائلولائٹ کہلاتا ہے۔ اس خط کے دونوں طرف کے چٹانی اجسام ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے انھیں توڑ کر اس خط کے مطابق پھر جوڑ دیا گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ایسی ساخت عام طور پر دباؤ کے زیر اثر تحلیل (Solution) اور دوبارہ ذخیر گی (Re-deposition) کے باعث بنتی ہے۔ اکثر یہ خمیدہ رکاز (Fossils) یا رسوبی ساختوں کو قطع کرتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ساخت مکمل طور پر بستہ رسوب میں ہی بنتی ہے۔

استرابو: زمانہ قدیم کے یونانی مفکرین میں صرف استرابو ہی کو جغرافیائی مسائل سے قدرتی لگاؤ معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہر جغرافیائی تصور پر فلسفیانہ انداز میں محققانہ نظر ڈالتا تھا اور اسباب ونتائج کو صحیح طور پر جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ گہرے جغرافیائی مطالعہ کے باعث اسے قرون اولی کا ایک بڑا عالم گردانا جانے لگا۔ اس کی بیش بہا تصانیف جو سترہ جلدوں پر مشتمل ہیں قدیم جغرافیائی علم کے میدان کی ناقابل فراموش یادگار ہیں۔ انسانی تجسس کے ابتدائی دور میں استرابو کی تصانیف ہی جغرافیائی مسائل کے تعلق سے معیاری گردانی گئیں۔ اس کی پیش کردہ مدلل، تشریحات کے باعث علم جغرافیہ پہلی بار صف اول کے دیگر تحقیقاتی علوم میں کافی اہم سمجھا جانے لگا۔ استرابو کی تشریحات نے یہ ثابت کر دیا کہ صحیح جغرافیائی معلومات عوام اور حکام دونوں کے لیے بے حد ضروری ہیں۔ جغرافیہ کے مطالعہ کے مقصد اور اس کے فوائد کو واضح کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ یہ مضمون دیگر سائنسی مضامین ہی کی طرح بڑی اہمیت کا حامل ہے اور فلسفیوں کی خصوصی توجہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس نے عوام کو اس حقیقت سے روشناس کیا کہ جغرافیہ کے تمام قدیم مفکر فلسفی ہی تھے۔ اس کا خیال تھا کہ خشکی اور تری کے حالات، فضائی مسائل اور اجسام فلکی سے تعلق رکھنے والی پیچیدگیاں صرف وسیع و عمیق مطالعہ کرنے والے فلسفی ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ جغرافیائی اہمیت کی صراحت کرتے ہوئے اس نے بڑی تفصیل سے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ یہ مضمون سیاست دانوں اور حکمرانوں کے زاویہ نگاہ کو درست کرتا ہے، فوج کے سرداروں کو صحیح رخ پر لے جاتا ہے، عوام کو گرد و پیش سے اچھی طرح روشناس کراتا ہے، مختلف خطوں میں طبعی، نباتاتی، حیواناتی اور انسانی کیفیتوں کے اختلافات کو سمجھاتا ہے اور آب و خاک وباد (پانی، مٹی اور ہوا) کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے ان سب کے کرہ ارض پر اثرات کی وضاحت کرتا ہے۔

جغرافیہ کی اہمیت اور وسعت مطالعہ کے تعلق سے استرابو کے تصورات آج کے جدید تصورات ہی کے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے قدیم دور میں صحیح معلومات کی کمیابی اور سائنسی مضامین کی محدود ترقی کے باعث معاونین غور و فکر کا فقدان تھا، اس لیے وہ اپنے تصورات کو نکھار کر عوام کے سامنے نہ رکھ سکا۔ جگہ جگہ اس کی وضاحتیں تشنہ اور خیالات خود ساختہ دکھائی دیتے ہیں۔

اس نے مفکرین کے سامنے پہلی بار یہ حقیقت پیش کی کہ جغرافیائی ماحول کے علاوہ کچھ اور امور بھی ہیں جو مختلف علاقوں میں تاریخی واقعات اور ثقافتی میلانات پر کافی اثر ڈالتے ہیں۔ مثالوں میں اس نے بتایا ہے کہ پڑوسی قوموں کے اختلاط اور حاکم فرقوں کی تہذیب و تمدن کا عوام کی زندگی پر کافی اثر پڑتا ہے۔

استرابو نے بڑی جانفشانی سے جغرافیائی معلومات کو بہتر طریقہ پر پیش کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے نظریوں کو مسائل سے ٹھیک طور پر وابستہ کرنے میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔

اس نے آباد دنیا کی وسعت کو کروی ذوارعۃ الاضلاع کی شکل میں بحری علاقوں سے گھرا ہوا بتایا۔ دنیا کے ابعاد کے تعین میں اس نے اپنے استاد ایراٹاستھینز کے مقابلہ میں پاسی ڈونیس سے زیادہ اتفاق کیا۔ اس نے تھیول کے وجود کو تسلیم نہیں کیا، لیکن ارسطو کی طرح دنیا کے نامعلوم علاقوں میں ایک آباد خطہ کے وجود کا امکان بتایا۔ اس کی جغرافیائی تصانیف، واقعات اور کہانیوں کا مجموعہ ہیں، حقائق اور

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

روایات کا مرکب ہیں اور توہمات اور مدلل سائنسی بیانات کو ایک ساتھ پیش کرتی ہیں۔ ان نقائص کے باوجود بھی اس کی تصانیف عرصہ تک علاقائی جغرافیہ کی اہم کتب سمجھی جاتی رہیں۔ آج بھی کثرت معلومات کے اعتبار سے وہ کافی اہمیت رکھتی ہیں۔

اسٹیچوٹ میل: یہ انگریزی میل 1.61 کلو میٹر یا 1760 گز کے مساوی ہوتا ہے۔

اسٹیریو گرافک یا سہ بعدی تظلیل: یہ ایک قسم کی سمت الراس صحیح الشکل تظلیل ہے۔ اس کے جال پر مرکز سے زیادہ فاصلہ کے علاقوں میں مبالغہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن یہ اضافہ ئوموتکِ تظلیل کے جال کے اضافہ سے کم رہتا ہے۔ اس تظلیل کے جال پر وسیع علاقوں کی شکلیں کچھ بگڑی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

اسٹینووائے: روس کا یہ پہاڑی سلسلہ صوبہ آمور اور یاکٹسک کے خود مختار روسی علاقہ کے درمیان سرحد پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ اس نے دریائے لینا اور دریائے آمور کے طاسوں کو جدا کر دیا ہے۔ مشرقی حصہ تقریباً آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔ مغربی حصے کم اونچے ہیں۔ آمور اور یاکٹسک کی شاہراہ اسے عبور کرتی ہے۔

اسٹیونسن اسکرین: یہ دوہری چھت والا الماری نما چوبی ڈبہ ہوتا ہے اس کو سفید رنگ سے پالش کیا جاتا ہے۔ اس کے پہلوؤں پر لگی ہوئی ڈھلوان پٹیوں کے درمیان سے ہوا کا گزر تو ہو سکتا ہے مگر بارش کا پانی داخل نہیں ہو سکتا۔ اسے ایک اسٹینڈ کے سہارے سطح زمین سے 1.2 میٹر کی بلندی پر نصب کیا جاتا ہے۔ اس میں رکھے ہوئے خشک و تر جوفہ کے حرارت پیما اور اعظم و اقل حرارت پیما، دھوپ اور تیز و تند ہواؤں سے محفوظ رکھنے کے باعث تحفظاتی درجہ حرارت اور رطوبت کو صحیح طور پر ظاہر کر سکتے ہیں۔

اسطرلاب (Astrolab): یہ اجرام فلکی کی بلندیاں معلوم کرنے کا آلہ ہے۔

اسفنج (Sponge): چپٹے جانداروں کا گروہ جو اتھلے سمندری پانی میں انفرادی طور پر یا بستی بنا کر رہتے ہیں اور کثیر خلیائی جانوروں میں قدیم ترین ہیں۔ ان کے اجسام میں بے شمار چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جن میں پانی داخل ہو کر متعدد نالیوں (Canals) کے ذریعہ بہتا ہے۔

اسکاٹ: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

اسکینڈینیویا: شمالی یورپ کے اس علاقہ میں ناروے، سویڈن اور ڈنمارک واقع ہیں۔ جغرافیہ داں ارضیاتی اور معاشیاتی اساس پر اس میں فن لینڈ کو بھی شامل کر لیتے ہیں انسانیاتی، تمدنی اور لسانی بنیادوں پر آئس لینڈ اور فاروجزائر کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ جدید نام نارڈن کے تحت ناروے، سویڈن، ڈنمارک، فن لینڈ اور آئس لینڈ شامل کیے جاتے ہیں۔

اسلام آباد: 1959 کے بعد کراچی کو پاکستان کے پایہ تخت کے لحاظ سے ناموزوں قرار دیا گیا۔ اس کے بعد ایک کمیشن کے ذریعہ اسلام آباد کو پاکستان کا پایہ تخت منتخب کیا گیا جس کا نام ملک کے نظریات کی عکاسی کرتا ہے اور تاریخی مفہوم بھی رکھتا ہے۔

یہ شہر راولپنڈی سے 14 کلو میٹر کی دوری پر شمال مشرقی سمت میں واقع ہے اور سطح سمندر سے 1,650 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

دفاعی کام، سلسلۂ مواصلات اور آبرسانی کے لیے اس کا محل وقوع بہت ہی موزوں ہے۔ یہاں کی عمارتوں میں پریسیڈنٹ ہاؤس، نیشنل اسمبلی بلڈنگ، نیشنل یونیورسٹی اور گرانڈ نیشنل مسجد شامل ہیں۔

یہاں شہری علاقے کو عمل اور استعمال کے لحاظ سے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جیسے انتظامی، سفارتی، رہائشی، مخصوص ادارے جات، صنعتی علاقے، تجارتی علاقے، زراعت اور نیشنل پارک جس میں چڑیا گھر نباتیاتی باغ، ڈیری فارم اور پولٹری فارم شامل ہیں۔

اسلامی جمہوریہ ایران (Islamic Republic Of Iran): ایران کو پہلے فارس کے نام سے جانا جاتا تھا اور اسے انگریزی میں پرشیا کہتے تھے۔ 1935 میں اس کا نام فارس کے بجائے ایران اور پھر اسلامی جمہوریہ ایران رکھا گیا۔

ایران جنوب مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 1,648,000 مربع کلو میٹر (636,294 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 میں تقریباً 55,763,000 تھی۔ تہران اس کا پایہ تخت ہے۔

ایران کے جنوب میں خلیج فارس اور خلیج عمان، بحیرہ عرب، مشرق میں افغانستان اور اسلامی جمہوریہ پاکستان، شمال میں آرمینیا، آذربائیجان، ترکمنستان، اور مغرب میں ترکی اور عراق واقع ہیں۔ شط العرب بھی عراق اور ایران کی سرحد کا

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ایک حصہ ہے۔ تہران کے علاوہ یہاں کے دوسرے مشہور شہر تبریز، مشہد، اصفہان، ہمدان، شیراز، اباداں، کرمان شاہ، قم، کاراج، ارومیہ، خرم آباد، خرم شہر اور رشد ہیں۔ خلیج فارس کے بندرگاہ خرم شہر اور بندر شاہ پور اور بحیرہ خزر کا بندرگاہ بندر شاہ کافی اہم ہیں۔ ایران ایک وسیع و عریض سطح مرتفع پر واقع ہے، جو مغرب میں سطح مرتفع اناطولیہ سے اور شمال میں کوہ قاف خورد سے جاملتا ہے اور مشرق میں بلند ہوتا ہوا سطح مرتفع افغانستان کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ ایران کے شمال مشرق اور جنوب مشرق میں بڑے بڑے ریگستان اور کھار کے میدان موجود ہیں۔ دریا بہت کم اور غیر اہم ہیں۔ موسم سخت گرم اور سخت سرد ہوتا ہے۔ صحرائی علاقے نباتات اور حیوانات سے محروم ہیں لیکن بحیرۂ خزر کے ساحلی خطے سرسبز و شاداب اور انواع واقسام کے جانوروں سے آباد ہیں۔ بحیرۂ خزر سے ہمہ اقسام کی مچھلیاں دستیاب ہوتی ہیں۔ یہاں کے ارضی وسائل میں سب سے اہم پیٹرول کے ذخائر ہیں اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ساری دنیا کے پیٹرول کا دسواں حصہ یہاں موجود ہے۔

1951 میں تیل کی صنعت کو قومیایا گیا۔ 1954 میں ایران نے تیل کی صنعت کو فروغ دینے کی غرض سے ایک بین الاقوامی کنسورشیم سے معاہدہ کیا ہے۔ ایران کے دیگر معدنی ذخائر میں کوئلہ، خام لوہا، نکل، مینگنیز، تانبا، سیسہ، گندک، کرومیم، کوبالٹ، ٹن، چاندی اور سونا شامل ہیں۔ یہاں قیمتی پتھر بھی بکثرت دستیاب ہوتے ہیں۔ ایران کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تیل ہی ہے۔ لیکن یہاں کی معیشت کی نوعیت بنیادی طور پر زرعی ہے۔ آبادی کا تقریباً اسی فیصدی حصہ کسانوں پر مشتمل ہے۔ جو زراعت سے اپنی روزی کماتا ہے۔ بحیرۂ خزر کے آس پاس کا علاقہ اور شمال مغرب کی وادیاں غذائی پیداوار کے اہم رقبے ہیں۔ سب سے اہم فصل گیہوں کی ہے، جو زیادہ تر مغرب اور شمال مغرب میں پیدا ہوتا ہے۔ بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں میں چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جو (بارلی)، مکئی کپاس، چائے، تمباکو اور مختلف قسم کے پھل اور میوے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تہائی زیر کاشت اراضی کی سینچائی ذرائع آبپاشی سے کی جاتی ہے۔ جن میں قدیم زمانے کی بنی ہوئی زمین دوز پکی نہریں سب سے اہم ہیں۔ زرعی پیداوار میں سب سے بڑی رکاوٹ ناکارہ اور قدیم طریقۂ کاشت، زمین کا ضرورت سے زیادہ استعمال، ناقص کھاد، ناقص بیج اور پانی کی کمیابی ہے۔ قابل کاشت آراضی کے بڑے حصے پر یا تو زمیندار یا مذہبی رہنما اور مذہبی ادارے قابض تھے یا وہ شاہی ملکیت میں تھے۔ جہاں تک صنعت کا تعلق ہے، سب سے بڑی اور اہم صنعت تیل کی پیداوار ہے۔ اس کے علاوہ کپڑا اور سیمنٹ کی صنعت کو بھی فروغ دیا جارہا ہے۔ شکر چائے اور دیا سلائی کے کارخانوں کے علاوہ دیگر اہم کارخانے حکومت یعنی شاہ کی اجارہ داری میں تھے۔ قالین بافی اور کوزہ گری کی مشہور اور قدیم صنعتیں بھی اہمیت کی حامل ہیں۔

درآمدات زیادہ تر جرمنی، امریکہ، برطانیہ، اٹلی اور فرانس سے ہوتی ہیں اور برآمدات جاپان، جرمنی، امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 93 فیصدی کچا تیل ہے۔

ایران کے حمل و نقل کی ساری بنیاد ٹرانس ایرانین ریلوے پر قائم ہے جو خلیج فارس سے لے کر بحیرۂ خزر تک چلی گئی ہے۔ اس کی کئی شاخیں تہران سے مشرق اور مغرب کی جانب بھی جاتی ہیں۔ پاکستان اور ترکی جانے والی ریلوے لائنیں بھی زیر تعمیر ہیں۔ ایران اپنے محل وقوع کی وجہ سے بے شمار قوموں کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی آبادی میں ہم آہنگی اور یگانگت نہیں پائی جاتی، تاہم ان کی بنیاد پرانی ہی ہے۔

ایران کئی مذاہب کی جنم بھومی رہا ہے لیکن ان سب میں اہم زرتشتی مذہب ہے جو اسلام سے پہلے یہاں کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام یہاں پہنچا اور آج یہاں کی تقریباً 98 فی صدی آبادی مسلمان ہے۔ جس میں اکثریت شیعہ مسلمانوں کی ہے۔ بقیہ باشندے خاص طور سے کرد اور سنی ہیں۔ ان کے علاوہ آرمنی، اسیریائی، عیسائی اور یہودی اور بابی بھی ہیں۔ ایران کی سب سے اہم زبان فارسی ہے۔ اس کے علاوہ شمال مغرب میں ترکی اور آرمینیائی، مغرب کے کوہستانی علاقے میں کردی اور خلیج فارس کے آس پاس عربی بھی بولی جاتی ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 9,787,593 طالب علم اور 312,273 استاد اور ثانوی مدرسوں میں 4,287,000 طالب علم نیز 62,236 استاد تھے۔ حرفی مدارس میں 260,576 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 256,212 طالب علم تھے۔

ایران کی تاریخ بہت قدیم اور طویل ہے۔ دنیا کی بعض قدیم ترین بستیوں کے آثار بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں اور سطح مرتفع ایران میں دریافت ہوئے ہیں۔ چار ہزار سال ق۔م۔ میں یہاں دیہی زندگی کا آغاز ہوچکا تھا۔ کوئی دو ہزار سال ق.م. میں آریہ یہاں آئے اور دو بڑے گروہوں میں بٹ گئے۔ انھیں میں سے ایک گروہ ماد (Medea) کے علاقے میں بس گیا، دوسرا فارس میں۔ غالباً یہ قاف کے علاقے کے خانہ بدوش تھے جو چلتے چلتے سطح مرتفع ایران میں داخل ہوئے اور وہاں کے اصلی باشندوں پر تسلط حاصل کرلیا۔ چھٹی صدی ق م تک فارس کے علاقہ میں ان کا اقتدار مستحکم ہوگیا۔ ایلم کے زوال سے بھی انھیں فائدہ پہنچا۔ اس وقت فارس ایک پڑوسی ملک ماد (Medea) کی طرح اسیریائی سلطنت کا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ایک اہم صوبہ تھا۔ فارس کے حکمران اپنے آپ کو ہکامنیش(Hakhamanese)یا اکامینیز (Achaemenes) کی اولاد بتلاتے ہیں۔ ان کے اہلِ ماد سے بھی قریبی تعلقات تھے۔ ماد ساتویں صدی ق۔ م میں ایک طاقتور سلطنت تھی جن کے ہاتھوں 612ق. م. میں نینوا کو شکست ہوئی تھی اور اشوری سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ چھٹی صدی قبل مسیح تاریخ کا ایک بہت ہی اہم دور گزرا ہے۔ اس زمانے میں دو آبہٴ دجلہ و فرات کی ریاستوں کا صفحہ ہستی سے خاتمہ ہوا، رومن ریپبلک کی داغ بیل پڑی۔ اہل ایران و یونان میں پہلی مرتبہ رابطہ قائم ہوا اور سلطنت ایران کی توسیع عمل میں آئی۔ ہیرودوط (Herodotus) کے بیان کے مطابق سلطنت فارس کا بانی کوروش (Cayrus) تھا جس نے تقریباً 550 ق.م. میں اپنے نانا، کسارلیا (Cyaxaras) سے اقتدار حاصل کیا۔ اور بہت ہی مختصر عرصہ میں اپنی سلطنت مغرب میں ایلم اور ماد سے لے کر شمال تک وسیع کرلی تھی اور ایشیائے کوچک تک پیش قدمی کر کے لیڈیا، بابل اور مصر کی متحدہ قوت کو شکست دی تھی۔ کوروش اعظم نہ صرف عظیم سپہ سالار تھا بلکہ اس کی تنظیمی صلاحیتیں بھی غیر معمولی تھیں۔ اس نے ایران کے نظام حکومت کو اپنایا اور اس میں اصلاح کی۔ کابل اور مصر سے دستکاروں اور فن کاروں کو بلوا کر بڑی بڑی عمارات تعمیر کروائیں۔ تاہم یہ عظیم سلطنت بہت جلد خاندانی جھگڑوں کی نذر ہو گئی۔ کوروش اعظم کے لڑکے کمبوجیہ کے انتقال پر داریوش اول (دارا) نے خانہ جنگی کو فرو کر کے اقتدار حاصل کرلیا اور ایک ایسا مرکزی نظم و نسق قائم کیا جو اپنی کارکردگی کے لیے غیر معمولی شہرت کا حامل تھا۔ ہر علاقے کے لیے ایک صوبیدار مقرر کیا اور ان پر نگرانی کی غرض سے ایک ناظم اور ایک سپہ سالار متعین کیا جو صرف شہنشاہ کے آگے جوابدہ ہوتے تھے۔ رسل و رسائل کے ایک پیچیدہ اور کارآمد نظام کے ذریعہ مرکز کو ہمیشہ باخبر رکھا جاتا تھا۔ قدیم قوموں میں اہل ایران پہلی قوم ہیں جنھوں نے رسل و رسائل اور حمل و نقل کے لیے نہایت کامیابی سے گھوڑے کا استعمال کیا۔ داریوش نے سلطنت کے اندر بسنے والی مختلف تہذیبوں کی ہمت افزائی میں کوروش اعظم کی پیروی کی اور اپنی رعایا کے عقائد اور رسم و رواج میں مداخلت سے بڑی حد تک گریز کیا اور اس نے صرف اہل بابل مصر اور لیڈیائی باشندوں کی زیادتیوں کو فرو کیا۔ ایرانی اتحاد کو برقرار رکھنے میں زرتشت مذہب کا بھی بڑا دخل ہے، جو اس وقت اہل ایران کا عام مذہب تھا۔ داریوش نے فنون لطیفہ کی سرپرستی کی اور عالی شان محلات تعمیر کروائے۔ سوسا (Susa) اور پرس پولس کی عمارتیں اس کی گواہی دیتی ہیں۔ داریوش بحیثیت فاتح بھی شہرت کا مالک ہے۔ اس کے زمانے میں ایرانی سلطنت کی حدود مشرق میں موجودہ افغانستان اور پاکستان تک چلی گئی تھیں۔ شمال میں وہ دریائے ڈینیوب تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن اہل یونان کے مقابلہ میں طویل لڑائیوں کے باوجود داریوش دوئم اور اس کے جانشین خشیار شا اول(Xevxes) کو کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ تاہم ایرانی دربار میں یونانی باشندوں کی موجودگی کی وجہ سے یونانی علوم و فنون سے متعارف ہونے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ فاتح سلامیز (Salameys)، تھیمس توکلیس (Themistocles) کو یونان سے جلا وطن کر دیے جانے کے بعد ایران ہی میں پناہ لینی پڑی تھی۔ خشیار شار کے قتل کے بعد عنان سلطنت اردشیر کے ہاتھ میں آئی اور پھر طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ 336ق. م. میں داریوش سوم برسر اقتدار آیا، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد سرزمین ایران پر سکندر اعظم کے حملے شروع ہو گئے۔ سکندر نے 333 ق.م. اور 331 ق.م. کے معرکوں میں ایرانیوں کو شکست فاش دے کر ہخامنیس سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ سکندر کے انتقال کے بعد ایران پر یونانیوں کی سیاسی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تاہم ایرانی تہذیب میں یونانی علوم و فنون کا ایک خوشگوار عنصر شامل ہو گیا۔ سکندر کے بعد ایران سلیوقیوں کے زیر اقتدار آگیا لیکن ان کا اقتدار بھی پارتھیوں کی وجہ سے، جو ایرانی سلطنت کے قائم مقام بننا چاہتے تھے، کمزور پڑ گیا۔ دوسری صدی عیسوی میں پارتھیوں کی قوت بھی زائل ہو گئی اور تقریباً226 میں ان کی جگہ ایک زیادہ جاندار طاقتور ساسانی خاندان نے لے لی۔ اس خاندان کے بانی اردشیر اول نے پارتھیائی اور سلیوقی کھنڈرات پر ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ساسانی بادشاہ ہکامنیش کے حقیقی وارث ثابت ہوئے۔ اردشیر اول، شاہ پور اول اور شاہ پور دوم سب ہی طاقتور حکمران تھے۔ جنھوں نے بڑی بہادری سے رومیوں کا مقابلہ کیا۔ ان کی راجدھانی طیسفون (Ctesiphon) ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز بن گئی اور اس کے ساتھ رومتہ الکبریٰ کا ستارہ زوال پر آگیا۔ بازنطینی اقتدار ساسانیوں کے آگے ٹک نہ سکا۔ چھٹی صدی عیسوی میں کِسریٰ اول، جو ایرانی تاریخ میں نوشیرواں عادل (کسریٰ) کے نام سے افسانوی شہرت کا حامل ہے، برسر حکومت آیا۔ اس کے زمانے میں ساسانی اقتدار اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ بحیرۂ اسود سے لے کر جنوبی عربستان، روم، رومتہ الکبریٰ سے لے کر جیحون (موجودہ آمو دریا) تک کا سارا علاقہ اس کا حلقہ بگوش تھا۔ کسریٰ دوم کے زمانے میں تو ساسانی دربار کی شان و شوکت کے افسانے دور دور تک پھیل گئے تھے۔ طیسفون اور فیروز آباد جیسے شہروں کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔ سلطنت کا نظم و نسق، اس کی کارکردگی، ملک کی پیداواری صلاحیت، فنون لطیفہ، دستکاری، پارچہ بافی، مجسمہ سازی اور فن تعمیر میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ ایک طاقتور مرکزی نظام، اصلاح یافتہ زرتشتی مذہب اور ایک ابھرتا ہوا طبقاتی سماج ساسانی سلطنت کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ کسریٰ ثانی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد اس سلطنت کا زاول شروع ہو گیا۔ بہر حال ساسانی دور 226 سے شروع ہو کر نویں صدی کے وسط تک قائم رہا۔ اس کے بعد عرب حملہ آوروں نے یزدگرد کو شکست دے کر 42-641 میں طیسفون اور نہاوند پر قبضہ کر لیا۔ زرتشتی مذہب کی جگہ اسلام نے لے لی اور سارا مقبوضہ ایران وسیع اسلامی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ اس طرح جدید ایران کی بنیاد پڑی۔

1979 تک ایران ایک دستوری شہنشاہیت تھا۔ پارلیامنٹ 1906 کے دستور پر عمل کرتی تھی۔ 1979 میں ایران ایک اسلامی جمہوریہ بن گیا اور ایک نیا دستور تیار ہوا۔

16 جنوری 1979 کو شاہ پہلوی نے ایران سے فرار ہو کر ملک چھوڑ دیا۔ امام خمینی کی قیادت میں شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا اور نئی حکومت مذہبی اقتدار پر کاربند ہو گئی۔ ایک نیا قانون (دستور) تیار کیا گیا جو صدارتی نظام پر مبنی ہے۔ 1981 میں عراق نے شط العرب کے معاملہ کو لے کر حملہ کر دیا اور پھر جنگ آٹھ سال تک جاری رہی۔ جولائی 1988 میں خمینی نے اقوام متحدہ کی مجوزہ جنگ بندی منظور کر لی۔ 1989 میں روسی بھی افغانستان سے جانے لگے تو حالات بہتر ہو گئے کیونکہ دس سال تک افغانستان پر روسی حملوں کی وجہ سے تقریباً تین لاکھ افغان پناہ گزیں ایران میں موجود رہے۔ 1990 میں جب کویت پر عراق کا حملہ ہوا تو ایران بھی عراق کے خلاف رہا۔ لیکن متحدہ افواج کی خلیجی علاقوں میں موجودگی کی مخالفت میں ایران نے عراق کی حمایت کی۔

اسلامی جمہوریہ موری ٹینیا (Islamic Republic of Mauritania): افریقہ کے شمال مغرب میں بحر اوقیانوس کے ساحل پر واقع ایک اسلامی جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال مغرب شمال میں مغربی صحارا ہے جس کا کچھ حصہ اب موری ٹینیا کے قبضہ میں ہے۔ شمال مشرق میں الجیریا، مشرق اور جنوب مشرق میں مالی اور جنوب مغرب میں سینیگال واقع ہیں۔ موری ٹینیا کا کل رقبہ 10,25,700 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 2,036,000 ہے۔ صدر مقام نوکاشوت (Noukachott) ہے۔ ملک کی زبان عربی ہے۔ فرانسیسی بھی استعمال ہوتی ہے۔ اکثریت کا مذہب اسلام ہے۔

موری ٹینیا افریقہ کے غریب ترین ملکوں میں سے ہے۔ زیادہ تر رقبہ بے آب و گیاہ ریگستان ہے۔ جنوبی سرحد پر دریائے سینیگال بہتا ہے۔ جس کے قریب ایک زرخیز وادی ہے جس میں کسان مکئی کی کاشت کرتے ہیں۔ شمال میں کہیں کہیں نخلستان ملتے ہیں۔ جن کے اطراف چرواہے بھیڑیں، بکریاں پالتے ہیں اور کھجوریں اور گوند اکٹھا کرتے ہیں۔ جدید سڑکیں بہت ہی کم ہیں۔ آبادی پوری کی پوری مور ہے جو عرب اور بربر کی ملی جلی نسل ہے۔ لیکن ایک کافی بڑی اقلیت سیاہ فام افریقیوں کی بھی ہے۔ سرکاری مذہب اسلام ہے۔ موری ٹینیا صدیوں سے قرآنی تعلیمات کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے علما تمام اسلامی دنیا میں محترم رہے ہیں۔

رائج سکہ موری ٹینی روپیہ ہے۔

ملک کی اصل دولت زمین کے اندر ہے۔ حال ہی میں لوہے اور تانبے کی کچی دھاتوں کے ذخیرے دستیاب ہوئے ہیں اور تیل بھی نکلا ہے۔ درآمدات زیادہ تر برطانیہ، جنوبی افریقہ، تائی وان، ایران، فرانس، جرمنی، جاپان اور امریکہ وغیرہ سے آتی ہیں اور برآمدات کناڈا، برطانیہ، امریکہ اور ایران وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 86 فیصدی حصہ شکر ہے۔ سیاحت سے تقریباً دو کروڑ ڈالر سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔

تاریخ: موری ٹینیا کی ابتدائی تاریخ عربوں اور بربر کے شمال سے حملوں کی تاریخ ہے۔ ان حملوں سے مقامی نیگرو آبادی جنوب کی طرف نقل مکان کرتی رہی۔ بربر قبیلہ، جس نے گھانا کی عظیم سوڈانی سلطنت کو گیارھویں صدی عیسوی میں ختم کر دیا تھا، موری ٹینیا میں بس گیا۔ اس نے بعد میں شمالی افریقہ اور اسپین کو فتح کیا۔ اس کے جانشین بعد میں المورادی (المرود) کہلائے۔ یوروپی قومیں موری ٹینیا میں سب سے پہلے پندرھویں صدی میں پہنچیں جبکہ پرتگالیوں نے اس کے ساحل پر کھوج شروع کی۔ فرانسیسی اٹھارھویں صدی میں داخل ہونا شروع ہوئے اور انیسویں صدی کے ختم تک بہت سے مور سرداروں سے معاہدے ہو گئے تھے۔ 1903 میں موری ٹینیا فرانس کے ماتحت آ گیا اور پھر اسے فرانسیسی مغربی افریقہ کا ایک حصہ بنا لیا گیا۔ لیکن فرانسیسی 1920 تک بغاوتوں پر قابو نہ پا سکے۔ 1920 میں یہ پوری طرح فرانس کی کالونی یا مقبوضہ بن گیا۔ 1958 میں جب فرانسیسی مقبوضات کی بڑھتی ہوئی آزادی کی تحریک سے مجبور ہو کر ان میں رائے شماری کروائی گئی کہ وہ آزادی چاہتے ہیں یا فرانسیسی سلطنت میں رہنا پسند کرتے ہیں تو موری ٹینیا نے فرانسیسی کمیونٹی میں رہنا پسند کیا۔ لیکن عوام کے دباؤ سے 1960 میں اس نے مکمل آزادی حاصل کر لی اور فرانسیسی کمیونٹی سے نکل گیا۔

مغربی صحارا کے لیے مراقش اور موری ٹینیا دونوں دعوے دار رہے ہیں اور الجیریا اس کی مکمل آزادی کا حامی رہا ہے۔ اسپین نے 26 فروری 1976 کو مغربی صحارا کو آزادی دے دی اور مغربی (ہسپانوی) صحارا کے محاذ آزادی اور مراقش اور موری ٹینیا کی فوجوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ الجیریا نے محاذ آزادی کو تسلیم کیا جس سے الجیریا سے مراقش اور موری ٹینیا کے سفارتی تعلقات

ٹوٹ گئے۔ مراقش اور موری طینیا نے ایک سمجھوتے کے ذریعے یہ علاقہ تقسیم کر لیا لیکن محاذ آزادی اب بھی الجیریا کے اندر سے اپنی جدوجہد جاری رکھے رہا۔ اس صورت حال کا اثر موری طینیا کی معاشی زندگی پر بہت برا پڑا۔ اسے اپنے فوجی بجٹ میں 24 فیصدی کا اضافہ کرنا پڑا۔ موری طینیا مجلس اقوام متحدہ، عرب لیگ اور افریقی اتحاد کی کانفرنس کا ممبر ہے اور غیر جانب دار ملکوں کی برادری میں شریک ہے۔ آزادی کے بعد سے مختار اولد داداس کے صدر رہے۔ جولائی 1978 میں فوجی بغاوت کے ذریعے اس کا تختہ الٹ دیا گیا اور فوجی حکومت قائم کر دی گئی۔ لیفٹیننٹ کرنل مصطفیٰ اولد محمد سالک نے حکومت سنبھال لی۔ 1979 اور 1980 میں برابر صدر بدلتے رہے۔ 1984 میں موری طینیا نے مغربی صحارا کی آزادی کو تسلیم کر لیا جس سے موری طینیا کے عوام حکومت سے ناراض ہو گئے۔ 1985 میں مراکش سے سفارتی تعلقات بحال ہو گئے۔ 1989 میں مُور اور سیاہ فام باشندوں کے درمیان کشیدگی بہت بڑھ گئی۔ 1991 میں ایک نیا آئین مرتب کیا گیا۔ 1992 میں صدر تایا ایک بار پھر منتخب ہو گیا۔

اُسم بورا: بُرنڈی کا دارالحکومت ہے۔ اس کے مغربی حصے میں جھیل ٹانگا نیکا واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 27,300 ہے۔ یہاں بندرگاہ بھی ہے۔ یہ شہر اس ریاست کے حمل و نقل اور تجارت کا مرکز ہے۔ کافی، کپاس اور جست کی کچ دھات یہاں سے برآمد کی جاتی ہے۔ صنعت و حرفت یہاں معمولی سی نوعیت کی ہے۔ 1899 میں جرمنوں نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔

اسمتھ، ولیم (William Smith): اسمتھ 1769 میں پیدا ہوا اور اس نے 1839 میں انتقال کیا۔ وہ مشہور برطانوی ماہر ارضیات تھا جس نے رکازات (Fossils) کی اہمیت کا اندازہ کیا اور بتایا کہ ان سے حجرات کی پرتوں کی عمر پیائی (Dating) کی جا سکتی ہے۔ یہ مشاہدہ وہ نہروں اور ریلوں کی تعمیر کے سلسلے میں بطور سرویئر سارے ملک میں سفر کر کے کر سکا تھا۔ اس سفر میں اس نے جتنی معلومات حاصل کیں وہ جزائر برطانیہ کے 1815 میں شائع شدہ نقشے میں پیش کیں اور اس نقشہ کو کلاسیک کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد ہی اس نے کئی کتابیں لکھیں اور شائع کیں جن میں اس نے رکازات اور حجرات کی پرتوں کے باہمی تعلق کا اظہار کیا۔ اس لحاظ سے اس کی تحقیقات ایک کارنامے کا درجہ رکھتی ہیں کیونکہ اس نے ارضیات کی نہ تو باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی اور نہ کسی قسم کی مالی امداد اسے حاصل تھی۔

اسنشن (Asuncion): پاراگوئے (Paraguay) کا صدر مقام ہے۔ سطح سمندر سے 175 فٹ بلند ہے۔ موسم گرما میں درجہ حرارت زیادہ رہتا ہے۔ سرما سرد رہتا ہے۔ یہاں کے بڑے بڑے چمن اور پھولدار درخت اور پودے قابل دید ہیں۔ تجارتی مال کی برآمد اور تقسیم کا اہم مرکز ہے۔ نواحی علاقوں میں کپاس، گنے، مکئی، تمباکو اور پھلوں کی کاشت ہوتی ہے۔ صنعتی میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ پارچہ بافی کے مرکز، بناسپتی تیل اور جوتوں کے بنانے کے کارخانے اور آٹا پیسنے کی چکیاں اہم ہیں۔ ریلوے اسٹیشن اور ایرپورٹ بھی ہے۔ ذرائع آمد و رفت نے اسے بیونس آئرس (Buenos Aires) سے مربوط کر دیا ہے۔ سنہ 1972 میں اس کی آبادی 387,676 تھی۔

اسیڈور: دور وسطیٰ میں اس عیسائی جغرافیہ داں نے اوریجنس (Origins) کے عنوان سے بیس جلدیں مرتب کیں۔ ان میں تیرہویں اور چودھویں جلدیں جغرافیائی معلومات سے تعلق رکھتی تھیں جو زیادہ تر علاقائی اساس پر لکھی گئی تھیں۔ یہ کتابیں انجیل کے صحیفوں اور مریلا اور سلونیس کے غیر مستند ماخذوں سے مرتب ہوئی ہیں۔ عام جغرافیائی بیانات میں اس نے موسم اور آب و ہوا کی وضاحتوں کے ساتھ نباتاتی، حیواناتی اور انسانی پھیلاؤ کے مطالعوں پر زیادہ زور دیا تھا۔ یونانی محققین کی طرح وہ زمین کی کروی شکل کو تسلیم کرتا تھا اسے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر مشتمل سمجھتا تھا۔ ان کی حدود اور دیگر جغرافیائی تفصیلات بیان کرتے وقت اس سے کئی لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔ دنیا کی مغربی حدود کو وہ 'فار چونیٹ جزائر" کے پھیلاؤ سے اور جنوب مشرقی حدود کو ہندوستان کے مشرقی ساحل سے ظاہر کرتا تھا۔ اول الذکر کی سرسبزی و شادابی کے بیانات اس نے انجیلی صحیفوں کے رنگ میں پیش کیے ہیں۔ افریقہ اور جزائر لمپر وبین کی حدود اور دیگر جغرافیائی تفصیلات اس نے بہت ناقص طریقہ پر بتائی ہیں۔ بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ گنگا ندی کو جنت سے نکلتا ہوا بتایا ہے۔ رابن مار کے جغرافیائی بیانات کی طرح اس کے بیانات بھی اکثر بے ترتیب سے دکھائی دیتے ہیں۔

اشاریہ (Indices): پیرامیٹرز کے مقلوب کو عام طور سے اشارے (Indices) کہا جاتا ہے۔

اشتراکی ممالک: ایشیا کی پہلی اشتراکی کانفرنس جنوری سنہ 1953 میں رنگون میں منعقد ہوئی۔ اس میں ہندوستان، سری لنکا (سیلون)، انڈونیشیا اور سنگاپور کی حکومتوں نے خود کو اشتراکی بتایا۔ لیکن اس کے بعد جلد ہی اشتراکیت پسند پارٹیوں

نے اپنے اثر اور قوت کو کھو دیا۔ ہندوستان میں کئی اشتراکیت پسند تنظیمیں باہم مقابلہ کرنے لگیں۔ حاکم کانگریس پارٹی بنیادی طور پر ایک قومی پارٹی تھی جو مختلف سیاسی و سماجی رجحانات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میانمار کی اشتراکیت پسند پارٹی سنہ 1962 میں غیر قانونی تصور کی جانے لگی۔ انڈونیشیا کی اشتراکی پارٹی کو پریزیڈنٹ "سوکارنو" نے سنہ 1960 میں ختم کر دیا۔ سنہ 1960 سے سنہ 1970 تک سوائے سنگاپور کے جنوب مشرقی ایشیا کے کسی اور ملک کی بعد از جنگ بنی ہوئی اشتراکی پارٹی نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا۔

"سوکارنو" نے ریسوپن کے تصورات کی تشہیر کی۔ میانمار ایک اشتراکی ملک بن گیا اور شمالی ویت نام پر اشتمالیت پسند پارٹی کی حکومت قائم ہو گئی۔ سنہ 1949 سے چین میں عوام کی اشتمالیت پسند جمہوریت کا اقتدار قائم ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا کی اشتراکی پارٹیاں حصول آزادی کی مختصر سی جد و جہد کے بعد قومی سیاست میں جڑیں نہ پھیلا سکیں۔ انھوں نے یورپی نمونے سامنے رکھے اور اشتراکیت میں جمہوریت کا راستہ تلاش کیا۔ ایشیائی ممالک ان کی تقلید کے لیے تیار نہ تھے۔ صرف ہندوستان اور سنگاپور میں جمہوریت اور اشتراکی منصوبہ بندی کو باہم مربوط کرنے کی کوشش کی گئی۔ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینیڈا اور لیٹن امریکہ میں بھی اشتراکیت کامیاب رہی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد تقسیم اراضی کی جدید تنظیم کی حمایت کرنے والی سوسائٹیوں میں ایک نئے قسم کی انقلابی لہر تیزی سے پھیلتی گئی۔ اس میں منصوبہ بند معیشت اور بہبودی ریاست کے تصورات غالب رہے۔ یورپ میں مغربی جرمنی، برطانیہ، فرانس، اٹلی، آسٹریا، نیدرلینڈ، بلجیم اور اسکینڈینیویا اور افریقہ میں تیونیشیا، الجیریا، کینیا اور تنزانیہ اس سے کافی متاثر ہوئے۔ مشرق وسطی پر اس کا رنگ چڑھتا رہا۔

اصفہان: ایران کا یہ شہر زیگراس کے پہاڑی علاقہ میں گوخونی جھیل میں گرنے والی زایندہ ندی کے کنارے تہران اور شیراز کے درمیان واقع ہے۔ پارچہ بافی، دستکاری، چپکی کاری، زردوزی اور قالین سازی کا مرکز ہے۔ جنوب مشرق میں یہ کرمان سے اور شمال مغرب میں تہران سے سڑکوں کے ذریعے ملا دیا گیا ہے۔ سنہ 1972 میں اس کی آبادی 520,000 تھی۔

یہ ایک نہایت خوبصورت شہر ہے۔ قدیم میناروں اور مسجدوں، شاہی محلوں، وسیع سڑکوں، جگہ جگہ پارک اور خوبصورت مکانوں نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ پچھلے برسوں میں یہاں صنعتی ترقی بھی ہوئی ہے۔ سوتی کپڑوں کے کارخانے قائم ہوئے ہیں۔

یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ پارتھینوں کے دور میں یہ ایک صوبہ کا مرکز تھا اس کے بعد ساسانیوں اور پھر عربوں کے تسلط میں آیا۔ سلجوق نے اسے اپنی سلطنت کا مرکز بنایا۔ شروع تیرہویں صدی میں منگولوں نے اس پر دھاوا بولا۔ سنہ 1388 میں تیمور نے اس پر حملہ کیا اور جب اس کے شہریوں نے بغاوت کی تو 70 ہزار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سنہ 1598 میں شاہ عباس صفوی نے اسے اپنی مملکت کا صدر مقام بنایا اور ایسی ایسی عمارتیں تعمیر کیں جو فن تعمیر میں آج بھی لاثانی ہیں۔ ان میں شاہی مسجد، مسجد لطف اللہ اور شاہی محل قابل ذکر ہیں۔ صفوی خاندان کی حکمرانی میں یہ دنیا کے عظیم شہروں میں سے ایک بن گیا۔ سنہ 1723 میں یہ افغانوں کے ہاتھ آ گیا اور اس کے بعد سے زوال پذیر ہو گیا۔ اس کا پرانا نام اسپہان ہے۔

اصل ارضی ہم میلان (Eugeosyncline): یہی اصل ارضی ہم میلان یا کاس ہوتا ہے جس میں کثیر مقدار میں آتش فشانی حجرات بھی کافی موٹائی والے ملتے ہیں مگر اتھلے پانی کے رسوب کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ (دیکھیے ارضی کاس Geosynquine اور فلائیش Flysch)۔ ان کے رسوب کم تر ارضی ہم میلان یا کاس (Mesogeosyncline) کی بہ نسبت زیادہ دبیز ہوتے ہیں۔ دانہ دار حجرات (Clastic)، شیل (Shale)، گرےواکی (Graywacke) اور رکمیا تحجر (Conglomerate) اور عمدہ چنیدہ (Well-Sorted) رسوب زیادہ نہیں پائے جاتے۔ آتش فشانی حجرات زیادہ تر انڈیسائٹ (Andesite) کی ترکیب کے ہوتے ہیں مگر بیسالٹ (Basalt) اور رایولائٹ (Rhyolite) بھی کمیاب نہیں۔ ایسے ارضی ہم میلان میں زاویائی عدم تطابق (Angular Unconformity) کافی عام ہوتا ہے۔

اعداد و شمار: دنیا کے مختلف علاقوں کی موسمی، آب و ہوائی، نباتاتی، زراعتی، معدنیاتی، صنعتی، تجارتی اور معاشی صورت حال کے عمیق اور درست مطالعہ کے لیے اس ضمن میں مشاہدہ کی ہوئی یا مختلف ذرائع سے حاصل کی ہوئی زمانی و مکانی مقداروں یا تعدادوں کو باقاعدہ نوٹ کرنے سے جو ہندسے ترتیب سے حاصل ہو جاتے ہیں اعداد و شمار کہلاتے ہیں۔ یہ ہندسے حسابی طور پر تو اپنی اپنی جگہ حقیقی کیفیت کو ظاہر کر دیتے ہیں مگر ان کے متعدد سلسلوں کو ایک ہی نظر میں دیکھنے سے دماغ پر بڑا بوجھ پڑتا ہے۔ ان پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر مخصوص نتائج کو اخذ کرنا ممکن نہیں تو دشوار اور صبر آزما ضرور دکھائی دیتا ہے۔ اس دقت کو حل کرنے کے

لیے انھیں مختلف شکلوں اور نقشوں میں مناسب پیمانوں پر متعدد طریقوں سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

افرواٹ: کشمیر کی یہ پرسکون اور فیروزی رنگ کے پانی کی جھیل گلمرگ سے 6 کلومیٹر کے فاصلے پر اور اس سے 610 میٹر کی اونچائی پر واقع ہے۔ اس کی سطح پر تیرتے ہوئے برف کے چھوٹے چھوٹے تودے ایک دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔

افریقہ - براعظم: ایشیا کے بعد دنیا کا سب سے بڑا براعظم افریقہ ہے۔

اس کا رقبہ 30,300,000 مربع کلومیٹر اور آبادی 1990 کے اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 64 کروڑ (648 ملین) ہے۔ اس کا رقبہ یوروپ کا تین گنا اور شمالی امریکہ کا ڈیڑھ گنا ہے اور ساری دنیا کے زمینی رقبہ کا پانچواں حصہ اس براعظم میں ہے۔

اس براعظم کے شمال میں بحیرۂ روم، مغرب میں بحر اوقیانوس اور مشرق میں بحیرۂ قلزم (احمر یا سرخ)، براعظم ایشیا اور بحر ہند ہیں اور جنوب میں بحر اوقیانوس اور بحر ہند ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ شمال سے اگر سیدھی لکیر میں جنوب تک جائیں تو یہ فاصلہ 8,000 کلومیٹر (پانچ ہزار میل) ہے اور مشرق سے مغرب تک 7,360 کلومیٹر (4 ہزار چھ سو میل) ہے۔ افریقہ کا ساحل 30,320 کلومیٹر (18,950 میل) لمبا ہے۔

افریقہ کے ساحل سے قریب کئی جزائر بھی ہیں جو اس براعظم کا جزو ہیں۔ مثلاً جنوب مشرق میں ملاگاسی یا مڈغاسکر (دنیا کے بڑے جزیروں میں سے ایک)، کومورو، ماریشس وغیرہ۔ مشرق میں سیشیلیز، سکوترا وغیرہ۔ شمال مغرب میں آزور، مدیرا اور کینری۔ مغرب میں کیپ ورڈے، بجاگوس، فرنانڈوپو اور ساؤتومے وغیرہ۔ اور جنوب مغرب میں آسن شیان، سینٹ ہیلینا وغیرہ۔

خط استوا براعظم افریقہ کے تقریباً وسط سے گزرتا ہے۔ لیکن زیادہ تر رقبہ اس کے شمال میں ہے۔

عہد قدیم میں یونانیوں نے اس براعظم کو لیبیا کا نام دیا تھا اور رومن اسے افریقہ کہتے تھے غالباً اس لیے کہ لاطینی میں اپریکا کے معنی سورج کی روشنی سے روشن کے ہیں۔ البتہ اس زمانے میں افریقہ سے مراد افریقہ کا صرف شمالی ساحلی علاقہ تھا اور رومن اسے یوروپ کا ایک حصہ تصور کرتے تھے۔ عربوں نے اسے افریقہ کا نام دیا تھا۔

پورا افریقہ ایک وسیع سطح مرتفع تصور کیا جاسکتا ہے۔ ساحل سے اندر کی طرف جیسے جیسے بڑھیں یہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ جنوب مشرق کا علاقہ مقابلتاً زیادہ بلند ہے۔ پورے سطح مرتفع کو دو حصوں گویا جنوب مشرق اور شمال مغرب میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ شمال مغربی حصے میں صحارا ہے اور ساحل ہی کوہ اطلس کا سلسلہ چلا گیا ہے جو یوروپ کے جنوبی حصہ تک پھیلا ہوا ہے اس کے علاوہ صحارا میں سطح مرتفع اہگر بھی شامل ہے۔ جنوب مشرقی حصہ میں ایتھوپیا اور جنوبی افریقہ کے سطح مرتفع ہیں۔

یہ نظریہ عام طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ کروڑوں سال پہلے افریقہ، جنوبی امریکہ، براعظم اصغر ہندوستان نیز آسٹریلیا آپس میں جڑے ہوئے تھے اور اس ایک براعظم کا نام گونڈوانا لینڈ تھا۔ اس کے ثبوت میں یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ افریقہ اور برازیل کے سطح مرتفعوں کی چٹانی ساخت ایک جیسی ہے۔

افریقی سطح مرتفعوں کی کئی بڑی بڑی وادیاں جیسے جھیل چاڈ کے اطراف کی وادی، نائجیریا کے شمال مشرق کی وادی، کانگو کی وادی اور سوڈان کی بحر الغزال نامی وادی کافی مشہور ہیں۔

افریقہ کے منطقہ حارہ کے علاقہ میں کافی بارش ہوتی ہے اور یہاں سے نکلنے والے سارے دریا سمندر سے جا ملتے ہیں۔ ان میں سے چار دریا ساری دنیا میں مشہور ہیں اور یہ ہیں دریائے نیل، کانگو، نائجر اور زیمبزی۔ یہ بہت بڑے دریا ہیں اور کافی طویل فاصلہ طے کرتے ہیں۔ راستہ میں بڑی بڑی گھاٹیاں بناتے چلتے ہیں۔ بعض دریا مثلاً دریائے نیل کشتی رانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر دریاؤں کا بہت کم حصہ کشتی رانی کے قابل ہے۔

افریقہ کی آب و ہوا خط استوا سے قرب اور دوری سے بدلتی جاتی ہے۔ شمالی اور جنوبی استوائی علاقوں میں کافی گرمی رہتی ہے۔ البتہ بلند پہاڑی علاقوں میں آب و ہوا معتدل ہے، خاص طور پر مشرقی وسطی اور جنوبی افریقہ اور ایتھوپیا میں۔ شمالی علاقوں اور جنوب کے ساحلی علاقوں میں بھی آب و ہوا معتدل ہے۔ سمندر کی ہواؤں کا بھی آب و ہوا پر خاصا اثر پڑتا ہے۔

افریقہ اگرچہ دنیا کا دوسرا سب سے بڑا براعظم ہے اور ساری دنیا کے زمینی رقبہ کا 20 فی صدی حصہ ہے لیکن یہاں دنیا کی کل آبادی کا صرف دسواں حصہ ہی رہتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ وسیع ریگستان بھی ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا ریگستان صحارا یہیں واقع ہے۔ جو پورے براعظم کے ایک چوتھائی حصہ پر پھیلا ہوا ہے۔

آبادی سب سے زیادہ مغرب میں نائجیریا میں اور مشرق میں جھیلوں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے اطراف ہے۔ نائجیریا کی آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریبا گیارہ کروڑ بارہ لاکھ ہے۔اس کے بعد مصر کی آبادی پانچ کروڑ سینتالیس لاکھ اور ایتھوپیا کی آبادی پانچ کروڑ تینتیس لاکھ ہے۔

افریقہ کے پورے شمالی علاقہ میں عرب قوم کے لوگ آباد ہیں۔ یا عربوں اور بربر کی مخلوط نسل کے لوگ ہیں بقیہ علاقوں میں زیادہ تر نیگرو ہیں۔ شمال اور مغرب میں کافی تعداد مسلمانوں کی ہے اور اکثر جگہ وہ اکثریت میں ہیں۔ ساحلی علاقوں میں عیسائیوں کی کافی تعداد ہے۔ بقیہ علاقوں میں پرانے افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔ افریقہ کے ایک تہائی علاقہ میں بنٹو نسل کے لوگ آباد ہیں ان میں سے زیادہ تر جنوب میں رہتے ہیں۔

افریقہ کے خط استوائی علاقہ میں کھجور (پام)، مونگ پھلی، کوکو اور ربر کی کاشت ہوتی ہے۔ایک عرصہ سے یہ چیزیں یوروپ کے ترقی یافتہ صنعتی ملکوں کو بھیجی جاتی ہیں۔

افریقہ اپنی معدنیات کے لیے بھی مشہور ہے۔ سونے اور ہیروں کے لیے جنوبی افریقہ نیز تانبہ کے لیے زیمبیا اور زائرے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔اس کے علاوہ گھانا، سیر الیون، لائبیریا، موری تانیا وغیرہ میں معدنیات کے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ 1950 کے بعد افریقہ میں تیل کے بھی بڑے بڑے ذخائر ملے ہیں خاص طور پر نائجیریا، الجزائر، لیبیا اور انگولا میں۔

افریقہ کے بڑے اور زبردست دریاؤں پر بند باندھ کر ان سے آب پاشی اور بجلی پیدا کرنے کا کام لیا جارہا ہے۔ان میں مشہور دریائے زیمبزی پر کوبیا بند، دریائے نیل پر سد عالی اسوان، گھانا میں دریائے وولٹا پر آکوسومبو بند اور جھیل وکٹوریہ کے قریب دریائے نیل پر اوون فالز بند تیار ہو چکے ہیں اور استعمال ہو رہے ہیں۔ان کے علاوہ کئی اور دریاؤں پر بند بنائے جارہے ہیں۔

افریقہ جنگلی جانوروں کے لیے بھی بہت مشہور ہے۔ جنوبی اور مشرقی افریقہ میں ان کی کثرت ہے۔ ان کی شکار گاہیں اور پارک کینیا، یوگانڈا، تنزانیہ، زیمبیا اور جنوبی افریقہ وغیرہ میں بنائے گئے ہیں۔ جہاں لاکھوں سیاح یوروپ اور افریقہ سے آتے ہیں۔

1960 کے بعد افریقہ میں زبردست سیاسی تبدیلیاں آئی ہیں اور اب سب ہی ممالک آزاد ہو چکے ہیں۔

افقی گسل (Horizontal Fault): افقی گسل حجرات میں ایسے حرکت پذیر بلاک کی شکل پیش کرتے ہیں جس میں ہٹاؤ افقی سطح پر ہوا ہو۔اس لیے ان ساختوں کو اکثر سرکی ہٹاؤ اختلال (Strike Slip Fault) بھی کہتے ہیں۔

افقی گسل عظیم پہاڑی سلسلوں کے علاوہ خصوصا بین البحر پہاڑی سلسلوں کے محور پر پائے گئے ہیں۔ بین البحر پہاڑی سلسلوں کے محور پر پائے جانے والے ان افقی گسلوں کے بارے میں خیال کیا گیا ہے کہ یہ زمین کے اندر درمیانی پرت کی گہرائی تک موجود ہوتے ہیں۔ اس لیے ان مقامات پر زمین کے قشر کے بڑے بلاک ایک دوسرے سے تماس میں ہوتے ہیں۔

افقی مراوف: ٹوپو شیٹ یا دیگر طبعی نقشوں میں کسی منتخبہ وقفہ ارتفاع پر بنائے ہوئے دو سلسلہ وار خطوط مساوی الارتفاع کے درمیان کے افقی فاصلہ کو افقی مراوف کہا جاتا ہے۔ ایک ہی نقشہ میں دو سلسلہ وار بنے ہوئے خطوط مساوی الارتفاع کے درمیان ہر جگہ بلندی کا فرق تو ایک ہی رہتا ہے مگر افقی مراوف کہیں کم اور کہیں زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ افقی مراوف کم ہو تو ڈھلان سلامی دار سمجھی جائے گی۔ بالفاظ دیگر وہاں شرح تغیر ارتفاع زیادہ ہو گی۔

افقی یا مستکی فولڈ یا لیٹا ہوا فولڈ: افقی یا مستکی فولڈ کا محور لازمی طور پر افقی ہوتا ہے۔ اس لیے ان فولڈوں میں فولڈ کے بازو عام طور پر ایک دوسرے کے متوازی اور افقی ہوتے ہیں۔ ان کے اندرونی حصے کی پرتیں فولڈ کے اوپری حصے کی پرتوں کے مقابلے میں زیادہ پرانی ہوتی ہیں۔ ایسے مستکی فولڈ عام طور پر عظیم پہاڑی سلسلوں میں دیکھے جاتے ہیں جن میں فولڈ کے بالائی اور زیریں بازو، زبردست عمودی دباؤ کی بنا پر فولڈ کے محور کی عین سطح سے کٹ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح بالائی بازو، زیریں بازو کے مقابلے میں دس پندرہ کلو میٹر کے فاصلے تک کھسل جاتا ہے۔ اس طرح کے عمل کو گسل (Fault) یا ارضی اختلال بھی کہتے ہیں۔

اکیاب: میئنمار کا اہم بندرگاہ اور تجارتی مرکز ہے۔ چاول برآمد کرنے کا اہم مرکز ہے۔ شراب (Liquor)، مشینری، کپڑے اور لوہے کا سامان (Hardware) درآمد کیے جاتے ہیں۔

اکیڈین کوہ سازی (Acadian Orogeny): آخر ڈیونین (Late Devonian Orogeny) (دیکھئے ڈیونین کوہ سازی)۔

اگرتلہ: تری پورہ (ہندوستان) کے پہاڑی علاقوں میں واقع ہے۔ تری پورہ کی پہاڑیاں چار وادیوں میں تقسیم کی گئی ہیں جن کے نام ہیں۔ دھرمانگر، کیلاشاہر، کمل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پور اور کھوائی۔ ان کے اوپر کے حصہ کا نام اگر تلہ رکھا گیا ہے۔ تری پورہ کے صدر مقام کا نام بھی اگر تلہ ہے۔

الادریسی: بارہویں صدی عیسوی کے اس عرب جغرافیہ داں نے شمال مغربی یورپ اور ایشیائے کوچک کے طویل سفر کرنے کے بعد عرب اور روسی مفکرین کے ملے جلے رنگ میں اپنے مشاہدات عوام کے سامنے رکھے۔ اس نے مغربی افریقہ کے مفصل حالات لکھے ہیں اور کئی تجارتی مراکز اور معدنی مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔ دریائے نیل کے تعلق سے کافی تفصیلات دی ہیں اور ایک جھیل کو اس کا منبع بتایا ہے۔ اپنی کتاب "نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق" میں اس نے شمال مغربی یورپ کے بیشتر ممالک کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی کے دور میں فن نقشہ کشی کو کافی فروغ ہوا۔ اس نے آب و ہوا کے سات روایاتی منطقوں میں سے ہر منطقہ کو دس دس ذیلی خطوں میں تقسیم کر کے دنیا کے بڑے اہم معلوماتی نقشے تیار کیے ہیں۔

الاسکا ہائی وے: فوجی اور تجارتی مقاصد کے لیے الاسکا (شمالی امریکہ) میں شاہراہ الاسکا بنائی گئی ہے۔ اس سڑک کی لمبائی 1500 میل ہے۔ یہ شاہراہ ڈاؤسن کریک، برٹش کولمبیا، فورٹ سینٹ جان اور فورٹ نیلسن سے ہوتی ہوئی لوور پوسٹ تک جاتی ہے۔ وہاں سے براہ نسلن وہائٹ ہاؤس، کلودین، مشرقی الاسکا کی شاہراہ رچرڈسن سے مل جاتی ہے۔

البانیہ (Albania): عوامی جمہوریہ البانیہ، جنوب مشرقی یوروپ اور جزیرہ نما بلقان کے بحیرۂ ایڈریاٹک پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں کوسوو کا صوبہ سربیا، مشرق میں مقدونیا (میسڈونیا)، جنوب میں یونان اور مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک واقع ہیں۔ صرف تھوڑا سا ساحلی علاقہ زرخیز ہے بقیہ علاقہ پہاڑی ہے۔ آب و ہوا عام طور پر معتدل ہے۔ شمال کی پہاڑیاں 8 ہزار فٹ تک بلند ہیں۔ ملک کے تقریباً آدھے علاقے پر دلدل اور گھنے جنگل ہیں۔ صرف دس فی صدی زمین پر کاشت ہوتی ہے۔

البانیا کا کل رقبہ 28,752 مربع کلو میٹر (11,101 مربع میل) ہے آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 3,351,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر ترانے (Tirane) ہے۔ زبان البانوی ہے۔ آبادی کی بڑی اکثریت مسلمان ہے۔ ویسے سرکاری مذہب کوئی نہیں ہے۔ معدنیات کے کافی ذخیرے ہیں۔ تیل لگنائٹ، تانبہ اور کروم وغیرہ نکلتا ہے۔ دوسری عالم گیر جنگ سے پہلے یہ ملک صنعتی طور پر بہت پچھڑا ہوا تھا۔ حمل و نقل کے وسائل اب بھی کم ہیں لیکن کان کنی نے کافی ترقی کی ہے۔ دو بڑے پن بجلی کے کارخانے قائم ہیں۔ کروم، تانبہ، تیل کی مصنوعات اور تمباکو وغیرہ برآمد ہوتی ہیں۔ اور مشینیں اور صنعتی سامان درآمد ہوتا ہے۔ درآمد کا 63 فیصدی چین سے اور بقیہ چیکوسلواکیہ، پولینڈ، مشرقی جرمنی وغیرہ سے آتا ہے۔ برآمد کا چالیس فی صدی چین جاتا ہے اور بقیہ دوسرے سوشلسٹ ملکوں کو بھیجا جاتا ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق البانیہ میں ابتدائی مدارس میں 551,294 طالب علم اور ثانوی مدرسوں میں 205,774 طالب علم اور حرفی مدرسوں میں 135,935 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 22,059 طالب علم تھے۔

تاریخ: البانیہ کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں کے باشندے سیکڑوں سال پہلے الیریا اور تھریس سے آکر بسنے والے قبائل کی نسل والے ہیں۔ یہ پہلے یونانیوں کے زیر اثر رہا۔ پھر یہ رومن اور بازنطینی سلطنتوں کا حصہ بن گیا۔ بلغاریہ اور یوگوسلاویہ کی سرب قوم نے بھی اس پر قبضہ جمایا۔ جب یہ ریاستیں کمزور ہوئیں تو یہ ایک آزاد ملک بن گیا۔ اصل میں یہاں کے لوگ ہمیشہ سے آزادی پسند رہے ہیں اور کوئی بھی سلطنت انھیں پوری طرح زیر نہ کر سکی۔ اندرونی طور پر یہ ہمیشہ اپنی خود مختاری جتاتے رہے۔ 1478 میں ترکوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس پر بہت گہرا اثر چھوڑا۔ آبادی کے بڑے حصہ نے اسلام قبول کر لیا لیکن ترکی کے خلاف بھی کئی بغاوتیں ہوئیں جو سختی سے دبا دی گئیں۔

پہلی جنگ بلقان (1912) کے بعد اسے آزادی مل گئی لیکن مانٹی نیگرو اور سربیا وغیرہ کے کافی بڑے علاقے اس سے علیحدہ کر کے یونان کو دے دیے گئے۔ پہلی عالم گیر جنگ کے دوران سرب، یونانیوں اور اطالویوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 1916 میں بلغاریائی اور آسٹریائی فوجیں یہاں داخل ہو گئیں اور جنگ ختم ہونے تک ان دونوں ملکوں کی فوجیں البانیا کے علاقہ میں برسرپیکار رہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد 1920 میں البانیا کی آزادی تسلیم کر لی گئی۔

1925 میں البانیا ایک جمہوریہ بن گیا اور احمد زوغو اس کے پہلے صدر چنے گئے۔ لیکن 1928 میں انھوں نے بادشاہت کا اعلان کر دیا اور خود بادشاہ بن گئے۔ 1939 میں اٹلی کی فاشسٹ حکومت نے اس پر قبضہ کر کے اسے اٹلی کا ایک حصہ بنا لیا اور اس کے بعد مسولینی نے جب یونان پر پیش قدمی کی تو البانیا کا علاقہ میدان جنگ بن گیا۔

دوسری عالم گیر جنگ کے دوران انور ہوکسا اور "مزدور پارٹی" کی سرکردگی میں آزادی کے لیے زبردست گوریلا تحریک شروع ہوئی۔ 1944 میں

جب اتحادیوں کی فوجیں یہاں اتریں تو ملک کا زیادہ تر علاقہ "مزدور پارٹی" کے قبضہ میں آچکا تھا اور 1945 میں اس نے ایک عارضی حکومت قائم کر دی۔ پھر انتخابات کروا کر ایک اسمبلی بنالی اور باقاعدہ حکومت قائم کر لی انور ہوکسا وزیر اعظم چنے گئے۔ شروع میں برطانیہ اور امریکہ نے اسے ماننے سے انکار کر دیا لیکن اسے ہٹانہ سکے۔

شروع میں البانیا کے سوویت یونین کے ساتھ نہایت گہرے تعلقات تھے۔ اسٹالن کے انتقال کے بعد کشیدگی آگئی۔ اور جب روس اور چین کی کیمونسٹ پارٹیوں میں اختلافات بڑھے تو البانیا پوری طرح چین کے ساتھ ہو گیا لیکن ماوزے تنگ کے انتقال کے بعد جب چین میں کسی قدر لبرل پالیسی شروع ہوئی تو البانیا کے چین سے تعلقات 1977 تک قائم رہے۔

1985 میں صدر ہوکسا کے انتقال کے بعد مرفیز الیا البانیہ کی کیمونسٹ پارٹی کا صدر بنا۔ اس نے امریکہ، چین یا روس سے تعلقات قائم کرنے سے انکار کر دیا۔

1986 میں البانیہ سے یوگوسلاویہ کو ریلوے لائن سے جوڑ دیا گیا۔ اس طرح اس کا تمام یوروپ سے تعلق قائم ہو گیا۔ حکومت کی مذاہب سے مخالفت کم ہونے لگی اور سیاحی کے لیے لوگ آنے لگے۔ غیر ممالک سے تجارت بھی بڑھنے لگی۔ مارچ 1991 کے انتخابات میں کیمونسٹ پارٹی نے ڈیموکریٹک پارٹی کو ہرا لیا۔ لیکن بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے کافی البانیوں کو اٹلی اور یونان میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا۔ ملک میں افراط زر اور بے روزگاری برابر بڑھتی رہی ہے۔

البرٹ ایچ. مار خائم: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

البرٹ جھیل: یہ جھیل البرٹ نیانزا بھی کہلاتی ہے جو وسطی افریقہ کی استوائی پٹی پر یوگینڈا اور کانگو کے درمیان واقع ہے۔ وادی نیل اس کے شمالی سرے پر واقع ہے اور دکٹوریہ اس کے قریب ہی مغرب میں ہے۔ البرٹ جھیل تقریباً 100 میل لمبی اور 20 میل چوڑی ہے۔ رقبہ کا اندازہ 2,064 مربع میل لگایا گیا ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 2,200 فٹ ہے۔ مشرقی افریقہ کے پہاڑی سلسلوں کی مغربی شاخ پر واقع جھیل ٹنگانائیکا کے مقابلہ میں یہ جھیل بہت اُتھلی یا کم گہری ہے کیونکہ اس کی انتہائی گہرائی بھی 168 فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ دریائے سملکی جنوب مشرق کی طرف سے کیوگا جھیل کا پانی اس میں لا کر ڈالتا ہے۔ پانی کے اخراج کا صرف ایک ہی ذریعہ البرٹ نیل ہے جو اس کا پانی اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔

جھیل کے ساحلی علاقے گرم اور خشک ہیں۔ جہاں بارش کا سالانہ اوسط 30 انچ ہے۔ عمل تبخیر اس جھیل میں بہت ہوتا ہے اس لیے پانی کا کھاراپن زیادہ ہے۔ جھیل کے کنارے کنارے اکثر مقامات پر پہاڑی سلسلے ہیں۔ درمیان میں نشیبی میدان ہیں۔ اسی نشیبی میدان سے بہتا ہوا وکٹوریہ نیل جھیل البرٹ میں داخل ہوتا ہے۔

البرٹ نہر: شمال مشرقی بلجیم (شمالی یورپ) میں لیگ (Liege) سے انٹورپ (Antwerpen) تک 80 میل لمبی یہ نہر 140 فٹ چوڑی ہے۔ جہاز رانی کے لیے بہت زیادہ استعمال ہوتی ہے۔

البرش میگنس: یہ یورپ میں عقلی نشاۃ ثانیہ کے بعد کا اہم جغرافیہ داں ہے جس نے اپنی کتاب کی تیسری جلد میں جغرافیائی مسائل پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ جنوبی نصف کرہ میں آبادیوں کے وجود کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے بطلیموس (ٹالیمی) کے تصورات پر سخت تنقید کی ہے۔ اس نے آب و ہوا کے اختلافات کے اسباب بتائے ہیں اور انسانی زندگی اور معاشرہ پر اس کے اثرات کا تجزیہ کیا ہے۔

البلخی: خراسان کے اس جغرافیہ داں نے دور وسطیٰ میں ایک جغرافیائی اسکول کی داغ بیل ڈالی جسے عرب کے نظامی (Systemetic) جغرافیہ دانوں کا بڑا تعاون حاصل ہوا۔

البیرونی: یہ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی کا مسلم مفکر خوارزم سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے معاشرے کی قوت محرکہ اور سائنسی کارناموں کے مطالعہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس میدان میں اس نے تاریخ، جغرافیہ، ارضیات، معدنیات، فلکیات، ریاضی اور فطرت دانی میں نمایاں کام کیے ہیں۔ سنہ 1017 سے سنہ 1030 تک اسے محمود غزنی کی سرپرستی حاصل رہی۔ اس نے عربی زبان کے ساتھ ہی سنسکرت میں بھی مہارت حاصل کی اور نہ صرف قدیم یونانی اور لاطینی اساتذہ کی فراہم کردہ معلومات سے فائدہ اٹھایا بلکہ مہابھارت اور پرانوں کے علاوہ بھگوت گیتا اور اتھا سے بھی مستفید ہوا۔ برہما گیتا کا ترجمہ اسی نے مسلم محققین کے سامنے رکھا۔ اس کی سنہ 1030 کی تصنیف "کتاب الہند" جو بطلیموس (ٹالیمی) کی "الماگیسٹ" (الماجسطی) کی ہم پلہ گردانی جاتی ہے علم کی کئی شاخوں پر مشتمل ہے۔ جغرافیائی بیانات میں اس نے مختلف علاقوں کے محل وقوع، حدود اربعہ، قرب و جوار کے جزیروں اور سمندری حصوں کا تذکرہ کیا ہے۔ زیر نظر علاقوں کے طبعی حالات، موسم، آب و ہوا، حیوانات، نباتات، پیداوار، تجارت اور اہم شہروں کے بیانات

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے ساتھ آبادی کی تقسیم اور اس کے اضافہ کی غیر معمولی رفتار کو روکنے کے لیے کئی تدابیر بھی پیش کی ہیں۔ جنوبی افریقہ اور موزمبیق کے تعلق سے مفصل معلومات فراہم کی ہیں۔ بحر ہند اور بحر اوقیانوس کے باہمی رابطہ کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ جب شمالی نصف کرہ میں موسم گرما ہوتا ہے تو جنوبی نصف کرہ میں سرما کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ طبعی جغرافیہ کے ضمن میں اس نے زمین کی محوری اور مداری حرکتوں کی وضاحت کرتے ہوئے "ارسٹارکس" کے شمس مرکزی نظریہ کی تائید کی ہے۔

اس نے کئی درجن کتابیں لکھی ہیں۔ "کتاب تفہیم الاوائل صنعۃ التنجیم" علم فلکیات سے تعلق رکھتی ہے۔ تفصیلات کی وضاحت کے لیے اس نے دنیا کا ایک نقشہ بھی جوڑ دیا ہے۔ "کتاب الجمر فی معرفۃ الجواہر" میں ارضیات و معدنیات کے ابواب شامل ہیں۔ "الآثار الباقیہ" میں قدیم اقوام کی تاریخ پیش کی ہے۔ "القانون المسعودی" میں اس نے اپنے تصورات سامنے رکھے ہیں۔ سائنسی آلات کے تعلق سے اس کی پانچ کتابیں اہمیت رکھتی ہیں۔ طبعی جغرافیہ کے بیانات میں اس نے زمین کے محور، کروی شکل اور محیط کا تذکرہ کرنے کے بعد یومیہ اور سالانہ گردشوں کی تفصیلات دیتے ہوئے موسمی تغیرات کی وضاحت کی ہے۔ ساتھ ہی دوائر عرض البلد اور خطوط طول البلد کے پھیلاؤ کا ذکر کیا ہے اور ان کے تعین کے طریقے بھی تفصیل سے سمجھائے ہیں۔ ضد قطبی یا ست القدم علاقوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جغرافیائی عوامل اور اجرام فلکی کے انسانی کاموں سے رابطہ پر روشنی ڈالی ہے۔ طویل افقی فاصلوں کی پیائش اور قبلہ اور دیگر اہم مقامات کے محل وقوع کے تعین کے طریقے بتائے ہیں۔ مدوجزری کیفیتوں کی وضاحت کی ہے۔ قدرتی چشموں اور فواری کنوؤں کے سلسلہ میں سکون سیالات کے قوانین کی تشریح کی ہے۔ ساتھ ہی وسط یوریشیا کے پہاڑی سلسلوں کی وسعت اور براعظم افریقہ کے جنوبی سمت میں پھیلاؤ کا ذکر کیا ہے اور دنیا کے قابل سکونت علاقوں کی نشان دہی کی ہے۔ ہندوستان کے علاقائی جغرافیہ کے ضمن میں اس نے بتایا ہے کہ وادیٔ سندھ ایک قدیم بحری فرش کے ابھرنے سے تشکیل پائی ہے۔

الپائن کوہ سازی (Alpine Orogeny): براعظم یوروپ کی آخر ٹرائسک (دیکھیے ٹرائسک Triassic) سے شروع ہو کر اب تک جاری رہنے والی کوہ سازی۔

الپّو (حلب): شمالی سیریا (شام) کا ایک بڑا شہر ہے۔ آبادی سنہ 1971 میں 407,613 تھی۔ سولہویں صدی میں یہ مشرق وسطیٰ کا بڑا تجارتی مرکز تھا۔ بیسویں صدی میں یہ دمشق کے مقابلہ کا صنعتی شہر بن گیا۔ یہاں ریشم اور سوتی کپڑے کی صنعتیں قائم ہیں۔ اون، چمڑے اور پھلوں کی تجارت کا مرکز ہے۔

الپّو ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ قدیم یونانی کتابوں اور انجیل میں اس کا نام بیریا دیا گیا ہے۔ ایک ہزار ق۔ م۔ سے پہلے یہ ہتّی ی سلطنت کا مرکز تھا۔ اس کے بعد مختلف فاتحوں نے اس پر قبضہ جمایا۔ بغداد اور سیریا کے درمیان تجارت کا یہ ایک اہم مرکز تھا۔ بازنطینی سلطنت میں یہ ایک نہایت ترقی یافتہ اور خوش حال شہر تھا۔ ساتویں صدی میں عربوں نے اس پر قبضہ کیا لیکن بازنطینوں نے پھر واپس لے لیا۔ گیارہویں صدی میں سلجوقوں نے اس پر قبضہ جمایا۔ صلیبیوں نے اس کا محاصرہ کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ سنہ 1183 میں صلاح الدین نے قبضہ کر کے یہاں اپنا فوجی اڈہ بنایا۔ اس کے بعد ہلاکو اور پھر تیمور کے حملوں کا شکار بنا۔ سنہ 1517 میں ترکوں نے اپنی سلطنت میں شامل کیا اور یہ ایک بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ بعد میں مصر کے محمد علی پاشا کے تحت آیا اور پھر پہلی عالم گیر جنگ کے بعد فرانسیسیوں کے تحت یہ سیریا (شام) کا حصہ بنا دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سیریا (شام) کو آزادی ملی تو یہ اسی کا حصہ رہا۔

الجزائر: شہر الجزائر جمہوریہ الجیریا کی راجدھانی ہے۔ یہ ملک کے شمالی علاقے میں واقع ہے۔ شمالی افریقہ کا یہ ایک بڑا بندرگاہ، تجارتی اور صنعتی شہر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 18 لاکھ ہے۔ اس شہر کی بنیاد فنیقیوں نے رکھی تھی۔ اس کے بعد رومنوں نے اسے اکوسیم کا نام دیا۔ روم کی شہنشاہیت کے زوال کے بعد یہ تباہ ہو گیا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے اس کو دوبارہ آباد کیا۔ سنہ 1518 میں ترکوں نے اس پر قبضہ کیا اور اسے بحیرۂ روم کے لیے اپنے بحری بیڑے کا اڈہ بنایا۔ جب ترکوں کے قبضہ میں تھا تو اس کی آبادی ایک لاکھ تھی۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یہاں کے ترک افسروں نے قسطنطنیہ کی بالادستی سے اس کو آزاد کرا لیا اور اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ جب یورپ کا بحریہ طاقتور ہو گیا تو اس پر بار بار حملے ہوتے رہے اور یہاں کی دولت کو زوال آ گیا۔ 1830 میں جب یہ فرانسیسیوں کے قبضے میں گیا تو اس کی آبادی صرف چالیس ہزار تھی۔ فرانسیسیوں نے یہاں ایک عصری بندرگاہ بنایا اور ایک حصے میں آبادکاری شروع کی۔ تنگ و تاریک گلیوں والا شہر اب بھی موجود ہے جو قصبہ کہلاتا ہے۔ آج کل اس شہر میں ایک رصدگاہ، نباتاتی باغ اور پاسچر انسٹی ٹیوٹ موجود ہیں۔ یونیورسٹی آف الجیرس بھی یہیں ہے جو 1909 میں قائم ہوئی تھی۔ دوسری عالمگیر جنگ کے زمانہ میں یہ 1942 میں اتحادیوں کا فوجی مرکز بھی بنا۔ 1958 میں یہاں فرانسیسی حکومت کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑی۔ آزادی کی اس جدوجہد میں الجیریا کے دس لاکھ باشندوں نے اپنی جان

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

دی اور آخر کار 1962 میں یہ بالکلیہ آزاد جمہوریہ بنا۔ اس کی برآمدات میں انگور کی شراب، سنترے جیسے رسیلے پھل اور خام لوہا شامل ہیں۔ یہاں کچی دھاتوں کو صاف کرنے کے کارخانے ہیں۔ آزادی کے بعد سے اس شہر نے، خاص طور سے جب سے تیل نکلا ہے، زبردست ترقی کی ہے۔ اس تاریخی شہر کو دیکھنے کے لیے ہزاروں سیاح آتے ہیں۔

الجیریا (جمہوریہ الجزائر) (Algeria): افریقہ کے شمال مغربی حصے میں واقع الجیریا (جمہوریہ الجزائر) کے شمال میں بحیرۂ روم، جنوب مشرق میں نائجر، جنوب مغرب میں مالی اور ماریطینیا اور شمال مشرق میں اتھیوپیا، مشرق میں لیبیا نیز مغرب میں مراکش واقع ہیں۔

رقبہ 2,381,741 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 25,660,000 ہے۔

سب سے بڑا شہر اور صدر مقام الجزائر ہے۔ دوسرے بڑے شہر اوران بون اور کانسٹنٹائن ہیں۔ عام زبان عربی اور بربر ہے۔ شہروں میں فرانسیسی بھی کافی استعمال ہوتی ہے۔ مذہب اسلام کے پیرو اکثریت میں ہیں۔

تعلیم: 1991 میں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 4,189,152 اور استادوں کی تعداد 151,262 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 1990 میں طالب علموں کی تعداد 217,550 سے اوپر اور استادوں کی تعداد 127,024 فنی کالجوں میں 153,360 طالب علم اور 6,318 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں اور جامعات (یونیورسٹیاں) میں 212,413 طالب علم اور 15,171 استاد تھے۔

معیشت: رائج سکہ دینار ہے۔ درآمدات 28 فی صدی فرانس سے، 14 فی صدی جرمنی سے اور 10 فی صدی امریکہ سے ہوتی ہیں۔ برآمدات کا 35 فی صدی امریکہ کو 22 فی صدی جرمنی اور 18 فی صدی فرانس کو جاتا ہے۔ بقیہ اٹلی اسپین وغیرہ کو جاتا ہے۔ برآمدات میں 84 فی صدی کچا تیل تھا۔

حمل و نقل کے لیے لاریاں، ریلیں، سمندری اور ہوائی جہاز وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ ملک میں گیہوں، جو، اوٹ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انگور، انجیر، کھجور، زیتون، تمباکو اور سنترے وغیرہ کی بھی کافی علاقے میں کاشت ہوتی ہے۔ لوہے کی کچ دھات اور فاسفیٹ کی کانیں ہیں۔ 4 کروڑ 50 لاکھ میٹرک ٹن تیل نکلتا ہے۔ اور 56 لاکھ 20 ہزار مکعب (کیوبک) میٹر گیس نکلتی ہے۔

تاریخ: 1842 میں فرانسیسی قبضہ سے پہلے الجیریا (الجزائر) کی کوئی اپنی مخصوص پہچان نہیں تھی۔ اس کی کوئی سرحد بھی نہیں تھی۔ پورا علاقہ قبیلوں میں بٹا ہوا تھا جو آپس میں برسرپیکار رہتے تھے۔ 146 ق.م. میں رومن سلطنت نے یہاں کے بعض پہاڑی علاقوں اور سطح مرتفع پر قبضہ کرلیا۔ یہاں سے گیہوں اور دوسری پیداوار روم منتقل کرنے لگے۔ شہروں میں لاطینی تہذیب بڑی حد تک مسلط کردی گئی۔ لیکن دیہات اور خاص طور پر دور دراز کے پہاڑی علاقے بربر رہے۔ روم پر جب عیسائی مذہب حاوی ہوگیا تو اس وقت الجیریا کا پورا ساحلی علاقہ رومن سلطنت کا جزو بن چکا تھا اور سینٹ آگسٹائن، ہپو (Hippo) (موجودہ نام بون) کے بشپ تھے۔ پہاڑی بربروں کے مسلسل حملوں اور رومن مقبوضات کے خود اندرونی خلفشار کی وجہ سے یہ سماج آہستہ آہستہ ختم ہوگیا۔ 534 میں بازنطینی سلطنت نے اس علاقے پر دوبارہ قبضہ کرلیا لیکن وہ پرانی زندگی کی تجدید نہیں کرسکے۔

ساتویں صدی عیسوی میں یہ پورا علاقہ عربوں کے قبضہ میں آگیا اور یہاں کی آبادی نے آہستہ آہستہ اسلام قبول کرلیا۔ انتہائی دور دراز علاقوں کے علاوہ یہاں کی تمام آبادی نے عربی زبان اختیار کرلی اور عرب فاتحین کے ساتھ مکمل مل گئی۔ "المرود" اور "الموحد" کے دور حکمرانی میں یہ علاقے اسپین اور مراکش کی عظیم سلطنتوں کا جزو بن گئے۔ جب یہ مرکزی حکومتیں کمزور ہوجاتیں تو مقامی حکمران پیدا ہوجاتے۔

1518 میں عثمانی ترکوں نے حملہ کرکے اس علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ لیکن ترکوں کا اقتدار ساحلی علاقوں تک محدود رہا۔ بحری لٹیروں نے ساحل کے کئی علاقوں میں اپنے اڈّے قائم کرلیے اور وہ بحیرۂ روم میں آنے والے جہازوں کو لوٹا کرتے تھے۔ 1800 عیسوی تک تقریباً پورے علاقہ نے آزادی حاصل کرلی تھی۔

فرانس نے 1830 میں الجیریا کا ساحلی علاقہ ہتھیالیا۔ عبدالقادر کی سرکردگی میں پہاڑی علاقوں میں مزاحمت جاری رہی لیکن یہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگئی اور 1850 تک قبائلیہ پر بھی فرانسیسیوں کا قبضہ ہوگیا۔ دوسرے مقبوضات کی طرح الجیریا (الجزائر) کے استحصال کا بھی فرانسیسی سامراج نے پورا پورا بندوبست کرلیا۔ تمباکو اور انگور کی کاشت کا علاقہ وسیع کیا۔ کئی بندرگاہ مثلاً کانسٹائین اور اوران (بون) وغیرہ قائم کیے۔ ریلوے لائنیں بچھائیں۔ صحارا تک سڑکیں تعمیر کیں اور یہاں کی پیداوار فاسفیٹ اور دوسری کچی دھاتیں فرانس سے برآمد کرنے لگے۔ 1950 میں صحارا میں تیل نکل آیا جس سے فرانس کی دولت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ بہت سے فرانسیسی یہاں آکر بسنے لگے۔ آزادی کے وقت تک کل آبادی کا دس فیصدی حصہ فرانسیسی تھا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں جب اتحادیوں نے یوروپ کو نازیوں سے آزاد کروانے کے لیے حملہ کی تیاری شروع کی تو الجیریا (الجزائر) میں اتحادیوں نے اپنی فوجی کمان قائم کی۔ چارلس ڈی گال کی عارضی فرانسیسی حکومت کا بھی یہ صدر مقام تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب تمام محکوم ملکوں میں آزادی کی لہر پھوٹ پڑی تو الجیریا (الجزائر) اس سے کس طرح بچ سکتا تھا۔ شروع میں یہاں کے باشندوں نے سفید فاموں کے برابر شہری اور سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا تو انھیں سختی سے کچل دیا گیا۔ چنانچہ 1954 میں قومی محاذ آزادی (F.L.N) قائم ہوا اور اس نے پورے ملک میں زبردست مسلح جنگ شروع کر دی۔ الجیریا (الجزائر) میں سفید فاموں کے ایک فوجی گروہ نے 1958 میں اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور الجیریا (الجزائر) کی آزادی بلکہ خود مختاری کی بھی مخالفت شروع کی۔ یہاں کے انقلابیوں نے عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ سرحد پر تیونس میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر دیا اور سوویت یونین، سوشلسٹ ملکوں اور آزاد افریقی اور ایشیائی ملکوں، خاص طور پر مصر، کی مدد سے ایک باقاعدہ فوج تیار کی۔ آزادی کی یہ لڑائی بڑے خونخوار پیمانہ پر ہوتی رہی۔ تقریباً دس لاکھ الجزائری باشندوں نے اپنی جان نذر کی۔ سفید فام فوجیوں نے ظلم و تشدد کی کوئی انتہا باقی نہیں رکھی۔ آخر کار ڈی گال کو، جو الجیریا (الجزائر) کو بچانے کے لیے فوج کی مدد سے اقتدار میں آیا تھا، آزادی دینے پر مجبور ہونا پڑا۔

1962 میں زبردست قربانی دے کر الجیریا (الجزائر) نے آزادی حاصل کی۔ آزادی کے بعد شروع میں محاذ آزادی میں آپس میں اختلافات پیدا ہوئے لیکن بعد میں عام انتخاب میں آخر کار بائیں بازو کا ترقی پسند گروہ بن بلا کی سرکردگی میں کامران نکلا اور اپنی منزل سوشلزم قرار دی۔ بیرونی پالیسی میں سامراج دشمنی اور غیر جانب داری کا راستہ اختیار کیا۔

1965 میں بن بلا صدارت سے ہٹا دیے گئے اور ان کی جگہ الجزائری فوج کے کمانڈر انچیف بومیڈین (Boumedienne) نے صدارت سنبھالی۔ ان کے دور میں بنیادی پالیسیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بہت ساری اصلاحات کی گئیں اور ملک نے معاشی ترقی کی طرف زبردست اقدامات کیے۔ آزادی کے بعد سے الجیریا (الجزائر) نے محکوم ایشیائی اور افریقی ملکوں، خاص طور پر افریقہ کی آزادی کی تحریک میں کافی مدد کی۔

الجیریا (الجزائر) نے 1967 اور 1973 میں عرب اسرائیل جنگوں میں عربوں کا پرزور ساتھ دیا۔

1978 میں بومیڈین کے انتقال کے بعد کرنل جیدی بن جدید جمہوریہ کا صدر رہا۔

1980 میں شمالی مغربی الجیریا (الجزائر) میں بہت زبردست زلزلہ آیا جس کے نتیجہ میں 4,500 افراد فوت ہو گئے۔

1989 میں ملک کے دستور میں بہت سی ترمیمیں کی گئیں۔ 1991 میں ملک میں بے چینی کی وجہ سے انتخابات ملتوی کرنے پڑے۔ جب دوسرے سال انتخابات ہوئے تو اسلامک سالویشن فرنٹ نے پہلے دور میں کامیابی حاصل کر لی تو باقی انتخابات ملتوی کر دیے گئے۔

الطائی: یہ وسط ایشیا کا ایک ہزار میل لمبا پہاڑی سلسلہ گوبی سے مشرقی سائبیریا کے میدان تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ بیلوکھا سطح سمندر سے 14,784 فٹ بلند ہے۔

الک نندا: اتر پردیش (ہندوستان) میں ایک ندی ہے جو ہولی ندی اور وشنو گنگا کے سنگم سے بنتی ہے۔ یہ گنگا کی معاون ہے۔ اس کا پاٹ 112 فٹ ہے اور برف پگھلنے کے زمانہ میں 40 فٹ گہرائی سے بہتی ہے۔

الگومان کوہ سازی (Algoman Orogeny): مابعد آرکین (Post-Archian) (دیکھیے ماقبل کیمبرین Pre-Cambrian) کوہ سازی۔

الگیائی ریڑھ نما (ریف) (Algal Reef): نامیاتی سمندری پہاڑی سلسلے جن کی تشکیل میں چونا (Lime) خارج کرنے والے الگی جماعت کے جانداروں کے رکازات (دیکھیے رکازات Fossils) نے اہم رول ادا کیا ہو۔

الگیائی سٹروميٹو لائٹ (Algal Stromatolite) وہ چٹانی یا حجری ذخیرہ جو بیشتر کیلسائی (Calcareous) ہو اور نامیاتی اخراج و ترسیب کے سبب وجود میں آیا ہو۔ اس میں بے ترتیب اور ہم مرکز (Concentric) پٹیاں (Bands) ہوتی ہیں۔

الما آتا: الما آتا قزاخستان کا صدر مقام ہے۔ یہاں دھات صاف کرنے، مشینیں بنانے اور کھانے پینے کی چیزیں ڈبہ بند کرنے کے کارخانے ہیں۔ یہ فلم سازی کی صنعت کا بھی ایک اہم مرکز ہے۔ سنہ 1854 میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس کے بعد سے یہ کئی زلزلوں کا شکار بنا۔ سوویت حکومت بننے اور ترکستان کو سائبیریا کے ساتھ ریل کے ذریعہ جوڑنے کے بعد اس نے تیزی سے ترقی کی۔ یہاں ایک

یونیورسٹی، کئی تعلیمی ادارے، رصدگاہ اور سائنس کی اکادمی ہے۔ قزاقستان 1991 میں خود مختار آزاد ملک بن گیا ہے۔

المسعودی: یہ دسویں صدی عیسوی میں تاریخ اور جغرافیہ کا مشہور مفکر گزرا ہے۔ بعض اوقات اسے عرب کے ہیروڈوٹس کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ سیاحت اور حصول معلومات کی خاطر یہ ہندوستان، سری لنکا (سیلون)، بحیرۂ چین، مڈغاسکر، زنجبار، عمان، بغداد، ایشیائے کوچک، سیریا، فلسطین، مصر اور اسپین کے دور دراز علاقوں میں پچیس سال تک سفر کرتا رہا۔ یہ باہمی رابطوں کی سائنس کا علم بردار تھا۔ اس نے طبعی حالات، آب و ہوا، قدرتی نباتات اور آبی تقسیم کے باہمی رشتوں کو اجاگر کرتے ہوئے انسان پر ماحول کے اثرات کے غلبہ کو تفصیل سے سمجھایا ہے، مگر انسان کے "تفاعل بالقوت" کو مناسب مقام نہیں دیا ہے، تاہم اس کے بیانات بڑے مدلل، تنقیدی اور تجزیاتی دکھائی دیتے ہیں۔

اس کی مشہور کتاب مروج الذہب و معدن الجواہر میں زمین کی تخلیق، ہیئت اور وسعت کے بیانات کے علاوہ دنیا کے مختلف خطوں اور سات سمندروں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ بطلیموس کی نظر میں جنوب مشرقی ایشیا اور براعظم افریقہ بھی باہم مربوط رہے تھے۔ مسعودی نے اس تصور کو غلط بتایا۔ اس کی کتاب "التنبیہ والاشراف" طبعی جغرافیہ سے متعلق ہے۔ "کتاب العجائب" میں اس نے تشکیل ارض کے تعلق سے یونانیوں اور رومیوں کے تصورات سے روشناس کرایا ہے۔ اس نے بحیرۂ کیسپین اور بحیرۂ روم میں تجربات اور مشاہدات کر کے سطح زمین کی خمیدگی کی تصدیق کی ہے۔ کتاب "العجائب الدنیا" میں بحر ہند اور موسمی ہواؤں کے تذکروں کے ساتھ جہاز رانی کے مناسب اور نامناسب اوقات کی صراحت بھی کی ہے۔ "اخبار الزماں" میں اس نے سمندروں کا ذکر کرتے ہوئے آبی درجہ حرارت اور شوریت کی تقسیم اور مد و جذر کے بیانات کے علاوہ دریاؤں کے عمل فرسودگی پر روشنی ڈالی ہے۔ ساتھ ہی چشموں اور دریاؤں کی تشکیل اور ہواؤں کے بہاؤ کی سمتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وادی نیل، مصر، عراق، مشرقی افریقہ اور تبت کے جغرافیائی حالات کے ساتھ باشندوں کے طرز زندگی کی وضاحت بھی کی ہے۔

المقدسی: یہ عرب محقق جغرافیائی میدان میں بین ربطی تصورات کا حامل تھا۔ اس نے اسلامی علاقوں کے طبعی حالات کے مطالعہ کے ساتھ معاشی کیفیتوں کا تجزیہ کیا ہے اور پیداواری اور تجارتی، دیہی نیز شہری مراکز کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ جغرافیائی معلومات انسانی میدان عمل کے ہر گوشہ میں راست یا بالواسطہ مفید ثابت ہوتی ہیں۔

الناصرہ: عیسائیوں کا یہ مقدس مقام شمالی اسرائیل میں واقع ہے۔ یہیں سے حضرت عیسیٰ اپنا پہلا معجزہ دکھانے کے لیے روانہ ہوئے تھے اور انھوں نے پانی کو شراب میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں یہاں یہودی زیادہ آباد تھے، آج عیسائی اکثریت میں ہیں۔ یہ تجارت کا بڑا مرکز ہے اور اسرائیل کے شمالی ضلع کا انتظامی مستقر ہے۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 34,000 تھی۔

النفوذ: عرب کا یہ دوسرا عظیم ترین ریگستان نجد کے شمال میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 67,300 مربع کلومیٹر (26 ہزار مربع میل) ہے۔ اس میں آبی علاقے بہت کم ہیں۔ موسم سرما اور بہار کی بارشوں کے بعد خانہ بدوشوں کو کچھ عارضی چراگاہیں مل جاتی ہیں۔

الوائی: یہ ریاست کیرالا کا ایک اہم شہر ہے جو ارناکلم سے تقریباً 20 کلومیٹر (13 میل) کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کی چند اہم صنعتیں کھادیں، کیمیائی اشیا، مصنوعی ریشم، المونیم، کانچ سازی اور نادر دھاتی اشیا ہیں جو کالادی سے 23 کلومیٹر (14 میل) کے فاصلے پر ملتی ہیں۔ یہی سری شنکر آچاریہ کا مقام پیدائش ہے جو آٹھویں صدی عیسوی میں ادویت فلسفے کے عظیم بانی تھے۔

الونیر وڈمین ڈاناڈے را: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

الیاقوتی: اس مسلم مفکر نے سنہ 1179 اور سنہ 1229 کے درمیان اہم جغرافیہ داں کا مقام حاصل کیا۔ اس نے جغرافیہ کی لغت "معجم البلدان" کے نام سے ترتیب دی ہے۔ دوسری اہم کتاب "مراصد الاطلاع" میں اس نے خفیہ پناہ گاہوں کا تذکرہ کیا ہے۔

الیعقوبی: یہ نویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا جغرافیہ داں تھا۔ اس نے اپنی "کتاب البلدان" میں انسان کے معاشی حالات اور سطح زمین کے خدوخال کے باہمی رشتہ کو تفصیل سے سمجھایا ہے۔ ابن رستہ اور ابن الفقیہ اس کے اہم ہم عصر رہے ہیں۔

لئے پی (الیپی): جنوبی ہند کا یہ بندرگاہ کیرالا ریاست میں واقع ہے یہ کوزھی کوڈ سے 35 میل دور ہے۔ یہاں کا روشنی کا مینار (لائٹ ہاؤس) 85 فٹ بلند ہے۔ یہ صنعتی اور تجارتی اعتبار سے بھی بڑا اہم مقام ہے۔ یہاں سے الائچی، کالی مرچ، ناریل اور ادرک باہر بھیجے جاتے ہیں۔ یہاں بیجوں سے تیل نکالنے کے کارخانے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بھی ہیں۔

امپھال (امفال): منی پور کا صدر مقام ہے جو منی پور کی سرسبز و زرخیز وادی میں واقع ہے۔ یہاں کا ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا مشہور ہے۔ یہاں کی دستکاری سارے ہندوستان میں مقبول ہے۔ چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ بڑے پیمانے پر بانس پیدا ہوتے ہیں جن سے کاغذ بنایا جاتا ہے۔

امرناتھ: یہ کشمیر (ہندوستان) کے جنوب میں ایک پہاڑی ہے جو سطح سمندر سے 5,280 میٹر بلند ہے۔

امیر البحری چارٹ: یہ ساحلی پیچ و خم اور بحری گہرائیاں بتاتا ہے۔

امیریکو ویس پکسی: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

امیم ہائیڈرو اسکیم: آسام میں، اوّل اسٹیج میں، شیلانگ سے تقریباً 14.4 کلو میٹر کے فاصلے پر امیم ندی کے اوپر ایک بندھ کی تعمیر اور دوم اسٹیج میں امیم پاور اسٹیشن کے زیریں دھارے اور ام سو پر کے دھارے پر ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے۔ اس کے دو مرحلوں سے نو، نو ہزار اور تیسرے مرحلے سے تیس ہزار کلو واٹ، یعنی جملہ 8 یونٹوں سے، برقی قوت حاصل ہو گی۔ ان برقی اسٹیشنوں سے کام روپ، کھاسی، جینتیا ہلس، نگاؤں، دارانگ اور گوال پاڑہ استفادہ کریں گے۔

اکائی ہائیڈرو الکٹرک پراجکٹ: اس پراجکٹ کے مطابق بمقام اکائی تاپی ندی پر ایک ذخیرہ آب کی تعمیر ہوئی ہے، جس سے 562,000 ایکڑ رقبہ سیراب ہو گا اور 300 میگاواٹ بجلی پیدا ہو گی۔

امیونائٹ (Ammonite): جماعت سیفلوپوڈا کے قبیلے "اموناییڈیا" (Ammonoidea) سے متعلق غیر فقری حیوانات۔ ان کے خول لچھے دار (Coiled) ہوتے ہیں اور خانوں (Chambers) میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان خانوں کو تقسیم کرنے والے پردے (Septa) باہری خول (Shell) سے مل کر خمیدہ درز (Suture) بناتے ہیں۔ یہ جانور ڈوونین (Dovonian) سے شروع ہو کر کریٹیشس (Cretateous) دور میں معدوم ہو گئے۔ اب ان جانداروں کا کوئی زندہ نمائندہ باقی نہیں ہے۔

اناساگر: قدیم چوہان حکمراں، اناجی کی تعمیر کردہ اجمیر کی یہ مصنوعی جھیل دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ شہنشاہ جہانگیر نے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے ایک باغ "دولت باغ" کے نام سے یہاں بنوایا تھا۔

اناکزیمینڈر: یہ چھٹی صدی قبل مسیح کا یونانی محقق ہومر کے سے تصورات رکھتا تھا۔ اس نے زمین کو کائنات کے مرکز میں معلق مقام دیا تھا اور اسے ایک ایسے نقارہ نما استوانہ کی طرح سمجھتا تھا جس کا اوپری حصہ مقعر ہو۔ زمین کی دبازت اور محیط میں اس نے ایک اور تین کی نسبت قائم کی تھی۔ آباد دنیا کا سب سے پہلا نقشہ اسی نے تیار کیا تھا۔

انامی کورڈیلیرا: یہ ہند چینی کا 700 میل لمبا پہاڑی سلسلہ دریائے میکانگ اور بحیرۂ جنوبی چین کے درمیان فاصل آب کی حیثیت رکھتا ہے اور ساحل کے متوازی قوس کی شکل میں شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ لاوس، شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام کے درمیان حد بندی کرتا ہے۔

انٹاناناریو (Antananarivo): دیکھیے تناناریو

انٹیوک: مغربی کیلیفورنیا کا یہ شہر دریائے سان جوکوئن پر واقع ہے۔ یہ سنہ 1849 میں آباد ہوا اور مسلسل ترقی کے نتیجہ میں اہم صنعتی مرکز بن گیا۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 28,060 تھی۔

انٹارکٹیکا (Antarctica): یہ براعظم قطب جنوبی کے اطراف اور دائرہ قطب جنوبی کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ رقبہ 128,000,000 اور 153,000,000 مربع کلو میٹر (50 اور 60 لاکھ مربع میل) کے درمیان ہے۔ اس کے اطراف کا سمندر بعض وقت بحر جنوبی کہلاتا ہے لیکن اصل میں بحر اوقیانوس، بحر الکاہل اور بحر ہند کے جنوبی سرے یہاں ملتے ہیں۔ ہر طرف اس علاقے میں سخت سردی پڑتی ہے اور برف کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑ جیسے لگتے ہیں، ہر طرف نظر آتے ہیں اور اسی لیے اس علاقہ میں جہاز رانی بہت خطرناک ہے۔ ساحلی علاقوں میں بھی برف کے پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں، اس لیے زمین پر بھی نقل و حرکت بہت مشکل سے ہوتی ہے۔ اندر کے علاقے میں برف سے ڈھکے اونچے اونچے پہاڑوں کے سلسلے ہیں جن کی بلندی تقریباً 5 ہزار میٹر (15 ہزار فٹ) تک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو برف کی چادر سے ڈھکا نہ ہو۔ جاڑوں میں درجہ حرارت °80- درجہ تک گر جاتا ہے اور گرمی میں زیادہ سے زیادہ 150 درجہ (ف) تک پہنچتا ہے۔ اس علاقہ میں پہلی مرتبہ سر تھامس کک 1774 میں پہنچے اور اس کے بعد ایک برطانوی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ملاح ولیم اسمتھ نے 1819 میں جنوبی شٹ لینڈ کا پتہ لگایا اس کے بعد یہاں مہموں کا سلسلہ چلتا رہا۔

1959 میں وفاقی روس، امریکہ اور دوسرے ملکوں نے یہ معاہدہ کیا کہ اس علاقہ پر کوئی ملک اپنا حق نہیں جتائے گا۔ اسے جنگ کا مرکز بھی نہیں بننے دیا جائے گا اور اس علاقہ کو صرف تحقیقات کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ پچھلے برسوں میں کئی ملکوں اور خاص طور پر امریکہ اور روس کے سائنس دانوں نے تحقیقات کی ہے اور تحقیقاتی مرکز قائم کیے ہیں اور لوہے، ابرک، گریفائٹ وغیرہ کے زبردست خزانے ڈھونڈ نکالے ہیں۔ ہندوستان نے بھی یہاں تحقیقاتی وفد بھیجے ہیں اور تحقیقاتی مرکز قائم کیا ہے۔

1991 میں 24 ملکوں (قوموں) نے ایک معاہدہ پر، جو 1959 کے معاہدہ کی توثیق ہے، دستخط کیے ہیں تاکہ آئندہ پچاس سال تک انٹار کٹا میں تیل کی تلاش میں کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اس معاہدہ کی رو سے وہاں کے حیوانات اور آبی جانوروں نیز ماحول کو بالکل پراگندہ اور آلودہ نہ کیا جائے۔

انٹی گوا اور بربودا (Antigua and Barbuda): بحیرہ کیریبین میں جزائر بربودا اور رے ڈونڈ پر مشتمل ایک جمہوریہ نو ہے۔ یہ گوانڈالوپ کے شمال میں 64 کلو میٹر (چالیس میل) دور واقع ہے۔ رقبہ 44 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 86,000 ہے۔ صدر مقام سینٹ جان ہے۔ عام طور پر یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ موسم خوشگوار اور معتدل رہتا ہے۔ جانوروں کے شکاری اور مچھلیوں کا شکار کھیلنے والے یہاں باہر سے کافی آتے ہیں۔ گنے اور کپاس کی کاشت ہوتی ہے۔ اسے بھی 1493 میں کولمبس نے دریافت کیا تھا لیکن 1632 میں یہاں انگریزوں نے آبادکاری شروع کی۔ چند سال کے لیے یہ فرانسیسیوں کے قبضہ میں بھی رہا لیکن انگریز پھر واپس آگئے۔ 1958 میں یہ مغربی جزائر الہند (ویسٹ انڈیز) کے وفاق میں بھی شریک ہوا لیکن یہ جلد ہی علیحدہ ہو گیا۔ یہ لی ورڈ جزیروں کی نوآبادی (کالونی) کا بھی حصہ تھا لیکن یہ کالونی 1959 میں ختم ہو گئی۔ 1940 میں برطانیہ نے امریکیوں کو یہاں اپنے فوجی اڈے قائم کرنے کا حق دے دیا تھا۔

1967 میں یہ دولت مشترکہ کا ممبر بنا۔ 1981 میں اسے مکمل آزادی مل گئی۔ اب اس جزیرہ میں دو امریکی فوجی اڈے قائم

ہیں۔

اندراوتی: یہ ندی شمالی مشرقی گھاٹ میں کالا ہانڈی سے نکلی ہے اور جنوب میں سرونچا کے مقام پر گوداوری سے جاملتی ہے۔ چترکوٹ کے قریب اس کا 29 میٹر اونچا شاندار آبشار ہے۔ ونڈا کرنیہ اس پر واقع ہے جہاں بنگلہ دیش سے آئے ہوئے لوگوں کو پھر سے بسایا گیا ہے۔ یہ گونڈ قبیلوں کا بھی مسکن ہے۔

اندور: مدھیہ پردیش کا ایک اہم شہر ہے۔ آزادی سے پہلے یہ مراٹھا ریاست اندور کا صدر مقام تھا۔ یہ سطح سمندر سے 1,823 فٹ بلندی پر مالوہ کی سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہ علاقہ گیہوں اور کپاس کی کاشت کے لیے بہت موزوں ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے یہیں کپڑے کا کارخانہ قائم ہوا تھا۔ یہاں کے چرمی کھلونے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں اور اب برآمد بھی کیے جاتے ہیں۔ یہاں کی 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 1,109,056 ہے۔

انڈکس نمبر اور انڈکس شیٹ: ٹوپو شیٹس کی تیاری کے سلسلہ میں ہندوستان اور ملحقہ علاقوں کو اولاً 136 حصوں میں تقسیم کر کے انھیں 1 تا 136 اساسی نمبر دے دیے جاتے ہیں۔ یہ انڈکس نمبر کہلاتے ہیں۔ شکل میں کچھ انڈکس نمبر بطور نمونہ دکھائے گئے ہیں۔ ہر انڈکس نمبر کے شیٹ کو A سے P تک سولہ ثانوی حصوں میں منقسم کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اساسی 53 نمبر کے شیٹ کو

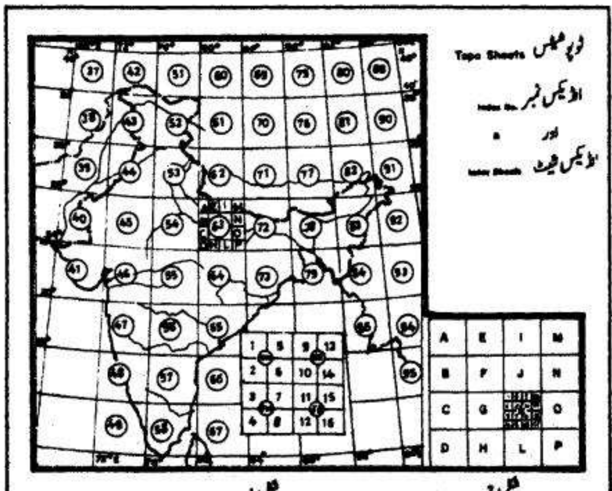

شکل 1 شکل 2

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سولہ حصوں میں تقسیم کردیں تو ذیلی حصے 53A، 53B اور 53C وغیرہ کہلائیں گے (شکل) ان کا پیمانہ 1/1000000 کے بجائے "1=4 میل ہوگا۔ ذیلی نمبروں کے یہ تمام شیٹس ربع انچی یا ڈگری شیٹس کہلاتے ہیں۔ ہر ربع انچی شیٹ کو جس طرح شکل 2 میں دکھایا گیا ہے مزید چار ذیلی حصوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور انھیں سمتوں کے اعتبار سے ذیلی نمبر دے دیے جاتے ہیں۔ شکل میں شیٹ 53M کے ذیلی چار حصے 53M/NE، 53M/NW، 53M/SE، اور 53M/SW ہیں۔ ان کے پیمانہ کی مساوات "1=2 میل ہوگی۔ اگر کوئی ربع انچی شیٹ مثلاً 53P چار کے بجائے سولہ حصوں میں منقسم ہو تو ذیلی شیٹس کے نمبر 53P/1، 53P/2 اور 53P/3 وغیرہ رہیں گے۔

انڈمان اور نکوبار: 150 ملین سال قبل مینمار (برما) اور انڈونیشیا کے درمیان ایک پہاڑی سلسلہ تھا جو ارضیاتی سرگرمیوں اور قشر ارضی کی ہولناک حرکتوں کی وجہ سے اطراف کے سمندروں میں ڈوب گیا، جس کی چوٹیاں اب سطح سمندر کے اوپر نظر آتی ہیں۔ پہاڑیوں کے یہی بالائی حصے اب انڈمان اور نکوبار کے جزائر کے نام سے مشہور ہیں۔ جو دنیا کے نقشے پر دو قوسوں اور موتیوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ یہ خلیج بنگال کی جنوب مشرقی سمت میں واقع ہیں اور 725 میل کے فاصلے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

دی ٹین ڈگری چینل انڈمان اور نکوبار کے جزائر کو علیحدہ کرتے ہیں۔ یہ 6 تا 14 ڈگری شمالی عرض البلد میں واقع ہیں۔ ان کا سب سے جنوبی نقطہ اندرا پوائنٹ کہلاتا ہے جو کنیاکماری سے بھی جنوب میں واقع ہے۔ ان جزائر کی جملہ تعداد 319 ہے، جن میں 257 انڈمان کے گروپ میں شامل ہیں اور بقیہ نکوبار کے گروپ میں۔ ان کا جملہ رقبہ 8,293 مربع کلومیٹر ہے۔ سنہ 1991 کی مردم شماری کے اعتبار سے ان جزائر کی جملہ آبادی 280,661 ہے۔ لیکن یہ تمام جزائر آباد نہیں ہیں۔ دونوں جزائر کے مجموعوں کا صدر مقام بندرگاہ پورٹ بلیئر ہے۔ ان جزائر کو کالاپانی بھی کہتے ہیں کیونکہ ہندوستان کی جنگ آزادی کے بہادر مجاہدوں کو یہاں قید کیا جاتا تھا۔

ان جزائر کی اہم پیداوار چاول، ناریل اور سپاری ہیں۔ کافی وسیع رقبہ سدا بہار جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہاں ناریل کی صنعت، دیا سلائی بنانے اور تیل نکالنے کے کارخانے ہیں۔

انڈوچائنا (ہند چینی): جنوب مشرقی ایشیا کے جزیرہ نما کا قدیم نام ہے۔ اس کے شمال میں چین، مشرق میں خلیج ٹانگ کنگ، جزیرہ ہینن اور بحیرۂ جنوبی چین واقع ہیں۔ جنوب مغرب میں خلیج سیام اور مغرب میں تھائی لینڈ کے علاقے پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں آج کل کمبوڈیا، لاؤس، شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام شامل ہیں۔ سنہ 1954 کے بعد انڈوچائنا کے نام کی سیاسی یا دستوری اہمیت بالکل ختم ہوگئی ہے۔

انڈورا (Andora): یہ فرانس اور اسپین کی سرحد پر ایک چھوٹی سی آزاد پہاڑی قلمرو ہے۔ اس کا رقبہ 464 مربع کلومیٹر (179 مربع میل) ہے۔ سرکاری زبان کیٹالن (Catalon) ہے۔ سنہ 1991 میں آبادی 58,000 تھی۔ صدر مقام کا نام بھی انڈورا ہے۔ سیاحت کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے باعث یہاں اب زراعت اور مویشی پالنے پر کم توجہ دی جارہی ہے۔ زمین کا صرف چار فیصد حصہ قابل کاشت ہے۔ رائی، گیہوں، آلو اور تمباکو کی فصلیں اہم ہیں۔ تمباکو کی صنعت میں خاص ترقی ہوئی ہے۔ کوئلہ کے علاوہ عطریات، کپڑے، ریڈیو اور ٹیلیویژن سٹ فرانس، اسپین اور مغربی جرمنی سے منگائے جاتے ہیں۔ ان ہی ممالک کو عمارتی لکڑی، دودھ، مکھن، پنیر اور کھالوں کے علاوہ فرنیچر کی برآمد ہوتی ہے۔

انڈورا (Andorra): ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو کوہ مشرقی پرنیز یا پرنیز میں فرانس اور اسپین (ہسپانیہ) کے درمیان واقع ہے اور اس پر فرانس کے صدر اور اسپین کے ارگل کے بشپ کا مشترکہ اقتدار اعلیٰ قائم ہے۔ ویسے 24 ممبروں کی ایک پارلیامنٹ قائم ہے جسے اندرونی معاملات میں پورے اختیارات حاصل ہیں۔

اس کا رقبہ 464 مربع کلومیٹر (179 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 58,000 ہے۔ سرکاری زبان کیٹلانی ہے۔ ہسپانوی اور فرانسیسی بھی رائج ہیں۔

انڈورا اونچے اونچے پہاڑوں کا علاقہ ہے۔ گیہوں اور آلو پیدا کیے جاتے ہیں۔ گائیں، بھیڑیں وغیرہ پالی جاتی ہیں۔ تجارت اسپین اور فرانس سے ہوتی ہے۔ سالانہ 40 لاکھ سیاح آتے ہیں جس سے یہاں کی معیشت متاثر ہے۔ فرانسیسی فرانک اور ہسپانوی پسیٹیا دونوں سکے رائج ہیں۔

انڈورا لاویلا یہاں کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے جس کی آبادی 1986 میں تقریباً 16,000 تھی۔

انڈین ٹیلیفون انڈسٹری: بنگلور میں واقع ہے جہاں ٹیلیفونوں کی تیاری کے علاوہ دور دراز مراسلت کا سامان۔ ٹیلیفون اکس چینج لائن اور اس سے متعلق مختلف آلات تیار کیے جاتے ہیں۔ ایک اور کارخانہ نینی میں بھی قائم ہوا ہے۔

انشقاقی ارضی ہم میلان (Taphrogeosyncine): وہ ارضی ہم میلان یا کاس جو انشقاق (Rifting) کی وجہ سے بنے ہوں اور وہ کاس جو شگافوں یا اختلال (Faults) کے درمیان واقع ہوں۔

انعکاسی زاویہ پیما (Reflecting Goniometer): یہ ایک کامل آلہ ہے جو عموماً ایسے قلموں کے بین رخی زاویے معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن کے رخ مسطح اور بے داغ ہوتے ہیں۔ یہ آلہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جبکہ جمادی قلم بالکل چھوٹا ہو۔

انقرہ: یہ ترکی کی راجدھانی ہے۔ پہلے یہ (Ancyra) کہلاتا تھا۔ یہ شہر انگورا (ایک قسم کی اون) کے لیے مشہور ہے۔ یہاں کی قالین سازی کی صنعت قابل تحسین ہے۔ مقامی پیداوار میں شہد اور ایک خاص قسم کی ناشپاتیاں شامل ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا خشک براعظمی ہے۔ 1946 میں انقرہ یونیورسٹی کی بنیاد پڑی۔ اس یونیورسٹی کے علاوہ یہاں پر نیشنل لائبریری بھی ہے۔

انکلیشور: شمالی گجرات (ہندوستان) میں دوآبہ کا ایک اہم شہر ہے جو ضلع بھڑوچ میں واقع ہے۔ تیل کے چشموں کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ان چشموں کی گہرائی 3,770 فٹ ہے۔

انگ کور: شمال مغربی کمبوڈیا (کمپوچیا) میں یہ آثار قدیمہ کا مقام ہے، نویں صدی سے پندرہویں صدی عیسوی تک یہ کئی کمپوچی سلطنتوں کا صدر مقام رہا۔ تقریباً ساڑھے پانچ سو سال تک یہ کھمیر (خمیر) سلطنت کا صدر مقام رہا۔ یہاں مناور کا علاقہ انگ کور واٹ کہلاتا ہے۔ اس میں بارہویں صدی کا بنا ہوا ایک شاندار مندر قابل دید ہے۔ یہ جاترا (یاترا) کا اہم مرکز یا تیرتھ استھان ہے۔

انگلستان کی سڑکیں: انگلستان فی مربع میل 3 عوامی شاہراہیں رکھتا ہے جن کا مجموعی طول ایک لاکھ چوراسی ہزار میل ہے۔

انگولا (Angola): عوامی جمہوریہ انگولا براعظم افریقہ کے جنوب مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 1,246, 700 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 10,303,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر لوانڈا ہے۔ انگولا کے شمال اور شمال مشرق میں زائرے، جنوب مشرق میں زیمبیا، جنوب میں نامیبیا اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔

عام بول چال کی زبان بنٹو ہے اور سرکاری زبان پرتگالی۔ بعض علاقوں میں کھوئی سان بول چال کی زبانیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ تقریباً پچاس فی صدی آبادی قدیم روایتی مذاہب کی پیرو ہے۔ 38 فی صدی رومن کیتھولک ہیں اور 12 فی صدی پروٹسٹنٹ۔

انگولا کی شکل تقریباً مربع نما ہے۔ ملک کا کافی بڑا حصہ سطح مرتفع ہے۔ شمال مشرق میں گھنے جنگلوں والی وادیاں ہیں جن سے لکڑی بڑی مقدار میں حاصل ہوتی ہے۔ ساحلی علاقہ پورا میدانی ہے جہاں خوب بارش ہوتی ہے اور پام کے درخت بڑی تعداد میں اگائے جاتے ہیں۔

انگولا میں کافی، روئی، سیسل، ربر، کوکو اور پام کی کاشت ہوتی ہے۔ مویشی بڑے پیمانے پر پالے جاتے ہیں۔ مچھلیاں پکڑنے اور انھیں ڈبوں میں بند کرنے کی صنعت بھی قائم ہے۔ کانوں سے ہیرے نکالے جاتے ہیں۔ کچھ تیل بھی ملتا ہے۔ تانبہ، لوہا اور مینگنیز کی کچی دھاتوں کے کافی بڑے ذخائر ہیں۔ ان کی کان کنی کو ترقی دینا ابھی باقی ہے۔ جوٹ، روئی، کپڑے، کاغذ، پلاسٹک اور ربر کی صنعتیں ہیں لیکن بہت بڑی نہیں۔ ریلیں کافی وسیع ہیں جو زائرے اور زیمبیا کی تانبہ کی کانوں کو بندرگاہوں تک ملاتی ہیں۔ ایک ریلوے لائن انتہائی مغرب میں موزمبیق کی بندرگاہ بیرا سے شروع ہو کر انتہائی مشرق میں انگولا کی بندرگاہ لوبیٹو پر ختم ہوتی ہے۔ یہاں کل 2,966 کلو میٹر لمبی ریلوے لائن اور 72,323 کلو میٹر لمبی سڑکیں ہیں۔

رائج سکہ انگولا اسکوڈو ہے۔

ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 1990 میں 990,155 اور استاد 31,062 تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 1990 میں ہی 186,499 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق 6,534 طالب علم اور 439 استاد تھے۔

تاریخ: نومبر 1975 میں، آزادی حاصل کرنے سے پہلے انگولا پرتگال کی ایک کالونی تھا۔ پرتگالی پہلی مرتبہ انگولا میں پندرھویں صدی کے آخر میں آئے۔ انگولا پر 1641 سے 1648 تک نہایت مختصر مدت کے لیے لوگوں کا کنٹرول رہا۔ اس کے بعد سے آزادی تک یہ علاقہ پرتگالیوں ہی کے قبضہ میں رہا۔ پرتگالیوں نے اپنی مستقل نوآبادی 1575 میں لوانڈا میں اور 1617 میں بن گیلا (Benguela) میں قائم کی۔ سترھویں صدی سے لے کر 1836 تک انگولا غلاموں کی تجارت کا سب سے بڑا مرکز رہا۔ جنوبی امریکہ اور برازیل کو سب سے زیادہ غلام یہیں سے گئے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1905 سے 1920 تک پرتگالیوں کے خلاف مقامی باشندے مسلسل بغاوتیں کرتے رہے اور پرتگالیوں نے بڑے خون خرابے کے بعد اور تشدد کے ذریعہ انھیں کچلا۔ اس سارے عرصہ میں یہ علاقہ کوئی ترقی نہیں کرسکا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب سارے یوروپ میں آزادی کی لڑائی تیز ہوئی تو پرتگال کی فاشسٹ حکومت نے ڈکٹیٹر سالازار کے تحت ظلم و تشدد کو اور تیز کردیا۔ اب پرتگال نے افریقہ کے اپنے تمام مقبوضات یعنی موزمبیق، گنی بساؤ، انگولا وغیرہ کو پرتگال کے سمندر پار کے صوبے قرار دے دیا اور اپنا اقتدار باقی رکھنے کے لیے کافی فوج بھیجی اور سڑکیں تعمیر کرنی شروع کیں۔ 1961 میں آزادی کی جد و جہد ایک نئی طاقت سے پھوٹ پڑی جسے انتہائی بے دردی کے ساتھ کچل دیا گیا۔ ہزاروں لوگوں کو پڑوس کے ملکوں میں پناہ لینی پڑی اور وہاں جنگ آزادی کی تنظیم ہونے لگی۔ آزادی کی ان تحریکوں میں ایم۔پی۔ایل۔اے (M.P.L.A) نامی انگولہ کی تحریک آزادی نے آگسٹونیتو (A.Neto) کی سرکردگی میں بڑے پیانے پر گوریلا جنگ شروع کی اور کچھ علاقہ آزاد بھی کروالیا۔ اس کے علاوہ ہولڈن رابرٹو کی سرکردگی میں زائرے کی سرحد کے اندر انگولا کی ایک عارضی حکومت بھی قائم ہوئی جسے زائرے اور امریکہ کی امداد حاصل تھی۔

1974 میں جب پرتگال میں فاشسٹوں کا تختہ الٹ گیا اور جمہوری حکومت قائم ہوئی تو دوسرے محکوم علاقوں کی طرح انگولا کو بھی آزادی دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر رابرٹو کی پارٹی ایف۔این۔ ایل۔اے۔ (F.N.L.A) نے شمال کے کچھ علاقہ پر اور یونیٹا (U.N.I.T.A) پارٹی نے جنوبی افریقہ کی حمایت سے جنوب کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ درمیانی بڑا علاقہ آگسٹو نیٹو کی ایم۔پی۔ایل۔اے کے قبضہ میں رہا۔

شروع میں افریقی اتحاد کی کمیٹی نے ایک متحدہ حکومت بنوانے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ 11 نومبر 1975 کو ایم۔ پی۔ ایل۔ اے۔ کے لیڈر آگسٹو نیٹو نے لوانڈا میں بحیثیت صدر آزاد انگولا کا اختیار سنبھال لیا اور چند ہی ماہ میں بقیہ حصہ پوری طرح اس کی حکومت کے قبضہ اور اختیار میں آگیا۔ شمال میں زائرے اور جنوب میں جنوبی افریقہ کی حکومت نے مسلح مداخلت کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ آزادی کے بعد سے جنوبی افریقہ، زمبابوے اور نامیبیا کے خلاف جد و جہد آزادی کی صف اوّل کی طاقتوں میں تنزانیہ، زیمبیا اور موزمبیق کے ساتھ انگولا نے بھی نہایت اہم رول ادا کیا۔ اور نامیبیا کے محاذ آزادی سواپو (SWAPO) کی ہر طرح مدد کی۔

1991 میں حکمراں پارٹی MPLA نے انگولا میں بہت سی سیاسی پارٹیوں کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دے دی اور 1992 میں انتخابات کرانے کی بھی رضامندی دے دی۔ لیکن انتخابات کے بعد بھی ملک میں امن کے حالات پیدا نہ ہوسکے کیونکہ ہارنے والے امیدوار UNITA کے لیڈر جونس ساومبی نے انتخابات کو بدعنوانیوں سے بھرا ہوا بتایا اور بغاوت کردی۔

اننت ناگ (چشمہ): اننت ناگ کا متبرک چشمہ سری نگر کے جنوب میں 54 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ اننت یا لارڈ وشنو کی عبادت گاہ کے لیے مشہور ہے۔ اس چشمہ کے قریب اسی نام کا شہر بھی آباد ہے۔

اننت ناگ (شہر): کشمیر (ہندوستان) میں واقع ہے۔ قرب و جوار کے شہروں کو ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے۔ زرخیز علاقہ ہے اور ریاست کا غلہ اگانے والا اہم مقام ہے۔

انوشن: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

اوب دریا: روس (سائبیریا) کا یہ دریا 3,461 میل لمبا ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم دریاؤں میں کیا جاتا ہے۔ دریائی طاس کا رقبہ تقریباً 1,131,000 مربع میل ہے۔ اس میں کئی اندرونی بہاؤ کے علاقے شامل ہیں۔ اسے تشکیل دینے والی بیا (Biya) اور کاٹونی (Katuni) ندیاں الطائی پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ دونوں کا ملا ہوا پانی مغربی سمت میں بہنے کے بعد شمالی رخ اختیار کرلیتا ہے۔ سائبیریا کے وسیع میدان میں یہ کئی دھاریں بناتا ہوا بہتا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ جہاز رانی کے قابل ہے۔ موسم سرما میں جب اس کے شمالی حصے منجمد ہو جاتے ہیں تو دریائی پانی کناروں پر دور تک پھیل کر دلدلی کیفیت پیدا کردیتا ہے۔ اس زمانہ میں جہاز رانی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

اوٹاوا: کینیڈا کی راجدھانی ریاست اونٹاریو کے جنوب مشرق اور مانٹریل کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں 268,206 تھی۔ 1827 میں کرنل جان بائی نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی اور اسی مناسبت سے اس کا سابقہ نام بائی ٹاؤن تھا۔ 1854 میں سابقہ نام تبدیل کردیا گیا اور 1867 میں اس کو کینیڈا کا صدر مقام بنایا گیا۔ ری ڈو کنال اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ یہاں پارک کافی بڑی تعداد میں ہیں۔ صنعت کے لیے درکار بجلی اس بندھ سے فراہم کی جاتی ہے جو دریائے اوٹاوا پر بنایا گیا ہے۔ کاغذ سازی، گھڑی سازی اور چوب کاری یہاں کی اہم صنعتیں ہیں۔ 1848 میں یہاں اوٹاوا یونیورسٹی قائم کی گئی۔ اس کے علاوہ یہاں

کارلٹن یونیورسٹی بھی قائم ہے۔ان کے علاوہ تجرباتی مزرعہ جات بھی ہیں۔اس شہر کی آبادی کا تقریباً نصف حصہ فرانسیسی بولتا ہے۔یہاں کی مشہور عمارتیں،ریڈیو ہال،گورنر جنرل کا محل،انگلیکی اور رومن کیتھولک گرجا گھر، نیشنل وکٹوریہ میوزیم، پارلیمنٹ کا کتب خانہ، نیشنل آرٹ گیلری، رصدگاہ کی عمارت، دارالضرب اور کارنیگی لائبریری وغیرہ ہیں۔

اوٹکمنڈ (Ootacamund): یہ تامل ناڈو میں نیلگری کی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔اس کا نام ٹوڈا (Toda) گاؤں بھی ہے جو حکومت کے نباتیاتی باغ (Govt. Botanical Garden) کے اوپر واقع ہے۔اوٹکمنڈ، صحیح معنوں میں اوتھاکامنتھو (Othakamanthu) ہے جس کے معنی ایک پتھر کا گاؤں (One Stone Village) ہے۔ سطح سمندر سے اس کی اونچائی 2,290 میٹر ہے۔اس مقام کی آب و ہوا معتدل ہے۔ سوائے جولائی کے مہینے کے جبکہ یہاں بارش ہوتی ہے۔باقی تمام سال یہاں بہت سے سیاح آتے ہیں اور یہاں کی آب و ہوا اور پہاڑی منظر کا لطف اٹھاتے ہیں۔

اوٹکمنڈ کے مضافات میں نباتیاتی باغ، جھیل، دودابیٹا کی چوٹی (Dodabetta Peak) کیرن کی پہاڑی،ایلک کی پہاڑی (Elk Hill)، اسنوڈاون (Snow Down)، وین لاک ڈاون (Wenlock Down)، مکرتی کی چوٹی (Mukurthi Peak)، پیکارا بندھ (Pykara Dam)، ٹوڈا کا گرجا (Toda Cathedral)، کال ہٹی آبشار (Kalhatti Falls)، کنڈہ (Kundah)، ہندوستان فوٹو فلم فیکٹری اور انڈو جرمن ایگری کلچرل فارم (Indo German Agricultural Farm) ہیں جو اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔

اوٹونارڈینس جولڈ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ادویائی پودے: بالکل ابتدائی دور سے بنی نوع انسان نے بیماریوں کے علاج اور جسمانی تکالیف سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں پودوں کا استعمال کیا ہے۔ چونکہ بیماری، انحطاط اور موت کا ہمیشہ سے زندگی کے ساتھ تعلق رہا ہے،اس لیے بیماریوں کا مطالعہ اور ان کے علاج فہم انسانی کے ابتدا ہی سے ساتھی رہے ہوں گے۔ ہر دور میں ابتدائی انسانوں کو ادویاتی پودوں کی کچھ نہ کچھ معلومات ضرور حاصل رہی ہوں گی۔ویسے ان کو بطور صحت بخش عوامل اور انسدادی تدابیر کے لیے استعمال کیا ہوگا۔اس مقصد کے لیے کار آمد ثابت ہونے والی مختلف پیداوار کے استعمال کی معلومات عموماً قبیلہ کے طبی لوگوں کی حد تک محدود تھی جو کئی صدیوں کے دوران اکٹھا ہوئی ہوں گی۔ جیسے جیسے تہذیب نے ترقی کی تو ابتدائی اطبا کو اپنے مشاہدے سے بڑی رہنمائی حاصل ہوئی۔ تہذیب کے تمام ابتدائی ادوار میں ادویائی پودوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ چین میں 5,000 تا 4,000 قبل مسیح کے ابتدائی دور میں کئی ادویات کا استعمال ہوتا تھا۔ آج بھی ایسی سنسکرت تصانیف موجود ہیں جن سے ادویہ کے جمع کرنے کے طریقوں اور ان کی تیاری کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ اسیریائی، بابلی اور قدیم عبرانی (ہیبرو) قومیں ان کے استعمال سے بخوبی واقف تھیں۔ بعض مصری پپائرس سے، جو 1600 ق م کے قدیم دور میں تصنیف کی گئی تھیں، بے شمار ادویاتی پودوں کے ناموں کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس زمانے کے اطبا کے استعمال میں آتے تھے۔ارسطو،ہپوکریٹس اور فیثاغورث کی تصانیف سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ یونانی موجودہ دور کی کئی ادویات سے واقف تھے۔قدیم یونان کے جڑی بوٹی کھودنے والے لوگ ایک اہم قوم سے تعلق رکھتے تھے۔رومی بھی صحت بخشنے والے پودوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ 77 ق م کی ڈایوس کونیڈس (Diosconides) کی "ڈی میٹریا میڈیکا" (De Materia Medica) ایک مشہور تصنیف تھی جس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور آج بھی مُور علاقے کے ترک لوگ اس کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ پلانی (Pliney) اور گیلن (Galen) نے بھی ادویائی پودوں کے بارے میں لکھا ہے۔ تاریک دور کے اختتام کے بعد ماہر نباتات اور قاموس نگاروں اور شمالی یورپ کی خانقاہوں کا دور شروع ہوا۔ اس غیر مہذب آغاز سے ادویہ اور ادویائی پودوں کے مطالعہ نے ترقی کی ہے۔یہاں تک کہ اب اصول دواسازی (Pharmacology) علم طب کی ایک لازمی شاخ ہو گئی ہے۔ دنیا کے تمام علاقوں میں کئی ہزار پودے طبی اغراض کے لیے استعمال ہوئے اور اب بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ان میں سے کئی ایسے ہیں جن سے صرف جنگلی لوگ واقف ہیں اور صرف وہی ان سے استفادہ کرتے ہیں یا پھر جڑی بوٹیوں کے ماہر اور جنگلات میں رہنے والے لوگ جو آس پاس کے علاقوں کے مقامی پودوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نسبتاً کم ہی ادویاتی پودوں کی کاشت ہوتی ہے۔دنیا کے تمام علاقوں،میں اُگنے والے جنگلی پودوں سے ہی بہت سی ادویات کا ذخیرہ حاصل ہوتا ہے۔یہ ادویاتی پودے جمع کیے جاتے ہیں اور جہاز سے بالآخر دنیا کے مختلف ممالک کے ادویائی تجارت کے مرکزوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں کسی کسی ملک نے کسی خاص مفرد دوا کی اجارہ داری حاصل کر لی ہے۔ مثال کے طور پر جاپان، کافور کی پیداوار پر کنٹرول رکھتا ہے،اسی طرح جاوا (انڈونیشیا) دنیا کی تجارت میں داخل ہونے والی تقریباً تمام کونین سپلائی کرتا ہے۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ ادویائی پودوں کا ایک بازار ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ادویائی پودوں کی طبی قدر و قیمت پودوں کے نسیجوں (Plant Tissues) میں کچھ کیمیائی مادّہ یا مادوں کی موجودگی کی وجہ سے ہے جو انسانی جسم پر معینہ طریقہ پر عضویاتی عمل کرتے ہیں۔ ہندوستان میں دونوں آیورویدک اور یونانی نظام میں طبی پودوں کا علم نہایت ہی قدیم ہے۔ دی انڈین لوکل ڈرگس (The Indian Local Drugs) کی شہرت دراصل ہندوستانی، یونانی، اور مغربی ذرائع کی تمام ادویات کی امداد کی بدولت ہے۔ لیکن یہ بڑی حد تک دراصل ہندوستانی باشندوں کے تعلق سے ہے کیونکہ وہ دنیا کے کسی اور ملک کے باشندوں کے مقابلہ میں طبی پودوں کی بہت بڑی تعداد سے واقف تھے۔

ادویائی پودوں کی درجہ بندی:

(1) چھالوں سے حاصل ہونے والی دوا۔
(2) جڑوں سے حاصل ہونے والی دوا۔
(3) پتوں سے حاصل ہونے والی دوا۔
(4) پھولوں سے حاصل ہونے والی دوا۔
(5) لکڑی سے حاصل ہونے والی دوا۔
(6) پھلوں اور بیجوں سے حاصل ہونے والی دوا۔
(7) زیرزمینی پودوں سے حاصل ہونے والی دوا۔

اورو سیس: اوائل دورِ وسطیٰ کے اس اسپینی پادری نے سب سے پہلے قاموس العلوم (انسائیکلوپیڈیا) کی ترتیب پر زور دیا اور اس میں جغرافیائی مسائل کی تشریحات کو بھی اہم مقام عطا کیا۔ ہیکروبیس کی طرح یہ بھی مولف تو اچھا تھا مگر تنقیدی میلانات نہیں رکھتا تھا۔

اوری نوکو: جنوبی امریکہ کا یہ تیسرا بڑا دریا ہے۔ وینی زویلا میں یہ برازیل کی سرحد کے قریب سی راپیری ماسے نکلتا ہے۔ اس کی مجموعی لمبائی تقریباً 1,500 میل ہے۔ اس کے بیشتر حصے میں جہازرانی ہو سکتی ہے۔ یہ دریا اپنے راستے میں وینی زویلا کی گوئی یانا پہاڑیوں اور گھنے جنگلوں میں سے اور کولمبیا کے لانَاز میں سے گزرتا ہے۔ اپنے دہانہ سے یہ دریا 150 میل تک صرف 90 گز چوڑا ہے۔ اس کی سات معاون ندیاں ہیں۔ یہ بحر اوقیانوس میں گرتا ہے۔ اس دریا سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں۔

اُوز (Oozes): جو رسوب 2000 میٹر سے زیادہ گہرے پانی میں بنے ہیں۔ انھیں اوز (Oozes) کہتے ہیں۔ یہ نامیاتی بھی ہو سکتے ہیں اور غیر نامیاتی بھی۔ عام طور پر اوز دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کیلسیائی جو زیادہ تر فارامینفیرا (Foraminifera) گروہ کے جانداروں کے ڈھانچوں اور خولوں سے بنتے ہیں اور سیلیکائی (Siliceous) اوز جو 3,900 میٹر سے زیادہ گہرائی میں بنتے ہیں کیونکہ اتنی گہرائی میں کیلشیم کاربونیٹ سمندری پانی میں مکمل طور پر حل ہو جاتا ہے۔ سیلیکائی اوز زیادہ تر ریڈیولیریا (Radiolaria) نامی جانوروں اور ڈائیٹم (Diatom) نامی پودوں کے مادوں سے بنتے ہیں۔ 5,000 میٹر سے زیادہ گہرائی کے سمندری پانی میں صرف باریک ذرات پر مشتمل سرخ چکنی مٹی (Red Clay) ہی بن سکتی ہے۔

اوساکا: جاپان کا دوسرا بڑا شہر ہے جو اسی نام کے بلدی ضلع (Prafecture) کا صدر مقام اور بڑا صنعتی مرکز ہے۔ یاڈو دریا کے ڈیلٹا پر واقع ہے۔ دریائی پانی کے منقسم بہاؤ کے سبب شہر کے مختلف حصوں کو جوڑنے کے لیے متعدد پل بنائے گئے ہیں۔ اس کا ہوائی اڈہ اتامائی شمال مشرق میں نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بلدی ضلع کا رقبہ 716 مربع میل ہے اور سنہ 1970 میں اس کی آبادی 7,620,000 تھی۔ شہر اوساکا کی آبادی 30 لاکھ سے اوپر ہے۔

اوساکا کے اطراف میں صنعتوں کا جال پھیلا ہوا ہے جو کوبے تک چلا گیا ہے۔ یہاں کی بے شمار صنعتوں میں فولاد، سوتی کپڑے اور کیمیائی اشیا کی صنعتوں کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ یونیورسٹیوں اور تھیٹروں، خاص طور پر کٹھ پتلیوں کے تھیٹر، کے لیے مشہور ہے۔ یہاں نہایت خوبصورت پارک ہیں۔ سنہ 593 کا مہاتما بدھ کا مندر اور شنتو مذہب کی کئی عبادت گاہیں بھی واقع ہیں۔ چوتھی صدی کے یہاں کئی شاہی محل ہیں۔ سولھویں صدی سے یہ جاپان کا سب سے بڑا تجارتی مرکز رہا ہے۔ اسی دور کے عظیم قلعوں کے کھنڈر آج تک موجود ہیں۔

اوسٹر کوڈا (Ostracoda): عائلہ آرتھروپوڈا (Arthropoda) کی جماعت کرسٹیشیا (Crustacea) سے متعلق جانور، ان کے خول ایک ملی میٹر کے سویں حصے سے لے کر ایک دو سینٹی میٹر تک جسامت کے ہوتے ہیں اور دو مصرعی (Valved) ہوتے ہیں۔ اشاری باقیات (Index Fossile) کے بطور استعمال میں ہوتے ہیں۔ یہ راہبر رکازات (Guide Fossils) کہلاتے ہیں۔

اوسلو: یہ ناروے کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ہے اور ملک کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ سنہ 1971 میں آبادی 471,511 تھی۔ یہاں نوبل انسٹی ٹیوٹ اور یونیورسٹی واقع ہے جو 1811 میں قائم ہوئی تھی۔ ایک اہم بندرگاہ ہونے کی وجہ سے

اس کو سال بھر برف سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ سنہ 1050 میں ہیر الڈ سوم نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ سنہ 1299 میں اس کو قومی راجدھانی بنایا گیا تھا۔ دوسری عالم گیر جنگ (1940) میں جرمن فوج کے قبضہ میں چلا گیا اور تقریباً پانچ سال تک ان ہی کے قبضہ میں رہا، تاہم اس جنگ کی وجہ سے اس کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ عمارتوں وغیرہ کے لحاظ سے یہ ایک عصری شہر ہے۔ یہاں کئی اسکول، کالج، فنون لطیفہ کے مراکز اور میوزیم بھی واقع ہیں۔ ناروے کا سب سے بڑا تجارتی، صنعتی اور علمی مرکز ہے۔ یہاں ہر سال ہومن کولن اسکی (Holman Kollen Skii) مقابلہ ہوتا ہے جس کے لیے ساری دنیا کے اسکی کھلاڑی یہاں آتے ہیں۔ یہاں کی عمارتوں میں شاہی محل اور اسٹورٹنگ (پارلیمنٹ کی عمارت) مشہور ہیں۔ قدیم عمارتوں میں تیرہویں صدی کا ایک قلعہ اور گرجا گھر کے کھنڈر آج تک موجود ہیں۔

اوک لینڈ (Oakland): امریکہ کا یہ شہر کیلیفورنیا کے مغرب اور خلیج سان فرانسسکو کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 367,548 تھی۔ 1854 میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ یہ ایک بندرگاہ اور صنعتی شہر ہے۔ یہاں جہاز سازی، موٹر کار، برقی آلات، کیمیائی اشیا اور شیشہ کا سامان بنانے کے کارخانے ہیں۔ سڑکوں کے ذریعے یہ قریب کے شہروں سے مربوط ہے۔ اس شہر میں ایک رصد گاہ، میوزیم، خوبصورت پارک اور آرٹ گیلری واقع ہیں۔ یہاں کئی کالج ہیں اور ان میں سے ایک صرف عورتوں کے لیے ہے۔ ریاست ہائے متحدہ کے بحریہ کو رسدات پہنچانے کا بھی یہ ایک مرکز ہے۔ امریکی افواج کا یہ مستقر ہے۔

اوکھا: جزیرہ نما کاٹھیاواڑ کے انتہائی شمال مشرقی نقطہ پر اس کا نہایت ہی عمدہ محل وقوع ہے، جس کی وجہ سے تمام موسموں میں یہ بندرگاہ کھلا رہتا ہے۔ چنانچہ ہر موسم میں اس سے آمد و رفت اور تجارت ہوتی رہتی ہے۔ اس بندرگاہ کے ذریعہ درآمد ہونے والی اشیا پارچہ بافی کی مشینیں، موٹر گاڑیاں، شکر اور کیمیاوی اشیا اور برآمد ہونے والی اشیا روغنی تخم اور روئی ہیں۔

اُولن بتور (Ullan Bator): یہ عوامی جمہوریہ منگولیا کا صدر مقام ہے۔ ہوا کے عمل فرسودگی سے بنی ہوئی سطح مرتفع پر بہنے والے دریا ٹل گول (Taul Gol) پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے 4,430 فٹ بلند ہے۔ ابتدا میں یہ منگولیا کے مہاجر شہزادوں کی قیام گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ سنہ 1921 میں منگولیا کی انقلابی فوجوں نے اور روسی سرخ فوج نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ ذرائع آمد و رفت کا مرکز ہے۔ بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) ہے۔ آبادی 248,500 ہے۔

اونٹاریو جھیل (Lake Ontario): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شمال مشرق میں کینیڈا کی سرحد پر واقع پانچ عظیم جھیلوں (گریٹ لیکس) میں سے ایک ہے۔ جو رقبہ میں سب سے چھوٹی ہے۔ شمال اور مغرب میں کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سرحدیں اس کے درمیان سے گزرتی ہیں۔ شمال مغرب میں یہ جھیل دریائے نیاگرا اور ویلینڈ شپ کینال کے ذریعہ جھیل ایری سے ملا دی گئی ہے۔ اونٹاریو جھیل کی لمبائی 193 میل، انتہائی گہرائی 770 فٹ اور رقبہ 7,540 مربع میل ہے۔ سطح سمندر سے اس جھیل کی سطح 246 فٹ بلند ہے۔ شمال مشرق میں دریائے سینٹ لارنس کے ذریعہ اس کے پانی کی نکاسی بحر اوقیانوس میں ہوتی ہے۔

اونی گا جھیل: روس کے شمال مغرب میں ریاست فن لینڈ جھیلوں اور دلدلوں کی سرزمین ہے۔ ان جھیلوں میں اونی گا فن لینڈ کی اور یورپ کی دوسری سب سے بڑی جھیل ہے۔ یہ 145 میل لمبی اور 50 میل چوڑی ہے۔ مجموعی رقبہ 3,764 مربع میل ہے۔ بعض دریاؤں اور جھیلوں کے ذریعہ اس کا پھیلاؤ بحیرۂ ابیض تک ہو گیا ہے۔ گہرائی 700 فٹ ہے۔ دریائے سویر کے ذریعہ اس کے پانی کا اخراج ہوتا ہے جو اس جھیل کے جنوب مغربی کنارے سے بہتا ہوا جھیل لڈوگا میں جا گرتا ہے۔ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے دریا اس میں اپنا پانی لا کر ڈالتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے شمالی ساحل پر کئی چھوٹے چھوٹے جزیرے بن گئے ہیں۔ سرد خطہ میں واقع ہونے کی وجہ سے سال میں چھ ماہ یہ جھیل منجمد رہتی ہے۔ ماہی گیری کا بڑا مرکز ہے۔

او۔ اے۔ یو: افریقہ کی یہ بین حکومتی تنظیم 25 مئی سنہ 1963 کو قائم ہوئی۔ سنہ 1973 تک اس میں افریقہ کے تمام ممالک (بجز جنوبی افریقہ اور رہوڈیشیا) شامل ہو گئے تھے۔ اس تنظیم کے ذریعہ افریقہ میں اتحاد کو ترقی دی جاتی ہے اور عدم صف بندی یا غیر جانب داری کی بنیادوں پر افریقائی ممالک کے درمیان تعاون کی صورت پیدا کی جاتی ہے اور ان کی حکمت عملی اور لائحہ عمل میں ہم آہنگی قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ان کی آزادی کے تحفظ کی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ یہ "77 کی کمیٹی" کے تعاونی کاموں میں مدد دیتی ہے۔ اس کا مستقر عدیس ابابا میں ہے۔

ایبٹ آباد: پاکستان کا یہ شہر فرحت بخش مقام ہے۔ سطح سمندر سے 4,120 فٹ بلند ہے۔ پشاور ڈویژن میں فوجی مرکز ہے۔

اٹنی کا سطح پیما: اس چھوٹے سے آلہ کو ہتھیلی پر رکھ کر مختلف چیزوں کے پستی اور بلندی میں دیے ہوئے پیمانہ یا ریاضیاتی جدولوں کی مدد سے دیکھے ہوئے زاویوں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کی مماسی قدریں معلوم کرنے کے بعد کچھ مختصر ساحسابی عمل کر کے زیرِ مشاہدہ چیزوں کی پستیاں یا بلندیاں معلوم کر لی جاتی ہیں۔

بناوٹ اور استعمال: اس میں ایک چھوٹی سی دوربین کے ساتھ چاندہ (نصف دائرہ نما) جڑا رہتا ہے۔ چاندہ کے وسطی حصہ پر صفر کا نشان بنا رہتا ہے۔ اس نشان کے دونوں طرف 60 ڈگری یا 90 ڈگری تک درجہ بندی کر دی جاتی ہے۔ چاندہ کے اندرونی حاشیہ کے ساتھ ڈھلان کے نشانات ہوتے ہیں جنھیں ایک بازو کے ساتھ جڑے ہوئے ورنیر پیمانہ سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اوپر کی طرف ایک سطح نما (اسپرٹ لیول) لگا رہتا ہے۔ خطِ نظر افقی رہے اس لیے سطح نما شکل میں دکھائے ہوئے خط نظر "ا"-"ب" کے متوازی رہتا ہے، لیکن ڈھلانوں کو ناپتے وقت خط نظر ترچھا ہو جاتا ہے۔

نتیجتاً سطح نما بھی افقی سمت میں نہیں رہتا۔ تمام ڈھلانی پیمائشوں کے دوران سطح نما کو افقی حالت میں اور ورنیر کے بازو کو عمودی حالت میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلندی یا پستی کے زاویے پڑھنے سے پہلے سطح نما کو افقی حالت میں لانے کے لیے اوپر لگے ہوئے ایک پیچ (اسکرو) کو حسب ضرورت گھما لیا جاتا ہے۔

مشاہدہ کرتے وقت آنکھ دوربین کے روزن چشم سے اگلے حصہ میں لگے ہوئے تار کی سیدھ میں پیش نظر چیز کو دیکھتی رہتی ہے۔ اس کیفیت میں سطح نما کے بلبلہ کو دیکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے سطح نما کے نیچے دوربین میں ایک سوراخ (روزن) بنا رہتا ہے اور دوربین کے اندر خط نظر کے ساتھ 45 ڈگری کا زاویہ بناتا ہوا ایک چھوٹا سا آئینہ جڑا رہتا ہے۔ سطح نما کا عکس اس آئینہ پر پڑتا ہے۔ آئینہ اسے منعکس کر کے ڈائفرام تک پہنچاتا ہے۔ مشاہدہ کرنے والا یہاں بلبلہ کے وسطی مقام کو بآسانی دیکھ کر سطح کی ہمواری کا یقین کر لیتا ہے۔ اسی کیفیت میں پستی یا بلندی کے زاویہ کو چاندہ پر پڑھ لیا جاتا ہے۔

اس آلہ کے ذریعہ میدان میں لگے ہوئے کسی کھمبے کی بلندی معلوم کرنی ہو تو مشاہدات کو حسب ذیل طریقہ پر نوٹ کر لیا جائے گا۔ ساتھ ہی زاویوں کی مطابقت سے مماسی قدریں بھی درج کر دی جائیں گی۔

کھمبے کا زاویہ بلندی=8...... مطابقتی مماسی قدر= 0.140 ڈگری

کھمبے کا زاویہ پستی=10...... مطابقتی مماسی قدر= 0.185 ڈگری

جملہ مماسی قدر=0.325 ڈگری

مقام مشاہدہ سے کھمبے کا فاصلہ =6.1 میٹر

کھمبے کی اونچائی = مماسی قدر × فاصلہ

=325. × 6.1 =1.9825 میٹر

= 1.9 میٹر (تقریباً)

اپے لیشین کوہ سازی (Appalachian Orogeny):

شمالی امریکہ میں آخر ڈیوونین (Devonian) دور سے آخر پرمین (Permian) (دیکھیے پرمین) دور کے درمیان ہونے والی کوہ سازی (دیکھیے کوہ سازی)۔

ایتھنز: یونانی اسے اتھینے (Athinai) کہتے ہیں۔ اتکی (Athiki) کے میدانی علاقہ میں واقع ہے اور یونان کا صدر مقام ہے۔ 1971 میں آبادی 867,000 تھی۔ سی فی سس (Cephissus) ندی اور الی سس (Illisus) ندی کے درمیان واقع ہے۔ یہ یونان کا انتظامی، معاشی اور تہذیبی مرکز ہے۔ اور دنیا کے نہایت اہم تاریخی شہروں میں سے ہے۔ بحیرۂ ایجین کی خلیج سارونک میں واقع ہے اور کئی پہاڑی سلسلوں سے گھرا ہوا ہے۔ یونان کی صنعتی پیداوار کا تقریباً نصف حصہ یہیں مرکوز ہے۔ ریشمی اور سوتی کپڑے، مشینیں، استعمال کی چیزیں، فولاد کی بنی چیزیں، ہتھیار اور سمندری جہاز بنانے کے کارخانے قائم ہیں۔ یہ یونانی عیسائی کلیسا کے آرک بشپ کا بھی مرکز ہے۔ ایک یونیورسٹی اور کئی کالج ہیں۔ عجائب گھر اور قدیم یونانی کلچر کی تاریخی عمارتیں، خاص طور پر دیوی اتھینا کا تاریخی مندر ایکروپولس دیکھنے کے لیے لاکھوں لوگ ہر سال ساری دنیا سے کھنچ کر یہاں آتے ہیں۔

قدیم یونانی تہذیب، کلچر، زبان، ادب اور فلسفہ نے یورپ اور مغربی ایشیا کی زبان اور تہذیب پر نہایت گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور یہ ورثہ زیادہ تر ریاست ایتھنز ہی سے آیا ہے۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، ہومر، ہیلن، سکندر اعظم، بطلیموس، ہیروڈوٹس وغیرہ۔ یہاں کے ایسے نام ہیں جو ساری دنیا کے علم و ادب اور تہذیب کا ایک نہایت اہم جزو بن چکے ہیں۔

ایتھوپیا (Ethiopia): وہ ملک جسے ابی سینا اور حبشہ بھی کہا جاتا ہے ایتھوپیا ہے۔ اس کا سرکاری نام عوامی جمہوریہ ایتھوپیا ہے۔ یہ شمال مشرقی افریقہ میں ایک سوشلسٹ ملک ہے۔ یہ پرانے حبشہ اور اریٹیریا کے علاقہ پر مشتمل ہے۔ 1952 میں اریٹیریا، جو مجلس اقوام کی تولیت میں دے دیا گیا تھا، ایتھوپیا کو مل گیا۔ اس کے اندر اسے ایک خود مختار علاقے کی حیثیت دے دی گئی۔ 1962 میں یہ حیثیت ختم کر کے اسے ایتھوپیا کا ایک صوبہ بنا لیا گیا۔

ایتھوپیا کے شمال میں بحیرہ قلزم (احمر یا سرخ)، مشرق میں جمہوریہ صومالیہ اور شمال مشرق میں جبوتی، جنوب اور جنوب مشرق میں صومالیہ، جنوب

میں کینیا اور مغرب میں سوڈان واقع ہیں۔ اس کا پورا رقبہ 1,221,900 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 53,383,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ادیس ابابا ہے۔ سرکاری زبان امہاری (Amaharic) ہے آبادی کا 50 فی صدی قبطی عیسائی (Cophic christians) ہے، 30 فی صدی مسلمان ہیں اور بقیہ کا تعلق قدیم قبائلی مذاہب سے ہے۔

ایتھوپیا کا بڑا حصہ سطح مرتفع ہے۔ دریائے نیل کا ایک حصہ یعنی نیلی نیل (نیل لاجورد) (Blue Nile) یہیں سے نکلتی ہے۔ ایتھوپیا کی تمام دوسری ندیاں اس سے جا ملتی ہیں۔ ملک میں کئی جھیلیں ہیں ان میں سے بعض سطح سمندر سے نیچے اور بعض 9 ہزار فیٹ اوپر، خاموش آتش فشاں پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہیں۔ چونکہ تقریباً پورا ملک سطح مرتفع ہے اس لیے آب و ہوا انتہائی معتدل اور خوش گوار ہے۔ پورے علاقے میں کافی جنگل ہیں۔

تعلیم: 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں کے طالب علموں کی تعداد 58,444 اور استادوں کی تعداد 1,531 تھی، وسطی مدرسوں میں 2,063,636 طلبا تھے اور اساتذہ کی تعداد 68,399 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 1988 میں طالب علم 882,243 تھے جبکہ استاد 21,983 تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1991 میں 20,948 طالب علم اور 1440 استاد تھے۔

معاشیات: پہلے یہاں سکہ کا نام ڈالر تھا۔ اب نئی حکومت نے 1976 سے اسے بدل کر بر (Birr) کر دیا ہے۔

در آمدات: زیادہ تر اٹلی، جاپان، ایران، مغربی جرمنی اور امریکہ سے آتی ہیں اور بر آمدات امریکہ، جاپان اور سعودی عرب کو جاتی ہیں۔ زیادہ تر کافی، تیل کے بیج، دالیں اور کھالیں بر آمد ہوتی ہیں۔

حمل و نقل زیادہ تر لاریوں اور بسوں سے ہوتی ہے۔ ویسے 988 کلو میٹر لمبی ریلوے لائن بھی ہے، جو ادیس ابابا کو جیبوتی (آفارس اساس) کی بندرگاہ سے ملاتی ہے۔

جو (بارلی)، گیہوں، مکئی، رتالو اور آلو کی کاشت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دالیں، تیل کے مختلف اقسام کے بیج اور کپاس بھی پیدا ہوتی ہے۔ گائیں، گھوڑے، بکریاں، مرغیاں، گدھے اور اونٹ وغیرہ پالے جاتے ہیں۔ صنعتوں میں سیمنٹ، چمڑے کی مصنوعات اور سوتی کپڑے کی صنعتیں اہم ہیں۔

تاریخ: ایتھوپیا کے قدیم شاہی خاندان کے بارے میں کئی روایتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ حضرت سلیمان اور ملکہ بلقیس یا سبا (Sheba) کی اولاد ہیں۔ ملکہ سبا ایتھوپیا کی ملکہ تھیں۔ عہد قدیم میں اس ملک کی تاریخ مصر کے ساتھ وابستہ رہی اس لیے کہ فراعنہ مصر نے کئی بار اس پر حملہ کیا اور اسے اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا. جب فراعنہ کی حکومتیں کمزور ہوتیں تو ایتھوپیا بھی آزادی حاصل کر لیتا۔ اس دور کے یہاں کے حالات قدیم مصری ذرائع ہی سے ملتے ہیں۔

گیارھویں صدی ق. م. میں پہلی مرتبہ ایتھوپیا میں ایک آزاد مملکت قائم ہوئی اور وہ اتنی طاقت ور تھی کہ مصر بھی اس کے اقتدار کو ماننے لگا تھا۔ 660 ق. م. میں مصر نے اس سے آزادی حاصل کر لی اور ایتھوپیا کی اپنی آزادی برقرار رہی۔ 525 ق. م. میں ایرانیوں نے اس پر اپنا تسلط جما لیا۔ تیسری صدی ق. م. میں رومن سلطنت نے اسے تباہ کر دیا اور اس کی جگہ نوبیا کی عیسائی سلطنت نے لے لی۔

پہلی صدی عیسوی سے 1000 صدی عیسوی تک ایتھوپیا پر آکزمائٹ (Auxumite) خاندان حکمران رہا۔ اس عہد کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ 330 میں یہاں عیسائی مذہب داخل ہوا۔ پندرھویں صدی میں یوروپی لوگوں نے اس طرف رخ کرنا شروع کیا اور یہاں ایک نو آبادی بسائی جو چھ سال قائم رہی۔ 1850 میں امہرا کے ایک باشندے کسائی نے مقامی حکمراں کو شکست دے کر اس کی لڑکی سے شادی کر لی اور حکمراں بن بیٹھا۔ بعد میں اس نے تھیوڈور نام اختیار کر لیا اور تین سال کے اندر ساری مخالفت ختم کر کے ایتھوپیا کا نیگس (Negus) بن گیا۔ اس کے ظلم و تشدد کی وجہ سے زبردست بغاوتیں ہوئیں اور بڑے پیمانے پر قتل عام کیا گیا حتیٰ کہ دوسرے ملکوں کے سفیر تک جیل میں بند کر دیے گئے۔ انگلستان نے فوج بھیجی۔ تھیوڈور کو شکست ہوئی تو اس نے خود کشی کر لی۔

تھیوڈور کے بعد مینلک دوم (Menelk II) تخت نشین ہوا۔ 1870 میں اطالویوں نے ایک چھوٹا سا علاقہ خرید کر اس میں اپنی نو آبادی بسائی جو بعد میں اریٹریا کہلایا۔ 1890 میں انھوں نے بحر ہند پر بندرگاہ مساوا پر قبضہ کر لیا اور ساحل کے تمام علاقوں کو ملا کر اپنا مقبوضہ قائم کر لیا۔ 1896 میں مینلک دوم نے اطالویوں کو شکست دے کر ان کی پیش قدمی روک دی تو اطالویوں نے صومالیہ میں اپنے قدم بڑھائے۔ 1903 میں مینلک دوم نے امریکہ سے تجارتی تعلقات قائم کئے۔ اس کا جانشین لج یاسو 1916 میں تخت سے ہٹا دیا گیا۔ راس تفاری ماکونن (Ras Tafari Mkonen) جو مینلک کا بھتیجا تھا ریجنٹ بن گیا۔ مینلک کی بیٹی زاودیتو کو ملکہ بنا دیا گیا۔ وہ 1930 میں انتقال کر گئی اور اس کی جگہ تفاری ہیل سلاسی کے نام سے ایتھوپیا کا شہنشاہ بن گیا۔

1935 میں فاشسٹ ڈکٹیٹر مسولینی کی فوجوں نے اریٹریا سے ایتھوپیا

پر حملہ کیا اور اریٹریا اور صومالیہ کے ساتھ ایتھوپیا کو اپنی مشرقی افریقہ کی سلطنت کا جزو بنالیا۔ ہیل سلاسی نے انگلستان میں پناہ لی۔

دوسری جنگ عظیم کے ختم تک ایتھوپیا اطالویوں کے قبضہ میں رہا۔ 1941 میں برطانوی فوجوں نے اریٹریا اور پھر ایتھوپیا کو آزاد کرلیا۔ ہیل سلاسی تخت پر واپس آگیا۔ جنگ کے بعد ایتھوپیا نے صومالیہ اور اریٹریا کا مطالبہ کیا۔ 1950 میں مجلس اقوام متحدہ نے ایتھوپیا اور اریٹریا کا وفاق قائم کردیا۔ 1962 میں اریٹریا کو ایتھوپیا کا جزو بنالیا گیا۔

شہنشاہ ہیل سلاسی کے دور میں انتہائی فرسودہ جاگیرداری نظام مسلط تھا۔ ساری دولت اور زمینیں شاہی خاندان اور مٹھی بھر جاگیرداروں کے ہاتھ میں مرکوز تھیں۔ ایک عرصہ سے عوام میں بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ 1974 میں عوام کی بغاوت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ فروری میں طالب علموں اور مزدوروں نے مظاہرے شروع کیے اور ادیس ابابا، اسمارا اور ہرار وغیرہ میں فوجی یونٹ بھی اس میں شامل ہوگئے۔ 27 فروری کو حکومت نے استعفیٰ دے دیا اور نئی حکومت بنائی گئی لیکن امن نہ قائم ہوسکا۔ ستمبر 1975 میں شہنشاہ کو تخت سے ہٹا کر گرفتار کرلیا گیا اور ایک فوجی کونسل نے اقتدار حاصل کرلیا۔ پرانے وزیروں کو جیل میں بند کردیا گیا اور ملک میں جاگیرداری معیشت کو ختم کرنے کے لیے زبردست اقدامات کیے گئے۔ ملک میں سوشلسٹ نظام کا قیام حکومت کا مقصد قرار دیا گیا۔ 1991 میں ایتھوپین پیپلز ریولیوشنری ڈیموکریٹک فرنٹ (Ethiopian Peoples Revolutionary Democratic Front) (EPRDF) نے اقتدار حاصل کرلیا۔

ایچ. کلیرٹن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ایڈمنڈ ہیلے: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ایڈمنڈ ہلری: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ایراودی: میانمار (برما) کا یہ اہم دریا جو وسطی حصہ میں شمالاً جنوباً بہہ کر خلیج بنگال میں گرتا ہے، مالی (Mali) اور نمائی (N'mai) دریاؤں کے ملنے سے بنتا ہے۔

مالی تقریباً 27 ڈگری شمالی عرض البلد سے اور نمائی (N'mai) چین کی جنوبی سرحد کے قریب سے نکلتے ہیں۔ ایراودی کا سب سے بڑا معاون چندون ہے۔ اس کے طاس کا رقبہ تقریباً 158,500 مربع میل ہے۔ دریا کی لمبائی 1,300 میل بتائی گئی ہے۔ اس میں جگہ جگہ جزیرے اور ریت کے پشتے دکھائی دیتے ہیں۔ ماندلے سے بھاموتک تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلہ میں اس پر بڑے جہاز چل سکتے ہیں۔ اس کے بنائے ہوئے زرخیز ڈیلٹائی علاقہ میں جو 150 تا 180 میل چوڑا ہے۔ زراعت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ چاول یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ ڈیلٹا کی ایک شاخ پر میانمار کا دارالحکومت رنگون واقع ہے۔ ایراودی آمد و رفت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ تیل کے مراکز ینانگ یانگ اور سنگو تک بآسانی پہنچا جاسکتا ہے۔ ماندلے کے قریب اس دریا پر ایک ہی پل ہے۔ لکڑی کے بڑے بڑے شہتیر اس دریا میں بہا کر دور دور تک پہنچائے جاتے ہیں۔

ایرش فان ڈریگیلیس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ایرک دی ریڈ: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ایروگراف: یہ ایسی ترسیم ہے جس میں کسی علاقہ کے موسم، آب و ہوا اور فصلوں کے اعداد و شمار کے اظہار سے ان کے باہمی تعلق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ پودوں کی نشو و نما کی مختلف منزلیں (Cycles) مختلف موسموں سے متعلق ہوتی ہیں۔ بعض فصلیں سالانہ، بعض ششماہی اور بعض چند ہی مہینوں کی ہوتی ہیں۔ ایروگراف سے یہ سارے رابطے دکھائے جاسکتے ہیں۔ ان میں عمودی پیمانہ سے آب و ہوا کے تحت ماہانہ اوسط درجہ حرارت، بارش اور رطوبت اضافی کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ افقی پیمانہ میں بارہ مہینے دکھائے جاسکتے ہیں۔ ان کے نیچے متعلقہ فصلوں کے رقبہ جات کو مناسب پیمانے سے ظاہر کردیا جاتا ہے۔

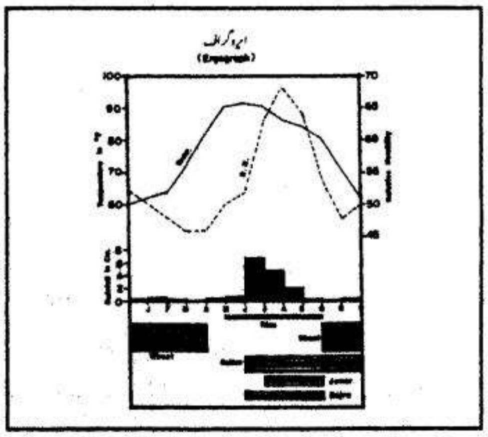

ایروناٹیکل چارٹس (Aeronautical Charts): یہ ہوائی راستوں، ہوائی اڈوں، لاسلکی اور مشاہداتی راہ نماؤں (Beacons) کے علاوہ مقناطیسی تفاوت کے خطوط بھی پیش کرتے ہیں۔

ایری جھیل: شمالی امریکہ کی پانچ عظیم جھیلوں (گریٹ لیکس) میں جھیل ایری کا نمبر باعتبار رقبہ چوتھا ہے۔ اس کے شمال اور مغرب میں اونٹاریو مشرق میں نیویارک اور جنوب مغرب میں میچیگن (مشیگن) کے صوبے اوہیو اور پن سلوانیا ہیں۔ اس جھیل سے کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سرحدیں گزرتی ہیں۔ اس جھیل کے مشرقی کناروں کو جہاز رانی کے مقصد سے دریائے نیاگرا اور ویلینڈ شپ کینال کے ذریعہ اونٹاریو جھیل سے ملا دیا گیا ہے۔ ایری جھیل چونکہ اونٹاریو سے 300 فٹ زیادہ بلند ہے۔ اس لیے یہ اپنا پانی بڑی تیزی کے ساتھ اونٹاریو جھیل میں لے جاتی ہے اور راستے میں نیاگرا کا عظیم الشان آبشار بناتی ہے۔ پانی کے اخراج کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اس جھیل کی لمبائی 240 میل، چوڑائی 57 میل اور انتہائی گہرائی 210 فٹ ہے جو دوسری جھیلوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس کے پانی کی سطح کا رقبہ 4,990 مربع میل اور کینیڈا میں 950 مربع میل ہے۔ دوسری جھیلوں کا پانی دریائے ڈیٹرائٹ کے ذریعہ اس میں آتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے کئی بندرگاہ اس کے ساحل پر واقع ہیں جو اندرون ملک درآمد و برآمد کا کام دیتے ہیں۔ چونکہ یہ سرد منطقہ میں واقع ہے اس لیے صرف مارچ سے دسمبر تک اس میں جہاز رانی ممکن ہے۔

ایسٹ لنڈن: جمہوریہ جنوبی افریقہ کے صوبہ کیپ (Cape) کے جنوب مشرق میں دریائے بفلو (Buffalo) پر یہ بندرگاہ واقع ہے۔ یہاں سے سنترے کے قبیل کے پھل، دودھ سے بنی اشیاء، گوشت، کھالیں اور اون برآمد کیے جاتے ہیں۔ یہاں کی صنعتوں میں فرنیچر، جوتے، موٹر کار کے پرزوں کو جمع کرکے موٹر کار تیار کرنا اور غذائی اشیا کی تیاری شامل ہیں۔

ایسٹونیا: جمہوریہ ایسٹونیا کی شمال مغربی سرحد پر بحیرۂ بالٹک پھیلا ہوا ہے۔ رقبہ 45,100 مربع کلو میٹر (17,400 مربع میل) ہے۔ اس میں کئی جزیرے شامل کر لیے گئے ہیں۔ اوسط بلندی 160 فٹ ہے۔ تقریبا 1/10 علاقہ، سطح سمندر سے صرف 300 فٹ بلند ہے۔ جنوب مشرقی حصہ میں ملاٹ ممانگی سطح سمندر سے 1,041 فٹ (317 میٹر) اونچا ہے۔ سنہ 1989 میں اس جمہوریہ کی آبادی 1,565,662 تھی۔ بحر اوقیانوس سے آنے والی ہواؤں کے زیر اثر آب و ہوا مرطوب و معتدل ہے۔ کل علاقہ کا ایک تہائی حصہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ جگہ جگہ مرغزار اور دلدلوں کا پھیلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ صنعت اور زراعت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ ٹیلن صدر مقام ہے۔

ایسکس (Essex): یہ کاؤنٹی، انگلینڈ کے مشرق میں دریائے ٹیمس کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔ چمسفورڈ، اس کا مرکز ہے۔ یہاں متعدد نالے اور شور دلدل ہیں۔ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں، پھل اور ترکاریاں یہاں ہوتی ہیں۔ یہاں کی صنعتوں میں کیمیائی اشیا، مشینری، کپڑا، سمنٹ وغیرہ کی صنعتیں شامل ہیں۔ اس کے ساحل پر تفریح گاہیں واقع ہیں۔

ایشاکنٹ کانے: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ایشیا۔ براعظم: ایشیا دنیا کا سب سے بڑا براعظم ہے جو اس کرہ ارض کے 30 فی صدی خشکی کے علاقہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 44,400,000 مربع کلو میٹر (17,139,000 مربع میل) ہے۔ یہ یوروپ سے چار گنا اور شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے مشترکہ رقبہ کی برابر ہے۔ جس طرح رقبہ میں یہ سب سے بڑا براعظم ہے اسی طرح اسے ہر چیز میں اولیت حاصل ہے۔ سب سے اونچے پہاڑ یہیں ہیں۔ قطب شمالی کی انتہائی سرد آب و ہوا بھی ہے اور جنوب کی گرم خط استوائی آب و ہوا بھی۔ ہر قسم کے درخت اور پودے یہاں ملتے ہیں۔ بے شمار اقسام کے جانور موجود ہیں مغربی اور وسطی ایشیا میں خانہ بدوش قبائل بھی ہیں اور مشرق قریب، ہندوستان اور چین کی انتہائی قدیم تہذیبیں بھی۔ سائبیریا کے لق ودق غیر آباد علاقے بھی ہیں اور ہندوستان و چین کے انتہائی گھنی آبادی والے علاقے بھی۔ مشرق کا پورا ساحل بحر الکاہل سے ملتا ہے لیکن جاپان، فلپائن، انڈونیشیا وغیرہ جیسے جزیرے بھی ہیں۔ مغرب کا علاقہ ایک طرف یوروپ سے ملتا ہے تو ساتھ ہی بحیرہ روم سے بھی جا ملتا ہے۔ جنوب کا بڑا حصہ بحر ہند سے ملتا ہے۔

ایشیا میں دنیا کے سب سے زیادہ لوگ رہتے ہیں۔ اوائل 1970 میں کل آبادی 2,060,400,000 سے اوپر تھی جو 1988 میں بڑھ کر 3,30,00,00,000 ہو گئی اور ڈر یہ ہے کہ 2000 تک یہ آبادی 3,800,000,000 تک پہنچ جائے گی۔ دنیا کی سب سے بڑی آبادی والے دو ممالک، چین اور ہندوستان ایشیا ہی میں ہیں۔ دنیا کے اور ملکوں کے مقابلہ میں ایشیائی ملکوں کی آبادی میں اضافہ بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ نام ایشیا بہت قدیم ہے۔ یونانی اس لفظ کو اپنے ملک کے مشرق میں واقع ملکوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

آشوری(Assyrian) زبان کے لفظ آشو سے نکلا ہے جس کے معنی مشرق کے ہیں۔ ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ شروع میں غالبًا یہ نام (Ephesus) کے علاقہ کا رکھا گیا تھا۔ بعد میں پورے براعظم کا ہو گیا۔

براعظم ایشیا کی ارضیاتی تشکیل بھی یکساں نہیں ہوئی ہے۔ ایک طرف جزیرہ نما عرب کی پہاڑیاں، دوسری طرف عراق کے میدان، ترکی، ایران اور افغانستان کے پہاڑی سلسلے، ہمالیہ کا وسیع پہاڑی سلسلہ، جو افغانستان سے لے کر میمنار (برما) تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر پاکستان اور ہندوستان میں پہاڑیوں کے سلسلے، میدان، وادیاں وغیرہ، سائبیریا کا میدانی علاقہ جو یورال سے شروع ہو کر بحر الکاہل تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر جاپان سے انڈونیشیا تک جزیروں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

ایشیا کی اس متنوع ارضیاتی تشکیل کا اثر آبادی پر بھی پڑا ہے۔ سائبیریا کا علاقہ پورے ایشیا کے ارضی رقبہ کا ایک تہائی ہے لیکن یہاں آبادی فی مربع میٹر سے بھی کم ہے۔ اس کے مقابلے میں ایشیا کے بقیہ حصوں میں آبادی 70 فی مربع کلو میٹر (180 فی مربع میل) ہے۔

وسطی ایشیا میں بلند و بالا پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ ان سے نہ صرف بے شمار دریا نکلے ہیں جو میدانوں کو سیراب کرتے ہیں بلکہ یہ آبادی کی بڑے پیمانے پر منتقلی کو بھی روکتے ہیں۔ قدیم زمانے میں وسطی ایشیا کے بنجر علاقوں سے لوگ ہندوستان اور پاکستان منتقل ہوتے رہے ہیں لیکن پہاڑی درّوں میں سے انکا سفر انتہائی دشوار ہوتا تھا۔ اسی طرح چین سے لوگ منتقل ہو کر جنوب میں ملیشیا اور انڈونیشیا آتے رہے ہیں۔ ہندوستان اور عربستان سے بھی بحیرہ بنگال کو پار کرکے ملیشیا اور انڈونیشیا جاتے رہے ہیں۔ دوسرے براعظموں کے مقابلے میں چین اور جاپان کی آبادی بڑی حد تک خالص رہی ہے۔

دنیا کے تقریبًا تمام بڑے مذاہب ایشیا ہی میں پیدا ہوئے ہیں، مثلًا ہندومت، بدھ مت، جین مت، عیسائیت، اسلام، یہودیت، زرتشتی، کنفیوشس اور تاؤ مذاہب، سکھ مذہب، وغیرہ۔ عیسائی مذہب اگرچہ مغرب کی طرف زیادہ پھیلا لیکن ایشیا کے اکثر ملکوں میں عیسائی اقلیتیں موجود ہیں۔ بدھ مت اگرچہ ہندوستان میں پیدا ہوا لیکن وہ بڑے پیمانے پر کوریا، چین، جاپان اور جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں اور سری لنکا میں پھیلا۔ اسلام عرب ملکوں سے نکل کر ایران، افغانستان ہوتا ہوا وسطی ایشیا، پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش وغیرہ میں آیا۔ پھر ملیشیا اور انڈونیشیا تک پھیل گیا۔ ہندومت زیادہ تر ہندوستان اور نیپال تک محدود رہا۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں صنعتی انقلاب سے قبل ایشیا تکنیکی (ٹکنکل) میدان میں سب سے آگے تھا اور سائنس اور ٹکنالوجی میں نئی نئی دریافتیں بھی ہوئی تھیں۔ حضرت عیسیٰ سے 3 ہزار سال پہلے ایشیا کے لوگ آگ کے استعمال، کھانا پکانے، برتن بنانے اور آگ کی مدد سے کچی دھاتوں کو پگھلا کر دھات تیار کرنے کے فن سے واقف ہو چکے تھے۔ خانہ بدوشی کی زندگی سے نکل کر گاؤں بسا کر رہنے لگے تھے۔ آب پاشی کے ذریعہ کاشت کرتے تھے۔ انھوں نے جانوروں کا پالنا سیکھ لیا تھا۔ پہیہ ایجاد کر لیا تھا۔ رتھ بنانے لگے تھے اور گھوڑوں اور بیلوں کو جوتنے کے لیے سامان تیار کرتے تھے۔ کاغذ ایجاد کر لیا تھا۔ رسم الخط بنا لیے تھے۔ لکڑی، پتھر اور دھات کی چیزیں بنانے لگے تھے اور ان کی بنائی ہوئی دھات اور پتھر کی یادگاریں آج تک لوگوں کو حیران کرتی رہتی ہیں۔ ناپنے تولنے کے پیمانے بنائے تھے۔ اعشاریہ کا نظام ایجاد کر لیا تھا۔ علاج و معالجہ کے طریقے معلوم کر لیے تھے۔ اور ایسے نظام ترقی دے لیے تھے جو آج تک استعمال ہوتے ہیں اور فائدہ پہنچاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں بڑی بڑی ریاستیں قائم ہوئیں جن میں دفاع، نظم و نسق اور قانون کا وسیع نظام قائم کیا گیا۔

پندرہویں صدی تک ایشیا کے ممالک اعلیٰ ترقی یافتہ تھے اور یورپ کے لوگ رشک بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک اچھی خوش حال زندگی کے لیے تمام ضروری چیزیں ایشیا سے آتی تھیں۔ ململ، اطلس، کمخواب اور دست کاری کے بے شمار نوادرات یہاں سے جاتے تھے۔ وینس جو اس زمانے میں تجارت کا بڑا مرکز تھا ایشیا کی کھڑکی کہلاتا تھا۔

پندرہویں صدی کے بعد سائنس کی ترقی نے صنعتی میدان میں یورپ کو بہت آگے کر دیا اور آہستہ آہستہ یورپ کے لوگوں نے ایشیا کے تقریبًا سب ہی ملکوں کو محکوم بنا لیا اور انھیں کچا مال حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا، چنانچہ دو تین سو سال کی مغرب کی حکمرانی کے دور میں ایشیا نہ صرف پیچھے رہ گیا بلکہ اس کی صنعتی ترقی رک گئی اور مغرب کی بے پناہ لوٹ نے پرانی صنعتیں اور دستکاریاں بھی تباہ کر دیں۔ افلاس، غربت اور جہالت عام ہو گئی۔ ایک طرف اس دولت کی بنیاد پر یورپ بے پناہ ترقی کرنے لگا اور دوسری طرف ایشیا کئی صدیاں پیچھے رہ گیا۔ مغرب کی حکمرانی نے جہاں اتنی تباہیاں مچائیں وہاں اس نے صدیوں پرانے معاشی نظام کو بھی درہم برہم کر دیا اور صنعتی ترقی کے لیے راستہ ہموار کیا۔ ریلیں آئیں، سڑکیں بنیں، بندرگاہ بنائے گئے۔ اخبار اور رسالے وجود میں آئے۔ جدید علوم کی روشنی پھیلنے لگی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ایشیا کے تقریبًا تمام ممالک آزاد ہو گئے۔ ایشیا میں بے شمار نسلوں والے مذاہب کے پیرو اور زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں۔ کوئی ایک چیز ایسی نہیں ہے جو ان سب کو متحد کر سکتی ہو۔ آزادی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کی جدو جہد کے زمانہ میں قوم پرستی اور سامراج دشمنی ایک مشترکہ جذبہ تھا۔ آزادی کے بعد غیر جانب داری کے تعلق سے اتحاد کی کوشش جاری رہی ہے لیکن آہستہ آہستہ ہر ملک اپنے لیے الگ نظام اور الگ راہ تلاش کر رہا ہے۔ مشرق قریب میں چند ملکوں میں نظام اسلامی کا زور ہے تو بعض میں سوشلزم کا چرچا ہے۔ چین، (لاوس)، ویت نام شمالی کوریا اور وفاقی روس کے ایشیائی حصوں میں کمیونسٹ نظام حکومت قائم ہے۔ لیکن ہر ملک کے سامنے پچھلی چند صدیوں کے حالات سے پیدا شدہ افلاس، بے روزگاری اور پسماندگی کو دور کرنے کا مسئلہ ہے۔

ان سب حالات میں نئی نئی صنعتیں ابھر رہی ہیں۔ سب سے زیادہ آبادی والا ملک چین ایک انتہائی اہم سیاسی طاقت بن گیا ہے۔ امریکہ اور یوروپ، سب نے اس کی اہمیت تسلیم کر لی ہے۔ اب وہ اور کئی دوسرے ملک ایٹمی طاقتوں کے کلب میں بھی شامل ہو چکے ہیں۔ جاپان دنیا کی انتہائی طاقت ور معاشی طاقت بن چکا ہے۔

ہندوستان نے زبردست صنعتی ترقی کر لی ہے۔ اور کئی ایٹمی دھماکے بھی کر چکا ہے لیکن اسے اب بھی زبردست معاشی مسائل کا سامنا ہے اور آبادی کی بڑی اکثریت کی غربت اور بے کاری دور کرنے کی مہم سر کرنی ہے۔ مشرق قریب کے ممالک میں تیل کی دریافت سے ترقی کی نئی راہیں کھل گئی ہیں۔ اگر ایشیائی ممالک آبادی کی بڑھتی ہوئی رفتار پر قابو پا سکیں اور آپسی تعاون کو اور فروغ دے سکیں تو مستقبل کافی روشن ہے۔

الیف. راجر بیکن: یہ یورپ میں عقلی نشاۃ ثانیہ کے بعد کا اہم جغرافیہ داں ہے۔ اس کی کتاب کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے شمالی نصف کرہ کی خشکی اور تری کی تقسیم اور آباد علاقوں کے مطالعہ سے گہری دلچسپی تھی، لیکن مختلف علاقوں کے جغرافیائی بیانات میں وہ تاریخی تفصیلات بھی شامل کرتا رہا تھا اس لیے علم جغرافیہ کو لازم و ملزوم سائنس کی حیثیت سے زیادہ آگے نہ بڑھا سکا۔

ایکری ٹارچ (Acritarch): ایک ایسے خلوی جان داروں کا گروہ جن کے حیاتی خواص کا علم اب تک مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ اتنا علم ضرور ہے کہ ایسے کچھ جاندار کانٹے دار ہوتے ہیں اور کچھ نرم جلد والے۔ مگر بیشتر الجی کے مماثل ہوتے ہیں۔ عمر، ماقبل کیمبرین (دیکھئے ماقبل کیمبرین Pre-cambrian) سے ابتدائی قدیم حیاتی زمانہ (Early Palaeozoic) (دیکھئے ارضیاتی وقتی پیمانہ Geological Time scale) تک۔

ایکسوڈس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ایکلوگائٹ (Eclogite): یہ ایک تغیر پذیر حجر ہے جس کی کیمیائی ترکیب بنیادی آتشی حجر جیسی ہوتی ہے، مگر جس کا قلماؤ یا دوبارہ قلماؤ (Recrys-tallization) شدید درجہ حرارت اور سخت دباؤ کے حالات میں عمل میں آتا ہے۔ ایکلوگائٹ کے جمادات میں پائروپ (Pyrope)، ایک قسم کا گارنٹ (Garnet)، اومفسائٹ (Omphacite)، ایک قسم کا پائروکسین (Pyroxene) اور کبھی کبھی ایمفی بول (Amphibole) بھی ہوتے ہیں۔ برائے نام یا قلیل مقداری جمادات میں سفین (Sphene)، زوئی سائٹ (Zoisite) اور میگنلائٹ (Magnalite) عام طور سے پائے جاتے ہیں۔

ایکنوڈرم (Echinoderm): عائلہ ایکنوڈرماٹا (Echinodermata) سے متعلق حیوانات جو خول دار ہوتے ہیں۔ ان کے خول افقی تشاکل ہوتے ہیں یا پنج جہتی (Pentagonal Radial) شعاعی تشاکل۔ اس گروہ میں کرینا ئڈ، اسٹار فش اور ایکنائڈ وغیرہ شامل ہیں۔

ایکواڈور (Ecuador): جنوبی امریکہ کے شمال مغرب میں ایک جمہوریہ ہے اس کے شمال میں کولمبیا، جنوب اور مشرق میں پیرو اور مغرب میں بحر الکاہل پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 283,561 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 10,851,000 ہے صدر مقام کیٹو (Quito) ہے

سرکاری زبان ہسپانوی ہے لیکن انڈین نسل کے لوگ اپنی زبان بولتے ہیں۔ 93 فیصدی آبادی عیسائی رومن کیتھولک ہے۔ ایکواڈور کے وسط سے کوہ اینڈیز (Andes) کے دو سلسلے گزرتے ہیں اس سے پورا ملک تین نمایاں حصوں میں بٹ گیا ہے۔ اس میں سے ایک ساحلی علاقہ ہے جو پورے رقبہ کا ایک چوتھائی ہے اور میدانی ہے۔ آب وہوا گرم اور مرطوب ہے۔ دوسرا کوہ اینڈیز کی وادی کا علاقہ ہے جس میں جنگل اور میدان ہیں اور تیسرا مشرقی کا ڈھلوان علاقہ ہے جو پورے رقبہ کا ایک چوتھائی ہے اور گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا ہے۔

ایکواڈور ایک انتہائی غیر ترقی یافتہ ملک ہے۔ صرف 4.5 فیصدی علاقہ زیر کاشت ہے۔ 4.5 فیصدی علاقہ میں چراگاہیں ہیں اور 74 فیصدی علاقہ میں جنگلات ہیں۔ ایک فیصدی بڑے زمینداروں کے قبضہ میں زیر کاشت زمین کا چالیس فی صدی حصہ ہے اور اس لیے عام کسانوں میں سخت غربت ہے۔ عام طور پر مویشی پالے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ چاول، جو (بارلی)، کافی، کوکو وغیرہ کی بھی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

کاشت ہوتی ہے۔ سالانہ 899,900 میٹرک ٹن تیل نکلتا ہے۔

درآمدات کا 37 فیصدی امریکہ سے اور بقیہ جاپان، مغربی جرمنی وغیرہ سے آتا ہے۔ برآمدات کا 41 فی صدی امریکہ کو اور باقی جنوبی امریکہ کے پڑوسی ملکوں کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 57 فی صدی کچا تیل ہے، 17 فی صدی کیلے اور باقی کوکو اور کافی ہیں۔

ابتدائی مدرسوں میں 1988 میں 1,827,920 طالب علم اور 62,451 استاد اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1990 میں 277,799 طالب علم تھے۔

تاریخ: پندرہویں صدی عیسوی میں ہسپانیوں نے اسے فتح کیا۔ دو سو سال تک یہ پیرو کی ہسپانوی ریاست کا حصہ بنا رہا۔ 1822 میں ایک انقلابی جنگ کے ذریعہ اس نے اپنی آزادی حاصل کی اور یہ جمہوریہ کولمبیا کا حصہ بن گیا۔ 1830 میں اس نئی جمہوریہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور ایکواڈور کی الگ جمہوریہ بنائی گئی۔ اس کے بعد سرحد کے مسئلہ پر پیرو سے تقریباً سو سال تک لڑائی چلتی رہی۔ 1941 میں پیرو نے حملہ کر دیا۔ آخر کار امریکہ، ارجنٹینا اور برازیل نے 1942 میں یہ مسئلہ طے کروا دیا۔ جب سے یہ جمہوریہ قائم ہوئی ہے اسے عدم استحکام اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 1962 میں ایک فوجی گروہ نے صدر کو ہٹا کر فوجی راج قائم کر دیا۔ 1966 میں اس کا بھی تختہ الٹ گیا اور اس کی جگہ ایک نئے صدر نے لی اور اس طرح عوامی (سول) اور فوجی حکومتوں کا سلسلہ جاری ہے۔

1972 میں ویلا سکو نے، جو 1968 میں پانچویں مرتبہ صدر منتخب ہوا تھا، الیکشن کرانے کو کہا تھا۔ لیکن 1972 میں فوج نے اسے معزول کر دیا اور الیکشن منسوخ کر دیے۔ 1970 سے ہی امریکہ سے ایکواڈور کے تعلقات خراب ہونے لگے تھے۔ تیل اور جنگلاتی لکڑی کی وجہ سے ملک میں پیسہ کافی آ رہا تھا۔ 1979 تک فوجی راج قائم رہا۔ 1981 میں ہرٹاڈو صدر بنا۔ 1984 میں لیون فیبرے کارڈیرو روڈ ینیرا صدر بنا۔ 1987 میں پھر بغاوت ہوئی۔ 1988 میں بورجا سیوالوس صدر منتخب ہوا۔ 1992 میں اس کی جگہ سکسٹو ڈیوران بالن نے لے لی۔ ملک میں معاشی بحران تو ہمیشہ قائم رہا اور پھر اصل باشندوں نے بھی تحریک چلائی کہ سب چیزیں قومیائی جائیں۔

ایکو سسٹم: یہ ایک عام اصطلاح ہے جس میں موجودہ جانداروں کا پیچیدہ نظام اور ان کی رہائش گاہیں جہاں کہ وہ پائے جاتے ہیں، شامل ہے۔ اس خیال کا بانی اے. جی. ٹینسلے تھا جو نباتات کے ماحولی نظام کا ماہر تھا۔ اس نے اپنی رائے کو سنہ 1935 میں پیش کیا تھا۔ یہ دراصل ذی حیات دنیا اور فطری ماحول کے درمیان باہمی نسبت اور اس کے رد عمل کا مطالعہ ہے۔ جانداروں اور ان کے گروہوں اور جائے وقوع کے بین نسبتی مطالعہ کو ایکالوجی کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کو جرمن ماہر حیاتیات، ارنسٹ ہیکل نے یونانی لفظ سے وضع کیا تھا، جس کے معنی "رہائش گاہ" یا "وطن" ہے۔ ایکالوجی علم حیاتیات کی ایک شاخ ہے جو نباتاتی یا حیواناتی زندگی کی نشو و نما اور ان کی اشکال وغیرہ پر روشنی ڈالتی ہے جن پر فطری ماحول کے عناصر کا اثر پڑتا ہے۔ نباتات اور حیوانات، دونوں ہی جائے پیدائش، آب و ہوا اور دوسرے ماحولیاتی عناصر کی تبدیلیوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ جمالیاتی طور پر حیاتیاتی جغرافیہ اور ماحولیات میں گہرا تعلق ہے۔ جاندار گروہوں میں رہتے ہیں اور ایسے گروہوں کو آبادی کہتے ہیں۔ ایسی تمام آبادیاں جو کسی خاص علاقہ میں رہتی ہیں، کمیونٹی کہلاتی ہیں۔ کمیونٹی اور طبعی مقام پیدائش متحدہ طور پر کاربند رہتے ہیں جو ماحولیاتی نظام کے نقطہ نظر سے نامکمل ہیں۔ البتہ روئے زمین کا وہ حصہ جس میں ایکو سسٹم (Ecosystem) واقع اور کارفرما ہوتے ہیں، کرہ حیات (Biosphere) کہلاتا ہے۔ اس تنظیمی ساخت میں رکاوٹیں نہیں ہوتی ہیں۔ اس ساخت کا ہر عنصر ایک دوسرے سے باہمی رشتہ رکھتا ہے اور تابع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک منفرد جاندار طویل مدت تک اپنی آبادی کے بغیر، اور کمیونٹی، غذائیت کی گردش اور پانی نیز توانائی کی منتقلی اور روانی کے بغیر ایکو سسٹم میں نہ نمو پا سکتا ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ایکو سسٹم قدرت کا ایک ایسا نظام ہے جس میں جاندار اور غیر جاندار مادّے شامل ہوتے ہیں جو جاندار اور غیر جاندار حصوں کے درمیان مبادلہ اشیا کرا کے ایک دوسرے پر اثر ڈالتے ہیں۔

ایلپّو: شمالی سیریا (شام) کا بڑا شہر ہے۔ سولہویں صدی میں یہ مشرق وسطی (مڈل ایسٹ) کا بڑا تجارتی مرکز تھا۔ بیسویں صدی میں یہ دمشق کے مقابلہ کا صنعتی شہر بن گیا۔

ایلسورتھ ہنٹنگٹن: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ایلورہ: ایلورہ کے غار ریاست مہاراشٹرا میں بمقام اورنگ آباد واقع ہیں۔ جن کی جملہ تعداد چونتیس ہے۔ جن میں بارہ بدھ مت، پانچ جین مت اور سترہ ہندو مذہب کے ہیں۔ پانچ تا نو صدی عیسوی میں ان غاروں کی ثابت چٹانوں میں سنگ تراشی کی گئی ہے جو انسانی کاریگری اور فن کا لاجواب نمونہ ہیں۔

ایلی فنٹا پاس: یہ سری لنکا کے شمال میں واقع ہے۔ یہ مقام جافنا سے بذریعہ ریلوے لائن جنوبی سری لنکا کو ملاتا ہے۔

ایل. ایم. ایرکسن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ایمسٹرڈم: ہالینڈ کے شمال میں یہ نیدرلینڈ کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں 869,602 تھی۔ دریائے ایمسل کے دہانہ پر واقع ہے۔ایک پندرہ میل لمبی نہر کے ذریعے یہ بحیرۂ جرمنی سے مربوط ہے۔اس نہر کی بدولت نیدرلینڈ کی دولت میں بیش بہا اضافہ ہوا۔1952 میں یہاں چند نئی نہریں بنائی گئی ہیں۔پورے شہر میں نہریں پھیلی ہوئی ہیں جن پر تقریباً چالیس پل بنے ہیں۔ ایمسٹرڈم کی در آمدات میں کوئلہ، کچدھاتیں، غلہ، پٹرولیم، تمباکو، چائے، کافی، کوکو، ساگوان اور روغنی بیج شامل ہیں۔ یہاں کی بر آمدات میں ڈیری مصنوعات، کاغذ، مصنوعی کھاد، شکر اور کھالیں شامل ہیں۔ایمسٹرڈم میں دنیا کا ایک سب سے بڑا اسٹاک اکسچینج واقع ہے۔ہیرے تراشنے کا یہ ایک بڑا مرکز ہے اس کے علاوہ یہ یورپ کا ایک اہم علمی اور تہذیبی مرکز بھی ہے۔ کئی ملکوں کے ساتھ یہ نہروں کے ذریعے جڑا ہوا ہے اور اس لیے کئی ملکوں کی تجارت اسی کے راستہ سے ہوتی ہے۔ یہاں کی اہم صنعتوں میں جواہر تراشی، جواہر کی پالش، شکر کی صفائی، تیار لباس، حروف ڈھالنے کی صنعت، طباعت سے متعلقہ اشیاء، لوہا، صابن، رنگ، کیمیائی اشیا اور جہاز شامل ہیں۔

یورپ کی معاشی زندگی اور تجارت میں سولہویں صدی سے ایمسٹرڈم کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ اسپین، پرتگال، فرانس وغیرہ کے تاجر اپنے مال کی بر آمد کے لیے اسے استعمال کرتے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں یہ فرانس کے قبضہ میں بھی رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے سنہ 1940 سے 1945 تک اس پر اپنا قبضہ رکھا جس سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہودی جو کل آبادی کا دس فی صدی تھے زیادہ تر مارے گئے۔ ایمسٹرڈم اسپنوزا جیسے فلسفی اور رمباں جیسے فن کار کا شہر ہے اور ان کے کارنامے یہاں کے شاندار عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ یہاں کا قومی پارک بھی سارے یورپ میں مشہور ہے۔

ایمسٹرڈم نہر: شہر ایمسٹرڈم ہالینڈ کا صدر مقام ہے اور شمالی یورپ کے خاص بندرگاہوں میں سے ہے جو دریائے رائن کے دہانے پر واقع ہے اور جہاز رانی کا بڑا مرکز ہے۔ پہلے جہاز زویڈرزی سے ہو کر گزرتے تھے۔1824 میں ایک 50 میل لمبی نہر کے ذریعہ ایمسٹرڈم کو بحیرۂ شمالی سے ملا دیا گیا ہے۔ یہ نہر شمالی ہالینڈ کے درمیان سے نکالی گئی ہے جو سیدھی بحیرۂ شمالی تک جاتی ہے۔اس کے علاوہ بحیرۂ شمالی کی نہر کے نام سے 1952 میں ایک اور نہر مرویڈ کھودی گئی جس کا سنگم دریائے رائن سے بھی ہوتا ہے۔اس طرح ایمسٹرڈم کینال اندرون ملک سے سمندر تک جہاز رانی کا اہم ذریعہ بنی ہوئی ہے۔

ایمفی بولائٹ (Amphibolite): وہ کایا کلپی حجرات (Metamorphic Rocks) جو بیشتر ایمفی بول (Amphibole) گروہ کے جمادات سے بنتے ہیں، ایمفی بولائٹ (Amphibolite) کہلاتے ہیں۔ایمفی بول عام طور پر کسی ایک سمت میں ترجیحی متوازی (Prefected Oriented) ہوتے ہیں۔

ایمونویل کانٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

این: (1) برما کی ایک چھوٹی سی ندی ہے۔

(2) آسام میں اس نام کا ایک پہاڑی درہ ہے۔

ایناٹیکسس (Anatexis): پہلے سے موجود حجرات یا چٹانوں کا تپش کے زیر اثر پگھل کر میگما (Magma) میں تبدیل ہو جانے کا عمل ایناٹیکسس کہلاتا ہے۔

این۔کارپنٹر: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

اینٹ ورپ (Antwerp): فلیمش زبان میں اس کا نام اینٹ ورپن ہے۔ یہ بندرگاہ بلجیم کے شمالی علاقہ میں واقع ہے۔ براعظم یورپ کے سب سے بڑے بندرگاہوں میں سے ایک ہے۔ ہیروں کی تجارت کے سب سے بڑے مرکزوں میں سے ایک ہے۔ قدیم ترین اسٹاک ایکسچینج کا مستقر ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے، پٹرو کیمیکلس سے متعلقہ کارخانے اور موٹر کار کے پرزے، موٹر کار اور جہاز سازی کے کارخانے واقع ہیں۔ اس کے اطراف کے صنعتی علاقوں میں دھات کا سامان، الیکٹرانی آلات، کیمیائی اشیاء، رنگ، چمڑے سے بنی اشیا اور عکاسی کا سامان تیار ہوتا ہے۔ پندرہویں صدی سے یورپ کی معاشی زندگی میں اسے اہم مقام حاصل ہے۔

اینکر: کشمیر میں گنڈربل کے راستے پر اینکر ایک چھوٹی، دلدلی اور دبیز گھاس پھوس سے لدی ہوئی جھیل ہے۔

ایودھیا: ایودھیا یا اجودھیا ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ یہ ملک کے سب سے اہم سات مقدس شہروں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ ہر سال لاکھوں یاتری یہاں آتے ہیں۔ یہ نہ صرف ہندو مذہب والوں کے لیے بلکہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بدھ اور جین مت کے پیروؤں کے لیے بھی اہم ہے۔ یوپی کے ایک اور اہم قصبہ فیض آباد سے ملا ہوا ہے۔ دونوں قصبوں کی میونسپلٹی ایک ہی ہے۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں یہ کوسالا (کوشل) سلطنت کی راجدھانی تھا۔

ای۔جی۔ آئر: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

اے بل جانس زون ٹاسمان: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

اے۔ڈبلو گرولی: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

اہرام (Pyramid): ایسی جمادی قلم جس کے چہرے تینوں اب ج محوروں سے ملتے ہوں تو اس کو اہرام شکل کہا جاتا ہے۔

اہواز: ایران کے صوبہ خوزستان کا صدر مقام ہے۔

آب درہ: عمودی ڈھال والی بڑی اور تنگ گھاٹی جو خشک یا نیم خشک علاقوں میں پہاڑوں سے نیچے کی جانب بہنے والے پانی کے مسلسل زیریں کٹاؤ سے تشکیل پاتی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا "آب درہ" ممالک متحدہ امریکہ کی کولوریڈو ندی نے بنایا ہے۔ یہ ایک میل سے زیادہ گہرا ہے۔ اس کا زیریں حصہ بہت تنگ ہے، مگر بالائی حصہ آٹھ تا دس میل چوڑا ہے۔ اس طرح کے آب درّے بحری فرش پر بھی موجود ہوتے ہیں۔

آب دوز بنچیں (لمبی کرسیاں): دیکھیے "آب دوز زینہ"

آب دوز پھسلاؤ: بڑے چٹانی تودوں کا ایسی ڈھلان پر لڑھکنا جو بالائی حصہ میں مقعر ہو۔ اس صورت حال میں پھسلتی ہوئی چٹانیں زیریں حصہ میں آگے بڑھنے کے بعد کچھ پیچھے کی طرف بھی سرک جاتی ہیں۔ اس نوعیت کی حرکت کو آب دوز پھسلاؤ کہا جاتا ہے۔

آب دوز چٹانیں: دیکھیے "بحری تہ نشین مادے"

آب دوز خندق (Trenches): بحری فرش پر کم چوڑی لیکن زیادہ گہری کھائی جیسے بحر الکاہل کی 10,869 میٹر گہری میریانا خندق۔

آب دوز درّہ: اندرون سمندر سلامی دار ڈھلان والی پستی جو براعظمی حاشیہ یا براعظمی ڈھال پر پھیلی رہتی ہے اور گدلی روؤں کے بہاؤ یا تحت ہوائی فرسودگی کے نتیجہ میں تشکیل پاتی ہے، آب دوز درّہ کہلاتی ہے۔ خلیج بسکے میں، ساحل نیوگنی کے مقابل اور دریائے کانگو کے دہانہ کے سامنے کئی آب دوز آب درّے دکھائی دیتے ہیں۔

آب دوز زینہ: بحری موجوں کی افقی اور عمودی تراش خراش سے ساحلی چٹانیں کٹ کٹ کر پانی کے نیچے سیڑھیوں کی شکل اختیار کر کے آب دوز زینہ بنا دیتی ہیں۔ سیڑھیوں پر جگہ جگہ سخت چٹانوں کے پس ماندہ حصے ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ سیڑھیوں کے پُر سکون سمندری حاشیوں پر موجیں فرسودہ چٹانی مادے جمع کرتی جائیں تو بنچیں (لمبی کرسیاں) سی بن جاتی ہیں۔ ساحلی چٹانوں کے وقفہ وقفہ سے دھنسنے یا براعظمی حاشیہ کے ابھرتے رہنے سے بھی آب دوز زینے بن جاتے ہیں۔

آب دوز ماہی پشت پہاڑی: بحری فرش پر لمبا پتلا ابھار جیسے وسط او قیانوس کی ماہی پشت پہاڑی (Ridge)۔

آب دوز نالیاں: بعض تیز رفتار دریا سمندر میں داخل ہونے کے بعد براعظمی حاشیہ پر دور تک قوت سے بہتے ہوئے لمبی لمبی گہرائیاں بنا دیتے ہیں۔ یہ آب دوز نالیاں کہلاتی ہیں۔

آب رواں سے کٹاؤ یا تخریب (Erosion by Running Water): ہم جانتے ہیں کہ پانی ہمیشہ اونچی سطح سے نیچی سطح کی طرف بہتا ہے۔ بارش کا پانی جب پہاڑوں پر برستا ہے تو وہ پہاڑ کے ڈھلوان سے ہوتا ہوا نشیب کی طرف جاتا ہے اور راہ میں پہاڑ کو کاٹتا ہوا چلتا ہے۔ اگر پہاڑ نرم پتھر کے ہوتے ہیں تو وہ آسانی سے کٹ جاتے ہیں اور جس جگہ سے ہو کر پانی بہتا ہے وہاں پہاڑ میں کٹاؤ پیدا ہو جاتا ہے جو ہر بارش کے بعد قدرے بڑھ جاتا ہے۔ ان کٹے ہوئے حصوں سے گزرتا ہوا پانی نیچے آ کر پہاڑی نالوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ پہاڑی نالے کافی زور شور کے ساتھ بہتے ہیں اور راہ میں آئی ہوئی چٹانوں کو توڑتے چلتے ہیں۔ چٹانوں کے جو ٹکڑے ان نالیوں میں گرتے ہیں وہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ لڑھکتے ہوئے نیچے بڑھتے جاتے ہیں اور آپس میں بٹ جاتے ہیں اور یہ چھوٹے ٹکڑے ٹکرا ٹکرا کر بالآخر ریت کے ذرات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ کئی پہاڑی نالے بعد میں مل کر دریا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں یہ دریا تیز رو ہوتے ہیں اور ان کی وادی انگریزی حرف "وی" (V) کی شکل کی ہوتی ہے۔ پہاڑی دریا اپنے

کناروں کی چٹانوں کو کاٹتے ہوئے چلتے ہیں۔ دریا میں جتنا زیادہ پانی ہوتا ہے نیز جتنا تیز بہاؤ ہوتا ہے اور اس کے کناروں پر جتنی ملائم چٹانیں ہوتی ہیں اسی قدر کٹاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں کناروں کے ساتھ ساتھ دریا اپنی تہ کو بھی جس پر وہ بہتا ہے کاٹتا چلتا ہے۔ اس طرح دن بہ دن دریائی وادی گہری ہوتی جاتی ہے۔ پہاڑوں کے اوپری علاقوں میں جہاں دریا بہت تیز بہتے ہیں اور اگر وہاں کے کناروں کی چٹانیں مضبوط ہوتی ہیں تو وہ سیدھی کھڑی رہ سکتی ہیں۔ اور ایسی جگہ دریا کی وادی گہری اور پتلی ہوتی ہے لیکن نچلے علاقوں میں جہاں دونوں کنارے کٹتے رہتے ہیں اور اس طرح وقتاً فوقتاً گرتے رہتے ہیں وہاں دریا کی وادی چوڑی ہو جاتی ہے۔ دریا کی راہ میں جہاں نسبتاً ملائم چٹانیں آجاتی ہیں یا جہاں دریا ایک دم سے نچلے علاقے میں پہنچ جاتا ہے وہاں جھرنے بنتے ہیں۔ یہ جھرنے جہاں گرتے ہیں وہاں کٹاؤ کی وجہ سے دریا کی تہ میں گہرے گڑھے بن جاتے ہیں۔ اگر آب رواں کے حلقہ میں ایسی چٹانیں آجاتی ہیں جو پانی میں گھل سکتی ہیں مثلاً خاص قسم کے چونے کے پتھر وغیرہ تو پانی کے اثر سے ان چٹانوں میں بڑے غار بن جاتے ہیں۔ بعض ملکوں میں یہ غار اتنے بڑے بڑے ہیں کہ ان میں کئی ٹرک بہ یک وقت سما سکتے ہیں۔

دریا جہاں اپنے کناروں کو کاٹتے رہتے ہیں وہاں وہ اپنے سرے (Head) کی طرف بھی کٹاؤ کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سرا کٹتے کٹتے کبھی دوسری وادی میں چلا جاتا ہے اور اس وادی کا دریا اپنا رخ موڑ کر اس دوسری وادی کو اختیار کر لیتا ہے۔

زمین کے اوپر جتنی بارش ہوتی ہے اس کا تقریباً دو تہائی حصہ دریاؤں کے ذریعہ سمندر میں بہہ کر پہنچ جاتا ہے۔ پہاڑوں سے لے کر سمندر تک دریائی سفر کو تین حصوں میں بانٹا جاتا ہے۔ (1) عہد طفلی جو پہاڑی علاقوں میں ہوتا ہے اور جہاں دریا کا عمل بیشتر کٹاؤ کا ہوتا ہے۔ (2) عہد شباب۔ یہ وہ حصہ ہے جب دریا پہاڑوں سے نکل کر میدانی علاقوں میں آتے ہیں۔ یہاں دریا اپنے لائے ہوئے پتھروں کو اپنی تہ میں لے کر بڑھتے ہیں اور بالو کے ذرات پانی میں تیرتے ہوئے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہ ذرات کناروں پر جمع بھی ہوتے رہتے ہیں اور گاد مٹی کے ڈھیر بناتے ہیں اور (3) عہد پیری۔ یہ حصہ سمندر کے قریب کا حصہ ہوتا ہے جہاں دریا کا بہاؤ ہلکا ہو جاتا ہے اور اس میں کٹاؤ کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ اس حصہ میں دریا اپنے ساتھ لائے ہوئے ریت کے اجزا کو اپنے کناروں اور منہ کے پاس جمع کرتے ہیں اس حصہ میں دریا کی چال سنپولہ نما بل کھاتی ہوئی شکل کی ہوتی ہے۔

آب وہوا کے خطے: مندرجہ ذیل شکل میں شمالی اور جنوبی نصف کرہ کے قیاسی براعظموں پر آب وہوا کے مختلف خطوں کو دکھایا گیا ہے۔

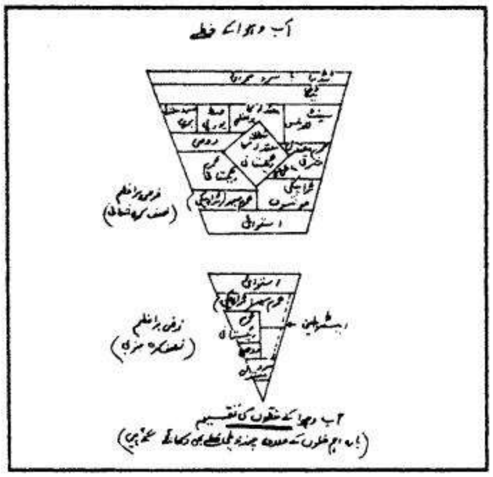

آب وہوائی ترسیم: یہ ایک ایسی شکل (ڈائگرام) ہے جس میں کسی مقام کی آب وہوا کے دو مختلف عناصر کے اوسط اعداد و شمار کی ترسیم ایک ساتھ دکھاوی جاتی ہے۔ یہ بعض اوقات ہیتھر گراف (Hythergraph) بھی کہلاتا ہے۔ مثال کے

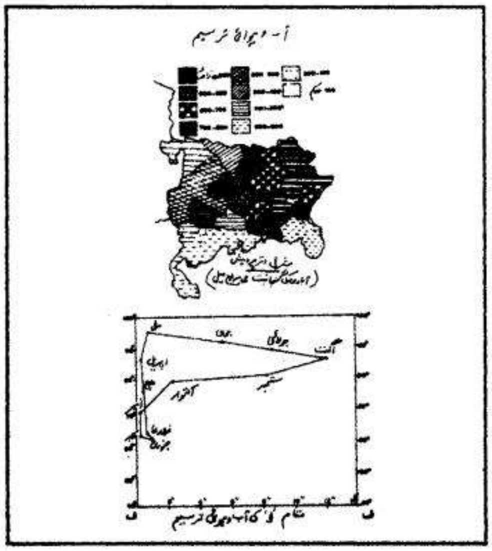

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

طور پر کسی مقام "1" کے بارہ مہینے کے درجہ حرارت اور بارش کی تقسیم کو ظاہر کرتے وقت (جس طرح شکل میں دکھایا گیا ہے) ترسیمی کاغذ کے عمودی پیمانہ سے حرارت کے درجہ اور افقی پیمانہ سے بارش کی مقداریں ظاہر کی جائیں گی۔

دونوں پیمانوں کی مدد سے ہر مہینہ میں درجہ حرارت اور بارش کی مقدار کو ظاہر کرنے والے مشترکہ نقطے معلوم کرکے مقابل میں متعلقہ مہینوں کے نام درج کر دیے جائیں گے۔ اس طرح حاصل کیے ہوئے نقطوں کو سلسلہ وار جوڑ دیں تو بارہ ضلعوں کی شکل تیار ہو جائے گی۔

آبادان: ایران کا مشہور بندرگاہ ہے جو ملک کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت شدید ہے۔ یہ بندرگاہ تیل صاف کرنے کے کارخانوں کے لیے مشہور ہے۔ 1951 سے یہ کارخانے قومی ملکیت میں لے لیے گئے ہیں۔

آبشار (Water Falls): آبشار دریائی تراش خراش کے عمل کا ایک واضح ثبوت ہیں۔ آبشار، ندی یا دریاؤں کے راستوں میں دیوار نما یا سیڑھی نما سخت چٹانوں کی موجودگی سے بنتے ہیں۔ ان چٹانوں سے پانی مختلف بلندیوں سے نیچے گرتا ہے جس کو آبشار کہتے ہیں۔

دنیا کے سب سے مشہور آبشار نیاگرا کا پانی تقریباً پچاس میٹر کی بلندی سے گرتا ہے۔ گوٹ (Goat) جزیرہ اس آبشار کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (i) کینیڈین آبشار۔ اس کی چوڑائی 792 میٹر ہے اور (ii) امریکی آبشار۔ اس کی چوڑائی 427 میٹر ہے۔ اس آبشار کے نیچے کی طرف دریا نے تقریباً دس کلو میٹر لمبا گہرا راستہ کاٹا ہے جو پانی سے بھرپور چھلکتا رہتا ہے۔

آبشیب (Rapids): پہاڑوں میں بہنے والے دریاؤں کے بالائی، وسطی اور کہیں کہیں زیریں حصوں میں پانی بہت تیزی کے ساتھ بہتا ہے۔ ان دریاؤں کی گزرگاہوں میں دریائی کٹاؤ کے باعث بہت سے پتھریلے روڑے پائے جاتے ہیں، دریا میں جب زیادہ پانی بہتا ہے، خصوصاً موسم بارش میں، جب یہ روڑے زیر آب ہو جاتے ہیں۔ دریا کی گزرگاہ کے ایسے علاقوں کو آبشیب کہا جاتا ہے۔

یہ آبشیب جہازرانی میں زبردست رکاوٹ کا باعث ہوتے ہیں اور صرف تجربہ کار ملاح ہی ایسے علاقوں میں جہازرانی کر سکتے ہیں جن کو آبشیب کی تقسیم کے بارے میں معلومات اور تجربہ حاصل ہو۔

آبشیب دریائی تراش خراش کے عمل کی ایک واضح مثال ہیں۔

آبنائے: یہ خشکی کے دو علاقوں کے درمیان رودبار سے کم چوڑی پانی کی ایک پتلی سی پٹی ہوتی ہے۔ جو دو بڑے بحری حصوں کو جوڑتی ہے۔

آبنائے اوٹرنٹو: جنوب مشرقی اٹلی اور مغربی البانیہ کے درمیان بہنے والا یہ آبنائے 74 میل چوڑا ہے۔ بحیرۂ ایڈریاٹک کو بحیرۂ ایونین سے ملاتا ہے۔

آبنائے باسفورس: یہ تقریباً 19 میل لمبی آبنائے بحیرۂ اسود اور بحیرۂ مارمورا کو ملاتی ہے۔

آبنائے بنگو سویڈو: یہ تنگ آبی راستہ جاپان کے شکوکو اور کیوشو جزائر کے درمیان واقع ہے۔

آبنائے بونی فیسیو: کارسیکا اور سارڈینیا بحیرۂ روم کے جزیرے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کا تنگ سمندر آبنائے بونی فیسیو کہلاتا ہے۔ اس کی کم سے کم چوڑائی 7 میل ہے۔

آبنائے بیرنگ: پانی کا یہ تنگ راستہ ایشیا کے انتہائی شمال مشرقی حصہ کو شمال مغربی حصہ سے جدا کرتا ہے اور بحر آرکٹک کو بحر الکاہل سے ملاتا ہے۔ اس کی سب سے کم چوڑائی 56 میل ہے۔ اسی میں ڈایو میڈی اور بیرنگ جزائر واقع ہیں۔

آبنائے پاک: یہ ایک آبنائے ہے جو بحر ہند میں سری لنکا اور ہندوستان کے درمیان پُل آدم کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس کی سب سے کم چوڑائی 40 میل ہے۔ ولندیزیوں نے یہ نام اپنے ایک گورنر کے نام پر رکھا تھا۔

آبنائے پوہائی: یہ آبی راستہ جو آبنائے چیہلی بھی کہلاتا ہے بحیرۂ زرد کے شمال مغربی حصہ میں ملیٹن اور پنشائی مقامات کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مغرب میں اسی نام کی خلیج واقع ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں شمالی منچوریا اور شمالی کوریا کے چند حصوں کو ملا کر پوہائی یا پرحائی نام کی ایک چینی اسٹیٹ بھی قائم کی گئی تھی۔

آبنائے تارتری: یہ 350 میل لمبا تنگ آبی راستہ جزیرہ سخالین اور سائبیریا کے درمیان واقع ہے اور بحیرۂ جاپان کو بحیرۂ اوکھوسک سے ملاتا ہے۔ اس کی کم سے کم چوڑائی پانچ میل اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 80 میل ہے۔ سووسکایا کا اس اہم بندرگاہ اور ماہی گیری کا مرکز ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

آبنائے جبر الٹر (جبل الطارق): جبر الٹر اسپین کے جنوب میں برطانیہ کی مقبوضہ کالونی ہے۔ جبر الٹر اور مراقش (افریقہ) کے درمیان کا یہ آبنائے 32 میل لمبا ہے۔ یہ بحیرۂ روم کو بحر اوقیانوس سے ملاتا ہے۔ اس کی چوڑائی صرف 8 میل ہے۔

آبنائے ڈنمارک: یہ آبنائے جس کی چوڑائی 130 میل ہے گرین لینڈ کے جنوب مشرقی ساحل اور آئس لینڈ کے درمیان سے گزرتا ہے اور بحر قطب شمالی کو بحر اوقیانوس شمالی سے ملاتا ہے۔ جنگ عظیم دوم میں اسی مقام پر جرمنی کے جنگی جہاز بسمارک نے برطانیہ کے جہاز ہڈ کو ڈبویا تھا۔

آبنائے ڈوور: اسے رودبار انگلستان بھی کہتے ہیں۔ یہ سمندر کا وہ تنگ حصہ ہے جو جنوب مشرقی انگلینڈ اور شمالی فرانس کے درمیان واقع ہے۔ انتہائے مشرق میں یہ آبنائے اس قدر تنگ ہو گیا ہے کہ اس کی چوڑائی صرف 20 میل رہ جاتی ہے۔

آبنائے ڈیوس: یہ آبنائے جنوب مغربی گرین لینڈ اور کینیڈا کے جزیرہ بفن کے درمیان سے گزرتا ہے اور خلیج بفن کو بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) سے ملاتا ہے۔ اس کی کم سے کم چوڑائی 200 میل ہے۔

آبنائے سنگاپور: یہ آبنائے سنگاپور اور جزائر ہاتام اور بنتان کے درمیان کا سمندر ہے۔ یہ آبنائے بحیرۂ جنوبی چین کو آبنائے ملاکا سے ملاتا ہے۔ اس آبنائے کی چوڑائی 10 میل ہے۔

آبنائے سوشیما: جزیرہ سوشیما اور شمالی مغربی جزیرہ کیوشو کے درمیان بہنے والا یہ آبنائے 63 میل چوڑا ہے۔ جاپان کو بحیرۂ مشرقی چین سے ملاتا ہے۔ جنگ عظیم دوم میں جاپانی بحریہ نے روسی بحری بیڑے کو اسی آبنائے میں غرق کر دیا تھا۔

آبنائے سوگارو: یہ 15 تا 25 میل چوڑی آب رود جاپان کے جزائر ہوکیڈو اور ہونشو کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ جاپان اور مشرق میں بحر الکاہل پھیلے ہوئے ہیں۔ اس آبنائے سے اسی نام کی ایک گرم اور نمکین پانی کی رو گزرتی ہے۔ شمال میں ہاکوڈیٹ اور جنوب میں آؤموری اہم بندرگاہ ہیں۔

آبنائے سونڈا: یہ آبنائے جزائر سماٹرا اور جاوا کے درمیان کا تنگ سمندر ہے جو بحیرۂ جاوا کو بحر ہند سے ملاتا ہے۔ کم سے کم چوڑائی 16 میل ہے۔ درمیان میں ایک آتش فشانی جزیرہ بھی واقع ہے۔

آبنائے سویا (آبنائے پیر لوز): یہ 25 میل چوڑا بین الاقوامی آبی راستہ جاپان کے جزیرہ ہوکیڈو اور جزیرہ سخالین کے درمیان واقع ہے اور بحیرۂ جاپان کو بحیرۂ اوکھوٹسک سے ملاتا ہے۔ اس کی کم سے کم چوڑائی 27 میل ہے۔ گہرائی 167 سے 187 فٹ تک پائی گئی ہے۔ اس راستہ سے تیز بحری روئیں گزرتی رہتی ہیں۔ موسم سرما میں یہ راستہ منجمد ہو جاتا ہے۔ اس آبنائے کو پیر لوز بھی کہا جاتا ہے۔

آبنائے فارموسا: آبنائے فارموسا آبنائے تائیوان بھی کہلاتا ہے۔ فارموسا بحیرۂ چین کا ایک جزیرہ ہے۔ اس جزیرہ اور جنوب مشرقی چین کے درمیان بہنے والا تنگ سمندر آبنائے فارموسا کے نام سے موسوم ہے۔ یہ آبنائے مشرقی بحیرۂ چین کے سمندر کو جنوبی چین کے سمندر سے ملاتا ہے۔

آبنائے فلوریڈا: یہ آبنائے 110 میل چوڑا ہے۔ فلوریڈا (شمالی امریکہ) کے جنوبی سرے اور کیوبا کے شمالی ساحل کے درمیان سے ہو کر گزرتا ہے۔ بحر اوقیانوس کو خلیج میکسیکو سے ملاتا ہے۔

آبنائے ملاکا: جزیرہ نما ملایا کے جنوبی ساحل اور جزیرہ ساٹرا کے درمیان واقع ہے۔ یہ بحر ہند کو بحیرۂ جنوبی چین سے ملاتا ہے۔ اس کی لمبائی 500 میل اور چوڑائی 35 تا 185 میل ہے۔

آبنائے ہڈسن: کینیڈا کے شمال مشرق میں جزیرہ بفن کے جنوب اور صوبہ کوئبک کے شمالی ساحل کے درمیان سے گزرتا ہے۔ بحر اوقیانوس کو خلیج ہڈسن سے ملاتا ہے۔ 50 تا 100 میل چوڑا اور 450 میل لمبا ہے۔

آبنائے ہرمز: یہ 80 کلومیٹر چوڑی آبی گزرگاہ، خلیج فارس اور خلیج عمان کے درمیان واقع ہے۔ اس آبنائے کے تعلق سے کئی روایات مشہور ہیں۔ بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی خاص ملک اس پر اپنے مستقل قبضہ کا ادعا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ نومبر 1979 میں انقلاب ایران کے بعد اس آبنائے کی مغربی سمت کو جانے والی گزرگاہ کو انٹر گورنمنٹل میری ٹائم کنسل ٹیٹیوز آرگنائزیشن (Inter-Governmental Maritime Consultatives Organisation) کے فیصلہ کے تحت ایران کے قبضہ اور عملداری سے نکال کر عمان کے سمندری علاقہ میں شامل کر دیا گیا۔ ہرمز کی آبنائے، شمالی نہر اور اعرابی رودبار پر، مشتمل ہے۔ شالی نہر

صرف دو سو فیٹ گہری ہے۔ اس لیے ہمیشہ یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کوئی جہاز اس میں غرق ہو کر دیگر جہازوں کی آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا نہ کر دے۔ اس علاقہ میں دوران جنگ دسترس رکھنے والا کوئی بھی ملک اس آبنائے کی دونوں نہروں میں سرنگ بچھا کر بڑی نزاعی صورت پیدا کر سکتا ہے۔ ایران اور دیگر خلیجی ممالک سے ساری دنیا کو تیل کی روانگی کا بحری راستہ اسی آبنائے سے گزرتا ہے۔ اس راستہ کو بند کر دیا جائے تو تیل کی فراہمی بند ہو جائے گی۔ اس آبی گزرگاہ میں اسی نام کا ایک جزیرہ بھی واقع ہے۔ بارہویں صدی عیسوی میں یہ مشرق کا ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ مارکوپولو یہاں دو بار پہنچا تھا۔ 1514 میں پرتگالیوں (پرتگیزوں) نے اس پر قبضہ کر کے ایک قلعہ تعمیر کر لیا تھا۔ تقریباً سو سال تک اس پر انھی کا اقتدار قائم رہا۔ 1622 میں انگریزی اور ایرانی فوجوں نے اس پر حملہ کر کے ان کا اقتدار ختم کر دیا۔

آبی پرت (Aquifer): رسوبی حجرات یا ایسے حجرات جو اپنی فرسودگی کے باعث مسام دار ہو جاتے ہیں۔ ان میں بارش یا دریاؤں کے پانی کے گرنے سے رفتہ رفتہ پانی جمع ہونے لگتا ہے جو ایک ذخیرے کی صورت میں، زیرزمین موجود ہوتا ہے۔ یہ ذخیرے عام طور پر صرف مسام دار پرتوں کی صورت میں پانی سے بھرے ہوتے ہیں۔ مقامی طور پر پانی سے سیراب ایسی زیرزمین حجراتی پرت کو آبی پرت (Aquifer) کہتے ہیں۔ کنویں اور چشموں کے کسی بھی مقام پر وقوع پذیری کا انحصار، آبی پرت کی گہرائی پر منحصر ہوتا ہے۔ صحراؤں میں نخلستانوں کی صورت میں جو چشمے پائے جاتے ہیں وہ اسی آبی پرت کی سطح زمین پر موجودگی کا اظہار ہیں۔

آبی نظام کی شکلیں (Drainage Pattern): ایک بڑے دریا سے وابستہ مختلف دریاؤں، ندیوں اور معاون دریاؤں کے بہاؤ سے سطح زمین پر جو آبی نظام تشکیل پاتا ہے، اس کو آبی نظام کہتے ہیں۔ بہاؤ کا یہ نظام ہر دریا کے لیے اپنے مختلف کرداروں پر مبنی ہوتا ہے۔ عام طور پر آبی نظام کا انحصار مندرجہ ذیل امور پر ہوتا ہے۔

(1) اس علاقہ میں موجود ڈھلان۔

(2) اس علاقہ میں حجرات کی اپنی نوعیت۔

(3) اس علاقہ میں حجرات اور اس علاقے کی ساخت۔

(4) اس علاقہ کی آب و ہوا اور بارش۔

مندرجہ بالا امور کی بنیاد پر عام طور پر دریائی آبی نظام کی تین شکلیں پائی جاتی ہیں۔

(1) شجر نما (Dendritic): یہ ایک ایسا آبی نظام ہوتا ہے جس میں دریاؤں کی تقسیم کسی جھاڑ کے پتوں سے مماثلت رکھتی ہے۔

(2) متوازی یا جالی نما (Trellic): یہ ایک ایسا آبی نظام ہے جس میں دریا متوازی یا باہم متوازی سمت میں بہتے ہوئے بڑے دریا میں شامل ہو جاتے ہیں۔

(3) قطری (Radial): قطری آبی نظام میں دریاؤں کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے جیسے مختلف دریا ایک مرکز سے پھوٹ کر مختلف سمتوں میں بہتے ہوئے بڑے دریا میں مل رہے ہوں۔

آتش فشانی خاکی تقویم (Volcanic Ash chronology): جب آتش فشاں پھٹ پڑتے ہیں تو آتش فشانی مادوں میں آتش فشانی خاک (Volcanic Ash) بھی شامل ہوتی ہے اور اس آتش فشانی خاک کی یہ خصوصیت کہ ایک ہی وقت میں کافی بڑے علاقے پر اس کی پتلی پرت جمع ہو جاتی ہے جو سارے علاقوں میں بالکل ہم عمر ہوتی ہے، عمر پیمائی میں کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ نقشہ سازی اور طبقاتی تسلسل اور تطابق (Correlation) میں یہ پرت کلیدی پرت (Key Bed) کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور اضافی طور پر اس طرح ہر کالم میں یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون سی پرتیں اس سے قدیم تر اور کون سی کم عمر کی ہیں۔ اس طرح کے ارضیاتی کالموں کا طبقاتی مقابلہ بھی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان میں سے ہر کالم میں آتش فشانی خاکی پرت موجود ہو۔ جب یہ آتش فشانی خاکی پرت تغیر کے باعث بنٹونائیٹ (Bentonite) میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس کے بعد بھی اس کی وقعت اسی طرح برقرار رہتی ہے اور اہمیت بھی بدستور قائم رہتی ہے۔ اس طرح آتش فشانی خاکی پرتیں طبقات کی عمر اور ان کے تسلسل یا تطابقت ظاہر کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہیں۔

آتشی برکانی حجرات (Pyroclastic Rocks): آتش فشانیت کے دوران جو مادے کرۂ ہوا میں چلے جاتے ہیں یا سطح زمین پر آ جاتے ہیں وہ بعد ازاں جم کر ان حجرات کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

(1) برکانی بم (Volcanic Bomb): عام طور پر سوراخ دار لاوے (Vesicular Lava) کے بے حد بڑے بڑے ٹکڑے جو ہوا میں کچھ دور تک اڑ کر چلے گئے ہوں۔ یہ آتش فشاں پہاڑ کے قریب ہی پائے جاتے ہیں کیونکہ اپنے وزن کی وجہ سے زیادہ دور تک نہیں جا سکتے۔

(2) جھاواں پتھر (Pumice): بے حد سوراخ دار برکانی مادے جو اس حد تک سوراخ دار ہوتے ہیں کہ پانی پر تیرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ عام طور پر ترشئی لاوے سے حاصل ہوتے ہیں (دیکھئے آتشی سوراخ)۔

(3) سکوریا (Scoria): یہ بھی کافی سوراخ دار (Vesicular) (دیکھئے آتش سوراخ) ہوتے ہیں، مگر اپنی زیادہ کثافت اضافی کے باعث پانی پر تیرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ان کی زیادہ کثافت اساسی لاوے سے حصول کے باعث ہوتی ہے۔ یہ اور جھاوان (Pumice) لاوے کے "جھاگوں" کے انجماد سے بنتے ہیں۔

(4) توف یا مسام دار برکانی حجر (Tuff): نابستہ آتشی برکانی مادے جن کی تقسیم ذروں کے سائز اور ترکیب کے مطابق کی جاتی ہے، بستگی کے بعد توف کی تشکیل کرتے ہیں۔ ایسے نابستہ مادے فشانی راکھ / خاک (Volcanic Ash)، بے حد باریک مادے اور لے پلی (Lapilli) (4 سے 22 مم تک سائز کے مادے) وغیرہ ہوتے ہیں۔ عام طور پر 2 مم سے کم سائز کے ریزوں سے بنے حجر کو ہی توف کہا جاتا ہے۔ اس سے بڑے سائز کے ریزوں سے بنے حجر کو ایگلومریٹ (Agglomerate) کہتے ہیں۔

آتشی حجرات (Igneous Rocks):

حجرات کی تین قسموں میں سے ایک قسم ابتدائی حجرات (Primary Rocks) ہیں۔ عموماً رسوبات اس قسم کے حجرات کی فرسودگی اور کاٹ سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ عام طور پر قلمی (Crystalline) ہوتے ہیں مگر بے قلم حجرات سطح زمین پر نایاب ہیں جنہیں برکانی شیشہ (Volcanic Glass) کہتے ہیں۔ زیادہ تر آتشی حجرات ایک سلیکیٹ مائع (Silicate Melt) یا میگما کے انجماد اور قلماؤ (Crystallisation) سے وجود میں آتے ہیں۔ جب یہ میگما زمین کی عمیق گہرائی میں منجمد ہوا ہو اور قلمایا ہو تو قعری (Plutonic) آتشی حجرات وجود میں آتے ہیں اور جب میگما سطح پر لاوے کی صورت میں بہنے کے بعد منجمد ہو تو برکانی (Volcanic) حجرات بنتے ہیں۔ درمیانی گہرائی میں دخولی اور نیم قعری حجرات قلماتے ہیں۔

ان کی درجہ بندی کا انحصار کئی نکات پر ہے جیسے (ا) سیر شدگی (Saturation) کا درجہ۔ آتشی حجرات کے سلسلے میں سیر شدگی سلیکا کی مقدار کے مطابق مقرر کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے 60 فی صد سے زیادہ سلیکا (Silica SiO_2) کے حامل حجرات ترشئی (Acid) حجرات، 45 تا 60 فی صد سلیکا کے حامل اساسی (Basic) حجرات اور 45 فی صد سے کم سلیکا کے حامل حجرات، غیر سیر شدہ ماورائے اساسی (Ultra-Basic) حجرات کہلاتے ہیں۔

(2) فیلسپار کی قسم کی بنیاد پر یہ قلوی اور کیلسائی (Calc-Alkali) آتشی حجرات کہلاتے ہیں۔

(3) دانے کا سائز: (i) بے حد موٹے دانے دار۔ 5 سم سے زیادہ

(ii) موٹے دانے دار۔ 5 سم اور 3 سم کے مابین

(iii) درمیانی دانے دار۔ 1 سم اور 3 سم کے مابین

(iv) باریک دانے دار۔ ایک سم سے کم

شیشائی (Glassy) جن میں قلم بالکل نہ ہوں۔ بلکہ تمام میگمائی مادہ ناقلمیاتی حالت میں موجود ہو۔

(4) (الف) بافت (Texture) یعنی دانے کی شکل اور قلمی صورت: (i) اصل شکل (Idiomorphic or Euhedral) جب قلم مکمل طور پر نظر آئیں۔ (ii) جزو شکل یا ذیل شکل (Hypidiomorphic or Subhedral) ۔ جب قلمی شکل نامکمل طور پر نظر آئے اور کچھ حدود نا استوار ہوں۔ (iii) ناشکل (Allotriomorphic or Anhedral) جب قلمی شکل بالکل نہ دیکھی جا سکے اور دانے کی حدود نا استوار (Irregular) ہوں۔ (ب) قلماؤ (Crystallisation) کا درجہ: (i) ہمہ قلمی (Holocrystalline) جب دانے قلمیدہ ہوں اور (ii) ہمہ نباتیاتی یا شیشائی (Holo-Yalline) جبکہ قلم بالکل نہ ہو اور محض شیشہ موجود ہو۔ (ج) قلموں یا دانوں کا باہمی رشتہ: (i) آفاٹک (Ophitic) اور (ii) پائکلیٹک (Poiklitic) بافت۔ بہت چھوٹے قلموں کی بافت۔ (د) قلموں یا دانوں کے سائز کی تبدیلی: اگر کچھ بڑی بڑی قلمیں بے حد باریک اطرافی مادے میں پائی جائیں تو اس بافت کو پارفیرائٹک (Porphyritic) کہتے ہیں۔ بڑی قلموں کو کلاں بلور یا کلاں قلم (Phenocryst) اور آس پاس کے باریک دانوں یا قلموں کو گراؤنڈ ماس (Groundmass) یا اطرافی مادہ کہا جاتا ہے۔

آتشی حجرات (Igneous Rocks):

آتشی حجرات، زمین پر اور اس کے اندر پائے جانے والے حجرات میں سب سے اہم ہیں۔ یہ حجرات زمین کے اندر یا سطح پر زبردست درجہ حرارت کی موجودگی میں خارج ہونے والے مائع کے ٹھوس شکل اختیار کرنے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ سیال میگما کے ٹھوس شکل اختیار کرنے سے جو حجرات بنتے ہیں وہی آتشی حجرات کہلاتے ہیں۔ آتشی حجرات کو تین بڑے گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(1) زیر زمین آتشی حجرات: ایسے آتشی حجرات جو زمین کے اندر

بہت گہرائی میں پائے جانے والے زبردست دباؤ اور حرارت کی موجودگی میں پگھلے ہوئے مادے کے ٹھوس شکل اختیار کرنے سے بنتے ہیں۔ ایسے پگھلے ہوئے مادے کو جو سطح زمین پر خارج ہونے نہیں پاتا، میگما (Magma) کہا جاتا ہے۔ اس لیے ان آتشی حجرات کو میگمائی حجرات (Magmatic Rocks) بھی کہا جاتا ہے۔ زمین کی اوپری پرت (Crust) اور سطح زمین پر بیشتر براعظم اسی قسم کے آتشی حجرات سے بنے ہیں جن کو گرینائٹ کہا جاتا ہے (دیکھیے گرینائٹ)۔

(2) آتش فشانی حجرات: ایسے آتشی حجرات ہیں جو لاوے کے ٹھوس شکل اختیار کرنے سے لازمی طور پر سطح زمین پر وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس طرح میگما (Magma) کے مقابلے میں لاوا (Lava) وہ آتشی سیال مادہ ہے جو زمین کی تہوں سے نکل کر سطح زمین پر خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس آتشی سیال مادے سے جو حجرات بنتے ہیں ان کو لاوا حجرات (Volcanic Rocks) بھی کہا جاتا ہے۔ بسالٹ (Basalt) ایک ایسا ہی آتش فشانی حجر ہے جو عام طور پر سمندروں کے فرش کا جزو ہوتا ہے۔

(3) درمیانی آتشی حجرات: یہ ایسے آتشی حجرات ہیں جن میں میگما (Magma) نہ تو زمین کے اندر بہت گہرائیوں میں منجمد ہو سکا ہو اور نہ ہی وہ سطح زمین پر خارج ہوا ہو بلکہ یہ درمیانی گہرائیوں میں ہی منجمد ہوا ہو۔ ایسے حجرات کم یاب اور غیر اہم ہیں۔ اس قسم کے حجرات کو انگریزی میں نیم قعری حجرات (Hypabyssal) کہتے ہیں۔ پیگماٹائٹ (Pegmatite) درمیانی آتشی حجرات کی سب سے عام مثال ہے۔ جو اکثر و بیشتر گرینائٹ کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔

آتشی حجرات کی شکلیں (Forms of Igneous Rocks):

آتشی حجرات مختلف شکلوں میں پائے جاتے ہیں۔ قعری اور نیم قعری آتشی حجرات اکثر متداخل (Intrusive) ہوتے ہیں۔ زیادہ گہرائی میں قلمانے والے قعری حجرات کے بڑے جسم کو عام طور پر، ممعقہ (Pluton) کہا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر استوانی (Cylindrical) ہوتے ہیں۔ ایسی ہی شکلیں جھولتھ (Batholith) وغیرہ بھی ہیں۔ نیم قعری حجرات بیشتر اوقات حجری سویا ڈائک اور سل کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ برکانی حجرات (Volcanic Rocks) میں لاوا ابلا کی ہو سکتا ہے یا رسانما (Ropy)۔ کوہ آتش فشاں سے متعلق شکلیں دہانہ (Crater)، ڈاٹ (Plug) وغیرہ ہوتی ہیں۔

آذربائیجان: خود مختار آزاد جمہوریہ آذربائیجان کوہ قاف کے جنوبی پہلوؤں پر واقع ہے۔ یہ دسمبر 1991 میں ایک آزاد ملک بن گیا۔ اس ملک کی تقریباً 40 فیصدی زمین پست ہے۔ بعض علاقے سطح سمندر سے بھی نیچے ہیں۔ تقریباً نصف حصہ 1,300 تا 4,900 فٹ بلند ہے۔ دس فی صد علاقہ 4,900 فٹ سے زائد اونچا ہے۔ آذربائیجان کا کل رقبہ 87,000 مربع کلومیٹر (33,400 مربع میل) ہے۔ اس کی آبادی 1989 میں 7,021,178 تھی۔ اوسطاً فی مربع میل 200 افراد آباد ہیں۔ آب و ہوا خشک، نیم حارّی (ٹراپکی) ہے۔ موسم سرما معتدل اور موسم گرما شدید اور طویل ہوتا ہے۔ آب پاشی اور صنعت کو کافی فروغ ہوا ہے۔ باکو، جو اس کا صدر مقام ہے، بحیرۂ کیسپین کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

آرٹی کولیٹا (Articulata): عائلہ بریکیوپوڈا (Brochiopoda) کی ایک جماعت جس میں وہ جانور شامل ہیں جن کے خول کیلسائی (Calcareous) ہوتے ہیں اور ترقی یافتہ جوڑ دار دانت اور سانچے (Teeth and Socket) جن سے خول کے دونوں مصرع یا والو (Valves) مضبوطی سے جڑے ہوتے ہیں (دیکھیے بریکیوپوڈا)۔

آرجی لیشیائی رسوب / حجرات (Argillaceous Sediments/ Rocks): طلیل حجرات یا رسوب کی ایک قسم جس میں چکنی مٹی (Clay)، شیل (Shale)، کیچ پتھر یا مڈ اسٹون (Mudstone) سلٹ، اسٹون (Siltstone) اور مارل (Marl) شامل ہوتے ہیں۔ ان حجرات کی بنیادی خصوصیت ذروں کے سائز کا 1/16 مم سے کم ہونا ہے۔ مگر اس اعتبار سے اس گروہ کو دو قسم کے حجرات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سلٹ (Silt) (ذروں کا سائز 1/16 سے 1/266 مم تک) اور چکنی مٹی (Clay) (ذروں کا سائز 1/266 مم سے بھی کم)۔

ان کے اہم جمادی اجزا چکنی مٹی کے جمادات (Clay Minerals) ہوتے ہیں مگر اس کے علاوہ یہ لسونتی (Colloidal) مادوں، کوارٹز کے باریک ذروں، کاربونیٹ گرد (Carbonate Dust) اور پائرائٹ (Pyrite) وغیرہ کے حامل بھی ہوتے ہیں۔

ایسے حجرات ہمیشہ پانی میں ذخیرہ پذیر ہوتے ہیں چاہے وہ تازہ دریائی پانی ہو یا نمک آلود پانی یا سمندری پانی۔

آرڈووشین دور (Ordovician Period): قدیم حیاتی عہد کا وہ دور جو 500 ملین سال قبل (کیمبرین کے بعد) شروع ہو کر 435 ملین سال قبل سائیلورین (Silurian) عہد تک جاری رہا۔ اس دور سے فوراً قبل شمالی اور جنوبی نصف کروں میں پہاڑوں کی تخلیق عمل میں آئی تھی۔ اس دور میں بھی نیز وسطی اور

آخری آرڈویشین زمانہ میں اپے لیشین (Appalachian)، کیلی ڈونین (Caledonian) اور یورال (Ural) علاقوں کے ارضی ہم میلانی کاسوں میں لیے پہاڑوں کی سربلندی (Uplift) عمل میں آئی۔ وسیع پیانے پر آتش فشانیت بھی جاری رہی۔ اسی دور میں پہلی بار مچھلی پیدا ہوئی۔ اگرچہ اس دور میں بریکیو پوڈا (Brachiopoda)، ٹرائلوبائٹ (Trilobita)، مولسک (Mollusc) اور کرنائڈ (Crinoidea) وغیرہ کے باقیات پائے جاتے ہیں مگر ان میں سب سے اہم گریپٹولائٹ (دیکھئے گریپٹولائٹ Graptiolites) ہیں۔

اس دور میں آب و ہوا عام طور پر گرم رہی مگر دور کے ختم ہوتے ہوتے سرد ہونا شروع ہو گئی۔

آرڈوینو، گیووانی (Ardvinu, Giovanni): آرڈینو 1713 میں پیدا ہوا اور 1795 میں وفات پائی۔ وہ کئی اطالوی کالون کا ناظم اور پروفیسر تھا۔ وہ اس لیے مشہور ہے کہ اس نے سب سے پہلے حجرات کی ترتیب (Succession) کی تقسیم ابتدائی نارکازیہ حجرات (Primary Non-Fossilised)، ثانوی رکازیہ حجرات (Secondary Fossilised) اور ٹرشیری یا ثلاثی ریتیلے حجرات (Tertiary Arenaceous) میں کی۔ اس کے علاوہ اس نے دریائی مٹی (Alluvium) کی بھی ذیلی تقسیم کی تھی۔

آرسینیو: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

آرمینیا: جمہوریہ آرمینیا کوہ قاف کے جنوب میں واقع ہے اور سطح سمندر سے اوسطاً 5,900 فٹ بلند ہے۔ اس کا رقبہ 29,800 مربع کلو میٹر (11,500 مربع میل) ہے۔ سنہ 1985 میں اس کی آبادی 3,339,000 تھی۔ ارارات کی وادی میں بہت گنجان آبادی ہے۔ یریوان (Yerevan) اس کا صدر مقام ہے۔ قدیم زمانہ سے آرمینیا تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ آب و ہوا خشک براعظمی ہے، تاہم صنعت و زراعت کو کافی فروغ ہوا ہے۔

آسام: ہندوستان کی ایک ریاست یا صوبہ ہے۔ یہ ملک کے شمال مشرق حصہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں کوہ ہمالہ اور بھوٹان، شمال مشرق میں اروناچل پردیش، مشرق میں ناگالینڈ اور منی پور، جنوب اور مغرب میں بنگلہ دیش اور تری پورہ اور مغرب میں مغربی بنگال واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 78,533 مربع کلو میٹر اور 1991 کی مردم شماری کے اعتبار سے آبادی 22,414,322 ہے۔ اوسط سالانہ بارش 215 سنٹی میٹر اور آب و ہوا گرم و مرطوب ہے۔ اہم دریا برہم پتر ہے۔

آسام کو دو طبعی حصوں (1) وادی برہم پتر اور (2) پہاڑی علاقے میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وادی برہم پتر کے زرخیز میدانی علاقے میں چاول، تیل کے بیج اور پٹ سن کی کاشت کی جاتی ہے۔ پہاڑی علاقے میں چائے کے وسیع باغات ہیں۔

بڑا علاقہ جنگلات پر مشتمل ہے۔ پٹرولیم، کوئلہ اور چونا پتھر اہم معدنیات ہیں۔ ریشم کے کیڑے پالنا، سوتی اور ریشمی دستی پارچہ بافی (ہینڈلوم) اہم صنعتیں ہیں۔ ڈگبوئی میں تیل صاف کرنے کا بڑا کارخانہ ہے۔ یہاں کافی مقدار میں تیل بھی نکالا جاتا ہے۔

آسٹریلیشیا: یہ بحرالکاہل کے جزیرائی خطہ کا نام ہے۔ اس میں درج ذیل علاقے شامل ہیں۔

مجمع الجزائر ملایا، فلی پائن، پالی نیشیا، میلانیشیا، مائکرونیشیا، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا۔ بعض جغرافیہ داں براعظم انٹارکٹیکا کو بھی ان ہی کے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ کبھی صرف آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ان کے ماتحت علاقوں کو اس نام سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

آسٹریا: جرمن زبان میں اس کا نام اسٹریخ ہے۔ یہ وسطی یوروپ میں ایک وفاقی جمہوریہ ہے۔ اس کے جنوب میں سلووینیا (یوگوسلاویہ) اور اٹلی، مغرب میں سوئزرلینڈ اور لیچ ٹنسٹین، شمال میں چکوسلواکیہ اور جرمنی اور مشرق میں ہنگیری واقع ہیں۔ رقبہ 83,853 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 میں تقریباً 7,823,000 تھی۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ویانا یا وین ہے۔ عام زبان جرمن ہے۔ اکثریت کا مذہب رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔ آسٹریا کا تین چوتھائی علاقہ کوہ آلپس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے تین بڑے سلسلے مغرب سے مشرق کی طرف چلے گئے ہیں۔ دریائے ڈینیوب اور اس کے معاون اسے سیراب کرتے ہیں۔ آلپس کے اطراف کے علاقوں میں بڑے بڑے جنگل ہیں اور آبادی کی بڑی اکثریت جنگل کی پیداوار حاصل کر کے اور مویشی پال کر گزر بسر کرتی ہے۔ دوسرے علاقوں میں زراعت کافی ترقی یافتہ ہے۔ گیہوں، رائی، اوٹس، بارلی، آلو وغیرہ پیدا کئے جاتے ہیں۔ انگور کی بھی بڑے پیانے پر کاشت ہوتی ہے جس سے شراب بنتی ہے۔

گریفائٹ، لوہے، مینگنیز، تانبہ، جست اور لگنائٹ وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔ مشینری، کپڑے، کیمیائی اشیاء، لوہے، فولاد اور کاغذ کی صنعتیں ہیں اور یہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سب مصنوعات برآمد بھی ہوتی ہیں۔ تجارت زیادہ تر مغربی یوروپ کے ملکوں سے ہوتی ہے۔ آسٹریا یوروپ کے سب سے بڑے سیاحتی کے مرکزوں میں سے ہے۔ سالانہ ایک کروڑ چندرہ لاکھ سے زیادہ سیاح یہاں آتے ہیں۔

رائج سکہ شلنگ ہے۔

ابتدائی مدارس میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 378,676 طالب علم اور 34,902 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 756,385 طالب علم، حرفی مدرسوں میں 303,604 طالب علم اور عام اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 216,529 طالب علم تھے۔

تاریخ: پچھلی دس صدیوں میں آسٹریا کا جغرافیائی اور سیاسی تصور برابر بدلتا رہا ہے۔ یہ مقدس رومن سلطنت، ہیپس برگ خاندان کی سلطنت اور آسٹرو ہنگیرین سلطنت، وغیرہ کا حصہ رہا ہے۔ موجودہ دور میں آسٹریا کے معنی وہ حصہ ملک ہے جہاں جرمن زبان بولی جاتی ہے۔

آسٹریا یوروپ کے چوراہے پر واقع ہے۔ ویانا گویا ڈینیوب کے میدانی علاقہ میں داخل ہونے کا دروازہ ہے اور برینر کے درہ کو پار کیجئے تو جرمنی اور اٹلی پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ نہایت قدیم زمانہ سے آسٹریا کو یوروپ کی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہاں سے فوجیں گزرتی اور حملہ کرتی رہی ہیں اور یہ جنگوں کا مرکز رہا ہے۔

چودھویں صدی قبل مسیح میں جب روم نے اس پر قبضہ کیا تو یہ کلٹ کے ہاتھ میں تھا۔ پانچویں صدی عیسوی میں ہنون نے اس پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد یہ لومبارڈ و اور بویریا والوں کے حملوں اور ان کے ہاتھوں تباہی کا شکار رہا۔ 600 میں مشرق کے غلاموں نے اس کو تہس نہس کر دیا۔ 788 میں شارل مان نے اس پر قبضہ کیا۔ ان حملوں اور قبضوں کا سلسلہ برابر چلتا رہا۔ 976 میں شہنشاہ آٹو دوم نے لیوپولڈ بابنبرگ کو آسٹریا ایک جاگیر کے طور پر دے دیا اور یہاں سے آسٹریا کے حکمراں خاندان کی بنیاد پڑی۔ گیارہویں اور بارہویں صدی میں جاگیرداری نظام یہاں اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ شہر ابھرنے لگے اور دریائے ڈینیوب بڑے پیمانے پر تجارت کا راستہ بن گیا۔

1272 میں جرمن بولنے والے علاقوں نے روڈلف ہیپسبرگ کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ روڈلف نے غیر جرمن آبادی والی وہ جاگیریں بھی حاصل کر لیں جو اس سے الگ ہو گئی تھیں۔ اس کے جانشین سلطنت کو اور وسعت دیتے رہے۔

1428 میں البرٹ دوم جرمنوں کا بادشاہ منتخب ہوا اور یہاں ہیپسبرگ خاندان کے لوگ مقدس رومن سلطنت کے حکمراں چنے جانے لگے۔ اپنی مصروفیات کے باوجود یہ حکمراں آسٹریا پر خاص توجہ دیتے تھے۔

فرانس اور ترکی سے رقابت اور لڑائیوں کی وجہ سے نیز معیشت میں تبدیلی، تجارت کے تیزی کے ساتھ فروغ اور تاجروں کے عروج سے جاگیرداری نظام کا ڈھانچہ بدل رہا تھا۔ اس کے ساتھ پروٹسٹنٹ تحریک پھیل رہی تھی۔ کسانوں میں بغاوت پھیل رہی تھی اور وہ اپنے حقوق منوا رہے تھے۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہیپسبرگ حکمرانوں اور رومن کیتھولک کلیسا میں گہرا تعلق قائم ہو گیا جو صدیوں تک باقی رہا۔ اس دور میں آسٹریا میں ایک نہایت اہم شخصیت پیدا ہوئی وہ تھی ملکہ ماریا تھریسا۔ 1745 میں فرانس اول نے آسٹریا کا تخت سنبھالا لیکن اصلی حکمراں اس کی بیوی ماریا تھی۔ اس نے بے شمار اصلاحات کیں۔ کئی علاقے فتح کر کے اپنی ریاست میں ملائے۔ اس کے جانشین جوزف دوم نے اپنی ماں کی اصلاحات اور فتوحات کو اور آگے بڑھایا۔ اس کے دور تک تاجر اور سرمایہ دار طبقہ کافی طاقت ور ہو چکا تھا۔

جاگیرداری بالکل ڈھل چکی تھی اور ادب اور فنون لطیفہ ترقی پا رہے تھے۔ ایک نئی ہوا چلنے لگی تھی۔ انقلاب فرانس کی لہر تیز چل رہی تھی۔

1792 میں فرانس دوم کو نپولین کی بڑھتی فوج کا سامنا کرنا پڑا۔ حب وطن اور جوش کے باوجود شکست کا سامنا ہوا اور 1812 میں اسے روس کے حملہ کے وقت نپولین کا ساتھ دینا پڑا۔ لیکن 1813 میں نپولین کے مخالف اتحادیوں کے ساتھ پھر شریک ہو گیا۔ ویانا کانفرنس (15-1814) میں آسٹریا کو اپنے پورے علاقے نہیں ملے۔ نیدرزلینڈ کے علاقے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس کے باوجود جرمن کانفیڈریشن اور "مقدس اتحاد" میں اسے اہم مقام حاصل رہا اور وزیر اعظم میٹرنخ کی سرکردگی میں وہ یوروپ کی ایک نہایت اہم طاقت بن گیا۔ بعد کے برسوں میں آسٹریا کو بغاوتوں، بے چینی، لڑائیوں وغیرہ کا سامنا کرنا پڑا۔

جاگیرداری نظام ختم ہو رہا تھا۔ نیا نظام آ رہا تھا اور اس کی آمد سے طرح طرح کی مشکلیں پیش آ رہی تھیں۔ چنانچہ 1864 میں پرشیا کے ڈکٹیٹر بسمارک نے اس پر حملہ کر کے اس کی طاقت کچل دی اور آسٹریا کو جرمن وفاق سے نکال دیا گیا۔ اب آسٹریا اور ہنگری کے تعاون سے ایک آسٹرو ہنگیرین ریاست بنی لیکن اس کے اندر کئی اور دوسری قوموں کے لوگ بھی تھے۔ قوم پرستی کا جذبہ ہر طرف ابھر رہا تھا۔ بے چینی بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ جب پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کے ساتھ آسٹریا۔ ہنگری کو بھی شکست ہوئی تو یہ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

ورسائی کے معاہدے کے مطابق آسٹریا ایک چھوٹی سی ریاست بن گیا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جس کی آبادی صرف ساٹھ لاکھ تھی اور اس پر پابندی لگادی گئی کہ وہ جرمنی کے ساتھ کسی قسم کا سیاسی یا معاشی اتحاد قائم نہیں کرے گا۔ چنانچہ آسٹریا سخت معاشی مشکلوں کا شکار رہا اور ملک کے اندر نیشنل سوشلسٹ پارٹی کا زور بڑھنے لگا اسے ہٹلر نے خوب ہوا دی اور آخر کار مارچ 1938 میں جرمن فوجیں یہاں داخل ہو گئیں اور آسٹریا جرمنی کا حصہ بن گیا۔

دوسری جنگ عظیم میں جب ہٹلر کو پسپائی کا سامنا ہوا تو روس اور امریکی فوجوں نے اسے آزاد کروالیا۔ روس اور امریکہ میں اختلافات کی وجہ سے 1955 تک صلح نامہ طے نہ پاسکا۔ آخر کار 15 مئی 1955 کو روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے درمیان معاہدہ ہوا اور آسٹریا کو آزادی اور خود مختاری مل گئی۔ اس نے غیر جانبداری کی پالیسی کا بھی وعدہ کیا لیکن بعد میں معاشی اور سیاسی طور پر مغربی یوروپ اور امریکہ سے اس کے تعلقات قریبی ہو گئے اور اس نے یوروپی مشترکہ منڈی سے بھی قریبی تعلق پیدا کر لیا۔ اب یہاں جمہوری نظام حکومت قائم ہے۔ دو بڑی پارٹیاں ہیں ایک قدامت پرست پیپلز پارٹی اور دوسری سوشلسٹ پارٹی۔ دونوں کی طاقت تقریباً برابر ہے اس لیے اقتدار میں بھی دونوں کو برابر کا حصہ ملتا رہتا ہے۔ 1955 میں آسٹریا اقوام متحدہ کی رکن بن گئی۔ 1960 تک ملک خاصا مالدار ہو گیا تھا۔ 1966 تک یہاں پیپلز پارٹی اور سوشلسٹ پارٹی میں توازن برقرار رہتا تھا اور مخلوط کیبنٹ بنتی تھی۔ 1966 میں پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہو گئی لیکن 1970 میں سوشلسٹ پارٹی نے ان کو بالکل ہرادیا۔ 1971 میں جرمن زبان بولنے والے باشندوں کے سلسلہ میں اٹلی کے ساتھ جو تنازعہ چل رہا تھا، اس کو ایک صلح نامہ کے ذریعہ حل کیا گیا۔ 1983 تک سوشلسٹ گورنمنٹ کا چانسلر کریسکی رہا۔

1986 میں اقوام متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری کرٹ والڈ ہیم صدر منتخب ہوئے۔ 1986 میں آسٹریا نے یوروپین کمیونٹی کی رکنیت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ 1992 میں آسٹریا پیپلز پارٹی کے تھامس کلیسل نے صدر کا انتخاب جیت لیا۔

آسٹریلیا۔ براعظم: دنیا کا سب سے چھوٹا براعظم اور جزیرہ تسمانیہ کو ملا کر رقبہ کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا رقبہ ریاست ہائے متحدہ سے کچھ چھوٹا اور انگلستان کے رقبہ کا 25 گنا ہے۔ کل رقبہ 7,713,364 مربع کلو میٹر (2,966,200 مربع میل ہے) 1991 میں آبادی 17,336,000 تھی۔ صدر مقام کینبرا (Canberra) ہے۔ سب سے بڑا شہر سڈنی ہے۔ عام اور سرکاری زبان انگریزی ہے۔ 31 فی صدی آبادی انگلستان کے عیسائی کلیسا کی پیرو ہے۔ 27 فی صدی رومن کیتھولک اور باقی دوسرے کلیساؤں کے پیرو ہیں۔

آسٹریلیا کا نام سب سے پہلے ایک برطانوی مہم جو فلائنڈر نے 1800 میں رکھا تھا۔ یہ ایک لاطینی اصطلاح ٹیرا آسٹرالس (Tera Australis) سے ماخوذ ہے جس کے معنی جنوبی علاقہ کے ہیں اور یہ اصطلاح شروع میں جنوبی افریقہ اور جنوبی امریکہ کے درمیان کے پورے علاقے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

آسٹریلیا کا مغربی نصف علاقہ بڑے وسیع سطح مرتفع کے علاقوں پر مشتمل ہے۔ مشرق میں جنوبی بحرالکاہل پر ایک نہایت پتلا میدانی علاقہ چلا گیا ہے اور اس کے بعد دور تک ایک وسیع پہاڑی سلسلہ ہے جو ساگوان کے درختوں سے بھرا ہوا ہے۔ مشرق کے پہاڑی سلسلہ میں اور مغرب کے سطح مرتفع کے درمیان وسطی تاس ہے جو کسی زمانہ میں سمندر کا حصہ تھا۔ اور اب وہ اطراف کے پہاڑوں کی مٹی سے بھر گیا ہے۔

ملک کے اندر آب و ہوا زیادہ تر خشک ہے۔ سالانہ 12.5 سینٹی میٹر سے 25 سینٹی میٹر (پانچ سے دس انچ) تک بارش ہوتی ہے یہاں کے دریا آہستہ آہستہ بہتے ہیں۔ جب بھی بارش ہوتی ہے تو پورا علاقہ پودوں اور پھولوں سے رنگین بن جاتا ہے۔ مشرق کے ساحلی علاقہ میں شمال سے جنوب تک میدانی علاقہ اور پہاڑی ڈھلوانی علاقہ ہے جو زیادہ سے زیادہ 4,800 کلو میٹر (3000 میل) چوڑا ہے اور آسٹریلیا کی آبادی کا بڑا حصہ اسی علاقہ میں آباد ہے۔ ملبورن سے برسبین تک کے جنوب مشرقی علاقہ کی آب و ہوا انتہائی معتدل اور خوشگوار ہے۔ وسطی علاقہ نیم ریگستانی ہے اور شمالی علاقہ کافی گرم ہے۔

ان کے آسٹریلیا مویشیوں کی پرورش، ان کے دودھ سے مکھن اور پنیر بنانے، گوشت اور بھیڑوں کے اون کے لیے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اسپین، جرمنی اور فرانس وغیرہ سے بھیڑیں یہاں لاکر ان کی افزائش نسل اور پرورش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ گیہوں بڑے پیمانے پر پیدا کیا جاتا ہے۔ برآمد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو (بارلی)، اوٹس، مکئی، چاول، گنا (شکر)، تمباکو، ترکاریاں اور پھلوں کی کاشت ہوتی ہے۔

لوہے، باکسائٹ، نکل، تانبہ، الیومنیم، چاندی وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔ سیمنٹ، سوتی کپڑے اور لوہے وغیرہ کے کارخانے ہیں۔

اہم برآمدات، اون، کوئلہ، گیہوں اور کچا لوہا ہیں اور ان کا 33 فیصدی جاپان اور 9 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ برطانیہ، نیوزی لینڈ وغیرہ بھی اہم برآمدی مرکز ہیں۔ درآمد کا 21 فیصدی جاپان سے 20 فیصدی امریکہ سے 12

فیصدی جرمنی سے اور اس کے علاوہ برطانیہ اور نیوزی لینڈ سے آتا ہے۔

1991 میں ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 1,605,720 اور استادوں کی تعداد 96,779 تھی۔ ثانوی حرفی مدارس میں طلبا کی تعداد 1,288,691 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 534,538 طالب علم تھے۔

تاریخ: 1788 سے سفید فام لوگ آسٹریلیا میں بسنا شروع ہوئے۔ اس سے پہلے یہاں دور دراز علاقوں میں سانولے رنگ کے لوگ رہتے تھے جو ثقافتی ترقی کی ابتدائی منزل میں تھے، یعنی نہ کپڑے پہنتے تھے، نہ ان کے مستقل مکان تھے، نہ وہ زراعت جانتے تھے اور نہ مویشی پالنا، صرف پتھر کے اوزار استعمال کرتے تھے۔ وہ حقیقی معنی میں حجری دور میں تھے۔ اس وقت ان کی کل تعداد اندازاً تین سو تھی۔

1776 میں امریکہ میں جنگ آزادی شروع ہوئی اور اس کے ساتھ آسٹریلیا کی طرف سفید فاموں نے رخ کیا جب امریکی مقبوضات برطانیہ کے ہاتھ سے نکل گئے تو ایک سال کے اندر برطانوی جیل خانے مجرموں سے بھر گئے کیونکہ اب تک سزا یافتہ مجرم امریکہ بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اب برطانوی حکومت نے آسٹریلیا کا رخ کیا۔ کیپٹن جیمس کک (James Cook) 1770 میں آسٹریلیا کا پتہ لگا چکا تھا۔ چنانچہ 1785 میں مجرموں کا ایک قافلہ، جہازوں کے ذریعہ، آسٹریلیا روانہ کیا گیا۔ گیارہ بحری جہازوں میں 1500 آدمی روانہ کئے گئے۔ ان میں 800 مجرم تھے۔ یہ 8 ماہ بعد 18 جنوری 1786 کو آسٹریلیا پہنچے اور ساحل کے کچھ اندر اپنا مستقل ٹھکانا بنایا جہاں آج کل سڈنی شہر ہے۔

یہ بستی رسد نہ ہونے کی وجہ سے تقریباً تباہ ہو گئی اور پھر کہیں 1813 میں مغرب کی طرف پہاڑوں سے گزر کر زرخیز علاقوں کا پتہ چلا اور بستیاں بسنی شروع ہوئیں۔ 1901 میں ان بکھری ہوئی بستیوں کو ملا کر کامن ویلتھ آف آسٹریلیا (دولت مشترکہ آسٹریلیا) قائم ہوئی اور اس کا صدر مقام کینبرا قرار دیا گیا۔

انیسویں صدی میں یہاں سونا دریافت ہوا اور اسی کے ساتھ آبادی بڑھنے لگی۔ 1853 میں مجرموں کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا لیکن سونے کے متلاشیوں کے ریلے آتے اور بستے رہے اور آہستہ آہستہ آسٹریلیا نے اپنا ایک روپ دھار لیا۔

اس پورے دور میں آسٹریلیا برطانوی دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا وفادار ممبر رہا۔ پہلی عالم گیر جنگ میں 3 لاکھ 3 ہزار آسٹریلیائی باشندے فوج میں بھرتی ہوئے اور 226,000 نے اپنی جانیں دیں یا زخمی ہوئے، جبکہ آسٹریلیا کی آبادی ابھی صرف پچاس لاکھ تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں آسٹریلیائی سپاہیوں اور بحری بیڑے نے شمالی افریقہ اور مشرق قریب کے مورچوں میں اہم حصہ لیا۔ اور بڑے پیمانے پر انگلستان اور اتحادیوں کے لیے اشیائے خوردنی مہیا کرتا رہا۔ جاپان سے لڑائی چھڑنے کے بعد امریکی فوجوں کے ساتھ آسٹریلیا نے اہم حصہ ادا کیا۔

آسٹریلیا میں برطانیہ کی طرح کا جمہوری نظام حکومت اور اس کی بیرونی پالیسی تقریباً وہی رہی ہے جو برطانیہ کی ہے۔ چنانچہ ویتنام کے خلاف جنگ کے دوران آسٹریلیا کی فوجیں بھی امریکی فوجوں کے دوش بدوش لڑتی رہیں۔ صرف لیبر پارٹی کے دور حکومت میں مختصر عرصہ کے لیے آسٹریلیا نے اپنی پالیسی میں تھوڑی تبدیلی کی اور مغربی طاقتوں کے ساتھ پالیسی میں اتنا گہرا تعاون باقی نہیں رکھا۔

آفیولائٹ (Ophiolite): اساسی (Basic) اور ماورائے اساسی (Ultra-Basic) لاوے اور کچھ آتشی متداخل جو کہ ارضی نشیبوں میں جمع ہوتے ہیں، آفیولائٹ یا آفیولائٹ مرکبے (Ophiolite Complexes) کہلاتے ہیں۔ آفٹک بافت (Ophitic Texture)۔ کچھ بنیادی حجرات کی بافت (خاص طور پر زولوائٹ حجرات کی)، جس میں بڑی بڑی آگائٹ کی قلمیں پلیجیو کلیز (Plagioclase) کی لمبی لمبی قلموں کے کچھ حصے یا ان کو مکمل طور پر احاطہ کرتی ہیں۔ گول روڑوں کی پرت (Pebble Bed)، وہ پرت جس میں گول پتھر (Pebbles) باریک دانے دار مادوں کے بھراؤ کے ساتھ موجود ہوں۔ گول روڑوں کا قطر 4 سے 64 ملی میٹر تک ہوتا ہے (دیکھیے رسوبی حجرات)۔

آک لینڈ (Auckland): 1. نیوزی لینڈ کے شمالی جزیرہ میں مغربی ساحل پر صوبائی ضلع ہے، جو شمالی اور جنوبی دو حصوں میں منقسم ہے۔

2. نیوزی لینڈ کا دوسرے نمبر کا بڑا شہر ہے جو ویٹی ماٹا (Waitemata) اور منوکاؤ (Manukau) کی لنگر گاہوں کے درمیان واقع ہے۔ سنہ 1971 میں آبادی 649,746 تھی۔ ریلوں اور سڑکوں کا جنکشن اور اہم تجارتی مرکز ہے۔ لوہا، فولاد، دودھ، مکھن، پنیر، گوشت اور کھالیں اہم برآمدات ہیں۔ پٹرولیم نیز لوہے اور فولاد کے سامان کے علاوہ شکر، گیہوں اور فاسفیٹ کی درآمد ہوتی ہے۔ انجینئرنگ اور پارچہ بافی کی صنعتوں کے ساتھ چرمی اور چوبی صنعتیں بھی قابل ذکر ہیں۔

آگ آئلینڈ: انڈمان اور نکوبار جزیروں میں سے یہ ایک جزیرہ ہے۔ یہ خلیج بنگال میں واقع ہے۔ اسے شیطانی جزیرہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں بانس کی بنی چیزوں کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

صنعت تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ یہ جزیرہ سمندری دولت سے مالا مال ہے۔

آگن یا چشم نما ساخت (Augen Structure): آگن جرمن زبان میں آنکھ کو کہتے ہیں۔ یہ ساخت کایا بدل حجرات میں پائی جاتی ہے۔ اس ساخت میں بڑے بڑے جمادی قلم (Porphyroblast) عام طور پر کوارٹز کے ہوتے ہیں جو دباؤ کی وجہ سے بیضوی اور "چشم نما" ہو جاتے ہیں اور اوپر اور نیچے ابرک کی جمادات کی پرتیں (Mica Flakes) انھیں گھیرے رہتی ہیں۔ ایسی نائس چٹانیں (Gneiss) جن میں یہ ساخت نمایاں ہوتی ہے، آگن نائس یا "چشم نما نائس" کہلاتی ہیں۔

آمو دریا: وسط ایشیا کا یہ سب سے بڑا دریا سولہ ہزار فٹ کی بلندی سے بہنا شروع کرتا ہے۔ یہ "جیحون" بھی کہلاتا ہے۔ اس میں بہنے والے پانی کا حجم سیحون میں بہنے والے پانی کے حجم سے دو تا تین گنا ہوتا ہے۔ پہاڑی منزل میں یہ مغربی سمت میں بہتا ہے اور تاجکستان اور افغانستان کے درمیان حد بندی کا کام کرتا ہے۔ بلندیوں کو پار کرنے کے بعد آمو دریا شمال مغرب کی طرف مڑ جاتا ہے اور ترکمنستان کے پست ریگستانی علاقہ کو پار کر کے ڈیلٹا بناتا ہوا بحیرۂ ارل میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس دریا کی جملہ لمبائی 1,578 میل ہے جس کا نصف حصہ پہاڑیوں ہی میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے طاس کا رقبہ تقریباً 180,000 مربع میل ہے۔ اس علاقہ میں قدیم زمانہ ہی سے آب پاشی کا سلسلہ جاری ہے۔ اس دریا سے بحیرۂ کیسپین تک پھیلے ہوئے وسیع علاقہ کی آب پاشی کے لیے کئی جدید اسکیمیں بنائی گئی ہیں۔

آمور دریا: مشرقی ایشیا کا یہ دریا جو دریائے شلکا اور ارگن کے ملنے سے بنا ہے، روس اور چین کے درمیان کچھ دور تک قدرتی حد بندی کرتا ہے اور آبنائے تاتار سکی میں داخل ہوتا ہے۔ شلکا اور ارگن کے نظام کے ساتھ اس کی لمبائی 2,705 میل بتائی گئی ہے لیکن اصل آمور صرف 1,768 میل لمبا ہے۔ یہ دریا زیا بوریا (Zeya-Bureya) کے زراعتی میدان کو پار کر کے خبارووسکی (Khabarovsky) اور کومسومولسک (Komsomolsk) کے صنعتی مراکز اور ماہی گیری کے اہم بندرگاہ نکالاعیوسک (Nikalayevosk) کے نواح سے گزرتا ہے۔ اس کے بائیں طرف کے اہم معاون زیا (Zeya) اور بوریا (Bureya) ہیں۔ دائیں جانب کے خاص معاون سنگری اور اوسوری ہیں۔ اس دریا میں مئی سے اکتوبر تک جہاز رانی کی جاسکتی ہے۔

آندھرا پردیش: ہندوستان کی ایک ریاست یا صوبہ ہے۔ یہ ریاست سنہ 1956 میں سابق ریاست حیدر آباد اور صوبہ مدراس کے تلگو بولنے والے علاقوں کو ملا کر بنائی گئی ہے۔ آندھرا پردیش کا رقبہ 276,814 مربع کلو میٹر اور 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 66,508,008 ہے۔ گویا آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے بھارت کی پانچویں بڑی ریاست ہے۔ اس کے شمال میں مہاراشٹرا، مدھیہ پردیش اور اڑیسہ، جنوب میں تامل ناڈو، مغرب میں کرناٹک اور مشرق میں خلیج بنگال واقع ہیں۔ یہ ریاست بڑی کلیدی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ دہلی سے ٹریویٹڈرم تک ممبئی سے چنئی (مدراس) تک تمام اہم سڑکیں، ریلیں اور ہوائی جہاز اسی ریاست سے ہو کر گزرتے ہیں۔

آندھرا پردیش کا مغربی نصف حصہ سطح مرتفع دکن میں اور مشرقی نصف حصہ مشرقی ساحلی میدان میں واقع ہے۔ شمالی حصہ پہاڑی ہے جس کی اوسط سالانہ بارش "45 سے "50 تک ہے۔ جوں جوں جنوب کی جانب جائیں بارش کم ہوتی جاتی ہے۔ آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ گوداوری، کرشنا اور پینر یہاں کے خاص دریا ہیں اور ناگر جنا ساگر، تنگبھدرا، کدم اور پوچم پاڑ اہم منصوبے (پراجکٹس) ہیں۔

یہ ایک زرعی ریاست ہے جہاں چاول بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ گنا، تمباکو، جوار، دھان، باجرا، مکئی، دالیں، کپاس اور مونگ پھلی کی بھی کاشت کی جاتی ہے۔ یہاں کپڑا بننے، شکر سازی، کاغذ سازی اور تمباکو کے کارخانے ہیں۔ یہاں کی دستی پارچہ بافی (ہینڈلوم) کی صنعت اہم ہے۔ یہ ریاست بیدری کام، نرمل کی صنعت اور سونے چاندی کے کام کے لیے بھی مشہور ہے۔

آزادی کے بعد سے ریاست میں کافی صنعتی ترقی ہوئی ہے۔ شہر حیدر آباد میں انجینئرنگ، الکٹرانک، گھڑیاں بنانے، بجلی پیدا کرنے کے آلات بنانے اور ہوائی جہاز بنانے کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہو چکے ہیں۔ وشاکھاپٹنم میں بحری جہاز بنانے اور تیل صاف کرنے کے کارخانے ہیں۔ ایک بڑا فولاد کا کارخانہ قائم ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اضلاع میں کئی چھوٹی صنعتیں قائم ہیں۔

صدر مقام حیدر آباد ہے۔ سرکاری زبان تلگو ہے۔ بڑے شہر وجے واڑہ، گنٹور، ورنگل، تروپتی، کڑپا، کرنول وغیرہ ہیں۔ ریاست میں تقریباً دس یونیورسٹیاں اور کئی کالج ہیں۔

آئرن اسٹون (Iron Stone): اسے عموماً کلے آئرن اسٹون (Clay Iron Stone) بھی کہتے ہیں یہ ایک رسوبی آئرن کاربونیٹ ($FeCO_3$) جماد سڈرائٹ (Sidirite) سے بنا ہوتا ہے۔ اس میں سڈرائٹ کے علاوہ آرجی لیشیائی ملاوٹ ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں اس کو لوہے کی کچی دھات (Iron Ore) کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

طور پر اہم سمجھا جاتا تھا۔

آئس برگ: برف کا تودہ جو سمندر میں داخل ہونے والے گلیشیر کے اگلے حصہ سے، کلاہ برف سے یا برف کے کسی پشتہ سے ٹوٹ کر بحری پانی میں تیر تا رہتا ہے۔ اس کا صرف 1/9 حصہ آبی سطح کے اوپر رہتا ہے۔ بقیہ زیریں حصہ پانی میں ڈوبا رہتا ہے۔ آگے بڑھنے، دیگر اجسام سے رگڑ کھانے، ٹکرانے، بکھرنے اور درجہ حرارت میں اضافہ ہو جانے کے باعث یہ پگھل کر ختم بھی ہو جاتا ہے۔

آئس لینڈ (Iceland): مقامی زبان میں اس کا نام 'اسلینڈ' ہے۔ یوروپ کے سب سے دور مغرب کی ایک جمہوریہ ہے۔ یہ قطب شمالی کے قریب بحر اوقیانوس میں ایک جزیرہ کی صورت میں ناروے کے مغرب میں 9,600 کلو میٹر (6 سو میل) دور اور گرین لینڈ کے جنوب مشرق میں 256 کلو میٹر (160 میل) دور واقع ہے۔ اس کا رقبہ 103,000 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 258,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ریکجاوک ہے۔ زبان آئس لینڈی ہے۔ 97 فیصدی آبادی کا مذہب لوتھیرن عیسائیت ہے۔

اس ریاست میں کئی چھوٹے بڑے جزائر ہیں۔ علاقہ کا بڑا حصہ سطح مرتفع ہے۔ تقریباً 150 آتش فشانی علاقے ہیں۔ گرم پانی کے بے شمار چشمے بھی ہیں جن سے مکانوں کو گرم رکھنے کا کام لیا جاتا ہے۔ آب و ہوا معتدل اور مرطوب ہے جس سے کافی علاقے میں گھاس پیدا ہوتی ہے۔ کل زمین کے صرف 0.5 فیصدی حصہ پر کاشت ہوتی ہے جہاں آلو پیدا کئے جاتے ہیں۔ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ مویشی پالے جاتے ہیں، جن کا گوشت اور دودھ استعمال ہوتا ہے۔ تجارت زیادہ تر مغربی یوروپ، امریکہ اور کچھ روس سے بھی ہوتی ہے۔ سالانہ 72 ہزار سیاح آتے ہیں۔

رائج سکہ کرونا ہے۔

1989 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 25,525 طالب علم اور ثانوی مدارس میں 29,059 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1991 میں 6,161 طلبا زیر تعلیم تھے۔

تاریخ: نویں صدی سے پہلے آئس لینڈ میں آئرلینڈ سے عیسائی آنا شروع ہو گئے تھے۔ نویں صدی میں نارس (Norse) لوگ یہاں آکر بسنا شروع ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ سے غلام بھی لائے تھے۔ نارس کی زبان اور ادب نے یہاں کافی ترقی کی۔ موجودہ آئس لینڈی زبان وہی قدیم نارس زبان ہے۔

کچھ عرصہ بعد آئس لینڈ جاگیروں میں بٹ گیا اور جاگیرداروں میں آپس میں خوب جھگڑے ہوئے۔ ناروے کی حکومت نے مداخلت کی اور اس پر قبضہ جمانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہو سکی۔ اسے ایک منسلک ریاست کی حیثیت دینی پڑی۔ ناروے کی حکومت نے جب زرعی اصلاح کی کوشش کی اور ظلم و تشدد سے کام لیا تو لوگوں میں بے چینی بڑھ گئی۔ 1380 میں ڈنمارک کی حکومت نے ناروے کے ساتھ آئس لینڈ پر بھی قبضہ کر لیا، لیکن اس کی بہتری پر کوئی توجہ نہیں کی البتہ لوتھیرین عقائد ضرور مسلط کر دیے۔ سترہویں اور اٹھارویں صدی میں انگریز، ہسپانوی اور الجیریائی بحری لٹیروں نے بڑی تباہی مچائی۔

انیسویں صدی میں آئس لینڈ میں نئی بیداری آئی۔ قومی کلچر ترقی کرنے لگا اور آزادی کی تحریک اپنے شباب پر پہنچی۔ 1874 میں اسے کچھ اندرونی خود مختاری ملی۔ 1918 میں اس کی آزادی کو تسلیم کر لیا گیا لیکن یہ ریاست ڈنمارک سے جڑی رہی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی نے ڈنمارک پر قبضہ کر لیا تو برطانیہ نے اپنی فوجیں آئس لینڈ میں اتار دیں۔ جنگ کے بعد ڈنمارک سے اس کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ 17 جون 1944 کو اسے مکمل آزادی مل گئی۔ وہ یوروپ کی معاشی کمیٹی اور ناٹو میں شریک ہو گیا اور امریکہ کو فوجی اڈے قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

1946 میں آئس لینڈ اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔ 1951 میں امریکہ کے سپاہی یہاں اڈہ بنانے کی اجازت حاصل کر چکے تھے۔ 1961 میں برطانیہ نے آئس لینڈ کے ماہی گیری کے توسیع شدہ حقوق تسلیم کر لیے۔ 1970 میں آئس لینڈ نے یوروپی فری ٹریڈ ایسوسی ایشن میں شرکت کر لی۔ 1975 میں آئس لینڈ نے اپنی ماہی گیری کی حدود 320 کلو میٹر تک بڑھا لیں، جنھیں 1976 میں برطانیہ نے بھی تسلیم کر لیا۔ 1980، 1984 نیز 1988 کے انتخابات میں 'ووس لفنوگادو تیر' صدر منتخب ہوتا رہا۔ آئس لینڈ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ افراط زر پر کنٹرول کرنا رہا ہے۔

آئسلوبار: یہ موسمی چارٹ پر بنا ہوا ایسا خط ہے جو کسی منتخبہ زمانہ میں فضائی دباؤ کے یکساں تغیرات پیش کرنے والے مقامات کو جوڑتا ہے۔ موسمی نقشہ میں اس قسم کے خطوط سے دباؤ کے نظام کی نشو و نما اور حرکتوں کو واضح کیا جاتا ہے۔

آئل آف مین (Isle of Man): یہ جزیرہ شمالی آئرلینڈ اور انگلستان کے شمال مغربی ساحل سے تقریباً 56 کلو میٹر (35 میل) دور بحیرہ آئرلینڈ میں واقع

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔ یہ برطانیہ کا ماتحت علاقہ ہے۔ رقبہ 588 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 70,000 ہے۔ صدر مقام ڈگلس ہے۔ سیاحت کا بڑا مرکز ہے۔ سالانہ چھ لاکھ سے زیادہ سیاح آتے ہیں۔ یہاں سے باہر خاص طور پر برطانیہ کو مویشی، مچھلیوں سے بنی چیزیں، اونی کپڑا وغیرہ بھیجے جاتے ہیں۔ ان اشیا کی صنعتیں یہاں قائم ہیں۔

آئنو: جاپان کے جزیرہ ہانشو میں اوکاوا ندی کے دہانہ پر ایک شہر ہے جہاں تقریباً 400 گرم پانی کے چشمے موجود ہیں۔ سنہ 1938 کے بعد ریلوں کے پھیل جانے کے باعث یہ تفریح گاہ بن گیا ہے۔ ماہی گیری کا بندرگاہ ہے۔ سنتروں کی تجارت کا مرکز ہے۔

ب

باب المندب: یہ بیس میل چوڑی آبی گزر گاہ خلیج عدن اور بحیرہ احمر کو جوڑتی ہے اور جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی گوشہ کو براعظم افریقہ سے جدا کرتی ہے۔ نہر سویز کی تعمیر کے بعد اس آبنائے سے جہازی آمد و رفت زیادہ ہونے لگی ہے۔

بادامی: کرناٹک میں چالوکیا دور کا ایک قدیم مقام ہے۔ یہاں کے غار اور منادر نہ صرف اپنی تعمیری خوبصورتی کے لیے مشہور ہیں بلکہ میورل (Mural) پینٹنگ کے لیے بہت مشہور ہیں۔

باد پیما: اس آلہ سے ہوا کی رفتار ناپی جاتی ہے اور یہ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کٹوری دار، دوسرا دباؤ کی نلی والا اور تیسرا دباؤ کی تختی والا۔ اسے کھلی اور بلند جگہ پر عموداً کھڑا کر کے ہوا کی رفتار معلوم کی جا سکتی ہے۔ کٹوری دار باد پیما میں ایک اسٹینڈ پر دو دھاتی سلاخیں جن کے سروں پر کٹوریاں لگی رہتی ہیں ایک دوسرے کو قائمہ زاویہ پر قطع کرتی ہوئی اس طرح نصب کر دی جاتی ہیں کہ ہوا کی حرکت سے مسند پر آزادانہ گھوم سکیں۔ اسٹینڈ پر نیچے کی طرف ایک رفتار نما لگا رہتا ہے جو ایک چوڑی دار تار کے ذریعہ مسند کی دندانہ دار چرخی سے متعلق کر دیا جاتا ہے۔ کٹوریوں کی تیز یا سست حرکت کا اثر چرخی کے ذریعہ رفتار نما تک پہنچتا ہے۔ نتیجتاً اس میں لگا ہوا نمائندہ ڈائل پر گھوم جاتا ہے۔ ڈائل پر بنے ہوئے نشانات ہوا کی رفتار کو فی گھنٹہ میلوں میں یا فی سکنڈ فٹوں یا میٹروں میں دکھاتے ہیں۔ مشاہدہ کے وقت نمائندہ جس نشان پر رکا رہتا ہے اس کے مقابل لکھا ہوا ہندسہ ہوا کی رفتار کو ظاہر کر دیتا ہے۔

بادل (ابر): یہ بلند فضاؤں میں پانی کے ننھے ننھے قطروں یا برف کی مہین قلموں کے دھند نما تیرتے ہوئے تودے ہیں جو دھوئیں، نمک اور خاک کے ذرات جو فضا میں تیرتے ہوئے ہوں، ان پر آبی بخارات کی تکثیف کے نتیجہ میں تشکیل پاتے ہیں۔ ان کی بلندیاں اور شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ دنیا کی موسمیاتی انجمن نے وسطی دوائر عرض البلد کے بادلوں کو بلندی کے اعتبار سے تین زمروں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک پست بادل ہیں جو تقریباً دو کلو میٹر کی بلندی تک پھیلے رہتے ہیں۔ دوسرے درمیانی بلندی کے بادل ہیں۔ یہ 2 کلو میٹر سے 7 کلو میٹر کی اونچائی تک پھیل جاتے ہیں۔ تیسرے بلند بادل ہیں جو بالعموم 7 کلو میٹر سے 14 کلو میٹر کی اونچائیوں میں ملتے ہیں۔ شکلوں کی اساس پر بادلوں کو درج ذیل تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(1) سنبلی بادل۔ (2) گالہ نما بادل۔ (3) طبق دار بادل۔

بادلوں کی دیگر اقسام دکھاتے وقت درج ذیل بالا تین اساسی ناموں کے ساتھ لفظ "اونچائی" جوڑ کر بلندیوں کو اور "مطیر" جوڑ کر بارانی کیفیتوں کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح بادلوں کی درج ذیل دس قسمیں بتائی جاتی ہیں۔

(1) سنبلی بادل۔ ریشہ نما سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔

(2) گالہ نما بادل۔ یہ ایسے گھنے بادل ہیں جو بلندیوں میں تودے یا گنبدوں کی شکل میں پھیلے رہتے ہیں۔ ان کے قاعدوں کا پھیلاؤ افقی رہتا ہے مگر بالائی حصے گول ابھار والے ہوتے ہیں۔

(3) طبق دار بادل۔ یہ پرت دار یا تہ دار ہوتے ہیں۔

(4) سنبلی طبق دار بادل۔ ان بادلوں کا پھیلاؤ پتلی سفید چادر کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ ان سے سورج یا چاند دھندلے تو نہیں ہوتے لیکن ان کے گرد "ہالوں" کے سے پھیلاؤ نمایاں ہو جاتے ہیں۔

(5) سنبلی گالہ نما بادل۔ ان بادلوں کا لہریئے دار پھیلاؤ سفید کروی ٹکڑوں یا سایہ نہ ڈالنے والے روئی کے گالوں کا سا دکھائی دیتا ہے۔

(6) طبق دار گالہ نما بادل۔ یہ بھورے رنگ کے پرت دار کرہ نما بادل ہیں۔

(7) درمیانی بلندی کے گالہ نما بادل۔ یہ اوسط بلندی والے (2 تا 7

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

کلو میلس) چھوٹے چھوٹے پتلے کپاسی بادل ہیں جو چھتے کروی تودوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

(8)درمیانی بلندی کے طبق دار بادل۔ یہ کچھ بھورے یا آسمانی رنگ کی ریشہ دار چادروں کی شکل میں پھیلے رہتے ہیں۔

(9)بارانی طبق دار بادل۔ یہ بھورے رنگ کے بارش برسانے والے تہ دار بادل ہیں۔

(10)گالہ نما بارانی بادل۔ان سیاہ گھنے بادلوں سے گرج کے ساتھ بارش ہوتی ہے۔ آسمان پر یہ متحرک پہاڑیوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

شکل اور اندرونی بناوٹ کے اعتبار سے ان بادلوں کی مزید ذیلی تقسیم کی جاتی ہے۔ جیسے قلعہ نما، عدسہ نما اور گچھا نما بادل، وغیرہ۔ عام شکل اور شفافیت کے لحاظ سے بھی بادلوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

آسمان پر بادلوں کے پھیلاؤ کو فی صد میں یا آسمان کے جملہ پھیلاؤ کی اضافت سے 1/8 حصہ تک ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں چھوٹے چھوٹے دائرے کل آسمانی پھیلاؤ کو ظاہر کرتے ہیں۔ آسمان کا 1/2، 1/4، 1/6 یا 1/8 حصہ ابر آلود ہو تو دائرہ کے اتنے ہی حصہ کو سیاہ بنا دیا جاتا ہے۔

باد نگار: یہ خودکار آلہ باد پیا کے رفتار نما سے منسلک ہوتا ہے۔ باد پیا کے کمانی دار تار کے ذریعہ ہوا کے زیر اثر پیدا ہونے والے ارتعاشات رفتار پیا تک پہنچتے رہتے ہیں اور اس پر لگے ہوئے ترسیمی کاغذ پر رفتار اور سمت کی ترسیم تیار کر دیتے ہیں۔ یہ ترسیم "ایبی موگرام" کہلاتی ہے۔ ڈانس کا نلکی دار باد نگار سب سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اس میں نلکی کا کھلا منہ ہمیشہ ہوا کے رخ میں رہتا ہے۔ ہوا کا دباؤ اس پر پڑتا ہے۔ یہ اثر منسلکہ خودکار قلم تک پہنچتا ہے اور قلم مستقلاً اسے درج کرتا جاتا ہے۔

باد نما: اس آلہ سے ہوا کے بہاؤ کی سمتیں معلوم کی جاتی ہیں۔ اسے تیار کرنے کے لیے ایک اسٹینڈ پر عموداً کھڑی ہوئی سلاخ کے اوپری حصہ میں مرغ، مچھلی یا تیر کی شکل کی ایک گھومنے والی دھاتی چپٹی افقی سمت میں جوڑ دی جاتی ہے جو نمائندہ کہلاتی ہے۔ ہوا کی حرکت کے ساتھ نمائندہ گھوم کر ہوا کے بہاؤ کی سمت میں ٹھہر جاتا ہے۔ سمتوں کے صحیح تعین کے لیے نمائندہ کے نیچے اسٹینڈ ہی پر دو سیدھی دھاتی سلاخیں ایک دوسرے کو قائمہ پر قطع کرتی ہوئی افقی پھیلاؤ میں جوڑ دی جاتی ہیں۔ ان کے سروں پر جس طرح شکل میں بتلایا گیا ہے چار سمتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ سمتوں کی صحیح زاویائی حساب دانی کے لیے سلاخوں کے نیچے ایک پروٹریکٹر بھی افقی پھیلاؤ ہی میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ استعمال کے وقت دھاتی سلاخوں پر لکھی ہوئی سمتوں کو حقیقی سمتوں کی مطابقت سے قائم کرتے ہوئے آلہ کو کسی کھلی جگہ عموداً کھڑا کر دیں تو کسی بھی وقت ہوا کے بہاؤ کی ٹھیک سمت بآسانی معلوم ہو جائے گی۔

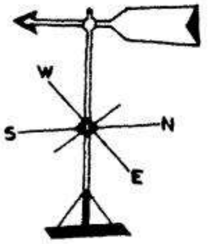

باد نما
(Wind Vane)

بارامولا: وادی کشمیر کے شمال میں ایک ضلع جس کا رقبہ 65,682 مربع کلو میٹر ہے، بارامولا کہلاتا ہے۔ دریائے جہلم سے سیراب ہوتا ہے۔ گل مرگ یہیں واقع ہے۔ یہاں بادام، چاول اور انگور بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

بارباڈوس (Barbados): بحیرۂ کیریبین میں ایک یہ جزیرائی جمہوریہ ہے جس کا رقبہ 430 مربع کلو میٹر (166 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 260,000 ہے۔ 91 فیصدی لوگ نیگرو نسل کے ہیں۔ 4 فیصدی سفید فام اور 4 فیصدی ملی جلی نسل کے لوگ ہیں۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام برج ٹاؤن ہے۔ بہت بڑی اکثریت مختلف فرقوں کے عیسائی لوگوں کی ہے بارباڈوس کا ساحل کا علاقہ پست ہے اور جیسے جیسے اندر جائیں علاقہ بلند ہوتا جاتا ہے۔ بارش کافی ہوتی ہے لیکن دریا نہیں ہیں اس لیے پانی زیر زمین ذخائر سے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ زمین اور موسم گنے کی کاشت کے لیے بہت موزوں ہے اور آبادی کے بڑے حصہ کا پیشہ اس کی کاشت ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کپاس بھی پیدا کی جاتی ہے۔ اور یہ اشیاء گویا گنا اور کپاس، زیادہ تر پڑوس کے جزیروں کو برآمد کی جاتی ہیں۔ آزادی کے بعد سے اس جزیرہ نے کافی ترقی کی ہے۔ موسم خوشگوار رہتا ہے اس لیے سیاح بڑی تعداد میں آتے ہیں۔

یہ جزیرہ غالباً پرتگالیوں نے دریافت کیا تھا لیکن آباد کاری انگریزوں نے 1627 سے شروع کی۔ 1885 تک یہ ونڈوارڈ جزائر کا حصہ تھا لیکن بعد میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

الگ کالونی بن گیا۔ 1958 سے 1962 تک یہ ویسٹ انڈیز فیڈریشن کا ممبر تھا۔ 1966 میں یہ ایک آزاد جمہوریہ بن گیا۔ بحیرہ کیربین کے دوسرے جزائر کی طرح حال ہی میں اس نے کیوبا اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ یہ دولت مشترکہ کا بھی رکن ہے۔

بار تھولومیوڈیاز: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

بار سیلونا: یہ اسپین کے شمال مشرقی علاقہ میں صوبہ بارسی لونا کا صدر مقام اور کیٹالونیا کا سب سے اہم شہر ہے۔ اسپین کا یہ سب سے بڑا بندرگاہ اور دوسرا بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ یہاں ایک یونیورسٹی اور کئی تعلیمی ادارے واقع ہیں۔ یہاں کی صنعتی پیداوار میں کپڑا، مشینری، آٹو موبائلس، ریلوے انجن اور ڈبے، طیارے اور برقی آلات شامل ہیں۔

یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ سلطنت قرطاجنہ میں اس کی بنیاد پڑی تھی اور حکمراں خاندان بارسا (Barca) کے نام پر اس کا نام رکھا گیا تھا۔ رومن سلطنت اور اسپین کی اسلامی سلطنت کے دور میں یہ پھولا پھلا۔ نویں اور دسویں صدی میں یہ بارسی لونا کے کاؤنٹ کے تحت آزاد ہو گیا۔ بعد میں آراگون کے بادشاہوں نے کاؤنٹ آف بارسی لونا کا لقب اختیار کیا اور اسی خاندان کے لوگ بعد میں اسپین کے بادشاہ ہوئے۔ تاریخ میں یہ علیحدگی پسند تحریکوں کا ہمیشہ مرکز رہا۔ سنہ 1939 میں جب فرانکو نے اسپین کی جمہوریت کے خلاف بغاوت کی تو اس نے اسی کو اپنا مرکز بنایا۔ بعد میں فرانکو کے خلاف تحریکوں کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی اور آج بھی جمہوریہ ہسپانیہ میں علیحدگی پسند تحریک کے مرکز باسک اور کیٹالونیا کے صوبے ہیں۔ بارسی لونا اب ایک جدید اور خوبصورت شہر ہے۔ پرانے علاقہ میں بے شمار قدیم خوبصورت گرجا گھر ہیں۔ آبادی 1971 میں 1,276,675 تھی۔

بارش پیا (Rain Guage): اس آلہ سے بارش کی مقدار ناپی جاتی ہے۔ اس میں ایک بڑے استوانہ کے منہ پر معلوم محیط کی قیف لگا دی جاتی ہے جس طرح شکل میں دکھایا گیا ہے۔ قیف کے ذریعہ بارش کا پانی اندرونی استوانہ میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس جمع شدہ پانی کو درجہ دار استوانہ میں ڈال کر بارش کی مقدار انچوں، سینٹی میٹروں یا ملی میٹروں میں معلوم کر لی جاتی ہے۔ درجہ دار استوانہ قیف کے بیرونی محیط کے رقبہ کی مناسبت سے تیار کیا جاتا ہے۔

بارش پیا (باران پیا)
(Rain Gauge)

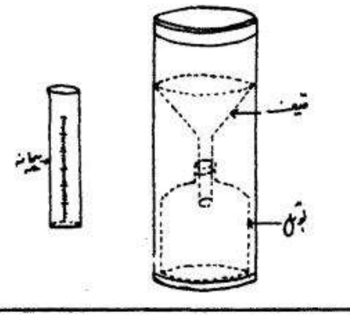

بارشی نقوش (Rain Prints): بارش کے قطرے جب بے حد نرم رسوب پر گرتے ہیں تو رسوب کی پرتوں کی اوپری سطح پر ان بوندوں کی وجہ سے ننھے ننھے گڑھے پیدا ہو جاتے ہیں جن کے اوپر مزید رسوبیت کے باعث یہ گڑھے پرتی سطح پر محفوظ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس ساخت کی وجہ سے بھی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ سلسلہ ترتیب (Succesion) خمیدگی کی وجہ سے الٹ (Inverted) تو نہیں گیا۔ اس لیے کہ یہ نشانات بھی ہمیشہ اوپری سطح پر بنتے ہیں۔

بارہ سطحی قلم (Dodecahedron): یہ قلمی شکل مکعبی نظام میں ہوتی ہے۔ یہ قلم بارہ لوز نما رخوں سے گھرا رہتا ہے اس کا ہر رخ دو محوروں سے مساوی فاصلے پر ملتا ہے اور ساتھ ہی یہ تیسرے محور کے متوازی ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال گارنٹ (Garnet) ہے۔ ہر رخ لوز نما یا شکل معین (Rhombus) والا ہوتا ہے۔ یہ شکل میں دکھلایا گیا ہے۔

بارہ سطحی قلم
(Dodecahedron)

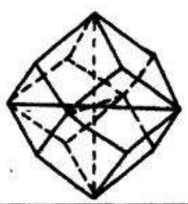

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

باسل: دورِ وسطی کے تاریک زمانہ کا یہ مفکر راجن مار کی طرح قدامت پسند اور راسخ العقیدہ پادری تھا۔ جغرافیائی میدان میں بھی اس کے تصورات پر راجن مار ہی کا رنگ چڑھا تھا۔

بالا نافذیک رخی شکل: یہ کسی علاقہ کے نقشہ پر یک رخی اشکال کے سلسلوں کا مناسب ترتیب کے ساتھ ظاہر کرنے کا نظام ہے۔

بالٹک اسٹیٹس: ان میں اسٹونیا، لاٹویا اور لتھونیا شامل ہیں۔

بالٹی مور (Baltimore): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا یہ شہر، شمالی میری لینڈ میں دریا پاٹاپسکو (Patapsco) کے کنارے واقع ہے۔ امریکہ کا یہ چھٹا بڑا شہر ہے اور واشنگٹن ڈی سی سے 38 میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے بندرگاہ کا شمار امریکہ کے پانچ سب سے بڑے بندرگاہوں میں ہوتا ہے۔ صرف بالٹی مور ہی ایک ایسا بندرگاہ ہے جہاں سے بحر اوقیانوس میں جانے کے لیے دو راستے ہیں۔ (1) جنوبی راستہ جو خلیج چیساپیک سے اور (2) شمالی راستہ جو چیساپیک اور ڈیلاویر نہر سے ہو کر جاتا ہے۔ اس شہر کو ریلیں اوہایو، پن سلوانیا اور ویسٹرن میری لینڈ سے ملاتی ہیں۔ یہاں ایک بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) ہے جو قلب شہر سے صرف پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ چارلس پر واقع 204 فٹ بلند "واشنگٹن مانیومنٹ" جو 1815 میں بنا تھا اور دوسری یادگار عمارتوں کی وجہ سے اس کو "یادگاروں کا شہر" (مانیومینٹل سٹی) کہا جاتا ہے۔ یہاں اٹھارہویں صدی کی کئی عمارتیں ہیں مثلاً ماونٹ کلیر جو 1760 میں بنا تھا، نیز اور کئی پرانی عمارتیں مثلاً جان ہاپکنس یونیورسٹی، امریکہ کا پہلا گرجا، والٹرس آرٹ گیلری وغیرہ یہاں واقع ہیں۔ تمام ادوار کو پیش کرنے والے خاکے اور تصاویر اس گیلری میں موجود ہیں۔ حکومت کا بھی ایک آرٹ میوزیم بالٹی مور کے شمال میں واقع ہے۔ جس میں مشہور مصوروں کی نادر تخلیقات، مطبوعات، برتن اور مجسمے موجود ہیں۔ پی باڈی انسٹی ٹیوٹ کا کتب خانہ، حوالہ جات کی فراہمی کی سہولت ہونے کی وجہ سے بہت شہرت رکھتا ہے۔ بلدیہ کا میوزیم جو 1813 میں قائم کیا گیا ہے اس شہر کی سب سے قدیم عمارت ہے۔ سب سے پہلے اس عمارت میں روشنی کرنے والی گیس کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ بالٹی مور میں جہاز سازی کا کارخانہ بہت عرصہ سے قائم ہے۔ دوسری عالم گیر جنگ میں ضروریات کے دس فی صدی جہاز اسی کارخانے سے فراہم کیے گئے تھے۔ یہاں سے لوہا، مینگنیز، جست، کافی، کیمیائی اشیاء، پٹرولیم، شکر، کارک، ربر اور تانبا، ریاست ہائے متحدہ کے نصف حصے اور کینیڈا کے بعض حصوں کو برآمد کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں غلہ، کوئلہ، لوہے اور فولادی اشیاء، جلانے کا تیل، مشینری، ٹریکٹر، بس، لکڑی کا سامان، دھاتی ٹکڑے، برقی آلات، رنگ و روغن (پینٹ) او رمصالحے کئی ریاستوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے بالٹی مور، ایک صنعتی، مالیاتی اور انشورنس کا مرکز ہے۔ میری لینڈ یونیورسٹی کے علاوہ یہاں کئی پبلک اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی ہیں۔ طب کی تعلیم کے مدارس ہیں۔ ہولا برڈ، فوجی تربیت کا مرکز ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 939,024 تھی۔

بالکش جھیل: وسط ایشیا میں قزاخستان کی یہ تازہ پانی کی بڑی جھیل بحیرۂ ارل (Aral) کے مشرق میں 1,000 کلو میٹر (600 میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کی لمبائی 440 میل اور چوڑائی 46 میل ہے۔ رقبہ 7,115 مربع میل ہے۔ جھیل کا پانی زیادہ گہرا نہیں ہے۔ اوسط گہرائی صرف 22 فٹ بتائی گئی ہے۔ پانی میٹھا ہے اور آب پاشی کے کام آتا ہے۔ شمال اور مشرق سے ریلیں جھیل تک پہنچ جاتی ہیں۔ قریب ہی کن راسکی کی تانبے کی کانیں اہمیت کی حامل ہیں۔

بالی: بالی انڈونیشیا کے مشرقی جزائر ہیں۔ جزائر سنڈا کے یہ انتہائی مغرب میں واقع ہیں۔ یہ کافی چھوٹے ہیں صرف 144 کلو میٹر (90 میل) لمبے اور اور 88 کلو میٹر (55 میل) چوڑے ہیں۔ رقبہ 5,809 مربع کلو میٹر (2,243 مربع میل) ہے۔ لیکن معاشی اور تہذیبی طور پر یہ انڈونیشیا کے سب سے اہم جزیرے ہیں۔ 1990 میں آبادی تقریباً 2,785,000 تھی۔ زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے۔ البتہ جنوب کی وادیاں کافی زرخیز ہیں۔ یہاں کے لوگ نہایت حسین ہوتے ہیں۔ یہاں کی ثقافتی زندگی کافی ترقی یافتہ ہے۔ خاص طور پر یہاں کی موسیقی، ناچ، لوک (فوک) ڈرامے اور فن تعمیر ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ اپنے عروج کے زمانہ میں ہندوستان کے حکمراں راجہ ان جزیروں تک پہنچ گئے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں یہاں کی آبادی کی اکثریت نے ہندو مذہب اختیار کر لیا اور اس لیے یہاں کی ثقافتی زندگی، رقص، موسیقی اور فن تعمیر سب ہی پر ہندوستانی اور ہندو تہذیب و تمدن کی بہت گہری چھاپ ہے۔ اکثر لوک (فوک) ڈرامے اور ناچ رامائن اور مہا بھارت کے قصوں پر مبنی ہیں۔ مندروں اور عمارتوں میں قدیم ہندوستانی مندروں کا رنگ جھلکتا ہے۔ دسویں صدی سے سترھویں صدی تک یہ علاقہ حکومت جاوا کے تحت رہا اور پھر سترھویں صدی سے 1908 تک یہ جزائر جاوا کے اثر سے آزاد رہے۔ ڈچ لوگ پہلی مرتبہ یہاں 1597 میں داخل ہوئے۔ اور سترھویں صدی میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس سے تجارت شروع کی۔ 1811 سے 1815 تک اس پر برطانیہ کا قبضہ رہا۔ کئی لڑائیوں کے بعد ڈچ لوگوں نے 1850 کے قریب اس پر قبضہ کر لیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1950 میں جب انڈونیشیا کو آزادی ملی اور جمہوریہ انڈونیشیا قائم ہوئی تو بالی اس کا ایک حصہ بن گیا۔ 1965 میں بالی کو کمیونسٹوں کی تحریک کے دور میں بہت پریشانی ہوئی۔ تقریباً 40,000 لوگ مارے گئے۔ 1970 میں یہاں پناہ گزینوں کا مسئلہ پیش آیا۔

باسے ہائی: بحیرۂ عرب میں بے قاعدہ طور پر پھیلا ہوا اور سمندر کے کنارے سے بہت دور باسے ہائی واقع ہے جو ممبئی کے شمال مغرب میں 160 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ باسے ہائی کی دریافت اپریل سنہ 1974 میں ہوئی جہاں سے بہت بڑی مقدار میں تیل اور گیس نکالی جارہی ہے۔

بان: وفاقی جرمنی (مغربی جرمنی) کا یہ صدر مقام ہے اور جرمنی کے مغرب میں دریائے رہائن کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 141,929 ہے۔ پتھر کی اشیا (برتن وغیرہ)، دفتری سامان، کیمیائی اشیا اور مشینری یہاں بنائی جاتی ہیں۔ یہ شہر ایک ثقافتی اور تعلیمی مرکز ہے۔ یہاں کی مشہور عالم یونیورسٹی 1784 میں قائم کی گئی تھی۔ اس شہر کی بنیاد رومنوں کے زمانے میں پڑی تھی۔ 1810 میں یہ فرانسیسیوں کے قبضہ میں تھا۔ جرمنی کا جو علاقہ 1948 اور 1949 میں فرانس، برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے قبضہ میں تھا، اسے ملا کر جرمن ریاست کی شکل دی گئی اور اس علاقے کو وفاقی جمہوریہ جرمنی سے موسوم کیا گیا جس کا صدر مقام عارضی طور پر بان کو بنایا گیا۔

بانڈونگ: انڈونیشیا کے صدر مقام جکارتا کے جنوب مشرق میں 120 کلو میٹر (75 میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سنہ 1971 میں اس کی آبادی 1,201,703 تھی۔ یہ سطح سمندر سے 2,400 فٹ بلند ہے۔ اہم صنعتی اور تجارتی مرکز ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کے ذریعہ جاوا کے دیگر اہم مقامات سے جوڑ دیا گیا ہے۔ آزادی سے پہلے یہ ڈچ ایسٹ انڈیز کا انتظامی اور فوجی مرکز تھا۔ یہاں ٹکسٹائل انسٹی ٹیوٹ، انجینئرنگ کالج اور پاسچر انسٹی ٹیوٹ بھی ہے۔ قریب ہی ملابار ریڈیا اسٹیشن ہے جو جنوب مشرقی ایشیا کے سب سے بڑے اسٹیشنوں میں ہے۔ اس کی بنیاد سنہ 1810 میں پڑی۔ سنہ 1955 میں یہاں ایشیائی اور افریقی ملکوں کی پہلی کانفرنس ہوئی تھی جہاں پنچ شیل کے پانچ اصول بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد قرار دیے گئے تھے۔ اس کی وجہ سے یہ شہر بہت مشہور ہو گیا۔ سنہ 1961 میں یہاں افرو-ایشین اتحاد کمیٹی کا بھی اجلاس ہوا تھا۔

بانکرا: مغربی بنگال کا ایک ضلع ہے۔ یہ ضلع دریائے دامودر (Damodar) کے جنوب میں واقع ہے۔ ادھر اُدھر پھیلے ہوئے پہاڑ دکھائی دیتے ہیں۔ سوسونیا (Susunia) پہاڑ خوب واضح ہے۔

بانگی: جمہوریہ وسطی افریقہ کا صدر مقام ہے۔ دریائے یونانگی پر یہ ایک بندرگاہ ہے۔ 1890 میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ یہاں پارچہ بافی اور غذائی اشیا کی تیاری کے کارخانے ہیں۔ ایک بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) بھی یہاں ہے۔

بائیوم: آسان اصطلاح میں بائیوم (Biome) سے مراد نباتاتی اور حیوانی طرز زندگی کی خشکی پر رہنے والی بڑی کمیونٹی ہے۔ ہر بائیوم خطہ واری آب و ہوا کے ساتھ ساتھ خطہ واری بایوٹا (Biota) کے تعامل کی پیداوار ہے۔ وسیع معنوں میں بائیوم کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایسا علاقہ جس کی مخصوص قسم کی آب و ہوائی کیفیات ہوتی ہیں۔ اس کا خصوصی درجہ حرارت اور بارش کا نظام اور اس کی اپنی روزانہ اور موسمی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ان کیفیات سے ایک مخصوص قسم کی قدرتی نباتات پیدا ہوتی ہے جو بعد میں مخصوص قسم کی حیوانی زندگی کے لیے ایک موزوں رہائش گاہ فراہم کرتی ہے۔

بائیوم نباتی اکالوجی، نباتی ترتیموں اور ماہر جغرافیہ کے بڑے قدرتی خطوں کے مرادف ہیں۔ دراصل بائیومس کسی بھی خطے کی خاص اور اہم نباتات کے نام ہیں لیکن ان میں ان نباتاتی خطوں کی خصوصی حیوانی زندگی بھی شامل ہوتی ہے۔ وہ نکتہ جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ بائیوم نہ صرف ایک نباتاتی اکائی ہے بلکہ ایک مجموعی کیونٹی بھی ہے۔ درجہ حرارت، رطوبت اور مٹی کی نوعیتوں کے اعتبار سے جس طرح کی بھی نباتات وجود میں آتی ہیں ان سے مجموعی طور پر ایک خصوصی قسم کی حیوانی طرز زندگی تشکیل پاتی ہے۔ اور خصوصی طبعی حالات سے جو مجموعی زندگی وجود میں آتی ہے، اس سے ایک بے مثال بایوٹی خطہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا بائیوم ایک عظیم بایوٹی منطقہ یا حیاتی منطقہ یا ایک کیمونٹی کی اکائی ہوتا ہے جو حیوانات اور نباتات کے ربط پر مشتمل ہوتا ہے۔ چونکہ ایک طرف نباتات کی حیاتی شکل، آب و ہوا کی بڑی خصوصیتوں کو ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرف جانوروں کی رہائش گاہوں کی ساخت کی ماہیت کا بھی تعین کرتی ہے۔ نیز یہ فطری ماحولیاتی درجہ بندی کے لیے مستحکم بنیاد فراہم کرتی ہے۔

دنیا کے بڑے بایومس تعداد میں 12 ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) ٹنڈرائی بائیوم

(2) شمالی مخروطی جنگلات کا بائیوم

(3) معتدل برگ ریز جنگلات کا بائیوم

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(4) معتدل گھاس کے خطہ کا بائیوم
(5) چوڑے پتوں کے سدابہار جنگلات کا بائیوم
(6) قلوطۂ ذیلی حارہ کے جنگلات کا بائیوم
(7) ریگستانی بائیوم
(8) منطقہ حارہ کے سوانا کا بائیوم
(9) منطقہ حارہ کے برگ ریز جنگلات کا بائیوم
(10) منطقہ حارہ کے اونی جنگلات کا بائیوم
(11) منطقہ حارہ کے استوائی بارش کے جنگلات کا بائیوم
(12) پہاڑی بائیوم

بائیوسٹروم (Biostrome): پرت دار حیاتیاتی شکل جیسے خولی پرتیں (Shell Beds)، کری نائڈ پرتیں (Crinoid Beds)، مونگا پرتیں (Coral Beds) وغیرہ۔ جن کی تشکیل رسوبی (Sedimentary) جان داروں کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ یہ اجتماع ٹیلہ نما یا عدسہ نما (Lensoid) شکل اختیار نہیں کرتا۔

بتیوا : بتیوا ندی اتر پردیش میں بمقام ہمیر پور جمنا سے مل گئی ہے۔ اس کے کناروں پر بھلسا اور سانچی کے تاریخی مقامات واقع ہیں جو بدھ مت کے استوپوں کے لیے مشہور ہیں۔

بٹی: ایسی تنہا کھڑی ہوئی چھوٹی سی پہاڑی جس کے پہلو سلامی دار اور چوٹی تقریبا ہموار ہو۔ اس کے اوپری حصہ پر کم گھسنے والی سخت چٹان پھیلی رہتی ہے۔ بالعموم یہ میزا (میسا) کا پس ماندہ حصہ ہوتی ہے۔ ایسی چھوٹی پہاڑیاں مغربی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے خشک حدبی علاقہ میں زیادہ ملتی ہیں۔

بٹی کلووا (کیلاس): سری لنکا کے مشرقی صوبہ کا صدر مقام ہے۔ یہ کھاری پانی کی جھیلوں (Salt Lagoons) کے سبب اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں کی گانے والی مچھلیاں (Singing Fish) مشہور ہیں۔

بحر اوقیانوس (بحر اٹلانٹک): بحر اوقیانوس، شمالی اور جنوبی امریکہ کے مشرقی ساحلوں اور یورپ نیز افریقہ کے مغربی ساحلوں کے درمیان شمال سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں بحر قطب شمالی اور جنوب میں بحر انٹارکٹک واقع ہیں۔ شکل وصورت میں دوسرے سمندروں کے مقابلہ میں زیادہ ناہموار ہے۔ برازیل کے مشرقی ساحل اور شمالی افریقہ کے درمیان تنگ ہو گیا ہے۔ اس سے متصل دوسرے چھوٹے بڑے سمندر بحیرۂ روم، بحیرۂ اسود، خلیج بسکے، بحیرۂ شمالی، بحیرۂ بالٹک، بحیرۂ آئرلینڈ، خلیج گنی، خلیج ہنلن، خلیج ہڈسن، خلیج مکسیکو اور بحیرۂ کیریبین ہیں۔ شمال سے جنوب تک بحر اوقیانوس کی لمبائی نو ہزار میل ہے۔ چوڑائی مختلف حصوں میں مختلف ہے۔ رقبہ کا اندازہ 3 کروڑ 15 لاکھ مربع میل لگایا گیا ہے۔ سائز میں صرف بحر الکاہل سے چھوٹا ہے لیکن اپنے ساحل کے مجموعی طول کے لحاظ سے تمام سمندروں سے بڑا ہے۔ بحر ہند اور بحر الکاہل دونوں سمندروں کے ساحلوں کے بھی طول کو ملا دیا جائے تب بھی بحر اوقیانوس کے ساحلوں کے برابر نہیں ہوتا۔ اس بحر اعظم کی گہرائی مقامات کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے جو 300 فیدم سے لے کر 4 میل تک ہے۔ اس کے ساحلوں پر اور اس کی خلیجوں میں دنیا کی متمدن قومیں آباد ہیں۔ اس بحر اعظم میں کئی براعظموں کے اہم دریا اپنا پانی لا کر ڈالتے ہیں۔ دریاؤں کے دہانوں پر قدرتی بندرگاہیں ہیں جو تجارت کو فروغ دینے میں بڑا حصہ لیتے ہیں۔

بحر اوقیانوس کی روئیں: اس سمندر میں تجارتی ہوائیں استوائی علاقہ کے پانی کو خط استوا کے متوازی شمالی اور جنوبی استوائی رووں کی شکل میں شرقاً غرباً بہاتی رہتی ہیں۔ جزائر غرب الہند شمالی استوائی رو کو دو شاخوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ شمالی شاخ بہاما کی رَو اور جنوبی شاخ کیریبین کی رو کہلاتی ہے۔ پہلی شاخ فلوریڈا کے مشرقی ساحل کے ساتھ شمال کی طرف گھوم جاتی ہے۔ دوسری شاخ جنوبی استوائی رو کی ایک دھارا سے مل کر میکسیکو میں داخل ہوتی ہے اور گھڑی کی سوئیوں کی سمت میں گھومتی ہوئی آبنائے فلوریڈا سے تیز رفتار گرم خلیجی رَو کی شکل میں پھر بحر اوقیانوس میں پہنچ جاتی ہے۔ بعد ازاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ شمال مشرقی سمت میں بہتے ہوئے 40 ڈگری شمالی عرض البلد کو پار کرنے کے بعد دو شاخوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک شاخ مغربی ہواؤں کے زیر اثر مشرقی سمت میں بہہ کر ایک ذیلی رَو کو شمال مشرق کی طرف اور دوسری ذیلی رَو کو بحیرۂ روم میں بہا دیتی ہے اور خود ساحل پرتگال کے ساتھ ساتھ جنوب میں مڑ کر کناری کی رَو کہلاتی ہے۔ مزید آگے بڑھ کر یہ شمالی استوائی رو سے جا ملتی ہے۔ رَو کے اس گول چکر کے درمیان نباتیاتی جماؤ کا آبی علاقہ بحیرہ 'سرگاسو' کہلاتا ہے۔ بحیرۂ روم سے زیادہ کھاری اور کثیف پانی کی آب دوز رَو آبنائے جبرالٹر سے باہر نکلتی رہتی ہے۔ شمالی استوائی رَو کی دوسری شاخ جو مغربی ہواؤں کی رَو کہلاتی ہے، شمال مشرقی سمت میں جزائر برطانیہ اور ناروے کے مغربی ساحلوں پر آگے بڑھتی ہوئی بحر آرکٹک میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی شاخ ارمنجر کی رَو شمال مغربی سمت میں بڑھ کر گرین لینڈ کی سرد رو کے زیر اثر اپنا بہاؤ ختم کر دیتی ہے۔ گرین لینڈ کی رَو

جنوب مشرقی سمت میں بہنے کے بعد 55 ڈگری شمالی عرض البلد کے قریب لبریڈار کی سرد رو سے جا ملتی ہے۔ موخر الذکر کھلے سمندر میں ایک شاخ کو دریائے سینٹ لارنس میں چھوڑتی ہوئی کینیڈا کے ساحل کے ساتھ جنوب مغربی سمت میں بہتی ہے اور 40 ڈگری شمالی عرض البلد کے قریب خلیجی رو سے مل کر اپنا وجود ختم کر دیتی ہے۔ نیو فاؤنڈ لینڈ کے قریب گرم اور سرد رووں کے پانی کے اتصال کے باعث مہینوں تک کہر پھیلی رہتی ہے۔

خط استوا کے جنوب میں جنوبی استوائی رو شرقاً غرباً بہنے کے بعد کیپ سینٹ راک کی رکاوٹ کے سبب دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ شمال کی طرف مڑنے والی شاخ کیریبین کی رو سے جا ملتی ہے۔ جنوبی رخ کی شاخ ساحل برازیل کے ساتھ جنوب مغربی سمت میں بہتی ہے۔ 40 ڈگری جنوبی عرض البلد کو پار کرنے کے بعد یہ مغربی ہواؤں کے زیر اثر مشرق کی طرف بہنے لگتی ہے۔ افریقہ کے جنوب مغربی ساحل کی رکاوٹ کے سبب یہ شمالی رخ اختیار کر کے بینگولا کی رو کی شکل میں بہتے ہوئے جنوبی استوائی رو سے جا ملتی ہے۔

ارجن ٹائنا کے مشرقی ساحل سے مغربی ہوائیں تری کی طرف بڑھتی رہتی ہیں۔ ان کے زیر اثر کنارے کے سمندر میں گہرائیوں کا پانی اوپر کی طرف اٹھتا رہتا ہے۔ یہ مغربی ہواؤں کی ڈرفٹ کی ایک شاخ سے مل کر شمال مشرقی سمت میں فاکلینڈ کی رو کی شکل میں بہنے لگتا ہے۔ 55 ڈگری جنوبی عرض البلد کے جنوب میں صرف سمندری پھیلاؤ ہی رہتا ہے۔ اس لیے مغربی ہواؤں کی ڈرفٹ آزادانہ طور پر مغرب سے مشرق کی طرف بہتے ہوئے کرہ ارض کا چکر لگاتی رہتی ہے۔ استوائی سکونی پٹی میں درج ذیل اسباب کی بنا پر ایک استوائی رد عمل کی رو مغرب سے مشرق کی طرف بہتی رہتی ہے۔

(1) جنوبی استوائی رو جب کیپ سینٹ راک سے ٹکراتی ہے تو کچھ پانی پلٹ کر واپس آتا ہے۔ ساتھ ہی دریائے امیزان کا پانی بھی سمندر میں دور تک بڑھتا رہتا ہے۔ نتیجتاً مشرقی سمت کا آبی بہاؤ تیز ہو جاتا ہے۔ (2) شمالی اور جنوبی استوائی رووں کا پانی کیپ سینٹ راک کے قریب شمال اور جنوب کی طرف مڑنے لگتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں خط استوا پر کم دباؤ کا علاقہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس میں مغرب سے آتا ہوا پانی بآسانی آگے کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ (3) شمالی اور جنوبی استوائی رووں کے مستقلاً مغربی سمت میں بڑھنے کے سبب وسط او قیانوس کے مشرقی حصہ میں پانی کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ اسے پورا کرنے کے لیے مغربی حصہ کا پانی مستقل طور پر مشرق کی طرف بہنے لگتا ہے۔ (4) جنوبی استوائی رو کی شمالی شاخ خط استوا کو عبور کرنے کے بعد فیرل کے قانون کے مطابق داہنی طرف مڑ کر آبی بہاؤ کو تقویت دیتی ہے۔ (5) تنگ استوائی پٹی میں روزانہ بارش کا پانی مشرقی او قیانوس کی آبی کمی کو پورا کرنے کے لیے مشرقی بہاؤ قائم کر دیتا ہے۔

بحر عمیق (Abyssal Sea): سمندر کا 1,000 فیدم (3,000 فٹ) سے زیادہ گہرائی کا حصہ جہاں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہو سکتا۔

بحر قطب (منجمد) شمالی (آرکٹک): دو بڑے سمندروں، بحر او قیانوس اور بحر الکاہل کے شمال میں دائرہ قطب شمالی تک جو سمندر پھیلا ہوا ہے، بحر قطب شمالی یا بحر منجمد شمالی کہلاتا ہے۔ یورپ، ایشیا، امریکہ اور گرین لینڈ شمالی کناروں پر اس کی حد بندی کرتے ہیں۔ اس سمندر کی انتہائی لمبائی آبنائے بیرنگ سے لے کر ناروے کے ساحل تک 3,240 میل ہے۔ اوسط چوڑائی 2,500 میل ہے۔ مجموعی رقبہ 40 لاکھ مربع میل ہے۔ یورپ اور برطانیہ سے قریب ہونے کی وجہ سے اس سمندر کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ تجارتی نقطہ نظر سے بھی کار آمد ہے۔ بحر قطب شمالی اپنے شدید موسمی تغیرات کے لیے مشہور ہے۔ صرف اس کا مغربی حصہ خلیجی رو (گلف اسٹریم) کی وجہ سے منجمد نہیں ہوتا۔ باقی سمندری حصے سال میں 9 مہینے تک یخ بستہ رہتے ہیں۔ موسم گرما میں دائرہ قطب شمالی کے آئس برگ پگھل کر لبریڈار اور نیو فاؤنڈ لینڈ کے ساحلوں پر کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں۔

بحر ہند: دنیا کے براعظموں میں بحر ہند بلحاظ رقبہ تیسرے نمبر پر ہے۔ ایشیا کے جنوب میں دائرہ قطب جنوبی تک اور مشرق میں افریقہ اور آسٹریلیا کے ساحلوں تک اس کا پانی پھیلا ہوا ہے۔ شمال میں ہندوستان، پاکستان اور ایران، مغرب میں جزیرہ نمائے عرب اور افریقہ، مشرق میں ملایا کے جزیرے اور جنوب میں انٹارکٹکا اس کی حد بندی کرتے ہیں۔ بحر الکاہل اس کو آسٹریلیا سے اور بحر او قیانوس اس کو براعظم افریقہ سے جدا کرتا ہے۔ بحر ہند شمال میں تنگ ہوتا جاتا ہے جہاں ہندوستان اور سری لنکا اس کو دو حصوں، بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال، میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ بحیرۂ عرب کے دو اور چھوٹے سمندر بحیرۂ احمر، آبنائے باب المندب، خلیج فارس اور آبنائے ہرمز ہیں۔ اس بحر اعظم کے مجموعی رقبہ کا اندازہ 2 کروڑ 9 لاکھ مربع میل لگایا گیا ہے۔ انتہائی گہرائی 24,440 فٹ ہے۔ چوڑائی 6,200 میل سے زیادہ ہے۔ اس سے متصل سمندر بحیرۂ احمر کا رقبہ 169,000 مربع میل اور خلیج فارس کا رقبہ 92,300 مربع میل ہے۔ اس سمندر میں گرنے والے بڑے دریا زیمبسی، شط العرب، سندھ، برہم پتر، گنگا، کرشنا اور گوداوری ہیں۔ اہم جزیرے مڈغاسکر، سری لنکا، لکشدیپ، مالدیپ، انڈمان اور نکوبار ہیں جو بحر الکاہل

کے مقابلہ میں کم بھی ہیں اور چھوٹے بھی۔

بحر ہند۔ برطانوی مقبوضات: برطانوی سلطنت بحر ہند سے بہت کچھ ختم ہو گئی لیکن چند جزائر پر اس کا قبضہ اب بھی باقی ہے۔ ان میں سے ایک نہایت اہم جزیرہ ڈیگو گارشیا ہے۔ یہ جزیرہ امریکہ کو پٹہ پر دیا گیا ہے جہاں اس نے بحری اور ہوائی اڈہ تعمیر کیا ہے۔ اس پر ہندوستان، بحر ہند کے تمام ملکوں اور مجلس اقوام متحدہ میں سخت احتجاج کیا گیا تھا۔ اس جزیرہ کی تمام آبادی ماریشس منتقل کر دی گئی۔ جس پر اس نے بھی سخت احتجاج کیا۔

برطانیہ نے ماریشس سے مجمع الجزائر "چاگوس" (Cargados Carajos) (جس میں ڈیگو گارشیا شامل ہے) علیحدہ کر کے اور جزائر "سیشلیز" سے فارکوہار اور دوسرے دو جزائر الگ کر کے برطانوی زیر انتظام علاقہ قائم کیا ہے، جہاں اس نے اپنے اڈّے قائم کئے ہیں۔

بحر ہند کے برطانوی جزائر: بحر ہند کے مغربی حصہ کے جزائر جو برطانیہ کی کالونی ہیں، ان میں جزائر چاگوس (Cargados Carajos)، جزائر الڈبرہ، ڈس اوچس اور فارکوہار شامل ہیں۔ ان کا رقبہ 221 مربع کلو میٹر ہے۔ ان میں کوئی مستقل آبادی نہیں ہے۔ جب مر سیشلیز (Seychellas) ایک کالونی تھا تو یہ جزائر بھی اس کے تحت تھے۔ اب بھی برطانیہ انھیں فوجی اغراض کے لیے استعمال کرتا ہے۔

بحر ہند کی روئیں: بحر ہند کے جنوبی حصہ میں جنوبی استوائی رو افریقہ کے مشرقی ساحل سے رک کر جنوبی سمت میں بہنے لگتی ہے۔ جزائر مڈغاسکر کے مغرب میں یہ موزمبیق کی رو اور مشرق میں مڈغاسکر کی رو کہلاتی ہے۔ آگے بڑھ کر دونوں کا مشترکہ پانی اگولہاز کی رو کی شکل میں بہتا ہے۔ مغربی ہواؤں کے علاقہ میں اس کا بہاؤ مشرقی رخ اختیار کر لیتا ہے۔ آسٹریلیا کے مغربی ساحل کی رکاوٹ کے باعث اس کا پانی شمالی سمت میں بہہ کر مغرب کی طرف گھومتا ہوا جنوبی استوائی رو سے جاملتا ہے۔ بحرالکاہل اور بحر اوقیانوس کے جنوبی حصوں میں بہنے والی مغربی ہواؤں کی ڈرفٹ بحر ہند میں بھی مغرب سے مشرق کی طرف بڑھتی رہتی ہے۔

شمالی بحر ہند میں گرما کی جنوب مغربی مونسون ہواؤں کے زیر اثر بحری رو گھڑی کی سوئیوں کی سمت میں ہندوستان کے ساحلوں کے ساتھ پیچ و خم کھاتی ہوئی جنوبی استوائی رو سے جاملتی ہے۔ استوائی سکونی پٹی کافی درہم برہم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے استوائی ردِ عمل کی رو قائم ہی نہیں ہوتی۔ سرما کی مونسون ہوائیں بالکل مخالف سمت میں چلتی ہیں اس لیے اس موسم میں بحری رو بھی گھڑی کی سوئیوں کی مخالف سمت میں حرکت کرنے لگتی ہے۔ اس کی ایک شاخ بحر احمر (بحر قلزم) میں داخل ہوتی ہے اور دوسری صومالیہ کے مشرقی ساحل پر بہتی ہے۔ یہ دوسری شاخ خط استوا کو پار کر کے کمزور سی استوائی رد عمل کی رو کا بہاؤ قائم کر دیتی ہے۔

بحرالکاہل (بحر پیسیفک): بحرالکاہل براعظم ایشیا، آسٹریلیا اور شمالی امریکہ کے درمیان کرۂ ارض کا سب سے بڑا آبی خطہ ہے۔ اس کی شکل تقریباً بیضوی ہے جو درمیان میں بہت چوڑی ہو گئی ہے پھر دونوں کناروں پر گھٹتی چلی گئی ہے۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جغرافیائی اصطلاح میں خط استوا سے دائرہ قطب شمالی تک بحرالکاہل شمالی اور دائرہ قطب جنوبی تک بحرالکاہل جنوبی کہلاتا ہے۔ یہ سمندر شرقاً غرباً شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے مغرب سے آسٹریلیا، ملایا اور مشرقی ایشیا تک پھیلا ہوا ہے اور شمالاً جنوباً الاسکا سے راس جنوبی امریکہ تک چلا گیا ہے۔ شمال کا زیادہ تر حصہ خشکی نے گھیر رکھا ہے۔ صرف بحیرۂ بیرنگ کا آبنائے جو صرف 36 میل چوڑا ہے اس کو بحر قطب شمالی سے ملاتا ہے۔ متصل بحیروں کو چھوڑ کر بحرالکاہل کا مجموعی رقبہ 6 کروڑ 90 لاکھ مربع میل ہے جو بحر اوقیانوس کے رقبہ کا تقریباً دوگنا ہے اور دنیا کے تمام خشکی کے رقبہ کے برابر ہے۔ طول میں آبنائے بیرنگ سے لے کر جنوب میں دائرہ انٹارکٹک تک 9 ہزار 9 سو میل ہے۔ مشرق سے مغرب تک خط استوا پر اس کی چوڑائی 1,200 میل ہے جو بعض مقامات پر 15 ہزار میل سے زیادہ ہو گئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گہرائی 34,440 فٹ ہے۔ بحرالکاہل کی اہم شاخیں اور خلیجیں بحیرۂ بیرنگ، خلیج کیلی فورنیا، خلیج پناما، بحیرۂ جاپان، بحیرۂ زرد، بحیرۂ چین، خلیج سیام اور آسٹریلیا کی خلیجیں ہیں۔ یہ سمندر اپنے براعظمی ساحلوں پر بے شمار کوہستانی سلسلے رکھتا ہے جن میں تقریباً 250 زندہ آتش فشاں پہاڑ موجود ہیں۔ اس سمندر میں مونگے کے جزیرے بھی کئی ہیں۔ دیگر جزائر میں جزائر جاپان، جزائر کیورائل، جزائر کوئن شارلٹ اور جزائر ونیکوور قابل ذکر ہیں۔ متصل براعظموں کے کئی اہم دریا ہوانگ ہو، یانگ سی کیانگ، کمبوڈیا، ویتنام، کولمبیا، فریزر، کولوریڈو، یوکان اور دریائے اَمور اس میں اپنا پانی لا کر ڈالتے ہیں جن کے کناروں پر دنیا کی چوتھائی آبادی بسی ہوئی ہے۔

بحرالکاہل کی روئیں: بحرالکاہل میں شمالی استوائی رو تجارتی ہواؤں کے زیر اثر جزائر فلپائن کی طرف بڑھتی ہے۔ چین کے مشرقی ساحل پر یہ شمالی سمت میں گھوم کر کیوروسیو کی گرم رو کہلاتی ہے۔ 40 ڈگری شمالی عرض البلد کو پار کرنے کے بعد اس کا پانی مغربی ہواؤں کے اثر سے مشرق کی طرف بہنے لگتا ہے۔ شمالی امریکہ کے

مغربی ساحل پر اس کی ایک شاخ شمالی سمت میں بہہ کر الاسکا کی رَو کہلاتی ہے۔ اس کی دوسری شاخ جنوبی سمت میں کیلیفورنیا کی رو بن جاتی ہے۔ مزید آگے بڑھ کر یہ شمالی استوائی رَو سے جا ملتی ہے۔

تنگ آبنائے بیرنگ سے کیورائل (کمچٹکا) کی سرد رَو کا پانی شمالی بحرالکاہل میں داخل ہو کر گرم کیوروسیوو کی رَو کے زیر اثر اپنا بہاؤ ختم کر دیتا ہے۔ جنوبی استوائی رَو تجارتی ہواؤں کی رگڑ سے خط استوا کے متوازی مغرب کی طرف بڑھتی ہے۔ نیوگنی کے شمالی اور جنوبی ساحلوں کے ساتھ بہنے کے بعد بورنیو اور سیلیبیز جزائر کی رکاوٹ کے باعث کچھ مشرق کی طرف گھوم کر یہ استوائی ردعمل کی رَو سے جا ملتی ہے۔ اس کی ایک شاخ آسٹریلیا کے مشرقی ساحل کے ساتھ جنوبی سمت اختیار کر لیتی ہے۔ جزائر نیوزی لینڈ اس کے بہاؤ کو دو شاخوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ 40ڈگری جنوبی عرض البلد کو عبور کرنے کے بعد ان دونوں کا مشترکہ پانی مغربی ہواؤں کے زیر اثر مشرقی رخ میں بہنے لگتا ہے۔ چلی کے مغربی ساحل پر پانی کی یہ دھارا شمالی رخ اختیار کر کے ہمبولٹ یا پیرو کی رَو کہلاتی ہے۔ مزید آگے بڑھ کر یہ جنوبی استوائی رَو سے جا ملتی ہے۔ خط استوا کے قدرے شمال میں استوائی ردعمل کی رَو سے مشرقی سمت میں بہتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جنوبی بحرالکاہل میں مغربی ہواؤں کی ڈرفٹ سیدھی مشرق کی طرف بڑھتی رہتی ہے۔

بحری اور غیر بحری رسوب (Marine and Non-marine Sediments): وہ رسوب جو سمندر میں جمع ہوں بحری کہلاتے ہیں اور جو سمندر میں جمع نہ ہوں وہ غیر بحری کہلاتے ہیں۔ ماحول کے امتیازات کی وجہ سے بحری رسوب کی شناخت مندرجہ ذیل مشاہدات کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ (1) رکاز کی مدد سے۔ بنارِیڑھ دار اور خول والے جانور زیادہ تر بحری رسوب میں ہوتے ہیں اور بڑے بڑے درختوں کے باقیات یقینی طور پر بحری رسوب ہیں۔ (2) سرخ رنگ کے رسوب خشکی یا بحری ماحول ظاہر کرتے ہیں۔ (3) خاکی چھینٹے (Clay Galls) دریائی اور تری (مگر براعظمی) ماحول کی نشان دہی کرتے ہیں۔ (4) کیچ دراڑیں (Mud Cracks) ڈیلٹائی اور سیلابی میدانی براعظمی (غیر بحری) ماحول میں بنتی ہیں۔ (5) آڑی طبقہ بندی غیر بحری رسوب میں زیادہ عام ہے۔ (6) بحری رسوب میں چھنڈگی (Sorting) زیادہ تر بہ اعتبار جسامت ہوتی ہے۔ (7) خاکی جمادات (Clay Minerals) اگر رسوب میں ہوں تو بحری رسوب میں ایلائٹ (Illite) عام ہوتی ہے۔

بحری تجاوز (Marine Transgression): سطح سمندر کا بلند ہو کر خشکی کے وسیع حصوں کو زیر آب کر دینا، جس سے ذخیرگی یا رسوبیت کے ماحول (Depositional Environment) میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور حجری فیشی میں بھی۔ (دیکھیے سنگی فیشی Lithofacies)۔ بحری تجاوز کے باعث ساحلی ریت میٹھے پانی کے ذخیروں کے اوپر، اور مہین سمندری رسوب ساحلی ریت کے اوپر جمع ہونے لگتے ہیں۔ مواد کے دانوں (Grains) کے سائز میں کمی کا تعلق گہرے ہوتے ہوئے پانی میں رسوب (Sediment) کو منتقل کرنے والی لہروں کی گھٹتی ہوئی طاقت سے ہے۔ تجاوز کے عمل کے عرصے میں چھوٹے چھوٹے وقفے بحری رجعت یا سمندری واپسی کے بھی ہو سکتے ہیں جس کی وجہ سے حجریاتی فیشی میں پیوستگی (Interfingering) کا امکان رہتا ہے۔

بحری خندقیں (Oceanic Trenches): سمندروں اور براعظموں کے درمیان جو قوسی جزائر کا سلسلہ موجود ہے، اس کے سمندری جانب پائی جانے والی یہ گہرائیاں، بحری خندقوں کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ بحری خندقیں لازمی طور پر قوسی جزائر سے وابستہ ہوتی ہیں۔ بحری خندقوں کی گہرائی سمندروں کی گہرائی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

فرش سمندر کے پھیلاؤ کے نظریہ اور ارضی پلیٹ کی حرکیات کے نظریے میں بحری خندقوں کو کلیدی مقام حاصل ہے۔ جو نیا مادہ لاوہ کی شکل میں بین البحری پہاڑی سلسلوں کی چوٹیوں سے خارج ہوتا ہے وہ فرش سمندر پر سفر کرتے ہوئے بالآخر یا تو بحری خندقوں کی نذر ہو جاتا ہے یا پھر براعظموں کے سواحل کا حصہ بن جاتا ہے۔

بحری راستے: (1) شمالی بحر اوقیانوس کے راستے: یہ راستے مغربی یورپ کے بندرگاہوں کو شمالی امریکہ کے مشرقی ساحل کے بندرگاہوں سے ملاتے ہیں۔ مشرقی ساحل کے اہم بندرگاہ گلاسگو، لیورپول، کارڈف، مانچسٹر، ساؤتھمپٹن، لندن، راٹرڈم، برمین اور ہمبرگ ہیں۔ مغربی حصے کے اہم بندرگاہوں میں کوبیک، مانٹریال، ہیلی فیکس، سینٹ جان، بوسٹن، نیویارک، بالٹی مور، چارلسٹن اور نیو آرلینز اہم ہیں۔

(2) پناما کا راستہ: یہ بحری راستہ بحرالکاہل کو بحر اوقیانوس سے ملاتا ہے۔ اس راستے سے مال درآمد اور برآمد کرنے والے بندرگاہ کولون، سان ڈیگو، وینکوور، پرنس روپرٹ، کیلاؤ اور آکلینڈ ہیں۔ اس نہر کی تعمیر سے قبل جہازوں کو کیپ ہارن (جنوبی امریکہ) کا چکر لگا کر جانا پڑتا تھا۔ نہر پناما کا راستہ کھل جانے کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مشرقی ساحل کے لیے جنوبی امریکہ کے مغربی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ممالک، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جاپان اور چین سے تجارت کی سہولت ہو گئی۔

(3) سوئیز نہر کا راستہ: یہ بحری راستہ مغربی اور شمالی یورپ کو براہ جبرالٹر بحیرۂ روم کے ممالک، مشرقی یورپ (براہ بحیرۂ اسود)، شمالی افریقہ، مشرق وسطیٰ، ہندوستان، پاکستان، جنوب مشرقی ایشیائی ممالک، آسٹریلیا اور مشرق بعید سے ملاتا ہے۔ اس راستہ سے دنیا کی ایک تہائی آبادی فائدہ اٹھاتی ہے۔ بحیرۂ احمر (قلزم) کو پار کر کے اس راستہ کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ایک شاخ افریقہ کے مشرقی ساحل سے ہوتی ہوئی ڈربن تک پہنچتی ہے دوسری بحیرۂ احمر کے دہانہ عدن سے نکل کر مشرق کی طرف خلیج فارس اور کراچی تک جاتی ہے۔ اس کی ایک ذیلی شاخ ممبئی دوسری کولمبو، سنگاپور، ڈاروِن، سڈنی اور ویلنگٹن تک پہنچتی ہے۔ سنگاپور سے ایک شاخ شمال کی طرف ہانگ کانگ، چین اور جاپان کے بندرگاہوں کو ملاتی ہے۔

(4) کیپ ٹاؤن کا راستہ: یہ بحری راستہ مغربی یورپ کو افریقہ کے مغربی اور جنوبی حصوں سے ملاتا ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے بھی کار آمد ہے۔ سوئیز نہر سے کم خرچ ہونے کے باعث آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے مسافر اسی راستہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ راستہ افریقہ کے مغربی ساحل سے ہوتا ہوا براہ راس امید ساحل جنال اور زنجبار تک جاتا ہے، یہاں سے بحر ہند کو پار کرتا ہوا کوچی (کوچین)، کولمبو اور پرتھ (آسٹریلیا) تک جاتا ہے۔ وہاں سے اس کی ایک شاخ آسٹریلیا کے جنوبی ساحل پر براہ ایڈیلیڈ اور ملبورن، ویلنگٹن تک جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

(5) جزائر غرب الہند اور جنوبی اوقیانوس کے راستے: یہ بحری راستہ جزائر غرب الہند، برازیل اور ارجنٹائن کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے۔ جن بندرگاہوں سے یہ راستہ گزرتا ہے ان میں سے اہم کنگسٹن (جمیکا)، ہوانا، ویرا کروز، ٹامپسکو، پرنامبوکو، باہیا، ریوڈی جنیرو، سانتوش، مانٹی ویڈو، بیونس آئرس اور روزاریو ہیں۔ یہ راستے ایک طرف یورپ کے درمیان اور دوسری طرف جزائر غرب الہند، بحیرۂ کیریبین کے ساحل، برازیل، یوروگوائے اور ارجنٹائن سے تجارتی تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں۔

(6) بحرالکاہل کے راستے: یہ بحری راستے شمالی امریکہ کے مغربی ساحل کے بندرگاہوں کو مشرقی ایشیا کے بندرگاہوں سے ملاتے ہیں۔ یہ دو اہم راستوں پر مشتمل ہیں۔ شمالی راستہ ایک طرف ایشیا کے مشرقی ساحل کو براہ جزائر ہوائی، جاپان اور فلپائن تک جاتا ہے۔ دوسری طرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مغربی ساحل کو بھی ملاتا ہے۔ اس بحری راستے کے اہم بندرگاہ شنگھائی، ناگاساکی، منیلا، سان ڈیگو، سانفرانسسکو، لاس اینجلز، وینکوور اور پناما ہیں۔ جنوبی بحرالکاہل کا راستہ شمالی امریکہ کے مغربی ساحل سے براہ جزائر فیجی، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ تک جاتا ہے۔

بحری رووں کے اثرات: (1) گرم اور سرد روئیں قریبی علاقوں کے درجہ حرارت کو متاثر کرتی ہیں۔ (2) گرم رووں کو عبور کرنے والی ہوائیں زیادہ رطوبت جذب کر کے خشکی کے علاقوں پر بارش برسا دیتی ہیں۔ (3) گرم اور سرد رووں کے اتصال سے فضا میں دھند یا کہر کی سی کیفیت پھیل جاتی ہے۔ (4) کشتیوں اور جہازوں کو بحری رووں کے رخ پر بڑھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ (5) گرم بحری روئیں مرجانی نشو و نما میں مدد دیتی ہیں۔ (6) رووں کے ذریعہ بحری جانوروں کو دور دراز علاقوں تک سے غذا فراہم ہو جاتی ہے۔ (7) ان کی رگڑ سے ساحلی خد و خال بدلتے رہتے ہیں۔

بحری روئیں: یہ سمندر کی بالائی سطح پر یا گہرائیوں میں حرکت کرنے والی پانی کی گرم یا سرد دھاریں ہیں، جو دائمی یا موسمی ہواؤں کے بہاؤ کی سمتوں کے زیر اثر سمندری پانی میں درجہ حرارت، کثافت اور شوریت کے اختلافات کے سبب ظہور میں آتی ہیں۔ زمین کی محوری حرکت، بحری فرش کے نشیب و فراز اور ساحلی علاقوں کے پیچ و خم بھی ان کے بہاؤ کی سمتوں میں تغیرات پیدا کر دیتے ہیں۔ مدو جزری کیفیتیں انھیں وقتی طور پر متاثر کرتی ہیں۔ استوائی پٹی کا گرم ہلکا اور لطیف پانی سمندر کی اوپری سطح پر قطبین کی طرف حرکت کرنے پر مائل ہوتا ہے، لیکن اس کے بہاؤ کا رخ ہواؤں کی سمتوں سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ توازن بر قرار رکھنے کے لیے سمندر کے قطبی علاقوں کا سرد بھاری اور کثیف پانی گہرائیوں میں اتر کر نیچے ہی نیچے گرم منطقوں کی طرف حرکت کر کے اوپر کی طرف انتشار رہتا ہے۔

بحری فرش (Sea Floor): طبقات نگاری کے لحاظ سے بحری فرش کافی نو عمر حصہ ارضی ہے۔ کئی مہموں کے ذریعے گہرے بحری رسوب کے جو نمونے حاصل کیے گئے، ان کی عمر پیمائی کے مطابق قدیم ترین رسوب جو اب بھی بحری فرش میں موجود ہیں، وسط جراسک (Mid Jurassaic) سے زیادہ قدیم نہیں ہیں اور گہرے سمندری گڑھوں کے آس پاس بھی یہی قدیم ترین رسوب پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جراسک سے قدیم تر رسوب بحری فرش کے پھیلاؤ (دیکھیے براعظمی سرکاؤ) یا عالمی ٹکٹونکس کے تحت منطقہ معانقہ میں جا کر پگھل چکے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بحری فیدم: سمندری گہرائیوں کو ناپنے کی اکائی ہے۔ایک فیدم سے 6 فٹ کا فاصلہ ظاہر ہوتا ہے۔

بحری قطب نما (Mariners Compass): یہ ایک بہتر قسم کا قطب نما ہوتا ہے جو بحری جہازوں میں سمتیں معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے اندر ڈائل کے مرکز پر لگی ہوئی مقناطیسی سوئی افقی سمت میں آزادانہ حرکت کر سکتی ہے۔ سکونی کیفیت میں اس کا ایک سرا ہمیشہ مقناطیسی شمال کی سمت دکھاتا ہے۔ معمولی قطب نما کے محیط میں دو کیلیں ایک دوسرے کے مقابل لگا کر اسے ایک دھاتی حلقہ سے سنگھار میز کے آئینہ کی طرح جوڑ دیں اور جس طرح شکل میں دکھلایا گیا ہے حلقہ کے مقامات 'ج' اور 'د' پر دو اور کیلیں لگا کر ان کیلوں کے سرے ایک اسٹینڈ پر لگی ہوئی کمانی تک پہنچادیں۔ کیلیں اس طرح جوڑی جائیں کہ حلقہ ان پر آزادانہ حرکت کر سکے اس طرح ایک معمولی بحری قطب نما تیار ہو جائے گا۔ پہلی دو کیلوں کے سہارے قطب نما حلقہ کے درمیان اور دوسری دو کیلوں کے سہارے حلقہ کمانی کے درمیان گھوم سکتا ہے۔اس نظام کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آڑے ٹیڑھے ہونے پر بھی قطب نما افقی حالت ہی میں قائم رہتا ہے اور سمتوں کو صحیح طور پر دکھاتا ہے۔

بحری قطب نما: بحری میل: جہازرانی میں سمندر کی سطح پر فاصلے ناپنے کا بین الاقوامی میل جو 6080 فٹ یا 1852 میٹر کے مساوی ہوتا ہے۔

بحری واپسی یا رجعت (Marine Regression): سطح سمندر کے کم ہو جانے کے نتیجہ میں کچھ سمندری زیر آب علاقے خشکی کے علاقوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور موٹے ساحلی رسوب مہین بحری رسوب کے اوپر جمع ہونے لگتے ہیں۔اس عمل کے دوران چھوٹے چھوٹے وقفے بحری واپسی کے بھی ممکن ہو سکتے ہیں۔

یہ ملاحوں کے کام آتا ہے۔اسے تیار کرنا ہو تو معمولی قطب نما کو سنگھار میز کے گھومنے والے آئینہ کی طرح حلقوں میں کچھ اس طرح پھنسا دیا جاتا ہے کہ جہاز کے جھولنے پر بھی وہ افقی حالت میں رہ کر صحیح سمتیں بتاتا ہے۔

بحری کنٹور: نقشہ میں بحری فرش کا ایک سی گہرائیاں رکھنے والے مقامات کو جوڑنے والا خط بحری کنٹور کہلاتا ہے۔ایسے خطوط گہرائی کے کسی مناسب وقفہ پر تیار کیے جاتے ہیں اور سمندری تہ کے نشیب و فراز کو نمایاں کرتے ہیں۔

بحری گہرائیاں: سمندر یکساں گہرے نہیں ہوتے۔اوسط گہرائی 12,300 فٹ مانی گئی ہے۔"لیکاز" کے خودکار عمق پیما میں لٹکے ہوئے وزن کو بحری فرش پر گرائیں تو ضرب کی لہریں اوپر پہنچ جاتی ہیں۔پانی میں آواز کی منتقلی کی اوسط رفتار 4,840 میل فی سکنڈ کے اعتبار سے حساب لگا کر گہرائیاں معلوم کی جاتی ہیں۔ فیتھومیٹر کے جدید آلہ سے بھی عمق پیمائی ہو سکتی ہے۔

بحرین (Bahrain): بحرین خلیج فارس میں واقع مجمع الجزائر پر مشتمل ایک آزاد امارت (Shaikhdom) ہے۔اس کا کل رقبہ تقریباً 678 مربع کلو میٹر (256 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی تقریباً 516,000 ہے۔ گو ایران انھیں اپنی ملکیت تصور کرتا ہے تاہم اس وقت یہ جزائر ایک عرب شیخ کی زیر حکومت ہیں اور یہ دو جزیرے بحرین یا اوال اور المحرق ہیں جنھیں آپس میں نقل حمل کے لیے دلدل سڑک سے ملادیا گیا ہے۔

1861 سے انھیں برطانوی تحفظ حاصل ہے۔ بحرین میں عربی اور فارسی دونوں زبانیں استعمال ہوتی ہیں، لیکن سرکاری زبان عربی ہے۔ 95.7 فیصدی مسلمان اور 3 فیصدی عیسائی ہیں اب یہاں کافی تعداد ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کی بھی ہے۔اس کا صدر مقام اور اہم بندرگاہ مناماہ (Manamah) ہے جو بحرین پر واقع ہیں۔ بحرین کے جزیرے قطر اور سعودی عرب کے بیچ میں واقع ہیں۔ 1931 میں یہاں تیل دریافت کیا گیا اور اب 2,916,000 میٹرک ٹن تیل نکالا جاتا ہے۔ بحرین جزائر کی سب سے زیادہ اہمیت اسی تیل کے مرکز کی وجہ سے ہے۔ برآمدات کا 84 فیصدی تیل اور تیل کی مصنوعات ہیں جو امریکہ، جاپان، سنگاپور وغیرہ کو بھیجی جاتی ہیں۔ درآمدات کا 42 فیصدی سعودی عرب سے اور بقیہ برطانیہ، جاپان اور امریکہ سے آتا ہے۔رائج سکہ بحرینی دینار ہے۔اٹھارویں صدی کے آخر تک بحرین ایران کی عملداری میں تھا 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 66,694 طالب علم اور 3,085 استاد، ثانوی مدارس میں 48,600 طالب علم اور حرفی اسکولوں میں 6,165 طالب علم تھے جبکہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 6,194 طالب علم تھے۔

1970 میں ایران نے ان جزائر پر اپنے حق کا دعوی کیا لیکن اسی زمانے میں یہاں کے باشندوں نے حق آزادی مانگا اور اقوام متحدہ نے اس کا اعلان کر دیا۔ 1971 میں برطانیہ نے اسے مکمل آزادی دے دی۔ بحرین اب اقوام متحدہ اور عرب لیگ کا رکن ہے۔

1973 میں یہاں آئین بنایا گیا جس کی رو سے شیخ کے اختیارات محدود

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہیں اور عورتوں کو بھی حق رائے دہندی حاصل ہے۔

بحیرۂ احمر یا بحیرۂ قلزم: بحیرۂ احمر اندرونی سمندر ہے جو جنوب مغربی عرب اور شمال مشرقی افریقہ کے درمیان واقع ہے۔ اس بحیرہ کی لمبائی 1,450 میل اور انتہائی گہرائی پورٹ سوڈان کے قریب 7,254 فٹ ہے۔ مجموعی پھیلاؤ 178,000 مربع میل ہے۔ یہ بحیرہ شمال میں خلیج سویز اور نہر سویز کے ذریعہ بحیرۂ روم یا بحیرۂ قرطین سے ملا ہوا ہے۔ جنوب میں کچھ آگے بڑھ کر باب المندب کے ذریعہ بحیرۂ عرب سے مل جاتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت میں اس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

بحیرۂ اَرل: قزاخستان کے جنوب مغربی علاقہ کی ایک بڑی جھیل ہے جو بحیرۂ کیسپین کے مشرق میں تقریباً 175 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عرب اور ایران کے قدیم جغرافیہ داں اسے بحیرۂ خوارزم کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کا رقبہ 25,659 مربع میل ہے اس لیے یہ اندرونی سمندر کی تعریف میں آتی ہے۔ لمبائی 266 میل اور چوڑائی 176 میل ہے۔ اوسط گہرائی 65 تا 80 فٹ ہے۔ مغربی ساحل کے ساتھ پھیلے ہوئے سب سے زیادہ گہرے حصے کی گہرائی 223 فٹ بتائی گئی ہے۔ شمالی ساحل کافی شکستہ ہے۔ جنوب میں اُمودریا کا ڈیلٹا دکھائی دیتا ہے۔ شمال مشرقی کنارہ پر سیر دریا اس میں داخل ہوتا ہے۔ جھیل کے میٹھے پانی میں مچھلیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

بحیرۂ اسود: خشکی کا وسیع ذخیرہ آب بحیرۂ اسود شمال میں روس سے، مشرق میں قزاخستان اور ازبکستان، مغرب میں رومانیہ اور بلغاریہ سے اور جنوب و جنوب مغرب میں ترکی سے گھرا ہوا ہے۔ اس بحیرہ کی چوڑائی 330 میل اور لمبائی 630 میل ہے۔ یہ اندرونی سمندر ایک لاکھ اسی ہزار مربع میل کے رقبہ پر محیط ہے۔ اس کی گہرائی شمال سے جنوب کی جانب بڑھتی جاتی ہے۔ کریمیا کے مغرب کی طرف بڑھتی ہوئی یہ گہرائی 500 فٹ سے 5000 فٹ تک پہنچ جاتی ہے۔ دریائے ڈینیوب، ڈنیر، ڈان اور دوسرے دریا اس میں اپنا پانی لا کر ڈالتے ہیں اس لیے اس کے پانی کی سطح ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ آبنائے باسفورس کے ذریعہ اس کا پانی بحیرہ مارمورا اور بحیرۂ ایجین سے ہوتا ہوا بحیرۂ روم میں جا گرتا ہے۔ آبنائے کرچ اس کو ایک چھوٹے بحیرۂ ازوف سے ملاتا ہے۔

بحیرۂ اوکھوٹسک: شمالی بحرالکاہل کا یہ چھوٹا سمندر ایشیائی روس کے ساحل پر جزیرہ نمائے کامچٹکا، جزائر کیورائل اور مشرقی سائبیریا کے گھیرے میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں جزیرہ سخالین ہے۔ بحیرۂ اوکھوٹسک کا مجموعی رقبہ 282,000 مربع میل ہے۔ انتہائی گہرائی 105,545 فٹ ہے۔ یہ سمندر آبنائے تاتار، سویا اور کورل کے ذریعہ باہری سمندر سے ملا ہوا ہے۔

بحیرۂ بالٹک: بحیرۂ بالٹک شمالی یورپ میں بحر اوقیانوس تک پہنچنے کی قریب ترین آبی راہ ہے۔ اس خطہ آب کا تقریباً نصف حصہ خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ ڈنمارک، سویڈن، روس، پولینڈ اور جرمنی کے ساحلوں نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ چھوٹا سمندر ڈنمارک اور سویڈن کے درمیان رودبار اسکاگراک کے ذریعہ بحیرۂ شمالی سے ملا ہوا ہے۔ بحیرۂ بالٹک کو نہر کیل کے ذریعہ بحیرۂ شمالی سے ملا دیا گیا ہے جو 61 میل لمبی ہے اور جرمنی اور ڈنمارک کی سرحدوں کے درمیان کی خاکنائے کو کاٹ کر بنائی گئی ہے۔ ڈنمارک کا چکر لگانے کے بجائے جہاز اسی راستے سے آتے جاتے ہیں۔ مشرقی ڈنمارک سے فن لینڈ کے جنوب تک بحیرۂ بالٹک کی لمبائی ایک ہزار میل سے زیادہ ہے۔ چوڑائی 124 میل ہے۔ زیادہ سے زیادہ گہرائی 1,200 فٹ ہے۔ مجموعی رقبہ 3,050 مربع میل ہے۔ اس کے اکثر حصے اتنے کم گہرے ہیں کہ وہاں جہاز رانی ممکن نہیں ہے۔ جزائر ڈینش کے قریب یہ سمندر اس قدر اتھلا ہو گیا ہے کہ گہرائی گھٹ کر 164 فٹ رہ جاتی ہے۔ اتھلا ہونے کی وجہ سے دوسرے سمندروں میں اس کا پانی بہت کم داخل ہوتا ہے۔ اس سے متصل ساحل کے کئی دریا جیسے وچولا اور اوڈر اس میں اتنا پانی ڈالتے ہیں جو اس سمندر کے ذخیرۂ آب سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دریاؤں کا پانی سمندری پانی کے کھاری پن کو کم کر دیتا ہے۔ بحیرۂ بالٹک کسی زمانے میں ماہی گیری کا بڑا مرکز تھا۔ اب بحیرۂ شمالی کے مقابلہ میں اس کی اہمیت گھٹ گئی ہے۔ اس بحیرہ کی دو اہم شاخیں خلیج بوتھنیا اور خلیج فن لینڈ ہیں۔ اہم بندرگاہیں لینن گراڈ اور کالینن گراڈ ہیں۔

بحیرۂ بیرنگ: بحیرہ بیرنگ یورپی سیاح جوناس بیرنگ کے نام سے موسوم ہے جس نے اس کو دریافت کیا تھا۔ یہ بحیرہ مشرقی روس اور الاسکا (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کے درمیان کی آبنائے بیرنگ اور بحیرۂ بیرنگ، کو شمال میں بحر قطب شمالی سے ملاتا ہے۔ یہ بحیرہ مشرق میں الاسکا اور مغرب میں سائبیریا اور جزیرہ نمائے کامچٹکا کے ساحلوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 885,000 مربع میل ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں بہت سے جزیرے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ سمندر اتھلا ہے البتہ شمال مغرب میں اس کی گہرائی بڑھ کر 15,659 فٹ ہو جاتی ہے۔ اتھلا ہونے کی وجہ سے بحرالکاہل اور بحر قطب شمالی کے درمیان پانی کی آمد و رفت زیادہ نہیں ہوتی۔ قطب شمالی کے قریب ہونے کے سبب موسم سرما بہت شدید ہوتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

نومبر سے مئی تک درجہ حرارت 32 ڈگری فارن ہیٹ سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ موسم گرما میں درجہ حرارت بمشکل 50 ڈگری فارن ہیٹ ہوتا ہے۔ اس سمندر میں جو آئس برگ پائے جاتے ہیں وہ بالعموم مقامی ہوتے ہیں اور بحر قطب شمالی سے نہیں آتے۔ زیادہ گہرائی کے خطوں میں سمندر برف پوش نہیں ہوتا۔ اس بحیرہ کی اہمیت ماہی گیری کی وجہ سے زیادہ ہے۔ بالعموم سیل مچھلی کا شکار ہوتا ہے۔ آبنائے بیرنگ کے قریب دو چھوٹے جزیرے بھی ہیں جو جزائرڈیو میل کہلاتے ہیں۔

بحیرۂ جاپان: جاپان اور سخالین کے درمیان کے آبی علاقہ کا رقبہ 389,100 مربع میل ہے۔ اس کی اوسط گہرائی 4,429 فٹ اور انتہائی گہرائی 12,276 فٹ ہے۔ جنوب مغرب میں یہ آبنائے کوریا اور آبنائے سوشیما (Tsushima) کے ذریعہ بحیرۂ مشرقی چین سے مل گیا ہے۔ آبنائے شمونسکی (Schimonoeski) نے اسے جاپان کے اندرونی سمندر سے جوڑ دیا ہے۔ جنوب مغرب سے اس میں گرم کیوروشیو ورَو کی ایک شاخ داخل ہوتی ہے۔ بحیرۂ جاپان ماہی گیری کا بڑا مرکز ہے۔ روس سے تجارت کے سلسلہ میں بھی یہ آبی علاقہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

بحیرۂ چین: ساحل چین کے مقابل یہ بحر الکاہل کی ایک شاخ ہے۔ اس کا رقبہ 1,377,700 مربع میل ہے۔ جزیرہ تائیوان (فارموسا) نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ شمالی حصہ کو بحیرۂ مشرقی چین اور جنوبی حصہ کو بحیرۂ جنوبی چین کہا جاتا ہے۔ بحیرۂ مشرقی چین کو تنگ ہائے بھی کہتے ہیں۔ اس کا رقبہ 482,300 مربع میل ہے۔ اس میں بحیرۂ زرد کا آبی علاقہ بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ آبنائے کوریا کے ذریعہ یہ بحیرۂ جاپان سے اور آبنائے فارموسا کے ذریعہ بحیرۂ جنوبی چین سے مل جاتا ہے۔ بحیرۂ جنوبی چین نان ہائے بھی کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ 895,400 مربع میل ہے۔ اس کے جنوب میں بورنیو، مشرق میں جزائر فلپائن، شمال مشرق میں تائیوان اور شمال میں ساحل چین کا علاقہ واقع ہے۔

بحیرۂ خزر (بحیرۂ کیسپین): کھاری جھیلوں میں یہ ذخیرہ آب اتنا بڑا ہے کہ اس کا شمار بحیروں میں ہوتا ہے۔ ایران کے شمال میں یورپ اور ایشیا کے درمیان خشکی سے گھرا ہوا یہ چھوٹا سمندر دنیا کا سب بڑا بحیرہ ہے۔ یہ 600 میل لمبا اور 130 تا 270 میل چوڑا ہے۔ اس کے مجموعی رقبہ کا گھیراؤ 178,866 مربع میل ہے جو بحیرۂ بالٹک کے رقبہ سے بھی زیادہ ہے۔ شمال میں اس کی گہرائی کم ہے لیکن جنوب کی طرف بڑھتے بڑھتے اس کی گہرائی 300 فٹ ہو جاتی ہے۔ اس کی سطح سطح سمندر سے 85 فٹ کم ہے۔ بحیرۂ خزر ایک ایسا اندرونی بحیرہ ہے جس کے پانی کے اخراج کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کا پانی عام سمندر کی طرح زیادہ کھاری نہیں کیونکہ کئی بڑے دریا جیسے دریائے وولگا اور دریائے یورال اس میں اپنا پانی ڈالتے رہتے ہیں۔ اس کے ساحلوں کے اہم بندرگاہ باکو، بندر شاہ اور استراخاں ہیں۔ اس میں مچھلیاں بکثرت پائی جاتی ہیں جن کے انڈے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔

بحیرۂ روم: بحیرۂ روم کو بحر متوسط بھی کہتے ہیں۔ دو براعظموں، یورپ اور افریقہ، کے درمیان اس بحیرہ کا پانی مشرق میں ایشیا کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ صرف مغرب میں یہ آبنائے جبل الطارق کے ذریعہ بحر اوقیانوس سے ملا ہوا ہے۔ جنوب مشرق میں نہر سویز کے ذریعہ یہ بحیرۂ قلزم سے مل جاتا ہے۔ شمال مشرق میں درۂ دانیال اور آبنائے باسفورس کے ذریعہ یہ بحیرۂ اسود تک پھیل گیا ہے۔ اس بحیرہ کی لمبائی مغرب سے مشرق میں خلیج اسکندریہ تک 2,500 میل ہے۔ اوسطاً چوڑائی 500 میل ہے۔ یوگوسلاویہ اور لیبیا کے درمیان یہ چوڑائی 850 میل ہو گئی ہے۔ انتہائی گہرائی 14,436 فٹ ہے۔ بحیرۂ اسود کے رقبہ کو چھوڑ کر اس سمندر کا مجموعی رقبہ 1,145,000 مربع میل ہے۔ مشرقی حصہ میں اس کا ایک ٹکڑا اٹلی اور یونان کے درمیان کا مغربی سمندر ہے جو ایونین بیسن کہلاتا ہے۔ جزیرہ کریٹ بحیرۂ روم کو بحیرۂ ایجین سے جدا کرتا ہے۔ بحیرۂ ایجین میں متعدد چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ بحیرۂ روم کے اہم جزیرے سسلی، سارڈینیا، کورسیکا، کریٹ، سائپرس، اور مالٹا ہیں۔ عمل تبخیر کے ذریعہ اس کا پانی کھاری ہوتا رہتا ہے۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ اس کے پانی کا درجہ حرارت بدلتا رہتا ہے۔ اس کے ساحل کے اہم بندرگاہ قادش، بارسیلونا، قرطاجنہ، مارسیلز اور جینوا ہیں۔

بحیرۂ رومی آب و ہوا کا خطہ: یہ خطہ 30° سے 45° عرض البلد کے درمیان براعظموں کے مغربی حصوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس خطہ کے بیشتر ممالک جیسے اسپین، پرتگال، جنوبی فرانس، اٹلی، سسلی، جزیرہ نما بلقان (یورپ)، ترکی (ایشیا)، الجیریا، تیونیشیا اور مراقش (افریقہ)، بحیرہ روم کے اطراف میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ کیلی فورنیا (شمالی امریکہ)، وسطی چلی (جنوبی امریکہ)، جنوب مغربی افریقہ (افریقہ)، اور جنوب مغربی نیز جنوب مشرقی آسٹریلیا (آسٹریلیا) کے علاقوں میں بھی رومی آب و ہوا کے ہی حالات پائے جاتے ہیں۔

موسم گرما میں یہاں ہوا کے زیادہ دباؤ کی پٹی کھنچ جاتی ہے اس لیے تجارتی اور مغربی ہوائیں باہر کی طرف چلنے لگتی ہیں۔ نتیجتاً بارش نہیں ہو پاتی۔ موسم سرما میں زیادہ دباؤ کی پٹی استوائی سمت میں ہٹ جاتی ہے اس لیے یہاں مغربی ہوائیں پہنچنے لگتی ہیں اور "40 تک بارش برسا دیتی ہیں۔ طبعی اختلافات اور محل وقوع کے

فرق کے نتیجہ میں جگہ جگہ بارش کی مقدار کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

یہاں کے درختوں کی جڑیں لمبی، پتے چھوٹے، روئیں دار یا چکنے ہوتے ہیں۔ انگور، انجیر، شہتوت، زیتون اور لیموں نیز نارنگی کے درخت بکثرت ملتے ہیں۔ گیہوں اور جو کی کاشت ہوتی ہے۔ معتدل آب و ہوا اور زرعی میدانوں کی سہولتوں کے باعث یہ علاقہ زمانہ قدیم ہی سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔

بحیرۂ زرد: بحر الکاہل کا یہ آبی علاقہ جو کوریا اور چین کے درمیان پھیلاؤ ہوا ہے۔ ہوانگ ہائی بھی کہلاتا ہے اس کا رقبہ تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار مربع میل ہے۔ شمال مغرب میں آبنائے چیہلی نے اسے خلیج چیہلی یا پوہائی اور خلیج لیاؤ تنگ سے ملا دیا ہے۔ جنوب میں یہ بحیرۂ مشرقی چین سے مل گیا ہے۔ اس کی گہرائی زیادہ نہیں ہے۔ انتہائی گہرائی تقریباً 250 فٹ ہے۔ کنارے کے زرخیز علاقوں پر زراعت اور صنعت دونوں کو فروغ ہوا ہے۔ ماہی گیری اہمیت رکھتی ہے۔

بحیرۂ شمالی (شمالی سمندر): بحیرۂ شمالی دراصل بحر اوقیانوس کی شمال مشرقی شاخ ہے جو جزائر برطانیہ اور شمال مغربی یورپ کے درمیان واقع ہے۔ اس کو مغرب میں مملکت برطانیہ اور جزائر آرکنے گھیرے ہوئے ہیں۔ شمال میں جزائر شٹ لینڈ، مشرق میں ناروے اور ڈنمارک، اور جنوب میں فرانس، بلجیم، ہالینڈ اور مغربی جرمنی ہیں۔ یہ آبنائے ڈوور اور رودبار انگلستان کے ذریعہ بحر اوقیانس سے ملا ہوا ہے۔ بحیرۂ شمالی کا رقبہ دو ہزار بیس لاکھ مربع میل ہے۔ یہ ایک اتھلا سمندر ہے۔ بہت کم حصے تین سو فٹ سے زیادہ گہرے ہیں۔ جنوب میں یہ گہرائی اور کم ہو کر صرف 120 فٹ رہ جاتی ہے۔ شمالی انگلستان کے ساحل پر یہ گہرائی 50 تا 100 فٹ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہی گیری کے لیے نہایت موزوں مقام ہے اور اس تعلق سے بڑی شہرت رکھتا ہے۔ اس سمندر کے ذریعہ بحری تجارت بہت ہوتی ہے۔

بحیرۂ عرب: یہ بحر ہند کا شمال مغربی حصہ ہے۔ اس کے مشرق میں ہندوستان، شمال میں پاکستان اور جنوبی ایران، مغرب میں عرب اور افریقہ کا سینگ نما علاقہ واقع ہیں۔ اس کی دو اہم شاخیں ہیں۔ ایک خلیج عدن جو آبنائے باب المندب کے ذریعہ بحیرۂ قلزم سے مل گئی ہے، دوسری خلیج عمان جو آبنائے ہرمز کے ذریعہ خلیج فارس سے مل گئی ہے۔ یہ سمندری علاقہ یورپ اور ایشیا کے درمیان تجارت کی بڑی شاہ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بحیرۂ عرب کا بیشتر حصہ 1,600 فیدم سے زیادہ گہرا ہے۔ اس کے وسطی حصہ میں جزیرے نہیں ہیں۔ جنوب مشرق کی طرف شمالاً جنوباً جزائر مالدیپ اور لکدیپ کی بلندیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سمندری علاقہ پر گرما کی موسمی ہوائیں جنوب مغرب سے شمال مشرق کی طرف بڑھ کر ہندوستان کے مغربی ساحل پر خوب بارش کرتی ہیں۔ سرما کی موسمی ہوائیں خشکی کے علاقوں سے آنے کے باعث بارش نہیں لا سکتیں۔ بحری رووں کا بہاؤ موسمی ہواؤں سے متاثر ہوتا ہے۔ موسم گرما میں یہ گھڑی کی سوئیوں کی سمت میں اور سرما میں اس کی مخالف سمت میں چلتی ہیں۔

بحیرۂ کیریبین: شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیان ایک گہرا بحیرہ ہے جو جنوب مشرق میں وینیز ویلا، کولمبیا، پناما، کوسٹاریکا اور مغرب میں نکاراگووا، ہونڈوراس اور مکسیکو کے جزیرہ نمائے یوکیٹن سے گھرا ہوا ہے۔ شمال اور مشرق کی جانب ویسٹ انڈیز کے جزائر گریٹر اینٹی لیز اور لیسر اینٹی لیز ہیں۔ شمالاً جنوباً اس کی چوڑائی 380 میل سے 700 میل تک ہے۔ انتہائی لمبائی 1,500 میل سے زیادہ ہے۔ بحیرۂ کریبین اور خلیج مکسیکو مجموعی طور پر امریکن مڈیٹرینین سمندر کہلاتے ہیں۔ اس کا انتہائی گہرائی والا علاقہ کیوبا اور جمائیکا کے درمیان کا وہ مغربی حصہ ہے جو سطح سمندر سے 22,788 فٹ نیچا ہے۔ بحر اوقیانوس کا پانی بحیرۂ کیریبین میں ان مقامات پر بڑی آزادی کے ساتھ داخل ہوتا ہے جو نسبتاً کم گہرے یعنی 2,500 فٹ ہیں۔

بحیرۂ مردار: بحیرۂ مردار کو بحیرۂ لوط بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ کھاری پانی کی بڑی جھیل ہے۔ بحیرۂ روم کے جنوب مشرقی ساحل کے نزدیک واقع ہے۔ اس کا شمالی نصف حصہ سیریا (شام) میں واقع ہے جبکہ نصف حصہ اردن اور اسرائیل میں تقسیم ہو گیا ہے۔ یہ بحیرہ ایشیا کا سب سے نشیبی یعنی سطح سمندر سے 1,302 فٹ نیچا سمندر ہے۔ اس کی کم سے کم گہرائی 1,300 فٹ ہے جبکہ چوڑائی صرف 11 میل ہے۔ سطح کا رقبہ 495 مربع میل ہے۔ مختلف موسموں میں اس کے پانی کی سطح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ برسات میں بہت اونچی ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں عمل تبخیر کے سبب گھٹ جاتی ہے۔ اس میں ملک سیریا (شام)، اردن اور اسرائیل کے دریا اپنا پانی ڈالتے ہیں۔ بے شمار نہریں اور چشمے ان کے علاوہ ہیں۔ پانی کے اخراج کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

بخارا: ازبکستان میں صوبہ بخارا کا صدر مقام ہے۔ وادی زرفشاں میں واقع ہے۔ اس کے اطراف میں آمو دریا سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں جس کی وجہ سے یہ روئی کی کاشت کا بہت بڑا علاقہ بن گیا ہے اور بخارا میں سوتی کپڑے کے کئی کارخانے قائم ہیں۔

بخارا ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ پانچویں صدی میں یہ بڑا تجارتی اور

تہذیبی مرکز تھا۔ آٹھویں صدی میں یہ عربوں کے تحت آگیا اور اسلامی علوم کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ نویں اور دسویں صدی میں یہ سامانی سلطنت کا دارالسلطنت رہا۔ سولہویں صدی کے بعد سے یہ بخارا کے خانوں کے تحت رہا۔ سنہ 1868 میں یہ خان، زار شاہی روس کے ماتحت بن گئے۔ سنہ 1917 کے انقلاب کے بعد یہ سوویت سوشلسٹ جمہوریہ کا حصہ بن گیا۔ سنہ 1924 تک یہ عوامی جمہوریہ بخارا کا صدر مقام رہا۔ جب ازبک یونین جمہوریہ قائم ہوئی تو بخارا بھی اس کا حصہ بن گیا اور بخارا کا علاقہ اس کا ایک صوبہ بن گیا۔ نومبر 1991 میں ازبکستان ایک آزاد ملک بن چکا ہے۔

بخارا میں کئی قدیم بزرگوں اور حکمرانوں کے نہایت شاندار مقبرے، مسجدیں اور مدرسے اب بھی باقی ہیں ان میں مقبرہ شاہ اسمٰعیل (907-892)، مسجد عطاری (بارہویں صدی)، مقبرہ الغ بیگ (سنہ 1417)، مقبرہ میر عرب (سنہ 1536) اور مدرسہ عبدالعزیز خاں (سنہ 1652) خاص شہرت رکھتے ہیں۔

بدخشاں: افغانستان کی شمال مشرقی سرحد پر یہ ایک صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 12,374 مربع میل ہے۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 344,495 تھی۔ یہ ایک خوبصورت پہاڑی علاقہ ہے۔ فیض آباد اس کا صدر مقام ہے۔ تقریباً 320 مربع میل رقبہ زیر کاشت ہے جس کے نصف حصہ پر آب پاشی کی جاتی ہے۔ "یاک" یہاں کا اہم پالتو جانور ہے۔ اس کے علاوہ بھیڑیں، بکریاں، گائیں، خچر، کتے اور اونٹ بھی پالے جاتے ہیں۔ یہ کئی قسم کے قیمتی پتھروں، سونے اور پستہ (خشک میوہ) کے لیے مشہور ہے۔ سنگ لاجورد اور یاقوت کے لیے بدخشاں ساری دنیا میں مشہور ہے۔ لعل بدخشاں کی تعریف میں شعرا صدیوں سے گیت گاتے آئے ہیں۔

بدری ناتھ: اتر پردیش میں ایک پہاڑی چوٹی ہے جہاں بدری ناتھ کا مشہور مندر واقع ہے۔ یہاں ایک گاؤں وشنو گنگا کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ بدری ناتھ کا مندر آٹھ سو سال پہلے شنکراچاریہ نے بنوایا تھا۔ یہاں ایک گرم پانی کا چشمہ بھی ہے۔

بدیۃ الشام (سیریائی ریگستان): یہ ریگستانی علاقہ سیریا (شام) کی جنوبی حدود پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے جنوب میں اردن اور عراق کے علاقے واقع ہیں۔ اس کا وسطی حصہ الحماد کا ریگستان کہلاتا ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے دمشق سے شمال مشرقی سمت میں تدمر اور فرات کی طرف پھیل گئے ہیں۔ دریا کی دوسری طرف یہ سلسلے مغرب سے مشرق کی طرف مڑ جاتے ہیں۔

بدھ گیا (بودھ گیا): ریاست بہار (ہندوستان) کا ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مہاتما بدھ کو الوہی بصیرت یہیں پر ایک پیپل کے درخت کے نیچے حاصل ہوئی تھی۔ آٹھویں اور بارہویں صدی کے یہاں کئی بودھی آثار، اسٹوپا اور دھارے موجود ہیں۔ بدھ مت والوں کے لیے یہ ایک نہایت مقدس مقام ہے۔

برونائی دارالسلام (Brunai Darussalam): برونائی ایک سلطنت ہے۔ یہ جزیرہ بورنیو کے شمالی ساحل پر بحیرۂ جنوبی چین کے کنارے واقع ہے۔ اس کا وہ حصہ جو سمندری ساحل سے ملا ہوا نہیں ہے ملیشیا کے علاقہ سراوک سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 5,765 مربع کلو میٹر اور 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 273,000 ہے۔ صدر مقام بندر سیری بگوان ہے۔

یہ سلطنت پندرھویں صدی میں قائم ہوئی تھی۔ اب یہاں ایک سلطان حکمراں ہے اور اسے 1888 سے برطانیہ کی حمایت (Protectorate) حاصل ہے۔ یہاں تیل اور گیس نکلتی ہے اور برآمد کا سب سے بڑا حصہ یہی ہے۔ ان کے علاوہ ربر، ناریل، کساوا، اناس، کیلے اور چاول وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ باشندوں کی بڑی اکثریت ڈیاک لوگوں کی ہے۔ ملائی زبان استعمال ہوتی ہے۔ اور عام طور پر لوگ مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔ گو کہ ملیشیائی اکثریت میں ہیں لیکن معیشت پر چینیوں کی اجارہ داری ہے۔ پچھلی صدیوں میں برونائی پر مختلف طاقتیں اثر جماتی رہیں۔ انیسویں صدی میں یہ بحری لٹیروں اور غلاموں کی تجارت کا ایک بڑا مرکز رہا۔ 1888 میں برطانیہ نے اسے اپنی حمایت میں لے لیا۔ 1953 تک برونائی، سراوک اور شمالی بورنیو برطانوی کمشنر کے تحت رہے، جس کا صدر مقام سنگاپور تھا۔ 1959 میں برونائی کے سلطان کو اندرونی اختیارات ملے اور دفاع اور خارجی پالیسی پر برطانیہ کا کنٹرول رہا۔ جولائی 1962 میں اسے ملیشیا کے وفاق میں شریک کر دیا گیا۔ لیکن اس کے خلاف سخت بغاوت ہوئی جسے انگریزی فوجوں نے کچل دیا اور پھر یہ اس وفاق سے الگ ہو گیا۔ 1979 میں ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت 1983 میں برونائی بالکل آزاد ہو گیا۔

برار: یہ ہندوستان کے قدیم صوبہ جات متوسط و برار کا جنوبی علاقہ ابتدا میں ریاست حیدر آباد (دکن) سے متعلق تھا۔ بعد میں یہ سرکار انگریزی کو دوامی پٹہ پر دے دیا گیا تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد یہ مہاراشٹر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

برازاول (Brazzaville): جمہوریہ کانگو کا یہ دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی تقریباً ایک لاکھ ہے۔ یہ دریائے کانگو پر ایک بندرگاہ بھی ہے۔ ریل کے

ذریعے یہ بندرگاہ پوائنٹ نوائر (Point Noire) سے مربوط ہے۔ 1945 کے بعد اس کی وسعت میں بہت اضافہ ہوا اور یہ جہاز سازی، رسل و رسائل اور صنعت کا مرکز بن گیا۔ کپڑا، جوتے، سگریٹ بنانے اور غذائی اشیا کو ڈبوں میں بند کرنے اور سونا صاف کرنے کے کارخانے یہاں قائم ہوئے۔ اس شہر کی بنیاد 1880 میں رکھی گئی تھی اور اس کو فرانسیسی خط استوائی افریقہ کا دارالحکومت بنایا گیا تھا۔ دوسری عالم گیر جنگ میں یہ فرانسیسی فوجوں کا آماجگاہ تھا۔ آج کل یہاں کے پونو پونو مقام پر آرٹ اسکول، پا پچر انسٹی ٹیوٹ، اساتذہ کی تربیت کا کالج، بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) اور ایک بہترین ریڈیو اسٹیشن قائم ہیں۔

برازیل (Brazil): جنوبی امریکہ کے مشرق میں ایک وفاقی جمہوریہ ہے جو سرکاری طور پر ولایات متحدہ برازیل (United States of Brazil) کہلاتا ہے۔ یہ جنوبی امریکہ کی سب سے بڑی ریاست ہے اور پورے براعظم کے تقریباً نصف حصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا رقبہ 8,511,965 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 154,522,000 ہے اور سوائے ایکواڈور اور چلی کے جنوبی افریقہ کے تمام دوسرے ممالک اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ مشرق کا پورا علاقہ بحر اوقیانوس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے اہم شہر براز یلیا (Brasilia)، ریوڈی جینی رو (Rio de Janeiro) اور ساؤپالو (Sao Paulo) ہیں۔ زبان پرتگالی ہے اور 88 فیصدی آبادی کا مذہب عیسائی رومن کیتھولک ہے۔

براز یل کا رقبہ نہایت وسیع ہے۔ اس لیے یہاں ہر قسم کا موسم اور آب ہوا ملتی ہے۔ وسطی سطح مرتفائی علاقہ کا موسم سرد ہے۔ یہاں معتدل آب ہوا کی پیداوار ہوتی ہے۔ لوگ بھی یہاں مختلف نسلوں کے ہیں بلکہ فخر کیا جاتا ہے کہ یہاں کی نئی نسل یوروپی اقوام، نیگرو اور مقامی انڈین نسل کے لوگوں کا مجموعہ ہے۔ خالص انڈین نسل کے لوگ 5 لاکھ کے قریب ہیں جو دریائے امیزان کے پاس کے علاقے میں آباد ہیں۔ اس علاقہ کے جنگلوں سے ربڑ بڑے پیمانے پر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس حصہ میں بہت سارے علاقے ابھی پسماندہ، اور غیر ترقی یافتہ ہیں۔ شمال مشرقی علاقہ پام کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ شمال مشرق کے کافی بڑے علاقے پر ایک زمانہ سے گنے کی کاشت ہو رہی ہے۔ اس علاقہ نے براز یل کے کلچر اور ادب میں اہم حصہ ادا کیا ہے۔ براز یل کے سارے بڑے شہر اور بندرگاہ بھی اسی علاقہ میں ہیں۔

براز یل کی زرعی پیداوار میں گیہوں، مکئی، چاول، کساوا، آلو، گنا، سویابین، کافی، کوکو، تمباکو، ربر وغیرہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ گائے، سور، مچھلی وغیرہ کا گوشت کافی مقدار میں حاصل کیا جاتا اور استعمال ہوتا ہے۔

تھوڑا تیل اور گیس نکلتی ہے۔ کوئلہ اور لوہے کی کان کنی ہوتی ہے۔ سیمنٹ، کاغذ اور موٹر گاڑیوں کی صنعتیں قائم ہوئی ہیں۔ تقریباً 24 فیصدی در آمد امریکہ سے آتی ہیں۔ باقی جرمنی، سعودی عرب، جاپان اور عراق وغیرہ سے آتی ہیں۔ برآمدات 22 فی صدی امریکہ کو اور باقی ہالینڈ، جاپان، جرمنی اور برطانیہ کو جاتی ہیں۔ برآمد کا بڑا جزو لوہے کی کچ دھات، کافی اور شکر ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق براز یل میں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 28,742,471 اور استادوں کی تعداد 1,253,029، ثانوی مدرسوں میں 3,558,946 طالب علم اور 248,705 استاد اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 156,056 طالب علم اور 133,135 استاد تھے۔

تاریخ: اس بات کے آثار ملتے ہیں کہ پرتگالی 1450 سے پہلے سے براز یل سے واقف تھے۔ لیکن عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک ہسپانوی وینسٹ پنزر (Vicent Pinzor) نے یا پرتگالی پڈرو الوارس کبرال (Pedro Alvaris Cabral) نے براز یل کو دریافت کیا تھا۔ دونوں 1500 میں ہی، چند مہینوں کے وقفہ سے یہاں پہنچے تھے لیکن یہاں بستیاں اور نو آبادیاں قائم ہونے میں تھوڑا سا وقت لگا۔ فرانسیسی، ہسپانوی اور ڈچ قوم کے لوگوں نے حملے کر کے شروع کے بسے ہوئے لوگوں سے یہ علاقے چھیننے کی کوشش کی لیکن انھیں ناکامی ہوئی اور کافی عرصہ تک یہ علاقہ پر امن طریقہ پر ترقی کرتا رہا۔ 1699 میں یہاں سونے کی کانیں دریافت ہوئیں اور بہت سارے مہم جو، خاص طور پر پرتگال اور اسپین سے، اندرونی علاقوں میں سونے کی تلاش میں پھیلنے لگے۔ 1808 میں براز یل کے بندرگاہ یوروپ سے تجارت کے لیے کھل گئے اور 1824 میں پرتگالی بادشاہ نے اس کے لیے ایک آئین منظور کیا۔

1808 میں فرانسیسوں نے پرتگال کے برگانزا حکمراں خاندان کو شکست دے دی اور اس نے براز یل میں پناہ لی۔ 13 مئی 1822 میں شاہی خاندان کا آخری فرزند پرتگال کا محافظ چنا گیا۔ 2 ستمبر کو اس نے براز یل کو پرتگال کی حکمرانی سے علیحدہ کر لیا اور ایک آزاد ملک ہونے کا اعلان کر دیا اور پڈرو اول کے نام سے براز یل کا شہنشاہ بن گیا 1831 میں اس نے خود تخت سے دست برداری اختیار کر لی اور پرتگال چلا گیا۔ حکومت کا انتظام تقریباً نو سال تک ایک ریجنسی چلاتی رہی۔ جب شہنشاہ کا لڑکا پندرہ سال کا ہو گیا تو اسے پڈرو دوم کے لقب سے تخت نشین کر دیا گیا۔ وہ 18 سال تک حکمراں رہا۔ 18 نومبر 1889 کو انقلاب ہوا۔ بادشاہت ختم کر دی گئی اور براز یل ایک جمہوریہ بن گیا۔ 1891 میں براز یل میں نیا آئین نافذ ہوا جو امریکہ

کے آئین کے طرز پر تھا۔

1914 کی عالم گیر جنگ میں برازیل نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ جب امریکہ جنگ میں شریک ہوا تو برازیل نے بھی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ 1934 میں ڈاکٹر ورگاس (Vargas) صدر چنا گیا اور اس عہدہ پر تقریباً بیس سال تک رہا۔ وہ تقریباً ایک ڈکٹیٹر تھا۔ اس کے دور میں صنعتوں نے ترقی کی۔ تعلیم پھیلی اور عام معاشی حالت کسی قدر بہتر تھی۔

دوسری جنگ عظیم کے شروع میں برازیل نے غیر جانب داری کا رویّہ اختیار کیا لیکن 1942 میں اس نے جرمنی کے خلاف اور 1943 میں جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ 1945 میں برازیل مجلس اقوام متحدہ کے بانی ممبروں میں شامل ہو گیا۔

جنگ کا اثر برازیل کی معاشی اور سیاسی زندگی پر گہرا پڑا اور ورگاس کو استعفیٰ دینا پڑا۔ اس کے سابق وزیر جنگ جنرل دترا (Dutra) نے لی۔ بڑھتے ہوئے افراط زر اور شہری آزادی کے کچلنے سے عوام میں سخت بے چینی بڑھنے لگی اور 18 ستمبر 1946 کو ایک نیا آئین منظور کیا گیا۔ بڑھتی ہوئی بے چینی رک نہ سکی اس کا الزام برازیل کی کمیونسٹ پارٹی پر رکھا گیا۔ اسے غیر قانونی بنا دیا گیا۔ جب حالات اور ابتر ہونے لگے تو ورگاس نے پھر اقتدار سنبھال لیا اور بیرونی امداد کی مدد سے معاشی حالت سدھارنے کی کوشش کی۔ جب کامیابی نہیں ہوئی تو اس کا تختہ الٹ دیا گیا اور اس نے اگست 1954 میں خودکشی کر لی۔

ورگاس کے بعد کئی عارضی صدر رہے اور اس کے بعد انتخاب کے ذریعہ عوامی تائید سے کیوبی چک (Kubichek)، کوادروس (Quadros) اور پھر گولارٹ (Goulart) صدر بنے۔ یہ سب لبرل تھے۔ فوجی جنرل ان کے خلاف تھے لیکن انھیں عوام کی تائید حاصل نہیں تھی۔ اس لیے مخالف کچھ کر نہ سکے۔ آخرکار 31 مارچ 1964 کو فوج نے بغاوت کر کے اقتدار حاصل کر لیا۔

21 اپریل 1960 میں برازیلیا کو برازیل کا صدر مقام بنایا گیا گویا اندرون ملک تمام وسائل کو استعمال کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا گیا۔

1965 میں فوج مخالف طاقتوں نے الیکشن جیت لیا اور صدر کے اختیارات بہت زیادہ بڑھا دیے گئے۔

1967 میں ایک نیا آئین (دستور) ترتیب دیا گیا لیکن ملک کے اندرونی حالات بہت زیادہ خراب رہے۔

وسط 1970 تک ملک میں فسادات اور تشدد کا زور رہا۔ مارچ 1974 میں جب جنرل گیزو صدر بنا تو برازیل دنیا کا سب سے زیادہ بڑا مقروض ملک تھا۔

1979 سے 1985 تک ملک میں صنعتی ترقی ہوئی اور جمہوری نظام کی جانب بھی قدم بڑھائے گئے۔ 1990 میں صدر فرنانڈو کالر ڈامیلو عوامی رائے سے انتخابات جیت گیا۔ اسی کے دور میں ملک میں جنگلات کے تحفظ کا انتظام کیا گیا کیونکہ جنگلوں کی کٹائی ماحول اور ایکولوجی پر خراب اثر ڈال رہی تھی لیکن 1992 سے ملک میں کرپشن اور رشوت خوری بڑھ جانے سے کانگریس نے اس منتخب صدر کا بھی محاسبہ کیا اور اس پر پارلیامنٹ میں مقدمہ چلایا گیا۔

برازیلیا: یہ جنوبی امریکہ کی مملکت برازیل کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں تقریباً 185,000 تھی۔ یہ دنیا کے جدید ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ سنہ 1961 میں اس کا افتتاح ہوا۔ یہ برازیل کی اونچی وسطی سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہاں کی بالکل جدید طرز کی سرکاری عمارتیں کافی مشہور ہیں۔ ان کے نقشے مشہور ماہر تعمیرنی میر نے بنائے ہیں۔ برازیل کی راجدھانی پہلے "ریو، ڈی، جنرو" میں تھی۔ یہاں کی قومی شاہ راہیں اس کو ریو، ڈی، جنرو اور دوسرے شہروں اور بندرگاہوں سے ملاتی ہیں۔ اس کی تعمیر کا خاکہ 1956 میں منظور ہوا اور سنہ 1957 میں تعمیر شروع ہوئی۔ اس کا خاکہ ہوائی جہاز کی شکل ہے۔

براضی نشیب (Epiugeosyncline or Zengogeo-syncline): ایک قسم کا پیرا ارضی ہم میلان (دیکھیے پیرا ارضی ہم میلان (Parageosyncline) اور ارضی کا س جس کے حاشیے کے علاقے سر بلند (Uplifted) ہوں۔

براعظم سازی (Epeirogenisis): قشر ارض یا زمین کی اوپری پرت یعنی کرسٹ پر ارضی خد و خال جن عوامل کی وجہ سے تعمیر ہوئے یا تخریب کا شکار ہوئے ہیں، ان میں کوہ سازی اور ارضی ہم میلان کا رول نہایت واضح اور نمایاں ہے۔ کوہ سازی کی اہمیت تو قدیم اور نئے پہاڑی سلسلوں کی تعمیر میں قابل فہم ہے۔ مگر براعظم جیسے سادہ اور غیر پیچیدہ علاقوں کی تعمیر اور تشکیل جن عوامل کی مرہون ہے، وہ اپنی قوت اور شدت میں کوہ سازی کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ایسے تمام عمل کو جن کی وجہ سے براعظموں یعنی زمین کی تعمیر ہوئی ہے براعظم سازی (Epeirogenisis) کہا جاتا ہے۔

براعظم سازی میں کوہ سازی کے برعکس زمین کے قشر یا کرسٹ کے بڑے یا چھوٹے حصے مختلف اوقات میں رفتہ رفتہ ابھرتے رہتے ہیں یا پھر کرسٹ میں

وہ نیچے دھنستے رہتے ہیں۔ ابھرنے یا ڈوبنے کے اس عمل میں براعظم تشکیل پاتے ہیں۔ ابھرنے اور ڈوبنے کے اس عمل کو دھیمی جنبش ٹیکٹانکس (Oscillatory Tectonics) بھی کہا جاتا ہے۔

قدیم ساحلی کناروں کے ڈوبنے، نئے ساحلوں کے ابھرنے، نئے جزیروں کی تشکیل، سمندروں کی خشکی کے علاقوں میں پیش قدمی وغیرہ جیسے مشاہدات سے قشریا کرسٹ پر ارضیاتی جنبش کے نظریہ کو زبردست تقویت ملی ہے۔

براعظم سازی کے پہلے مرحلے میں ارضی ہم میلان میں رسوبات جمع ہوتے ہیں جو حجر پانے کے بعد معکوس یا عمودی تسلسل کے عمل کے ذریعہ ابھر کر سطح پر نمودار ہوتے ہیں یا پھر بسا اوقات ابھرے ہوئے براعظم نیچے دھنس جاتے ہیں۔ براعظم سازی کی وجہ سے تشکیل پانے والے حجرات میں فولڈنگ بالکل نہیں ہوتا اور حجرات کا جھکاؤ یا میلان بہت کم ہوتا ہے یا پھر یہ عام طور پر افقی سطح کے متوازی ہوتا ہے۔ براعظم سازی کے حجرات آتشی حجرات یا کایابدل حجرات سے بھی بالکل عاری ہوتے ہیں۔

جہاں کوہ سازی زمین کے قشریا کرسٹ میں سیال علاقوں (Mobile Belts) کی غماز ہے وہیں براعظم سازی قشریا کرسٹ کے پختہ تر علاقوں (Shield Areas) کی نمائندگی کرتی ہے۔ اول الذکر علاقوں میں زلزلے اور آتش فشاں پائے جاتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر ان سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔

ہندوستان کا ہمالیہ کا علاقہ سیال علاقے میں واقع ہے جبکہ جنوبی ہند کا بڑا علاقہ شیلڈ علاقے کی حدوں میں پایا جاتا ہے۔

براعظم یوروپ (Europe) : یوروپ دنیا کے براعظموں میں سوائے آسٹریلیا کے، سب سے چھوٹا ہے۔ دنیا کی آبادی کا تقریباً چھٹا حصہ یہاں رہتا ہے۔ 1991 میں یوروپ کی آبادی اقوامِ متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق 502,000,000 تھی جو دنیا میں ایشیا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دنیا کی معاشی، سیاسی، اور تہذیبی ترقی میں یوروپ کا بڑا اہم حصہ رہا ہے۔ بلکہ سیاسی طور پر تو اس نے رقبہ اور آبادی کے مقابلے میں کہیں بڑا رول ادا کیا ہے۔

براعظم ایشیا اور یوروپ دونوں ایک متصل علاقہ پر واقع ہیں۔ شمال میں بحر منجمد شمالی سے شروع ہو کر جنوب میں بحیرۂ کیسپین ہوتا ہوا بحیرۂ اسود (سیاہ) تک کا ایک فرضی خط ان دونوں براعظموں کو جدا کرتا ہے۔ اس خط کے مشرق میں ایشیا ہے اور مغرب میں یوروپ۔ یوروپ کے مغرب میں بحیرۂ اوقیانوس، جنوب میں بحیرۂ روم اور شمال میں بحر منجمد شمالی ہیں۔

براعظم یوروپ میں کئی جزیرے اور جزیرہ نما واقع ہیں۔ سمندر جو اسے گھیرے ہوئے ہیں وہ دور تک اندر چلے گئے ہیں۔ انھیں الگ الگ نام دیے گئے ہیں:۔ مثلاً شمال اور شمال مغرب میں بحیرۂ شمالی اور بحیرۂ بالٹک ہیں اور جنوب میں بحیرۂ ایڈریاٹک، بحیرۂ ایجین، بحیرۂ اسود (سیاہ) وغیرہ اور ان ہی کی وجہ سے ساری دنیا کے سمندری جہاز یوروپ کے بندرگاہوں میں لنگر انداز ہو سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بحر اوقیانوس اور دوسرے سمندروں سے آنے والی مرطوب ہوائیں یوروپ کی آب و ہوا کی سخت سردی کو کم کرتی رہتی ہیں اور آب و ہوا کو معتدل رکھتی ہیں۔ چنانچہ یوروپ کا بڑا حصہ ایشیا اور امریکہ کی انتہائی سخت سردی اور سخت گرمی سے محفوظ رہتا ہے۔ ان بے شمار خلیجوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوروپ میں کافی بارش ہوتی ہے جس سے اچھی فصلیں حاصل ہوتی ہیں۔ دوسرے براعظموں کی طرح یہاں ریگستان نہیں ہیں۔

یوروپ اگرچہ ایک چھوٹا براعظم ہے لیکن اس میں بڑا تنوع ہے۔ شمال میں پہاڑوں کا ایک طویل بلسلہ چلا گیا ہے۔ یہ پہاڑ آئرلینڈ سے لیکر سوئڈن، ناروے ہوتے ہوئے انتہائی مشرق میں فن لینڈ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ کچھ حصے تو بحر اوقیانوس کے اندر چھپ گئے ہیں۔

یوروپ کے وسطی حصہ میں، مغربی ساحل سے لے کر مشرق میں یورال تک، پست علاقوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ تاہم یہ علاقے پوری طرح ایک جیسے نہیں ہیں۔ بیچ بیچ میں پہاڑوں اور وادیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ آپ مغربی فرانس سے نکل کر سائبیریا تک بغیر کسی پہاڑی کا سامنا کئے جا سکتے ہیں۔

وسیع میدانی علاقہ کے جنوب میں فرانس سے روس تک چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور پھر جنوبی علاقہ میں بلند پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ اس علاقہ میں آتش فشانی پہاڑ بھی ہیں۔ اسپین کے پہاڑوں کا سلسلہ، کوہ آلپس، ایپ نائن، کارپے تھین وغیرہ اسی علاقہ میں واقع ہیں۔ اچھی اور یکساں پیمانے پر بارش اور برف پوش پہاڑیوں کی وجہ سے یوروپ کے تقریباً تمام دریا کشتی رانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سے روس کا دریائے وولگا 3,680 کلو میٹر (2,300 میل) لمبا ہے۔ دوسرا سب سے بڑا دریا ڈینیوب ہے جو یوروپ کے کئی ملکوں سے گزرتا ہے۔ یہ 2,760 کلو میٹر (17,25 میل) لمبا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے بڑے دریا نیپر اور ڈان ہیں۔ رھائن، ایلب، اوڈر اور وسچولا بحیرۂ شمالی اور بحیرۂ بالٹک میں گرتے ہیں۔ دریائے پو بحیرۂ ایڈریاٹک میں، رھون بحیرۂ روم میں اور سین رودبار انگلستان (برٹش چینل) میں گرتے ہیں۔ ان میں سے دریائے رھائن

1120 کلو میٹر (700 میل) لمبا ہے اور سب سے زیادہ نقل و حمل اسی دریا کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر دریا جاڑوں میں جم جاتے ہیں۔

یوروپ کی سب سے بڑی تمام جھیلیں روس میں ہیں لیکن ہزاروں چھوٹی چھوٹی جھیلیں سارے یوروپ میں ہیں۔

یوروپ کی آب و ہوا میں بڑا تنوع ہے۔ ایک طرف فن لینڈ اور شمال میں برف پوش میدان ہیں تو دوسری طرف بحیرۂ روم کے اطراف کے علاقے ہیں جو انگور اور لیموں کے باغوں کے لیے مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک طرف شمال مغربی فرانس کے مرطوب علاقے ہیں تو دوسری طرف روس کے میدان جہاں دھول اڑتی رہتی ہے۔ یوروپ کا بہت تھوڑا سا علاقہ منطقہ منجمد شمالی میں پڑتا ہے۔ بقیہ حصہ عام طور پر معتدل ہے۔

قدیم زمانے میں زراعت مقبول نہیں تھی بلکہ وسیع جنگلوں میں مویشی پالے جاتے تھے۔ موجودہ دور میں زراعت پر زور ہے اور اس کے لیے تمام جدید طریقے مثلاً آب پاشی، بھاری مشینیں، مصنوعی کھاد، اعلیٰ قسم کے بیج استعمال ہوتے ہیں اور بڑے بڑے فارموں پر کاشت کی جاتی ہے۔ یوروپ میں امریکہ کے برعکس ایک ہی قسم کی کاشت نہیں ہوتی بلکہ ایک ہی جگہ ہر قسم کی کاشت ہوتی ہے۔

یوروپ میں جو چیزیں پیدا کی جاتی ہیں ان میں گیہوں کو اولیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور اجناس پیدا کئے جاتے ہیں۔ روئی کم پیدا ہوتی ہے، لیکن زیتون، انگور، تیلوں کے بیج اور خاص طور پر بحیرۂ روم کے ساحلی علاقوں میں لیموں کی قسم کے رسیلے پھل، انجیر، سیب اور ہر قسم کی سبزیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ روس اور مشرقی یوروپ میں اجتماعی کاشت کا طریقہ رائج ہونے سے بڑے بڑے قطعوں پر مشینوں کے ذریعے کاشت کی جاتی ہے۔

یوروپ کی صنعتوں کو دو شاخوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو قدرتی وسائل سے حاصل کی جاتی ہیں یعنی کان کنی، مچھلیاں پکڑنا، لکڑیاں کاٹنا، پانی سے بجلی پیدا کرنا، وغیرہ اور دوسرے وہ جن سے مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ یوروپ دنیا کی صنعتوں کا گڑھ ہے۔ صنعتوں کے لیے بڑے پیمانے پر پانی اور بجلی کا انتظام کیا جاتا ہے اور اس کے لیے دریاؤں پر بند ھ باندھنے کے علاوہ کوئلے اور ایٹمی توانائی سے بھی بجلی تیار کی جاتی ہے۔ دوسرے ان کے لیے ایک طرف مقامی طور پر کان کنی کے ذریعے کچی دھات نکالی جا رہی ہے تو دوسری طرف ایشیا، افریقہ، اور امریکہ سے بڑے پیمانے پر یہ درآمد کی جاتی ہیں اور اس کی وجہ سے ہر ملک میں بڑے بڑے صنعتی شہر مثلاً مانچسٹر، لندن، پیرس، برلن، ویانا، ماسکو، وولگاگراڈ وغیرہ نقشوں پر ابھرے ہیں۔

بڑھتی صنعتوں اور تجارت نے ھمبرگ، راٹرڈیم، مارسلیز، بیالسٹا اور ایسے ہی بے شمار دوسرے بندرگاہوں کو جنم دیا ہے۔ روس، جرمنی، زیکوسلواکیہ، انگلستان، فرانس، اٹلی، ہالینڈ، سویڈن وغیرہ آج دنیا کی صنعتوں کے نقشہ پر بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔ ہلکی اور بھاری انجینیری، کیمیائی اشیاء، فولاد اور اشیائے صرف اور پھر استعمالی اشیا یعنی کپڑوں، موٹروں، سمندری و ہوائی جہازوں، الکٹرانکس سب ہی صنعتوں کے لیے یوروپ مشہور ہے۔ صنعتی ضروریات کے مقابلے میں خام مال یوروپ میں کم پایا جاتا ہے اور بہت سی چیزیں حتیٰ کہ کوئلہ اور لوہے کی کچ دھات تک باہر سے برآمد کی جاتی ہے۔ صنعتی ترقی کی وجہ سے بڑے بڑے شہر مثلاً ماسکو، لینن گراڈ، پیرس، روم، میڈررڈ، اسٹاک ہوم، برلن، پراگ، وارسا وغیرہ ابھرے ہیں جن کی آبادی لاکھوں میں ہے۔

یوروپ اگرچہ چھوٹا براعظم ہے لیکن اس میں رنگ، نسل، زبان وغیرہ کے لحاظ سے بھانت بھانت کے لوگ بستے ہیں۔ موٹے طور پر شمالی یوروپ کے لوگ ٹیوٹن (Teutonic) نسل کے، وسطی یوروپ الپائن (Alpine) اور جنوبی یوروپ کے رومی (Mediterranean) نیز روس اور مشرقی یوروپ کے سلاو ہیں۔ پچھلے برسوں مین ان میں زبردست اختلاط ہوا ہے۔

ہندوستان کے شمالی علاقے سے شروع کر کے یوروپ تک جتنی بھی زبانیں بولی جاتی ہیں وہ سب کی سب انڈو یوروپین ہیں۔ ان سے باہر زبان بولنے والے بہت کم ہیں۔ لیکن یوروپ کے ایک ملک کی زبان دوسرے میں نہیں سمجھی جاتی اور اس لیے یہ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بٹا ہوا ہے۔

یوروپ کی آبادی کی بڑی اکثریت عیسائی ہے۔ یہودی اور مسلمان بہت کم ہیں۔ عیسائی مذاہب میں بھی اطالوی، ہسپانوی، پرتگالی، آسٹریائی اور جنوبی جرمنی کے لوگ عام طور پر رومن کیتھولک ہیں۔ انگلستان اور شمالی یوروپ کے لوگ عام طور پر پروٹسٹنٹ اور روس اور مشرقی نیز وسطی یوروپ اور یونان کے لوگ مشرقی چرچ کے پیرو ہیں۔

براعظموں کا گریز یا بکھراؤ (Continental Drift):

یہ ایک ایسا ارضیاتی مفروضہ ہے جس میں موجود براعظموں اور سمندروں کے موقف کے بارے میں بحث کی گئی ہے کہ زمین اپنی تاریخ کے ایک موڑ یعنی تقریباً 160 ملین سال پہلے تک دو بڑے براعظموں میں بٹی ہوئی تھی اور باقی علاقہ سمندروں کے پانی سے ڈھکا ہوا تھا۔ ان دو براعظموں یعنی پنجیا (Pangea) میں شمالی براعظم کو لاؤرشیا (Lauracia) یا انگارالینڈ (Angaraland) (جس میں یوروپ، شمالی

امریکہ اور ہمالیہ سے شمال کا علاقہ شامل ہے) اور جنوبی براعظم کو گونڈوانہ لینڈ (Gondwana Land) (جس میں جنوبی امریکہ، افریقہ، مڈگاسکر، ہندوستان، عربستان، ملایا، مشرقی ہند، انٹارکٹیکا اور آسٹریلیا کے علاقے شامل ہیں) کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس نظریے کے ثبوت میں کئی ارضیاتی، رکازی (Fossils) اور طبعی ارضیاتی شہادتیں جمع کی گئی ہیں۔

ان ساری شہادتوں کی روشنی میں یہ بات اب تقریباً ثابت ہو گئی ہے کہ یہ دو عظیم تر براعظم 160 ملین سال پہلے رفتہ رفتہ ٹوٹ کر علیحدہ ہوئے جن کے درمیان سمندر در آئے۔ اس طرح دو براعظموں کے ٹوٹنے سے چھ براعظم معرض وجود میں آئے۔

عظیم تر براعظم گویا مختلف براعظموں کا اجتماع اور جائے اتصال تھے۔ اس اجتماع اور اتصال کی کیفیت دو عظیم تر براعظموں کی صورت میں زمین پر 160 ملین سال پہلے تک قائم رہی اور پھر ان دو عظیم تر براعظموں سے ان کے مختلف حصے ٹوٹ کر مختلف سمتوں میں بکھرنے لگے حتیٰ کہ براعظموں اور سمندروں کی موجودہ تقسیم آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ بعض ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ براعظموں کا یہ بکھراؤ جو 160 ملین سال پہلے شروع ہوا تھا وہ آج بھی جاری و ساری ہے اور یہ کہ براعظم ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں۔

(دیکھیے گونڈوانہ لینڈ، لاوریشیا، پینیجیا، ارضی مقناطیسیت، فرش سمندر کا پھیلاؤ اور ارضی پلیٹ کی حرکیات)۔

براعظمی حاشیہ (Continental Margin): براعظمی شیلف (Continental shelf)، براعظمی فراز (Continental Rise) اور براعظمی ڈھلان (Continental Slope) پر مشتمل خطہ جو براعظم کو گہرے سمندر سے علیحدہ کرتا ہے، براعظمی حاشیہ کہلاتا ہے۔

براعظمی گریز یا سرکاؤ (Continental Drift): الفرڈ ویگنر (A. Wegener) کا 1910 میں پیش کردہ نظریہ جس کی اہمیت 1960 کے بعد ظاہر ہونے لگی اور اب بیشتر سائنس داں اس نظریہ پر یقین رکھتے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق براعظمی قشر سے بنی فرشی پرت (Continental crust) یا سی آل (Sial) یعنی سلیکا (Silica) اور الیومینیم سے بنی فرشی پرت بحری قشر (Ocean Crust) یا سائی ما (Sima) یعنی سلیکا اور میگنیشیم سے بنی فرشی پرت کے اوپر تیر رہا ہے۔ ویگنر کے نظریہ کے مطابق قشر ارضی جو سمندروں کے نیچے محض 5 تا 15 کلو میٹر دبیز ہے، بیسالٹ (Basalt) چٹان کا بنا ہوا ہے۔ مگر براعظموں کے نیچے 15 تا 35 کلو میٹر قشر کی دو پرتیں ہیں۔ زیادہ گہرائی میں بیسالٹ سے بنی ہوئی پرت کو بحری قشر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر گرینائیٹ (Granite) سے بنی ہوئی پرت ہے۔ قشر کی نچلی حد موہو عدم تسلسل (Moho Discontinuity) ہے اور اس کے بعد میانہ (Mantle) شروع ہوتا ہے۔ میانہ (Mantle) کا اوپری کچھ حصہ سخت اور مضبوط (Rigid) ہے مگر اس کے بعد ایک ملائم کرہ (Asthenosphere) ہے۔ میانہ کا مستحکم حصہ موہو یعنی 'م' عدم تسلسل کے اوپر واقع قشر ارضی کا حجری کرہ (Lithosphere) کہلاتا ہے۔

براعظمی گریز کے نظریے کے مطابق سارے موجودہ براعظم ایک عظیم براعظم (Super Continent) کے حصے تھے جو شق ہو گیا اور اس کے مختلف ٹکڑے (موجودہ براعظم) گریزاں ہو کر اپنے موجودہ عرض البلد اور طول البلد کی حدود تک چلے آئے۔ اور اب بھی ان کے گریز کا امکان ہے اس عظیم براعظم کا نام پینجیا (Pangaea) رکھا گیا ہے۔

اس نظریے کی ایک اور صورت کے مطابق قدیم حیاتیاتی عہد (Paleozoic Era) میں دو عدد عظیم براعظم تھے۔ جنوبی عظیم ارضی کرہ، گونڈوانا لینڈ (Gondwana Land) جس میں ہندوستان (برصغیر ہند، پاک و بنگلہ دیش)، افریقہ، جنوبی امریکہ، آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا شامل ہیں۔ اور شمالی عظیم ارضی کرہ (Laurasia) جس میں شمالی امریکہ، یوروپ اور ایشیا کے وہ حصے جو ہمالیہ کے شمال میں واقع ہیں، شامل ہیں۔ اس نظریے کی شہادتیں (Evidences) اتفاق سے جنوبی براعظموں میں ہی زیادہ ملی ہیں اسی لیے اس نظریے کو ماننے والے ماہرین ارضیات بھی جنوبی براعظموں کے ہی رہنے والے ہیں۔ جن میں پروفیسر ایس. ڈبلیو کیری (S.W.Carey) (آسٹریلیا)، ایل. ڈیوٹو (L. Dutoit) (افریقہ)، اور ڈاکٹر فخر الدین احمد (ہندوستان) کے نام اہم ہیں۔ اس نظریے کے متعدد شواہد میں سے چند یہ ہیں:

(1) دنیا کا نقشہ دیکھنے پر بعض براعظموں (خصوصاً جنوبی امریکہ اور افریقہ) کے بارے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ساحل قریب لا کر ایک دوسرے سے جوڑے جا سکتے ہیں۔ حال ہی میں دیکھا گیا ہے کہ 1000 فیدم (Fathom) کی گہرائی پر براعظمی کناروں کو ملایا جائے تو یہ بہترین طور پر منطبق (Fit) ہوتے ہیں۔

(2) کاربونی فیرس اور پرمئی (Permian) ادوار کی گلیشیائیت (Glaciation) کے شواہد سارے جنوبی براعظموں (ہند، افریقہ، جنوبی امریکہ،

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

انٹارکٹیکا، آسٹریلیا) میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔

(3) کئی نباتات اور حیوانات کے رکازات (Fossils) ان سب براعظموں میں یکساں ہیں۔ بعض بڑے بڑے جانوروں کا جنوبی امریکہ اور افریقہ میں پایا جانا، اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ یہ سارے براعظم پہلے متصل تھے۔ مثلاً لسٹوسارس اور میسوسارس (Lystosaurus & Mesosaurus) کے رکازات اور نباتاتی رکازات مثلاً نباتاتی رکازات گلوسوپٹیرس (Glossopteris)، گینگاموپٹیرس (Gangamopteris)، نیلسونیا (Nilssonia) اور ٹائیلوفائیلم (Ptilophylum) سارے جنوبی براعظموں میں رکازات کی شکل میں ملتے ہیں۔

(4) کاربونی فیرس سے جراسک ادوار کے حجرات تمام جنوبی براعظموں میں مشابہت رکھتے ہیں۔ مگر ان ادوار کے بعد یہ مختلف ہو جاتے ہیں جس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ جراسک زمانہ کے بعد یہ براعظم سرکنا یا ہٹنا شروع ہو گئے اور عظیم براعظم گونڈوانہ لینڈ کئی حصوں میں بٹ گیا۔ جراسک اور کریٹیشیس (Cretaceous) عہد میں ہی سب جنوبی براعظموں کی موجود وسیع آتش فشانی (Volcanism) کی شہادتیں بھی اس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ اس دور میں کچھ ٹکٹونک تبدیلیاں واقع ہوتی تھیں۔

(5) طاسوں (Basins)، ارضی ہم میلانوں (Geosynclines) اور متحرک علاقوں کی اکثر حدود براعظمی حاشیوں پر اچانک ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر براعظموں کی شکلوں کو آپس میں جوڑ کر دیکھا جائے تو یہ طاس اور ارضی ہم میلان ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک مسلسل اور وسیع تر شکل میں نمایاں ہوتے ہیں۔

(6) بہت پرانے عہد کی موسمیات اور پرانے عہد کی مقناطیسیت (Palaeclimatology & Paealomagnetism) کے مشاہدات سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ موجودہ قطبین ہمیشہ ایک ہی جگہ نہیں رہے۔ مختلف ارضیاتی ادوار میں ان کے محل وقوع معلوم کر کے قطبی سرکاؤ (Polar Wandering) کی ترسیمیں (Graphs) بنائی گئی ہیں اور یہ ترسیمیں مختلف براعظموں کے لیے مختلف پائی گئی ہیں۔ البتہ اگر ان براعظموں کو پینجیا (Pangaea) کے مطابق رکھا جائے تو قطبی سرکاؤ کے کرتے ایک دوسرے کے کافی قریب آجاتے ہیں۔

(7) ارضیاتی صوبے (دیکھئے ارضیاتی خطے یا صوبے Geologic Provinces) بھی براعظموں کو پینجیا کے مطابق خطل کرنے سے مسلسل دیکھے جاسکتے ہیں۔

1960 کے بعد بحری فرش (Sea Floor) کے جغرافیہ کے بارے میں جو نئی معلومات خصوصاً ان کے آتشیں اور مقناطیسی عوامل کے بارے میں حاصل ہوئی ہیں ان کی وجہ سے قدیمی نظریہ اب ترقی یافتہ شکلوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔ یعنی ان مشاہدات کی تشریح بحری فرش کے پھیلاؤ (Sea Floor Spreading) اور پلیٹ ٹکٹونکس (Plate Tectonics) کے ذریعے بھی کی گئی ہے اور ان تمام مشابہ نظریوں کو عالمی ٹکٹونکس (Global Tectonics) کہا جاتا ہے۔

بحری فرش کے پھیلاؤ کے مطابق نہ صرف بحری فرش سرک رہا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ اس پر سوار براعظم بھی سرک رہے ہیں۔ بحری فرش کے مطالعے سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ بحری فرش گہری گھاٹیوں اور اونچے اونچے پہاڑوں سے بنا ہے جس میں متوسط بحری پہاڑیاں یا بحری پشتے (Midocean or Oceanic Ridges) بھی موجود ہیں جن کی چوٹیاں درمیان تک شق ہیں اور ان میں مسلسل آتش فشانیت جاری ہے۔ اس نظریے کے مطابق بحری فرش یا بحری قشر ان بحری پہاڑوں سے بن کر ان کے دونوں طرف پھیل جاتا ہے۔ اس کے شواہد درج ذیل ہیں۔

(1) جیسے جیسے وسط بحری پہاڑیوں کی چوٹیوں (Crests) سے دور ہوتے جاتے ہیں، ویسے ویسے آتش فشانی جزیروں (Volcanic Islands) کی عمریں بڑھتی جاتی ہیں۔

(2) عام طور پر جب قدیم ترین رسوب کی عمر کا بحری پہاڑی سے فاصلے کے خلاف ترسیم (Graph) بناتے ہیں تو یہ ایک خط مستقیم بنتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بحری فرش کے پھیلاؤ کی رفتار نسبتاً یکساں رہی ہے۔

(3) مقناطیسی غیر معمولات (Magnetic Abnormalities) بھی بحری پہاڑیوں کی چوٹیوں کے دونوں طرف افقی طور پر متشاکل (Laterally Symmetrical) ہیں۔ یہ پتہ چلا ہے کہ ماضی میں قطبین کا نظام الٹا تھا یعنی شمالی قطب، جنوبی اور قطب جنوبی شمالی بن گیا ہے ایسا متعدد بار ہوتا رہا ہے یعنی ایسے مقناطیسی ادوار اور عرصے (Periods & Epochs) رہے ہیں جبکہ زمین کی قطبیت (Polarity) آج جیسی تھی یا اس کی ضد یا اس کے برعکس (Reverse) تھی۔ اس طرح بحری پہاڑیوں کے دونوں طرف کے لاوا مقناطیسی قطب کے الٹنے اور پھر سیدھا ہونے کا ایک سلسلہ دکھاتے ہیں۔ اور یہ مقناطیسیت متشاکل ہے یعنی 50 لاکھ سال قبل بحری پہاڑی (Ocenic Ridge) کی چوٹی سے ایک ہزار کلومیٹر دور اگر ایک طرف طبعی قطبیت (Normal Polarity) تھی تو اس کے دوسری طرف اس کا الٹا بھی تھا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آتش فشانیت کی حالت میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جبکہ پہاڑی کی چوٹی کے گہرے درز (Rift) سے لاوا پیدا ہوا ہو گا تو وہ اس وقت کی قطبیت کے مطابق مقناطیسیت کا اظہار کرے گا۔ اور اس عمر اور مقناطیسیت کے مشاہدات اس بات کی طرف دلالت کرتے ہیں کہ اس انشقاق سے دونوں طرف لاوا (مستقل بحری فرش بنا کر) پھیلتا رہا ہے اور یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ آتش فشانی جزیروں کی وسط بحری پہاڑیوں کی چوٹیوں سے دوری اور اس مقناطیسی نمونے کی بنا پر بحری فرش کے سرکاؤ کی موجودہ رفتار کا بھی اندازہ لگایا گیا ہے جو ایک سینٹی میٹر سے 10 سینٹی میٹر فی سال تک ہوتی ہے۔

زلزلوں کی تقسیم اور بحری فرش کے وسط پر بغیر کسی میکانیت کے سرکاؤ نہ کر سکنے کی وجہ سے ایک نیا نظریہ ارضی پلیٹ ٹکٹونکس (Plate Tectonics) ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس کے مطابق 10 سے 25 تک اور زیادہ سے زیادہ 110 کلو میٹر تک دبازت کی ارضی پلیٹیں (Plates) ہیں جو بحری فرش کی طرح ہی وسط بحری پہاڑیوں کے دونوں طرف حملی رودں (Convection Currents) کی میکانیت کے تحت سرکتی ہیں۔ اور بحری فرش اور براعظم ان پر سوار ہونے کی وجہ سے سرکتے ہیں۔ یہ ارضی پلیٹیں ٹھوس اور مستحکم (Rigid) ہیں۔ ان میں میانہ (Mantle) کا مستحکم حصہ بھی شامل ہے۔ دوسرے الفاظ میں ارضی پلیٹیں کرہ حجری تک محدود ہیں اور اس کے نیچے واقع ملائم کرہ (Asthenosphere) جہاں استحکام (Rigidity) کی کمی پائی جاتی ہے، کی وجہ سے ارضی پلیٹیں اس پر پھسل سکتی ہیں اور سرک سکتی ہیں۔ ان ارضی پلیٹوں کی سرحدیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ بحری پہاڑیاں، گہرے سمندری غار (Deep Sea Trenches) اور استحالی شگاف (Transform Faults)۔ اسی طرح ہر ایک پلیٹ ان تینوں سے ہی محدود ہے۔ بحری پہاڑیوں کے منطقہ کو منطقہ مطالقہ (Obduction Zone) کہا جاتا ہے کیونکہ یہی وہ علاقے ہیں جہاں سے ارضی پلیٹیں (Plates) دونوں طرف مختلف سمتوں میں سفر کرتی ہیں اور اس طرح سطحی کشیدگی پیدا ہوتی ہے اور اس وجہ سے یہ بحری پہاڑیاں بھی زلزلوں سے زیادہ متاثر علاقوں میں ہوتی ہیں یا انہی علاقوں میں زیادہ زلزلے آتے ہیں اور یہ زلزلے نسبتاً کم گہرے ماسکہ (Focus) کے ہوتے ہیں۔ بحری غار (Sea Trenches) کو منطقہ مطالقہ (Obduction Zone) کہا جاتا ہے جہاں دو پلیٹیں ایک دوسرے کی طرف سفر کرتی ہوئی آتی ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ اگر اس میں ایک پلیٹ میں دبیز براعظمی قشر ہو تو اکثر پہاڑی سلسلے بن جاتے ہیں۔ یعنی ایک پلیٹ دوسری کے اوپر چڑھ کر پہاڑ بناتی ہے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ ایک پلیٹ تقریباً 45 درجہ زاویہ بناتی ہوئی دوسری پلیٹ کے نیچے چلی جاتی ہے اور حجری پلیٹ کے اس طرح غلاف کے اندر گھس جانے کی وجہ سے رگڑ سے گہرے ماسکہ (Focus) کے زلزلے پیدا ہوتے ہیں۔ اس رگڑ سے حرارت بھی پیدا ہوتی ہے۔ حجری پلیٹ میں جیسے جیسے اندر گھستے جاتے ہیں۔ حرارت 30 درجہ سینٹی گریڈ فی کلو میٹر کی شرح سے بڑھتی جاتی ہے۔ اس طرح اندر جانے والی پلیٹ کی جزوی اماعت یا پگھلاؤ (Partial Melting) واقع ہوتی ہے، جس سے انڈیسائٹ (Andacite) ترکیب کے لاوا پیدا ہو سکتے ہیں اور یہ لاوا سطح پر آکر قوسی جزائر (Arc Island) کی تخلیق کر سکتے ہیں۔ ان قوسی جزائر کے علاوہ ان سمندری غاروں کے وقوعات کا اندازہ اس سے لگایا گیا ہے کہ غار کے سب سے گہرے حصے سے دوری اور زلزلے کے فوکس کی گہرائی کا فریم بنایا جائے تو یہ خط مستقیم ہوتا ہے اور افق سے 45 درجہ کے زاویے پر۔ یعنی اس علاقے میں ایسی پلیٹوں کے ایک دوسرے کی طرف سفر کرنے کی وجہ سے (منطقہ محانقہ (Subsduction Zone) کہتے ہیں) جیسے جیسے گڑھے کے عمیق ترین حصے سے دور ہو جائیں گے ویسے ویسے زلزلوں کا ماسکہ (Focus) عمیق تر ہوتا جائے گا۔ اس لیے اس امر کی توجیہ کی جاتی ہے کہ سنگی پلیٹ غلاف کو رگڑتی ہوئی، جو گہرائی کی طرف حرکت کرتی ہے، جب تک کہ وہ جزوی اماعت کی وجہ سے اتنی مستحکم نہ رہے کہ زلزلے پیدا کر سکے۔ اس نظریے کے مطابق ان ہی سمندری گڑھوں میں اس طرح ارضی ہم میلان بھی بن سکتے ہیں اور جراسک زمانہ سے زیادہ قدیم رسوبات کا ان میں نہ ملنا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ غاروں کے نیچے یہ پلیٹ کے ساتھ میں جا چکے ہیں۔ ٹرانسفارم شگاف ان پلیٹوں کو محض افقی حرکت دے سکتے ہیں۔

پلیٹ ٹکٹونکس کے اس نظریے کے مطابق براعظمی سرکاؤ کی توضیح اس طرح کی جاتی ہے کہ وسط بحری پہاڑیاں ہی دراصل وہ خطے ہیں جن پر دو پلیٹیں یا براعظم یا سمندر ایک دوسرے سے متصل تھے (مثلاً جنوبی امریکہ اور افریقہ، جنوب وسطی اٹلانٹک پہاڑی (Atlantic Ridge) سے اور ان کے انشقاق (Rift) سے ٹوٹ کر موجودہ مقامات تک اپنے نیچے کے سارے حجری کرہ کے ساتھ سرک آئے۔

بحری فرش کی نقشہ سازی مکمل ہوتی جارہی ہے اور اس طرح اس سلسلے میں نئے نئے پہلو اجاگر ہوتے جا رہے ہیں۔ مثلاً یہ پتہ چلتا ہے کہ آئس لینڈ کے جزیرے پر ایک متوسط "پہاڑی" سطح سمندر سے اوپر چلی آئی ہے اور آئس لینڈ میں اس پہاڑی کے گرد پھیلاؤ یا افقی حرکات باقاعدہ دیکھی جا سکتی ہیں اور اس کی رفتار کا اندازہ 5 سینٹی میٹر فی سال کیا گیا ہے۔

براکھر: براکھر دریائے دامودر کی معاون ندی ہے، جس کے پانی کو روک کر حمایا

بندھ بنایا گیا ہے۔

برایوزوا (Bryozoa): حائلہ برایوزوا میں بے حد مختصر کالونی بنانے والے جانور شامل ہیں جو بیشتر سمندر میں رہتے ہیں۔ ان میں صرف ایک لوپوفور (Lopophore) ہوتا ہے۔ عمر: آرڈوویشین سے عرصہ حاضر تک۔

برایوفائٹا (Bryophyta): غیر وعائی (Non-Vascular) نباتات کا ایک گروہ جن میں ترقی یافتہ پتے ہوتے ہیں مگر جڑیں نہیں ہوتیں۔ مثلاً کائی۔

برٹرانڈ عدسہ (Bertrand Lens): ارضیاتی خوردبین کی لمبی نالی میں چشمئی عدسہ سے پہلے ایک تجزیہ کار عدسہ ہوتا ہے اسی کو برٹرانڈ عدسہ کہتے ہیں۔ اس کو ایک سائنس داں برٹرانڈ نے تیار کیا تھا۔

برخان: یہ ریت کا ہلال نما ٹیلا زیادہ تر ایسے ریگستان میں یا ایسے ریتیلے ساحل پر تشکیل پاتا ہے جہاں ہوائیں مستقلاً ایک ہی سمت میں چلتی رہتی ہیں۔ اس کا ہوا کے رخ کا پہلو تدریجی ڈھال کا ہوتا ہے۔ مخالف سمت کے مقعر پہلو کا ڈھال سلامی دار گہرے قوس کی شکل اختیار کر لیتا ہے جسے روئے پھسلن کہا جاتا ہے۔ ایسے ٹیلے کی چوٹی اور پہلوؤں کے ریت کے ذرات آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ مستقل بہاؤ کی تیز ہوائیں ریت کی زیادہ مقداریں اڑا کر آگے بڑھاتی رہیں تو وہ غیر محسوس طریقہ پر ہوا کی سمت میں نقل مقام کرنے لگتا ہے۔ ترکستان میں اس طرح کے ٹیلے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

بردوان: مغربی بنگال میں واقع ہے۔ دریا دامودر اس کے جنوب میں بہتا ہے۔ اس کا مغربی علاقہ چٹانی ہے۔ یہ رانی گنج کے کوئلہ کی کانوں کا جزو ہے۔

برطانیہ: دیکھیے "سلطنت متحدہ"

برف: یہ پانی کی نقطہ انجماد (صفر درجہ سنٹی گریڈ) سے کم حرارت پر ٹھوس شکل ہے۔ گالہ نما برف کے تہ در تہ جمع ہو کر سخت ہو جانے یا آبی بخارات کے یک لخت سرد ہو کر راست قلمی شکل میں منجمد ہو جانے سے بھی برف تیار ہو جاتا ہے۔ اس کی کثافت پانی کی کثافت سے کچھ کم رہتی ہے، اسی لیے وہ آبی سطح پر تیرتا رہتا ہے۔

برفانی بندھ پشتہ: اندرون دریا برف کی ایسی باڑھ جو بلندیوں سے آنے والے پانی کے بہاؤ میں حائل ہو کر سیلابی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

برفانی پایہ یا پائے برف: آرکٹک یا انٹارکٹک کے ساحلوں پر سمندر کی طرف پھیلا ہوا ایپر نما تودۂ برف جو بعض اوقات چٹانی ٹکڑوں سے ڈھکا رہتا ہے۔

برفانی جھلک: یہ ایسی سفید روشنی ہے جو کہیں دور پڑے ہوئے برف کے تودہ سے انعکاس نور کے نتیجہ میں افق پر نمایاں ہوتی ہے۔

برفانی چادر: قطبی علاقہ میں وسیع رقبہ کو تقریباً ہموار سطح میں ڈھکنے والا برف کا پھیلاؤ۔

برفانی حاشیہ: خط ساحل سے متصل تیرتی ہوئی برف کی چادر۔

برفانی سل: قطبی علاقہ کی برفانی چادر سے ٹوٹ کر بہنے والی وسیع برف کی سل۔

برفانی کہر: ایسی دھند جس میں ننھی ننھی برف کی قلمیں تیر رہی ہوں۔

برفانی گاوا: زمین پر درخت کی طرح گڑا ہوا گاوا نما برف جو اوپر سے نیچے کی طرف پتلا ہوتا گیا ہو۔

برفانی ماتھا: بحری رخ والی برف سے ڈھکی ڈھلوان چٹان۔

برکینافاسو (Burkina Faso): برکینا فاسو مغربی افریقہ کی ایک جمہوریہ ہے۔ اس کا پرانا نام اَپر وولٹا تھا۔ اس کے شمال اور مغرب میں مالی، مشرق میں نائجر اور جنوب میں آئی وری کوسٹ، گھانا، ٹوگو اور (بنین) ہیں۔ رقبہ 274,200 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 9,242,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر اوگاڈوگو (Ougadougoe) ہے۔ سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ اکثریت کا مذہب روایتی افریقی مذاہب ہیں۔ مسلمان اور عیسائی اقلیت میں ہیں۔ موسی قبیلے کے لوگ سب سے زیادہ ہیں۔

برکینا فاسو ایک پس ماندہ زرعی ملک ہے۔ کپاس اور مونگ پھلی اصل پیداوار ہیں۔ کچھ غلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ برآمد کا 20 فی صدی کپاس، 41 فیصدی مویشی اور 7 فی صدی مونگ پھلی ہے۔ برآمد زیادہ تر آئی وری کوسٹ، فرانس، اٹلی اور گھانا وغیرہ کو ہوتی ہے اور درآمد، 50 فیصدی فرانس سے اور بقیہ آئی وری کوسٹ اور جرمنی وغیرہ سے ہوتی ہے۔ معدنیات خاص طور پر سونا، مینگنیز، باکسائٹ اور تانبہ وغیرہ کے کافی ذخائر ہیں لیکن ابھی ان سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

رائج سکہ فرانک ہے۔

ابتدائی مدارس میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 530,013 طالب علم اور 9,165 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 105,542 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 5,422 طالب علم تھے۔

یوروپی طاقتوں کا مقبوضہ بننے سے پہلے یہاں پر موسی لوگوں کی مارو ننایا سلطنت قائم تھی۔ کہا جاتا ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی میں موسی لوگ مشرقی افریقہ سے ترک وطن کرکے یہاں آئے اور کئی سلطنتیں قائم کیں اور انھوں نے ٹمبکٹو کے شمال تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ فرانس نے 1896 میں اس علاقہ کو اپنی ماتحتی میں لے لیا اور 1919 میں اسے اپنی کالونی بنا کر اپر وولٹا کا نام دیا۔ 1932 میں فرانسیسیوں نے اس کے تین ٹکڑے کرکے آئی وری کوسٹ، فرانسیسی سوڈان (موجودہ مالی)، اور نائجر میں تقسیم کر دیا۔ 1947 میں اپر وولٹا کی ایک علیحدہ ریاست دوبارہ قائم کی گئی اور اسے وہی اختیارات دیے گئے جو فرانس نے اس علاقہ کے اپنے دوسرے مقبوضات کو دیے تھے۔ 1956 میں اسے مزید اختیارات ملے۔ مکمل آزادی 5/اپریل 1960 کو ملی۔ اس کا موجودہ نام برکینا فاسو ہے۔

یہ ملک آزادی کے بعد سے سخت سیاسی اور معاشی بحران میں گھرا رہا۔ جنوری 1966 میں فوج نے بغاوت کرکے فوجی حکومت قائم کر دی اور آج تک وہ کوئی معاشی یا سیاسی مسئلہ حل نہیں کر سکی جس کی وجہ سے مزدوروں اور ٹریڈ یونینوں میں سخت بے چینی پھیلی رہی۔

1970 میں ایک نیا دستور بنایا گیا۔ 1974 میں فوج نے پھر دخل اندازی کی اور دستور کو منسوخ کر دیا۔ 1974 میں ہی اس ملک کا مالی کے ساتھ کان کنی والی زمینوں پر جھگڑا ہوا جس نے ملک کے اندر بھی بہت کھنچائی پھیلا دی۔ 1977 میں ایک اور نیا دستور مرتب کیا گیا۔ 1978 میں لمیزانا 'صدر' بنا مگر 1980 میں فوج نے اسے معزول کر دیا۔ 1982 اور 1983 میں مستقل بغاوتیں ہوتی رہیں اور ملک میں کھنچائی قائم رہی۔ 1984 میں 'اپر وولٹا' کا نام 'برکینا فاسو' رکھا گیا۔ 1985 میں برکینا فاسو کا مالی سے جھگڑا دوبارہ شروع ہو گیا۔

1991 میں ایک اور نیا دستور بنایا گیا ہے۔

برگین (برجین): یہ بندرگاہ ناروے کے مغرب میں واقع ہے اور اس ملک کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہ بندرگاہ جہازوں میں سامان کی لدائی کا بہت بڑا مرکز ہے۔

برما روڈ: مشرقی میانمار (برما) میں موٹر کی یہ سڑک شہر لاشیو سے شروع ہو کر شمال میں برلو شنوی (Hsenwi) چین کی سرحد کو ٹمکھام اور وانٹنگ کے مقام پر عبور کرتی ہے پھر مشرق کی سمت دریائے سالوین اور میکانگ کی وادیوں سے ہوتی ہوئی شمال میں کیانگ تک چلی جاتی ہے۔ اس کی ایک شاخ شمال مغرب میں بھامو اور ملکینا سے گزرتی ہوئی ہندوستان کے سرحدی مقام لیڈو سے جا ملتی ہے۔

برمنگھم: یہ شہر لندن (انگلستان) سے 176 کلو میٹر (110 میل) کے فاصلہ پر شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس کو برطانیہ عظمیٰ کا دوسرے نمبر کا شہر مانا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے صنعتی مراکز میں سے ایک ہے نیز ثقافتی مرکز بھی ہے۔ ایڈن کے قریب ایک طیران گاہ (ایرپورٹ) ہے۔ اس شہر میں تاریخی اہمیت کے کئی مقامات ہیں۔ شکسپیر کی ولادت کا مقام اسٹراٹ فورڈ آن ایون اور تاریخی اہمیت کا شہر وارک اسی کاؤنٹی میں واقع ہیں۔ برمنگھم میں ایک سو سے زیادہ پارک ہیں۔ یہاں موٹر کاریں، موٹر سائیکلیں، سائیکلیں، برقی آلات، جواہرات، مشین کے پرزے، ریل کے ڈبے، کھلونے اور کیمیائی اشیا بنائی جاتی ہیں۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں 1,105,651 تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمن بم باری سے یہ شہر کافی تباہ ہوا تھا۔ بعد میں کئی علاقوں کی نئے سرے سے تعمیر ہوئی ہے۔

برمودا (Bermuda): یہ ایک برطانوی نو آبادی (کالونی) ہے۔ مغربی بحر اوقیانوس میں شمالی کیرولینا کے مشرق میں 900 کلو میٹر (570 میل) دور یہ جزائر واقع ہیں۔ رقبہ 53 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 میں 61,000 تھی۔ صدر مقام ہیملٹن ہے۔ برمودا چھوٹے بڑے دو سو جزائر پر مشتمل ہے جن میں سے بعض آباد ہیں اور بعض بہت چھوٹے اور غیر آباد ہیں۔ تجارت زیادہ تر امریکہ سے ہوتی ہے اور وہاں سے ہر سال کئی لاکھ سیاح آتے ہیں۔ آب و ہوا نہایت خوشگوار اور جزائر نہایت خوبصورت ہیں اس لیے سیاحت سب سے بڑی صنعت ہے۔

یوروپی قوموں میں یہاں سب سے پہلے 1575 میں ہسپانوی آئے۔ اس کے بعد انگریز آکر بسنے لگے۔ شروع میں یہاں پہلے ایک انگریز کمپنی کی حکومت تھی۔ 1609 میں برطانوی حکومت نے براہ راست اپنا کنٹرول قائم کر لیا۔ انگریزوں نے افریقہ سے غلام لا کر گنے کی کاشت شروع کی۔ اب بھی 60 فیصدی آبادی نیگرو نسل کے لوگوں کی ہے۔ سیاحت کے علاوہ یہاں عطر، دوائیں، سوتی کپڑے وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی صنعتیں قائم ہیں۔

دوسری جنگ کے زمانہ میں اسے امریکی فوجی کارروائیوں میں بڑی اہمیت حاصل رہی تھی۔ انگریزی حکومت نے کچھ علاقہ 99 سال کے لیے امریکہ کو پٹہ پر دے دیا ہے جس پر اس نے بحری اور ہوائی اڈے تعمیر کیے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

1970 میں برموداہیں نسلی امتیازات کی وجہ سے بڑی بے چینی پھیلی اور پھر آزادی کی مانگ بھی ابھری۔

برن (Berne): ا۔ سوئٹزر لینڈ کے اضلاع میں دوسرے نمبر کا گھنی آبادی کا ضلع ہے۔ رقبہ 6,887 مربع کلومیٹر (2,659 مربع میل) ہے۔ تقریباً ایک سو مربع میل پر گلیشیر پھیلے ہوئے ہیں۔ جنوبی بلند حصہ میں آلپس کی شاخیں نظر آتی ہیں۔ وسطی حصہ میں دریائے آر (Aare) نے ایک وادی بنادی ہے۔ اس کے مغرب میں جھیلوں کے بعد جورا (Jura) کا پہاڑی سلسلہ جنوب مغرب سے شمال مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ سنہ 1970 میں یہاں کی آبادی 893,296 تھی۔

2۔ شہر برن اسی نام کے ضلع اور ملک سوئٹزر لینڈ کا صدر مقام ہے۔ دریائے آر پر واقع ہے۔ بین الاقوامی ڈاک اور تار اور ریلوں کی متحدہ انجمنوں کا مستقر ہے۔ پارچہ بافی اور کیمیائی صنعتوں میں ترقی ہوئی ہے۔ مختلف مشینیں بھی تیار کی جاتی ہیں۔ ریل کا بڑا جنکشن اور زرعی پیداواروں کی بڑی منڈی ہے۔ شہر کے جنوب مشرق میں چھ میل کے فاصلہ پر بلپ موس (Bilpmoos) کی طیران گاہ (ایرپورٹ) واقع ہے۔ سنہ 1970 میں آبادی 162,405 تھی۔

برن پور: مغربی بنگال کے بردوان ضلع میں واقع ہے جو رانی گنج کوئلہ کے کانوں کے علاقہ میں ہے۔ یہ مقام کئی صنعتوں کا مرکز ہے۔ لوہے اور فولاد کی صنعتوں اور کوئلہ کی کانوں کے لیے مشہور ہے۔

برن ہارڈو ریٹینیس: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

برندی (Burundi): یہ وسطی افریقہ کے مشرقی حصہ کا ایک جمہوریہ ہے جو تنزانیہ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ رقبہ 27,885 مربع کلومیٹر (10,759 مربع میل) ہے۔ فرانسیسی اور کیروندی (Kirundi) سرکاری زبانیں ہیں۔ ماہی گیری اور زراعت میں خاصی ترقی ہوئی ہے۔ کافی کے لیے مشہور ہے۔ شکر قند، مکئی، گیہوں اور کپاس کی فصلیں اہم ہیں۔ کھیتوں میں مویشی بھی پالے جاتے ہیں۔ سوتی کپڑے، آٹو موبائلس، پٹرول سے بنی ہوئی اشیا اور بجلی کا سامان بلجیم، لکو مبرگ، جاپان، جرمنی، ایران اور سلطنت متحدہ سے درآمد کیا جاتا ہے۔ کافی، کپاس، چمڑہ، تعمیری سامان، مشروبات اور معدنیات کی ریاست ہائے متحدہ امریکہ، بلجیم، لکو مبرگ، فرانس اور مغربی جرمنی کو برآمد ہوتی ہے۔ سنہ 1991 میں آبادی 5,620,000 تھی۔ صدر مقام بوجم بورا (Bujum Bura) ہے۔

برنکیو پوڈا (Branchiopoda): عائلہ آرتھروپوڈا کی کرسٹیشیا (Crustasea) جماعت کا ایک قبیلہ۔ برنکیو پوڈا کے دست وپا (Appendages) برگ نما ہوتے ہیں اور اکثر دو مصری خول والے ہوتے ہیں۔ ان کا عہد زندگی کاربونی فیرس زمانہ سے عصر حاضر تک ہو (دیکھیے آرتھروپوڈا (Arthropoda)، نیز کاربونی فیرس (Carboniferous))۔

بروسیلز: بلجیم کا صدر مقام دریائے ڈایل کی ایک معاون ندی سین پر واقع ہے۔ سرکاری زبانیں فرانسیسی اور فلیمش دونوں ہیں۔ بروسیلز ایک اہم تجارتی، صنعتی اور ثقافتی مرکز ہے۔ یہاں دواسازی، الیکٹرانی آلات، مشینی آلات کے کارخانے قائم ہیں۔ لیس بنانے کا کارخانہ یہاں بہت قدیم زمانہ سے ہے اور کافی شہرت رکھتا ہے۔ یوروپی معاشی کیمونٹی کا یہ انتظامی مرکز ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی 1834 میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں فنون، سائنس اور طب کی اکاڈی ہیں۔ یہاں کے مصوری کے نوادرات اور نباتیاتی باغ بہت شہرت رکھتے ہیں۔ تیرہویں صدی میں اون کی صنعت کا مرکز رہا ہے۔ 1914 سے 1918 تک یہ جرمنوں کے قبضہ میں رہا۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران میں بھی اس پر 1940 سے 1944 تک جرمن قبضہ رہا۔ 1944 میں برطانوی فوجوں نے اسے آزاد کروادیا۔ یہاں کا گرانڈ پلیس قرون وسطی اور دور نشاۃ ثانیہ کے فن تعمیر کی ایک اعلیٰ یادگار ہے۔ کئی قدیم گرجا گھر اور شاہی محل دیکھنے کے قابل عمارتیں ہیں۔ یہاں کی آبادی سنہ 1971 میں 1,407,660 تھی۔

برونائی: برونائی ملک کا صدر مقام بھی برونائی نام کا شہر ہے۔ یہ بورنیو کے شمال مغرب میں برونائی اور ہنو دریاؤں پر واقع ہے۔ 1991 میں اس کی آبادی تقریباً 273,000 تھی۔ یہاں سے تیل اور قدرتی گیس برآمد کی جاتی ہے۔ یہاں کے مقامی لوگ ڈیاکس کہلاتے ہیں اور ملایائی زبان بولتے ہیں۔ یہاں مذہب اسلام کا غلبہ ہے۔ شہر کے جدید حصہ میں سنہ 1958 میں ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ شہر کے پرانے حصوں میں مکان زیادہ تر لکڑی کے ستونوں پر تعمیر ہوئے ہیں۔

برونڈی (Burundi): برونڈی وسط مشرقی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال میں روانڈا، مشرق اور جنوب میں تنزانیہ اور مغرب میں جمہوریہ زائرے (Zire) واقع ہیں۔ پورا ملک سطح مرتفع پر پھیلا ہوا ہے۔ وادیوں میں روئی، کافی، اور مکئی کی کاشت ہوتی ہے۔ اس کا رقبہ 27,834 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 5,620,000 ہے۔ ہوتو (Hutu) تقریباً 8 فیصدی، ٹمسی (Tutsi) 19 فی صدی سے کچھ کم اور توا قبیلے آباد ہیں۔ عام طور پر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کروندی (Kurundi) زبان بولی جاتی ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں میں فرانسیسی بھی رائج ہے۔ ساٹھ فیصدی آبادی عیسائی رومن کیتھولک ہے۔ بقیہ قدیم مذاہب کے پیرو ہیں۔ صدر مقام بوجم بورا (Bujambura) ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 631,039 طالب علم اور 9,582 استاد، ثانوی مدرسوں میں 48,398 طالب علم اور 2,211 استاد تھے۔ فنی اداروں میں 6,174 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 3,830 طالب علم اور 492 استاد تھے۔

رائج سکہ برونڈی فرانک ہے۔ درآمدات زیادہ تر بلجیم، فرانس، مغربی جرمنی، ایران، جاپان اور چین سے آتے ہیں اور برآمدات امریکہ، جرمنی، فرانس، بلجیم اور اٹلی وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 87 فیصدی حصہ کافی ہے۔

برونڈی کی سلطنت چار سو سال پرانی ہے۔ یہ اس وقت قائم ہوئی جب ٹمسی قبیلہ کے لوگ شمال سے داخل ہوئے اور مقامی 'ہوتو' یا بہوتو قبیلوں اور بونے توا قبیلوں کو زیر کر کے اپنی حکمرانی قائم کی۔ پہلے برونڈی، شمال کی روانڈا سلطنت کا ایک حصہ تھا جس پر ٹمسی قبیلہ حکمراں تھا۔ 1897 میں جب جرمنوں نے اس علاقہ کو اپنی کالونی یا مقبوضہ میں شامل کر لیا تو برونڈی کو روانڈا سے انتظامی طور پر الگ کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران 1916 میں بلجیم نے کانگو سے بڑھ کر روانڈا اور برونڈی دونوں پر قبضہ کر لیا۔ جنگ کے بعد لیگ آف نیشنز نے انھیں بلجیم کی تولیت میں دے دیا اور بلجیم نے دونوں ریاستوں کو ملا کر ایک ریاست روانڈا۔ برونڈی کی بنادی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد روانڈا اور برونڈی دو ریاستوں کو الگ الگ مجلس اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیا گیا۔ یکم جولائی 1962 کو دونوں ملکوں کو آزادی مل گئی۔ روانڈا میں موامی (بادشاہ) کو آزادی سے پہلے ہی معزول کر دیا گیا تھا لیکن برونڈی میں ایک ٹمسی موامی باقی رہا۔ 1966 میں اسے ہٹا کر برونڈی بھی ایک جمہوریہ بن گیا۔

روانڈا کے مقابلہ میں یہاں ٹمسی اور ہوتو قبیلوں میں تعلقات بہتر رہے لیکن قبیلہ واری کشمکش کی وجہ سے یہاں کافی سیاسی اتھل پتھل ہوتی رہتی ہے۔

1970 میں ایک نیا آئین بنایا گیا۔ لیکن ہوتو اور ٹمسی قبیلوں کی خانہ جنگی میں ہزاروں ہوتو مارے گئے۔

1985 میں بہت سے عیسائی پادریوں کو ملک سے باہر بھیج دیا گیا کیونکہ یہ شبہ تھا کہ وہ ہوتو لوگوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

1988 میں بہت سے ہوتو قتل ہونے سے بچنے کے لیے تنزانیہ میں جا بسے۔ وسط 1989 میں کچھ ہوتو ملک واپس آگئے لیکن ان کی تعلیمی اور معاشی حالت ابتر ہے۔

برونی (تھرمل اسٹیشن): بہار کے ضلع مونگھیر میں دریائے گنگا کے شمالی کنارے پر تین مختلف اسٹیجوں سے 15، 50 اور 120 میگاواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے جس سے شمالی اور جنوبی بہار کے علاقوں کو بجلی فراہم ہوتی ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے کا بھی ایک بڑا کارخانہ قائم ہے۔

بریشیا (Breccia): ایک طرح سے بڑے بڑے نوکیلے دانہ دار رسوبی حجر (Rudaceous) ۔

بریکیوپوڈ (Brachiopod): عائلہ بریکیوپوڈا (Phylum Brachiopoda) سے متعلق جانور، اس عائلے میں خول دار جانور شامل ہیں۔ جن کے خول دو غیر مساوی مصرع یا والو (Valve) کے بنے ہوتے ہیں جن میں ہر ایک مصرع دو جانبی متشاکل (Bilaterally Symmetrical) ہوتا ہے۔ چھوٹا مصرع ظہری (Dorsal) اور بڑا مصرع بطنی (Ventral) کہلاتا ہے۔ یہ دونوں مصرعے ایک دوسرے سے خط قبضہ (Hinge Line) پر جڑے ہوتے ہیں۔ اور عضلات، دانت اور ساکٹ (Teeth & Socket) کے نظام سے ملحق ہوتے ہیں۔

بریلی: اتر پردیش کے اس شہر کی آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 617,350 ہے۔ یہاں شکر کے کئی کارخانے ہیں۔ سنہ 1657 میں اس کی بنیاد پڑی۔ سنہ 1707 سے 1720 تک یہ روہیلا سلطنت کا بھی صدر مقام رہا۔ 1801 میں یہ انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ سنہ 1857 کی جنگ آزادی میں بریلی نے اہم رول ادا کیا۔

برلن: دوسری جنگ عظیم سے پہلے جرمنی اور پروشیا کا صدر مقام تھا۔ دریائے ہیول پر واقع ہے۔ جنگ کے بعد سنہ 1945 سے یہ جرمن جمہوری ریپبلک کے وسط میں رہا ہے۔ اس وقت یہ شہر چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ سوویت یونین کے قبضہ میں تھا۔ یہ اب جرمن جمہوری ریپبلک (مشرقی جرمنی) کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی 11 لاکھ سے اوپر ہے۔ باقی تین حصے امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے قبضہ میں تھے۔ ان تینوں کو ملا کر مغربی برلن بنا دیا گیا۔ یہ حصہ بڑا ہے اور اس کی آبادی 20 لاکھ کے قریب ہے۔

برلن کی بنیاد سنہ 1307 میں دو دیہات برلن اور کولن کو ملا کر رکھی گئی۔ 1486 میں یہ برینڈن برگ کا مرکز بنا۔ تیس سالہ جنگ (48-1618) میں اسے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سخت تباہی کا شکار ہونا پڑا لیکن فریڈرک ولیم نے نہ صرف اس کی مرمت پر توجہ کی بلکہ اس کی حالت بھی کافی سدھاری۔ سات سالہ جنگ کے دوران آسٹریا نے سنہ 1757 میں اور زار روس نے سنہ 1760 میں اس پر قبضہ کیا۔ نپولین کے حملوں (سنہ 1806-1808) کے دوران یہاں قوم پرستی کا زبردست جذبہ ابھرا اور یہ ویانا کا بڑا مدمقابل بن گیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اس نے مزید اہمیت حاصل کر لی اور فریڈرک دوم نے یہاں اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر برینڈن برگ کی محراب بنوائی۔ یونیورسٹی قائم ہوئی۔ سنہ 1848 میں بادشاہ فریڈرک ولیم چہارم کے خلاف انقلابی بغاوت کا یہ مرکز بنا۔ سنہ 1866 میں شمالی جرمنی کے وفاق اور سنہ 1871 میں جرمن سلطنت کا صدر مقام بنا۔ تجارت بڑھی اور تیزی کے ساتھ یہ دنیا کے بڑے شہروں کے ہم پلہ بن گیا۔

پہلی جنگ عظیم میں قیصر جرمنی کو شکست ہوئی۔ اور جرمنی کو سخت سیاسی اتھل پتھل کا سامنا کرنا پڑا۔ نومبر سنہ 1918 میں سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی اور جنوری سنہ 1919 میں کمیونسٹ بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سارا یورپ سخت معاشی بحران اور افراط زر کا شکار ہوا۔ برلن اس سے نہ بچ سکا لیکن سنہ 1933 تک اس سے نکل کر یہ ویمر جمہوریہ کا ایک بڑا سیاسی اور تہذیبی مرکز بن گیا اور یورپ کے سب سے بڑے شہروں میں اس کا دوسرا نمبر تھا۔ یہاں سوتی کپڑے، لوہے، فولاد، کیمیائی اشیا اور بجلی کی مشینوں کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران اسے سخت تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور 2 مئی سنہ 1945 کو جب ہٹلر کی فوجوں نے سوویت کمانڈر زوخوف کے سامنے ہتھیار ڈالے تو بہت کم عمارتیں باقی رہ گئی تھیں۔

معاہدہ پوٹسڈیم کے مطابق مشرقی برلن کا علاقہ سوویت یونین کے تحت اور مغربی برلن کا علاقہ امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے قبضہ میں آگیا۔ جرمنی اور برلن کو متحدہ کرنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہو سکی اور سنہ 1949 میں دو ریاستیں بن گئیں۔ مشرقی جرمنی میں جرمن جمہوری ریپبلک بنی اور اسکا صدر مقام مشرقی برلن قرار پایا۔ اور مغرب کے امریکی، فرانسیسی اور انگریزی مقبوضہ علاقوں کو ملا کر جرمن وفاقی جمہوریہ بنی۔ مغربی برلن کے تینوں علاقے ملا کر ایک میونسپل کاؤنسل بنا دی گئی اور اصولاً یہاں سوویت، امریکی، فرانسیسی اور انگریزی نمائندوں کی ایک کونسل بنائی گئی لیکن عملاً یہ وفاقی جرمنی کا ایک حصہ ہے۔

مشرقی برلن میں پرانے برلن کی برینڈن برگ محراب (کمان) قیصر کا محل، عجائب گھر، آپرا ہاؤس، برلن یونیورسٹی اور میونسپل کاؤنسل کی عمارتیں شامل ہیں۔ پچھلے برسوں میں یہ پورا علاقہ پھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ بے شمار رہائشی مکانات، تعلیمی ادارے، تھیٹر، ہوٹل، باغات، پارک اور ثقافتی مرکز تعمیر کیے گئے اور اب یہ یورپ کا ایک خوش حال اور خوبصورت شہر بن گیا ہے۔ لوہے، فولاد، الیکٹرانکس، موٹر سازی وغیرہ کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے ہیں۔

مغربی برلن میں پرانے شہر کا پارلیمنٹ ہاؤس اور دوسری کچھ عمارتیں آئی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ مشرقی جرمنی کے وسط میں ہے اور مغربی جرمنی سے زمین کے راستہ کوئی راست تعلق نہیں ہے اس لیے یہاں کی معاشی زندگی کو ترقی دینے کے لیے امریکہ، مغربی جرمنی اور یورپ اور دوسرے ملک زبردست مالی امداد دیتے آئے ہیں اور پچھلے برسوں میں اس شہر نے بھی زبردست ترقی کی ہے۔

پچھلے چند برسوں سے مشرقی و مغربی جرمنی نے دو علیحدہ جرمن ریاستوں کے وجود کو مان لیا ہے اور ایک دوسرے سے معاشی اور ثقافتی تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ اس کی وجہ سے اب ہر سال لاکھوں جرمن ایک علاقہ سے دوسرے میں آنے جانے لگے ہیں۔

حال میں مشرقی اور مغربی جرمنی متحد ہو کر ایک جرمنی بن گئے ہیں اور برلن اس کا صدر مقام ہے۔

برہم پتر: تبت کے مغربی حصے میں جھیل مان سرودر کے قریب دریائے برہم پتر کا منبع ہے۔ تبت میں اس کا نام سانگ پو ہے۔ بھارت میں جب یہ جانب جنوب بہتی ہے تو دو ندیاں دی ہانگ اور لوہت اس میں مل جاتی ہیں ان دونوں کے اس سے ملنے کی وجہ سے ہندوستان میں اس کا نام برہم پتر ہو گیا ہے۔ اس ندی کی لمبائی 2,880 کلو میٹر ہے۔ اس کی جسامت، افادیت اور اس کے تقدس کی بنا پر اس کا شمار نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے بڑے دریاؤں میں ہوتا ہے۔ آسام کی تاریخ اور تمدن پر اس دریا کا بڑا اثر پڑا ہے۔ سادیا، ڈبرو گڑھ، گوہاٹی اور گوال پاڑا اس کے کنارے کے مشہور مقامات ہیں۔ سبان سری، مانا س، تستا، دھنسری، دھن سری اور کالانگ ندیاں اس کی معاون ہیں۔ بنگلہ دیش میں داخل ہونے کے بعد جب یہ گنگا یا پدما سے آملتی ہے تو دونوں کے ملنے کی وجہ سے اس کا نام میگھنا ہو جاتا ہے۔ بالآخر یہ دریا خلیج بنگال میں گر جاتا ہے۔

برہمنی: کٹک کے قریب دریائے مہاندی میں بائیں جانب سے برہمنی ندی ملتی ہے۔ یہ ندی گنگا پور، بونائی، تالچیر، ڈھنکنال وغیرہ سے ہوتی ہوئی اڑیسہ میں کٹک پہنچتی ہے۔ جہاں کئی شاخوں میں بٹ کر یہ خلیج بنگال میں جا گرتی ہے۔

بڑودہ (وڈوڈرا): ریاست گجرات کا ایک اہم شہر ہے۔ آزادی سے پہلے یہ ایک دیسی ریاست گائیکواڑ کا صدر مقام تھا۔ مراٹھا گائیکواڑ ریاست اٹھارہویں صدی میں قائم ہوئی تھی۔ اب بڑودہ (وڈوڈرا) کی آبادی 1991 میں مردم شماری کے مطابق 1,126,824 ہے۔ پرانے گائیکواڑ راجاؤں کے محل اور عجائب گھر وغیرہ مشہور ہیں۔ یہاں سوتی کپڑوں کے کئی کارخانے اور کئی کالج بھی ہیں۔

بزرتا: تیونس کے شمالی علاقہ میں یہ بندرگاہ، بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہے اور بحری افواج کا مستقر ہے۔ آبادی سنہ 1971 میں 40 ہزار کے قریب تھی۔ یہ ایک قدیم بندرگاہ ہے۔ ایک زمانے میں یہاں ٹائر (Tyre) کے لوگوں کی نو آبادی تھی پھر یہ رومن، وانڈل، عرب، مور اور ہسپانوی سلطنتوں کا حصہ بنا۔ سنہ 1881 سے سنہ 1956 تک یہ فرانس کے قبضہ میں رہا۔ فرانسیسی حکومت نے آخر وقت تک اس پر قبضہ رکھنے کی کوشش کی۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں جرمنوں نے قبضہ کر کے یہاں بحری اڈہ قائم کیا تھا اور اتحادیوں نے اس پر زبردست بم باری کی تھی۔

بستگی (Diagenesis): وہ تبدیلیاں جو رسوب میں ارضی سطح یا ارضی سطح سے قریب واقع ہوتی ہیں یعنی ان عملوں میں بے حد کم درجہ حرارت اور دباؤ کا عمل دخل ہوتا ہے۔ درجہ حرارت اور دباؤ میں اضافہ ہونے پر یہ تبدیلیاں کایا بدلیت (Metamorphosis) کے احاطے میں داخل ہو جاتی ہیں کیونکہ عام طور پر ان محلول کے باعث ہی رسوب ٹھوس حجرات میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اس لیے عام طور پر بستگی کو ٹھوسیانے (Compaction) کے عمل کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے مگر دراصل بستگی مختلف عملوں کا مجموعہ ہے۔ رسوب کو ٹھوس حجرات میں تبدیل کرنے والے عمل سنگ شدگی (Lithification) کے عمل کہلاتے ہیں۔ بستگی کے ان ذیلی عملوں میں ٹھوسیانہ (Compaction) اور "سیمنٹ کرنا" (Cementation) بھی شامل ہیں۔ ٹھوسیانہ، دراصل دور دور پھیلے ہوئے (Loosely Packed) دانہ دار یا کنکر (کنکری) دانوں کا قریب قریب آکر جمع ہونے (Close Packing) کا عمل ہے۔ جبکہ درمیان کی خلائیں کم سے کم باقی رہ جائیں۔ یہ عمل اکثر اوپر واقع رسوب کے وزن کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سمنٹ کرنے کے عمل میں بھراؤ یا سیمنٹ کے ذریعے دانوں کی درمیانی خالی جگہوں کو پُر کرنا شامل ہے۔ اگر محض باریک ذراتی دانے طبعی طور پر ان درمیانی خلاؤں کو پُر کر دیں تو اسے بھراؤ (Matrix) کہتے ہیں اور اگر ثانوی مادے جو کہ زیر زمین پانی کے مادوں یا دباؤ کے زیر اثر حجری مادوں کی تحلیل اور دوبارہ قلماؤ (Recrystallization) کے ذریعے بن کر خلاؤں کو پر کریں تو اسے سیمنٹ کہتے ہیں۔

بہت سے بستگی کے عمل پانی کے Eh اور Ph پر منحصر ہوتے ہیں۔ یہ تبدیلیاں ذخیرگی (Deposition) سے قبل ہو سکتی ہیں (جیسے بل بنا کر رہنے والے جانوروں کے ذریعے مختلف رسوبی پرتوں کے مادوں کو خلط ملط کر دینا یا رسوبی ساختوں کو فنا کر دینا) یا ذخیرگی کے فوراً بعد بھی ہو سکتی ہیں، (جیسے کاربنی (Carbonaceous مادوں کی آکسیجن پذیری، ٹھوسیانہ اور سیمنٹ یا دوبارہ قلماؤ کی ابتدا بھراؤ یا ذخیرگی کے کافی بعد ہو سکتی ہے۔ جیسے سیمنٹ یا دوبارہ قلماؤ کی تکمیل، اراگونائٹ (Aragonite)، جماد کا کیلسائٹ (Calcite) میں تبدیل ہونا (دیکھیے جمادی کوئلے کی تخلیق، وغیرہ)۔

بستے (Concretions): بستگی (Diagenesis) کے دوران اکثر رسوبی اجزا کسی مرکز (Nucleus) کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ٹھوس بن جاتے ہیں ایسی شکلوں کو "بستے" کہتے ہیں۔ یہ مدور یا ناہموار دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ایسے بستے چکنی مٹی (Clay)، چونا پتھر، لائم اسٹون، ڈولومائٹ، چرٹ (Chert)، جپسم (Gypsum) اور لیمونائٹ (Limonite) وغیرہ کی ترکیب کے ہو سکتے ہیں۔

بسوہلی: یہ ہندوستان میں ہماچل پردیش کی ایک قدیم ریاست تھی۔ یہاں سترہویں صدی میں راجا کرپال پال نے آرٹ اور پینٹنگ کو کافی ترقی دی تھی۔

بسی پاور پراجکٹ: بسی پاور پراجکٹ ہماچل پردیش کا پراجکٹ ہے جو زیر تکمیل ہے۔ یہ اور دوسرے پراجکٹ جب مکمل ہو جائیں گے تو ان سے ہماچل پردیش کو جملہ 3,000 کلوواٹ بجلی ملے گی۔

بشنگ: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

بصرہ: عراق کا دوسرے نمبر کا بڑا صنعتی اور تجارتی شہر اور بندرگاہ بصرہ خلیج فارس سے تقریباً 110 کلو میٹر شمال میں شط العرب کے مغربی کنارہ پر واقع ہے۔ یہاں ملک کے کئی حصوں سے سڑکیں آکر ملتی ہیں۔ اس مقام سے دجلہ اور فرات دونوں دریاؤں پر بآسانی پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 4 لاکھ ہے۔

بصرہ کے قریب کئی مقامات سے تیل نکلتا ہے اور اس لیے یہاں تیل صاف کرنے کے کئی کارخانے قائم ہیں۔ تیل کے علاوہ گیہوں، اون، جَو (بارلی) اور کھجوریں برآمد کی جاتی ہیں۔

اس شہر کی بنیاد سنہ 636 میں حضرت عمرؓ نے رکھی تھی۔ عہد عباسیہ میں

اس نے خوب ترقی کی۔ ہارون الرشید نے اسے بڑا ثقافتی مرکز بنا دیا تھا۔ عباسی خلافت کے زوال کے ساتھ اسے بھی زوال آ گیا ایک عرصہ تک ایرانیوں اور ترکوں میں اس کے لیے جھگڑا چلتا رہا۔ سنہ 1948 میں اس کے اطراف تیل نکلنے کے بعد سے یہ تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔

بعید حسی (Remote Sensing): وسیع برقیاتی طیف کی مدد سے قشر ارضی کی بالائی سطح اور گہرائیوں میں پوشیدہ مختلف اشیا کے وجود کو محسوس کرنا بعید حسی کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں زلزلئی تکنیک سے بڑی مدد ملتی ہے۔ مقناطیس کے برقیاتی اشارے وسیع پوشیدہ علاقوں کی حقیقی تصاویر سامنے لے آتے ہیں۔ انھیں انسانی آنکھ، پیائشی آلات اور معمولی فضائی کیمروں کے ذریعہ ریکارڈ نہیں کیا جا سکتا۔

سورج سے نکلنے والی ایک خاص قسم کی توانائی کرہ ارض کے تمام اجسام کو متاثر کرتی رہتی ہے۔ اس کے زیر اثر ہر جسم اپنی حدت کی اضافت سے تین مختلف قسم کی برقیاتی تابانیاں منتشر کرتا رہتا ہے۔ ان میں ایک منعکس ہونے والی، دوسری خارج ہونے والی اور تیسری جذب ہونے والی رہتی ہے۔

برقیاتی طیف کی لہریں بھی کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ منعکس ہونے والی اور خارج ہونے والی لہریں کرہ باد سے گزرتی رہتی ہیں۔ منعکس ہونے والی لہروں کو سورج کی قدرتی روشنی یا فلاش بلب کی مصنوعی روشنی میں کیمرہ کے عدسی نظام کے ذریعہ محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اس مہم میں کیمرہ کے علاوہ زیر سرخ طیف پیما، طیفی ضیا پیما اور اشعاع پیما، کمپیوٹر اور کئی دوسری طرح کے حساس آلات بھی استعمال کیے جانے لگے ہیں۔

اس پورے مشینی نظام کو بلند فضاؤں میں گھومنے والے مصنوعی سیاروں، غباروں، راکٹوں، ہوائی جہازوں، راڈاروں یا سلاروں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔ اس سے حاصل کیے ہوئے نقوش کی مدد سے نقشے تیار کر لیے جاتے ہیں۔ نقشہ کشی کے وقت غیر ضروری اشارے خارج کر دیے جاتے ہیں۔ بعض مصنوعی سیارے فضا میں گم ہو جاتے ہیں۔ ان میں لگائے ہوئے آلات کی فراہم کردہ معلومات کو ٹی وی کی تصاویر کے ذریعہ مناسب وقت پر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

کیمرہ کے حاصل کیے ہوئے تصور کو صاف اور پختہ کرنے کے بعد حتمی شعاعوں کی تلی، ٹی وی کے پردہ یا مقناطیسی فیتہ پر منتقل کر کے روشن تصویر یا ترسیمی اشکال تیار کر لی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں راڈار استعمال کیا گیا ہو تو لاسلکی کے تواتری ارتعاش کو زیر مشاہدہ علاقہ تک پہنچانے کے بعد منعکس ہونے والے خیال کو حتمی شعاعوں کی تلی پر اُجاگر کر کے واضح تصویر تیار کر لی جاتی ہے۔ لہروں کے انعکاس کو کثیر طیفی اسکینر کے ذریعہ بھی محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

بعید حسی سے کارٹوگرافی، جیوڈیسی، جغرافیہ، زراعت، نباتیات، ارضیات اور منصوبہ بندی کے شعبوں کو اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

بغداد: جمہوریہ عراق کا صدر مقام ہے۔ دریا دجلہ کے کنارے خلیج فارس کے شمال مغرب میں 560 کلومیٹر پر واقع ہے۔ آبادی سنہ 1975 میں 2,987,000 تھی۔ یہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ بغداد اور اس کے اطراف کے علاقوں میں کئی قدیم سلطنتوں نے اپنے صدر مقام آباد کیے۔ سلطنتیں مٹ گئیں اور کچھ آثار چھوڑ گئیں۔ یہاں بابل، عقاد، برج، سلوقیہ، این وغیرہ سلطنتوں کے مرکز رہے ہیں۔ عربوں کے قبضہ سے پہلے یہ سلطنت ایران کا ایک حصہ تھا۔ سنہ 750 میں اسلامی دنیا پر عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو خلیفہ دوم ابو جعفر المنصور نے ایک نیا دارالخلافہ دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر اس جگہ تعمیر کیا جہاں ایک قدیم ایرانی قصبہ بغداد آباد تھا۔ اس نئے شہر کو اس نے مدینتہ السلام کا نام دیا۔ اس کے اب کوئی آثار باقی نہیں ہیں۔ اس شہر کا مرکزی حصہ مدور یا گول تھا اور اس کا قطر 2,700 میٹر تھا۔ شہر کے اطراف فصیل تھی۔ بیچ میں خلیفہ کا محل تھا۔ فصیل میں چار بڑے بڑے پھاٹک تھے۔ فصیل کے اندر بازار یا دکانوں کی اجازت نہیں تھی۔ یہ سب فصیل کے باہر تھے۔ فصیل کے اطراف میں آہستہ آہستہ کئی بستیاں بس گئیں۔ الف لیلہ میں اس دور اور اس شہر کی شان و شوکت کی داستانیں ملتی ہیں۔

ہارون رشید کے انتقال کے بعد جانشینی کے لیے خانہ جنگی شروع ہو گئی اور اس میں یہ شہر کافی تباہ ہو گیا۔ سنہ 836 میں عباسیوں نے اپنا دارالخلافہ سمارا (Sammara) منتقل کر دیا۔ نویں صدی کے آخر میں وہ بغداد پھر واپس آئے لیکن اب دجلہ کے مشرقی کنارے کو اپنا مرکز بنایا۔ ایک فصیل اور محل وغیرہ تعمیر کیے جو انیسویں صدی تک باقی تھے۔ سنہ 1917 میں پہلی عالم گیر جنگ میں جب ترکوں کو شکست ہو گئی تو انھوں نے پسپا ہوتے ہوئے بغداد کی فصیل کے باقی ماندہ دو دروازوں میں سے ایک "طلسمات" کو بارود سے اڑا دیا لیکن ایک "باب الوسطانی" آج تک موجود ہے۔ اور فوجی عجائب گھر کا ایک حصہ ہے۔

بغداد عہد عباسیہ کے پورے دور میں زبردست تجارتی اور ثقافتی مرکز رہا ہے۔ دجلہ سے نہریں نکال کر اس کے اطراف بڑے پیمانے پر زرعی کاشت ہوتی تھی۔ حکومت عباسیہ کے انحطاط کے دور میں بھی اس کی خوش حالی اور شان و شوکت کافی برقرار رہی لیکن سنہ 1258 میں منگول حکمراں ہلاکو نے اس پر حملہ کر

کے اسے تاخت و تاراج کر دیا۔ خلیفہ المعتصم قتل کر دیے گئے اور 8 لاکھ سے اوپر شہری مارے گئے اس کے بعد سے پھر یہ شہر پنپ نہ سکا۔ نہری نظام تباہ ہو گیا۔ ہلاکو کے جانشین خانوں نے اس میں پھر زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن سنہ 1410 میں تیمور نے حملہ کر کے اسے دوبارہ تباہ کر دیا۔ اس کے بعد یہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے تحت رہا۔ آخر کار سنہ 1534 میں سلطنت عثمانیہ کے مشہور سلطان سلیمان اول نے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ 1623 میں ایران کے بادشاہ عباس اول نے اسے اپنی سلطنت میں ملا لیا لیکن سنہ 1638 میں یہ پھر ترکوں کے تحت آگیا۔

اٹھارہویں صدی کے شروع میں عثمانی ترکوں نے یہاں مملوک گورنر مقرر کیے۔ جو بعد میں برائے نام ان کے تحت تھے۔ مملوک حکمرانوں نے بغداد میں پھر سے زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی یہاں انگریزوں کا اثر بڑھنے لگا۔ سنہ 1798 میں بغداد میں انگریزوں نے ریزیڈنسی قائم کی۔ پہلی عالم گیر جنگ کے دوران ترکوں کو شکست ہوئی تو انگریزوں نے عراق پر قبضہ کر لیا اور یہاں شاہ فیصل کے تحت ایک "آزاد حکومت" قائم کر دی۔ سنہ 1958 میں فوج نے شاہی خاندان کا تختہ الٹ دیا اور ملک کو انگریزوں کے اثر و تسلط سے آزاد کر والیا۔ سنہ 1968 سے یہاں، تھوڑی سی مدت کو چھوڑ کر، بعث پارٹی کی حکومت ہے۔

دوسری عالم گیر جنگ کے بعد عراق میں بڑے پیمانے پر تیل نکلا ہے جس کی وجہ سے بغداد نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ بے شمار عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔ قدیم عمارتوں میں "کاظمین" بہت مشہور ہے۔ یہاں امام موسیٰ کاظم دفن ہیں۔ کئی عجائب گھر ہیں۔ جن میں سے قدیم نوادر کا عجائب گھر بہت مشہور ہے۔ پچھلے برسوں میں عراق میں جو کھدائی ہوئی ہے اور بابل، نینوا اور اسیری تہذیب کے جو نوادر ملے ہیں وہ یہاں جمع کر دیے گئے ہیں۔

بفن، جارج لوئی لکلرے ڈی (George Louis Leclerc De Buffon): یہ فرانسیسی ماہر فطرت (Naturalist) 1707 میں پیدا ہوا اور اس نے 1786 میں انتقال کیا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ رکاز یا باقیات کی کافی تعداد اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ زمانہ قدیم میں زمین سمندر سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی۔ قشر ارض (Earth's Crust) کے پھٹنے پر یہ سمندر زمین میں سما گئے۔ اس نے ارضی تاریخ کو چھ زمانوں (Epochs) میں تقسیم کیا ہے اور اس نے سب سے پہلے زمین کی عمر اور سیاروں کی عمریں معلوم کرنے کے ایسے طریقوں کی طرف توجہ دی جن کا تعلق مذہبی اعتقادات سے نہیں تھا۔

بفے لو (Buffalo): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا یہ شہر جھیل ایری کے کنارے آبشار نیاگرا کے قریب واقع ہے۔ آبادی اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے یہ ریاست نیویارک کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ اس کے ذریعے مشرق کا سامان مغرب کو اور مغرب کا خام مال مشرق کو بھیجا جاتا ہے۔ اس بندرگاہ میں ہر سال دس ہزار جہاز آتے ہیں اور 2 ہزار ٹن سامان لادا جاتا ہے۔ ایک بڑا طیران گاہ (ایرپورٹ) بھی یہاں واقع ہے۔ یہاں کی غلہ اور آٹے کی منڈی دنیا کی بڑی منڈیوں میں شمار ہوتی ہے۔ مشینوں کے اوزار، السی کا تیل، موٹر کار اور جہاز سازی، دھاتوں کو صاف کرنے، برقی اور کیمیائی اشیا تیار کرنے، کاغذ بنانے کے کارخانے یہاں ہیں۔ گوشت بھی ڈبوں میں بند کیا جاتا ہے۔ سٹی ہال اور یہاں کی لارکن عمارتیں شہرت کی حامل ہیں۔ یہاں ایک یونیورسٹی بھی ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 6 لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔

بکلینڈ، ولیم (William Buckland): آکسفورڈ یونیورسٹی میں شعبہ ارضیات میں پہلا پروفیسر تھا۔ 1784 میں پیدا ہوا اور اس نے 1856 میں وفات پائی۔ وہ عظیم کائناتی سیلاب کے نظریے پر یقین رکھنے والے سائنسدانوں میں آخری شخص تھا۔ اپنی زندگی کے اواخر میں اگاسز (Agassiz) کے زیر اثر اس نے اپنے نظریات میں تبدیلی قبول کر لی تھی اور برفانی دور میں یقین رکھنے لگا تھا۔ خاص طور پر اس نے جراسک (Jurassic) اور ٹرشیری (Tertiary) یا ثلاثی پرتوں پر کام کیا۔ ان ادوار کے کئی باقیات کی نشان دہی کے سلسلے میں اس کا نام سر فہرست ہے۔ 1834 میں اس نے میگالوسارس (Megalosaurus) نامی ڈائناسار (Dinasaur) کے باقیات کی نمائش کی تھی۔

بک، ہنری ڈی لا (Henry De La Beche): یہ انگریز ماہر ارضیات جو 1796 میں پیدا ہو کر 1835 میں لقمہ اجل ہوا اس لحاظ سے مشہور ہے کہ جنوب مغربی انگلستان کے علاقوں پر ارضیاتی تحقیق پہلا ایسا کام تھا جس کا انتظام سرکاری طور پر کیا گیا تھا اور اسی کام کی وجہ سے برطانیہ میں ارضیاتی سروے (Geological Survey) 1935 میں قائم ہوا اس کا پہلا ناظم بک ہی تھا۔ اس کے لکھے ہوئے رسالۂ ارضیات (Manual of Geology) اور دوسری کتابوں میں پیش کردہ مواد کی اہمیت کی وجہ سے اس کو بین الاقوامی طور پر سراہا گیا۔ مدرسۂ کانکنی (School of Mines) میں اس کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملک میں سائنس کی طرف میلان بڑھ گیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بلاسٹائڈ (Blastoid): ایکنوڈرما (Echinoderma) (دیکھئے ایکنوڈرم) کی ایک جماعت بلاسٹائڈیا (Blastoidea) سے متعلق جانور، ایسے گنڈی نما ایکنوڈرم جن کا جسم 13-14 عدد پلیٹوں سے گھرا ہوتا ہے اور دھاگے کی طرح بے شمار شاخیں ان پلیٹوں سے باہر نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔

بلاک پہاڑ (Block Mountain): بلاک پہاڑ قشر ارض میں گسلوں کی تکرار سے وجود میں آتے ہیں۔ ایسے گسل عام طور پر عمودی گسل اور معکوس گسل جیسے ہوتے ہیں، جن میں پہاڑوں کے بڑے بڑے بلاک اوپر اٹھ کر سطح مرتفع جیسے علاقوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ بلاک پہاڑ عام طور پر کم درجہ کی ارضی قوتوں کے مظہر ہیں۔ اس لیے ایسے پہاڑوں کا تعلق کوہ سازی جیسے عوامل سے زیادہ براعظم سازی سے ہوتا ہے۔

ہندوستان میں اس قسم کے پہاڑوں کی مثالیں وندھیاچل اور جنوب میں کڑپہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

بلاک ڈائگرام: یہ ہیئت زمین کی سطح کے کسی حصہ کی سہ بعدی شکل پیش کرتی ہے۔ درحقیقت یہ بھی ماڈل کا ایک خاکہ ہے۔ اسے بعض اوقات اسٹریوگرام یا گروگراف بھی کہا جاتا ہے۔ اس ڈائگرام میں کسی بھی منظر یا ہیئت کی ارتقائی منازل کو اجاگر کیا جاسکتا ہے۔ بلاک کے بالائی حصہ سے دکھائے ہوئے علاقہ کا طائرانہ منظر سامنے آتا ہے۔ اور پہلوؤں پر بنائی ہوئی عمودی تراشوں سے مختلف طبقات کی ارضیاتی ساخت کا پتہ چلتا ہے۔

بلانٹائر (Blantyre): (1) جنوب مشرقی افریقہ میں جنوبی ملاوی (Malawi) کا ایک ضلع ہے جو موزمبیق (Mozambique) کی سرحد پر واقع ہے۔ رقبہ 4,175 مربع کلو میٹر (1,612 مربع میل) ہے۔ یہ قدیم یورپی نو آبادی ہے۔ یہاں زراعت میں خاصی ترقی ہوئی ہے۔ تمباکو، کائی اور مکئی اہم پیداوار ہیں۔ آبادی 279,270 ہے۔

(2) ملاوی کا سب سے بڑا شہر اور جنوبی خطہ میں ضلع بلانٹائر (Blantyre) کا انتظامی مستقر ہے۔ شائر (Shire) کے پہاڑی علاقہ میں 3,409 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ اہم تجارتی مقام ہے۔ سیاحت کا مرکز ہے۔ آرہ کشی اور شراب نیز سیمنٹ کی تیاری کے لیے مشہور ہے۔ تمباکو کی فصل اہم ہے۔ سنہ 1971 میں آبادی 169,000 تھی۔

(3) اسکاٹ لینڈ کا ایک بڑا شہر ہے جو لنارک (Lanark) کی کاؤنٹی میں واقع ہے۔ یہاں سنہ 1785 میں سوت کاتنے کے کارخانے قائم کیے گئے تھے۔

بلخ: یہ افغانستان کے صوبہ مزار شریف کے نخلستانی علاقہ میں 1250 فٹ کی بلندی پر سڑکوں کا اہم مرکز ہے۔ آب پاشی کے ذریعہ کاشتکاری کو فروغ دیا جارہا ہے۔ یہاں کی مشہور "سبز مسجد" اب خستہ حالت میں ہے۔ مسجد کے شمال میں بالا حصار واقع ہے۔ اس کے جنوبی گوشہ میں ایک شاندار مقبرہ ہے۔ مسجد کے مشرق میں ایک میل کے فاصلہ پر ایک اور مقبرہ دکھائی دیتا ہے۔ شہر کے جنوب میں ایک میل کے فاصلہ پر دو ویرانے پھیلے ہوئے ہیں جو "توپ رستم" اور "تخت رستم" کہلاتے ہیں۔ یہیں بدھوں کا ایک بڑا استوپا اور اس سے تعلق رکھنے والی قدیم خانقاہیں واقع ہیں۔ نئی خانقاہ "نوبہار" کہلاتی ہے۔

بلغاریہ (Bulgaria): عوامی جمہوریہ بلغاریہ جنوب مشرقی یوروپ میں اور جزیرہ نما بلقان کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں بحیرۂ اسود (سیاہ)، شمال میں رومانیا، مغرب میں یوگوسلاویہ اور مقدونیہ، جنوب میں یونان اور جنوب مشرق میں یوروپی ترکی واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 110,912 مربع کلو میٹر (42,823 مربع میل) ہے۔

1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 8,982,000 تھی۔ سب سے بڑا شہر صوفیا ہے۔ زبان عام طور پر بلغاروی استعمال ہوتی ہے۔

بلغاریہ میں مشرق سے مغرب تک کوہ بلقان کا سلسلہ چلا گیا ہے جنوب مغرب میں رہوڈوپ پہاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کی چوٹیاں کوہ بلقان سے بھی اونچی ہیں۔ دریائے ڈینیوب اس میں سے گزر کر بحیرہ اسود میں گرتا ہے۔ اس کے علاوہ دو اور بڑے دریا مرتسا اور استروما ہیں۔

یہاں معدنیات خاص طور پر کوئلے، لوہے، مینگنیز، سیسہ، جست، تانبہ اور یورینیم کے کافی ذخائر موجود ہیں۔ یہاں معدنی پانی کے بھی کافی چشمے ہیں۔ یہ روایتی طور پر ایک زرعی ملک ہے، لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد سے، جب سے یہاں سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی ہے، صنعتوں میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ معدنیات کی کافی بڑے پیمانے پر کان کنی ہوتی ہے۔ لوہے، فولاد، مشینوں اور کیمیائی اشیا کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں۔ سیمنٹ اور کپڑے تیار ہوتے ہیں۔ جہاں تک زراعت کا تعلق ہے یہ اب بھی آبادی کی اکثریت کا پیشہ ہے۔ گیہوں، مکئی، اور بارلی کی کاشت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سبزیاں اور پھل بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ خاص طور پر انگور جس سے شراب بنتی ہے۔ مویشیوں میں گائیں، گھوڑے، بھیڑ، بکریاں، اور مرغیاں پالی جاتی ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

تجارت 50 فیصدی روس سے اور بقیہ دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے ساتھ بھی تجارت بڑھتی جارہی ہے۔ برآمدات زیادہ تر مشینوں، تمباکو، سگریٹ، کیمیائی اشیاء پھل اور کھانے پینے کی ڈبہ بند چیزوں نیز شراب وغیرہ کی ہوتی ہیں۔ رائج سکہ لیو (Lev) ہے۔

بلغاریہ میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 920,694 اور استاد 62,012 تھے۔ ثانوی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 383,825 اور استاد 28,874 تھے۔ فنی مدارس میں 233,528 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 185,914 طالب علم تھے۔

تاریخ: چھٹی صدی عیسوی سے بلغاریہ میں سلاو (سلاف) قبیلے آکر بسنے لگے۔ اور اس وقت سے یہاں کی زبان اور تہذیب سلاوی (سلافی) رہی ہے۔ مقامی بلغر آبادی آہستہ آہستہ سلاف قبیلوں میں ضم ہوگئی۔ پہلی بلغاری سلطنت 681 میں خان اسپ رخ نے قائم کی اور بہت جلد یہ ایک اہم سلطنت بن گئی۔ پڑوس کی بازنطینی سلطنت بھی اس سے خطرہ محسوس کرنے لگی۔ چنانچہ 809 میں خان کرم نے بازنطینی سلطنت سے صوفیہ چھین لیا اور 811 میں بازنطینی شہنشاہ کو شکست دے کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ بعد میں صلح اس شرط پر ہوئی کہ بازنطینی سلطنت ہر سال خراج ادا کرے گی۔

سایمون اوّل کے عہد میں بلغاری سلطنت اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ دسویں صدی تک بازنطینی سلطنت نے نئی طاقت اکٹھا کر کے بلغاروی سلطنت کو شکست دی اور بلغاریہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ بعد میں بازنطینی سلطنت کے اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر بلغاریہ نے پھر آزادی حاصل کرلی اور تیرھویں صدی میں بلغاروی سلطنت بادشاہ آئی وان دوم کی سرکردگی میں ایک دفعہ پھر زبردست طاقت بن گئی اور سوائے یونان کے بلقان کا پورا علاقہ اس کے تحت آگیا۔

چودھویں صدی میں جب ترکی کی عثمانی سلطنت عروج پر پہنچی تو اس نے بلغاریہ کو فتح کر کے اپنا صوبہ بنالیا۔ ترکی حکومت کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں لیکن کامیاب نہ ہوسکیں۔ 78-1877 میں اپنے سلاو (سلاف) بھائیوں کو ترکی کے تسلط سے آزاد کروانے کے بہانے سے زار روس نے ترکی کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور ایک معاہدے کے ذریعہ ترکی کو مجبور کردیا کہ بلغاریہ کو آزادی دے دی جائے۔ یوروپ کے دوسرے ملکوں کو یہ بات پسند نہیں تھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ روس کا اثر اتنا پھیل جائے چنانچہ انھوں نے روس اور ترکی کا معاہدہ منسوخ کروالیا اور اب شمالی بلغاریہ ترکی کے تحت ایک ریاست بن گیا اور جنوبی بلغاریہ پر ترکی کا قبضہ رہا۔

بیسویں صدی کے شروع میں نوجوان ترکوں کی تحریک شروع ہوئی اور انھوں نے مطلق العنانی کے خلاف اور جمہوریت کے قیام کے لیے جدوجہد شروع کی تو 1908 میں بلغاریہ نے آزادی حاصل کرلی اور شہزادہ فرڈینڈ نے اپنے آپ کو زار بنالیا۔ پہلی جنگ عظیم تک بلغاریہ بلقان کی جنگوں میں الجھا رہا۔ جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو اس نے جرمنی اور اس کے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ جنگ میں جب جرمنی کو شکست ہوئی تو بلغاریہ کے کئی علاقے یونان، یوگوسلاویہ اور رومانیا کو دے دیے گئے۔ اس کے بعد ملک کافی انتشار کا شکار رہا اور 1935 میں بورس سوم فوج کی مدد سے ڈکٹیٹر بن گیا۔ 1941 میں وہ ہٹلر کے ساتھ جنگ میں شریک ہوگیا اور یوگوسلاویہ، یونان وغیرہ کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا، لیکن سوویت یونین کے خلاف جنگ سے احتراف کیا۔ 1944 میں سوویت یونین نے بلغاریہ کے خلاف اعلان جنگ کردیا اور اس کی فوجیں بلغاریہ میں داخل ہوئیں۔ اس وقت تک گوریلا فوجیں بلغاروی کیمونسٹ پارٹی کی سرکردگی میں کافی طاقتور ہوچکی تھیں۔۔ سوویت فوج کے داخلہ کے ساتھ ہی انھوں نے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ اپنے کھوئے ہوئے تمام علاقے واپس حاصل کرلیے۔ 1946 میں بلغاریہ کو ایک جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ مشہور کیمونسٹ اور کیمونسٹ انٹرنیشنل کے رہنما جارجی ڈیمٹراف پہلے وزیر اعظم بنائے گئے۔ اس کے بعد بلغاریہ میں مکمل طور پر سوشلسٹ نظام قائم کردیا گیا۔ تمام ذرائع پیداوار قومی ملکیت بنادیے گئے اور زراعت میں اجتماعی کاشت کا طریقہ رائج کیا گیا۔

52-1951 میں بلغاریہ نے ترکی نژاد شہریوں کو 160,000 کی تعداد میں ترکی واپس بھیج دیا۔ 1954 کے بعد یونان اور ترکی سے تعلقات کچھ بہتر ہوگئے۔ 1955 میں بلغاریہ معاہدہ وارسا اور اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔

1965 میں فوجیوں نے حکومت پر قبضہ کرلیا۔ 1968 میں بلغاریہ نے چیکوسلواکیہ کے خلاف روس کو حملہ کرنے میں مدد دی۔

1986 میں معاشی ترمیماتی اسکیمیں چلائی گئیں۔ 1989 میں سماجی اور سیاسی گھٹن کا دور شروع ہوا۔

اگست 1990 میں پہلی بار ایک غیر کیمونسٹ زھیلو زھیلیف صدر منتخب ہوا۔ نیا قانونی (آئین) ترتیب دیا جانے لگا۔ 1992 میں حکومت کی تشکیل عبوری دور کے لیے کی گئی۔

بلغاریہ ۔ زبان و ادب: بلغاروی زبان ہند-یوروپی گروہ کی اور سلاف خاندان کی ہے۔ جدید بلغاروی ادب کی ابتدا 1762 سے ہوئی ہے۔ اس سال فادر پیں نے پہلی مرتبہ بلغاروی سلاف لوگوں کی ایک تاریخ مرتب کی تھی۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اس کا مقصد بلغاریوں کے قومی جذبہ کو ابھارنا اور بلغاروی زبان کو مقبول بنانا تھا۔ اس کے بعد سے اس زبان میں نظمیں کہی جانے لگیں۔ نثر میں کتابیں لکھی گئیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں بلغاریہ کے قومی شاعر اور مجاہد آزادی کرسٹو بوتیف نے بڑی پر اثر اور انقلابی نظمیں لکھیں۔ انھوں نے آزادی کی جدو جہد میں اپنی جان دی۔ ان کی شاعری نے اپنے عہد کو بے حد متاثر کیا اور انقلابی ادب کی لہر چل پڑی۔ 1876 میں جب بلغاریہ نے آزادی حاصل کرلی تو ادب میں وہ پہلی گرمی اور انقلابیت نہیں رہی۔ انیسویں صدی میں یوروپی ادب نے بھی بلغاروی ادب کو کافی متاثر کیا۔

پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کے ساتھ بلغاریہ کو بھی شکست کا کا سامنا کرنا پڑا تو ایک طرح سے مایوسی کی فضا چھا گئی اور ادیب تصوف (Mysticism) کی طرف رخ کرنے لگے اور اشاریت عروج پانے لگی۔ ساتھ ہی حقیقت پسندی بھی ادب میں داخل ہونے لگی۔ خاص طور پر کسانوں کی زندگی کے بارے میں ناول لکھے جانے لگے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب بلغاریہ میں انقلاب آیا اور سوشلسٹ سماج قائم ہوا تو سوشلسٹ حقیقت نگاری نے ادب میں اہم مقام حاصل کرلیا۔

بلغراد (بیلگراڈ): یہ یوگوسلاویہ کا صدر مقام ہے۔ مقامی لوگ اسے بیوگراڈ کہتے ہیں۔ دریا ڈینیوب پر واقع ہے اور ملک کا سیاسی، صنعتی اور ثقافتی مرکز ہے۔ آبادی سنہ 1971 میں 587,890 تھی۔ یہاں خام دھات کو صاف کرنے، کپڑا بنانے، مشینری بنانے اور کیمیائی اشیا تیار کرنے کے کارخانے ہیں۔ سائنس اکیڈمی اور ایک یونیورسٹی بھی ہے۔ یہ یونیورسٹی 1863 میں قائم کی گئی تھی۔ بلغراد کو ماضی میں ریاست ہائے بلقان کی چابی کہا جاتا تھا۔ یہ کلف، رومن اور پھر بازنطینی سلطنت کا حصہ رہا۔ ہنگیری اور بلغاریہ کے تحت بھی رہا۔ 1521 میں ترکوں نے اسے فتح کر کے یورپ میں اپنے لیے ایک قلعہ بنایا تھا۔ کچھ عرصے کے لیے یہ ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن جلد ہی انھوں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور 1867 تک اسی قلعہ میں اپنی فوج رکھی تھی۔ 1882 میں بلغراد سلطنت سربیا کا صدر مقام بنا۔ پہلی عالمگیر جنگ میں یہ آسٹریا کے قبضہ میں چلا گیا۔ سنہ 1929 میں یوگوسلاویہ کا صدر مقام بنا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران سنہ 1941 سے سنہ 1944 تک اس پر جرمنی کا قبضہ رہا اور لڑائی کے دوران شہر کا کافی حصہ تباہ ہو گیا۔ مارشل ٹیٹو کی سرکردگی میں جرمنی کے خلاف زبردست گوریلا جنگ منظم کی گئی۔ جرمنوں کی شکست کے بعد یہاں سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی۔ یہ ایک خوبصورت شہر ہے۔ یہاں میوزیم، پارک، قدیم محلات اور گرجا ہیں۔ سنہ 1961 میں یہاں غیر جانب دار ملکوں کی پہلی کانفرنس ہوئی تھی جو ٹیٹو، ناصر اور نہرو نے منظم کی تھی۔

بلف: ندی کے کنارہ کی کلف۔

بلقان: یہ جنوبی یورپ کے مشرقی حصہ کا ایک جزیرہ نما ہے۔ اس میں یونان، البانیا، سربیا، بوسنیا، میسیڈونیا، ہرسگووینا، یوگوسلاویا، بلغاریہ اور رومانیہ کے ممالک شامل ہیں۔ 7000 ق م سے 3500 ق م تک یہ علاقے قدیم یورپی تہذیب کے گہوارے رہے ہیں۔

بماکو (Bamako): مغربی افریقہ میں مالی (Mali) کا صدر مقام اور تجارتی مرکز ہے۔ دریائے نائجر کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ ڈکار نائجر (Dakar-Niger) ریلوے کا جنکشن اور اہم تجارتی مرکز ہے۔ یہاں سے سیمنٹ اور پٹرولیم سے تیار کی ہوئی چیزیں دریائے نائجر (Niger) پر کشتیوں کے ذریعہ زیریں علاقوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ ان کے بدلے میں چاول اور مٹر منگا کر اطراف کے علاقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سنہ 1960 میں یہاں دریائے نائجر پر ایک بہت بڑا پل تیار کیا گیا تھا۔ طیران گاہ (ایرپورٹ) قریب ہی واقع ہے۔ سنہ 1970 میں آبادی 201,300 تھی۔

بنتھونک یا باتھیال (Benthonic or Bathyal): (1) وہ بحری ماحول جو براعظمی ڈھلان پر ہوتا ہے اور سطح سمندر سے 200 سے لے کر 2,000 میٹر کی گہرائی تک ہوتا ہے۔ (2) ایسے ماحول میں رہنے والے جاندار بنتھونک جاندار کہلاتے ہیں۔

بنجیل (Banjal): گیمبیا (Gambia) کا اچھا بندرگاہ اور تجارت نیز سیاحت کا مرکز ہے۔ پاس ہی ینڈم (Yendum) کی بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) بھی واقع ہے۔

بند حاشیائی ارضی ہم میلان (Closed Marginal Geosyncline): وہ ارضی نشیب جو کسی براعظمی حاشیے (Continental Margins) (دیکھئے براعظمی حاشیے) اور ارضی سرحد (Borderland) کے درمیان واقع ہو۔

بندر پہلوی: شمالی ایران کا یہ بندرگاہ اور تفریح گاہ بحیرۂ خزر (کیسپین) پر واقع ہے۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 50,000 تھی۔

بندر عباس: یہ آبنائے ہرمز پر جنوبی ایران کا اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں عرب اور حبشی زیادہ آباد ہیں۔ مصنوعات کی درآمد زیادہ ہوتی ہے۔ برآمد کی جانے والی چیزوں میں قالین اور زرعی پیداواریں اہمیت رکھتی ہیں۔ سنہ 1972 میں اس کی آبادی 45,000 تھی۔

بندی پور: میسور سے 80 کلو میٹر کے فاصلے پر اوراو ٹکمنڈ (اوٹی) کے راستے میں بندی پور، ایک مشہور شکار گاہ ہے۔

بندیل کھنڈ: یہ وسط ہند کا ایک تاریخی علاقہ ہے۔ اس میں وندھیاچل کا پہاڑی حصہ شامل ہے۔ یہاں پہاڑی باشندوں نے قدیم زمانہ میں کئی قلعے اور پناہ گاہیں بنائی تھیں۔ گہرواریا جیکا بھکتی خاندان کے زوال کے بعد پراتیہارا راجپوتوں کا اقتدار قائم ہوا تھا۔ ان کے بعد کندیلاؤں نے زور پکڑا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں جمنا اور نربدا کے درمیان انھوں نے ایک وسیع علاقہ پر تسلط کر لیا۔ پرتھوی راج نے انھیں شکست دی۔ چودھویں صدی میں یہاں "بندیلا" راجپوت آباد ہونے لگے اور مدت تک دہلی کے مسلمان حکمرانوں سے جنگ و جدل کرتے رہے۔ سنہ 1454 میں شیر شاہ نے بندیل کھنڈ پر حملہ کیا لیکن کالنجر کے محاصرہ کے زمانہ میں ملک عدم کو سدھارا۔ سنہ 1569 میں کالنجر مغلوب ہو گیا۔ مغلوں کے زوال کے ساتھ مرہٹے قوت پکڑتے گئے اور سنہ 1792 کے بعد بندیل کھنڈ کے سردار کہلانے لگے۔

سنہ 1803 میں باندا اور ہمیر پور کے اضلاع انگریزوں کو مل گئے۔ سنہ 1817 کے پونا کے صلح نامہ کی رو سے انگریزوں نے اس علاقہ میں اپنی عملداری قائم کر لی۔ سنہ 1857 میں اسی بندیل کھنڈ کے علاقہ سے جھانسی کی رانی نے انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا۔

بندیل کھنڈ میں ہمیر پور، جالون، جھانسی اور باندا کے اضلاع شامل تھے۔ اس وقت یہ اتر پردیش کے جھانسی ڈویژن کی تشکیل میں شامل ہیں۔ 1948 میں بندیل کھنڈ اور باگیل کھنڈ کے انضمام سے وندھیاچل پردیش کی تشکیل ہوئی تھی۔ 1956 میں یہ دونوں علاقے مدھیہ پردیش میں ضم ہو گئے اور بندیل کھنڈ کی انفرادیت ختم ہو گئی۔

بنکاک: تھائی لینڈ (سیام) کی راجدھانی اور اہم بندرگاہ ہے۔ اس کی آبادی تقریباً تین ملین ہے۔ پورے ملک میں صرف یہی ایک وسیع المشرب شہر ہے جو چھوٹے چھوٹے شہروں اور دیہاتوں پر مشتمل ہے۔ یہ شہر دریائے چاؤفریا کے دہانے پر واقع ہے جو خلیج تھائی لینڈ سے چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے یہ بہت گرم مقام ہے۔ سردی کے موسم میں بھی یہاں کا درجہ حرارت 77 ڈگری فارن ہیٹ ہوتا ہے۔ یہ بندرگاہ تقریباً تمام قومی درآمدات فراہم کرتا ہے۔ یہاں کے عموماً تمام کارخانے چھوٹی صنعتوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں بدھ مذہب کی ایک خانقاہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہاں مندروں کی بڑی تعداد اور ان کی فنی تعمیر کے لیے اس کی شہرت عالمگیر ہے۔

بنگ ویڈو جھیل: وسطی افریقہ کی ریاست شمالی رھوڈیشیا کی یہ جھیل میوران کے جنوب مشرق اور ٹنگانائیکا جھیل کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ تقریباً 50 میل لمبی ہے۔ رقبہ کا اندازہ 1,670 تا 1,900 مربع میل لگایا گیا ہے۔ کانگو کی نہر لوواپولا کے ذریعہ اس کے پانی کا اخراج ہوتا ہے۔ یہ جھیل کوئی معاون نہر یا ندی نہیں رکھتی اس لیے رفتہ رفتہ خشک ہوتی جارہی ہے۔

بنگلور (Bangalore): بنگلور ریاست کرناٹک (ہندوستان) کی راجدھانی ہے، جس کی آبادی 20 لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ سطح سمندر سے 920 میٹر کی بلندی پر واقع ہے جس کے سبب اس کی آب و ہوا صحت بخش ہے۔ یہ خوبصورت باغوں اور عمارتوں کا شہر ہے۔ اس کا سب سے خوبصورت حصہ لال باغ ہے جو طرح طرح کے درختوں اور پودوں کے لیے مشہور ہے۔ اس باغ کو سنوارنے کا سہرا ٹیپو سلطان کو جاتا ہے۔ بنگلور کے تاریخی مقامات میں سولہویں صدی کا قدیم مٹی کا قلعہ شامل ہے، جس کی حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے دوبارہ تعمیر کی تھی۔ اس کے علاوہ ٹیپو سلطان کا محل، نندی مندر، گنگادھر پیشوا مندر اور چار بد رکھوالی کے مینار قابل دید ہیں۔

بنگلور ایک اہم صنعتی شہر ہے۔ بنگلور اور اس کے اطراف میں کئی صنعتی کارخانے قائم کیے گئے ہیں، جیسے ہندوستان ایرونا ٹکس لیمیٹڈ جو ہندوستان کا اہم ترین ایر کرافٹ کا کارخانہ ہے۔ ہندوستان مشین ٹولس فیکٹری، بھارت الکٹرانکس فیکٹری، ہندوستان واچ فیکٹری، پورسلین فیکٹری وغیرہ۔ علاوہ ازیں بنگلور میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس،، رامن ریسرچ اور سائنٹفیک ادارہ جات بھی موجود ہیں۔ مہاراجا پیلیس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک نہایت ہی عمدہ پہاڑی تفریح گاہ بنگلور سے 20.3 کلو میٹر (13 میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس پہاڑی سے شہر کا نظارہ بڑا دلفریب ہوتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اس کے دوسری جانب دو میل کے فاصلے پر ایک مٹھ اور تالاب بنائے گئے ہیں۔

بنگلور سے 25.74 کلومیٹر (16 میل) کے فاصلے پر ہنسار گھٹا ہے، جہاں ایک بڑی جھیل اور یاچ کلب ہے۔ یہاں ہر سال "یاچ دوڑ" ہوتی ہے۔ تقریباً 35.40 کلومیٹر (22 میل) کے فاصلے پر ایک بڑا ذخیرۂ آب جو چام راج ساگر کے نام سے مشہور ہے، بہت ہی خوبصورت ہے۔ سبرامنیا مندر ایک قدیم اور تاریخی مندر ہے۔ یہ بنگلور سے 53.1 کلومیٹر (33 میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ 57.49 کلومیٹر (36 میل) کے فاصلہ پر شیو گنگا ہے جو 1,219 میٹر (4,000 فٹ) کی بلندی پر واقع ہے، جہاں ہر سال جنوری کے مہینے میں مکر سنکرانتی کے موقع پر بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔

نندی ہل جو بنگلور سے 61 کلومیٹر (38 میل) کے فاصلے پر اور سطح سمندر سے 1,478 میٹر (4,850 فٹ) کی بلندی پر واقع ہے، نہایت ہی خوبصورت گرمائی مستقر ہے۔ اس کی تدریجی سطح مرتفع کے درمیان "امرت سرودر" نامی ایک چھوٹی جھیل ہے جس کا پانی اپنے خالص پن اور صحت عطا کرنے والی خصوصیات کے لیے مشہور ہے۔

بنگلور سے 80.46 کلومیٹر (50 میل) کے فاصلے پر مشہور کولار کی سونے کی کانیں واقع ہیں۔ ان میں سے بعض تو 9 تا 10 ہزار فٹ گہری کانیں ہیں۔

کرناٹک کا دوسرا دلکش مقام اوٹکامنڈ، بنگلور سے 266 کلومیٹر (160 میل) کے فاصلے پر کاویری اور بھوانی ندیوں کے سنگم پر واقع ہے۔

ایک نہایت ہی عمدہ سڑک بنگلور اور میسور کو ملاتی ہے جو بنگلور سے 138 کلومیٹر (86 میل) کے فاصلے پر واقع ہے۔

بنگلے: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

بنیادی شگاف (Basic Joint): دیکھیے جوڑ یا شگاف

بنّو: پاکستان کے شمال مغربی علاقہ میں سرحدی فوجی مرکز ہے۔ یہ ضلع دریائے ٹوچی (Tochi) کے تعاون سے سیراب ہوتا ہے۔

بوتسوانہ (Botswana): پہلے اس کا نام بچوانا لینڈ تھا۔ افریقہ کے جنوبی حصہ میں واقع ایک جمہوریہ ہے اور دولت مشترکہ برطانیہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ یہ ہر طرف سے دوسری ریاستوں سے اور خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ جنوب اور جنوب مشرق میں جمہوریۂ جنوبی افریقہ، شمال مشرق میں زمبابوے، مغرب میں نامیبیا اور شمال میں زامبیا واقع ہیں۔ رقبہ 600,770 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 1,348,000 ہے۔ سب بڑا شہر اور صدر مقام گیبرون (Gabrone) ہے۔ 99 فیصدی آبادی افریقی ہے جس میں سے 60 فیصدی عیسائی اور بقیہ روایتی افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔

بوتسوانہ ایک زرعی ملک ہے۔ جوار، مکئی اور مونگ پھلی پیدا کی جاتی ہے۔ برآمدات میں 40 فیصدی گوشت اور 45 فیصدی ہیرے ہیں اور ان کا 18 فیصدی حصہ جنوبی افریقہ کو جاتا ہے۔ درآمد زیادہ تر جنوبی افریقہ سے ہوتی ہے۔ رائج سکہ پلا ہے۔

1992 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 308,840 طلبا اور 9,708 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں طلبا کی تعداد 78,804 اور اساتذہ 4,437 تھے جبکہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 3,567 طلبا تھے۔

جنوبی افریقہ کے دوسرے علاقوں کی طرح یورپ کی سفید فام قومیں یہاں بھی اٹھارویں صدی میں آنا شروع ہوئیں۔ 1818 میں لندن مشنری سوسائٹی نے یہاں اپنا مرکز قائم کیا۔ 1841 میں یہاں باقاعدہ مہم جوئی شروع ہوئی۔ 1852 میں بوئر (افریقہ میں بسے ہوئے ڈچ باشندے) نے یہاں گھسنا شروع کیا تو انگریزوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ 1896 میں بچوانا لینڈ ریلوے کمپنی نے زمبابوے (رہوڈیشیا) اور جنوبی افریقہ کو ملانے والی ریلوے لائن بنائی۔ 1910 میں برطانوی حکومت نے اسے جنوبی افریقہ کے برطانوی ہائی کمشنر کے تحت کردیا۔ جنوبی افریقہ نے بے حد کوشش کی کہ بسوتولینڈ اور سوازی لینڈ کی طرح یہ علاقہ بھی انھیں دے دیا جائے مگر مقامی آبادی کی مخالفت کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا۔ 1961 تک افریقہ کے بہت سے ملک آزاد ہوچکے تھے، اس لیے یہاں بھی بے چینی بڑھنے لگی۔ چنانچہ 1965 میں یہاں پہلے عام انتخابات ہوئے اور سریتسے کھاما کی سرکردگی میں ڈیماکریٹک پارٹی کو زبردست اکثریت حاصل ہوئی۔ 1966 میں بچوانا لینڈ نے کامن ویلتھ کے اندر آزادی حاصل کرلی اور نیا نام 'بوتسوانہ' اختیار کیا۔ یہ اقوام متحدہ کا بھی رکن بن گیا۔

آزادی کے بعد سے زمبابوے اور جنوبی افریقہ کی آزادی کی جدوجہد میں تنزانیا، زامبیا، انگولا اور موزمبیق کے ساتھ بوتسوانہ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

1970 سے 1980 تک اور اس کے بعد بھی بے روزگاری بہت زیادہ بڑھی ہے۔ خود کفیل کاشتکاری سے نفع حاصل نہیں ہوتا اور پناہ گزیں مزدور جنوبی افریقہ کی کانوں میں کام کرنے کے لیے واپس چلے گئے۔ ملک میں بے چینی بڑھی۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

لیکن 1989 کے انتخابات میں ڈیماکریٹک پارٹی کو کافی اکثریت حاصل ہو گئی۔ بوتسوانہ میں 1966 میں آئین نافذ کیا گیا۔ اس کے ذریعہ ایک صدر اور نیشنل (قومی) اسمبلی پر مشتمل پارلیمانٹ حکومت کرتی ہے۔

بوتس وانا (Botswana): یہ جنوبی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے جو پہلے بیچوانا لینڈ (Bechuana Land) کہلاتا تھا۔ اس کا رقبہ 220,000 مربع میل ہے۔ مغربی حصہ ریگستان ہے۔ مشرقی علاقہ جو ویلڈ (Velds) کہلاتا ہے، چراگاہوں پر مشتمل ہے۔ زمین زرخیز ہے مگر قابل کاشت بنانے کے لیے آب پاشی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ بارش کا سالانہ اوسط مغرب میں 10 انچ اور مشرق میں 26 انچ رہتا ہے۔ مقامی استعمال کے لیے مکئی، لوبیہ، (Beans) تربوز، خربوزہ اور کدو کی فصلیں حاصل کی جاتی ہیں۔ معدنیات میں سونا اور کیانائٹ (Kyanite) اہم ہیں۔ شکر، مکئی، کپڑے، مشینیں اور پٹرول سے بنی ہوئی اشیا کی درآمد ہوتی ہے۔ برآمدات میں مویشی قابل ذکر ہیں۔ سنہ 1991 میں آبادی 1,325,291 تھی۔ گیبرون (Gabarone) صدر مقام ہے۔

بوجم بورا (Bujum Bura): یہ وسطی افریقہ کے مشرقی حصہ میں برنڈی (Burundi) کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ہے۔ جھیل ٹانگا نیکا (Tanganyika) کے شمال مشرقی کنارہ پر واقع ہے۔ پہلے یہ اوسم بورا (Usambura) کہلاتا تھا۔ آمد و رفت کا اہم مرکز ہے۔ شمال مغرب میں اسے سڑک کے ذریعہ بوکاوا (Bukava) سے جوڑ دیا گیا ہے۔ سنہ 1970 میں آبادی 70,000 تھی۔

بوچنگ: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

بوخارسٹ: رومانیہ کے جنوب مشرق حصہ میں دریائے ڈینیوب کی ایک معاون ندی ڈیلے شیا کے کنارے واقع ہے اور اس کی راجدھانی ہے۔ رومانیہ کے لوگ اسے بوکارشٹ کہتے ہیں۔ رومانیہ کا یہ سب سے بڑا شہر، اہم صنعتی مرکز اور رسل و رسائل کا بھی مرکز ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں تخمیناً 1,291,351 تھی۔ یہاں مشینری، پارچہ بانی، دھاتی اور کیمیائی اشیا کے کارخانے ہیں۔ 1864 میں قائم شدہ یہاں ایک یونیورسٹی، کئی اکادمیاں اور سائنسی تربیت گاہیں ہیں۔ پہلے یہ ایک قصبہ تھا۔ سنہ 1459 میں ولاچی خاندان کے حکمرانوں کے قبضہ میں آیا اور انھوں نے اسے بوخارسٹ کا نام دیا۔ اس پر قبضہ کے لیے بلقان کی ریاستوں میں آپس میں اور پھر روسیوں اور ترکوں میں کافی جنگیں ہوتی رہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس پر جرمنوں نے قبضہ کر لیا اور جب سنہ 1944 میں یہ آزاد کروا لیا گیا تو جرمنوں نے بڑے پیمانے پر اس پر بم باری کی۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے بوخارسٹ ایک طرف محلوں اور کوٹھیوں کا اور دوسری طرف غریبوں کی گندی بستیوں کا شہر تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد رومانیہ میں سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی اور اب یہ شہر نہایت صاف ستھرا اور جدید بن گیا ہے۔ تعلیمی اور ثقافتی ادارے، پارک، عجائب گھر، تھیٹر وغیرہ قائم ہو گئے ہیں۔

بوڈاپسٹ: جمہوریہ ہنگری کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ہے۔ یورپ کے سب سے خوبصورت شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ہنگری کے شمال وسطی حصے میں دریائے ڈینیوب کے دونوں کناروں پر واقع ہے۔ یہ صنعتی، ثقافتی اور ذرائع حمل و نقل کا مرکز ہے۔ یہاں مشینری، لوہا، فولاد، کیمیائی اشیا اور کپڑا تیار ہوتا ہے۔ ہنگری کی ساری صنعتی پیداوار کا تقریباً نصف حصہ، اسی شہر میں تیار ہوتا ہے۔ ہنگری کی اکیڈمی آف سائنس یہیں پر واقع ہے۔ اس کے علاوہ ایک یونیورسٹی، کئی تعلیمی اور سائنسی ادارے بھی ہیں۔ اس شہر کی آبادی سنہ 1971 میں 1,807,300 تھی۔ بوڈاپسٹ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ رومن سلطنت کے عہد میں موجودہ بوڈاپسٹ دو علاقوں میں الگ الگ شہر تھے۔ سنہ 1241 میں دونوں کو منگول حملہ آوروں نے تباہ کر دیا۔ سنہ 1361 میں یہ سلطنت ہنگری کا صدر مقام بنا اور تہذیبی طور پر زبردست ترقی کی۔ ترکوں نے سنہ 1526 میں پسٹ پر اور سنہ 1541 میں بوڈا پر قبضہ کر لیا۔ سنہ 1686 میں ہیپس برگ خاندان نے اسے آزاد کروا لیا اور پھر یہ مختلف حکمران خاندانوں کے تحت رہا۔ پہلی عالم گیر جنگ میں آسٹریا کو شکست ہو گئی اور دونوں حصوں کو ملا کر بوڈاپسٹ مملکت ہنگری کا صدر مقام بن گیا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد ہنگری میں سوشلسٹ حکومت قائم ہو گئی اور بوڈاپسٹ اس کا صدر مقام بن گیا۔

بورنیو: یہ دنیا کا ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جو جزیرہ نما ملایا کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ بحیرۂ جنوبی چین نے اسے براعظم ایشیا سے جدا کر دیا ہے۔ اس کے مشرق میں جزائر سلیبیز اور جنوب میں بحیرۂ جاوا کا پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ اس کا وسطی حصہ پہاڑی ہے۔ ساحل پر دریاؤں نے میدان بنا دیے ہیں۔ رقبہ 292,000 مربع میل ہے۔ جنوب مشرق کا وسیع حصہ کلی منتان، انڈونیشیا سے متعلق ہے۔ شمال کے سباہ کے علاقے اور مغرب کے سراوک کے علاقے سنہ 1963 میں ملایائی فیڈریشن میں شریک ہو گئے۔ ان دونوں کے درمیان برونائی (Brunei) کی سلطنت واقع ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بوسٹن (Boston): یہ ریاست میسے چوسیٹس(Massachusetts)کا صدر مقام ہے اور اس کے مشرقی علاقے میں واقع ہے۔ یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا تیرہواں بڑا شہر ہے۔ میکن کے کنارے ایک بہترین بندرگاہ ہے۔ 1630 میں اس شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ بوسٹن، ابتداہی سے امریکی پیوری ٹانزم (Puritanism) کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے دانشوروں،وزرا اور سیاست دانوں نے اس شہر کے تمدن پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 691,197 تھی۔ 1635 میں بوسٹن پبلک اسکول اور 1636 میں ہارورڈ (Harvard) یونیورسٹی قائم کی گئی۔ 1653 میں عوامی کتب خانہ (پبلک لائبریری) قائم ہوا۔ 1704 میں یہاں پہلا اخبار "نیوزلیٹر" شائع ہوا۔ یہاں کے بندرگاہ کو تجارتی اہمیت حاصل ہے۔ 1776 میں یہ انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوا۔ 1822 میں یہاں جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے گئے۔ ان ہی کی وجہ سے دنیا بوسٹن سے واقف ہوئی۔ مچھلی اور اون کی یہاں ایک بڑی منڈی ہے۔ اشاعتی اداروں کے علاوہ یہاں غذائی اشیا تیار کرنے کے کارخانے، جوتے، کپڑا اور مشینری بنانے کے کارخانے ہیں۔ یہاں کی الیکٹرانک صنعت کافی اہمیت کی حامل ہے۔ بوسٹن کو امریکی قوم کا ایک بڑا ثقافتی مرکز سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پبلک لائبریری، فنون لطیفہ کا میوزیم، ہارورڈ میڈیکل اسکول، نیوانگلینڈ میڈیکل سنٹر اور میسے چوسیٹس جنرل ہاسپٹل واقع ہیں۔ ان کے علاوہ بوسٹن یونیورسٹی، سمنس کالج، ایمرسن کالج (یہ مخلوط تعلیم کا مرکز ہے)۔ امانونیول (یہ اناث کے لیے عیسائی مذہب کی تعلیم کا مرکز ہے) اور نارتھ ایسٹرن یونیورسٹی بھی واقع ہیں۔ ایک بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) بھی یہاں ہے۔

بوگوٹا (Bogota): یہ جمہوریہ کولمبیا(Colombia)(جنوبی امریکہ)اور گنڈینامارکا (Gundinamarca) ڈپارٹمنٹ کا صدر مقام ہے۔ اینڈیز پہاڑوں کے مشرقی کورڈیلیرا (Cordillera) کی زرخیز سطح مرتفع پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے 8,660 فٹ بلند ہے۔ اس کے اطراف میں پہاڑ، ندیوں اور جھیلوں کا پھیلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ شہر کا رقبہ 120 مربع کلو میٹر (46 مربع میل) ہے۔ سنہ 1971 میں آبادی 2,539,100 تھی۔ بوگوٹا ضلع کا رقبہ تقریباً 600 مربع میل ہے۔ سرد منطقہ میں واقع ہونے کے باوجود سالانہ اوسط درجہ حرارت 58°F رہتا ہے۔ سرد ترین اور گرم ترین مہینوں کے درجہ حرارت میں اوسطاً 2°F سے کم فرق رہتا ہے۔ اپریل اور مئی میں اور ستمبر سے دسمبر تک بارش ہوتی ہے۔ سڑکوں کے جال نے اسے اطراف کے شہروں سے ملادیا ہے۔ تجارت، سیاحت اور ثقافت کا مرکز ہے۔

یہ بہت خوبصورت اور وسیع شہر ہے۔ یہاں کی زمین بہت زرخیز ہے اور کئی ندیاں یہاں آکر ملتی ہیں۔ سائنسی تعلیم اور ثقافت کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کو امریکی ایتھنس کہتے ہیں۔ جنوبی امریکہ میں سب سے پہلے یہاں رصد گاہ بنائی گئی۔ یہاں کی عمارتیں بہت خوبصورت ہیں۔ 1948 کے دوران جو بغاوت ہوئی اس سے یہاں بڑی تباہی آئی۔ 1955 میں اس کو ایک خصوصی شہر کا درجہ دیا گیا اور مزید 342 مربع میل کا رقبہ اس میں شامل کیا گیا۔ یہاں ایک نئی یونیورسٹی اور عوامی لائبریری قائم کی گئی۔

بولڈر پرت (Boulder Bed): ایک رسوبی حجر جس میں بڑے بڑے چٹانی ٹکڑے (بولڈر نصف قطر 266 مم سے زیادہ) باریک دانے دار مادوں کے جوف (Matrix) کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اکثر بولڈر پرتیں برف کے ذریعے حمل و نقل شدہ مادوں سے بنتی ہیں اور گلیشائی (Glacial) کہلاتی ہیں۔ جیسے ہندوستانی گونڈوانہ نظام میں تلچیر (Talchir) بولڈر پرت اور بلینی بولڈر پرت (Blaini Boulder Bed) ۔

بولن: یہ بلوچستان کے قلات ڈویژن میں براہوئی کے پہاڑی علاقہ کا ایک درّہ ہے۔ اس سے گزرنے والی ریلوے لائن اور سڑک سبی (Sibi) کو کوئٹہ سے جوڑتی ہے۔ خانہ بدوش حملہ آور اور تاجر اس راستہ کو صدیوں تک استعمال کرتے رہے ہیں۔ اس پر کئی تنگ وادیاں اور گہری خندقیں پھیلی ہوئی ہیں۔ رندلی سے دروازا تک یہ 55 میل طویل ہے۔ اس کا سب سے چوڑا حصہ کچھ کے جنوب میں لانچی کے میدان میں واقع ہے۔ بولان ندی سے نکالی ہوئی نہری بولان نہر سے 24 ہزار ایکڑ زمین سیراب کی جاتی ہے۔

بولیویا (Bolivia): جنوبی امریکہ کے وسطی علاقہ کی ایک جمہوریہ ہے جو ہر طرف سے دوسرے ملکوں سے گھری ہوئی ہے۔ اس کے شمال و مشرق میں برازیل، جنوب میں ارجنٹینا اور پیراگوئے اور مشرق میں پیرو نیز چلی واقع ہیں۔ رقبہ 1,098,581 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 7,612,000 ہے۔ ان میں سے 50 فی صدی قدیم انڈین باشندے ہیں۔ سرکاری زبان ہسپانوی ہے اور بڑی اکثریت رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام لاپاز (Lapaz) ہے۔

رقبہ کے لحاظ سے بولیویا جنوبی افریقہ کا سب سے بڑا پانچواں ملک ہے۔ کوہ انڈیز مغربی علاقہ میں شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے اور اس کی وجہ سے پورا ملک تین حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ بولیویا جنوبی امریکہ کے سب سے زیادہ پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ ملکوں میں سے ایک ہے حالانکہ قدرتی وسائل سے مالا مال

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے تینوں علاقے ایک دوسرے سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ سب سے کم زرخیز علاقہ میں ہے۔ معیشت کی بنیاد ٹن کی کان کنی اور صنعت پر ہے جس میں آبادی کا دونی صدی حصہ معروف ہے اور ملک کی برآمد کا 75 فیصدی اور کل زرمبادلہ کے 70 فیصدی کا دارومدار اسی پر ہے۔ اس کے علاوہ آبادی کا 70 فیصدی زراعت پیشہ ہے لیکن ملک کی صرف دو فیصدی زمین زیر کاشت ہے۔ کان کنی کے علاوہ دوسری صنعتیں برائے نام ہیں۔ آب و ہوا اور غیر پیداواری زمینوں کی وجہ سے پیداوار بھی کم ہوتی ہے۔ جو (بارلی)، چاول، مکئی، گیہوں، آلو، روئی، کافی وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ رائج سکہ بولیویائی پیسو (Peso) ہے۔ درآمد زیادہ تر امریکہ، برازیل، ارجنٹینا، جاپان اور جرمنی سے ہوتی ہے اور برآمد بھی زیادہ تر ان ہی ملکوں کو ہوتی ہے۔

یہاں 1991 کے اعداد وشمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 1,278,775 طالب علم اور 51,763 استاد، ثانوی مدارس میں 219,232 طالب علم اور 12,434 استاد تھے، پیشہ ورانہ اسکولوں میں 10,452 طالب علم اور ملک کی 9 یونیورسٹیوں میں 109,503 طالب علم تھے۔

تاریخ: سولھویں صدی عیسوی میں جب ہسپانوی اس علاقہ میں داخل ہوئے اور اسے فتح کیا تو اس وقت بولیویا سلطنت 'انکا' (Inca) کا ایک حصہ تھا۔ یہاں پر اس سے بھی پرانی تہذیب یعنی 'آیامارا' (Ayamaras) کے آثار بھی ملتے ہیں۔ ہسپانیوں کے قبضہ کے بعد یہ علاقہ پیرو (Peru) کے وائسرائے کے تحت آگیا جو اس وقت 'آلٹوپیرو' (Altoperu) کہلاتا تھا۔ اس وقت پٹوسی کی چاندی کی کانوں کی وجہ سے اس علاقہ نے بڑی اہمیت حاصل کرلی تھی۔ 1776 میں یہ علاقہ پیرو سے الگ کرکے بیونس آئرس کے وائسرائے کے تحت دے دیا گیا۔ 1810 اور 1824 کے درمیان یہاں جنگ آزادی جاری رہی اور اسپین کی شاہی فوجوں نے جم کر مورچہ لیا۔ لیکن آخر کار 1825 میں اس نے آزادی حاصل کرلی۔ پہلے اسے صوبہ ارجنٹینا کے ساتھ ملانے کی کوششیں کی گئیں اور جب اس میں کامیابی نہیں ملی تو پھر جمہوریہ بولیویا قائم ہوئی۔ اس کا آئین بولیوار نے مرتب کیا اور سیوکر (Sucre) اس کا پہلا صدر بنا۔ بولیوار کے جانے کے بعد آئین برخواست کردیا گیا۔ اور خانہ جنگی شروع ہوگئی اس کے بعد چلی سے اور پھر سرحد کے معاملہ پر برازیل سے لڑائی ہوگئی۔

اس صدی کے شروع کے پہلے دو سال میں بولیویا کی کچی دھاتوں کی برآمد بہت بڑھ گئی اور پہلی جنگ عظیم میں توان کی مانگ اور بھی بڑھ گئی اور ملک میں کسی قدر خوش حالی آئی۔ جرمنی سے تعلقات توڑ لیے گئے۔

1926 میں ڈاکٹر ہرنانڈو سائلز (Dr. Hernando Siles) صدر چنے گئے اور انھوں نے لوگوں کے تمام شہری حقوق سلب کرکے ایک طرح کی ڈکٹیٹر شاہی قائم کردی۔ اس کے خلاف 1930 میں پہلے طالب علموں اور شہریوں نے بغاوت کی اور پھر فوج نے مداخلت کرکے فوجی راج قائم کردیا۔ 1828 سے اب تک سول حکومت اور پھر فوجی راج کا سلسلہ برابر چلتا رہا اور اب تک 70 سے زیادہ ڈکٹیٹر حکمراں رہ چکے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم نے بولیویا کی معیشت کو کافی مدد دی کیونکہ ٹن اور وولفرونائٹ کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور کم مزدوری نے کان کنی کے مزدوروں میں بے چینی بڑھادی تھی اور انھوں نے بغاوت کردی۔ 1943 میں حالات بہت زیادہ خراب ہوگئے۔ 1946 میں صدر حکومت میجر والاروِل کو قتل کردیا گیا۔ 1947، 1949 اور 1957 میں بھی اگرچہ انتخابات ہوئے لیکن فوج نے صدر کو حکومت سنبھالنے نہیں دی۔ 1956 اور 1960 میں ایم، این، آر نے انتخابات جیت لیے اور وکٹرپاز ایسٹن سارو دوبارہ صدر بنا، لیکن معاشی اور سیاسی طاقتوں نے حکومت کو کمزور کردیا۔

1964 میں حکومت کو فوج نے ختم کردیا اور خود فوج نے حکومت سنبھال لی۔

1974 میں حکومت کی از سر نو تشکیل کی گئی اور فوجی کیبنٹ نے اختیارات لے لیے۔

1980 سے 1982 تک فوج نے حکومت کی۔

1991 میں حکومت نے بہت سے ٹیکس کم کرنے کی اسکیم پیش کی تاکہ غیر ملکی سرمایہ ملک میں آسکے۔

بوندی: یہ قدیم راجپوتانہ میں ایک دیسی ریاست تھی۔

بووَن، این۔ ایل (N.L. Bowen): یہ ایک امریکی ماہر حجریات (Petrologist) تھا جس نے سلیکیٹ مائع (Silicate Melt) کی قلم زدگی یا قلماؤ (Crystallization) کے مشاہدات تجربہ گاہ میں کیے اور جمادات کے دو سلسلے تجویز کیے جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ قلموں کی شکل میں جمادات سلسلے وار تشکیل پاتے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اگر جمادات جن کا قلماؤ پہلے عمل میں آچکا ہو وہ زیادہ عرصے تک موجود رہیں تو باقی ماندہ میگما یا آتشی سیال (Magma) ان سے تعامل (React) کرکے نئے جمادات کی تشکیل کرے گا۔ یہ نئے جمادات ہی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ان تبدیل شدہ حالات میں مستحکم (Stable) رہ سکیں گے۔ یہ دو تعاملی سلسلے جو ایک دوسرے پر عموماً منحصر نہیں ہیں مگر کم درجہ حرارت کی صورت میں ایک سلسلے کا انحصار دوسرے پر ہو سکتا ہے، مسلسل (Continuous) اور غیر مسلسل (Discontinuous) تعاملی سلسلے (Reaction series) کہلاتے ہیں۔ غیر مسلسل تعاملی سلسلے میں یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ یہ سلسلہ فیرو میگنیشیس (Ferro-Magnecious) جمادات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس عمل کا ہر حصہ ایک واضح اکائی ہوتا ہے جبکہ مسلسل تعاملی سلسلہ خصوصی طور پر پلیجیوکلیس فیلسپار (Plagioclase Felspar) جمادات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی علیحدہ اکائی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک سادہ مسلسل اور بتدریج عمل ہے جو زیادہ کیلشیم کے حامل پلیجیو کلیس جمادات سے شروع ہوتا ہے اور جن میں بتدریج سوڈیم کی مقدار بڑھتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ زیادہ سوڈیم کے حامل پلیجیو کلیس جمادات کی تشکیل عمل میں آتی ہے۔

بہار: بھارت کی رقبہ کے لحاظ سے نویں اور آبادی کے لحاظ سے دوسری بڑی ریاست ہے۔ بہار کے شمال میں نیپال، مشرق میں بنگلہ دیش اور مغربی بنگال، جنوب میں اڑیسہ، مغرب میں مدھیہ پردیش اور اتر پردیش واقع ہیں۔

آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 86,374,465 ہے۔ بہار کے دو نمایاں جغرافیائی خطے ہیں۔ (1) شمالی مسطح علاقہ اور (2) جنوبی پہاڑی اور جنگلاتی علاقہ۔ شمالی مسطح علاقہ بہت زرخیز ہے جسے دریائے سریاں، گنڈک اور گنگا سیراب کرتے ہیں۔

اہم جنگلاتی پیداوار لاکھ اور زرعی پیداوار چاول، گیہوں، جوار، باجرہ اور مکئی ہے۔ آبپاشی کے خاص پراجکٹ کوسی، بدوا (Badua)، چندن، گنڈک اور سون (Son barrage) ہیں۔

کوئلہ یہاں بکثرت نکالا جاتا ہے۔ دوسری معدنیات لوہا، تانبا، روئی، ابرک، کیانائٹ (Kyanite) اور باکسائٹ (Bauxite) ہیں۔

یہاں وسیع پیمانے پر بھاری صنعتیں قائم کی گئی ہیں۔ "فولاد کا گھر" جمشید پور یہیں واقع ہے جہاں ٹاٹا کالو ہے اور فولاد کا مشہور کارخانہ واقع ہے۔ اس کے علاوہ فولاد کا بوکارو اسٹیل پلانٹ، بھاری انجینئرنگ، کھاد بنانے کے کارخانے، شراب کشید کرنے اور پٹ سن کے کارخانے ہیں۔

صدر مقام پٹنہ ہے۔ سرکاری زبان ہندی ہے۔ بہار کا علاقہ بدھ مت کے لوگوں کے لیے بڑا مقدس ہے۔ مہاتما بدھ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام یہیں گزارے تھے۔ بدھ گیا قدیم زمانہ میں بدھ مذہب کا ایک اہم مرکز تھا۔ آج بھی آٹھویں اور بارھویں صدی کے کئی بودھی آثار یہاں موجود ہیں۔

بہار شریف: یہ ایک قدیم شہر ہے جو ریاست بہار میں واقع ہے۔ یہ پٹنہ سے 64 میل دور ہے۔ تیرھویں اور سولھویں صدیوں کے درمیان یہ اپنی ایک تہذیب کا گہوارا تھا۔ شہر میں مخدوم شاہ شرف الدین صاحب کا مزار مشہور ہے جہاں شمالی ہندوستان سے زائرین آتے ہیں۔ ملک ابراہیم بایا (Baya) کا مزار بھی مشہور ہے۔

بہاؤ کی ساخت (Flow Structure): لاوے کے بہنے کے دوران اس کی حرکت کی سمت کے مطابق اس میں موجود قلمیں اگر ایک دوسرے کے متوازی ترتیب میں جم جائیں تو اس ساخت کو بہاؤ کی ساخت کہتے ہیں۔ اگر اس ساخت کے باعث ساختی یا جماداتی پٹیاں (Bands) بن جائیں تو اس ساخت کو "بہاؤ کی پٹیاں" (Flow Banding) کہتے ہیں۔ ان کو اکثر برکانی حجر رایولائٹ (Rhyolite) کے بہاؤں (Flows) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ ساخت لاوے کے علاوہ کبھی کبھی متداخل حجرات میں بھی میگما (Magma) کی حرکات کے باعث بن سکتی ہے۔

بہمن یا اولانش: یہ یخ مٹی اور برف کا ایسا ڈھیر ہے جو پہاڑی ڈھلانوں پر پھیلتا ہے۔ سرما میں یخ بستہ پہاڑوں پر مسلسل یخ باری ہوتی رہے تو بالائی زیادہ جمع شدہ یخ کا کچھ حصہ خود اپنے ہی وزن اور دباؤ کے باعث نیچے کی طرف سرکنے لگتا ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے یخ کی رگڑ سے راستہ میں جمے ہوئے برف کے ٹکڑوں کے علاوہ تراشیدہ چٹانوں اور مٹی کے ذرات بھی اس میں شامل ہو کر بہمن کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ موسم بہار میں یہ نیم پگھلے یخ کی حرکت سے تعمیر ہوتا ہے اور کبھی سیل یخ کے اگلے حصہ کے ٹوٹنے سے بھی تشکیل پاتا ہے۔ جیسے جیسے یہ پستی کی طرف بڑھتا ہے زیادہ جسیم اور تباہ کن ہوتا جاتا ہے۔ اس کے جمع کیے ہوئے مادے بہمنی مخروط تیار کرتے ہیں۔

بھاری جمادات (Heavy Minerals): کسی بھاری رقیق یا محلول (جیسے بروموفارم وغیرہ) میں رسوبی دانوں کو ڈالنے پر وہ جمادات جو محلول پر تیرتے رہتے ہیں وہ ہلکے جمادات ہوتے ہیں اور جو ڈوب جائیں وہ بھاری یا وزنی جمادات ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ جمادات حجرات سے علیحدہ کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر ان جمادات کی کثافت اضافی 2.9 سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ بروموفارم کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کثافت اضافی 2.9 ہے اور اس میں ڈوبنے والے جمادات اس سے زیادہ کثافت اضافی والے ہی ہوں گے۔ ان جمادات میں ٹورملین (Tourmaline)، زرکن (Zircon)، سفین (Sphene) اور ہارن بلینڈ (Hornblende) وغیرہ شامل ہیں جو آسانی سے کوارٹز اور فیلسپار جیسے ہلکے جمادات سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ان سے ماخذی علاقے کے حجرات کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

بھاکرا ننگل پراجکٹ: بھاکرا بندھ، ہریانہ کے ضلع انبالہ میں پنجاب کے روپ نگر (روپڑ) سے 72 کلومیٹر اوپر دریائے ستلج پر بنایا گیا ہے۔ اس مقام پر ستلج ایسی وادی میں سے گزرتی ہے جہاں اس کے دونوں جانب اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ یہیں پر 123 میٹر اونچا یعنی قطب مینار سے تین گنا اونچا بندھ بنایا گیا ہے۔ ایشیا کا یہ سب سے اونچا بندھ ہے۔

بھاکرا سے 9 کلومیٹر نیچے بمقام ننگل، ستلج ندی پر ایک چھوٹا بندھ بنا کر ایک نہر نکالی گئی ہے۔ اس نہر پر دو بجلی گھر، گنگوال اور کوٹلہ نامی مقاموں پر بنائے گئے ہیں۔ یہ نہر 1,104 کلومیٹر لمبی ہے اور اس سے پنجاب، ہریانہ اور راجستھان کی 14 لاکھ 45 ہزار ہیکٹر زمین سیراب ہوتی ہے اور لاکھوں ہیکٹر بنجر زمین قابل کاشت ہو گئی ہے۔ بھاکرا کی بجلی سے پنجاب اور ہریانہ میں کئی صنعتوں کی بڑی تیزی سے ترقی ہوئی ہے اور ہزاروں لوگوں کو روزگار فراہم ہو رہا ہے۔

بھاکرا بندھ، گنگوال اور کوٹلہ کے پاس دریا کے کنارے پر واقع بجلی گھروں کی جملہ گنجائش 604 میگاواٹ ہے۔ مزید ایک بجلی گھر بھاکرا کے دائیں کنارے پر بنایا گیا ہے۔ ہمارے ملک کی سب اسکیموں میں بھاکرا ننگل سب سے بڑا ہمہ مقصدی پراجکٹ یا اسکیم ہے۔

بھاگیرتی: دریائے گنگا کا اصل سرچشمہ بھاگیرتی ہے۔ اس ندی کے کنارے پر رشی کیش اور لچھمن جھولا کے متبرک مقامات واقع ہیں۔

بھاولپور: پاکستان کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اس مقام سے ریگستانی علاقہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ مقام دریائے سندھ اور اس کی معاون ندیوں اور تھار (Thar) ریگستان کے درمیان واقع ہے۔ پاکستان کی تشکیل سے پہلے یہ ایک دیسی ریاست تھی۔

بھاونگر: یہ بندرگاہ ہندوستان کے شمال مغربی ساحل پر واقع ہے۔ احمد آباد- ممبئی کے راستے کے مقابل میں جو درآمدت احمد آباد- بھاونگر کے راستے سے ملک میں بذریعہ ریل حاصل کی جاتی ہیں وہ نسبتاً معاشی نقطہ نظر سے سستی ہوتی ہیں۔ لہذا اکثر مقدار میں اس بندرگاہ سے بدیسی مال حاصل کیا جاتا ہے۔

بھدراچلم: ریاست آندھرا پردیش میں دریائے گوداوری پر راجمندری سے 161 کلومیٹر دور واقع ہے۔ یہ مندروں کے لیے مشہور ہے۔ یہاں رام نومی کے دن مارچ اور اپریل کے مہینوں میں ایک بڑا میلا لگتا ہے۔ بڑا مندر پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے 24 مندروں سے گھرا ہوا ہے۔

بھدراوتی: ریاست کرناٹک میں لوہے اور فولاد کا کام سب سے پہلے اسی مقام پر شروع کیا گیا تھا۔ بھٹیوں کے لیے یہاں پہلے کوئلہ استعمال کیا جاتا تھا مگر اب برقی رو سے کام لیا جاتا ہے۔

بھراؤ مواد (Matrix): رسوبی دانوں کو بستہ (دیکھئے بستگی (Diagenesis)) کرنے والے مادوں کو عام طور پر سیمنٹ کہا جاتا ہے لیکن اس مادے کو سیمنٹ (Cement) اسی وقت کہا جاتا ہے جب یہ مادے ارنیشیائی اور سیلیکائی (Siliceous) ہوں اور ان میں کچھ حد تک تحلیل اور دوبارہ ذخیرگی کے باعث دوبارہ قلماؤ (Re crystallization) عمل میں آیا ہو۔ جبکہ ناہموار اور بے ترتیب مٹیائی (Argilla- ceous) مادوں کے دانوں کے درمیان خلاؤں کو پر کرنے والے مادوں کو بھراؤ مواد (Matrix) کہا جاتا ہے۔

بھرت پور: ریاست راجستھان کا ایک تاریخی شہر ہے جس کے قریب ایک وسیع جنگل اور جھیل ہے جس پر مرغابیاں آ کر رہتی ہیں۔ یہاں صندل کی لکڑی کی چوڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ یہاں کا ہاتھی دانت کا کام اور چاندی کا کام مشہور ہے۔ پہلے یہ ایک دیسی ریاست کا صدر مقام تھا۔ آزادی کے بعد یہ ریاست راجستھان میں مل گئی۔ اس شہر کی 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 156,880 ہے۔

بھوانی: تامل ناڈو میں دریائے کاویری کی معاون ہے جو مغربی گھاٹ سے نکلی ہے۔ اس پر ایک ڈیم تعمیر ہوا ہے اور اس سے ایک نہر نکالی گئی ہے جس سے کوئمبتور کا علاقہ سیراب ہوتا ہے اور خشک فصلوں، جیسے کپاس اور باجرے کی کاشت میں مدد ملتی ہے۔

بھوپال (Bhopal): بھوپال، ریاست مدھیہ پردیش (ہندوستان) کی راجدھانی ہے۔ مدھیہ پردیش رقبہ کے اعتبار سے ہندوستان کی سب سے بڑی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ریاست ہے۔ آزادی کے بعد نئی ریاستوں کی تشکیل سے قبل بھوپال ایک علیحدہ ریاست تھی جس پر ایک نواب کی حکومت تھی۔ سنہ 1956 میں ریاستوں کی دوبارہ تشکیل کے بعد یہ ریاست مدھیہ پردیش میں شامل کرلی گئی۔

بھوپال بھارت ہیوی الیکٹریکلس (Bharat Heavy Electricals) کے کارخانہ کے لیے مشہور ہے۔ خوبصورت دیسی بٹیوں (یا بٹوؤں) کی صنعت کے لیے شہرت رکھتا ہے جو اپنے نازک سنہری اور نقرئی کشیدہ کاری کے لیے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔

بھوٹان (Bhutan): بھوٹان ایک آزاد مملکت ہے جو مشرقی ہمالیہ میں واقع ہے۔ رقبہ 47,000 مربع کلومیٹر (تقریباً 18,000 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی تقریباً 1,575,000 ہے۔ اس کے جنوب مشرق اور مغرب میں ہندوستان اور شمال میں تبت واقع ہیں۔ بھوٹان کی راجدھانی تھمپو ہے۔ بھوٹان ایک ناہموار قطعہ اراضی ہے۔ یہاں مختلف اقسام کے حیوانات پائے جاتے ہیں اور نباتات اور جمادات کے اعتبار سے بھی مالامال ہے۔ بارش بکثرت ہوتی ہے۔ میدانی علاقوں میں اس کا اوسط 500 سینٹی میٹر سے 600 سینٹی میٹر (دو سو تا ڈھائی سو انچ) تک پہنچ جاتا ہے۔ نالے اور ندیاں بکثرت ہیں۔

نسلی اعتبار سے یہاں کے باشندے تبتی ہیں۔ گو ان میں گزشتہ کئی صدیوں میں ہندوستانیوں اور منگولوں کی بھی آمیزش ہوئی ہے۔ مغربی بھوٹان میں نیپالیوں کی بھی اچھی خاص آبادی ہے۔ مذہبی اعتبار سے یہاں کے لوگ مہایانا بدھ مت کو مانتے ہیں جو تبت کے لامائی عقیدہ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ سولھویں صدی میں بھوٹان برائے نام ایک روحانی پیشوا اور ایک غیر مذہبی حکمراں دونوں کے زیر اثر رہا ہے۔ لیکن اصل اقتدار مقامی گورنروں کے ہاتھ میں رہا۔ 1864 میں برطانیہ نے جنوبی بھوٹان کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا اور 1865 کی لڑائی کے بعد اس علاقہ کو باقاعدہ طور پر برطانوی ہند سے ملحق کردیا گیا۔ 1907 میں ایک مقامی گورنر جسے برطانیہ کی حمایت حاصل تھی بھوٹان کا حکمراں بنا۔ یہ یہاں کا پہلا موروثی بادشاہ تھا۔ 1810 میں بھوٹان اور برطانوی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے بھوٹان کو سالانہ مالی امداد کے معاوضہ میں برطانیہ نے اس کے خارجی امور کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ 1949 میں ایک معاہدہ کے ذریعہ ہندوستان نے بھوٹان کے اس علاقہ کو واپس کردیا جس پر 1885 میں برطانیہ نے قبضہ کرلیا تھا۔ تاہم ہندوستان نے مالی امداد کے عوض اس کے خارجی امور کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا۔ 1950 میں چینی کیمونسٹوں نے تبت پر قبضہ کرنے کے بعد بھوٹان کی حیثیت کو چین اور ہندوستان کے درمیان نزاعی بنانے کی کوشش کی۔ چین کا دعوی تھا کہ بھوٹان عظیم تر تبت کا ایک حصہ ہے اور اس بنا پر اس نے بھوٹان کو متنبہ کیا کہ وہ اپنے علاقہ میں ہندوستانی افواج کو داخلہ کی اجازت نہ دے۔ 1959 میں ہندوستان کی مالی امداد کے ذریعہ دو سڑکیں تعمیر کی گئیں جو بھوٹان کے دور دراز علاقے کو ہندوستان سے ملاتی ہیں۔ اس کا اہم مقصد اناج کی منتقلی اور فوجی گاڑیوں کی آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنا تھا۔ 1953 میں بھوٹان کا تیسرا موروثی بادشاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے بھوٹان کی معاشی اور سماجی ترقی کے سلسلہ میں ترقی پسندانہ اقدامات کیئے۔ غلامی اور ذات پات کے نظام کو منسوخ کردیا گیا اور عورتوں کی آزادی کو تسلیم کرلیا گیا۔ بڑی بڑی زمینوں کو چھوٹے چھوٹے قطعات میں منقسم کردیا گیا کہ کوئی قطعہ اراضی تیس ایکڑ سے بڑھنے نہ پائے۔ بھوٹان میں ایک قومی اسمبلی قائم کی گئی۔ ہندوستان کی امداد کے علاوہ یہاں کی حکومت نے 1962-63 کے درمیان بیرونی امداد بھی حاصل کی۔ ان سب چیزوں کے باوجود بھوٹان دنیا کے غریب ترین ملکوں میں سے ایک ہے۔ یہاں کی ترقی کے لیے ہندوستان بڑے پیمانے پر مدد کررہا ہے۔ تجارت تقریباً پوری ہی ہندوستان کے ساتھ ہے۔ یہاں سے ساگوان، کوئلہ، پھل اور شراب وغیرہ برآمد ہوتے ہیں۔

بھوٹان میں ابتدائی مدرسوں میں 1988 میں 55340 طالب علم، ثانوی مدرسوں میں 981 اور حرفتی اسکولوں میں 463 طالب علم تھے۔ اعلی تعلیمی کالج میں بھی 220 طلبا تھے۔

بھوٹان کو 1971 میں اقوام متحدہ کا ممبر بنالیا گیا جس سے اس کی خود مختاری کو اور بھی تقویت ملی۔

1969 سے بادشاہت کی شکل تبدیل کرکے جمہوری شہنشاہیت کردی گئی ہے۔

جون 1974 میں جگمے سنگے وانگ چک کو اپنے والد کی انتقال کے بعد چوتھا بادشاہ تسلیم کرکے تاج پوشی کی گئی۔

بھوبنیشور: بھوبنیشور ریاست اڑیسہ (ہندوستان) کا صدر مقام ہے جو چینائی (مدارس) اور کلکتہ سے بذریعہ ریل ملادیا گیا ہے۔ دہلی کی طرح اس کے بھی دو شہر ہیں جو قدیم اور جدید شہر کہلاتے ہیں۔ جدید شہر خاص منصوبہ کے تحت بنایا گیا ہے، اس لیے خوبصورت ہے۔ قدیم شہر وارانا سی (اترپردیش) کی طرح متبرک شہر مانا جاتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بھیما: دریائے کرشنا کی معاون ہے، جس کا منبع مغرب میں ساہیہ پہاڑ میں واقع ہے۔ بھیما، مغربی گھاٹ سے جنوب مشرقی سمت میں بہتے ہوئے پونا، شولا پور، پنڈھر پور، بیجاپور وغیرہ سے گزرتے ہوئے آخر کار رائچور کے شمال میں کرشنا سے مل جاتی ہے۔ بھیما کے منبع کے قریب مشہور بھیم شنکر کا جیوترلنگ ہے، جس کا شمار ہندوستان کے بارہ جوتر لنگوں میں ہوتا ہے۔

بیاس: دریائے سندھ کی یہ سب سے چھوٹی معاون ندی ہے جو کولو کے پہاڑوں سے نکلی ہے۔ ستلج اور بیاس کے سنگم پر ہارک بندھ تعمیر کیا گیا ہے جس سے راجستھان نہر کو پانی فراہم کیا جاتا ہے۔

بیاس پراجکٹ: پنجاب میں بیاس پراجکٹ کے دو یونٹ ہیں۔ ایک بیاس ستلج لنک، اور دوسرا بیاس بندھ۔ ان دونوں یونٹوں سے بجلی کے علاوہ بیاس اور ستلج کی نہروں کو پانی بھی فراہم ہوتا ہے۔

بیاس ندی پر پنڈو بندھ ہے جس کا طول 254.6 میٹر اور بلندی 60.98 میٹر ہے اور اس کی نہروں کی لمبائی 38.15 کلو میٹر اور سیرابی رقبہ 530,000 ہیکٹر ہے۔

دوسرے یونٹ کا نام بیاس پونگ بندھ ہے جو بیاس پر بمقام پونگ بنایا گیا ہے۔ جس کا طول 1950 میٹر اور بلندی 115.8 میٹر ہے۔ اس کی نہر کی لمبائی 4.7 کلو میٹر اور سیراب ہونے والا رقبہ 650,000 ہیکٹر ہے۔

بیجاپور: ریاست کرناٹک کا ایک تاریخی شہر ہے۔ پونا سے جنوب مشرق میں 165 میل پر واقع ہے۔ آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 193,131 ہے۔ آج کل یہ کپاس کی تجارت کا مرکز ہے۔ پندرھویں اور سولھویں صدی کے درمیان یہ عادل شاہی حکومت کا صدر مقام تھا۔ اب بھی اس دور کے بادشاہوں کے آثار موجود ہیں۔ خاص طور سے محمود شاہ کا مقبرہ اپنے عظیم گنبد کے لیے ساری دنیا میں مشہور ہے جسے بیجاپور کا گول گنبد کہا جاتا ہے۔

بیجنگ: پورے عوامی جمہوریہ چین اور وسطی صوبہ ہوپی دونوں کا صدر مقام ہے۔ آبادی سنہ 1975 میں 8,487,000 تھی۔ سنہ 723 ق م سے اس مقام پر شہر مختلف ناموں سے بستے اور مٹتے رہے ہیں۔ موجودہ شہر کی بنیاد مشہور منگول حکمراں قبلائی خاں نے رکھی تھی اور سنہ 1260 اور سنہ 1290 کے درمیان یہاں اپنا صدر مقام کامبولک (Cambuluk) تعمیر کیا تھا۔ سنہ 1421 میں اسے پیکنگ (شمالی صدر مقام) کا نام ملا اور یہ سنہ 1911 تک چینی سلطنت کا صدر مقام رہا۔ سنہ 1912 اور سنہ 1927 کے درمیان صدر مقام پیکنگ، کینٹن اور ہنگ کو میں بدلتا رہا۔ سنہ 1928 میں چیانگ کائی شک نے اپنا صدر مقام نانکنگ منتقل کر دیا اور پیکنگ کا نام بدل کر پیپنگ کر دیا گیا۔ سنہ 1949 میں جب کمیونسٹ پارٹی کی سرکردگی میں عوامی جمہوریہ چین کی بنیاد پڑی تو پھر صدر مقام پیپنگ منتقل کر دیا اور اس کا پرانا نام پیکنگ واپس آ گیا۔ حال ہی میں جب نئے تلفظ اختیار کیے گئے تو نام پیکنگ کی جگہ بیجنگ ہو گیا۔

بیجنگ کے بنیادی طور پر دو حصے ہیں۔ ایک بیرونی حصہ ہے جو چینی کہلاتا ہے اور اس کے اطراف ایک فصیل ہے جو زیادہ اونچی نہیں ہے۔ اور دوسرا تاتار شہر ہے جس کے اطراف بہت اونچی فصیل تھی جو موجودہ انقلاب کے بعد ڈھا دی گئی۔ تاتار حصہ میں قدیم بادشاہوں اور ان کے حواریوں کے محل ہیں۔ تیان این من دروازہ ہے جس سے گزر کر وسیع سرخ میدان میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی میدان میں موجودہ حکومت نے بہت بڑا ہال اور متعلقہ عمارتیں تعمیر کی ہیں جہاں پارلیمنٹ کے اجلاس ہوتے ہیں اور ساتھ ہی جہاں تمام اہم سرکاری تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔ اسی علاقہ میں مرکزی حکومت کے دفاتر اور محلوں میں کئی عجائب گھر ہیں۔

پیپنگ کے علاقہ میں منگ اور چنگ سلطنتوں کے عروج کے دور کی بے شمار نادر عمارتیں اور معبد ہیں۔ ان میں جنت کا معبد یا آسمانی معبد (Temple of Haven) اور قبلائی خاں کا تعمیر کیا ہوا کنفیوشس کا معبد قابل ذکر ہیں۔

افریقہ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح بیجنگ بھی سامراجی حملوں کا شکار رہا۔ سنہ 1860 میں برطانوی اور فرانسیسی فوجوں نے برطانوی اور فرانسیسی حکومتوں کے ساتھ مل کر ایک مستقل فوج معین کر دی۔ سنہ 1937 میں جاپان نے اس پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنی پٹھو حکومت کا صدر مقام بنا لیا۔ دوسری عالم گیر جنگ میں جاپان کو شکست ہوئی تو سنہ 1946 میں نہ صرف جاپان کو چین پر اپنی حکمرانی ختم کرنی پڑی بلکہ دوسری یورپی قوموں کو بھی اپنی رعایتوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

1949 کے انقلاب کے بعد چیانگ کائی شک اور اس کے ساتھی جزیرۂ تائیوان چلے گئے اور چینی کمیونسٹ پارٹی کی سرکردگی میں پورے چین میں عوامی جمہوریہ کی حکومت قائم ہو گئی۔

انقلاب کے بعد کے عرصہ میں بیجنگ نے بے حد ترقی کی۔ بے شمار رہائشی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ کئی کالج، یونیورسٹیاں اور علمی نیز تحقیقی ادارے قائم ہوئے۔ ساتھ ہی بیجنگ ایک اہم صنعتی شہر بھی بن گیا اور اب یہاں سوتی کپڑے، لوہے، فولاد، مشینیں، کیمیائی اشیا اور ریلوں کے انجن، ڈبے اور دوسرا سامان بنانے کے کارخانے قائم ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بیدی بندر: بیدی بندر ایک چھوٹا بندرگاہ ہے جو ہندوستان کے شمال مغربی ساحل پر واقع ہے۔ جس سے بڑے پیمانے پر ساحلی تجارت ہوتی ہے۔

بیرانڈے، جوشم (Joachim Barrande): اس فرانسیسی ماہر ارضیات کی پیدائش 1799 میں ہوئی۔ اس نے اپنی ساری زندگی محض بوہیمیا (Bohemia) کے سائلورین نظام (Silurian System) کی چٹانوں کے مطالعے میں صرف کردی۔ سائلورین دور کے رکاز اور باقیات اس نے بوہیمیا سے اتنی تعداد میں جمع کیے کہ اس کے رکازات (Fossils) کا مشہور ذخیرہ اب بھی قدیم باقیاتی ریکارڈ کا اہم ترین ماخذ سمجھا جاتا ہے۔

بیرنگ کیا: کولمبیا (جنوبی امریکہ) کا یہ ایک اہم بندرگاہ ہے۔ بحیرۂ کیریبین کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں شکر سازی کے کارخانے اور کپڑے کی گرنیاں ہیں۔

بیروت: یہ لبنان کا دارالحکومت اور بندرگاہ ہے جو خلیج سنٹ جارجین کے شمال میں واقع ہے اس کی ایک تہائی آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک قلعہ بند شہر تھا۔ انیسویں صدی عیسوی میں ابراہیم پاشا نے اس کی دیواروں کو مسمار کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس شہر نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔

بیروت مغربی ممالک میں ایک سرگرم مذہبی تہذیبی مرکز ہے۔ یہاں کی چھوٹی صنعتیں شراب، ڈبوں میں غذا بند کرنے کی صنعت اور مٹھائی سازی پر مشتمل ہیں۔ یہاں کا بندرگاہ دو مصنوعی طاسوں پر مشتمل ہے اور ایک وقت میں یہاں پر سترہ جہاز ٹھہر سکتے ہیں۔ نقل و حمل کا انتظام بیروت کی ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ یہاں ایک بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہے جو شہر سے 15 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دنیا کے اہم ہوائی اڈوں سے اس کا رابطہ قائم ہے۔ یہ شہر یونیورسٹی کے علاوہ آثار قدیمہ کے لیے بھی مشہور ہے۔

بیروز: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

بیری: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

بیسالٹ (Basalt): مہین دانے دار (Fine Grained) گہرے رنگ کی آتش فشانی یا برکانی (Volcanic) حجر جو عام طور پر میلری یا فیرومیگنائی جمادات (Nefic or Ferromagnesian Minerals) کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے اہم جماداتی اجزا میں کیلسیائی پلیجیوکلیز (Calci Plagioclase) فیلسپار (عام طور پر لبراڈولائٹ) اور پائرو کسین (Pyrixene) عام طور پر اگائٹ (Augite) اور اکثر اولوین (Olivine) بھی ان میں موجود ہوتے ہیں اور کبھی کبھی شیشہ (Glass) (دیکھئے رائیولائٹ) بھی موجود ہوتا ہے۔ فیلسپار نما (Felspathoid) جمادات کے حامل بیسالٹ کو اساسی بیسالٹ کہا جاتا ہے۔ بیسالٹ حجرات یا چٹانوں میں عموماً کم سلیکا (Silica SiO_2) 45 سے 50 فی صد، مگر تھولیائٹ (Tholeiite) میں اس سے زیادہ سلیکا ہوتا ہے مگر Na_2O, FeO, MgO اور CaO اکثر کافی زیادہ ہوتے ہیں۔

بیساؤ (Bissau): مغربی افریقہ میں گنی بساؤ کا ایک بندرگاہ ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں یہ غلاموں کی تجارت کا مرکز تھا۔ یہاں ایک بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) بھی واقع ہے۔ یہاں ایک یونیورسٹی اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ہے۔ 1970 میں آبادی 8,219 تھی۔

بیکال جھیل: یہ جھیل مشرقی ایشیائی روس کے جنوبی سائبیریا میں واقع ہے۔ یہ یوریشیا کی تازہ پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ اس کی لمبائی 397 میل، چوڑائی 13 تا 54 میل، اس کا رقبہ 13,197 مربع میل ہے۔ اس جھیل کی انتہائی گہرائی 4,982 فٹ ہے۔ یہ سطح سمندر سے 1,550 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کے مغربی کنارے کا دو تہائی حصہ جنوبی کنارے کے ساتھ ارکتسک (Irkutsk) علاقہ میں واقع ہے۔ مشرق میں دریائے بار گوزین اور سلنگا اس میں آکر گرتے ہیں۔ اس جھیل کے وسط میں جزیرہ اولکھان (اولخون) سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ موسم سرما میں اس کی منجمد سطح پر سلیج گاڑیاں اور گرما میں دخانی کشتیاں چلتی ہیں۔ مچھلیاں بکثرت رہتی ہیں۔

بیکانیر: شمالی راجستھان میں ایک دیسی ریاست تھی۔ یہ دہلی سے 245 میل مغرب، جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اب یہ ریاست راجستھان کا حصہ بن چکی ہے۔ یہ پورا علاقہ ریگستان تھار میں پھیلا ہوا ہے۔ آبادی کی گزر بسر زیادہ تر بکریاں اور اونٹ پالنے پر ہے۔ اور اون کے بنے ہوئے یہاں کے قالین اور کمبل مشہور ہیں۔ یہاں پانی کی قلت رہتی ہے اور باولیوں کا پانی 150 فٹ سے لے کر 340 فٹ کی گہرائی پر دستیاب ہوتا ہے۔ ریاست بیکانیر کا صدر مقام بھی بیکانیر تھا۔ اس شہر کی آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 416,289 ہے۔ اس شہر کی بنیاد سنہ 1488 میں رکھی گئی تھی۔ یہاں راجپوت راجاؤں کے سولہویں صدی کے بنے کئی نہایت خوبصورت محل اب بھی موجود ہیں۔ یہ ایک تعلیمی مرکز بن گیا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بلجیم (Belgium): شمال مغربی یوروپ کی ایک مملکت فلیمش زبان میں اس کا نام بلخ اور فرانسیسی میں ملجیک ہے۔ اس ملک کے شمال میں بحیرہ شمالی اور نیدر لینڈ واقع ہیں۔ مشرق میں جرمنی اور لکسمبرگ اور مغرب اور جنوب مغرب میں فرانس واقع ہیں۔ یہاں ایک آئینی بادشاہت قائم ہے۔ رقبہ 30,519 مربع کا میٹر (11,782 مربع میل) ہے 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی تقریباً 9,844,000 ہے۔ یہاں کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام برسلز ہے۔ ملک میں ڈچ، فرانسیسی اور جرمن زبانیں استعمال ہوتی ہیں۔ آبادی کی اکثریت رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

بلجیم 9 صوبوں میں تقسیم ہے اور ہر صوبہ کو ایک طرح کی اندرونی خود مختاری حاصل ہے۔ اس کے جنوب میں کوہ آرڈینیز ہے ورنہ بقیہ علاقہ نچلی سطح کا ہے۔ یہ یوروپ کی سب سے گھنی آبادی والے علاقوں میں سے ہے۔ صنعتی طور پر انتہائی ترقی یافتہ ہے۔ کوئلہ کی کان کنی ہوتی ہے۔ لوہے و فولاد، تانبہ، جست، کیمیائی اشیا، اونی کپڑے، سیمنٹ، کاغذ وغیرہ کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ جہاز بھی بنائے جاتے ہیں۔ ملک میں نہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ تمام صنعتی مرکز دریاؤں اور نہروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

جہاں تک زراعت کا تعلق ہے گیہوں، مکئی، بارلی، سبزیاں، پھل وغیرہ بکثرت پیدا کئے جاتے ہیں۔ مویشی بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔ تجارت تقریباً سارے یوروپ کے صنعتی ملکوں سے ہوتی ہے۔ سیاحی بھی ایک بڑی صنعت ہے جس سے سالانہ تقریباً 90 کروڑ ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔

رائج سکہ بلجین فرانک ہے۔

جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق بلجیم میں ابتدائی مدرسوں میں 711,521 طالب علم اور 72,589 استاد، ثانوی مدرسوں میں 765,672 طالب علم، حرفی مدرسوں میں 374,335 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 271,007 طالب علم تھے۔

تاریخ: سلطنت بلجیم کی موجودہ سرحدیں ظاہر ہے کہ زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ قدیم زمانہ سے اس کے مختلف حصے مختلف سلطنتوں میں رہے۔ کچھ حصے رومن سلطنت میں رہے کچھ فرینکس کے تحت۔ بعد میں یہ شارلیمان کی سلطنت میں رہا۔ سارا علاقہ چھوٹی بڑی جاگیروں میں بٹا رہا۔ پندرھویں صدی میں موجودہ بلجیم کا پورا علاقہ ڈیوک آف برگنڈی کے تحت چلا گیا۔ اس کے زوال پر مختلف اوقات میں یہ آسٹریا، فرانس اور نیدر لینڈ وغیرہ کے تحت آیا۔ 1815 میں صلح نامہ پیرس کے تحت یہ نیدر لینڈز کو دے دیا گیا لیکن اس کے خلاف 'برو سلز' میں بغاوت پھوٹ پڑی اور بلجیم کی آزادی تسلیم کرلی گئی۔

1930-31 میں لندن کانفرنس میں یوروپ کی بڑی طاقتوں نے بلجیم کی آزادی تسلیم کرلی لیکن نیدر لینڈز نے اسے نہیں مانا اور اس پر حملہ کردیا مگر جب انگلستان اور فرانس نے مداخلت کی تو اپنی فوجیں واپس بلالیں اور لیوپولڈ اول بلجیم کا حکمراں تسلیم کرلیا گیا۔ 1839 میں بلجیم اور نیدر لینڈز میں امن کا معاہدہ ہوگیا اور یوروپ کی بڑی طاقتوں نے اس کی غیر جانبداری کی ضمانت دی۔ بعد کے برسوں میں خاص طور پر لیوپولڈ دوم (1865-1909) کے دور حکومت میں بلجیم نے تیزی کے ساتھ ترقی کی۔ صنعتیں قائم ہوئیں۔ تجارت بڑھی اور افریقہ میں کانگو اور دوسرے علاقوں کو غلام بناکر نوآبادیاں قائم کی گئیں۔ اس کے ساتھ مزدوروں اور غریب طبقوں میں بے چینی بڑھنے لگی اور ان کی رہنمائی سوشلسٹ پارٹی نے کی اور بادشاہ کو کئی اصلاحات نافذ کرنی پڑیں۔

پہلی عالم گیر جنگ کے دوران جرمنی نے بلجیم پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا اور بلجیم کی فوجیں فرانس کی سرزمین پر اتحادیوں کے ساتھ جرمنی کے خلاف لڑتی رہیں۔ جنگ ختم ہونے پر بلجیم کو آزادی مل گئی لیکن فرانسیس اور فلیش بولنے والی آبادی میں آپس میں مسلسل دنگے اور فساد ہوتے رہے۔ ہٹلر جب برسر اقتدار آیا تو 1937 میں اس نے بلجیم کی غیر جانب داری کی ضمانت دی لیکن جیسے ہی دوسری عالمی جنگ چھڑی لوسئی 1940 میں ہٹلر نے بلجیم پر قبضہ کرلیا۔ بادشاہ نے فوراً ہتھیار تو ڈال دیے لیکن اس کے وزیروں اور باقیماندہ سیاحوں نے انگلستان سے جرمنی کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ جرمنی نے یوروپ کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور آہستہ آہستہ خفیہ مزاحمت منظم ہونے لگی اور گوریلا فوج تیار ہوئی اور اس نے برطانیہ اور امریکی فوجوں کی مدد سے شروع 1945 میں بلجیم کو آزاد کروایا اور جرمن جوابی حملے کو ناکام کردیا۔

جنگ کے بعد بلجیم نے اپنی معاشی زندگی تیزی سے بحال کی۔ سارا ملک بادشاہ لیوپولڈ سوم کے خلاف تھا اور اس لیے اسے تخت سے ہٹنا پڑا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ 1960 میں اسے کانگو کو آزادی دینی پڑی۔ 1945 میں وہ مجلس اقوام متحدہ کا ممبر بنا اور اس کے بعد مشترکہ منڈی، ناٹو اور مغربی یوروپ کی دوسری اور تنظیموں کا ممبر بنا۔

1971 میں آئین میں بہت زیادہ تبدیلیاں اور ترمیمیں کی گئیں جس کے نتیجہ میں ملک میں وفاقی نظام شروع ہوگیا اگرچہ ملک کے مختلف حصوں میں ثقافتی تنوع ملتی ہے لیکن بادشاہت ان کو متحد کرنے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے اسی طرح ملک کے اکثر باشندے رومن کیتھولک مذہب والے ہیں اس لیے بھی ان میں اتحاد ہے۔

دسمبر 1981 میں بلجیم میں کرسچین ڈیموکریٹک لبرل الحاق نے حکومت سنبھال لی ہے۔

بیلگام: ریاست کرناٹک میں شہر اور ضلع ہے جو سطح سمندر سے 2,500 فٹ بلند ہے اور شہر پونا سے 245 میل جنوب میں واقع ہے۔ یہاں صابن بنانے اور روئی کے کارخانے ہیں۔ اس کا پہلے نام وینوگراما (Venu Grama) تھا۔ شہر بیلگام کی آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 402,412 ہے۔

بیلور: یہاں میسور اور شرون بلگولہ سے 56 کلومیٹر کے فاصلے پر بارہویں صدی میں تعمیر کردہ ہوسیل حکمرانوں کے منادر ہیں جن میں مشہور ترین مندر وشنوودروھن کا ہے جو سنہ 1116 میں تعمیر کیا گیا تھا۔

بیلورشیا: یہ اشتراکی روس کے جمہوریوں میں سے ایک جمہوریہ ہے جو "سفید روس" بھی کہلاتا ہے۔ اس کا نصف سے زائد حصہ 330 تا 600 فٹ بلند ہے۔ اس کا مجموعی رقبہ 207,600 مربع کلومیٹر ہے۔ 1970 میں اس جمہوریہ کی آبادی 9,002,000 تھی۔ مرکزی ہموار علاقہ میں زیادہ آبادی ہے۔ نواحی علاقے دلدلی اور جنگلاتی ہیں۔ بیچی نام کے جنگلات 1/3 رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مغربی علاقہ بحیرۂ بالٹک سے متاثر ہوتا ہے۔ اندرونی حصہ کی طرف آب و ہوا میں براعظمی کیفیت بڑھتی جاتی ہے۔ صنعت و حرفت میں خاصی ترقی ہوئی ہے۔ منسک اس کا صدر مقام ہے۔

بیلیزے (Belize): اس کا نام پہلے برطانوی ہنڈورا تھا۔ یہ ایک جمہوریہ ہے جو وسطی امریکہ میں بحیرہ کیریبین کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کے شمال اور شمال مغرب میں میکسیکو ہے اور مغرب اور جنوب میں گوانٹے مالا کی ریاست ہے۔ رقبہ 22,965 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 194,000 ہے۔ زمین عموماً نشیبی ہے۔ جنگلات خوب اگے ہیں۔ بہت تھوڑے علاقے میں کاشتکاری ہوتی ہے۔

یہاں سے عمارتی لکڑی، شکر اور سنترے نیز دیگر پھل برآمد کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا صدر مقام بیلمویان ہے

1991 سے بیلیزے بالکل آزاد ملک ہے۔

بیلیمنائٹ (Belemnite): مولسکا کی جماعت سفلوپوڈا کے ایک معدوم قبیلے بیلمنوائڈیا (Belemnoidea) کے جانور جن کے خول لمبے، سیدھے اور کار توس نما ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی خط تاریخ: یہ فرضی خط اکثر جگہ 180 ڈگری مشرقی (یا مغربی) خط طول البلد پر منطبق ہوتا ہے۔ کہیں کہیں مشرق یا مغرب میں ہٹتا ہوا بھی گزرتا ہے۔ جہاز راں جب اس خط کو پار کر کے مغرب کی طرف بڑھتے ہیں تو انھیں کیلنڈر میں ایک دن کا اضافہ کرلینا پڑتا ہے۔ اس کے برخلاف اسے عبور کر کے مشرق کی طرف جانے والے جہاز راں اپنے کیلنڈر سے ایک دن گھٹا دیتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ گرینوچ کے خط سے مشرق کی طرف چلتے ہوئے ہر ایک درجہ کے طول البلدی فرق پر مقامی وقت میں 4 منٹ کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح مشرق میں 180 کے زاویائی فرق پر گرینوچ وقت کے مقابلہ میں مقامی وقت 720 منٹ یا 12 گھنٹے آگے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گرینوچ کے خط سے مغرب کی طرف چلتے ہوئے ہر ایک درجہ کے طول البلدی فرق پر مقامی وقت میں چار منٹ کی کمی ہوتی جاتی ہے۔ 180 مغربی طول البلد پر اس حساب سے مقامی وقت میں گرینوچ وقت کی نسبت سے بارہ گھنٹے کی کمی ہو جاتی ہے۔ اس طرح 180 مغربی (یا مشرقی) طول البلد سے ملے ہوئے مشرق و مغرب کے دو نقطوں کے درمیان چوبیس گھنٹوں کا فرق ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً کیلنڈر میں تاریخ بدلنی پڑتی ہے۔

180 ڈگری طول البلد کا بیشتر حصہ بحرالکاہل سے گزرتا ہے، لیکن کہیں کہیں وہ خشکی کے علاقوں کو بھی پار کرتا ہے۔ اگر اسی طول البلد کو عبور کرتے ہوئے تاریخ میں تبدیلی کردی جائے تو بعض جزیروں اور خشکی کے علاقوں کے مشرقی اور مغربی حصوں کی تاریخیں جدا جدا رہیں گی۔ اس سے کاروبار میں بڑی الجھن ہوگی۔ اس لیے بین الاقوامی خط تاریخ کو کہیں خشکی کے پورے علاقے کے مشرق کی طرف اور کہیں مغرب کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔

بین لاقوامی ظل (International Projection): یہ ظل پالی کا نک (Polyconic Projection) کی بہتر شکل ہے۔ اس پر دنیا کا بین الاقوامی نقشہ کسر تعبیری ملین/1 سے بنایا جاتا ہے۔ اس کے 2,222 شیٹ ہوتے ہیں۔ °60 عرض البلد تک کا ہر شیٹ 6 طول البلدی اور 4 عرض البدی پھیلاؤ رکھتا ہے۔ °60 سے °88 عرض البلد تک شیٹ کا طول البلدی پھیلاؤ 12 کا ہو جاتا ہے لیکن عرض البلدی پھیلاؤ 4 ہی کا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک دائرہ نما شیٹ شمالی قطبی علاقہ کا اور دوسرا دائرہ نما شیٹ جنوبی قطبی علاقہ کا ہوتا ہے۔ ہر دائرہ °2 نصف قطر کا رہتا ہے۔ اس کے جال کی تیاری میں دو جدولوں سے مدد لی جاتی ہے۔ جن کے نمونے درج ذیل ہیں۔

442.91 ملی میٹر کا بنایا جائے گا۔ اس کے سروں سے خطوط 'ج د'، 'ج د' قائمہ زاویوں پر پھیل جائیں گے۔ ان پر جدول 2 کی مدد سے 'ک' کو آرڈینیٹس کے فاصلے قطع کر کے حاصل شدہ نقاط پر زاویائی فرق کے اعتبار سے 'ی' کو آرڈینیٹس عموداً کھڑے کیے جائیں گے۔

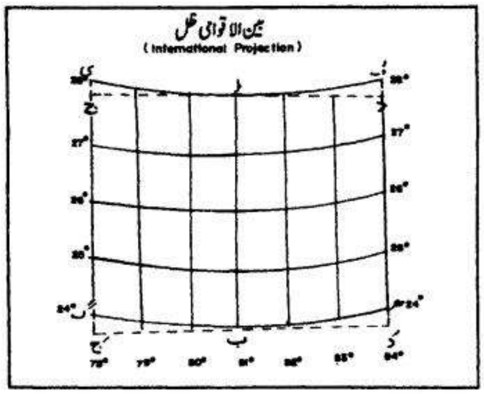

عمودوں کے اوپری سروں کو شرقاً غرباً سلسلہ وار جوڑنے سے بالائی اور زیریں عرض البلد بن جائیں گے۔ انھیں سروں کو بالترتیب شمالاً جنوباً جوڑ کر طول البلد بنا لیے جائیں گے۔ ہر طول البلد کو چار چار مساوی حصوں میں تقسیم کر کے نقاط تقسیم کو سلسلہ وار شرقاً غرباً جوڑنے سے درمیانی عرض البلد بن جائیں گے۔

اس ظل پر متصل علاقوں کے شیٹ رقبہ و شکل کے اعتبار سے تقریباً درست رہتے ہیں اور بآسانی باہم جوڑے جا سکتے ہیں۔

بین البحر پہاڑی سلسلے (Midoleanic Ridges):

سمندروں کی تہوں کے نہایت تفصیلی جائزوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کی گہرائیوں میں ایسے پہاڑی سلسلے بھی موجود ہیں جن میں بعض سطح زمین پر پائے جانے والے کوہستانی سلسلوں سے بھی زیادہ بلند، وسیع اور عریض ہیں۔ یہ سمندری پہاڑی سلسلے ویسے تو سمندروں کے پانی کی گہرائیوں میں ڈوبے رہتے ہیں مگر کبھی کبھی جب ان کی بلندیاں سطح آب سے اوپر آجاتی ہیں تو جزیروں کی تشکیل کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ ایسے مدفون سمندری پہاڑی سلسلے یوروپ اور شمالی امریکہ اور افریقہ اور جنوبی امریکہ کے بالکل درمیان پائے گئے ہیں، اس لیے ان کو بین البحر پہاڑی سلسلے (Midoceanic Ridges) کہا جاتا ہے۔

ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے یہ بین البحر پہاڑی سلسلے نہ صرف بے حد

جدول 1

عرض البلد	وسطی طول البلد پر صحیح کردہ لمبائی۔ ملی میٹر میں
صفر تا 4°	442.00
4° تا 8°	442.04
....	....
....	....
24° تا 28°	442.91
....	....
....	....
56° تا 60°	445.44

جدول 2

عرض البلد و طول البلد پر تقاطع کے کو آرڈینیٹس ملی میٹر میں

عرض البلد	کو آرڈینیٹس	وسطی طول البلد = طول البلدی فاصلہ		
		1°	2°	3°
4°	ک	111.32	222.64	333.96
	ی	0.00	0.00	0.00
....	....	....	....	....
....	....	....	....	....
24°	ک	101.76	203.52	305.31
	ی	0.36	1.45	3.25
28°	ک	98.37	196.75	295.15
	ی	0.40	1.61	3.63
....	....	....	....	....
....	....	....	....	....
56	....	....	....	....
60	....	....	....	....

مثال کے طور پر 24° سے 28° شمالی عرض البلد اور 78° سے 84° مشرقی طول البلد کے علاقہ کا جال بنانا ہو تو جدول 1 کو دیکھ کر وسطی طول البلد 'اب'

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

دلچسپ ہیں بلکہ زمین کی اندرونی ساخت کو سمجھنے میں بھی ان سے زبردست مدد ملی ہے۔ بین البحر پہاڑی سلسلے تمام تر آتش فشانوں پر مشتمل ہیں اور زمین کی اوپری پرت پر یہ ایسے علاقے ہیں جہاں زبردست قوت کے زلزلے نازل ہوتے رہتے ہیں۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ مدفون پہاڑی سلسلے شاید براعظموں کے گریز یا بکھراؤ کے نظریہ سے بھی مربوط ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ زمین کی اوپری پرت یعنی قشریا کرسٹ میں یہ سلسلے ان طویل اور افقی گسل یا اختلال (Horizontal Faults or Strike Slipfaults) والے علاقوں کی بھی نشاندہی کرتے ہیں جن کی سطح قشریا کرسٹ کے بڑے بڑے تودے ایک دوسرے سے تماس میں رہتے ہیں۔ گویا زمین کے قشریا کرسٹ کے تودے یہاں ایک دوسرے سے رگڑ کھارہے ہیں اور اس طرح رگڑ کھا کر یہاں زمین کے تودے حرکت پذیر ہیں۔ بین البحر پہاڑی سلسلوں کی بنیاد پر زمین پر براعظموں اور سمندروں کی پیدائش اور ارتقا کے بارے میں جو انقلابی نظریہ ارضی پلیٹ ٹکٹانکس یا ارضی پلیٹ کی حرکیات کے نام سے پیش ہوا ہے وہ زمین کے ارتقا میں زبردست اہمیت کا حامل ہے جس سے ایک طرف تو براعظموں کے ارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے تو دوسری طرف فرش سمندر کے پھیلاؤ کے نظریہ کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملی ہے۔

بین سطحی زاویے (Inter Facial Angles): بعض جمادات قدرتی حالت میں قلمی شکلوں میں پائی جاتی ہیں۔ ایسی جمادات کی قلمی شکل کا انحصار ان کی کیمیائی ترکیب اور سالماتی ترتیب پر ہوتا ہے۔ ایسی جمادات کی قلمی اشکال مقررہ ضابطوں اور حدود کی پابند ہوتی ہیں۔ ایسی قلموں کی سطحیں ایک دوسری سے جڑی ہوتی ہیں اور دو ملی ہوئی سطحیں جو زاویہ بناتی ہیں وہ بین سطحی زاویہ کہلاتا ہے یا دو قلمی سطح کے عمود کے ملنے سے جو زاویہ بنتا ہے وہ بھی بین سطحی زاویہ ہے۔

قلمیات میں بین سطحی زاویے بہت اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی مقدار ہر صورت میں معین ہوتی ہے مثلاً اگر ہم گارنٹ یا ترملی کی قلموں کو لیں اور ان کے بین سطحی زاویے کو زاویہ پیما کے ذریعہ ناپیں تو یہ ایک عجیب حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ایک جماد کی قلم خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کے بین سطحی زاویے بھی ہمیشہ ایک معین مقدار کو ظاہر کریں گے۔ اصل میں بین سطحی زاویے قلم کے عمودوں کو ملانے سے حاصل ہوتے ہیں۔ قلموں کی چھوٹی یا بڑی جسامت سے اس مقدار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

چونکہ ہر قلم کی سالماتی ساخت معین ہوتی ہے اس لیے اس قلم کے رخ کے مقامات بھی معین ہوتے ہیں۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے سطحی زاویے کے استقلال (Constancy of Interfacial Angles) کا ضابطہ بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام قلموں کی کیمیائی ترکیب یکساں ہو اور بین سطحی زاویے ایک معین حرارت ہی میں ناپے جائیں۔

بینن (دہومی) (Benin): مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ نومبر 1975 تک اس کا نام دہومی تھا۔ اس کے بعد سے عوامی جمہوریہ بینن ہو گیا۔ یہ خلیج گنی میں بحر اوقیانوس پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں نائجر اور برکینا سو (اپر وولٹا)، مشرق میں نائیجیریا، جنوب میں خلیج گنی اور مغرب میں ٹوگو واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 112,622 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 4,889,000 ہے صدر مقام پورٹونووو ہے۔ سرکاری زبان فرانسیسی اور مقامی بولی ہے۔ مذہب روایتی افریقی ہے۔ مسلمان اور عیسائی اقلیت میں ہیں۔ ساحلی علاقہ میدانی ہے لیکن کوئی حصہ بھی بندرگاہ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اس کے بعد بقیہ علاقہ بلند ہوتا چلا گیا ہے اور سطح مرتفع میں تبدیل ہو گیا ہے۔ زیادہ تر دلدلیں اور گھنے جنگل ہیں۔

آب و ہوا سال بھر گرم و مرطوب رہتی ہے۔ زرعی ملک ہے۔ مکئی وغیرہ کے علاوہ مونگ پھلی، کوکو، روئی اور پام کی کاشت ہوتی ہے۔ مویشی بھی پالے جاتے ہیں۔ برآمدات 37 فیصدی فرانس کو اور بقیہ مغربی جرمنی، ہالینڈ وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات میں پام کی مصنوعات 31 فیصدی، کوکو 24 فیصدی اور روئی 19 فیصدی ہے۔ درآمدات کا 40 فیصدی فرانس سے اور بقیہ جرمنی اور ہالینڈ سے آتا ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 505,970 طالب علم اور 13,180 استاد، ثانوی مدارس میں 102,171 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 10,873 طالب علم تھے۔

بینن کے جنوبی علاقہ میں آجا (Adga) قبائل کے قدیم فان لوگ رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ یروبا، بریبا، اور فلانی نسل کے لوگ بھی ہیں۔ آجا اب بھی ملک کے بعض حصوں میں ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس علاقہ کے قدیم ترین لوگوں میں سے ہیں اور بارھویں صدی سے پہلے انھوں نے ساحل کے قریب ایک سلطنت قائم کی تھی۔ بعد میں مہاجرین نے دہومی اور دوسری نئی سلطنتیں قائم کی تھیں۔ سولھویں صدی کے ختم تک فان نسل کے لوگوں کی سلطنت سب سے طاقتور بن چکی تھی۔ 1788 میں یروبا لوگوں نے اس سلطنت پر فتح پائی اور اس سے خراج وصول کرنے لگے۔ تقریباً وسط انیسویں صدی میں بادشاہ گیزو کی سرکردگی

میں بعض کے لوگوں نے ایک زبردست فوج تیار کی جس میں کئی دستے عورتوں کے بھی تھے اور اس نے یروبا کے تسلط کا خاتمہ کردیا۔

فرانسیسی اثر 1851 سے شروع ہوتا ہے جب فرانسیسیوں نے بادشاہ گیزو سے تجارتی معاہدہ کرلیا اور 1892 میں گیزو کے جانشینوں کو ہٹا کر اس علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ 1904 میں اسے 'فرانسیسی مغربی افریقہ' کا حصہ بنالیا گیا تھا۔ اگست 1960 میں اسے آزادی مل گئی گو کہ فرانس کے ساتھ قریبی سیاسی اور معاشی تعلق باقی رہا۔

آزادی کے بعد بھی سیاسی کیفیت نہیں سنبھلی۔

1963 میں طلبا اور مزدوروں کے احتجاج کے بعد فوج نے حکومت سنبھال لی۔

1970 میں یہاں الیکشن کرانے کی کوشش کی گئی۔

بینیلکس: یہ بلجیم، نیدرلینڈ اور لکزمبرگ کی معاشی یونین ہے۔ اس کے قیام کا یہ مقصد ہے کہ آبادی، تجارتی سامان، سرمایہ اور خدمات کی باہم آزاد منتقلی سے معاشی کاروبار میں سہولتیں پیدا ہوں اور منظم مالی، معاشی اور سماجی پالیسیوں کے ذریعہ ترقی کی نئی راہیں کھولی جائیں۔ سنہ 1921 میں بلجیم اور لکزمبرگ نے دورخی طریق عمل کے پیش نظر ایک معاشی یونین کی تشکیل کی تھی۔ ستمبر سنہ 1944 میں لندن کی "کسٹم کنونشن" میں درج بالا تین ممالک کی ایک کسٹم یونین بنانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ سنہ 1948 میں اس نے عملی شکل اختیار کرلی۔ سنہ 1956 میں بینیلکس کی معاشی یونین کے صلح نامہ پر سب ممبروں کے دستخط ہوگئے اور سنہ 1960 سے اس پر عمل کیا جانے لگا۔ اس طرح بینیلکس سب سے پہلا آزاد بین الاقوامی مارکٹ بن گیا۔ سرمائے اور خدمات، آزادانہ طور پر، باہم منتقل ہونے لگیں۔ سنہ 1970 میں سرحدی پابندیاں بھی ختم کردی گئیں۔

بیوفرٹ کا پیمانہ باد: ایڈمیرل سر بیوفرٹ نے سنہ 1806 میں ہوا کی رفتار کی شدتوں اور ان کے اثرات کو ظاہر کرنے کے لیے درج ذیل پیمانہ ترتیب دیا تھا۔

بیوفرٹ نمبر	ہوا کا نام	ہوا کی اوسط رفتار کلو میٹر فی گھنٹہ	خصوصیات
صفر	سکونی ہوا	صفر تا 2	دھواں عموداً اٹھتا ہے۔
1	ہلکی ہوا	3 تا 5	دھوئیں کی حرکت ہوا کی سمت بتاتی ہے۔ باد نما کام نہیں کرتا۔
2	ہلکی نسیم	6 تا 11	چہرہ ہوا کو محسوس کرتا ہے۔ پتے ہلتے ہیں۔ باد نما کام کرتا ہے۔
3	دھیمی نسیم	12 تا 19	درختوں کے پتے اور چھوٹی ٹہنیاں مستقل حرکت کرتی ہیں۔ ستونوں پر جھنڈے سے پھیل جاتے ہیں۔
4	معتدل نسیم	20 تا 29	گرد، پتے اور بکھری ہوئی کاغذ کی دھجیاں زمین سے اڑتی ہیں۔ چھوٹی شاخیں حرکت کرتی ہیں۔
5	تازہ نسیم	30 تا 39	پتوں دار چھوٹے درخت جھومتے ہیں، اندرونی آبی علاقوں میں ابھرتی ہوئی موجیں پیدا ہوتی ہیں۔
6	تیز نسیم	40 تا 50	بڑی شاخیں ہلتی ہیں۔ ٹیلیگراف کے تار ہل کر آواز دیتے ہیں۔
7	معتدل جھکڑ	51 تا 61	سالم درخت حرکت کرتے ہیں۔ ہوا کی مخالف سمت میں چلنا ذرا دشوار ہوتا ہے۔
8	تازہ جھکڑ	62 تا 74	ٹہنیاں اور چھوٹی شاخیں درختوں سے ٹوٹنے لگتی ہیں۔ ہوا کی مخالف سمت میں چلنے میں مزاحمت ہوتی ہے۔
9	تیز جھکڑ	75 تا 86	مکانات کو کچھ نقصان پہنچتا ہے۔ چھتوں سے سلیٹ کے چوکے یا سنگ ریزے اکھڑنے لگتے ہیں۔
10	شدید (مکمل) جھکڑ	87 تا 101	درخت جڑ سے اکھڑنے لگتے ہیں۔ عمارتوں کو کافی نقصان پہنچتا ہے۔
11	طوفان	102 تا 116	چاروں طرف شدید نقصان
12		117 تا 131	
13		132 تا 147	
14		148 تا 165	
15		166 تا 182	تباہی و بربادی
16		183 تا 200	
17		201 تا 218 اور زائد	

بیونس آئرس: یہ ارجن ٹائنا کی راجدھانی ہے اور ملک کے شمال مشرقی حصہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میں ریوڈی لاپلاتا کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ لاطینی امریکہ کا یہ سب سے بڑا شہر ہے اور دنیا کے معروف ترین بندرگاہوں میں سے ایک ہے۔ یہاں سے گوشت، گوشت سے بنی اشیا اور غلہ دوسرے ممالک کو جاتا ہے۔ بیونس آئرس صنعتی طور پر بھی بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ غذائی اشیا تیار کرنے کے کارخانے، دھاتیں صاف کرنے کے کارخانے، آٹوموبائلس، تیل صاف کرنے اور پارچہ بافی کے کارخانے اور طباعت کے پلانٹس یہاں کی صنعتوں میں شامل ہیں۔ یہاں دولت کافی ہے۔ شہر عصری اور خوبصورت ہے۔ یہاں بڑے بڑے پارک اور اعلیٰ درجے کی عمارتیں ہیں۔ 1821 میں یہاں یونیورسٹی قائم ہوئی تھی جو اب بھی مشہور ہے۔ یہاں کی نیشنل لائبریری بھی شہرت کی حامل ہے۔ سنہ 1804 میں تعمیر کیا ہوا ایک گرجا گھر بھی بہت مشہور ہے۔ 1971 میں یہاں کی آبادی 3,875,000 تھی۔

بیونس آئرس ہسپانوی آبادکاروں نے سب سے پہلے سنہ 1536 میں بسایا تھا۔ کافی عرصہ تک اسے مقامی انڈین آبادی کے حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 1776 میں یہ ہسپانوی وائسرائے کا صدر مقام بنا۔ سنہ 1806 میں انگریزوں نے پھر حملہ کیا جو پسپا ہو گیا۔ اس حملہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی آبادی نے اسپین کے تسلط کے خلاف بھی بغاوت کر دی اور پھر سنہ 1880 میں کافی جد و جہد اور افراتفری کے بعد اسے آزادی ملی۔ اس کے بعد اس نے تیزی سے ترقی کی اور ساری دنیا سے لوگ ترک وطن کر کے یہاں آکر بسنے لگے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پ

پاپ ناسم (Papnasam): تامل ناڈو کے ضلع ترونیل ویلی (Tirunel Veli) کے قریب واقع ہے۔ یہاں بذریعہ ریل انباسمدرم اور پھر شین کوٹہ (Shen Cottah) سے ہوتے ہوئے آٹھ کلو میٹر کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک مقدس اور تفریحی مقام ہے۔ یہ آبشار کے لیے مشہور ہے جہاں تامبراپرنی (Tambaraparani) ندی کے پانی کو روک کر ایک بندھ (Dam) بنایا گیا ہے جس سے برقابی پیدا کی جاتی ہے۔

پاپاویر سمنی فیرم (اوپن مریا سفید پوست۔ افیون): اوپیم پاپی (الشیرل۔ خشخاش) ہندوستان کے کئی علاقوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے پھول اور تخم سفید ہوتے ہیں جنھیں خشخاش کہا جاتا ہے۔ خشخاش کے جھلی دار غلاف پوست ڈوڈا کہلاتے ہیں۔ اکثر اوقات ان کی کاشت کی جاتی ہے۔ غالباً یہ ہندوستان کا پودا نہیں ہے بلکہ یہ برآمد کیا گیا ہے۔ یہ نہایت ہی مفید اور ساتھ ہی ساتھ ایک نقصان دہ دوا ہے۔ خشک عرق یا دودھ خشخاش (Opium Poppy) کے غیر پکے ہوئے جھلی دار غلافوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ خشخاش ایک سالانہ بوٹی ہے جس کے پھول بھڑک دار ہوتے ہیں۔ کئی صدیوں سے اس کا استعمال بیرونی اور اندرونی طور پر آیورویدک اور یونانی ادویات میں ہوتا آیا ہے۔ اطباان کو سر کے درد، ہیضہ، پیچش اور بدہضمی کی شکایتوں کے علاج کے لیے تجویز کرتے ہیں۔ ہندوستان کے کئی علاقوں میں یہ گھریلو دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کے دانت نکلنے کے زمانے میں ان کو خاموش رکھنے کے لیے اس کا استعمال کرتی ہیں۔ خشخاش کے ڈوڈوں سے جو عرق تیار کیا جاتا ہے وہ چوٹوں اور جسم کے جلے ہوئے اور سوجے ہوئے (متورم) حصوں پر لگانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

قدیم کتابوں میں ہندوستانی ادویات کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں ملتا ہے۔ البتہ افیون کا سب سے پہلا ذکر 1511 میں اپنے ساحل ملابار کے بیان میں باربوسا (Barbosa) نامی سیاح اور 1516 میں مصر اور بنگال کے افیون کے تذکرہ کے سلسلے میں، پرتگالی تاریخ داں، پائریس (Pyres) نے کیا ہے۔ خشخاش کی کاشت معتدل اور منطقہ حارہ کے نیم گرم علاقوں میں ممکن ہے۔ ہندوستان میں خشخاش کی کاشت کی پہلی تحریری نظیر پندرہویں صدی میں کھمبات (کیمبے) اور مالوہ (جہاں اسکی کاشت ہوتی تھی) کے بارے میں ذکر میں ملتی ہے۔ مغلیہ دور میں افیون چین اور دیگر مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کی ایک اہم شے ہو گئی تھی۔ شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت میں آمدنی کے ذریعہ کے اعتبار سے اس کی پہلی دفعہ بڑی قدر کی گئی تھی اور وہ پہلا شخص تھا جس نے افیون کو ریاست کا اجارہ بنایا۔ آئین اکبری میں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ خشخاش کی کاشت فتح پور، الہ آباد، غازیپور اور بہار میں کی جاتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں اس کی کاشت پٹنہ، بنگال، بنارس، گوالیار، بھوپال اور بڑودہ میں ہوتی تھی۔

حالیہ زمانہ میں خشخاش کی کاشت بالکلیہ یو. پی.، پنجاب اور شملہ تک محدود ہے۔ خشخاش کی کاشت 11 لاکھ ایکڑ رقبہ زمین پر کی جاتی ہے۔ افیون کی اوسطاً فی ایکڑ پیداوار تقریباً 15 تا 20 پونڈ ہے اور یہ تخمینہ کیا گیا ہے کہ 2 کروڑ پونڈ سے زیادہ افیون نہیں پیدا ہوتی ہے۔

پاپوانیو گنی (Papua New Guinea): ایک آزاد جمہوری ریاست ہے جو کامن ویلتھ کی ممبر ہے۔ یہ جنوب مغربی بحرالکاہل میں آسٹریلیا کے شمال میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 475,840 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق تقریباً 3,772,000 ہے۔ باشندے زیادہ تر عیسائی ہیں۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔

یہ گرین لینڈ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ سیاسی طور پر یہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ مشرقی حصہ پاپوانیو گنی ہے جو پہلے آسٹریلیا کی تولیت میں تھا۔ 1975 میں اسے آزادی مل گئی۔ اور مغربی حصہ ہالینڈ کے قبضے میں تھا، اور اب مغربی ایریان (ایرائن) (West Irian) کے نام سے انڈونیشیا کا حصہ ہے۔

پاپوانیو گنی کی ریاست نیو گنی اور پاپوا کو ملا کو بنائی گئی ہے۔ اس جزیرہ کے وسط میں گھنے جنگل ہیں اور بلند پہاڑوں کے سلسلے چلے گئے ہیں۔ ان سے بڑے بڑے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

دریا نکلتے ہیں جن میں سے اکثر علاقے دلدل ہو گئے ہیں۔ سمندر سے موتی نکالے جاتے ہیں اور مچھلی پکڑی جاتی ہے۔

1838 میں ڈچ لوگوں نے مغربی نصف حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور 1884 میں برطانیہ نے جنوب مشرقی ساحل اور قریب کے جزائر کو ہتھیا لیا۔ جرمنی نے شمال مشرقی حصہ پر قبضہ جمایا۔ برطانیہ نے 1905 میں برطانوی نیو گنی کا حصہ آسٹریلیا کے حوالے کر دیا اور اس نے اس کا نام پاپوا رکھا۔

پہلی عالم گیر جنگ کے بعد 1920 میں جرمن علاقہ آسٹریلیا کی تولیت میں آ گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مجلس اقوام متحدہ نے اسے ٹرسٹ کی حیثیت دے دی۔ اس جنگ کے دوران وہاں جاپانیوں اور امریکی و آسٹریلیائی فوجوں سے سخت جنگ ہوئی۔ 1963 میں ڈچ لوگوں نے اپنا علاقہ انڈونیشیا کے حوالے کر دیا اور 1975 میں آسٹریلیا نے اپنے علاقہ کو آزادی دے دی۔

پار ٹیکل بورڈ: پار ٹیکل بورڈ سب سے پہلے مارکیٹ میں دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر نمودار ہوا۔ 1951 میں اس کا عالمی صرفہ 39.00 میٹرک ٹن تک بڑھ گیا تھا اور 1956 تک اس میں 568.000 میٹرک ٹن تک اضافہ ہو چکا تھا اور اسی طرح 1961 میں 2.30 ملین میٹرک ٹن تک اضافہ ہوا۔ اس طرح اضافہ کی یہ رفتار تین سال میں دوگنی ہوتی رہی۔ 1970 تک اس کا عالمی صرفہ 16 ملین میٹرک ٹن تک بڑھ چکا تھا۔ ماضی قریب میں آرہ کشیدہ لکڑی کے برخلاف ان مصنوعات کا استعمال عام معاشی کاروبار کی ترقی کے بالمقابل زیادہ تیز تر رہا۔

جہاں تک پار ٹیکل بورڈ کا تعلق ہے، 16 فیصد استعمال ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہوتا ہے لیکن یورپ میں اس کا صرفہ 68 فیصد ہوتا ہے جس کا مشرقی یوروپی ملکوں میں دو تہائی اور 7 فیصد روس میں ہوتا ہے۔

پار فورائیٹک بافت (Porphyritic Texture): باریک دانے دار پس منظری مادے میں بڑی بڑی قلموں کی موجودگی اس بافت کی تشکیل کرتی ہے۔ عام طور پر بڑی بڑی قلمیں اصل شکل (Inherent) ہوتی ہیں اور یہ فینو کرسٹ (Phenocryst) کے حجم کے 50 فی صد یا اس سے زیادہ ہوں تو اس حجر کو پار فائیری (Porphyry) کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے گرینٹ پار فائیری یا گھرد پار فائیری۔ کایا بدل حجرات میں ایسی بافت ہونے پر اسے پار فائرو کلاسٹک (Porphyroclastic) کہتے ہیں اور بڑی بڑی قلموں کو فینو کرسٹ (Phenocryst) کی بجائے پار فائیری کلاسٹ (Porphyroclast) کہتے ہیں۔

پاسی ڈونیس: اس یونانی مفکر نے فیثاغورث کے بتائے ہوئے آب و ہوا کے پانچ خطوں میں دو کا اضافہ کیا۔ اراتا ستھنیز کے بعد اس نے ستاروں کی مدد سے کرہ ارض کے محیط کو ناپنے کا طریقہ دریافت کیا۔ اپنے حساب سے اس کا پھیلاؤ اس نے 24,000 میل بتایا اور ایک درجہ کے زاویائی فرق کو سطح زمین پر 66.6 میل کے مساوی ثابت کیا۔ اس نے دنیوی کاروباروں میں سورج کے اثرات کو بلند ترین مقام عطا کیا اور دیگر عوامل کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ ساتھ ہی نامعلوم علاقوں میں آبادیوں کے امکانات کا تذکرہ کیا لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اس نے دنیا کے آب و ہوائی تغیرات کو طول البلدی اختلافات سے بھی وابستہ کیا۔

پاکستان (Pakistan): جمہوریہ پاکستان جنوبی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں ہندوستان، مغرب میں افغانستان اور ایران، شمال میں چین اور تاجکستان نیز ہندوستان کا شمالی حصہ اور جنوب میں بحیرۂ عرب واقع ہیں۔ کل رقبہ 804,000 مربع کلو میٹر (310,400 مربع میل) ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 115,524,000 ہے۔ صدر مقام اسلام آباد ہے۔ سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ کراچی ہے۔ سرکاری زبان انگریزی اور اردو ہے۔ ویسے مختلف علاقوں میں پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی وغیرہ بولی جاتی ہیں۔ 90 فیصدی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ ہندو اور عیسائی اقلیت میں ہیں۔ پاکستان، صوبہ جات پنجاب، سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ پر مشتمل ہے۔

پاکستان میں سے دریائے جہلم، چناب، راوی، ستلج اور سندھ گزرتے ہیں جن پر بند باندھ کر اور نہریں نکال کر کافی بڑے علاقے کو سیراب کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی آب و ہوا عام طور پر خشک ہے اور سردیوں میں کافی سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی پڑتی ہے۔

پاکستان کے پنجاب اور سندھ کے صوبے زیادہ تر میدانی اور کافی زرخیز ہیں۔ دوسرے صوبے پہاڑی ہیں لیکن پہاڑوں میں بھی کافی زرخیز وادیاں ہیں۔ پنجاب اور سندھ میں کافی بڑا علاقہ ریگستانی بھی ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ سب سے زیادہ پیداوار گیہوں کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو (بارلی)، چاول، مکئی اور روئی کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ پھل اور سبزیوں کی کاشت بکثرت ہوتی ہے۔

پاکستان میں کافی معدنی ذخائر ہیں لیکن ان سے ابھی پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ تیل نکالا جاتا ہے۔ گیس بھی کافی مقدار میں حاصل ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئلہ، گلنائٹ، گندھک، نمک وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔ فولاد کا ایک کارخانہ بھی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سیمنٹ، سوتی کپڑے، کھاد، گندھک کا تیزاب (سلفیورک ایسڈ) وغیرہ بنانے کے کارخانے ہیں۔ پاکستان کی برآمدات 22 فی صدی چاول، 13 فی صدی سوتی دھاگہ اور 12 فی صدی سوتی کپڑے ہیں۔ ان کے علاوہ روئی، کھالیں اور قالین بھی برآمد کیے جاتے ہیں۔ برآمدات ہانگ کانگ، سعودی عرب، جاپان، برطانیہ، امریکہ اور جرمنی وغیرہ کو جاتی ہیں۔ درآمدات کا 19 فیصدی امریکہ سے، 12 فیصدی سعودی عرب سے اور اس کے علاوہ برطانیہ، جرمنی اور خلیج کی امارت سے آتا ہے۔

رائج سکہ پاکستانی روپیہ ہے۔ افراطِ زر کی رفتار تیز ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 8,855,997 اور استادوں کی تعداد 218,300 تھی، ثانوی مدارس میں 3,983,462 طالب علم اور 209,195 استاد نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 304,922 طالب علم تھے۔

پاکھال جھیل: آندھرا پردیش میں ضلع ورنگل سے جھیل پاکھال 50 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں ایک شکارگاہ ہے۔ سیاحوں کے لیے یہ ایک عمدہ تفریح گاہ ہے۔

پالاس، پیٹر سائمن (Peter Simon Pallas): یہ جرمنی میں 1741 میں پیدا ہوا۔ اس نے چھ سال تک ایشیائی روس کی طبعی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ اپنے اس سفر کے دوران اس نے یہ اہم دریافت کی کہ سائبیریا (Siberia) میں بڑے بڑے پستانیوں (Mammals) کے باقیات پائے جاتے ہیں۔ ان باقیات کی اس نے تفصیل بھی بیان کی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ پہاڑوں کی ساخت (Structure) کے تین حصے ہوتے ہیں۔ یعنی مرکزی، ابتدائی، قلب یا مرکزہ (Core)، کیلسیائی (Calcie) ثانوی پرت اور ریتیلی (Arenaceous) غلافی پرت۔ اس کی وفات 1811 میں ہوئی۔

پالش شدہ پتھر (Polished Stone): ریگستانوں میں ہوا کے عمل کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ نہایت مہین ریت تشکیل پاتی ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ حجرات اور چٹانیں جو ہوا کے دباؤ کی زد میں رہتی ہیں وہ ٹوٹ کر چھوٹے بڑے پتھروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

ایسے پتھر عام طور پر کیلے اور ادھ کیلے ہوتے ہیں اور یہ مخصوص سمتوں میں نکلے ہوئے ہوتے ہیں جن کی اوپری سطحیں گزرنے والی ریت کے ٹکراؤ سے مجلا (Polished) ہو جاتی ہیں۔ صحرا میں پائے جانے والے ایسے پتھروں کو جو ہوا کی فرسودگی کی بنا پر تشکیل پاتے ہیں۔ پالش شدہ پتھر (Ventifacts) بھی کہا جاتا ہے۔

ایسے پتھروں کے کٹے ہوئے پہلوؤں کے مطالعے سے ہواؤں کے بہاؤ کا رخ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

پالیسی برنارڈ (Bernard Palissey): یہ فرانسیسی مفکر 1510 میں پیدا ہوا۔ اور اس نے 1590 میں وفات پائی۔ وہ اس لیے ارضیاتی ادب میں شہرت کا حامل ہے کہ اس نے سولھویں صدی میں ہی رکازات اور باقیات (Fossils) کے بارے میں خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ نامیاتی (Organic) ماہیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کے اس خیال کی طرف بعد میں بھی طویل مدت تک کسی نے توجہ نہیں دی۔ وہ ان اولین سائنسدانوں میں سے تھا جنھوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ چشموں، کنوؤں اور ندیوں کے پانی کا واحد ماخذ بارش اور پگھلتی برف ہے۔

پالیمبانگ: یہ جنوبی سماترا کے صوبہ کا دارالحکومت "موسی" ندی پر واقع ہے۔ اس میں بحری جہاز پہنچ سکتے ہیں۔ اہم تجارتی صنعتی مرکز ہے۔ یہاں سے عمارتی لکڑی، ربر اور کافی کے علاوہ پٹرولیم سے بنی ہوئی چیزوں کی برآمد ہوتی ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کا مرکز ہے۔ یہاں ہوائی اڈہ بھی ہے۔ آبادی 474,971 ہے۔

پامیر: وسط ایشیا کا یہ کوہستانی علاقہ جو تاژکستان اور افغانستان کی حدود بناتا ہے، بامِ دنیا بھی کہلاتا ہے۔ اس کی اکثر چوٹیاں 20 ہزار فٹ سے زیادہ اونچی ہیں۔

پانڈیچری: جزیرہ نما دکن کے مشرقی ساحل کارومنڈل پر واقع چھوٹا سا علاقہ تمل ناڈو سے گھرا ہوا ہے۔ صرف مشرق میں خلیج بنگال واقع ہے۔ اس کا رقبہ 480 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 807,785 ہے۔

اہم پیداوار چاول، مونگ پھلی، گنا، کالی مرچ اور ناریل ہیں۔ سوتی کپڑے، شکر اور چمڑے کی صنعتیں اہم ہیں۔ ہر قسم کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔

شہر پانڈیچری صدر مقام اور مشرقی ساحل پر کارآمد بندرگاہ ہے جہاں سے مونگ پھلی باہر بھیجی جاتی ہے۔

یہ علاقہ پہلے فرانسیسیوں کے قبضہ میں تھا۔ ملک کی آزادی کے بعد اسے بھی آزادی ملی۔ اب یہ ایک یونین علاقہ ہے۔ یہاں شری آروبندو گھوش کا مشہور آشرم ہے اور مرکزی سرکار کی یونیورسٹی اور کالج بھی ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پانک: ایسی دلدل جس میں سڑا گلا حیاتی مادہ جمع ہو کر دلدلی کوئلہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ میٹھے پانی کی چھوٹی سی بے شجر دلدل بھی "پانک" کہلاتی ہے۔

پانی پت: ریاست ہریانہ میں پانی پت، کرنال سے 32 کلو میٹر اور دلی سے 80 کلو میٹر کے فاصلے پر اہم تاریخی مقام ہے۔ یہ ان پانچ مقامات میں سے ایک ہے جس کو پانڈووں نے صلح اور آشتی کے معاوضہ کے طور پر مانگا تھا۔ پانی پت شمالی ہند کے دروازہ پر فیصلہ کن لڑائیوں کا میدان رہا۔ سنہ 1526، 1556 اور 1761 میں یہاں کئی فیصلہ کن جنگیں ہوئی تھیں۔ پہلی اور دوسری جنگوں سے مغلیہ سلطنت کی ملک میں بنیاد پڑی تھی اور تیسری جنگ میں احمد شاہ ابدالی نے مراٹھوں کو شکست دی تھی۔ آخری لودھی سلطان ابراہیم کا گنبد، مسجد کے کھنڈرات اور کابلی باغ کا تالاب، (جس کو بابر نے تعمیر کرایا تھا) یہاں کے قابل دید مقامات ہیں۔

پاول، جان ویسلی (John Wesley Powell): یہ امریکی فوج کا سابق میجر 1834 میں پیدا ہوا تھا۔ خانہ جنگی (Civil War) میں ایک بازو کھو دینے کے بعد اس نے میدان جنگ کو چھوڑ کر میدان ارضیات میں قدم رکھا اور ارضیات کا پروفیسر بن گیا۔ اس نے بطور رومانی ہیرو کے اس وقت شہرت حاصل کی جبکہ اس نے دریائے کولوریڈو (Colorado River) کے آبشاروں میں اپنی چھوٹی سی کشتی اتار دی۔ مگر اس طرح اس نے پورے گرانڈ کنیان (Grand Canyon) کا تفصیلی ارضیاتی مطالعہ پیش کیا جو کلاسیکی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مہم کے مشاہدات کے نتیجے کے طور پر اس نے بنیادی سطح (Base Land) کا نظریہ پیش کیا اور موخر (Consequent)، مقدم (Antecedent) اور تراکب (Super Imposed) دریائی نظام یا آبی نظام (Drainage) کی اصطلاحات ارضیاتی ادب کو دیں۔ بعد میں امریکی ارضیاتی سروے (Geological Survey) کا ناظم بھی مقرر ہوا۔ اس نے سروے کو ایک قومی ادارہ بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ 1902 میں اس کا انتقال ہو گیا۔

پائکلٹک بافت (Poikilitic Texture): آتشی حجرات کی ایسی بافت جس میں چھوٹی چھوٹی قلمیں کسی بڑی قلم یا قلموں کے اندر قلمائی ہوئی ہوں۔ مثلاً اولوین کی چھوٹی قلمیں، ہارن بلینڈ (Hornblend) کی بڑی بڑی قلموں کے اندر موجود ہیں۔ اس قسم کی بافت اگر کایا بدل حجرات (دیکھئے کایا بدلیت) میں ہو تو اسے پائکلو بلاسٹک (Poikilo blastic) بافت کہتے ہیں۔

پترا تو تھرمل اسٹیشن: بہار میں ضلع ہزاری باغ میں پترا تو ریلوے اسٹیشن سے 6 کلو میٹر کے فاصلے پر دو اسٹیشنوں کے چھ یونٹوں سے جملہ 260 میگاواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے جس سے جنوبی بہار اور چھوٹا ناگپور استفادہ کرتے ہیں۔

پٹ کیرن جزیرہ (Pitcairn Island): برطانوی نوآبادی (کالونی) ہے۔ یہ نیوزی لینڈ کے شمال مشرق میں 5,120 کلو میٹر (3200 میل) دور جنوبی بحرالکاہل میں واقع ہے۔ رقبہ 6.5 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1990 کے تخمینہ کے مطابق 54 ہزار تھی۔

یہاں پر سنترے اور انناس پیدا کئے جاتے اور برآمد کئے جاتے ہیں 1767 میں ایک انگریز ایڈمرل نے اس کا پتہ لگایا تھا۔ مشہور بحری جہاز "باؤنٹی" (Bounty) میں جب بغاوت ہوئی تو باغی اور تاہتی عورتیں یہاں آکر بس گئیں۔ ان ہی کی اولادیں یہاں رہتی ہیں، جو انگریزی بولتی ہیں۔ 1839 سے یہ باقاعدہ طور پر برطانیہ کی نوآبادی (کالونی) ہے۔

1957 میں جہاز 'باؤنٹی' کے غرقاب باقی ماندہ کچھ ٹکڑے جزیرے کے جنوبی کنارے کے قریب ملے ہیں۔

پٹرولیم یا تیل کے ذخائر (Petroleum Reserves): پٹرولیم کی اصطلاح فطری طور پر پائے جانے والے نامیاتی مائع ذخائر کے علاوہ ان حاصلات کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے جو پٹرولیم یا تیل کے صاف کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ پٹرولیم یا تیل عام طور پر قدرتی گیس، نمکین پانی اور دوسرے نامیاتی مرکبات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

پٹرولیم یا تیل کی پیدائش کے بارے میں ماہرین کی رائے میں اختلاف ہے لیکن ماہرین کی اکثریت اس بات پر بڑی حد تک متفق ہے کہ تیل نامیاتی ذرائع سے بھی قدرتی طور پر پیدا ہوا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب ننھے ننھے پودے، جانور اور دوسرے جراثیم مخصوص کیمیائی حالات کا شکار ہو کر تلف ہو جاتے ہیں تو آکسیجن سے عاری ماحول میں یہ سب تباہ ہو کر تیل (پٹرولیم) کی شکل میں جمع ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں تیل کے ذخائر کے مطالعوں سے معلوم ہوا ہے کہ تیل بڑی حد تک جس ماحول میں بنتا ہے اس کا تعلق بحری ماحول سے ہے مگر کچھ تیل کے ذخائر ڈیلٹائی حالات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ تیل جس مقام پر تشکیل پاتا ہے عام طور پر وہ اسی جگہ نہیں پایا جاتا بلکہ وہ اپنے مبدا سے دور نقل مقام کر کے کسی اور موزوں اور

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مناسب جگہ چشموں کی صورت میں جمع ہو جاتا ہے۔ تیل کی یہ نقل مکانی حجرات میں پائے جانے والے مساموں، شگافوں اور جوڑوں کی مرہون ہوتی ہے۔ حجرات میں پائے جانے والے ان نہایت باریک مساموں کے راستوں سے گزرتے ہوئے پٹرولیم اور پانی کا یہ قدرتی نظام دو حصوں میں دو مختلف پرتوں کی صورت میں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتا ہے۔ پٹرولیم کی اس نقل مکانی اور اس کی دو مختلف پرتوں میں علیحدگی میں پٹرولیم کی کثافت اضافی کا بڑا دخل ہے جو پانی سے کم ہوتی ہے۔ اسی لیے پٹرولیم ہمیشہ پانی کی سطح پر تیرتا ہوا پایا جاتا ہے۔

پٹرولیم کا یہ سفر حجرات کے مساموں اور شگافوں کے ذریعہ مسلسل جاری رہتا ہے تاآنکہ وہ سطح زمین پر پہنچ کر فضا میں بخارات کی صورت میں ضائع نہ ہو جائے یا پھر ان کے راستے میں کوئی ایسا حجر حائل نہ ہو جو پٹرولیم کے اس سفر کو روکنے میں کامیاب ہو جائے۔ دوسری صورت میں بھی تیل کے ذخائر جمع ہو کر تیل کے چشموں کا موجب ہوتے ہیں۔ اس طرح تیل کے جمع ہونے کے عمل کے لیے مخصوص ساخت اور بافت کے حجرات کی ضرورت ہوتی ہے جن کو تیل کے شکنجے (Oil Traps) کہا جاتا ہے۔

پٹس برگ: یہ شہر امریکہ میں پنسلوانیا کے جنوب مغرب اور فلاڈلفیا کے مغرب میں 250 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اپنی ریاست کا یہ دوسرا بڑا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سولہواں بڑا شہر ہے۔ یہاں کے دو دریاؤں یعنی الگینی اور مانو گھیلا کی موجودگی سے یہ شہر تین حصوں میں بٹ گیا ہے۔ جہاں دونوں دریا ملتے ہیں وہاں ایک تجارتی مرکز "گولڈن ٹرائی اینگل" (Golden Triangle) واقع ہو گیا ہے۔ اس کی نئی عمارتوں کا رخ "مین اسکوائر" کی طرف ہے۔ آخر الذکر ایک کھلا علاقہ ہے۔ اس کے زیر زمین حصے میں ایک ہزار موٹر کاروں کو ٹھہرانے کا انتظام ہے۔ اسی علاقہ میں ایک تیس منزلہ الکو آبلڈنگ ہے۔ اس عمارت کے سامنے کی جانب بیرونی سطح پر الیومنیم چڑھا ہوا ہے۔ اس شہر میں کئی گرجا گھر ہیں۔ یہاں 24 ریلوے لائنیں ہیں جو مختلف ریاستوں کو جاتی ہیں۔ اس کا طیران گاہ (ایرپورٹ)، شہر کے مرکزی حصہ سے 15 میل کی دوری پر واقع ہے۔ حمل و نقل کا کام زیادہ تر ندیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہاں کی صنعتی پیداوار، فولاد، کوئلہ، الیومنیم، برقی آلات، لوہا، تیل اور برقی مشینیں ہیں۔ غذائی اشیا بھی یہاں ڈبوں میں بند کی جاتی ہیں۔ اس کی آبادی 1971 میں 604,332 تھی۔ یہاں یونیورسٹی آف پٹس برگ، کارنیگی انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی، ڈیوکسنی یونیورسٹی اور ان کے علاوہ مزید کئی سائنسی مراکز واقع ہیں۔

پٹکوئی کی پہاڑیاں: ہندوستان کے سات خاص پہاڑی سلسلوں میں اس پہاڑی سلسلہ کا شمار ہوتا ہے۔ یہ ہندوستان اور میانمار کی سرحد اور آسام ہمالیہ کے جنوب میں دور تک چلا گیا ہے۔ اروناچل پردیش، ناگالینڈ، منی پور اور میزورم میں اس سلسلے کے مختلف نام ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر اس کو پوروآنچل کہا جاتا ہے جس کے معنی مشرقی پہاڑ ہیں۔

پٹنہ: ہندوستان کا ایک قدیم مشہور شہر اور ریاست بہار کا صدر مقام اور اس کا تمدنی مرکز ہے۔ یہ دریائے گنگا پر واقع ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ مگدھ کے راجا اجات شترو کی راجدھانی تھا اور پاٹلی پترا کہلاتا تھا۔ سولہویں صدی عیسوی میں شیر شاہ سوری نے اپنی سلطنت کے دارالحکومت کے طور پر اس کا انتخاب کیا تھا۔ گنگا اور سون ندیوں کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے نیز اہم شاہراہوں اور مشرق سے مغرب تک آبی راستوں کے باعث اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ پٹنہ سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر بمقام کمھرار بعض دلچسپ آثار کا انکشاف ہوا ہے۔

پٹنہ ایک ترقی پذیر شہر ہے۔ یہاں کا میوزیم، خدا بخش لائبریری اور سینٹرل لائبریری، یونیورسٹی کیمپس، سکریٹریٹ اور ہائی کورٹ قابل دید ہیں۔ ایک دلچسپ عمارت گول گھر، جس کی تعمیر 1786 میں ہوئی تھی، 30 میٹر اونچا ہے۔ اس کی چھت سے پٹنہ اور اس کے گرد و پیش کے علاقہ کا بہترین نظارہ ہو سکتا ہے۔ شہیدوں کی یادگار، سکریٹریٹ کی عمارت کے سامنے تعمیر کی گئی ہے۔ یہ عمارت سنہ 1942 کی قومی تحریک میں شہید ہونے والوں کی یاد میں تیار کی گئی ہے۔ ہرمندر (Harmandir) جو سکھوں کے لیے متبرک مقام ہے، سکھوں کے دسویں گرو گرو گوبند سنگھ جی کی پیدائش کا مقام ہے۔ پٹنہ کے قریب دریائے گنگا کا پاٹ بہت چوڑا ہو جاتا ہے۔

پوربندر: یہ شہر گجرات کے ضلع سوراشٹر میں جوناگڑھ کے شمال مغربی جانب 55 میل دور واقع ہے۔ یہ ایک ریاست کا دارالحکومت تھا۔ یہاں مہاتما گاندھی نے اٹھارہ سو انہتر (1869) عیسوی میں جنم لیا تھا۔ یہاں کی گھریلو صنعتی پیداوار مشہور ہیں۔ یہ ایک چھوٹا بندرگاہ بھی ہے۔

پٹی دار ساخت (Banded Structure): کسی حجر یا چٹان کو پٹی دار یا پٹی دار ساخت کا حامل اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ وہ حجر ایسی مختلف پٹیوں سے بنا ہوا ہو جن کی طبعی اور یا کیمیائی خصوصیات مختلف ہوں۔ ان پٹیوں کی دبازت (Thickness) کا قابل پیمائش ہونا ضروری ہے۔ قابل پیمائش نہ ہونے کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

صورت میں یعنی جب یہ حجر بے حد مہین ہوں تو اس ساخت کو ورق وار ساخت (Laminated Structure) کہا جاتا ہے۔

پٹیر اسٹپین: یہ سولھویں صدی کا سائنسداں جغرافیہ کو علم تطعیہ سمجھتا تھا۔ ریاضیاتی جغرافیہ میں اسے گہری دلچسپی تھی۔ اس کے تصورات پر بطلیموس (ٹالیمی) کے خیالات کا رنگ نمایاں تھا۔

پچ اسٹون (Pitch Stone): ایک کانچ نما آتشی حجر جس میں کچھ حد تک قلماؤ واقع ہو جائے۔ کسی شیشے کے قلمانے کے عمل کو دیو تریائی یا شیشہ ریزیت (Devitrification) کہتے ہیں۔ ایسے حجرات عام طور پر وریولائٹ (Vorilites) کہلاتے ہیں۔ ان حجرات کی چمک (Lustre) مدھم (Dull) اور کولتاری (Pitchy) ہوتی ہے اور شکستگی (Fracture) عام طور پر چپٹی (Flat) ہوتی ہے اور آبسیڈین (Obsidian) نیز رایولائٹ (Rhyolite) سے قطعی مختلف ہوتے ہیں۔

پچولا: راجستھان میں اودے پور کی یہ نہایت ہی دلکش جھیل ہے جو پہاڑوں، محلوں اور مندروں سے گھری ہوئی ہے۔

پدار: ہندوستان کی وادی کشمیر میں 1,800 میٹر کی بلندی پر یہ ایک جنگلاتی وادی ہے، جہاں مکئی، چاول، گیہوں، جوار اور باجرہ کی کاشت بھی کی جاتی ہے۔

پرادیپ: یہ اڑیسہ کا جدید بندرگاہ ہے۔ اس کی مزید ترقی اور نشو ونما سے کلکتہ کے بندرگاہ کا حصہ تقسیم ہو گیا ہے۔ کلکتہ اور اس کے گرد و پیش کے علاقے صنعتی طور پر بڑی اہمیت رکھتے ہیں جہاں بڑی تعداد میں جوٹ کے کارخانے، کاغذ سازی کے کارخانے، پارچہ بافی کے کارخانے، شکر کی ملیں، چاول کی ملیں، دباغت کے کارخانے، عطر سازی اور لوہے اور فولاد کے کارخانے ہیں۔ اس کی اہم برآمدات میں جوٹ، چائے، ابرک، کوئلہ، لوہا، مینگنیز اور لاکھ اور درآمدات میں لوہا اور فولاد، پٹرولیم، کاغذ کیمیاوی اشیاء ربر، مشینیں وغیرہ ہیں۔

پراگ (پراہا): چیکوسلوواکیہ کا یہ دارالحکومت وسطی بوہیمیا میں دریائے مولڈاو کے کنارے واقع ہے۔ چک زبان میں اس کا نام پراہا اور جرمن میں پراگ ہے۔ اس کی آبادی 989,879 ہے۔ یہ یورپ کا ایک بڑا ثقافتی اور اقتصادی مرکز ہے۔ چیکوسلوواکیہ کی سائنس اکادمی اور یونیورسٹی اسی شہر میں واقع ہیں۔ یہاں کی یونیورسٹی تمام یورپ میں کافی شہرت رکھتی ہے۔ چیکوسلوواکیہ کا یہ سب سے بڑا صنعتی مرکز ہے۔ یہاں بھاری مشینیں، آٹو موبائلس، مشینری کے آلات اور غذائی اشیا کی تیاری کے کارخانے ہیں۔ یہاں قدیم زمانے کی کئی خوبصورت عمارتیں ہیں۔ نویں صدی کا ایک قلعہ آج تک موجود ہے۔ چودھویں صدی میں بوہیمیا کے شہنشاہ کا پایۂ تخت بنا اور اس زمانہ میں یہ یورپ کا ایک نہایت شاندار شہر بن گیا۔ چودھویں سے سترہویں صدی تک پراگ اور ویانا دونوں شہنشاہ کے مرکز رہے۔ اس دور میں یہاں سائنس اور علم وادب نے زبردست ترقی کی۔ سنہ 1620 سے 1860 تک یہ سلطنت آسٹریا کا حصہ رہا۔ اس دور میں صرف جرمن زبان سکھائی جاتی تھی۔ سنہ 1918 میں یہ آزاد چیکوسلواک جمہوریہ کا صدر مقام بنا۔ سنہ 1939 سے سنہ 1945 تک یہ جرمن قبضہ میں رہا۔ جنگ کے بعد سوویت یونین کی فوجوں کی مدد سے اسے آزادی ملی اور یہ آزاد سوشلسٹ عوامی جمہوریہ کا صدر مقام بنا۔

پران ہٹیا: مدھیہ پردیش میں یہ ندی ست پڑہ پہاڑوں سے نکلتی ہے اور وین گنگا، چین گنگا اور روار دھاندیوں کے ملاپ سے بنتی ہے۔ یہ گوداوری ندی کی جنوبی معاون ہے۔ اس ندی پر ایک پراجکٹ بنایا گیا ہے۔

پرانا: جنوبی امریکہ کے اہم دریاؤں میں سے ہے۔ یہ دو ہزار میل لمبا ہے۔ ریو گرانڈے (Rio Grande) اور پرانائی با (Paranaiba) کے ملنے سے بنتا ہے۔ آخر الذکر دونوں ندیاں برازیل میں میناس جیریس (Minas Gerais) سے نکلتی ہیں اور شمال مغرب اور مغرب میں مقام اتصال تک بہتی ہیں۔ پرانا ندی برازیل میں جنوب کی سمت بہتی ہوئی دریا پیراگوئے سے مل جاتی ہے اور برازیل اور پیراگوئے کے درمیان سرحد بناتی ہے اور پھر شمالی ارجنٹائنا میں سے ہوتی ہوئی یوراگوئے سے مل جاتی ہے۔ تقریباً ایک ہزار میل تک اس میں اسٹیمر چلائے جاتے ہیں۔ اس کے تمام آب گذار کا رقبہ ایک لاکھ مربع میل ہے۔

پرتگال (Portugal): ایک جمہوری مملکت ہے۔ اس کا ایک حصہ جنوب مغربی یوروپ میں اسپین کے مغرب میں جزیرہ نما آئی بیریا میں ہے جس کا رقبہ 92,389 مربع کلو میٹر ہے اور دوسرے دو جزیرے یعنی جزیرہ ایزورس (Azors) رقبہ (2,335 مربع کلو میٹر) اور جزیرہ مدیرہ (رقبہ 796 مربع کلو میٹر) شامل ہیں۔ پرتگال کی مجموعی آبادی 1991 میں 10,582,000 تھی۔ صدر مقام لزبن ہے۔ زبان پرتگالی ہے اور اکثریت کا مذہب رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔

پرتگال کے شمال اور مشرق میں اسپین، اور مغرب اور جنوب میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

بحر اوقیانوس ہے۔ اس میں بہنے والے تقریباً تمام دریا اسپین میں نکلتے ہیں اور بحر اوقیانوس میں جاگرتے ہیں۔ کافی علاقہ پہاڑی ہے۔ وادیوں میں کاشت ہوتی ہے۔ گیہوں، مکئی، کئی اقسام کی سبزیاں اور پھل کثرت سے ہوتے ہیں۔ انگور اور زیتون کی کاشت بھی کافی بڑے رقبہ پر کی جاتی ہے۔ انگور کی بنی پرتگالی شراب ساری دنیا میں مشہور ہے۔

پرتگال یوروپ کے دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں کم ترقی یافتہ ہے۔ معدنیات کے بڑے بڑے ذخیرے ہیں لیکن ابھی ان سے پوری طرح استفادہ نہیں ہوا ہے۔ تانبے اور کوئلے کی کان کنی ہوتی ہے۔ برق آبی کے بے حساب ذخائر میں سے چند کا استعمال شروع ہوا ہے۔

سوتی کپڑے، مشینیں، غذائی اشیا، شراب، کارک وغیرہ کی برآمد ہوتی ہے۔ زیادہ تر تجارت مغربی یوروپ کے ملکوں سے ہوتی ہے۔ سیاحی ایک بڑی صنعت ہے۔ ہر سال تقریباً دو لاکھ سیاح آتے ہیں۔ رائج سکہ اسکوڈو (Escudo) ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 998,529 طالب علم، ثانوی مدرسوں میں 670,035 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 185,762 طالب علم تھے۔

تاریخ: زمانہ قدیم میں پرتگال چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹا ہوا تھا پھر ایک قبیلہ لوسی ٹینین پورے علاقہ پر پھیل گیا۔ دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح میں رومن حکمرانوں نے اس پر حملہ کیا لیکن اسے ہتھیانے میں ناکام رہے لیکن بعض قبیلوں نے رومن برتری مان لی۔ جولیس سیزر اور آگسٹس کے دور میں آخر کار پورا علاقہ رومن قبضہ میں آگیا۔ لوگوں نے رومن طرز زندگی اور رومانس زبان قبول کر لیں، جس نے آخر میں چل کر پرتگالی زبان کی شکل اختیار کر لی۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں جرمنی کے حملہ آوروں نے پورے جزیرہ نما آئی بیریا (اسپین و پرتگال) کو روند ڈالا اور کافی حصہ پر چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی تک قابض رہے۔ ایک حصہ پر بازنطینی سلطنت کا قبضہ رہا۔ 711 تک جزیرہ نما آئی بیریا کا بڑا حصہ مورون (Moors) کے قبضہ میں آگیا۔ جنوب کی کافی بڑی اقلیت مسلمان ہو گئی۔ مورون کی تہذیب اور علمی و سائنسی ترقی نے اس علاقہ کے لوگوں پر گہرا اثر چھوڑا۔ عیسائی امرا موروں کے خلاف جدوجہد میں کافی متحد ہوگئے اور اس کے دوران الفانسو ششم کے جھنڈے تلے 1095 میں متحدہ پرتگال نے جنم لیا۔ اس کے بعد ایک طرف کیتھلائی امرا کے خلاف اور دوسری طرف موروں کے خلاف لڑائیاں چلتی رہیں۔ 1139 میں فتوحات کے بعد الفانسو اول نے اپنے آپ کو پرتگال کا بادشاہ بنا لیا اور اس سال سے پرتگال کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد ملک میں بہت ساری اصلاحات کی گئیں۔ شہریوں کو میونسپل حقوق دیے گئے۔ زرعی غلامی ختم کرنے کی طرف اقدامات کئے گئے۔ کاشت کرنے والوں کو زمین کا مالک بنایا گیا۔ الفانسو کے لڑکے ڈینسز نے اور اصلاحات کیں۔ عدالتیں قائم کیں۔ ایک یونیورسٹی قائم ہوئی۔ یہاں سے پرتگال کے عروج کا زمانہ شروع ہوا۔ بحری بیڑہ تیار ہوا۔ افریقہ، ایشیا اور مغرب میں امریکہ کی دریافت سے تجارت اور سلطنت قائم کرنے کی نئی راہیں نکلیں۔

سولھویں صدی میں واسکوڈی گاما نے ہندوستان کا راستہ دریافت کیا۔ برازیل کا پتہ چلا اور ان تمام ممالک سے دولت اور افریقہ سے غلام پرتگال آنے لگے اور اس کی خوش حالی اور عظمت بڑھانے لگے۔ ہر شخص دولت کمانے اور دوسرے ملکوں کو لوٹنے میں لگ گیا۔ اپنے ملک کی صنعت و زراعت سے لوگ لاپرواہ ہو گئے۔

دوسری طرف مشینوں کی ایجاد اور صنعتی انقلاب نے ہسپانیہ، فرانس، ہالینڈ وغیرہ سب کا نقشہ بدل دیا۔ تجارت اور بیرونی علاقوں کی دوڑ شروع ہو گئی۔ سولھویں صدی میں اسپین کے فلپ دوم نے پرتگال کے تخت پر اپنا دعویٰ پیش کیا اور طاقت کی مدد سے پرتگال کو اسپین کے تحت کر دیا۔ ہسپانیہ کی انگلستان اور ہالینڈ کے ساتھ رقابت اور لڑائیوں نے پرتگال کے بیرونی تجارت کے راستے مسدود کر دیے۔ دوسری طرف اس سے فائدہ اٹھا کر ہالینڈ نے پرتگال کی بیرونی نو آبادیات پر حملے شروع کر دیے اور ایشیا اور جنوبی امریکہ کی اکثر نو آبادیات مستقل طور پر اسکے ہاتھ سے نکل گئیں گو کہ برازیل اسے پھر واپس مل گیا۔ اس کے بعد کا زمانہ اسپین اور یوروپ کے دوسرے ملکوں کے ساتھ جھڑپوں اور طویل لڑائیوں میں گزرا اور ملک سخت مالی و سیاسی مشکلات کا شکار ہوا۔

1809 میں نپولین کی فوجیں پرتگال میں داخل ہو گئیں۔ اس کے زوال اور گرفتاری کے بعد میں پرتگال کو پھر آزادی ملی۔ اس دوران پرتگال کا بادشاہ برازیل فرار ہو گیا تھا۔ آزادی کے بعد جان چہارم 1820 میں تخت پر واپس آیا، لیکن اسے کئی عوام پسند (لبرل) اصلاحات ماننی پڑیں۔ اس کے ساتھ برازیل نے بھی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ لیکن افریقہ کی دو بڑی نو آبادیوں، انگولا اور موزمبیق پر اور ہندوستان میں گوا، دمن اور دیو پر وہ اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

پرتگال جیسے چھوٹے اور غریب ملک کے لیے اتنی بڑی اتھل پتھل برداشت سے باہر تھی۔ وہ سخت معاشی مشکلات میں مبتلا ہو گیا اور ملک میں بے چینی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بڑھتی گئی۔ وہاں ڈکٹیٹرشپ قائم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ ناکام ہوئی 1910 کے انقلاب میں بادشاہت کا تختہ الٹ دیا گیا اور پرتگال میں جمہوریت قائم کردی گئی۔ نئی حکومت نے طاقت ور اور مالدار کلیسا کے خلاف چند اقدامات کئے اور اس سے اندرونی کشمکش بڑھ گئی۔ 1926 میں جنرل کارمونا نے فوجی بغاوت کرکے ڈکٹیٹرشپ قائم کردی اس کے بعد سالازار برسر اقتدار آیا اور اس نے ہر بے چینی کو سختی سے کچلنا شروع کیا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد افریقہ اور ساری دنیا کے محکوم ملکوں میں آزادی کی لہر آئی تو سالازار نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا اور سختی سے ان تحریکوں کو کچلنے کی کوشش کی۔ نتیجہ کے طور پر گوا، گنی بساؤ، موزمبیق، انگولا اور دوسری نوآبادیات میں آزادی کی کشمکش بڑھتی گئی۔ بالآخر ہندوستانی فوجوں نے گوا، دمن اور دیو کو آزاد کروالیا۔ سالازار کے انتقال کے بعد پرتگال میں بغاوت ہوگئی جس میں فوج نے بھی حصہ لیا۔ ایک جمہوری حکومت قائم ہوگئی اور اس نے دوسرے مقبوضات یعنی، انگولا، موزمبیق اور گنی بساؤ وغیرہ کی آزادی 1975 میں تسلیم کرلی۔

1974 میں ملک میں افریقہ کی مسلسل جنگ اور باشندوں کو فوج کی لازی 4 سالہ خدمت نیز بڑھتی ہوئی مہنگائی نے بے چینی پھیلادی۔ آخر 25/اپریل کو بغاوت کے نتیجہ میں فوجی حکومت قائم ہوگئی۔ پھر بھی دائیں اور بائیں بازو والے گروہوں میں نااتفاقی بڑھی۔

1976 میں ایک اور آئین مرتب کیا گیا۔ 1977 سے 1980 تک بہت سی لبرل حکومتوں نے ملک میں سیاسی اور معاشی استحکام قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ 1980 سے 1982 تک ایک مرکز رخ دائیں بازو کی الحاق والی حکومت بنی۔ اس نے آئین میں ترمیمات کیں جن کی رو سے صدر کے حقوق کم کئے گئے اور ملکی انتظامی امور میں فوج کی دخل اندازی بھی کم کی گئی۔

1983 سے 1985 تک ایک الحاقی حکومت رہی جس نے سالازار کے دور کی بے روزگاری، غربت اور انتشار کو ختم کرنے کی کوششیں کیں۔

1989 میں آئین پر نظر ثانی مکمل ہوئی۔ سیاسی استحکام کی وجہ سے معاشیاتی صورت حال بہتر ہونے لگی۔ 1990 میں پرتگال یوروپ کا سب سے غریب ملک نہیں رہا بلکہ 1992 میں اس کی توقیر بہت بڑھ گئی۔ تیس سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں پرتگال مغربی یوروپ میں ایک کامیابی حاصل کرنے کا نمونہ بن گیا ہے۔

پرمین دور (Permian): 280 تا 235 ملین سال پہلے کا وقفہ جس پر قدیم حیاتی عہد (Paleozoic Era) ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں بگاڑ (Defor-mation) کی وجہ سے اپے لیشین (Appalachian)، اواکیٹا (Ovachita)، فرینکلن (Franklin)، ہرسی نین (Hercynian)، یورالین (Uralian)، انگارا (Angara)، وسط ایشیائی اور مغربی افریقی ارضی ہم میلانوں یا کاسوں (Geosynclines) میں رسوبیت رک گئی تھی۔ اور پہلے سے موجود رسوب سربلند (Uplift) ہوکر پہاڑوں کی شکل اختیار کرگئے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ براعظمی ارضی پلیٹوں (Plates) کے ٹکراؤ (دیکھئے براعظمی سرکاؤ) کی وجہ سے ہوا ہو۔ اور اس ٹکراؤ کے بعد ہی براعظم مل کر بالا براعظم پینگیا یا پنجیا (Pangaea) کی شکل اختیار کرگئے ہوں یا اسی طرح شمالی لاریشیا اور جنوبی گونڈوانا لینڈ کے دو عظیم براعظم (Supercontinents) بنے ہوں۔

اس دور میں کئی جانداروں کی معدومیت عمل میں آئی جو اب صرف رکازی حالت میں ملتے ہیں، ایسا ہر عہد کے اختتام پر ہوتا آیا ہے۔ معدوم ہونے والے جانوروں میں اہم ٹرائیلوبائٹ، اسفنج کی کئی قسمیں اور ریوگوز (Rugose)، مونگا (Coral) وغیرہ شامل ہیں۔ رینگنے والے جانور نہ صرف موجود رہے بلکہ کافی اہمیت اختیار کرگئے۔ پودوں میں بھی ترقی یافتہ کھل بیج (Gymnospers) اہم رہے۔ آب و ہوا ابتدا میں گرم تھی مگر بعد میں سرد ہوگئی اور آخر تک سرد رہی۔ گونڈوانا لینڈ کے کچھ علاقوں میں تو یہ سرد آب و ہوا کاربونی فیرس عہد کے آخر سے ہی جاری تھی۔ پرمین دور میں بھی گلیشیائیت کے آثار ملتے ہیں۔

پریاگ: اترپردیش کے شہر الہ آباد کا پرانا نام پریاگ تھا۔ آریہ لوگوں کا یہ مقدس مقام ہے۔ مسلمانوں اور مغلوں کے دور حکومت میں یہ شہر اہمیت کا حامل ہوگیا۔ جواہر لال نہرو کی آبائی قیام گاہ آنند بھون یہیں واقع ہے۔ آل انڈیا کانگریس کا آفس جو پہلے یہاں تھا اب دہلی میں ہے۔

پریوبرازہنسکی: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

پریریز کا خطہ: منطقہ معتدلہ کا براعظمی خطہ جو گھاس کا علاقہ ہے، وسطی گیاہستانی یا تورانی خطہ بھی کہلاتا ہے۔ شمالی امریکہ میں یہ پریریز کا خطہ کہلاتا ہے۔ یہ خطہ خشکی کے وسیع علاقوں کے اندرونی حصوں میں، سرد اور معتدل بحری خطے اور سینٹ لارنس کے خطہ کے درمیان پھیلا ہوا ہے اور سمندر کے اعتدالی اثر سے محروم رہتا ہے۔ یہاں درجہ حرارت شدید رہتا ہے۔ اور سالانہ تفاوت حرارت بھی زیادہ رہتا ہے۔ بارش کم ہوتی ہے۔ اس میں شمالی امریکہ کے پریریز، یوریشیا کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

اسٹیپ کے علاقے، جنوبی امریکہ کے پمپاز، جنوبی افریقہ کے حدب کے ویلڈ اور آسٹریلیا کے مرے ڈارلنگ کے طاس شامل ہیں۔ بارش بالعموم "10 سے "30 تک ہوتی ہے۔ یہاں گھاس زیادہ اگتی ہے۔ درخت بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ جانور درندے یا پرندے ہوتے ہیں۔ باشندے مویشی چراتے ہیں اور ان سے دودھ، مکھن، پنیر اور چمڑا حاصل کرتے ہیں یا شکار میں مصروف رہتے ہیں۔ زرخیز علاقوں میں اناج خوب اگایا جاتا ہے۔ گیہوں کی کاشت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مکئی اور جو کی فصلیں بھی اہمیت رکھتی ہیں۔

پس ماندہ پہاڑی: موسم زدگی کے نتیجہ میں اور ہوا، پانی یا گلیشیر کے تخریبی عمل کے بعد بچی ہوئی سخت چٹانی ٹیکری کو پس ماندہ پہاڑی یا باقی ماندہ (ریزیڈوئل) پہاڑی کہتے ہیں۔

پشاور: پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں یہ شہر اسی نام کے ضلع اور ڈویژن کا صدر مقام ہے۔ مقامی لوگ اسے پشور کہتے ہیں۔ "بارا" ندی کے کنارے درہ خیبر سے 10 میل پر واقع ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کا اہم مرکز ہے اور صنعتی اور تجارتی میدان میں کافی آگے بڑھ گیا ہے۔ افغانستان سے تجارت کا بھی یہ سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہ اپنی دست کاری کے لیے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہاں سگریٹ، ہتھیار، فرنیچر، اون، ریشمی اور سوتی کپڑے بنانے کے کارخانے واقع ہیں۔

پشاور کا نام قدیم زمانہ میں پرشاپورا تھا اور یہ مشہور یونانی، بودھی ریاست گندھارا کا صدر مقام تھا۔ افغانستان میں اس عہد کے آثار خاص طور پر غار اب بھی موجود ہیں۔ یہ کُشان حکمرانوں اور کنشک کی سلطنتوں کا بھی حصہ رہا۔ شہنشاہ اکبر نے اس کا نام پشاور رکھا۔ صدیوں تک یہ شمال سے آنے والے منگول اور افغان حملہ آوروں کا نشانہ بنا رہا کیونکہ یہ ان کے راستہ میں واقع تھا۔ یہ رنجیت سنگھ کی پنجاب کی سلطنت کا بھی حصہ رہا۔ سنہ 1848 میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کیا اور بعد میں یہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کا مستقر بنا دیا گیا۔ یہاں ایک عجائب گھر ہے جس میں قدیم ادوار کے آثار موجود ہیں۔ دوسری صدی کا ایک بودھی استوپا بھی ہے۔ یہاں جدید تعلیم کی ایک یونیورسٹی اور کئی کالج ہیں۔ 1972 میں اس کی آبادی 283,000 تھی۔

پشتی ساحل: یہ براعظمی کنارہ پر سطح سمندر سے ابھری ہوئی باڑھ ہے جو بالعموم ساحل کے متوازی پھیلی رہتی ہے۔

پشتی ارضی ہم میلان (Back Geosyncline): ایسے مرکب متحرک علاقے (Mobile belts) کا ارضی ہم میلان جو کسی براعظم سے بے حد فاصلے پر واقع ہو۔

پشتے: یہ بحری علاقوں میں پھیلی ہوئی منڈیر نما بلندیاں ہیں۔ سست اور ہموار منڈیر کو پشتی فرش کہا جاتا ہے۔ یہ زیادہ طویل و عریض ہو تو پشتی جزیرہ کہلاتی ہے۔ اس طرح کی باڑھیں اور جزیرے بحر اوقیانوس جنوبی اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے خلیجی ساحلوں پر زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔ بعض اوقات کسی وادی میں بلندیوں سے گری ہوئی چٹانوں کے جمع ہو جانے سے سڑے گلے نباتی مادوں کے تہ نشیں ہو جانے یا سنگ ہائے یخ جالی کے جماؤ سے چوڑے پھیلاؤ کی باڑھ نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس کی آڑ میں پانی کے جمع ہو جانے سے کبھی پشتی جھیل بھی بن جاتی ہے۔

پکرائٹ (Picrite): ایک ماورا اساسی حجر کی قسم جس میں 90 فی صد یا اس سے بھی زیادہ میفک (Maffic) جمادات ہوں اور 10 فی صد یا اس سے کم فیلسپار (Felspar) ہوں۔

پگمیٹائٹ (Pegmatite): بے حد موٹے دانے دار آتشی حجر جس کے دانے 3 سم سے بھی بڑے ہوں، کبھی کبھی اس میں کئی میٹر تک لمبی قلمیں ہوتی ہیں۔ عام طور پر اس کی ترکیب گرینائٹ (Granite) کی ہوتی ہے۔ اگر کسی اور جمادی ترکیب کا حجر ایسے ہی موٹے دانے دار ہو تو ترکیب کے مطابق اس کا نام دیا جاتا ہے جیسے گبرو پگمیٹائٹ یا سائنائٹ پگمیٹائٹ وغیرہ۔ پگمیٹائٹ کی اہمیت اس لیے بھی جاتی ہے کہ اس میں گرینائٹ کے جمادات کے علاوہ کئی نایاب اور معاشی طور پر اہم جمادات بھی پائے جاتے ہیں جیسے لیتھیم (Lithium)، بیریلیم (Beryllium)، فلورین اور نایاب ارضی عناصر (Rare Earth Element)، کیسی ٹرائٹ (Cassitrite)، فلورائٹ (Fluorite)، اپاٹائٹ (Apatite)، بیرل (Beryl) کئی طرح کی ابرکیس بایوٹائٹ (Biotite)، مسکووائٹ (Muscovite)، فلوگوپائٹ (Phlogopite)، وولفریمائٹ (Wolframite) اور تابکار (Radioactive) جمادات وغیرہ۔

پل آدم (آڈمس برج): ہندوستان اور سری لنکا کا درمیانی حصہ آڈمس برج کہلاتا ہے۔ یہ علاقہ بمشکل سطح سمندر سے 4 میٹر اونچا ہے۔

پلانی: ریاست راجستھان کا یہ شہر ضلع چورو میں واقع ہے۔ راج گڑھ تحصیل کی اراولی پہاڑیوں کا پھیلاؤ پلانی پر بھی ہے۔ یہاں کے بنجر علاقہ میں ببول، سیتی گال،

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پروپس اپسی سیاسکا اور چولی طور اگتے ہیں۔ اس کا بیشتر علاقہ ریگستانی اور سرخ مٹی والا ہے۔ اس علاقہ میں جپسم کافی مقدار میں نکالا جاتا ہے۔ جوار باجرا، چنا اور دالیں اگائی جاتی ہیں۔ اونٹ بار برداری کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ پلانی میں اونٹوں کی افزائش نسل عام طور پر کی جاتی ہے۔ شکاوتی علاقہ کے سبب کاشت کے لیے باولیوں کا پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں کی آبادی 11,565 ہے۔ بجلی بھاکرا سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے سبب صنعتی کام روز بروز ترقی پذیر ہیں اور جدید طریقۂ صنعت کو ترقی دی جارہی ہے۔

پلائنی: یہ ایک قدیم رومی مفکر تھا۔ جس نے اپنی مرتب کی ہوئی "ہسٹوریا نیچر الیس" کی چار جلدیں جغرافیائی معلومات کے لیے مختص کی ہیں، لیکن درج شدہ معلومات میں کہیں بھی تحقیقاتی پہلو نظر نہیں آتا۔ تمام جلدیں یونانی مصنفین کے اوراق کی کاربن کاپیاں ہیں یا مقامات کی فہرستوں کا مجموعہ۔ پلائنی یقیناً یہ جانتا تھا کہ جغرافیہ صرف مقامات کی لمبی فہرستوں کی ترتیب سے مکمل نہیں ہوتا، مگر وہ اپنے ماحول کے محدود غور و فکر کے تصورات سے اس قدر متاثر تھا کہ ایک بھی جغرافیائی نظریہ خود اپنے دماغ سے پیش نہ کر سکا۔

پلائی ووڈ: پلائی ووڈ کا استعمال ایک عرصہ سے جاری ہے لیکن استعمال میں آہستہ آہستہ ترقی دوسری جنگ عظیم کے بعد ہوئی ہے۔ 1951 اور 1961 کے دوران پلائی ووڈ کا سالانہ صرفہ ڈھائی گنا بڑھ کر 16.84 ملین مکعب میٹر ہو چکا تھا اور 1970 میں یہ 31 ملین مکعب میٹر تک پہنچ چکا تھا۔ فائبر بورڈ کے استعمال کی بھی ایک طویل تاریخ ہے لیکن عالمی صرفہ دوسری جنگ عظیم کے ایک سال قبل تک صرف 840,000 ٹن تھا اور مابعد جنگ عرصہ میں یہ 1.3 ملین میٹرک ٹن ہو گیا تھا۔ 1951 تا 1961 کے عرصہ میں بورڈ کا استعمال دوگنا ہو کر سالانہ 4.54 میٹرک ٹن تھا اور اسی طرح 1970 تک اس کا صرفہ 7.5 ملین ٹن تک بڑھ چکا تھا۔

پلوٹونی (Plutonic): زیادہ گہرائی پر ٹھوس بننے اور قلمانے والے آتشی حجرات کو پلوٹونی حجرات کہتے ہیں۔ زیادہ گہرائی میں آہستگی سے سرد ہونے اور ٹھوس بننے کی وجہ سے قلموں کو نشوونما کے لیے کافی وقت ملتا ہے۔ اس لیے یہ حجرات بے حد موٹے قلمی دانے دار ہوتے ہیں (دیکھیے گرینائٹ، گبرو، سائنائٹ، پیری ڈوٹائٹ، ڈایورائٹ وغیرہ)۔

پلی کٹ جھیل: ہندوستان کے مشرقی ساحل پر پلی کٹ کھاری پانی کی ایک عظیم جھیل ہے جو آندھرا پردیش اور تامل ناڈو کی ریاستوں کو جدا کرتی ہے۔

پلے فیئر، جان (John Play Fair): اسکاٹ لینڈ میں 1748 میں پیدا ہوا اور 1819 میں 71 سال کی عمر میں وفات پائی۔ وہ حساب کا پروفیسر تھا مگر اس کے باوجود اس نے ہٹن (Hutton) کے نظریہ زمین (Theory of the Earth) کو واضح طور پر سمجھانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے یہ بھی وضاحت کی کہ وادیاں عام طور پر دریاؤں کی کاٹ (Erosion) کے باعث تشکیل پاتی ہیں۔

پلیٹو (افلاطون): اس یونانی مفکر نے فیثاغورث کے کروی زمین کے تصور کو تسلیم کیا مگر سورج کے اطراف اس کی مداری گردش کو نہ مانا۔ کرہ ارض کا کائنات میں مرکزی مقام اور چاند، سورج اور پانچ سیاروں کو اس کے گرد مستقل گردش کرتا ہوا بتایا۔ ہرقلیس کے ستونوں (آبنائے جبرالٹر) کے مغرب میں اس نے ایک وسیع غرق آب خشکی کے علاقہ کی موجودگی کا ذکر کیا مگر اس کے اس خیال کو کوئی خاص اہمیت نہ دی گئی۔

پن ہرنی: یہ ہمالیہ کی ایک پہاڑی چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 23,180 فیٹ بلند ہے۔

پناما (Panama): وسطی امریکہ کی ایک جمہوریہ ہے جو تقریباً پوری خاکنائے پناما پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ خاکنائے وسطی امریکہ اور جنوبی امریکہ کو ملاتا ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ کیریبین (Caribbean)، مشرق میں کولمبیا، جنوب میں بحر الکاہل اور مغرب میں جمہوریہ کوسٹاریکا ہے۔ سب سے پتلا علاقہ صرف 60 کلو میٹر (37 میل) چوڑا ہے اور سب سے چوڑا علاقہ 190 کلو میٹر (118 میل) چوڑا ہے۔ شمال سے جنوب تک لمبائی 670 کلو میٹر (420 میل) ہے۔

پناما کا کل رقبہ 77,087 مربع کلو میٹر (29,760 مربع میل) ہے۔ اور 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 2,466,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام پناما سٹی ہے۔ سرکاری زبان ہسپانوی ہے۔ تقریباً 90 فیصدی آبادی رومن کیتھولک عیسائی مذہب کی پیرو ہے۔

پناما کا زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے اور کافی بڑے حصہ پر گھنے جنگل ہیں۔ آب و ہوا عام طور پر معتدل ہے۔ بارش کافی ہوتی ہے۔ زمین زرخیز ہے۔ کل زمین کے 50 فیصدی حصہ پر ہی لوگ رہتے ہیں۔ کاشت کے قابل زمین بہت کم ہے۔ چاول اور گنے کے علاوہ پھلوں کی کاشت ہوتی ہے۔

درآمد زیادہ تر امریکہ، جاپان، سعودی عرب، آسٹریلیا اور جرمنی سے ہوتی ہے۔ برآمدات بھی ان ہی ملکوں کو جاتی ہیں۔ برآمد کا 22 فی صدی چاول، 15

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

فیصدی روئی اور 22 فیصدی سوتی کپڑا اور سوتی دھاگے ہیں۔

رائج سکہ بلبوا (Balbva) ہے۔

تاریخ: وہ علاقہ جو اب جمہوریہ پناما میں شامل ہے 1821 تک اسپین کی نوآبادی (کالونی) کا ایک حصہ تھا۔ اس سال اس نے آزادی کا اعلان کر دیا اور کولمبیا کی جمہوریہ کے ساتھ مل گیا۔ 1841 میں پناما نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور آزاد جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس کے بعد وہ پھر دوسری ریاستوں کے ساتھ وفاق میں شریک ہو گیا۔ کولمبیا کی وفاقی حکومت نے 1876 میں فرانس کی ایک کمپنی کو خاکنائے پناما سے گزرنے والی ایک نہر بنانے کا ٹھیکہ دیا۔ لیکن وہ اس کام کو مکمل نہ کر سکی۔ بیسویں صدی کے شروع میں امریکہ کی با اثر سیاسی اور مالدار شخصیتوں نے اس میں دلچسپی لینی شروع کی اور امریکی بحری بیڑے کے عملی تعاون سے پناما میں بغاوت ہوئی اور ایک نام نہاد آزاد جمہوریہ 3 نومبر 1903 کو قائم کی گئی۔ دس دن کے اندر امریکہ نے اسے تسلیم کر لیا اور اس کے دو ہفتہ کے اندر نہر بنانے کا ٹھیکہ امریکہ کو دے دیا گیا۔

پہلی عالم گیر جنگ کے زمانے میں پناما نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ 1912 اور 1917 کے صدارتی انتخابات میں امریکی فوجیں پناما میں متعین رہیں تاکہ اس کے حامی منتخب ہو سکیں۔ اس مداخلت کے خلاف ملک کے اندر زبردست بے چینی پیدا ہو گئی۔

1934 میں امریکی حکومت اور پناما کی حکومت کے درمیان نہر کے کرایہ کی ادائگی اور سیاسی مداخلت کے خلاف کافی کشمکش شروع ہوئی۔ ایک معاہدہ کے ذریعہ امریکہ نے پناما کی آزادی کے احترام اور مداخلت نہ کرنے کی گارنٹی دی۔ اس کے تحت امریکہ کو نہر کی مدافعت اور حفاظت اور اس کے لیے امریکی فوجوں کی مداخلت کا حق دیا گیا لیکن 1947 میں پناما کی پارلیامنٹ نے یہ حق واپس لے لیا۔ اس کے بعد پناما اور امریکہ کے درمیان پناما نہر پر پناما والوں کے مکمل کنٹرول پر اختلافات بڑھتے رہے اور پناما میں امریکیوں کے خلاف مہم تیز ہوتی رہی۔ 1955 میں پناما کو کچھ اقتدار دینے پر امریکہ راضی ہو گیا اور ایک نیا سمجھوتا مرتب کیا گیا۔

1958 اور 1960 میں پناما کے لوگوں کو زیادہ خوش کرنے کی کوشش کی گئی۔ مزدوریاں بڑھادی گئیں اور ملک کے برائے نام صدر کو زیادہ اختیارات دیے گئے۔

1967 میں پناما نہر کے علاقہ کے سلسلہ میں نیا معاہدہ کیا گیا۔ 1974 میں بالآخر امریکہ اور پناما کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رو سے امریکہ نہر اور نہر کے علاقہ سے اپنے حقوق ختم کرنے پر تیار ہوا۔ 1977 میں پھر امریکہ کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا جس کے مطابق بتدریج 2000 تک امریکہ نہر کا پورا کنٹرول پناما کی حکومت کو سپرد کر دے گا۔

پناما سٹی (Panama City): 1۔ یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست فلوریڈا (Florida) کی بے (Bay) کاؤنٹی کا انتظامی مرکز ہے۔ خلیج سینٹ اینڈریو (St. Andrew) پر واقع ہے۔ اہم بندرگاہ اور صنعتی مرکز ہے۔ جہاز سازی میں غیر معمولی ترقی ہوئی ہے۔ سنہ 1970 میں آبادی 32,096 تھی۔

یہ ریاست پناما کا سب سے بڑا شہر اور اس کا صدر مقام ہے اور خلیج پناما کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی 261,000 ہے۔ اس کے مغرب میں پناما کنال (نہر) کا منطقہ ہے۔ اس کی بنیاد 1519 میں رکھی گئی تھی۔ پہلے یہ سلطنت اسپین کا ایک مقبوضہ تھا اور وہ اس بندرگاہ کو اس علاقہ کی دولت اور سونا سمیٹ کر لے جانے میں استعمال کرتے تھے۔ جب یہاں کے سونے کے ذخائر ختم ہو گئے تو یہ شہر انحطاط پذیر ہو گیا۔ مگر بعد میں کیلی فورنیا میں سونے کی دریافت اور نہر پناما بن جانے کے بعد یہاں مرفۃ الحالی بڑھی۔ یہاں کے حفظان صحت کے بہترین انتظام اور عالی شان عمارتوں کی وجہ سے یہ گرمائی تفریح گاہ بن گیا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد یہ اس ریاست کا ایک بڑا سیاسی، سماجی اور ثقافتی مرکز بن گیا۔ 1935 میں یہاں یونیورسٹی قائم کی گئی۔ سمندری ساحل پر واقع ہونے کے باوجود اب یہ بندرگاہ کام نہیں دیتا ہے۔ بالبوآ کے ذریعے اس ریاست کی تجارت ہوتی ہے۔

پنامانہر کا علاقہ (سابق پناما کنال زون) (Panama Canal Zone): 1903 میں امریکہ نے کولمبیا اور پھر پناما پر ایک معاہدہ مسلط کیا تھا جس کے تحت نہر پناما کے کچھ علاقہ پر امریکہ کا تسلط قائم ہو گیا۔ یہ علاقہ پناما نہر کے دونوں طرف 8.1 کلو میٹر نیز 8.1 کلو میٹر (پانچ میل نیز پانچ میل) تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کل رقبہ 1,432 مربع کلو میٹر (553 مربع میل) ہے۔ آبادی تقریباً 41 ہزار ہے۔

اس علاقہ کی آزادی کے لیے ایک عرصہ سے پناما کی ریاست میں زبردست مہم چلتی رہی ہے اور آخر کار اکتوبر 1979 میں امریکہ سے سمجھوتہ کے مطابق اب یہ زون بالکل خالی کر دیا گیا ہے اور نہر کا یہ علاقہ امریکہ اور پناما دونوں کا مشترکہ اقتدار اور انتظام والا علاقہ ہوگا اور 2000 میں پورا علاقہ پناما کو لوٹا دیا جائے گا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پنجاب: پنجاب (ہندوستان) کے مغرب میں پاکستان، شمال میں جموں و کشمیر، شمال مشرق میں ہماچل پردیش اور جنوب میں ہریانہ اور راجستھان کی ریاستیں واقع ہیں۔ اس ریاست کا رقبہ 50,362 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 20,281,969 ہے۔ دریائے بیاس اور ستلج کے زرخیز میدان میں گیہوں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گنا، تمباکو، آلو، کپاس وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ بھاکرہ ننگل ڈیم اور بیاس اہم پراجکٹ ہیں۔

سوتی، اونی اور ریشم کے کپڑے کی صنعت اہم ہے۔ بھارت کا 90% اونی کپڑا یہاں تیار کیا جاتا ہے جس کا بڑا حصہ ملک کے باہر بھیجا جاتا ہے۔

پلاسٹک اور کھیل کا سامان، شکر، کھاد، بائیسکلیں، سائنٹیفک آلات اور بجلی کا سامان بنانے کے کارخانے بھی ہیں۔

یہاں خواندگی کی شرح ہندوستان کی قومی سطح سے بلند ہے۔ معاشی نقطہ نظر سے یہ بھارت کی ایک بہت ترقی یافتہ ریاست ہے۔ یہاں تاریخی اور ثقافتی اہمیت والے کئی مقامات جیسے روپڑ، وادی سندھ کی تہذیب کا مرکز، امرت سر "سٹی آف گولڈن ٹمپل" سکھوں کا متبرک مقام، بھٹنڈا کا قدیم قلعہ اور کپور تھلہ کے فن تعمیر کے نمونے، کافی شہرت رکھتے ہیں۔

پنجاب کا صدر مقام چنڈی گڑھ ہے جو فرانسیسی آرکٹک کے بنائے ہوئے ڈیزائن پر آباد کیا گیا ہے اور نہایت خوبصورت ہے۔ ان کے علاوہ جالندھر اور لدھیانہ بھی یہاں کے اہم شہر ہیں۔

ملک کی آزادی اور تقسیم سے پہلے پنجاب پورے ملک کا ایک اہم اور وسیع صوبہ تھا۔ اس میں پنجابی بولنے والے علاقوں کے علاوہ ہماچل پردیش اور ہریانہ کے علاقے بھی شامل تھے۔ اس صوبہ میں سے پانچ دریا یعنی جہلم، راوی، چناب، بیاس اور ستلج گزرتے تھے اس لیے اسے پنج آب یا پنجاب کا نام دیا گیا۔

آزادی کے وقت اس صوبہ کا ایک حصہ پاکستان میں چلا گیا۔ بقیہ حصہ میں پٹیالہ، کپور تھلہ وغیرہ کی ریاستیں ضم کر کے مشرقی پنجاب کا صوبہ بنایا گیا۔ اس کے بعد ہندی بولنے والے علاقوں کو الگ کر کے دو ریاستیں ہماچل پردیش اور ہریانہ بنائی گئیں اور پنجابی بولنے والے علاقہ کی ریاست کو پنجاب کا نام دیا گیا۔

صدیوں سے جتنے حملہ آور یا تبدیل وطن کرنے والے شمال سے ہندوستان آتے تھے انھیں پنجاب سے گزرنا ہوتا تھا۔ اس لیے یہاں کی آبادی بے شمار قوموں کے ملاپ سے بنی ہے۔ یہ کبھی قدیم وادی سندھ کی تہذیب کا گہوارہ تھا۔ 1500 ق م سے آریا یہاں آکر بسنے لگے۔ سکندر اعظم نے اس پر حملہ کیا۔ یہ موریا سلطنت کا حصہ بنا۔ تیرہویں صدی میں افغان اور ترک حکمراں آنے لگے۔ پھر یہ سولہویں صدی میں مغل سلطنت کا حصہ بنا اور اپنی ترقی کی بلندیوں پر پہنچا۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد اس پر کچھ عرصہ رنجیت سنگھ اور ان کے خاندان کی حکومت رہی۔ سنہ 1849 میں اس پر انگریزوں نے قبضہ کر کے اسے اپنا ایک صوبہ بنا لیا۔

ملک کی تقسیم کے بعد پنجاب کا 58,000 مربع میل علاقہ پاکستان میں چلا گیا۔ اس کا صدر مقام لاہور رہا اور یہ مغربی پنجاب کہلایا۔ مشرقی پنجاب جو ہندوستان میں رہا اس کا رقبہ 9,100 مربع میل تھا۔ بعد میں اس میں شمال کی دیسی پہاڑی ریاستیں اور پٹیالہ وغیرہ کی ریاستیں ملا دی گئیں اور پھر مشرقی پنجاب کے تین حصے کر کے تین صوبے بنا دیے گئے۔

پنجم: گوا کی راجدھانی ہے۔ پنجم اب پاناجی کے نام سے مشہور ہے۔ گوا کے چار خاص شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ ہندوستان کے مغربی ساحل کے اس حصہ پر واقع ہے۔ جو ساحل کوکن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پاناجی گوا کا نہایت ہی خوبصورت شہر ہے۔ اس کے دلفریب قدرتی مناظر، اس کی صاف ستھری سڑکیں، فلک بوس عمارتیں اور اس سے گزرنے والی مانڈوی ندی، جس پر کئی جزائر واقع ہیں، دور دراز مقامات سے سیاحوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ یہ مغربی ہندوستان کا نہ صرف ریلوے کا ایک بڑا مرکز ہے بلکہ ایک مشہور تجارتی اور صنعتی شہر بھی ہے۔

پنچٹ (پنچیٹ): بہار میں دھنباد سے 58 کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے جہاں دامودر ندی پر بہت بڑا بندھ بنایا گیا ہے تاکہ سیلاب کو کنٹرول کیا جا سکے۔ یہ بندھ 6,753 میٹر لمبا اور 40 میٹر اونچا ہے۔ یہاں پر ایک برقابی قوت کا پلانٹ بھی ہے، جس کی برقی قوت کی گنجائش 80,000 کلو واٹ ہے۔

پندرم: یہ مشرقی ہمالیہ کی ایک پہاڑی چوٹی ہے۔

پنڈھرپور: مہاراشٹرا کا ایک اہم مذہبی مقام ہے۔ یہ بھیما ندی کے کنارے پر واقع ہے جس کا مقامی نام چندر بھاگا ہے۔ اس مقام کی مہاراشٹرا کی روحانی اور تمدنی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔ یہاں بھگوان وٹھوبا کا مندر ہے جن کے درشن کے لیے روزانہ ہزاروں بھگت سارے مہاراشٹرا سے آتے ہیں۔

پنک: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پنکھا نما دریائی ذخیرے: دریا جب پہاڑی علاقوں سے اتر کر میدانی علاقوں میں پہنچتے ہیں تو بہاؤ کی رفتار میں کمی کی وجہ سے رسوبات پہاڑوں اور میدانوں کے نقطہ اتصال پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جمع ہو جانے والے رسوبی ذخیروں کی شکل پنکھا نما ہوتی ہے۔ ایسے مختلف ذخیرے جب آپس میں مل جاتے ہیں اور ہزاروں میل یا ہزاروں کلومیٹر پر پھیل جاتے ہیں تو ان میدانی ذخیروں کو بہادا (Bajada)(جو ایک ہسپانوی زبان کا لفظ ہے) کہتے ہیں۔

پنگیا یا پنجیا (Pangaea): یہ ایک ایسا عظیم ترین، مفروضی براعظم ہے جس میں شمالی کرہ ارضی کا عظیم تر براعظم لاوریشیا (Laurasia) اور جنوبی کرہ ارض کا گونڈوانہ لینڈ (Gondwanaland) حصلاً موجود تھے۔ پنگیا کے بارے میں خیال یہ ہے کہ یہ براعظم، براعظموں کے بکھراؤ سے پہلے ان دونوں عظیم تر براعظموں کے ساتھ موجود تھا۔

(ملاحظہ ہو براعظموں کا بکھراؤ یا گریز)۔

پوچم پاڈ پراجکٹ: پوچم پاڈ پراجکٹ دریائے گوداوری پر تعمیر کیا گیا ہے جس کا سنگ بنیاد شری نہرو نے سنہ 1963 میں رکھا تھا۔ اس کا شمار آندھرا پردیش کے بڑے منصوبوں (پراجکٹ) میں ہوتا ہے۔ اس سے تلنگانہ کے اضلاع فیض یاب ہوتے ہیں۔ اس کے مطابق پوچم پاڈ گاؤں میں جو ضلع نظام آباد کے سون پلی کے بالائی دھارے پر واقع ہے دریائے گوداوری پر ایک بندھ کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔ اس کے علاوہ دائیں جانب ایک 108 کلومیٹر لمبی نہر کی تعمیر ہے جس سے نظام آباد اور کریم نگر کے اضلاع میں 3.6 لاکھ ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا ہے۔

پوربندر: یہ شہر گجرات کے ضلع سوراشٹر میں جوناگڑھ کے شمال مغربی جانب 55 میل دور واقع ہے۔ یہ ایک ریاست کا دارالحکومت تھا۔ یہاں مہاتما گاندھی نے اٹھارہ سو انہتر (1869) عیسوی میں جنم لیا تھا۔ یہاں کی گھریلو صنعتی پیداوار مشہور ہیں۔ یہ ایک چھوٹا بندرگاہ بھی ہے۔

پورسلینائٹ (Porcellanite): ایک رسوبی برکانی دانہ (کنکری) یا مجر (Pyroclastic) جو دراصل برکانی خاک (Volcanic Ash) کی رسوبیت کے باعث بنتا ہے۔

پورٹ آف اسپین (Port of Spain): جزائر غرب الہند میں ٹرینیڈاڈ (Trinidad) اور ٹوباگو (Tobago) کا صدر مقام اور خاص بندرگاہ ہے۔ ٹرینیڈاڈ کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اندرون شہر بہت سے خوبصورت چمن پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شہر کا ایک علاقہ جو وڈ فورڈ اسکوائر (Wood ford Square) کہلاتا ہے، صنعت اور تجارت کا مرکز ہے۔ سنہ 1970 میں آبادی 11,032 تھی۔

پورٹ آؤپرنس (Port-au-Prince): ہسپانیولا (Hispaniola) کے مغربی حصے میں ہیٹی (Haiti) کے ویسٹ انڈین جمہوریہ کا صدر مقام، اہم بندرگاہ اور طیران گاہ (ایرپورٹ) ہے۔ تجارت اور سیاحت کا مرکز ہے۔ پارچہ بافی کا اہم مقام ہے، یہاں بنولے (کپاس کا بیج) کا تیل نکالنے، آٹا پیسنے اور شکر تیار کرنے کے کئی کارخانے قائم ہیں۔ سنہ 1971 میں آبادی 419,947 تھی۔

پورٹ سوڈان: جمہوریہ سوڈان کا بندرگاہ ہے۔ یہ ملک کے شمال مشرقی علاقہ میں بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم) کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کا بندرگاہ عصری ہے۔ اس سے ایک ریلوے لائن کپاس کے زرخیز علاقوں کو جاتی ہے۔ روئی اور غلہ یہاں سے برآمد کیا جاتا ہے۔

پورٹ لوئی: یہ ماریشس کی راجدھانی اور بحر ہند پر ایک بندرگاہ ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں 94,638 تھی۔ 1735 میں اس کی بنیاد لا بورڈ نے رکھی تھی۔ یہاں سے شکر برآمد کی جاتی ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ ہندوستانی نژاد ہے۔

پورٹوپلیٹا: جمہوریہ ڈومی نی کن کے شمالی حصہ میں یہ ایک بڑا بندرگاہ ہے۔ اس کے ذریعہ اس کے قرب وجوار کے شہروں کے لیے دوسرے ملکوں سے سامان لایا جاتا اور یہاں سے بھیجا بھی جاتا ہے۔ ریلوے لائنوں اور شاہراہوں کے ذریعے یہ اطراف واکناف کے شہروں سے مربوط ہے۔ یہاں معمولی قسم کی صنعتیں قائم ہیں۔

پورنا: پورنا گوداوری کی ایک مغربی معاون ندی ہے جو ضلع اورنگ آباد میں دیول گڑھ کی پہاڑیوں سے نکلتی ہے۔ دورنا ندی سے مل کر پربھنی میں گوداوری سے جا ملتی ہے۔ اس کی لمبائی 294 کلومیٹر ہے۔ پورنا پر سدھیشور ڈیم کی تعمیر کی وجہ سے مہاراشٹر ااستفادہ کرسکا ہے۔

پورنیا: پورنیا ضلع میں اسی نام کا ایک شہر ریاست بہار میں واقع ہے۔ جو بھاگلپور سے شمال مشرق میں دریائے گنگا کی ایک معاون ندی پر واقع ہے۔ یہ پٹ سن مکئی، تمباکو، گیہوں اور ٹیشکر کے لیے مشہور ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پورولیا: ایک مثلثی شکل کا یہ ضلع ریاست بہار سے مغربی بنگال کو لسانی بنیادوں پر دیا گیا ہے۔ یہاں "لاکھ" کے کیڑوں کی افزائش کی جاتی ہے اور چاول، دالیں اور تیل والے بیجوں کی پیداوار کی جاتی ہے۔

پوری (پری): اڑیسہ میں خلیج بنگال کے ساحل پر واقع ہے جو چینائی اور کلکتہ کے درمیان ایک قومی شاہراہ کا کام انجام دیتا ہے۔ بھوبنیشور اس سے 50 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ پوری کا جگناتھ جی کا مندر سارے ہندوستان میں مشہور ہے۔ اس مندر کی تعمیر کا آغاز گیارہویں صدی میں ہوا اور بارہویں صدی عیسوی میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے بالکل قریب سمندر واقع ہے۔

پوری میں عبادت کو دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ آدی شنکر نے یہاں علم وید کے فلسفہ کی ایک درس گاہ قائم کی تھی جہاں سالانہ جاترا کے موقع پر ہزاروں لوگ رتھ کو کھینچتے ہیں۔

پولے: یوگوسلاویہ کا یہ ایک بڑا بندرگاہ ہے جو بحر ایڈریاٹک کے ساحل پر واقع ہے۔ یہ صنعتی مرکز بھی ہے۔ یہاں جہاز بنائے جاتے ہیں اور مختلف نوعیت کی صنعتیں قائم ہیں۔

پولینڈ۔ زبان و ادب: پولش زبان ایک سلافی زبان ہے اور زبانوں کے ہند۔ یوروپی خاندان سے اس کا تعلق ہے۔ پولینڈ کا شروع کا ادب لاطینی میں تھا۔ کوپر نکس (ماہر فلکیات)، مورخ مارٹن گیلس (بارھویں صدی) وغیرہ پول قوم کے فرد تھے۔ پولینڈ میں پہلی کتاب روکلا میں 1475 میں چھپی تھی۔ سولھویں صدی پولینڈ کے ادب کا عہد شباب تھی۔ مذہبی روشن خیالی اور انسانیت دوستی اس دور کا طرہ امتیاز تھی۔ لوگوں کا ذوق کافی شائستہ اور ستھرا ہو چکا تھا۔ پول ادب کا سب سے بڑا ادیب اور میر کارواں نکولاج ریج اس زمانہ کا ہے۔ جان کو چالو سکی اسکارگا وغیرہ نے اسی دور میں روشن خیالی کی شمع جلائی تھی۔

سترھویں صدی میں پولینڈ میں سیاسی جمود رہا لیکن اٹھارویں صدی میں انقلاب فرانس کے زیر اثر ادب نے نئی کروٹ لی اور ناول، کہانیاں، ڈرامے اور نظمیں لکھی گئیں۔ قوم پرستی اور آزادی کے موضوعات نے ادب میں مرکزی حیثیت اختیار کر لی۔ مکہ وے وز سلوواکی اور کریزنسکی اس دور کے مشہور ادیب گزرے ہیں۔

انیسویں صدی تک پولینڈ کے بہت سے ادیب ہجرت کر کے یوروپ اور فرانس چلے گئے تھے اور اس زبان کے ادیب و شاعر اپنے ملک کے مقابلہ میں باہر زیادہ موجود تھے۔ انیسویں صدی تک نو رومانی تحریک اپنے شباب پر پہنچی۔ یہ جرمن اور فرانسیسی شاعری سے کافی متاثر تھی۔

1919 میں کئی مرتبہ تقسیم کے بعد پولینڈ آزاد ہوا اور ادب میں ایک نئی زندگی آئی اور اس دور میں کئی نامور شاعر ڈرامہ نگار اور ادیب پیدا ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد کیمونسٹ پارٹی کی سرکردگی میں حکومت قائم ہوئی اور سوشلسٹ حقیقت پسندی کو عروج حاصل ہوا اور گیلکی زنسکی جیسے شاعروں اور لیون کرزکوسکی جیسے ڈرامہ نگاروں نے کافی نام پیدا کیا۔ نئے ادیبوں نے بھی پولینڈ کی انفرادیت پسندی کو باقی رکھا۔

پونے (پونہ): مہاراشٹرا کا ایک شہر ہے۔ ممبئی سے 75 میل دور واقع ہے۔ یہ تاریخی مقام ہے۔ فوجی اڈہ کے علاوہ تجارتی مقام بھی ہے۔ حکمرانوں کی شیوا حکومت کی راجدھانی تھا۔ یہاں کئی منادر ہیں۔ اس کو مہاراشٹرا کا متبرک مقام تصور کیا جاتا ہے۔ موسم خوشگوار ہونے کے سبب ممبئی سے لوگ آکر یہاں گرمیاں گزارتے ہیں۔ صنعتوں کی حیثیت سے پرنٹنگ پریس اور انجینیرنگ کے سامان بنتے ہیں۔

پہاڑوں یا کوہستانوں کے اقسام (Types of Mountains):
ساختیاتی ارضیات کی بنیاد پر پہاڑوں کو پانچ گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہاڑوں کی اس طرح کی ارضیاتی تقسیم کا تعلق بڑی حد تک کوہ سازی کے عمل پر منحصر ہے۔ کوہ سازی کے علاوہ براعظم سازی کا عمل بھی پہاڑوں کی تعمیر اور تخریب میں اہم رول کا حامل ہے۔ ان دونوں عوامل کی بنا پر پہاڑوں کی ساخت بھی بدل جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والے پہاڑوں کی تقسیم درج ذیل ہے۔

1. فولڈ شدہ پہاڑ 2. مرکوب پہاڑ 3. چپٹی پہاڑ 4. بلاک پہاڑ 5. مسلسل فولڈ پہاڑ۔

پہاڑی: وہ بلند علاقہ جو پہاڑوں کی طرح زیادہ وسیع اور بلند نہیں ہوتا۔ پہاڑی اور پہاڑ میں فرق ظاہر کرنے کے لیے کسی خاص بلندی کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ ہندوستان کی پنکائی کی پہاڑیاں جو کئی جگہ 2,750 میٹر تک بلند ہیں، ویلز کے بلند ترین پہاڑ اسنوڈاؤن سے تقریباً ڈھائی گنا اونچی ہیں۔

پہل گام: ریاست کشمیر کی وادی لدر میں ایک مقبول تفریح گاہ اور صحت بخش مرکز ہے۔ یہ سری نگر سے سو کلو میٹر مشرق میں واقع ہے۔ جدیدیت کے اثرات

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے باوجود یہاں آج بھی دیہات کی خوبصورتی موجود ہے۔ اس کی اونچی اونچی دلکش اور مخروطی چوٹیاں وادیٔ لڈر کی پشت میں واقع ہیں۔ یہ پہاڑی قوم کا جنت نشان ہے۔ پہل گام میں آج بھی سیاحوں کے ٹھہرنے کے لیے ہوٹلوں اور مکانوں کے ساتھ ساتھ شامیانوں وغیرہ کی قطار بھی نظر آتی ہے۔ اس کی ایک بڑی خصوصیت اس کا کلب ہے۔ گھوڑ سواری یہاں کا خاص مشغلہ ہے۔ اس کا پیراکی کا بڑا حوض (پول) اور چمن بہت عمدہ ہے۔ چونکہ پہل گام امرناتھ کے غار کے راستے میں واقع ہے، اس لیے اپنے سفر کے دوران میں ہزاروں مرد اور عورتیں یہاں ٹھہرتے ہیں۔

پھسلاؤ توام (Gliding Twins): جب دو یا دو سے زیادہ قلمیں ایک ساتھ جڑی ہوتی ہیں اور وہ دباؤ کے تحت ترکیدگی کے مقام سے کھسک جاتی ہیں تو پھسلاؤ توام کہلاتی ہیں۔ کھسک کا تعلق ترکیدگی کی سطح سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ قلمیں ترکیدگی کے مقام سے آسانی سے علیحدہ کی جاسکتی ہیں۔ ایسی توام قلموں کو پھسلاؤ توام قلمیں کہا جاتا ہے۔

پیٹور یرٹو کے بی لو: یہ وینی زیولا کا ایک بندرگاہ ہے اور اس کے شمالی حصہ میں بحیرۂ کیریبین کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں جہاز سازی کا کارخانہ ہے۔ گوشت کو ڈبوں میں بند کرنے کے پلانٹ ہیں۔ کافی، کوکو، رنگ بنانے کی لکڑی اور تانبے کی کچ دھات، یہاں سے برآمد کی جاتی ہے۔

پی پس جھیل: یہ جھیل ریاست اسٹونیا میں واقع ہے۔ یہ 93 میل لمبی ہے۔ مجموعی رقبہ 1,357 مربع میل ہے۔ دریائے ویلی کایا جنوب سے اور دریائے ایما مغرب سے اس جھیل میں اپنا پانی لاکر ڈالتے ہیں جس کا اخراج دریائے نروا کے ذریعہ ہوتا ہے جو شمال کی طرف بہتا ہوا خلیج فن لینڈ میں جاگرتا ہے۔

پیانگ: ملیشیا کا یہ شہر اسی نام کے صوبہ کا صدر مقام اور اہم تجارتی اور صنعتی مرکز نیز بندرگاہ ہے۔ یہ ایک چھوٹے سے ساحلی میدان میں واقع ہے۔ سنہ 1970 میں اس شہر کی آبادی 269,247 اور ام البلادی رقبہ کی آبادی 332,128 تھی۔

پیانگ یانگ (Pyang Yang): یہ جمہوریہ شمالی کوریا کا صدر مقام ہے۔ بحیرۂ زرد (Yellow Sea) سے تیس میل اندر کی طرف تائی دانگ (Taedong) ندی پر واقع ہے۔ رقبہ 77 مربع میل ہے۔ سنہ 1967 میں آبادی 1,364,000 تھی۔ ریلوں، سڑکوں اور بحری نیز فضائی راستوں کے بین الاقوامی

رابطے قائم ہیں۔ سوتی اور ریشمی کپڑے کی تیاری کا بڑا مرکز ہے۔ قریب کے کوئلہ کے ذخیروں نے صنعتی ترقی میں بڑی مدد دی ہے۔ شکر، ربر اور آٹو موبائلس کے کارخانے اہمیت کے حامل ہیں۔

پی. ایل. ایم. ڈ. ماپرٹی اس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

پی. ہمبلی: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

پیٹر ہیگٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

پیٹر سن: امریکہ کی ریاست نیو جرسی کا تیسرا، سب سے بڑا شہر، دریائے پےسک کے کنارے، نیویارک کے شمال مغرب میں 17 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کی سلک (ریشم) کی بہت بڑی صنعت کی بنا پر اس کو سلک سٹی (ریشم کا شہر) کہا جاتا ہے۔ اس صنعت کے علاوہ یہاں کاغذ اور روئی کے کارخانے ہیں۔ مشینری، دھاتی اور ربر کا سامان، فرنیچر، پلاسٹک، کپڑا، کیمیائی اشیا اور شیشہ کا سامان یہاں بنایا جاتا ہے۔ اساتذہ کی تربیت کے لیے کالج اور میقاتی اسکول بھی یہاں واقع ہیں۔

پیچی پراجکٹ: کیرالا کے 23 کلومیٹر شمال مشرق میں پیچی کا آبپاشی کا پراجکٹ تعمیر کیا گیا ہے۔

پیڈرو فرنانڈیز ڈ کیروس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

پیراک جانور یا پلانکٹن (Plankton): پانی پر بہنے یا تیرنے کے قابل جاندار۔

پیراگوئے: جنوبی امریکہ کا یہ دریا برازیل میں میٹو گریسو سے نکلتا ہے اور جنوب میں 175 میل تک بہہ کر کوری اینٹیس کے مقام پر دریائے پارانا سے مل جاتا ہے۔ وادی پیراگوئے میں بہت بڑے بڑے جنگل ہیں اور زمین نہایت زرخیز ہے۔ اس میں کئی معاون ندیاں آکر ملتی ہیں۔ اس کے بعض حصوں میں جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ اس دریا کے کناروں پر چار شہر آباد ہیں۔

پیراگوے (Paraguay): جنوبی امریکہ کی ایک جمہوریہ ہے جو بولیویا، برازیل اور ارجنٹینا کی جمہوریتوں سے گھری ہوئی ہے۔ اس کی مشرقی سرحد پر دریائے پرانا ہے جو اسے برازیل سے الگ کرتا ہے۔ اور مغربی سرحد پر پیراگوے اور

پلکو مایا(Pilcomaya) دریا ہیں جو ارجنٹینا کے درمیان سرحد کا کام دیتے ہیں۔

پیراگوئے کا رقبہ 406,752 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 4,397,000 ہے۔ آبادی کی اکثریت کی زبان گوارانی (Guarani) ہے۔ لیکن سرکاری زبان ہسپانوی ہے۔ ملک کا تقریباً پورا علاقہ دریائے پیراگوئے اور دریائے پرانا (Parana) کے تاس میں واقع ہے اور میدانی ہے۔ گرمیوں میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ بارش کافی ہوتی ہے۔ جنگلوں سے لکڑی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اصل پیشہ زراعت ہے۔ بڑے پیانے پر چائے کی کاشت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مکئی، چاول، گیہوں، گنا، تمباکو اور روئی وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ مویشی بھی بڑے پیانے پر پالے جاتے ہیں۔

یہاں کی گنے " سے بنی ہوئی شراب رم (Rum) مشہور ہے۔ اس کے علاوہ برطانیہ، مغربی جرمنی اور جاپان سے بھی درآمد ہوتی ہے۔ برآمدات زیادہ تر ارجنٹینا، مغربی جرمنی، ہالینڈ اور فرانس وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات میں گوشت، ساگوان لکڑی، روئی اور تمباکو کو اہم مقام حاصل ہے۔

رائج سکہ "گوارانی (Guarani) ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 720,983 طالب علم، ثانوی مدرسوں میں 169,167 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 32,884 طالب علم تھے۔

تاریخ: ہسپانیوں نے پیراگوئے 1515 میں دریافت کیا اور یہاں نو آبادکاری شروع ہوئی اور یہ اسپین کا مقبوضہ بن گیا۔ 1810 میں اس نے آزادی حاصل کرلی۔ صدر مملکت نے ڈکٹیٹر کا لقب اختیار کیا۔ 1870 میں جمہوریہ بنا اور ایک نیا آئین مرتب کیا گیا۔ اس کے بعد برابر انقلابات ہوتے رہے اور جنوبی امریکہ کے دوسرے بہت سے ملکوں کی طرح کبھی جمہوریت رہی اور کبھی فوجی آمریت۔

1870 سے بولیویا کے ساتھ سرحدی جھگڑے چلتے رہے اس کا فیصلہ کہیں 1938 میں ایک معاہدہ کے ذریعہ ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ یہاں کے لاکھوں انقلابی جیلوں میں رہے یا جلاوطن کیے گئے۔ پر تعدد انقلابی جدوجہد اس کی روزمرہ کی زندگی کا حصہ رہا۔

1967 میں آئین بنایا گیا جس کے ذریعہ صدر کو دوبارہ منتخب ہونے کا حق دیا گیا۔

1973 میں پیراگوئے اور برازیل میں معاہدہ ہوا جس کی رو سے دریائے پلانا پر بہت بڑا برقِ آبی تیار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اتائے پو بندھ دنیا کے عظیم بندھوں میں سے ایک ہے۔ صدر اسٹریسنر 1988 میں آٹھویں بار صدر منتخب ہوا لیکن اس کی انتظامی سختی سے ناراض ہو کر عوام نے بغاوت کی اور وہ 1989 کی فروری میں معزول کردیا گیا اور جنرل اندریز رودریگیز صدر منتخب ہوا۔

پیرامبور: ریاست تامل ناڈو میں واقع ہے اور انٹیگرل کوچ فیکٹری (ریلوں کے ڈبے بنانے کے کارخانے) کے لیے مشہور ہے۔ یہ کارخانہ 25.56 کروڑ روپیہ کی لاگت سے تیار کیا گیا اور مرکزی حکومت کے تحت یہ سب سے پرانا کارخانہ سمجھا جاتا ہے جس میں 11,000 مزدور کام کرتے ہیں۔ اس کارخانے میں ہر سائز کے ریل کے ڈبے بنتے ہیں خواہ وہ بڑی لائن (پٹری) کی ریلوے کے لیے ہوں یا چھوٹی لائن (پٹری) کے لیے ہوں۔

پیرامیٹر (Parameters): کسی قلمی جماد کے رخوں کے قاطع کا تناسب لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک رخ کا مبدا سے فاصلہ اس کے دوسرے رخوں کا دوگنا، سہ گنا، چوگنا ہوتا ہے جو مبدا سے قلمی محور کو قطع کرتا ہے۔ اس قطع کرنے کے اشاریہ یا تناسب کو قلمیات میں پیرامیٹر (Parameters) کہتے ہیں۔ اس کی توضیح مندرجہ ذیل شکل سے ہو سکتی ہے۔

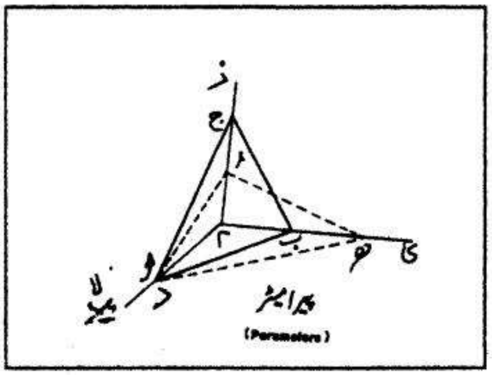

پیرامیٹر
(Parameters)

ا، ب، ج قلم کے رخ ہیں اور اس قلم کے م لا، م ی اور م ذ قلمی محور ہیں۔ م اس فلک کا مبدا ہوگا۔ اس قلم کے محور م لا پر م ا اور م ی پر م ب اور م ج کے تناسب سے ہوں گے۔ کسی چہرے یا پہلو کو ظاہر کرنے کے لیے یہ طریقہ مناسب ہوگا کہ اضافی قطع کو معیاری طول قرار دیں مثلاً رخ کی صورت میں م و مساوی ہوگا م ا کے اور م ہ دگنا ہوگا م ب د ہ و اور م و نصف ہوگا ج سے اس

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

طرح اس کے پیرامیٹرز 1/1, 2/1, 1/2 ہوں گے اور ایسا معیاری رخ اب ج کے لحاظ سے ہوگا۔

پیر پنجال: یہ جموں وکشمیر کا ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔ اس میں اسی نام کا ایک درہ 2,832 میٹر (9,290 فٹ) کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ ہندوستان کے شمالی میدان سے وادی کشمیر میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ جموں سے سری نگر جانے والی سڑک اس درہ میں ایک سرنگ سے گزر کر پہنچتی ہے۔ بعض اوقات سرمائی برف باری میں یہ سرنگ ناقابل استعمال ہو جاتی ہے۔ درہ کے دامن میں ویری ناگ گاؤں کے قریب جہلم ندی کا منبع واقع ہے۔

پیرس: فرانس کا صدر مقام ہے۔ فرانسیسی میں اس کا نام "پاری" ہے۔ شہر کی آبادی سنہ 1975 میں 2,317,200 تھی۔ شمال وسطی فرانس میں دریائے سین پر واقع ہے۔ نہ صرف فرانس بلکہ سارے یورپ میں بہت بڑا، صنعتی، تجارتی اور تہذیبی نیز علمی مرکز ہے۔ دریائے سین اسے سمندر سے ملاتا ہے اور بڑے پیانے پر جہاز یہاں سے مسافر اور مال باہر لے جاتے ہیں۔ یہاں دو بڑے بین الاقوامی ہوائی اڈے ہیں۔ یہ ریلوے کا بھی بہت بڑا مرکز ہے۔ اعلیٰ کھانے، شاندار ہوٹلوں اور بے شمار نائٹ کلبوں، تھیٹروں، ناچ گھروں وغیرہ کے لیے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ خود شہر کے اندر بے شمار چھوٹی صنعتیں ہیں۔ شہر کے باہر لوہے و فولاد، موٹروں، الکٹرانک، ہوائی جہازوں وغیرہ کی بھاری صنعتیں قائم ہیں۔ یہاں کی مشہور شاہراہ شاں ایلیزے، قدیم بادشاہوں کا محل لوا، جہاں اب بہت بڑا عجائب گھر ہے اور ایفل مینار (ایفل ٹاور) تمام دنیا سے سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

پیرس یورپ کے اور دوسرے مشہور شہروں کی طرح بہت قدیم ہے۔ 52 ق م میں رومن سیزر نے دریائے سین کے بائیں کنارے کے ایک کیلک گاؤں پر قبضہ کیا جو مچھلیاں پکڑنے کا بڑا مرکز تھا۔ بعد کے حکمرانوں نے اسے خوب ترقی دی اور یہ ایک شہر بن گیا۔ اس زمانہ کے حمام اور زیر زمین پوشیدہ قبرستان آج بھی موجود ہیں۔ یہاں یہ روایت عام ہے کہ پیرس کا سب سے پہلا بشپ سینٹ ماں مار پر شہید کر دیا گیا تھا۔ اس کی یادگار آج تک موجود ہے۔ اس شہر کے سرپرست سینٹ جینے ویو ہیں اور روایت ہے کہ جب ہنوں نے یورپ پر حملہ کر کے تباہی مچائی تو ان ہی نے پیرس کو اس تباہی سے بچایا۔ بعد کے دور میں میرو ونگین بادشاہوں اور نورس حکمرانوں نے اسے اپنا صدر مقام بنایا۔ سنہ 987 میں ہیوکاپے (Hugh Capet) جو پیرس کا کاؤنٹ تھا، فرانس کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے بعد اور اس کے خاندان کے حکمرانوں لوئی ہفتم، فلپ دوم، فلپ چہارم کے دور میں چودھویں صدی تک پیرس ایک شاندار شہر بن گیا۔ اسی زمانہ میں نوتردام (Notre Dame) گرجا گھر، سینٹ چیپل اور لوا محل کا ایک حصہ تعمیر ہوا۔ اسی زمانہ میں چوڑی سڑکیں تعمیر ہوئیں۔ پارلیمنٹ قائم ہوئی۔ ساربون میں یونیورسٹی قائم ہوئی۔ اور پیرس تجارت اور دست کاری کا بہت بڑا مرکز بنا۔ سیاسی ہل چل بھی بڑھی، سنہ 1358 میں پیرس نے بغاوت کی اور اپنا ایک خود مختار کیمون قائم کیا۔ اسے سو سالہ جنگ، انگریزوں کے قبضہ، قحط اور ہولناک طاعون کی ہلاکت خیزی بھی دیکھنی پڑی۔

سنہ 1436 میں پیرس نے انگریزوں کے قبضہ سے نجات حاصل کی اور پھر تیزی کے ساتھ ترقی کرنی شروع کی۔ کافی عرصہ تک ملک کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے درمیان فرقہ وارانہ تصادم کا شکار رہا۔ دوسری طرف دور نشاۃ ثانیہ شروع ہوا اور اس نے فرانس بلکہ سارے یورپ کا نقشہ بدل دیا۔ لوئی (تیرہواں لوئی) کے دور میں کارڈینل ریشیلو کی مدد سے پیرس علم اور سیاست میں یورپ کا مرکز بن گیا۔ سنہ 1635 میں فرانسیسی اکادمی قائم ہوئی اور مولیر، راسین، گیبریل، روسو، بالزک، والٹیر، ہیوگو، پوچنی وغیرہ نے نہ صرف پیرس بلکہ یورپ اور دنیا کی ادبی، علمی اور تہذیبی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

پیرس کے اطراف صنعتوں کے قیام نے ایک طرف سرمایہ دار اور دوسری طرف مزدور طبقہ پیدا کر دیا۔ امیری اور غریبی کی ٹکراتی تیز ہوئی کہ فرانس کو 1789 کے انقلاب کا سامنا کرنا پڑا۔ شاہی خاندان کو تخت سے اتار کر قتل کر دیا گیا اور جمہوری نظام قائم ہوا۔ سنہ 1804 میں نپولین تخت پر بیٹھا اور بڑے پیانے پر پیرس کی تعمیر شروع ہوئی۔ فتح کی دو زبردست محرابیں (کمانیں) بنائی گئیں۔ ایک شاں ایلیزے پر اسی شان سے کھڑی ہے۔ نپولین کی شکست کے بعد سنہ 1814 اور پھر سنہ 1815 میں دو مرتبہ پیرس پر اتحادیوں کا قبضہ ہوا لیکن پیرس برابر ترقی کرتا گیا۔ سنہ 1817 میں اس کی آبادی 7 لاکھ سے زیادہ تھی اور سنہ 1830 میں 17 لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔

جدید پیرس کا بڑا حصہ، خاص طور پر شاندار وسیع شاہراہیں، باغ، پارک وغیرہ جارج ہاؤسمن کی سرکردگی میں اسی دور میں بنے۔ انیسویں صدی کے آخر میں فرانس اور پروشیا کی لڑائی اور پیرس کی بغاوت کا اثر پڑا لیکن جلد ہی یہاں ترقی پھر شروع ہو گئی۔ پہلی اور دوسری عالم گیر جنگوں میں یورپ کے اکثر حصوں کو سخت تباہی کا سامنا کرنا پڑا لیکن پیرس اس سے محفوظ رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے اس کے اطراف بے شمار بڑی اور چھوٹی صنعتیں قائم ہوئیں اور کئی بین الاقوامی تنظیموں مثلاً ناٹو، یونسکو وغیرہ کے دفتر یہاں قائم ہوئے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پیرو (Peru): جنوبی امریکہ کی ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال میں جمہوریہ ایکواڈور، مشرق میں برازیل، جنوب میں چلی اور بحرالکاہل اور مغرب میں بھی بحرالکاہل واقع ہیں۔ رقبہ 1,285,216 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 21,998,000 ہے۔ ان میں سے تقریباً 52 فی صدی سفید فام اور ملی جلی نسل کے لوگ اور 45 فیصدی قدیم انڈین نسل کے ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر لیما (Lima) ہے۔ سرکاری زبانیں ہسپانوی اور کچوا (Quechua) ہیں۔ بعض انڈین ائے مارا (Aymara) بھی بولتے ہیں۔ اکثریت رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

پیرو میں سطح زمین کافی بلند و پست ہے۔ بحرالکاہل کے ساحل سے اندر تقریباً 100 کلومیٹر (ساٹھ میل) تک میدانی علاقہ ہے جو زیادہ تر ریگستانی ہے۔ اس کے بعد اس کے متوازی ہی کوہ انڈیز کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ کوہ انڈیز کا علاقہ تقریباً 400 کلومیٹر (ڈھائی سو میل) چوڑا ہے۔ بعض چوٹیاں کافی بلند ہیں۔ بیچ بیچ میں میدان اور سطح مرتفع ہیں۔ مشرق میں کافی علاقہ دریائے امیزان کے تاس میں پھیلا ہوا ہے جس میں سے کئی ندیاں اور نالے بہتے ہیں۔ یہ علاقہ بڑا سرسبز و شاداب اور گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا ہے۔

آبادی کے 85 فی صدی حصہ کی گزر بسر زراعت پر ہے۔ ساحلی وادیوں میں وسیع پیمانے پر زراعت ہوتی ہے۔ گنا اور کافی یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ اس کے علاوہ روئی کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ بھیڑوں سے اون حاصل کیا جاتا ہے۔

پیرو صنعتی طور پر ترقی یافتہ نہیں ہے۔ شکر، کپڑے وغیرہ کی کچھ صنعتیں ہیں۔ کچا تیل تھوڑا سا نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ لوہے، جست، چاندی، تانبہ، سونے وغیرہ کی کان کنی بھی ہوتی ہے۔

درآمدات کا 31 فیصدی امریکہ سے آتا ہے اور بقیہ جاپان اور جرمنی وغیرہ سے آتا ہے۔ برآمدات کا بھی 36 فیصدی امریکہ کو اور باقی جاپان، جرمنی اور چین وغیرہ سے آتا ہے۔ رائج سکہ سول (Sol) ہے۔ یہاں ابتدائی مدارس میں 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق 4,019,483 طالب علم اور 143,025 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 1,746,182 طلبا اور 83,469 اساتذہ نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 743,569 طالب علم اور 58,131 استاد تھے۔

تاریخ: پیرو کی قدیم تاریخ اور تہذیب کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔ لیکن جب ہسپانوی اس علاقہ میں پہنچے تو یہاں کی تہذیب اور صنعتی فن اپنے عروج پر تھے۔ ایک ہسپانوی مہم جو پزارو (Pizaro) نے 1532 میں اس علاقہ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد سے 1821 تک پیرو ایک ہسپانوی مقبوضہ بنا رہا۔ اس سال پیرو نے آزادی کا اعلان کر دیا لیکن یہاں سے ہسپانوی اقتدار ختم کرنے کے لیے پیرو کے انقلابیوں کو 1824 تک جدوجہد کرنی پڑی۔ اس کے بعد ایک آئین بنایا گیا جس میں 1856 میں کئی ترمیمیں کی گئیں۔ 1879 میں پیرو اور بولیویا نے چلی کے خلاف متحدہ محاذ بنایا اور اس لڑائی میں چلی کو فتح ہوئی۔ پیرو کو اپنا ایک صوبہ تاراپکا چلی کے حوالے کرنا پڑا، جس سے اس کا بہت نقصان ہوا۔ اس کے بعد چلی، بولیویا، کولمبیا اور ایکویڈور کے ساتھ سرحد کے بارے میں اس کے جھگڑے چلتے رہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران پیرو نے اتحادیوں کا ساتھ دیا اور مجلس اقوام متحدہ، اور پھر بعد میں امریکن ریاستوں کے اتحاد میں وہ شریک ہو گیا۔

جنگ کے بعد کے دور میں پیرو کو سخت معاشی اور سیاسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ عوام میں سخت بے چینی رہی۔ بائیں بازو کی تحریک اور کمیونسٹ تحریک نے بھی کافی اثر پیدا کیا۔

1980 میں ملک کا آئین مرتب ہوا جس میں صدر اور مقننہ ادارے کے لیے ہر پانچ سال میں انتخابات ہوتے ہیں۔

پیری ڈوٹائٹ (Peridotite): ایک طرح کا ماورائے اساسی (Ultrabasic) آتشی حجر جس کی جماداتی ترکیب میں بیشتر اولیوین (Olivine) ہوتا ہے اور دوسرے میفک (Maffic) جمادات بھی ان میں پائے جا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زمین کا بالائی غلاف (Upper Mantle) ایسے حجرات کا بنا ہے۔

پیریار ڈیم: یہ تامل ناڈو میں مدورائی سے 140 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے پہلے مرحلے میں تین بجلی کے یونٹ ہیں جس میں ہر یونٹ 35 میگاواٹ کا ہے اور دوسرے مرحلے میں بھی ایک یونٹ 35 میگاواٹ کا ہے۔

اسی طرح کیرالا میں بھی ضلع ارناکولم میں پیریار ندی پر ایک ڈیم بنایا گیا ہے اور ایک نہر بھی نکالی گئی ہے جس سے 40,996 ہیکٹر رقبہ سیراب ہوتا ہے۔

پیری یار سینکچیوری: تامل ناڈو میں پیری یار کی جھیل مدورائے سے 140 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 26 مربع کلومیٹر اور بلندی 823 میٹر ہے۔ یہ وحشی جانوروں کا مسکن ہے۔

پیری یار ندی: پیری یار ندی کارڈمم (الائچی) کی پہاڑیوں سے نکلی ہے۔ اس

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے دونوں جانب ساگوان اور دیودار کے جنگل موجود ہیں جہاں سے لکڑی کاٹ کر بڑے بڑے لٹھے دریا میں بہا دیے جاتے ہیں اور یہ عمارتی لکڑی عرب ممالک، ایران اور دیگر ممالک کو برآمد کی جاتی ہے۔ ندی کے دونوں جانب دھان کے کھیت اور سمندر کے قریب ناریل کے درخت بڑا دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔ پیری یار کے کنارے الوائے کا صنعتی شہر ہے جو الیومینیم کے کارخانوں کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ سنہ 1886 میں مدراس کے گورنر لارڈ کونے مارنے نے پیری یار ڈیم کی تعمیر کی تھی جس سے سرولی ندی کو بھی ہمیشہ پانی حاصل ہوتا رہتا ہے۔

پیکارا ڈیم: تامل ناڈو کے تین برقی پراجکٹس میں سے پیکارا ایک اہم پراجکٹ ہے جو اوٹکمنڈ کے قریب واقع ہے۔

پیگو یوما: یہ وسطی میانمار کے شمالی حصہ کا ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو اراودی اور سیتانگ کی وادیوں کے درمیان شمالاً جنوباً 270 میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی اوسط اونچائی دو ہزار فٹ ہے۔ سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ پاپا، جو مردہ آتش فشاں ہے، سطح سمندر سے 4,981 فٹ بلند ہے۔

پیلی سیپوڈا (لملی براانچ) (Pelacypoda-Lamelli Branch):

مائلہ مولسکا کی ایک جماعت پیلی سیپوڈا میں شامل خول دار جانور، ان کے دو مساوی مصرع ہوتے ہیں جو عضلاتی کھنچاؤ اور پھیلاؤ سے کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ ان کے خولوں کی تین تہیں (Layers) ہوتی ہیں۔ خارجی تہہ چٹن (Chitin) سے، درمیانی کیلسائٹ سے اور اندرونی ارا گانائٹ (Aragonite) کی قلموں سے بنی ہوتی ہیں۔ اس تہہ کی وجہ سے ان کے خولوں میں موتی کی سی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

پیمائشی جھنڈیاں: دیکھیے سطح میز

پمپری: پمپری مہاراشٹرا میں پونہ کے قریب واقع ہے۔ مرکزی حکومت کے زیر نگرانی ہندوستان اینٹی بایوٹک کارخانے میں پینسلین تیار کی جاتی ہے۔

پین گنگا: پین گنگا گوداوری کی معاون ندی ہے۔

پینٹوگراف: اس آلہ میں مساوی لمبائی کی چار دھاتی پٹریاں لگی رہتی ہیں۔ ان کے سرے سلسلہ وار جڑے ہوتے ہیں۔ ان سے ایک مربع یا متوازی الاضلاع شکل بن جاتی ہے۔ جس طرح شکل میں دکھایا گیا ہے آلہ کے کونہ پر ایک وزنی اسٹینڈ لگا رہتا ہے۔ ایک پٹری میں دو یا دو سے زائد سوئیاں لگی رہتی ہیں۔ جب ایک سوئی حرکت کرتی ہے تو دوسری خود بخود اسی کی طرح اپنا مقام بدلنے لگتی ہے۔ ایک سوئی کو نقشہ کی حدود پر حرکت دی جائے تو نیا نقشہ بنانے والی دوسری سوئی جو سیسہ کی ہوتی ہے اپنی حرکت کے ساتھ ہی اصل نقشہ کی حدود کے مماثل نئی حدود بناتی جاتی ہے۔ سیسہ کی سوئی کا مقام بدل دینے سے یہ حدود حسب خواہش پیمانہ کے اعتبار سے بڑی یا چھوٹی بنتی جاتی ہیں۔ حدود میں مشابہت کا یہ سبب ہے کہ ہر سوئی کا مرکز سے فاصلہ معین ہوتا ہے لیکن دونوں کے درمیانی فاصلے ایک ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ پینٹوگراف متوازی الاضلاع کے اصول پر اصل نقشہ کی حدود کے متوازی نئی حدود تیار کر دیتا ہے۔ اس آلہ سے بنائے ہوئے بڑے نقشے چھوٹے نقشوں کے مقابلہ میں ناقص ہوتے ہیں۔

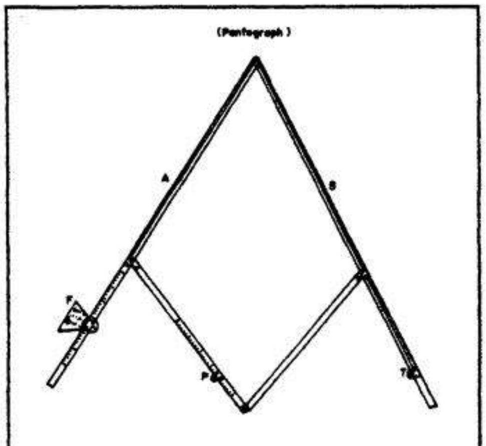

پنٹوگراف

پینر: کرناٹک میں نندی درگ کے علاقے میں پنیا کنی کی شمالی معاون پینر ندی ہے جو بلاری اور اننت پور کے درمیان سرحد بناتی ہے۔ ضلع نیلور سے کچھ آگے جہاں اس سے نہریں نکالی گئی ہیں، یہ خلیج بنگال میں مل جاتی ہے۔

پیورٹوریکو (Puerto Rico): امریکہ کی ایک اندرونی طور پر خود مختار کامن ولتھ ہے جس کا اپنا سرکاری نام دولت مشترکہ پورٹوریکو ہے۔ رقبہ 8,871 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق 3,522,037

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔اس جزیرہ کا نام پہلے پورٹ ریکو تھا اور یہ ویسٹ انڈیز کا حصہ تھا۔ امریکیوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور اسے یہ نیا نام دیا اور 1952 میں یہ کامن ویلتھ آف پیورٹوریکو بن گیا۔ اس کا صدر مقام سان یوان (San Juan) ہے۔ اس کے مشرق میں ورجن جزائر ہیں۔

پیورٹوریکو ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ دریا چھوٹے ہیں جن کا پانی کاشت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ زمین بہت زرخیز ہے اس لیے آبادی بھی بہت گھنی ہے۔ کافی، تمباکو، پھل، سبزیاں وغیرہ بڑی مقدار میں پیدا ہوتی ہیں۔ مویشی بھی پالے جاتے ہیں۔ صنعتیں بھی ہیں۔ سوتی کپڑا، کیمیائی اشیا اور مچھلیوں کی بنی چیزیں برآمد کی جاتی ہیں جو زیادہ تر امریکہ جاتی ہیں۔ سیاحت کا بھی یہ ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ سالانہ 15 لاکھ سے زیادہ سیاح آتے ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ انڈین اور نیگرو ملی جلی نسل پر مشتمل ہے۔ یہ زیادہ تر ہسپانیہ کی مختلف کالونیوں سے آکر یہاں بسے ہیں۔

کولمبس پیورٹوریکو میں 1493 میں آیا تھا۔ اس کے بعد ہسپانوی یہاں آکر بسنے لگے اور یہاں کی انڈین آبادی کو تقریباً غلاموں کی حیثیت دے دی جس سے وہ بار بار بغاوتیں کرتے رہے۔ 1598 میں انگریزوں نے اسے فتح کر لیا اور کئی ماہ تک حکمراں رہے۔ اس کے بعد پھر سے ہسپانوی قبضہ ہو گیا اور وہ افریقہ سے غلام لا کر یہاں باغات میں کام پر لگاتے رہے۔ 1873 میں غلامی کا خاتمہ ہو گیا لیکن انڈین اور نیگرو نسل کے لوگوں کی حالت اتنی خراب تھی کہ بے چینی اور بغاوتیں بڑھتی رہیں۔ اکتوبر 1898 میں امریکہ نے یہاں فوجیں اتار دیں اور قبضہ کر لیا اور اس سال دسمبر میں ایک معاہدہ کے تحت یہ جزیرہ امریکہ کو مل گیا۔ 1900 تک اس پر براہ راست امریکی حکومت رہی اور پھر ایک گورنر مقرر کیا گیا اور اس کے مشورے کے لیے ایک اسمبلی بنائی گئی۔ لیکن آزادی کی تحریک دب نہ سکی اور 1917 میں امریکہ نے کچھ اور اندرونی اختیارات دیے اور یہاں کے باشندوں کو امریکی شہریت بھی دے دی گئی اور یہاں زرعی نیز صنعتی ترقی کی طرف بھی قدم اٹھائے گئے لیکن یہ بے چینی آج تک برقرار ہے اور آزادی کی لہر اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے۔

دوسری جنگ عظیم نے یہاں کی صنعتوں کی ترقی میں بہت تعاون دیا۔ 1946 میں ملک کو انتخابات کی آزادی دی گئی اور پھر مقامی باشندہ جیسس ٹی پنیرو گورنر منتخب ہوا۔

1952 میں کامن ویلتھ آف پورٹوریکو کا اعلان کیا گیا۔ مونوز مارن 1952، 1956 اور 1960 میں بار بار منتخب ہوا۔ 1967 میں عام رائے شماری کے نتیجہ میں موجودہ صورتحال کے حق میں فیصلہ ہوا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ت

تاجکستان: یہ اشتراکی روس کے نومبر 1991 میں شیرازہ بکھرنے پر خود مختار ملک بن گیا۔ یہ تدزہکستان یا تاجک بھی کہلاتا ہے۔ قلب ایشیا کے پہاڑی حصے میں یہ چین کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ کئی دریاؤں نے اس میں ایک آبی جال سا پھیلا دیا ہے۔ رقبہ 143,100 مربع کلو میٹر یا 55,300 مربع میل ہے۔ نصف سے زائد حصہ سطح سمندر سے دس ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہے۔ انتہائی اونچائی 3,768 میٹر (12,359 فٹ) ہے۔ لوہے، سیسہ، جست، سرمے، پارے، سونے، ٹن اور ٹنگسٹن کے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ زراعت اور صنعت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ بڑے ریشے کی کپاس بکثرت پیدا کی جاتی ہے۔ آب و ہوا براعظمی ہے۔ درجہ حرارت اور فضائی دباؤ کی تقسیم میں بلندیوں کے اختلافات کے ساتھ نمایاں تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی جملہ آبادی 1989 میں 51 لاکھ کے آس پاس تھی۔ دوشنبے صدر مقام ہے۔

تاراپور: مہاراشٹرا میں بمقام ممبئی تاراپور جوہری توانائی کے مرکز کی حیثیت سے مشہور ہے۔ یہ ہندوستان کا سب سے پہلا جوہری توانائی کا اسٹیشن ہے جس کے ترسیل کے مینار مہاراشٹرا کے علاوہ گجرات تک پھیلے ہوئے ہیں۔

تاریخی اور تمدنی متغیرات کی اساس پر ہندوستان کے خطے:

(1) اودھ: شمالی ہندوستان کا ایک علاقہ جسے انگریزوں نے سنہ 1856 میں اپنی علمداری میں لے لیا اور سنہ 1877 میں اسے صوبہ آگرہ کے ساتھ شامل کر دیا۔

(2) بنگال: ہندوستان کے شمال مشرقی حصہ کا ایک تاریخی علاقہ، اب یہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ مغربی حصہ مغربی بنگال کہلاتا ہے اور مشرقی حصہ کو بنگلہ دیش کہا جاتا ہے۔ غیر منقسم بنگال قدیم سلطنتوں کا اہم علاقہ رہا ہے۔ بارہویں صدی عیسوی کے بعد اس پر نیم آزاد مسلم حکمرانوں کا قبضہ رہا۔ سنہ 1576 میں یہ مغلیہ سلطنت کا حصہ بن گیا۔ مغلوں کے زوال کے بعد اس علاقہ کے حاکم نواب کہلانے لگے۔ سنہ 1757 سے سنہ 1764 تک یہ انگریزوں کے قبضہ میں رہا۔ سنہ 1773 سے اس کا گورنر برطانوی ہندوستان کے "چیف اگزیکیوٹیو" کی حیثیت رکھنے لگا اور سنہ 1834 سے وہ ہندوستان کا گورنر جنرل کہلانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد آسام کا بنگال سے الحاق ہو گیا۔ 1854 میں ہندوستانی حکومت بنگال کی حکومت سے الگ ہو گئی۔

سنہ 1912 تک کلکتہ ہی ہندوستان کا صدر مقام رہا۔ سنہ 1947 میں برطانوی حکومت کے ختم ہو جانے پر مغربی بنگال ہندوستان کا صوبہ بنا اور مشرقی بنگال کو مشرقی پاکستان کہا جانے لگا۔ سنہ 1971 میں موخرالذکر نے پاکستان سے رشتہ توڑ لیا اور آزاد ہو کر بنگلہ دیش کہلانے لگا۔

(3) مالوہ: ہندوستان کے اس تاریخی صوبہ میں مغربی مدھیہ پردیش کے وسیع علاقہ کے علاوہ جنوب مشرقی راجستھان کا کچھ حصہ بھی شامل تھا۔ اس سیاہ مٹی کے زرخیز علاقہ کو چمبل، سپرا، کالی سندھ اور پاربتی ندیاں سیراب کرتی ہیں۔ قدیم زمانہ میں یہ موریا اور گپت خاندانوں کے زیر اقتدار تھا۔ سنہ 1235 میں اس پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ سنہ 1401 سے سنہ 1531 تک یہ ایک مستحکم آزاد ریاست بنا رہا۔ بعد ازاں مغلوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد یہ مراٹھوں کے قبضہ میں آگیا اور پنڈاریوں کا مستقر بنا رہا۔ سنہ 1817 میں اس پر انگریزوں کا تسلط ہوا اور سنہ 1895 میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ملا کر مالوہ ایجنسی تشکیل پائی۔

(4) گجرات: یہ مغربی ہندوستان کا ایک صوبہ ہے۔ اس کے شمال مغرب میں پاکستان، شمال میں راجستھان، جنوب میں مہاراشٹرا، مشرق میں مدھیہ پردیش اور مغرب میں بحیرۂ عرب واقع ہیں۔ احمد آباد کی بیرونی حدود پر گاندھی نگر اس صوبہ کا صدر مقام اور کپڑے کی صنعت کا بڑا مرکز ہے۔ گجرات کا رقبہ 72,236 مربع میل ہے۔ سنہ 1991 میں اس کی آبادی 41,309,582 تھی۔ گاندھی جی نے یہیں "سابرمتی آشرم" بنایا تھا۔ قدیم زمانہ میں اس پر ہُمن اور موریا خاندانوں نے حکومت کی تھی۔ موخرالذکر کے زوال کے بعد "ساکیوں" کا اقتدار قائم ہوا۔ چوتھی اور پانچویں صدیوں میں یہ گپت خاندانوں کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد تقریباً تین سو سال تک میتر کا خاندان کا غلبہ رہا۔ آٹھویں اور نویں صدیوں میں

یہاں گوجر اور پرتیہارا کی حکومت قائم ہوئی۔ بعد ازاں سولنکی خاندان کا اقتدار قائم ہوا اور پھر واگھیلا خاندان غالب ہوا۔ اس کے حاکم کرن دیو کو علاء الدین خلجی نے سنہ 1298 میں شکست دی اور اسلامی حکومت قائم کی۔ کچھ عرصہ بعد یہ علاقہ مغلوں کے قبضہ میں آیا۔ وسط اٹھارہویں صدی میں مراٹھوں نے اس پر قبضہ کیا۔ سنہ 1818 میں انگریزوں کا تسلط ہوا۔ سنہ 1857 کی جنگ آزادی کے بعد یہ برٹش حکومت کا صوبہ بن گیا۔ سنہ 1947 میں ہندوستان کی آزادی کے بعد کچھ اور سوراشٹرا کے علاقوں کے سوا گجرات کا بقیہ تمام علاقہ صوبہ بمبئی کا جزو بن گیا۔ سنہ 1960 میں اس نئے صوبہ کو موجودہ گجرات اور مہاراشٹرا کے صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ سنہ 1965 کی ہند اور پاکستان کی جنگ کے بعد بین الاقوامی ٹریبونل نے نزاعی علاقہ کا 1/10 حصہ پاکستان کو دے دیا بقیہ حصہ ہندوستان کے قبضہ میں رہا۔

(5) سوراشٹرا: یہ ہندوستان کی ایک سابقہ ریاست تھی جو سنہ 1960 کے بعد صوبہ گجرات میں ضم کر دی گئی۔

(6) راجپوتانہ: یہ ہندوستان کے شمالی میدان اور سطح مرتفع دکن کے درمیان راجپوتوں کی قدیم ریاستوں کا مجموعہ تھا جو اب راجستھان کہلاتا ہے۔ یہ پہلے 23 چھوٹی ریاستوں، ایک بڑی سرداری ریاست اور اجمیر نیز مارواڑ کے انگریزی ضلعوں پر مشتمل تھا۔ اس کے اکثر حاکم راجپوت تھے۔ جملہ رقبہ 132,559 مربع میل تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے اس کے دو حصے کیے جاتے تھے۔ ایک اراولی پہاڑوں کے شمال مغرب کا علاقہ، جو ریتیلا اور ناقابل کاشت تھا۔ دوسرا پہاڑی سلسلہ کے جنوب مشرق کا خطہ جو مقابلتاً بلند اور زرخیز تھا۔

جودھپور، جیسلمیر، بیکانیر، جے پور اور اودے پور اس کی بڑی ریاستیں تھیں۔ سنہ 1947 کے بعد ریاستوں کے انضمام کے نتیجہ میں راجپوتانہ نے راجستھان کی شکل اختیار کر لی۔ قدیم راجپوتانہ کے جنوب مشرق کے کچھ علاقے اب مدھیہ پردیش میں شامل کر لیے گئے ہیں اور جنوب مشرق کے بعض حصے گجرات سے متعلق ہو گئے ہیں۔

(7) میواڑ اسٹیٹ: یہ اودے پور بھی کہلاتی تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں اسے راجپوتانہ کے حاکموں نے تشکیل کیا تھا۔ اس کے حاکم مسلمان حملہ آوروں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں اندرونی خلفشار اور مراٹھوں کی یورشوں کے باعث یہ انگریزوں کے اقتدار میں آ گئی۔ سنہ 1948 میں اسے راجستھان میں ضم کر دیا گیا۔

(8) دکن: بحیثیت مجموعی یہ جنوبی ہند کی سطح مرتفع کا وہ علاقہ ہے جو دریائے نربدا اور دریائے کرشنا کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس میں میسور اور حیدر آباد کی قدیم ریاستوں کے علاوہ ممبئی سے چنئی تک پھیلا ہوا علاقہ بھی شامل کر لیا جاتا تھا۔ دکن کے مغرب میں مغربی گھاٹ کا تقریباً 3,000 فٹ بلند علاقہ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ سطح مرتفع مغرب میں زیادہ بلند ہے اور مشرق کی طرف نیچی ہوتی گئی ہے۔ مشرقی حدود پر کم بلند مشرقی گھاٹ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

(9) مہاراشٹرا: ساتویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند کے مغربی بلند حصہ کو مہاراشٹرا کہا جاتا تھا۔ قدیم زمانہ میں اس کے مختلف حصوں پر ستواہنا اور کانکا، کلاچوری، راسٹراکوٹا، کالوکیا اور یادوا سلطنتوں کا اقتدار تھا۔ سنہ 1307 کے بعد مسلمانوں کا غلبہ ہوا۔ سولہویں صدی میں یہ پھر کئی حصوں میں منقسم ہو کر جدا جدا حاکموں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ان کے درمیان جنگ و جدل کا سلسلہ چلتا رہا۔ شیواجی نے اسے ایک بڑی سلطنت کی شکل دی اور مغلوں کی حکومت کی بنیادیں تک ہلا دیں۔ اٹھارہویں صدی میں مراٹھوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ انیسویں صدی سے اس پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ سنہ 1947 میں ہندوستان کی آزادی کے بعد یہ صوبہ بمبئی بن گیا لیکن سنہ 1960 میں لسانی بنیادوں پر اس کے دو حصے کر دیے گئے۔ شمالی حصہ گجرات اور جنوبی مہاراشٹرا کہلانے لگا۔

(10) کامروپ: یہ برہمپترا کی وادی میں آسام کے مغربی حصہ کا ایک ضلع ہے جس کا رقبہ 3,804 مربع میل ہے۔ اسے قدیم ہندوستانی سلطنت "کامار وپا" (کامروپ) کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ گوہاٹی اس قدیم سلطنت کا صدر مقام تھا۔

(11) کلنگا: یہ دکن کا ایک حصہ تھا جو جنوب میں دریائے گوداوری تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں آج کے آندھرا پردیش کا شمالی حصہ اڑیسہ کا بیشتر علاقہ اور مدھیہ پردیش کا کچھ حصہ شامل تھا۔ کورنگا، وشاکھاپٹنم، چکاکول، گنجم، راجمندری، وجیانگرم اور کلنگا شہر اس کے اہم تجارتی مراکز تھے۔ اسے "مگدھ" کے "نند" خاندان کے بانی، مہاپدما، نے فتح کیا تھا۔ اس خاندان کے زوال کے بعد یہ مگدھ سلطنت سے الگ ہو گیا۔ بعد میں اشوک نے اسے فتح کر لیا۔ گیارہویں صدی میں کلنگا حکمرانوں کا اقتدار قائم ہوا۔

بارہویں صدی میں "اننتاورمن کوداگنگا دیو" کا دور کافی اہمیت رکھتا تھا۔ سنہ 1238 سے 1305 تک کلنگا حکمران شمالی ہند سے حملہ کرنے والے مسلمانوں کا بہادری سے مقابلہ کرتے رہے۔ مگر سنہ 1324 میں دہلی کے سلطان کے کلنگا میں داخل ہو جانے کے بعد ان کا خاندان اپنی ساری قوت کھو بیٹھا۔

(12) تلنگانہ: یہ جزیرہ نمائے دکن کا تاریخی اور لسانی علاقہ ہے جو آندھرا بھی کہلاتا ہے۔ اس میں دراوڑی تلگو زبان زیادہ بولی جاتی ہے۔ یہ مدت تک بدھ مت کے زیر

اثر رہا۔ آج حیدر آباد، ورنگل، وجے واڑہ، راجمندری، وشاکھاپٹنم اور امراوتی اس خطہ کے اہم مقامات ہیں۔

(13) کرناٹکا: یہ سطح مرتفع دکن کا ایک لسانی خطہ ہے جو پہلے صوبہ میسور کہلاتا تھا۔ اس میں کنڑی زبان زیادہ بولی جاتی ہے۔ سنہ 1300 سے سنہ 1600 تک یہ وجیانگر کی سلطنت کے زیر اقتدار رہا۔ اس کے بعد دکن کے مسلمان بادشاہوں نے غلبہ حاصل کیا۔

تال ندی: دریائے کاویری کی ایک معاون ندی ہے۔

تالچیر: تالچیر اڑیسہ میں واقع ہے۔ یہاں دیاسلائی بنانے کا کارخانہ اور تھرمل پاور اسٹیشن قائم ہے۔ یہ کوئلے کے ذخائر کے لیے بھی اہم ہے۔

تامر پرنی: مغربی گھاٹ کے جنوبی حصے سے تامر پرنی ندی نکلی ہے۔ اس کی گزرگاہ کے دونوں جانب دھان کے لہلہاتے کھیت نظر آتے ہیں۔ مانسونی بارش کی وجہ سے اس ندی میں پانی سال بھر رواں دواں رہتا ہے۔ اسی لیے اس 56 کلومیٹر لمبی ندی پر آٹھ بندھ بنائے گئے ہیں اور ان سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں جن سے تالابوں کو پانی پہنچایا جاتا ہے۔ تامر پرنی کے کناروں پر دھان، کیلے کے باغ اور گنے کے کھیت ہیں۔ اس کے ایک جانب ترونیل ویلی کا شہر اور دوسری جانب پالم کوٹہ واقع ہیں۔ تامر پرنی خلیج بنگال میں جاگرتی ہے۔

تامل ناڈو: سطح مرتفع دکن کے جنوبی کونے کے مشرقی جانب واقع اس ریاست کے مشرق میں خلیج بنگال، مغرب میں بحیرۂ عرب، کیرالا اور کرناٹک اور شمال میں کرناٹک اور آندھرا پردیش واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 130,069 مربع کلومیٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 55,858,946 ہے۔ تامل ناڈ کے دو طبعی حصے ہیں۔ (1) مشرقی ساحلی میدان اور (2) شمال اور مغرب کا پہاڑی خطہ۔

یہاں جنوب مغربی اور شمال مشرقی دونوں مانسونوں سے بارش ہوتی ہے۔ سرمائی بارش اہمیت کی حامل ہے۔

اہم پیداوار آلو، چاول، دالیں، گنا، چائے اور قہوہ ہیں۔ یہاں دریائے کاویری پر کئی بندھ باندھ کر ان کے پانی سے آبپاشی اور بجلی پیدا کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

یہ جنوب میں واقع چاروں ریاستوں میں ترقی یافتہ صنعتی ریاست اور ملک بھر میں مہاراشٹرا اور مغربی بنگال کے بعد تیسری بڑی صنعتی ریاست ہے۔ صدر مقام چینائی (مدراس) ہے جو ملک کے تمام بڑے شہروں سے ریل، سڑک اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ جڑا ہوا ہے۔

ہینڈلوم کی صنعت سب سے اہم ہے۔ یہاں 180 سوتی کپڑے کے کارخانے ہیں۔ اس کے علاوہ بجلی کا سامان، ٹریکٹر، ربر کے ٹائر، سیمنٹ، چائے، چمڑے کا سامان بنانے کے کارخانے بھی واقع ہیں۔

تامل ناڈ کی آبادی کی بڑی اکثریت دراوڑی نسل کی ہے۔ یہ ریاست دراوڑی کلچر کا ایک قدیم مرکز ہے۔ اور جنوبی ہند کے آرٹ اور فن تعمیر کے بے مثال نمونے جگہ جگہ ملتے ہیں۔ کئی قدیم مندر آج بھی اسی طرح موجود ہیں۔ یہ علاقہ ایک زمانہ تک چولہ سلطنت کا مرکز رہا ہے۔ پھر وجیانگر کے خاتمہ پر یہ علاقہ تقریباً سو سال تک مسلم حکمرانوں کے تحت رہا۔ سولہویں صدی میں پرتگالیوں نے یہاں تجارتی مرکز قائم کیے اور اس کے بعد شروع سترہویں صدی میں یہاں ڈچ، فرانسیسی اور انگریز بھی آئے۔ ٹیپو سلطان کی شکست کے بعد انگریز یہاں پوری طرح مسلط ہو گئے۔ بعد میں انھوں نے ایک صوبہ مدراس قائم کیا جس میں تامل ناڈو کے موجودہ علاقہ کے علاوہ آندھرا پردیش، کیرالا اور کرناٹک کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔ سنہ 1956 میں جب ملک کے صوبوں کی تنظیم زبان کی بنیاد پر کی گئی تو تامل ناڈو کا صوبہ وجود میں آیا۔ اس میں صرف تامل بولنے والے علاقے شامل کیے گئے۔ تیلگو، کنڑ اور ملیالم بولنے والے علاقے الگ کر دیے گئے۔

تائیوان (فارموسا): یہ جزیرہ چین کے جنوب مشرقی ساحل کے مقابل 21°-54' شمالی عرض البلد سے 25°-20' شمالی عرض البلد تک پھیلا ہوا ہے۔ چین اور جزیرہ تائیوان کے درمیان کا 121 میل چوڑا آبی علاقہ آبنائے تائیوان (فارموسا) کہلاتا ہے۔ جزیرہ کی لمبائی 242 میل، انتہائی چوڑائی 84 میل اور رقبہ 13,804 مربع میل ہے۔ اس جزیرہ کا مغربی اور شمال مغربی حصہ کافی ترقی یافتہ ہے، بقیہ علاقہ پس ماندہ ہے۔ چولنگ اور کاوسنگ یہاں کے اہم بندرگاہ ہیں۔ تاپے دارالحکومت ہے۔

تبخیری ذخیرے (Evaporates): سمندری نمکین پانی کی وسیع پیمانے پر تبخیر کے باعث جپسم (Gypsum)، ہیلائٹ (نمک طعام) اور سلوائٹ (Silvite) وغیرہ نمکوں (Salts) کی ترسیب ہوتی ہے بشرطیکہ: (1) ذخیرگی ایک بند اور محدود تاس (Closed & Barred Basin) میں ہو جس میں عام سمندری پانی کا بہاؤ محدود ہو یا (2) نسبتاً کم بارش کے علاقے میں ہوتی ہے یا (3) سمندری پانی کی تبخیر کی رفتار زیادہ ہو جیسا کہ کم رطوبت اور زیادہ گرم آب و ہوا کے علاقوں میں ہوتا ہے۔

تبریز: یہ ایران کا چوتھا بڑا شہر، سطح سمندر سے 4,485 فٹ کی بلندی پر آتش فشانی منطقہ میں واقع ہے۔ اس کے اطراف گرم پانی کے چشمے پھیلے ہوئے ہیں۔ اسے تہران سے بذریعہ ریل ملا دیا گیا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً سات لاکھ ہے۔ موسم سرما میں یہاں کافی سردی ہوتی ہے۔ گرمیاں نہایت خوشگوار ہوتی ہیں اور لوگ یہاں تفریح اور آرام کے لیے آتے ہیں۔ ویسے تو چمڑے اور سوتی کپڑے کی صنعتیں بھی ہیں لیکن یہ دست کاری کے لیے کافی مشہور ہے۔ قالین سازی اور تجارت کا بھی بڑا مرکز ہے۔

تبریز ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ سنہ 1029 میں ترکوں نے اسے تباہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس پر سلجوقوں کا قبضہ ہو گیا اور انھوں نے اسے آذربائیجان کا صدر مقام بنا دیا۔ سنہ 1295 میں ایران کے منگول حکمراں غازاں خاں نے اسے اپنی سلطنت کا انتظامی مرکز بنالیا۔ یہ سلطنت ایک طرف مصر تک پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف قفقاز اور بحر ہند تک۔ اس دور میں شہر کے اطراف ایک فصیل تعمیر ہوئی۔ کئی کارواں سرائے، مدرسے اور کتب خانے قائم ہوئے۔ اس کے بعد یہ مختلف عرصوں کے لیے ایرانیوں، ترکوں اور روسیوں کے قبضہ میں رہا۔ اس تمام دور میں اس علاقہ کی تجارت میں اسے مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ آخر میں یہ ایران کے تحت آگیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہاں کچھ عرصہ کے لیے تودہ پارٹی کی سرکردگی میں ایک خود مختار حکومت بھی قائم رہی۔ یہ شہر کئی زلزلوں کا بھی شکار رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کئی تاریخی عمارتیں مثلاً نیلی مسجد اور قدیم قلعہ وغیرہ ابھی تک موجود ہیں۔

تخریب (یا ٹوٹ پھوٹ) سمندری لہروں کے ذریعہ: دیکھیے سمندری لہروں کے ذریعہ تخریب یا ٹوٹ پھوٹ۔

تخریب یا ٹوٹ پھوٹ ہوا کے ذریعہ: دیکھو ہوا کے ذریعہ تخریب یا ٹوٹ پھوٹ۔

ترازیابی یا فرازی پیمائش: ترازیابی میں منتخبہ علاقہ کے مختلف مقامات کی اضافی بلندیوں کا تعین ایک خاص قسم کے آلہ سے کیا جاتا ہے۔ یہ ترازپیا کہلاتا ہے۔ کسی مقام پر کھڑے ہو کر قرب و جوار کے مقامات کے ارتفاعی اختلافات کا راست تعین کرنا ہو تو ان پر درجہ دار چوبی اسٹاف کو عموداً کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرازپیا سے افقی خط نظر کو گزار کر اسٹاف پر نظر آنے والی بلندیاں پڑھ لی جاتی ہیں۔

ترازپیائی میں اوسط سطح سمندر (Mean Sea level) یا (M.S.L.) کو عام بنیادی خط سمجھا جاتا ہے اور مختلف مقامات کی بلندیاں اسی کی اضافت سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ چینائی (مدراس) کی اوسط سطح سمندر کو سروے آف انڈیا نے بنیادی خط (Datum line) تسلیم کر لیا ہے۔

ترازپیا کئی قسم کے ہوتے ہیں جیسے پرانے "Y" ترازپیا یا ڈمپی ترازپیا وغیرہ۔ جدید ترازپیا کو واٹ کا شارح عام کہا جاتا ہے۔ اسے استعمال کرنے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی۔

تراش: یہ چٹان یا مٹی میں اوپر سے نیچے کی طرف ایسا کٹاؤ ہے جس سے اس کے مختلف پرتوں کی تفصیلات نمایاں ہوتی ہیں۔ یہ اساسی، متقاطع، افقی، ترچھا، عرضی اور عمودی بنایا جاسکتا ہے۔ یک رخی شکل جو نمائش طبعی کی حدود کو ظاہر کرتی ہے اس سے مختلف ہوتی ہے۔

ترانا: یہ "تی رانے" بھی کہلاتا ہے۔ البانیہ کی راجدھانی ہے اور وسطی البانیہ کے میدانی علاقہ میں واقع ہے۔ یہاں کا یہ سب سے بڑا اور اہم صنعتی شہر نیز تہذیبی مرکز ہے۔ یہاں پارچہ بافی کے کارخانے، دھاتی پیداوار، جوتے کے کارخانے، زراعتی مشینوں اور الکحل کی تیاری کے کارخانے واقع ہیں۔ اس شہر کی بنیاد اوائل تیرہویں صدی میں ایک ترکی جنرل سلیمان پاشا نے رکھی تھی۔ وہ یہیں پر دفن ہے۔ اس شہر کے بیشتر حصہ کی تعمیر 1920 کے بعد ہوئی جب اس کو البانیہ کا صدر مقام بنایا گیا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد یہاں ایک صنعتی مرکز قائم کیا گیا۔ اتھیم بے کی اٹھارہویں صدی کی مسجد آج تک موجود ہے۔ اس شہر میں ایک یونیورسٹی 1957 میں قائم کی گئی۔ 11/ جنوری سنہ 1946 سے یہاں کمیونسٹوں کی سرکردگی میں عوامی جمہوریہ قائم ہوا۔ آبادی 1971 میں 119,000 تھی۔

ترتیب (چنیدگی) (Sorting): وہ عمل جس کے زیر اثر رسوبی حجرات کے رسوبی (کنکری) دانے زیادہ تر اپنے سائز کے اعتبار سے مرتب ہو جاتے ہیں۔ جن رسوب میں تمام دانے (کنکری) قریب قریب ایک ہی (ذراتی) سائز کے ہوں، وہ خوش ترتیب (Well Sorted) کہلاتے ہیں۔ اور جب بے حد بڑے بڑے رسوبی ٹکڑے اور بے حد باریک باریک دانے دونوں ایک ہی ساتھ ایک ہی حجر میں پائے جائیں تو ایسے مادوں کو بے ترتیب یا بد ترتیب (Unsorted or Badly Sorted) کہتے ہیں۔ خوش ترتیبی پختہ رسوبی مادوں اور بد ترتیبی خام رسوبی حجرات یا مادوں کی پہچان ہے۔ (دیکھیے ماخذی علاقہ Provenance)۔

ترتیب شدہ (خصوصی) درجہ دار پرت داری: دیکھیے خصوصی ترتیب شدہ درجہ حرات پرت داری۔

ترسر: کشمیر میں لیدرواٹ کے قریب، ترسر جھیل 3,783 میٹر کی اونچائی پر واقع ہے جو ایک دلچسپ تفریحی مرکز ہے۔

ترسیب: بخارات کی تکثیف کے بعد پانی کی مائع یا ٹھوس شکلیں درج ذیل ہیں:

(1) بارش: ہوا جب بخارات سے سیر شدہ ہو جاتی ہے یا بلندیوں میں پہنچنے کے بعد اس کا درجہ حرارت گھٹ کر نقطہ شبنم تک پہنچ جاتا ہے تو اس میں ملے ہوئے بخارات کی فاضل مقدار گیس کی شکل میں قائم نہیں رہ سکتی۔ فضائی گرد و غبار اور دھویں یا نمک کے سرد ذرات پر تمرید کے باعث وہ پانی بن کر جمع ہونے لگتی ہے۔ ہوا میں تیرتے ہوئے یہ ننھے ننھے قطرے بڑے ہو جائیں تو بارش ہونے لگتی ہے۔ بارش کی یہ نیچے اترنے والی بوندیں بعض اوقات زمین تک نہیں پہنچ پاتیں۔ درمیانی گرم فضا ہی میں دوبارہ بخارات کی شکل اختیار کر کے بلندیوں کی طرف لوٹنے لگتی ہیں۔

بارش تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک طبعی جو پہاڑوں کی رکاوٹ کے باعث ہوا کے اوپر اٹھنے سے ہوتی ہے۔ دوسری سطلونی (سائکلونی) جو بادو گولون کے مرکزی حصہ سے بلندیوں میں پہنچنے والی ہوا سے ہوتی ہے۔ اور تیسری کنوکشنل جو استوائی خطہ کی کم ہوا کی پٹی میں ہوا کے مستقلاً اوپر اٹھتے رہنے سے ہوتی ہے۔

(2) برف باری: ایسی ترسیب جس میں صفر درجہ سنٹی گریڈ سے کم درجہ حرارت پر فضا کے آبی بخارات کی تکثیف سے ننھی ننھی برف کی قلمیں بن جائیں۔ یہ کبھی گالوں کی شکل میں نیچے گرنے لگتی ہیں اور کبھی ان سے ژالہ باری بھی ہو جاتی ہے۔ اس وقت فضا کی نچلی پرت بھی سرد ہو تو برف بغیر پگھلے ہی زمین تک پہنچ جاتا ہے۔ زیادہ بلندیوں میں یا قطبین کے قریب گرتا ہوا برف خشک سفوف کی شکل کا ہوتا ہے۔

(3) اولے: یہ برف کے ایسے گول گول ٹکڑے ہیں جو طوفان رعد و برق کے دوران گالہ نما بارانی بادلوں سے زمین پر گرنے لگتے ہیں۔ ان کا قطر اوسطاً 5 ملی میٹر سے 5 سینٹی میٹر تک ہوتا ہے۔ بادلوں میں برف کے چھوٹے چھوٹے ذرے ہوا کی رووں کے ساتھ اوپر نیچے ہوتے رہتے ہیں اور پانی کے سرد قطروں سے ٹکراتے ہیں۔ یہ قطرے یکے بعد دیگرے ان پر جم کر جسامت میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔ جب یہ کافی بڑے ہو جاتے ہیں اور اوپر اٹھنے والی ہواؤں کی روئیں انھیں سنبھال نہیں سکتیں تو سطح زمین پر گرنے لگتے ہیں۔

(4) کہر: سطح زمین کے قریب کی ایسی فضا جس میں مرطوب ہوا کے بخارات عمل تکثیف کے بعد چھوٹے چھوٹے آبی قطروں کی شکل میں تیر رہے ہوں اور ان کی موجودگی کے باعث گرد و پیش کی چیزوں کو دیکھنا دشوار ہو جائے۔ کہر کی درج ذیل کئی قسمیں ہیں۔

(الف) افقی کہر: جب گرم مرطوب ہوائیں سرد سطحوں سے مَس ہوتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں تو بعض اوقات ان کے زیریں حصہ کا درجہ حرارت نقطہ شبنم سے کم ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً بخارات کی تکثیف ہونے لگتی ہے اور افقی سمت میں کہر دور دور تک پھیل جاتا ہے۔ اس طرح کا کہر اکثر ساحلوں پر یا اندرون بر اعظم بڑے آبی علاقوں کے کناروں پر پھیلتا رہتا ہے۔

(ب) دود آرکٹک: یہ ہلکا سا کہر ہے جو بحر آرکٹک کی خلیجوں کے کم گرمیانی کی سطح پر سرد ہواؤں کے گزرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

(ج) پیش کہر: بادگولہ کے اگلے گرم حصہ کے گزرنے کے دوران جب بارش کے قطرے فضا کے زیریں سرد طبقات میں پہنچتے ہیں تو ذرا سی دیر کے لیے دھندسی پھیل جاتی ہے۔ یہ پیش کہر کہلاتا ہے۔

(د) برفانی کہر: اسی کہر میں آبی قطروں کے بجائے مہین برف کی قلمیں تیرتی رہتی ہیں۔

(ی) اشعاعی کہر: یہ ہلکا سا کہر ہے جو کبھی صبح کے وقت وادیوں اور نشیبی علاقوں میں پھیل جاتا ہے۔ رات بھر زمین سے حرارت خارج ہوتی رہتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں زمین سرد ہو جاتی ہے۔ اس کے اثر سے اوپر کی مرطوب ہوا کا درجہ حرارت نقطہ شبنم سے کم ہو جائے تو اس قسم کا کہر پھیل جاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں تقلیب حرارت کی کیفیت پیدا ہو جائے تو یہ کہر بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(ف) دھواں کہر: یہ ایسا کہر ہے جو دھوئیں، گرد و غبار، کاربن مانو آکسائیڈ اور سلفر ڈائی آکسائیڈ، وغیرہ کے شامل ہونے سے آلودہ ہو جاتا ہے۔

(5) دھند: سطح زمین کے قریب کی فضا میں سفید پردہ نما پھیلاؤ جو ننھے ننھے آبی قطروں کی موجودگی کے باعث ظہور میں آتا ہے۔

(6) کہرا: زیریں فضا کی دھندلی سی کیفیت جو گرد یا دھوئیں کے مہین خشک ذرات کے تیرنے کے سبب نمایاں ہوتی ہے۔

(7) اوس: فضا میں صفر درجہ سینٹی گریڈ سے کم نقطہ شبنم پر نرم برف کی سفید قلموں کا جماؤ اوس کہلاتا ہے۔

(8) شبنم: سطح زمین پر نقطہ شبنم سے کم درجہ حرارت رہے تو فضائی بخارات کی تکثیف کے نتیجہ میں گھاس اور پودوں، وغیرہ پر پانی کے قطرے جمع ہو جاتے ہیں جو شبنم کہلاتے ہیں۔

ترشول: یہ اترپردیش (ہندوستان) کے ہمالیائی علاقہ میں ایک پہاڑی چوٹی ہے۔

ترشئی چٹانیں (Acid Rocks): 10 فی صد سے زیادہ کوارٹز (Quartz) کی حامل آتشی چٹانوں میں عام طور پر 66 فی صد سے زیادہ سلیکا ($Silica : SiO_2$) ہوتا ہے۔

ترفان: چین کی یہ کاؤنٹی "تیان شان" کے پہاڑی طاس کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ یہاں کئی زرخیز نخلستان اور تجارتی مراکز موجود ہیں۔ سنہ 1949 کے بعد اس علاقہ میں زراعت اور پھلوں کی پیداوار نے کافی ترقی کی ہے۔ پہاڑی طاس کے شمالی حصہ میں اسی نام کا ایک نیا شہر آباد ہے۔

ترکمانستان (ترکمینا): یہ اشتراکی روس کے نومبر 1991 میں شیرازہ بکھرنے پر ایک آزاد خود مختار ملک بن گیا ہے۔ یہ قلب ایشیا میں واقع ہے اور ترکمینا بھی کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ 488,100 مربع کلو میٹر (188,500 مربع میل) ہے۔ نوے فی صد علاقہ ریگستانی میدان ہے۔ اس میں کئی نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔ کراکم یا سیاہ ریت کا عظیم صحرا جمہوریہ کے مرکزی حصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اعلیٰ قسم کا پٹرولیم مقامی طور پر حاصل کر لیا جاتا ہے۔ خشکی کے اندرونی حصہ میں واقع ہونے کے سبب آب و ہوا شدید براعظمی ہے۔ فضا میں رطوبت بہت کم رہتی ہے، بارش بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ آب پاشی کی ترقی کے ساتھ زراعت کو فروغ ہوا ہے۔ کپاس خاصی مقدار میں پیدا کی جاتی ہے۔ صنعتی میدان میں بھی کافی ترقی ہوئی ہے۔ آبادی 1989 میں تقریباً 36 لاکھ تھی۔ عاشق آباد یہاں کا صدر مقام ہے۔

ترکی (Turkey): جمہوریہ ترکی مغربی ایشیا یعنی ایشیا کوچک اور جنوبی مشرقی یوروپ میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 779,452 مربع کلو میٹر (304,473 مربع میل) ہے۔ انقرہ اس کا دارالسلطنت ہے۔ ایشیائی ترکی یا اناطولیہ جو کل رقبہ کے 97 فیصدی حصہ پر مشتمل ہے شمال میں بحیرہ اسود، آبنائے باسفورس، بحیرۂ مرمرا اور درہ دانیال سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے مغرب میں بحر اخضر یا ایجین (جو بحیرہ روم کا ایک حصہ ہے)، جنوب میں مشرقی بحیرۂ روم، سیریا (شام) اور عراق، مشرق میں ایران اور شمال مشرق میں ارمینیائی اور جارجیائی جمہوریتیں واقع ہیں۔ یوروپی ترکی مشرقی تھیریس پر مشتمل ہے جو شمال مشرق میں بحیرہ اسود، شمال میں بلغاریہ اور مغرب میں یونان اور بحیرہ اخضر (ایجین) سے گھرا ہوا ہے۔ جنوب میں آبنائے باسفورس بحیرہ مرمرا اور درہ دانیال اسے ایشیائی ترکی سے علیحدہ کرتے ہیں۔ ترکی کی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 60,777,000 ہے۔ ایشیائے کوچک کے ساحل سے بحیرہ اخضر کے تقریباً سارے جزائر یونان کی ملکیت ہیں۔ انتظامی محاذ سے ترکی صوبوں (ولایت) میں منقسم ہے اور ہر صوبہ عموماً وہاں کے اہم شہر ہی کے نام سے موسوم ہے۔ تاہم بعض قدیم نام بھی اب تک چلے آرہے ہیں مثلاً ایشیائی ترکی کا شمال مشرقی حصہ آرمینیا کہلاتا ہے اور جنوب مشرقی ترکی کردستان کے علاقے پر مشتمل ہے۔ یوروپی ترکی، جس میں استنبول (قدیم قسطنطنیہ) اور ادارنے واقع ہیں، استوانہ شکل کا زرعی علاقہ ہے۔ ایشیائی ترکی کا ساحلی علاقہ بھی بڑا زرخیز ہے۔ اس کے وسط میں اناطولیائی سطح مرتفع واقع ہے۔ جس کے اطراف پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ جنوب میں کوہ طارس اور شمال مشرق میں آذربائیجان اور ایرانی سرحد کے اتصال پر کوہ ارارات واقع ہیں۔ ملک میں متعدد جھیلیں ہیں جن میں وان اور تز بہت مشہور ہیں۔ 1955 کے بعد دریاؤں پر بڑے بڑے بندھ تعمیر کئے گئے ہیں جن سے آب پاشی اور برقی آبی تیار کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ بندھ اور ریلوے کی تعمیر کے ساتھ یہاں بھی ریلوں کا آغاز ہوا۔ استنبول (ترکی کا سب سے بڑا شہر)، سمرنا، سمرون، اسکندرونی، مرسین اور طرابزون یہاں کے بڑے بندرگاہ ہیں۔ بڑے شہروں میں انقرہ، برسا، اورنا، قونیہ، کیسری، اور انطاکیہ قابل ذکر ہیں۔ ترکی کی آب و ہوا عموماً معتدل ہے۔ یہاں کے باشندوں کا اہم پیشہ کھیتی باڑی اور گلہ بانی ہے۔ ترکی کا بیشتر حصہ زرعی ہے اور تقریباً نصف سے زیادہ رقبہ چراگاہوں پر مشتمل ہے۔ صنعتی اعتبار سے ترکی ابھی ابتدائی منازل میں ہے۔ جنوب مشرق میں تیل دریافت ہوا ہے لیکن اس کی پیداوار کی مقدار بہت زیادہ نہیں ہے۔ کروم اور میرشام کی برآمدات کے لحاظ سے ترکی دنیا کا ایک اہم ملک ہے۔ حال ہی میں لوہے اور فولاد کے کارخانے قائم کئے گئے ہیں اور سیمنٹ، شکر سازی اور پارچہ بانی میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ تاہم مشینری اور مصنوعات کی بڑی مقدار ترکی بیرونی ممالک سے درآمد کرتا ہے۔ ملک میں درآمد زیادہ تر امریکہ، جرمنی، لیبیا، جاپان، فرانس اور برطانیہ سے ہوتی ہے اور برآمد جرمنی، امریکہ، برطانیہ، اٹلی اور فرانس وغیرہ کو جاتی ہے۔ برآمدات کا بڑا حصہ روئی اور تمباکو وغیرہ ہے۔ سیاحی بھی اہمیت کی حامل ہے۔ رائج سکہ ترکی لیرا ہے۔ ترکی کی 95 فیصدی آبادی ترکی زبان بولنے والوں پر مشتمل ہے۔ جو مذہبی عقیدہ کے اعتبار سے سنی مسلمان ہیں۔ تاہم ترکی میں مذہب کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نسلی اعتبار سے سب سے بڑی اقلیت کرد

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

باشندوں کی ہے۔ مذہبی اقلیتوں میں یہودی، آرمینیائی اور یونانی کلیسا کو ماننے والے عیسائی قابل ذکر ہیں۔ خود ترکی میں بہت زیادہ نسلی اختلاط موجود ہے۔ ترک باشندوں کی رگوں میں سلجوقیوں کے علاوہ دیگر مسلم قوموں کا خون بھی موجود ہے گو کہ وہ اپنے کو عثمانیوں ہی کی اولاد بتلاتے ہیں۔ ترکی میں ابتدائی تعلیم لازمی ہے اور بے شمار تکنیکل اور پیشہ ورانہ مدارس کے علاوہ استنبول۔ انقرہ اور ارض روم میں جامعات (یونیورسٹیاں) اور سمرنا اور طرابزوں میں کالج موجود ہیں۔ اناطولیہ کا شمار دنیا کے ان قدیم ترین علاقوں میں ہوتا ہے جہاں مدنی (شہری) زندگی کا پہلے پہل آغاز ہوا تھا۔

ترکی میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 6,878,923 اور استادوں کی تعداد 234,961 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 3,987,423 طالب علم اور 170,611 استاد تھے۔ حرفی اداروں میں 976,916 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 810,781 طالب علم تھے۔

ترکوں کا اصل وطن وسط ایشیا ہے۔ کسی زمانے میں یہ خانہ بدوش قبیلے روزگار کی تلاش میں جنوب اور مغرب میں پھیل گئے تھے۔ ان میں سے سلجوقیوں اور عثمانی قبیلوں کو یوروپ اور مغربی ایشیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ عباسی دور حکومت میں انھوں نے اسلام قبول کیا اور رفتہ رفتہ مشرق وسطیٰ میں ان کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔ ابتدا میں عباسیوں نے انھیں کرایہ کے سپاہیوں کی حیثیت سے مامور کیا۔ صلیبی جنگوں میں انھوں نے اپنے جوہر دکھائے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سلطنت کے حقیقی حکمراں بن گئے۔ ترکوں کا آخری قبیلہ جو عثمانی کہلاتا تھا تیرھویں صدی میں ایشیائے کوچک میں بازنطینی سرحدوں میں متعین کیا گیا تھا۔ چودھویں صدی میں اپنی جنگی صلاحیتوں اور غیر معمولی نظم و ضبط کی وجہ سے یہ قبیلہ اور ساتھ ساتھ ترک قوم عثمانی کہلانے لگی۔ عثمانی خاندان کی سلطنت کسی زمانے میں ویانا سے لیکر بحر ہند تک اور تیونیشیا سے لے کر قفقاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گا۔

ترکی کی اکثر تجارت جرمنی، اٹلی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سلطنت متحدہ (انگلینڈ) کے ساتھ ہوتی ہے۔

1964 سے ترکی یوروپین اکونامک کمیونٹی کا ممبر ہے

1918 میں ترکی کی نئی تاریخ شروع ہوئی جب سلطنت عثمانیہ ختم ہو گئی۔

1936 میں ترکی کو اپنے پورے علاقہ میں حکومت کرنے کا پورا حق مل گیا۔

1938 میں کمال اتاترک کے انتقال کے وقت ترکی پوری طرح مغربی طرز زندگی پر چل پڑی تھی۔

1991 کی خلیجی جنگ کے دوران ترکی نے امریکہ کو عراق پر حملے کرنے کی سہولت مہیا کی۔

تروپتی: ریاست آندھرا پردیش کے ضلع چتور اور چینائی (مدراس) سے 160 کلو میٹر یا سو میل کے فاصلے پر تروپتی واقع ہے۔ یہ دراصل مندروں کا شہر ہے۔ یہاں کا خاص مندر تیروملائی نامی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ لارڈ وینکٹیشور کا مندر ہے جو شمالی ہند میں بھگوان بالاجی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ تروملائی سطح سمندر سے 2,800 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ لارڈ وینکٹیشور کا مندر جنوبی ہند کی فن تعمیر کا شاہ کار ہے۔ مندر کے اوپر کا حصہ پورا سونے کا بنا ہے۔ یہاں ہر دن ایک میلہ جیسا دن ہوتا ہے جبکہ ہزاروں یاتری اس مندر پر بڑی عقیدت کے ساتھ آتے ہیں اور ہزاروں روپے اور زیورات نذر کرتے ہیں۔ اس کی آمدنی سے مندر کی ضروریات اور مسافرین کے آرام کے علاوہ، ایک بڑی یونیورسٹی چلائی جا رہی ہے جو سری وینکٹیشور یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہے۔ علاوہ ازیں اس کی آمدنی سے ایک بڑا ہسپتال اور کئی سنیما گھر اور کئی ادارے بھی چلائے جا رہے ہیں۔

تری پورہ: رقبہ کے لحاظ سے بھارت کی سب سے چھوٹی ریاست تری پورہ سوائے شمال مغربی کونے کے چاروں طرف بنگلہ دیش سے گھری ہوئی ہے۔ شمال مغرب میں آسام واقع ہے۔ اس کا رقبہ 10,477 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 میں 2,757,205 تھی۔ اس ریاست کا صدر مقام اگرتلہ ہے۔

ریاست کا 60% حصہ پہاڑیوں اور جنگلات پر مشتمل ہے۔ اوسط سالانہ بارش 210 سنٹی میٹر ہوتی ہے جو کہیں کم اور کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔ زمین ناقابل کاشت ہے۔

یہ ایک پس ماندہ ریاست ہے جہاں پہلے صرف قبائلی آباد تھے۔ آزادی کے بعد مشرقی بنگال کے مہاجرین سے آبادی کافی بڑھ گئی ہے۔ اہم پیداوار چاول، جوٹ، کپاس، میسٹا، آلو، تلہن، گنا، کپاس، چائے، پھل اور پٹ سن ہیں۔ یہ ریاست دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں کے لیے مشہور ہے۔ چائے کی صنعت اہم ہے۔ یہاں راودھا کشور پور کا مندر بہت مشہور ہے۔ سنہ 1733 میں یہ علاقہ مغل سلطنت کے تحت آیا۔ اس کے بعد اس پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ آزادی کے بعد سنہ 1956 میں یہ یونین علاقہ بنا اور پھر حال ہی میں اسے یونین ریاست کی حیثیت حاصل ہوئی۔ 21/

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جنوری 1972 کو اسے ایک ریاست کی حیثیت دی گئی۔

اگر تلہ، تری پورہ کا صدر مقام ہے جس کا رقبہ 15.78 مربع کلو میٹر اور آبادی 1971 میں 59,625 تھی۔

آئیل اور نیچرل گیس کمیشن کی مدد سے یہاں تیل اور گیس نکالی جاری ہے۔ یہاں برقی قوت کے اسٹیشن اودے پور، اگر تلا اور دھرما نگر میں ہیں جن کی گنجائش کا اندازہ 15 میگاواٹ ہے۔

تسطیحی ظل اندازی (Stereographic Projection): یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس میں قلم کے رخ ایک دائروی خاکہ میں نقاط کے سلسلے کے ذریعہ ظاہر کیے جاتے ہیں۔

شکل میں مختلف محور دکھلائے گئے ہیں جس میں نشان چار رخی محور کو ظاہر کرتے ہیں۔ 'سہ رخی'، 'دو رخی'۔

جماد گیلینا (Galena) اس کی بہترین مثال ہے۔

تصویری نقشہ: دیکھیے "تقسیمی نقشے"

تطابق (Conformity): اگر حجری طبقات ایک دوسرے کے اوپر اس طرح واقع ہوں کہ ان کا آپسی تعلق عدم تسلسل (Discontinuity) کا شکار نہ ہو تو ایسے طبقات کو تطابق والے طبقات کہتے ہیں۔

تظلیل (Projection): تظلیل کی خصوصیات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یقین کر لینا مناسب ہوگا کہ یہ کروی شکل سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس میں عام طور پر مستوی سے مراد افقی سطح ہی لی جاتی ہے جو کروی شکل یا کروی دائرے کے اوپری یا شمالی حصے سے تماس میں ہوتی ہے۔ کروی شکل کے مرکز سے اگر قیاسی خطوط کھینچے جائیں جو قلمی سطح کے قطب میں سے گزرتے ہوں تو یہ آخر کار کروی شکل کی سطح سے مس کریں گے۔ یہ خطوط جس نقطہ پر مس کرتے ہیں وہ اس قلم کی تظلیل کو ظاہر کرتا ہے۔

تعددی کثیر الاضلاع یا منحنی: یہ ایسا کثیر الاضلاع یا منحنی ہے جو تعددی تقسیم کو ظاہر کرتا ہے اور "ہسٹوگرام" بنانے والے مستطیلوں کے افقی سمت میں پھیلے ہوئے اوپری اضلاع کے وسطی نقطوں کو سلسلہ وار جوڑنے سے تشکیل پاتا ہے۔ بعض اوقات تعددی منحنی کے پہلے سرے کو قاعدہ پر صفر کے نشان سے اور دوسرے (آخری) سرے کو آخری ہندسہ سے جوڑ دیتے ہیں۔ اس عمل سے کثیر الاضلاع اور متعلقہ "ہسٹوگرام" مساوی الرقبہ ہو جاتے ہیں۔ "ہسٹوگرام" ہی کی طرح اس کا افقی پیمانہ جماعتی وقفوں کو اور عمودی پیمانہ تعدد کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک ہی شکل میں تعددی منحنی تو کئی دکھائے جا سکتے ہیں مگر ہسٹوگرام صرف ایک بنتا ہے۔ ہسٹوگرام اور تعددی منحنی کا مقابلہ کرنا ہو تو دونوں کی ترسیم جدا جدا اختیار کرنا مناسب ہوتا ہے۔ تعددی تقسیموں کا مقابلہ کرنے کے لیے بالعموم فی صدی تعدد پیش نظر رہتا ہے اس لیے تعددی کثیر الاضلاع کا مقابلہ کرنا ہو تو فی صدی تعدد ہی کی ترسیم کی جاتی ہے۔

تعین سمت و مقام: سطح میز سے انٹر سیکشن کا پیمائشی کام کرتے وقت ابتدائی اسٹیشن پر تعین مقام کے ساتھ سطح درست کر دیں اور شمالی سمت دکھانے کے بعد منتخبہ مقامات کی سمتیں دکھانے والے خطوط مستقیم بنا کر دوسرے اسٹیشن پر پہنچیں اور وہاں بھی نئے اسٹیشن کا تعین کرتے ہوئے میز کی سطح اور سمت درست کر کے دونوں اسٹیشنوں کو جوڑنے والا اساسی خط مستقیم مناسب پیمانہ پر بنا دیں تو پورا عمل تعین سمت و مقام کہلائے گا۔ منشوری قطب نما سے بھی کچھ اسی طرح تعین سمت و مقام کیا جاتا ہے۔ لیکن اس آلہ کے استعمال کے دوران کاغذ پر کوئی خطوط نہیں بنائے جاتے۔ پہلے اسٹیشن سے پیش مشاہدہ اور دوسرے اسٹیشن سے عقبی مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ مشاہدات ناقص نہ ہوں تو دونوں کا فرق 180 ڈگری رہتا ہے۔

تقسیم صنعت: کرہ ارض پر صنعتی خطوں کا پھیلاؤ کچھ بے ترتیب سا دکھائی دیتا ہے۔ صنعتیں بالعموم ایسے علاقوں میں زیادہ فروغ پاتی ہیں جہاں ضروری وسائل موجود ہوں، خام مال آسانی سے پہنچ جائے، مزدور سہولت سے مل جائیں، مشینیں بآسانی فراہم ہو جائیں، حمل و نقل کی دشواریاں نہ ہوں اور نکاسی کے مراکز بھی قریب ہی موجود ہوں۔ اس وقت دنیا کے اہم اور وسیع صنعتی خطے تین ہیں۔ ایک

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

یورپ کا صنعتی خطہ، دوسرا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا صنعتی خطہ اور تیسرا روس کا صنعتی خطہ۔

تقسیم کو متاثر کرنے والے عناصر: حیاتی جغرافیہ کا ایک فرض یہ ہے کہ وہ اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کرے کہ عضویات، خواہ وہ نباتات ہوں یا حیوانات، کیوں کسی خاص طریقے پر منقسم ہوئے ہیں۔ بعض تقسیم سے متعلق نمونے مقامی ہیں لیکن ان میں چند جو وسیع طور پر اور علیحدہ علیحدہ خطوں میں پھیلے ہوئے ہیں، بڑی حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں حیاتی جغرافیہ کا ماہر اس انوکھی قسم کی تقسیم کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اجمالی نظر سے نباتات اور حیوانات کی قدرتی اقسام کے عناصر کے چار خاص گروہ ہیں۔ یہ ارتقائی، فطری، ماحولیاتی اور ارضیاتی ہیں۔ علاوہ ازیں ایک پانچواں عنصر بھی ہے جو عضویات کی تقسیم کو متاثر کرتا ہے۔ انسان اکثر و بیشتر نباتات اور حیوانات کی تقسیم کے نمونوں میں، جو قدرتی عناصر کے تعامل کا نتیجہ ہیں، تبدیلی لایا ہے۔ جیسا کہ نیل کی رائے ہے۔

"فطرت تحریک کرتی ہے اور پھر انسان موزوں طریقے پر اس کا انتظام کرتا ہے"۔

تقسیمی نقشے: کسی چیز کی تقسیم کو ظاہر کرنے والے نقشے تقسیمی کہلاتے ہیں۔ ان میں فضا کے درجہ حرارت، ہوا کے دباؤ، بارش، نباتات، زرعی پیداوار، معدنیات، ماکولات، مصنوعات یا آبادی وغیرہ کی تقسیم کو دکھایا جاتا ہے۔ ایسے نقشوں میں محض علامات یا تصاویر بنا کر یا اشارہ کے چند الفاظ لکھ کر کسی چیز کے پھیلاؤ کو دکھایا جائے تو صحیح تقسیم کا پتہ نہیں چلتا۔ مثال کے طور پر مہاراشٹرا کے نقشہ میں کسی جگہ لفظ کپاس لکھ دیا جائے یا کپاس کے پودوں کی شکلیں بنا دی جائیں تو پیداواری علاقہ تو سامنے آجائے گا مگر یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ کن کن علاقوں میں کپاس کی کتنی کتنی مقدار پیدا ہوتی ہے۔ نہ صحیح زیر کاشت رقبہ معلوم ہو سکے گا۔

نقشہ میں کسی خاص پیداوار کی تقسیم کو کسی ایک رنگ کے پھیلاؤ سے دکھادیں تو اکثر حقیقت کے خلاف سارے رنگین علاقہ پر ایک ہی سی تقسیم کا اندازہ قائم ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی علاقہ میں کہیں بنجر زمین یا ریگستان واقع ہوں اور کہیں پہاڑ، جھیلیں، تالاب یا کھنڈ وغیرہ موجود ہوں۔ اسی سرزمین کے بعض حصوں پر کچھ اور چیزوں کی فصل ہوتی ہے یا بعض علاقے کسی اور موسم کی دوسری فصلوں کے لیے خالی چھوڑ دیے گئے ہوں۔ ان تمام صورتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بڑے علاقہ پر کسی ایک ہی چیز کا یکساں پھیلاؤ دکھادینا مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ صرف وہی تقسیمی نقشے درست ہوں گے جن میں کسی چیز کی تقسیم کو دکھاتے وقت اس کی مقدار، تعداد یا صحیح رقبہ کو مناسب پیمانہ کے ذریعہ حسابی طریقے پر ظاہر کیا گیا ہو اور ان میں اندراجات کرنے سے قبل متعلقہ علاقوں کی سطح، ساخت، آب و ہوا اور بستیوں کے پھیلاؤ کے پس منظر کو بھی گہری نظر سے دیکھ لیا گیا ہو۔

تقسیمی نقشے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مقداری دوسرے غیر مقداری۔ مقداری یا اعداد و شماری نقشے کسی چیز کی مقدار یا تعداد کو مختلف حسابی طریقوں پر پیش کرتے ہیں۔ غیر مقداری نقشوں میں صحیح مقداروں یا تعدادوں کی بجائے چیزوں کی عام تقسیم کو علامات، سایہ یا رنگ کے پھیلاؤ سے نمایاں کر دیا جاتا ہے۔

تقویم فلکیات: یہ ہر سال چھپتی ہے۔ اس میں ملاحوں کے لیے سورج، چاند اور تاروں کے تعلق سے فلکیاتی معلومات، اجرام فلکی کے میلانات اور صعود مستقیم، کو کبی وقت نامے اور طول البلدی نیز گھڑی کے اوقات کی تفاوتیں درج ہوتی ہیں۔ یہ جہازوں کے مقامات کے تعین میں بھی مدد دیتی ہے۔

تکثیف بخارات: یہ ایسا عمل ہے جس کے نتیجہ میں پانی گیس کی شکل سے مائع یا ٹھوس شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بالائی فضا میں بادلوں کا پھیلاؤ بھی آبی بخارات کی تکثیف ہی کا نتیجہ ہے۔

تکثیفی دنبالہ: صاف سرد مرطوب ہوا میں اڑتے ہوئے ہوائی جہاز کے پیچھے پیچھے بڑھنے والی سفید ذرات کی ابر نما دھار۔ یہ جہازی ایندھن کی حرارت پذیری کے پیدا کیے ہوئے آبی بخارات کی تکثیف کے سبب رونما ہوتی ہے اور ٹراپیکی خطہ میں بالعموم 10,700 میٹر سے زائد بلندیوں پر تشکیل پاتی ہے۔ قطبی سمت میں یہ کم بلندیوں پر بھی دکھائی دیتی ہے۔ بعض اوقات یہ کانٹریل بھی کہلاتی ہے۔

تکلا مکان: یہ خشک ریگستانی علاقہ وسط ایشیا میں چین کے صوبہ سنکیانگ کے وسطی علاقہ میں واقع ہے اور سوا لاکھ مربع میل کے علاقہ میں پھیلا ہوا ہے۔ آبادی بے حد کم ہے۔ کہیں کہیں نخلستان ہیں جن میں کچھ آبادی ہے۔ ختن اور یارقند اسی علاقہ میں واقع ہیں۔ یہاں مرطوب ہوائیں نہیں پہنچتیں، اس لیے زیادہ تر علاقہ ریگستانی ہے۔

تکیہ نماساخت / تکیہ دار لاوا (Pillowed Structure/ Pillow Lava): جب زیر آب آتش فشانی ہوتی ہے تو لاوا گول گول

اجسام کے ذخیرہ کی صورت میں جمع ہوتا ہے۔ یہ اجسام تکیے (Pillows) کہلاتے ہیں اور اس لاوے کو تکیے دار لاوا اور اس ساخت کو تکیہ نما ساخت کہا جاتا ہے۔ پانی میں اچانک سرد ہونے کی وجہ سے ان تکیوں کا باہری حاشیہ بے حد باریک دانے دار یا شیشائی ہوتا ہے جسے رنڈ (Rind) کہتے ہیں۔ یہ عام طور پر نچلی سطح پر مسطح (Flats) ہوتے ہیں اور اوپر (Top) کی طرف محدب (Convex)۔ ان کی گولائی کی سمت لاووں کی کم عمری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تکیہ کے سرد ہونے کی وجہ سے انجمادی نیم قطری (Radial) دراڑیں (Cracks) موجود ہوتی ہیں اور اکثر ان کی سطح سوراخ دار (Vesicular) ہوتی ہے۔

تماسی زاویہ پیما (Control Coniometer): جمادات کے قلموں کے دو رخوں کے درمیانی زاویے کو ناپنے کے لیے جو آلہ استعمال کیا جاتا ہے، اس کو تماسی زاویہ پیما کہتے ہیں۔ یہ آلہ عام طور پر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک کو تماسی زاویہ پیما اور دوسرے کو انعکاسی زاویہ پیما (Reflecting Coniometer) کہتے ہیں۔ تماسی زاویہ پیما میں دو سیدھے کنارے والی پٹیاں ہوتی ہیں جو ایک چول پر گھومتی ہیں ان کو ایک درجہ دار قوس سے جوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل شکل میں دکھایا گیا ہے۔ اس آلہ کو قلم کے دو متصلہ رخوں سے لگا کر رکھا جاتا ہے اور جو بھی زاویہ بنتا ہے، اس کو درجہ دار قوس پر پڑھ لیا جاتا ہے۔ اس طریقے سے جو زاویہ معلوم ہوتا ہے وہ دو رخوں کے اندرونی زاویہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس حاصل شدہ نتیجہ کو 180 درجہ میں سے وضع کرنے پر اندرونی زاویے کی مقدار معلوم ہو جاتی ہے۔

تماسی زاویہ پیما

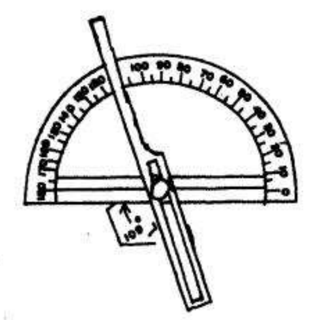

تمثیلی مقام (Type Locality): وہ مقام جہاں کی حجراتی چٹانی اکائیاں سب سے پہلے ارضیاتی ادب میں بیان کی جائیں اور جو اس ضمن میں بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہو۔

تمسانڈی: شہر ممبئی کو پینے کا پانی تمسانڈی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

تمور: یہ ایک جزیرہ ہے جو بحیرۂ ساوو اور بحیرۂ تمور کے درمیان واقع ہے۔ اس کے دو حصے ہیں، ایک مغربی تمور، دوسرا مشرقی تمور مغربی تمور کا رقبہ 6,120 مربع میل ہے اور یہ انڈونیشیا کے زیر اقتدار ہے۔ مشرقی تمور کا رقبہ 5,763 مربع میل ہے۔ یہ پرتگیزیوں کی کالونی تھی اور اب یہ بھی انڈونیشیا کے زیر اقتدار ہے۔ جزیرہ کا بیشتر حصہ پہاڑی ہے۔ سب سے اونچا ماؤنٹ تاتا میلا سطح سمندر سے 9,711 فٹ بلند ہے۔ ساحلوں پر تنگ میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض مقامات پر گرم کیچڑ خارج کرنے والے چشمے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ سنہ 1970 میں مشرقی تمور کی آبادی 610,541 اور انڈونیشیائی تمور کی آبادی 2,475,000 تھی۔

تمور۔ جزیرہ (Timore Island) انڈونیشیا: تمور بحرالکاہل کا ایک جزیرہ ہے جس کا رقبہ 26,549 مربع کلومیٹر (10,371 مربع میل) ہے۔ یہ آسٹریلیا کے شمال میں تین سو میل دور ہے۔ چند سال پہلے تک یہ دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک حصہ انڈونیشیا کے قبضہ میں تھا اور دوسرا حصہ پرتگالیوں کے اب یہ پورا جزیرہ انڈونیشیا کا حصہ ہے۔

تمور میں صندل کی لکڑی بکثرت ملتی ہے۔ ناریل کے درخت بہت زیادہ اگائے جاتے ہیں اور کافی، صندل، ناریل اور چمڑا برآمد کئے جاتے ہیں۔

تناسبی مقسام: اس آلہ کے ذریعہ خطی فاصلوں اور دائروں کو مطلوبہ نسبتوں میں بڑا یا چھوٹا کیا جا سکتا ہے۔ خاکوں اور نقشوں کے رقبے اور ٹھوس اجسام کے حجم بھی اس کی مدد سے حسب ضرورت گھٹائے یا بڑھائے جا سکتے ہیں۔ اسے کثیر الاضلاع اشکال بناتے وقت اور دائروں کے جذر المربع معلوم کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح شکل میں دکھایا گیا ہے۔ اس آلہ میں دو نوکدار دھاتی چھلکے ایک پیچدار کیل کے ذریعہ باہم جوڑ دیے جاتے ہیں۔ یہ کیل ایک چھوٹے سے کھسکنے والے دھاتی پتر سے جڑی رہتی ہے۔ اس پتر پر ایک خط کندہ کر دیا جاتا ہے جو نمائندہ کہلاتا ہے۔ پیچدار کیل اس دھاتی پتر کے ساتھ چھلکوں کے درمیان لمبے کٹاؤ میں حسب ضرورت اوپر نیچے ہٹائی جا سکتی ہے۔ ایک چھلکے پر کٹاؤ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے ایک طرف خطی پیائش کے اور دوسری طرف دائری پیائش کے پیانے درج ہوتے ہیں۔ دوسرے پھلکے پر خاکوں کے رقبوں اور حجموں کی پیائش کے پیانے بنا دیے جاتے ہیں۔

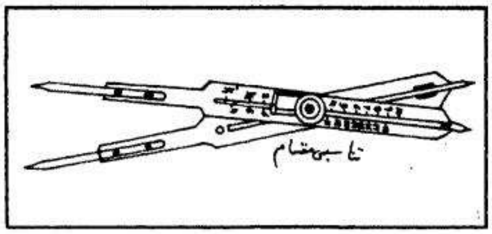

تناسر م یوما: مینار کا یہ 400 میل لمبا پہاڑی سلسلہ 6,801 فٹ بلند ہے۔

تنانار یو (Tananarive): یہ جزیرۂ مدغاسکر کا اور صوبہ تنانار یو کا بھی صدر مقام ہے۔ اسے انتانانار یو (Antananarivo) بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا قدیم نام انالا منگا (Analamanga) تھا۔ سطح سمندر سے 4,694 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کا مرکز ہے۔ آب و ہوا گرم سیر (ٹراپیکل) ہے۔ مئی سے ستمبر تک موسم سرد، خشک اور اکتوبر سے اپریل تک گرم رہتا ہے۔ بارش اکثر طوفانی ہوتی ہے۔ صوبہ کا رقبہ 57,775 مربع کلو میٹر یعنی 22,307 مربع میل ہے۔ ایواٹو (Ivato) اور اری وونی ماسو (Arivonimamo) کے اہم ایرپورٹ یا طیران گاہیں صدر مقام کے قریب ہی واقع ہیں۔ سنہ 71-1970 میں شہر کی آبادی 381,512 تھی۔ صوبہ کی آبادی 1,798,920 تھی۔

تنگ جنگلا: یہ اتر پردیش (ہندوستان) کی سرحد پر ایک درہ ہے۔

تنگبھدرا پراجکٹ: کرناٹک کے ضلع بیلاری اور ہوس پیٹ سے 4 کلو میٹر مغرب میں تنگ بھدرا ندی پر ایک 2,460 میٹر طویل اور 48 میٹر بلند بندھ تعمیر کیا گیا ہے۔ جس سے 37,914 ہیکٹیر رقبہ سیراب ہوتا ہے۔ اس پراجکٹ سے کرناٹک اور آندھرا پردیش کی ریاستوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ تنگبھدرا کی زیریں سطح کی نہر سے ریاں سیما میں ضلع اننت پور کا 157,000 ایکڑ رقبہ سیراب ہوگا، اور اس کی بالائی سطح کی نہر سے کرناٹک کا 251,676 ایکڑ رقبہ سیراب ہوگا۔

توالو (Tuvalu): مغربی بحرالکاہل میں ایک آزاد دولت مشترکہ کی رکن قوم ہے۔ پہلے جزائر گلبرٹ اور جزائر ایلس کو ملا کر ایک کالونی تھی۔ یکم اکتوبر 1975 سے یہ دو حصوں میں بانٹ دیے گئے۔ 16 بڑے اور چھوٹے جزائر کے مجموعے کا نام جزائر گلبرٹ رکھا گیا اور جزائر ایلس کا نام بدل کر توالو رکھ دیا گیا۔ یہ 9 بڑے اور کئی چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ یہ خط استوا کے عین جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 26 مربع کلو میٹر (10 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 9,317 ہے۔ یہاں فاسفیٹ کی کافی کان کنی ہوتی ہے جو باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ناریل بھی برآمد ہوتا ہے۔ خود کفیل کاشتکاری کی جاتی ہے۔ ان کی جائے وقوع اور کم رقبہ سیاح کو زیادہ ترقی نہیں دے سکتے۔ آبادی بنیادی طور پر پالینیشیائی نژاد ہے۔ فنا فوتی یا فون گافالے صدر مقام ہے۔

توام قلمیں (Twin Crystals): یہ ایسی جماداتی قلمیں ہوتی ہیں جن میں دو یا دو سے زیادہ منفرد قلمیں اس طرح ایک دوسری میں نمو پاتی ہیں کہ بعض اوقات ان کے رخ متوازی ہوتے اور ساتھ ہی دوسرے حصے مخالف محل میں ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات دو یا دو سے زیادہ جمادی قلمیں بیرونی طور پر متشابہ طریقے پر جڑی رہتی ہیں۔ بعض اوقات یہ صلیب یا ستارے کی شکل بھی اختیار کرتی ہیں۔ توامی ساخت میں بعض رخ الٹی ترتیب میں ہوتے ہیں۔ اس کی بہترین مثالیں کولمبائٹ اور فلورائٹ کی قلمیں ہیں۔

توامیت (Twinning): بعض جماداتی قلموں میں توامیت پائی جاتی ہے۔ اس میں دو یا تین قلمیں جڑی ہوتی ہیں جو ایک ہی قسم کے مادے سے بنی ہوتی ہیں۔ دو قلمیں اس طرح ایک دوسری سے جڑ جاتی ہیں کہ ان دونوں کی قلمی سطحیں مشترکہ ہوتی ہیں۔ توامی قلموں میں ایک قلم دوسری قلم کی الٹی ہوتی ہے اور بعض اوقات قلم کا نصف حصہ پوشیدہ رہتا ہے۔ مستوی جو جڑے ہوئے قلم کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کرے کہ ایک قلم کا نصف حصہ دوسرے قلم کے نصف حصے کو منعکس کرے تو ایسی سطح کو توامیت کی سطح کہتے ہیں اور وہ محور جس پر گھمانے سے غیر توامیت والی سطح ظاہر ہو اس محور کو توامی محور کہتے ہیں۔ عموماً توامی محور توامی سطح پر عموداً واقع ہوتا ہے۔

توتی کورن (ٹیوٹی کورین): یہ تامل ناڈو کا ایک اہم بندرگاہ ہے جو جزیرہ نمائے ہند کے انتہائی جنوب مشرقی نقطہ پر واقع ہے۔ یہ بندرگاہ اتھلا ہے، اس لیے بار بار اس کی کھدائی (ڈریجنگ) کرنی ضروری ہو جاتی ہے۔ روئی، چائے، سنا کے پتے، الائچی اس کی خاص برآمدات ہیں۔ اس بندرگاہ کے ذریعہ سری لنکا سے بہت زیادہ تجارت ہوتی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

تودہ باد (Air mass): یہ ہوا کا ایسا وسیع اور یکساں پھیلاؤ ہے جو محاذی سطوح سے محدود رہتا ہے اور اکثر بتدریج بینی منطقوں سے جاملتا ہے۔ اس کا اساسی مقام ماخذی خطہ کہلاتا ہے۔ سطح زمین سے فضائے قائمہ تک اس کے طبقات نمایاں ہوتے ہیں۔ رطوبت اور حرارت کی کمی و بیشی کے اعتبار سے اس کی درج ذیل اقسام حرفی علامات سے ظاہر کی جاتی ہے۔

بحری ٹراپکل (Maritime Tropical): یہ گرم و مرطوب ہوتا ہے۔

براعظمی ٹراپکل (Continental Tropical): یہ گرم و خشک ہوتا ہے۔

بحری قطبی (Maritime Polar): یہ سرد و مرطوب ہوتا ہے۔

براعظمی قطبی (Continental Polar): یہ سرد و خشک ہوتا ہے۔

بحری آرکٹک یا انٹارکٹک (Maritime Arctic or Antarctic): یہ شدید سرد اور مرطوب ہوتا ہے۔

براعظمی آرکٹک یا انٹارکٹک (Continental Arctic or Antarctic) یہ شدید سرد و خشک ہوتا ہے۔

تہران: سلطنت ایران کا صدر مقام ہے۔ کوہ البرز کی جنوبی ڈھلان پر واقع ہے۔ بحیرۂ خزر (کیسپین) سے 100 کلومیٹر دور ہے۔ 1985 میں تہران کی آبادی چھیالیس لاکھ (4,600,000) سے زیادہ تھی۔ شہر کا رقبہ 282 مربع کلومیٹر ہے۔

ایران کا صدر مقام پہلے 'رے' تھا۔ سنہ 1220 میں جب منگول حملہ آوروں نے اسے تباہ و تاراج کر دیا تو اس کے قریب تہران بسایا گیا۔ سنہ 330 ق م میں سکندر اعظم ایران کے بادشاہ ڈیریس سوم (Darius III) کا پیچھا کرتا ہوا یہاں رکا تھا اور اس کے آثار آج تک موجود ہیں۔

چوتھی صدی عیسوی میں تہران رے کا محلہ تھا۔ تیرہویں صدی میں جب منگولوں نے رے کو تباہ کیا تو یہ کافی وسیع شہر تھا۔ تباہی کے بعد یہاں کے بہت سے شہریوں نے تہران میں پناہ لی۔

تہران کو وسعت دینے اور آباد کرنے میں صفوی بادشاہ طہماسپ اول کا خاص حصہ رہا ہے۔ سنہ 54-1553 میں اس نے یہاں ایک بازار تعمیر کیا۔ شہر کے اطراف فصیل بنوائی۔ اس میں چار پھاٹک لگوائے اور 114 مینارے تعمیر کروائے۔ بعد میں یہاں کئی باغیچے لگائے گئے۔ افغان سردار کریم خاں آزاد نے صفوی خاندان کے آخری حکمراں کو شکست دے کر ایران پر قبضہ کیا تو سنہ 1758 سے سنہ 1779 تک تہران کی جگہ شیراز صدر مقام رہا لیکن سنہ 1785 میں آغا محمد خاں نے افغانیوں کو شکست دے کر خاندان قاچار کی حکمرانی کی بنیاد رکھی۔ سنہ 1925 تک یہ خاندان حکمراں رہا۔ اس کے بعد رضا شاہ پہلوی اور پھر ان کے بیٹے محمد رضا کی حکومت رہی۔ اس پورے عرصہ میں تہران نے زبردست ترقی کی۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران اتحادی سربراہوں، روزولٹ، اسٹالن اور چرچل کی یہاں ملاقات ہوئی اور اس کانفرنس میں دنیا کے مستقبل کے بارے میں کئی فیصلے کیے گئے۔ تہران نے پچھلے چالیس برس میں جو ترقی کی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ 1939 میں اس کی آبادی ساڑھے پانچ لاکھ (5.5) لاکھ تھی۔ سنہ 1960 میں 20 لاکھ ہو گئی اور 1971 میں چھیالیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ آبادی کے اس اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر تیل نکلنے کی وجہ سے کافی معاشی ترقی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ ترقی زیادہ تر تہران کے اطراف مرکوز ہے۔ شہر اور اس کے اطراف دو ہزار سے اوپر کارخانے ہیں جن میں سوتی کپڑا، سیمنٹ، جوتے، چینی کے برتنوں، دواؤں، گھریلو استعمال کی چیزوں کے بنانے کے کارخانے قائم ہیں۔ ملک کی صنعتی پیداوار کا 51 فی صدی تہران میں مرکوز ہے۔ ملک کے کل کارخانوں کے 33 فی صدی تہران میں ہیں۔ سرکاری ملازموں، صنعتی مزدوروں، وغیرہ کی جو تنخواہیں، اجرت وغیرہ دی جاتی ہیں ان کا 60 فی صدی حصہ تہران میں رہنے والوں کو ملتا ہے۔ اسی لیے ملک کا بقیہ حصہ بہت پس ماندہ اور غریب ہے۔ تہران ایک جدید شہر ہے اس لیے یہاں کی زیادہ تر عمارتیں کئی منزلہ اور جدید طرز کی ہیں۔ ان عمارتوں میں سپاہ سالار مسجد، بہارستان (قومی اسمبلی یا مجلس) اور محل گلستاں خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ رضا شاہ اور محمد رضا نے کئی نہایت عالی شان محل تعمیر کروائے۔ محل گلستان دنیا کے محلوں میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ یہ اب قومی عجائب گھر ہے جہاں مغلیہ سلطنت کا تخت طاؤس اور ہیرے جواہرات جڑا ہوا نادر شاہی تخت بہت مشہور ہیں۔

پچھلے برسوں میں ایران نے تعلیم میں بھی کافی ترقی کی ہے۔ تہران میں تین یونیورسٹیاں، کئی کالج اور اسکول قائم ہیں۔ 11 عجائب گھر ہیں۔ آپرا ہاؤس، تھیٹر، جمنیزیم، وغیرہ تعمیر کیے گئے ہیں۔ سو سے اوپر سینما ہال ہیں۔ شہر میں تین ریڈیو اسٹیشن اور چار ٹیلی ویژن اسٹیشن ہیں۔ بے شمار پارک ہیں۔

تھار: یہ ہندوستان کا خشک ریگستانی علاقہ رن آف کچھ کے شمال میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 400 میل اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 225 میل ہے۔ اس کے مغرب میں وادی سندھ کا میدان واقع ہے۔ شمال مغرب میں ستلج کا میدان پھیلا ہوا ہے۔ شمال مشرقی سمت میں یہ پنجاب تک اور جنوب مشرق میں اراولی پہاڑ تک پھیلا ہوا ہے۔ ریگستان کا بڑا حصہ راجستھان کے تقریباً نصف رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ کچھ حصہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پاکستان میں قدیم بھاولپور کی ریاست اور پرانے صوبہ سندھ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس خشک علاقہ میں لونی ندی کے علاوہ کوئی اور مستقل بہاؤ والی ندی نہیں ہے۔

تھارنتھ ویٹ کی آب و ہوا کی تقسیم: سی. ڈبلو تھارنتھ ویٹ نے آب و ہوا کی مختلف زمروں میں تقسیم کے لیے دو نظام پیش کیے ہیں۔ ان میں مختلف آب و ہوا کے خطوں کی حد بندی کے سلسلہ میں قدرتی نباتات، مٹی اور نکاسی آب کی خصوصیات کو اساسی مقام دیا ہے۔ سنہ 1931 میں اس سائنس داں نے آب و ہوائی درجہ بندی میں تکثیف بخارات کی کارگری کی بنیادوں پر رطوبت کے درج ذیل پانچ خطوں کا تعین کیا ہے۔ اور ہر خطہ کی مخصوص نباتات بھی بتائی ہے۔

(ا) نم بارانی جنگلات کا خطہ۔
(ب) مرطوب جنگلاتی خطہ۔
(ج) نیم مرطوب گیاہستانی خطہ۔
(د) نیم خشک اسٹیپ کا خطہ۔
(ی) خشک ریگستانی خطہ۔

حرارتی اہلیت کی اساس پر اس نے آب و ہوا کی حسب ذیل چھ اقسام بتائی ہیں۔

(ا) ٹراپیکی
(ب) میانہ حراری
(ج) کم حراری
(د) ٹیگا
(ی) ٹنڈرا
(ف) انجمادی

تکثیف بخارات کی تاثیر کے تناسب، موسمی بارش اور حرارتی اہلیت کی بنیادوں پر آب و ہوا کی 32 قسمیں بتائی ہیں۔ سنہ 1948 کی دوسری تقسیم میں "تھارنتھ ویٹ" نے مذکورہ تین صورتوں ہی کو اساس بنایا ہے لیکن تبخیری اخراج کا تصور سامنے رکھا ہے۔ تبخیری اخراج بخارات کی کم یابی کے باعث آب و ہوا کی دوسری تقسیم کو نقشوں میں نہ دکھایا جاسکا۔

تھائی لینڈ (Thailand): تھائی لینڈ جس کا سرکاری نام پاتھیت تھائی (Pathet thai) ہے، ایک آزاد آئینی بادشاہت ہے۔ اس کا پرانا نام سیام تھا۔ یہ جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کا کل رقبہ 514,000 مربع کلو میٹر (198,435 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق یہاں کی آبادی 56,923,000 ہے۔ اس کا صدر مقام بنکاک ہے۔ اسے جنوب مشرقی ایشیا میں ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے مغرب اور شمال مغرب میں میانمار (برما)، شمال مشرق اور مشرق میں لاؤس اور کمپوچیا (کمبوڈیا) اور جنوب میں خلیج سیام اور ملایا واقع ہیں۔ جزیرہ نما ملایا میں یہ دور دور تک ساحل کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ جہاں خلیج سیام اور بحیرۂ انڈمان سے اس کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اس کے وسطی میدان میں، جو ملک کا اہم ترین حصہ ہے، صرف چاول ہی چاول پیدا ہوتا ہے۔ سارا علاقہ بے حد مسطح اور سمندر سے بمشکل چند فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں نہروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ بنکاک اور ایوتھیا (قدیم دارالسلطنت) گنجان آبادی والے علاقہ میں واقع ہیں۔ شمال مغرب میں پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو جنوب میں میانمار کی سرحد تک چلا گیا ہے۔ گھنے جنگلات سے ساگوان بڑی مقدار میں ہاتھیوں پر لاد کر (جن کے لیے تھائی لینڈ مشہور ہے) دریاؤں کے ذریعہ مارکیٹ پہنچایا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں ساگوان، چاول کے بعد سب سے زیادہ برآمد کیا جاتا تھا۔ اور اب بھی عالمی مارکیٹ میں اس کی سب سے زیادہ مقدار یہیں سے فراہم کی جاتی ہے۔ صنعتیں زیادہ نہیں ہیں اور جو بھی ہیں وہ بنکاک کے آس پاس واقع ہیں۔ مقامی تجارت زیادہ تر چینیوں کے ہاتھ میں ہے جن کی کافی تعداد یہاں آباد ہے اور اس وجہ سے تھائی باشندوں اور چینیوں میں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ چینیوں کے علاوہ ملائی مسلمان، شمال کے پہاڑی قبیلے، کمبوڈیائی اور ویت نامی باشندوں کی اچھی خاصی تعداد یہاں رہتی ہے۔ یہ لوگ آپس میں اپنی اپنی زبانیں بولتے ہیں۔ تھائی زبان جس کا چینی سے قریبی تعلق ہے یہاں کی سرکاری زبان ہے۔ ہنایانہ بدھ مت ریاستی مذہب ہے۔ تاہم یہاں کا بادشاہ تمام مذاہب کا محافظ تصور کیا جاتا ہے۔

تھائی لینڈ کی برآمدات کا 14 فیصدی چاول، 12 فیصدی ٹیپیوکا (Tapioca)، 11 فیصدی شکر اور اس کے علاوہ مکئی، ربر، ٹن وغیرہ ہیں۔ برآمدات کا 26 فیصدی جاپان جاتا ہے اور باقی ہالینڈ، امریکہ، سنگاپور، انڈونیشیا اور ہانگ کانگ وغیرہ کو جاتا ہے۔ درآمدات کا 32 فیصدی جاپان سے اور بقیہ امریکہ، سعودی عرب، قطر اور جرمنی وغیرہ سے آتا ہے۔ رائج سکہ باہٹ (Baht) ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 6,464,853 اور استادوں کی تعداد 369,822 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 2,397,262 طالب علم، حرفتی اسکولوں میں 444,218 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 952,012 طالب علم تھے۔

ماقبل تاریخ دور میں وسطی ایشیا کے باشندے تبدیل مقام کر کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جنوب مشرقی ایشیا کے ان علاقوں میں آکر بس گئے جہاں پہلے چینی نسل کے لوگ آباد تھے۔ تھائی باشندوں کی اکثریت نے چین کے علاقہ ینان میں سکونت اختیار کی اور 650 تک نان چاؤ (Nan chao) میں اپنی خود مختار سلطنت قائم کرلی۔ لیکن 1000 میں چینیوں نے زیر کر کے اسے باج گذار ریاست بنا دیا۔ 1253 میں منگول قبیلوں نے نان چاؤ کو تباہ و تاراج کیا جس کی وجہ سے وسیع پیمانے پر تھائی باشندوں نے شمال وسطی تھائی لینڈ میں کھمیر (خمیر) سلطنت کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ایک نئی تھائی قوم وجود میں آئی جس کا صدر مقام سکھو تھائی (Sukho Thai) تھا۔ اس زمانے میں (یعنی 1260 سے 1350 کے درمیان) وہاں کے راجہ رام کھمنگ (Rama Kamhenag) نے جس کا غالباً چالیس سالہ دور حکومت غالباً 1275 سے شروع ہوتا ہے کمپوچیا (کمبوڈیا) کے کھمیری حروف تہجی رائج کیے۔ یہی رسم خط تھائی لینڈ میں آج بھی استعمال ہوتا ہے۔

اس دور میں سکھو تھائی کا اقتدار جنوب میں سمندر تک اور پھر جزیرہ نمائے ملایا تک پھیل گیا۔ اس کے ساتھ ہندوستان کے قدیم تمدن سے وہ آشنا ہوا۔ جدید سیاسی تاریخ کا آغاز غالباً 1350 سے ہوتا ہے۔ جبکہ اتانگ (Utang) کے راجہ رام تھیوری نے اپنی راجدھانی ایوتھیا میں قائم کی۔ جنوبی سیام اور جزیرہ نمائے ملایا میں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے بعد ایوتھیا کے راجاؤں نے کمپوچیا (کمبوڈیا) اور لاؤس کے خلاف متعدد اور طویل جنگیں لڑیں جن کا سلسلہ انیسویں صدی تک جاری رہا۔ سولھویں صدی میں برمیوں سے لڑائی چھڑ گئی۔ 1568 میں اہل برما (میانمار) نے ایوتھیا پر قبضہ کر لیا اور تقریباً 1583 تک یہاں اپنا اقتدار قائم رکھا۔ راجہ نریسوان (Naresuan) (1555-1605) کے دور میں برمیوں کو شکست ہوئی اور انھیں سیام سے بے دخل کر دیا گیا۔ اس راجہ نے جنوبی برما میں تناسرم اور تاوائے کے علاوہ مرگوئی کے اہم بندرگاہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

مغرب سے سیام کے تعلقات 1511 کے بعد قائم ہوئے جبکہ یہاں پرتگالی تاجروں اور پادریوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ سیام کی مستعدی اور شاطرانہ حکمت عملی کی وجہ سے وہ ایک عرصہ تک مغربی اثرات سے محفوظ رہا۔ دراصل اس زمانے میں جنوب مشرقی ایشیا کا یہی ایک ایسا ملک تھا جس کی خود مختارانہ حیثیت ابھی تک قائم تھی۔ ابتدائی سترھویں صدی میں ولندیزیوں (ڈچ) اور انگریزوں نے پرتگال کی اجارہ داری پر کاری ضرب لگائی اور جہاں تک یوروپ کا تعلق ہے نتائج کے اعتبار سے جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے اہم ریاست ثابت ہوئی۔ اس زمانہ میں راجہ نرائی (Narai) (1657-88) کا دور دورہ تھا جس کے دربار کی شان و شوکت ضرب المثل بنی ہوئی تھی۔ اس کے دربار میں ایک یونانی مہم جو کانسطائن پھوکان (Phaukon) نے 1688 میں بڑا اثر و رسوخ پیدا کیا تھا۔ اس کی مدد سے فرانسیسیوں نے سیام پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی سازش ناکام رہی۔ پھوکان کو سولی دے دی گئی اور تقریباً ایک صدی تک سیام کے دروازے سارے مغربی باشندوں کے لیے بند کر دیے گئے۔ 1767 میں میانمار (برما) نے اپنی متعدد کوششوں کے بعد ایوتھیا کو تباہ و تاراج کر دیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد تھائی سپاہیوں نے برمیوں کو مار بھگایا۔ جنرل چاکری (Chakkri) (1782-1809) نے جو راما اول کے نام سے مشہور ہوا بنکاک کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اس کا خاندان ایک عرصہ تک سیام پر حکومت کرتا رہا۔ انیسویں صدی میں بنکاک کا اقتدار سیام پر بھی قائم ہو گیا اور اس کے ساتھ مغرب سے تعلقات بھی بحال ہو گئے۔ سیام نے 1826 میں برطانیہ سے اور 1833 میں امریکہ سے تجارتی معاہدات کیے۔ لیکن جب ملایا اور برما میں برطانیہ کے اثرات بڑھنے لگے اور ہند۔ چینی میں فرانس نے اپنی سلطنت قائم کر لی تو تھائی لینڈ کی آزادی کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا۔ تاہم سیام نے ایسی حکمت عملی اختیار کی جس کی وجہ سے مغرب کی پیش قدمی بڑی حد تک رک گئی اور اس کی آزادی کو خطرہ کچھ عرصہ کے لیے ٹل گیا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو اس نے مغربی تاجروں کو اپنی منڈیاں ملک کے اندر قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ مغربی مشیروں کو مامور کیا۔ مرکزی حکومت کو اس طرح طاقتور بنایا کہ صوبوں کے آبائی حکمراں سر نہ اٹھا سکیں۔ اس کے علاوہ برطانوی اور فرانسیسی رقابت کو ہوا دیتے اور ان کے باہمی مفادات کو ایک دوسرے سے لڑانے کی دانستہ کوشش کی جاتی رہی۔ تاہم اس کوشش میں اسے لاؤس اور کمپوچیا (کمبوڈیا) کے بعض علاقوں پر اپنے دعووں سے دست بردار ہونا پڑا۔ راما چہارم (دور حکومت 1851-68) اور اس کے لڑکے راما پنجم جیسے مطلق العنان بادشاہوں کے دور میں مغربی اثرات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ 1932 میں ایک کامیاب بغاوت کے بعد بادشاہ راما ہفتم ملک میں دستوری حکومت قائم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس انقلاب کے دو نوجوان لیڈر پبلیل سنگرام اور سنو میونگ تھے۔ دونوں نے یوروپ میں تعلیم پائی تھی اور مغربی خیالات سے بے حد متاثر تھے۔ آنے والے دور کی تھائی سیاست میں ان لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

1934 میں پہلے عام انتخابات منعقد ہوئے اور ایک سال بعد وہاں کے بادشاہ نے تخت چھوڑ دیا۔ جس کے بعد ایک مجلس تولیت (Council of Regency) قائم کی گئی جس نے آنند کو رام ہشتم (دور حکومت 1935-46) کی حیثیت سے بادشاہ منتخب کیا۔ پبلیل سنگرام نے، جو کہ ایک فوجی تھا، 1938 میں وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا اور توسیع ملک کا جامع منصوبہ بنایا۔ 1940 میں دوسری عالمی جنگ کے دوران

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

فرانس کو شکست ہو چکی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر سنگرام نے کمبوچیا (کمبوڈیا) اور لاؤس پر اپنے حقوق کا دعا شروع کر دیا۔ 1941 میں جاپانی مصالحت کی بنا پر اسے علاقائی مراعات حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ دسمبر 1941 میں سنگرام نے سنو میونگ کی مخالفت کے باوجود جاپان کو تھائی لینڈ میں داخلہ کی اجازت دے دی اور 1942 میں جاپانی دباؤ کے تحت برطانیہ اور امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ادھر پریدی سنو میونگ نے امریکہ کی مدد سے جاپان کے قبضہ کے خلاف ایک فوجی تحریک شروع کی۔ 1943 میں جاپان نے شمالی ملایا اور میانمار (برما) کی شان ریاستوں کے علاقے تھائی لینڈ کو عطا کیے۔ لیکن جنگ کے خاتمہ پر تھائی لینڈ ان علاقوں کے علاوہ 1941 میں حاصل کردہ علاقے بھی فرانس اور برطانیہ کی نگرانی میں دینے پر مجبور ہو گیا۔

جنگ کے بعد کی حکومت میں پریدی سنو میونگ کو وزارت عظمٰی کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور سنگرام کو جنگی مجرم کی حیثیت سے کچھ عرصہ کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ لیکن افراط زر، رشوت ستانی، حکومت کی بدعنوانی اور راجا آنند کی پراسرار موت نے سنگرام کو بغاوت کا ایک موقع فراہم کر دیا۔ چنانچہ 1945 میں اس نے حکومت کا تختہ الٹ دیا اور بریدی ملک سے فرار ہو کر 1954 میں آزاد تھائی کمیونسٹ تحریک کے خود ساختہ لیڈر کی حیثیت سے پیکنگ میں نمودار ہوا۔ جہاں یتان میں مقیم تھائی باشندوں نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ 1946 کے بعد ایک مجلس تولیت قائم کی گئی جو راجا رام خیم کی جانب سے محدود شاہی اختیارات استعمال کرتی رہی۔ یہ راجا جو امریکہ میں پیدا ہوا تھا سوئزر لینڈ میں زیر تعلیم تھا۔ اس کی تاجپوشی 1950 میں عمل میں آئی۔ 1949 کے بعد بعہد سنگرام کی فوجی آمریت کے زمانہ میں سیام کو سرکاری طور پر تھائی لینڈ کا نام دیا گیا۔ اس نے 1950 میں امریکہ سے فنی اور معاشی امداد کا ایک معاہدہ بھی کیا اور اقوام متحدہ کی تائید میں اپنا فوجی دستہ کوریا بھی روانہ کیا۔ تھائی لینڈ کو 1946 میں اقوام متحدہ کی رکنیت دے دی گئی۔ 1957 میں ایک فوجی بغاوت نے جس کا سرغنہ فیلڈ مارشل سوت ثعنرات تھا پیبل سنگرام کو ہمیشہ کے لیے اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ 1958 میں سرت نے کمیونسٹ سرگرمیوں کو کچلنے کے بہانے اپنے وزیر اعظم کو برطرف کر دیا، دستور کو معطل کر دیا اور مارشل لا نافذ کر دیا۔ بادشاہ نے 1959 میں خود سرت کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ اس کے بعد بڑی بھاری تعداد میں امریکہ سے فوجی امداد ملتی رہی۔ 1954 سے جنوب مشرقی ایشیائی تنظیم سیٹو (SEATO) کا مستقر تھائی لینڈ ہی میں قائم ہے۔ کمیونسٹ چین کی مخالفت اور مغرب کی تائید تھائی لینڈ کی خارجی حکمت عملی کے دو بنیادی عناصر ہیں۔ 1961 میں اس نے فلپائن اور ملایا سے ایک معاشی اور ثقافتی اتحاد قائم کیا۔

اپنے پڑوسی ملک لاؤس میں جب بڑھتی ہوئی کمیونسٹ سرگرمیوں سے خطرہ پیدا ہو گیا تو امریکہ، برطانیہ اور آسٹریلیا نے تھائی لینڈ کی حفاظت کے لیے اپنی فوجیں یہاں متعین کر دیں۔ ویت نام کے خلاف جنگ کے دوران تھائی لینڈ امریکہ کا سب سے بڑا اڈہ بنا رہا۔ یہاں سے امریکی فوجوں کو نہ صرف ہر قسم کی رسد جاتی بلکہ امریکی جنگی جہاز یہاں سے اڑ کر ویت نام پر بم باری بھی کرتے۔ اس کے خلاف ویت نامی عوام میں بے چینی برابر بڑھتی رہی۔ چنانچہ جب امریکہ کو ویت نام میں شکست ہونے لگی تو تھائی لینڈ میں بھی فوجی حکومت کے خلاف بغاوت تیز ہونے لگی۔ فوجی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور ایک جمہوری حکومت قائم ہوئی جو زیادہ دن نہ چل سکی کیونکہ وہ عوام کی بڑھتی ہوئی بے چینی پر قابو نہ پا سکی۔ چنانچہ اکتوبر 1977 میں 23 افسروں کی فوجی کونسل نے جنرل کریانگ سک چمانند (General Kriangsak Chamamanand) کی سرکردگی میں اقتدار سنبھال لیا۔

1992 میں ملک میں فوجی اقتدار کے خلاف عام جوش دکھائی دینے لگا تھا۔ غیر استحکام کے باوجود تھائی لینڈ کی معیشت اچھی حالت میں ہے۔ یہ جنوبی مشرقی ایشیائی قوموں کی تنظیم (ASEAN) کا ابتدائی رکن ہے۔

تھرمل اسٹیشن (اتر پردیش): سنہ 1967-68 میں اتر پردیش میں اوبرا، ہردوا گنج، پنکی اور رینے کوٹ کے تھرمل اسٹیشنوں کے کام شروع کرنے کی وجہ سے 276.50 میگاواٹ بجلی کا اضافہ ہوا۔ سنہ 1968-69 تک مذکورہ بالا اسٹیشنوں اور ریہنا ہائیڈل پراجکٹ کے اسٹیج نمبر 1 کے اضافہ سے مزید 290.75 میگاواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے۔

تھناٹوسینوسس (Thanatocoenosis): موت کے بعد ایک ہی جگہ جمع شدہ جانداروں کا مجمع۔

تھولیائٹ (Tholeiite): بیسالٹ کی ایک قسم ہے جس میں پلیجیو کلیز فلسپار کے علاوہ پی جیونائٹ (Pigeonite) (پائروکسین (Pyroxene) قسم کا جماد) ہوتا ہے۔ بین درزی شیشہ (Interstitial Glass) اور کوارٹز (Quartz) اور اساسی فلسپار (Alkali Felspar) کی نموئے باہمی (Intergrowth) بھی ہوتی ہے۔ فلسپار کی مقدار کم ہونے اور میفری یا مافک (Maffic) جمادات کے اضافے پر ماورائے اساسی یا قلوی بیسالٹ (Ultrabasic) حجرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور پلیجیو کلیز میں سوڈا (Soda) کی مقدار کے اضافے پر انڈیسائٹ (Andesite) بن جاتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

عام طور پر آتش فشانیت کے عمل میں بیسالٹ لاوا (Lava) کی شکل میں کوہ آتش فشاں (Volcanoes) یا ارضی شگافوں (Fissures) سے برآمد ہوتا ہے۔ موخرالذکر میں یہ بے حد وسیع پیمانے پر پائے جاتے ہیں جیسے آندھرا پردیش، کرناٹک اور گوا کے کچھ حصوں میں اور گجرات، مہاراشٹر اور مغربی مدھیہ پردیش کے بڑے حصوں میں آخر کریٹیشیس (Cretaceous) عہد کی آتش فشانیت کے باعث دکنی بیسالٹ (Deccan Basalt) وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں ان کی دبازت کئی سو یا ہزار میٹر تک ہوتی ہے۔ دکن بیسالٹ کی زیادہ سے زیادہ دبازت 10 کلو میٹر تک تخمینہ کی گئی ہے۔

ڈولرائٹ (Dolerite) بیسالٹ کی ہی ترکیب نیم قعری حجر ہے جو عام طور پر چٹانی پشتہ اور سل (Dyke and Sill) کے طور پر پائی جاتی ہے اور بیسالٹ کی بہ نسبت اس کے قلمی دانے زیادہ موٹے ہوتے ہیں۔

تھیلس: یہ چھٹی صدی قبل مسیح کا ملیٹس کا جغرافیہ داں زمین کو پانی پر تیرتی ہوئی گول چوبی تختی کی طرح سمجھتا تھا۔ لیفا غورث کی طرح اس نے بھی دنیا کو آب وہوا کے پانچ منطقوں میں تقسیم کیا تھا۔

تیان شان: وسط ایشیا کا یہ وسیع پہاڑی سلسلہ چین اور روس میں 1,800 میل تک پھیلا ہوا ہے۔ مشرقی اور مغربی حدود پر اس کی چوڑائی تقریباً 300 میل ہے۔ لیکن وسطی حصہ میں یہ صرف 220 میل چوڑا ہے۔ اس کی بلند چوٹیوں میں پوبیدا اور خان تنگری اہم ہیں۔ ایلی کا نشیب قابل ذکر ہے۔ انہی پہاڑوں میں فرغانہ کے بلند سلسلے جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ بلندیوں میں جگہ جگہ گلیشیر کا پھیلاؤ بھی دکھائی دیتا ہے۔

تیر وملائے (تروچی): دیکھیے "تروچی"

تیروونائے ملائی: ریاست تامل ناڈو کے شمال میں شمالی ارکاٹ کے ضلع میں یہ مقام واقع ہے۔ یہاں اروناچلیشورا مندر کے کارتک دیپم کے میلے، جو نومبر، دسمبر کے مہینوں میں ہوتے ہیں، بہت مشہور ہیں۔ ہزاروں معتقدین ہندوستان کے مختلف حصوں سے آکر شریک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مقام حالیہ دور کے ایک مشہور سنت شری رمن مہرشی کے آشرم کے لیے بھی مشہور ہے جہاں ہر سال دسمبر کے مہینے میں کئی معتقدین ان کی پیدائش کے دن یہاں جمع ہوتے ہیں۔

تیل یا پٹرولیم کے شکنجے (Oil Traps): تیل یا پٹرولیم کے ذخائر کے تجارتی لحاظ سے مفید ہونے کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر ہوتا ہے کہ حجرات میں پایا جانے والا یہ سیال مادہ حجرات میں محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ ارضیاتی اعتبار سے جن خصوصیات کے حامل حجرات میں تیل پایا جاتا ہے ان کو تیل یا پٹرولیم کے شکنجے کہتے ہیں۔ یہ شکنجے ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے (1) تسلسل یا اختلال۔ (2) عدم تطابق اور (3) ضد میلان فولڈ پر مبنی ہوتے ہیں۔

ان ارضیاتی ساختوں میں تیل آلود پرتیں لازمی طور پر مسام دار ہوتی ہیں جبکہ جن حجرات کی رکاوٹ کی وجہ سے تیل کی حرکت پذیری یا نقل مکانی رک گئی ہے وہ لازمی طور پر غیر مسام دار ہوتے ہیں۔ اس طرح تیل کے شکنجوں میں مسام دار حجرات (مثلاً ریت، پتھر) اور غیر مسام دار حجرات (مثلاً کیچڑ، پتھر یا شیل) مل کر مخصوص قسم کی ارضیاتی ساختوں میں تیل کے چشموں کے لیے سازگار حالات پیدا کرتے ہیں۔

تیل کی پیدائش نقل مکانی اور شکنجوں کی تشکیل کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ تیل کے شکنجے اوپر سے بھی محفوظ رہیں۔ اس لیے تیل کے شکنجوں کے اوپر عام طور پر ایک اور غیر مسام دار حجر پایا جاتا ہے جو تیل کے چشموں کے اوپر ٹوپی کا کام دیتا ہے تاکہ تیل بخارات بن کر اڑنے نہ پائے۔ اس قسم کے حجرات کو ٹوپی حجرات (Cap Rocks) کہا جاتا ہے۔

تیمز نگ نارکے: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

تیونیشیا (Tunisia): شمالی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے مشرق میں لیبیا اور مغرب میں الجیریا (الجزائر) واقع ہیں۔ صحارا کا کچھ حصہ بھی مشرق میں پڑتا ہے۔ شمال میں بحیرہ روم ہے۔ اس کا رقبہ 163,610 مربع کلو میٹر ہے۔

آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 8,362,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام تیونس ہے۔ آبادی کی اکثریت عرب اور بربر ہے۔ ان کے علاوہ تقریباً دو لاکھ فرانسیسی اور 67 ہزار اطالوی ہیں۔ کچھ یہودی بھی ہیں۔ بڑی اکثریت کا مذہب اسلام ہے۔ عیسائی کافی اقلیت میں ہیں۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 1,426,215 طالب علم اور 54,013 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 589,674 طالب علم اور فنی مدارس میں 20,503 طالب علم تھے۔ ثانوی و فنی مدارس میں 34,808 استاد تھے۔ جامعات اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 76,097 طالب علم اور 4,941 استاد تھے۔

تیونیشیا میں رائج سکہ تیونشی دینار ہے۔

ملک کی درآمدات کا بڑا حصہ یعنی 35 فی صدی فرانس سے آتا ہے۔ اس کے بعد اٹلی، جرمنی اور برطانیہ سے آتا ہے۔ برآمدات میں بھی فرانس کو پہلا مقام حاصل ہے۔ یعنی 19 فیصدی مال فرانس جاتا ہے۔ اس کے بعد اٹلی، یونان، امریکہ، مغربی جرمنی، لیبیا وغیرہ ہیں۔ برآمدات میں تیل 42 فی صدی، فاسفیٹ 20 فی صدی اور زیتون کا تیل 9 فی صدی ہوتا ہے۔

سیاحت بھی ایک بڑی صنعت ہے۔

زراعت میں گیہوں، جو، (بارلی) اور آلو کے علاوہ پھلوں، خاص طور پر تربوز، انگور، انجیر، کھجور، زیتون اور سنترے کی اقسام کے پھلوں کو اہم مقام حاصل ہے۔ گائیں، بھیڑیں، بکریاں اور مرغیاں بھی کافی پالی جاتی ہیں۔

سیمنٹ، اور پٹرولیم کی صنعتیں قائم ہیں۔ لوہے اور فاسفیٹ کی کان کنی کی جاتی ہے۔

تاریخ: ایام قدیم میں تیونیشیا سلطنت قرطاجنہ کا ایک حصہ تھا۔ اس کے بعد سلطنت روم نے جب شمالی افریقہ پر حملہ کر کے 146 ق.م. میں اپنا ایک صوبہ قائم کیا تو وہ تقریباً موجودہ تیونس پر مشتمل تھا۔ اس زمانہ میں بھی یہ علاقہ بے حد زرخیز تھا۔ اور سلطنت روما کے لیے غذا مہیا کرنے کا بڑا مرکز تھا۔ رومیوں نے اگرچہ یہاں پرانی پیونک (Punic) زبان باقی رہنے دی لیکن پورے علاقہ کے لوگوں کو رومن سانچے میں ڈھال لیا اور اس نے ایک زمانہ میں اٹلی سے زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ رومیوں کے قبضہ سے سنہ 211 تک اس کی سرحدیں برابر گھٹتی بڑھتی رہیں۔ افریقہ کے دوسرے رومن علاقوں کی طرح وانڈلس (Vandals) نے 439 میں اسے فتح کر لیا۔ 533 میں بازنطینی سلطنت نے اس پر پھر تسلط قائم کر لیا۔ اگلی صدی میں یہ علاقہ عربوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ تقریباً 50 سال تک وہ اس پر حملہ کرتے رہے۔ آخرکار 698 میں عربوں کا تیونیشیا پر مکمل قبضہ ہو گیا۔ لاطینی اور عیسائی تہذیب کی جگہ اسلام نے لے لی۔ عربوں کے قبضہ کے بعد تقریباً نو سو سال تک تیونیشیا پر بربر قبائلیوں کا عمل دخل رہا۔ فاطمی لوگوں نے 909 اور 1171 کے درمیان پورے شمالی افریقہ میں اپنی حکومت کو وسعت دی۔ اس زمانہ میں فاطمی اور مقامی بربر حکمرانوں کے درمیان اختلافات ہو گئے اور فاطمیوں نے بڑی تعداد میں ہلالی عرب یہاں بھیج دیے جس کی وجہ سے اس علاقہ میں کافی عرصہ تک افراتفری رہی۔ 1148 اور 1160 کے درمیان تیونیشیا پر سسلی کے نارمنوں کی حکومت بھی رہی۔ شمالی افریقہ میں فاطمی حکومت کا جانشین خاندان الموحد بنا۔ اس نے نارمنوں کو نکال باہر کیا۔ 1336 میں یہاں ایک بربر خاندان حفصی (Hafsites) کی حکومت قائم ہوئی جو 1575 تک باقی رہی اور اسی سال ترکوں نے اسے فتح کر لیا۔ سترھویں صدی عیسوی میں جو ترکی خاندان تیونیشیا کا گورنر مقرر ہوا تھا وہی بعد میں حکمراں رہا۔ تیونیشیا کے جمہوریہ بننے کے بعد یہ دور حکمرانی ختم ہوا۔ اس دور میں الجیریا (الجزائر) سے اکثر اس کی ٹکر ہوتی رہی۔ ایک زمانے میں تیونیشیا بحری لٹیروں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا اور حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ یہی لوٹ تھی۔ انیسویں صدی میں جب اس لوٹ کا خاتمہ ہوا تو ملک کی معیشت اتنی بدل چکی تھی کہ صرف برائے نام حصہ پر زراعت باقی رہ گئی تھی۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جب یوروپ میں صنعتی ترقی ہوئی اور سامراجیت نے جنم لیا تو افریقہ کے اور دوسرے علاقوں کی طرح مغربی ملکوں میں آپس میں تیونیشیا سلسلہ میں کشمکش شروع ہو گئی۔ اٹلی نے اپنے نو آبادکار بھیجنے شروع کیے۔ فرانس کو اس لیے دلچسپی تھی کہ یہ الجیریا (الجزائر) کے پڑوس میں تھا جس پر فرانس کا اثر قائم ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں تیونیشیا کے حکمراں برطانیہ سے مدد مانگ رہے تھے۔ 1869 میں تیونیشیا کی حکومت دیوالیہ ہو گئی۔ اس کی معیشت پر برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے مشترکہ کنٹرول قائم کر لیا۔ اس زمانہ میں اٹلی نے برطانیہ سے اس علاقہ کی ریلوے لائن خرید لی جس سے اٹلی اور فرانس کی رقابت تیز ہو گئی۔ چنانچہ 1881 میں فرانس نے وہاں اپنی فوجیں بھیج دیں اور تیونیشیا کے 'بے' کو مجبور کیا کہ وہ اپنے علاقہ کو فرانس کے زیرِ تحفظ (Protectorate) تسلیم کر لے۔ فرانس کے اس کنٹرول سے قومی تحریک آزادی ابھر پڑی اور وہ فرانسیسی قبضہ کے خلاف مسلسل جدوجہد کرتی رہی۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران تیونیشیا نے کافی فوجی اہمیت حاصل کر لی۔ شمالی افریقہ میں اتحادیوں کی فتح کے بعد فرانس نے تیونیشیا کے بے پر یہ جھوٹا الزام لگا کر کہ وہ نازیوں سے تعاون کر رہا تھا، اسے تخت سے اتار دیا اور اس کی جگہ اس کے خاندان کے ایک اور فرد کو بٹھا دیا۔ اس زمانہ میں قوم پرستوں نے آزادی کی تحریک تیز کر دی۔ آخرکار مارچ 1956 میں فرانس کو تیونیشیا کی آزادی تسلیم کرنی پڑی۔ انتخابات کے بعد حبیب بورقیبہ وزیراعظم بنے۔ 1957 میں وہ صدر جمہوریہ بن گئے اور پرانے حسینی خاندان کی حکومت اور فرانسیسی تسلط ختم ہو گیا۔

1958 اور 1962 کے درمیان فرانس اور تیونیشیا کے تعلقات بہت خراب رہے۔ تیونیشیا نے نہ صرف الجیریا (الجزائر) کی آزادی کی بھرپور حمایت کی بلکہ آزاد الجزائری حکومت کو اپنے علاقہ سے لڑائی جاری رکھنے کی بھی اجازت دی۔ اس کی وجہ سے بزرتا (Bizerta) کے مقام پر، جو اب تک فرانس کا مقبوضہ بندرگاہ تھا، فرانسیسی اور تیونیسی فوجوں میں ٹکر ہو گئی۔ الجیریا (الجزائر) کی آزادی کے بعد فرانس اور تیونیشیا کے تعلقات بہتر ہو گئے اور تجارتی اور معاشی رشتے اچھی طرح

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

قائم ہو گئے۔ حبیب بورقیبہ کی حکومت غیر جانبداری کی پالیسی پر گامزن رہی۔ اس نے ملک میں اہم سماجی اصلاحات کیں جن میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیے گئے۔

بزرتے کی فرانسیسی بحری فوجوں کا اڈہ 1961 میں کافی جھگڑے کا سبب بن گیا۔ فرانس نے بالآخر 1963 میں اس اڈے کو خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

1980 میں تیونیشیا نے اپنے جنوبی شہروں پر لیبیا کے حملہ کو پسپا کر دیا۔ اسی زمانہ میں سیاسی نرمی کی پالیسی اپنائی گئی۔ 1986 میں کئی پارٹیاں الیکشن میں حصہ لینے کے لیے حقدار مان لی گئیں۔

1989 میں تیونیشیا نے پھر لیبیا سے سفارتی تعلقات بحال کر لیے اور معاشیاتی امداد باہمی کے رشتے بھی قائم کر لیے۔ لیبیا کے علاوہ الجیریا (الجزائر)، مورطینیا اور مراکش سے بھی معاشیاتی تعلقات قائم ہو گئے۔

تنجور: تامل ناڈو کے جنوبی حصہ میں اور چینائی (مدراس) سے 345 کلو میٹر کے فاصلے پر دریائے کاویری کے وسیع ڈیلٹا کے درمیان واقع ہے۔ اسے تنجاوور بھی کہتے ہیں۔ اسے جنوبی ہند کا گلزار اور اس کے اناج کا گودام کہا جاتا ہے، کیونکہ بڑے پیمانے پر یہاں چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ یہ زمانہ ہائے دراز سے تمدن اور علوم و فنون کا مرکز رہا ہے۔ تین مختلف شاہی خاندانوں یعنی چولا، نائک اور مہاراشٹرا کی اس پر یکے بعد دیگرے حکومتیں رہی ہیں۔ اس لیے زمانہ ماضی میں یہ اپنی شان و شوکت کے لیے مشہور رہا ہے۔ بری ہدیشور کا شہرہ آفاق مندر یہیں واقع ہے جس کی ایک ہی پتھر میں بنائی ہوئی چھتری کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا ہے۔ 1799 میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کیا اور اب یہ ریاست تامل ناڈو میں شامل ہے۔ تنجور دست کاری کا مرکز ہے۔ ریشم اور تانبہ کی بے شمار چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ قالین اور زیورات بھی مشہور ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ٹ

ٹاٹا کٹی: یہ سری نگر کے جنوب مغرب میں پیر پنجال کی بلند ترین چوٹی سطح سمندر سے 4,743 میٹر اونچی ہے۔

ٹامس کیٹمپری: یہ یورپ میں دانشورانہ نشاۃ ثانیہ کے بعد کا جغرافیہ داں ہے جس نے پیچیدہ جغرافیائی مسائل کو سائنسی طریقہ پر واضح کیا ہے۔

ٹامس کیونڈش: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ٹانکپ: یہ آسام کا ایک پہاڑی درہ ہے۔

ٹاوا پراجکٹ: مدھیہ پردیش میں دریائے نرمدا کی معاونوں ٹاوا اور دینوا کے سنگم کے زیریں دھارے پر مقام ہوشنگ آباد پر سنہ 1962 میں ایک بندھ بنایا گیا جس کی لمبائی 1,630 میٹر اور اونچائی 57.95 میٹر ہے اور اس کی نہر کی لمبائی 196.85 کلو میٹر ہے جس سے 303,514 ہیکٹر رقبہ سیراب ہوتا ہے۔

ٹراپیکل سیقلون (حارّی بادگولے)(Tropical Cyclone): یہ استوائی ڈولڈرم کے نواح میں فضائی سکون، درجہ حرارت کی زیادتی اور مرطوب فضا کے باعث رونما ہوتے ہیں۔ یہاں تجارتی ہواؤں کے چلنے کے باعث سمندروں کے مغربی حصوں کی فضا میں آبی بخارات کو جذب کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ شمالی نصف کرہ میں خصوصاً بحیرہ کیریبین کے مشرقی حصہ اور بحر الکاہل کے جزائر کیرولینا کے قریب زیادہ تشکیل پاتے ہیں۔ اوّل الذکر علاقے میں یہ "ہری کین" اور موخر الذکر میں "ٹائی فونز" کہلاتے ہیں اور بالعموم اگست اور ستمبر میں چلتے ہیں۔ مارچ اور اپریل میں ماریشس اور موزمبیق میں بھی ایسے ہی طوفان آتے ہیں۔

حارّی سیقلون (ٹراپیکل بادگولے) عموماً چھوٹے اور بیضوی ہوتے ہیں۔ ان کا قطر 80 سے 1,500 کلو میٹر تک اور ابر آلود رقبہ 3,000 کلو میٹر تک پھیل سکتا ہے۔

رفتار فی گھنٹہ 800 میل بھی ہو سکتی ہے۔ مرکزی حصوں پر ہوا کی زیادہ تیز رفتار نہیں رہتی لیکن اگلے حصوں میں فی سکنڈ 60 میٹر بھی ہو سکتی ہے۔ وسطی حصہ (چشم) (Eye) پر آسمان صاف اور نیلگوں رہتا ہے اور موسم خشک نیز پر سکون ہوتا ہے۔ "چشم" کے اطراف ہوا کے تیزی سے اٹھنے کے باعث پر نما بادل پھیل جاتے ہیں اور بجلیوں کی کوند کے ساتھ طوفان باد و باراں کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگلے حصہ میں بارش زیادہ اور پچھلے حصہ میں مقابلتاً کم ہوتی ہے۔

ٹراپیکی مونسونی خطہ: یہ گرم سیر (ٹراپیکی) خطہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ دونوں خطوں کے بیشتر حصے خطوط سرطان و جدی کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں۔ دونوں میں موسم سرما خشک اور موسم گرما بارانی ہوتا ہے لیکن بارش کی نوعیت جداگانہ ہوتی ہے۔ اول الذکر میں ہوا کے دباؤ اور بہاؤ کی پٹیوں کی منتقلی سے بارش ہوتی ہے لیکن موخر الذکر میں دائمی ہواؤں کا نظام بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے۔ موسم گرما میں خشکی کے اندرونی حصوں میں زیادہ گرمی کے باعث ہوا کے کم دباؤ کے مراکز قائم ہو جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں سمندروں پر گرمی مقابلتاً کم ہوتی ہے۔ نتیجتاً ہوا کا دباؤ زیادہ رہتا ہے۔ اس کیفیت میں سمندروں کی مرطوب ہوائیں جو گرمائی مونسون کہلاتی ہیں، براعظموں کے اندرونی کم دباؤ کے مرکزوں کی طرف بڑھتی ہیں۔ راستہ میں پہاڑوں سے رک کر بلندیوں میں پہنچنے کے بعد خوب بارش برسا دیتی ہیں۔ زیادہ اندرونی علاقوں میں پہنچ کر یہ خشک ہو جاتی ہیں اس لیے زیادہ بارش نہیں برسا سکتیں۔ مونسونی خطہ میں طبعی حالات کے اختلافات کے ساتھ بارش کی مقدار میں کمی یا زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ پہاڑوں سے گھرے ہوئے چیراپونجی کے علاقہ میں سالانہ بارش 500 انچ ہوتی ہے مگر راجستھان کے خشک ریگستان میں بارش کا سالانہ اوسط 10 انچ سے بھی کم رہتا ہے۔ موسم سرما میں فضائی کیفیت قطعی مختلف ہوتی ہے۔ براعظموں کے اندرونی علاقوں میں جو زیادہ سرد ہو جاتے ہیں ہوا کے زیادہ دباؤ کے مراکز قائم ہو جاتے ہیں۔ سمندروں پر گرمی مقابلتاً زیادہ اور

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

فضائی دباؤ کم رہتا ہے۔ چنانچہ ہوائیں خشکی کے سرد علاقوں سے تری کے گرم حصوں کی طرف بڑھتی رہتی ہیں۔ خشک رہنے کے باعث ان سے بارش نہیں ہو پاتی۔ کہیں کہیں یہ ہوائیں آبی علاقوں کو پار کر کے پہنچتی ہیں اور کچھ بارش برساتی ہیں۔

بارش کی کمی یا زیادتی سے نباتات کی نوعیت بھی بدلتی جاتی ہے۔ شدید بارش کے علاقوں میں ساگوان کے جنگلات ملتے ہیں مگر خشک راجستھانی حصوں میں کانٹے دار جھاڑیاں ہی نظر آتی ہیں۔ زرعی اعتبار سے اس خطہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زیادہ بارش کی زمینوں پر چاول اور خشک علاقوں میں جوار یا مکئی کی کاشت ہوتی ہے۔ گیہوں چنے اور جو کی کاشت سرمائی بارش کے خطوں پر کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ کپاس اور تیل کے بیج بھی حاصل کیے جاتے ہیں۔

مونسونی خطہ میں پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، میَنمار، کمبوڈیا، ویت نام، چین اور جاپان کے علاوہ شمال مغربی آسٹریلیا اور مشرقی افریقہ کے کچھ ساحلی حصے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جنوبی امریکہ کے شمال مغربی حصہ، مشرقی برازیل اور وسطی امریکہ میں بھی مونسونی کیفیت پائی جاتی ہے۔ افریقہ کے ساحل گنی کی بیشتر بارش گرمائی مونسون کی عطا کردہ ہے۔

ٹرامبے: یہ مہاراشٹرا میں ممبئی کے قریب واقع ہے۔ یہاں کھاد کی ایک بڑی فیکٹری ہے جہاں سے تقریباً 70,000 ٹن یوریا اور 164,000 ٹن نائٹرو فاسفیٹ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سے ملک کی کھیتی باڑی میں قابل ستائش معاشی انقلاب آیا ہے۔ یہاں جوہری توانائی کا پہلا اور سب سے بڑا تحقیقاتی مرکز بھی قائم ہے۔ اور پہلا جوہری ری ایکٹر (Re-actor) یہیں لگایا گیا تھا۔

ٹرانس سائبیرین ریلوے: یہ ریلوے لائن روس کو مشرق بعید سے ملاتی ہے۔ ماسکو سے نکل کر براہ یورال اومسک پہنچتی ہے۔ اومسک سے مشرق کی سمت میں دریائے اوبی اور ینیسی کو عبور کرتی ہوئی براہ ارکتسک (Irkutsk) جھیل بیکال سے مل جاتی ہے۔ جھیل بیکال اور ماسکو کا درمیانی فاصلہ 3,420 میل ہے۔ آگے یہ وادی آمور (Amur) اور منچوریا سے ہوتی ہوئی آخری مقام ولاڈی ووسٹک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ منچوریا میں اس کی ایک جنوبی شاخ کلاڈن کے راستے پورٹ آرتھر کو ملاتی ہے۔ اس لائن کی مجموعی لمبائی 4,500 میل ہے۔

ٹرانس کیسپین ریلوے: یہ لائن وسط ایشیا کو یورپی روس سے ملاتی ہے۔ بحیرۂ خزر پر واقع کراسنووسک (Krasnovodsk) سے شروع ہو کر روئی کی پیداوار کے علاقے ترکمنستان کے قلب کو ملاتی ہے۔ اس کی ایک شاخ میری سے ہوتی ہوئی افغانستان کی سرحد پر کشک (Kushka) تک جاتی ہے۔

ٹراور ٹائن: یہ ابلتے چشمہ یا گرم چشمہ کا جمع کیا ہوا آہکی کاربونیٹ ہے جو ٹکریوں یا زینوں کی شکل میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ ٹیوفا ٹراور ٹائن کا دوسرا نام ہے۔

ٹرائسک (Triassic): 225 ملین سال سے 195 ملین سال قبل کا دور جس سے میسوزوئیک (Mesozoic) عہد کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہی وہ دور ہے جب پنگایا پنجیا (Pangaea) کا ٹوٹنا شروع ہوا۔ آخر ٹرائسک دور میں شمالی امریکہ گونڈوانا لینڈ سے علیحدہ ہو گیا جس کی وجہ سے شگافوں (Faults) کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ جیسے جیسے یہ براعظم علیحدہ اور دور ہوتے گئے، نوزائیدہ بحر اکاہل اور خلیج میکسکو کے کناروں پر ارضی ہم میلانی کاس پیدا ہوئے۔ اسی علیحدگی کے باعث کارڈیلیرین (Cordillarian) ارضی ہم میلان کاس میں آخر ٹرائسک دور میں رسوب کی فولڈنگ (Folding)، شگاف زدگی (Faulting) اور سربلندی (Uplift) وغیرہ عمل میں آئی۔

اس دور میں رینگنے والے جانوروں (Reptiles) کا خوب ارتقا ہوا۔ ڈائنوسار (Dinosaurs) اپنے انتہائی ارتقا کو پہنچ گیا۔ بیج والے فرن (Fern)، مخروطے (Conifers) وغیرہ بھی شروع دور وسطی عرصے میں ملتے ہیں مگر آخر ٹرائسک میں فرن، سائی کڈ (Cycad)، گنگکو (Ginkgoes) وغیرہ نے نسبتاً زیادہ اہمیت حاصل کرلی۔

آب و ہوا کافی خشک تھی اور کئی تبخیرے یا تبخیری ذخیرے (Evapo-rates) بھی بن سکے۔

ٹرائلو بائٹ یا ٹرائلو بائٹا (Trilobite): عائلہ آرتھروپوڈا (Arthropoda) کی جماعت کرسٹیشیا (Crustacea) کی ایک ذیلی جماعت ٹرائلو بائٹا ہے جس میں شامل جانور ٹرائلو بائٹ کہلاتے ہیں۔ یہ جانور پرمین دور میں معدوم ہو گئے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ جانور قطعہ دار ہوتے تھے اور ان کے بدن کے تین حصے (Segments) ہوتے تھے۔ سر "سیفالان (Cephalon)"، دھڑ "تھوریکس (Thorax)" اور دُم "پائجیڈیم (Pygidium)"۔ عہد یا عمر۔ ابتدائی کیمبرین سے پرمین دور تک۔

ٹرشیئری (Tertiary): وہ دور جو اب سے 65 ملین سال قبل سے 20

لاکھ سال قبل تک جاری رہا۔ اس دور کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو عمر کے اعتبار سے بالترتیب پلیو سین (Paleocene) (سب سے پرانا)، ایو سین (Eocene)، آلگو سین (Oligocene)، مایو سین (Miocene) اور پلایو سین (Plieocene) (سب سے کم عمر) کہلاتے ہیں۔

اس پورے دور میں براعظمی سرکاو (دیکھئے براعظمی سرکاو Conti- nental Drift) جاری تھا اور بحرالکاہل (Pacific Ocean) اور بحرالہند (Indian Ocean) بتدریج وسیع اور چوڑے ہوتے گئے۔ جبکہ بحر اوقیانوس حجم میں کم ہوتا گیا۔ اٹلانٹک اور ٹھیس (دیکھئے ٹھیس Tethys) کے حاشیوں پر ارضی ہم میلان کاسوں میں بڑے پیمانے پر کوہ سازی ہوتی رہی جو براعظمی حاشیوں کے نیچے بحری پلیٹوں (Oceanic Plates) کی حرکت کے باعث ممکن ہو سکی۔ آلپس (Alps) اور ہمالیائی علاقوں میں آلگو سین اور مایو سین (Miocene) ادوار میں غالباً براعظمی پلیٹوں کے ٹکراؤ اور منطقہ معانقہ (Subduction) کے باعث کوہ سازی ہوئی جس سے ہمالیہ اور آلپس بنے۔

پلیو سین (Paleocene) اور ایو سین (Eocene) میں کچھ حد تک بحری پیش قدمی بھی ہوئی مگر مایو سین (Miocene) عرصے سے سمندروں نے براعظم کے علاقوں کو خالی کرنا شروع کر دیا۔

اس تمام دور میں پستانیے ہی سطح زمین پر چھائے رہے ان میں گھوڑے اور ہاتھی خصوصاً نمایاں تھے۔

مایو سین دور میں مختلف انواع یا جنس (Genus) کے پرائمیٹ قبیلے (Primates) کے جاندار جیسے کینیا پتھیکس (Kenya Pithicus) اور رما پتھیکس (Rama Pithicus) تھے جو ترقی یافتہ انسان ہوموسیپئین (Homo- Sapiens) کے جد امجد تھے۔ اس دور کے ختم ہوتے ہوتے ایک اور انسانی شکل جو رما پتھیکس کی بہ نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھی وجود میں آئی وہ آسٹریلو پتھیکس (Australopithicus) تھی۔ پھر درجہ حرارت بتدریج کم ہوتا گیا یہاں تک کہ برفانی زمانہ (Ice-age) نے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ٹرف قطب نما (Trough compass): یہ مستطیل نما مقناطیسی قطب نما ہے۔ سطح میز سے پیمائشی کام کرتے وقت مقناطیسی شمال کے تعین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ٹرکس اور کائی کاس جزائر (Turks and Calcos Islands): یہ ایک برطانوی کالونی ہے۔ یہ جزائر بحرالکاہل میں بہاماس کے جنوب مشرق میں واقع ہیں۔ رقبہ 430 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 11,590 ہے۔ مچھلیاں اور دوسری سمندری اشیا برآمد کی جاتی ہیں۔ گرانڈ ٹرک میں صدر مقام ہے۔ ان جزائر کو یوروپی لوگوں نے 1512 میں دریافت کیا تھا۔

ٹریپولی (طرابلس): جمہوریہ لیبیا کا صدر مقام ہے اور بحیرۂ روم پر ایک بندرگاہ ہے۔ یہ سیاحی، تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ یہاں تمباکو پیدا ہوتا ہے اور قالین بنائے جاتے ہیں۔ اسفنج نیز غذائی مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ ٹریپولی میں ساتویں صدی قبل مسیح میں صور کے لوگوں کی نوآبادی تھی۔ یہ رومیوں، وینڈال اور عربوں کے زیر تسلط رہا۔ 1510 میں ہسپانیوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ 1551 میں ترکوں نے اس کو فتح کیا۔ تقریباً پوری اٹھارہویں صدی میں یہاں کرمانلیوں کی حکومت رہی۔ 1911 میں یہ اٹلی کے قبضہ میں آیا اور انھوں نے اسے لیبیا کا صدر مقام بنایا۔ دوسری عالمگیر جنگ میں برطانوی افواج نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ جنگ کے بعد یہ لیبیا کے قدیم عرب حکمرانوں کو مل گیا۔ رومیوں کی بنائی ہوئی دیوار اور مارکس آری لیاس کی محراب (کمان) کے کچھ حصے آج تک موجود ہیں۔ اس کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے۔

ٹرینیڈاڈ اور ٹوبیگو (Trinidad and Tobago): یہ جمہوریہ دو جزیروں ٹرینیڈاڈ اور ٹوبیگو پر مشتمل ہے۔ ریاست وینی زویلا کے شمال میں ساحل سے قریب واقع ہے۔ رقبہ 5,130 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 1,253,000 ہے۔ آبادی کے 43 فیصدی لوگ نیگرو نسل کے، 40 فیصدی ہندوستانی نسل کے اور 14 فیصدی مخلوط نسل کے ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر پورٹ آف اسپین ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ فرانسیسی، ہندی، اردو اور ہسپانوی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ 66 فیصدی آبادی عیسائی، 23 فیصدی ہندو اور 6 فیصدی مسلمان ہیں۔

ٹرینیڈاڈ اور ٹوبیگو دونوں جزائر پہلے برطانیہ کی نوآبادی (کالونی) تھے۔ 1958 میں جب ویسٹ انڈیز کا وفاق بنا تو یہ اس کے بھی ممبر تھے لیکن بعد میں اس سے الگ ہو گئے۔ اور اگست 1962 میں انھیں آزادی مل گئی۔ یہ کامن ویلتھ کا ممبر ہے۔ ٹرینیڈاڈ کا علاقہ عام طور پر میدانی ہے۔ شمال میں پہاڑ ہیں لیکن زیادہ اونچے نہیں ہیں۔ دونوں جزیروں میں ٹرینیڈاڈ کافی بڑا ہے۔ ساحل پر بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ گنا، چاول، سنترے، ناریل، کافی، کیلے، وغیرہ خوب پیدا ہوتے ہیں اور برآمد کئے جاتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

یہ چیزیں زیادہ تر پڑوسی جزائر اور امریکہ جاتی ہیں۔ اب روس اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے بھی قریبی تعلقات پیدا ہو گئے ہیں۔ پچھلے چند سال سے یہاں تیل نکلنے لگا ہے۔ گیس بھی نکلتی ہے۔ اس کے علاوہ سیمنٹ اور مصنوعی کھاد کی صنعتیں بھی ہیں۔

اس علاقہ کے دوسرے جزائر کی طرح ان جزائر کو بھی کولمبس نے 1498 میں دریافت کیا۔ اس پر فرانس، ڈچ اور برطانیہ کے لوگوں نے بار بار حملے کئے۔ 1802 میں برطانیہ کا اس پر مستقل طور پر قبضہ ہو گیا۔ 1940 میں ٹرینیڈاڈ کو امریکہ کو 99 سال کے پٹے (ٹھیکے) (Lease) پر دے دیا گیا۔ جہاں اس نے ایک بحری اور فوجی اڈہ قائم کیا۔ 1960 میں امریکہ نے فوجی اڈہ ہٹا لیا لیکن بحری اڈہ باقی ہے۔

آزادی کے بعد سے یہاں نہ صرف معاشی ترقی ہوئی ہے بلکہ تعلیم بھی کافی آگے بڑھی ہے۔ 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں تقریباً 193,992 طالب علم، ثانوی مدرسوں میں 99,741 اور حرفی مدرسوں میں تقریباً 829 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بھی 4,090 طالب علم تھے۔

1980 میں دنیا میں تیل کی قیمت گرنے کی وجہ سے یہاں بھی معیشت متاثر ہوئی اور ابھی تک حالت بہت بہتر نہیں ہو پائی ہے تاہم کیریبین کے تمام جزائر کے مقابلہ میں یہاں معیار زندگی سب سے زیادہ بلند ہے۔

ٹریونڈرم: ٹریونڈرم ہندوستان کے جنوب میں ریاست کیرالا کی راجدھانی ہے۔ یہ شہر ایک اہم صنعتی، کاروباری اور تعلیمی مرکز ہے اور ناریل کے ریشے سے بنی ہوئی چیزوں، پیتل، ہاتھی دانت کے کام، سیمنٹ اور گری دار میووں کے لیے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہ کئی بڑی صنعتوں کا بھی مرکز ہے۔

شری پدمانابھ سوامی کا مندر جو اس شہر میں واقع ہے، جنوبی ہند کا ایک نہایت ہی مقدس مندر ہے۔ اسی طرح ٹریونڈرم کی آرٹ گیلری بڑی شہرت کی حامل ہے جہاں راجپوت، مغل، تنجور، تبتی، چینی، جاپانی اور پالتی کی نایاب مصوری اور نقش و نگار کے مجموعے اور راجا روی ورما کے مشہور مصوری کے نمونے ملتے ہیں۔ یہاں کی دوسری دل لبھانے والی تفریح گاہیں حیاتیاتی باغ (زو) اور نیچر میوزیم ہیں۔

ٹریونڈرم سے آٹھ میل کے فاصلے پر کوالم کی خلیج اور بیچ واقع ہے جو سمندر کے کنارے کا مستقر ہے۔ یہاں روزانہ بہت سے سیاح آتے ہیں۔ ٹریونڈرم کے قریب ایک خوبصورت تفریح گاہ وہاں کا بندھ بھی ہے۔

کنیا کماری جو ہندوستان کا ایک کونہ ہے۔ ٹریونڈرم سے 54 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بحیرۂ عرب، خلیج بنگال اور بحر ہند ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور جہاں طلوع آفتاب دلکش منظر پیش کرتا ہے۔ گرجا گھروں کے کئی کلیسائی گروپوں کا صدر مستقر ہے۔ ٹریونڈرم کے جنوب میں گاؤں کا ساحلی واقع ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ شاہ سالومن کے زمانے میں بندرگاہ اوفیر کے نام سے مشہور تھا جہاں سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے جہاز اس خطے کے شہرہ آفاق (مصالحے) خریدنے اس بندرگاہ میں داخل ہوتے تھے۔

شہر ٹریونڈرم کو چنئی سے بذریعہ ریل اور ہوائی راستے سے ملا دیا گیا ہے۔ یہ شہر روم کی طرح پہاڑی پر واقع ہے، جس کی وجہ سے یہ بہت خوبصورت ہو گیا ہے۔ یہاں متعدد عمارتیں اور باغات بنائے گئے ہیں جو شہر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

شہر ٹریونڈرم کی مشہور عمارتیں پیلیس، لیجسلیٹو چیمبر، سکریٹریٹ اور یونیورسٹی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری دلچسپی کے مقامات اکویریم اور اسکول آف فائن آرٹس ہیں۔

شہر ٹریونڈرم اپنی گنجان آبادی کے لیے مشہور ہے اور یہاں 95 فی صدی سے زیادہ لوگ خواندہ ہیں۔

ٹکٹونائٹ (Tectonite): ایسے حجر جن میں قلماؤ دباؤ کے باعث عمل میں آتا ہے اور اس وجہ سے جمادی دانے یا قلمیں متوازیت (Parallelism) کی نمائش کرتے ہیں۔ یہ حجرات شدید درجہ کی کایا بدلیت کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔

ٹکسیلا (تکسیلا): پاکستان میں راولپنڈی کے قریب یہ قدیم شہر ساتویں صدی عیسوی قبل مسیح میں ایک راجدھانی تھا۔ یہ شہرہ آفاق گندھارا آرٹ اور سنگ تراشی کا مرکز تھا۔ اس کا رقبہ 12 مربع میل تھا۔ یہاں ٹکسیلا یونیورسٹی قائم کی گئی تھی۔ زمانہ قدیم میں دور دراز ممالک جیسے چین، تبت، جاوا، ساترا اور دیگر مشرقی ممالک سے طلبا اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہتے تھے۔ مشہور عالم سنسکرت اور ماہر سیاست و طب چانکیہ اس یونیورسٹی سے وابستہ تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں ہنوں کے حملوں کے بعد یہ یونیورسٹی تباہ و تاراج ہو گئی۔

پاکستانی ماہرین نے یہ انکشاف کیا ہے کہ 518 قبل مسیح میں یہ شہر ایران کے تحت تھا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ٹھنڈرا کا خطہ: دائرہ قطب شمالی کے شمال کا علاقہ ٹنڈرا کا خطہ کہلاتا ہے۔ یہاں تقریباً آٹھ مہینے کا طویل موسم سرما انتہائی سرد ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں سورج نظر ہی نہیں آتا اور زمین برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ موسم گرما صرف چار مہینہ کا ہوتا ہے۔ اس موسم کے عروج کے زمانہ میں سورج غروب ہی نہیں ہوتا۔ درجہ حرارت موسم گرما میں بھی بہت کم رہتا ہے۔ اس مختصر سے زمانہ میں چھوٹے چھوٹے پھولدار پودے فوراً اگ جاتے ہیں اور موسم بدلتے ہی جلد ہی فنا بھی ہو جاتے ہیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی زمین پر کائی اور لچن کا وسیع پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ حالات زراعت کے لیے ناموافق ہیں۔ بارہ سنگھے (رینڈیر) قطبی ریچھ، لومڑیاں اور خرگوش بکثرت ملتے ہیں۔ یہاں کے خانہ بدوش باشندے اسکیمو، لنز، لیپس اور ساموید کہلاتے ہیں۔ یہ بغیر پہیوں کی گاڑیاں چلاتے ہیں جو سلیج کہلاتی ہیں۔ جانوروں کی کھالوں سے کپڑے اور خیمے بنائے جاتے ہیں۔ سمور فروخت کی جاتی ہے۔ بارہ سنگھے (رینڈیر) کا دودھ پیتے ہیں، گوشت کھاتے ہیں اور ہڈیوں سے اوزار نیز ہتھیار تیار کرتے ہیں۔ شدید موسم سرما میں باشندے عارضی طور پر جنوب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

ٹنگانائیکا جھیل: تنزانیہ اور زائرے کی سرحد پر یہ جھیل واقع ہے۔ اگرچہ یہ 30 تا 50 میل چوڑی ہے لیکن لمبائی کے لحاظ سے جو 400 میل ہے، دنیا کی طویل تازہ پانی کی جھیلوں میں اس کا نمبر دوسرا ہے۔ اس کا پانی 12,700 مربع میل کا رقبہ گھیرتا ہے۔ گہرائی کے لحاظ سے دنیا کی جھیلوں میں دوسرے نمبر پر ہے۔ انتہائی گہرائی 4,708 فٹ ہے۔ کئی دریا اس میں اپنا پانی لا کر ڈالتے ہیں۔ جن میں مالاگارسی سب سے بڑا دریا ہے۔ اس جھیل کے کنارے کئی اہم شہر جیسے اسمبورا، کریما، کاسنگا اور مولپرو واقع ہیں۔ اس میں کشتی رانی خوب ہوتی ہے۔

ٹوبے گو: برطانوی جزائر غرب الہند کا یہ ایک جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 116 مربع میل ہے۔ اس کا وسطی حصہ، کوہستانی اور جنوبی نیز مغربی میدانی ہے۔ یہاں کی وادیاں بہت زرخیز ہیں۔ کوکو، ناریل اور لیموں جیسے رسیلے پھل یہاں کی پیداوار میں شامل ہیں۔

ٹوپنگاٹو پہاڑ (Tupungato Mountain): جنوبی امریکہ کی ریاستوں چلی اور ارجنٹائن کی سرحد پر کوہ اینڈیز کے سلسلے میں واقع ہے۔ چوٹی کی بلندی 22,300 فٹ ہے۔

ٹوبکل پہاڑ (Tubkal Mountain): جنوبی مراقش (شمال مغربی افریقہ) کے عظیم کوہستان اطلس (Atlas) کے درمیان ٹوبکل پہاڑ واقع ہے۔ اس کی چوٹی 13,661 فٹ بلند ہے۔ اطلس کے پہاڑی سلسلوں کا یہ سب سے اونچا پہاڑ ہے۔

ٹوپو شیٹس: سروے آف انڈیا کے زیر نگرانی مثلثی پیائش کے وقت چھوٹے چھوٹے علاقوں کے نقشے بڑے پیمانوں پر بنائے جاتے ہیں جو طبعی اور کلچرل حالات کی تفصیلات دکھاتے ہیں۔ یہ سب ٹوپو شیٹس کہلاتے ہیں۔ بعض شیٹس ایک انچی، بعض نصف انچی اور بعض مربع انچی ہوتے ہیں۔ میٹرک نظام پیائش شروع ہونے کے بعد اکثر شیٹس 1/50,000 کسر تعبیری پر بننے لگے ہیں۔ بعض شیٹ ایک ملین ر 1 کسر تعبیری پر بھی بنتے ہیں۔ یہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا ایک سلسلہ ہندوستان اور متصلہ علاقوں کا اور دوسرا بین الاقوامی ہوتا ہے۔ اول الذکر میں ہر شیٹ پر 4 عرض البلد اور 4 طول البلد پھیلاؤ کے علاقے دکھائے جاتے ہیں۔ ہر شیٹ کا ایک مقررہ نمبر ہوتا ہے۔ بعض شیٹس اہم شہروں کے نام سے بھی وابستہ ہو جاتے ہیں۔ لفظی اندراجات سیاہ روشنائی سے، آبی پھیلاؤ آسمانی رنگ سے، خطوط مساوی الارتفاع بادامی رنگ سے اور سڑکوں اور شہروں کی تنظیم سرخ رنگ سے دکھاتے ہیں۔ یہ شیٹ دو طرح کے ایڈیشنوں میں چھپتے ہیں۔ ایک سیاسی ایڈیشن جس میں انتظامی حدود رنگین خطوط سے دکھائی جاتی ہیں۔ دوسرا تفاوت ارتفاع کا ایڈیشن جس میں مختلف بلندیاں رنگین پٹیوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ موخر الذکر کے بجائے آج کل بین الاقوامی نقشے چھاپے جانے لگے ہیں۔ اس سلسلہ کا ہر شیٹ 4 عرض البلد اور 6 طول البلد پھیلاؤ کو دکھاتا ہے۔ سروے آف انڈیا نے ان نقشوں کے علاوہ ملین ½/1 تعبیری کسر پر جنوبی ایشیا کے شیٹس بھی شائع کر دیے ہیں۔ اس سلسلہ کے ہر شیٹ میں 8 عرض البلدی اور 12 طول البلدی پھیلاؤ دکھایا گیا ہے۔ دونوں طرح کے نقشوں میں رنگ ایک ہی سے ہوتے ہیں۔ ایک ملین ر 1 کسر پر بنایا ہوا ہر شیٹ مساوی پھیلاؤ کے سولہ ذیلی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہر حصہ ایک درجہ کا شیٹ کہلاتا ہے۔ شکل نمبر 1 میں دکھائے ہوئے ا، ب، ج، د وغیرہ سولہ شیٹس ہیں۔ یہ سب ٹوپو شیٹس نمبر 63 کے جدا جدا 63A, 63B اور 63C وغیرہ کہلاتے ہیں۔ ان میں ایک انچ سے چار میل کا فاصلہ دکھایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ مربع انچ شیٹس بھی کہلاتے ہیں۔ ہر ڈگری شیٹ کو مزید سولہ ذیلی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ذیلی حصہ صرف 15 (منٹ) کے پھیلاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ (دیکھیے شکل 2)۔ یہ تمام شیٹس ایک انچی ہوتے ہیں کیونکہ ان میں ایک انچ سے ایک میل کا فاصلہ دکھایا جاتا ہے۔ تیس درجہ کے پھیلاؤ کو دکھانے والے شیٹس نصف انچی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ ان میں ½/1 انچ کے پھیلاؤ سے ایک

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میل کا فاصلہ دکھایا جاتا ہے۔ ایک انچی شیٹس کے نمبر K63/1، K63/2 اور K63/3 وغیرہ رہیں گے۔ نصف انچی شیٹس کے نمبر سمتوں کے اعتبار سے K63/NW، K63/NE، K63/SE اور K63/SW وغیرہ ہوں گے۔

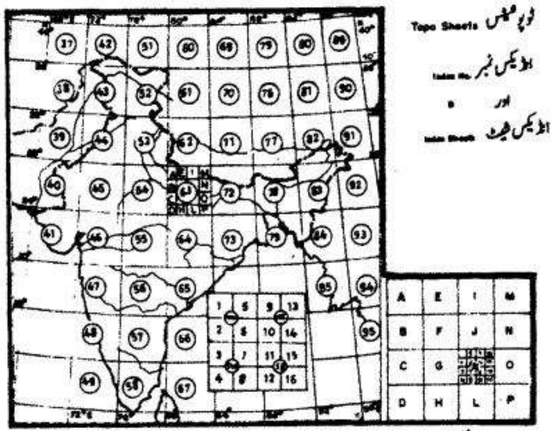

شکل 1 شکل 2

ٹوپی حجرات (Cap Rocks): پٹرولیم اور تیل کے ذخائر کا تیل کے شکنجوں کی صورت میں محفوظ رہنے کا دارومدار ایسے غیر مسام دار حجرات پر ہوتا ہے جو ان شکنجوں کے اوپر موجود ہوں۔ اور جن کی وجہ سے تیل سطح زمین پر پہنچ کر بخارات کی شکل میں ضائع ہونے نہیں پاتا۔ ان حجرات کو ٹوپی حجرات (Cap Rocks) کہا جاتا ہے۔

ٹوپی حجرات عام طور پر کیچڑ حجرات (Shales) پر مبنی ہوتے ہیں۔

ٹورنٹو (Toronto): کینیڈا کے جنوبی صوبے اونٹاریو (Ontario) کا مستقر ہے اور جھیل انٹاریو کے شمال مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس شہر کی آبادی 1976 میں 2,803,100 تھی۔ یہ کینیڈا کا دوسرا سب سے بڑا شہر، بندرگاہ اور ایک اہم تجارتی، مالیاتی اور صنعتی مرکز ہے۔ یہاں بلدیہ کا ایک ایرپورٹ (طیران گاہ)، سمندری جہازوں کا لنگرگاہ اور اسٹاک اکس چینج واقع ہیں۔ ماضی میں یہ سمور کی تجارت کا مرکز تھا۔ 1740 میں فرانسیسیوں نے ایک قلعہ فورٹ روئی لے (Fort Roilli) انگریزوں کے مقابلے کے لیے بنایا تھا۔ اس کو انگریزوں نے اپنے قبضے میں لے کر تباہ کر دیا اور اپنا ایک نیا قلعہ "فورٹ ٹورنٹو" بنایا۔ بعد میں 1812 میں دو مرتبہ عارضی طور پر امریکیوں کے قبضہ میں آیا۔ یہاں کی ٹورنٹو یونیورسٹی 1843 میں قائم کی گئی تھی۔ یہ کینیڈا کی سب سے بڑی یونیورسٹی اور سائنس کا ایک اہم تعلیمی سنٹر ہے۔ یہاں اطلاقی سائنس، انجنیئری، فن تعمیر، فنون، علاج امراض دانت، جنگلات، طب اور موسیقی کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کئی کالج اور ایک رصدگاہ ہے۔ یہاں کا رائل اونٹاریو میوزیم مشہور ہے۔

ٹوکے لو۔ جزائر (Tokelau Islands) یا جزائر یونین (Union Islands): یہ جزائر یونین بھی کہلاتے ہیں۔ یہ جنوبی بحرالکاہل میں نیوزی لینڈ سے تقریباً 3,200 کلو میٹر (2 ہزار میل) دور واقع ہیں۔ ان کا رقبہ 12 مربع کلو میٹر (5 مربع میل) ہے۔ آبادی 1986 میں تقریباً 1690 تھی۔ 1765 میں برطانیہ نے ان کا پتہ چلایا اور ان پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد انھیں نیوزی لینڈ کی تولیت میں دے دیا۔ 1940 سے انھیں نیوزی لینڈ کا حصہ بنادیا گیا۔

ٹوکین ٹنس: یہ دریا برازیل کے شمال میں بہتا ہے۔ ریاست گوئیاس سے نکل کر شمال کی جانب بہتا ہوا امیزان کے ڈیلٹا میں گرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی معاون ندی، اراگوئیا ہے۔ اس دریا میں کچھ حصے تک جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ اس کی معاشی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس کے پانی سے 1,600 میل تک آبپاری ہوتی ہے۔

ٹوکیو: جاپان اور صوبہ وسطی ہونشو کا صدر مقام ہے۔ خلیج ٹوکیو میں واقع ہے۔ دنیا کا تیسرا سب سے بڑا شہر ہے۔ آبادی 1977 کے مطابق 8,568,700 تھی۔ یہ جاپان کا انتظامی، مالی، تعلیمی اور بہت بڑا صنعتی مرکز ہے۔ یہاں کے بندرگاہ سے بہت بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی ہے۔

ٹوکیو کی بنیاد بارہویں صدی میں ایک قصبہ میں رکھی گئی تھی جو یوڈو کہلاتا تھا۔ سنہ 1457 میں اس کے اطراف فصیل تعمیر کی گئی۔ سنہ 1590 میں یہ ایک صوبہ کا صدر مقام بنا۔ سنہ 1603 میں ٹوکوگوا شوگن یا فوجی ڈکٹیٹروں نے جن کی جاپان پر حکومت تھی، اسے اپنا صدر مقام بنالیا اور تب ہی سے اسے اہمیت حاصل ہو گئی۔ اس دور میں شوگن نے ایک قلعہ بند محل تعمیر کروایا تھا اور اس کے اطراف سمورائے اور تاجروں، وغیرہ کی کوٹھیاں تھیں۔ آبادی کا بڑا حصہ شوگن کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ملازموں کا تھا۔ ان کا یہ محل آج تک موجود ہے اور اس کے اطراف اب سرکاری دفاتر بن گئے ہیں۔

سنہ 1868 میں شوگن کی طاقت ٹوٹ گئی۔ ان کا راج ختم ہو گیا اور بادشاہت پھر سے قائم ہو گئی اور کیوٹو کے قدیم صدر مقام کی جگہ یہ صدر مقام بن گیا اور اسے ٹوکیو کا نام دیا گیا۔ ٹوکیو کے معنی جاپانی زبان میں مشرقی صدر مقام کے ہیں۔

سنہ 1923 کے زبردست زلزلہ میں ٹوکیو کا تقریباً آدھا حصہ بالکل تباہ ہو گیا تھا اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ جانیں گئی تھیں۔ اس کے بعد سے شہر از سر نو تعمیر کیا گیا۔ چوڑی سڑکیں جدید طرز کی عمارتیں اور پانی پہنچانے اور فضلہ بہانے کا جدید نظام شروع کیا گیا۔

دوسری عالم گیر جنگ کے زمانہ میں آدھے سے زیادہ ٹوکیو بم باری سے تباہ ہو گیا تھا۔ تمام کارخانے تباہ کر دیے گئے تھے۔ صرف شاہی محل اور اس کے اطراف کے سفارتی مکانات اور پارلیمنٹ کی عمارتیں محفوظ رہی تھیں۔ جنگ کے بعد چند سال کے اندر ٹوکیو نہ صرف ترقی پذیر ہوا بلکہ دنیا کے تین سب سے بڑے شہروں اور بڑے صنعتی مرکزوں میں سے ایک بن گیا۔ کئی عمارتیں، یونیورسٹیاں، عجائب گھر، تھیٹر، تعلیمی اور تہذیبی ادارے، وسیع باغ اور پارک تعمیر ہوئے۔ لوہے، فولاد اور خاص طور پر الکٹرانک نیز موٹر سازی اور فلم سازی کی صنعتیں قائم ہوئیں جو آج دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔

ٹوگو (Togo): یہ مغربی افریقہ کی ایک جمہوریہ ہے جو خلیج گنی میں بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 56,785 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 3,764,000 ہے۔ اس کے مغرب میں گھانا، شمال میں برکینا فاسو اور مشرق میں بینن (دہومی) واقع ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر لومے ہے۔ سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ آبادی کی اکثریت روایتی افریقی مذاہب کی پیرو ہے۔ مسلمان اور عیسائی اقلیت میں ہیں۔

جنوب سے شمال مشرق تک پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ سب سے بڑا دریا وولٹا ہے۔ اس کے علاوہ اوئی، مونی، زیو اور ہاہو دریا بھی یہاں بہتے ہیں۔ آب و ہوا اچھی نہیں ہے۔ کافی، کوکو اور چاول پیدا ہوتے ہیں۔ کپڑا بننے، لکڑی پر نقاشی کرنے، دھاتوں کے کام اور برتن بنانے کی گھریلو صنعتیں قائم ہیں۔ معدنیات میں لوہا نکالا جاتا ہے۔ برآمدات میں کوکو کو سب سے اہم مقام حاصل ہے۔

ٹوگو کا پہلے نام ٹوگولینڈ تھا۔ اس وقت تک یہ ایک جرمن نوآبادی (کالونی) تھا۔ اس کے بعد یہ ریاست گھانا کا حصہ بن گیا۔ پھر فرانسیسی یونین کے اندر خود مختار جمہوریہ بنا اور 1960 میں ایک آزاد جمہوریہ بن گیا۔ پہلی عالمگیر جنگ میں شکست کے بعد جرمنوں نے اسے فرانسیسیوں اور انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ برطانیہ نے مغربی حصہ لے لیا اور اسے گولڈ کوسٹ (موجودہ گھانا) کے نظم و نسق کے حوالے کر دیا۔ بعد میں اسے پہلے جمعیۃ اقوام (لیگ آف نیشنز) اور پھر مجلس اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیا گیا۔ 1956 میں عوام کی رائے لینے کے بعد اسے گھانا میں شامل کر دیا گیا۔ بقیہ حصہ جو فرانس کو ملا وہ اس نے اپنے مغربی افریقہ کے وفاق میں شامل کر لیا۔ بعد میں وہ اقوام متحدہ کی تولیت میں آ گیا۔ اگست 1957 میں فرانس نے اسے فرانسیسی یونین کے اندر خود مختاری دے دی۔ 1960 میں اسے مکمل آزادی مل گئی اور یہ جمہوریہ ٹوگو کہلانے لگا۔

1961 میں سلوینس اولمپیو ملک کا صدر بنا۔ 1966 تک پڑوسی ملک گھانا (غانا) کے ساتھ تعلقات بہت خراب رہے۔ 1963 میں بے روزگار فوجیوں نے بغاوت میں شرکت کی اور اولمپیو کا قتل کر دیا گیا۔ 1967 میں دوبارہ نئی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ 1972 میں ایاڈیما اکثریت سے صدر منتخب ہو گیا۔

1979 میں ایک نیا آئین مرتب کیا گیا۔ 1985 میں پوپ جان پال دوم کے ملک میں آنے کے وقت کئی بم دھماکے ہوئے۔

1991 میں نیشنل کانفرنس نے ایاڈیما کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا لیکن 1992 میں فوج نے ایاڈیما کی حمایت کی اور اس کے اختیارات بحال کر دیے گئے۔

ٹونکن: جنوب مشرقی ایشیا کا یہ ایک تاریخی علاقہ شمالی ویت نام کے قلب میں واقع ہے۔ اس کے شمالی اور مغربی حصے پہاڑی ہیں، مشرقی علاقہ میں دریائی میدان واقع ہے۔ دریائے سرخ ڈیلٹا بناتا ہوا خلیج ٹونکن میں داخل ہوتا ہے۔ نام دنھ، ہنوئے، ہیفانگ اور نھو بنھ اس علاقہ کے اہم شہر ہیں۔ ٹونکن کو "ٹونکنگ" بھی کہا جاتا ہے۔ آبنائے ٹونکن جزیرہ ہینن کے شمال میں واقع ہے۔ خلیج ٹونکن بحیرۂ جنوبی چین کا ایک بازو ہے جو جزیرۂ ہینن کے مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی 300 میل، چوڑائی 150 میل اور انتہائی گہرائی 230 فٹ ہے۔

ٹونگایا فرینڈلی آئی لینڈ: بحر الکاہل کے جنوبی علاقے میں 150 جزائر کا مجموعہ ہے اور جزائر فیجی سے تقریباً 250 میل مشرق میں واقع ہے۔ یہ جزیرے دو آبناؤں کے ذریعے تین گروپوں میں منقسم ہیں۔ ان کا مجموعی رقبہ 390 مربع میل ہے۔ ان میں سب سے بڑا جزیرہ ٹونگا ہے۔ یہ جزائر جزوی طور پر آتش فشانی اور

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

166

مر جاتی ہیں۔

ٹی ٹی کاکا جھیل: جنوبی امریکہ کی پیرو اور بولیویا ریاستوں کی سرحد پر واقع یہ جھیل 138 میل لمبی اور 69 میل چوڑی ہے۔ اس کا رقبہ 3,500 مربع میل ہے۔ رقبہ کے اعتبار سے اور اس لحاظ سے کہ یہ قابل جہاز رانی بھی ہے، دنیا کی اہم جھیلوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ جنوب میں اس کے پانی کا اخراج دریائے دیسا گوادیرو کے ذریعہ ہوتا ہے جو اس کے پانی کو ساتھ لے کر بہتا ہوا جھیل پوپو میں جاگرتا ہے۔ بولیویا سے پیرو تک اس میں دخانی کشتیاں (اسٹیم بوٹ) بکثرت چلتی ہیں۔

ٹیتھیس (Tethys): ایک سمندر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کاربونیفرس زمانے سے کم زمانے تک ارضی نشیب کی صورت میں قائم رہا اور اس میں جمع شدہ رسوب کی سربلندی اور کوہ سازی کے باعث ہمالیہ اور آلپس وجود میں آئے۔

ٹیکری: چھوٹی پہاڑی (دیکھیے "پہاڑی")

ٹیلائٹ یا ڈرفٹ (Tillite or Drift): گلیشیر اور برفانی چادروں کی پیش قدمی کے بعد چھوٹ جانے والے گلیشیائی اور دریا گلیشیائی مادوں کو بولڈر کلے (Boulder Clay) یا ٹِل یا ٹلائٹ یا ڈرفٹ کہتے ہیں اور یہ بے حد مہین حجراتی سفوف (Rock Flour) سے لے کر بڑے بڑے حجم کے بولڈروں تک کے سائز کے ہو سکتے ہیں اور یہ عموماً ناچیدہ ہوتے ہیں۔

ٹیوائے (Tavoy): بینار کا اہم بندرگاہ ہے جہاں سے وولفرام (Woolfram) اور ٹمن برآمد کیے جاتے ہیں۔

ٹیورن: یہ اطالوی زبان میں تورینو کہلاتا ہے۔ 1971 میں آبادی 889,249 تھی۔ اٹلی کے شمال مغرب میں دریائے پو (Po) اور اس کے معاون ڈورار یپریا کے کنارے واقع ہے۔ رسل و رسائل کا یہ عصری مرکز ہے۔ یہاں اٹلی کی موٹر کار فیٹ اور لانشیا بنانے کے کارخانے واقع ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں کپڑا، مشینری، فرنیچر، کیمیائی اشیا اور ورموتھ شراب بنانے کے کارخانے ہیں۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران اس شہر پر شدید ہوائی حملے ہوئے اور سترھویں سے انیسویں صدی تک کی اکثر عمارتیں تباہ ہو گئیں۔ یہاں کی یونیورسٹی مشہور ہے جو 1404 میں قائم کی گئی تھی۔ یہاں کے قدیم محلوں اور عجائب گھروں میں قدیم ہتھیار، فنون لطیفہ کے نوادرات اور مصر کے عہد فراعین کے آثار کا ذخیرہ موجود ہے۔ یہاں کے نشاۃ ثانیہ کے کلیسا میں وہ کپڑا بھی موجود ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں صلیب سے اتارنے کے بعد حضرت عیسیٰ کا جسم لپیٹا گیا تھا۔ اس پر خون سے ان کے جسم کے نشان بنے ہوئے ہیں۔

ٹیونس (Tunis): شمالی افریقہ کے ساحل پر تیونیشیا (Tunisia) کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔ شمال مشرق میں یہ اپنی بیرونی چوکی حلقل وادی (Halqal-wadi) سے مربوط ہے۔ 1966 میں شہر کی آبادی تقریباً آٹھ لاکھ تھی۔

ث، ج

ثانوی شگاف: دیکھئے شگاف

جاپان (Japan): بحرالکاہل کے شمال مغربی حصہ میں ایک مجمع الجزائر ہے جس میں چار بڑے جزائر (ہوکیڈو، ہانشو، کیوشو اور شکوکو)، جزائر رایوکیوس اور کئی چھوٹے جزائر شامل ہیں۔ کل رقبہ 377,801 مربع کلومیٹر (145,785 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق تقریباً 124,024,000 ہے سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ٹوکیو ہے۔ استعمال کی اور سرکاری زبان جاپانی ہے۔ بڑے مذاہب شنٹو اور بدھ مت ہیں۔ آئینی بادشاہت قائم ہے۔ جاپان کے ساحل چھوٹی بڑی خلیجوں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن اچھے بندرگاہ بہت کم ہیں۔ اکثر جزیروں میں ساحل کے قریب ہی سے پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پورے جاپان میں پہاڑوں اور زرخیز وادیوں کے سلسلے یکے بعد دیگرے چلے گئے ہیں۔ ملک کے اکثر حصوں میں آتش فشاں پہاڑ واقع ہیں۔ ٹوکیو سے تقریباً 100 کلومیٹر (60 میل) جنوب مغرب میں مشہور حسین فوجی یاما پہاڑ واقع ہے جو کسی زمانہ میں آتش فشاں تھا اور اب اس کی چوٹی برف سے ڈھکی ہوئی ہے۔

جاپان کا اکثر علاقہ پہاڑی ہے اور جزیروں کی چوڑائی زیادہ نہیں ہے اس لیے یہاں بڑے دریا بھی نہیں ہیں۔ لیکن چھوٹے چھوٹے دریا اور چشمے تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور تمام ضروریات ان سے پوری ہو جاتی ہیں۔ بڑے جزیروں میں کئی جھیلیں بھی ہیں۔

چونکہ جاپان کافی وسیع عرض البلاد پر پھیلا ہوا ہے اس لیے مختلف اقسام کی آب و ہوا ملتی ہے۔ بعض علاقوں میں برف گرتی ہے تو کچھ میں اس کا کہیں پتہ نہیں رہتا۔

بارش پانی اور موزوں آب و ہوا کی وجہ سے جاپان کی سرزمین بڑی زرخیز ہے۔ جاپان کے باغات تو دنیا بھر میں مشہور ہیں اور یہاں طرح طرح کے درخت اگتے ہیں۔

زراعت اب بھی یہاں کا خاص پیشہ ہے۔ آبادی کا 50 فیصدی زراعت میں معروف ہے۔ چاول بنیادی غذا ہے اور اس کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی تقریباً 215 قسمیں یہاں پیدا کی جاتی ہیں۔ دوسری زمینوں کے مقابلہ میں چاول کے زیر کاشت زمین کی قیمت تین گنا زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ چائے، مکئی، دالیں، گیہوں جو (بارلی) رائی اور تمباکو بھی پیدا ہوتا ہے۔ روئی، تیل، گانجا، میٹھکر ریشم، سبزیاں، اور پھلوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ جاپانی غذا کا اہم جزو مچھلی ہے اور یہ بڑے پیمانے پر پکڑی جاتی ہے۔

جاپان میں معدنیات بہت کم ہیں۔ کوئلہ اور تیل نکالا جاتا ہے۔ جہاں تک صنعتوں کا تعلق ہے جاپان دنیا کے بڑے صنعتی ملکوں میں سے ایک ہے۔ یہاں ہر قسم کے سوتی اور مصنوعی تاگوں کے کپڑے، لوہا اور فولاد اور ان کی بنی چیزیں، کھاد، پٹرول سے بنی چیزیں، کیمیائی اشیا، ریلیں، جہاز، موٹریں، ہر قسم کے کارخانوں کی مشینیں وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔ حال میں الکٹرانک کی صنعت نے زبردست ترقی کی ہے۔ یہاں کے بنے ہوئے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور الکٹرانک کی بے شمار چیزیں ساری دنیا کی منڈیوں میں جاتی ہیں۔ برآمدات میں 25 فیصدی مختلف قسم کی مشینیں، لوہا اور فولاد 18 فیصدی، موٹریں 18 فیصدی، جہاز 10 فیصدی، کیمیائی اشیا 8 فیصدی، اوزار 6 فیصدی، تاگہ اور کپڑے 6 فیصدی ہیں۔ برآمدات کا 24 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے اور باقی ساری دنیا کے دوسرے ملکوں کو۔ درآمدات کا 18 فیصدی امریکہ سے، 12 فیصدی سعودی عرب سے، 8 فیصدی آسٹریلیا سے، 7 فیصدی ایران سے اور 6 فیصدی انڈونیشیا سے آتا ہے۔

رائج سکہ ین (YEN) ہے۔ ابتدائی مدرسوں میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق طالب علموں کی تعداد 9,157,429 اور استادوں کی تعداد 444,903 ثانوی مدرسوں میں 1989 میں 11,143,930 طالب علم، حرفی اداروں میں 1,450,704 طلبا اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں (جن میں چالیس قومی جامعات شامل ہیں) 2,887,162 طالب علم اور 243,507 استاد تھے۔

جاپان کے صنعتی خطے: ان صنعتی خطوں کی تقریباً 960 کلو میٹر لمبی پٹی بحر الکاہل کے کنارہ پر کوانتو سے ٹگویا تک اور شمال مغربی کیو شو میں ناگا ساکی تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس پٹی کے درج ذیل چار ذیلی حصے کیے جا سکتے ہیں۔

(ا) کوانتو کا میدان — (ب) کنکی کا میدان

(ج) ٹگویا کا علاقہ — (د) شمالی کیو شو

جارج ایورسٹ: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جارج باس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جارج ٹاؤن (George Town): (1) کینیڈا میں ٹورنٹو (Toronto) کے مغرب کی طرف دریائے کریڈٹ (Credit) پر ایک اہم شہر ہے۔ کاغذ سازی، پارچہ بافی اور برقی سامان کی تیاری کے لیے مشہور ہے۔ سنہ 1971 میں آبادی 17,053 تھی۔

(2) کینیڈا کے پرنس ایڈورڈس جزیرہ میں خلیج سینٹ لارنس کے جنوبی حصہ میں سینٹ لارنس ماہی گیری کا ایک مقام ہے۔ یہاں جھینگا مچھلی کو ڈبوں میں بند کیا جاتا ہے۔ قریب ہی زرعی علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ سنہ 1971 میں آبادی صرف 765 تھی۔

(3) وسطی گیمبیا (Gambia) کے جارج ٹاؤن دریا میں میک کارتھی (Mac. Carthy) جزیرہ کا بندرگاہ ہے اور جارج ٹاؤن ڈویژن کا صدر مقام بھی ہے۔ دلدلی علاقہ کے چاول اور تیل کے بیجوں کی منڈی ہے۔ سنہ 1970 میں آبادی 1,958 تھی۔

(4) برٹش گویانا (British Guiana) کا ایک شہر اور اہم بندرگاہ ہے۔ بحر اوقیانوس کے کنارے دریائے ڈیمیرارا (Demerara) پر واقع ہے۔ تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ یہاں سے شکر، چاول اور گرم سیر علاقہ کے پھلوں کے علاوہ عمارتی لکڑی، باکسائٹ (Bauxite)، سونے اور ہیرون کی بر آمد ہوتی ہے۔ سنہ 1970 میں آبادی 66,070 تھی۔

(5) ہندوستان کی تامل ناڈو اسٹیٹ میں چنئی کے نواحی علاقہ کا نام ہے۔

(6) ملیشیا کا بندرگاہ ہے جو پینانگ (Penang) بھی کہلاتا ہے۔

(7) ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ضلع کولمبیا کے شہر واشنگٹن کا ایک حصہ ہے۔

(8) ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں شمالی کنٹکی (Kentucky) کے علاقہ کا ایک شہر ہے۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 8,629 تھی۔

(9) ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جنوبی کیرولینا کے مشرقی حصہ کا اہم شہر اور بندرگاہ ہے۔ کاغذ سازی کی صنعت میں یہاں کافی ترقی ہوئی ہے۔ تجارت اور سیاحت کا مرکز ہے۔

(10) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست ڈیلاویئر کا ایک شہر ہے۔

(11) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست ورجینیا میں اس نام کا شہر واشنگٹن کے مغرب میں واقع ہے۔

جارج وینکوئر: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جارجیا: یہ اشتراکی روس کی پندرہ جمہوریوں میں سے ایک جمہوریہ ہے جو جنوبی حصہ میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 69,700 مربع کلو میٹر (26,900 مربع میل) ہے۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 4,680,000 تھی۔ شمالی حصہ میں کوہ قاف کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا ہے جو سطح سمندر سے 15,000 سے 16,500 فٹ بلند ہے۔ اس کے دامن میں ایک نشیبی علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ مزید جنوب میں تقریباً گیارہ ہزار فٹ بلند سطح مرتفع دکھائی دیتی ہے۔ شمالی پہاڑ سرد ہواؤں کو روکتے ہیں اور بحیرۂ اسود سے مستقلاً گرم مرطوب ہوائیں پہنچتی رہتی ہیں۔ مغربی حصہ میں ذیل ٹراپکی (سب ٹراپیکل) بحری آب و ہوا پائی جاتی ہے۔ مشرقی حصہ مقابلتاً خشک رہتا ہے۔ جمہوریہ کا ایک تہائی حصہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ اندرونی حصہ میں کوئلہ کے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ قدیم زمانہ میں یہ علاقہ خام مال کی فراہمی کے لیے اہمیت رکھتا تھا لیکن آج اس نے صنعتی میدان میں نمایاں ترقی کی ہے۔ ٹبلیسی (ٹفلیس) صدر مقام ہے۔

جالندھر: یہ ہندوستان میں پنجاب کا ایک مشہور شہر اور اسی نام کا ضلع ہے جو لدھیانہ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ شہر کھیل (اسپورٹس) کے سامان، انجینئرنگ اور موزے، بنیان (ہوزری) وغیرہ کی صنعت کے لیے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

جام نگر: ریاست گجرات کا ایک بندرگاہ ہے۔ اس کے قریب ہی سمندر سے موتی نکالے جاتے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگوں کا خاص پیشہ سیمنٹ اور نمک تیار کرنا ہے۔ بندرگاہ کے پاس نمک کی سفید چمکیلی سلوں کا ڈھیر دیکھنے والوں کو بہت اچھا لگتا

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ہے۔ شہر کے وسط میں دو شاندار عمارتیں کوٹھا جیشن اور کلوٹا ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قدیم کنواں ہے۔ کلوٹا یہاں کا قدیم میوزیم ہے جس میں نویں سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک کی خوبصورت مورتیوں کا مجموعہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں قدیم سکے، سوراشٹرا کے مٹی کے ظروف اور نربدا کی وادی سے حاصل کی ہوئی کئی اشیا پر پانڈووں کے دور کی تحریریں، تامر تحریریں اور قدیم دستاویزات بھی جمع ہیں۔ یہ شہر قدیم اور جدید تہذیب و تمدن کا سنگم ہے جس تک پہنچنے کے لیے ایک لمبے پتھر کے پل سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ یہ شہر راجکوٹ سے بذریعہ ریل تین گھنٹے اور ممبئی سے بذریعہ ہوائی جہاز دو گھنٹے کے سفر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شہر بڑے سلیقہ سے بنایا گیا ہے۔ آزادی سے پہلے یہ مقامی راجاؤں کی راجدھانی بھی تھا۔

جان بائرن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جان ڈیوس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جان گیبٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جان لیڈ یرڈ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جان ویزلے پاول: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جان میکڈ انلڈ اسٹوارٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جراڈس کیمبرانسس: یورپ میں دانشورانہ نشاۃ ثانیہ کے بعد کے اس جغرافیہ داں نے مختلف ممالک کے باشندوں کے کردار، صحت اور طرز زندگی کو آب و ہوا اور طبعی حالات کے تابع بتایا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے ویلز کا تفصیلی حال لکھتے ہوئے دلیلوں کے ساتھ مثالیں پیش کی ہیں۔

جبرالٹر (Gibraltar): جبرالٹر یا جبل الطارق برطانیہ کی ایک نوآبادی (کالونی) ہے جسے اندرونی خود مختاری حاصل ہے۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ نما ہے جو ایک طرف اسپین سے جڑا ہے اور دوسری طرف بحیرہ روم میں پھیلا ہوا ہے۔ شمال میں زبردست پہاڑی چٹان ہے۔ رقبہ 6 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق یہاں کی آبادی تقریباً 30,000 ہے۔ یہ ایک بہت اہم بندرگاہ ہے۔ بحیرہ روم سے بحر اوقیانوس آنے جانے والے جہاز یہاں رکتے ہیں۔ یہ کالونی ایک قلعہ اور فوجی اڈہ ہے اس لیے زیادہ تر علاقہ پر فوجی تنصیبات ہیں اور یہاں کام کرنے والے زیادہ تر عام لوگ (سیویلین لوگ) شمال میں ہسپانوی علاقہ میں رہتے ہیں جو زیادہ تر ہسپانوی اطالوی اور پرتگالی ہیں۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔

جبرالٹر اصل میں عربی نام جبل الطارق کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ 711 میں جب طارق کی سرکردگی میں مور (Moors) اسپین میں داخل ہوئے تو اسے یہ نام ملا۔ 1462 میں ہسپانیوں نے اس پر پھر قبضہ کرلیا۔ 1704 سے یہاں برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ گو کہ ہسپانیہ اور فرانس نے اسے برطانیہ سے چھیننے کی بہت کوشش کی۔ پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ نے اسے بحری اڈے کے طور پر استعمال کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس پر جرمن فوجوں نے کئی مرتبہ بمباری کی لیکن کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے کیونکہ اس کے شمال کی پہاڑی چٹان سب سے بڑی محافظ بن گئی۔ جنگ کے بعد سے اسپین اس کی واپسی کا لگاتار مطالبہ کر رہا ہے۔ آج کل یہ برطانیہ کا اہم بحری اور ہوائی فوجی اڈہ ہے۔ 1981 میں یہاں کے تمام باشندوں کو برٹش شہریت دے دی گئی۔ 1987 کے معاہدہ کی رو سے جبرالٹر کو برطانیہ اور اسپین دونوں کو استعمال کرنے کا حق ملتا ہے لیکن جبرالٹر نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔

جبلپور: مدھیہ پردیش کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ دریائے نربدا کے کنارے واقع ہے۔ دونوں کناروں پر سنگ مرمر کی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ چھ کلو میٹر دور مغربی جانب گونڈ بادشاہوں کا قدیم قلعہ ہے۔ مدن محل ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ اہم ریلوے جنکشن بھی ہے جو ممبئی اور الہ آباد کو ملاتا ہے۔

جدہ: مغربی سعودی عرب میں یہ وسط حجاز کے خطہ کا اہم شہر، بڑا بندرگاہ اور بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہے۔ بحیرۂ قلزم (احمر) پر مکہ کے مغرب میں واقع ہے۔ حاجیوں کی آمد و رفت اور تیل کی برآمد کے باعث یہ تجارتی مرکز بن گیا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ ہے۔

شہر کے اطراف ایک فصیل ہے۔ فصیل کے باہر ایک مشہور قبر تھی جو کہا جاتا ہے کہ حضرت حوا کی تھی۔ سنہ 1927 میں اسے ڈھا دیا گیا۔ موجودہ جدہ صرف تین سو سال پرانا ہے۔ لیکن موجودہ شہر سے 12 میل دور قدیم جدہ ہے جسے خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے بسایا تھا۔

جراب باد: یہ ایک قسم کا باد نما ہے جو ہوائی اڈوں پر نصب کیا جاتا ہے۔ اس میں ہوابازوں کو ہوا کا رخ دکھانے کے لیے ایک چمکدار نارنجی رنگ کا یا سیاہ و نارنجی رنگ کی پٹیوں والا استوانہ یا کینوس کا مخروط ستون کے اوپری حصہ پر لگا دیا جاتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جراسک دور (Jurassic): وسط حیاتی عہد (Mesozoic Era) کا ایک دور جس کا نام فرانس کے جورا (Jura) پہاڑوں پر رکھا گیا ہے اور جو آلپس پہاڑوں کا حصہ ہیں۔ وہاں اس دور کی چٹانیں مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ دور 180 یا 190 ملین سال قبل شروع ہوا اور آج سے 135 ملین سال قبل تک جاری رہا۔ اس کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی، وسطی اور آخر۔ اس دور میں بحر اٹلانٹک اور ٹھیس کے ارضی ہم میلان کاسوں میں ذخیرگی عمل میں آئی۔ ارضی ہم میلان یا کاس بحری پلیٹ (Oceanic Plate) کے براعظمی حاشیوں کے نیچے چلے جانے (Down Thrusting) کے باعث پیدا ہوئے تھے۔ ایشیائی اور افریقی پلیٹوں کے ساتھ ساتھ حرکت کے باعث ارضی ضد میلانوں (Geoanticlines) کا طویل پہاڑی سلسلہ شروع ہوا اور شالی ٹیتھیس میں اس بالا نشینی کی وجہ سے پیدا شدہ کٹاؤ (Erosion) کے عمل کے باعث دبیز دانہ دار رسوب (Clastics) جمع ہونے شروع ہو گئے۔

اس دور کے اہم جانداروں میں مولسک عائلہ کے ایمونائٹس (Ammonites)، گیسٹروپوڈ (Gastropod) اور پیلی سی پوڈ (Palecypoda) خاص تھے۔ ایکنوڈرما (Echinoderma) اور بریکیو پوڈس (Brachiopods) کے علاوہ سفلو پوڈا کے بیلمنائٹ قبیلے کے جانور بھی تھے۔ خشکی کے جانوروں میں ڈائنوسار ہی سب سے زیادہ اہم رہے جو اس دور میں اپنی زیست کے انتہائی عروج پر پہنچ گئے۔ ابتدائی پرندے آخری جراسک زمانے میں پیدا ہوئے مثلاً آرکیوپٹرکس (Archeopterix)۔ اس دور کی آب و ہوا گرم مرطوب رہی۔

جرسی (Jersey): برطانیہ کا ماتحت علاقہ ہے جو فرانس کے علاقے نارمنڈی کے مغرب میں 24 کلومیٹر (15 میل) کے فاصلے پر گورن سے کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کے تحت ایک چھوٹا سا جزیرہ بھی ہے۔ کل رقبہ 117 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 84,000 ہے۔ سالانہ تین لاکھ سے زیادہ سیاح یہاں آتے ہیں۔ سبزیاں اور پھول کافی مقدار میں برطانیہ بھیجے جاتے ہیں۔

اس کا صدر مقام سینٹ ہیلیر ہے۔

جرمن: یورپ کا ایک نسلی گروہ۔ سویڈن، ناروے، ڈنمارک، آئس لینڈ، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ، شمالی اٹلی، نیدرلینڈ، بلجیم، لکزمبرگ، شمالی اور وسطی فرانس، اسکاٹ لینڈ کے بعض حصوں، انگلستان اور سب سے بڑھ کر جرمنی کے لوگوں کا اسی نسلی گروہ سے تعلق ہے۔

جو آثار ملے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ ہوا جب جرمن نسل کا اتحاد ختم ہو چکا تھا۔ ساتویں صدی قبل مسیح تک یہ لوگ کئی قوموں میں بٹ چکے تھے اور جرمن نام چھوڑ کر دوسرے اور کئی نام اختیار کر لیے تھے۔ یوروپ کی تاریخ میں ان کا عروج اس وقت سے شروع ہوا جب وسطی یوروپ میں کلسد کلچر ٹوٹ کر بکھرنے لگا۔ بالکل ابتدائی دور میں یوروپ کے اور علاقوں میں پھیلنے سے پہلے جرمن نسل کے لوگ شالی جرمنی، جنوبی سویڈن، ڈنمارک اور خلیج بالٹک کے ساحلی علاقوں میں بسے ہوئے تھے۔ یہاں سے انھوں نے بہت بڑی تعداد میں جنوب نیز جنوب مشرق اور مغرب کی طرف نقل مقام کیا۔ تاریخ میں ان کا ذکر سب سے پہلے پہلی صدی قبل مسیح میں ملتا ہے جب ان کا ربط رومن لوگوں سے قائم ہوا۔ اس دور کی تحریروں میں بھی صرف ان کی بربریت کا حال ملتا ہے۔

بعد کے دور میں جرمن نسل کے لوگوں نے رومنوں کے لیے بڑی مشکلیں پیدا کیں۔ اس کے علاوہ مختلف اوقات میں انھوں نے ہن اور لومبارڈی قبیلوں سے مورچہ لیا اور یوروپ کے مختلف حصوں میں برابر پھیلتے رہے۔

جرمن عوامی ریپبلک یا مشرقی جرمنی: یہ وسطی یوروپ کا ایک ملک ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی فوجوں کی شکست کے بعد جرمن مملکت دو حصوں میں بانٹ دی گئی تھی۔ مشرق کا حصہ جرمن عوامی ری پبلک یا ڈیوش ڈیماکریٹش ری پبلک (Deutsche Democrhesche Republic) یا مشرقی جرمنی کہلایا اور مغرب کا حصہ وفاقی جرمنی، مغربی جرمنی یا بنڈس ری پبلک ڈوش لینڈ (Bandesh Republic Deutschland) کہلایا۔ برلن کے مغربی حصہ میں ایک علیحدہ عارضی حکومت قائم ہوئی۔

جرمن عوامی ری پبلک کے مشرق میں پولینڈ، جنوب میں چکوسلواکیہ اور مغرب میں مغربی جرمنی واقع ہیں۔ رقبہ 108,333 مربع کلومیٹر (41,826 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق تقریباً 16,214,000 تھی۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام مشرقی برلن ہے۔ ملک کی زبان جرمن ہے۔ جرمنی کا جو حصہ مشرقی جرمنی میں آیا تھا۔ اس میں شالی جرمنی کے نچلے علاقے کا وسطی حصہ شامل ہے۔ اس کا بحیرۂ بالٹک کا ساحلی علاقہ ریتیلا ہے۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور جھیلیں ملتی ہیں۔ مشرقی جرمنی کا وسطی علاقہ کافی زرخیز اور میدانی ہے۔ گیہوں، بارلی، رائی، آلو، چقندر، پھل، وغیرہ پیدا کئے جاتے ہیں۔ مویشی بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ مغربی جرمنی کے مقابلہ میں مشرقی جرمنی کو جو علاقے ملے وہ عام طور پر صنعتی طور پر پسماندہ تھے۔ اس کے علاوہ جنگ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے دوران اس کی صنعتیں تباہ ہو چکی تھیں اور ملک سخت بد حالی کا شکار تھا۔ لوہے کوئلے وغیرہ کے بڑے وسائل مغربی جرمنی کے پاس تھے۔ معدنیات کی بڑی مقدار باہر سے در آمد کرنی ہوتی تھی، اس لیے یہ شروع میں اس تیز رفتاری سے ترقی نہ کر سکا جتنی تیزی سے مغربی جرمنی کر سکا۔ لیکن پچھلے چند سال میں اس نے بہت تیزی سے ترقی کی ہے اور دنیا کے سب سے بڑے صنعتی ملکوں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے۔ نئی سوشلسٹ حکومت کے تحت تمام صنعتیں قومی ملکیت ہیں اور زراعت کے بڑے حصہ میں اجتماعی کھیتی رائج ہو چکی ہے۔ جرمنی کے بعض مشہور صنعتی علاقے مثلاً لائپزگ، ڈریسڈن وغیرہ مشرقی جرمنی میں واقع ہیں۔ صنعت میں لوہے، فولاد، کپڑے، سیمنٹ کھاد، کیمیائی اشیاء، مصنوعی ربر، پلاسٹک سمندری جہازوں، موٹروں اور مشینوں کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں۔

تجارت زیادہ تر سوشلسٹ ملکوں سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یوروپ کے بعض مغربی ملکوں سے، ہندوستان اور ایشیا نیز افریقہ کے ملکوں کے ساتھ بھی کافی اہم تجارتی تعلقات ہیں۔ مشینیں، موٹریں، کیمیائی اشیا اور کچھ کپڑا بر آمد ہوتا ہے۔

رائج سکہ مشرقی جرمنی کا مارک ہے

ابتدائی مدرسوں میں 1989 کے اعداد و شمار کے مطابق 957,675 طالب علم اور 57,876 اساتذہ، ثانوی مدارس میں 1,406,374 طلبا اور 156,710 اساتذہ اور حرفی مدارس میں 314,190 طالب علم اور 51,665 اساتذہ نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 438,930 طالب علم اور 42,702 اساتذہ تھے۔ یہاں چھ یونیورسٹیاں واقع ہیں۔

جرمن وفاقی ری پبلک یا مغربی جرمنی (Federal Republic of Germany)

یہ وسطی یوروپ کا ایک ملک ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی فوجوں کی شکست کے بعد جرمن مملکت دو حصوں میں بانٹ دی گئی۔ مشرق کا حصہ جرمن عوامی ری پبلک یا مشرقی جرمنی اور مغرب کا حصہ جرمن وفاقی ری پبلک یا مغربی جرمنی یا بنڈس ری پبلک ڈوش لینڈ (Bundis Republic Deutsch land) کہلاتا ہے۔ مغربی جرمنی میں ایک وفاقی حکومت، مغربی یوروپ کے دوسرے ملکوں کے نمونے پر قائم ہے۔ اس کے شمال میں ڈنمارک، مشرق میں نیدر لینڈ، بلجیم اور فرانس، جنوب میں سوئزر لینڈ اور آسٹریا، مشرق میں آسٹریا، چکوسلواکیہ اور مشرقی جرمنی واقع ہیں۔

مغربی جرمنی کا رقبہ 248,577 مربع کلو میٹر (957,993 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 64,120,000 تھی۔ صدر مقام بون (Bonn) ہے۔ سب سے بڑا شہر ہیمبرگ ہے۔ عام زبان جرمن ہے۔

مغربی جرمنی کے شمالی علاقہ سے دریاویزر اور ایلب گزرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ علاقہ خراب زمین ہونے کے باوجود زرخیز ہے اور یہاں آلو اور چقندر، وغیرہ پیدا کئے جاتے ہیں۔ مویشی بھی بڑے پیمانے پر پالے جاتے ہیں۔ بریمن اور ہیمبرگ بحیرۂ شمال کے بندرگاہ ہیں۔ وسط میں مشہور دریائے رہائن کا علاقہ ہے۔ جنوب میں انگور کے باغات بکثرت ہیں۔ جرمنی کے مشہور صنعتی علاقے یعنی ڈسلڈارف، روہر اور سار کا علاقہ مغربی جرمنی ہی میں ہیں۔

جنگ عظیم کی تباہیوں کے باوجود پچھلے برسوں میں مغربی جرمنی نے بے حد صنعتی ترقی کی ہے۔ اب نہ صرف سارے یوروپ میں یہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بن گیا ہے بلکہ امریکہ اور یوروپ کے بعد غیر سوشلسٹ دنیا کا سب سے بڑا صنعتی ملک ہے۔ یہاں پر لوہے، فولاد، جست، تانبہ، سیمنٹ، کپڑے، کھاد، کیمیائی اشیاء، بحری جہازوں، موٹروں، وغیرہ کے بنانے کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں۔

تجارت زیادہ تر مغربی ملکوں اور امریکہ سے ہوتی ہے۔ سوشلسٹ ملکوں، روس اور خود ہندوستان سے کافی تجارت ہوتی ہے۔ مشینیں، موٹر گاڑیاں، کیمیائی اشیاء لوہا، فولاد، اور کپڑے بر آمد کیے جاتے ہیں۔ سیاحی بڑی صنعت ہے۔ سالانہ 75 لاکھ سے زائد سیاح آتے ہیں۔

رائج سکہ ڈیوش مارک ہے۔ مغربی (وفاقی جمہوریہ) جرمنی کے ابتدائی مدرسوں میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 2,590,100 طالب علم، ثانوی مدارس میں 1990 میں 5,972,607 طالب علم، حرفی مدارس میں 2,016,029 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1,799,394 طالب علم تھے۔

جرمنی کا دوبارہ اتحاد قائم ہونا: مغربی جرمنی کے مشرقی جرمنی کے ساتھ تعلقات دراصل اسی اصول پر مبنی تھے کہ دونوں حصوں کو مل جانا ہے۔ اس سلسلہ میں 1989 اور 1990 کے دوران مشرقی جرمنی میں زبردست سیاسی ہلچل ہوئی جس کے نتیجہ میں ہزاروں مشرقی جرمنی کے باشندے چیکوسلواکیہ، پولینڈ اور ہنگیری کے راستہ سے مغربی جرمنی پہنچے، مشرقی جرمنی میں ایک نیو فورم کے نام سے تنظیم بنی۔ اس نیو فورم سے گفتگو کے نتیجہ میں مشرقی جرمنی نے اخباروں پر سے پابندیاں کم کر دیں اور تمام لوگوں کو عام معافی کا اعلان کر دیا گیا۔ 1990 میں نئی حکومت نے سیاسی اور معیشتی بہتری کی تجویزیں اور منصوبے بنائے۔ آزاد انتخابات کرائے گئے اور غیر ملکوں کے سر پر سے پابندیاں ہٹائی گئیں۔ مغربی جرمنی نے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سرحدوں کے تمام راستے کھول دیے اور مشرقی جرمنی نے برلن کی دیوار کے بہت سے حصہ گرانے شروع کردیے۔

دسمبر 1989 میں مغربی اور مشرقی جرمنی نے آپس میں مشترکہ معاشی، ثقافتی اور ماحولیاتی کمیشن بنانے کی تجویز منظور کرلی۔ 1991 میں دونوں جرمنیوں اور ان چار ملکوں کے درمیان جنھوں نے عالمی جنگ کے بعد ان پر قبضہ کیا تھا گفتگو ہوئی اور ایک معاہدہ ہوا، جس کے نتیجہ میں دونوں جرمنیوں نے مشترکہ طور پر مالی، معاشی اور سماجی یونین قائم کی۔ پھر روس نے مشرقی جرمنی سے اپنی فوجیں ہٹالیں۔ اگست 1991 میں مشرقی اور مغربی برلن نے مشترکہ ریاست برلن بنائی۔ 3 اکتوبر کو دونوں جرمنیاں باقاعدہ طور پر متحد ہوگئیں۔ اور اب متحد جرمنی ناٹو کی رکن بن گئی۔

جزائر والس اور فتونا (Wallis and Futuna Islands): یہ فرانس کے سمندر پار کے مقبوضات ہیں جو جنوبی بحر الکاہل میں، جزیرہ سموا کے مغرب میں، واقع ہیں۔ رقبہ 200 مربع کلو میٹر (120 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 18,000 ہے۔ یہ جزیرے آتش فشانی ہیں۔ ان پر فرانس نے 1842 میں قبضہ کیا تھا۔

جزیرائی آب و ہوا: یہ سمندر کے نمایاں اعتدالی اثر سے متاثر ہونے والی جزیروں یا ساحلی علاقوں کی آب و ہوا ہے۔ اس میں یومیہ اور سالانہ تفاوت حرارت زیادہ نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اسے بحری آب و ہوا بھی کہا جاتا ہے۔

جزیرہ جرسی (Jersey): برطانیہ کا ایک ماتحت علاقہ (Dependency) ہے۔ فرانس کے علاقہ نارمنڈی کے مغرب میں رودبار انگلستان میں 32 کلو میٹر (بیس میل) دور واقع ہے۔ رقبہ 117 مربع کلو میٹر ہے۔ 1989 میں آبادی 82,700 تھی۔ صدر مقام سنٹ ہیلیر (St. Helier) ہے۔ یہ ایک بہت بڑا سیاحت کا مرکز ہے۔ سالانہ دس لاکھ سے اوپر سیاح آتے ہیں۔ آلو، ٹماٹر اور دوسری سبزیاں پیدا کی جاتی ہیں جو زیادہ تر انگلستان جاتی ہیں۔

جزیرہ رھوڈ: اس جزیرے کی شمالاً جنوباً لمبائی تقریباً 15 میل اور شرقاً غرباً چوڑائی 31 میل ہے۔ یہ خلیج نراگن سیٹ کے دھانہ پر واقع ہے۔ یہاں کے ساحل بہت خوبصورت ہیں۔ اس جزیرہ کے نام پر ایک ریاست کا نام رکھا گیا ہے۔

جزیرہ نمائے اطالیہ (اٹلی): اطالیہ براعظم یورپ کا وسطی جزیرہ نما ہے۔ اس کی تقسیم وادی پو، جزیرہ نمائے خاص اور جزیرہ سسلی میں کی جاتی ہے۔ جزیرہ نما سات سو میل لمبا اور 150 میل چوڑا ہے۔ اس کے دونوں طرف بحیرۂ روم ہے۔ کوئی مقام ایسا نہیں جس کا فاصلہ سمندر سے 60 میل سے زائد ہو۔ شمال کے مقابلہ میں جزیرہ نما کے جنوبی حصہ میں آبادی کم ہے۔ یہاں کی بحیرۂ رومی آب و ہوا میں میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ شراب سازی میں اس کا نمبر یورپ میں دوسرا ہے۔ یورپ میں سب سے زیادہ ریشم پیدا کرنے والا ملک یہی ہے۔ مجسمہ سازی خاص صنعت ہے۔ اہم شہر روم، جینوآ، نیپلس، فلارنس اور وینس ہیں۔

جزیرہ نمائے الاسکا: شمالی امریکہ کی ریاست الاسکا کے جنوب مغرب کا وہ حصہ ہے جو سمندر میں ایک لمبی پٹی کی صورت میں 475 میل تک چلا گیا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ جزیرہ نمائے ایلوشین کا ہی ایک حصہ ہے۔ اکثر علاقہ پہاڑی ہے۔ اس جزیرہ نما کے ساحلوں پر سالمن مچھلی کا شکار بہت ہوتا ہے۔

جزیرہ نمائے آئبیریا: یورپ کے جنوب مغرب میں واقع یہ جزیرہ نما اسپین اور پرتگال پر مشتمل ہے۔ بحر اوقیانوس اور بحیرۂ روم سے گھرا ہوا ہے۔ مجموعی طور پر اسپین ایک زرعی ملک ہے۔ زیتون کی کاشت میں اس کا نمبر دنیا میں دوسرا ہے۔ معدنیات میں تانبے اور جست کی پیداوار کے لحاظ سے یورپ میں پہلا درجہ رکھتا ہے۔ پرتگال اسپین کے مغرب میں ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اسپین کی بیرونی تجارت بحر اوقیانوس میں اسی ملک کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ ایک زرعی ملک ہے۔ شراب سازی کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ لزبن پرتگال کا بندرگاہ ہے اور صدر مقام بھی ہے جو ریلوں کے ذریعہ اسپین کے صدر مقام میڈرڈ سے ملا ہوا ہے۔ جزیرہ نما کے دوسرے مشہور شہر بارسلونا، غرناطہ اور جبل الطارق ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب: عرب دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے۔ جس کا رقبہ 12 لاکھ مربع میل ہے۔ اس کے شمال میں عراق، سیریا (شام)، اردن اور اسرائیل کے علاقے پھیلے ہوئے ہیں۔ جنوب مغرب میں بحیرۂ قلزم، جنوب میں خلیج عدن اور بحیرۂ عرب اور جنوب مشرق میں خلیج عمان نیز خلیج فارس واقع ہیں۔ یہ ایک سطح مرتفع ہے جس کے چاروں اطراف میں پہاڑ ہیں۔ درمیان میں ریگستانی صحرا ہے۔ یہ جزیرہ نما کئی خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا ہے۔ سعودی عربیہ سب سے بڑی مملکت ہے جس کا صدر مقام ریاض ہے۔ سارا ملک عرب پٹرولیم کی دولت سے مالا مال ہے جس نے اسے دنیا کا متمول ترین ملک بنادیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کا اہم بندرگاہ عدن ہے۔ دوسرے اہم مقامات مسقط، دوبئی، مکہ، مدینہ اور جدہ ہیں۔

جزیرہ نمائے کامچٹکا: ایشیائی روس کے شمال مشرق میں خشکی کا یہ علاقہ 750

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میل تک سمندر کے اندر چلا گیا ہے۔ مجموعی رقبہ ایک لاکھ مربع میل ہے۔ بحیرۂ بیرنگ اس کے ساحل سے ٹکراتا ہے۔ یہ بہت سے پہاڑی سلسلوں سے گھرا ہوا ہے جس میں کئی آتش فشاں پہاڑ بھی ہیں۔

جزیرہ نمائے لیبریڈار: شمالی امریکہ کے شمال مشرق کا یہ بڑا جزیرہ نما نیو فاؤنڈ لینڈ اور صوبہ کیوبک پر مشتمل ہے۔ مجموعی رقبہ 5 لاکھ 30 ہزار مربع میل ہے۔ اس کے شمال مغرب میں خلیج ہڈسن، شمال میں آبنائے ہڈسن اور مشرق میں بحر اوقیانوس ہے۔ یہ ایک سطح مرتفع ہے جو بہت کم آباد ہے۔ باشندوں کا اہم پیشہ اون کی صنعت اور ماہی گیری ہے۔ باشندے زیادہ تر اسکیمو اور سرخ ہندی (ریڈ انڈین) ہیں۔

جزیرہ نمائے ہند: یہ جنوبی ایشیا کے وسطی حصہ میں مثلث کی طرح شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس کا قاعدہ شمال میں اور راس جنوب کی طرف واقع ہے۔ وندھیاچل، ست پڑا، میکال، مہادیو اور امرکنٹک کی پہاڑیاں اس کی شمالی حد بندی کرتی ہیں۔ انتہائی جنوبی حصہ راس کماری کہلاتا ہے۔ آبنائے پاک نے اسے سری لنکا سے جدا کر دیا ہے۔ مشرقی حصہ میں مشرقی گھاٹ اور مغربی حدود پر مغربی گھاٹ پھیلے ہوئے ہیں۔

جزیرہ نما بینکس: نیوزی لینڈ کے مشرقی ساحل کے وسط میں 35 میل طویل اور 25 میل چوڑا خشکی کا خطہ ہے جس کے تین طرف بحرالکاہل ہے۔ اس کے شمال میں کرائسٹ چرچ اور جنوب مشرق میں بندرگاہ اکارو آواقع ہیں۔

جزیرہ نمائے برانزوک: برانزوک جنوبی امریکہ کی ریاست چلی کا انتہائی جنوبی علاقہ ہے۔ یہ جزیرہ نما جنوب اور مشرق میں آبنائے میگیلان سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا آخری سرا جنوب میں راس فراورڈ ہے۔

جغرافیائی ترتیب (بندوبستی جغرافیہ): جغرافیائی ترتیب کا قریبی تعلق آبادی کے جغرافیہ سے ہے۔ آبادی کا جغرافیہ ایک ایسا شعبہ ہے جو کہ 1950 تک بھی ترقی یافتہ نہیں تھا۔ اس میں انسانوں کے نقل و حرکت، آبادی، عادات و اطوار، عمریں اور مرد اور عورت کی جنسی تقسیم، عقائد کی گروہ بندی، مذاہب اور بولی جانے والی زبانوں پر غور و خوض کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک طریقہ علاقوں کی سطح پر آدمیوں کے لیے مکانات کی تقسیم ہے۔ جغرافیائی ترتیب علاوہ ازیں ان سہولتوں کی طرف توجہ دلاتی ہے جن پر انسان کسی علاقہ پر متصرف ہونے سے پہلے غور کرتا ہے۔ طرز تعمیر مکانات اور ان کی کارکردگی یا استعمال، سڑکیں اور جائدادوں کا نقشہ اور ان کی گروہ بندی پیش نظر ہوتی ہے۔

جغرافیہ دراصل مناسبت کا علم ہے۔ یہ انسانوں اور ان کے اطراف و اکناف کی زمینی تعمیرات کے آپس میں رابطہ و تعلق کا نام ہے۔ مثلاً گنگا کے جنوبی میدان میں گاؤں ایک خاص طرز سے ملے جلے ہیں جو کہ جغرافیائی ترتیب کو ظاہر کرتے ہیں۔ جغرافیائی ترتیب دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک شہری ترتیب اور دوسری دیہی ترتیب۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے گنگا کے میدان میں ایک خاص طرز کی دیہی ترتیب، مسطح میدان، ایک ہی قسم کی زرخیز زمین، گزر بسر کے ذرائع، کاشت کاری کے لیے پانی کی فراہمی، ایک ہی وضع کی عادتیں، جو کہ کسانوں میں پائی جاتی ہیں، پر منحصر ہے۔ اسی طرح شہری جغرافیائی ترتیب کی مثال مرتفع علاقہ میں ملے گی جہاں ترتیب رہائش پیدہ و چیدہ طریقہ پر ہے۔ ویسے یہ تعمیر نئے مکانات کے ملے جلے حالات میں پائی جاتی ہے نہ کہ بالکل علیحدہ۔ مگر رانچی چینی پلین میں ایسی مثال کم ملتی ہے اس لیے کہ وہاں مسطح زمین بھی ہے اور بکثرت کاشت بھی۔ شہری جغرافیائی ترتیب، پیداوار وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی اور دیہاتوں میں تقسیم کے مراکز کا کام دیتی ہے اور انتظامیہ کاروبار بھی۔ ان ہی میں بعض سب ڈویژن ہیں اور بعض ضلع کے صدر مقام ہیں۔

جغرافیائی تصورات میں جدید میلانات: گزشتہ بیس سال میں جغرافیائی تحقیقات میں کافی ترقی ہوئی ہے مگر وقوع صنعت کے نظریہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ انسی جغرافیہ (Human Geography) کے میدان میں ہیگے نے سنہ 1962 میں، ہیگٹ نے سنہ 1965 میں اور مورل نے سنہ 1970 میں کچھ جدید تصورات پیش کیے ہیں۔ انھیں سامنے رکھیں تو وقوع صنعت کو بحیثیت مجموعی انسان کے مکانی طرز عمل کے وسیع تر ڈھانچے میں جانچنے کے کچھ نئے طریقے سامنے آئے ہیں۔ وارنتر کی معاشیات کلی پر لکھی ہوئی چند کتابوں میں وقوع صنعت کے تجزیہ کے تعلق سے اہم اشارے موجود ہیں۔ ہیملٹن نے سنہ 1967 میں وقوع صنعت کے نمونوں کے تعلق سے دلچسپ تصورات پیش کیے ہیں۔

حال کا عام نظاموں کا نظریہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے تحت وقوع صنعت، حمل و نقل کے نظام اور وسائلی اساس کی بین ربطی کا جائزہ لیا جاتا ہے اور قومی یا عالمی معیشت میں مختلف علاقوں کے باہمی رابطوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ جغرافیہ داں کو ہنوز اصل صنعتی دنیا کے مشاہدہ کی بنیادوں پر کچھ عام کلیے قائم کرنے ہیں۔ اس ضمن میں جان تھامپسن نے کچھ کام کیا ہے۔ سنہ 1966 میں اس نے ایک جامع مقالہ میں صنعتی جغرافیہ کے تعلق سے متعدد نظریوں کی وضاحت کی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پہلے 'قرنی یادوری نظریہ' کے تحت اس نے یہ بتایا کہ ہر صنعتی علاقہ اپنے قیام کے بعد قیاس آرائیوں کے مطابق مخصوص سلسلۂ تغیر سے گزرتا رہتا ہے۔ دوسرے 'اختلافی ارتقا کے نظریہ' میں اس نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ صنعتی سوسائٹی کی ترقی اور آبادی کے اضافہ کے ساتھ چند خاص پیداواروں کی طلب میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ تیسرے 'مرکوز ہونے کے نظریہ' میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ ایک ہی صنعت کے بکھرے ہوئے علاقوں میں وقوع کے تعلق سے یکسانیت موجود ہو تو صنعتی کاروبار یک جا ہو کر مرکزی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ چوتھے 'وابستگی یا اجتماع کے نظریہ' میں اس نے یہ بتایا ہے کہ وسیع بلدی علاقوں میں معاشی ترقی کے مدارج کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانہ کی صنعتوں کی ترقی کی سہولتوں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پانچویں 'تغیر پذیری کے نظریہ' میں اس نے اس امر کی وضاحت کی کہ کسی بھی علاقہ کی اجتماعی معیشت میں بڑے پیمانہ کی صنعتوں کی اہمیت اس علاقہ کی معاشی ترقی کے ساتھ بدلتی جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں جغرافیہ دانوں کی بڑھتی ہوئی بیداری کے ساتھ جدید تجزیاتی طریقوں اور سائنسی آلوں کے استعمال کے نتیجہ میں پیچیدہ صنعتی مسائل کو سلجھانے اور عام فہم بنانے میں سہولتیں پیدا ہوتی جارہی ہیں۔

جغرافیائی خطے: حیاتیاتی جغرافیہ کا ایک دلچسپ پہلو نباتات اور حیوانات کی تقسیم کا مطالعہ ہے۔ ہر خاندان، دراصل نباتات اور حیوانات کی ہر نوع کی ایک جغرافیائی ترتیب ہوتا ہے۔ دنیا کا ایک ایسا نقشہ جس میں نباتات یا حیوانات کے خاندان کے وقوع یعنی اس کی جغرافیائی تقسیم کو ظاہر کیا جاتا ہے وہ تقسیم کا نقشہ کہلاتا ہے۔ اگر ہم اس میں کسی مخصوص خاندان یا نسل کے سلسلے کو دکھائیں تو اس سے ایک یا دو بنیادی نمونے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ نمونے مسلسل تقسیم اور غیر مسلسل تقسیم کو ظاہر کرتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں وسیع یا محدود طور پر ترتیبوں کے مدارج ہوتے ہیں۔

روئے زمین پر مخصوص خاندانوں کی تقسیم میں بڑی حد تک اختلاف ہوتا ہے مثلاً نباتاتی خاندان کو لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی ترتیب بالخصوص پوری دنیا میں وسیع طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ فیملی پالی کی تقسیم مسلسل ہوتی ہے، لیکن اس کا سلسلہ زیادہ محدود ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی جغرافیائی ترتیب سختی سے آب وہوا کے حالات کے تابع ہوتی ہے۔ فیملی کی تقسیم مسلسل ہوتی ہے لیکن اس کا وقوع صرف لاطینی امریکہ کی حد تک ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ اس خطہ کی حد تک ہی مختص ہے۔

حیوانات کی تقسیم بھی اسی طرح کی ہے۔ دودھ پلانے والے جانداروں (پستانیے) میں چوہوں اور چمگادروں کے خاندان، جو فی الواقع دنیا میں وسیع طور پر پھیلے ہوئے ہیں، جغرافیائی تقسیم کی انتہائی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کارپ کی ایسی صورتیں ہیں جو وسیع طور پر اور مسلسل پھیلی ہوئی ہیں مگر آسٹریلیا، مدغاسکر، لاطینی امریکہ اور الاسکا میں نہیں ملتیں۔ زرلنہ اور اوکپی، جنوبی صحارا اور دیگر انواع، صرف وسطی افریقہ کے استوائی خطے کے جنگلات میں ملتی ہیں۔

تقسیم کا دوسرا نمونہ، غیر مسلسل تقسیم، بھی وسیع اور محدود سلسلوں کو ظاہر کرتا ہے۔ فیملی کی نباتات جنوبی نصف کرہ کے تین حصوں، جنوبی امریکہ کے جنوب، جنوبی افریقہ، مدغاسکر اور جنوب مشرقی ایشیا میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ایسے جانور بھی ہیں جن کی تقسیم غیر مسلسل ہے۔ گینڈے افریقہ اور ہندوستان میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کے درمیانی علاقوں میں نہیں ہوتے۔ اگر مخصوص نباتات اور حیوانات کی تقسیم کو دنیا کے نقشے پر دکھایا جائے تو اس سے مجموعی تقسیم کا نمونہ حاصل ہوگا۔ پس ماہر حیاتی جغرافیہ ایک مخصوص نباتاتی اور حیواناتی خطوں کے حدود متعین کرتا اور ان کی شناخت کرتا ہے۔

جغرافیائی میل: یہ استوائی دائرہ کی ایک ڈگری کے 1/60 حصہ (1 منٹ) کے افقی فاصلہ کو ظاہر کرتا ہے جو تقریباً 1.1507 انگریزی (اسٹیٹیوٹ) میل کے مساوی ہوتا ہے۔ کرہ ارض کی جیوائڈ (Geoid) شکل کے باعث مختلف حصوں میں یہ کم وبیش ہو جاتا ہے۔ اس لیے 48° عرض البلد والے 1 منٹ کے افقی فاصلہ کو معیاری بحری میل تسلیم کر لیا گیا ہے۔ برٹش کامن ویلتھ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں 1,760 گز کو ایک میل سمجھا گیا ہے۔ آئرلینڈ کا قدیم میل 2,240 گز کا اور اسکاٹ لینڈ کا میل 1,976 گز کا ہوتا ہے۔

جفا: ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اسے اسکری کہا جاتا ہے۔ یہ ڈھلامی دار ڈھال کی بلند چٹان یا پہاڑ کے دامن میں چھوٹے بڑے چٹانی ٹکڑوں کا جماؤ ہے۔ بلندیوں میں یہ ٹکڑے پالے کے اثر سے اور خشک علاقوں میں چٹانی پرتوں کے اترنے سے تشکیل پاتے ہیں۔ جفا کا ڈھال تقریباً عمودی ہوتا ہے اس لیے ذرا سے انتشار سے سارے چٹانی ٹکڑے یک لخت پھسل کر یا لڑھک کر پستیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ چٹانی ٹکڑوں کا جماؤ انگلیوں کی طرح پھیلا رہے تو جفائی پنکھا بن جاتا ہے۔ ان سے سیڑھیاں سی بن جائیں تو "جفا" زینہ نما ہو جاتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جفائی مخروط: جفا کا مثلثی جماؤ جفائی مخروط کہلاتا ہے۔ اس کے پہلوؤں پر بھی اوپری حصہ کے چٹانی ٹکڑے نیچے کی طرف سرکتے رہتے ہیں۔

جفنا: سری لنکا کے شمالی حصے میں ایک اہم صنعتی شہر ہے جو راجدھانی کولبو کے بندرگاہ سے بذریعہ ریل ملادیا گیا ہے۔

جکارتا (ڈجکارتہ): جکارتہ انڈونیشیا کا دارالحکومت ہے۔ یہ جاوا کے شمال مغربی کنارے پر واقع ہے۔ یہاں پر ڈچ لوگوں کی استعماری طاقت کا اثر بہت زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں پر رومن کیتھولک کیتھیڈرل اور سترہویں صدی کے پروٹسٹنٹ گرجاگھر موجود ہیں۔ اس شہر میں بہت سی یونیورسٹیاں اور ٹیچرس ٹریننگ کالج واقع ہیں۔ اس کے علاوہ جدید حوالے جاتی لائبریری بھی ہے۔ 1858 میں ایک دفتر موسمیات قائم کیا گیا تھا اور 1864 سے زلزلے سے متعلق بھی ریکارڈ رکھا جانے لگا۔

یہاں کی صنعتوں میں لوہے کے کارخانے، صابن بنانے کے کارخانے، چھاپنے کا کام، شراب سازی، لکڑی چیرنے کے کارخانے اور کپڑے کی صنعت اہم ہیں۔ یہاں کا حمل و نقل کا نظام بہت ہی اعلیٰ ہے۔ بندرگاہ اور شہر کے درمیان ایک ہوائی اڈہ ہے۔ جکارتہ کی فضائی سروس تقریباً تمام جنوب وسطی ایشیا کے اہم شہروں سے ملی ہوئی ہے۔ یہاں کی درآمدات میں ربر، چائے، کونین اور منطقۂ حارہ کی دیگر مصنوعات شامل ہیں۔ برآمدات میں زیادہ تر مصنوعات، تیل اور کوئلہ قابل ذکر ہیں۔

جلپائی گوڑی: مغربی بنگال کے شمال میں دارجلنگ اور جلپائی گوڑی چائے کی کاشت کے دو اہم علاقے ہیں جہاں سے ریاست مغربی بنگال کی چائے کا بیشتر حصہ حاصل ہوتا ہے۔

جلدا پور: شمالی بنگال میں تورسا ندی پر واقع 93 مربع کلو میٹر وسیع محفوظ شکارگاہ ہے جو گینڈے، ہرن، سانبھر، سور اور جنگلی ہاتھیوں کے لیے مشہور ہے۔

جمائکا (Jamaica): بحیرۂ کیریبین کا ایک جزیرہ ہے جو جمہوریہ کیوبا کے جنوب میں 144 کلو میٹر (90 میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ رقبہ 10,990 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینے کے مطابق 2,366,000 ہے۔ آبادی کی بڑی اکثریت نیگرو لوگوں کی ہے۔ یوروپی، ہندوستانی اور چینی بھی یہاں رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ کافی لوگ ملی جلی نسل کے ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر کنگسٹن ہے۔ اکثریت کا مذہب عیسائی ہے اور سرکاری زبان انگریزی ہے۔

اکثر علاقہ پہاڑی ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ گنا، کیلا، سنترے، ناریل، مصالحے (مسالے)، کافی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ آمدنی کا بڑا ذریعہ کان کنی ہے۔ یہاں پر باکسائٹ بہت بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں سوتی کپڑے، سیمنٹ وغیرہ کی صنعتیں واقع ہیں۔ شکر کے علاوہ الیومنیم اور باکسائٹ برآمد ہوتے ہیں۔ تجارت زیادہ تر امریکہ اور برطانیہ سے ہوتی ہے۔ 1494 میں کولمبس نے اس کا پتہ لگایا۔ 1655 تک اس پر اسپین کا قبضہ رہا۔ اس کے بعد 1670 میں اس پر برطانیہ کا اقتدار تسلیم کرلیا گیا۔ اس کے بعد یہ علاقہ زلزلوں اور طوفانوں کا سامنا کرتا رہا، بلکہ سفید فام نوآبادکاروں کی لوٹ اور حرص نے بھی بڑی مشکلیں پیدا کیں۔ مقامی آبادی بہت جلد ختم ہوگئی اور یہاں گنے کے کاشت شروع کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر نیگرو غلام افریقہ سے لائے گئے۔ غربت اور بے کاری کی وجہ سے ان میں سے کافی امریکہ اور اس علاقہ کے دوسرے جزیروں میں چلے گئے۔ باقی نے بارہا بغاوتیں کیں۔ 1833 میں غلامی ختم ہوئی۔ کیلے، کافی، وغیرہ کی کاشت شروع ہوئی اور ان کی حالت کچھ بہتر ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہاں آزادی کی جدوجہد تیز ہوئی اور 1953 میں مقامی باشندوں کو کچھ اختیارات ملے۔ 1958 میں ویسٹ انڈیز فیڈریشن قائم ہوئی جس میں جمائکا کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تھی۔ لیکن 1961 میں عام رائے شماری کی بنا پر یہ فیڈریشن سے الگ ہوگیا اور اس کے بعد یہ ایک آزاد جمہوریہ بن گیا اور دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر رہا۔

آزادی کی بعد اس نے نہ صرف معاشی طور پر بلکہ تعلیمی میدان میں کافی ترقی کی۔ 1951 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 323,378 طلبا اور 8,830 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 225,240 طلبا اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 6,083 طلبا تھے۔

جمشید پور: ایک غیر معروف گاؤں جو ریاست بہار کے جنوب میں ساکچی کے نام سے موسوم تھا سنہ 1907 میں ٹاٹا اسٹیل ورکس کے قیام کی وجہ سے جمشید پور کے نام سے غیر معمولی شہرت حاصل کر گیا۔ یہ شہر ایک عرصہ دراز سے ہندوستان میں فولاد کی تیاری کا ایک خاص مرکز ہے۔ یہاں فولاد کی تیاری کے لیے خام لوہا گرومہی سنی، سلائے پٹ، بادام پہاڑ اور نوامنڈی سے جو سنگھ بھوم میں واقع ہیں، کوئلہ جھریہ کی کانوں سے، مینگنیز مالڈا سے اور چونا پتھر اور ڈولومائیٹ مضافاتی علاقوں سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس صنعتی مرکز کو ریلوے لائن کے ذریعہ جوڑ دیا گیا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اس کمپنی میں کام کرنے کے لیے بڑی تعداد میں مزدور مدھیہ پردیش اور چھوٹا ناگپور سے آجاتے ہیں۔

لوہے کو صاف کرنے کے لیے اس کارخانہ کو سوورن ریکھا ندی سے پانی حاصل ہو جاتا ہے۔ تقریباً 45,000 لوگ اس کارخانہ میں کام کر رہے ہیں۔ یہ کمپنی ہر سال تقریباً دو ملین ٹن فولاد تیار کرتی ہے۔ یہ ہوائی جہاز کی صنعت کا بھی اہم مرکز ہے۔

جمنا: جمنا ہندوستان کا ایک بڑا دریا ہے جو 1,376 کلومیٹر تک تنہا بہنے کے بعد الہ آباد پر گنگا سے مل جاتا ہے۔ اس کا منبع بندر پچھ چوٹی (6,315 میٹر) سے 10 کلومیٹر مغرب میں بمقام جمنوتری واقع ہے۔ دہرہ دون کی گھاٹیوں سے بڑھتے ہوئے یہ جنوب اور مشرق کی جانب بہتا ہے۔ ہندوستان کے کئی بڑے شہر یعنی دہلی، متھرا، آگرہ اور الہ آباد جمنا کے کنارے پر آباد ہیں۔ اس سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں اور اس کے اوپر کئی جگہ ریل کے پل بنائے گئے ہیں۔

جموں: ریاست کشمیر کا جنوب مغربی علاقہ ہے جس کی آبادی 4 ملین ہے۔ دریائے سندھ کی بالائی گہری گھاٹیوں کی وجہ سے ریاست دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کا شمالی حصہ نہایت ہی سرد اور بڑی حد تک غیر آباد ہے جس کو صرف دشوار گزار راستوں سے طے کیا جا سکتا ہے۔ کشمیر کا یہ سرد ترین اور دور افتادہ علاقہ، خانہ بدوش باشندوں کا مسکن ہے جن کا گزارہ بھیڑوں، بکریوں اور یاکس کی پرورش پر ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے نہایت ہی عمدہ کوہستانی مناظر سے گھرا ہوا ہے۔ البتہ دریائے سندھ کے جنوب، بالخصوص کشمیر کے جنوب مغرب میں، جموں کا کارآمد علاقہ واقع ہے جہاں سے بڑی مقدار میں ریشم، چائے، میوے، نباتات، جو اور دیگر اجناس حاصل ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سری نگر کو کئی صنعتوں مثلاً شال سازی، رگ اور قالین، اونی اشیا اور لکڑی کا کام وغیرہ کا مرکز ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ اس کا شمار دنیا کی سب سے عمدہ تفریح گاہوں میں ہوتا ہے۔ اس کا مستقر جموں شہر ہے۔ یہ ریاست کا سرمائی مستقر بھی ہے۔ یہ خوبصورت سکریٹریٹ کی عمارتوں اور کئی مندروں کے لیے بھی مشہور ہے۔ خاص طور پر یہاں ویشنو دیوی کا مقدس مندر ہے جہاں ہر سال کئی ہزار زائرین آتے ہیں۔

جموں و کشمیر: بھارت کے انتہائی شمال میں کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع جموں و کشمیر ایسی پہاڑیوں پر مشتمل ریاست ہے جن کے درمیان گاؤں اور جھیلیں واقع ہیں۔ اس کے شمال میں چین، مغرب میں افغانستان اور پاکستان، جنوب میں پنجاب اور ہماچل پردیش اور مشرق میں تبت واقع ہیں۔

اس کا رقبہ 222,236 مربع کلومیٹر اور آبادی 1991 میں 5,987,399 تھی۔ اس کے تین جغرافیائی خطے (1) لداخ و گلگت۔ (2) وسط میں واقع کشمیر کی حسین وادی اور (3) جنوب میں جموں کا وسیع مسطح علاقہ ہیں۔ اہم دریا جہلم، سندھ، چناب اور راوی ہیں۔ عوام کا بڑا پیشہ زراعت ہے۔ چاول، گیہوں اور مکئی کی کاشت کی جاتی ہے۔ کشمیر پھلوں کے لیے مشہور ہے جنہیں ڈبوں میں بند کر کے برآمد کیا جاتا ہے۔

جنگلات آمدنی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ صنوبر، سرو، شمشاد اہم درخت ہیں۔ کشمیر سیاحوں کے لیے گوناگوں دلچسپیاں رکھتا ہے۔ سیاحت یہاں کی اہم صنعت ہے۔ جھیل ڈل، وولر، انچھر اور نگین، شنکر اچاریہ پہاڑی، مغل باغ، شالیمار، چشمہ شاہی اور نشاط باغ قابل دید ہیں۔

سری نگر: سری نگر گرمائی اور جموں سرمائی صدر مقام ہے۔ سری نگر ریشم کی صنعت، قالین اور شال بنانے، چاندی کا کام، کشیدہ کاری، ہاتھی دانت کا کام اور لکڑی کے کام کے لیے مشہور ہے۔

چودھویں صدی سے پہلے کشمیر بودھی اور ہندو سلطنتوں کا حصہ رہا۔ آخر چودھویں صدی میں یہ مسلم سلطنتوں کا حصہ بن گیا۔ سنہ 1586 سے یہ مغل سلطنت کے تحت آگیا اور مغل بادشاہوں نے یہاں بے شمار باغات تعمیر کیے جن میں سے بعض مثلاً شالیمار "چشمہ شاہی" وغیرہ آج تک موجود ہیں۔ جہانگیر نے اسے اس دنیا کی جنت سے تعبیر کیا تھا۔ مغل سلطنت کا جب زوال شروع ہوا تو سنہ 1751 میں یہاں کے مقامی حکمراں آزاد ہو گئے۔ کافی عرصہ تک یہاں افراتفری رہی۔ سنہ 1846 میں انگریزوں نے کشمیر کی وادی جموں کے ڈوگرا حکمراں کے حوالے کر دی اور ملک کی آزادی تک اسی کا خاندان حکمراں رہا۔

سنہ 1947 میں ملک کی تقسیم اور آزادی کے بعد پاکستان بنا تو اس نے کشمیر پر اپنا حق جتایا اور کئی مسلح پٹھانوں نے وادی کشمیر پر حملہ کر دیا۔ مقامی باشندوں نے ہندوستانی فوج کی مدد سے مزاحمت کی۔ سنہ 1948 میں اقوام متحدہ کی کوشش سے جنگ بند کر دی گئی اور جنگ بندی کی حد قائم کر دی گئی۔ اس کے تحت کشمیر کا 58,000 مربع میل کا علاقہ اور 40 لاکھ آبادی ہندوستان میں رہی اور مقبوضہ کشمیر کا 25 ہزار مربع میل علاقہ اور 10 لاکھ آبادی پاکستان کے پاس رہی۔ پاکستان نے اس مقبوضہ علاقہ میں "آزاد کشمیر" کی ایک ریاست بنائی اور اس کا صدر مقام مظفر آباد مقرر کر دیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سنہ 1952 میں کشمیر کے علاقہ میں عام انتخاب کے ذریعہ ایک دستور ساز اسمبلی بنائی گئی جس نے یہ طے کیا کہ کشمیر کا پورا علاقہ ہندوستان کا حصہ رہے گا۔

جمہوریہ اسرائیل (Israel): جمہوریہ اسرائیل مغربی ایشیا میں بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط) کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 21,056 مربع کلو میٹر (7,992 مربع میل ہے)۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 5,059,000 ہے۔ یروشلم اس کا پایہ تخت ہے۔ اسرائیل ایک بے ترتیب شکل کا لمبا پتلا سا قطعہ اراضی ہے جو تل ابیب سے شمال کی جانب اتنا مختصر ہو جاتا ہے کہ اس کی چوڑائی صرف 20 کلو میٹر (بارہ میل) رہ جاتی ہے۔ اس کا سب سے وسیع علاقہ بیرشیبا کے جنوب میں واقع ہے لیکن یہاں بھی اس کی چوڑائی 112 کلو میٹر (ستر میل) سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں مصر کا جزیرہ نمائے سینائی ہے۔ شمال میں لبنان، مشرق میں سیریا (شام) اور اردن اور جنوب مغرب میں بحیرۂ روم کے ساحل پر غازہ کی چھوٹی سی پٹی واقع ہے۔ اسرائیل کی سرحدیں 1949 کے جنگ بندی معاہدہ کی بنیاد پر قائم کی گئی تھیں۔

مشرق قریب کے دیگر علاقوں کی طرح یہاں بھی موسم گرم رہتا ہے اور بارش صرف موسم سرما میں ہوتی ہے۔ گیلیلی جو اسرائیل کا شمالی علاقہ ہے، آبرسانی کے لحاظ سے سب سے اچھا قطعہ ہے اور یہاں ہمہ اقسام کی سبزیاں اور اناج پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اسرائیل کے جنوبی علاقہ (نجیف) (Najev) میں زراعت بڑی صبر آزما ہوتی ہے۔ شمالی دریائے اردن سے آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے لیکن جنوبی نجیف میں زراعت کا انحصار خشک طریقہ کاشتکاری ہی پر ہے۔ اس لیے یہاں آب پاشی کے بڑے بڑے پراجکٹ تعمیر کئے گئے ہیں۔ زراعت زیادہ تر امداد باہمی کی اساس پر ہوتی ہے۔ کبز (Kibbutz) دراصل ایک اشتراکی زرعی تنظیم ہے جو کھیتی باڑی کے علاوہ متعدد سماجی سرگرمیوں کا مرکز ہوتی ہے۔ پیداوار کی فروخت اور آلات زراعت کی خریداری اور ان کا استعمال مشترکہ طور پر ہوتا ہے۔ لیکن ہر کاشتکار اپنے ہی قطعہ زرعی کی حد تک ذمہ دار ہوتا ہے۔

زراعت اسرائیل کی معیشت کا سب سے اہم عنصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آبادی کا بیشتر حصہ اس میں مشغول ہے۔ 1948 اور 1960 کے درمیان یہاں کی پیداوار میں دوگنا اضافہ ہوا۔

1991 میں ملک کے پانی کا 61 فیصدی کاشتکاری کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ زراعت کے علاوہ ماہی گیری بھی یہاں کا اہم پیشہ ہے۔ حیفہ اور اس کے نواح میں بھاری صنعتوں کے مراکز قائم ہیں جن میں موٹر سازی کی صنعت بھی شامل ہے۔ تل ابیب اور جافہ میں ہلکی صنعتوں کے بے شمار کارخانے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اندرون ملک بیرونی سرمایہ کاری کی بھی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ پیداوار بڑھانے کی انتھک کوششوں کے باوجود اسرائیل غذائی پیداوار اور اشیائے صارفین کی حد تک خود مکتفی نہیں بن سکا ہے۔ چنانچہ صرف 1962 میں اس کی درآمدات برآمدات کے مقابلے میں تین گنا زیادہ تھیں۔ اس عدم توازن کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بے شمار یہودی ترک وطن کر کے اسرائیل میں آبسے ہیں۔ چنانچہ 1948 کے بعد سے دس لاکھ سے بھی زائد غیر ملکی یہودیوں نے اسرائیل کو اپنا وطن بنالیا۔ اسرائیل کو بڑی مقدار میں خام مال اور کیمیائی اشیا بھی درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ درآمدات کا 22 فی صدی حصہ امریکہ، 16 فیصدی برطانیہ اور 10 فیصدی مغربی جرمنی اور 5 فی صدی ایران سے آتا ہے اور برآمدات کا 18 فیصدی امریکہ کو اور باقی مغربی جرمنی، برطانیہ، ہالینڈ وغیرہ کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 33 فیصدی ہیرے، 10 فیصدی کیمیائی اشیا اور 7 فیصدی پھل ہوتے ہیں۔ اسرائیل کا رائج سکہ اسرائیلی پونڈ ہے۔ اسرائیل کے ابتدائی مدرسوں میں 1991 میں طالب علموں کی تعداد 724,502 اور استادوں کی تعداد 40,571 اور ثانوی مدرسوں میں 309,098 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 71,190 طالب علم تھے۔ حیفہ اور جافہ یہاں کے اہم بندرگاہ ہیں۔ خلیج عقبہ کا بندرگاہ ایلات اور تل ابیب کے جنوب میں واقع اشداد کے بندرگاہ کو ترقی دی جارہی ہے۔ جدید ریاست اسرائیل کے قیام سے پہلے یہاں کی آبادی میں عرب مسلمانوں کی اکثریت تھی اور دیہی آبادی کا بڑا حصہ عرب کاشتکاروں (فلاحین) پر مشتمل تھا۔ لیکن اب اسرائیل کی آبادی میں اکثریت گویا 82 فیصدی آبادی یہودیوں کی ہے۔ تاہم عرب مسلمان 16 فیصدی نیز عیسائی تقریباً پچاس ہزار اور دروزی بھی 2 فیصدی یہاں موجود ہیں۔

اسرائیل کی موجودہ ریاست تقریباً ساٹھ سال کی جدوجہد کے بعد وجود میں آئی ہے۔ اس موقعہ پر قدیم مملکت اسرائیل پر ایک سرسری نظر ڈالنا نامناسب نہ ہوگا۔ یہ تاریخی سرزمین بحیرۂ روم (متوسط) کے مشرقی ساحل پر سیریا (شام) اور مصر کے درمیان فلسطین کے علاقہ پر مشتمل تھی۔ جمہوا کے حملہ سے پہلے اس علاقہ کو توریت میں کنعان کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن میں یہ علاقہ ارض اسرائیل سے موسوم کیا گیا ہے۔ فلسطین یہودیوں کے علاوہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے بھی یہ ارض مقدس کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہودیوں کے نزدیک یہ "ارض موعود" ہے۔ عیسائیوں کے پیغمبر حضرت عیسیٰ کی یہ جنم بھومی ہے اور مسلمان اپنے آپ کو یہودی اور عیسائی دونوں مذہبوں کا تسلسل سمجھتے ہیں۔ ارض اسرائیل کے حدود کبھی متعین نہیں رہے۔ تاہم یہ یقین ہے کہ بحیرۂ روم (متوسط) اور دریائے اردن

کا درمیانی علاقہ اسرائیلی مملکت میں شامل تھا۔ مصر اور دوآبہ دجلہ و فرات کے درمیان، ساحلی راستہ پر واقع ہونے کی وجہ سے فلسطین عموماً کسی نہ کسی سلطنت کا اہم حصہ رہا ہے۔ فسلطین کی واضح تاریخ عبرانیوں سے شروع ہوتی ہے جنھوں نے مصر کی نئی سلطنت کے زوال سے فائدہ اٹھا کر یروشلم میں خود اپنی ریاست قائم کرلی۔ جو 71ق.م. تک کافی مستحکم ہو گئی تھی۔ فلسطین کے اصلی باشندے جو زیادہ تر ملاح اور جہاز ران تھے بادشاہ داؤد کے مطیع و فرماں بردار بن گئے۔ شاہ سلیمان کے وسیع دور حکومت کے بعد یہ سلطنت دو ریاستوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک اسرائیل دوسری خاندان داؤد کی ریاست جودیہ جس کا پایۂ تخت یروشلم تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد دوآبۂ دجلہ و فرات کی سلطنتوں نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اسرائیل کو اسکندریہ کے ہاتھوں 722ق.م. میں شکست کھانی پڑی۔ اور جودیہ کا بابل نے 586 ق.م. میں صفایا کر دیا۔ اس کے بعد ایرانیوں کی زیر سرپرستی یہودیوں کا یروشلم میں پھر احیا ہوا اور زیر وبابل (Zerubobel)، عذرا اور حمیلہ کی زیر قیادت ان کی ایک خود مختار برادری قائم ہو گئی۔ موجودہ یہودی نسل کی بنیاد غالبًا یہی برادری ہے۔

چوتھی صدی ق.م. میں، جب سکندر اعظم نے فلسطین کو فتح کر لیا تو مشرق قریب پر مغربی اثرات پڑنے لگے۔ لیکن یہودیوں نے بالآخر یونانی غلبہ اور اثر کے خلاف بغاوت کر دی اور 141ق.م. میں میکابیسز (MACCABEES) میں یہودی ریاست قائم کرلی۔ یہ دور حکومت ستر سال تک چلتا رہا لیکن بالآخر سلطنت روما نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں یہاں ہیرا و خاندان کے کٹھ پتلی حکمراں برسر اقتدار رہے، جن کے زمانے میں یہودیوں کے تعلقات رومیوں سے اور خراب ہو گئے۔ سنہ 66 کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے رومیوں نے یہودیوں کے مندر کو سنہ 67 میں مسمار کر دیا اور انھیں جودیہ (JUDEA) سے شہر بدر کر دیا۔ 35-132 کی ایک اور بغاوت کو بھی بڑی بے رحمی سے کچل دیا گیا۔ اس کے بعد نائی اور ینزیہ فلسطینی یہودیوں کے مرکز بن گئے، جبکہ اس وقت کے اہم رومن شہر نابلس اور جافہ تھے۔ قسطنطین اول کے زمانے میں فلسطین عیسائی زائرین کا مرکز بن گیا۔ اس کے بعد ہمسایہ علاقوں کی طرح یہ علاقہ بھی مسلم فاتحین کے قبضہ میں آگیا۔

تقریبًا 1870 میں فلسطین میں یوروپ کے یہودیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور بیسویں صدی میں صیہونی تحریک کے زیر اثر اس میں سرعت پیدا ہو گئی۔ برطانیہ جس نے پہلی جنگ عظیم میں اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا 1920 میں لیگ آف نیشنز کی ایما پر فلسطین اور شرق اردن کا تولیتی مالک بن گیا۔ تولیت نامہ کی شرائط اور 1917 کے برطانوی اعلان بالفور کی رو سے اس علاقہ کو یہودیوں کا قومی وطن قرار دیا گیا۔ تاہم اس کا بھی اعلان کیا گیا کہ غیر یہودی فسلطینیوں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود یہودیوں اور عربوں میں کشیدگی بڑھتی گئی اور اس کے ساتھ ہی بدنظمی اور ابتری کا دور شروع ہو گیا۔ 1933 میں ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کے بعد فسلطین میں یہودیوں کا بہت بڑے پیمانے پر داخلہ شروع ہو گیا۔ عربوں نے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا اور متعدد عام ہڑتالیں کیں۔ 1936 میں انگریزوں نے فلسطین کی علاقائی تقسیم کی تجویز پیش کی۔ ایک عرصہ تک مختلف تجاویز پر غور کیا جاتا رہا۔ عرب لیڈروں نے تقسیم ملک کی تمام تجاویز کو یک لخت مسترد کر دیا۔ لیکن عالمی صیہونی کانگریس کے لیے یہ تجاویز قابل قبول نہیں تھیں۔ 1939 میں جبکہ فلسطین کی آبادی تقریبًا نو لاکھ مسلمانوں، چار لاکھ یہودیوں اور ایک لاکھ عیسائیوں (جن میں بیشتر عرب تھے) پر مشتمل تھی برطانوی حکومت نے ایک قرطاس ابیض (White Paper) جاری کیا، جس میں اپنے اس ارادہ کا اعلان کیا کہ فلسطین میں ایک ہی واحد آزاد ریاست قائم کی جائے گی جس میں عربوں کو غلبہ حاصل رہے گا۔ اس کا بھی اعلان کیا کہ یہودیوں کی درآمد ہر ماہ ڈیڑھ ہزار اشخاص سے بڑھنے نہ پائے گی اور 1944 میں جبکہ یہودیوں کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ جائے گی یہ سلسلہ قطعی طور پر بند کر دیا جائے گا۔ 1940 میں برطانیہ نے اس علاقہ کا بھی تعین کر دیا جہاں یہودی زمینیں خرید سکیں گے اس پر اندرون اور بیرون ملک کے صیہون پرست یہودیوں نے شدید احتجاج کیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران عربوں اور یہودیوں کے مطالبات بڑی حد تک سرد پڑ گئے۔ لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد ان دونوں فریقوں کے درمیان تصادم ناگزیر ہو گیا۔ اکثر مغربی ممالک کو یوروپ کے ستم زدہ یہودیوں سے ہمدردی پیدا ہو گئی اور وہ فلسطین میں یہودیوں کی ایک آزاد ریاست کے قیام کے حامی بن گئے لیکن عربوں نے (جن کی تعداد 1954 میں دس لاکھ ہو گئی تھی) ایک علیحدہ یہودی ریاست کی شدت سے مخالفت شروع کر دی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ سارے فلسطین کی ایک آزاد ریاست قائم کی جائے۔ جس میں یہودیوں کو بربنائے اقلیت معقول تحفظات دیے جائیں۔ لیکن یہودی کسی تجویز سے مطمئن نہیں ہوئے اور ان کی خفیہ تنظیموں نے فلسطین کے برطانوی تنصیبات پر حملے شروع کر دیے، اور صیہونی جماعتوں نے درپردہ ہزاروں یہودیوں کو فلسطین کی سرزمین پر اتارنا شروع کر دیا۔ 1947 میں اقوام متحدہ نے فلسطین سے متعلق ایک خصوصی کمیشن قائم کیا۔ عربوں نے اس کمیشن کا مقابلہ کیا لیکن یہودیوں کا اسے تعاون حاصل رہا۔

بالآخر کمیشن نے فلسطین کو یہودی ریاست اور عرب ریاست میں تقسیم کرنے اور بہ شمول یروشلم ایک چھوٹے سے منطقہ کو بین الاقوامی نظم و نسق کے

حوالے کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کے مطابق یہودی ریاست مشرقی گیلیلی، وسطی ساحل اور نجف پر مشتمل تھی جبکہ عرب ریاست وسطی اور مغربی گیلیلی جنوبی ساحل اور تقریباً سارے اندرونی علاقہ پر مشتمل تھی۔

جنرل اسمبلی نے امریکہ اور سوویت یونین کی قیادت میں دو تہائی اکثریت سے یہ سفارشات منظور کرلیں۔ برطانیہ نے اس کارروائی سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا۔ لیکن عرب بطور احتجاج اجلاس سے باہر چلے گئے۔ 1948 کے اوائل میں برطانیہ نے جوں ہی فلسطین کا تخلیہ شروع کیا عرب اور یہودیوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ یہودیوں کی انتہائی تربیت یافتہ اور خفیہ فوج ہاگنے (Haganah) یروشلم اور تل ابیب میں عربوں سے برسرپیکار ہوگئی اور جب برطانوی ہائی کمشنر فلسطین سے روانہ ہوا تو یہودیوں کے قدم وہاں کافی مضبوطی سے جم چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے تل ابیب میں اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کردیا اور اسی دن امریکہ نے اس کو تسلیم کرلیا اور اس کے تین دن بعد سوویت یونین نے بھی اسرائیل کو قانونی طور پر مان لیا۔ لیکن عرب لیگ کے ممالک لبنان، سیریا (شام)، اردن، مصر اور عراق نے اسرائیل کو ناجائز حکومت قرار دے کر اس پر حملہ کردیا۔ کچھ ہی دنوں بعد یروشلم کا قدیم شہر اردن عرب لیجن کے قبضہ میں آگیا۔ نئے شہر پر یہودیوں کا تسلط برقرار رہا۔ کچھ عرصہ بعد اقوام متحدہ کی مصالحت کنندہ کوششوں سے ایک عارضی سمجھوتہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد لڑائی پھر چھڑ گئی اور یہودیوں کو سوائے یروشلم کے ہر محاذ پر کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد التوائے جنگ کا ایک دوسرا سمجھوتہ ہوا لیکن التوائے جنگ کے باوجود لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور بالآخر 1949 میں ایک صلح نامہ طے پایا۔ اس صلح نامہ کی رو سے اسرائیل نے نہ صرف اس علاقہ پر قبضہ باقی رکھا بلکہ مزید نصف علاقہ اس کے ہاتھ آگیا۔ اب سارا گیلیلی اور ایک اہم پل اس کے قبضہ میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی عرب ریاست کے امکانات موہوم ہوتے چلے گئے کیونکہ اردن نے ملحقہ علاقہ کو اپنی حدود میں شامل کرلیا اور مصر نے جنوب مغربی ساحلی پٹی غزہ (غازہ) پر قبضہ کرلیا۔ اس درمیان اسرائیل نے اپنی ریاستی تنظیم کافی مضبوط اور منظم کرلی۔ جیم وائزمین کو ملک کا صدر اور بن گورین کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ تل ابیب پایۂ تخت قرار پایا۔ حکومت نے اعلان کیا کہ وہ ان تمام یہودیوں کو جو وہاں آنا چاہیں، اسرائیل میں بسانے کے لیے تیار ہے۔ 1949 میں اسرائیل اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔ 56-1955 میں مصر نے جمال عبدالناصر کی سرکردگی میں نہر سویز کو قومی ملکیت بنالیا تو فرانس اور برطانیہ نے مصر پر حملہ کردیا اور اسرائیل نے ان کے ساتھ شریک ہوکر مصر کے کافی علاقے فتح کرلیے لیکن امریکہ اور سوویت روس کے شدید دباؤ کے تحت اسرائیل نے 1956 میں سینائی کا علاقہ اور 1957 میں غزہ (غازہ) خالی کردیا۔ اس کے بعد 1967 میں عربوں اور اسرائیل کی ایک اور جنگ ہوئی، عربوں کی طرف سے مصر، سیریا (شام) اور اردن کی فوجیں میدان میں تھیں۔ لیکن عربوں کو شکست ہوئی اور اسرائیل نے مصر کا سینائی کا علاقہ، غزہ کا علاقہ، اردن کا دریائے اردن کا مغربی علاقہ اور سیریا (شام) کا جولان کا علاقہ اپنے قبضہ میں کرلیا اور بین الاقوامی دباؤ اور مجلس اقوام متحدہ کی متعدد قراردادوں کے باوجود ان پر قابض ہے۔ 1973 میں مصر، اردن اور سیریا (شام) نے دوسرے عرب ملکوں کی حمایت سے ان علاقوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جب لڑائی میں اسرائیل شکست کی منزل پر پہنچ گیا تو امریکہ نے زبردست پیمانے پر فوج اور ہتھیاروں سے مدد دے کر اسے بچالیا اور نہر سویز پر مصر کو قبضہ دلواکر پھر صلح کروادی۔ اس کے بعد مصر نے سوویت یونین سے تعلقات توڑ لیے اور امریکہ کی مدد سے اسرائیل کے ساتھ صلح کی بات چیت کی جس سے عربوں میں سخت پھوٹ پڑ گئی تھی۔

21 ستمبر 1973 کو پہلی عرب اسرائیل امن کانفرنس جنیوا (سوئزرلینڈ) میں ہوئی۔ 1974 میں مصر اور سیریا سے الگ الگ معاہدوں کے ذریعہ کچھ علاقے سوئز کے مشرق میں مصر کو واپس مل گئے اور سیریا کے وہ علاقے مثلاً جولان کی بلندیاں، جو 1973 میں اسرائیل نے حاصل کرلیے تھے، سیریا کو واپس کردیے گئے۔ 17 مئی 1977 میں لیکڈ پارٹی کامیاب ہوگئی۔

1977 میں ہی مصر کے ساتھ امن قائم کرنے کی کوششیں تیز کردی گئیں۔ کیمپ ڈیوڈ کا معاہدہ بھی ہوا۔ 1979 میں مصر نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا۔ 1982 میں اسرائیل نے عراق کے جوہری توانائی کے مراکز پر حملہ کردیا اور ساتھ ہی لبنان پر بھی دھاوا بولا کیونکہ وہاں فلسطینی اپنے اڈے قائم کرچکے تھے۔

1981 میں بیگن دوبارہ منتخب ہوا لیکن 1983 میں اس کی جگہ شمیر نے لے لی۔ 1988 میں شمیر دوبارہ انتخاب میں جیت گیا۔

1991 میں عراق نے فلسطینیوں کے مرنے پر ان کی حمایت میں اسرائیل پر بمباری کی۔ اگست 1991 میں امریکہ نے اسرائیل، سیریا اور لبنان کے درمیان امن قائم کرنے کے لیے گفتگو شروع کرائی۔ 1992 میں رابن نے انتخابات میں کامیابی حاصل کرلی۔

جمہوریۂ افغانستان (Republic of Afghanistan): افغانستان جہاں اب تک شاہی حکومت قائم تھی ایک جمہوریہ بن گیا ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً 647,497 مربع کلومیٹر (249,999 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 16,050,000 ہے۔ کابل اس کا صدر مقام ہے۔ کابل کی آبادی تقریباً 12 لاکھ ہے۔ یہ ملک سمندری ساحلوں سے دور، چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے مغرب میں اسلامی جمہوریہ ایران، مشرق اور جنوب مشرق میں اسلامیہ جمہوریہ پاکستان اور شمال میں جمہوریہ ترکستان جمہوریہ ازبکستان اور جمہوریہ تاجکستان واقع ہیں۔ واخان کی پتلی پٹی جو شمال میں مشرق کی طرف چلی گئی ہے اسے چین کے صوبہ سنکیانگ اور کشمیر سے ملاتی ہے۔ ملک کا زیادہ تر حصہ بنجر زمین اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ درمیانی حصہ میں ہندو کش کا مشہور پہاڑ واقع ہے۔ تاہم پہاڑیوں کے درمیان کئی وادیاں اور زرخیز علاقے بھی ہیں۔ جہاں جو (بارلی) اور گیہوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ یہ علاقہ اپنے میووں کے لیے بھی مشہور ہے۔ جنوب اور خاص طور سے جنوب مغربی علاقے میں بڑے بڑے ریگستانی میدان واقع ہیں۔ شمال وسطی پہاڑوں کے سلسلے اور آمو دریا کے درمیانی علاقے افغانی ترکستان، بدخشان (جہاں کا سنگ لاجورد ساری دنیا میں مشہور ہے)، آمو دریا کا میدان اور ہرات کی زرخیز وادی واقع ہے جو خراسان سے جاملتی ہے۔ ہرات کا علاقہ جو افغانستان کے شمال مغربی گوشہ میں واقع ہے، قدیم زمانہ میں آریانہ کا مرکز رہا ہے، اس کے مشرق میں قدیم بلخ اور مزار شریف واقع ہیں۔ افغانستان بہ حیثیت مجموعی خشک علاقہ ہے تاہم اس کے مختلف حصوں میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔ سب سے بڑا دریا ہیلمند ہے جو ہندو کش سے نکل کر جنوب مغرب کی جانب ایرانی سرحد کی طرف بہتا ہے۔ قدیم زمانے میں اس سے آبپاشی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہری رود اور آمو دریا سے بھی آبپاشی کی جاتی رہی ہے۔ دریائے کابل صدر مقام سے گزرتا ہے۔ یہ خاص طور سے مشہور ہے کیونکہ وہ درہ خیبر سے ہوتا ہوا پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔

ماقبل تاریخ سے حالیہ زمانہ تک خیبر ہی کے راستہ سے متعدد حملہ آور فاتحین اور مہم جو ہندوستان آئے تھے۔ اس لیے یہاں کی آبادی میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ شمال میں ہرات کے علاقے میں تاجک رہتے ہیں۔ واخان کا خطہ خانہ بدوش ترکوں اور ازبکوں سے آباد ہے۔ وسطی پہاڑی علاقہ ہزارہ کے لوگوں کا وطن ہے۔ جو منگولی نسل سے ہیں۔ مشرق اور جنوب میں افغانی اور ان ہی کے بھائی بند پٹھان بستے ہیں۔ یہ پشتو زبان بولتے ہیں۔ پشتو اور فارسی افغانستان کی دو اہم زبانیں ہیں۔ افغانستان کے باشندوں کا ایک مشترکہ عنصر ان کا مذہب اسلام ہے۔ چنانچہ یہاں کے قریب قریب سارے باشندے مسلمان ہیں۔

زراعت اور گلہ بانی یہاں کے لوگوں کا اہم پیشہ ہے بھیڑوں کے چمڑے اور اون ان کی معیشت کے اہم اجزا ہیں۔ قراقل کی سب سے زیادہ برآمد یہیں سے ہوتی ہے۔ معدنی دولت کی تلاش جاری ہے۔ کوئلہ۔ تانبا۔ گندھک (سلفر) کے ذخائر موجود ہیں۔ شمالی علاقہ میں تیل کے چشمے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ قدیم زمانے میں چاندی کی کثیر مقدار اور سونا یہاں سے برآمد کیا جاتا تھا۔ یہاں کی نباتات بھی کافی مشہور ہیں۔ ان سے مختلف قسم کے تیل کشید کیے جاتے ہیں۔ 1960 تک بھی یہاں کی صنعت ابتدائی مدارج ہی میں تھی۔ تاہم ہیلمند اور کابل دریاؤں پر حال ہی میں بندھ تعمیر کیے گئے ہیں جن سے بڑے پیمانے پر بجلی حاصل کی جاتی ہے۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے آمد و رفت کے وسائل ناقص ہیں۔ تاہم بین الاقوامی امداد سے اچھی سڑکیں تعمیر کی جارہی ہیں۔ افغانستان میں ہوائی حمل و نقل کے زیادہ امکانات ہیں۔

ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 1989 میں 726,287 اور استادوں کی تعداد 15,581 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 136,898 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1990 میں 9,367 طالب علم تھے۔

تاریخ: خشکی سے ہندوستان میں داخل ہونے کا راستہ افغانستان ہی سے گزرتا ہے اس لیے افغانستان زمانہ قدیم ہی سے حملہ آوروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ یہاں دارا اول کے برسر اقتدار آنے اور شمال و مشرقی افغانستان کو سلطنت ایران میں شامل کرنے سے پہلے ان علاقوں میں کسی نہ کسی طرح کی تہذیبی زندگی ضرور موجود تھی۔ لیکن ان کا پتہ نہیں ملتا۔ اس کے بعد سکندر اعظم نے ہندوستان جاتے ہوئے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور پھر بختیاریہ کی آزاد سلطنت کا قیام عمل میں آیا جس کا صدر مقام بلخ تھا۔ یہ زمانہ تیسری صدی ق۔م۔ کے وسط سے لے کر دوسری صدی ق م کے وسط تک کا ہے۔ لیکن اس کے بعد پارتھیائی حملہ آوروں اور باغی قبیلوں کی مخالفت کی وجہ سے اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور افغانستان کے مختلف حصوں پر یکے بعد دیگرے کئی حکمران قابض رہے۔ پھر یہاں مشرق سے بدھ مت پھیلا لیکن اس کے اثرات بھی زائل ہوگئے اور ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے افغانستان فتح کر لیا اور اسے ایک مستحکم مذہب عطا کیا۔

مسلمانوں کی کئی ریاستیں ابھریں۔ ان میں سب سے طاقتور سلطنت محمود غزنوی کی تھی جس کا پایہ تخت غزنی تھا۔ اور جس نے ابتدائی گیارھویں صدی میں خراسان سے لے کر پنجاب تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ 1152 میں غوریوں کے حملوں نے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ بعد میں افغانستان چنگیز خاں کے حملوں کا شکار بنا۔ پھر تیمور لنگ کے زیر نگیں آگیا۔ تیمور خاندان کے ایک فرد بابر نے کابل کو اپنا مسکن بنایا اور سولھویں صدی میں ہندوستان فتح کر کے مغل سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس دوران میں افغانستان کے گوشہ گوشہ میں اسلام پھیل چکا تھا۔ تاہم قبیلوں اور

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جرگوں کی آپس کی جھڑپیں برابر جاری رہیں۔ اٹھارویں صدی میں نادر شاہ کے ایران فتح کرنے کے بعد ہی افغانستان ایک مستحکم ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر ابھرا۔ 1747 میں نادر شاہ کے انتقال کے بعد اس کے جانشین احمد شاہ نے ملک کے مختلف حصوں کو متحد کیا اور موجودہ ریاست کی شکل دی۔ احمد شاہ درّانی نے اپنے خاندان کی مناسبت سے افغان باشندوں کو درّانی کے لقب سے نوازا جسے وہ اب بھی استعمال کرتے ہیں۔ 1826 میں دوست محمد کے برسر اقتدار آنے کے بعد درّانی خاندان کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس کے دور میں افغانستان انیسویں صدی کے سیاسی مسائل سے دوچار ہو گیا۔ وسط ایشیا میں برطانیہ اور روس کی کشمکش اور ہندوستان کو بیرونی اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش نے افغانستان کو جنگ کے شعلوں میں جھونک دیا۔ پہلی جنگ افغانستان 1838 میں شروع ہوئی۔ اگرچہ انگریز سپاہیوں نے جنوب اور مشرق کے اہم شہروں پر قبضہ کر لیا تھا، تاہم جنگ 1842 میں بمقام کابل انگریزوں کے قتل عام کے بعد اختتام کو پہنچی۔ اس کے بعد سرحدی علاقہ میں متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ ان ہی لڑائیوں کی وجہ سے درہ خیبر کو برطانوی فوجی تاریخ میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ دوست محمد جسے امارت سے ہٹا دیا گیا تھا برطانوی مدد سے دوبارہ برسر اقتدار آیا۔ تاہم اندرونی خاندانی اور قبیلہ واری کشمکش کا سلسلہ جاری رہا۔ دوست محمد کے جانشین شیر علی کو اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا۔ جب وہ انگریزوں کو چھوڑ کر روس سے مدد کا طالب ہوا تو 1887 میں دوسری جنگ افغانستان چھڑ گئی۔ جنگ کا نقشہ متعدد بار بدلا۔ بالآخر 1880 میں شیر علی کو تخت سے معزول کر دیا گیا اور انگریز پرست عبدالرحمٰن کو بہ حیثیت امیر گدی پر بٹھایا گیا، جو 1901 میں اپنی وفات تک برسر اقتدار رہا۔ 1903 میں سر مورٹمر ڈیورنڈ نے افغانستان اور اس وقت کے برطانوی صوبہ سرحد کے درمیان حدود بندی کا اہم کام انجام دیا۔ اس کی قائم کردہ سرحد ڈیورنڈ لائن کہلاتی ہے۔ 1907 میں روس اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے برطانیہ کے زیر اثر افغانستان کی آزادی کی ضمانت دی گئی۔ 1926 میں امارت بادشاہت میں تبدیل کر دی گئی اور امان اللہ کی طرف سے اس کی جدت پسند اصلاحات نافذ کرنے کی کوشش کی گئی جس کے لیے افغانستان جیسا پسماندہ اور روایت پرست ملک ابھی تیار نہیں تھا۔ چنانچہ 1929 میں ایک موقع پرست مقامی سرغنہ جو بچہ سقّہ کے نام سے مشہور ہوا عوام کے مذہبی جوش و خروش سے فائدہ اٹھا کر تخت پر قابض ہو گیا اور امان اللہ کو گدی چھوڑنی پڑی اور تمام جدید اصلاحات عوام کے غیض و غضب کا شکار ہو کر رہ گئیں۔ تاہم جلد ہی شورش فرو کر دی گئی۔ محمد نادر شاہ نے عنان حکومت سنبھال لی اور اصلاحات کے نفاذ میں اعتدال پسندی سے کام لیا لیکن 1933 میں نادر شاہ کو قتل کر دیا گیا اور ان کے لڑکے اور جانشین ظاہر شاہ نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی اور اسے استحکام بخشا نیز معیشت کو سدھارنے کے اقدامات کیے۔ 1960 تک افغانستان ایک ایسا عجیب و غریب ملک بن گیا جہاں ایک طرف تو جدید تمدن کی نشانیاں پائی جاتی تھیں تو دوسری طرف انتہائی قدامت پرستی اور دقیانوسی زندگی کے آثار موجود تھے۔ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام سے افغانستان کو اس لیے دلچسپی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ اس طرح شمال مغربی سرحد کے علاقے میں رہنے والے پٹھانوں کی ایک خود مختار ریاست قائم کرنے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ اس نے 1951 میں پاکستان میں اس کی شمولیت پر سخت احتجاج کیا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ ڈیورنڈ لائن کے اندرونی حصہ کے قبائلی علاقہ کو پختونستان کے نام سے ایک خود مختار حیثیت دی جائے۔ لیکن پاکستان نے اس مطالبہ کو سراسر رد کر دیا۔ یہ پیچیدہ صورت حال اب تک برقرار ہے اور اس سے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں بھی کشیدگی پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ 1961 میں دونوں ملکوں کی سرحد کو بند کر دیا گیا۔ جہاں تک بین الاقوامی سیاست کا تعلق ہے افغانستان غیر جانبداری کی حکمت عملی پر کاربند ہے۔ اور سوویت روس کے علاوہ امریکہ سے بھی مالی امداد حاصل کرتا ہے۔ افغانستان کو اقوام متحدہ کی رکنیت بھی حاصل ہے۔ 1963 کے بعد ظاہر شاہ والیٔ افغانستان نے ملک میں بعض اصلاحات نافذ کیں اور اہل ملک کی سیاسی آزادی بھی بڑی حد تک بحال کر دی اور 1965 میں ایک دستور کے نفاذ کا اعلان کیا۔

پاکستان سے تعلقات میں بہتری پیدا ہوئی۔ سرحد کھول دی گئی اور دونوں ملکوں کے درمیان آمد و رفت، حمل و نقل اور باہمی تجارت سے متعلق سمجھوتے ہوئے۔ تاہم افغانستان، پاکستان کے صوبہ سرحد پر مشتمل، ختونستان کی تشکیل کے مطالبہ سے دست بردار نہیں ہوا۔ دیگر ممالک کی حد تک افغانستان اپنی غیر جانبدارانہ حکمت عملی پر برابر کاربند ہے۔ 1964 میں افغانستان کولمبو پلان کا بھی رکن بنا لیا گیا۔ 1973 میں جنرل داؤد خاں نے شاہ کا تختہ الٹ کر جمہوری نظام قائم کیا اور خود صدر بن گئے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ میں اتنا اقتدار جمع کر لیا تھا کہ ملک میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ 1978 میں ایک بغاوت میں وہ مارے گئے اور نور محمد طراقی کی سرکردگی میں ایک بازو کی جمہوری حکومت قائم ہوئی۔

1979 میں طراقی کا قتل ہو گیا اور حفیظ اللہ امین نے اقتدار سنبھال لیا۔ 5 ستمبر 1979 سے فروری 1989 تک افغانستان جنگوں میں پھنسا رہا اور بہت نقصان اٹھایا، 1992 میں گوریلا طاقتوں نے کابل پر قبضہ کر لیا اور صبغت اللہ مجددی حکمران کونسل کا صدر بن گیا۔ گلبدین حکمت یار بار بار حملے کرتا رہا اور کابل ایک بار پھر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جنگ کے نرغہ میں پھنس گیا۔

آج کل طالبان کی تحریک بھی ملک میں خانہ جنگی میں مبتلا ہے۔

جمہوریۃ العربیۃ الیبیا (Socialist People's Libyan Arab Jamahiriya) : لیبیا (Libya) شمالی افریقہ کا ایک عرب سوشلسٹ جمہوریہ ہے۔ اس کا پورا شمالی علاقہ بحیرۂ روم کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے مغرب میں تیونیشیا اور الجیریا، جنوب میں نائجر اور چاڈ اور مشرق میں مصر اور سوڈان واقع ہیں۔

لیبیا کا رقبہ 1,759,540 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 4,750,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر تریپولی (طرابلس) ہے۔ ملک کی آبادی کی بڑی اکثریت مسلمان ہے اور زبان عربی ہے۔ لیبیا کا ساحل تقریباً دو ہزار کلو میٹر (بارہ سو میل) لمبا ہے لیکن صرف دو اہم بندرگاہ ہیں۔ ایک تریپولی (طرابلس) اور دوسرا ابن غازی۔ زیادہ تر علاقہ ریگستانی ہے۔ ساحل کے قریب بڑے بڑے نخلستان ہیں جن میں کھجور، زیتون اور رسیلے پھل جیسے نارنگیاں پیدا ہوتے ہیں۔ ساحل سے کچھ دور سطح مرتفع کے علاقوں میں غلہ اور انگور کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ گائیں، گھوڑے، اونٹ اور گدھے بھی پالے جاتے ہیں۔

سب سے بڑی صنعت تیل کی ہے۔

رائج سکہ لیبیائی دینار ہے۔

درآمدات زیادہ تر اٹلی، جرمنی، جاپان اور برطانیہ سے آتی ہیں اور برآمدات بھی ان ہی ملکوں کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا تقریباً سو فیصدی حصہ تیل تھا۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 1,238,986 اور استادوں کی تعداد 99,623 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 215,508 طالب علم اور 18,501 استاد تھے۔ فنی تعلیمی اداروں میں 37,157 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 72,899 طالب علم تھے۔

تاریخ: قدیم زمانہ میں لیبیا پہلے قرطاجنہ، روم اور وانڈلس (Vandals) کی سلطنتوں کا جزو رہا۔ عہدِ وسطیٰ میں مصر اور تیونیشیا کی حکومتوں کے درمیان لیبیا کے لیے کشمکش رہی۔ شروع سولھویں صدی میں اسپین اور مالٹا کے حکمرانوں کا کچھ دنوں کے لیے اس پر قبضہ رہا۔ 1551 میں ترکی کی سلطنت عثمانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن مقامی حکمراں بادشاہوں کو عام طور پر کافی اندرونی خود مختاری حاصل رہی۔ 1830 میں جب فرانس نے الجزائر پر حملہ کیا تو سلطنت عثمانیہ نے لیبیا پر اپنا اقتدار جمانے کی کوشش کی لیکن سنوسی کے مقابلہ میں زیادہ کامیابی نہ ہو سکی۔ انیسویں صدی کے آخری حصہ میں اٹلی نے لیبیا پر حملہ کیا۔ اس کے بعد 12-1911 میں ترکی اور اٹلی کی جنگ کے دوران اٹلی نے لیبیا کے بڑے حصے پر قبضہ کا اعلان کر دیا۔ ترکی نے اسے تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی مقامی آبادی نے اسے مانا۔ چنانچہ 1912 اور 1919 کے درمیان اور 1923 اور 1933 کے درمیان اٹلی کو مقامی آبادی اور خاص طور سے سنوسی اور اس کے حامیوں کو دبانے کے لیے باقاعدہ فوجی کاروائیاں کرنی پڑیں۔ اس تمام عرصے میں اٹلی کی حکومت نے اس ملک کی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

1933 کے بعد اٹلی نے لیبیا کو باقاعدہ اپنا مقبوضہ یا کالونی بنانے کی مہم شروع کی۔ ساحلی اور سطح مرتفع کے علاقوں میں سڑکیں اور عمارتیں تعمیر ہونے لگیں اور 1930 اور 1933 کے درمیان چالیس ہزار اطالوی باشندے یہاں آبادکاری کے لیے بھیجے گئے۔

1940 میں جب اٹلی دوسری عالم گیر جنگ میں شریک ہو گیا تو لیبیا شمالی افریقہ کی لڑائی کا سب سے بڑا میدان بن گیا۔ 1943 میں جب محوری طاقتوں کو افریقہ میں پوری طرح شکست ہو گئی تو لیبیا پہلے انگریزی اور پھر فرانسیسی فوجی حکومت کے کنٹرول میں آیا۔ اس کے بعد مجلس اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا گیا۔

دسمبر 1951 میں اسے آزادی مل گئی اور سنوسی اخوان کے لیڈر ادریس اول کو ملک کا پہلا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ ایک وفاقی آئین بنایا گیا جس کے تحت تینوں صوبوں میں اسمبلیاں قائم کی گئیں۔ مرکز میں دو ایوان والی پارلیمنٹ قائم کی گئی، لیکن ساری طاقت بادشاہ کے ہاتھ میں رہی۔ سنوسی نے 1953 میں انگریزوں سے ایک مالی اور فوجی معاہدہ کیا اور 1954 میں امریکہ سے ایک فوجی معاہدہ کیا جس کی رو سے اسے لیبیا کے فوجی اور ہوائی اڈے استعمال کرنے کا اختیار دیا گیا۔ 1969 میں فوجی بغاوت کے ذریعے ادریس اول کی بادشاہت ختم کر دی گئی۔ اور اس کی جگہ 12 ممبروں کی ایک انقلابی فوجی کمان قائم کر دی گئی۔ کرنل معمر القذافی اس کے صدر مقرر ہوئے۔ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ کئے ہوئے فوجی معاہدے ختم کر دیے گئے۔ 1971 میں عرب سوشلسٹ یونین قائم کی گئی اور ملک کی منزل مقصود عرب سوشلزم قرار دی گئی۔ بیرونی پالیسی میں غیر جانب داری کا راستہ اختیار کیا گیا۔ اور افریقہ کی آزادی کی تحریکوں کی کافی مدد کی گئی۔ انقلاب کے بعد معمر القذافی اور صدر ناصر کے درمیان بہت قریبی تعلقات تھے اور دونوں ملکوں کی متحدہ یونین قائم کرنے کی بھی تجویز تھی۔ ناصر کے انتقال کے بعد جب نئے صدر انور السادات نے مغرب سے اپنی دوستی بڑھائی اور اسرائیل کی طرف اپنا رویہ بہت نرم کر دیا تو پھر دونوں ملکوں کے درمیان سخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔ 1975 میں صدر قذافی کے

خلاف تحریک ناکام ہو گئی۔ کرنل قذافی نے مخالفین کے قتل کا حکم دے دیا جو لیبیا کے باہر یوروپ میں پناہ گزیں تھے۔ 1981 میں لیبیا کے دو باشندوں نے امریکی ہوائی فوج کے جہازوں پر حملہ کر دیا اور انھیں خلیج سدرہ پر مار گرایا۔ امریکہ لیبیا سے مزید ناخوش ہو گیا اور اس نے لیبیا پر بین الاقوامی تشدد پسند گروہوں کی حمایت کرنے کا الزام لگایا۔ 1986 میں امریکہ نے لیبیا پر الزام لگایا کہ جنوبی برلن کے نائٹ کلب میں بمباری لیبیا کے ایما پر ہوئی ہے۔ 1989 میں لیبیا کے مقام رابتہ میں کیمیاوی ہتھیار بنانے کی تیاری اور اس میں مغربی جرمنی کی کمپنی کے ذریعے آلات اور سامان فروخت کرنے کی بابت انکشاف کیا گیا۔ 1984 میں لیبیا نے "مصنوعی دریا" کا منصوبہ شروع کیا جس کے ذریعے ملک کو آبپاشی کی سہولت مہیا ہو سکے۔

جمہوریہ انڈونیشیا (Indonesia): جزیرہ نمائے ملایا کے مغربی ساحل اور فلپائن اور آسٹریلیا کے درمیان خط استوا پر واقع جنوب مشرقی ایشیا کا یہ ملک ایک مجمع الجزائر ہے جو لگ بھگ 3,500 جزیروں پر مشتمل ہے۔ یہ جزیرے 4,800 کلو میٹر کی لمبائی میں خط استوا کے متوازی واقع ہیں۔ اس کا کل رقبہ 1,904,569 مربع کلو میٹر (740,000 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 187,765,000 ہے۔ اس کا دارالحکومت جاوا کے شہر جکارتا میں جسے پہلے بٹاویا کہتے تھے، واقع ہے۔ اس شہر کی آبادی ستر لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ جزائر سنڈا، جن میں جاوا، ساترا اور بورنیو (کالی منتان) شامل ہیں، اور جزائر سلیبز (سلاویس) یہاں کے اہم جزائر ہیں۔ آبادی اور معاشی و تہذیبی ترقی کے لحاظ سے جاوا، بالی اور ساترا کو اولین مقام حاصل ہے۔ تمام بڑے جزائر کے درمیانی حصوں میں کوہ آتش فشاں واقع ہیں۔ جن کے اطراف ساحلی میدان ہیں۔ مختلف اقسام کے جنگلی جانور اور پرندے یہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ زمین انتہائی زرخیز ہے، اس لیے ہمہ اقسام کی پیداوار یہاں ہوتی ہے۔ مثلاً چاول، مکئی، ساگودانہ، مونگ پھلی، تمباکو، چائے، کالی مرچ، شکر، روئی اور ربر وغیرہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جنگلوں سے بڑے پیمانے پر کونین، کھجور کا تیل، ناریل، کافور اور قیمتی لکڑی جیسے صندل، ساگوان اور آبنوس وغیرہ، حاصل کی جاتی ہیں۔ ماہی گیری بھی یہاں کا ایک اہم پیشہ ہے۔ یہاں تیل بڑی مقدار میں دستیاب ہوتا ہے۔ ٹن، کوئلہ خام لوہا، نکل، مینگنیز، تانبا، سونا اور چاندی کے معدنی ذخائر بھی موجود ہیں۔ انڈونیشیا بنیادی طور پر خام مال کی پیداوار کا ایک اہم ذریعہ رہا ہے اس لیے یہاں صنعتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ انڈونیشیا کی برآمدات کا 66 فی صدی تیل، 9 فی صدی ساگوان لکڑی اور 6 فی صدی ربر ہے۔ برآمدات کا 46 فیصدی جاپان کو، 29 فی صدی امریکہ کو اور باقی سنگاپور اور جزائر غرب الہند کو جاتا ہے۔ درآمد کا 26 فی صدی جاپان سے، 17 فی صدی امریکہ سے اور بقیہ سنگاپور اور مغربی جرمنی وغیرہ سے آتا ہے۔

یہاں کا رائج سکہ انڈونیشیائی روپیہ ہے۔ ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 1989 میں 2,993,370 اور استادوں کی تعداد 286,286 تھی۔ ثانوی مدارس میں 11,243,323 طالب علم اور 840,455 استاد تھے جبکہ حرفی مدارس میں 1,349,050 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 852,104 طالب علم تھے۔

باشندوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو ملائی نسل کے باشندے ہیں دوسرے پاپوون (Papuan)۔ انڈونیشیا کے اہم علاقوں کی آبادی زیادہ ان ہی گروہوں کے بین بین ہے۔ ملائی باشندوں میں ایک طرف تو جاوا اور بالی کے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ لوگ ملتے ہیں تو دوسری طرف بورنیو میں نیم وحشی اور وحشی قبائل بھی موجود ہیں۔ نسلی آمیزش کی یہ پیچیدہ صورت حال ایشیا اور بحرالکاہل سے آنے والے باشندوں کے میل ملاپ کا نتیجہ ہے۔ آبادی کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ کسی قدر کم تعداد میں ہندو اور عیسائی بھی، خاص طور سے بالی میں، موجود ہیں۔ ان کے علاوہ عربوں اور پاکستانیوں کی اقلیتیں بھی یہاں سکونت پذیر ہیں۔ چین، عرب، ہندوستان اور ملایا کے مخلوط النسل باشندے جو ساحلی ملائی کہلاتے ہیں، زیادہ تر بڑے جزائر کے ساحلی علاقوں میں آباد ہیں۔ غیر ملکی آبادی میں سب سے بڑی تعداد چینیوں کی ہے۔ یہاں کی سرکاری زبان بھاشا انڈونیشیا کہلاتی ہے۔ تاہم انگریزی بھی بولی جاتی ہے۔

تاریخ: عیسوی دور کے ابتدائی زمانہ میں ہندوستانی تاجروں اور ہندو نیز بدھ راہبوں کے توسط سے انڈونیشیا ہندوستانی تہذیب سے روشناس ہوا۔ اور یہاں کی بڑی بڑی سلطنتوں نے ہندو اور بدھ مذاہب کے اثرات قبول کیے۔ ساتویں صدی میں ساترا سری وجے کی بدھ سلطنت کا مرکز بن گیا۔ انڈونیشیا اس وقت تک ایک اہم سیاسی مرکز کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ بروبدور کے شاندار بدھ مناور اس دور کی یادگار ہیں۔ تیرھویں صدی کے اواخر میں مرکز اقتدار جاوا منتقل ہو گیا جہاں مجاپہیت (Majapahit) کی افسانوی شہرت رکھنے والی ہندو سلطنت کا جنم ہوا۔ دو صدیوں تک انڈونیشیا اور جزیرہ نما ملایا کے ایک بڑے حصہ پر اس سلطنت کا بول بالا رہا۔ لیکن پندرھویں صدی کی ابتدا میں عرب تاجروں کی آمد کے ساتھ ساتھ بتدریج اسلام کا نفوذ بڑھتا گیا اور سولھویں صدی کے آخر تک اس نے سب سے اہم مذہب کی حیثیت سے بدھ مت اور ہندو مت کی جگہ لے لی۔ اسلامی دور اقتدار میں انڈونیشیا متعدد چھوٹی اور کمزور ریاستوں میں بٹ گیا۔ جو بہ آسانی یوروپی سامراج کے چنگل میں پھنس گئیں۔ سولھویں صدی کی ابتدا میں پرتگالیوں نے

نہایت ہی نفع بخش گرم مسالوں (مصالحوں) کی تجارت کی غرض سے یہاں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرنا شروع کردیں۔ اور جزیرہ نمائے ملایا میں ملایا کے اہم تجارتی مراکز پر قبضہ کرلیا۔ اس کی تقلید میں ولندیزی (ڈچ) 1596 میں یہاں وارد ہوئے اور پھر سن 1600 میں انگریزوں کی آمد شروع ہو گئی۔ لیکن سترھویں صدی میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد تک باہمی رقابت نے زور نہیں پکڑا تھا۔ پہلے تو ولندیزیوں (ڈچ) نے بہت جلد پرتگالیوں کو انڈونیشیا سے بے دخل کردیا اور ان کی سرگرمیاں صرف جزیرہ تمور (TIMOR) کے مشرقی حصے تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ لیکن انگریزوں سے مسابقت میں کامیابی حاصل کرنا اتنا آسان نہ تھا، چنانچہ کچھ عرصے بعد (1610-23) ولندیزیوں (ڈچ) اور انگریزوں میں لڑائی کا سلسلہ چھڑ گیا۔ ان لڑائیوں میں ولندیزی (ڈچ) کامیاب ہوئے اور انڈونیشیا کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے سارے دور میں انڈونیشیا کا مرکزی علاقہ بالکلیہ ان کے قبضے میں آگیا۔ 1799 میں جب ولندیزی کمپنی بند کردی گئی تو ڈچ حکومت نے اس کی املاک کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ نپولیائی جنگوں (1811-15) کے دوران کچھ عرصے کے لیے انڈونیشیا میں ولندیزی اقتدار برقرار نہیں رہا۔ اور برطانیہ نے اس پر قبضہ جمالیا لیکن اس کے بعد ولندیزی انڈونیشیا کی دولت سے بلا شرکت غیرے مستفید ہوتے رہے۔ تاہم ان کی حکومت کے خلاف انڈونیشیا میں بغاوت کے جذبات نشوونما پارہے تھے۔ چنانچہ 1825 میں جاوا کے ایک شہزادے نے نوآبادکاروں کے خلاف ایک خونخوار جنگ کی ابتدا کردی اور پھر 1906 اور 1908 میں بالی کے مقامی حکمرانوں نے ولندیزی قلعوں پر حملہ بول دیا۔ اس طرح انڈونیشیا کی تحریک آزادی کا سوکارنو کی قیادت میں بیسویں صدی کی ابتدا میں آغاز ہو گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران اور خاص طور سے جاپانی قبضہ کے زمانہ میں اس میں اور حدت پیدا ہوئی۔ 1945 میں سوکارنو اور محمد حتا نے مل کر انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان کردیا اور انڈونیشیا کو ایک جمہوریہ قرار دے کر ساترا، جاوا اور مدورا کو اس کے اقتدار اعلیٰ کی حدود میں شامل کرلیا۔ ولندیزیوں نے قوم پرستوں کی اس جدوجہد کو کچلنے کی ممکنہ کوشش کی اور چار سال تک یہ لڑائی جاری رہی۔ بالآخر نومبر 1949 میں بمقام ہیگ ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے انڈونیشیا میں متحدہ ریاستوں کی تشکیل سے اتفاق کرلیا گیا اور ساتھ ہی ولندیزی تاج کے زیر سایہ ایک ولندیزی انڈونیشیائی یونین قائم کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ سوکارنو کو صدر اور حتا کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ تاہم 1950 میں ریاستوں کے اس اتحاد کو ختم کردیا گیا اور وحدانی بنیاد پر ریاستوں کی دوبارہ تشکیل عمل میں لائی گئی۔ ملک کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا اور اس کے بعد انڈونیشیا اقوام متحدہ کا بھی رکن تسلیم کرلیا گیا۔ سوکارنو نے صدر اور حتا نے نائب صدر کی حیثیت سے ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ 1954 میں ولندیزی انڈونیشیائی یونین کو ختم کردیا گیا اور جب نیوگنی پر انڈونیشیا نے اپنا حق جتانا شروع کیا تو ڈچ حکومت نے اس کی سختی سے مخالفت شروع کی جس کی وجہ سے 1956 میں ڈچ مخالف مہم کو فروغ حاصل ہوا۔ انڈونیشیا نے ولندیزی قرضوں کی ادائی سے انکار کردیا اور 1958 میں ولندیزی املاک ضبط کرلیں اور ولندیزی باشندوں کو ملک بدر کرنا شروع کردیا۔ یہ تمام اقدامات اس تیزی سے کیے گئے کہ اس سے وہاں کی معیشت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کے ساتھ ہی جزیرہ جاوا پر جکارتا کے مرکزی نظم و نسق کو مقامی باشندوں کے احتجاجی مظاہروں سے دوچار ہونا پڑا جو مزید خود مختاری کا مطالبہ کررہے تھے۔ یہ بغاوت جو فوجی افسروں کی سرکردگی میں ساترا میں شروع ہوئی تھی 1957 میں سیلیبیز اور دوسرے جزائر تک بھی پھیل گئی۔ بورنیو اور جاوا بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔ وفاقی حالات سے نپٹنے میں پارلیمانی طرز حکومت کی ناکامی سے سوکارنو نے فائدہ اٹھایا اور یہ تجویز رکھی کہ پارلیمانی حکومت کی بجائے ہدایتی جمہوریہ رائج کی جائے جس کا مقصد یہ تھا کہ عوامی پارلیمانی طرز حکومت کو معطل کرکے اس کے بجائے صدر مملکت کو زیادہ اختیارات سونپ دیے جائیں۔ سوکارنو کی سرکردگی میں یہ طرز حکومت جاری رہا اور ایک طرف کمیونسٹوں اور بائیں بازو کی پارٹیوں کا اور دوسری طرف فوج کا اثر و رسوخ تیزی سے بڑھنے لگا۔ سوکارنو ان میں توازن قائم کرتا رہا۔ ملک کی معاشی اور سیاسی حالت جیسے جیسے خراب ہونے لگی ان دو گروہوں میں توازن باقی نہ رکھا جاسکا۔ فوج نے 1965 میں سوکارنو کا تختہ پلٹ دیا۔ پہلے اسے برائے نام صدر رکھا اور پھر ہٹا دیا اور کمیونسٹوں اور بائیں بازو کی طاقتوں پر زبردست وار کیا۔ ان کے ہزاروں حامی قتل کردیے گئے۔ لاکھوں جیلوں میں بند کردیے گئے ان میں سے ابھی تک بہت سارے جیل میں ہیں۔ کئی سال تک فوجی ڈکٹیٹر شاہی قائم رہی اور جنرل سوہارتو صدر رہے۔ مئی 1977 میں انتخابات کرائے گئے مگر کسی بائیں بازو کو حصہ لینے نہیں دیا گیا۔ اس انتخاب میں 460 نشستوں میں سے صرف 360 کے لیے چناؤ ہوا۔ سو نشستوں پر ممبران صدر نے نامزد کیے اور بقیہ کے چناؤ میں صدر کی گولکار پارٹی نے 62 فیصدی ووٹ حاصل کرکے 232 سیٹیں حاصل کیں۔ 1978 میں صدر سوہارتو مزید پانچ سال کے لیے صدر چنے گئے۔

جمہوریہ آئرلینڈ (Republic of Ireland): جمہوریہ آئرلینڈ کا آئرش یا آئرلینڈ کی زبان میں نام ایرے (Eire) ہے۔ یہ جزیرۂ برطانیہ کے مغرب میں ایک جزیرہ ہے۔ دونوں جزیروں کے درمیان نارتھ چینل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(رود بار شمالی)، بحیرہ آئرلینڈ اور سینٹ جارج چینل واقع ہیں۔ رقبہ 70,282 مربع کلو میٹر (27,136 مربع میل) ہے۔ ریاست آئرلینڈ اس جزیرے کے 85 فیصدی رقبہ پر واقع ہے۔ بقیہ 15 فیصدی رقبہ برطانوی سلطنت یا سلطنت متحدہ کا حصہ ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 3,523,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ڈبلن ہے۔ اکثریت انگریزی بولتی ہے۔ تیس فی صدی کے قریب آئرش بولتے ہیں، ساتھ ہی انگریزی بھی جانتے ہیں۔ 97 فیصدی آبادی رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ شمال میں کوہ مورن اور جنوب میں کوہ وکلو ہے اور ان کے بیچ میں ایک وسیع میدانی علاقہ ہے۔ شمال، جنوب اور مغرب کے بلند پہاڑی علاقے عام طور پر چٹیل ہیں۔ لیکن وسطی میدان کافی زرخیز ہے اور آب و ہوا معتدل اور مرطوب ہے۔ مغرب کے پہاڑوں میں کافی بارش ہوتی ہے۔ مغربی ساحل کے قریب کئی جزیرے ہیں۔ ملک کے اندر کئی جھیلیں بھی ہیں۔

معیشت بڑی حد تک زرعی ہے۔ 70 فی صدی زمین پر کاشت ہوتی ہے۔ آبادی کا چالیس فی صدی حصہ اس پیشہ میں مصروف ہے۔ گیہوں جو (بارلی) چقندر اور فلیکس کی کاشت ہوتی ہے۔ کپڑے، جہاز سازی اور دست کاری کی صنعتیں واقع ہیں جو زیادہ تر ڈبلن کے اطراف میں ہیں۔ ملک کی تقریباً 80 فیصدی تجارت مغربی یورپ کے ملکوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ دودھ کی بنی چیزیں ڈبہ بند کھانے کی چیزیں، مشینیں، سوتی کپڑے اور مویشی برآمد ہوتے ہیں۔ ہر سال 17 لاکھ سے زیادہ سیاح آتے ہیں۔

رائج سکہ ائرش پاؤنڈ ہے۔ یہ برطانوی پاؤنڈ کے مساوی ہے۔ 1990 میں ابتدائی مدرسوں میں 416,747 طالب علم اور 15,614 استاد نیز ثانوی مدارس میں 345,941 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 47,955 طالب علم تھے۔

تاریخ: انتہائی قدیم زمانہ میں آئرلینڈ میں تقریباً وہی لوگ رہتے تھے جو برطانیہ کے دوسرے جزیروں میں تھے۔ عیسائیت سے کئی صدیوں پہلے کلٹ قبیلوں کے لوگ یہاں آکر بسے اور اپنا اثر تہذیبی زندگی پر چھوڑ گئے۔ اس کے بعد اور کئی قبیلے آئے۔ انگلستان میں جب اینگلو سیکسن آئے اور پھر جب چار سو سال تک اس پر رومن سلطنت کا قبضہ رہا تو ان میں سے کسی نے بھی آئرلینڈ کا رخ نہیں کیا اور مختلف قبیلے پر امن طور پر یہاں کی ثقافت اور معیشت کو ترقی دیتے رہے۔

عیسائیت کے آنے سے پہلے مختلف قبیلوں میں آپس میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے باوجود یہاں ادب، موسیقی، مجسمہ سازی، کتابوں کی تزئین وغیرہ کے فنون نے کافی ترقی کی۔ ادب زیادہ تر گیلک زبان میں تھا۔ پانچویں صدی عیسوی تک آئرلینڈ میں عیسائیت اپنے قدم جما چکی تھی۔ اس کے بعد یہاں بڑے بڑے مشنری پیدا ہوئے جنھوں نے برطانیہ اور یوروپ میں عیسائیت کی تبلیغ کی۔ آٹھویں صدی میں نارس (Norse) قوم کے لوگ یہاں آئے اور شہری ریاستیں قائم کیں۔ 1014 میں کلان ٹارف نے فتوحات کے ذریعہ زبردست طاقت حاصل کرلی۔ نارس لوگوں کو نکال باہر کیا اور اگلے ڈیڑھ سو سال تک آئرلینڈ بیرونی مداخلت سے پاک رہا لیکن ملک کے اندر مختلف خاندانوں میں جھگڑے چلتے رہے۔ بارہویں صدی عیسوی میں پوپ ایڈرین چہارم نے انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم کو آئرلینڈ پر تسلط بخش دیا۔ 1171 میں خود ہنری وہاں گیا اور تسلط کو مضبوط کیا۔ آئرلینڈ والوں نے اس کی مزاحمت کی اور یہ مزاحمت اور کشمکش 8 سو سال تک جاری رہی اور اکثر یہ تسلط برائے نام رہا۔

ہنری ہشتم برطانیہ کا پہلا بادشاہ تھا جس نے آئرلینڈ پر مکمل برطانوی تسلط قائم کیا۔ اس نے زمین پر خاندانی ملکیت کے نظام کو ختم کیا اور برطانوی نظام رائج کیا۔ اس سے کسانوں کو تھوڑا سا فائدہ ہوا۔ سولھویں صدی تک یہاں کے لوگ سخت افلاس کا شکار ہوگئے۔ اس زمانہ میں یوروپ میں عیسائی مذہب میں اصلاح کی تحریک شروع ہوئی۔ برطانیہ نے پروٹسٹنٹ مذہب قبول کرلیا لیکن آئرلینڈ کے لوگ رومن کیتھولک رہے۔ اس کی وجہ سے دونوں ملکوں میں کشیدگی اور بھی بہت بڑھ گئی جو آج تک قائم ہے۔ برطانوی حکمرانوں نے اس بے چینی کو جبر و تشدد سے دبانے کی کوشش کی۔ ملکہ ایلیزبتھ کے دور میں تین بغاوتیں ہوئیں جنھیں فوج نے بڑی بے رحمی سے کچل دیا۔ ایک بڑی بغاوت 1641 میں ہوئی جو دس سال تک چلتی رہی۔ چھ لاکھ سے اوپر لوگ اس میں مارے گئے۔ اسے الیور کرامول نے اس سفاکی کے ساتھ دبایا کہ آئرلینڈ والوں کا غصہ صدیوں تک کم نہ ہوا۔ کرامول نے مقامی باشندوں کی زمین زبردستی چھین کر ان پر انگریزوں کو لاکر بسایا تھا۔

1688 کے انقلاب کے بعد کیتھولک جیمس دوم جب انگلستان کے تخت پر آیا تو آئرلینڈ والوں نے اس کی حمایت کی۔ جب اسے تخت سے معزول ہونا پڑا تو ظلم و تشدد کا نیا دور آیا۔ آئرلینڈ کے بہت سے دانشور اور فن کار دوسرے ملکوں میں چلے گئے۔ اس کے بعد اور بھی کئی بغاوتیں ہوئیں اور 1800 میں انگلستان نے مقامی پارلیمنٹ کو برخواست کرکے اسے برطانوی پارلیامنٹ کے تحت کردیا اور دونوں ملکوں کی ایک یونین بنادی گئی۔ ولیم پٹ کے اس اقدام سے مسئلہ حل ہونے کے بجائے اور الجھ گیا۔ اگلے 75 سال تک برطانوی پارلیامنٹ کے سامنے آئرلینڈ کا مسئلہ سب سے اہم بنا رہا۔ 1840 میں آئرلینڈ زبردست قحط کا شکار ہوا۔ فصلیں کیڑا لگنے سے تباہ ہوگئیں اور اگلے پانچ سال میں دس لاکھ سے زیادہ لوگ فاقہ کشی میں مر گئے اور سولہ لاکھ ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ زیادہ تر امریکہ چلے گئے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

1921 میں وزیر اعظم لائڈ جارج نے سن فین پارٹی کے لیڈر ڈی ویلیرا کی سرکردگی میں "آئرش فری اسٹیٹ" کا قیام مان لیا۔ البتہ شمال کی چھ کاونٹیاں الگ کرلی گئیں جہاں اکثریت پروٹسٹنٹ مذہب کی تھی۔ اس حیثیت کو برطانوی سلطنت کے اندر ایک ڈومینین کی تھی۔ سب لوگوں نے اسے نہیں مانا اور آزادی کے لیے تحریک برابر زور پکڑتی رہی۔ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد آئرلینڈ کی مکمل آزادی تسلیم کرنی پڑی۔ 18 اپریل 1949 کو جمہوریہ آئرلینڈ وجود میں آئی۔ وزیر اعظم کاسٹلو اور پھر ڈی ویلیرا نے زرعی اصلاحات کیں اور ملک کو ترقی کی راہ پر لگایا۔ 1959 میں ڈی ویلیرا مملکت کے صدر بنے۔ 1955 میں آئرلینڈ مجلس اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا۔

1973 میں ڈی ویلیرا کی جگہ ارسکین، ایچ، چلڈرس، اور 1981 میں نئے الحاق والے گروپوں نے گریٹ فٹزگیرالڈ کو صدر بنایا۔ 1987 میں بے روزگاری کی وجہ سے ملک کے نوجوان طالب علموں میں سے 20 فیصدی ملک چھوڑنے لگے تھے۔

1991 میں ملک میں پہلی خاتون صدر منتخب ہوئی جس کا نام میری رابنسن ہے۔

آئرلینڈ۔ زبان وادب: آئرلینڈ کی زبان کلٹ زبان ہے اور اس کا تعلق ہندیوروپی خاندان سے ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جب آئرلینڈ کی آزادی کی تحریک نے زور پکڑا تو ادب کی قدیم روایات عوامی (لوک) ادب وغیرہ کو پھر سے زندہ کرنے کی طرف بھی شدت سے توجہ کی گئی۔ یہ گویا آئرش زبان اور ادب کو پھر سے زندہ کرنے اور ایک نئی زندگی دینے کی کوشش تھی اس لیے کہ اس سے پہلے یہاں کا ادب انگریزی ادب کا ایک چربہ بن کر رہ گیا تھا۔ کلٹ ادب کے نشاۃ ثانیہ کی یہ تحریک آزادی کی سیاسی تحریک کا ایک حصہ تھی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیسویں صدی کے دو بہت بڑے ڈرامہ نگار جے۔ ایم۔ سنگ (J.M. Synge) اور سان او کیسی (Scan Ocasey) اور ایک عظیم شاعر ڈبلیو ڈی۔ ییٹس (W.D. Yeats) دنیائے ادب پر نمودار ہوئے۔ اس تحریک کی ایک اور بڑی کامیابی یہ تھی کہ اس اثر سے اپنے تھیٹر قائم ہوا۔ مشہور عالم ادیب وناول نگار جیمس جائس، جیمس اسٹیفن اور جی۔ ڈبلیو رسل پر بھی اس تحریک کا گہرا اثر تھا۔

جمہوریہ پولینڈ (Poland): پولینڈ وسط مشرقی یوروپ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کا رقبہ 312,677 مربع کلو میٹر (120,725 مربع میل) ہے۔ ملک کی آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 37,797,650 ہے۔ وارسا (Warsaw) صدر مقام ہے۔ ملک کی حدود مغرب میں جرمنی، شمال میں بحیرۂ بالٹک (Baltic Sea) اور روس کے کالینی گراڈ علاقہ سے، مشرق میں لیتھونیا، بائلا روس، اور یوکرین سے اور جنوب میں چیکوسلواکیا سے ملتی ہیں۔ اس کا بڑا حصہ نشیبی ہے جو بحیرۂ بالٹک سے کوکارپتھین (Carpathian Mountain) تک بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ ٹترا (Tatra) کوہسار میں ریسی (Rysy) سب سے بلند چوٹی ہے جس کی بلندی 2,500 میٹر (8,200 فیٹ) ہے۔ دریائے وچولا (Vistula) کے علاوہ دوسرے اہم دریا وارتا (Warta)، اوڈر (Oder) اور ویسٹرن بگ (Western Bug) ہیں۔ یہ سب بالٹک میں گرتے ہیں اور تجارتی اغراض کے لیے آبی راستوں کا کام دیتے ہیں۔ یہاں کی سرکاری زبان پولش (Polish) ہے۔

روایتی طور پر پولینڈ ایک زرعی ملک ہے۔ یہاں کا کم وبیش 70 فیصدی علاقہ قابل کاشت ہے اور قریب چوتھائی علاقے پر جنگلات اُگے ہیں۔ گیہوں، جو، آلو کے علاوہ چقندر، السی اور انگور کی کاشت وسیع علاقے پر ہوتی ہے۔ مویشی، سور اور بھیڑ کی پرورش کی جاتی ہے۔ قدرتی خام وسائل کوئلہ، یورانیم، نمک اور گندھک کے علاوہ لوہا، پٹرولیم، سیسہ اور تانبے کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہاں بہت سی اہم صنعتیں قائم ہوئیں جن میں فولاد کی مشینری، پارچہ بافی، ادویہ سازی شامل ہیں۔ بحیرۂ بالٹک کے بندرگاہوں میں جہاز سازی کی صنعت نے بھی کافی ترقی کی ہے۔

تعلیم: 1991 کے اعداد وشمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 5,218,323 طالب علم اور 310,122 اساتذہ تھے۔ ثانوی مدارس میں 1,965,021 اور طالب علم 105,372 اساتذہ تھے۔ پیشہ ورانہ تعلیم میں 1,444,221 طالب علم اور 177,855 اساتذہ تھے۔ اعلیٰ تعلیم، جس میں 10 جامعات شامل ہیں، میں 535,656 طالب علم اور 60,528 اساتذہ تھے۔ خواندگی کا تناسب 100 فیصدی ہے۔

خارجی تجارت میں اہم اشیائے درآمدات ایندھن، خام دھاتیں، غذائی اجناس اور اشیائے صَرف شامل ہیں۔ بعض اہم ممالک کا درآمدات میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

تناسب اس طرح ہے:۔ روس26.0 فیصدی، جرمنی17.0 فیصدی، چیکوسلواکیا 6.0 فیصدی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ 6.0 فیصدی، فرانس6.0 فیصدی اور انگلستان5.0 فیصدی۔

اہم اشیائے درآمدات میں مشینری، ایندھن، پارچہ، ادویہ اور غذائی اشیا شامل ہیں۔ بعض اہم ممالک کا برآمدات میں تناسب اس طرح ہے:۔ روس 30.1فیصدی، جرمنی 16.0 فیصدی، زیکوسلواکیہ8.0 فیصدی۔

تاریخ: نویں صدی عیسوی سے پہلے پولینڈ کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا ۔نویں اور دسویں صدیوں میں پولین (Polian) قوم نے یعنی وہ لوگ جو کھیتوں میں بودوباش کرتے تھے، دریائے وچولا، وارتا اور اوڈر کی وادیوں میں بسنے والے سلاوی(Slavic) قبائل پر اپنی ریاست قائم کی۔ پیاسٹ (Piast) خاندان کی حکومت966 میں قائم ہوئی اور لوگوں کو مسیحی مذہب اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی۔1025 میں بولے سلاؤ (Boleslaus)اوّل نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا اور اس نے ملک کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ تین سو سال تک ملک میں علاقہ واری حکومتیں قائم تھیں آخر کار لیڈس لا(Ladis Lau)(1320-1333) نے ملک کو پھر متحد کیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب ٹیوٹن غازیوں (Teutonic Knights) نے شمالی پولینڈ میں قدم جمائے۔1410 میں ٹانن برگ (Tannen Berg) کی لڑائی میں شکست کھانے کے بعد ان سرداروں کی حیثیت کمزور پڑ گئی اور وہ پولینڈ کی مرکزی حکومت کی بالادستی میں آگئے۔پیاسٹ(Piast) خاندان کا "سیمر سوم" (Casimir III) (1330-1370) کی وفات پر ختم ہوا۔ اس نے ملک میں اعلیٰ درجے کی معاشی اصلاحات نافذ کیں اور یہودیوں کو مراعات دیں۔پیاسٹ کے بعد جگیلو(Jagiello) خاندان نے 1386 سے 1572 تک حکومت کی۔ سولھویں صدی کا زمانہ پولینڈ کی تاریخ سازی کا دور کہا جاتا ہے۔اگرچہ جگیل سلاطین کو ہنگری، ماسکو، مولڈاویا(Moldavia)، تاتار اور ترک بادشاہوں سے جنگوں میں الجھنا پڑا اس کے باوجود پولینڈ اور لتھونیا کے اتحاد نے اپنی برتری برقرار رکھی اور رفتہ رفتہ بحیرۂ بالٹک سے بحیرۂ اسود تک ملک کی حدود وسیع کر دیں۔اسٹیفن باتھری(Stephen Bathory)(1575-86) اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں روس کو فتح کرنے کی کوشش جاری رہی لیکن اس کے بعد ہی 1655 میں سویڈن کے چارلس دہم(Charles X) نے پولینڈ کو تاراج کر دیا اور روس نے اس کی مدد کی۔ 1667 میں مشرقی یوکرین کو روس کے حوالے کرنا پڑا۔ جان دوم (John II) کے انتقال سے واسا(Vasa) خاندان کی حکمرانی ختم ہوئی۔ جان سوبسکی (John Sobieski) نے پولینڈ کی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی وفات سے پولینڈ کی آزادی بالکل ختم ہو گئی۔ملک کی قسمت کو بنانے یا بگاڑنے کا کام اس کے بے رحم تین پڑوسیوں یعنی روس، پروشیا اور آسٹریا کے ہاتھوں میں چلا گیا، جنھوں نے اسے آپس میں بانٹ لیا۔

اس دوران ملک میں ایک نیا جذبہ پیدا ہوا جس کا نتیجہ 1791 میں مئی کے دستور (May Constitution) کی صورت میں ظاہر ہوا۔ نپولین(اول) نے 1807 میں پولینڈ کو ایک بفر اسٹیٹ (Buffer State) بنایا۔کانگریس آف ویانا نے 1814-15 میں پولینڈ میں برائے نام ایک آزاد مملکت قائم کی۔1830 میں روس کے خلاف ایک بغاوت ہوئی جسے ناکام بنا دیا گیا۔پیرس تحریکِ آزادی کا مرکز بنا لیکن ایک سمت سے روس نے اور دوسری سمت سے بسمارک(Bismark) نے اپنی گرفت سخت کر دی۔پولینڈ کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا اور جرمنی اور روس میں پہلی جنگِ عظیم میں پولینڈ کی تمام تر جدوجہد روس کے خلاف رہی جسے جرمنی اور آسٹریا کی زبردست حمایت حاصل رہی۔1918 میں پولینڈ کو آزادی حاصل ہوئی۔پولینڈ میں ایک تہائی حصہ ایسی اقلیت پر مشتمل تھا جو جرمن، یوکرینی(Ukranian) اور بیلوروسی(Belo Russians) اور یہودی تھے ۔ان اقلیتوں کے تعلق سے مالیاتی اصلاحات عمل میں آئیں اور جمہوریہ کے دستور میں اسے جگہ دی گئی۔ لیکن مزارعین کا حال برا تھا اور زمیندار مالدار تھے۔ 1930 اور اس کے بعد کی معاشی کساد بازاری کے زمانے میں بے روزگاری پھیل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوجی انقلاب آگیا۔کرنل جوزف بک(Col. Joseph Beck) اس کے سربراہ تھے۔1939 میں جرمنی اور روس نے انگلینڈ اور فرانس کے ساتھ ملکر پولینڈ میں عام مداخلت کا معاہدہ کیا۔ لیکن جرمنی نے اس کی پابندی نہیں کی اور پولینڈ پر فوجی حملہ کر دیا۔چند دنوں بعد روس نے بھی حملہ کر دیا۔پولینڈ کی مقاومت کا خاتمہ ہو گیا۔1941 میں جرمنوں نے پولینڈ پر قبضہ کر لیا۔

دوسری جنگِ عظیم اور اس کے بعد کا زمانہ نازیوں کی تباہ کاری کا زمانہ تھا ۔جرمنوں نے لاکھوں یہودیوں کی بیخ کنی کی۔ 1945 میں یالٹا کانفرنس ہوئی اور پولینڈ میں میکولاج سک (Mieco Lajceyk) کی لوبلین (Lublin) حکومت

تی، جسے برطانیہ اور امریکہ نے بھی تسلیم کر لیا۔ روس نے پولینڈ کو اشتراکی بنانے کی زبردست کوشش کی۔ 1952 میں دستور نے ملک کو روس کی مانند ایک عوامی جمہوریہ (Peoples Republic) بنا دیا۔ 1955 میں پولینڈ وارسا معاہدہ (Treaty of Warsaw) کا رکن بنا اور رفتہ رفتہ سوویت روس سے قریبی تعلقات قائم ہوگئے۔ 1960 کے بعد پولینڈ میں گومکا اپنا اثر بڑھانے لگا۔ دانشوروں کو کمزور کر دیا گیا اور کلیسا کو بھی کمزور کر دیا گیا۔ 1968 میں پولینڈ نے دوسرے مشرقی یوروپی ملکوں اور روس کے ساتھ زیکوسلواکیا پر حملہ میں حصہ لیا۔ دسمبر 1970 میں پولینڈ اور مغربی جرمنی نے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی توثیق 1972 میں ہوئی کہ پولینڈ کی مغربی سرحد اوڈر نیسے لائن بناتی ہے۔ 1970 میں کساد بازاری نے مہنگائی بڑھائی اور مزدوروں میں بے چینی بڑھی۔ 1978 میں پوپ جان پال دوم کے تقرر اور پھر جون 1979 میں ان کے پولینڈ میں آمد نے لاکھوں لوگوں کو متاثر کیا۔ 1980 میں بہت سی ہڑتالیں مہنگائی کے خلاف ہوئیں۔ دسمبر 1981 میں مارشل لا نافذ کیا گیا جسے 1983 میں ہٹایا گیا۔ 1989 میں سولیڈیرٹی (Solidarity) جماعت کو پھر تسلیم کر لیا گیا اور اسے انتخابات میں کافی اکثریت حاصل ہوئی۔ جنوری 1990 میں سولیڈیرٹی کی حکومت نے بہت انقلابی تجویزیں منظور کیں اور ملک کو بازار میں تجارت کے لیے تیار کیا۔ 1990 سے 1992 تک پولینڈ میں چار وزیر اعظم تبدیل ہوئے۔

جمہوریہ جنوبی افریقہ (Republic of South Africa):

افریقہ کے انتہائی جنوبی سرے پر واقع ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے مغرب میں بحر اوقیانوس، شمال مغرب میں نامیبیا، شمال میں بوتسوانہ اور زمبابوے، شمال مشرق میں موزمبیق اور سوازی لینڈ اور مشرق نیز جنوب مشرق میں بحر ہند واقع ہیں۔ اس کا صدر مقام کیپ ٹاؤن ہے۔

اس کے چار صوبے ہیں۔ 1۔ پراونس (صوبہ) 2۔ ٹرانسوال 3۔ آرنج فری اسٹیٹ اور 4۔ نٹال۔ اس ملک کا کل رقبہ 1,221,037 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 38,670,000 ہے۔ جن میں افریقی بنٹو (Bantu) قبیلہ کے لوگ 71.3 فی صدی اور سفید فام 16.9 فیصدی ہیں۔ ملی جلی نسل کے رنگدار 9 فیصدی اور ایشیائی 2.8 فیصدی ہیں۔ افریکانس (ملی ہوئی ڈچ زبان) اور انگریزی زبانیں سرکاری اغراض کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ عیسائی ہے۔ جنوبی افریقہ ایک سطح مرتفع پر پھیلا ہوا ملک ہے۔ اوسط بلندی 1,000 میٹر (4 ہزار فٹ) ہے۔ دو بڑے اور اہم دریا ہیں، ایک دریائے آرنج جس کا معاون وال ہے اور جو بحر اوقیانوس میں گرتا ہے اور دوسرا دریا لمپوپو جو بحر ہند میں گرتا ہے۔ کئی اور چھوٹی چھوٹی ندیاں ہیں جو بحر ہند سے جا ملتی ہے۔

چند چھوٹے سے حصوں کو چھوڑ کر باقی پورے ملک کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ مکئی، گنا، گیہوں اور پھلوں کی کاشت ہوتی ہے۔ گائیں اور بھیڑ بکریاں بڑی تعداد میں پالی جاتی ہیں۔ ملک کی دولت کا بڑا حصہ کان کنی اور اس کی متعلقہ صنعتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کا سب سے زیادہ سونا اور ہیرے افریقہ ہی کی کانوں میں سے نکلتے ہیں۔ ان کے علاوہ پلاٹینم، یورانیم، کوئلہ، لوہے، اسبطاس اور میگنیز بھی کافی بڑی مقدار میں نکالا جاتا ہے۔ ان کانوں میں افریقی باشندوں سے نہایت کم اجرت پر کام لیا جاتا ہے اور بیرونی زر مبادلہ ان سے حاصل ہوتا ہے۔

صنعتیں کیپ ٹاون، پورٹ ایلیزبتھ اور ڈربن کے اطراف مرکوز ہیں جن میں لوہا، فولاد، بھاری مشینیں، کیمیائی اشیا، سوتی کپڑا اور جوتے نیز چمڑے کا دوسرا سامان تیار ہوتا ہے۔ ملک میں ریلوے اور سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ 19,910 میٹر لمبی ریلیں اور 320,000 میٹر لمبی سڑکیں ہیں۔

مجلس اقوام متحدہ کی بہت ساری پابندیوں کے باوجود درآمد زیادہ تر برطانیہ، امریکہ، جرمنی اور جاپان سے ہوتی ہے۔ برآمد بھی ان ہی ملکوں کو کی جاتی ہے۔ برآمد میں مرکزی مقام سونے، ہیرے، غلے اور شکر کو حاصل ہے۔

رائج سکہ رینڈ (Rand) ہے۔

1976 میں ابتدائی مدارس میں 4,683,401 طالب علم اور ثانوی مدرسوں میں 979,755 طالب علم تھے۔ ابتدائی اور ثانوی مدرسوں میں کل 1,496,451 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 109,476 طالب علم اور 8,128 استاد تھے۔

تاریخ: یوروپی باشندوں کے جنوبی افریقہ آنے سے پہلے کی تاریخ نہیں ملتی ہے۔ ہیروڈوٹس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ فنیشیوں نے سمندری راستہ سے پورے افریقہ کے اطراف سفر کیا تھا۔ اس میں کتنی سچائی ہے یہ تو معلوم نہیں البتہ یہ حقیقت ہے کہ یونانیوں اور رومن لوگوں کو اور نہ ہی پندرھویں صدی سے پہلے

کسی یوروپی قوم کو جنوبی افریقہ کے وجود کا علم تھا۔ سب سے پہلا یوروپی باشندہ جو جنوبی افریقہ پہنچا وہ بار تھلو میو دیاز ایک پرتگالی ملاح تھا، جو 1488 میں راس امید سے ہو کر گزرا تھا۔ سترھویں صدی تک یوروپ کے ہندوستان سے تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ جنوبی افریقہ کا علاقہ اس راستہ کے وسط میں پڑتا تھا اور راستہ میں ٹھہرنے اور رسد حاصل کرنے کے لیے موزوں ترین مقام تھا۔ چنانچہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1602 میں کیپ ٹاون کے مقام پر یوروپی باشندوں کی پہلی نوآبادی بسائی۔ مقامی باشندے یا تو قتل کر دیے گئے یا غلام بنائے گئے اور بعض دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ یہ بوئر (ڈچ کسان) کہلاتے ہیں۔ ان ہی کے بعد فرانس، جرمنی اور اسکینڈی نیویا سے بھی لوگ آکر بسنے لگے۔ یہ سب اٹھارویں صدی سے اپنے آپ کو افریکان کہنے لگے۔ برطانیہ، جس کی سلطنت اس زمانہ میں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، اسے کیسے نظر انداز کرتا۔ اس نے یہ نوآبادی حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی۔ چنانچہ آخر کار 1814 میں اس خوش حال نوآبادی پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گیا۔ برطانوی نوآبادکاروں کا پہلا ریلا 1820 میں آیا جب 5 ہزار انگریز اور ان کے خاندان یہاں منتقل ہوئے۔ بہت سے بوئر اس بیرونی اقتدار اور برطانوی نوآبادکاروں کی بڑھتی تعداد سے خوش نہیں تھے۔ چنانچہ وہ اندرونی علاقوں میں پھیلتے گئے اور مقامی باشندوں کو قتل کرتے اور غلام بناتے گئے۔ بنٹو (Bantu) اور زولو (Zulu) قبائیلیوں کو زیر کر کے ان کی زمینیں چھین لیں اور انھیں زمین پر ہر حق سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔ ان سے غلاموں کی طرح کام لینے لگے۔ نئے مفتوحہ علاقوں میں بوئر نے نٹال، آرنج فری اسٹیٹ اور ٹرانسوال کی جمہوریتیں قائم کیں جن میں سیاسی حقوق صرف ان ہی کو حاصل تھے۔ سیاہ فام ہر حق سے محروم تھے۔

برطانیہ نے 1843 میں نٹال پر قبضہ کر لیا اور جب کمبرلے میں ہیروں کی کانیں دریافت ہوئیں تو 1871 میں آرنج فری اسٹیٹ ہتھیالی۔ جب ٹرانسوال میں سونا ملا تو اس پر بھی 1881 میں برطانوی اقتدار قائم ہو گیا۔ اس کے ساتھ بڑی تعداد میں انگریز ترک وطن کر کے یہاں آنے لگے اور ان علاقوں میں پھیلنے لگے۔ اس سے بوئر کا ناراض ہونا قدرتی بات تھی۔ چنانچہ انھوں نے مزاحمت شروع کی اور "جنوبی افریقہ کی جنگ" کی شروعات ہو گئی۔ 1902 میں برطانیہ کو فتح حاصل ہوئی اور 1910 میں ان سب ریاستوں کو ملا کر ایک یونین بنا دی گئی۔

جسے "یونین آف افریقا" کا نام دیا گیا۔ بوئر آبادی کی دلجوئی کے لیے ڈچ قانون نافذ کیا گیا اور انگریزی کے ساتھ افریکان (افریقہ میں بولی جانے والی ڈچ زبان) کو بھی سرکاری حیثیت دے دی گئی۔ اسی کے ساتھ یونین کا پہلا وزیر اعظم ایک بوئر لوئی بوتھا (Louis Botha) کو بنایا گیا جس نے پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔

اس زمانے میں دو سیاسی پارٹیاں بھی بنیں۔ ایک یونینسٹ، جس کا لیڈر جنرل اسمٹس تھا اور جو انگریزوں اور بوئر کے تعاون کا حامی تھا اور دوسری نیشنلسٹ پارٹی تھی جو بوئر کی برتری چاہتی تھی اور جس نے کئی دفعہ برطانوی کامن ویلتھ سے نکلنے کی بھی کوشش کی۔ پہلی جنگ عظیم میں بوئر نے جرمنوں کی حمایت کی اور فوجی بغاوت کی ناکام کوشش بھی کی اور دوسری جنگ عظیم میں انھوں نے اتحادیوں کی حمایت میں جنگ میں شریک ہونے کی مخالفت کی اگرچہ اس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔

جنوبی افریقہ کی تمام حکومتوں نے افریقی باشندوں کے ساتھ انتہائی سخت امتیازی سلوک برتا اور انھیں ہر قسم کے سیاسی اور شہری حقوق سے محروم رکھا۔ دوسری جنگ کے بعد یہ نسلی امتیاز حکومت کی پالیسی کا بنیادی جزو بن گیا۔ یہ سلوک صرف افریقیوں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ تقریباً پانچ لاکھ ہندوستانیوں کے ساتھ بھی روا رکھا گیا جنھیں انگریز وہاں بطور مزدور لے گئے تھے یا جو تجارت کے سلسلے میں جا بسے تھے۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے گاندھی جی نے اس کے خلاف مہم چلائی اور ستیاگرہ شروع کی۔ یہیں سے ان کی سیاسی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ آزادی کے بعد 1946 میں جنوبی افریقہ کی رنگ و نسل کی بنیاد پر امتیاز اور تفریق کی پالیسی کے خلاف احتجاج کے طور پر ہندوستان نے سفارتی تعلقات توڑ لیے اور مجلس اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی اداروں میں وہ اس کی مسلسل مخالفت کرتا رہا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد اس نسلی تفریق کو اور بھی کارگر بنانے کے لیے نئے نئے قوانین بنائے گئے۔ 31 مئی 1961 کو یونین آف ساؤتھ افریقہ کی جگہ ریپبلک آف ساؤتھ افریقہ بنی۔ اس کے ساتھ بین الاقوامی طور پر اور خود ملک کے اندر اور باہر ساؤتھ افریکن نیشنل کانگریس اور انڈین نیشنل کانگریس کی سرکردگی میں جنوبی افریقہ کی فاسسٹ سفید فام اقلیتی حکومت کے خلاف مہم تیز

سے تیز تر ہوتی رہی۔ بے شمار لوگ گولی کا نشانہ بنے۔ ہزاروں جیل میں بند کردیے گئے اور بہت سے لوگوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔ جنوبی افریقہ کو مجلس اقوام متحدہ، کامن ویلتھ اور دنیا کی تقریباً سب ہی کھیلوں کی تنظیموں اور تہذیبی اداروں سے نکال دیا گیا۔ معاشی بائی کاٹ کی بھی کئی تجویزیں منظور ہوئیں لیکن وہ موثر اس لیے نہ ہو سکیں کہ مغربی طاقتوں نے ان پر عمل نہیں کیا اور وہ جنوبی افریقہ کو برابر فوجی مدد دیتے رہے اور معاشی اور تجارتی تعلقات قائم کیے رہے۔

ملک میں رنگ و نسل کی تفریق کے خلاف جد وجہد مسلسل جاری رہی۔

1990 میں نیلسن منڈیلا کو رہا کر دیا گیا۔ مارچ 1992 میں، گو کہ رائے دہندہ سفید فام تھے، انھوں نے نسلی برابری کا اصول آئینی طور پر منظور کرلیا۔ لیکن عملاً ایسا نہیں ہوا۔ اور جد وجہد برابر جاری رہی۔ بالآخر اب پہلی بار منتخب ہو کر ایک غیر سفید فام شخصیت نیلسن منڈیلا جنوبی افریقہ کا صدر بن سکا ہے۔

جمہوریہ ڈومی نیکن ری پبلک (Dominican Republic)

(Dominican Republic): یہ غرب الہند میں جزیرہ ہسپانیولا (Hispaniola) کا ایک حصہ ہے۔ اس جزیرہ کے دو تہائی حصہ پر جمہوریہ ڈومی نیکن واقع ہے اور ایک تہائی حصہ پر جمہوریہ ہیتی (Haiti)۔ اس کے شمال میں بحر اوقیانوس اور جنوب میں بحیرہ کیریبین (Caribbean) پھیلے ہوئے ہیں اس کا رقبہ 48,734 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 7,321,000 ہے۔ ان میں سے 63 فیصدی مخلوط نسل کے، 16 فیصدی سفید فام اور 11 فیصدی نیگرو ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر سانتو ڈومنگو ہے۔ زبان ہسپانوی ہے اور مذہب عام طور پر رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔ یہودی اور پروٹسٹنٹ عیسائی بھی معمولی اقلیت میں ہیں۔

اس جمہوریہ میں مغرب سے مشرق کی طرف تقریباً چار متوازی پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ شمال کی وادیوں میں آبادی کا بڑا حصہ رہتا ہے اور یہیں سب سے زیادہ زرعی پیداوار کا مرکز ہے۔ جنوبی علاقے میں پہاڑ کم ہیں اور کافی وسیع ساحل ہے۔ آب و ہوا سال بھر معتدل رہتی ہے۔ معیشت کی بنیاد زراعت پر ہے اور اس میں گنے کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ملک کا تقریباً نصف زرمبادلہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ صنعتیں بھی زیادہ تر شکر سازی سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ چاول، مکئی، کساوا اور مونگ پھلی وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔

درآمدات اور برآمدات کا تقریباً ستر فیصدی امریکہ سے متعلق ہے۔ رائج سکہ پیسو ہے۔

1989 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 1,032,055 طالب علم اور 21,850 استاد ہیں، ثانوی مدارس میں 463,511 طالب علم اور صنعتی تربیتی اداروں میں 21,156 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 123,748 طالب علم ہیں۔

تاریخ: یوروپی باشندوں نے امریکہ کے جن علاقوں میں آباد کاری شروع کی ان میں ڈومی نیکن ری پبلک سب سے پرانا ہے۔ کولمبس کے بھائی بارتولوے (Bartolome) نے 1496 میں یہاں قدم جمائے۔ اس وقت اس کا نام ہسپانیولا (Hispaniola) یا لا اسپانولا (La Aspanola) رکھا گیا تھا۔ اس کا پتہ لگنے کے بعد ہسپانوی یہاں آکر بسنے لگے۔ مقامی آبادی کو ختم کرنے لگے اور اپنی مدد کے لیے افریقہ سے نیگرو غلام درآمد کرتے رہے۔ 1821 میں ہسپانوی حکومت نے اس پر اپنا اقتدار ختم کر دیا اور اسے جمہوریہ بنا دیا گیا۔ موجودہ جمہوریہ 1844 میں ہیتی (Haiti) سے الگ ہو گیا اور ڈومی نیکن ری پبلک کا نام اختیار کرلیا۔

1916 میں امریکہ نے اس پر قبضہ کرلیا اور 1923 تک یہاں امریکی فوجوں کی حکمرانی رہی۔ 1924 میں ایک معاہدہ کے تحت امریکی فوجیں چلی گئیں اور یہاں ایک جمہوریہ قائم کی گئی۔ لیکن ملک کی معاشی حالت گرتی رہی۔ سیاسی بے چینی بڑھنے لگی۔ چنانچہ 1930 میں رائل ٹروجلو (Roal Trujillo) نے فوجی بغاوت ختم کر کے اقتدار حاصل کرلیا اور ڈکٹیٹر بن بیٹھا اور وہ اور اس کا خاندان اس ملک کی حکومت ایک خانگی ریاست کی طرح چلانے لگا۔ 1961 میں یہاں انقلاب برپا ہوا۔ ٹروجلو قتل کر دیا گیا اور اس کے خاندان کے تمام لوگ اور اس کے قریبی حامی سب ملک سے نکال دیے گئے اور ایک مرتبہ پھر جمہوری نظام قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ 1964 کے انتخاب میں نیا صدر چنا گیا لیکن 9 ماہ بعد ہی مسلح افواج کے لیڈروں نے بغاوت کر کے اس کا تختہ الٹ دیا اور ایک فوجی جنٹا (Junta)

نے اقتدار سنبھال لیا۔ اس جنتا کی نااہلی اور فرعونیت کے خلاف عام بغاوت ہو گئی اور اس کی رہ نمائی نوجوان فوجی افسروں نے کی۔ یہ بغاوت کامیاب ہو ہی رہی تھی کہ امریکہ نے ایک زبردست بحری فوج بھیج کر مداخلت اس بہانے سے کی کہ امریکیوں کی جانیں خطرے میں ہیں، اور اس طرح 'جنتا' حکومت کو بچالیا۔ ساری دنیا میں اور خاص طور پر جنوبی امریکہ میں امریکہ کی سخت مذمت کی گئی لیکن امریکی فوجیں متعین رہیں۔

جون 1966 میں نئے انتخابات ہوئے۔ ڈاکٹر جواکن بالاگیر (Dr. Joaquin Balaguer) صدر چنا گیا۔ اسے امریکیوں کی مدد اور تعاون حاصل تھا۔ 1971 میں وہ پھر صدر منتخب ہوا لیکن ملک کا نہ ہی کوئی مسئلہ حل ہوا اور نہ اندرونی تناؤ ختم ہو سکا۔

بالاگیر دوبارہ 1970 اور 1974 میں صدر منتخب ہوا۔ سیاسی ماحول بالکل خراب رہا اور بہت سے باشندے ریاست ہائے متحدہ اور پورٹوریکو ہجرت کر گئے۔ 1978 سے 1986 تک ڈیماکریٹک ریوولیوشنری پارٹی انتخابات جیتی۔ لیکن بڑھتی ہوئی قیمتیں اور گرانی نے پھر حالات بدلے اور بالاگیر 1986 میں اور پھر 1990 میں صدر منتخب ہو گیا۔

جمہوریہ متحدہ تنزانیہ (United Republic of Tanzania)

: مشرقی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے جو دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا رکن ہے۔ تنزانیا کے دو حصے ہیں: ایک قدیم ٹنگانایکا کا علاقہ جس کے شمال میں کینیا اور یوگانڈا اور جھیل وکٹوریہ، مغرب میں جھیل ٹنگانایکا، زائرے، برونڈی، اور رووانڈا اور جھیل ملاوی، جنوب میں موزمبیق، ملاوی اور زامبیا اور مشرق میں بحر ہند کا 720 کلومیٹر (450 میل) لمبا ساحل واقع ہے۔ دوسرا علاقہ زنجبار کا ہے جو ساحل سے قریب ہی ہے۔ یہ علاقہ جزائر زنجبار اور چند چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ 1964 میں ان دونوں علاقوں کے الحاق سے متحدہ تنزانیہ کی تشکیل ہوئی ہے۔

پورے جمہوریہ تنزانیہ کا رقبہ 945,087 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 28,359,000 ہے۔ 98.9 فیصدی آبادی افریقی ہے اور 0.7 فیصدی ہندوستانی، پاکستانی اور دوسرے ایشیائی باشندوں پر مشتمل ہے۔ تجارت اور معیشت کا کافی حصہ ایشیائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ زبان سواحلی اور انگریزی استعمال ہوتی ہے۔ آبادی کے 34.6 فیصدی لوگ پرانے افریقی عقائد کے پیرو ہیں۔ 30.6 فیصدی عیسائی اور 30.5 فی صدی مسلمان ہیں۔

تنزانیہ، افریقہ میں بلند پہاڑوں اور وسیع جھیلوں کے لیے مشہور ہے۔ سب سے بلند مقامات شمال مشرق میں واقع ہیں جو کسی زمانہ میں آتش فشاں تھے۔ کوہ کلی منجارو، جس کی اونچائی 6,010 میٹر (19,720 فٹ) ہے اور کوہ میرو جس کی اونچائی 3,048 میٹر (14,960 فٹ) ہے اسی علاقہ میں واقع ہیں۔ افریقہ کی بڑی بڑی جھیلیں بھی اس علاقہ میں ہیں۔ مثلاً جھیل وکٹوریہ کا جنوبی حصہ۔ جھیل ٹنگانایکا کا مشرقی حصہ اور جھیل ملاوی کا شمالی اور شمال مشرقی ساحل تنزانیا ہی سے ملتا ہے۔ تنزانیا کے جنگلوں میں بے شمار جانور مثلاً ہاتھی، مختلف قسم کے ہرن زیبرا، گینڈے وغیرہ غول کے غول گھومتے ملتے ہیں۔

یہاں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں کے طالب علموں کی تعداد 3,512,347 اور استادوں کی تعداد 98,174 تھی۔ ثانوی مدرسوں کے طالب علموں کی تعداد 183,109 اور استادوں کی تعداد 9,904 تھی۔ ملک کی واحد یونیورسٹی میں 3,327 طالب علم اور 1939 استاد تھے۔

تنزانوی شلنگ یہاں کا سکہ ہے۔

پیداوار: سیسل کی سب سے زیادہ پیداوار تنزانیہ میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کافی، کپاس، تمباکو، چائے، شکر، گیہوں، بارلی، کاجو اور مونگ پھلی وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ جس کا کافی حصہ برآمد کیا جاتا ہے۔ جنگلوں سے لکڑی بھی کافی برآمد کی جاتی ہے۔ تنزانیہ میں کچی دھاتوں کے کافی ذخیرے ہیں ٹن، نمک، تانبہ، سیسہ وغیرہ کی کان کنی کی جاتی ہے اور ہیرے اور سونے کی بھی کانیں ہیں، پیٹرول، سیمنٹ اور سوتی کپڑے وغیرہ کی صنعتیں ہیں۔ زرعی پیداوار، کانوں سے نکالا ہوا کچا مال اور خاص طور سے ہیرے برآمد کئے جاتے ہیں۔ کپڑا، استعمال کی دوسری چیزیں، مشینیں اور حمل و نقل کے وسائل درآمد کئے جاتے ہیں۔

حمل و نقل کے لیے ریلیں، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور خاص طور پر لاریاں استعمال ہوتی ہیں۔

تاریخ: عرب اپنے عروج کے دور میں زنجبار اور تنزانیہ بھی پہنچ گئے تھے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں اس علاقہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ عرب

یہاں سے بڑے پیمانے پر غلام اور زرعی پیداوار برآمد کرتے تھے۔ موجودہ دور میں پہلا برطانوی مہم جو (Explorer) برٹن یہاں 1856 میں داخل ہوا۔ 1884 میں کارل پیٹرز یہاں آیا اور مقامی سرداروں سے معاہدے کئے اور ٹنگانائیکا کو جرمن مقبوضہ بنانے کے لیے زمین ہموار کی۔ 1885 میں یہاں پہلا جرمن مقبوضہ قائم کیا گیا۔ 1889 اور 1905 میں افریقیوں نے اس کے خلاف بغاوت کی لیکن بے دردی کے ساتھ کچل دی گئی۔ بے شمار افریقی باشندے مارے گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران یہاں اتحادیوں اور جرمنوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ یوروپ میں جرمنوں کی شکست کے بعد ٹنگانائیکا کا پورا جرمن علاقہ انگریزوں کی تولیت (Moandate) میں دے دیا گیا اور وہ گویا انگریزوں کا مقبوضہ یا کالونی بن گیا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد بھی وہ انگریزوں کے قبضہ میں رہا البتہ اسے مجلس اقوام متحدہ کا وقف (Trust) بنادیا گیا۔ افریقہ کے دوسرے ملکوں کی طرح جب یہاں بھی آزادی کی تحریک تیز ہوئی تو ستمبر 1960 میں عام انتخاب کے بعد ایک "ذمہ دار" حکومت قائم ہوئی اور جولیس نریرے پہلے وزیر اعظم بنے۔ دسمبر 1962 میں یہ جمہوریہ بن گیا۔ اپریل 1964 میں زنجبار اور دوسرے جزیرے ٹنگانائیکا میں شامل ہوگئے اور جمہوریہ تنزانیا نے جنم لیا۔ جولیس نریرے صدر چنے گئے۔

افریقہ کے جنوبی علاقوں کی آزادی کی جدوجہد میں تنزانیہ نے ہمیشہ مدد کی ہے۔ غیر جانب داری اور سامراج کی مخالفت، تنزانیہ کی بیرونی پالیسی کی بنیاد رہی ہے۔ حکومت کی معاشی پالیسی، سوشلزم کی بنیاد پر تعمیر کی گئی ہے۔ تنزانیہ کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ہے۔

ایک زمانہ میں عرب، ہندوستان، چین اور بعد میں یوروپ تک سے اس کے تعلقات تھے۔ یہاں کی لکڑی سے تراشی ہوئی انسانی اور جانوروں کی شکلیں اور کھال کی بنی ہوئی چیزیں ساری دنیا میں مشہور ہیں۔

1970 کے دہے میں تنزانیہ اور یوگانڈا میں بار بار جھگڑے ہوتے رہے کیونکہ نیریرے یوگانڈا کے معزول شدہ صدر اوبوتے کے ہمدرد تھے۔

1973 میں نیریرے اور جنرل ایدی امین، جو یوگانڈا کے نئے صدر ریاست تھے، کے درمیان ایک معاہدہ ہوا کہ آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ 1978 میں یوگانڈا سے پھر جھگڑے شروع ہوگئے کیونکہ یوگانڈا نے تنزانیہ کے شمالی حصے کے تقریباً 1800 مربع کلومیٹر علاقے پر قبضہ کرلیا تھا۔ 1979 میں تنزانیہ نے یوگانڈا کے صدر مقام کمپالا پر قبضہ کرلیا اور ایدی امین کو معزول کردیا۔ لیکن تنزانیہ کی معیشت برابر خراب ہوتی چلی گئی۔ جھگڑے، جنگ، سیلاب اور خشک سالی کی وجہ سے قحط نے کاشتکاری اور زراعت کی پیداوار بہت کم کردی۔ 1983 میں کینیا، تنزانیہ اور یوگانڈا کے درمیان آپس میں بات چیت ہوئی، جس کے نتیجہ میں کینیا کی سرحد پر راستہ کھل گیا۔

1985 میں نیریرے نے استعفیٰ دے دیا اور علی حسن مینی صدر حکومت بنا۔ 1990 میں وہ دوبارہ صدر منتخب ہوگیا۔

جمہوریہ وسطی افریقہ (Central African Republic)

جمہوریہ وسطی افریقہ (Central African Republic): یہ وسطی افریقہ کا ایک ملک ہے جو پہلے فرانسیسی ایکویٹوریل افریقہ کا ایک حصہ تھا، اور اس کا نام اباگی شاری تھا۔ اس کے جنوب میں جمہوریہ کانگو اور زائرے، مشرق میں سوڈان، شمال میں چاڈ اور مغرب میں وفاقی جمہوریہ کیمرون واقع ہیں۔ یہ ایک سطح مرتفعائی ملک ہے۔ جنوب میں استوائی گھنے جنگل ہیں اور مشرقی علاقہ نیم ریگستان ہے۔ اس میں کئی دریا بہتے ہیں جن میں سب سے بڑے دریا اباگی اور شاری ہیں۔ اس جمہوریہ کا رقبہ 622,984 مربع کلومیٹر ہے اور 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 3,127,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر بنگوئی (بانگوئی) ہے جس کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے۔

سرکاری زبان فرانسیسی ہے لیکن بول چال میں مقامی بولیاں استعمال ہوتی ہیں۔ 60 فیصدی آبادی قدیم افریقی مذاہب کی پیرو ہے۔ عیسائی 35 فیصدی اور مسلمان 5 فیصدی ہیں۔

کاشت کاری کا رواج عام ہے۔ کافی بڑی مقدار میں روئی، کافی اور مونگ پھلی کی کاشت ہوتی ہے اور یہ برآمد کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانہ پر مچھلیاں اور مچھلیوں سے تیار کی ہوئی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ برآمدات کا 61 فیصدی پرتگال اور 35 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے۔ درآمدات کا 53 فیصدی پرتگال سے اور بقیہ انگلستان اور انگولا وغیرہ سے آتا ہے۔ ریلیں نہیں ہیں، لیکن 3 ہزار میل لمبی سڑکیں ہیں۔ حمل و نقل زیادہ تر دریاؤں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

رائج سکہ کیپ ورڈ اسکوڈو ہے جو پرتگال اسکوڈو کے برابر ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1989 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 323,661 طالب علم اور 3,581 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 49,147 اور پیشہ ورانہ مدرسوں میں 3,514 طالب علم تھے۔ 1991 میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 3,783 طلبا اور 139 اساتذہ تھے۔ یوروپی قوموں میں یہاں فرانسیسی سب سے پہلے 1887 میں آئے اور انھوں نے 1894 میں اسے ایک نوآبادی (کالونی) میں بدل دیا۔ 1906 میں اسے چاڈ کے ساتھ ملادیا گیا۔ 1910 میں اس کو فرانسیسی ایکویٹوریل افریقہ کا جزو بنالیا گیا۔ بعد میں چاڈ کو اس سے الگ کر کے ایک علیحدہ نوآبادی (کالونی) بنادی گئی۔ اس کا بہت بڑا علاقہ فرانسیسی آباد کاروں کے حوالے کردیا گیا۔ انھوں نے مقامی آبادی کو غلام بنا کر اس بڑے پیمانے پر لوٹ مچائی کہ یہاں 1928، 1935 اور 1946 میں زبردست بغاوتیں ہوئی جنھیں سخت ظلم اور تشدد کے ذریعہ دبادیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران آزاد فرانسیسی حکومت کو یہاں سے کافی مدد ملی اور 1950 میں یہاں کے لوگوں کو کچھ اختیارات مل گئے۔ 1958 کے بعد یہ فرنچ کمیونٹی میں شامل ہوگیا اور سنٹرل افریقن ری پبلک بن گیا۔ 13 اگست 1960 کو اسے مکمل آزادی حاصل ہوئی۔ ڈیوڈ ڈیکو اس کے پہلے صدر چنے گئے۔ فرانس نے اپنی بعض پرانی نوآبادیات پر مشتمل جو معاشی ٹکنیکل اور کلچرل یونینیں بنائی ہیں، یہ ریپبلک ان کی ممبر ہے۔ دوسرے ممبروں کی طرح اس پر بھی فرانس کا معاشی اور سیاسی اثر کافی حد تک موجود ہے۔ 8 ستمبر 1976 کو صدر بوکاسا نے 30 ممبروں کی ایک انقلابی کونسل قائم کی اور گزشتہ حکومت کو برخواست کردیا۔ اس سے پہلے بھی وہ زندگی بھر کے لیے صدر مملکت اور ملک کی واحد پارٹی کا صدر تھا۔ دسمبر 1976 میں بوکاسا نے اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام قبول کرلیا اور الدین احمد اپنا نام رکھا۔ اپنے ملک میں دستوری بادشاہت قائم کرنے کا اعلان کیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ 3 فروری 1976 کو ہوائی دستہ کے ایک اسکویڈرن کے کمانڈر رفڈل اورڈو نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ کچھ لوگ اس وقت مارے گئے اور اورڈو اور اس کے آٹھ ساتھیوں کو موت کی سزا دی گئی۔

1979 میں بوکاسو کو برطرف کردیا گیا۔ 1981 میں ڈیکو دوبارہ صدر منتخب ہوگیا۔ 1986 کے آئین کے مطابق کولنگبا صدر، فوج کا کمانڈر اور ملک کی واحد تسلیم شدہ سیاسی پارٹی کا لیڈر تھا۔

1991 میں قومی اسمبلی نے آئین میں ترمیم کر کے بہت سی پارٹیوں کو تسلیم کرلیا۔

جنگ فرا (Jungfaraw): سوئٹزرلینڈ (وسطی یورپ) کا مشہور پہاڑ ہے جو 13,642 فٹ بلند ہے۔ اس پہاڑ کی دو چوٹیاں ہیں۔ ایک کی بلندی 14,022 فٹ اور دوسرے کی 13,763 فٹ ہے۔ اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے ریل کی پٹریاں ڈالی گئی ہیں جو یورپ میں سب سے اونچی ریلوے لائن ہے۔

جنگل کا حیاتیہ: جنگل کے حیاتیہ سے مراد، حیوانات کی وہ تمام اقسام ہیں جو پالتو نہیں ہوتیں۔ حالیہ عرصہ میں اس اصطلاح کے مفہوم کو وسعت دے کر اس میں نباتیات، حیوانیات اور ارضی شکلیاتی مظاہر کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ عام طور پر اس سے مراد، صرف حیوانات کی اقلیم ہے خصوصاً پستانیے، گرگٹ، چھپکلی، سانپ، مگرمچھ وغیرہ جن کے جسم میں عمود فقری وغیرہ ہوتے ہیں۔

آج کل دنیا میں جانوروں کی 1,000,000 سے زیادہ انواع پائی جاتی ہیں۔ ان میں پستانیوں کی 2,000 سے زیادہ، پرندوں کی 8,500 سے زیادہ اور ہوام کی 2,000 سے زائد انواع ملتی ہیں۔

ذیل میں دنیا کے چند مشہور جانوروں کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہ مختلف گروپس (گروہوں) کی نمائندگی کرتے ہیں نیز ان علاقوں کو بھی بتلایا گیا ہے جہاں وہ پائے جاتے ہیں۔

چھلے جیسی دم کے لیمور (Lemure) (ملایشیا)، سلولورس (Slow Loris) (ہندوستان)، مارموسیٹ (Marmoset) (برازیل)، بھورا کاپوچن (Capuchin)، بندر (گویانا، برازیل، کولمبیا)، جیفرے کا عنکبوتی بندر (Geoffroys spider mokey) (وسطی امریکہ)، مقدس بوزینہ (Baboon) (مشرقی افریقہ)، مینڈرل (Mandrill) (مغربی افریقہ)، گواریزا بندر (Guereza monkey) (مشرقی اور وسطی افریقہ)، ڈائنا بندر (Diana monkey) (مغربی افریقہ)، ریسس میکاکی (Rhesus) (ہندوستان)، لنگور (ہندوستان)، سونڈ والے بندر (بورنیو)، لارگبن (Lar Gibbon) (جنوب مشرقی ایشیا)، اورنگوتان (Orangutan) (بورنیو، ساترا)، چمپانزی (وسطی اور مغربی افریقہ)، گوریلا (وسطی افریقہ)، دیوہیکل مجور (جنوبی امریکہ)، پنگولن

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

(ہندوستان اور افریقہ)، اود بلاؤ (شمالی امریکہ، یورپ)، ہندوستانی بڑی گلہری (ہندوستان)، ہندوستانی کلغی دار خارپشت (ہندوستان)، کیپی بارس (Capybars) (جنوبی امریکہ)، اگاؤٹی (Agouti) (جنوبی امریکہ)، عام ڈالفن مچھلی (دنیا بھر کے سمندروں میں)، وہیل مچھلی (ساری دنیا میں)۔

بھیڑیا (یورپ، ایشیا اور شمالی امریکہ)، لومڑی (شمالی امریکہ، یورپ، ایشیا اور شمالی افریقہ)، جنگلی کتا (وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا)، کیپ ہنٹنگ کتا (Cape Hunting Dog) (مشرقی اور جنوبی افریقہ)، لکیروں والا (جنوبی ایشیا اور شمالی مشرقی افریقہ)۔

سیاہ ریچھ (وسطی اور مشرقی ایشیا)، بھورا ریچھ (یورپ، شمالی اور وسطی ایشیا، شمالی امریکہ)، قطبی ریچھ (قطب شمالی کے علاقے)، سورج ریچھ (Sun bear) (جنوب مشرقی ایشیا)۔

ریکون (Racoon) (شمالی امریکہ)، سرخ پانڈا (Panda) (ہمالیہ)، دیو ہیکل پانڈا (Giant Panda) (چین، یورپ، ایشیا اور شمالی افریقہ)، ریٹل (Ratel) (افریقہ اور جنوبی ایشیا)، اوسی لاٹ (Ocelot) (وسطی اور جنوبی امریکہ)، پیوما (Puma) (شمالی اور جنوبی امریکہ)، ببر شیر (افریقہ اور ہندوستان)، شیر (ایشیا)، چیتا (افریقہ اور ایشیا)، جاگوار (Jaguar) (ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور وسطی جنوبی امریکہ)، چیتا (افریقہ اور مغربی ایشیا)۔

والرس (Walrus) (شمالی بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل)، سیل (Seal) (ساری دنیا میں)، سمندری ببر (بحر الکاہل)، ایشیائی ہاتھی (جنوب مشرقی ایشیا)، افریقی ہاتھی (استوائی افریقہ)۔

زیبرا (افریقہ)، ٹاپر (Tapir) (ملایا، جنوبی امریکہ)، رہائنوسیراس (Rhianacerous) (جنوبی مشرقی ایشیا، افریقہ)، سے دار خوک (افریقہ)۔

بے بی رساس (Babirussas) (جنوبی مشرقی ایشیا)، پیکاری (Peccary) (جنوبی اور وسطی امریکہ)، ہپوپوٹامس (Hippopotamus) (افریقہ)۔

لاما (جنوبی امریکہ)، اونٹ (شمالی افریقہ اور جنوب مغربی افریقہ)، زرافہ (افریقہ)۔

مشک ہرن (Musk Deer) (ایشیا)، منٹاجاک (Muntajac) (جنوب مشرقی ایشیا)، فیلو ہرن (Fallow deer) (جنوبی یوروپ اور جنوب مغربی ایشیا)، دھبوں والا ہرن یا دھبے دار ہرن (Spotted deer) (جنوبی ایشیا)، سانبھر (جنوب مشرقی ایشیا)، واپائٹ (Wapite) (شمالی امریکہ)، سرخ ہرن (یوروپ اور ایشیا)، میول (خچر) ہرن (Mule deer) (شمالی امریکہ)، پمپاس ہرن (Pampas deer) (جنوبی امریکہ)، موس (Moose) (شمالی یوروپ، شمالی ایشیا، شمالی امریکہ)۔

فراگ ہارن (Frog horn) (شمالی امریکہ)، کوڈو (Kudu) (افریقہ)، ایلانڈ (Eland) (افریقہ)، نیل گائے (ہندوستان)، گوار (گوڑ) (Guar) (جنوبی ایشیا)، بھینسہ (جنوب مشرقی ایشیا، جنوبی افریقہ)، امریکی ارنا بھینسا (شمالی امریکہ)، آبی سانبھر (Water buck) (افریقہ)، اورکس (Oryx) (افریقہ)، ہارٹ بیسٹ (Harte Beest) (افریقہ)، برنڈ لڈنو (Brindled Gnu) (افریقہ)۔ سیاہ سانبھر (Black buck) (جنوبی ایشیا)، امپالا (Impala) (افریقہ)، گورل (Goral) (ایشیا)، شیمائے (Chamois) (یورپ اور مشرقی ایشیا)، ہمالیائی فاہر (Himalyan Fahr) (ایشیا)، آئی بیکس (Ibex) (یورپ، ایشیا اور مشرقی افریقہ)، بڑے سینگ والا مینڈھا (شمالی مشرقی ایشیا اور شمالی امریکہ)۔

جنگلی جانوروں کا تحفظ (Wild Life Conservation): معقول انتظامات کی عدم موجودگی، قانونی کوتاہیاں، حفاظتی مسائل اور ماحولیاتی عدم توازن، بالعموم جنگلی جانوروں کی کسی مخصوص نوع یا ان کی انواع کی پوری تعداد میں کمی کا باعث ہوتے ہیں۔ جب کسی نوع کی آبادی اپنی مناسب حد سے کم ہو جاتی ہے تو اس نوع کا وجود خطرات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اگر اس صورت حال کا معقول اور بروقت تدارک نہ کیا جائے تو اس نوع کے معدوم ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عموماً ایسی صورت حال سے نپٹنے کے لیے تحفظ کے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ انواع اپنے ماحول میں رہ سکیں۔ ان طریقوں میں انواع اور ان کے ماحول کا مناسب تحفظ، زولوجیکل پارکس اور قومی پارکوں، ممنوعہ علاقوں یا سینکچوریوں (Sanctuaries)، جنگلی جانوروں کی پناہ گاہوں کا قیام وغیرہ شامل ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جنوب مشرقی ایشیا: اس میں میتمار، تھائی لینڈ، لاؤس، کمبوڈیا، شمالی و جنوبی ویت نام، سنگاپور، انڈونیشیا، جزائر فلپائن اور ملیشیا کے علاقے شامل ہیں۔

جنوبی افریقہ: یہ براعظم افریقہ کا انتہائی جنوبی علاقہ ہے۔ اس کی شمال مغربی سرحد پر نامیبیا، شمال میں بوتسوانا اور زمبابوے، مشرق میں موزمبیق اور سوازی لینڈ، جنوب و جنوب مشرق میں بحر ہند، جنوب مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔ لیسو تھو جنوبی افریقہ کے درمیانی حصہ میں واقع ہے۔

جنوبی امریکہ (South America): دنیا کے براعظموں میں چوتھا بڑا براعظم ہے۔ یہ °34 مغربی اور °82 مغربی طول البلد اور °13 شمالی اور °55 جنوبی عرض البلد کے درمیان واقع ہے۔ خط استوا براعظم کے شمالی حصّے سے گزرتا ہے۔ اس کا رقبہ 18,400,000 مربع کلو میٹر (6,879,000 مربع میل) ہے۔ دنیا کے خشکی کے علاقہ کا 13 فی صدی جنوبی امریکہ میں ہے۔ 1990 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 200,000,000 کے قریب تھی۔ قریبی جزائر کو ملا کر اس براعظم میں سولہ خود مختار اور آزاد ریاستیں ہیں۔ یہ براعظم راس پناما کے ذریعہ امریکہ سے ملا ہوا ہے۔ یہاں پہاڑوں میں سب سے بڑا سلسلہ کوہ اینڈیز (Andes) کا ہے جو شمال سے جنوب کی طرف 7,200 کلو میٹر (4,500 میل) تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مگدالینا (Magdalina) کولمبیا میں، آری نوکو (Orinoco) وینی زویلا میں، ساؤتھ فرانسکو (برازیل) اور ریو دالا پلاٹا (Rio dela Plata) (ارجنٹینا، برازیل، پیراگوے) سب سے بڑے دریا ہیں۔ مغربی ساحل پر بنجر ریگستان پھیلے ہوئے ہیں اور دوسری طرف بولیویا، ایکوے ڈور، پیرو اور گیانا میں سرسبز و شاداب گھنے جنگل موجود ہیں۔

پورے براعظم کی آب ہوا معتدل ہے۔ نہ سردی زیادہ ہوتی ہے اور نہ گرمی۔ جنگلوں میں کئی قسم کے بندر، پرندے، سانپ وغیرہ کافی ملتے ہیں۔ جہاں تک معدنیات کا تعلق ہے تیل کے کافی بڑے ذخیرے ہیں اور ان میں اکثر کا ابھی نکالنا باقی ہے۔ وینی زویلا میں بڑے پیمانے پر تیل نکالا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ارجنٹینا، کولمبیا، پیرو اور بولیویا وغیرہ میں بھی تیل کے بڑے ذخیروں کا پتہ چلا ہے۔ لوہے کی کچ دھات کے کافی بڑے ذخیرے ملے ہیں لیکن اچھے کوئلے کی بہت کمی ہے۔ کئی ریاستوں میں تانبہ بھی کافی ملا ہے۔ کئی ریاستوں میں باکسائٹ اور پلاٹینم، چاندی وغیرہ کے بھی ذخیرے پائے جاتے ہیں۔

جنوبی امریکہ کے باشندوں کی بہت بڑی اکثریت ساحلی علاقوں میں آباد ہے۔ پورے براعظم کے صرف پانچ فی صدی حصہ پر کاشت ہوتی ہے۔ 19 فی صدی حصہ چراگاہوں کے لیے مخصوص ہے۔ 47 فی صدی حصہ پر جنگلات ہیں۔ مختلف ممالک میں گنے، کافی، کوکو، روئی، گیہوں، مکئی، وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اور یہ برآمداتی تجارت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ چراگاہوں میں مویشیوں، بکریوں وغیرہ کی بڑے پیمانے پر پرورش کی جاتی ہے۔ گوشت، اون وغیرہ برآمد کئے جاتے ہیں۔

حال میں آثار قدیمہ کی جو کھدائی ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً بیس ہزار سال سے انسان یہاں آباد ہے۔ زراعت کا رواج تقریباً 600 ق.م. میں ہوا اور اس کے بعد زبردست سماجی اور تہذیبی ترقی ہوئی، گو یہ ترقی ہر جگہ یکساں نہیں تھی۔

جنوبی امریکہ کے قدیم انڈین باشندے سب کے سب منگول نسل کے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایشیا سے شمالی امریکہ کے راستے پہنچے۔ زبانوں کی بنیاد پر ان کی تقسیم اور درجہ بندی ابھی ابتدائی منزل میں ہے۔

کولمبس 1498 میں اپنے تیسرے بحری سفر کے دوران جب جنوبی امریکہ کے ساحل پر پہنچا تو یہاں پر مختلف انڈین قبیلے آباد تھے۔ اور وہ سماجی ارتقا کی مختلف منزلوں میں تھے۔ 1560 تک اسپین اس براعظم کے بڑے حصہ میں داخل ہو چکا تھا۔ اور مقامی آبادی کے بڑے حصہ کو اس نے زیر کر لیا۔ یہاں پر معدنیات کی کئی کانیں دریافت ہو چکی تھیں۔ ان کی بنیاد پر معاشی زندگی کو منظم کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسپین نے اپنا پورا انتظامی ڈھانچہ قائم کیا جو اٹھارویں صدی تک اسی طرح باقی رہا۔ اس نے رومن کیتھولک کلیسا بھی قائم کیا۔

اس زمانہ میں پرتگالیوں نے برازیل میں زراعت پر مبنی مقبوضے قائم کئے اور اس کے لیے افریقہ سے نیگرو پکڑ کر اور غلام بنا کر بڑے پیمانے پر یہاں لائے گئے۔ ان کی مدد سے ان علاقوں کو ترقی دی گئی۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں اس براعظم کے باقی علاقوں میں برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ داخل ہوئے۔ ہسپانوی مقبوضات نے 15 سال (25-1810) کی مسلسل اور سخت جدوجہد کے بعد آزادی حاصل کی۔ برازیل 23-1822 میں بغیر کسی وقت کے پرتگال سے الگ

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

196

ہو گیا اور اپنی ایک سلطنت قائم کی جو 1889 تک قائم رہی۔

سیاسی آزادی حاصل ہونے کے بعد تقریباً سو سال تک صرف مالدار محدود طبقہ ہی مزے لوٹتا رہا۔ پہلی عالم گیر جنگ کے بعد سے حالات بدلنے لگے اس لیے کہ اب ایک درمیانی طبقہ اور مزدور طبقہ پیدا ہو چکا تھا اور اسے سیاسی ڈھانچہ میں جگہ دینی پڑی۔ معاشی طور پر بھی صنعتیں وغیرہ قائم ہونے لگیں۔ جنوبی امریکہ کے اکثر ملکوں میں ایک چھوٹا طبقہ، بہت مالدار ہے اور بقیہ آبادی بہت غریب ہے۔ اس لیے ان سب ملکوں میں اسی سماجی اونچ نیچ کو ختم کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد چل رہی ہے اور اسی وجہ سے آئے دن "انقلاب" آتے رہتے ہیں۔

جنوبی ایشیا: ہمالیہ کے جنوب میں یہ ایشیا کا ذیلی براعظم ہے جس میں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال، سکم اور بھوٹان کے علاقے شامل ہیں۔

جنوبی یورپ: یہ اٹلی اور سسلی، کارسیکا، سارڈینیا، بلارک اور مالٹا پر مشتمل ہے۔

جنوبی کوریا یا جمہوریہ کوریا (Republic of Korea):
جنوبی کوریا یا جمہوریہ کوریا کی تشکیل کا رسمی اعلان 15 اگست 1948 کو کیا گیا۔ اس کا رقبہ 99,016 مربع کلومیٹر (38,022 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 43,268,000 ہے۔ اس کا صدر مقام سیئول ہے۔ سینگ من ری اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ تقسیم کے بعد اس علاقے کو جو روایتی طور پر زرعی ہے کئی معاشی مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ محدود وسائل اور بجلی کی قلت کی وجہ سے یہاں صنعتیں قائم کرنے کی کوششیں زیادہ بار آور ثابت نہیں ہوئیں۔ ملک کی معیشت کا سارا دارومدار بیرونی امداد اور خاص طور سے اقوام متحدہ اور امریکہ کی امداد پر رہا۔ بار بار کے افراط زر، تجارتی غیر توازن اور حد سے بڑھتی ہوئی بیروزگاری نے یہاں کی معیشت پر برے اثرات ڈالے۔ یہاں کی زیادہ تر صنعت چھوٹے کارخانوں اور دستکاری پر مشتمل ہے، جن کی پیداوار صرف مقامی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔

نتیجتاً یہاں جب سیاسی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا تو سنگ من ری کی آمرانہ حکومت اور پالیسیوں کے خلاف عوام کی آواز اٹھنے لگی۔ 1960 میں جب سنگ من ری چوتھی معیاد کے لیے صدر منتخب ہوئے تو ان کے مخالفین نے بڑے شدید احتجاجی مظاہرے کئے۔ طلبا کی جدوجہد نے اس احتجاجی اثر کو سارے ملک میں پھیلا دیا۔ بالآخر حکومت کو شکست تسلیم کرنی پڑی اور سنگ من ری نے استعفیٰ دے دیا اور ملک سے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد دستوری ترمیمات کے ذریعے ایک دوسری جمہوریہ قائم کی گئی۔ لیکن 1961 میں مسلح افواج نے بغاوت کی اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

جنوبی کوریا کی برآمدات کا 23 فیصدی سلا ہوا کپڑا، 13 فیصدی سوتی دھاگہ، 7 فیصدی مچھلی ہے۔ سیاحت سے کافی آمدنی ہوتی ہے۔

برآمدات کا 32 فیصدی امریکہ کو، 23 فیصدی جاپان کو اور کچھ جرمنی کو جاتا ہے۔ درآمدات کا 35 فیصدی جاپان سے، 22 فیصدی امریکہ سے اور آٹھ آٹھ فیصدی سعودی عرب اور کویت سے آتا ہے۔

1992 کے اعداد و شمار کے مطابق جنوبی کوریا میں ابتدائی مدرسوں میں 4,560,128 طالب علم اور 138,945 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 4,484,422 طالب علم اور حرفی مدرسوں میں 835,598 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1,761,775 طالب علم تھے۔

جینوآ (Genoa): یہ اٹلی کا اہم بندرگاہ بحیرۂ روم کے کنارے واقع ہے۔ وسطی یورپ کا گویا باب داخلہ ہے۔ اس بندرگاہ سے بہت زیادہ مسافر آتے اور جاتے ہیں۔ اور تجارتی سامان لایا اور لے جایا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑا صنعتی شہر ہے۔ یہاں جہاز سازی، موٹر کار اور طیارہ سازی کے کارخانے ہیں۔ ان کے علاوہ کاغذ بنایا جاتا ہے اور کیمیائی اشیا تیار کی جاتی ہیں نیز فولاد، تیل اور کوئلہ صاف کرنے کے کارخانے ہیں۔

جینوآ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ رومن سلطنت کے دور میں اس نے کافی ترقی کی تھی۔ دسویں صدی کے قریب یہ ایک آزاد ریاست کا مرکز بن گیا اور کئی حکومتوں کے خلاف لڑائیوں میں فتح حاصل کی۔ صلیبی جنگوں کے دوران یہاں کافی دولت اکٹھا ہوئی۔ ایک بڑا تجارتی اور مالیاتی شہر بن گیا اور اس کا اثر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

یورپ میں دور دور تک پھیلا۔ سنہ 1805 میں نپولین نے اس پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ بعد میں یہ اٹلی کا حصہ بن گیا۔ یہاں کئی قدیم گرجا گھر، عجائب گھر اور ایک یونیورسٹی واقع ہیں۔ کولمبس جیسے جہاز راں اور پگنینی جیسے ماہر موسیقی کو اس شہر نے جنم دیا تھا۔

جوان ڈیاز ڈسولس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جوڑ یا شگاف (Joints): حجرات میں ایسے بھی خلل پڑ جاتے ہیں جن کی وجہ سے حجر میں کوئی خاص حرکت پذیری واقع نہیں ہوتی۔ ایسے خلل کو ساختیاتی ارضیات میں جوڑ یا شگاف (Joints) کہا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف گسل یا فولڈ ایسے خلل ہیں جن کی وجہ سے حجرات کے مختلف حصے یا بلاک حرکت پذیر ہو کر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔

جوڑ یا شگاف ابتدائی بھی ہوتے ہیں اور ثانوی بھی۔ ابتدائی (Primary) جوڑ یا شگاف عام طور پر آتشی حجرات کے میگما کے ٹھنڈے ہونے سے بنتے ہیں جن کو انجمادی جوڑ (Cooling or Shrinkage Joints) بھی کہا جاتا ہے۔ بعض ایسے بھی شگاف ہیں جو ثانوی مرحلے میں گسل یا فولڈ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان کو ٹکٹانک جوڑ یا شگاف (Tectonic Joints) کہا جاتا ہے۔ ثانوی جوڑ یا شگاف محض حجر میں تناؤ کی وجہ سے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے جوڑ یا شگاف کو تناؤ شگاف (Tension Joints) کہا جاتا ہے۔

ان کے جوڑوں یا شگافوں کا حجر کی لمبائی اور چوڑائی کے اعتبار سے بھی نام دیا جاتا ہے۔

جوڑوں یا شگافوں کے مطالعوں سے، حجرات کے ساختیاتی ارتقا پر روشنی پڑتی ہے۔

جوگ فال: کرناٹک کے مغربی گھاٹ کے سہادری خطے میں جو آبشار ہیں ان میں سب سے مشہور جوگ کا آبشار ہے۔ دلکش جوگ فال ضلع شموگا میں واقع ہے۔ اس کا شمار دنیا کے مشہور آبشاروں میں ہوتا ہے۔ یہاں دریائے شراوتی کا پانی 300 میٹر کی اونچائی سے نیچے گرتا ہے۔ اس کے پانی کو روک کر شراوتی پراجکٹ اور مہاتما گاندھی ہائیڈرو الکٹرک ورکس کی تعمیر کی گئی ہے جس سے ریاست کو بڑے پیمانے پر برقی قوت حاصل ہوتی ہے۔

جولیس پیٹر: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جوناگڑھ: مغربی ہندوستان میں کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کے اطراف میں غلہ، روئی اور تمباکو کی کاشت ہوتی ہے اور مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ جوناگڑھ کے معنی قدیم قلعہ کے ہیں۔ اپر کوٹ جوناگڑھ کا قدیم قلعہ ہے۔ سنہ 1350 سے سنہ 1592 تک کئی بار حملہ آوروں کا نشانہ بنتا رہا۔ اس میں داخل ہونے کے لیے محراب دار پھاٹک بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بالائی میدان میں مہاتما بدھ کے غار ہیں اور اپر کوٹ سے گرنار جاتے وقت واگیشوری کا مشہور مندر ملتا ہے۔ اس سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر مہاراجا اشوک کے دور کی پالی بھاشا میں لکھی ہوئی مہاتما بدھ کی تعلیمات ملتی ہیں، جو لاٹوں پر کندہ کی ہوئی ہیں۔ یہ 250 قبل مسیح کی ہیں۔ اس کے علاوہ اس تاریخی شہر میں رودر دمن اور اسکند گپتا کی 150 عیسوی اور 450 عیسوی کی تحریریں بھی ملتی ہیں۔ اپر کوٹ کا قلعہ قرون وسطیٰ کی تہذیب کی یاد تازہ کرتا ہے۔ یہاں کے دو کنویں آدی اور کادی جو دو لڑکیوں کے نام سے مشہور ہیں، قابل دید ہیں۔ یہاں ایک کالج بھی ہے۔

وسط اٹھارہویں صدی میں شیر خان نامی ایک شخص نے یہ علاقہ مغلوں سے چھین کر یہاں ایک آزاد ریاست قائم کی۔ بعد میں اسے انگریزوں کی حمایت حاصل ہو گئی اور پھر دوسری ریاستوں کی طرح یہ ریاست بھی انگریزوں کی ماتحتی میں آگئی۔ آزادی کے بعد یہاں کے نواب اور ان کا خاندان پاکستان چلا گیا اور یہ انڈین یونین میں شریک ہو گئی۔ 1961 میں یہ ریاست صوبہ گجرات میں ضم ہو گئی۔ شہر کی آبادی 1991 میں 167,110 تھی۔ یہاں کے شہرۂ آفاق "گیر جنگل" میں ببر شیر ملتے ہیں۔ اس جنگل کے 1,515 مربع کلومیٹر رقبہ میں 177 ببر شیر ہیں۔

جھلسانے والی تپش: گریفتھ ٹیلر نے فضائی کیفیتوں کی درجہ بندی کے ضمن میں چالیس فی صدی سے کم رطوبت اضافی رکھنے والی فضا میں 60° فارن ہیٹ سے زیادہ درجہ حرارت کو جھلسانے والی تپش بتایا ہے۔

جھیل: خشکی سے گھرا ہوا وسیع نشیبی علاقہ جو پانی سے بھر جاتا ہے جھیل کہلاتا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔ غیر معمولی وسعت کی جھیلوں کو اندرونی بحیرے کہا جاتا ہے۔ جیسے بحیرۂ کیسپین اور بحیرۂ ارل، وغیرہ۔ جھیلوں کے نشیبی حصے کئی طرح سے بنتے ہیں۔ (1) ہوا کے عمل فرسودگی کے باعث جیسے شمالی افریقہ کے شاٹس۔ (2) گلیشیائی عمل تخریب کے نتیجہ میں جیسے کینیڈا اور اسکاٹ لینڈ کی انگشت نما جھیلوں کے نشیب۔ (3) چٹانی مادوں کی تہ شکنی کے نتیجہ میں جیسے چشمی جھیلیں۔ (4) قشر ارض کی حرکات کے باعث جیسے مشرقی افریقہ کی دھنسی ہوئی وادی کی جھیلیں۔ (5) آتش فشانی کے نتیجہ میں جیسے مردہ آتش فشاؤں کی کاسئی جھیلیں۔

آتش فشاں خاموش یا مردہ ہو جائیں تو ان کے قدیم دہانوں میں، جو کاسے کہلاتے ہیں، پانی جمع ہو کر جھیلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر کاسہ دھنس جائے تو گہرا اگن نما حصہ سلامی دار ڈھال کی چٹانوں سے گھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ پانی سے بھر جائے تو عمیق جھیل ظہور میں آتی ہے۔ آتش فشاں مردہ نہ ہوا ہو تو عمیق جھیل کے درمیان ایک یا کئی کاسے بھی موجود رہتے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی 14 میل لمبی اور 10 میل چوڑی ایسو نامی عمیق جھیل میں (جو جاپان میں واقع ہے، آج بھی آتش فشانی ہوتی رہتی ہے۔ شمالی امریکہ کی ایک ایسی ہی کریٹر لیک میں آتش فشانی مخروطہ نے ایک چھوٹے سے جزیرہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

جھیل میں داخل ہونے والے پانی کی مقدار بھاپ میں تبدیل ہونے والے پانی کی مقدار سے زیادہ رہتی ہے۔ ساتھ ہی کسی ندی یا نالہ کے ذریعہ جمع شدہ پانی کا کچھ حصہ خارج بھی ہوتا رہتا ہے۔ نتیجتاً پانی میٹھا رہتا ہے۔ کم بارش اور زیادہ تبخیر کے علاقہ میں جھیل سے پانی باہر کی طرف نہیں بہتا۔ داخل ہونے والے تمام دریاؤں یا ندیوں کا لایا ہوا نمک جھیل ہی میں جمع ہوتا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں آبی شوریت بہت بڑھ جاتی ہے۔ ایسی جھیل کے کناروں پر نمک کی پپڑیاں سی جم جاتی ہے۔ بحیرۂ مردار اس کی اچھی مثال ہے۔

جھیل جنیوا: وسطی یورپ کی سب سے بڑی جھیل ہے جو سوئٹزر لینڈ کے جنوب مغرب اور فرانس کے مشرق میں واقع ہے۔ اس جھیل کا مجموعی رقبہ 225 مربع میل ہے جس میں سے تقریباً 134 مربع میل سوئٹزر لینڈ میں اور تقریباً 90 مربع میل فرانس میں ہے۔ دریائے رھون اس جھیل کی تشکیل میں حصہ لیتا ہے جو اس کے مشرقی کنارے سے داخل ہوتا ہے اور شمال سے خارج ہو کر جنیوا سے ہوتا ہوا گزر جاتا ہے۔ جنیوا جھیل کی اہم معاون ندیاں جنوب میں ڈرانس اور شمال میں وینو گو ہیں۔ اس کی انتہائی گہرائی 1,017 فٹ ہے جبکہ اوسط گہرائی 500 فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ چوڑائی 5 میل سے لے کر 8.5 میں ہے۔ جھیل کے پانی کا رنگ غیر معمولی طور پر نیلا ہے۔ موسم گرما میں اس جھیل کے پانی کی سطح کافی بلند ہو جاتی ہے۔

جھیل چلکا: یہ جھیل ہندوستان کی سب سے بڑی میٹھے پانی کی جھیل ہے، جو ریاست اڑیسہ میں ضلع پوری (Puri) کے جنوبی حصہ میں واقع ہے۔ اس جھیل کی لمبائی 72 کلو میٹر اور چوڑائی 16 کلو میٹر ہے۔ موسمی تبدیلیوں کے ساتھ اس کے سائز میں بھی کمی اور بیشی ہوتی رہتی ہے۔ بارش کے موسم میں اس جھیل کا رقبہ بڑھ کر 1,165 مربع کلو میٹر ہو جاتا ہے۔ یہ ایک تنگ کھاڑی کے ذریعہ سمندر سے ملی ہوئی ہے۔ موسم سرما میں یہ بطخ اور مرغابی کے شکار کا مرکز بن جاتی ہے۔

جھیل سپیریر (Superior): ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کی شمال مشرقی سرحدوں کے درمیان واقع پانچ عظیم جھیلوں یا گریٹ لیکس (Great Lakes) میں سے ایک ہے جو رقبہ میں سب سے بڑی ہے۔ دنیا کی تازہ پانی کی جھیلوں میں بلحاظ رقبہ پہلے نمبر پر ہے۔ اس جھیل کی لمبائی 383 میل اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 160 میل ہے۔ انتہائی گہرائی 1,290 فٹ اور کل رقبہ 31,820 مربع میل ہے۔ سطح سمندر سے یہ جھیل 731 فٹ نیچی ہے۔ جنوب مشرقی کنارے پر دریائے میریس (Marys) اور جھیل ہیورن (Huron) کا پانی اس کے پانی میں شامل ہو جاتا ہے۔ بحر اوقیانوس تک اس جھیل سے ہو کر جہاز آسانی سے آ جا سکتے ہیں۔ اس سے سیراب ہونے والے طاس کا رقبہ جھیل کے رقبہ کو چھوڑ کر 48,180 مربع میل ہے۔ اس کے اطراف ساحل پر کئی اچھے بندرگاہ واقع ہیں۔

جھیل ہیورن (Huron): شمالی امریکہ کی پانچ عظیم جھیلوں (Great Lakes) میں سے ایک ہیورن جھیل ہے۔ رقبہ میں جھیل سپیریر کے بعد یہ دوسرے نمبر پر ہے۔ شمال اور مشرق میں کینیڈا کی ریاست اونٹاریو (Ontario) کی سرحدیں اس سے ملی ہوئی ہیں۔ جنوب اور جنوب مغرب میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی شمالی سرحد اس کے درمیان سے گزرتی ہے۔ یہ جھیل تقریباً 260 میل لمبی ہے۔ انتہائی گہرائی 770 فٹ ہے۔ اس کا مجموعی رقبہ 32,000 مربع میل ہے۔ سطح کی بلندی 580 فٹ ہے۔ دریائے میکنزی (Mackenzie) اس کو جھیل

مشگن (مچگن) (Michigan) کے ساتھ، دریائے سینٹ کلیر (St. Clair) جھیل سپیریر کے ساتھ اور دریائے ڈیٹرائٹ جھیل ایری کے ساتھ ملاتے ہیں۔

جھیلی فصیل: یہ جھیل یا خلیج کے حاشیہ کے اطراف پتھروں کا دیوار نما جماؤ ہے۔ اس طرح کا منظر موسم سرما میں شدید تفاوت حرارت رکھنے والے علاقوں میں دکھائی دیتا ہے۔ وہاں سردیانی پر جمی ہوئی برف کی موٹی تہ کا بالائی حصہ فضائی درجہ حرارت کے تغیرات سے متاثر ہو کر پھیلتا سکڑتا رہتا ہے۔ پہلوؤں کی طرف پھیلتے وقت اس کے ساتھ چٹانی ٹکڑے بھی اطراف کے خشکی کے علاقہ پر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ عمل مسلسل ہوتا رہے تو پتھروں کی ایک دیوار سی تعمیر ہو جاتی ہے۔

جیبوتی (French Territory of (Djibouti) Afars & Issas): جیبوتی کا اولین نام فرانسیسی صومالی لینڈ تھا پھر یہ فرانسیسی 'افارس اور اساس' کہلایا۔ اب اسی کا نام جمہوریہ جیبوتی ہے جو 1990 میں آزاد جمہوریہ بن گیا۔ یہ خلیج عدن میں ایتھوپیا اور جمہوریۂ صومالیہ کے درمیان واقع ہے۔ رقبہ 23,200 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے تخمینہ کے مطابق 530,000 ہے۔ صدر مقام اور بندرگاہ جیبوتی ہے جس کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے۔ اس ملک کا اکثر علاقہ پتھریلا ریگستانی ہے۔ کہیں کہیں سطح مرتفع اور اونچے علاقے ہیں۔ آب و ہوا عموماً گرم اور خشک رہتی ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ صومالی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ کچھ دوسرے قبائل کے لوگ بھی یہاں رہتے ہیں۔ معاشی طور پر یہ ملک نہایت پس ماندہ ہے۔ مویشی پالے جاتے ہیں اور ان کی کھالیں برآمد کی جاتی ہیں۔ بڑا حصہ فرانس جاتا ہے۔ عسکری لحاظ سے اسے بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کی مدد سے خلیج عدن اور بحیرہ قلزم (احمر یا سرخ) کے درمیان کے علاقہ پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

فرانسیسی سب سے پہلے یہاں 1862 میں آئے اور اس کی عسکری اہمیت کو دیکھتے ہوئے 1896 میں اسے اپنی نو آبادی (کالونی) بنا لیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے فرانس نے اسے اندرونی اختیارات دینے شروع کیے اور آخر کار سخت جدو جہد کے بعد 1990 میں اسے آزادی مل گئی۔

جیسور: بنگلہ دیش میں ضلع کھلنا کے شمال میں جیسور شکر کی صنعت کا ایک اہم علاقہ ہے، جہاں شکر سازی کے کئی کارخانے ہیں۔

جیکب لیمیرا: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جیکی کارٹیر: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جیمس بروس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جیمس کک: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جیمس کلارک راس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جے پور: یہ ریاست راجستھان کا صدر مقام اور ہندوستان کا گلابی شہر (پنک سٹی) کہلاتا ہے۔ یہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے شہروں کی ملکہ بھی کہلاتا ہے۔ یہ شہر کئی بلاکوں اور چھوٹی چھوٹی سڑکوں میں منقسم ہے اور اس کو گھیرے ہوئے ایک 20 فٹ اونچی اور 9 فٹ موٹی دیوار ہے۔ شہر میں داخل ہونے کے لیے آٹھ دروازے بنائے گئے ہیں جو گلابی رنگ کے ہیں یہاں عمارتوں کی تعمیر میں راجپوتی طرز تعمیر اور ایک ہی قسم کے رنگ کا خیال رکھا گیا ہے۔ جس سے اس شہر کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

اس شہر کے بانی مہاراجا سوائی جے سنگھ تھے، جنھوں نے سنہ 1727 میں اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ اس لیے انہی کے نام سے یہ شہر مشہور ہے۔ یہ شہر ویسٹرن ریلوے کا مرکز ہے اور خوبصورت میوزیموں کے لیے مشہور ہے۔ اس شہر سے 8 کلو میٹر کے فاصلے پر امبیر کی پہاڑی ہے جو امبیر پیلیس، قلعے، سورج مندر اور رصد گاہ کے لیے مشہور ہے۔ آبادی 1991 میں 1,518,235 تھی۔

جے کیب روگیواین: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جیسلمیر: جیسلمیر ریاست راجستھان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ ریاستوں کے انضمام سے پہلے یہ بھاٹی راجپوتوں کا صدر مقام تھا۔ اب یہ ضلع جیسلمیر کا صدر مقام ہے۔ اس کے قلعے، محل اور مندر زرد پتھر کے بنے ہوئے ہیں جس سے اس علاقہ کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حال ہی میں اس علاقہ کو پوکھران سے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بذریعہ ریلوے لائن ملا دیا گیا ہے۔ جیسلمیر کے بانی راول جیسل تھے جنھوں نے سنہ 1156 میں اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ شہر ایک کم بلند پہاڑی کے سرے پر واقع ہے اور پتھر کی دیوار سے محصور ہے۔ اس شہر میں داخل ہونے کے لیے دو بڑے دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہاں متعدد عمارتیں ہیں جو اعلیٰ نقش و نگار کے لیے شہرت رکھتی ہیں۔ چتوڑگڑھ کے بعد جیسلمیر ہی راجستھان کا قدیم قلعہ ہے۔ اس تاریخی شہر میں کئی عمارتیں بنی ہوئی ہیں جن کی چھتوں پر دھات کی چھتریاں بنی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے اندر تعمیر کردہ جین مندروں میں سنگ تراشی کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ یہاں ایک عظیم جین لائبریری بھی ہے جس میں انمول اور قدیم قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند بارہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔

جیمس ویڈل: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جے. ایچ. اسپیک: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جے. بی. سی. بانٹ ڈلوزیر: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

جے. سی. ایس. سی. ڈیومنٹ ڈ، یوری ویلی: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

چ

چاڈ (شاڈ) (Chad): چاڈ وسطی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے جنوب میں جمہوریہ وسطی افریقی، مشرق میں سوڈان، شمال میں لیبیا اور مغرب میں نائجر اور نائجیریا واقع ہیں۔ رقبہ 1284 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد وشمار کے مطابق 5,819,000 ہے۔ اس کے شمالی علاقہ کی اکثریت عرب، فلائی، ہاؤسا اور وادیانی مسلمانوں کی ہے۔ جنوب میں بنٹو لوگ آباد ہیں۔ جو زیادہ تر قدیم افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔ تھوڑے سے عیسائی بھی ہیں۔ مسلمان کل آبادی کے 52 فیصدی اور افریقی مذاہب کے پیرو 43 فیصدی ہیں۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام نجامینا(N'dgamena) ہے۔ یہاں ایک بڑی جھیل چاڈ ہے جس کے نام پر اس ملک کا نام رکھا گیا ہے۔ سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ جنوبی چاڈ میں گھنے جنگل ہیں جن میں مختلف اقسام کے جانوروں کی کثرت ہے۔ شمال کا علاقہ ریگستانی ہے جو صحارا سے جا ملتا ہے۔

زراعت اور مویشیوں کی پرورش عام پیشے ہیں۔ چاول اور کھجور پیدا ہوتی ہے اور ہاتھی دانت، چمڑے اور شتر مرغ کے پر بھی جمع کئے جاتے ہیں۔ روئی اور مویشی برآمد کئے جاتے ہیں۔ سوڈیم، ٹنگسٹن اور دوسری معدنیات کے خزانے ہیں۔ صرف سوڈیم نکالا جاتا اور درآمد کیا جاتا ہے۔ برآمدات زیادہ تر نائجیریا، کانگو وغیرہ کو جاتی ہیں اور درآمدات فرانس اور نائجیریا سے آتی ہیں۔

رائج سکہ فرانک ہے۔ 1991 کے اعداد وشمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 591,417 طالب علم اور 9,238 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 58,570 طالب علم اور پیشہ ورانہ تعلیم کے اداروں میں 2,802 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں طلبا کی تعداد 1988 میں 2,983 تھی۔

حمل و نقل اور وسائل کی کمی معاشی ترقی کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

عرب تاجر اس علاقہ میں ساتویں صدی میں آئے۔ عرب مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ عرب حملہ سے وڈائی اور باگیرمی نیگرو سلطنتیں کمزور پڑیں۔ کچھ لوگوں نے اسلام بھی قبول کیا۔ برطانوی مہم جو سب سے پہلے 1822 میں آئے۔ فرانسیسی 1890 میں پہنچے۔ 1900 میں انھوں نے رباح انوئی کو شکست دی۔ یہ اس علاقہ کا آخری فرمان روا تھا جس نے بیرونی حملہ کی مزاحمت کی۔ 1913 میں فرانسیسیوں نے اسے اپنی کالونی بنالیا۔ اگرچہ یہ فرانسیسی ایکویٹوریل افریقہ کا ایک جزو تھا لیکن اس پر فوجی حکمرانی رہی۔ بعد میں انتظامی طور پر اسے ابانگی شاری کے علاقے میں ملادیا گیا۔ 1920 میں اسے دوبارہ علیحدہ حیثیت دے دی گئی۔ 1958 میں چاڈ فرنچ کمیونٹی کا جزو بن گیا۔ 11 اگست 1960 میں اسے آزادی مل گئی اور فرانسوا ٹومبل بے اس کا پہلا صدر اور وزیر اعظم بنا۔ چاڈ فرانس کی قائم کی ہوئی تمام معاشی، تہذیبی اور سیاسی تنظیموں کا ممبر ہے اور اس کے اثر میں ہے۔ نئی حکومت نے آہستہ آہستہ ہر قسم کی آزادیاں ختم کردیں اور ایک طرح کا پولیس راج قائم کرلیا۔ چنانچہ پندرہ سال کی حکومت کے بعد 13 اپریل 1975 کو ٹومبل بے معزول کرکے قتل کردیا گیا اور بریگیڈیر نوئیل اوڈ نگار کی سرکردگی میں فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔ ملوم جسے پچھلی حکومت نے قید کردیا تھا اب آزاد ہوگیا اور اگست میں اسے وزیر اعظم بنادیا گیا۔ اگرچہ اس نے پولیس کا ظلم و تشدد ختم کردیا اور قومی اتحاد کی اپیل کی لیکن قومی محاذ آزادی نے، جس کا شمال کے بڑے حصہ پر قبضہ تھا، اسے تسلیم نہیں کیا اور جدوجہد جاری رہی۔ وہ اور اس کے حامی سوشلسٹ نظام قائم کرنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔

1987 میں ملک کی فوجوں نے شمالی علاقہ سے لیبیا کی فوجوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ 1989 میں چاڈ اور لیبیا کے درمیان سفارتی تعلقات بہتر ہوگئے۔

1990 میں ادریس دیبی نے موجودہ حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور خود حاکم

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بن کر دعویٰ کیا کہ وہ ملک میں جمہوری طرز کو ترقی دے گا اور نیا آئین بنانے اور انتخابات کرانے کا بھی اعلان کیا گیا۔

چاڈ جھیل: وسطی افریقہ کی بڑی جھیلوں میں سے ایک جھیل چاڈ ہے جو صحرائے اعظم کی جنوبی سرحد پر ایک عمیق نشیب میں واقع ہے۔ یہ دس ہزار مربع میل کے رقبہ پر محیط ہے۔ یہ جھیل اتھلی ہے اور کہیں بھی زیادہ گہری نہیں ہے۔ صرف 3 فٹ سے 15 فٹ تک اس کی گہرائی کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ جہاں کہیں پانی گہرا ہے وہاں کشتی رانی کے لیے کار آمد ہے۔ جنوب سے دریائے چاری اس میں آکر گرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی نہریں بھی اس میں اپنا پانی لاکر ڈالتی ہیں۔ پانی کی نکاسی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مگر شدت حرارت سے گرمیوں کے موسم میں اس کا بہت سا پانی عمل تبخیر سے اڑکر ہوا میں ملتا رہتا ہے۔

چار رخی تشاکل: جب قلم کو ایک محور پر چار دفعہ اور ہر دفعہ 90 درجے پر گھمایا جاتا ہے تو 360 درجوں تک گھمانے پر اصلی ابتدائی شکل یا رخ کے مماثل شکل چار دفعہ سامنے آتی ہے جب یہ صورت ہوتی ہے تو اس کو چار رخی تشاکل کہا جاتا ہے۔ اس کی عمدہ مثال روٹائیل (Rutile) ہے۔

چارنوکائٹ (Charnockite): ایک موٹے دانے دار مگر تمام تر قلمائی ہوئی بافت (Coarse grained texture) والا حجر جس میں عام طور پر کوارٹز (Quartz)، فیلسپار (Felspar) اور ہائپر سھتین (Hypersthene) جمادات ہوتے ہیں۔ اس کا نام کلکتہ شہر کے بانی چارنوک (Charnock) کے نام پر رکھا گیا ہے جس کا سنگ مزار اسی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس جماداتی ترکیب کا حجر ہندوستان میں ہی جنوبی ہند کے ماقبل کمبرین چٹانوں میں دریافت ہوا مگر بعد میں اس ترکیب اور خواص کے حامل حجرات کئی ملکوں میں بھی پائے گئے ہیں اور ان سب کو چارنوکائٹ کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے جمادات حیرت انگیز طور پر تازہ (Fresh) یا غیر تبدیل شدہ اور شمولوں (Inclusions) سے آزاد ہوتے ہیں۔ ان میں ہائپر سھتین جماد کی موجودگی انتہائی ضروری ہے۔

چارلس ڈارون اور آر۔ اے۔ ڈیلی کے نظریے: دیکھیے "مرجانی حلقہ"۔

چام راج ساگر: کرناٹک میں بنگلور سے 35.4 کلو میٹر کے فاصلے پر یہ ذخیرہ آب بنایا گیا ہے۔

چاند پور: بنگلہ دیش کا یہ شہر جنوب میں میگھنا ندی کے دہانہ پر واقع ہے یہاں پٹ سن (جوٹ) کی کاشت کی جاتی ہے۔

چاندا: مہاراشٹر ریاست میں تحصیل اور ضلع ہے۔ ناگپور سے 85 میل جنوب میں واقع ہے۔ یہ مقام ریشمی کپڑوں کی صنعت اور خوشنما سلیپر (جوتے) بنانے کے لیے مشہور ہے۔

چترال: یہ پاکستان میں صوبہ سرحد کے شمال مغربی جانب واقع ہے۔ اس کے مغربی جانب افغانستان ہے۔ اس علاقہ میں اینٹی منی (سرمہ) کے بڑے بڑے ذخائر دستیاب ہوئے ہیں۔ لیکن حمل و نقل کی دشواریوں کے سبب ان کانوں سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کیا جاسکا۔

چترنجن: مغربی بنگال کا یہ مقام ریلوے انجن بنانے کے کارخانوں کے لیے مشہور ہے۔ چونکہ ریلوے، ملک کے نقل و حمل کا سب سے اہم وسیلہ ہے، اس لیے ہندوستان کے ریلوے نظام کو بڑی تعداد میں انجنوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ زمانہ سابق میں ریلوے انجن مملکت متحدہ برطانیہ، جرمنی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، اور کینیڈا سے فراہم کیے جاتے تھے۔ اس لیے مانگ کو پورا کرنے کے لیے حکومت ہند نے سنہ 1950 میں ریاست مغربی بنگال کے ضلع بردوان میں چترنجن کے مقام پر انجن بنانے کا ایک کارخانہ قائم کیا جو چترنجن لوکوموٹیو ورکس کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کلکتہ کے قریب مشرقی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ اس کارخانے میں 6,000 سے زائد لوگ کام کرتے ہیں۔

چتوڑ گڑھ: ریاست راجستھان (ہندوستان) میں قلعہ چتوڑ، اجمیر۔ کھنڈوا ریلوے لائن پر، چتوڑ جنکشن سے تین کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس قلعہ کا بانی چترانگ موریہ نامی راجا تھا جس نے چوتھی صدی عیسوی میں اس کی تعمیر کروائی تھی۔ یہ قلعہ سطح سمندر سے 560 میٹر کی بلندی پر ایک پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ گردو پیش کے میدانی علاقے سے یہ 175 میٹر کی اونچائی پر واقع ہے۔ چونکہ چتوڑ کی پہاڑی ہموار ہے لہذا اس پر کئی محلات، مندر، تالاب، کنویں اور پریڈ گراونڈ بنائے گئے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

قلعہ تک پہنچنے کے لیے نو بڑے دروازے ہیں جن کو مہارانا کمبھا نے بنوایا تھا۔ قلعہ کے اندر واقع خاص عمارتیں پدمنی محل، سورج مندر، جے مل اور پتا کا محل اور جین مندر ہیں۔ قلعہ چتوڑ کی فتح کی لاٹ بہت مشہور ہے۔اس کو 1468 میں مہارانا کمبھا نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ راجستھان کے فن تعمیر کی عظمت کا نادر نمونہ ہے۔

چٹاگانگ: بنگلہ دیش کا یہ اہم اور سب سے بڑا قدرتی بندرگاہ ہے۔ اسی نام کے ضلع اور ڈویزن کا انتظامی مستقر ہے۔ کرنا پھولی ندی کے دہانے کے ٹھیک شمال میں واقع ہے جس پر بند ھ باندھ کر بہت بڑا بجلی گھر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ ریلوں اور سڑکوں کا مرکز ہے۔ یہاں سے پٹ سن اور چائے بڑی مقدار میں برآمد کی جاتی ہے۔ آزادی کے بعد سے کئی کارخانے قائم ہو گئے ہیں۔ 1972 میں اس کی آبادی 488,300 تھی۔

چٹاگانگ ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ یہ ایک زمانہ میں ایک ہندو سلطنت کا حصہ تھا۔ پھر نویں صدی عیسوی میں اراکان کے بدھ راجا نے اس پر قبضہ کر لیا۔ تیرہویں صدی میں پہلی مرتبہ یہ سلطنت مغلیہ کا حصہ بنا۔ سولہویں صدی میں یہ ہاتھ سے نکل گیا لیکن سترہویں صدی میں مغلوں نے اسے پھر اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ سنہ 1760 میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ سنہ 1947 میں یہ مشرقی پاکستان کا حصہ بنا۔ 1971 میں ایک آزاد جمہوریہ بنگلہ دیش بن گیا۔ یہاں پر ہندو اور بدھ حکمرانوں کے دور کے منادر اور دوسری عمارتیں اور مغل فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے ابھی تک موجود ہیں۔ اب یہاں کئی تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔

چٹانوں کی موسمی فرسودگی (Rock Weathering):

زمین کی سطح پر چٹانوں کی حالت میں وقت کے ساتھ ساتھ تغیر ہوتا رہتا ہے۔ یہ تغیر پانی اور ہوا کے اثرات، موسم میں تبدیلی، درجہ حرارت میں فرق اور اسی طرح کے دوسرے وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے۔ چٹانوں کے اپنے ہی مقام پر رہتے ہوئے ان کی ہیئت میں جو تبدیلی ہوتی ہے اسے چٹانوں کی موسمی فرسودگی کہتے ہیں۔ موسمی فرسودگی سے چٹانیں مسلسل کمزور ہوتی جاتی ہیں یا ٹوٹتی رہتی ہیں۔ یہ موسمی فرسودگی دو طرح سے عمل میں آتی ہے۔ (1) میکانی موسمی فرسودگی (Mechanical Weathering)۔ (2) کیمیائی موسمی فرسوددگی (Chemical Weathering)۔

پہلے عمل میں طبیعیاتی طریقوں سے چٹانیں کمزور ہوتی ہیں اور ان کے اجزا کی کیمیائی حالت میں کوئی فرق نہیں آتا جبکہ دوسرے عمل میں کیمیائی تبدیلی خاص اہمیت رکھتی ہے۔

(1) میکانی موسمی فرسودگی: یہ موسمی فرسودگی خاص طور سے درجہ حرارت کے فرق کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دن کی گرمی میں چٹانوں کی اوپری سطح گرم ہو جاتی ہے جبکہ اندرونی حصہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ گرمی کی وجہ سے چٹانوں کے اوپری حصہ کا حجم بڑھ جاتا ہے اور اوپری پرت چھلکے کی شکل میں الگ ہو جاتی ہے جس کو ورق کشائی (Ex-foliation) کہتے ہیں۔ اس قسم کی ورق کشائی کی مثالیں گرم علاقوں میں گرینائٹ چٹانوں میں عام طور سے ملتی ہے۔ اسی طرح جب گرم چٹان پر بارش کا پانی پڑتا ہے اور وہ ایک دم سے ٹھنڈی ہوتی ہے تو اس کے اوپری حصہ میں چٹخن پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ چھوٹے ٹکڑوں میں ٹوٹ جاتی ہے۔ چونکہ چٹانیں مختلف رنگ اور ماہیت کے سنگریزوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں حرارت کی قوت جاذبیت مختلف ہوتی ہے اس لیے حرارت کے فرق کے اعتبار سے یہ جمادی اجزا مختلف مقدار میں بڑھتے یا سکڑتے ہیں اور سنگین چٹانیں عرصہ گزرنے پر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ٹوٹتی رہتی ہیں۔

درجہ حرارت کے علاوہ پانی بھی چٹانوں کی موسمی فرسودگی کا باعث ہوتا ہے۔ بعض چٹانیں خصوصاً ملائم پرت دار چٹانوں میں ان کی پرتوں کے درمیان جب پانی کا گذر ہوتا ہے تو بھیگ کر یہ چٹانیں مزید ملائم ہو جاتی ہیں اور کمزور پڑ جاتی ہیں۔ یہ عمل دراصل اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جو پانی چٹانوں کی دراڑوں، شگافوں یا جمادی اجزا کے درمیانی حصوں میں پہنچتا ہے اس کی سطح پر ایک تناؤ (Surface Tension) پیدا ہوتا ہے۔ اگر چٹانوں کے اجزا کا بندشی مادہ کمزور ہے یا پانی میں گھل سکتا ہے تو یہ اجزا ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور چٹانیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

سرد علاقوں میں جب بارش کا پانی چٹانوں کی دراڑوں میں داخل ہو جاتا ہے اور رات میں جم جاتا ہے تو منجمد ہونے کی وجہ سے برف کا حجم پانی کے حجم سے بڑھ جاتا ہے اور دراریں اور چوڑی ہو جاتی ہیں۔ عرصہ گذرنے پر اس طرح سے دراڑ کے مقام سے چٹانیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اسی طرح بعض علاقوں میں سمندر کا نمکین پانی جب چٹانوں کی دراڑوں میں داخل ہوتا ہے اور نمک کے قلم ان دراڑوں میں بنتے ہیں تو دراڑیں اور پھیل جاتی ہیں۔

نباتات اور حیوانات بھی میکانی موسمی فرسودگی میں مددگار ہوتے ہیں۔ ملائم چٹانوں میں کیڑے مکوڑے اور چھوٹے جانور سوراخ بناتے رہتے ہیں اور سخت

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

چٹانوں کی دراڑوں میں پیڑوں کی جڑیں چلی جاتی ہیں۔ جیسے جیسے یہ جڑیں بڑھتی ہیں یا پھیلتی جاتی ہیں۔ دراڑیں بھی بڑھتی جاتی ہیں اور چٹانیں کمزور ہوتی جاتی ہیں۔

(2) کیمیائی موسمی فرسودگی: چٹانیں ایک یا مختلف جمادات کے ذروں یا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان جمادات کی کیمیائی ترکیب بھی مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی بھی جماد کیمیائی اعتبار سے پائیدار نہیں ہوتا ہے۔ ہوا میں موجود بخارات اور مختلف گیسوں کی وجہ سے ان کی کیمیائی ترکیب میں تبدیلی آجاتی ہے۔ حالات کے حساب سے یہ تبدیلی مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً زبرجد یا اولیوین (Olivine) میں کیمیائی تبدیلی دوسری جمادات کے مقابلہ میں جلد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مائل شگاف بلور یا پلاجیوکلیز (Plajioclase)، اگائیٹ (Augite)، ہارن بلینڈ (Hornblends)، ابرک (Mica) وغیرہ آتے ہیں۔ کوارٹز (Quartz) نسبتاً بہت پائیدار ہوتا ہے اسی وجہ سے ریت کے ذرات میں کوارٹز کی بہتات ہوتی ہے۔ تاہم کوارٹز بھی پانی میں کسی قدر تحلیل ہو جاتا ہے اور نمکین پانی میں نسبتاً زیادہ تحلیل ہوتا ہے۔

جس طرح نمک پانی میں آسانی سے گھل جاتا ہے اسی طرح سے نمک کی چٹانیں بارش یا سیلابی پانی سے بہت جلد گھل کر کٹ جاتی ہیں۔ پانی میں عموماً کچھ گیس گھلی ہوتی ہیں جیسے آکسیجن یا کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ۔ جن کی وجہ سے پانی میں ہلکا تیزابی اثر خصوصاً کاربولک تیزاب (Carbolic Acid) کا اثر ہوتا ہے۔ اس تیزابی اثر کی وجہ سے چونا پتھر آہستہ آہستہ گھلتے رہتے ہیں۔ چونا پتھر جس کی کیمیائی ترکیب میں کیلشیم کاربونیٹ ہوتا ہے جب پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اثر میں آتا ہے تو کاربن بائی کاربونیٹ بنتا ہے جو کہ پانی میں گھل جاتا ہے

$$CaCO_2 + H_20 + C_20 = Ca(HCO_3)_2$$

اسی طرح وہ چٹانیں جن کے ذرات آپس میں کیلشیم کاربونیٹ کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں، جب ایسے پانی کے اثر میں آتی ہیں تو کیلشیم کاربونیٹ کا مسالہ گھل جاتا ہے اور یہ الگ ہو جاتے ہیں اور چٹانیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ بعض جمادات پانی میں موجود ہائیڈروجن اور آکسیجن کو لے کر اپنی کیمیائی ترکیب میں شامل کر لیتے ہیں جس کو ہائیڈریشن کہتے ہیں۔ جیسے اینی ہائیڈرائیٹ یعنی کیلشیم سلفیٹ میں تبدیل ہو کر جپسم (Gypsum) بن جاتا ہے۔

$$CaS0_4 + 2H_2O = CaSO.\ 2H_20$$

لوہے میں زنگ بھی اسی اصول کے تحت لگتا ہے۔ لوہے کا عنصر بیشتر چٹانوں میں کسی نہ کسی جماد کی شکل میں ضرور موجود ہوتا ہے۔ یہ چٹانیں جب پانی اور ہوا کے اثر میں آتی ہیں تو کیمیائی موسمی فرسودگی کی وجہ سے لوہے کے ہائیڈرو آکسائیڈ بن جاتے ہیں جو چٹان کی اوپری سطح پر زرد یا سرخ رنگ کی مٹی کی شکل میں بدل جاتے ہیں۔ (لیونائیٹ یا $2Fe_2O_3+3H_2O = 2Fe_2O_33H_2O$) ایلومنیم کی کچدھات باکسائیٹ (Bauxite) اور لیٹرائٹ بھی ان ہی طریقوں سے بنتے ہیں۔

چٹانوں کی موسمی فرسودگی میں چٹانوں کے عناصر کی کچدھاتی ترکیب اور وہاں کے موسم کا بہت اثر ہوتا ہے۔ مثلاً خط استوا کے شمالی اور جنوبی منطقائی علاقوں میں جہاں گرمی شدت سے پڑتی ہے اور بارش بھی خوب ہوتی ہے، موسمی فرسودگی سرد علاقوں کی نسبت زیادہ تیزی سے ہوتی ہے۔ گرم وتر علاقوں میں کچدھاتوں کے ہائیڈریشن کے ساتھ ساتھ کاربونیشن کا عمل بھی موسمی فرسودگی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسے جماد آرتھوکلیز (Orthoclase) جو کہ بعض چٹانوں خصوصاً گرینائیٹ کا خاص جز ہوتا ہے موسمی فرسودگی کے ذریعہ چکنی مٹی کیولین (Kaoline) اور سلیکا میں بدل جاتا ہے اور اس عمل میں جو پوٹاشیم آکسائیڈ بنتا ہے وہ پانی میں گھل کر نکل جاتا ہے اور صرف مٹی اور کوارٹز کے ذرے رہ جاتے ہیں۔ ان گرم علاقوں میں نباتات بھی بہت ہوتی ہیں جن کے سڑنے کے بعد ایک قسم کا ہلکا تیزاب نباتاتی تیزاب (Humid Acid) بنتا ہے جس کی موجودگی سے موسمی فرسودگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ بعض چھوٹے کیڑے مکوڑے بھی چٹانوں کی موسمی فرسودگی کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ کیڑے پتھروں کو چاٹتے رہتے ہیں اور ان میں موجود لوہے کے جزو کو نکال کر پتھر کی سطح پر جمع کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے بھی چٹانیں کمزور ہو جاتی ہیں اور ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔

چرٹ (Chert): باریک قلمی (Crystocrystalline) سلیکا (Silica) جو نامیاتی یا غیر نامیاتی (Inorganic) ہو سکتا ہے، چرٹ کہلاتا ہے۔ یہ رسوبی جماد میں گرہ دار پتھروں (Nodules) کی صورت میں یا باقاعدہ پرتوں کے طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ جماد ابتدائی (Primary) بھی ہو سکتی ہے یعنی براہ راست سمندر میں ترسیب شدہ (Precipitated) ہو سکتی ہے جیسے ارضی ہم میلان (Geosyncline) میں اور اس صورت میں اس میں ریڈیولیریا (Radiolaria) نامی پروٹوزوا

(Protozoa) جاندار کافی مقدا میں ملتے ہیں۔ ثانوی (Secondary) صورت میں یہ تبدیلی مقام (Replacement) کی وجہ سے ہو سکتی ہے یعنی دوسرے مادوں خاص طور پر چونا پتھریا لائم اسٹون (Lime Stone) وغیرہ کی سلیکا (Silica) کے ذریعے تبدیلی (Replacement) کی وجہ سے چرٹ کی شکستگی (Fracture) ہموار ہوتی ہے اور فلنٹ (Flint) کی مدور شکستگی سے مختلف ہوتی ہے۔

چرخی ڈائگرام: اسے پائی ڈائگرام بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں مختلف چیزوں کے اعداد و شمار کو ایک دائرہ کے مرکز پر مختلف متصل زاویوں سے دکھادیا جاتا ہے۔ جن چیزوں کی تقسیم دکھانی ہو ان سب کے اعداد و شمار کو جوڑ لیا جاتا ہے۔ حاصل جمع کو 360 درجہ کے مساوی تصور کرنے کے بعد ہر چیز کی مقدار یا تعداد کو حسابی عمل سے جدا جدا زاویوں میں تحویل کر لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں کسی مناسب نصف قطر کا دائرہ بنا کر مرکز پر تمام چیزوں کی مقداروں یا تعدادوں کو دکھانے والے متصل زاویے بنا دیے جاتے ہیں۔ ایک ہی چیز کی مختلف ممالک کی یا مختلف زمانوں کی پیداوار در آمدات و بر آمدات یا آبادی وغیرہ کی تقسیم بھی اسی اصول سے دکھائی جا سکتی ہے۔ دائرہ کے تقسیم شدہ حصوں کو مختلف رنگ بھر کر جاذب نظر بنایا جا سکتا ہے۔

چشمہ: زمین پر ایسا مقام جہاں سے پانی قدرتی طور پر مسلسل یا رک رک کر نکلتا رہتا ہے۔ یہ مقام اس جگہ ہوتا ہے جہاں زمین کے اندر کے پانی کی سطح سے بیرونی سطح زمین منقطع ہوتی ہے۔ چشمہ کی موجودگی یا عدم موجودگی وضع زمین، چٹانوں کے طبقات کی ساخت اور متصل علاقہ میں پانی کے وجود یا عدم وجود پر موقوف ہوتی ہے۔ بعض چشمے دائمی، بعض عارضی اور بعض اتفاقی ہوتے ہیں۔ یہ کئی طرح تشکیل پاتے ہیں۔ کبھی مسامدار چٹانوں میں جذب ہونے والا برساتی یا دریائی پانی اندرون زمین غیر مسامدار چٹانوں پر جمع ہونے کے بعد افقی سمت میں کہیں راستہ نکال کر چشمہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح زمین کے گہرے شگافوں میں داخل ہونے والا پانی بھی اندرون زمین مختلف سمتوں میں جذب ہو کر پھیل جانے کے بعد کہیں نشیب میں نکاسی کا راستہ قائم کر کے چشمہ بنا دیتا ہے۔ کسی وادی کی سطح متصل علاقہ کے زمین دوز پانی کی سطح سے نیچی رہے تو کسی نہ کسی مقام سے پانی چشمہ بنا کر باہر نکلنے لگتا ہے۔

چکراتا: ہمالیہ کی ایک چوٹی ہے جو 6,880 فٹ بلند ہے۔ اتر پردیش میں دہرہ دون اور مسوری کی طرح سڑک کے ذریعہ سہارنپور سے کلسی سے ہوتے ہوئے چکراتا پہنچ سکتے ہیں۔

چلی (چیلے) (Chile): یہ جنوبی امریکہ کا ایک جمہوریہ ہے جو ایک پتلی پٹی سی ہے جو انڈیز اور بحر الکاہل کے درمیان سے جنوب کی طرف چلی گئی ہے۔ شمال سے جنوب تک کا علاقہ 4,208 کلومیٹر (2630 میل) لمبا ہے اور چوڑائی یا مشرق سے مغرب کا علاقہ کہیں 400 کلومیٹر (250 میل) سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے مشرق میں ارجنٹینا اور بولیویا اور شمال میں پیرو کی ریاستیں ہیں۔ مغرب اور جنوب میں بحر الکاہل پھیلا ہوا ہے۔ رقبہ 756,945 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 13,386,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر سینٹیاگو (Santiago) ہے۔ عام اور سرکاری زبان ہسپانوی ہے۔ اکثریت کا مذہب عیسائی رومن کیتھولک ہے۔ چلی میں تین نمایاں جغرافیائی علاقے ہیں۔ شمال میں سخت گرم ریگستان ہیں جن میں تانبے اور سوڈیم نائٹریٹ کے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ اس کے جنوب میں وسطی چلی میں ایک لمبی وادی ہے جو بہت خوبصورت ہے اور یہ گویا چلی کا مرکز ہے۔ یہی زراعت اور صنعت کا سب سے بڑا مرکز ہے اس لیے آبادی بھی سب سے زیادہ یہیں مرکوز ہے۔ جنوب کا علاقہ بنجر ہے بڑے غار اور گھنے جنگل ہیں۔ آبادی بہت کم ہے۔ چلی میں اکثر تباہ کن زلزلے آتے ہیں۔

چلی میں سب سے زیادہ پیداوار گیہوں کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو (بارلی) گنا، مکئی، اور اوٹس بھی پیدا ہوتے ہیں۔ سیب، انگور وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ گائیں، سور، بھیڑیں، مرغیاں وغیرہ گوشت کے لیے پالی جاتی ہیں۔ مچھلیاں بھی سمندر سے پکڑی جاتی ہیں۔ تھوڑی قدرتی گیس اور تیل نکلتا ہے۔ لوہے کی کچی دھات، کوئلہ، چاندی، تانبہ، سونا، مینگنیز وغیرہ کانوں سے نکالے جاتے ہیں۔ کچے لوہے اور فولاد کی بھی صنعتیں واقع ہیں۔

رائج سکہ پیسو (Peso) ہے۔

در آمدات اور بر آمدات زیادہ تر امریکہ سے ہیں۔ اس کے علاوہ در آمدات ارجنٹینا، مغربی جرمنی، سعودی عرب وغیرہ سے آتی ہیں۔ اور بر آمدات جاپان، جرمنی، برطانیہ، ارجنٹینا، چین اور برازیل کو جاتی ہیں۔ کل بر آمدات کا 67 فیصدی نائٹریٹس ہیں۔

ابتدائی مدرسوں میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق طالب علموں کی تعداد 2,033,982 اور استادوں کی تعداد 81,742، ثانوی مدرسوں میں

699,455 طالب علم اور حرفی اداروں میں 262,563 طلبا، اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں، جن میں یونیورسٹیاں بھی شامل ہیں، 286,962 طالب علم تھے۔

تاریخ: سولھویں صدی عیسوی میں جب ہسپانیوں نے جنوبی امریکہ میں گھسنا اور نوآبادیاں قائم کرنا شروع کیا اس وقت چلی میں ایک مقامی نسل کے لوگ رہتے تھے جو ماپوچے (Mapuche) کہلاتے تھے۔ ان ہسپانیوں نے انھیں اروکانین (Araucanians) کا نام دیا۔ ہسپانیوں نے پورا چلی فتح کرلیا اور مقامی باشندوں کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں ڈھکیل دیا جسے آروکانیا کا نام دیا۔ کوہ انڈیز کے نچلے حصہ پر ان کا چھوٹا سا علاقہ اب بھی رہ گیا ہے اور یہ لوگ وہاں بسے ہوئے ہیں۔

1810 تک چلی پر ہسپانوی حکمرانی رہی اس کے بعد اس نے اسپین کے شاہی خاندان کی شہنشاہیت رد کردی اور 1818 میں پوری آزادی حاصل کرلی۔ اس کے بعد اسپین، بولیویا اور پیرو سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔

جدید چلی کی ابتدا 1925 سے ہوتی ہے جبکہ ملک کے لیے ایک نیا آئین بنا۔ تانبہ اور نائیٹریٹ کی کان کنی سے ایک مٹھی بھر طبقہ میں کافی خوش حالی آئی لیکن امیر اور غریب کا فرق برابر بڑھتا گیا اور کوئی مضبوط حکومت نہ بن سکی۔

1931 اور 1941 کے درمیان ملک کے دس صدر بنے جن میں پانچ تو پورے ایک سال بھی نہ رہ سکے۔ زراعت کی طرف سے عدم توجہی اور بڑھتی ہوئی غربت کی وجہ سے عوام میں بے چینی بڑھنے لگی۔ کیمونسٹ اور سوشلسٹ تحریکوں نے زبردست ترقی کی اور وہ پارلیامنٹ میں کافی بڑی تعداد میں چن کر آنے لگے۔ 1964 میں یہ توقع تھی کہ یہ دونوں پارٹیاں برسراقتدار آجائیں گی لیکن کرسچین ڈیماکریٹک پارٹی کے لیڈر فری صدر چنے گئے۔ انھوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ تانبہ اور نائیٹریٹ کی کان کنی کی صنعتوں کو امریکی اجارہ داروں کے ہاتھ سے لے کر قومی ملکیت بنالیا جائے گا۔ فری کی حکومت عوام کے مسائل حل نہیں کرسکی اور ان کی بے چینی برابر بڑھتی رہی۔ 1973 میں سوشلسٹ لیڈر آیاندے (Allende) کی سرکردگی میں سوشلسٹوں، کیمونسٹوں اور دوسری بائیں بازو کی پارٹیوں کی ایک متحدہ حکومت بنی۔ اس نے امریکی سرمائے کی بہت ساری کمپنیوں کو قومی ملکیت بنادیا اور بنیادی معاشی اصلاحات شروع کیں۔ ملک کے طاقتور اور مالدار طبقہ نے ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کرنی شروع کیں۔ جس میں انھیں باہر سے زبردست امداد ملی اور آخر کار فوج نے ستمبر 1973 میں آیاندے کی منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی راج قائم کردیا۔ چلی کے صدر کو قتل کردیا گیا ہزاروں دوسرے آدمی مارے گئے اور جیل میں بند کردیے گئے۔ انتہائی قسم کا فاشسٹ راج قائم کردیا گیا جسے دنیا کی زیادہ تر حکومتوں نے تسلیم نہیں کیا۔

1976 میں معیشت اور بھی زیادہ خراب ہوگئی۔ چلی کا تیسرا آئین مرتب کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ 1974 میں ہی پنوشے چلی کا لیڈر تسلیم کرلیا گیا اور صدر مملکت بن گیا۔ 1977 میں اس نے تمام سیاسی پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دیا اور تمام شہری حقوق تلف کردیے۔

1982 میں ملک کی کل آمدنی 14% کم ہوگئی۔ بے روزگاری اور مزدوروں میں بے چینی بڑھتی رہی۔ 1981 میں آئین نے 1989 میں انتخابات کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ اکتوبر 1988 میں انتخابات میں عام رائے پنوشے کے 1997 تک صدر بنے رہنے کے خلاف تھی۔ 1989 میں پٹیریشیو آلون ازوکار عام رائے سے صدر منتخب ہوا۔ جس کے دور میں چلی اپنی برآمدات اور تجارت کو بہتر بناسکا۔

چلی ارجنٹائن ریلوے: جنوبی امریکہ کی چلی ارجنٹائن ریلوے لائن، بیونس آئرس کو براہ منڈوزا اور لاس اینڈس، وال پریزو سے ملاتی ہے۔ درمیانی فاصلہ 900 میل ہے۔

چمبا: ہندوستان میں ہماچل پردیش کے اس مقام پر اچھے ڈیزائن کے بڑے بڑے کارچوبی رومال تیار کیے جاتے ہیں جو بطور شال استعمال میں آتے ہیں۔

چمبرازو (Chemborazo): جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل پر جو پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے، اس کی ایک شاخ ریاست ایکویڈور (Equadore) کے مغرب میں کوہ چمبرازو کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی چوٹی سطح سمندر سے 20,702 فٹ بلند ہے۔

چمبرلین، تھامس کراوڈر (Thomas Chrowder Chamberlin): ٹی. سی. چمبرلن امریکی ماہر ارضیات تھا جس کا جنم 1843 میں ہوا تھا۔ وہ ان اولین ماہرین ارضیات میں سے تھا جنھوں نے برفانی چادروں (Ice Sheets) کی پیش رفتی (Advance) اور پس رفتی (Retract) کے ذریعے پلائسٹو سین زمانہ (Pleistocene Epoch) کی عمر پیمائی (Dating) کی

کوشش کی۔ لوئیس (Loess) کے ارتقا پر بھی اس کی تحقیق حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ گرین لینڈ میں برف سے پوشیدہ حجرات میں اس نے ایسے رکاز یا باقیات (Fossils) کی دریافت کی جن سے یہ پتہ چلا کہ اس علاقے میں اس وقت گرم آب وہوا پائی جاتی تھی جب ان حجرات کی ذخیرگی (Deposition) عمل میں آئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کا کافی حصہ زمین کی ابتدا پر سوچ بچار میں گزارا اور آخر مولٹن (Monlton) کے ساتھ مل کر اپنا خود سیارچوں (Planestesimal) کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریہ کی رو سے سورج کے کسی حصے کے دھماکے کے ساتھ پھٹنے کے باعث ٹھوس اور گیس مادے سیاروں کے ریزوں کی صورت میں خلا میں منتشر ہو گئے۔ یہ ریزے باہمی کشش کی وجہ سے چند مراکز پر جمع ہو گئے۔ مادہ کی اس تکثیف کی وجہ سے قوت اور دباؤ بڑھ گیا جس نے متحرک اور ہلکے مادوں کو اپنی سطح کی طرف مزید کھینچا۔ جس سے زمین اور دوسرے سیارے وجود میں آئے ہیں۔ چیمبرلن نے 1926 میں وفات پائی۔

چمبل ندی: جمنا کی ایک معاون ندی ہے جو مالوا کے سطح مرتفع سے نکل کر اتر پردیش کے ضلع اٹاوا میں جمنا سے مل گئی ہے۔ راجستھان کا شہر رنتھمبور اس پر واقع ہے۔ راجستھان میں اس ندی پر کوٹا بندھ، اور مدھیہ پردیش میں گاندھی ساگر بندھ اور ایک بجلی گھر بنائے گئے ہیں، جن سے ان دونوں ریاستوں کو بجلی سپلائی ہوتی ہے۔ اس پر دوسرا اہم بندھ پرتاب ساگر ہے۔

چناب ندی: کشمیر کے لاہل پہاڑوں سے چندرا اور بھاگا، دو ندیاں نکلی ہیں۔ دونوں کی ملی ہوئی دھارا چناب کہلاتی ہے۔ یہ پنجاب اور ہماچل پردیش سے ہوتی ہوئی جموں و کشمیر اور پاکستان کو چلی گئی ہے جہاں جہلم اور پھر راوی سے اس کا سنگم ہوا ہے۔ زیریں چناب نہر سے لاکھوں ہیکٹر علاقہ سیراب ہوتا ہے۔

چنڈی گڑھ: چنڈی گڑھ ہندوستان کا جدید ترین شہر ہے جو پنجاب اور ہریانہ دونوں ریاستوں کا مشترکہ صدر مقام ہے۔ خود شہر مرکزی حکومت کے زیر انتظام ہے۔ یہ صنعتی شہر نہیں ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ تینوں حکومتوں کے دفتروں میں کام کرتا ہے۔ یہ ملک کا نہایت ہی صاف ستھرا شہر مانا جاتا ہے جو آج بھی آلودہ ماحول سے محفوظ ہے کیونکہ یہ ابھی بہت زیادہ آبادی کی زد میں نہیں آیا ہے۔ 1991 میں یہاں کی آبادی 642,015 تھی۔ اس شہر کا منصوبہ، خاص طور پر سکریٹریٹ کی عمارتوں، سائنس میوزیم اور آرٹ گیلری کے نقشوں کو فرانس کے مشہور ماہر فن تعمیر لا. کوربوزئے (Le Carbusier) نے تیار کیا تھا۔ یہاں کی خوبصورت بھورے رنگ کی کنکریٹ سے بنی ہوئی عمارتیں سب کو دعوت نظارہ دیتی ہیں۔

چنڈی گڑھ، خانگی باغوں اور پارکوں کا شہر ہے۔ یہاں کا پوسٹ گریجویٹ انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل ریسرچ، ایشیا بھر میں سب سے عمدہ اور معیاری انسٹیٹیوٹ مانا جاتا ہے۔

چیتی: ہماچل پردیش میں دریائے ستلج کے کنارے بلند پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے 9,085 فٹ ہے۔ لارڈ ڈلہوزی اور دوسرے انگریز افسروں کا بڑا پسندیدہ گرمائی مقام تھا۔

چواویو: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 26,750 فٹ بلند ہے۔

چوبی تختیاں: چوبی تختیاں (Wood based panels) تین قسم کی ہوتی ہیں۔ (1) پلائی ووڈ (Plywood)، (2) فائبر بورڈ (Fibre board) اور (3) پارٹیکل بورڈ (Particle board)۔ بلاک بورڈ (Block-board) کو پلائی ووڈ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ونیرس (Veneers) پلائی ووڈ سے جوڑنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

پلائی ووڈ مقدار کے اعتبار سے تمام چوبی تختیوں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی تیاری اور بناوٹ کا طریقہ یہ ہے کہ استرکاری کی لکڑی کی ایک یا زیادہ پرتیں یا تو خود استر کی پرت یا کسی ٹھوس لکڑی کی تختی کے دونوں جانب چپکا دی جاتی ہیں۔

متبادل پرتوں کے ریشے بالعموم ایک دوسرے سے زاویہ قائمہ بناتے ہیں اور ان کی نوعیت، موٹائی اور ان کے ریشے یا دانوں کی سمت بالعموم وسطی پرت کی دونوں جانب ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ اس قسم کے تختوں کی پائداری اور مضبوطی یکساں ہوتی ہے۔ اس طرح بڑی حد تک طول و عرض کی تبدیلیوں اور عدم استحکام اور غیر قیام پذیری کی خامیوں کو دور کیا جاتا ہے۔ پارٹیکل بورڈ لکڑی کی تختیوں یا دوسری لگنو سیلولوزی (Ligno cellulosie) سے تیار کیا جاتا ہے جس کو نامیاتی جوڑنے والے مادّوں سے جوڑا جاتا ہے اور تیاری کے دوران حرارت، دباؤ، رطوبت وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پیوست کاری یا استر کاری کی چوبی پرت کے سوا جو کہ دیگر چوبی تختوں پر استر کے طور پر استعمال کی جاتی ہے یہ تمام مصنوعات ایک دوسری میں تبدیل کی جاسکتی ہیں۔

چوبی تختوں کی مصنوعات کا مختلف کاروبار مثلاً تعمیر، فرنیچر، شاپ فٹنگ، پیکیج وغیرہ میں استعمال مسلسل بڑھتا جارہا ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ 1975 تک چوبی تختیوں کا استعمال 76 ملین مکعب میٹر تک ہوا تھا۔ چوبی تختیوں کی صنعت کا استعمال صرف چند ممالک تک محدود ہے۔ پلائی ووڈ کی جملہ پیداوار کا 54 فی صد استعمال ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جاپان، روس، برطانیہ، آئرلینڈ اور مشرقی یوروپ کے ممالک میں ہوتا ہے جہاں کا صرفہ مزید 30 فی صد تک شمار کیا جاسکتا ہے۔ افریقہ (جنوبی افریقہ کو چھوڑکر)، ایشیا (جاپان کو چھوڑکر) اور لاطینی امریکہ، سب مل کر پلائی ووڈ کی عالمی پیداوار کا صرف 4 فیصد استعمال کرتے ہیں۔

چوبی تختیوں کی صنعت (ہندوستان میں): ہندوستان میں چوبی تختیوں کی صنعت کا آغاز چائے کے ڈبوں کی تیاری کی غرض سے ہوا تاکہ ان کی برآمدی پیکنگ کی جاسکے۔ رفتہ رفتہ اس صنعت کو مختلف مقاصد کے لیے ترقی دی گئی۔ اب چائے کے ڈبوں کے علاوہ زیادہ سے زیادہ تجارتی پلائی ووڈ اور آرائشی پلائی ووڈ بھی تیار کی جارہی ہے۔ ملک میں 70 سے زیادہ پلائی ووڈ کی ملیں (کارخانے) کام کررہی ہیں جو زیادہ تر آسام، کیرالا اور کرناٹک میں واقع ہیں۔ فائبر بورڈ کی چار ملیں ہندوستان میں کام کررہی ہیں۔ پیداوار کا آغاز 1961 میں ہوا تھا۔ پارٹیکل بورڈ کی تیاری کا آغاز بھی 1961 میں ہوا۔ ہندوستان میں 1980 تک ان مصنوعات کی ضرورت فائبر بورڈ کی حد تک 75,000 میٹرک ٹن اور پارٹیکل بورڈ کی 140,000 میٹرک ٹن تک اندازہ کی گئی تھی۔

چورلے: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

چومولنگما: یہ ماؤنٹ ایورسٹ کا تبتی نام ہے۔

چونا پتھر یا لائم اسٹون (Lime Stone): کاربونیٹ جماد رکھنے والی کسی بھی رسوبی چٹان (Sedimentary Rock) کو چونا پتھر یا لائم اسٹون کہتے ہیں۔ یہ کاربونیٹ جمادات کیلسائیٹ (Calcite) اور ڈالومائٹ (Dolomite) ہوتی ہیں۔ چونا پتھر تین قسم کے ہوسکتے ہیں۔ (1) نامیاتی (Organic)۔ (2) کیمیائی (Chemical) اور (3) حلیمی (Dolomite)۔ اکثر چونا پتھر ان تینوں قسموں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اول الذکر دو قسمیں مقامی (Autochthonous) چونا پتھر اور آخر الذکر قسم غیر مقامی یا مہاجر (Allochthonous) چونا پتھر کہلاتی ہیں۔ یہ تازہ پانی میں بھی بن سکتے ہیں اور سمندری پانی میں بھی۔ نامیاتی چونا پتھر پودوں اور جانوروں کے کیلشیم کاربونیٹ ($CaCO_3$) خارج کرنے کے باعث بنتے ہیں یا کچھ جانوروں کے اس ترکیب کے خول اور ڈھانچے بھی چونا پتھر کی تخلیق کرتے ہیں۔ یہ ریف چونا پتھر (Reef Limestone)، خول دار چونا پتھر (Shelly Limestone)، مرجانی چونا پتھر (Coral)، الجیائی چونا پتھر (Algal) یا فارمنیفیری چونا پتھر (Foraminiferal) ہوسکتے ہیں۔ کھریا (Chalk) ایک طرح کا ملائم چونا پتھر ہے جو فارمنیفرا (Farminifera) جانوروں کے خولوں اور ڈھانچوں اور یک خلیائی (Unicellular) الجی (Algae) کے مادوں سے بنتا ہے۔ (کوکلتھ (Cocolith کیمیائی (Chemical) چونا پتھر عام طور پر سمندر میں ترسیب کے ذریعہ بنتے ہیں۔ کچھ ذروں کو مرکز بنا کر کیمیائی ترسیب ہم مرکز پٹیوں (Concentric bands) کی صورت یا نیم قطری (Radial) صورت میں ہو تو اس ساخت کو بیضوی اولتھ (Oolith) کہتے ہیں اور ایسے چونا پتھر کو اولائٹی (Oolitic) لائم اسٹون کہا جاتا ہے۔ کسی بڑے سائز کے اولتھ کو سنگ نخودی (Pisolic) کہا جاتا ہے اور اس کے حامل چونا پتھر کو چیچک داغ یا منسی چونا پتھر یا پسولائٹی (Pisolitic) لائم اسٹون کہتے ہیں۔

چہار سمت (Cardinal Points): افق کی چار اہم سمتیں ہیں۔ شمال اور جنوب قطبی رخ بتاتی ہیں۔ مشرق اور مغرب طلوع اور غروب آفتاب کے رخ ہیں۔ حقیقی شمال حقیقی قطب شمالی کا اور مقناطیسی شمال مقناطیسی قطب شمالی (بیفن لینڈ کے مغرب) کا رخ بتاتا ہے۔ حقیقی شمال اور مقناطیسی شمال کا زاویائی فرق مقناطیسی تفاوت (انحراف) کہلاتا ہے۔ اس تفاوت میں کسی اوسط سالانہ رفتار سے کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

چھتیس گڑھ: یہ ہندوستان کے قدیم صوبہ جات متوسط و برار کی ایک پرانی قسمت ابتدا ہیہایا خاندان کی تروماناشاخ کے زیر اقتدار تھی۔ رائے پور اس کا صدر مقام تھا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

چھوٹا ناگپور: ہندوستان کے مشرق میں جو وسیع سطح مرتفع واقع ہے، اسے مجموعی طور پر چھوٹا ناگپور کہا جاتا ہے۔ اس میں رانچی، ہزاری باغ اور کوڈرما کے سطوح مرتفع شامل ہیں۔ چھوٹا ناگپور، دراصل بہار کا جنوبی علاقہ ہے جو دامودر، سوورن ریکھا اور کوئل ندیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس علاقہ میں کئی پہاڑیاں اور جنگلات ہیں جو جنگلی جانوروں کے مسکن بن گئے ہیں۔ یہ سطح مرتفع بڑے پیانے پر گرافائٹ کی ورق دار چٹانوں پر مشتمل ہیں جو جزیرہ نمائے ہند کے شمال مشرقی علاقہ میں قدیم ترین اور خشکی کے نہایت ہی مستحکم علاقوں کے طور پر اہم ہیں۔ اس علاقہ کی مشہور دامودر ندی کی وادی میں تین ذخیرۂ آب تعمیر کیے گئے ہیں جن کے نام کونار، پنچیت اور مَیتھن ہیں۔

چیراپونجی: یہ شمالی ہندوستان میں ریاست میگھالیہ کا ایک گاؤں ہے جو شیلانگ کی سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہ دنیا کے انتہائی بارش والے مقامات کے زمرے میں دوسرا درجہ رکھتا ہے۔ سالانہ اوسط بارش 450 انچ ہے۔ سنہ 1861 میں یہاں صرف جولائی کے مہینہ میں 366 انچ بارش ہوئی تھی۔ اور بارہ مہینہ کی جملہ بارش 1,042 انچ تھی۔ دنیا کے کسی اور مقام پر ہنوز اس سے زیادہ بارش نہیں ہوئی ہے۔ بیشتر بارش گرمائی مانسون سے ہوتی ہے۔ کھاسی قبیلہ کے زیادہ لوگ یہاں آباد ہیں۔ قریب ہی چیرا کی کوئلہ کی کان واقع ہے۔

چیکوسلوواکیہ (زیکوسلوواکیہ)(Formely Czechoslovakia): وسطی یوروپ کی ایک وفاقی سوشلسٹ جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال میں پولینڈ، مغرب میں جرمنی، جنوب میں آسٹریا اور ہنگیری اور مشرق میں وفاقی روس کا یوکرین کا علاقہ واقع ہیں۔ کل رقبہ 127,876 مربع کلومیٹر (49,370 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 15,783,000 ہے۔ اس میں زیک (چک) لوگ 68 فیصدی اور سلاویک قوم کے 32 فیصدی ہیں۔ صدر مقام پراہایا پراگ ہے۔

26 اگست 1992 کو زیک (سلوواک) لیڈروں نے اعلان کیا کہ یکم جنوری 1993 کو جمہوریہ زیک اور جمہوریہ سلواک آزاد ریاستیں بن جائیں گے اور چیکوسلواکیہ کا وجود ختم ہو جائیگا۔

زیکوسلواکیہ کے شمال میں کوہ کارپیتھین کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ مغرب میں بوہیمیا کے وسیع جنگلات ہیں اور جنوب میں دریائے ڈینیوب بہتا ہے۔

اس کے علاوہ ایلب، اوڈر اور مالڈو دریا بھی اسے سیراب کرتے ہیں۔ یہ ملک بلقان کے تمام ملکوں میں صنعتی طور پر نہایت ترقی یافتہ ہے۔ معدنی ذخائر بھی کافی ہیں۔ لوہے، فولاد، سوتی کپڑے، سیمنٹ، مصنوعی دھاگے، موٹروں وغیرہ کی بڑی بڑی صنعتیں ہیں۔ گیہوں جو (بارلی)، مکئی، آلو وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ گائیں اور دوسرے مویشی پالے جاتے ہیں۔ زیادہ تر تجارت روس اور سوشلسٹ ملکوں سے ہوتی ہے۔ لوہا فولاد مشینیں، کیمیائی اشیا اور موٹریں برآمد کی جاتی ہیں۔

رائج سکہ کورونا (Koruna) ہے۔ ابتدائی مدرسوں میں 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 1,898,470 طالب علم اور 101,884 استاد، ثانوی مدرسوں میں 848,721 طالب علم، صنعتی تعلیمی اداروں میں 367,652 طلبا اور اعلی تعلیمی اداروں میں جن میں 9 یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ 177,110 طالب علم ہیں۔

تاریخ: زیکوسلواکیہ پہلے سلطنت آسٹریا اور ہنگری کا ایک حصہ تھا۔ پہلی عالم گیر جنگ میں آسٹریا اور ہنگری کی سلطنت جرمنی کے ساتھ تھی۔ جب اس متحدہ محاذ کو شکست ہوئی تو 1918 میں چیکوسلواکیہ کی الگ ریاست بنی۔ اس کے لیے برسوں سے جدوجہد چل رہی تھی لیکن کامیابی اس وقت ہوئی۔ اس ریاست میں چک بولنے والے بوہیمیا، موریویا اور سائیشا کے علاقے اور سلوواکیہ کے علاقے شامل ہیں۔ 1920 میں نیا آئین منظور ہوا اور ٹی۔ جے۔ مسارک کی صدارت میں اس ملک نے ایک جمہوری مملکت کا روپ لے لیا۔ زرعی اصلاحات کی گئیں۔ کلیساؤں کی بڑی بڑی زمینیں لے کر کسانوں میں بانٹ دی گئیں۔ چونکہ یہ ایک وحدانی حکومت تھی اس لیے جرمن، ہنگری اور دوسری اقلیتوں میں سخت بے چینی رہی۔

سلواک لوگوں سے اندرونی خود مختاری کا وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی پورا نہیں ہوا۔

جرمنی میں ہٹلر کے برسر اقتدار آنے اور پھر آسٹریا پر قبضہ کرنے کے بعد چکوسلواکیہ کے جرمن باشندے اعلانیہ طور پر باغی ہو گئے۔ ہنگیری کی فاشسٹ حکومت نے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ سلواکیہ کے لوگوں کو اکسایا جانے لگا اور اس طرح چکوسلواکیہ سخت مشکلوں میں گھر گیا۔

شروع سے چکوسلواکیہ حکومت کی پالیسی روس سے دوستی کی تھی۔ روس نے فرانس اور برطانیہ کو پیش کش کی کہ وہ سب مل کر چکوسلواکیہ کی مدد کریں۔ روس اپنی فوجیں بھی بھیجنے کے لیے تیار تھا لیکن اس وقت فرانس اور برطانیہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہٹلر کو خوش کرنے پر تلے تھے چنانچہ انھوں نے 1938 میں ہٹلر سے مشہور "میونچ معاہدہ" کرلیا اور اس کے تحت چکوسلواکیہ کی بوہیمیا کی سرحد کے سوڈیٹن علاقے ہٹلر کو دیے گئے۔ کچھ حصے ہنگیری اور پولینڈ کو بھی ملے۔ صدر بینش نے استعفیٰ دے دیا اور 1939 میں پورے چکوسلواکیہ پر جرمنی نے قبضہ کرلیا۔ بوہیمیا اور موریویا جرمنی کے صوبے بنا دیے گئے۔ سلواکیا کو برائے نام آزادی دے دی گئی اور روتھینیا ہنگیری کو مل گیا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران بینش نے لندن میں جلاوطن حکومت بنائی اور چک فوجی یونٹ اتحادیوں کے ساتھ لڑتے رہے۔ 1944 میں روسی فوجیں صدر بینش اور چک فوجی دستوں کے ساتھ پراگ میں داخل ہو گئیں۔ بعد میں 1945 میں وہاں امریکی فوجیں بھی پہنچ گئیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد تمام بیرونی فوجیں چیکوسلواکیہ سے چلی گئیں۔ 1946 میں عام انتخابات ہوئے جس میں کمیونسٹ پارٹی سب سے بڑی پارٹی کے طور پر منتخب ہوئی اور گوٹ والڈ وزیراعظم بنے۔ 1948 میں صدر بینش نے استعفیٰ دے دیا اور گوٹ والڈ صدر بنا دیے گئے اور اس حکومت نے بڑے پیمانے پر سوشلسٹ سماج کی تعمیر کے لیے قدم اٹھائے۔ 1960 میں نیا آئین منظور ہوا جس کے تحت یہ ملک پوری طرح ایک سوشلسٹ ملک بن گیا۔ 1963 میں ملک میں عوامی اختیارات بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ پریس، تعلیم، اور ثقافتی کارروائیوں پر سے پابندیاں ہٹائی گئیں۔ تھیٹر اور فلموں کے لیے یہ ملک دنیا بھر میں مشہور ہو گیا لیکن سیاسی اقتدار اور اختیار چند کمیونسٹوں کے ہاتھ میں رہا 1968 میں زیک اور سلواکیہ اختلافات نے زیادہ زور پکڑ لیا۔ 1969 میں روس نے آئین میں تبدیلیاں کرائیں اور ملک کا لیڈر بھی بدل گیا۔ 1977 میں انسانی حقوق کی مانگ نے زور پکڑا۔ 1989 میں حکومت مخالف مظاہرے ہوئے اور بالآخر کمیونسٹ حکومت کو نومبر 1989 میں مستعفی ہونا پڑا۔

دسمبر 1989 میں غیر کمیونسٹ حکومت بنی اور مشہور ڈرامہ نگار واکلا ہویل صدر منتخب ہوا۔ 1991 میں آزاد انتخابات ہوئے اور مئی 1989 میں سوویت فوجیں ملک سے چلی گئیں۔

74 سالہ وفاق کے خاتمہ کی تیاری اگست 1992 سے شروع ہوئی۔ دونوں نئی ریاستوں کے آئین مرتب کیے گئے جنھیں یکم جنوری 1993 سے الگ الگ آزاد ریاستوں کی شکل میں وجود میں آنا تھا۔

چکوسلوواکیہ۔ زبان و ادب: چک زبان مغربی سلاف زبان ہے جس کا تعلق زبانوں کے ہند۔یوروپی خاندان سے ہے۔ یہ پہلے بوہیمین (Bohemian) کہلاتی تھی۔ چکوسلواکیہ میں دوسری زبان جو بولی جاتی ہے وہ سلواکیہ ہے یہ دونوں دراصل ایک ہی زبان کی دو بولیاں ہیں۔

پندرھویں صدی تک چک ادب مذہبی کتابوں اور رومانی اور بہادری کے قصوں پر مبنی نظموں تک محدود تھا۔ پندرھویں صدی تک شاعری خوب پھلی پھولی اور اس نے نئی راہیں اختیار کیں۔ 1394 میں فلاسکا نے حقیقت پسندی کو رواج دیا۔ اس راستہ پر دوسرے ادیب اور شاعر بھی چل پڑے۔ اس زمانہ میں جان ہس (John Huss) نے زبان میں اصلاحات کیں اور اس کی وجہ سے عہد نشاۃ ثانیہ میں چک ادب کو پھلنے پھولنے کا اور موقع ملا۔ تیس سالہ (1618-48) جنگ کے دوران چکوسلواکیہ کو سخت مصائب اور ظلم و تشدد کا سامنا کرنا پڑا اور اس کا پورا ادب تباہ ہو گیا۔ ادیب جلاوطن ہو گئے اور ادبی سرگرمیاں تقریباً ختم ہو گئی تھیں۔ اٹھارویں صدی سے ادبی زندگی میں نئی روح پھونکنے کی کوشش شروع ہوئی۔

انیسویں صدی میں رومانیت اور سلاف اتحاد کا زور رہا اور کئی شاعر اور ناول نگار میدان میں آئے۔ 1890 کے بعد مشہور ادیب اور نقاد تھامس سائرک کے اثر سے حقیقت نگاری کو عروج ہوا اور بیسویں صدی کے شروع میں کارل کاپک جیسے ادیبوں نے چک ادب کو یوروپی ادب کے دھارے میں ملا دیا۔

1918 اور 1938 کے درمیان چک ادب میں بڑی آفاقیت آگئی۔ اگرچہ اس کے مقامی مسائل پر بھی لکھا جانے لگا۔ ہاسک اور کنکا نے چک ادب کو دنیا کے عظیم ادب کی سطح پر پہنچا دیا۔ ساتھ ہی وہ اسے عوام اور ان کے مسائل کے قریب لے آئے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران جبکہ چکوسلواکیہ پر جرمن فوجوں کا قبضہ تھا ادب اتنا آگے نہ بڑھ سکا لیکن جرمنوں کے خلاف مزاحمت نے فالیو چک جیسے انقلابی ادیب پیدا کیے جنگ کے بعد ادب کو ایک نئی سمت اور نیا میدان ملا اور سوشلسٹ حقیقت پسندی نے ادب میں اہم جگہ بنالی۔

چیلنجر: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

چیلی انسکن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

چین (China): آبادی کے لحاظ سے چین دنیا کا سب سے بڑا ملک اور رقبہ کے لحاظ سے تیسرا بڑا ملک ہے۔ اس کے شمال میں منگولیا اور روس، جنوب میں ویت

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

نام، لاؤس، میںمار، ہندوستان، نیپال اور افغانستان، مشرق میں کوریا، بحیرہ زرد اور بحیرہ چین، مغرب میں قزاخستان، کرغیزیا اور تاجکستان واقع ہیں۔

1949 سے پورے چین پر عوامی جمہوری حکومت ہے۔ صرف جزیرہ تائیوان ابھی تک چین ریپبلک کے قبضہ میں ہے۔ اور ہانگ کانگ برطانوی مقبوضہ ہے۔ چین کا کل رقبہ 9,596,961 مربع کلو میٹر (3,705,335 مربع میل) ہے۔ 1991 تخمینہ کے مطابق آبادی 1,155,795,000 (115 کروڑ) ہے۔ صدر مقام بیجنگ ہے۔ سب سے بڑا شہر شنگھائی ہے جس کی آبادی ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ کینٹن، مکڈن، نانکنگ، وغیرہ اہم شہر ہیں۔ سرکاری اور عام زبان چینی زبان کی مختلف بولیاں ہیں۔ غیر چینی علاقوں مثلاً تبت، سنکیانگ وغیرہ میں مقامی بولیاں استعمال ہوتی ہیں۔

چین کا علاقہ بڑے میدانوں اور وادیوں پر مشتمل ہے جو بحیرہ چین اور بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ جنوب میں جنگلوں سے بھرے ہوئے پہاڑ ہیں اور یہی اسے جنوب مشرقی ایشیا سے الگ کرتے ہیں۔ شمال میں بحرالکاہل کے متوازی ایک پتلی میدانی پٹی چلی گئی ہے جو بے حد زرخیز ہے اور منچوریا سے جاملتی ہے۔ تقریباً 38 لاکھ مربع کلو میٹر (پندرہ لاکھ مربع میل) کا رقبہ ایسا ہے جو وسطی ایشیا کے بلند و بالا پہاڑوں سے شروع ہوتا ہے اور سمندر تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تین بڑے دریا ینگسی کیانگ (Yangtse Kiang)، ہوانگ ہو (Hwang Ho) اور سی کیانگ گزرتے ہیں اور یہ تینوں اور ان کے معاون پورے علاقہ کو سیراب کرتے ہیں۔

شمال کے منچوریا کے علاقہ میں پہلے منگول نسل کے لوگ رہتے تھے۔ اس صدی کے شروع سے وہ چین کا ایک حصہ ہے اور اس میں کافی تعداد میں چینی بس گئے ہیں۔

منچوریا کے وسط میں سے دریا گزرتے ہیں اور وسیع میدانی علاقے واقع ہیں۔ اس کا جنوب مشرقی کا علاقہ پہاڑی ہے۔ منچوریا کا علاقہ چین کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ علاقوں میں سے ایک ہے۔ جاپانیوں نے اپنے قبضہ کے زمانہ میں یہاں کافی صنعتیں قائم کی تھیں۔

ریگستان گوبی منگولیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ بیرونی منگولیا کی الگ آزاد ریاست ہے۔ اندرونی منگولیا چین کا حصہ ہے یہاں منگول نسل کے لوگ آباد ہیں۔ زمین پتھریلی ہے۔ زرخیزی بہت کم ہے۔ مویشی بڑے پیانے پر پالے جاتے ہیں۔

چین کا مغربی حصہ سنکیانگ کہلاتا ہے۔ یہ وسطی ایشیا میں کوہ التائی اور کوہ کن لن (Kunlun) کے درمیان واقع ہے۔ جس کے شمال میں منگولیا، مغرب میں قزاخستان، کرغیزیا، اور تاجکستان اور جنوب میں تبت واقع ہیں۔ سنکیانگ کی آبادی غیر چینی ترکی نسل کے اوئی گر (Uigur) لوگوں کی ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ خانہ بدوشوں کا ہے۔ نخلستانوں کے اطراف زرعی بستیاں بسی ہوئی ہیں۔

جنوب میں تبت ہے جو بلند پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے اور ہمالیہ، تان شان اور کن لن پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ ملک کی اس زبردست وسعت کی وجہ سے آب و ہوا میں بھی بڑے اختلافات ملتے ہیں۔ لیکن آب و ہوا عام طور پر معتدل ہے۔ شمال کے منچوریہ کے علاقہ میں جاڑوں میں کافی سردی ہوتی ہے۔ لیکن کینٹن کا علاقہ کافی گرم ہے۔ ملک نہ صرف بہت وسیع ہے بلکہ کافی بڑا علاقہ غیر آباد ہے اور اس کی وجہ سے بے شمار اقسام کے پودے اور جانور ملتے ہیں۔ خیال ہے کہ بہت سی اقسام کے پودے منظم کاشت کی وجہ سے یوروپ سے فنا ہوگئے لیکن یہاں موجود ہیں۔ جن علاقوں میں کاشت ہوتی ہے وہاں چاول، گیہوں اور مکئی کی بڑے پیانے پر کاشت ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جو (بارلی)، اوٹس، رائی، جوٹ وغیرہ بھی پیدا کئے جاتے ہیں۔

بانس ملک کے تقریباً سب حصوں میں ہوتا ہے۔ اور کھانے سے لیکر زندگی کے ہر کام میں استعمال ہوتا ہے۔ چین کا ریشم صدیوں سے مشہور ہے اور ریشم کے کیڑوں کی شہتوت کے درختوں پر بڑے پیانے پر پرورش کی جاتی ہے۔

پچھلے پچاس برسوں میں چین نے صنعتی طور پر زبردست ترقی کی ہے۔ تقریباً 30 ملین ٹن سالانہ فولاد پیدا کیا جاتا ہے۔ 30 ملین ٹن تیل نکالا جاتا ہے۔ 90 ملین کلوواٹ بجلی پیدا کیجاتی ہے۔ 500 ملین ٹن کوئلہ نکالا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تانبہ، جست، ایلومنیم، سیمنٹ، کھاد اور مشینیں وغیرہ بنانے کی بڑی بڑی صنعتیں قائم ہیں۔ سوتی نیز مصنوعی دھاگے اور ریشمی کپڑوں کی بہت وسیع صنعت ہے۔

برآمدات 34 فیصدی جاپان سے، 8 فیصدی جرمنی نیز 6 فیصدی فرانس سے اور اس کے علاوہ آسٹریلیا، امریکہ اور کینیڈا سے آتا ہے۔ برآمدات کا 20 فیصدی جاپان کو اور 8 فیصدی ہانگ کانگ کو بھیجا جاتا ہے۔ برآمدی اشیا میں 30

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

فیصدی غذائی چیزیں، گوشت، پھل وغیرہ، 20 فی صدی سوتی کپڑا اور سلے ہوئے کپڑے اور 12 فیصدی تیل ہوتا ہے۔

امریکہ، برطانیہ، فرانس اور مغربی جرمنی سے بڑے پیمانے پر تجارتی معاہدے کئے گئے ہیں جن کی مدد سے چین کی صنعتوں کو جدید ترین مشینوں سے لیس کرنے کا منصوبہ کارگر ہوا ہے۔ چین میں 750,000 کلو میٹر سڑکیں اور 48,000 میٹر لمبی ریلوے لائنیں ہیں۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق چین کے ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 121,641,500 (بارہ کروڑ) اور استادوں کی تعداد 5,532,300 (پچپن لاکھ) تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 52,267,900 طالب علم اور 3,557,000 استاد تھے۔ حرفی اسکولوں میں 4,771,500 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 2,270,800 طالب علم تھے۔

چین کا صنعتی خطہ: اس خطہ کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) زیریں یانگسی کا علاقہ۔ (ب) جنوبی منچوریا کا علاقہ۔
(ج) تنسن اور بیجنگ کا علاقہ۔

چین میں درج بالا صنعتی علاقوں کے علاوہ سرخ (ریڈ) بیسن، سی کیانگ کا ڈیلٹا اور ووہان کے صنعتی حصے بھی خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔

چینئی (مدراس) (Madras): چینئی (مدراس) ہندوستان کی جنوبی ریاست تامل ناڈو کی راجدھانی ہے اور اس ریاست کا خاص مصنوعی بندرگاہ ہے۔ چینئی ہندوستان کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ یہ چونکہ ملک کا جنوب میں اہم تجارتی مرکز اور مشہور سمندری بندرگاہ ہے، اس لیے یہ دوسرے بڑے شہروں سے بذریعہ سڑک، ریل، بحری اور ہوائی راستوں سے ملا دیا گیا ہے۔ یہ مشرقی ممالک کی آمد و رفت کے لیے سب سے اہم ہوائی اڈہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اندرون ملک کے دوسرے ہوائی اڈوں سے بھی ملا دیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت کے لحاظ سے یہ جنوبی ریلوے کا صدر مستقر ہے۔ اس شہر کے عقبی علاقہ میں تمام مشرقی دکن کا علاقہ شامل ہے۔ چینئی (مدراس) کے بندرگاہ سے درآمد ہونے والی اشیا کوئلہ، کوک، غذائی اجناس، معدنی تیل، دھاتیں، عمارتی لکڑی، ہمہ قسم کا سوتی کپڑا، مشینری اور کیمیائی سامان ہیں۔

جنوبی ہند کی پالار (Palar) ندی جو ضلع کولار میں جنوب مغربی چتامنی سے نکلتی ہے۔ چینئی (مدراس) کے جنوب میں 7 کلو میٹر کے فاصلہ پر سمندر میں داخل ہوتی ہے۔

چینئی کا ساحل میرینا (Marina) جو 13 کلو میٹر (8 میل) لمبا ہے۔ دنیا کا ایک نہایت ہی عمدہ اور دوسرا لمبا ساحل ہے۔ یونیورسٹی کی نئی نئی عمارتیں اور سینیٹ ہاؤس، جہاں کئی سال پہلے یونیورسٹی قائم کی گئی تھی، چیپاک پیلیس (Cheppok Palace) جو کرناٹک کے نوابوں کا محل تھا اور آج کل جس میں سرکاری دفاتر ہیں اور اس کے قریب ہی پریسیڈنسی کالج، جو سولھویں صدی کی اطالوی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے، قابل دید مقام ہیں۔ اس کالج کے قریب ہی پبلک سوئمنگ پول (Public Swimming Pool) ہے جہاں موجودہ دور میں پیراکوں کے لیے سب ہی سہولتیں مہیا ہیں۔ سمندر کے بالکل روبرو شہر کے مشہور ہوٹل کی تعمیر کی گئی ہے جو اس شہر کے بالکل جنوبی سرے اڈیار پر واقع ہے۔ یہ تھیاسوفیکل سوسائٹی کا بھی بین الاقوامی صدر مستقر ہے۔

چینئی (مدراس) کا مشہور برگ کا درخت، اور سنٹرل لائبریری اور کلاک شیستر انسٹیوٹ جو بھارت نالیم کے فن کو رواج دینے کے لیے قائم کیا گیا ہے، دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

صنعتوں میں چینئی (مدراس) بحیثیت ایک عظیم مرکز بہت ترقی پر ہے۔ ربر ٹائر کی فیکٹریاں، سائیکل بنانے اور فولاد کے ٹیوب کے کارخانے یہاں واقع ہیں۔ اس کے علاوہ سرجیکل آلات کا کارخانہ، جو انڈین ڈرگس اور فارمیسیو ٹکل لمیٹڈ کا قائم کردہ ہے، ہندوستان ٹیلیفون لمیٹیڈ اور مدراس فرٹیلائزر یہاں کے اہم صنعتی کارخانے ہیں۔

چینئی (مدراس) انڈسٹریل علاقہ ریاست تامل ناڈو کا سب سے اہم صنعتی علاقہ ہے جو تیل کے کارخانے، کھاد کے کارخانے، امبور میں چینئی کے قریب، اشوک لے لینڈ لمٹیڈ (Ashok Leyland Limited)، اسٹینڈرڈ موٹر پراڈکس آف انڈیا لمیٹڈ، پسنجر کاریں اور لائٹ ٹرک بنانے کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔

شہر چینئی میں راج بھون کی خوبصورت عمارت اور اس کے اندر پائی جانے والی شکارگاہ، مہاتما گاندھی میموریل، لائٹ ہاؤس، سینٹ میری چرچ، میوزیم، نیشنل آرٹ گیلری، کانیمرا لائبریری، زو (Zoo)، راجہ جی ہال، ماؤنٹ روڈ، مور مارکٹ جو چینئی (مدراس) کا سب سے بڑا شاپنگ مرکز ہے، کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

چینئی (مدراس) تامل بولنے والے لوگوں کا شہر ہے اور قدیم دراوڑی تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے۔ یہ قدیم مندروں کا شہر ہے اور ہندوستانی تمدن کا مخزن ہے، جہاں قدیم فن تعمیر اور سنگ تراشی کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ منادر، تامل ناڈو کی نہ صرف عبادت گاہیں ہیں بلکہ مدراسی باشندوں کی سماجی معاشرتی اور روحانی زندگی کو فروغ دینے کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ مَلِک ارجن اور چینا کیوانیز میلاپور کے منادر اور پارتھا سارتھی جنوبی ہند کے فن تعمیر اور نقاشی اور سنگ تراشی کی بہترین مثال ہیں۔

مہابلی پورم یا مملاپورم جو چینئی کے جنوب میں 60 کلومیٹر (37 میل) کے فاصلے پر واقع ہے، ساتویں صدی میں پاتوادور حکومت کے ایک ہی پتھر میں تراشے ہوئے منادر کے لیے مشہور ہے۔ یہ اپنے رتھوں اور غاروں کے لیے بھی سارے بھارت میں مشہور ہیں اور ایک عالی شان تہذیب کی یادگار ہیں۔

چینی مٹی (China Clay): چینی مٹی یا کیولین (Kaolin) جماد کے ذخائر جو گرینائٹ (Granite) چٹانوں کی فرسودگی یا آبی حرارتی تحلیل (Hydro thermal solution) (دیکھئے میگنائٹ Magntite) کے باعث وجود میں آتے ہیں۔ (دیکھئے آرجی لیشیا حجرات)۔

چیل: شملہ کے قریب کوہ ہمالیہ کی یہ ایک دلفریب چوٹی جو سطح سمندر سے 7,200 فٹ بلند ہے، اہم تفریح گاہ ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ح

حجر (چٹان) (Rock): ارضیات کی اصطلاح کے طور پر حجر یا چٹان کی تعریف کسی بھی دور کے مادوں کا مجموعہ ہے جو بستہ (Consolidated) ہو یا نہ ہو اور سطح زمین پر پایا جائے۔ چٹانیں یک جمادی (Monominerallic) بھی ہو سکتی ہیں اور کئی جمادات کا مجموعہ بھی ہو سکتی ہیں۔ نابستہ چٹان کو رسوبی ہونے پر رسوب کہا جاتا ہے۔

حجر نگاری (Petrography): حجرات کا باقاعدہ بیان یا ذکر۔ اس میں دستی نمونے (Hand Specimen) کے مطالعے کے علاوہ باریک تراشوں (Thin Sections) کا خوردبینی مطالعہ بھی شامل ہے۔

حجر نموئی صوبے (Petrographic Province): ایسا حجری علاقہ جس میں ایسے آتشی، رسوبی یا کایا بدل حجرات پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے آپس میں متعلق ہوں اور جن کی تشکیل ایک ہی طرح کے ماحول، عوامل اور حالات کے باعث ہوئی ہو۔

حجری ابھار (Boss): عمقی آتشی حجر کا جسم جس کی حدود مدور ہوں اور جہاں یہ مقامی حجرات کے لمس میں آتا ہو اور وہاں مقامی یا متداخل آتشی حجرات میں کسی قسم کی بتدریج تبدیلی نہ پائی جائے، حجری ابھار (Boss) کہلاتا ہے۔

حجری اکائیاں (Rock Units): وہ قابل مشاہدہ طبقاتی اجسام جو خاص حجری خواص رکھتے ہیں اور قابل شناخت طبعی حدود (Physical Extents) بھی۔ اس گروہ (Group) میں طبق (Formation) اور رکن (Member) وغیرہ کی اکائیاں شامل ہوتی ہیں۔

حجری امتزاج (Assimilation): وہ عمل جس کے ذریعے کسی آتشی حجر یا چٹان میں دوسرے مادے پگھل کر اور تحلیل ہو کر شامل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ عمل کافی عرصے تک جاری رہے تو حجرات کی ترکیب بڑی حد تک تبدیل ہو جاتی ہے۔

حجری ترتیب کا قانون (Law of Superposition): وہ قانون جس کے مطابق حجرات کی پرتیں ترتیب سے ایک کے اوپر ایک جمع ہوتی ہیں اور اسی طرح ارضیاتی کالم میں سب سے قدیم ترین سب سے نیچے اور سب سے اوپری پرت کم سے کم عمر کی ہوتی ہے۔

حجری سد یا پشتہ یا ڈائک (Dyke or Dike): ایک ایسا آتشی دخولہ جو کہ مقامی حجر (Country Rock) یا میزبان حجر کی پرتی سطح یا کسی ساختی سطح (Structural plane) کو منقطع کرتا ہے۔ عام طور پر یہ بڑے بڑے جھنڈ (Swarms) کی شکل میں وسیع پیمانے پر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے متوازی یا ایک مرکز سے ہم قطری ڈائک کئی سو میل تک طویل ہو سکتے ہیں مگر عام طور پر ان کی لمبائی کچھ سو میٹر تک ہوتی ہے۔ ڈائک عام طور پر درمیانی دانے دار ساخت والے ڈولرائٹ کے ہوتے ہیں مگر بیسالٹ کے مہین دانے دار اور گبرو کے موٹے دانے دار بافت کے ڈائک بھی عام ہیں۔ زیادہ تر یہ اساسی (Basic) ترکیب کے ہوتے ہیں مگر ترشی (Acid) ترکیب کے ڈائک بھی پائے جاتے ہیں جیسے پیگمٹائٹ (Pegmatite) وغیرہ سے بنے حجری سد۔ ایسے ڈائک جن کی شکل مخروطی ہو اور اندر کی طرف میلان پذیر ہو، آتشی مخروطہ کہلاتے ہیں۔ ان کا باہری سطحی حصہ (Out cropped) عموماً مدور ہوتا ہے۔

حجری طبقاتی اکائی (Lithostratigraphic Unit): طبقات نگاری کی وہ اکائی جس کی شناخت محض حجری خصوصیات پر منحصر ہو اور رکازات کا لحاظ نہ رکھا جائے یا اس میں رکازات ہی نہ پائے جائیں۔

حجری فیشی (Lithofacies): رسوبی ماحول کا حجری ریکارڈ۔ وہ نقشے

جن میں کسی خاص ماحول میں بننے والے حجرات یا چٹانوں کی تقسیم دکھائی جائے۔ حجری لیفیشی نقشہ (Lithofacies Map) کہلاتا ہے۔

حجری ماحولیہ (Lithotope): حجرات یا چٹانوں میں ماحول کا ریکارڈ۔ ایک ہی ماحول میں بننے والے حجرات کا مجموعہ۔

حجری نمو (Petrogenesis): ایک جامع اصطلاح ہے جو حجرات کے بننے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے مثلاً حجری عمل، طریقے، تعاملات، وقوعوں کی تاریخی ترتیب اور بعد میں ہونے والی تبدیلیاں، وغیرہ۔

حجریات (Petrology): حجرات کا وہ علم جس میں تمام پہلوؤں جیسے جماداتی ترکیب، کیمیائی ترکیب، بافت، ساخت (حجر نگاری)، ان کی پیدائش (حجری نمو)، سطح زمین پر ان کا وقوع اور تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

مجسم بین (Stereoscope): مجسم بین میں اسٹینڈ پر دو عدسے لگے رہتے ہیں۔ عدسوں کو اسٹینڈ کے سہارے ہموار سطح میں ایستادہ کر دیا جاتا ہے۔ ان عدسوں کے نیچے ہموار سطح میں ایک ہی علاقہ کی دو تصویریں پہلو بہ پہلو رکھ دی جاتی ہیں۔ عدسوں کے ذریعہ داہنی آنکھ سے داہنی تصویر اور بائیں آنکھ سے بائیں تصویر کو مسلسل غور سے دیکھتے رہیں تو کچھ دیر بعد دونوں تصویروں کے بجائے ایک نئی تصویر نظر آنے لگتی ہے۔ یہ ذہنی آمیزش یا اختلاط کا نتیجہ ہوتی ہے اور زیر مشاہدہ دونوں تصاویر کی تفصیلات کو مجموعی طور پر پیش کرتی ہے۔

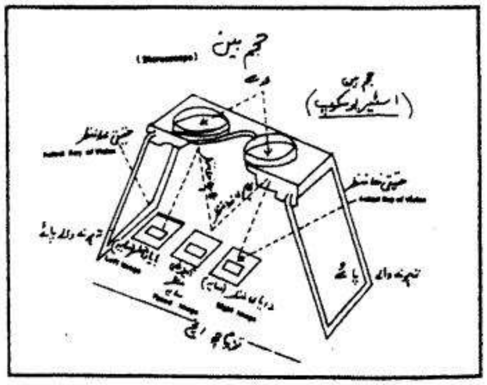

حسینی والا: یہ گاؤں پنجاب میں مغربی سرحد پر واقع ہے جو فیروز پور کنٹونمنٹ سے قریب ہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کے ایک جانباز شہید اعظم بھگت سنگھ کو پھانسی کے بعد یہیں پر آگ کی نذر کیا گیا تھا۔ یہاں پر ان کی سمادھی اور یادگار قائم ہیں اور ہر سال ہزاروں آدمی جمع ہو کر ان کی یاد مناتے ہیں۔

حضر موت: عرب کے جنوبی جزیرہ نما میں یہ یمن کا مشرقی ریگستانی حصہ، "ربع الخالی" کے جنوب میں، بحر ہند تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا ساحلی میدان بہت تنگ ہے۔ بیشتر حصہ پر تین سے چار ہزار فٹ تک بلند سطح مرتفع پھیلی ہوئی ہے۔ اس پر چھوٹی چھوٹی ندیوں کی کئی وادیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

حیاتیاتی ارتقا۔ عالم نباتات و حیوانات (ایک حیاتی جغرافیائی موضوع): جاندار عضویات کی تین بڑی قسمیں ہیں۔ نباتات، حیوانات اور جراثیم۔ اگرچہ انسان اپنے تئیں ایک جماعت ہے لیکن حیاتیاتی طور پر وہ محض ایک حیوان ہے۔ عضویات کے یہ تینوں بڑے گروہ کئی لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یعنی ان کی اشکال، غذائی عادتیں اور رہائش گاہیں کئی اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہیں۔ چنانچہ نباتاتی اور حیوانی طرز زندگی کے اس اختلاف کو بالکل ابتدائی دور سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تاہم اس بات پر عموماً یہ باور کیا جاتا ہے کہ زندگی کی ابتدا سب سے پہلے سمندر میں ہوئی۔ لیکن در حقیقت یہ کب ہوئی، اس کا کسی کو علم نہیں۔ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ حیات کی بعض شکلوں کا وجود تقریباً 2000 ملین برس قبل عمل میں آیا۔

حیاتیاتی تقویم (Bio-Chromology): ایسی تقویم جس کی اساس رکازات کے مطالعہ، وقت نیز نامیاتی ارتقا (Organic Evolution) کے درمیان تعلق پر ہو۔ (دیکھئے رکازات Fossils)۔

حیاتیاتی جغرافیہ کا مقصد: اگر ہم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ حیاتیاتی جغرافیہ کا اصل مقصد جاندار چیزوں، بالخصوص ان کے آپس میں ربط اور ایک دوسرے سے نسبت، کا مطالعہ ہے، تو دوسرا سوال جو یہاں پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ کن وجوہات اور مقاصد کے پیش نظر جغرافیہ داں حیاتیاتی جغرافیہ کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کا ایک آسان جواب یہ ہے کہ جغرافیہ داں، حیاتیاتی جغرافیہ کا مطالعہ، اس کے مسائل کو حل کرنے اور ان کی توضیح کرنے کے لیے کرتا ہے۔

حیاتیاتی جغرافیہ کے چند مسائل کی مندرجہ ذیل طور پر تشریح کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

جا سکتی ہے۔

(i) اول وہ مسائل جن کا اصل موضوع حیوانات کی سرگرمیاں ہیں۔
(ii) دوسرے وہ مسائل جن کی اصل غرض و غایت انسانی سرگرمیاں ہیں۔
(iii) تیسرے ایسے مسائل جن کا اصل مدعا نباتات کی سرگرمیاں ہیں۔

مندرجہ بالا سب حیاتیاتی ماحولیات کے عدم توازن (Ecological imbalances) کی مثالیں ہیں۔

حیاتیاتی جغرافیہ کا میدان: جغرافیہ کی طرح، حیاتیاتی جغرافیہ کے میدان کی اصل غایت کو واضح طور پر معین نہیں کیا گیا ہے۔ بعض لوگ اس مضمون کو صرف نباتات اور حیوانات کے جغرافیہ کی حد تک محدود کر دیتے ہیں اور زیادہ اہمیت نباتات کو دیتے ہیں۔ لیکن دوسرے اس کے موضوع کو وسیع تر کر کے اس میں مختلف مٹیوں (Soils) اور انسانی جغرافیہ کے بعض پہلوؤں کے مطالعہ کو شامل کرتے ہیں۔ نباتات اور حیوانات کی تقسیم کی حقیقی کیفیت اور نباتات اور حیوانات کے حقیقی گروہوں کی موجودگی ہی خود جغرافیہ کے اصل واقعات ہیں۔ وسیع نقطہ نظر کے مطابق، حیاتیاتی جغرافیہ میں انسانی جغرافیہ شامل ہونا چاہیے لیکن عملی طور پر اس کو صرف نباتات اور حیوانات کے جغرافیہ سے ہی وابستہ کیا جاتا ہے۔

واضح اصطلاح میں حیاتیاتی جغرافیہ کرہ حیات (Biosphere) کے مظہر سے متعلق ہوتا ہے۔ روایتاً حیاتیاتی جغرافیہ نباتات اور حیوانی زندگی کے جغرافیائی امور کے مطالعہ اور خصوصاً ان کی تقسیم سے زیادہ سروکار رکھتا ہے۔ نیز یہ نباتات اور حیوانات کی رہائش، تقسیم، مطابقت اور ان کے آپسی ربط کا مطالعہ کرتا ہے۔ ماحولیات (Ecology) اور جغرافیہ کی حدود کو پار کر کے علم توالد و تناسل (Genetics)، انسانی جغرافیہ، علم انسانیات (Anthropology) اور سماجی علوم سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ حیاتیاتی جغرافیہ اپنے غور و فکر میں انسان کے چند مخصوص امور کو بھی شامل کرتا ہے۔ لہٰذا انسان حیاتیاتی جغرافیہ کی حدود سے خارج از بحث نہیں ہے۔ بلکہ انسان حیاتیاتی جغرافیہ کا سب سے اہم عامل اور عنصر ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جغرافیہ داں روئے زمین کی نباتات اور حیوانات سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ تاہم جغرافیہ داں کے لیے حیوانات کی دنیا سے زیادہ اہم نباتات کی دنیا ہے۔ اعلیٰ نباتات کا راست طور پر مٹی اور آب و ہوا پر دار و مدار اور خطہ زمین کے نمائندوں کی حیثیت سے ان کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے اور ان کی طبعی حالات سے نازک مطابقت کا یقین دلاتا ہے۔ خشکی کے بڑے جانوروں کا عموماً اس طرح مٹی اور آب و ہوا سے تعلق نہیں ہوتا ہے کیونکہ جانوروں کا، ان کی غذا کی فراہمی کی حد تک، صرف نباتات اور پودوں کے مختلف گروہوں سے ہی بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔

روایات کی رو سے حیاتیاتی جغرافیہ کی اصل غرض اور غایت نباتات اور حیوانات کے جغرافیہ کا مطالعہ ہے۔ نباتات کا جغرافیہ (Plant Geography) یا پودوں کے ارتقا کا جغرافیہ (Phytogeography)، نباتات خاص طور پر عرقی پودوں (Vascular Plants)، جو اپنے طبعی ماحول سے متاثر ہوتے ہیں، کی تقسیم سے بحث کرتا ہے۔ اس کے برعکس، حیوانات کا جغرافیہ (Zoogeography) حیوانی زندگی کی تقسیم، طبعی ماحول اور حیوانات کے ایک دوسرے پر اثر کا مطالعہ کرتا ہے۔ حیاتیاتی جغرافیہ کے اس پہلو کا بہت کم مطالعہ کیا گیا ہے اور پودوں کے ارتقا کے جغرافیائی مطالعہ (Phytogeography) کے مختلف نقاط نظر سے اس کی کم ترقی ہوئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے یا حیوانی زندگی پر کم تحقیق (ریسرچ) ہوئی ہے۔ اس کے برعکس حیوانات کے جغرافیہ پر کافی کام ہوا ہے جس کی معلومات کا ذخیرہ ڈارون (Darwin) اور ویلیس (Wallace) کے تحقیقاتی کاموں سے لے کر عصر جدید میں پی. جے. ڈارلنگٹن (P.J.Darlington)، سی. ایس. ایلٹن (C.S. Elton)، جی. جی. سمپسن (G.G. Simpson) اور جے. زیڈ. ینگ (J.Z.Young) کے تحقیقاتی کاموں تک فراہم ہوتا ہے۔ تاہم حیاتیاتی جغرافیہ کی دلچسپی کا حامل کسی قدر حیوانی جغرافیہ سے زیادہ نباتی جغرافیہ ہے۔ بدقسمتی سے حیاتیاتی جغرافیہ کے حیوانی پہلوؤں کو آج بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ چونکہ نباتات کا مطالعہ مٹی اور آب و ہوا کے بغیر، جن میں وہ اُگتے اور پرورش پاتے ہیں، نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے حیاتیاتی جغرافیہ کے مطالعہ میں مٹی کے طریق عمل (Pedogenic)، مٹی کی قسموں اور حقیقی آب و ہوا کی حالتوں کی معلومات کو بھی شامل کرنا ضروری ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ آب و ہوا کا اثر مٹی اور نباتات دونوں پر پڑتا ہے حیاتیاتی جغرافیہ کا اصل مدعا مٹی- نباتات (Soil-Vegetation) کا مطالعہ ہے۔

حیاتیاتی جغرافیہ کے مسائل: وہ مسائل جنھوں نے حیاتیاتی جغرافیہ کو الجھن میں ڈالا ہے اور اب بھی الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں:

کوئی خاص نوع (Species) کیوں کسی خاص مقام میں رہتے ہیں، مثلاً آسٹریلیا کے تھیلی دار جانور (Marsupials) متعدد اقسام والے اور ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ غیر معمولی قد و قامت کے کچھوے جو زمانہ سابق میں وسیع پیمانہ پر پھیلے ہوئے تھے، آج صرف ہندوستان اور بحر الکاہل کے چھوٹے جزیروں میں ہی کیوں ملتے ہیں؟ امریکہ کے دونوں براعظموں کے قدرتی گھاس کے خطے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جانوروں کی چراگاہوں کے اعتبار سے کیوں زرخیز نہیں ہیں؟ انٹارکٹک میں قطبی ریچھ کیوں نہیں پائے جاتے ہیں جبکہ وہاں ان کے رہن سہن کے ضروری حالات موجود ہیں؟ کیا ریگستانوں کے رقبہ میں اضافہ ہو رہا ہے اور ابتدائی جنگلات کے رقبہ میں کمی واقع ہو رہی ہے؟

دوسرے یہ کہ حیاتیاتی جغرافیہ داں اسی بات کی تحقیق کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نباتات اور جانور اپنے طبعی ماحول سے اور آپس میں ایک دوسرے سے کس طرح متاثر ہوتے ہیں؟ وہ اس بات میں دلچسپی رکھتا ہے کہ طبعی عناصر جیسے آب و ہوا، مٹی، زمین کی طبعی ساخت اور پانی نے جاندار چیزوں کی نشو و نما اور ان کے انتشار کو متاثر کس طرح کیا ہے اور کس طرح ارضیاتی دور کے واقعات نے ان کے ارتقا اور جدید دور کی نباتات اور جانوروں کی تقسیم کو متاثر کیا ہے؟

تیسرے یہ کہ حیاتیاتی جغرافیہ کا ایک اطلاقی پہلو بھی ہے۔ روئے زمین کے مختلف طبعی ماحولوں کی حیاتیاتی پیداوار کے مطالعوں سے انسان کو استعمال زمین کے بارے میں جیسے کھیتی باڑی، مویشی بانی اور بود و باش وغیرہ کا فیصلہ کرنے میں قابل وثوق شہادت ملتی ہے۔ نیز، زمانہ حال میں اس بات کا بھی پتہ چلا ہے کہ نباتاتی زندگی کے مطالعہ سے معدنی ذخائر معلوم کرنے میں صحیح معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ پس ان اطلاقی امور کے لیے انسان کے لیے جغرافیائی وسایل کی بڑی اہمیت ہے۔

جغرافیہ داں حیاتیاتی جغرافیہ کے اصولوں کو عملی طور پر کام میں لانے میں بڑی دلچسپی اس لیے رکھتا ہے تاکہ ان کی مدد سے وہ اس بُری طرح سے پامال ہونے والی دنیا میں امن و چین اور خوشی کی زندگی گزار سکے۔ یہی دراصل حیاتیاتی جغرافیہ کا سب سے اہم مقصد ہے۔

حیاتیاتی جغرافیہ - طریقہ عمل اور اہمیت: جدید جغرافیہ کے مطالعہ کی ابتدا قرون وسطی کی کائنات کی سرنوشت (Medieval Cosmography) سے ہوتی ہے جو بے ترتیب معلومات کا ایک مجموعہ ہے، اس میں علم فلکیات، علم نجوم، علم ہندسہ، سیاست، تاریخ، زمین کے اندرونی حالات کے علوم وغیرہ شامل ہیں۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے سائنسی انکشافات اور ترقیوں کی وجہ سے قدیم سرنوشت کائنات کے کئی علوم یکجا اکٹھا ہو گئے اور اپنے طور پر خصوصی علوم بن گئے۔ مثال کے طور پر طبعی جغرافیہ، ارضیات، پیمائش ارضی اور انسانیات۔ موجودہ دور کے جغرافیہ داں کے لیے، اپنی بڑھتی ہوئی معلومات کی روشنی اور زیادہ پختہ نظریہ کے پس منظر میں، کسی بھی شعبہ علم میں تخصیص ضروری ہو گئی۔ اس لیے عصر حاضر میں ایک ماہر علم جغرافیہ، علم اشکال ارضی، علم آب و ہوا، معاشی جغرافیہ اور شہری جغرافیہ کا ماہر بن جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک ناگزیر ترقی ہے کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ بیک وقت جدید جغرافیہ کی وسیع معلومات کے خزانے یا خیالات کا ماہر بن سکے۔ اس جدید مطالعہ تخصیص نے جغرافیہ کے باقاعدہ طور پر مطالعہ کی اہمیت پر زور دیا ہے جس میں زرعی جغرافیہ، صنعتی جغرافیہ، حیاتیاتی جغرافیہ، استعمال زمین اور بازیابی، اشیائے خوردنی اور آبادی، نو آبادی کا جغرافیہ اور تاریخی جغرافیہ شامل ہیں۔

حیاتیاتی جغرافیہ علم جغرافیہ کی نہایت ہی غیر ترقی یافتہ شاخ ہے جو بڑی حد تک غیر انسانی نظاموں سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم حیاتیاتی جغرافیہ کے مطالبات قابل قبول اور ناقابل تردید ہیں۔ اکثر جغرافیہ داں اس بات سے اتفاق کریں گے کہ مدت دراز تک جغرافیہ کے مضمون میں حیاتیاتی جغرافیہ کے مطالعہ کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ غالباً یہ ہو کہ زمانہ سابق میں اس مضمون کے موضوع اور ان کے صحیح طور پر مطالعہ پر غور و خوض نہیں کیا گیا ہو۔ عصر حاضر میں جغرافیہ داں کی دلچسپی زیادہ تر روئے زمین پر پائی جانے والی جاندار اشیا سے ہو گئی ہے اور حیاتیاتی جغرافیہ اس مضمون کی ترقی کا نقطہ بن گیا ہے۔ پس جدید حیاتیاتی جغرافیہ اور اس کے ماحولیاتی نقطہ نظر (Ecological approach) میں تمیز کی جاتی ہے۔

حیاتیاتی جغرافیہ واضح طور پر جاندار اشیا کا جغرافیہ ہے۔ یہ ایک وسیع تر علم ہے جو بنیادی معلومات، بالخصوص ماحولیاتی اور حیاتیاتی علوم، سے مالا مال ہے، انسان کی بڑھتی ہوئی واقفیت اور اس کی تخریبی گنجائش کی جانچ ایک ایسا اہم سبب ہے جس سے جغرافیہ داں کی حیاتیاتی جغرافیہ میں پھر سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ غالباً کسی اور کے مقابلہ میں صرف جغرافیہ داں ہی اپنے ساتھیوں کو یہ بتا سکتا ہے کہ اس سرزمین کو کس طرح قابل رہائش بنایا جا سکتا ہے لیکن حیاتیاتی جغرافیہ میں اس کے دلچسپی لینے کے دوسرے اسباب بھی ہیں۔ دور حاضر میں ماحولیات حیاتی (Ecology) کا موضوع، جو اپنے طبعی ماحول کی نسبت سے جاندار اشیا کا علم ہے، ایک غیر معمولی دلچسپی کا حامل بن گیا ہے اور میدان سائنس کا مقبول ترین موضوع ہو گیا ہے۔ ایک اعتبار سے حیاتیاتی جغرافیہ اجمالی طور پر ماہر حیاتیات کا ماحولیات سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ جس طرح حیاتیات داں عضویاتی ساخت (Organisms) کو اولین حیثیت دیتا ہے، جغرافیہ داں طبعی ماحول کو اولین مقام دیتا ہے۔ لہذا حیاتیاتی جغرافیہ پر ماحولیات کے اثر کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ ماحولیاتی طریقہ مطالعہ (Ecological Approach) اس کی خصوصیت بن گیا ہے۔ حتی کہ اشکال یا ہیئت ارضی کا ماہر (Geomorphologist) بھی اب حیاتیاتی جغرافیہ کے موضوع

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میں دلچسپی لے رہا ہے۔ کیونکہ حیاتیاتی جغرافیہ کے کئی ایسے پہلو ہیں جو ماہر ہیئت ارضی (Geomorphologist) کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان اسباب کی بنا پر حیاتیاتی جغرافیہ، ایک نشو و نما کا نقطہ ہے اور جدید جغرافیہ میں ایک ترقی پذیر موضوع ہے۔

حیاتیاتی طبقات نگاری (Bio-Stratigraphy): طبقات نگاری میں رکازی پہلو کا مطالعہ۔ حجری اکائیوں کو رکاز کی موجودگی کے مطابق علیحدہ اور ممیز کرنے کا عمل حیاتیاتی طبقات نگاری کہلاتا ہے۔

حیاتیاتی طبقات نگاری کی اکائی (Biostratigraphic Unit): وہ چٹانی طبقات نگاری کی اکائی جس کی تعریف و شناخت محض اس امر پر منحصر ہوتی ہے کہ ان میں کون سے اشاری یا رکازی منطقے موجود ہیں اور دوسری طبعی خصوصیات جیسے روابط اور حجری خصوصیات کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

حیاتیاتی طبقات نگاری منطقہ (Biostratigraphic Zone) : ایسی پرتیں جن کی شناخت ان کے رکازات کے باعث کی جاسکے۔ ان کا نام مخصوص رکاز کے نام پر رکھا جاتا ہے۔ ایسے رکازی منطقے حیاتیاتی اکائیوں کی سرحدوں کو عبور کر سکتے ہیں اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف حجری (Lithologic) خصوصیات رکھنے والی چٹانیں ایک ہی وقت میں جمع ہوتی تھیں۔ یہ بات اس وقت بالکل صحیح مانی جاسکتی ہے جبکہ یہ منطقے بار بار واقع نہ ہوں۔ اگر ایک ہی وقت میں پرتیں جمع ہوئی ہوں تو ایسی صورت میں رکازات ہم وقتی (Synchronous) سمجھے جاتے ہیں۔ جراسک عہد کے ایمونائٹ منطقے ممکنہ طور پر اسی قسم کے ہیں۔ لیکن ڈیوونین عہد (Devonian) کے بریکیوپوڈ منطقے بغیر بگڑے ہوئے (Undeformed) سیکشن (Section) میں بار بار واقع ہو سکتے ہیں اور اس صورت میں یہ منطقے ایک ہی وقت میں جمع نہیں ہوئے ہوں گے۔

حیاتیاتی فیشی (Biofacies): (ا) وہ حجری اکائی (Rock Unit) جو ایک یا اس سے زیادہ ایسے حیاتیاتی ماحولیہ (Biotope) سے بنتی ہو جو افقی طور پر مساوی (Equivalent) حیاتی اجتماع سے حیاتی اعتبار سے مختلف ہوں۔ (ب) کسی طبقاتی اکائی (Stratigraphic Unit) کے حیاتیاتی اور باتیاتی عناصر میں جغرافیائی تبدیلی (Variation)۔ (ج) وہ رکازی اجتماعات (Fossil Assemblages) جو ایک ہی وقت میں مگر مختلف حالات میں بنے ہوں۔

حیاتیاتی ماحولیہ (Biotope): (ا) حیاتیاتی اکائی جس کی تشریح اور توضیح ماحول کے مطابق کی جاسکے اور جو حیاتیہ پر ماحول کا اثر نمایاں طور پر ظاہر کرے۔ (ب) وہ علاقہ جہاں ایک جیسی انواع کے جاندار موجود ہوں جو ماحول کے مطابق خود کو ڈھال چکے ہیں۔

حیاتیاتی وقت (Biochron): کسی نوع کے وجود کا کل زمانہ۔ وہ ارضیاتی وقتی اکائی جو حیاتی طبقات کے منطقے سے مطابقت رکھتی ہو۔

حیاتیاتی وقتی اکائی (Biochronological unit): وہ رکازی منطقہ (Fossil Zone) جو یکساں زمانی دور کی نشان دہی کرتا ہے۔

حیاتیہ (Biota): کسی خطہ ارض کی حیوانی یا نباتاتی زندگی حیاتیہ کہلاتی ہے۔

حیدر آباد: جنوبی ہند کی ریاست آندھرا پردیش کا صدر مقام ہے۔ موسیٰ ندی پر واقع ہے۔ 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 4,344,437 ہے۔ حیدر آباد کی بنیاد گولکنڈہ کے قطب شاہی دور میں رکھی گئی تھی۔ اپنے عہد میں سلطنت گولکنڈہ مغل سلطنت کے بعد ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ یہ علم و فن کا بہت بڑا مرکز تھی۔ دور دور سے خاص طور پر شمالی ہند، ایران اور وسط ایشیا سے شاعر اور ادیب اور عالم یہاں کھنچ کھنچ کر آتے تھے۔ قطب شاہی سلطنت کا صدر مقام پہلے گولکنڈہ تھا لیکن جب آبادی بڑھی اور سلطنت نے ترقی کی تو یہ شہر بہت ناکافی ثابت ہونے لگا۔ چنانچہ پانچویں بادشاہ محمد قلی قطب شاہ نے جسے فن تعمیر سے بھی کافی دلچسپی تھی، گولکنڈہ سے کچھ دور موسیٰ ندی کے کنارے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ یہاں اس نے ایک منصوبہ کے مطابق شہر تعمیر کیا۔ بہت سی اہم تاریخی عمارتیں تعمیر کیں۔ وسیع باغ اور باغیچے لگوائے۔ وسیع اور چوڑی سڑکیں، دواخانے، پانی کے خزانے اور محل وغیرہ تعمیر کروائے۔ لوگوں کے رہنے کی بستیاں الگ بنوائیں اور وسیع بازار ان سے الگ۔ اس دور کی شہری منصوبہ بندی کا یہ ایک چھوٹا نمونہ بن گیا۔ قطب شاہی دور کی سب سے نادر عمارت چار مینار آج تک اسی طرح قائم ہے۔ اس کے فن تعمیر میں ہندی اور عربی طرز تعمیر کی آمیزش کی گئی ہے۔ چاروں طرف نہایت بلند محرابیں (کمانیں) ہیں اور چار کونوں پر 180 فٹ اونچے مینار بنائے گئے ہیں۔ اس عمارت کو شہر میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے چاروں سمت چار وسیع سڑکیں بنائی گئی تھیں اور پورا شہر اس کے اطراف تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی کے قریب ایک وسیع مسجد "مکہ مسجد" تعمیر کی گئی جس کے اندر دس ہزار آدمیوں کی ایک ہی وقت میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اس کے علاوہ اس دور کی بنی ہوئی ہے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

شمار مسجدیں، تالاب وغیرہ آج تک موجود ہیں۔

حیدر آباد کی رونق قطب شاہی دور تک رہی۔ سنہ 1685 میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب نے قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ اس کے بعد تقریباً سو سال تک یہ کس مپرسی کی حالت میں رہا۔ اور پھر جب نظام الملک اول دکن کے صوبہ دار بنے تو وہ ان کے تحت آگیا۔ سنہ 1724 میں نظام الملک نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور آصفیہ خاندان کی سلطنت کی بنیاد پڑی اور پھر اس ریاست کا صدر مقام حیدر آباد منتقل ہو گیا اور یہ ریاست نظام حیدر آباد کہلانے لگی۔

جب ریاست پر انگریزوں کا اثر بڑھنے لگا تو انھوں نے حسین ساگر تالاب کی دوسری جانب اپنی فوجی چھاؤنی قائم کی جو سکندر آباد کے نام سے مشہور ہوئی۔ آصفیہ دور میں اسی چار مینار کے اطراف بے شمار محل اور امرا کی کوٹھیاں تعمیر ہوئیں۔ بعد کے دور میں آبادی موسیٰ ندی کی دوسری جانب بھی پھیلنے لگی۔ دواخانوں، دفتروں اور کالجوں وغیرہ کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ موسیٰ ندی پر بندھ باندھ کر تالاب بنائے گئے۔ آزادی کے بعد سنہ 1948 میں ریاست میں اندرونی کشمکش بڑھ گئی اور حکومت ہند نے فوجی مداخلت کر کے پرانے آصفیہ خاندان کی حکمرانی ختم کر دی اور ریاست حیدر آباد انڈین یونین کا جزو بن گئی۔ سنہ 1956 میں جب زبان کی بنیاد پر صوبوں کی نئے سرے سے تنظیم ہوئی تو ریاست حیدر آباد کے کنڑ اور مراٹھی بولنے والے علاقے علی الترتیب ریاست کرناٹک اور ریاست مہاراشٹرا میں ملا دیے گئے اور تلگو بولنے والوں کے علاقے کو صوبہ مدراس سے الگ کیے ہوئے علاقہ آندھرا سے ملا دیا گیا اور تلگو بولنے والے تمام لوگوں کا ایک صوبہ آندھرا پردیش بن گیا۔ حیدر آباد ہی اس کا صدر مقام رہا۔

آزادی سے پہلے ہی سے حیدر آباد میں صنعتیں قائم ہونا شروع ہو گئی تھیں لیکن آزادی کے بعد بے شمار اور بڑی بڑی صنعتیں یہاں قائم ہونے لگیں۔ مرکز نے بھی یہاں بھاری مشینیں، ہوائی جہاز، گھڑیاں، بجلی پیدا کرنے کی مشینیں، الکٹرونکس اور دواسازی کی صنعتیں قائم کیں اور آج حیدر آباد تیزی کے ساتھ ایک صنعتی شہر بنتا جا رہا ہے۔

اسی زمانہ میں اس شہر نے تعلیم میں بھی زبردست ترقی کی ہے۔ دو یونیورسٹیاں اور ایک زرعی اور ایک ٹکنیکل یونیورسٹی اور کئی کالج قائم ہیں۔ شہر میں ڈھائی سو سے زیادہ ثانوی مدارس ہیں۔

تہذیبی طور پر بھی حیدر آباد نے کافی ترقی کی ہے اور اب یہ تلگو ادب، ڈرامے اور موسیقی اور دوسرے فنون کا ایک بڑا مرکز بن گیا ہے۔ آزادی سے پہلے یہ اردو زبان و تہذیب کا ایک اہم مرکز تھا۔ یہ روایات اب بھی کافی حد تک موجود ہیں۔

حیفہ: یہ شمال مغربی اسرائیل کا مشہور بندرگاہ اور اسی نام کے ضلع کا مستقر ہے۔ سنہ 1918 میں برطانوی فوجوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ 1922 میں فلسطین کا ایک حصہ بن گیا۔ یہاں کئی بھاری صنعتیں اور تیل صاف کرنے کا کارخانہ ہے۔ یہاں عبد البہا (بہاء اللہ) کا مقبرہ بھی ہے اس لیے یہ بہائی تنظیم کا بہت بڑا مرکز ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 174,000 تھی۔

یہ شہر غالباً تیسری صدی عیسوی میں شروع ہوا تھا۔ اسلامی دور حکومت میں یہ غیر معروف رہا۔ یورپی صلیبیوں نے اسے ترقی دی اور یہ تجارت کا مرکز بن گیا۔ وہ اسے کیفہ کہتے تھے۔ سنہ 1191 میں صلاح الدین اور صلیبیوں کی جنگ میں یہ تباہ ہو گیا۔ اٹھارہویں صدی سے یہ پھر ترقی کرنے لگا۔

حیواناتی یا حیوانی زندگی (عام خصوصیات): حیوانات، نباتات کے مقابلے میں انفعالی طور پر بیرونی اثرات کے کم تابع ہوتے ہیں اور اپنی بقا کے لیے پوری طاقت کے ساتھ کسی چیز کا رد عمل کرتے ہیں۔ حیوانات کی دو خصوصیات ہوتی ہیں جن سے بڑی حد تک نباتی دنیا کی زندگی محروم ہوتی ہے۔ یہ ذہانت اور حرکت پذیری ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نباتات میں زود حسی ہوتی ہے لیکن ان کے پاس دماغ (عقل) نہیں ہوتا، اس لیے وہ سوچ نہیں سکتے۔ اس کے برعکس اعلیٰ نوع کے حیوانات میں ذہانت کی قوت ہوتی ہے اور وہ بہتر طور پر اپنا تحفظ کر سکتے ہیں۔ نباتات، جانوروں اور قدرتی اتفاقی حادثات کے سبب موت کے ڈر سے جیسے اچانک آگ یا سیلاب، سے اپنا تحفظ نہیں کر سکتے اور عموماً نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ لیکن جانور ان حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں یا ڈر کر بھاگ سکتے ہیں اور نقصان سے بچ سکتے ہیں اور زندہ بھی رہ سکتے ہیں۔

جانوروں میں حرکت کی طاقت ہوتی ہے۔ اعلیٰ نسل کے جانور ایک مقام سے دوسری مقام کو تیزی سے حرکت کرتے اور طویل فاصلہ طے کرتے ہیں۔ بعض جانور، جن کی صفت نقل وطن ہوتی ہے، ہر سال دور دور کے مقامات کا سفر کرتے ہیں۔ ذہانت اور نقل پذیری کی ان دو خصوصیتوں کی وجہ سے جانوروں میں نباتات کے مقابلے میں کشمکش حیات اور طویل زندگی کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔

جانوروں میں دو مزید خصوصیات ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ نباتات سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ حیوانی طرز زندگی مختلف النوع ہوتی ہے اور ان کی تقسیم زیادہ پیچیدہ اور وسیع ہوتی ہے۔ سنارو فخ زرسل، رہوڈوڈین ڈران، کھجور کے درخت اور

قد آور ریڈ ووڈ میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ لیکن ان سے زیادہ بڑے پیمانے پر اختلاف، جھینگے، وہیل، شتر مرغ، تتلی اور شیر میں ہوتا ہے۔ گو کہ ان میں تھوڑی بہت مطابقت ضرور ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود ایسے بڑے گروہوں کے درمیان زبردست اور بنیادی اختلاف ہوتا ہے، جیسے آبی جانور، خشکی کے مویشی اور پردار جاندار۔ چند مستثنیات کے علاوہ نباتات، روشنی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ غار کے پودوں اور آبی پودوں کے علاوہ نباتی زندگی کا تعلق سطح زمین سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جانوروں کو قطعی طور پر روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض زیر زمین بھی رہ سکتے ہیں اور بعض سمندر کی بالکل گہرائیوں میں۔ نباتات کی چند انواع، بجز ان کے، جن کو انسان نے پھیلایا ہے، حقیقی معنوں میں دنیا کے وسیع علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن بے شمار ایسے جانور ہیں جن کی خطہ واری تقسیم بہت وسیع ہے۔ دراصل حیواناتی زندگی کی جغرافیائی تقسیم نباتاتی زندگی کے مقابلے میں بہت زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔

حیواناتی یا حیوانی طرز زندگی: اصطلاح "حیوانیہ" سے مراد حیوانی طرز زندگی ہے۔ سائنٹفک اصول پر حیوانات کی طرز زندگی کا مطالعہ علم حیوانیات کہلاتا ہے جو علم حیاتیات کی دو اہم شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ یہ علم حیوانات کی درجہ بندی اور ان کے تقابلی مطالعہ پر روشنی ڈالتا ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ ایک انتہائی پیچیدہ موضوع ہے۔ مطالعہ کے یہ تمام مختلف پہلو اور ان کی جغرافیائی تقسیم، فطری ماحول اور اس سے متعلقہ جانوروں کی نسبت کی جانچ اور توضیح کرتے ہیں۔ حیوانات کا جغرافیہ، علوم حیوانیات اور جغرافیہ کی ایک شاخ ہے جس کا مطالعہ دونوں موضوعات میں ہوتا ہے۔ اس کا موازنہ علم جغرافیائی شکلیات سے کیا جاسکتا ہے جو جغرافیہ اور ارضیات کے لیے مشترک ہے۔ حیواناتی جغرافیہ خاص طور پر حیوانات کی انواع کی تقسیم اور ان پر فطری ماحول کے اثرات سے متعلق ہے، لیکن اس بحث میں انسان کو جانوروں سے جو فائدے ہوتے ہیں ان کا مطالعہ بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔ عملی طور پر غالباً حیواناتی جغرافیہ، جغرافیہ کے تمام مختلف پہلوؤں میں کم اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے کبھی بھی ماہرین حیواناتی جغرافیہ کے بارے میں نہیں سنا گیا جیسا کہ ہم ماہرین شہری جغرافیہ (Urban Geography) یا ماہرین موسمیات نیز آب وہوا (Climatologists) وغیرہ کے بارے میں سنتے ہیں۔

حیوانات کی درجہ بندی دو خاص گروہوں میں کی جاتی ہے۔ فقری (ریڑھ دار حیوان)، جن میں دماغ اور ایک نخاعی ستون ہوتا ہے اور دوسرے غیر فقری۔ لیکن ماہر حیاتیات تین ذیلی عالم حیوانات تسلیم کرتے ہیں۔ پروٹوزوا، ایک خلوی عضویات کے چھوٹے جاندار، جن کے اجسام واحد، غیر منقسم زندہ مادے کے تودوں سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ پیرازووا، اونٰی جانور جو کثیر الخلوی ہوتے ہیں۔ ان میں صرف ایک حائلہ (خلیہ) پوسطرا یا اسفنج (اسفنج) ہوتا ہے۔ میٹازوا کثیر الخلوی جانور ہوتے ہیں جن میں جسمانی خلیوں کی تخصیص ہوتی ہے۔ حیوانی زندگی کے بیشتر حصے کا تعلق اسی ذیلی عالم حیوانات سے ہوتا ہے جس میں بے شمار حاکمے ہوتے ہیں۔

نباتات کی مانند، حیوانات بھی مختلف جسامت کے ہوتے ہیں، یعنی خوردبینی جانداروں سے لے کر بڑی بڑی جسامت والے جاندار، جیسے ہاتھی اور وہیل۔ حیوانات کو بالخصوص نباتات سے اس طرح ممتاز کیا جاتا ہے کہ ان میں قوت حرکت زیادہ ہوتی ہے جس سے وہ کلوروفل اور سیلولوز کے مرکبات کی غیر موجودگی میں نامیاتی مادوں کو ہضم کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ البتہ غذا کی نوعیت کے اعتبار سے بنیادی طور پر حیوانات، سبز نباتات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ حیوانات کی جتنی بھی اعلیٰ نوع ہوگی، اتنا ہی ان میں اور نباتی زندگی میں فرق ہوگا۔

اپنی غیر معمولی قوت حرکت کی بدولت، حیوانات، نباتات کے مقابلے میں دور دور تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور حیوان مطلق جن میں سفر کرنے کی زبردست قابلیت ہوتی ہے، جیسے پرندے، اپنی مرضی کے مطابق کہیں بھی جاسکتے ہیں۔ ان میں سے بے شمار پرندوں میں موسموں کی تبدیلی کے ساتھ کہیں بھی ہجرت کرنے کی خصوصیت ہوتی ہے۔ بعض حیوانات، مثال کے طور پر شمالی کینیڈا کے کیری بو اور چند مچھلیاں جیسے سامن (سالمن) بھی بہ لحاظ موسم نقل وطن کرتے ہیں۔ البتہ حیوانات کے منتشر ہونے کی حدود اکثر قدرتی جغرافیائی رکاوٹوں کی وجہ سے مقرر ہوتی ہیں جیسے سمندر اور دوسرے آبی سد راہ، ریگستان اور کسی حد تک پہاڑی سلسلے، جنگلات اور دلدلیں۔ طبعی علیحدگی نہ صرف ان کی حرکت میں امر مانع ہوتی ہے بلکہ اس سے مخصوص نوع کے حیوان وقوع میں آتے ہیں۔

حیوانات کی تخصیص شدہ ماحولیاتی مطابقت: جس طرح نباتات تخصیص شدہ مطابقت سے فطری ماحولیات، بالخصوص آب وہوا، کے موافق نشوونما پاتے ہیں اور اس کو ظاہر کرتے ہیں، اسی طرح حیوانات بھی مطابقت پیدا کرتے ہیں۔ بعض حیوانات کے انواع خاص رہائش گاہوں کو خصوصی طور پر ترجیح دیتے ہیں مثلاً بعض مٹی (خشکی) میں رہنا پسند کرتے ہیں تو دوسرے لب دریا یا دلدلی مقامات میں، حتیٰ کہ کچھ درختوں پر گزارہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

وہ جاندار جو مٹی میں رہتے ہیں برہاش کہلاتے ہیں۔ مٹی میں رہنے

والوں کی مثالیں بچھوے، انواع و اقسام کے حشرات، کترنے والے جاندار (Rodent) اور چھچھوندر ہیں۔ بل کھودنے والے (Burrowing) جانور عموماً اپنی عادتوں میں شب باش ہوتے ہیں اور جاڑے کے موسم میں بے حس و حرکت سوتے رہتے ہیں۔ زمین کے اندر رہنے والے جانور جو مخصوص مطابقتوں کے حامل ہوتے ہیں، متعدد اقسام کے ہوتے ہیں مثلاً ڈوری نما (String)، اگلے پنجوں کے ناخنوں سے مٹی کھودنے والے، پیچھے کے پنجوں سے مٹی پھینکنے والے، تیز، نوکدار سر والے، مضبوط باہر کو نکلے ہوئے دانت اور چھوٹی یا نامکمل (Rudimentary) دُم والے جانور۔ زیر زمین رہنے والے جانوروں کو روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے زیر زمین رہنے والے جانوروں کی آنکھیں کمزور ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض تو تقریباً اندھے ہوتے ہیں۔

اکثر جاندار مرطوب ماحول کو پسند کرتے ہیں جن کو (Aquatic) کہتے ہیں۔ ایسے چند جاندار جیسے سنجاب اور دیگر جانوروں نے نیم آبی طرز زندگی اختیار کرلی ہے۔ متعدد پرندے اور پستانیے لب دریا کے ماحول کو، وہاں کی غذا کی فراوانی، جو کیڑوں، حشراتوں وغیرہ کی شکل میں ندیوں اور جھیلوں میں ہوتی ہے، پسند کرتے ہیں۔ پرندوں میں انوکھی قسم کی چونچیں، جھلی دار پیر اور بعض اوقات لمبی ٹانگیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ گہرے پانی میں چل سکتے ہیں مثلاً لق لق، لم ڈھینگ اور نیم آبی پستانیے جیسے سنجاب اور دیگر جاندار جن کے ملائم چکدار دھارا نما جسم ہوتے ہیں اور جھلی دار پیر اور موٹا فر ہوتا ہے۔ سمندری گھوڑا، سُم دار جانور کی ایک اچھی مثال ہے جس نے نیم آبی طرز زندگی سے مطابقت پیدا کرلی ہے۔ یہ نیم گرم پانی اور دلدل میں لوٹنا پسند کرتا ہے۔ اس حالت میں خاص مطابقتیں سر میں ہوتی ہیں جہاں کان، آنکھیں اور نتھنے کھوپڑی کے اوپری حصے میں ہوتے ہیں۔ آبی بھینسیں بھی اس طرح پانی میں رہنا پسند کرتی ہیں۔

شجر پسند جانور یعنی وہ جو بڑی حد تک درختوں پر رہتے ہیں آربوریل (Arboreal) کہلاتے ہیں۔ ایسے جانوروں میں خاص طرح کی ترمیمیں ہوتی ہیں جن کی مدد سے وہ درختوں پر چڑھتے، کودتے اور تیزی سے حرکت کرتے ہیں مثال کے طور پر بندروں میں کئی طرح کی مطابقتیں ہوتی ہیں مثلاً سامنے کے لمبے بازو، مقابل پذیر انگوٹھے، لمبے پنجے اور گرفت میں لانے والی دُمیں جو ان کو درختوں پر زندگی گزارنے کے قابل بناتی ہیں۔ تاہم دوسرے جاندار جیسے اڑنے والی گلہری اور لیمور کے پاؤں اور جسم کے درمیان جھلیاں ہوتی ہیں جن کی مدد سے وہ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر کود سکتے ہیں۔ اکثر نباتات کے پتوں، پھلوں اور گری دار میووں پر گزارہ کرتے ہیں۔

حیوانی طرز رہائش کا ایک دلچسپ پہلو ان کی اشکال اور رنگ ہیں۔ ان کی مختلف اشکال اور رنگ میں ایسی چیزیں شامل ہوتی ہیں جیسے بہروپ بدلنا، نقل اتارنا اور روشنی پیدا کرنا۔ یہ تمام عمل یا تو فطری ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں یا پھر کسی حملہ سے حفاظت کی خاطر عمل میں لائے جاتے ہیں۔ جب خطرہ لاحق ہوتا ہے تو کئی جاندار بالکل خاموش رہتے ہیں اور اس کی امید رکھتے ہیں کہ ان کی اشکال اور رنگ دشمن کو خائف کردیں گے۔ جن سے وہ دشمن کو ڈرانے کے لیے محافظتی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ حفاظتی نوآبادی (Protecting Colony) حیوانات کی عام خصوصیت ہے۔ اس طریقہ کار سے وہ اپنے فطری ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں اور اپنی محافظت کرلیتے ہیں۔ مثال کے طور پر بے شمار جانور جو برفانی ماحول میں رہتے ہیں وہ سفید رنگ کے ہوتے ہیں یا اپنے گرمائی رنگ کو سرما کے موسم کی آمد کے ساتھ سفید رنگ میں بدل دیتے ہیں۔ مثلاً ٹرمیگان (Tarmigan) اور آرکٹک کے جانور اور ریگستان کے ڈینیزن (Denizens) گندمی یا زردی مائل بھورے ہو جاتے ہیں تاکہ زرد رنگ کے علاقوں سے امتزاج پیدا کرسکیں۔ جوابی تاریکی جس میں جانوروں کی پشت کا حصہ ان کے نچلے حصے کے مقابلے میں زیادہ سیاہ ہوتا ہے، یہ ایک سادہ فعل ہے جس سے وہ روشنی اور تاریکی کے اثرات کو رد کردیتے ہیں اور گردو پیش کے مقامات میں غائب ہو جاتے ہیں۔ بعض جانوروں کے جسم گہرے نقش و نگار سے مزین ہوتے ہیں یعنی ان کے جسم پر چوڑی چوڑی دھاریاں اور بے ترتیب جوابی دھوکہ دینے کے رنگ ہوتے ہیں۔ مثلاً تیندوے اور زیبرا میں سوانا کے خطہ کی لمبی گھاس کے بالکل جوابی رنگ ہوتے ہیں۔ ادنیٰ قسم کے جانوروں میں بعض ایسے جانور ہوتے ہیں جو بڑی تیزی سے اپنا رنگ بدل دیتے ہیں مثلاً چھپکلی اور مینڈک۔ بے شمار مچھلیاں بڑے نادر رنگ کے نمونوں کا اظہار کرتی ہے۔ بعض چپٹی مچھلیاں، جو خصوصاً سمندر کی تہ پر رہتی ہیں، عجیب طریقوں سے چند سیکنڈوں میں اپنے رنگ اور جسمانی نقش و نگار بدل دیتی ہیں۔ بعض جانوروں کے جسم کی بناوٹ ہی ان کی محافظت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ ان کے جسموں کی بناوٹیں یا نقش و نگار، ان کے اردگرد کے ماحول سے امتزاج پیدا کرنے میں ان کے ممدو معاون ثابت ہوتے ہیں۔ جب یہ جانور خاموش رہتے ہیں تو واقعی طور پر علیحدہ چیزوں کی طرح ناقابل شناخت ہوتے ہیں۔ کئی چھپکلیوں کا درخت کی چھال سے تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چھپکلی کے بازوؤں اور دم پر حاشیے ہوتے ہیں جو درخت کی چھال سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سی ڈریگن میں، جو ایک قسم کا سمندری گھوڑا ہوتا ہے، آگے کو نکلی ہوئی لمبی جلد ہوتی ہے جو سمندروں کی بحری گھاس سے، جس میں وہ رہتا ہے، مشابہت رکھتی ہے۔ حشرات

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میں محافظتی بناوٹیں بڑی عام ہوتی ہیں۔ بہت سی تتلیوں کے پرچوں کے رنگوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں تاکہ وہ جب کسی ٹہنی پر اتریں تو پتوں کی طرح نظر آئیں۔ چھتری نما حشرات، جن کے جسم پتلے اور لمبے ہوتے ہیں، ٹہنیوں سے بڑی حیرت میں ڈالنے والی مشابہت رکھتے ہیں۔ بعض جانوروں کے بڑے جاذب توجہ رنگ ہوتے ہیں جنہیں خطرے کا رنگ کہا جاتا ہے، جس سے وہ غیر مرغوب اور خطرناک ہونے یا گریز کرنے کی تشہیر کرتے ہیں۔ بھیا (بھیڑ)، سانپ، چند بھدے قسم کے مینڈک اور بجز کیلے داغدار گندمی رنگ کے بھونرے ایسے چند جاندار ہیں جو خطرے کے رنگوں کا اظہار کرتے ہیں۔ کئی جانور مثلاً خرگوش اور ہرن (مرگ) جب خوف زدہ ہوتے ہیں تو جسم کے ایک سفید دھبے کو دکھانے کے لیے اپنی دم اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح اسپر نگ ہاک جب خائف رہتا ہے تو اپنی پشت کے لیے سفید بالوں کو جو عموماً پوشیدہ رہتے ہیں دکھانے کے لیے فضا میں کودتا ہے۔ یہ دراصل آنے والے خطرے کی اطلاع دینے کی علامت ہوتی ہے۔

حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی کئی قسموں میں نقالی بھی ایک قسم ہے۔ جانوروں میں نقالی ایسی دھوکہ دینے والی صورت اختیار کرتی ہے جیسے خطرے کے رنگ، خوف زدہ کرنے کی حالتیں اور تقلید۔ کئی چھوٹے اور غیر محفوظ جانور اپنے دشمنوں کو دھوکہ دینے کے لیے نقالی اختیار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہارن مکھیوں (Horn Flies) کی نوع زہریلے سانپ کے رنگ اور اس کے جسم کے رنگ کے نمونوں کی نقل کرتی ہے۔ بالآخر جانوروں میں رنگ کے نمونوں سے بہروپ، وغیرہ بدلنے کے علاوہ دوسرے فائدے بھی ہیں کیونکہ ضروری اوصاف میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کی سب سے واضح مثال پرندوں میں ملتی ہے، جن میں نر پرندوں کا رنگ مادہ پرندوں سے زیادہ شوخ ہوتا ہے جس کا وہ اپنے پیار اور محبت (Courtship) کے زمانے میں اظہار کرتے ہیں۔

شکل اور رنگ سے مربوط تابانی ہوتی ہے جس سے عضویے روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ تابانی جانور میں وسیع طور پر پھیلی ہوتی ہے جو نصف سے زیادہ حیوانیاتی نسل میں موجود ہوتی ہے۔ مچھلیاں جن میں غیر معمولی طور پر تابانی ہوتی ہے۔ فقری جانوروں کا وہ تنہا گروہ ہے جس کی خصوصیت روشنی پیدا کرنا ہے۔

خشکی پر چند شب باش نور آفریں جاندار ہوتے ہیں۔ مثلاً جگنو۔ ان چند جانوروں میں جو تاریک مقامات میں رہتے ہیں، مثلاً فنگس نائس، جگنو، کرناٹک شب باش۔ بیوبا (Buba) کے قول کے مطابق مچھلیوں کی تمام انواع سے تعلق رکھنے والے تقریباً دو تہائی جاندار جو سطح سمندر سے 55 میٹر نیچے رہتے ہیں نور آفریں ہوتے ہیں۔ مچھلیوں کے علاوہ، ڈیپر سل جیلی مچھلیوں کی بڑی تعداد، کوپ پاڈس، جھینگے اور اسکیڈ سن بھی نور آفریں ہوتے ہیں۔

خ

خارجی ارضی ہم میلان یاکاس (Exogeosyncline): وہ پیرا ارضی ہم میلان یاکاس (دیکھیے پیرا ارضی کاس Parageosyncline) جس میں وہ دانہ دار رسوبات (Clastic Sediments) جمع ہوں جو کرنیان کے علاوہ دوسرے علاقوں سے حاصل ہوئے ہوں۔

خاکی یامٹیائی جمادات (Clay Minerals): چکنی مٹی (Clay) کے اجزائے ترکیبی والے جمادات کے باعث اس میں ملائمیت (Plasticity) پیدا ہو جاتی ہے، یہ جمادات عموماً بے حد مہین، عام طور پر لمبے پرت دار (Flaky) یا کبھی کبھی ریشے دار قلموں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ جمادات اپنے نظام میں موجود پانی کی مقدار اور حرارت کے مطابق پانی جذب کرنے یا خارج کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ ان کے ذرات عام طور پر جسامت میں لسونتی (Colloidal) سے لے کر اس حد تک بڑے ہو سکتے ہیں کہ ان کو معمولی خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے مگر ان کی شناخت کے لیے دو ہی طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ (ا) لاشعاعی انکسات (X-Ray Diffraction) اور (ب) حرارتی تفریقی تجزیہ یا ڈی. ٹی. اے (DTA)۔

یہ جمادات عام طور پر دوسرے سلیکیٹ (Silicate) اور بطور خاص فیلسپار (Felspar) گروہ کے جمادات کی فرسودگی اور آبی حرارتی عملوں (Hydro-thermal Processes) کے باعث تبدیل ہونے سے وجود میں آتے ہیں۔

خرم شہر: یہ ایران کا تیل برآمد کرنے والا اہم بندرگاہ اور ریلوے اسٹیشن ہے۔ ایران اور عراق کی سنہ 1980 کی جنگ میں اس شہر کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ اس کا عربی نام "المحرا" ہے۔ بعض اوقات اسے کو ہر شط العرب کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ دریائے قارون اس کے درمیان سے گزرتا ہے۔

خصوصی ترتیب شدہ درجہ دار پرت داری (Graded Bedding): ایسی رسوبی اکائی جو کہ مخصوص قسم کی بتدریج ترتیب (Sorting) کی حامل ہو۔ یعنی جب کسی اکائی میں موٹے دانے دار مادے پرت کے تلے کی طرف ہوں اور اوپری سطح کی طرف ذراتی سائز (Particle Size) بتدریج کم ہوتا جائے یعنی اوپر کی طرف باریک دانے دار مادے ہوں تو اس ساخت کو ترتیب شدہ پرت داری کہا جاتا ہے۔ ایسی اکائی گول پتھروں (Pebbles) (2 مم سے زیادہ) کے سائز سے شروع ہو کر اوپر کی طرف باریک چکنی مٹی (Clay) تک کے سائز (1/256 مم سے کم) پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ مکمل طور پر ایسی ترتیب کی صورت میں اس سے پرت کی اوپری سطح (Top) اور تلے (Bottom) کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جہاں خیدگی (Folding) کی وجہ سے کسی موڑ کا ایک بازو (Limb) الٹا (Inverted) ہو گیا ہو تو اس بازو میں نہ صرف یہ کہ پرتوں کی ترتیب (Succession) الٹی ہو جائے گی، بلکہ اس کا پتہ اس طرح بھی چل سکتا ہے کہ کسی پرت میں ایسی پرت داری ہو کہ باریک مادے نیچے ہوں اور موٹے مادے اوپر کی طرف کیونکہ عام حالات میں رسوبیت اس طرح نہیں ہوتی۔

خط فشار: بعض اوقات تقریباً متوازی پھیلاؤ کے پہاڑی سلسلوں سے اترنے والی ندیوں کا پانی آبشار کی شکل میں گرنے کے بعد میدانوں میں مختلف مقامات پر قوت کے ساتھ پہنچتا ہے۔ ان تمام مقامات کو جوڑنے والے فرضی خط کو خط فشار کہا جاتا ہے۔

خط مساوی البار: یہ ایسا خط ہے جو نقشہ میں یکساں فضائی دباؤ رکھنے والے مقامات کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ وسیع علاقہ پر اس قسم کے متعدد خطوط بنانے ہوں تو ان کے درمیان انچوں یا ملی بار کی کسروں میں تفاوتی وقفہ مقرر کر لیا جاتا ہے۔ باہمی تقابل دباؤ کے لیے مشاہدات میں اوسط سطح سمندر کی مطابقت سے تخفیف کر دی جاتی ہے۔ دنیا کے نقشہ میں یا کسی منتخبہ علاقہ پر کسی معینہ مدت یا تاریخ میں دباؤ کی اوسط تقسیم کو ایسے ہی خطوط سے دکھایا جاتا ہے۔

خط مساوی الباران: یہ کسی بھی علاقہ پر کسی معینہ مدت میں بارش کی ایک

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

224

تقسیمی مقدار پانے والے مقامات کو جوڑنے والا خط ہے۔

خط مساوی القدر: تقسیمی نقشوں یا شکلوں میں مختلف علاقوں پر منتخبہ زمانہ میں کسی چیز کی مساویانہ تقسیم رکھنے والے مقامات کو جوڑ کر جو خط منحنی بنایا جاتا ہے خط مساوی القدر کہلاتا ہے۔ مثلاً کسی علاقہ کی آب و ہوا کے حالات کو ظاہر کرنے کے لیے مختلف مقامات کی اوسط ماہانہ، اوسط موسمی یا اوسط سالانہ حرارت، بارش یا فضائی دباؤ کو ظاہر کرنے والے اعداد و شمار نقشہ میں درج کر کے یکساں قدروں کے نقطوں کو جوڑ کر خطوط مساوی الحرارت، خطوط مساوی الباران اور خطوط مساوی الباد تیار کر لیے جاتے ہیں۔ اسی کی طرح کسی اور چیز کی یکساں مقدار کے پھیلاؤ کو ظاہر کرنے والے خطوط بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ ان خطوط کے درمیان کوئی مناسب وقفہ رکھا جاتا ہے جو وقفہ قدر کہلاتا ہے۔ وقفہ نقشہ کے پھیلاؤ اور اعداد و شمار کی وسعت کے مدنظر مناسب نہ رکھا جائے تو نقشہ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ خطوط مساوی القدر بہت زیادہ بن جائیں تو نقشہ کو پڑھنے میں دشواریاں ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد بہت کم ہو تو تقسیمی نقشہ کی تیاری کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ نقشہ میں کسی جگہ اس قسم کے خطوط زیادہ تعداد میں پاس پاس ہی پھیلے ہوئے دکھائی دیں تو تقسیم میں تیز رفتار تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ خطوط صحیح تقسیم کا پتہ دیتے ہیں اور صحیح اعداد و شمار کی مدد سے تیار کیے جاتے ہیں۔ ان خطوط سے کسی چیز کی تدریجی تقسیم میں تدریجی کمی بیشی کو بہتر طریقہ پر دکھایا جا سکتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر تقسیم میں غیر معمولی فرق موجود ہو تو اس قسم کے خطوط سے تقسیمی پہلو دکھانا قطعی مناسب نہ ہوگا۔

خط نظر: جب آنکھ سے کئی چیزوں کو ایک ہی خط مستقیم میں دیکھا جاتا ہے تو ان تمام چیزوں سے گزرنے والے فرضی خط کو خط نظر کہا جاتا ہے۔

خط ہم تفاوت: یہ نقشہ میں بنا ہوا ایسا خط ہے جو موسم یا آب و ہوا کی یکساں بے ربطی رکھنے والے مقامات کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی بھی منتخبہ عرض البلد کے کئی مقامات کے اوسط درجہ حرارت کی مدد سے اس کا اوسط درجہ حرارت معلوم کرنے کے بعد اس سے اختلاف یا انحراف رکھنے والے مقامات کو سلسلہ وار جوڑ کر ایک خط منحنی حاصل کر لیا جاتا ہے۔ یہی خط ہم تفاوت کہلاتا ہے۔ عرض البلد کے اعتبار سے درجہ حرارت کا فرق غیر معمولی طور پر زیادہ ہو تو تفاوت مثبت کہلاتی ہے۔ اس کے برعکس انحراف کی غیر معمولی کمی کو تفاوت منفی سمجھا جاتا ہے۔

خط ہم تمازت: یہ وہ خط ہے جو نقشہ میں دھوپ کی یکساں کیفیت رکھنے والے مختلف مقامات کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔

خط ہم شوریت: یہ خط بحری نقشہ میں ایک ہی شوریت رکھنے والے مقامات کو جوڑتا ہے۔

خط ہم مطلع: کسی وسیع علاقہ پر ایک معینہ مدت میں ابر کی اوسطاً یکساں کیفیت رکھنے والے مقامات کو جوڑنے والے خط کو خط ہم مطلع کہا جاتا ہے۔

خطی پیانہ: یہ نقشہ کے حاشیہ پر بنا ہوا ایک ایسا خط مستقیم ہے جو کسی علاقہ کے اصل پھیلاؤ اور اسے پیش کرنے والے نقشہ کے پھیلاؤ کے درمیان کی نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی علاقہ کا ایک میل کا فاصلہ نقشہ میں ایک انچ سے دکھلایا گیا ہو تو نقشہ کے دس انچ، زمین کے دس میل کو ظاہر کریں گے۔ اس پیانہ کی درج ذیل تین قسمیں ہیں۔ (1) سادہ خطی پیانہ۔ (2) تقابلی پیانہ اور (3) ورنری پیانہ۔

(1) سادہ خطی پیانہ: اس میں نقشہ کے پیانہ کی مساوات یا تعبیری کسر کی مدد سے حسابی عمل کر کے کسی مناسب لمبائی کا ایک خط مستقیم بنا دیا جاتا ہے۔ پیائشی سہولت کی خاطر اسے کئی اساسی حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ بائیں طرف کے آخری اساسی حصے کو حسب ضرورت متعدد ذیلی حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان تمام حصوں پر زمین کے حقیقی فاصلے ظاہر کر دیے جاتے ہیں۔ اس کی مدد سے بغیر حسابی عمل کے نقشہ پر دکھائے ہوئے فاصلوں کے مساوی حقیقی فاصلے معلوم کر لیے جاتے ہیں۔ فاصلے ناپنے کے لیے خطی پیانہ اور نقشہ پر مقسام کریں تو کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔

(2) تقابلی پیانہ: سادہ خطی پیانہ میں خط مستقیم کے صرف ایک ہی طرف پیائش کے اساسی اور ذیلی حصے دکھائے جاتے ہیں۔ دونوں طرف دو مختلف قسم کی پیائشی اکائیاں باہمی تعلق اور نقشہ کے ساتھ رابطہ رکھتی ہوئی دکھادی جائیں تو پیانہ تقابلی کہلائے گا۔ مثال کے طور پر تقابلی پیانہ کے خط میں نقشہ کی اضافت سے ایک طرف

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کلومیٹروں کے مختلف فاصلے اور دوسری طرف ان کے مساوی میلوں کے فاصلے دکھائے جاسکتے ہیں۔ کسی نقشہ کے پیمانہ کی مساوات ا سنٹی میٹر = 8 کلو میٹر ہو تو جس طرح شکل میں دکھلایا گیا ہے چند سم لمبائی کا خط مستقیم بنا کر ایک ایک سم کا اساسی حصہ بنالیا جائے گا۔ ہر اساسی حصہ 8 کلو میٹر کا فاصلہ دکھائے گا۔ اب چونکہ ایک کلو میٹر سے 5/8 میل کا فاصلہ ظاہر ہوتا ہے اس لیے 8 کلو میٹر 5 میل کے فاصلہ کو دکھائیں گے۔ چنانچہ خطی پیمانہ پر پہلے ہی سے بنا ہوا اساسی حصہ پانچ پانچ میل کے فاصلہ کو ظاہر کرے گا۔ بائیں طرف کے آخری اساسی حصہ کو حسب ضرورت ذیلی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس پیمانہ کی مدد سے مختلف مقامات کے درمیانی فاصلے دو مختلف اکائیوں میں بآسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی خطی پیمانہ میں دونوں طرف درج بالا نوعیت کی تقسیم دکھانے میں دشواری ہوتی ہے تو دو جدا جدا خطی پیمانے ایک دوسرے کے نیچے متوازی بنا دیے جاتے ہیں۔ رفتار کا پیمانہ بھی تقابلی پیمانہ ہوتا ہے کیونکہ اس کے اساسی اور ذیلی حصوں کی تقسیم میں ایک طرف وقت اور دوسری طرف اسی کی اضافت اور نقشہ کی مطابقت سے طے ہونے والے فاصلے دکھا دیے جاتے ہیں۔

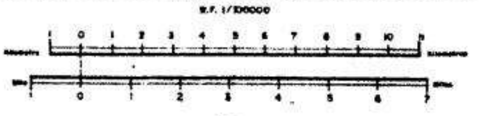

تقابلی پیمانہ
(Comparative Scale)

(3) وتری پیمانہ: سادہ خطی پیمانہ میں بڑے فاصلے ناپنے کے لیے اساسی حصے اور چھوٹے فاصلے ناپنے کے لیے ذیلی حصہ بنا دیے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات زیادہ چھوٹے فاصلے دکھانے اور ناپنے پڑتے ہیں۔ اس صورت میں ذیلی حصوں کو جو خود ہی بہت چھوٹے ہوتے ہیں سادہ طریقہ سے مزید ثانوی حصوں میں تقسیم کرنا بہت مشکل یا نا ممکن دکھائی دیتا ہے۔ لیکن بالواسطہ وتر کی مدد سے اس طرح کی تقسیم میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ سادہ خطی پیمانہ میں اس طرح کی ترمیم کر دی جائے تو وہ وتری پیمانہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی مدد سے فاصلے ناپنے کے لیے مقسام کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔

وتری پیمانہ
(Diagonal Scale)

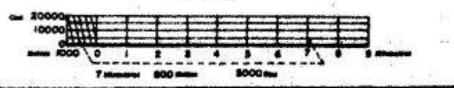

خطہ واری جغرافیہ: خطہ واری جغرافیہ مجموعی طور پر روئے زمین کے کسی بھی منتخبہ خطہ کے جغرافیہ کی تمام شاخوں کا علم ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں کے خیال کے مطابق یہ علم جغرافیہ کی اعلیٰ ترین شاخ ہے اور کالجوں نیز یونیورسٹیوں میں عموماً براعظموں کو خطہ واری جغرافیہ کے طور پر پڑھایا جاتا ہے، جیسے کہ شمالی امریکہ کا خطہ واری جغرافیہ یا براعظم ایشیا کا خطہ واری جغرافیہ، وغیرہ وغیرہ۔

موجودہ دور میں علم جغرافیہ کا تصور زمانے کے بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا چلا گیا۔ عام طور پر علم جغرافیہ کا مقصد سطح زمین، اس کے طبعی حالات اور اس کے باشندوں کی طرز زندگی کا مطالعہ ہے۔ یہ علم ہم پر اس بات کو روشن کرتا ہے کہ طبعی ماحول، انسانی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اور انسان کہاں تک قدرتی دشواریوں پر غالب آسکتا ہے اور کس حد تک وہ قدرت کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ انہی خصوصیات کی بنا پر یہ علم جو ابھی تک خشک اور غیر دلچسپ سمجھا جاتا تھا آج کل معاشرتی علوم کی روح رواں بن گیا ہے اور علم جغرافیہ کی ایک ایسی اہم شاخ مانا جاتا ہے کہ جس کا بنیادی مقصد کسی محدود علاقہ کے جغرافیائی حالات کا مطالعہ کرنا ہے۔

خطہ واری اساس پر مضمون جغرافیہ کے بارے میں اب تک اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ خطہ اور خطہ واری طریق سے اکثر تعلیم یافتہ لوگ اب ناواقف نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اکثر لوگوں کے ذہن میں ان الفاظ کا تصور موجود ہوتا ہے لیکن اصطلاحات کی شکل میں وہ ان سے ناواقف ہوتے ہیں۔

خطہ کے بارے میں مختلف ماہرین علوم نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ خطہ دراصل ہوو امتیازی، تاہم خلط ملط عناصر کا مرکب ہے یعنی ایک طبعی بنیاد جو نسبتاً مستحکم ہوتی ہے اور دوسرے تمدنی نمونے، جن کی تقسیم میں ہمیشہ رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ روایات کی رو سے لفظ "خطہ" زیادہ مستعمل ہے اور وسیع دائرے میں یہ ایک ایسے مسلسل علاقہ کے لیے مروّج ہے جس کے اندرونی حصے کی چند اہم نوعی خصوصیات ہوتی ہیں۔ لیکن اس کی واضح حدود میں قطعی طور پر کمی ہوتی ہے اور جس کے متحد کرنے والی خصوصیات صریحی طور پر بیان کی جاتی ہیں اور نہیں بھی کی جاتی ہیں۔ اکثر و بیشتر اس اصطلاح سے مراد ایک ایسا علاقہ ہے جو ایک ذیلی براعظم کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود کافی بڑا اور ممتاز ہوتا ہے جو ہر لحاظ سے یکساں طور پر آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے۔

آر۔ ای۔ ڈکنسن کے قول کے مطابق دور حاضر میں خطہ اور خطہ واریت کی اصطلاحات کا استعمال بڑے پیمانے پر مختلف طرح کے اہم مسائل کے تعلق سے ہو رہا ہے۔ اصطلاح "خطہ" بلاشبہ ہمارے دور کے ممتاز سائنس دانوں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے لیے ایک موثر لفظ ثابت ہوا ہے۔ مختلف مسائل سے دو چار ہونے والے ایک عملی انسان کے لیے یہ ایک ایسا علاقہ ہے جو مخصوص خصوصیات کا حامل ہے۔ جن کی وجہ سے وہ چند مخصوص دائرہ عمل اور نظم و نسق کے مقاصد کے لیے ایک موزوں اکائی ثابت ہوتا ہے۔

اگر ایک جانب خطہ واری طریقہ کسی خاص مقصد کا وسیلہ ہے تو دوسری جانب خطوں کا انکشاف اور ان کا بیان مضمون جغرافیہ کی خاص غرض و غایت ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک اس کے بارے میں ایک ہی وقت میں دو مختلف خیالات ملتے ہیں ایک یہ کہ خطہ صرف ایک تصور ہے اور ایک طریقہ تحقیق ہے جس سے دنیا کے حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا خیال یہ ہے کہ خطے حقیقت میں موجود ہیں جو فضا میں ہوائی جہاز کے ذریعے دیکھے جا سکتے ہیں۔

خطہ کا تصور اکثر مفکروں کے لیے اتنا مبہم اور غیر واضح ہے کہ کئی ماہرین جغرافیہ کے لیے یہ بالکل شخصی ہو گیا ہے۔ چنانچہ اوڈوسو (Odusu) اور مور (Moore) نے اپنی کتاب "امریکن ریجنلزم" (American Regionalism) میں اس کی چالیس مختلف تعریفیں پیش کی ہیں۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

"ایک ایسا علاقہ جس میں قدرتی ماحول اور پیدائش و اموات وغیرہ کے اعداد و شمار کے اتصال کی حقیقتوں نے معاشی و معاشرتی ساخت میں ہم نوعی پیدا کر دی ہو" ٹی. جے. ووفٹر (T.J.Woofter)۔

"ایک ایسا علاقہ جس کو اس کی عام ہم نوعی زمینی خصوصیات اور تصرف کے اصولوں پر بیان کیا گیا ہو" آر. ایس. پلاٹ (R.S. Platt)

"ایک ایسا علاقہ جس کے اندر طبعی ماحول کی مناسبت سے ایک مخصوص اعلیٰ انسانی نمونے ترقی پائی ہو" امریکن سوسائٹی آف پلاننگ آفیشیلس (American Society of Planning Officials)۔

"ایک ایسا علاقہ جہاں کئی مختلف اشخاص غیر طبعی طور پر یکجا کر دیے گئے ہوں اور جنھوں نے بعد میں عام طرز زندگی کے اصولوں پر اپنے آپ کو ڈھال لیا ہو" پی. وائڈل ڈی. لابلاش (P.Vidal de la Blache)۔

"ایک ایسا علاقہ جس کے طبعی حالات میں یکانگت ہو" ڈبلو. ایل. جی. جارگ (W.L.G. Joerg)۔

"ایک جغرافیائی علاقہ جو ثقافتی طور پر متحد ہو، اولاً معاشیاتی نقطہ نظر سے اور بعدہٗ تعلیم، تفریح، وغیرہ کی رو سے اتفاق رائے سے دوسرے علاقوں سے ممتاز ہوتا ہو" کے. ینگ (K. Young)۔

پرانی دنیا میں جغرافیائی غور و فکر کے تین اہم مرکز وا میں خطہ کو فنی اور تجرباتی مثالی توضیح کے لیے ایک اہم موضوع قرار دیا گیا ہے۔ پی. وی. ڈی. لا. بلاش (P.V. de la Blache) نے اپنی زیر نگرانی فرانس کے مختلف علاقوں کے مخصوص موضوعات پر روشنی ڈالنے کے لیے اپنے طلبا کی ہمت افزائی کی تھی۔ اسی طرح جرمنی ایس الفرڈ کیٹھنر (Alfred Kethner) نے جرمن جغرافیہ دانوں کے سامنے علم جغرافیہ میں خطہ واری مطالعہ کی اہمیت کو پیش کیا۔ برطانیہ میں بھی اے. جے. ہربرٹسن (A.J. Herbertson) کی دلچسپی کی وجہ سے قدرتی خطوں کو مرکزیت حاصل ہوئی اور زمین کی ذیلی تقسیم کی وضاحت اور علاقہ واری مطالعہ میں مزید مدد مل سکی۔

دوسرے ماہرین جغرافیہ میں پرسی. ایم. راکسلی (Percy M. Roxley) اور جے. ایف. انسٹیڈ (J.F. Unstead) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنھوں نے علاقہ واری یا خطہ واری مطالعہ کو بڑی تقویت پہنچائی ہے۔

ماہرین عمرانیات، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے علوم کے ماہرین نے بھی خطوں کی کئی زمروں میں درجہ بندی کی ہے لیکن ایک جغرافیہ داں کے لیے خطہ بنیادی طور پر ایک ایسا علاقہ ہے جس کے قدرتی حالات اور انسانی سرگرمیوں کے درمیان گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ان دونوں کے درمیان تعلق اور نسبت کو جانچنے کی کوشش کرتا ہے اور ان سے متعلق مختلف واقعات و کیفیات میں ربط پیدا کرتا ہے۔

دور حاضر میں خطہ واریت (Regionalism) کو مرکزیت کے موضوع کے خلاف ایک سائنٹفک تحریک سمجھا جا رہا ہے۔ آج فرانس میں خطہ واری تحریک کا اصل مقصد پیرس کی تہذیب کی حد سے زیادہ مرکزیت کے خلاف آواز بلند کرنا ہے اور جرمنی میں اس تحریک کے تحت پھر سے معاشی، تمدنی اور معاشرتی بنیاد پر تنظیم کرنا ہے اور ہندوستان میں اس کا نصب العین خطہ واری کلچر کو محفوظ رکھنا ہے۔

خلیجی پشتہ: یہ زیادہ بلند خلیجی منڈیر کا دوسرا نام ہے۔

خلیج بنگال: 10° شمالی عرض البلد کے شمال میں شمالی بحر ہند کا یہ خشکی حصہ سطح مرتفع دکن اور میانمار (برما) کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس میں دریائے گنگا، برہمپترا، ایراوادی، مہاندی، گوداوری اور کرشنا آکر گرتے ہیں اور ڈیلٹا بناتے ہیں۔ ان کی لائی ہوئی مٹی براعظمی حاشیہ پر کثیر مقدار میں جمع ہوتی رہتی ہے اس لیے کناروں پر پانی کی گہرائی زیادہ نہیں ہے۔ شمال میں ساحل سے 100 تا 150 میل کے

فاصلہ پر 100 فیدم (600 فٹ) کی گہرائیاں ملتی ہیں۔ مشرق میں اراکان کے ساحل پر متعدد حاشیائی جزیرے پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خلیج کی انتہائی گہرائی 2,320 فیدم (13,920 فٹ) ہے۔ خلیج کے حاشیوں پر دریائی پانی کی برآمد سے سطحی پانی کی شوریت اور کثافت میں تخفیف ہو گئی ہے۔ مغربی کنارہ پر کوئی قدرتی بندرگاہ نہیں ہے لیکن وشاکھاپٹنم اور چنئی کے بندرگاہوں کو مصنوعی طور پر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ شمال میں کلکتہ کا بندرگاہ اہم ہے۔ اس خلیج کے جنوبی حصہ میں موسمی ہواؤں کے بدلتے وقت، بالخصوص اکتوبر کے مہینہ میں، شدید طوفانی کیفیتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

خلیج سیام: تھائی لینڈ کے جنوب کا یہ خشکی آبی علاقہ مشرق میں کمبوڈیا کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے کنارے چنتھابوری، بنکاک، تھان لوری، بان ہاٹ یائے (Ban Hat Yai) اہم بندرگاہ اور تجارتی مراکز ہیں۔ اس میں اوتان، یوم اور ینگ وغیرہ کا مشترکہ پانی پہنچتا رہتا ہے۔ اس کے جنوب اور مشرق میں انڈونیشیا کے جزائر پھیلے ہوئے ہیں۔

خلیج فارس: یہ تقریباً 500 میل لمبی اور 50 تا 200 میل چوڑی خلیج ہے جو ایران، عراق اور بعض عرب ریاستوں کو بحیرۂ عرب سے ملاتی ہے۔ اس کی گہرائی 50 فیدم سے زیادہ نہیں ہے۔ ساحل عرب کے مقابل اس کے کئی وسیع حصے 20 فیدم سے کم گہرے ہیں۔ بحرین موتیوں کی تجارت کا مرکز ہے۔ تجارتی اعتبار سے اس خلیج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ساحل پر خرم شہر اور بندر شاہ پور دو اہم ایرانی بندرگاہ ہیں۔ عراق کا بندرگاہ بصرہ بھی اس کے کنارے واقع ہے۔ سعودی عرب کے خام تیل کی بڑی مقدار خلیج فارس ہی کی راہ سے برآمد کی جاتی ہے۔ کویت، قطر اور بحرین کی ریاستیں بھی خلیج فارس کے علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کویت اس خلیج کے شمال مغربی کنارہ پر واقع ہے۔ تیل کی وجہ سے ان ریاستوں کی اہمیت کافی بڑھ گئی ہے۔ عربوں نے اسے خلیج عرب کا نام دیا ہے۔

خلیج منار: بحر ہند کی یہ کم گہری خلیج یا کھاڑی جنوبی جزیرہ نمائے ہند اور سری لنکا کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ شمالاً جنوباً اس کی لمبائی تقریباً 100 میل ہے، چوڑائی 80 تا 170 میل ہے۔ اس میں کئی جزیروں اور پُل آدم کا چٹانی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ شمالی سری لنکا اور جنوبی جزیرہ نمائے ہند کے درمیان اتھلا آبنائے پاک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ جنوبی ریلوے لائن کی ایک شاخ "دھنش کوٹی" تک پھیلا دی گئی ہے۔ اس کے مقابل صرف 22 میل کے فاصلہ پر سری لنکا کا ریلوے اسٹیشن طلائے منار واقع ہے۔

خلیج ہڈسن: کینیڈا کے شمال مشرق میں خشکی کے اندر تک پھیلا ہوا ذخیرۂ آب ہے جو دراصل بحر اوقیانوس ہی کا ایک حصہ ہے جس نے کھاڑی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ خلیج جزیرہ بیفن کو سرزمین کینیڈا سے جدا کرتی ہے۔ اس کو مشرق میں کینیڈا کی ریاست کیوبک، جنوب میں اونٹاریو اور جنوب نیز مغرب میں منی ٹوبا اور شمال مغربی ٹیریٹری نے گھیر رکھا ہے۔ وسیع معنوں میں اس خلیج ہڈسن میں خود خلیج ہڈسن، خلیج جیمس، رودبار فاکس، فاکس بیسن، آبنائے ہڈسن اور خلیج آنگاوا شامل ہیں۔ اس خلیج کا پھیلاؤ تقریباً 480,000 مربع میل ہے جبکہ اصل خلیج ہڈسن کا رقبہ 25 لاکھ مربع میل ہے۔ اس کے اطراف کے ساحل کا طول 4,400 میل ہے۔ اس میں جزیروں کا رقبہ بھی شامل کر لیا جائے تو اس کی ساحلی لمبائی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس خلیج کی گہرائی 120 تا 600 فٹ ہے جو بعض مقامات پر 846 فٹ تک بھی ملتی ہے۔ آبنائے ہڈسن کی گہرائی خود 600 تا 1200 فٹ ہے۔ مشرقی کنارے پر یہ گہرائی کچھ اور زیادہ ہے۔ پانی زیادہ کھاری نہیں ہے کیونکہ کئی دریا اس میں اپنا پانی شامل کرتے رہتے ہیں۔ اس خلیج کا پانی بہت سرد ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کا تعلق خطہ منطقہ شمالی سے ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ خود خطۂ باردہ میں واقع ہے۔ چنانچہ جنوری سے مئی تک اس میں یخ کے تودے تیرتے رہتے ہیں۔ آبنائے ہڈسن کبھی مکمل طور پر منجمد نہیں ہونے پاتی کیونکہ یہ ہمیشہ موسم سرما کے طوفانوں کی زد میں رہتی ہے۔

خندق: یہ خشکی کے علاقہ پر گلیشیر کی تراشی ہوئی یا بحری فرش پر زمین کے دھنسنے سے بنی ہوئی انگریزی حرف "یو" (U) نما وادی ہے۔

خوردبینی رکازیات (Micropaleontology): خوردبینی جانداروں کے مطالعہ رکازیات (Paleontology) کی ایک شاخ۔ اس میں عام طور پر فارمنیفرا (Foraminifera) خاندان (Gymnomyxs) کے جانداروں اور ڈائیٹم نیز آسٹراکارڈ خوردبینی زیرے (Pollen) اور حوائل جوہر کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

خوزستان: یہ ایران کے تیل کے ذخیروں والا ایک اہم صوبہ ہے۔ دنیا بھر میں ان ذخیروں کا نمبر چوتھا ہے۔ اسی صوبہ میں ایران کا تیل صاف کرنے کا سب سے بڑا مرکز آبادان واقع ہے۔ دجلہ، فرات اور قارون دریاؤں سے اس صوبہ میں آب پاشی کی جاتی ہے۔ کسی زمانہ میں یہ علاقہ پرانی تہذیب کا بڑا گہوارہ تھا۔ اس کی تاریخ کو سمیری، ایلائی، بابلی، اکادی، انشان اور ایرانی تہذیبوں کے ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اہواز اس صوبہ کا صدر مقام ہے اور دیزفل اہم ترسیلی مرکز ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

د

داخلی ساختیں (Injection Structure): ذراتی سائز اور پانی کی مقدار وغیرہ کے مخصوص حالات میں کبھی کبھی رسوب کی ایک پرت اوپری رسوبیت شدہ پرت میں طاقت کے ساتھ داخل ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی طاقت کے ساتھ داخل ہو کر یہ مادے سطح کو توڑ کر پھیل جاتے ہیں۔ اس طرح پھوٹ بہنے والی ساختیں کیچ فشاں (Mud Volcanoes) کہلاتی ہیں اور جو اجسام اوپر کی سطح توڑ کر نہ پھیل سکیں، وہ رسوبی یا کنکری دانہ دار یا ڈائک (Sedimentary or Clastic Dyke) کہلاتے ہیں۔ چھوٹے پیمانے پر ایسی ساختیں شعلہ نما (Flame Structures) کہلاتی ہیں۔

دادرہ اور نگر حویلی: جنوبی گجرات کے قریب واقع مرکزی زیر انتظام علاقہ ہے جس کا رقبہ 489 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 میں آبادی 138,477 تھی۔ بیشتر آبادی پسماندہ اور آدی باسیوں پر مشتمل ہے۔ زراعت اہم پیشہ ہے۔ چاول اور راگی اہم پیداوار ہے۔ یہاں سے گجرات اور مہاراشٹرا کو مویشیوں کے لیے گھاس بھیجی جاتی ہے۔

سلواسا (Silvassa) صدر مقام ہے جہاں کپاس اور نائلان کے تار، صابن اور بسکٹ بنانے کے کارخانے ہیں۔

دارالسلام: جمہوریہ تنزانیہ کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ ایک اہم بندرگاہ بھی ہے جو بحر ہند کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے۔ یہاں کی سالانہ بارش کا اوسط 79 انچ ہے۔ 1862 میں اس کو سلطان زنجبار نے بسایا تھا۔ 1884 میں جرمنوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور 1891 میں اسے جرمن مشرقی افریقہ کا صدر مقام بنا دیا۔ پہلی عالم گیر جنگ کے دوران جب جرمنی کو شکست ہوئی تو جرمن مشرقی افریقہ انگریزوں کے تحت آ گیا۔ یہاں جدید طرز کی کئی منزلہ عمارتیں بن گئی ہیں۔ جن میں ہاسپٹل کامپلکس، ٹکنیکی انسٹی ٹیوٹ اور ہائی کورٹ وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں دارالسلام یونیورسٹی بھی ہے جو 1960 میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں کئی کتب خانے، ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور نیشنل میوزیم ہیں۔ اس میوزیم میں آج سے 17 لاکھ سال پہلے کی ایک کھوپڑی بھی موجود ہے۔ یہ کھوپڑی 1909 میں دستیاب ہوئی تھی۔ یہاں سے زراعتی اور معدنی اشیا برآمد کی جاتی ہیں۔ کانگو کا مال اور اسباب بھی اسی بندرگاہ سے دوسرے ملکوں کو جاتا ہے۔ دارالسلام کی مقامی پیداوار میں صابن، پینٹ، سگریٹ، غذائی اشیاء، شیشہ اور دھاتی برتن، کپڑے، چوبی جالیاں اور جوتے شامل ہیں۔ اس کی آبادی 396,700 ہے۔

دارجلنگ: مغربی بنگال (ہندوستان) کا شہر اور ضلع ہے۔ یہ شہر کلکتہ کے شمال میں 205 میل پر واقع ہے۔ کلکتہ سے اس شہر تک ذرائع آمد و رفت سڑک، ریلوے لائن اور ہوائی جہاز ہیں۔ یہ سکم کے ہمالیائی پہاڑی سلسلہ میں واقع ہے۔ اس کی آمدنی چائے کی کاشت پر ہے۔ یہ نہایت خوش منظر اور فرحت بخش مقام ہے۔ سیاح یہاں بڑی تعداد میں آتے رہتے ہیں۔

دامودر: دامودر ندی دریائے گنگا کی مشرقی معاون ہے جو بہار اور مغربی بنگال میں بہتی ہے۔ اس کا منبع چھوٹا ناگپور میں ہے۔ اس کے بالائی حصے میں اس سے براکر اور کونار ندیاں ملتی ہیں۔ ضلع ہگلی میں داخل ہونے سے قبل یہ ندی ایک ڈیلٹا بناتی ہے جہاں اس کی کئی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ کانا اس کی اہم شاخ ہے۔ دامودر کی وجہ سے بنگال میں پہلے بہت زیادہ طغیانیاں آتی تھیں اس لیے اس کے پانی کو روک کر کئی بند بنا دیئے گئے ہیں۔ اب وادیٔ دامودر کے تین ذخیرہ آب کونار، میتھن اور پنچیت بجلی، آبپاشی اور جہاز رانی کے لیے پانی مہیا کرتے ہیں۔

دامودر وادی پراجکٹ: اس پراجکٹ کا کام دامودر ویلی کارپوریشن (D.V.C.) کی زیر نگرانی ہوا ہے جس کے مطابق مغربی بنگال اور مشرقی بہار میں دامودر ندی پر بندھوں کی تعمیر ہوئی ہے۔ پہلی منزل میں چار ذخیرۂ آب یعنی تلیا، کونار، میتھن اور پنچیت کی تعمیر ہے جو اب مکمل ہو چکے ہیں اور بوکارو میں ایک

تھرمل اسٹیشن کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ درگاپور میں ایک آبپاشی کا بندھ بن چکا ہے۔ دوسری منزل میں تین مزید بندھ (ڈیم) ہیں جو انیار، بوکارو اور تل پہاڑی ہیں، جن کی جملہ برقابی قوت ایک ملین کلوواٹ ہے۔ ان تمام بندھوں سے جنوبی بہار اور مغربی بنگال کے علاقوں کو برقی قوت اور پانی میسر ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے یہ علاقہ ہندوستان کا سب سے اہم صنعتی خطہ بن گیا ہے۔

دانہ دار چونا پتھر (Clastic): پہلے سے موجود کسی بھی قسم کے چونا پتھر کی فرسودگی اور کاٹ سے بنتے ہیں۔ دانے کے سائز کے اعتبار سے ان کو کیلسی روڈائٹ (Calcirudite) کہتے ہیں۔ دانے کا سائز 2 مم سے زیادہ ہو تو کیلسی ارینائٹ (Calci-arenite) اور 1/16 مم سے 2 مم کیلسی لوٹلٹ اور 1/16 مم سے کم آرجی لیشیائی (Orgilleous Rocks) حجرات کہلاتے ہیں۔

چونا پتھر یا لائم اسٹون عمارتی پتھر ہے یہ سمنٹ بنانے کے لیے خام مال اور تیل (Oil) کے ذخیروں کے میزبان (Host) حجرات کے طور پر بھی اہمیت رکھتا ہے۔

داؤد نگر: بہار (ہندوستان) کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ سون ندی کے مشرقی کنارے پر پٹنہ - گیا نہر اور گیا کے درمیان واقع ہے۔ تجارتی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں سے کپڑا، پیتل کے برتن، کمبل اور السی کا تیل باہر بھیجا جاتا ہے۔

دہانگ (دی ہانگ): یہ آسام میں دریائے برہم پتر کی معاون ندی ہے۔

دبری: ڈبروگڑھ سے، جو برہم پتر کے کنارے پر واقع ہے، کچھ دور پر دبری ندی اور برہم پتر کا سنگم ہوا ہے۔ ڈبروگڑھ میں ہر سال ان دونوں ندیوں کی وجہ سے سیلاب آتے ہیں۔

دتورا اسٹرامونیم (دھتورا۔ ہندوستانی نام): دھتورے سے قدیم ہندوستانی اطبا روشناس تھے۔ اس کو وہ نشہ آور، نے آور، ہاضم اور صحت بخش تصور کرتے تھے۔ دمہ کے علاج کے لیے دھتورے کے بیجوں سے دھواں لینے کے بارے میں لوگ ویدک دور سے ہی واقف تھے۔ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کمپنیاں ڈی. اسٹرامونیم (D.Stramonium) کے خشک پتے اور تخم دمہ اور کالی کھانسی وغیرہ کے علاج کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے پتے بھورے یا زردی مائل سبز ہوتے ہیں، جن کی لمبائی 20 سنٹی میٹر اور چوڑائی 13 سنٹی میٹر ہوتی ہے۔

دھتورا ہندوستان کا مقامی پودا ہے، جس کی پیداوار ہمالیہ کے معتدل خطہ میں کشمیر سے سکم تک بکثرت ہوتی ہے۔ اس کی پیداوار بیرونی ہمالیہ (Outer Himalaya) کے مشرقی اور مغربی علاقہ میں بھی ہوتی ہے جو 1000 میل سے زائد خطے پر پھیلا ہوا ہے۔ کشمیر اور شملہ کے اطراف بھی اس کی پیداوار ہوتی ہے۔ ستلج کی عمیق وادی میں یہ خاص طور پر بڑے پیمانے پر اگتا ہے۔ سگریٹ کے ڈبوں کی تیاری اور دمہ کو کم کرنے میں اس کی بڑی مانگ ہے۔ اس کے تخم کئی نشہ آور چیزوں کی آمیزش میں کام آتے ہیں جیسے تاڑی، چاول کی شراب، وغیرہ۔ ان کو گانجے کے ساتھ بھی ملایا جاتا ہے۔

دجلہ: یہ دریا مشرقی اناطولیہ کے پہاڑی علاقہ سے نکلتا ہے اور پگھلنے والے برف اور چشموں سے پانی حاصل کر کے 1,180 میل تک جنوب مشرقی سمت میں خلیج فارس کی طرف بڑھتا ہے۔ القرنہ کے قریب دریائے فرات سے مل کر شط العرب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ دریا عراق میں داخل ہونے سے پیشتر سیریا (شام) کی حدود پر تقریباً بیس میل تک بہتا ہے۔ اس کی چوڑائی میں غیر معمولی تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کہیں یہ اٹھارہ میل چوڑا ہے تو کہیں اس کا پاٹ چالیس گز سے بھی کم ہے۔ ترکی کے پہاڑی علاقہ میں یہ گہری گھاٹیوں اور آبشار بناتا ہوا تیز رفتار سے آگے بڑھتا ہے۔ عراق میں داخل ہونے کے بعد اس میں کئی پیچ و خم بن جاتے ہیں۔ موصل کے جنوب میں، اس کی وادی کافی وسیع ہو گئی ہے۔ اس دریا میں بغداد تک یعنی پچاس میل کے فاصلہ تک جہاز رانی کی جا سکتی ہے۔ اس کے کنارے سیلیوسیا اور سطفان (Ctsciphon) کے قدیم آثار پھیلے ہوئے ہیں اور بغداد، سمرا اور موصل کے شہر آباد ہیں۔ اس دریا میں تقریباً ہر سال سیلاب آتا ہے جس کے نتیجہ میں متصلہ علاقے سیراب اور زرخیز ہو گئے ہیں۔

درگاپور: یہ شہر مغربی بنگال کے بردوان ضلع میں واقع ہے۔ یہاں دریائے دامودر کے پانی کو روک کر اس سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں۔ آزادی کے بعد کئی صنعتی کارخانے قائم ہوئے ہیں۔ یہاں فولاد کا بہت بڑا کارخانہ برطانیہ کی مدد سے قائم کیا گیا ہے۔

دَرما: کوہستان ہمالیہ میں زسکر کی پہاڑیوں کا ایک درّہ ہے۔ ستلج ندی اسی کے قریب سے نکلتی ہے۔

درمیانی پرت: زمین کا وہ اندرونی منطقہ جو موہوروویچک عدم تسلسل کی سطح اور گٹن برگ عدم تسلسل کی گہرائی کے درمیان علی الترتیب 5 کلومیٹر اور 2900 کلو

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میٹر کی گہرائیوں کے درمیان پایا جاتا ہے مینٹل یا زمین کی درمیانی پرت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس طرح کرسٹ (اوپری پرت) اور کور (آخری مرکزی پرت) کے درمیان، زمین کی درمیانی پرت (مینٹل) موجود ہے۔

درمیانی پرت کے بالائی حصے میں کثافت 3.3 ہوتی ہے جو گہرائی کے ساتھ بڑھتے ہوئے 2900 کلومیٹر یعنی گٹن برگ عدم تسلسل کی سطح پر 5.7 تک پہنچ گئی ہے۔ بڑھتی ہوئی کثافت کے پیش نظر خیال کیا جاتا ہے کہ آلیوین (Olivene) رکھنے والے کثیف اور سیاہ حجرات مینٹل میں موجود ہوں گے۔ علاوہ ازیں بڑھتی ہوئی کثافت کی بنیاد پر یہ بھی خیال عام ہے کہ درمیانی پرت اپنے بالائی حصے میں سلفائیڈ جیسے مرکبات سے بنی ہوگی جبکہ زیریں اور گہرے حصوں میں لوہے اور نکل جیسی دھاتوں کی کثیر مقدار موجود ہوگی۔

درۂ دانیال (ڈارڈنیلیز): ترکی کے شمال مغرب میں یہ 38 میل لمبا ایک تنگ آبنائے ہے۔ یہ آبنائے 3/4 میل سے 4 میل تک چوڑا ہے اور بحیرۂ ایجین کو بحیرہ مارمارا سے ملاتا ہے۔ اسے فوجی اہمیت حاصل ہے۔ اوسط گہرائی 180 فٹ ہے۔ وسطی، انتہائی تنگ، حصہ میں یہ 300 فٹ گہرا ہے۔ اس کے کناروں پر گیلی پولی، اکیابت اور کنکالے جیسے اہم بندرگاہ واقع ہیں۔ بحیرۂ روم سے استنبول اور بحیرۂ اسود کے راستہ پر ایک دروازہ کی حیثیت رکھنے کے باعث بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے۔

یہ درّہ زمانہ قدیم سے مشہور ہے۔ اس کا موجودہ نام قدیم یونانی شہر ڈارڈینس پر پڑا ہے۔ قدیم ٹرائے کے لوگ اس کے راستے اپنی تجارت کرتے تھے۔ سکندر اعظم نے بھی اسے پار کیا تھا۔ بازنطینی دور اور پھر ترکی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ یا موجودہ استنبول کی حفاظت میں اسے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس پر زار روس، برطانیہ، جرمنی، فرانس وغیرہ سب کے دانت رہے ہیں لیکن سنہ 1402 سے یہ ترکوں کے قبضہ میں ہی ہے۔

درّہ خیبر: یہ پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں پیشاور سے مغرب کی طرف 10 میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی درّہ ہے، جو افغانستان اور پاکستان کو ملاتا ہے۔ یہ تقریباً 33 میل لمبا ہے۔ اس کے ایک طرف پیشاور اور دوسری طرف کابل واقع ہے۔ درّہ کی کم سے کم چوڑائی 50 فٹ اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 450 فٹ ہے۔ اسے عسکری اور تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ ایرانی، یونانی، تاتاری، مغل اور افغان اسی درّہ سے ہندوستان پہنچتے رہے۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے زمانے میں افغانی سرحد کی حفاظت اور بیرونی جنگجو فرقوں کی یورشوں سے محفوظ رہنے کے لیے یہاں فوجی چوکیاں قائم کی گئی تھیں۔ اس درّہ سے پختہ سڑک اور کارواں کے راستے گزرتے ہیں۔ سنہ 1925 میں اس درّہ سے گزرنے والی ریلوے لائن جمرود سے لنڈی خانہ تک پھیلائی گئی تھی۔ یہ ریلوے لائن 35 سرنگوں سے گزرتی ہے اور 94 پل عبور کرتی ہے۔

دریا (River): بارش یا گلیشیر کے پگھلنے سے سطح زمین پر جو پانی بہہ نکلتا ہے اس کو تیز اخراج آب (Immediate Run Off) کہا جاتا ہے۔ تیز اخراج آب کے نتیجے میں یہ پانی اونچے اونچے پہاڑوں، چھوٹی موٹی پہاڑیوں اور میدانوں سے گزرتے ہوئے نالوں کی صورت میں جب ایک مقام پر جمع ہو کر پانی کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کرتا ہے، جو بہہ بھی رہا ہو، تو ہم اس کو ندی یا دریا کہتے ہیں۔ اس طرح دریا، پانی کا ایک بہتا ہوا ذخیرہ ہے۔

دریا اپنے بہاؤ اور رفتار بہاؤ کی وجہ سے زمین کی سطح کو کاٹتے ہیں۔ اس طرح جن نشیبی علاقوں سے یہ گزرتے ہیں وہ دریائی تراش و خراش (River Erosion) کی زد میں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے دریا کو ایک ارضیاتی عامل (Geological Agent) کی حیثیت سے عام ارضیات اور خصوصاً طبعی ارضیات میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ نہ صرف یہ کہ دریا تراش خراش کے ذریعہ مادہ زمین کی سطح سے کاٹتے ہیں بلکہ اس طرح حاصل شدہ مادے کو حمل و نقل کے ذریعہ کسی اور مقام پر لے جا کر ذخیرے کی حیثیت سے جمع کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ اس لیے بھی ان کو ایک مکمل ارضیاتی عامل کہا جاتا ہے۔

دریا برار پنکھ: یہ دریا برار مٹی کا پنکھ نما مخروط یا خشک ڈیلٹا ہے جو پھیل کر قرب و جوار کے ڈیلٹاؤں سے مل جاتا ہے۔

دریا برار زینہ: یہ دریائی تجدید شباب سے پہلے کے فرش کے سیڑھی نما پس ماندہ حصے ہیں جن پر اکثر بجری کا پھیلاؤ دکھائی دیتا ہے۔

دریا برار فرش یا میدان: یہ دریا کے کناروں کی مسطح زمین ہے جہاں سیلابی مٹی تہ نشیں ہو جاتی ہے۔

دریا برار فضلے: یہ دریائی مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر ہیں جو طغیانی میں کناروں پر ادھر ادھر جمع ہو جاتے ہیں۔

دریا برار قطعہ: یہ دریائی تہ نشین مٹی کا وسیع علاقہ ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

دریابرار مٹی (Alluvium): یہ آب رواں کا جمع کردہ چٹانی مادہ ہے جو دریائی وادیوں اور ڈیلٹاؤں میں زیادہ ملتا ہے۔

دریابرار مخروط: یہ کھلے میدان میں دریائی مٹی کا مخروطی جماؤ ہے۔ یہ کبھی دریا برار پنکھا یا پیش بند بھی کہلاتا ہے۔

دریا کے مراحل: دریا اپنے منبع (Source) سے دہانہ (Mouth) تک مختلف مرحلوں سے گزرتا ہے جس کا اندازہ اس کے بہاؤ کی رفتار، تراش خراش کی شدت، رسوبات کے بوجھ اور ان کو ڈھونے کی اہلیت کے علاوہ اس کی وادی کی بدلتی ہوئی شکلوں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان امور کی بنا پر دریا کی زندگی اور انسانی زندگی میں ایک مماثمت پائی گئی ہے جس کی وجہ سے دریا کی زندگی کو بھی تین مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(1) عہد طفلی (Infancy Stage)۔ جس سے دریا اپنے منبع سے قریب بہت تیز رفتاری کے ساتھ عمودی یا بہت زیادہ جھکاؤ کی ڈھلوانوں پر دوڑتا رہتا ہے۔ اس دور میں دریا عام طور پر کئی چھوٹی چھوٹی ندیوں اور نالوں کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(2) عہد شباب (Youth Stage)۔ جس سے دریا عمودی یا بہت زیادہ جھکاؤ کی ڈھلوان سے گزر کر، متوسط ڈھلوانوں پر بہتا ہے اور اس کی تراش خراش کی صلاحیت اب بھی قابل لحاظ ہوتی ہے۔

(3) عہد پیری (Old Stage)۔ جس میں دریا تقریباً مسطح میدانوں میں نہایت سست روی کے ساتھ بہہ رہا ہوتا ہے۔ رسوبات کے بوجھ کو تیزی کے ساتھ ڈھونے کی صلاحیت بھی کم ہوتی ہے اور اب وہ سمندر کے قریب اپنے دہانے کے پاس پہنچ چکا ہوتا ہے۔

دریا گلیشیائی (Eluviaglacial): وہ رسوب جو گلیشیر کی برف کے پگھلنے سے پیدا ہونے والی ندیوں کی ذخیرگی کے باعث حاصل ہوتے ہیں، دریائی گلیشیائی رسوب کہلاتے ہیں۔

دریائی (Eluvial or Eluviatile): وہ رسوبی ذخیرے جو دریاؤں کے ذریعے منتقل اور حمل و نقل (Transportation) اور تہ نشینی (Settling) کے باعث جمع ہوئے ہوں یا پانی میں معلق ہوں۔ سیلابی میدان (Flood Plain) ان رسوب سے بنے ہوئے ہوتے ہیں: (1) ریت اور چکنی مٹی کے رسوب جن کو دریاؤں نے اپنے سیلابی میدان (Flood Plain) میں پھیلا دیا ہو۔ (2) وہ ذخیرے جو سیلابی میدان کے نیچے جمع ہوں یا سیلابی میدان کی تشکیل کریں۔ دریا کے ایسے رسوب دریا کے قریب دبیز یا موٹے (Thick) ہوتے ہیں مگر وادی کی ڈھلانوں کی جانب اتھلے ہوتے جاتے ہیں۔

دریائی پیچاک (Meanders): دریائی تراش خراش کے عمل کی وجہ سے دریا کے میدانی علاقوں میں جو پیچ و خم بنتے ہیں ان کو دریائی پیچاک یا میانڈر (Meanders) کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ میانڈر نامی ایک یونانی دریا سے لیا گیا ہے جس میں پیچ و خم کثرت سے موجود ہیں۔

دریا کے پانی کا دھارا ہمیشہ اپنے مقعر (Concave) کنارے کو زیادہ کاٹتا ہے جہاں پانی گہرا ہوتا ہے اور اس کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے جبکہ محدب کنارے (Convex Banks) پر جہاں پانی اتھلا ہوتا ہے اور بہاؤ کی رفتار کم ہوتی ہے اس لیے رسوبات خود بخود جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کوہستانی علاقے میں سیدھا ایک لکیر کی طرح بہنے والا دریا، میدانی علاقوں میں پیچ و خم یعنی پیچاک بنانے پر مجبور ہوتا ہے۔

بڑے بڑے پیچاک یا میانڈر بسا اوقات چھوٹی چھوٹی جھیلیں اور کھاڑیاں بھی بناتے ہیں جو وقت گزرنے پر دریا کے اصلی دھارے سے الگ ہو جاتی ہیں۔ طغیانی کے وقت عموماً دریا اپنے پیچاک کی گردن سے ایک نیا راستہ بنا لیتا ہے۔ پیچاک کا منہ دھیرے دھیرے سلٹ اور مٹی سے بھر جاتا ہے اور بالآخر ایک جھیل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس قسم کے دریائی پیچاک سے بننے والی جھیل کو ہلال نما جھیل (Ox-bow lake) بھی کہتے ہیں۔ یہ ہلال نما جھیلیں چھچھلی ہوتی ہیں جن میں گھاس پات اور دوسرے نباتات کی نشو و نما، ان کو دلدل میں بدل دیتی ہے اور بالآخر یہ جھیلیں غائب ہو جاتی ہیں۔

دریائی تراش خراش (River Erosion):۔ دریا اپنے منبع سے نکل کر مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اپنی گزرگاہ کو کاٹتا رہتا ہے۔ دریاؤں کے ایسے عمل کو دریائی تراش خراش کہا جاتا ہے۔ مختلف مرحلوں پر دریائی تراش خراش کا عمل مختلف نوعیت اور شدت کا ہوتا ہے۔

بڑی حد تک دریائی تراش خراش کا عمل اس کی گزرگاہ کے ڈھلوانوں کی ماہیت اور ساختی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ کیونکہ گزرگاہ کے ڈھلوان ہی دریا کے پانی کی رفتار کا تعین کرتے ہیں۔ جتنا پانی کا بہاؤ تیز ہوگا اتنا ہی ندی نالے زیادہ کٹاؤ

کریں گے اور اپنی گزرگاہوں کی وادیوں کو گہرا کائیں گے۔ اصولاً دریا اپنے عہد طفلی میں کوہستانی علاقوں میں گہرے ڈھلوانوں سے گزرتے ہیں اس لیے اس حصے میں دریائی تراش خراش بہت نمایاں اور گہری ہوتی ہے۔

نیچے کی طرف جہاں ندی نالے بڑے دریا میں ملتے ہیں وہاں پر زمین کی سطح کی ڈھلان کم ہوتی ہے اور پانی کے بہاؤ کی رفتار بھی قدرے کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے دریا کی تراش یا کٹاؤ کی قوت میں نمایاں کمی ہوتی ہے۔ یہاں سے دراصل دریا کا وہ علاقہ شروع ہوتا ہے جہاں دریا دونوں کناروں پر زیادہ کٹاؤ کرنے لگتا ہے اور دریا میں گھماؤ شروع ہو جاتے ہیں۔ پہلے یہ ایک کنارے کو کاٹتا ہے اور پھر دوسرے کو۔ اس طرح اس کے معمولی پیچ و خم آہستہ آہستہ ابھرنے لگتے ہیں جن کو دریائی پیچاک (Meanders) کہتے ہیں۔

دریا اپنے دونوں کناروں کو باری باری چھانٹ کر عمودی کناروں کو پیچھے کی طرف ہٹاتا ہے اور اپنی وادی کو کشادہ کرتا چلا جاتا ہے۔ کوہستانی اور میدانی علاقوں میں اس طرح خود اپنی تراش سے حاصل کردہ پتھروں، ریزوں اور باریک باریک ذرات کے بوجھ کو اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے دریا اپنے دہانے کی طرف بڑھتا ہے۔ جہاں وہ ڈیلٹا کی تعمیر کرتے ہوئے سمندر میں جا ملتا ہے۔ کم ہوتے ہوئے ڈھلان اور بڑھتے ہوئے رسوبات کے بوجھ کی وجہ سے دریا کی تراش خراش اس آخری منزل میں بہت گھٹ جاتی ہے بلکہ معدوم سی نظر آتی ہے۔ اس لیے دریا یہاں پر کاٹ چھانٹ کے برعکس رسوبات کے ذخیرے جمع کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ویسے دریا اپنے عہد طفلی میں جو گزرگاہ بناتا ہے، اس کی شکل عام طور پر انگریزی حرف "وی" (V) کے مانند ہوتی ہے۔

دریائی چبوترے (River Terraces): دریائی وادیوں کے ڈھلوان پر ابھرے ہوئے حصے ہوتے ہیں جن کو دریائی چبوترے (River Terraces) کہا جاتا ہے۔ یہ چبوترے دراصل دریائی رسوبات کے جمع ہونے سے تعمیر ہوتے ہیں جن میں سخت چٹان، گول پتھر، ریت اور سلٹ (کیچڑ) بھی شامل ہوتی ہے۔

دریائی گزرگاہ کے قریب کے چبوترے کا ڈھلان عام طور پر معمولی ہوتا ہے اور اس کی ہموار سطح پر گھاس، جھاڑیاں اور درخت اگ آتے ہیں۔ سیلاب کے دوران سیلابی میدان جزوی یا مکمل طور پر زیر آب ہو جاتا ہے۔ اس سیلابی میدان سے اونچا ایک دوسرا دریائی چبوترہ بھی ہو سکتا ہے جس پر کبھی کبھی سیلاب کا پانی نہیں پہنچ پاتا ہے۔ اس قسم کے اونچے دریائی چبوترے پر کھیتی باڑی کی جاتی ہے اور شہر اور دیہات بھی آباد ہوتے ہیں۔ انھیں زینہ نما دریائی چبوترے بھی کہا جاتا ہے۔

دریائی ذخائر (Alluvial Deposits): دریائی ذخائر دراصل ایسے رسوبات ہیں جو دریا کی گزرگاہوں اور وادیوں میں محض دریا کے بہاؤ کے کم ہونے کی وجہ سے تشکیل پاتے ہیں۔ دریائی ذخائر جو میدانی علاقوں اور دریا کے دہانے کے قریب بنتے ہیں، مختلف نوعیت اور ساخت کے ہوتے ہیں۔ لیکن دریائی ذخائر کے رسوبات میں رسوبی ذرات اپنی شکل اور سائز کے اعتبار سے چھنٹے ہوئے طور پر پرت در پرت دبیز تہیں بناتے ہیں۔ اس لیے دریا کے عمل کی وجہ سے بننے والے ذخائر کو گلیشیر کے ذخائر سے بآسانی الگ کیا جاسکتا ہے۔

دریائی ذخائر میں دریائی چبوترے، دریائی پنکھے، دریائی ریت کے جزیرے اور ڈیلٹائی ذخائر عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

دریائی ذخیرے۔ پنکھا نما: دیکھیے پنکھا نما دریائی ذخیرے

دریائی ریت کے جزیرے (Shoals): یہ ایسے دریائی ذخائر ہیں جو بالعموم پانی کے دھارے کی سست رفتاری کی وجہ سے دریا کی گزرگاہوں پر ریت کے جمع ہونے سے تشکیل پاتے ہیں۔ اس طرح جمع ہونے والی ریت کے ڈھیر بڑھ کر دریا کی اوسط سطح سے اوپر آ جاتے ہیں اور وقت کے گزرنے پر نباتات سے ڈھک جاتے ہیں۔ ان کو دریائی ریت کے جزیرے (Shoals) کہا جاتا ہے۔

دریا کی گزرگاہ میں بہت سے جزیرے ایسے اکھڑے ہوئے درختوں کے انبار کی مدد سے بنتے ہیں جو دریا میں زیادہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ کر ان ریت کے ٹیلوں پر ٹھہر جاتے ہیں۔ ان درختوں کی موجودگی سے پانی کے دھارے کی رفتار مدھم پڑ جاتی ہے اور دریا کی گزرگاہ میں ان کی روک سے بہت سے جزیرے بن جاتے ہیں۔

اس قسم کے جزیرے بعض اوقات ہزاروں میٹر لمبے بھی ہو سکتے ہیں جو دریا کو دو یا دو سے زیادہ شاخوں میں منقسم کر دیتے ہیں۔

دریائے امیزان: جنوبی امریکہ کا یہ دریا پانی کے حجم اور اس سے سیراب ہونے والے علاقے کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا دریا سمجھا جاتا ہے۔ اس کا بہاؤ جنوبی امریکہ کے شمالی حصے میں ترچھے طور پر مغرب سے مشرق کی سمت میں ہے۔ کوہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

انڈیز سے نکل کر یہ بحر اوقیانوس میں جاگرتا ہے۔ اس کا اور اس کی معاون ندیوں کا طاس 25 لاکھ مربع میل کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دریا اس براعظم کے 2/3 حصے کو سیراب کرتا ہے، جس میں برازیل، بولیویا، کولمبیا، ایکویڈور، پیرو، وینی زویلا اور گیانا شامل ہیں۔ اس کی معاون ندیوں کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔ تقریباً ایک ہزار میل تک اس میں جہاز رانی ہو سکتی ہے۔

دریائے زیمبزی : براعظم افریقہ کا یہ چوتھا سب سے بڑا دریا ہے۔ یہ انگولا سے نکلتا ہے اور جنوب مشرق میں 1,650 میل کا سفر طے کر کے بحر ہند کے رودبار موزمبیق (Mozambique Channel) میں گرتا ہے۔ مشہور عالم وکٹوریہ آبشار اسی دریا سے بنتا ہے۔ یہ آبشار تقریباً چار سو فیٹ اونچا ہے۔ اس سے ملے ہوئے حصے بہت زرخیز ہیں۔ اس کی ایک اہم معاون ندی نیاسا (Nyasa) ہے۔ زیمبزی نظام میں تقریباً 8 ہزار میل تک جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ لیکن اقتصادی نقطہ نظر سے یہ دریا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انگولا سے نکلنے کے بعد یہ زامبیا، بوتسوانا، زمبابوے اور موزمبیق کی جمہوریتوں سے ہو کر گزرتا ہے۔

دریائے نیل: افریقہ کا یہ دریا دنیا کا سب سے بڑا دریا ہے۔ خرطوم کے مقام پر یہ سفید نیل اور نیلا نیل کے ایک دوسرے سے ملنے سے بنتا ہے۔ سفید نیل کی ابتدا یوگانڈا میں جھیل وکٹوریہ سے ہوتی ہے اور نیلے نیل کی ایتھوپیا سے۔ دریائے نیل کی لمبائی 4,200 میل ہے۔ خشکی کے جس حصے کو یہ سیراب کرتا ہے اس کا رقبہ 15 لاکھ مربع میل ہے۔ دریائے نیل میں کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں بھی شامل ہوتی ہیں اور بالآخر یہ بحیرۂ روم میں گر جاتا ہے۔

دریائے نیل سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں۔ نیل کے ڈیلٹا کی ابتدا قاہرہ کے قریب سے ہوتی ہے۔ یہاں اس کی دو شاخیں رشید یا روزیٹا (Rosetta) اور دمیات یا ڈیمیٹا (Dameitta) نکلتی ہیں۔ اسکندریہ کا بڑا علاقہ اسی سے سیراب ہوتا ہے۔ دریائے نیل کے پانی کا ذریعہ بڑی حد تک بارش کی رسد اور منطقۂ حارہ کی جھیلیں ہیں۔ نیل چونکہ چار خطوں سے گزرتا ہے اس لیے اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(1) ڈیلٹا، (2) زیریں نیل، (3) وسطی نیل اور (4) بالائی نیل۔ ڈیلٹا میں نہروں کا ایک جال ہے۔ ڈیلٹا سے اسوان بندھ تک زیریں نیل بہتا ہے۔ اس میں کشتیاں چلائی جا سکتی ہیں۔ وسطی نیل اسوان بندھ سے خرطوم تک کہلاتا ہے۔ یہ فاصلہ 125 میل کا ہے۔ دریائے نیل پر کئی پشتوں اور بندوں کے ذریعے اس پر کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اسوان بندھ اور اس کی نہروں کے ذریعے 8 لاکھ ایکڑ زمین کی آبیاری ہوتی ہے اور ان سے برقی قوت بھی فراہم ہوتی ہے۔

دکن: اسے سنسکرت میں "دکشن یا دکھن" کہتے ہیں۔ یہ نربدا کے جنوب کے پورے حدب پر مشتمل نہیں ہے۔ اس میں جنوبی ہند کی سطح مرتفع کا صرف وہ بلند اور مقابلتاً سرد علاقہ شامل ہے جو نربدا اور تنگ بھدرا نیز کرشنا ندیوں کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ بعض اوقات اس میں میسور کی سطح مرتفع بھی شامل کر لی جاتی ہے۔ اس کے مشرق میں مشرقی گھاٹ اور مغرب میں مغربی گھاٹ پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ مغرب میں زیادہ بلند ہے اس لیے دریا مغرب سے مشرق کی طرف بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ڈِگ بوئی: آسام کے ڈبروگڑھ ضلع میں ایک شہر ہے۔ یہاں پٹرولیم کے تہ در تہ کنویں ہیں۔ بھارت میں یہ پہلا مقام ہے جہاں تیل کے چشمے دریافت کیے گئے۔ 1899 سے یہاں آسام آئیل کمپنی قائم ہے جو تیل صاف کرنے کا کام انجام دیتی ہے۔

دلدل: ناقص نکاسیِ آب کی پانی سے سیر شدہ پست زمین جس پر آبی نباتات بکثرت پھیل جاتی ہے، دلدل کہلاتی ہے۔ کبھی یہ کلابہ یا پانک کے حاشیہ پر پھیل جاتی ہے اور کبھی بھرتی ہوئی جھیل میں بتدریج تیار ہوتی ہے۔

دلّی (دہلی): ہندوستان کا تیسرا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام دریائے جمنا پر واقع ہے۔ اس کے اطراف کے کچھ علاقہ کو ملا کر ریاست بنا دیا گیا ہے۔ اس علاقہ کا کل رقبہ 1,483 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی سنہ 1991 میں 94 لاکھ سے زیادہ تھی۔ پچھلے پچاس سال میں اس شہر کی آبادی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

دلی صدیوں سے مختلف سلطنتوں کا صدر مقام رہا ہے اور ان میں سے اکثر کے آثار دلّی کے نواح میں ملتے ہیں۔ دلّی کا ذکر سب سے پہلے مہابھارت میں ملتا ہے۔ اس وقت (1400 ق م) اس کا نام اندرپرست تھا اور یہ شہر ہمایوں کے مقبرے اور پرانے قلعے کے درمیان واقع تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام دہلی پہلی صدی ق م میں پڑا جب راجا دہلو نے یہ شہر بسایا اور اپنے نام پر اسے دہلی کا نام دیا۔ اس کے بعد یہ کئی چھوٹی سلطنتوں کا مرکز رہا۔ آخر کار بارہویں صدی میں پرتھوی راج کے تحت یہ چوہان سلطنت کا صدر مقام بنا۔ پرتھوی راج کی شکست کے بعد قطب الدین ایبک نے معزی خاندان کی حکومت قائم کی اور دلی کو اپنا صدر مقام بنایا۔ قطب مینار کی تعمیر اسی کے زمانہ میں شروع ہوئی۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

علاء الدین خلجی (1316-1296) نے تخت نشین ہونے کے بعد اس وقت کی دلی سے 3 میل دور شمال مشرق میں سیری کے مقام پر ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ غیاث الدین تغلق (سنہ 25-1320) نے ایک اور شہر تغلق آباد بسایا لیکن پانی کی کمی کی وجہ سے اس نے اپنا صدر مقام قطب مینار کے قریب منتقل کر لیا۔ محمد بن تغلق نے اس وقت کی دلی کو اور وسعت دی۔ اس کے اطراف فصیل تعمیر کی اور اسے جہاں پناہ کا نام دیا۔ اس کے جانشین فیروز تغلق نے اسے خیر آباد کہا اور پرانے اندرپرست کے علاقہ میں ایک اور نیا شہر تعمیر کیا۔ اسے فیروز آباد کا نام دیا۔ اس کے آثار آج بھی کوٹلہ فیروز شاہ میں موجود ہیں۔ ایبک، لودھی، تغلق وغیرہ خاندانوں کے مقبرے اور آثار آج بھی ان علاقوں میں موجود ہیں۔

چودہویں صدی کے آخر میں جب تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو پھر دلّی کے حکمرانوں نے اپنا صدر مقام آگرہ منتقل کر دیا۔ سنہ 1526 میں جب مغل بادشاہ بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا اور یہاں اپنی حکومت قائم کی تو دلّی ہی کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اس کے بیٹے ہمایوں نے کوٹلہ فیروز شاہ اور پرانے قلعہ کے درمیان ایک اور شہر بسایا اور اسے دین پناہ کا نام دیا۔ لیکن جب شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دے کر دلّی پر قبضہ کر لیا تو اس نے ہمایوں کے بسائے ہوئے شہر کو مسمار کروا دیا اور شیر شاہی کے نام سے ایک نیا صدر مقام تعمیر کروایا جو آج بھی "پرانا قلعہ" کے نام سے موجود ہے۔

ہمایوں نے جب دلی کو دوبارہ فتح کیا اور شہنشاہ اکبر (1605-1556) اس کا جانشین بنا تو اس نے اپنا صدر مقام فتح پور سیکری اور آگرہ منتقل کر دیا اور دلی کی اہمیت جاتی رہی۔ فتح پور سیکری آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ باقی ہے۔ اور آگرہ کے قلعہ میں اکبر اور جہانگیر کے بنائے ہوئے محل اور دوسری عمارتیں اسی طرح موجود ہیں۔ جہانگیر کے بعد جب شاہ جہاں تخت پر بیٹھا تو اس نے سنہ 1638 میں اپنا صدر مقام پھر دلّی منتقل کر دیا اور ایک نیا شہر شاہ جہاں آباد کے نام سے بسایا جو آج بھی پرانی دلّی کے نام سے باقی ہے۔ اس کا تعمیر کیا ہوا لال قلعہ اور جامع مسجد، وغیرہ اس کی یادگاریں ہیں۔ پرانی دلّی کی فصیل، دلّی دروازہ، کشمیری دروازہ، اجمیری دروازہ، ترکمان دروازہ، وغیرہ اسی دور میں تعمیر ہوئے تھے۔

مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ دلّی پر بھی زوال آیا۔ مراٹھوں نے اس پر حملہ کیا پھر یہ نادر شاہ کی جارحیت کا شکار بنی۔ سنہ 1803 میں انگریزوں نے اس پر تسلط قائم کر لیا۔ سنہ 1857 میں جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مغلیہ سلطنت ختم ہو گئی اور دلّی پوری طرح انگریزی سلطنت کا حصہ بن گئی۔ سنہ 1912 میں انگریزوں نے اپنا صدر مقام کلکتہ سے دلّی منتقل کر دیا اور پرانی دلّی سے ملا ہوا ایک نیا شہر "نئی دلّی" آباد کیا۔ نئی دلّی کو ایک باقاعدہ منصوبہ کے تحت بنایا گیا۔ پچھلے برسوں میں اس میں بے حساب توسیع ہوئی ہے۔ لیکن شروع کی عمارتوں میں موجودہ راشٹرپتی بھون (سابق وائسریگل لاج)، پارلیمنٹ ہاؤس اور سکریٹریٹ کی عمارتیں اور مغل باغ بھی اسی طرح موجود ہیں۔

دلّی سطح سمندر سے 700 سے 1,000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ پرانی دلّی 93 مربع میل علاقہ پر، نئی دلّی 16 مربع میل علاقہ پر اور دلّی کنٹونمنٹ 17 مربع میل علاقہ پر پھیلا ہوا ہے۔ آزادی کے بعد سے یہاں بے حساب ترقی ہوئی ہے۔ آبادی تقریباً بیس گنا بڑھ گئی ہے۔ پرانے شہر سے ملحق کئی چھوٹے چھوٹے شہر ابھر آئے ہیں۔ بے شمار کئی منزلہ عمارتیں تعمیر ہو گئی ہیں۔ دلّی نہ صرف ملک کا سیاسی اور انتظامی مرکز ہے بلکہ بہت بڑا تجارتی مرکز بھی بن گیا ہے۔ دلّی کے اطراف میں بے شمار صنعتیں قائم ہو گئی ہیں جن کا سلسلہ ہریانہ میں فرید آباد سے بھی آگے اور یوپی میں متھرا اور غازی آباد وغیرہ تک پھیل گیا ہے۔ تقریباً ہر ریاست کا ریلوں، سڑکوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ راست تعلق قائم ہو چکا ہے۔ تہذیبی سرگرمیوں میں بھی زبردست ترقی ہوئی ہے۔ ادب، سنگیت، موسیقی اور مصوری و پیکر سازی سے متعلق سرکاری اکادمیوں کے علاوہ ان فنون کے بے شمار غیر سرکاری ادارے، اسکول اور عجائب گھر قائم ہو چکے ہیں۔ ہندی اردو اور پنجابی زبانوں وغیرہ کے تھیٹر نے کافی ترقی کی ہے اور اکثر اداروں کے اپنے تھیٹر بن چکے ہیں۔ بے حساب سینما ہاؤس تعمیر ہوئے ہیں۔ چار یونیورسٹیوں کے علاوہ عام اور ٹکنیکل کالج بہت بڑی تعداد میں قائم ہیں۔

دم چوک: جموں اور کشمیر کے لداخ ضلع میں چوشول کے قریب واقع ہے۔ یہ سرد بنجر علاقہ ہے۔ پہاڑی اور سرحدی ہونے کی وجہ سے کافی اہمیت رکھتا ہے۔

دمشق: سیریا (شام) کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ سطح سمندر سے تقریباً سات سو میٹر بلند ہے۔ ریگستان کی حد پر اور ایک پہاڑی "جبل قاسیون" کے دامن میں ایک زرخیز نخلستان کے اندر واقع ہے۔ قریب کے ایک دائمی چشمے سے نہر نکال کر اس کے اطراف آب پاشی کا انتظام قائم کیا گیا ہے اور یہ شہر باغات کا شہر بن گیا ہے۔ یہ دنیا کا قدیم ترین شہر ہے اور مشرق کا موتی اور "ستونوں کا شہر" بھی کہلاتا ہے۔

اس شہر کی بنیاد کب پڑی اس کا تو کوئی پتہ نہیں چلتا البتہ مسجد بنو امیہ کے صحن میں ماہرین آثار قدیمہ نے جو کھدائی کی ہے اور جو قدیم برتن ملے ہیں ان سے

پتہ چلتا ہے کہ 3 ہزار سال قبل مسیح میں یہ شہر موجود تھا اور ترقی کی کئی منزلیں طے کر چکا تھا۔ مصر کی کھدائیوں میں تصویری خط (Heiroglyphic) میں جو تختیاں ملی ہیں ان میں "دمشقہ" کا ذکر ہے۔ پندرہویں صدی ق م کی تختیوں میں ان مقامات کی ایک فہرست دی گئی ہے جو فرعون "تھمسٹ موز سوم" نے فتح کیے تھے۔ ان میں "دمشقہ" کا نام بھی ہے۔ آرامیوں نے سیریا (شام) میں کئی سلطنتیں قائم کی تھیں اور ان میں دمشق کی سلطنت سب سے بڑی اور مشہور تھی۔ اس کے بعد دمشق پر حضرت داؤد کا قبضہ رہا اور پھر یہ اسیریوں (اشعریوں)، کلدانیوں (Chaldans) اور ایرانیوں، وغیرہ کے تحت رہا۔ 333ق م میں سکندر اعظم نے سیریا (شام) پر قبضہ کیا۔ اور تب سے سیریا پر یونانیوں کے قبضہ کا دور شروع ہوا۔ یہاں پر رومن اور پھر بازنطینی سلطنتوں کا تسلط رہا۔ بہت سے لوگ یونان سے آکر یہاں بسنے لگے اور آرامی اور یونانی تہذیبوں میں گہرا تعلق قائم ہوا۔ سیریا (شام) کی آبادی نے یونانی زبان، فنون لطیفہ اور عقائد کا اثر قبول کیا اور خود دمشق میں یونانیوں کی بستیاں آباد ہو گئیں جو آج تک مسجد بنو امیہ کے پاس موجود ہیں۔

رومن سلطنت کے دور میں دمشق، ایرانیوں کے خلاف جنگ میں، ایک بڑی فوجی چھاؤنی بن گیا اور سنہ 222ق م میں رومن سلطنت کی ایک باقاعدہ کالونی کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں انھوں نے بے شمار حمام، محرابیں اور سرکاری عمارتیں قائم کیں۔ شہر کے اطراف فصیل تعمیر کی جس کے بعض آثار آج تک موجود ہیں۔ اس زمانہ کا ایک قلعہ بھی موجود ہے۔

چوتھی صدی عیسوی تک رومن سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ دمشق بازنطینی سلطنت کا اہم فوجی مرکز بن گیا۔ آبادی کی اکثریت نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ مشتری (Jupiter) کے مندر کو گرجا گھر میں تبدیل کر دیا گیا اور اسے پیغمبر حضرت یحیٰؑ (John the Baptist) کے نام سے منسوب کیا گیا۔ عہد بنو امیہ میں یہ گرجا گھر مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ مسجد بنو امیہ آج تک موجود ہے۔ اس میں یونانی، رومن، بازنطینی اور اسلامی تعمیر کی علامات موجود ہیں۔ مسجد کے اندر حضرت یحیٰؑ کا مزار بھی ہے جس میں ان کا سر دفن ہے۔ گیارہویں، پندرہویں اور پھر انیسویں صدی میں اس عمارت میں کافی ترمیم و اضافہ کیا گیا۔

سنہ 635 میں دمشق پر مسلمان عربوں کا قبضہ ہو گیا اور سنہ 661 سے سنہ 750 تک یہ خلافت بنو امیہ کا دارالخلافہ رہا۔ اس دور میں اس شہر نے زبردست ترقی کی اور آبادی اس کی فصیل سے باہر بھی پھیل گئی۔ بنو امیہ کے زوال اور بنو عباس کے برسر اقتدار آنے کے دوران لڑائیوں میں پورا شہر تباہ ہو گیا، محل عمارتیں، فصیلیں، حتیٰ کہ قبرستان تک ڈھا دیے گئے۔ بنو عباس نے اپنا دارالخلافہ دمشق سے بغداد منتقل کر دیا۔

بنو عباس کی خلافت جب کمزور ہو گئی تو دمشق پر سلجوقیوں، مصریوں وغیرہ کا قبضہ ہو گیا۔ یورپ کے صلیبیوں نے کئی مرتبہ اس کا محاصرہ کیا اور آخر میں صلاح الدین ایوبی نے اسے مصر کے ساتھ ملا دیا۔ اس پر تھوڑے وقفہ کے لیے منگولوں کا بھی قبضہ رہا۔ سنہ 1260 میں یہ ریاست مملوک کا حصہ رہا۔ اس دور میں سائنس، آرٹ اور صنعتوں نے کافی ترقی کی۔ لیکن اس دور میں جو کچھ ترقی ہوئی تھی اسے تیمور نے تباہ کر دیا۔ پورا شہر لوٹ کر مسمار کر دیا۔ عالموں اور دانش وروں کو ملک بدر کر دیا۔ دست کاروں کو جمع کر کے سمرقند لے گیا۔

سنہ 1516 میں دمشق ترک سلطنت عثمانیہ کے تحت آگیا اور تین سو سال تک سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافہ رہا اور جب دارالخلافہ یہاں سے منتقل ہو گیا تو سیریا (سوریا یا شام) سلطنت عثمانیہ کا صوبہ بن گیا اور دمشق کی اہمیت ختم ہو گئی جس کا اثر یہاں کی معاشی زندگی پر بہت گہرا پڑا۔ سنہ 1831 سے سنہ 1840 تک یہ مصر کے حکمراں محمد علی پاشا کے تحت رہا اور اس کے بعد پھر ترکی سلطنت میں واپس آ گیا۔

پہلی عالم گیر جنگ کے دوران دمشق، ترکی اور جرمن طاقتوں کا فوجی مرکز رہا۔ جب انھیں اتحادیوں نے شکست دی تو سنہ 1918 میں سیریا کی علیحدہ مملکت قائم کر دی گئی لیکن عملاً اس پر فرانسیسیوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ اس کے خلاف سخت مزاحمت ہوتی رہی۔ ہڑتالوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا جسے فرانسیسیوں نے سخت ظلم و تشدد کے ساتھ کچل دیا۔ دو مرتبہ شہر پر بم باری تک کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اپریل سنہ 1946 میں اسے آزادی ملی اور یہاں جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ تھوڑے عرصہ کے لیے سیریا اور مصر کا اتحاد رہا اور ایک متحدہ عرب جمہوریہ قائم ہوئی۔ لیکن چند سال بعد یہ پھر علیحدہ ملک بن گئے۔ اب یہاں بعث سوشلسٹ پارٹی کی حکومت ہے۔ دمشق ایک نخلستان میں واقع ہے جس کے اطراف میں ریگستان پھیلا ہوا ہے۔ 91 فی صدی آبادی مسلمان ہے اور 8 فی صدی عیسائی۔ چھوٹی صنعتوں اور دست کاری کا اہم مرکز ہے۔ اس کے علاوہ کپڑے، چمڑے وغیرہ کے بڑے کارخانے بھی ہیں۔ یہ تجارت کا بھی بڑا مرکز ہے۔ بیروت، بغداد، کویت وغیرہ کی آپسی تجارت اسی کے راستہ ہوتی ہے۔ بڑی صنعتوں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اور بیرونی تجارت وغیرہ پر سرکار کا کنٹرول ہے۔ دمشق، عرب دنیا کا آج بھی بہت بڑا تہذیبی مرکز ہے۔ یہاں کئی بڑے کتب خانے، عجائب گھر وغیرہ بھی ہیں۔

دمن: مرکزی زیر انتظام علاقہ دمن اور دیو کا ایک جزو ہے۔ اس کا رقبہ 72 مربع میل ہے اور یہ گجرات کے جنوب میں مغربی ساحل پر بندرگاہ بھی ہے۔ صدر مقام دمن ہی ہے۔ سارا علاقہ معدنیات سے مالامال ہے۔ چاول کی کاشت بکثرت ہوتی ہے۔ یہ علاقہ 19/دسمبر سنہ 1961 میں گوا کے ساتھ پرتگالی قبضہ سے آزاد ہو کر ہندوستان میں واپس آگیا۔ 1991 میں اس کی آبادی 62,101 تھی۔

دنڈیلی سینکچوری: کرناٹک میں کاروار سے 40 کلومیٹر شمال مشرق میں دنڈیلی ایک مشہور صنعتی شہر اور مختلف جانوروں کی شکارگاہ ہے۔

دنیا کے اہم ہوائی راستے :

(1) یورپ اور جنوبی امریکہ کے درمیان: یہ راستہ برطانیہ، امریکہ اور فرانس کے ہوائی جہازوں کا ہے جو افریقہ کے مغرب میں براہ باتھرسٹ بحر اوقیانوس سے ہوتا ہوا پرنامبوکو (ریسیف)(برازیل) پہنچتا ہے۔ پرنامبوکو ہوائی راستے کے ذریعہ سانتی گو (برازیل) سے ملا ہوا ہے۔

(2) یورپ اور آسٹریلیا کے درمیان: برطانیہ کا ہوائی راستہ لندن سے شروع ہو کر ملبورن (آسٹریلیا) پر ختم ہوتا ہے۔ درمیانی مقامات مارسیلز، ایتھنز، اسکندریہ، قاہرہ، غازہ، بغداد، بحرین، شارجہ، کراچی، جودھپور، دہلی، الہ آباد، کلکتہ، رنگون، بنکاک، پینانگ، سنگاپور، بٹاویا، ڈارون، برسبین اور سڈنی ہیں۔ یہ راستہ فرانس، ڈچ اور برطانوی ہوائی جہازوں کے زیر انتظام ہے۔

(3) یورپ اور افریقہ کے درمیان: برطانوی ہوائی راستہ ساؤتھمپٹن سے شروع ہو کر بحیرہ روم سے ہوتا ہوا اسکندریہ تک پہنچتا ہے۔ اسکندریہ سے خرطوم کو جاتا ہے جہاں سے ایک شاخ مغرب میں لاگوس تک اور دوسری جنوب میں کیپ ٹاؤن تک جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ فرانس سے افریقہ تک دو ہوائی راستے ہیں۔ ایک افریقہ کے مغربی ساحل سے ہوتا ہوا براہ باتھرسٹ فرانسیسی استوائی افریقہ تک جاتا ہے۔ دوسرا راستہ صحارا اور کانگو سے گزرتا ہوا مڈغاسکر پر جاکر ختم ہو جاتا ہے۔ اطالیہ کی ایرلائنس طرابلس اور قاہرہ کے راستے ایتھوپیا کے صدر مقام ادیس ابابا تک جاتی ہیں۔

(4) شمالی امریکہ اور ایشیا کے درمیان: یہ لائن سانفرانسسکو سے شروع ہو کر بحرالکاہل کے اوپر سے ہوتی ہوئی براہ ہونولولو، مڈوے آئلینڈ اور ریک آئی لینڈ (منیلا) پر ختم ہو جاتی ہے۔ جرمنی نے اپنی ہوائی سروسیں شمال میں ناروے، سوئڈن اور فن لینڈ سے، مشرق میں پولینڈ، جنوب مشرق میں زیکوسلواکیہ، یوگوسلاویہ اور یونان سے، جنوب مغرب میں اسپین اور پرتگال سے اور مغرب میں فرانس سے قائم کر رکھی ہیں۔

دوآبہ: ہندوستان میں بالعموم دو بڑے دریاؤں کے درمیان پھیلے ہوئے علاقہ کو دوآبہ کہا جاتا ہے۔ یہ ان دونوں دریاؤں کی پھیلائی ہوئی مٹی سے بنا ہوتا ہے۔ لیکن اس اصطلاح سے اکثر گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ مقصود ہوتا ہے۔

دوبارہ قلماؤ (Recrystallization): وہ عمل جس سے قلموں کا مجموعہ دوبارہ تحلیل کے مرحلے سے گزر کر ایک نئے قلمی مجموعے میں تبدیل ہوتا ہے۔ یہ تحلیل دباؤ کے باعث ہوتی ہے مگر اکثر حجر کی خالی جگہوں میں موجود محلل بھی اس کا باعث ہو سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر ایک قلمی عمل ہے۔

دوپرت (Varves) اور دوپرتی چکنی مٹی (Varved Clay): جھیلوں (خصوصاً گلیشیائی جھیلوں) میں جمع ہونے والی چکنی مٹی کی ایک سال میں جمع ہونے والی پرتوں کا سٹ (Set)۔ ایسی مٹی دوپرتی کہلاتی ہے کیونکہ اس میں ہلکے اور گہرے رنگ کی پتلی اور کچھ موٹی تہیں باری باری سے پائی جاتی ہیں۔

دوعمری (Diachronism): ارضیاتی ترتیب یا حجری اکائی (Lithological Unit) کی وقتی سطحوں (Time Planes) کے خلاف عبور، ایسا وقوعہ جس میں ایک پرت بظاہر مسلسل نظر آئے مگر دراصل مختلف اوقات میں مختلف جگہوں میں ایک ہی رخ یا چہرے یا فیشی (Facies) کے ارتقا کے باعث ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہو۔

دومحوری جمادات (Biaxial Minerals): جو قلمیں ذومحوری ہوتی ہیں، ان میں دو بصری محور ہوتے ہیں یا ایسے دو مقامات یا سمت ہوتی ہیں جہاں دوہرا انعطاف نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ روشنی ایک ہی رفتار سے گزرتی ہے۔ جو قلمیں، قائمہ معینی نظام، یک مائلہ نظام اور سہ مائلہ نظام سے تعلق رکھتی ہیں، دومحوری جمادات کہلاتی ہیں۔

دو محوری رخ یا پناکائڈ (Pinacoid): یہ نام اس قلمی شکل کو دیا جاتا ہے جس کے رخ کسی دو محوروں کے متوازی ہوتے ہیں اور یہ دونوں رخ افقی محوروں 1/1 اور 1/2 کے متوازی ہوتے ہیں۔ دونوں رخ محور ج کو قطع کرتے ہیں جو نیچے کی شکل میں بتلایا گیا ہے۔

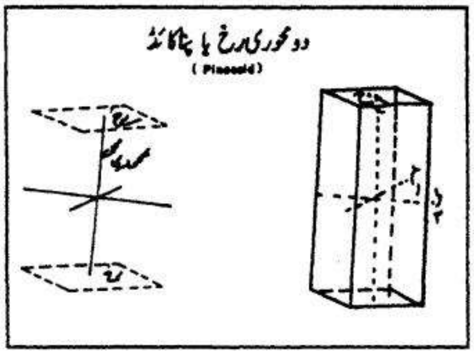

دو معیاری عرض البلد والی سادہ ظل مخروطی: دیکھیے "سادہ ظل مخروطی"۔

دور (Period): ارضیاتی وقتی اکائی (Geologic Time Unit) جو عصر سے بڑی ہوتی ہے مگر عہد کا ایک حصہ۔

دَوری رسوبیت (Cyclic Sedimentation): اگر رسوب کی ترتیب ایک انجامی قسم سے قطعی مختلف دوسری انجامی قسم میں درجہ بدرجہ تبدیل ہو کر پچھلی حالت پر آجائے تو اس عمل کو دَوری رسوبیت کہتے ہیں مثلاً:

کھاری پن یا نمکیت (Salinity) کی بتدریج کمی: نمک آلود پانی (Brackish Water)، میٹھا پانی (Fresh Water)۔

نمکیت کا بتدریج اضافہ: میٹھا پانی (Fresh Water)، نمک آلود پانی، نمکین سمندری پانی (Saline Water)۔

اس مثال سے ماحول کا کچھ عرصے کے لیے سمندری ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ علاحقی طور پر اس رسوبی ترتیب کو دَوری رسوبیت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اس ترتیب کی اکائی ایک متشاکل دوری رسوبت یا سائیکلو تھم (Symmetrical Cyclothem) ہوتی ہے۔(دیکھیے Cyclothem)۔

دوغلے حجرات یا دوغلی چٹانیں (Hybrid Rocks): وہ حجرات جو دو قسم کے میگما (Magmas) کے ملنے یا ایک آتشی حجر کے دوسرے آتشی حجر کے ساتھ امتزاج (Assimilation) کے باعث وجود میں آتے ہیں، دوغلے حجرات کہلاتے ہیں۔

دولت آباد: ریاست مہاراشٹرا کے ضلع اورنگ آباد کا ایک گاؤں ہے۔ یہاں سطح زمین سے 600 فیٹ اونچی پہاڑی پر ایک قدیم قلعہ ہے جو قدیم یادو خاندان کے حکمرانوں نے تعمیر کروایا تھا۔ پہلے اس کا نام دیوگڑھی تھا۔ علاء الدین خلجی نے اسے فتح کر کے اس کا نام دولت آباد رکھا۔ قلعہ کے اندر علاء الدین کے سپہ سالار ملک کافور کی بنوائی ہوئی ایک مسجد اور ایک مینارہ ابھی تک موجود ہے۔

دوہرا قلم (Diploid): یہ نام ایسے جمادی قلم کو دیا جاتا ہے جس میں 24 رخ ہوتے ہیں۔ اور جو ایک دوسرے کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ ہر رخ محور سے غیر مساوی فاصلہ پر ملتا ہے۔ عموماً یہ رخ دو دو کے گروہ میں ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل شکل میں اس کو دکھلایا گیا ہے۔

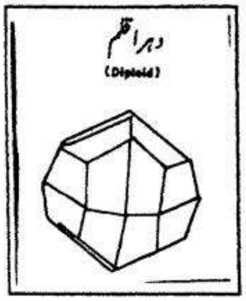

دہرہ دون: یہ شہر اور ضلع اتر پردیش میں واقع ہے۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے 2,200 فٹ ہے۔ شمالی ریلوے لائن کا دہرہ دون آخری ریلوے اسٹیشن ہے۔ حکومت ہند کے محکمہ جنگلات اور سروے آف انڈیا کا صدر مقام ہے۔ تینوں دفاعی افواج کے کالج بھی یہاں واقع ہیں۔ بچوں کے کئی پبلک اسکول بھی ہیں۔ چاول اور چائے یہاں کی اہم پیداوار ہے۔

دھارواڑ: ریاست کرناٹک کا ایک مشہور مقام اور اسی نام کا ایک ضلع ہے۔ پانچ سو ملین سال قبل یہ علاقہ سمندر کے اندر تھا۔ یہ جنوبی ہند کا ایک مشہور تہذیبی مرکز ہے۔ ہندوستانی موسیقی کے بڑے بڑے استاد یہاں سے نکلے ہیں۔ بسوراج گرو،

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بھیم سین جوشی، گنگوبائی ہنگل اور ملک ارجن منصور آج بھی ہندوستانی موسیقی کے اعلیٰ پایہ کے گائک تصور کیے جاتے ہیں۔

دھاریوال: پنجاب کے شمالی علاقہ میں ایک تجارتی اور صنعتی شہر ہے۔ یہاں کے اونی کپڑے اور ہوزری، جراب (موزے) وغیرہ مشہور ہیں۔ انجینئرنگ اور زراعت کے سامان بھی یہاں بنائے جاتے ہیں۔

دھرماورم: آندھرا پردیش کے ضلع اننت پور کا ایک تاریخی اہمیت کا گاؤں ہے۔ یہاں کا خوبصورت تالاب، جو چتراولی ندی پر بنایا گیا ہے، مشہور ہے اور زراعت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ مقام سوتی اور ریشمی کپڑے کے لیے شہرت رکھتا ہے۔

دھنش کوڈی: تامل ناڈو کے رامناتھاپورم ضلع میں، خلیج بنگال اور بحر ہند کے سنگم پر واقع ہے۔ سری رام کے نام سے نسبت کے سبب مقدس مقام سمجھا جاتا ہے جہاں لوگ اشنان کے لیے آتے ہیں۔ اس سنگم کا منظر نہایت خوبصورت ہے۔

دھولاگیری: ملک نیپال میں ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں کے اندرونی سلسلہ کی ایک چوٹی ہے۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے 8,172 میٹر یا 26,810 فٹ ہے۔

دی مال: (1) یہ امریکہ کے ضلع کولمبیا میں ایک وسیع گھاس کی پٹی ہے جو کیپٹل پارک سے پوٹومیک ندی تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے قرب وجوار میں کئی عمارتیں قابل دید ہیں۔

(2) لندن کی ایک شاہراہ ہے جو سینٹ جیمس پارک کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ بکنگھم پیلیس کے سامنے سے گزرتی ہے۔ اسے چارلس دوم کے واسطے پال مال کھیلنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں اسے شام کے وقت کی فیشن ایبل تفریح گاہ سمجھا جاتا تھا۔

دیناج پور: بنگلہ دیش میں شمال مغربی سرحد کی جانب واقع ہے۔ یہاں سے مشرق میں بنگلہ دیش میں سے ہوتے ہوئے ہی آسام جانے کے لیے شاہراہ ہے۔

دیو: دیو خلیج کھمبات (خلیج کچھ) میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو سوراشٹرا کے علاقے سے ایک تنگ ندی (Channel) کی وجہ سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ یہ مرکزی زیر انتظام علاقہ دمن اور دیو کا ایک جزو ہے۔ 1991 میں اس کی آبادی 39,485 تھی۔

دیوبند: اتر پردیش (ہندوستان) کے سہارن پور ضلع کا ایک شہر ہے۔ یہاں اسلامی علوم کی تعلیم کا بہت بڑا اور قدیم ادارہ دارالعلوم قائم ہے۔ مشرقی علوم پر تحقیقات کا کام بھی یہاں ہوتا ہے۔ یہ دریائے گنگا اور جمنا کے دوآبے میں واقع ہے۔

ڈ

ڈانا، جیمس ڈوائٹ (James Dwight Dana): یہ مشہور امریکی ماہر ارضیات 1813 میں پیدا ہوا اور 1895 میں جہان فانی سے رخصت ہوا۔ اس نے سب سے پہلے امریکہ کی مکمل ارضیات کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس نے بتایا کہ زمین کے قلب یا مرکزہ (Core) کے سرد ہونے اور سکڑنے کی وجہ سے جو افقی دباؤ (Horizontal Compression) پیدا ہوتا ہے اس کے باعث عمل کوہ سازی (Orogency) ہوتا ہے۔ وہ اپنی کتاب نظام الجمادات (The System of Mineralogy) کے لیے بے حد مشہور ہے جو کہ 80 سال تک جمادیات کی سب سے مستند کتاب سمجھی جاتی تھی اور اب بھی یہ قابل وثوق اور بیش بہا حوالے کی کتاب کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔

ڈائٹام (Diatom): یک خلوی پودوں کا وہ گروہ جو سمندری یا میٹھے پانی میں رہتا ہے، سلیکائی اخراج کرتا ہے اور اس کے باعث رسوبات بھی کافی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں۔

ڈائگرام: کسی چیز کی عددی یا مقداری تقسیم کو ظاہر کرنے والی یا کسی جغرافیائی اور معاشی عنصر کو نمایاں کرنے والی نظری، خیالی یا رسمی شکل ڈائگرام کہلاتی ہے۔ اس میں محل وقوع یا طبعی کیفیت، وغیرہ کے اعتبار سے کچھ جغرافیائی حقائق کو ظاہر کیا جائے تو ڈائگرامی نقشہ یا خاکہ سامنے آ جاتا ہے۔ یک بعدی شکل میں اعداد و شمار کو خطوط مستقیم کے طول سے دکھایا جاتا ہے۔ دو بعدی شکل میں انھیں رقبوں سے اور سہ بعدی شکل میں انھیں حجم سے دکھایا جاتا ہے۔

ڈائگوکم: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ڈائمنڈ ہاربر: مغربی بنگال میں دریائے ہگلی کے کنارے واقع ہے۔ انگریزوں نے اسے اپنا سب سے پہلا بندرگاہ بنایا تھا جو اب کام کا نہیں رہا ہے۔ اس میں اکثر مٹی جمع ہو جاتی ہے۔ کشتی رانی کے کام آتا ہے۔

ڈایا برنکیاٹا (Diabranchiata): جماعت سفلوپوڈا (Cephelopoda) کی ایک ذیلی جماعت ہے۔ اس میں شامل جانوروں کے خول نہیں ہوتے اور ہوتے ہیں تو اندرونی۔ بیلمنائٹ (Belemnites)، اسکوئڈ (Squid) اور آکٹوپس وغیرہ اسی میں شامل ہیں۔ ان کا عہد عمر کاربونی فیرس سے عرصہ حاضر تک ہے۔

ڈایورائٹ (Diorite): موٹے دانے دار ساخت کے قعری آتشی حجر میں فیلسپار، پلیجیو کلینز (Plagioclase) ذیلی گروہ کے آلیگو کلیز (Oligoclase) اور انڈیسین (Andesine) ہوتے ہیں اور میفوی (Maffic) جمادات میں سے ایک یا اس سے زیادہ جمادات جیسے سیاہ ابرک یا بایوٹائٹ (Biotite)، ہارن بلینڈ (Hornblend) اور اگائٹ (Augite) وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوارٹز بھی موجود ہو سکتا ہے۔ برائے نام جمادات (Accessory Minerals) میں اسفین (Sphene) عام جماد ہے۔

قلوی فیلسپار (Alkali Felspar) کے اضافے کے ساتھ ڈایورائٹ بتدریج مونزونائٹ (Monzonite) حجر میں اور کوارٹز کی مقدار بڑھنے پر ٹونولائٹ (Tonolite) اور پھر گرینوڈایورائٹ (Grano- Diorite) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہی حجر باریک دانے دار ہو تو اسے لیمپروفائر (Lamprophire) کہتے ہیں۔ اگر اس حجر میں پلیجیو کلینز فیلسپار زیادہ اساسی یا کیلسیائی (Basic- Calcic) ہو جائیں مثلاً لبراڈورائٹ (Labrodorite)، تو یہ حجر گبرو (Gabbro) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ڈایورائٹ انڈیسائٹ (Andesite) کو قعری مساوی یا مماثل حجر مانا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر کمیاب ہیں اور چھوٹے چھوٹے ڈاٹ (Plug) یا ابھار (Boss) کی شکل میں یا اتفاقاً پشتہ (Dyke) کے طور پر پائے جاتے ہیں۔

ڈبروگڑھ: آسام کا ایک اہم شہر اور اسی نام کے ضلع کا صدر مقام ہے۔ تجارتی

نقطہ نظر سے یہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں سے چائے، کوئلہ اور تیل بھیجا جاتا ہے۔ یہ اکثر دریائے برہم پترا کی باڑھ کا شکار بنتا ہے۔ یہ آسام کا ایک تعلیمی مرکز بھی ہے۔ حال میں یہاں ایک یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔

ڈبلن: جمہوریہ آئرلینڈ کا صدر مقام دریائے لفی کے دہانہ پر خلیج ڈبلن کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں 535,488 تھی۔ یہ ایک قدیم شہر ہے۔ 1714 میں بنایا ہوا بندرگاہ، جہازوں کے ٹھہرانے کے مقامات، ڈاک گھر وغیرہ، آج تک موجود ہیں۔ جنوبی ویلز اور انگلینڈ سے یہاں کوئلہ درآمد کیا جاتا ہے۔ یہاں کی اہم برآمدات زراعتی پیداوار ہیں۔ آج کل یہاں تجارتی کاروبار ریلوں کے ذریعے ہوتا ہے جو پہلے نہروں کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ یہاں کی اہم صنعتوں میں شراب کی کشید اور غذائی اشیا کو ڈبوں میں بند کرنا ہے۔ ڈبلن یونیورسٹی یا ٹری نٹی کالج میں جو 1591 میں قائم ہوا تھا مشہور عالم بک آف کیلس، ہے۔ جزائر برطانیہ میں طبع ہونے والی ہر کتاب کا ایک نسخہ اس میں رکھا جاتا ہے۔ یہاں سترہویں صدی میں قائم شدہ "کل مین ہم" دواخانہ بھی ہے۔ یہاں کے نیشنل میوزیم میں بہت قدیم زمانے کے نوادرات اور نیشنل آرٹ گیلری میں ماہرین آرٹ کی کاوشوں کے مجموعے ہیں۔ سنہ 1014 تک ڈبلن، سلطنت ڈنمارک کا حصہ تھا۔ سنہ 1170 میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ آئرلینڈ برطانوی سلطنت کا حصہ بنادیا گیا تھا۔ انگریزی تبضہ کے خلاف بار بار کئی بغاوتیں ہوئیں۔

ڈبلیو. ایس. بروس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ڈراس: گرم خشک ریگستانوں کا ایسا پیچیدہ علاقہ جس میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں سے ماہی پشت بلندیاں اور گنبدی ٹیکریاں بنتی رہتی ہیں۔

ڈربن: جمہوریہ جنوبی افریقہ کے صوبہ نٹال میں بحیرہ ڈربن پر یہ بندرگاہ واقع ہے۔ یہاں سے کوئلہ، مینگنیز اور کرومیم برآمد کیا جاتا ہے۔ یہاں کپڑا، کیمیائی اشیا اور فرنیچر کے کارخانے ہیں۔ یہاں کی اہم صنعتوں میں موٹروں کے پرزوں کو جوڑ کر موٹر کار تیار کرنا، ٹائیر سازی اور پلاسٹک کی تیاری شامل ہے۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل ہونے سے یہ موسم گرما کی تفریح گاہ ہے۔ یہاں ایک یونیورسٹی اور ٹکنیکل کالج بھی ہے۔ کل آبادی 1971 میں 556,679 تھی۔ اس میں سے 205,543 ایشیائی، 153,220 سفید فام اور بقیہ سیاہ فام ہیں۔

ڈرہم: یہ کاؤنٹی انگلینڈ کے شمال مشرق میں دریائے ویر (Wear) کے کنارے واقع ہے۔ کاؤنٹی کا مرکز ڈرہم ہے۔ اس شہر کے اطراف اونچی ڈھلوان چٹانیں ملتی ہیں۔ اسکی چوٹی پر ڈرہم گرجا گھر ہے جو سنہ 1093 میں بنایا گیا تھا۔ یہ نارمن فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ 1072 کا بنا ہوا ایک محل بھی ہے، جس میں آج کل یونیورسٹی واقع ہے جو 1832 میں قائم کی گئی تھی۔ یہاں کوئلہ کی کانیں ہیں اور لوہا، فولاد، مشینری، ادویات، قالین اور چرمی سامان تیار کرنا یہاں کی صنعتوں میں شامل ہے۔ کاؤنٹی کی آبادی سنہ 1971 میں 1,517,039 تھی۔

ڈسموسپونجیا (Desmospongia): اسفنج کی جماعت، جن کے ڈھانچے کئی طرح کی سلیکائی سوئیوں (Specules) سے بنے ہوتے ہیں۔ ان کی عمر یا عہد کیمبرین دور سے عرصہ حاضر تک ہے۔

ڈکار: مملکت سینیگال کا صدر مقام اور بحر اوقیانوس پر ایک بندرگاہ ہے۔ ماضی میں یہ فرانسیسی مغربی افریقہ کی راجدھانی تھا۔ جنوری سنہ 1959 سے ستمبر 1960 تک یہ سینیگال اور مالی کے عارضی وفاق کا صدر مقام بھی رہا۔ یہ جزیرہ نمائے کیپ ورڈے کے سرے پر، براعظم افریقہ کے انتہائی مغرب میں واقع ہے۔ ایک ریلوے لائن اس کو دریائے سینیگال سے ملاتی ہے اور اس کے بندرگاہ سے یہاں کی تجارت میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔ یہاں جنگلات کا ایک پارک، حیوانیاتی باغ اور پاسچر انسٹی ٹیوٹ واقع ہیں۔ ڈکار یونیورسٹی اور کئی کالج بھی ہیں۔ یہاں کے حیاتیاتی میوزیم اور تاریخی میوزیم، بڑی شہرت کے حامل ہیں۔ یہاں سے روئی، جوتے، تیل اور صابن برآمد کیے جاتے ہیں۔ مقامی دستکاری میں لباس، جواہرات کے زیور اور لکڑی کے سامان بنانے کی صنعت شامل ہیں۔ یہاں کی آبادی 1971 میں تقریباً دو لاکھ اکتیس ہزار تھی۔

ڈکاشیو: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ڈکسن ڈینہام: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ڈل جھیل: کشمیر کا صدر مقام سری نگر ڈل جھیل کے کنارے واقع ہے۔ نہایت ہی خوبصورت اور میٹھے پانی کی یہ جھیل 8 کلومیٹر لمبی اور 4 کلومیٹر چوڑی ہے۔ یہ سری نگر کی بہت بڑی تفریح گاہ ہے۔ اس میں بے شمار کشتیاں پڑی رہتی ہیں جن میں سیاح آکر ٹھہرتے ہیں۔ انھیں ہاؤس بوٹ کہتے ہیں۔

ڈلہوزی: شمال مغربی ہندوستان میں ہماچل پردیش کے ضلع چمبا کا ہوا خوری کا

مقام ہے۔ ہمالیہ کے دامن میں سطح سمندر سے 2,300 میٹر (7,500 فٹ) کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ پٹھان کوٹ کے شمال مغرب میں 66 کلو میٹر (42 میل) کے فاصلہ پر آباد ہے اور اس سے بذریعہ سڑک ملا ہوا ہے۔ سنہ 1971 میں اس کی آبادی 3,748 تھی۔

ڈماکریٹس: اس یونانی محقق نے آباد دنیا کا لمبوترا پھیلاؤ دکھایا اور اس کی لمبائی کو چوڑائی کا ڈیڑھ گنا بتایا۔

ڈمپی ترازپیما (Dumpy Level): فرازی پیائش کے اس آلہ میں استوانی اسپرٹ لیول اور دوربین کو اوپر کی طرف مرکزی حصہ یا چرخی پر مضبوطی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ اسپرٹ لیول چوٹی پر خط نظر کے متوازی رہتا ہے۔ اس کا بلبلہ جب وسط میں آزادانہ دوڑتا رہتا ہے تو دوربین کے محور کو افقی سطح میں تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ سطح درست کرنے والی پیچدار کیلوں لیولنگ اسکرو کے ذریعہ بلبلہ کو ٹھیک مرکز پر قائم کیا جاسکتا ہے۔ دوربین مرکزی چرخی پر گھوم سکتی ہے۔

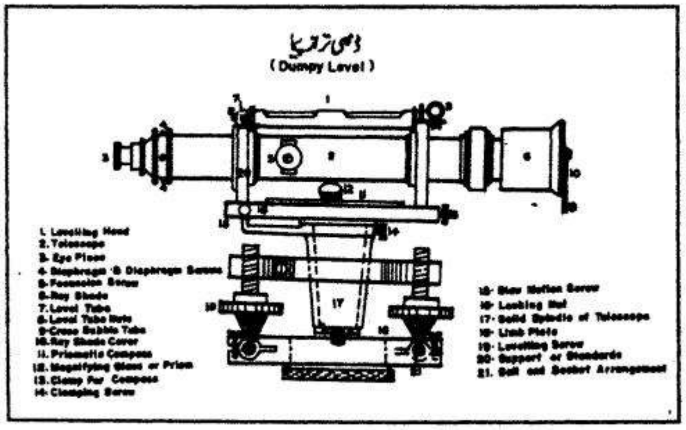

ڈمپی ترازپیما کا استعمال: اس آلہ سے فرازی پیائش کرتے وقت پیائشی جھنڈیوں کے علاوہ جریب یا پیائشی فیتہ اور اسٹاف کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسٹاف عموماً 12 فٹ یا چار میٹر اونچا ہوتا ہے لیکن یہ کئی حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ انھیں سلسلہ وار دبا کر ایک دوسرے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ وقت ضرورت انھیں باہر کی طرف کھینچ کر بلند بھی کیا جاسکتا ہے۔

میٹر کے اسٹاف پر سرخی سے لکھے ہوئے ہندسے مکمل میٹر دکھاتے ہیں۔ سیاہ رنگ کے ہندسوں سے میٹر میں اعشاریہ کے ایک مقام تک کے فاصلے ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر سیاہ لکیر اعشاریہ میں دوسرے مقام کے فاصلے دکھاتی ہے۔ ڈمپی ترازپیما کی دوربین سے اسٹاف کو دیکھتے وقت دوربین کے اندر لگا ہوا تار سیاہ لکیر سے اوپر یا نیچے رہے تو فاصلہ اعشاریہ کے تیسرے مقام تک سمجھا جاتا ہے۔ دوربین سے دیکھنے پر اسٹاف بالکل الٹا دکھائی دیتا ہے اور اس پر لکھے ہوئے ہندسے بھی الٹے نظر آتے ہیں۔ اسٹاف کے نشانات اور دوربین کے درمیانی تار کی مدد سے بلندیوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ بلندی میں اضافہ کا حساب اسٹاف پر اوپر سے نیچے کی طرف لگایا جاتا ہے۔ اسے مختلف منتخبہ مقامات پر رکھ کر دوربین کے ذریعہ پیش مشاہدے اور عقبی مشاہدے نوٹ کر لیے جاتے ہیں۔

پست و بالا علاقہ میں اس آلہ کی مدد سے مختلف مقامات کے فرازی اختلافات کی پیائش کی جاتی ہے۔ فرازی پیائش کبھی اختلافی ہوتی ہے اور کبھی یک رخی شکل کو نمایاں کرنے والی۔ ڈمپی ترازپیما اور اسٹاف کو دونوں صورتوں میں کچھ مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اختلافی فرازپیائی کے وقت ناہموار زمین پر سطح کے نمایاں اختلافات کو ظاہر کرنے والے مقامات پر کئی پیائشی جھنڈیاں سلسلہ وار عموداً گاڑی کر دی جاتی ہیں۔ ہر دو جھنڈیوں کے تقریباً درمیانی حصہ میں آلہ کو ایک تپائی پر کس دیا جاتا ہے۔ تپائی کے اوپر ایک گول پیچ دار دھاتی مسند لگی رہتی ہے۔ اس پر آلہ کو کستے وقت دوربین کے نچلے مرکزی حصہ کو گھڑی کی سوئیوں کی سمت میں گھما کر نصب کر دیا جاتا ہے۔ فرازپیائی کے بعد کبھی پیائش کی جانچ کرنا بھی پیش نظر ہو تو آلہ کے مرکزی حصہ کے نیچے زمین پر مطابقتی مقام کا تعین کر لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں آلہ اور تپائی کی سطح ہموار کر لی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے آلہ میں دو طرح کے اسپرٹ لیول لگے رہتے ہیں، ایک گول ہوتا ہے اور دوسرا افقی پھیلاؤ کے استوانہ کی شکل کا۔ اول الذکر سے تپائی کی سطح ہموار کی جاتی ہے اور دوسرے کی مدد سے دوربین کو سطح زمین کے متوازی رکھا جاتا ہے۔ تپائی کی سطح ہموار کرتے وقت اس کے تہ ہونے والے دو پیروں کو حسب ضرورت آگے پیچھے یا ادھر ادھر ہٹایا جاسکتا ہے۔ پیائش کرنے والا اکثر و بیشتر آلہ کے ان دو پیروں ہی کو استعمال کرتا ہے جو دائیں بائیں اس کے قریب ہی ہوتے ہیں۔ تیسرا پیر شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک یا دونوں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پیروں کو احتیاط سے حرکت دی جائے تو گول اسپرٹ لیول میں بلبلہ جلد ہی مرکزی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کیفیت میں تپائی کی مسند کو سطح زمین کے متوازی سمجھ لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں آلہ کی سطح درست کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں پیمائش کرنے والا دوربین کو اپنے شانوں کے متوازی رکھ کر استوانی اسپرٹ لیول کے بلبلہ کو وسط میں لانے کے لیے دائیں اور بائیں جانب کے دو پیچلی لیولنگ اسکرو گھماتا ہے۔ دونوں کو اندر کی طرف یا دونوں ہی کو باہر کی طرف گھمایا جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد بلبلہ وسطی حصہ میں ٹھہر کر سطح کی ہمواری کا یقین دلا دیتا ہے۔ سطح ہموار کرتے وقت ایک اسکرو کو اندر کی طرف اور دوسرے کو غلطی سے باہر کی طرف گھما دیں تو سطح درست ہی نہیں ہو پاتی۔

بہر حال جب بلبلہ استوانی اسپرٹ لیول کے وسطی حصہ میں ٹھہر جائے تو دوربین کو زاویۂ قائمہ پر گھما دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں بلبلہ اکثر اپنے مرکزی مقام سے کچھ دائیں بائیں ہٹ جاتا ہے۔ اسے پھر وسطی مقام پر لانے کے لیے سامنے لگے ہوئے تیسرے لیولنگ اسکرو کو حسب ضرورت کچھ گھما دیا جاتا ہے۔ سطح کو اس طرح اوسطاً ہموار کر لینے کے بعد دوربین کو مزید مختلف سمتوں میں گھمانا غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ واشہ کے فراز پیما میں بلبلہ کے مرکزی مقام کو معائنہ میں دیکھ لیا جاتا ہے۔

ڈن لاؤرے: یہ بندرگاہ جمہوریہ آئرلینڈ کے مشرق میں واقع ہے۔ ڈبلن کے مسافر اسی بندرگاہ سے آتے اور جاتے ہیں۔ یہ ساحلی تفریح گاہ ہونے کے علاوہ تجارتی مرکز ہے اور یہاں مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔

ڈنڈی: ضلع محبوب نگر آندھرا پردیش میں تعمیر شدہ بڑا ذخیرۂ آب ہے جو ڈنڈی "پراجکٹ" کہلاتا ہے۔ ڈنڈی نامی ندی کے پانی کو روک کر زراعت کے کاموں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ ندی دریائے کرشنا کی ایک معاون ہے۔ اس "پراجکٹ" سے 6,000 ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے۔

ڈنڈی گل: تامل ناڈو کے چنگئی (مدراس) ضلع میں واقع ہے۔ کپاس کی گرنیوں اور پارچہ بافی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں کی ساڑیاں پورے بھارت میں مشہور ہیں۔

ڈنمارک: شمالی مغربی یوروپ کی ایک مملکت ہے جہاں آئینی بادشاہت قائم ہے۔ اسکینڈینیوائی ملکوں میں یہ سب سے جنوب میں بحیرہ شمالی اور بحیرہ بالٹک کے درمیان واقع ہے۔ اصل علاقہ جزیرہ نما جٹ لینڈ (Jut land) میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ ایک سو جزیرے اور ہیں جزائر فیرو اور گرین لینڈ کو چھوڑ کر کل رقبہ 43,077 مربع کلو میٹر ہے اور 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی تقریباً 5,148,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام کوپن ہاگن ہے۔ یہاں کی زبان ڈینش ہے۔ آبادی کی اکثریت کا مذہب لوتھیرین عیسائیت ہے۔

موسم خوشگوار رہتا ہے۔ جاڑوں میں اکثر کافی سردی پڑتی ہے۔ یہ یوروپ کے میدانی علاقہ کا ایک حصہ ہے۔ زمین کافی زرخیز ہے۔ دودھ اور سور کے گوشت کی بنی چیزیں یہاں کی اصل پیداوار ہیں اور یہ بڑی مقدار میں باہر بھیجی جاتی ہیں۔ گیہوں، جو (بارلی) وغیرہ پیدا کیے جاتے ہیں۔ جس کا کافی حصہ گایوں اور سوروں کو کھلایا جاتا ہے۔ مچھلیاں بھی بڑی مقدار میں پکڑی جاتی ہیں۔ سیمنٹ، دھاتیں صاف کرنے اور کھاد بنانے کے کارخانے ہیں۔ کھانے کی چیزوں کو ڈبوں میں بند کرنے کی بڑی صنعت ہے۔ تجارت زیادہ تر یوروپ کے ملکوں سے ہوتی ہے۔

رائج سکہ ڈینش کرون ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 340,267 اور ثانوی مدارس میں 464,555 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں طالب علموں کی تعداد 142,968 تھی۔ یہاں پانچ یونیورسٹیاں بھی ہیں۔

تاریخ: ڈنمارک کی قدیم تاریخ کا کچھ پتہ نہیں چلتا، البتہ وائکنگ مغربی یوروپ پر حملہ کرتے تھے تو ان میں بڑا حصہ ڈین یا ڈنمارک کے لوگوں کا ہوتا تھا۔ نویں اور دسویں صدی کے قریب یہاں کے لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور ہیرالڈ بلوٹوتھ (Harold Blue Tooth) (ف 985) یہاں کے پہلے عیسائی بادشاہ تھے۔ ان کے بیٹے سوین (Sweyn) نے انگلستان فتح کیا تھا اور 1018 سے 1035 تک ڈنمارک، انگلستان اور ناروے ایک متحدہ سلطنت رہے جس پر بادشاہ کینیوٹ (Canute) کی حکمرانی تھی۔ 1658 تک سویڈن کا جنوبی علاقہ بھی ڈنمارک کا حصہ رہا۔ کینیوٹ کے انتقال کے بعد ڈنمارک افراتفری اور خانہ جنگی کا شکار رہا۔

وائکنگ کے حملوں کے خاتمے کے ساتھ کلیسا کی طاقت بھی بڑھ گئی اور اس کے ساتھ امرا نے بادشاہوں کو مجبور کیا کہ پارلیامنٹ قائم کریں چنانچہ بادشاہ کے زیادہ تر اختیارات امرا کی کونسل کے ہاتھ منتقل ہو گئے۔ یہ صورت وسط سترھویں صدی تک رہی۔ ملکہ مارگریٹ کے دور 1397 میں ڈنمارک کے علاوہ ناروے اور سویڈن بھی اس کے تحت آ گئے۔ 1523 میں سویڈن اس سے الگ ہو گیا۔ ڈنمارک اور ناروے کا اتحاد 1814 تک قائم رہا۔ 1448 میں اولڈنس برگ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے خاندان کا کرسچین اول ڈنمارک اور ناروے کا حکمراں بنا۔ آج بھی ڈنمارک کا حکمراں اسی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان نے مطلق العنان حکمرانی پھر قائم کرلی۔ اگلے تین چار سو سال میں سویڈن سے اس کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آئس لینڈ اس کے تحت آگیا اور ویسٹ انڈیز میں اس نے اپنی نوآبادی بھی قائم کرلی۔ امرا کی طاقت توڑنے کے لیے جاگیرداری اور زرعی غلامی کو ختم کیا گیا اور کسانوں کو زمین کا مالک بنا دیا گیا۔

فرانس کے انقلاب کا اثر وہاں بھی پہنچا۔ نپولین کے برسر اقتدار آنے کے بعد ڈنمارک نے نپولین کی حمایت کی اور اس کے لیے اسے دو مرتبہ برطانیہ کے حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب نپولین کو مکمل شکست ہوئی تو 1815 میں ویانا کانگریس کے فیصلوں کے مطابق ناروے اس سے الگ کردیا گیا لیکن اس کے ساتھ ڈنمارک نے آزادی کی جو راہ چنی تھی وہ اسی پر چلتا رہا۔

1849 میں نیا آئین مرتب ہوا۔ بادشاہ کی مطلق العنانی ختم ہوئی اور اس کی حیثیت صرف آئینی رہ گئی۔ اس دوران اس کی پروشیا سے کئی لڑائیاں بھی ہوئیں۔

ڈنمارک کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنی معیشت میں امداد باہمی کا طریقہ رائج کیا اور کسانوں کو اس میں شریک ہونے اور دودھ اور اس کی صنعت کو فروغ دینے پر مائل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک غریب اور پسماندہ ملک نہایت خوشحال اور ترقی یافتہ ملک میں تبدیل ہوگیا۔

1914-15 میں ڈنمارک میں اور بھی آئینی اصلاحات کی گئیں اور عورتوں اور غریب طبقہ کو بھی حق رائے دہی دیا گیا۔ ساری توجہ لوگوں کی سماجی بھلائی پر صرف کی جانے لگی۔ ڈنمارک دونوں عالم گیر جنگوں میں غیر جانبدار رہا لیکن اپریل 1940 میں ہٹلر نے اس پر قبضہ کرلیا اور جب اندرونی مزاحمت اور گوریلا طاقتیں بڑھنے لگیں تو 1943 میں جرمنوں نے مارشل لا لگا دیا اور حکومت کے وزرا اور بادشاہ کو گرفتار کرلیا۔ 1945 میں انگریزی فوجوں نے ڈنمارک آزاد کرولیا۔ اس سال وہ مجلس اقوام متحدہ کا اور 1949 میں ناٹو (NATO) کا ممبر بنا۔ جنگ کے بعد سے اس کی معیشت برابر ترقی کررہی ہے اور وہ یوروپ کی دودھ اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کی ضروریات کو کافی حد تک پورا کرتا ہے۔ 1962 تک یہاں ایک پارٹی یعنی سوشل ڈیماکریٹک پارٹی کی حکومت رہی۔ اس کے بعد سے اسے مطلق اکثریت حاصل نہ ہوسکی۔ اور اب کئی پارٹیوں کی متحدہ حکومت قائم ہے۔

1960 میں ڈنمارک یوروپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن کا ممبر بنا۔ 1972 میں اس نے یہ رکنیت چھوڑ دی اور یوروپین اکونامک کیمونٹی کا ممبر بن گیا۔

1982 میں یہاں 1905 کے بعد پہلی بار کنزرویٹو حکومت بنی۔ 1992 میں ڈنمارک نے یوروپین کیمونٹی کی ماسٹرکٹ ٹریٹی کو رد کردیا۔

ڈوبری، گابریل (Gabriel Daubree): کاؤن کا یہ فرانسیسی انجینئر 1814 میں پیدا ہوا اور 1896 میں اس نے انتقال کیا۔ اس نے سطحی اور زیر زمین پانی کی پیدائش، ارتقا، تقسیم اور خصوصیات کا سیر حاصل مطالعہ کیا۔ اس نے کئی تجربات کیے۔ بطور خاص کایا بدل حجرات (Metamorphic Rocks) کی پیدائش وارتقا کے سلسلے میں زمین کی گہرائی میں موجود پانی کے گرم ہونے کے اثرات میں بڑی دلچسپی لی۔ اسی نے کایا بدلیت (Metamorphism) کی تین قسمیں مقرر کیں۔ علاقائی (Regional)، اتصالی (Contact) اور حرکی (Dynamic)۔

ڈوڈا بیٹا پیک (چوٹی): ریاست تامل ناڈو میں واقع ہے اور جنوبی ہند میں نیلگری پہاڑیوں کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ اس کی بلندی 2,637 میٹر ہے۔ آخری بلندی تک جانے کے لیے موٹر چلانے کے قابل سڑک ہے۔ یہاں سے بحیرۂ عرب دکھائی دیتا ہے۔

ڈولرائٹ (Dolorite): درمیانی دانے دار اساسی (Basic) نیم قعری (Hypabyssal) آتشی حجر جس کی کیمیائی اور جماداتی ترکیب گبرو (Gabbro) اور بیسالٹ (Basalt) کی ہوتی ہے یعنی یہ حجر گبرو (قعری) اور بیسالٹ (برکانی) کی نیم قعری مثال کے مساوی (Hypabyssal Equivalent) ہے۔ ان میں آفٹک بافت (Ophitic Texture) عام طور پر پائی جاتی ہے۔ مگر پارفارٹیک بافت (Porphyritic Texture) کم ہی پائی جاتی ہے۔ کوارٹز ڈولرائٹ (Quartz dolorite)، تھولیائٹ، بیسالٹ (Basalt) کے مساوی حجر ہے۔ ان میں قلوی (Alkaline) جمادات بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ حجر عام طور پر سرپاپشتہ یا ڈائک یا سل (Sill) کے طور پر پایا جاتا ہے۔

ڈولومیو، گائے ایس تاں کرڈا (Guy S. Tancrede de Dolomieu): ڈولومیو فرانسیسی فوج کا افسر تھا۔ وہ 1750 میں پیدا ہوا۔ بعد میں وہ علم جمادات کا پروفیسر بھی مقرر ہوا۔ آتش فشاں پہاڑوں سے برآمد ہونے والے مادوں کو آتشی حجرات سے مقابلہ کرکے اس نے آتشی (Igneous) حجرات کے ارتقا اور ان کی ترکیب (Composition) کا مطالعہ کیا۔ اس کا عقیدہ

تھا کہ آتش فشانوں کے پھوٹ پڑنے اور حجرات کی لزوجیت (Viscocity)، جس کی وجہ سے ان میں قلمی (Crystalline) یا بلوری (Glassy) ساخت کی پیائش ممکن ہے، دونوں کی وجہ سے گندک کا وجود ہے۔ جنوبی تائرال (South Thyrole) کے علاقے کے چونا پتھروں یا لائم اسٹون (Lime Stone) کی کیمیائی ترکیب کا مطالعہ کر کے اس نے بتایا کہ ان میں میگنیشیم (Magnesium) کی بھی خاطر خواہ مقدار شامل ہے اور اس کے بعد سے نہ صرف اس علاقے کے بلکہ تمام دنیا میں میگنیشیم کا عنصر رکھنے والے تمام چونا پتھروں کو ڈولومائٹ (Dolomite) کا نام دیا گیا ہے۔ ڈولومیو نے 1801 میں وفات پائی۔

ڈومینیکا (Dominica): جزائر ونڈورڈ میں سب سے اہم جزیرہ اور برطانیہ کی نوآبادی ہے۔ بحیرۂ کیریبین میں جزیرہ گواڈالوپ اور مارٹی نیک کے درمیان واقع ہے۔ رقبہ 751 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 83,000 ہے صدر مقام روسو ہے۔ ماحول نہایت حسین ہے۔ گھنے جنگل اور پہاڑیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ زمین زرخیز ہے۔ کیلا، سنترے، ناریل، کوکو اور مصالحے (مسالے) پیدا ہوتے ہیں اور باہر بھیجے جاتے ہیں۔ آبادی کی بڑی اکثریت نیگرو نسل کی ہے۔ کچھ مقامی لوگ بھی ہیں۔ زبان عام طور پر ملی جلی فرانسیسی بولی جاتی ہے۔

1493 میں کولمبس نے اسے دریافت کیا۔ انگریز اور فرانسیسی کافی عرصہ تک اس پر اپنا دعویٰ جتاتے رہے۔ ایک عرصہ تک فرانسیسی اس پر حاوی بھی رہے۔ لیکن اس کے بعد کافی عرصہ تک یہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے قبضہ میں آتا رہا۔ 1815 میں یہ مستقل طور پر برطانیہ کے قبضہ میں آگیا۔ 1960 میں ڈومینیکا جزائر لی ورڈ اور ونڈورڈ کا حصہ بنا دیا گیا اور اسے تھوڑی سی اندرونی خود مختاری دے دی گئی۔

1978 میں ڈومینیکا کو مکمل آزادی دے دی گئی۔ 1981 میں یہاں حکومت کا تختہ الٹنے کی دوبارہ ناکام کوششیں کی گئیں۔

ڈھاکہ: بنگلہ دیش کا صدر مقام ہے۔ اس کا رقبہ 2,882 مربع میل ہے۔ دریائے گنگا اور بوڑھی گنگا کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ ڈھاکہ دریائی کشتیوں کا ایک اہم بندرگاہ بھی ہے۔ دستکاری کے لیے مشہور ہے۔ جامدانی کا کام جو مشین کے تاگے سے تیار کیا جاتا ہے شہرت رکھتا ہے۔ یہاں کا سوتی کپڑا اور پٹسن کے قالین مشہور ہیں۔ چاول یہاں کی اہم پیداوار ہے۔ اس شہر کا ہوائی اڈہ بین الاقوامی ہوائی اڈے کی حیثیت رکھتا ہے۔ شائستہ خاں کی صاحبزادی بی بی پری یہاں کے قلعہ میں دفن ہیں جو فن تعمیر کے لحاظ سے مشہور ہے۔ ڈھاکہ زمانہ قدیم سے علم کا مرکز رہا ہے۔ ایک زمانہ میں یہاں کی ململ ساری دنیا میں شہرت رکھتی تھی۔

ڈھبری (دھوبری): آسام ریاست کے ضلع گوال پارا میں واقع ہے۔ ندی میں چلنے والی کشتیوں کا بندرگاہ ہے۔ یہاں پٹسن بکثرت پیدا ہوتی ہے اور چائے کی کاشت بھی کی جاتی ہے۔ یہ ضلع اور سب ڈسٹرکٹ کا صدر مقام بھی ہے۔

ڈیٹرائیٹ (Detroit): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا یہ پانچواں سب سے بڑا شہر ہے۔ نیویارک کے مغرب میں 486 میل پر اور شکاگو سے مشرق میں 247 میل پر دریائے ڈیلاویر کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 1,670,140 تھی۔ یہاں درآمدی بندرگاہ واقع ہے۔ 1815 میں یہ شہر آباد ہوا۔ اس کا محل وقوع تجارت اور صنعت و حرفت کے لیے نہایت موزوں ہے۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں ڈیٹرائیٹ میں جہاز سازی اور دوسری صنعتوں کے کارخانے قائم کیے گئے۔ یہاں جو سہولتیں میسر ہیں، ان سے فورڈ موٹر کار بنانے کے کارخانے بنائے گئے ہیں اور یہ ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ کئی اور موٹریں بھی یہاں بنائی جاتی ہیں۔ ان کارخانوں کے قائم ہونے سے یہ مشی گن کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ موٹر کار اور موٹروں کے پرزوں کے علاوہ یہاں دوائیں، وارنش، تیل صاف کرنے کے کارخانے، جہاز سازی، ہوائی جہاز، ریل کے ڈبے اور دیگر سامان، المونیم کے کارخانے، برقی آلات اور ٹیلی ویژن کا سامان بنایا جاتا ہے۔ یہاں کی درسگاہوں میں وین اسٹیٹ یونیورسٹی، یونیورسٹی آف ڈیٹرائیٹ، ڈیٹرائیٹ یونیورسٹی آف آرٹس، لارنس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ پبلک لائبریری اور تاریخی میوزیم بھی واقع ہیں۔ کوبوہال کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے جس میں نمائش کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہاں کئی پارک اور تفریح گاہیں ہیں۔

ڈیرہ اسماعیل خاں: پاکستان میں ڈیرہ غازی خاں سے ملا ہوا اور دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ایک شہر ہے۔ اس کا رقبہ 4,723 مربع میل ہے۔

ڈیرہ غازی خاں: پاکستان کا ایک ضلع ہے۔ شہر ملتان سے 50 میل دور مغرب کی جانب بسایا گیا ہے۔ یہاں کی اہم پیداوار گیہوں اور کپاس ہے۔

ڈیسیمٹرک نقشہ کشی: نقشہ بنانے کے اس طریقہ میں بڑی انتظامی حدود اور اوسط اعداد و شمار کو نظر انداز کر کے آبادی کی حقیقی تقسیم اور گنجائیت کو روشن

سے ظاہر کر دی جاتی ہے۔ تقسیم کو بہتر بنانے کے لیے اندراجات سے قبل ٹوپوگرافی کو ظاہر کرنے والے اور استعمال زمین کی تفصیلات دکھانے والے متعلقہ نقشوں پر گہری نظر ڈال لی جاتی ہے۔

ڈیلٹا (Delta): دریا اپنے سفر کے آخری مرحلے میں پہنچتے ہیں اور سمندر یا جھیلوں میں مل جانے سے پہلے ان کی قوت بہاؤ میں حد درجہ کمی واقع ہوتی ہے تو اس مرحلے پر وہ ایسے دریائی ذخائر تشکیل کرتے ہیں جو مثلث نما شکل کے ہوتے ہیں۔ یونانی زبان کا حرف ڈیلٹا اس شکل سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے اس مرحلے کو ڈیلٹا اور یہاں پر بننے والے دریائی ذخائر کو ڈیلٹائی رسوبات کہا جاتا ہے۔ ڈیلٹائی مثلث کی چوٹی (Apex) عام طور پر دریا کے مخرج کی طرف ہوتی ہے۔

اپنے طویل اور مختلف مراحل کے سفر کو طے کرنے کے بعد جب دریا ڈیلٹائی علاقے میں داخل ہوتا ہے تو اس کے بہاؤ کی رفتار بہت کم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ رسوبات کا عظیم بوجھ اس کے پانی میں موجود رہتا ہے۔ اس لیے دریائی تراش خراش کا عمل یہاں بالکل ہی مفقود ہوتا ہے۔ ان حالات میں دریا اپنے اصلی دھارے سے کٹ کر نہ صرف مختلف شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے بلکہ اس میں سیلابی میدان اور دلدل اور نباتات اور جھاڑ، پھونس سے پٹی جھیلیں بھی بن جاتی ہیں۔

ان پُر سکون حالات میں، جبکہ دریا کی قوت صفر کے برابر ہو گئی ہو رسوبات جمع ہو کر مخصوص ڈیلٹائی ساخت کی شکل میں ابھرتے ہیں جن میں پرت دار رسوبات تشکیل پاتے ہیں۔ ڈیلٹائی رسوبات جن مخصوص اور پیچیدہ عوامل کی بنا پر بنتے ہیں ان کے نتیجہ میں تین پرتیں ظہور میں آتی ہیں۔

(1) زیریں پرتیں (Bottom Set Beds)۔ ڈیلٹائی رسوبات کی ایسی پرتیں جو سمندر کی جانب، ڈیلٹا کے علاقے سے آگے سمندر میں بنی ہوں۔

(2) بالائی پرتیں (Fore Set Bed)۔ ڈیلٹا کی رسوبات کی وہ پرتیں جو سمندر کی طرف سے زیریں پرتوں کے اوپر بنی ہوئی ہوں۔

(3) چوٹی پرتیں (Top Set Beds)۔ ایسی پرتیں ہیں جو بالائی پرتوں کے اوپر بنی ہوں۔

ڈیلٹائی رسوبات میں ریت، کیچڑ اور سلٹ کے ساتھ بہت سے نامیاتی اجزا بھی شامل ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ان میں روڑ پتھر (Conglomerates) بھی شامل رہتے ہیں۔ ڈیلٹائی رسوبات آج کل پٹرول کی تلاش میں زبردست اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ قدیم ڈیلٹائی رسوبات جیسے نائجر ڈیلٹا میں تیل کے بڑے ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔

ڈیلٹائی رسوبات (Deltaic Sediments): جہاں دریا سمندر سے ملتے وقت ڈیلٹا بناتا ہے وہاں کے ماحول میں جمع شدہ رسوبات ڈیلٹائی رسوبات کہلاتے ہیں۔ اس رسوب میں ترقی یافتہ آڑی ترچھی طبقہ بندی (Cross Bedding) ہوتی ہے۔ یہ ریت، چکنی مٹی (Clay) اور نامیاتی مادوں اور نمکین (Brackish) پانی کی مخلوق کے باقیات یا رکاز (Fossils) کا مخلوط ہوتا ہے۔

ڈیماریسٹ، نکولاس (Nicolas Desmarest): اس فرانسیسی نے، جسے برکانی ارضیات کا جد اعلیٰ (Father of Volcanic Geology) کہا جاتا ہے، 1725 میں جنم لیا اور 1815 میں انتقال کیا۔ اس نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ بیسالٹ نامی حجر آتش فشاں کے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کو ایک اور شہرت یوں بھی حاصل ہوئی کہ اس نے برکانی حجرات (Volcanic Rocks) کی درجہ بندی کی۔ اس کی درجہ بندی کی بنیاد حجرات کی عمر اور تبدیلی (Alteration) پر رکھی گئی تھی۔

ڈین ہیلڈر: یہ صوبہ شمالی ہالینڈ کا بندرگاہ ہے جو بحیرۂ شمالی اور واڈن زی کو جوڑنے والی رودبار پر واقع ہے۔ ملاحی، ماہی گیری اور سیاحی کے علاوہ اہم فوجی مرکز ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 6,152 تھی۔

ڈینیوب: یہ یورپ کا دوسرا سب سے بڑا دریا ہے۔ اس کی لمبائی 1,740 میل ہے اور اس کا مبدا جنوب مغربی جرمنی میں دو پہاڑی نالے، یعنی بری گاچ اور بری گے، ہیں۔ یہ دونوں ڈوناس ایس جن گن پر ملتے ہیں۔ یہاں سے ڈینیوب شمال مشرق کی سمت بہتا ہے۔ آگے جانے کے بعد اس دریا کو دریائے مین (Main) اور رہائن (Rhine) سے نہر کے ذریعہ جوڑ دیا گیا ہے۔ ڈینیوب آسٹریا میں سے گزر کر چیکوسلواکیہ کے کچھ حصے میں سے ہو کر ہنگری میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں اس میں ڈراوا اور تسزا شامل ہو جاتے ہیں۔ اس سے تقریباً 3 سو چھوٹے بڑے دریا اور نالے آکر ملتے ہیں۔ آگے جا کر یہ یوگوسلاویہ اور رومانیہ کی سرحد بناتا ہے۔ مزید آگے چل کر یہ رومانیہ اور بلغاریہ کی سرحد بناتا ہے۔ اس کے پورے آب گزر کا رقبہ 3 لاکھ 15 ہزار مربع میل ہے۔ اس کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مغرب سے مشرق کو بہتا ہے اور بحیرۂ اسود (بحیرۂ سیاہ) میں جا گرتا ہے۔ اس کے کچھ حصے میں جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ اس پر یورپ کے خوبصورت ترین شہر مثلاً وی آنا، بوداپسٹ، وغیرہ واقع ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ڈیوڈلو نکسٹن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ڈیورازو: یہ البانیہ کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ یہاں کی آبادی تقریباً 32,300 ہے۔ البانیہ کے مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے واقع ہے۔ تجارت اور رسل ورسائل کا اہم مرکز ہے۔ بجلی پیدا کرنے کے پلانٹ، اینٹ، چمڑا، تانبے کی کچ دھات اور پٹرولیم سے بنی چیزیں برآمد کی جاتی ہیں۔

ڈیوس: دیکھیے کلیدی مضامین "جغرافیائی کھوج" اور "جدید جغرافیائی تصورات"۔

ڈیولس پوائنٹ: یہ خلیج پالک میں واقع ایک جزیرہ ہے جو ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان ہے۔ یہاں انگریزی راج میں سنگین جرائم کرنے والے مجرمین کو بھیجا جاتا تھا۔

ڈیونائٹ (Dunite): ماورائے اساسی (Ultrabasic) حجر جو کہ موٹے دانے والی بافت کا حامل ہوتا ہے اور یک جمادی (Monomineralic) بھی ہوتا ہے۔ یعنی صرف اولوینا (Olivina) نامی جماد سے ہی بنا ہوتا ہے۔

ڈیوونین دور (Devonian Period): 395 ملین (39.5 کروڑ) سال قبل سے 345 ملین سال قبل کے دوران کا وقفہ جس کو ارضیاتی وقتی پیمانے میں قدیم حیاتیاتی عہد (Palaezoic Era) میں رکھا گیا ہے۔ یہ سائیلورین دور کے بعد اور کاربونی فیرس دور سے پہلے تھا۔

ڈیوونین دور کے حجرات زیادہ تر براعظمی (غیر بحری) ہیں اور یہی ارضی تاریخ کا وہ پہلا دور ہے جس میں وسیع پیمانے پر براعظمی حجرات کی رسوبیت واقع ہوئی۔ ان رسوبوں کو مجموعی طور پر قدیم سرخ ریت کا پتھر (Old Red Sandstone) کہا جاتا ہے۔ قدیم ارضی جغرافیہ کے لحاظ سے اس دور میں دو براعظمی خطے تھے جن کے درمیان کافی تنگ سمندر تھا۔ اور یہ سمندر بھی ڈیوونین دور کے ختم ہوتے ہوتے تقریباً معدوم ہو گیا۔ سمندر صرف ارضی ہم میلان تک محدود تھے پھر بھی وسطی اور آخر ڈیوونین دور میں بحری پیش قدمی ضرور عمل میں آئی تھی۔

ڈے کارٹ: اس قدیم یونانی مفکر نے سب سے پہلے آباد دنیا کے ابعاد کا حساب لگایا۔ اس کی لمبائی 60 ہزار اسٹیڈز اور چوڑائی 40 ہزار اسٹیڈز بتائی۔ ڈماکریٹس کی طرح اس نے بھی طول و عرض میں ڈیڑھ اور ایک کی نسبت قائم کی۔

ذ

ذات پات کے نظام: یہ ایسے سماجی اور اخلاقی نظام ہیں جو ایک مذہب سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں جیسے ہندوؤں میں برہمن، کھتری، ویش اور شدر، وغیرہ۔ سماج میں یہ کاروبار، پیشہ اور نسب کی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ یہ نظام کسی حد تک نسلی نظام سے مشابہ ہوتے ہیں۔ پچھلے دو ہزار سال میں یہ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال اور سری لنکا میں زیادہ نمایاں رہے ہیں۔ دنیا کے دیگر علاقوں میں ایسے نظام بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔

ذخیرے یا مطروحے (Deposits): رسوبات یا جمادات کا مجمع مطروحہ کہلاتا ہے۔ جمادی مطروحے وہ ذخائر ہیں جن میں معاشی اعتبار سے سود مند کچ دھات یا ادھات (Ore or Non-metals) پائے جاتے ہیں۔ رسوبی مطروحے (Sedimentary Deposits) رسوبی ماحول کے لحاظ سے کئی قسم کے ہو سکتے ہیں۔

ذراتی سائز (Particle Size): رسوبی حجرات کی بافت (Texture) کے بیان کے لیے ان کے ذرات کا سائز بے حد اہمیت رکھتا ہے اور دراصل اسی بنیاد پر دانہ دار یا کنکری رسوبی حجرات کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔ عام طور پر وینٹ ورتھ (Wentworth) کا دیا ہوا پیمانہ بہتر سمجھا جاتا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

ذراتی سائز	رسوبی مادے کا نام
256 مم سے زیادہ (>256mm)	بولڈر (Boulder)
64 سے 256 مم تک (64-256mm)	کوبل (Cobble)
4 سے 64 مم تک (4-64mm)	گول پتھر (Pebble)
2 سے 4 مم تک (2-4mm)	روڑی پتھر (Gravel)
1/16 سے 2 مم تک (1/16-2mm)	ریت (Sand)
1/256 سے 1/10 مم تک (1/256- 1/10mm)	سلٹ (Silt)
1/256 مم سے کم (<1/256mm)	چکنی مٹی (Clay)

ان میں سے ہر گروہ کی مزید درجہ بندی بھی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً ریت کو بے حد موٹے دانے دار (1 سے 2 مم)، موٹے دانے دار (1/2 سے 1 مم)، درمیانی دانے دار (1/4 سے 1/2 مم)، مہین دانے دار (1/8 سے 1/16 مم) کے ذیلی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ذراتی شکل (Particle Shape): کنکری یا دانہ دار رسوبی حجرات میں فرسودگی سے بنے کنکری ٹکڑوں کی موجودگی اور کاٹ (Erosion) سے برآمد شکلیں مختلف سمتوں میں ان کے طول و عرض کے تناسبات کے اعتبار سے بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً چپٹی (Tabular)، طشتری نما (Discoidal)، کروی (Spherical)، مکعبی (Semiasvial)، سلاخ نما (Rod Like)، سہ محوری (Triasial) وغیرہ وغیرہ۔

ذیلی یا معاون جمادات (Accessory Minerals): وہ جمادات جو کسی حجر میں اس قدر کم مقدار میں ہوں کہ ان کا ہونا نہ ہونا اس حجر کی درجہ بندی یا تسمیہ پر اثرانداز نہیں ہوتا، معاون یا ذیلی جمادات کہلاتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ر

رابرٹ ای. پیری: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

رابرٹ. ایف. اسکاٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

رابن مار: یہ دور وسطیٰ کے تاریک زمانہ کا مفکر، قدامت پسند اور راسخ العقیدہ پادری تھا جو سیکھے ہوئے یونانی اور لاطینی تصورات کا قائل نہ تھا۔ اندھا دھند صرف مذہبی توضیحات کو تسلیم کرتا تھا۔ زمین کی کروی شکل اور تین براعظموں کے پھیلاؤ کا تذکرہ بھی وہ انجیل ہی کے اشاروں پر کرتا تھا۔ اس کی تالیف 'ڈی یونیورسز' پر، جو اسیڈور کی تصنیف 'اور مجنس' کا چربہ نظر آتی ہے، مذہبی رنگ کا زیادہ غلبہ نظر آتا ہے۔

راپتی: اس ندی کا منبع نیپال میں دھول گیری میں واقع ہے۔ نیپال سے یہ اترپردیش میں داخل ہوتی ہے۔ راپتی کے کناروں پر گونڈا، بستی اور گورکھ پور واقع ہیں۔

راج شاہی: بنگلہ دیش میں ضلع اور ڈویژن بھی ہے۔ یہاں شہر راج شاہی بھی واقع ہے۔ یہاں کے میدان قدیم ندیوں کی گزرگاہ ہیں۔ چاول اہم پیداوار ہے۔ دالیں، تیل کے بیج اور پٹسن کی بھی پیداوار ہوتی ہے۔

راجستھان: راجستھان رقبہ کے لحاظ سے بھارت کی دوسری بڑی ریاست ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں ہریانہ، مشرق میں دہلی اور اترپردیش، جنوب مشرق میں مدھیہ پردیش جنوب مغرب میں گجرات اور مغرب میں پاکستان واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 342,214 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 میں 44,005,990 تھی۔ راجستھان کے مغربی خشک ریگستان کی اوسط بارش 10 سنٹی میٹر سے بھی کم ہے۔ اراولی خطے میں 50 سے 100 سنٹی میٹر تک بارش ہوتی ہے۔ جنوبی حصے کو دریائے لونی سیراب کرتا ہے۔ جے پور صدر مقام ہے۔

ریگستانی علاقہ ہونے کے باوجود یہ ایک زرعی ریاست ہے جہاں جوار، باجرہ، مکئی، گیہوں، جو، دالیں، گنا، مونگ پھلی اور کپاس کاشت کیے جاتے ہیں۔ راجستھان نہر کی وجہ سے کافی علاقہ قابل کاشت ہو گیا ہے۔ سیمنٹ، چینی اور شکر کی صنعتیں اہم ہیں۔

یہاں کئی مندر اور تاریخی قلعے بھی واقع ہیں۔ یہاں کی دستکاریاں جیسے چاندی کے زیورات، چوڑیاں، پیتل، سنگ مرمر اور چمڑے کا کام دنیا بھر میں مشہور ہیں۔

ماؤنٹ آبو، مہاراجہ کا محل، اجمیر، پدمنی کا محل، چتوڑ کا قلعہ مشہور ہیں۔ یہاں کے اہم شہر جے پور، اجمیر، جودھ پور، بیکانیر، کوٹا، اودے پور، وغیرہ ہیں۔

آزادی سے پہلے راجستھان کا زیادہ تر علاقہ چھوٹی چھوٹی دیسی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ سنہ 1948 کے بعد ان سب کو ملا کر ریاست راجستھان بنا دی گئی۔

راجستھان کنال پراجکٹ: راجستھان نہر جب پایۂ تکمیل کو پہنچے گی تو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کی ایک سب سے بڑی آبپاشی کی نہر ہوگی اور شمال مغربی راجستھان کے وسیع ریگستان کو جس کا طول 525 کلو میٹر اور عرض 45 کلو میٹر ہے ایک زرخیز علاقہ میں بدل دے گی۔ اصل نہر 684 کلو میٹر لمبی ہوگی جو ہاریکے سے رام گڑھ تک پھیلی ہوئی ہے۔ 467 کلو میٹر کے فاصلے تک یہ تقریباً ہند و پاکستان کی سرحد کے متوازی بہتی ہے۔ اس سے اور اس نہر کی شاخوں سے اضلاع گنگا نگر، بیکانیر اور جیسلمیر کا جملہ 20.2 لاکھ ہیکٹر رقبہ آبپاشی کے قابل ہو جائے گا۔

راجہ مندری: یہ شہر آندھرا پردیش میں دریائے گوداوری کے ڈیلٹا کے دہانہ پر بائیں کنارے پر کاکی ناڈا کے مغرب میں تیس (30) میل دور واقع ہے۔ ساحلی پیداوار کا تجارتی مرکز ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

راس ساؤ ٹوم (Cape de SaoTome): مشرقی برازیل کی رایوڈی جینیرو (Rio de Jeneiro) اسٹیٹ میں ساحل اوقیانوس پر ایک راس (Cape) ہے جو پرایبا ندی (Paraibe) کے جمع کیے ہوئے تہ نشیں مادوں سے تشکیل پائی ہے۔

راسٹر انس اصول: ای. ڈبلو. راسٹر انس نے سنہ 1958 میں وقوع صنعت کے تعلق سے تین اصول پیش کیے ہیں۔ ایک طبعی تحدید کا اصول، دوسرا معاشی تحدید کا اصول اور تیسرا تکنیکی تحدید کا اصول۔

اس کی نظر میں طبعی تحدید کا اطلاق قدرتی وسائل کی حصولی کے وقت ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اس نے وسائل اور مسائل کی تخصیص اور ان کی حصولی کی سطح کو پیش نظر رکھا ہے۔

معاشی تحدید کے تحت اس نے مصنوعات کی لاگت کی ساخت کے جائزہ کو اہمیت دی ہے۔ اس نے کارخانوں کی مزدوریوں، استعمال ہونے والی خام چیزوں کی قیمتوں اور وقومی رقموں کی مالیت کے علاوہ، خرید و فروخت کے اخراجات اور سرمایہ کو "لاگت کی ساخت کے اجزائے ترکیبی" کا نام دیا ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ صنعتی مراکز کے حاشیوں پر مصنوعات کی لاگت غیر معمولی طور پر بڑھ جائے اور منافع کی گنجائش زیادہ نہ رہے تو انھیں قدیم مقامات پر برقرار رکھنا منفعت بخش نہ ہوگا۔

تکنیکی تحدید کے اصول کے تحت وقوع صنعت پر ٹکنالوجی کی سطح کے اثر کے مطالعہ کو اہمیت دی گئی ہے۔ صنعت کار اگر اس حقیقت سے واقف ہو جائے کہ تکنیکی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے کارخانہ میں بھی بار بار تغیر و تبدل کی ضرورت ہوگی تو وہ وقوع صنعت کے مسئلہ کو اساسی اہمیت نہ دے گا۔ لیکن اگر تکنیکی ترقیاں زیادہ اہمیت نہ رکھیں تو وقوع صنعت کا مسئلہ زیادہ اہم ہو جائے گا۔

رام چندرا پورم: رام چندرا پورم حیدر آباد، جو آندھرا پردیش کا صدر مقام ہے، کے شمال میں جدید ترقی یافتہ علاقہ ہے۔ یہاں بھارت الکٹرونکس تنصیبات کئی میل کے احاطہ کو محیط کیے ہوئے ہے۔ ابتدا میں یہ تنصیب "چکس" کے تعاون سے شروع کی گئی۔ یہاں بجلی کے سامان تیار کیے جاتے ہیں۔

رام گنگا: اترپردیش کے ضلع گڑھوال میں رام گنگا ندی پر ایک بندھ بنایا گیا ہے جس کی لمبائی 625.8 میٹر اور اونچائی 125.6 میٹر ہے۔ اس سے نکالی ہوئی نہر کی لمبائی 82 کلو میٹر ہے جس سے 659,000 ہیکٹر رقبہ زمین کی آبپاشی ہوتی ہے۔ اس پراجکٹ سے 198,000 میگاواٹ برقی قوت بھی حاصل ہوتی ہے۔

رام ناتھ پورم: تامل ناڈو میں ایک ضلع ہے جہاں پم بن اور کروسادی خوبصورت جزیرے ہیں۔ اس مقام سے قریب تر ونیل ویلی مقام پر سبرامنیا کی ایک دلچسپ عبادت گاہ ہے۔ یہاں کئی خوبصورت ساحلی کنارے بھی ہیں۔

راما گنڈم تھرمل اسٹیشن: آندھرا پردیش کے راما گنڈم تھرمل اسٹیشن کا افتتاح سنہ 1957 میں ہوا جس کی جملہ تنصیبی قوت گنجائش 7,500 کلوواٹ ہے، جس سے سینٹ، پارچہ بافی اور کاغذ سازی کے کارخانوں کو بجلی فراہم کی جاتی ہے۔

رامیشورم: تامل ناڈو میں جزیرہ نمائے ہند کے آخری جنوب مشرقی کنارے پر آبنائے پاک میں یہ مقام واقع ہے جو کہ بحر ہند کی موجوں سے اپنے ساحل کو دھوتا رہتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شری رام نے لارڈ شیوا کی یہاں پر پرستش کی تھی تاکہ راون کے قتل کرنے کی بخشش ہو۔

جنوبی ہند کا یہ بہت اہم مذہبی مقام ہے۔ لاکھوں آدمی رامیشورم میں پوجا کرنے آتے ہیں۔ مدورائی سے یہ مقام ایک سو اسکٹھ (161) کلو میٹر دور ہے۔ سری رامانا تھ سوامی کا مندر سری لنکا کے ایک شہزادے کی ایما پر بنایا گیا تھا۔ اس مندر کی تعمیر میں تین سو پچاس سال لگے۔ یہ مندر ڈراویڈین طرز کے مکمل نمونہ کو ظاہر کرتا ہے۔

رانچی: بہار میں چھوٹا ناگپور کا ضلع اور شہر ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی دو ہزار ایک سو (2100) فٹ ہے۔ یہ ضلع اور ڈویژن کا صدر مقام ہے۔ شہر میں فوجی اڈہ ہے۔ "ریڈیو انسٹیٹیوٹ" ہے اور دو دماغی بیماریوں کے ہسپتال ہیں۔ رانچی کا پہلے نام دھاروا گا تھا۔ اس کا تمام علاقہ پہاڑی ہے اور زمین ناہموار ہے۔ یہاں چاول اگایا جاتا ہے۔ پہاڑی ڈھلوانی حصہ پر جنگل اُگے ہیں۔ چائے کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ لاکھ کی پیداوار اور اس کی تجارت بھی ہوتی ہے۔ یہ باہر فروخت کی جاتی ہے۔ یہاں لاکھ کا ریسرچ سنٹر بھی ہے۔ مشرقی ریلوے لائن پر چھوٹی پٹری سے ملحق ہے

رانی گنج: مغربی بنگال (ہندوستان) کے بردھمان (بردوان) ضلع میں ایک شہر ہے جو آسن سول کے جنوب مشرق میں وادی دامودر میں واقع ہے۔ یہ مقام کوئلہ کی کانوں کے لیے اور تجارتی مرکز کی حیثیت سے شہرت کا حامل ہے۔ 1991 میں اس کی آبادی 155,823 تھی۔

راولپنڈی: یہ پاکستان کا مشہور شہر، ضلع اور ڈویژن بھی ہے۔ شہر راولپنڈی لاہور کے شمال مغرب میں 179 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سنہ 1972 میں اس شہر کی آبادی 615,000 تھی۔ سنہ 1947 کے بعد سے یہ پاکستانی فوج کا مستقر ہو گیا ہے۔ لیہ نالا اسے کنٹونمنٹ اور سول اسٹیشن سے جدا کرتا ہے۔ اسلام آباد، جو پاکستان کا نیا صدر مقام ہے، اس کے شمال مشرق میں صرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

1959 میں فیلڈ مارشل ایوب خاں کی حکومت نے پاکستان کا صدر مقام عارضی طور پر کراچی سے راولپنڈی منتقل کر دیا تھا۔ اس کے بعد جب اسلام آباد کا کچھ حصہ تعمیر ہو گیا تو صدر مقام وہاں منتقل ہو گیا۔ یہاں پر کیمیائی اشیا، تیل، فوجی سامان، فولاد صاف کرنے اور فرنیچر بنانے کے کارخانے ہیں۔

راوی: راوی جس کا قدیم نام ایراوتی ہے ہماچل پردیش میں کلو کے برفیلے پہاڑوں سے نکل کر امرتسر سے ہوتی ہوئی پاکستان میں داخل ہوتی ہے جہاں یہ چناب سے مل جاتی ہے۔ ڈیرہ نانک اور لاہور اسی پر واقع ہیں۔ پاکستان میں دریائے چناب دریائے سندھ سے مٹھن کوٹ کے مقام پر ملتی ہے۔

راوینیز: دور وسطیٰ کے اس گمنام جغرافیہ داں نے اسیڈور کی طرح غیر مستند ماخذوں سے جغرافیائی مواد جمع کیا۔ اس کے تصورات پر بطلیموس (تالیمی) کا بھی رنگ چڑھا تھا مگر مذہبی عقائد کے باعث یہ قدامت پسند اور راسخ العقیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے 'احوال عالم' میں دنیا کی شکل کو تقریباً گول بنایا تھا اور اسے گھیرنے والے سمندر میں جگہ جگہ خشکی کے ابھاروں کا پھیلاؤ دکھایا تھا۔ ہندوستان اس کی آباد دنیا کی مشرقی حدود کو ظاہر کرتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے مشرق میں ایک ناقابل عبور ریگستان اور جنت ارضی کے پھیلاؤ کا تذکرہ کیا تھا۔ زمین کے انتہائی شمال میں سمندری علاقوں کے پار اس نے قادر مطلق کے پھیلائے ہوئے ایسے پہاڑوں کا تذکرہ کیا تھا جو سورج کے طلوع و غروب میں اور دن و رات کی کیفیتیں پیدا کرنے میں مدد دیتے تھے۔

رائچور: ریاست کرناٹک (ہندوستان) میں ایک ضلع اور اسی نام کا شہر ہے۔ یہ حیدر آباد، جو آندھرا پردیش کا صدر مقام ہے، سے یہ ایک سو دس (110) میل دور جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں ایک تاریخی قلعہ ہے جو تیرہویں صدی عیسوی سے اب تک باقی ہے۔

راہبر رکاز (Guide Fossil) یا اشاری رکاز (Index Fossil): وہ باقیات جو کسی خاص عمر، عرصے یا دور اور ان کی طبقات نگاری کی ترتیب کے لیے مخصوص اہمیت کے حامل ہوں اور ان کی ویسی انواع دوسرے وقت کے حجرات میں رکازی حالت میں نہ ملیں، تو ایسے باقیات کی موجودگی سے ہر بات قطعی طور پر ثابت ہو سکتی ہے کہ ایسے باقیات کے حامل حجرات کس خاص وقت میں ذخیرگی کے عمل سے گزرے تھے۔ بہترین اشاری یا راہبر باقیہ کی خصوصیات یہ ہیں: (1) یہ مختصر ترین زمانی وقفہ یا عمر رکھتے ہیں۔ (2) وسیع پیمانے پر جغرافیائی تقسیم کے حامل ہوں یا کثرت سے دنیا کے اکثر ہم عمر رسوبات میں سے ہوں۔ (3) کثیر التعداد ہوں اور (4) ان کی شناخت آسانی سے کی جا سکے۔

رایولائٹ (Rhyolite): باریک دانے دار یا شیشائی ترشئی آتشی حجر کی جمادی ترکیب اور کیمیائی گرینائٹ (Granite) کی ہوتی ہے۔ یہ گرانائٹ کا برکانی بدل حجر ہے۔ ڈایورائٹ (Deorite) کا برکانی بدل ڈیسائٹ (Decite) ہے اور رایولائٹ مسلوی جمادات کی کثرت کے باعث رایوڈیسائٹ (Rhyodacite) کی منزل سے گزر کر ڈیسائٹ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی ترکیب والے شیشائی حجرات آبسیڈین (Obsidian) یا پچ اسٹون (Pitch Stone) کہلاتے ہیں۔ سیاہ آبسیڈین مکمل طور پر شیشائی حجر ہے جس کی شکستگی (Fracture) مدور (Conchoidal) ہوتی ہے۔

اکثر رایولائٹ میں بہاؤ کی ساخت (Flow Structure) بھی پائی جاتی ہے۔ کوارٹز کی کمی کے باعث رایولائٹ ٹریکائٹ (Trachyte) اور ڈیسائٹ، انڈیسائٹ (Andesite) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

رباط: یہ مملکت مراقش کا دارالحکومت ہے۔ بحر اوقیانوس کے کنارے واقع ہے۔ ماضی میں فرانسیسی ریزیڈنٹ جنرل کا مستقر تھا۔ یہاں کے عجائبات میں سے ایک قدیم دیوار اور ایک نامکمل مسجد ہے جس کو یعقوب نے 1184-1199 کے درمیانی عرصے میں بنوایا تھا۔ اسی مسجد سے متصل اسی زمانے کا ایک مینار بھی ہے۔ یہاں سے زراعتی پیداوار برآمد کی جاتی ہے۔ یہاں کپڑے کے کارخانے بھی ہیں۔ 1957 میں یہاں ایک یونیورسٹی قائم کی گئی۔ اس شہر کی آبادی 224,901 ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ربع الخالی: جنوبی عرب میں یہ دنیا کا وسیع ترین ریگستان الرِّملہ (الرّ مل) بھی کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً 595,700 مربع کلومیٹر (230,000 مربع میل) ہے۔ اس کے وسطی حصہ میں پانی فراہم کرنے والے کئی علاقہ موجود ہیں، اس لیے خانہ بدوشوں کو شمالاً جنوباً سفر کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی۔ اس ریگستان کو سب سے پہلے برٹرم تھامسن نے سنہ 31-1930 میں عبور کیا تھا۔ سنہ 1950 کے بعد امریکن آئل کمپنی نے اس علاقہ میں کافی چھان بین کی ہے۔ ریگستان کے بعض حصوں میں دس دس سال تک بارش نہیں ہوتی۔ اس کا شمالی سمت میں بڑھا ہوا حصہ الجلورہ کہلاتا ہے۔

رِٹر: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ریتیلے رسوب / دانہ دار حجرات یا ارنیشیائی رسوبی حجرات (Aranaceous Sediments/ Rocks/ Clastic Sediments/ Rocks)

: یہ ریتیلے دانہ دار رسوب اور حجرات (Rocks) ہیں جن کے دانوں کا سائز 1/16 مم سے 2 مم تک محدود ہوتا ہے۔ عام طور پر ان حجرات کو ریت پتھر یا سینڈ اسٹون (Sandstone) کہا جاتا ہے۔ اسی سائز کے ذرے سیمنٹ کے ذریعے جڑ کر پختہ حجر یا چٹان کی تشکیل کرتے ہیں۔

ان حجرات کی مزید درجہ بندی ذروں کی جسامت، چنیدگی (Sorting)، گرویت (Roundness)، ذرات کی شکل نیز ذروں اور سیمنٹ یا بھراؤ کی جمادی ترکیب کے مطابق کی جاتی ہے۔ عام طور پر دانہ دار گروہ کے حجرات میں تین قسم کے حجرات کو شامل کیا جاتا ہے۔

(1) آرتھو کوارٹزائٹ یا کوارٹزارے نائٹ (Orthoquartzite or Quartzarenite)، جن کے ذرّے اور سیمنٹ عام طور پر خوب چنیدہ (Well Sorted) ہوتے ہیں اور خوب گروی (Well Rounded) بھی ہوتے ہیں۔ یہ حجرات عام طور پر پلیٹ فارم اور کریٹانی (Cratonic) کاسوں میں بنتے ہیں۔

(2) آرکوز (Arkose) : اس حجر میں کوارٹز کے علاوہ کافی مقدار میں فیلسپار (Felspar) ہوتا ہے، یعنی کم از کم 25 فی صد۔ اگر 25 فی صد سے کم فیلسپار ہو تو ایسے سینڈ اسٹون کو فلسپاتھک سینڈ اسٹون (Felspathic Sandstone) کہا جاتا ہے۔

(3) گریویک (Graywacke): عام طور پر مہین یا دبیز دانے دار زاویائی یا زیر زاویائی (Angular or Subangular) ذروں کے بنے ہوئے سینڈ اسٹون کو گریویک کہا جاتا ہے۔ یہ ذرے ناچنیدہ یا بدچنیدہ (Un- or Badly-Sorted) ہوتے ہیں۔ گریویک حجرات عام طور پر ارضی کاس میں بنتے ہیں۔

رچرڈ ای. بائرڈ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

رچرڈ برٹن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

رچرڈ چانسلر: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

رچرڈ ہاکن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

رڈیشیائی حجرات (Rudaceous Rocks): دانہ دار رسوبی حجرات جن کے ذرات کا سائز 2 مم سے زیادہ ہو۔ اس جماعت میں دو قسم کے حجرات عام ہیں۔ روٹ پتھر یا کانگلومریٹ (Conglomerate) اور بریکیا (Breccia)۔ ان دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ کانگلومریٹ کے ترکیبی ریزے مدور اور گول یا ذیلی مدور یا ذیلی گول (Rounded to Subrounded) ہوتے ہیں جبکہ بریکیا میں نوک دار یا ذیلی نکیلے (Angular to Subangular) ریزے ہوتے ہیں۔ کانگلومریٹ کے ریزے اکثر ماخذی علاقے (Pronenance) سے دور ذخیرہ پذیر ہوتے ہیں اور زیادہ فاصلے تک سفر کرنے کے باعث گول ہو جاتے ہیں جبکہ بریکیا اگر محض رسوبی ہو تو، اس کے ریزے ماخذی علاقے کے قریب ہی ذخیرہ پذیر ہوتے ہیں اور ان کو زیادہ سفر کرنے کی مہلت نہ ملنے کی وجہ سے نوک دار ہی رہ جاتے ہیں۔ لیکن بریکیا ساختیاتی (Tectonic) بھی ہو سکتا ہے۔ کسی گسل یا اختلال (Fault) کے باعث اگر حجر ٹوٹ پھوٹ جانے کے باعث ریزے جمع ہو کر ایسا حجر بنائیں تو اسے گسلی یا اختلالی بریکیا (Fault Breccia) کہتے ہیں۔

اگر کیلسیائی (Calcaucous) مادے چونا پتھر یا لائم اسٹون جیسی قسم کے رڈیشیائی حجرات کی تشکیل کریں تو اس حجر کو کیلسی رڈائٹ (Calci-Rudite) کہتے ہیں۔

رسوبی حجرات (Sedimentary Rocks): رسوبی حجرات دراصل ثانوی قسم کے حجرات ہیں۔ ایسے حجرات آتشی اور کایا بدل حجرات کی فرسودگی کے نتیجے میں بنتے ہیں۔ پہلے سے موجود حجرات کی مسلسل موسمی فرسودگی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اور ٹوٹ پھوٹ سے جو چھوٹے بڑے ٹکڑوں دریاؤں اور ہواؤں اور بعض وقت گلیشیروں کے بہاؤ میں شامل ہو کر نشیبی علاقوں میں جمع ہوتے رہتے ہیں، وہ ذخیرہ اندوزی "رسوبیت (Sedimentation)" کہلاتی ہے۔ بعض ماہرین ارضیات چٹیر یا سے بنے ہوئے اور غیر چٹیر یا سے بنے ہوئے، دونوں قسم کے رسوبات کے لیے رسوبی حجرات کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بہتر ہے کہ اس اصطلاح کو صرف چٹیر یا سے حاصل ہونے والے رسوبات کے لیے استعمال کیا جائے۔

یہ بستہ (Consolidated) بھی ہو سکتے ہیں اور نابستہ بھی۔ نابستہ حجرات کو محض رسوب کہا جاتا ہے۔ رسوبی حجرات عام طور پر تین قسم کے ہوتے ہیں۔(1) دانہ دار (Clastic)۔ جو پہلے سے موجود حجرات کی فرسودگی اور کاسوں سے بنے مادوں کے حصول کے بعد ان کے انتقال اور ذخیرگی سے بنتے ہیں۔ دانے کے سائز کے اعتبار سے اس کی بھی تین ذیلی انواع ہیں۔

(ا) ریتیلی یا ارینیشیائی (Arenaceous)، (ب) مٹیائی یا (Argilla-ceous)، (ت) کنکری والی یا رڈیشیائی (Rudaceous)، (2) نامیاتی حجرات (Organic) جن کی پیدائش میں پودوں اور جانوروں کا کسی نہ کسی شکل میں نمایاں ہاتھ ہوتا ہے۔ مثلاً نامیاتی چونا پتھر یا لائم اسٹون، اوز (Ooze)۔ چرٹ، کوئلہ (Coal) اور فاسفیٹی ذخائر (Phosphatic Deposits) وغیرہ۔ (3) کیمیائی (Chemical) جن میں عام طور پر کیمیائی ترتیب کی وجہ سے ذخیرگی عمل میں آتی ہے۔ جیسے کیمیائی چونا پتھر یا لائم اسٹون اور تبخیرے (Evaporites) وغیرہ۔

رسوب کو رسوبی حجرات میں تبدیل کرنے والے عمل کو بنگی (Diagenesis) کہتے ہیں۔ یہ عمل میکانکی بھی ہوتا ہے اور کیمیائی بھی۔ اول الذکر صورت میں ذرات بھراؤ کے اندر اور آخر الذکر صورت میں سیمنٹ میں مضبوطی سے جم جاتے ہیں۔

رسوبی حجرات کی تقسیم (Distribution of Sedimentary Rocks):

رسوبی حجرات عام طور پر ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں اور ہر ارضیاتی عہد اور دور میں بنتے ہیں اور آج کل بھی سمندروں، دریائی میدانوں میں ہوا، پانی اور گلیشیر کی وجہ سے اور ریگستانوں میں ہوا کے باعث بن رہے ہیں۔

ہندوستان میں دکنی بیسالٹ (Deccan Basalts) کے علاقے کو چھوڑ کر زیادہ تر حجرات بطور خاص ہمالیائی علاقے رسوبی ہی ہیں۔ جزیرہ نمائے ہندوستان (Peninsular India) میں آرکین (Archean) عہد کے کایا بدل (Metamorphic) حجرات جو کڈپا گروہ، کرنول گروہ، وندھین گروہ وغیرہ میں ملتے ہیں وہ سب رسوبی ہیں جو ماقبل کیمبرین (Pre-Cambrian) عہد میں رسوب پذیر ہوئے تھے۔ ماقبل کیمبرین کے حجرات کے علاوہ جزیرہ نمائے ہندوستان میں رسوبی حجرات، گونڈوانا گروہ میں پائے جاتے تھے۔ گونڈوانا حجرات جماد کوئلے کی وجہ سے بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ آخر کاربونی فیرس (Carboniferous) دور سے شروع ہو کر جراسک (Jurassic) ادوار تک رسوب پذیر رہے تھے۔ جزیرہ نمائے ہندوستان میں قدیم حیاتی عہد (Palaeozoic Era) کے حجرات عام طور پر نہیں پائے جاتے مگر ہمالیائی علاقوں میں کیمبرین (Cambrian) سے لے کر پرمین (Permian) اور وسط حیاتی (Mesozoic) عہد میں ٹرائسک (Triassic) سے کریٹیشیس (Creta- ceous) تک کی عمر کے رسوبی حجرات پائے جاتے ہیں۔ نوحیاتی عہد (Cenozoic) کے تمام ادوار کے حجرات بھی سارے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر ٹرشیئری (Tertiary) دور کے حجرات اس لحاظ سے اہم مانے جاتے ہیں کہ ان میں جمادی تیل کے ذخائر عام ہیں۔

مختصراً دکنی بیسالٹ اور دوسرے کم اہم بیسالٹ، مختلف قسم کے گرینائٹ (Granite) اور نائسیس (Gneisses) نیز ماقبل کیمبرین کایا بدل حجرات اور دریائی مٹی کے علاقوں کے علاوہ ہر جگہ رسوبی حجرات پائے جاتے ہیں۔

رسوبی حجرات کی کیمیائی ترکیب (Chemical Composition of Sedimentary Rocks):

کیمیائی رسوبی حجرات کے علاوہ کنکری یا دانہ دار (Clastic) رسوبی حجرات میں بھی ایک مخصوص کیمیائی ترکیب پائی جاتی ہے۔ ارضی کیمیا (Geo-Chemistry) کے لحاظ سے رسوبی حجرات کی درجہ بندی بھی کی جا سکتی ہے۔ ان کی کیمیائی ترکیب کے لحاظ سے درج ذیل چھ اقسام عام ہیں۔

(1) ریزسٹیٹس (Resistates) جن میں سلیکا (Si) زیادہ اہم ہوتا ہے۔ عام طور پر ان میں ریتیلے دانہ دار (Arenaceous) اور رڈیشیائی (Rudaceous) رسوبی حجرات شامل ہیں۔

(2)ہائڈرولائی سٹیٹس (Hydrolystates) جن میں الیومنیم (Al)، سلیکا (Si)اور لوہا (Fe_2)شامل ہوتے ہیں اور اس کیمیائی گروہ میں نمایاں آرجلیشیائی (Argillaceous) حجرات بھی شامل ہیں۔

(3) آکسیڈیٹس (Oxydates)، لوہا (Fe_3)اور مینگنیز (Mn_3) پر مشتمل اس گروہ میں رسوبی لوہے اور مینگنیز کی کچھ دھاتیں (Ores)شامل ہیں۔

(4)ریڈوزیٹس (Reduzates)، لوہا (Fe_3)، گندھک (S) اور کاربن (C) کے عناصر کی موجودگی کے باعث یہ رسوبی کیمیائی گروہ پہچانا جاتا ہے۔ اس میں رسوبی سلفائیڈ شامل ہوتے ہیں۔

(5)ترسیبات (Precipitates)، کیلشیم (Ca)اور میگنیشیم (Mg) کے حامل رسوب کا گروہ کیمیائی رسوبی چٹانوں، چونا پتھر یا لائٹ اسٹون اور ڈولو سائٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔

(6) تبخیرے (Evaporites)، سوڈیم (Na)، پوٹاشیم (K)، کیلشیم (Ca)اور میگنیشیم (Mg) کے عناصر کے حامل یہ رسوب عام طور پر تبخیر کے عمل سے بنتے ہیں جیسے جپسم (Gypsum) اور عام نمک کے ذخائر۔

ریڈوزیٹس گروہ کے تمام گروہوں میں آکسیجن لازمی طور پر موجود ہوتی ہے۔

رسوبی ساختیں (Sedimentary Structures):

رسوب کی ذخیرگی کے دوران یا فوراً بعد حجر بستگی (Diagenesis) سے قبل ہونے والے عملوں کے باعث بننے والی ساختیں رسوبی ساختیں کہلاتی ہیں۔ ان ساختوں کی درجہ بندی اور موسوم کرنے کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے۔

(1) پرت کی خارجی شکل (External form of Bedding): یعنی رسوب اکائیوں (Sedimentary Units) کی شکل، دبازت (Thickness) اور تسلسل اور پرت کی دبازت اور دبازت کی مقدار میں اضافی تبدیلی۔ رسوبی جسم کی شکل۔ مثلاً ریت پتھر یا سینڈ اسٹون کا کوئی جسم (Body) بے حد کم دبازت کی پرتوں پر مشتمل ہونے کے باوجود افقی طور پر ایک ہی سمت میں بے حد وسعت کا حامل ہو سکتا ہے۔ ایسی شکل کو جوتے کا تسمہ جیسا یا شوسٹرنگ (Shoe String) کہتے ہیں۔ اگر ایسا ہی کوئی جسم افقی سمتوں (Horizontal Direction) میں وسعت رکھتا ہو تو اسے ریت چادر (Blanket) کہا جاتا ہے۔

(2) پرتوں کی اندرونی ساخت (Internal Structure of Bedding): یعنی مختلف قسم کی پرت داری مثلاً نامطابق پرت داری (Cross Bedding) یا چنیدہ پرت داری (Graded Bedding) اور تراکب شدہ یا سفال ترتیبی (Imbricated Structure) وغیرہ۔

(3) پرتی سطح پر یا پرتی تلے پر موجود نشانات (Bedding plane or Sole Marking): کسی پرت کے اوپری حصے پر یا تلے پر کئی قسم کے نشانات ہو سکتے ہیں۔ جیسے لہری نشانات (Ripple Marks)، نامیاتی نشانات (Organic Prints)، نقوش قدم یا نشانات قدم (Foot Prints-Traces Trial)، بارشی نقوش (Rain Inprints)، خشکی کی دراڑیں (Dessicating Cracks) وغیرہ پرتی سطحوں کے اوپر بنتے ہیں۔ تلے کے نشانات (Sole Marks) کی اصطلاح ان ساختوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو کہ ایسی پرت کے تلے پر محفوظ ہوں جس کے نیچے کی پرت حجراتی (Lithological) اعتبار سے یکسر مختلف ہو۔ جیسے ریت پتھر یا سینڈ اسٹون کے نیچے شیل (Shale) یا تحل جھلیوں (Turbidites) میں۔ عام طور پر تلے میں موجود نشانات کی دو قسمیں اہم ہیں: (الف) بانسری نما یا فلوٹ سانچہ (Flute Caste) یعنی تیز قسم کے بہاؤ (Turbulant Flow) کے باعث کسی پرت کی کاٹ (Erosion) اس طرح ہوئی ہو کہ طویل گڑھے (Grooves) پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ گڑھے جلد ہی نسبتاً زیادہ موٹے دانے دار رسوب سے بھر جاتے ہیں۔ اسی طرح اوپر کے موٹے دانے دار رسوب میں تلے کی طرف گڑھے (Groove) کی شکل اور سائز کے مطابق اسی سانچے میں ڈھلے ہوئے ابھار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جنکو بانسری نما یا فلوٹ سانچہ کہتے ہیں۔ (ب) اوزاری نشان (Tool Marks) یعنی ایسے نشانات جو کسی اوزار جیسی شے کے ذریعے پرت کے تلے میں بنیں۔ گول پتھر (Pebble)، سیپ (Shell)، ہڈی وغیرہ جیسی چیزیں بحری (یا دریائی) فرش پر گھسٹ کر گراتے ہوئے یا ٹپہ کھا کر (Bouncing) اچھلتے ہوئے نشانات بنا دیتی ہیں۔ ایسے گڑھے نما نشانات دراصل پرت کی اوپری سطح پر ہی ہوتے ہیں۔ مگر اس پرت کے اوپر کی پرت کے تلے کی طرف ان گڑھوں کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے ابھار پیدا ہو جاتے ہیں۔

(4) پرتوں کا ہم عصر بگاڑ (Contemporaneous Deformation of Bedding)۔ اوپری پرتوں کے وزن جیسی وجوہ کے باعث بننے والی ساختیں اس ذیل میں آتی ہیں۔ جیسے وزنی سانچہ (Load Cast)، داخل شدہ مادوں کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ساختیں (Injection Structure) اور گھماؤدار پرت داری (Consolute Bedding) وغیرہ۔

رسوبی ماحول (Sedimentary Environment):
رسوبیت پر ماحول کا اثر بے حد گہرا ہوتا ہے اور مختلف ماحولوں میں مختلف قسم کے رسوب ذخیرہ پذیر ہوتے ہیں۔ درج ذیل فہرست میں کچھ عام رسوبی ماحول اور ان میں بننے والے رسوبی حجرات درج ہیں۔

ارضی ہم میلان یا نشیب (Geosynclines): گریواک (Graywacke)، سیاہ شیل، پالی مکٹ (Polymict) یعنی ایک سے زیادہ مختلف حجرات کے ٹکڑوں سے تشکیل شدہ کانگلومریٹ، روٹ پتھر۔

عام ساخت درجہ دار پرت داری (Graded Bedding)۔

پلیٹ فارم (Plateform): آرتھوکوارٹزائٹ (Orthoquartzite) یا کوارٹز ارینائٹ (Quartz Arenite)۔ عام ساخت مطابق یا ترچھی پرت داری (Cross Bedding)۔ دوسرے اہم رسوبی حجرات۔ آلگومکٹ (Algomict) روٹ پتھر کانگلومریٹ یعنی ایک ہی قسم کے حجرات کے ٹکڑوں سے بنا کانگلومریٹ۔

محدود طاس (Barred Basin): سیاہ شیل۔ اکثر پائرائٹ (Pyrite) کا حامل ہوتا ہے۔

طاس جن میں پانی کی آمد کم ہو اور تبخیر زیادہ: تبخیرے (Evaporites)

براعظمی حاشیے (Continental Margins): سینڈاسٹون، ریت پتھر یا شیل اور کبھی کبھی جمادی کوئلہ۔

بین الکوہی طاس (Intermontane Basin): آرکوز (Arkose)، اور بریکیا (Breccia)۔

ڈیلٹا (Delta): نامطابق پرت دار ریت پتھر اور شیل۔

ریگستان: لوئیس، ریت کے تودے، نامطابق پرت داری۔

چادری گلیشیر کے کنارے: ٹلائٹ (Tillite)، دو پرتی چکنی مٹی (Varved clay)، ریت اور روڑی۔

عمیق سمندر: اوز (Ooze)۔

رسوبیت (Sedimentation): وہ عمل جس سے رسوبی حجرات بنیں۔ اس عمل میں ندیوں، سمندری لہروں، ہوا یا برف کے عوامل کے ذریعے کٹاؤ (Erosion)، حمل و نقل (Transportation)، ذخیرگی (Deposition) اور بستگی (Diagenesis) شامل ہیں۔ بستہ اور ٹھوس حجرات کے بننے کے لیے آخری ذیلی عمل بہت ضروری ہے۔

رسّی نما لاوا (Pahochoe or Ropy Lava): ایک طرح کا لاوا جس کی سطح ہموار اور نرم رسّی کے ڈھیر کی طرح ہو، رسی نما لاوا کہلاتا ہے۔ یہ زیادہ لزوجیت والا لاوا ہوتا ہے۔ کم لزوجیت والے لاوے میں بلاکی (Blocky) ساخت ہوتی ہے۔

رسینس کمیونس (ارنڈ کے تخم یا ارنڈ): ارنڈی کا تیل رسینس کمیونس (Ricinus Communis) کے تخموں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ افریقہ کا پودا ہے، لیکن ہندوستان میں بھی اس کی کاشت کئی صدیوں سے وسیع پیمانے پر ہوتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (1) سال بھر اگنے والی جھاڑیاں یا ایک چھوٹا درخت جس کے پھل بڑے ہوتے ہیں اور بڑے لال تخم ہوتے ہیں جن سے تقریباً 40 فیصدی تیل حاصل ہوتا ہے۔ جو روشنی پیدا کرنے اور کسی چیز کو چکنا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (2) ایک بہت چھوٹا اور سالانہ اگنے والا پودا، جس کے تخم بادامی دھبوں کے ہوتے ہیں جس سے تقریباً 37 فی صد تیل حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کو بالخصوص ادویاتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تمام ہندوستان میں اس کی کاشت ہوتی ہے۔ لیکن آندھرا پردیش، تامل ناڈو، مہاراشٹرا اور مغربی بنگال میں بالخصوص زیادہ ہوتی ہے۔ ہندوستان میں اس کی سب سے زیادہ پیداوار ہوتی ہے اور بڑے پیمانے پر اس کی برآمد ہوتی ہے۔

رشرا: مغربی بنگال (ہندوستان) میں کلکتہ سے قریب ایک شہر ہے۔ یہاں کاسٹک سوڈے کی فیکٹری ہے جس سے کافی زیادہ مقدار میں سوڈا حاصل کیا جاتا ہے۔

رشی کیش: اترپردیش کے دہرہ دون ضلع میں ایک شہر ہے جو دہرہ دون سے 43 کلومیٹر اور جنوب مشرق کی جانب دریائے گنگا پر واقع ہے۔ یہ مقام عبادت گاہ ہے اور صحت بخش بھی ہے۔

رطوبت پیما: (1) ہائیگرومیٹر۔ اس آلہ سے فضا کی رطوبت اضافی کا ریکارڈ تیار ہوتا رہتا ہے۔ سادہ ہائگرومیٹر میں ایک انسانی بال، پتلی سی جھلی، چوبی تنکا یا کاغذی تیلی لگا دیتے ہیں۔ یہ چیزیں بہت زیادہ حساس ہونے کے باعث رطوبت کی کمی بیشی سے متاثر ہو کر پھیلتی اور سکڑتی رہتی ہیں۔ ان کی یہ حرکتیں ایک گھومنے والے استوانہ کے چارٹ پر خود بخود ہی درج ہوتی جاتی ہیں۔

(2) خشک و تر جوفوں والا حرارت پیما:۔ یہ بھی رطوبت پیما کا کام کر سکتا ہے۔ اس میں لگی ہوئی دو نلیوں سے ظاہر ہونے والے درجہ حرارت کے فرق کی کمی بیشی سے فضائی رطوبت مطلق کا حساب لگایا جاتا ہے۔ زیادہ فرق کم رطوبت کو اور کم فرق زیادہ رطوبت کو ظاہر کرتا ہے۔

رکازات اور رکازیت (Fossils & Fossilization):

ماقبل تاریخ زندگی کے کسی بھی قسم کے جاندار کی باقیماندہ شہادت کو رکاز (Fossil) کہتے ہیں۔ اس کے بننے کا عمل رکازیت کہلاتا ہے۔ رکازیت کے لیے دو شرائط ضروری ہیں۔ (1) تیز رفتاری سے تدفین اور (2) جاندار کے جسم میں کسی سخت اور مضبوط عضو کی موجودگی جو آسانی سے تحلیل نہ ہو سکے۔

رکازیت کے مندرجہ ذیل طریقے ممکن ہیں۔

(1) اصل باقیات (Original Remains): جبکہ پورا جاندار برف یا بیروزے (Resins) میں اس طرح دفن ہو کر محفوظ ہو جائے کہ فضا سے الگ یا منقطع ہونے کے باعث تحلیل نہ ہو سکے۔ (2) کاربن پذیری (دیکھئے کاربن پذیری Carbonization): جب جانوروں کی جسمانی ترکیب میں سے نائٹروجن، آکسیجن اور ہائیڈروجن کا اخراج ہو جائے اور پورا جاندار محض کاربن بن کر رہ جائے۔ (3) نقوش (Imprints): یعنی جانوروں کے نقوشِ قدم بھی محفوظ ہو جائیں۔ اس میں جانوروں کے پیروں کے نشانات، پرندوں کے پنجوں کے نقوش اور رینگنے والے جانوروں کے گھماؤ دار نشانات شامل ہیں۔ یہ بھی چٹانوں میں محفوظ ہو سکتے ہیں۔ (4) بل (Burrows): کچھ جانور جو زمین میں سوراخ کر کے یا بل بنا کر رہتے ہیں ان کے بل بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ (5) قائم مقامی (Replacement): جب کوارٹز (Quartz)، پائرائٹ (Pyrite) یا گیلینا (Galena) وغیرہ جمادات جانداروں کے جسم کے خلیوں کی دیواروں کی ہڈیوں کے سوراخوں میں نامیاتی مادوں کی جگہ لے کر ترتیب کر جائیں تو اس طرح جانوروں کے جسمانی ڈھانچے کی جگہ محض معدنی یا جماداتی ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ درختوں کے تنے میں خاص طور پر یہ عمل سیلیکائی ترتیب سے ہوتا ہے اور اس عمل کو حجریت (Petrification) کہتے ہیں۔ اس عمل سے درختوں کی ظاہری شکل خصوصاً تنوں کی شکل وہی رہتی ہے مگر نامیاتی اجزا کی بجائے سیلیکائی اجزا شامل ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کے ذریعے کچھ علاقوں میں تمام کے تمام جنگل حجراتی جنگلوں (Petrified Forests) میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہندوستان میں دھار (مدھیہ پردیش) کے قریب ایسا ہی حجراتی جنگل ملتا ہے۔

رکازی ترتیب کا قانون (Law of Fossil Succession):

اس قانون کے مطابق رکاز کی موجودگی کے ذریعے کسی جگہ کی چٹانوں کی اضافی عمر کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس مفروضے کے تحت کہ کسی ان بگڑے (Undeformed) ارضیاتی کالم میں نیچے کی چٹانوں میں قدیم تر اور اوپر کی طرف کم تر عمر کے رکاز پائے جاتے ہیں، یہ قانون مرتب کیا گیا ہے۔

رکجاوک (Reyk Javik): آئس لینڈ کا صدر مقام اور سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس جزیرہ میں پہلی مستقل بستی یہیں قائم ہوئی تھی۔ اب یہ ماہی گیری کا بڑا بندرگاہ ہے۔ شہر سے بیس میل کے فاصلہ پر کفلاوک (Kaflavik) کا بین الاقوامی ایرپورٹ قائم کیا گیا ہے۔ سنہ 1971 میں آبادی 82,892 تھی۔

رنگا تھیٹو برڈ سینکچیوری: کرناٹک میں سری رنگاپٹن کے قریب یہ پرندوں کی محفوظ شکار گاہ ہے۔ یہاں کے تین چھوٹے چھوٹے جزیروں میں مختلف براعظموں کے پرندے اپنا گرمائی مستقر بنانے کے لیے آتے ہیں۔ جون اور اکتوبر کے مہینوں میں ہمہ اقسام کے ان گنت پرندے یہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔

رنگپور: بنگلہ دیش میں ایک ضلع اور شہر ہے۔ یہ شہر دریائے جمنا کی معاون گھاگھٹ ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے تین میل دور آبادی ہے۔ ضلع کا تین چوتھائی حصہ زیر کاشت رہتا ہے۔

رنگل آئلینڈ: خلیج بنگال میں ہندوستان اور میانمار کے درمیان انڈمان اور نکوبار کے تین سو (300) جزائر میں سے رنگل بھی ایک جزیرہ ہے۔ اس مقام کو سیاح بھی دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ یہاں سارڈین، میکرل اور رے مچھلیاں بکثرت ہوتی ہیں۔ نومبر سے مارچ تک کے مہینوں میں ہمہ اقسام کے پرندے رہتے ہیں۔

رنگون: میانمار کی راجدھانی اور سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ یہ خلیج مرتبان کے دہانہ پر دریائے رنگون کے کنارے واقع ہے۔ سنہ 1973 میں آبادی 21 لاکھ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

تھی۔ یہ میانمار کا سب سے بڑا تجارتی اور صنعتی شہر اور نقل و حمل کا سب سے اہم مرکز ہے۔ یہاں سے چاول، ساگوان لکڑی، پٹرولیم، روئی، ربر اور تانبہ برآمد ہوتا ہے۔ چاول صاف کرنے، لکڑی، تیل صاف کرنے اور جہاز بنانے کے کارخانے ہیں۔

رنگون کی بنیاد غالباً چھٹی صدی عیسوی میں رکھی گئی تھی لیکن اٹھارہویں صدی تک یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہی رہا۔ سلطنت برما کے آخری حکمراں الومپرا نے سنہ 1753 میں اسے اپنی راجدھانی بنایا اور اسے خوب ترقی دی۔ یہاں بندرگاہ بھی قائم کیا۔ رنگون کا مشہور عالم شہر اپگوڈا بھی ان ہی نے بنوایا تھا۔ اس کے بعد انگریزوں نے اس پر شروع میں سنہ 1824 سے سنہ 1826 تک قبضہ رکھا اور پھر 1852 سے پورے ملک پر ان کا مستقل قبضہ رہا جو دوسری جنگ عظیم تک باقی رہا۔

رنگون، زلزلوں اور سمندری طوفانوں سے کافی تباہ ہوتا رہا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور لڑائی کے دوران اسے کافی تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔

یہاں ایک یونیورسٹی اور کئی کالج ہیں۔

رواجی علامات: سروے آف انڈیا کے تیار کیے ہوئے ٹوپو شیٹ میں مختلف تفصیلات کو ظاہر کرنے والی مخصوص علامات رواجی علامات کہلاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل میں کچھ مخصوص علامات دیے جا رہے ہیں۔

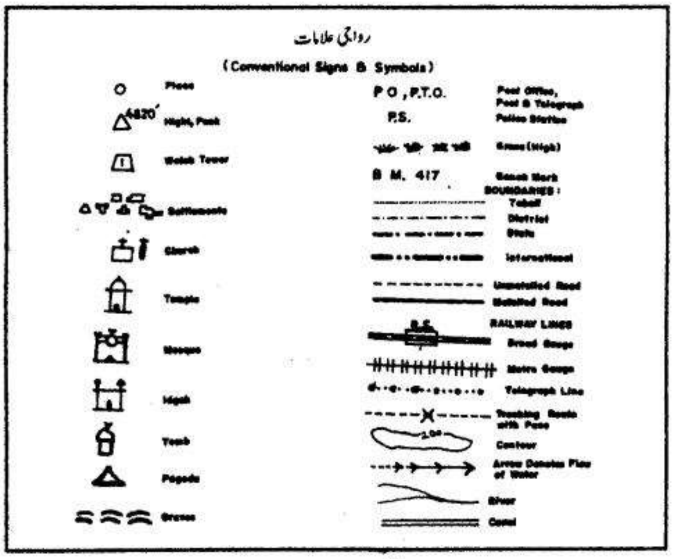

روانڈا (Ruwanda): مشرقی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے مغرب میں زائرے (Zire)، مشرق میں جمہوریہ متحدہ تنزانیہ، شمال میں یوگانڈا اور جنوب میں بروونڈی واقع ہیں۔ رقبہ 26,338 مربع کلو میٹر ہے۔ 1992 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 7,491,000 ہے۔ ان میں 90 فیصدی ہوتو قبیلہ کے اور 9 فیصدی تُتسی، باقی فیصدی توا (Twa) ہیں جو بونی نسل کے قبیلہ کے ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر کیگالی (Kigali) ہے۔

زبان عام طور پر کینیا روانڈا (Kinyarwanda) استعمال کی جاتی ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ قدیم افریقی مذاہب کا پابند ہے۔ 39 فیصدی رومن کیتھولک عیسائی ہیں۔ روانڈا اپنی معتدل آب و ہوا اور حسین قدرتی ماحول کے لیے مشہور ہے۔ یہ افریقہ کا سب سے گھنی آبادی والا علاقہ ہے۔ بڑی اکثریت زراعت پیشہ ہے۔ زمین انتہائی خراب ہے۔ بارش بھی بروقت نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے یہ ملک اکثر قحط کا شکار رہتا ہے۔ کافی کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ برآمد کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ روئی، تمباکو، پام اور سیسل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ مویشی بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں لیکن وہ عام طور پر گوشت کے لیے فروخت نہیں کیے جاتے اس لیے کہ تُتسی لوگوں میں امارت (مالداری) کی علامت مویشیوں کی تعداد ہے۔

ٹن، لیتھم اور سونے کی کان کنی ہوتی ہے۔ صنعتیں بالکل مفقود ہیں۔ سڑکیں کافی ہیں لیکن ریلیں نہیں ہیں۔ 1986 میں کیگالی میں ایک بین الاقوامی ہوائی اڈہ بھی بنایا گیا ہے۔

1990 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 11,00,437 اور استادوں کی تعداد 19,183، ثانوی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 70,400 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 2,489 طالب علم تھے۔

رائج سکہ فرانک ہے۔ درآمد زیادہ تر بلجیم، کینیا، جرمنی، فرانس، اٹلی اور ایران سے ہوتی ہے۔ اور برآمد کینیا، بلجیم اور جرمنی کو ہوتی ہے۔

عہد قدیم میں روانڈا کی سطح مرتفع کے علاقہ میں ایک بونی نسل کے لوگ باتوا رہتے تھے لیکن ہوتو قبیلے کے لوگوں نے انھیں یہاں سے نکال دیا اور جنگلوں میں بسنے پر مجبور کیا۔ سولھویں صدی میں تُتسی قبیلے

کے لوگوں نے ہوتو لوگوں پر غلبہ پالیا۔ یہ طویل قد والے ہیں اور شمال سے آئے تھے۔ تتسی نے یہاں اپنی سلطنت قائم کرلی اور ہوتو ان کی حکمرانی کے تحت آگئے۔ سترھویں صدی میں جب جرمنی اور اس کے بعد بلجیم نے اسے اپنا مقبوضہ بنالیا تو یہی صورت باقی رہی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب افریقہ کے دوسرے ملکوں کی طرح یہاں بھی قومی بیداری آئی تو تتسی نے بھی بغاوت شروع کردی۔ چنانچہ 1959 میں حکمراں تتسی راجہ (موامی) کے انتقال کے بعد ہوتو اور تتسی قبائل میں آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ تتسی راجہ (موامی) کگیری پنجم کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی اور تقریباً ایک لاکھ تتسی لوگوں کو ملک چھوڑ کر پڑوس کے ملکوں، خاص طور پر برونڈی میں پناہ لینی پڑی۔ 1961 میں مجلس اقوام متحدہ کی نگرانی میں عام انتخابات ہوئے۔ لوگوں نے بادشاہت کے خلاف اور جمہوریت کے حق میں ووٹ دیا اور ہوتو قبیلے کے نمائندوں کو اکثریت حاصل ہوئی 1962 میں بلجیم کو مجبوراً آزادی دینی پڑی۔ اور اب یہ ایک آزاد جمہوریہ ہے۔ 1962 میں کائے نبدا پہلا صدر منتخب ہوا۔ یہ پھر 1965 اور 1969 میں صدر منتخب ہوا۔ 1964 میں جب بروندی کے تتسی لوگوں نے روانڈا پر حملے کئے تو یہاں بہت سے تتسی قتل کردیے گئے۔ 1967-68 میں زائرے کے ساتھ تعلقات کشیدہ رہنے لگے۔ 72-1971 میں یوگانڈا کے ساتھ تعلقات کشیدہ رہے۔

1973 میں ہوتو اور تتسی قبیلوں میں پھر جھگڑے ہوئے اور تتسی ملک چھوڑ کر یوگانڈا چلے گئے۔

1978 میں ایک نیا آئین مرتب کیا گیا اور انتخابات فوجی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے کرائے گئے۔

1983 میں ملک میں سخت قحط پڑا جس نے ملک کی معاشی کیفیت بہت خراب کردی۔

1988 میں تقریباً 50,000 پناہ گزیں بروندی سے روانڈا آگئے۔ 1990 میں مخالف سیاسی پارٹیوں کو بھی قانونی طور پر مان لیا گیا اور 1991 میں ایک نیا آئین بنایا گیا۔

روانی یا بہاؤ رخ طبقہ بندی (Current Bedding): ترچھی اور میلان پذیر (Dipping) پرتی سطحوں کا سلسلہ جس کے ذریعے آبی بہاؤ کی سمت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس ساخت میں متوازی یا کسی زاویے پر میلان پذیر پرتوں کا مجموعہ ہوتا ہے مگر اس مجموعے کے اوپر اور نیچے کی پرتوں کا میلان کچھ مختلف ہوتا ہے۔ اس مجموعے کو کوسٹ (Coset) کہا جاتا ہے۔ کوسٹ کی پرتیں اگر آپس میں متوازی ہوں تو یہ کہنا مشکل ہے کہ اس ساخت کے حامل حجرات پرت نگاری کے اعتبار سے صحیح ترتیب والے ہیں یا الٹی (Overturned) ترتیب والے۔ لیکن اگر کوسٹ میں قوسی (Curved) پرتیں ہوں تو یہ پرتیں عام طور پر پرت کی نچلی سطح پر مماسی (Tangential) ہوتی ہیں اور اوپری سطح پر کھلی ہوئی۔

پرت کا اوپری حصہ	پرت کا نچلا حصہ
کوسٹ	کوسٹ
پرت کا نچلا حصہ	پرت کا اوپری حصہ
(ا) سیدھی پرت دار ترتیب	(ب) الٹی پرت دار ترتیب

بڑے پیمانے پر عدم مطابق پرت داری عام طور پر کناروں (Bank) کے بہاؤ کی سمت میں ہجرت کرنے کے باعث ہوتی ہے۔ ڈیلٹاؤں میں اکثر ایسی ہی پرت داری ہوتی ہے مگر چھوٹے پیمانے پر عام طور پر ایسی پرت داری نشانات موج (Ripple Marks) کی ہجرت کرنے کے باعث وجود میں آتی ہے۔

عام طور پر ریتیلے (Arenaceous) رسوب میں یہ پرت داری پائی جاتی ہے مگر کبھی کبھی چونا پتھر میں بھی ایسی پرت داری دیکھی جاسکتی ہے۔

روپ کنڈ: یہ ہندوستان میں گڑھوال ڈویژن کی ایک خوبصورت جھیل ہے۔

روپ نارائن: مغربی بنگال میں دامودر کی مغربی جانب سے ملنے والی معاون ندی ہے۔ اس کا پاٹ کافی چوڑا ہے۔ موجوں کی روانی کے سبب کولا گھاٹ تک اس کا پھیلاؤ ہے۔ یہ ندی دوار کیشور اور سلائی ندیوں کے سنگم سے بنتی ہے۔

روٹرڈیم: یہ نہ صرف نیدر لینڈ بلکہ دنیا کا ایک اہم اور جدید ترین بندرگاہ ہے۔ یہ ہالینڈ کے مغربی حصہ میں، دریائے نیو میوز (New Meuse) کے دہانہ کے قریب، بحیرۂ شمالی کے کنارے پر واقع ہے۔ نیدر لینڈ کی تجارت کا یہ ایک اہم مرکز اور صنعتی شہر ہے۔ یہاں جہاز سازی اور تیل صاف کرنے کے کارخانے اور مختلف قسم کی مصنوعات کے کارخانے ہیں۔ یہاں سے مغربی جرمنی کی تجارت کا بڑا حصہ ہو کر گزرتا ہے۔

رودبار: یہ خشکی کے دو علاقوں کے درمیان آبنائے سے زیادہ چوڑی پانی کی پٹی ہوتی ہے جو دو وسیع بری علاقوں کو جوڑتی ہے۔ رودبار انگلستان اچھی مثال ہے۔

روڑ کیلا: ریاست اڑیسہ میں بڑے پیانہ پر وزنی صنعتوں کا مرکز روڑ کیلا ضلع

سندر گڑھ میں واقع ہے۔ اس مقام کو خام مال، برقی قوت، پانی اور نکاسی کی سہولتیں مہیا ہیں۔ کوئلہ اور لچون (خام لوہا) کے حمل و نقل کی سہولت بھی ہے۔ چونا پتھر، لینگی ہوتا اور بیر امتراپور، جو روڑ کیلا سے 225 کلو میٹر دور ہے، میں پایا جاتا ہے۔ بیر امتراپور سے ڈولومائیٹ کی سربراہی بھی عمل میں آتی ہے۔ پانی سنکھا اور کوئل ندیوں سے ملتا ہے۔ مال کی نکاسی کے لیے بڑی منڈیاں کلکتہ، ممبئی، دہلی اور چینئی ہیں۔ روڑ کیلا کو ملک کے دوسرے دو بڑے اسٹیل پلانٹس کے مقابلہ میں زیادہ سہولتیں حاصل ہیں۔ اس مقام کو دوسروں کے مقابلہ میں یہ فوقیت حاصل ہے کہ یہاں خاص قسم کی فولادی چادریں بنائی جاتی ہیں جو کہ جہازوں کی تعمیر میں کام آتی ہیں۔ دوسرے اقسام کی فولادی اشیا، ٹن پلیٹس اور ہائی سیلیکان اسٹیل برائے الیکٹرک مشینری ہیں۔ اولوی کارخانہ میں وزنی گچوں کی فولادی چادریں تیار کی جاتی ہیں۔ پہلے روڑ کیلا چند جھونپڑیوں سے آباد تھا جن میں آدی باسی قبیلے رہتے تھے۔ اس علاقہ میں جملہ بتیس (32) گاؤں تھے جو بیشتر علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے مگر اب یہ شہر برہمنی اور کوئل ندیوں کے قرب و جوار میں پھیل چکا ہے۔ اس شہر کی 1991 میں آبادی 398,864 تھی۔

روڑکی: اتر پردیش کے ضلع سہارن پور کا ایک شہر ہے۔ اس علاقہ میں زراعتی کام، کنوئیں اور پمپ والی باولیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہاں گنے اور گیہوں کی کاشت ہوتی ہے۔ یہ سارا علاقہ صنعتی بھی ہے۔ یہاں شکر کی فیکٹریاں، فولاد کے کارخانے اور سائنٹفک طریقوں پر کام آنے والے کل پرزے تیار کیے جاتے ہیں۔ یہاں عام انجینئرنگ (تعمیراتی) کے سامان تیار ہوتے ہیں۔ یہ مقام دستکاری اور چھوٹی چھوٹی صنعتوں کے لیے مشہور ہے۔ روڑکی میں انجینئرنگ کی مشہور یونیورسٹی بھی واقع ہے۔

روزن بش، کارل ہینرش (Karl Heinrich Rosen-busch): یہ جرمن پروفیسر 1836 میں پیدا ہوا اور 1914 میں وفات پائی۔ اس نے حجرات کے مطالعے کے طریقوں میں خوردبین کا پہلا سیر حاصل مطالعہ شائع کیا۔ اس نے آتشی (Igneous) حجرات کی پیدائش کا مطالعہ بھی کیا اور اس سلسلے کے مشاہدات کی بنا پر حجرات کی ساخت پر منحصر جماداتی درجہ بندی (Mineralogical Classification) بھی پیش کی۔

روس کے صنعتی خطے: (A) ماسکو۔گورکی کا علاقہ۔ (B) یوکرین کا علاقہ۔ (C) یورال کا علاقہ۔ (D) کوزنس (کزنیسک) کا علاقہ۔ (E) کراگندا کا علاقہ۔

روس میں درج بالا اہم صنعتی خطوں کے علاوہ ثانوی اہمیت کے خطے بھی ہیں۔

روک پشتہ: یہ مرجانی دیوار ساحل کے متوازی پھیلی رہتی ہے۔ اس کے اور ساحل کے درمیان کا پانی مرجانیہ کہلاتا ہے۔ بعض اوقات اس میں چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ آسٹریلیا کی "گریٹ بیریئر ریف" دنیا میں سب سے بڑا روک پشتہ ہے۔ یہ 1100 کلو میٹر سے زیادہ لمبا اور کئی جگہ 160 کلو میٹر تک چوڑا ہے۔

رولڈ امنڈسن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

روم: اٹلی کا صدر مقام ہے۔ اطالوی میں رومہ کہلاتا ہے۔ 1977 میں آبادی 2,884,000 تھی۔ یہ رومن کیتھولک عیسائی مذہب کا ایک اہم مرکز ہے۔ پوپ یہیں ویٹی کن شہر میں رہتے ہیں جو شہر روم کے اندر ایک خود مختار علاقہ ہے۔ روم اٹلی کے ایک علاقہ لیشیم اور صوبہ روم کا بھی صدر مقام ہے اور دریا ٹبر (ٹی بر) (Tibre) کے دونوں طرف واقع ہے۔ یہ لافانی شہر کہلاتا ہے۔ ایک بہت بڑا تہذیبی، مذہبی اور علمی مرکز ہے۔ آثاریات، تاریخی عمارتوں اور تہذیبی خزانوں میں دنیا کا کوئی اور شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک چھوٹے سے گاؤں سے ترقی کر کے یہ دنیا کی ایک عظیم سلطنت کا مرکز بن گیا۔ رومن سلطنت یورپ، مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے بڑے علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی اور اس نے ہر جگہ کی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی پر گہرا اثر چھوڑا۔

روایت ہے کہ روم شہر کی بنیاد بادشاہ رومولس نے 753 ق م میں رکھی تھی۔ 500 ق م میں رومنوں نے بیرونی حکمرانوں کو نکال باہر کیا اور ایک جمہوریہ قائم کی جو چار سو سال تک باقی رہی۔ اس جمہوریہ نے کافی طاقت اور وسعت حاصل کرلی تھی۔ چوتھی اور تیسری صدی ق م تک یونان سے اس کا گہرا تعلق پیدا ہو چکا تھا اور اس نے یہاں کی سیاسی اور تہذیبی زندگی پر گہرے نقش چھوڑے۔ اس زمانہ میں اسے گال اور قرطاجنہ کے حملوں کا شکار ہونا پڑا لیکن اس کی طاقت بڑھتی ہی گئی اور رومن جمہوریہ، اسپین، سارڈینیا، کارسیکا، وغیرہ میں پھیل گئی۔ ایک طرف سینیٹ کی طاقت بڑھی، دوسری طرف عوام میں بے چینی پھیلی اور غلاموں نے بغاوتیں کیں، جنھیں بڑے ظلم و تشدد کے ساتھ کچل دیا گیا۔ 60 ق م میں روم کے افق پر سیزر ابھرا جس نے ساری دنیا کی تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے۔ اس کے مرنے (44 ق م) تک روم کے تحت اسپین، گال (فرانس)، اٹلی، مقدونیہ، یونان اور مغربی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ایشیاکا بڑا علاقہ اور بہت سے جزیرے آچکے تھے۔اس دور کے آثار آج بھی روم کے وسط میں موجود ہیں۔رومن سلطنت کے زوال کے بعد ایک عرصہ تک افراتفری کا دور رہا اور پھر مقدس رومن سلطنت کا دور شروع ہوا۔ تقریباً پندرہ صدیوں تک رومن کیتھولک مذہب مغربی یورپ کا واحد مذہب رہا اور ساری تہذیبی زندگی اس کے اطراف گھومتی رہی۔ عیسائیوں کے قدیم زیر زمین خفیہ قبرستانوں سے لے کر ویٹیکن شہر، سینٹ پیٹر کے گرجا گھر اور ان گنت دوسرے گرجا گھر اس کے شاہد ہیں۔

عہد نشاۃ ثانیہ میں صرف روم اور اٹلی نے دنیا کی تہذیب کو جو کچھ عطا کیا ہے اس کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور ملک یا شہر نہیں کر سکتا۔اس شہر کو لافانی شہر بنانے میں مائکل انجیلو جیسے پیکر ساز، مصور اور ماہر فن تعمیر رفائل اور لیونارڈو داونچی جیسے فن کاروں اور برنی جیسے ماہر فن تعمیر کا بہت بڑا حصہ ہے۔ قدیم روم کا پورا علاقہ برنی ہی کے فن کا شاہکار ہے جہاں جگہ جگہ مجسمے، فوارے اور نہایت حسین عمارتیں نظر آتی ہیں۔

رومن عہد سے لے کر موجودہ دور کی بے شمار عمارتیں اس پورے دور کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔ ساتھ ہی بے شمار عجائب گھر لاثانی مجسموں، پیکروں اور مصوری کے شہ پاروں سے بھرے پڑے ہیں۔ پچھلے برسوں میں قدیم روم کے اطراف میں جدید روم، نئی نئی جدید طرز کی عمارتیں، بھاری اور ہلکی صنعتوں کے کارخانے ابھرتے آئے ہیں جنھوں نے روم کی رنگارنگی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔

روماگانزالیز اڈ کلے وی جو: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

رومانیہ (Romania): بلقان اور مشرقی یوروپ کا یہ جمہوریہ جنوب مشرق میں بحیرۂ اسود (سیاہ)، شمال میں یوکرین، جنوب مغرب میں سربیا، شمال مشرق میں مولڈوویا سے گھرا ہوا ہے۔اس کے شمال مغرب میں ہنگیری جنوب میں بلغاریہ واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 237,500 مربع کلو میٹر (91,671 مربع میل) ہے۔1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 23,193,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام بخارسٹ ہے۔

یہاں کا سب سے بڑا دریا ڈینیوب ہے جو بلغاریہ اور سربیا دونوں کی سرحدوں پر بہتا ہے۔رومانیہ میں یہ جنوب، جنوب مشرق میں داخل ہوتا ہے اس کا ایک معاون پروت اس کی مولڈویا اور یوکرین کے ساتھ سرحد بناتا ہے۔ رومانیہ ویسے تو 16 انتظامی علاقوں میں بٹا ہوا ہے لیکن جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے اس کے سات صوبے یا علاقے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا گرمیوں میں گرم خشک اور سردیوں میں کافی سرد ہوتی ہے۔ گرمیوں میں اکثر سخت قحط پڑتا ہے۔ویسے تو یہ ہمیشہ سے ایک زرعی ملک رہا ہے لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد سے یہاں کافی صنعتی ترقی ہوئی ہے۔اب بھی آبادی کی اکثریت زراعت کرتی ہے۔ زمین زرخیز ہے۔ گیہوں، مکئی، چقندر، پھلوں اور انگور کی کاشت ہوتی ہے۔انگور سے شراب بنائی جاتی ہے۔ بھیڑیں، گائیں، وغیرہ پالی جاتی ہیں۔ پھلوں اور کھانے کی چیزیں کو ڈبوں میں بند کرنے کی بڑی صنعت ہے۔

روس کے بعد یوروپ میں سب سے زیادہ تیل رومانیہ میں نکلتا ہے اور اس سے متعلق صنعتیں یہاں قائم ہیں۔ تیل کی کھوج اور اس کی صنعتوں میں رومانیہ ہندوستان کے ساتھ بھی تعاون کر رہا ہے۔ لگنائٹ، لوہے، کوئلے، تانبے، چاندی اور سونے وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔ فولاد کی صنعت کے علاوہ کپڑے، کیمیائی اشیا اور مشینری بنانے کے کارخانے ہیں۔

تجارت زیادہ تر روس اور مشرقی اور مغربی جرمنی سے ہوتی ہے۔ ہندوستان سے بھی تجارت بڑھ رہی ہے۔ برآمدات زیادہ تر مشینری، پٹرول اور اس کی بنی چیزوں اور کیمیائی اشیا اور دھاتوں کی ہوتی ہیں۔

رائج سکہ لی (Lei) ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 153,187 اور استادوں کی تعداد 13,730 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 1,208,630 طالب علم فنی اسکولوں میں 946,856 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 164,507 طالب علم تھے۔

تاریخ: رومانیہ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ موجودہ رومانیہ کا یہ پورا علاقہ تقریباً وہی ہے جو دوسری اور تیسری صدی میں رومن سلطنت کے صوبہ داسیا (Dacia) کا تھا۔ اس علاقہ پر بعد کی صدیوں میں گوتھ، ہن، آوار اور سلاو (سلاف) لوگوں نے حملے کئے اور قبضہ کر لیا۔ تیرھویں صدی میں یہ منگولوں کے زیر اثر آگیا۔ان کے ہٹنے کے بعد یہ دو ریاستوں میں بٹ گیا 1۔ مولڈویا اور لاچیہ 2۔ ٹرانسلوانیہ۔ آخر الذکر زیادہ تر ہنگیری کی سلطنت میں شامل رہا۔ پندرھویں صدی میں مولڈویا اور لاچیہ عثمانی ترکوں کی ماتحتی میں آگیا۔ تاہم اندرونی معاملات میں اسے خاص آزادی حاصل رہی۔ روس کی حمایت سے اس نے ترکی کے خلاف بغاوت کی لیکن بغاوت کچل دی گئی اور ترک، یونانیوں کو اپنے گورنر بنا کر بھیجنے لگے جنھوں نے پوری آبادی کو دبائے رکھا۔ اٹھارویں صدی میں روس اور آسٹریا کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سلطنتیں ترکی کو بلقان سے نکالنے میں مصروف تھیں۔ دوسری طرف رومانیہ میں بھی قوم پرستی جڑ پکڑ رہی تھی۔ 1774 تک ترکی کا اثر کافی کم ہو چکا تھا اور روسی اثر بڑھ رہا تھا۔ 29-1828 میں روس اور ترکی کی جنگ کے بعد اگرچہ مولڈویا کا علاقہ ترکی کے تحت رہا مگر عملاً اس پر روس کا اثر قائم ہو چکا تھا۔ 1848 میں رومانیہ والوں نے روس کے تسلط کے خلاف بغاوت کی۔ انھیں اندرونی طور پر ترکوں کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن روسیوں نے اسے دبا دیا۔ 1854 میں جنگ کریمیا کے بعد روسیوں کی جگہ یہاں ایک "غیر جانبدار" آسٹریا کی فوج متعین کی گئی اور مولڈویا اور اور لاچیہ کو ترکی کے تحت دے دیا گیا۔ 1877 میں رومانیہ نے ترکی کے خلاف روس کی تائید کی۔ 1878 میں رومانیہ کو مکمل آزادی مل گئی۔ اس کے معاوضے میں اسے جنوبی بسارابیا کا علاقہ روس کو دینا پڑا اور اس کی جگہ اسے دبروجا کا علاقہ مل گیا۔ 1881 میں رومانیہ ایک آزاد سلطنت بن گیا۔

رومانیہ ایک آزاد ملک بن تو گیا لیکن اسے اندرونی چین اور امن کبھی نصیب نہیں ہوا۔ حکمرانوں نے نہ کبھی زرعی اصلاحات نافذ کیں اور نہ مزدوروں اور درمیانی طبقوں کے مسائل حل کیے، اس لیے وہ ہمیشہ سخت اندرونی خلفشار کا شکار رہا۔ اس کے علاوہ ہمیشہ اسے بیرونی مداخلتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بار بار اسے بلقان کی جنگوں میں حصہ لینا پڑا۔ کبھی بیرونی ملکوں نے مداخلت کی اور کبھی دوسرے ممالک پر قبضہ کی ہوس غالب آئی۔ پہلی عالمی جنگ میں یہ لڑائی کا اکھاڑا بن گیا۔ کبھی جرمن فوجیں گھس آئیں اور کبھی اتحادیوں نے قبضہ کر لیا۔ نومبر 1918 میں جب عالمی جنگ ختم ہوئی تو رومانیہ نے بسارابیا کا علاقہ روس سے چھین لیا۔ بکووینا کا آسٹریا سے اور ٹرانسلوینیا کا علاقہ ہنگری سے حاصل کر لیا لیکن یہ اقلیتیں اس کے لیے ایک مستقل دردسری رہیں۔ چنانچہ ان علاقوں کی حفاظت کے لیے اس نے 1934 میں معاہدہ بلقان بھی کیا۔ بغاوتوں کو کچلنے کے لیے شاہ کیرول دوم نے پوری طرح اپنی مطلق العنانی قائم کر دی۔

1939 میں جب دوسری عالم گیر جنگ چھڑی تو رومانیہ غیر جانب دار بن گیا لیکن محوری طاقتوں یا ہٹلر کی حمایت بھی کرتا رہا۔ 1941 میں بادشاہ کیرول کو تخت سے اتار کر جلاوطن کر دیا گیا اور اینٹونیکو ڈکٹیٹر بن گیا اور جرمن فوجوں کے ساتھ روسی علاقہ میں پیش قدمی شروع کر دی۔ لیکن اس جنگ میں ہٹلر کو شکست ہوئی اور روسی فوجیں رومانیہ میں داخل ہو گئیں۔ اینٹونسکو کا تختہ الٹ دیا گیا۔ بسارابیا اور بکووینا روس کو واپس کرنا پڑے اور ہنگری اور بلغاریہ نے اپنے علاقے واپس لے لیے۔ اب ایک متحدہ ترقی پسند حکومت قائم ہوئی جس نے رومانیہ میں سوشلسٹ نظام کی بنیاد رکھی۔ نیا آئین بنا اس کے تحت انتخابات ہوئے۔ بادشاہت ختم ہو گئی 1955 میں رومانیہ "وارسا معاہدہ" میں اور پھر سوشلسٹ ملکوں کے معاشی اتحاد میں شریک ہو گیا اور سوشلسٹ ملکوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ پچھلے چند سال سے صدر چاؤشسکو کی سرکردگی میں رومانیہ بیرونی معاملات میں کسی قدر آزادانہ پالیسی پر چل رہا ہے۔ روس اور چین کے اختلافات میں اس نے غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیا ہے۔

1965 میں رومانیہ نے سرکاری طور پر اپنے آپ کو عوامی جمہوریہ کے بجائے سوشلسٹ جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا اور ایک نیا آئین بنایا گیا۔

1967 میں رومانیہ نے جرمنی کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم رکھے۔ جون 1967 کے بعد اس نے اسرائیل کے ساتھ بھی دوستانہ فوجی تعلقات قائم کیے۔ 1969 میں چاؤشسکو اور یوگوسلاویہ کے صدر ٹیٹو نے آپس میں طے کر کے تمام سوشلسٹ ملکوں کو برابر کے حقوق خود مختاری دینے کا اعلان کیا۔ 1970 سے صنعت کاری پر زراعت کے مقابلہ میں زیادہ زور دیا گیا لیکن جرمنی اور مگیار اقلیتوں پر تشدد کا برتاؤ جاری رہا۔ 1989 میں چاؤشسکو اور اس کی بیوی کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا اور فوجی اقتدار قائم ہو گیا۔ 1990 میں کیمونسٹ مخالف تنظیموں پر بہت ظلم ہوئے۔ 1992 میں ایک نیا آئین ترتیب دینا شروع ہوا۔

رومانیہ۔ زبان و ادب: رومانی زبان کا تعلق زبانوں کے رومانوی گروہ (Romance) سے ہے جو ہند-یوروپی زبانوں کے اطالوی ذیلی خاندان سے ہے۔

سولھویں صدی تک رومانیہ کا سارا ادب سلاوی زبان میں تھا۔ صرف انجیل کا ترجمہ رومانی زبان میں ہوا تھا۔

1600 میں سکندر اعظم کے بارے میں کہانیاں رومانی زبان میں چھپیں۔ پھر نظموں کے مجموعے شائع ہوئے۔ 1875 میں رومانی زبان کی پہلی لغت شائع ہوئی۔ اس وقت تک لاطینی کو مقبول بنانے کی تحریک کافی زور پکڑ چکی تھی، چنانچہ اس لغت سے سلاوی (سلاف) الفاظ چن چن کر نکال دیے گئے تھے۔ 1860 میں سریک (cyrillic) رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط سرکاری طور پر رائج کیا گیا اور یہاں سے جدید رومانی ادب کی ابتدا ہوئی۔ انیسویں صدی میں پہلے یونانی اور پھر فرانسیسی اثر بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی ادب میں رومانیہ کی روح سمونے کی کوششیں ہونے لگیں۔ گیت لکھے گئے۔ رومانوی تھیٹر قائم ہوئے بلکہ نئے ادب کی ترقی میں ڈرامہ کو اہم مقام حاصل ہوا۔ انیسویں صدی کے وسط سے یہاں "ادب برائے ادب" اور کسانوں کی حمایت اور عوامی (فوک) ادب کی آپس میں ٹکر شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس دوسرے اسکول کے نثر نگار "سلاوکی" بہت مشہور ہیں انھوں نے فوک کہانیوں کا ایک مجموعہ شائع کیا اور آئیون کرینگا نے پہلا رومانوی

ناول لکھا اور ناول نگاری کی ابتدا کی۔

موجودہ دور میں رومانی ادب کافی ترقی کر چکا ہے۔ نظمیں، ناول، کہانیاں، ڈرامے لکھے جا رہے ہیں۔ ان پر روسی ادب اور سوشلسٹ حقیقت پسندی کا گہرا اثر ہے۔

روہتانگ: شمال مغربی ہندوستان میں ہمالیہ کے پار یہ ایک اہم درہ ہے جو لداخ کے جنوب میں وادی لاہول کی راہ پر واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے 3,915 میٹر بلند ہے۔ کیلان کی پہاڑی چوٹی جو کیلان دیوتا کا مسکن سمجھی جاتی ہے، اس درہ کے سامنے کھڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی درہ کے ذریعہ منالی پہنچتے ہیں جو بہت خوبصورت مقام ہے اور سیبوں کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔

روہتک: دہلی سے شمال مغربی جانب 68 کلو میٹر (42 میل) دور ہریانہ کے ضلع روہتک کا صدر مقام ہے۔ یہاں کا مقامی تیار کردہ ململ بہت مشہور ہے جو شملوں (صافوں) کے کام آتا ہے۔ یہاں ایک یونیورسٹی بھی ہے۔

روہیل کھنڈ: سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانہ میں افغانستان کے کچھ باشندے جو روہیلے کہلاتے تھے ہندوستان پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے زور پکڑ کر کٹھیر کے علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ یہ علاقہ روہیل کھنڈ کہلانے لگا۔

اتر پردیش کے اس مشہور علاقے کے دو اہم شہر مراداباد اور بریلی ہیں۔ روہیل کھنڈ کا مغربی میدانی علاقہ روہیل کھنڈ ترائی کہلاتا ہے اور مشرقی میدان بریلی میدانی علاقہ کہلاتا ہے۔ میدان کے درمیانی حصہ میں رام گنگا ندی بہتی ہے۔ مراداباد کے تانبے اور پیتل کے برتن مشہور ہیں۔ بریلی میں فرنیچر، فولاد اور لوہے کے برتن تیار کیے جاتے ہیں اور فروخت کیے جاتے ہیں۔

ری یونین (Reunion): فرانس کا سمندر پار علاقہ یا صوبہ ہے۔ یہ بحر ہند میں مدغاسکر سے 720 کلو میٹر (450 میل) مشرق میں اور ماریشس سے 176 (110 میل) جنوب مغرب میں واقع ایک جزیرہ ہے۔ رقبہ 2,510 مربع کلو میٹر (970 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 608,000 ہے۔ سینٹ ڈینس صدر مقام ہے۔ پورا علاقہ آتش فشانی ہے۔ ایک تہائی علاقہ پر خوب کاشت ہوتی ہے۔ گنا پیدا ہوتا ہے۔ شکر اور شراب برآمد ہوتی ہے جو زیادہ تر فرانس جاتی ہے۔ آبادی شروع میں آکر بسے ہوئے فرانسیسیوں اور افریقہ سے لائے ہوئے حبشی غلاموں کی ملی جلی نسل کی ہے۔ ری یونین کا پتہ 1502 میں پرتگالیوں نے لگایا تھا۔ اس سے پہلے عرب بھی اس سے واقف تھے۔ 1646 میں فرانسیسیوں نے سزا یافتہ مجرموں کو یہاں رکھنا شروع کیا۔ بعد میں یہ فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کا اڈہ بن گیا۔ 1715 میں یہاں کافی کی کاشت شروع ہوئی جس سے خوش حالی آگئی۔ 1800 کے بعد سے گنے کی کاشت شروع ہوئی۔ چند سال اس پر انگریزوں کا قبضہ رہا لیکن بعد میں یہ فرانسیسیوں کو واپس مل گیا۔ 1947 میں یہ فرانس کا سمندر پار صوبہ بن گیا۔ 1980 میں یہاں کے باشندوں نے زیادہ اختیارات اور زیادہ مزدوری کی مانگیں رکھیں۔

رسے سیف: یہ برازیل کی ریاست پرنام بیوکو کا دارالحکومت ہے۔ برازیل کے شمال مشرق حصہ میں واقع ہے اور بحر اوقیانوس پر ایک بندرگاہ ہے۔ شمال مشرقی برازیل کا یہ مضافاتی مرکز ہے۔ اس کا کچھ حصہ جزیرہ پر اور کچھ میدان پر واقع ہے۔ اس کو اکثر برازیل کا وینس کہا جاتا ہے۔ بندرگاہ کے اطراف و جوانب میں مرجانی چٹانیں ہیں۔ یہاں سے شکر، روئی اور کافی برآمد کی جاتی ہے۔ یہاں شکر اور روئی کو صاف کرنے کے کارخانے ہیں اور ایک بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) ہے۔ اس شہر کو ملاحوں اور مچھیروں نے بسایا تھا۔ آج کل یہاں دو یونیورسٹیاں ہیں۔ سترہویں صدی کا گرجا، ولندیزیوں کا بنایا ہوا قلعہ اور حکومت کی عالی شان عمارتیں کافی شہرت کی حامل ہیں۔

ریا: ایسے ساحلی علاقہ میں، جہاں پہاڑ سمندر کی جانب عموداً پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، دریائی وادی، دھنس جانے یا بحری سطح کے ابھر جانے سے، غرق آب ہو جائے تو ساحل پر ایک تنگ لمبی سی درز یا تکی سی خلیج رونما ہو جاتی ہے۔ یہ "ریا" کہلاتی ہے۔ اس کی گہرائی خشکی کی طرف کم اور سمندری رخ میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں قدیم وادی کے اصل دریا کے منقطع معاون جدا جدا بہاؤ سے داخل ہوتے ہیں۔ قدیم وادی کی سخت اور نہ گھسنے والی چٹانیں "ریا" میں جزیروں کی شکل میں کھڑی رہتی ہیں۔ جنوب مغربی آئرلینڈ، شمالی مغربی اسپین اور نیوزی لینڈ کے جنوبی جزیرہ کے "ریا" اہمیت کے حامل ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ (United States of America): ریاست ہائے متحدہ امریکہ ایک وفاقی جمہوریہ ہے جس میں پچاس ریاستیں اور ایک وفاقی ضلع شامل ہے۔ ان میں سے 49 ریاستیں امریکہ میں اور ایک جزائر ہوائی (بحرالکاہل) میں واقع ہے۔ کل رقبہ 9,809,431 مربع کلو میٹر (3,787,425 مربع

میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 252,688,000 ہے۔ اس میں سے 87 فی صدی سفید فام اور 11.5 فی صدی نیگرو ہیں۔ سرکاری اور عام زبان انگریزی ہے۔ مذہب اکثریت کا عیسائی ہے۔ صدر مقام واشنگٹن ڈی سی ہے لیکن سب سے بڑا شہر نیویارک ہے۔

جغرافیائی طور پر امریکہ کو 5 اکائیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو مشرق کا ساحلی علاقہ ہے جو پتھریلا ہے اور اس سے وادیاں نکل کر مشرقی ساحل تک پھیلی ہوئی ہیں اور یہ علاقہ نیویارک کے جنوب میں بحر اوقیانوس کے پورے ساحلی علاقہ پر پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا علاقہ ساحل کے میدانی علاقہ سے شروع ہو کر مغرب کی طرف جاتا ہے۔ اس علاقہ میں بے شمار سطح مرتفعائی علاقے اور وادیاں ہیں۔ اس علاقے میں امریکہ کی سب سے اہم کوئلے کی کانیں ہیں۔ اس سطح مرتفعائی علاقے سے آگے اور مغرب کی طرف ایک نہایت وسیع اور انتہائی زرخیز تاس (بیسن) ہے جسے دریائے مسی سپی اور اس کے معاون سیراب کرتے ہیں۔ اس کے شمال میں کوئلے کے زبردست ذخیرے اور جنوب میں تیل کے ذخیرے مدفون ہیں۔ چوتھا علاقہ اندرونی تاس کے جنوب کا ہے جو پہاڑی سلسلوں اور سطح مرتفع کے علاقوں پر مشتمل ہے۔ پانچواں حصہ مغربی علاقہ ہے جس کا رقبہ پورے ملک کا ایک تہائی ہے یہ بھی سطح مرتفع کے علاقوں پر مشتمل ہے اور راکی (راکیز) پہاڑی سلسلے کینیڈا تک پھیلے ہوئے ہیں۔ کوہ البرٹ، جو 4,399 میٹر (14,433 فیٹ) بلند ہے، راکیز کی سب سے بلند چوٹی ہے۔ اس کے مغربی علاقہ میں وسیع تاس ہے اور ریگستانی علاقے بھی ہیں۔

دریاؤں میں مشرق میں ہڈسن اور ڈیلاویر مشہور ہیں۔ اندرونی علاقہ میں دریائے مسی سپی اور اس کے معاون اوہایو اور ٹینی سی اہم ہیں۔ ان کے علاوہ مسوری، کنساس اور ارکنساس وغیرہ بھی کافی اہم ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ رقبہ کے لحاظ سے بہت بڑا ملک ہے اور کافی اونچے نیچے مقامات ملتے ہیں، اس لیے آب و ہوا بھی کافی مختلف اقسام کی پائی جاتی ہے۔ جنوب مشرق میں استوائی آب و ہوا ملتی ہے۔ گرمیوں میں کافی گرمی اور سردیوں میں کافی سردی ہوتی ہے۔ مشرق اور وسطی علاقہ میں موسموں کا کافی فرق پایا جاتا ہے۔ مغربی علاقہ میں موسم عام طور پر معتدل رہتا ہے۔ بارش سب سے زیادہ الاباما، مسی سپی اور خلیجی علاقے میں ہوتی ہے۔ کیلی فورنیا اور کولوریڈو خشک ہیں اور مغربی ساحل پر کافی بارش ہوتی ہے۔

کافی علاقوں میں جنگلات پائے جاتے ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے زمینی رقبہ کے تقریباً 60 فی صدی حصہ پر کاشت ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ کاشت مکئی کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد گیہوں، بارلی، اوٹس، چاول مختلف قسم کے تیل کے بیج، روئی، تمباکو اور ہر قسم کے پھل نیز ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ گائیں، بھیڑیں، سور، مرغیاں وغیرہ بھی بہت بڑی تعداد میں پالی جاتی ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ معدنیات میں بھی بہت مالدار ہے اور ہر قسم کی معدنی دھاتیں نکالی جاتی ہیں۔ صنعتی طور پر یہ دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے اور یہاں لوہے، فولاد، سیمنٹ، تیل، موٹریں، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، پلاسٹک، الیکٹرانک، کیمیائی کھاد اور استعمال کی ہر قسم کی چیزوں کی بڑی بڑی صنعتیں ہیں۔

یہاں کی برآمدات کی 19 فی صدی مشینیں (جو بجلی سے نہیں چلتی ہیں)، 10 فی صدی موٹریں، 9 فی صدی اجناس، 9 فی صدی کیمیائی اشیاء، 8 فی صدی بجلی سے چلنے والی مشینیں اور سامان اور 5 فی صدی ہوائی جہاز ہیں۔ برآمدات کا 21 فی صدی کینیڈا، اور 9 فی صدی جرمنی جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے تقریباً ہر ملک سے اس کے تجارتی تعلقات ہیں۔ درآمدات کا 21 فی صدی کینیڈا، 13 فی صدی جاپان، 5 فی صدی جرمنی اور 5 فی صدی سعودی عرب سے آتا ہے۔

ابتدائی مدارس میں یہاں 1991 میں طالب علموں کی تعداد 28,973,069 اور استادوں کی تعداد 1,371,000 تھی۔ ثانوی مدارس میں طلبا کی تعداد 12,583,484 تھی۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 14,360,965 طالب علم تھے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صنعتی خطے: (A) شمال مشرق کا صنعتی علاقہ جس میں پٹس برگ، نیویارک، فلاڈلفیا اور بالٹی مور کے اضلاع کے علاوہ جنوبی نیو انگلینڈ اسٹیٹس، ضلع ڈیٹرائٹ، جھیل مشیگن کا جنوبی ضلع شامل ہیں۔ (B) جنوب کا صنعتی علاقہ جو ٹیکساس سے شمالی کیرولینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ہیوسٹن، بیومانٹ، ڈلس اور وچیٹا فالس اہم صنعتی شہر ہیں۔ (C) بحرالکاہل کے ساحل کا صنعتی علاقہ۔ اس میں جدید تک صنعتی پٹی میں قومی اہمیت کے مراکز لاس اینجلس اور سانفرانسسکو بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

ریاض: یہ سعودی عرب کا دارالحکومت، سب سے بڑا شہر، اہم ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈہ ہے۔ نجد کے صوبہ میں جدہ کے شمال مشرق کی طرف 335 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دمام سے یہ 250 میل اور خلیج فارس سے اندر کی طرف 230 میل دور ہے۔ سنہ 1976 میں آبادی 667,000 تھی۔ تیل کے ذخیروں کی موجودگی کے باعث صنعتی، تمدنی اور تجارتی ترقی کافی ہوئی ہے اور اس سے شہر کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ آب و ہوا خشک لیکن جانفزا ہے۔ ریت کے طوفان اکثر آتے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہیں۔ پانی کی کمی اور مٹی کی نامناسبت کے باعث زراعت میں ترقی نہیں ہو سکی۔ دمام سے اسے بذریعہ ریل جوڑ دیا گیا ہے۔

ریت ٹیلا: یہ ہواؤں کی بنائی ہوئی ٹیکری یا ماہی پشت ابھار ہوتا ہے جو دریا کی تہ، سمندری ساحل اور ریگستانی میدانوں میں تشکیل پاتا ہے۔ کبھی یہ متحرک ہوتا ہے اور کبھی غیر متحرک۔ خشک ریگستانوں میں چلنے والی خشک ہوائیں اپنے ساتھ ریت کی کثیر مقدار اڑاتی رہتی ہیں۔ ان کی راہ میں کوئی چیز حائل ہو جائے تو اس پر ریت جمع ہونے لگتی ہے۔ حائل چیز جب پوری طرح ریت سے ڈھک جاتی ہے اور ٹیکری سی بن جاتی ہے تو ہوائیں اسے عبور کر کے ریت کو دوسری طرف گرانے لگتی ہیں۔ اس طرح بنے ہوئے ٹیلے کا ہوا کے رخ کا پہلو تدریجی ڈھال والا اور مخالف سمت کا پہلو سلامی وار ڈھال والا ہوتا ہے۔ اول الذکر پہلو پر تخریبی عمل اور موخر الذکر پہلو پر تعمیری عمل ہوتا رہتا ہے۔ نتیجتاً ٹیلا، ہوا کی سمت میں، غیر محسوس طریقہ پر سرکتا رہتا ہے۔ ریگستانوں کے حاشیہ پر ایسے متحرک ٹیلے بعض اوقات زرخیز زمینوں اور شہروں تک کو دفن کر دیتے ہیں۔ ان ٹیلوں کی یورشوں سے محفوظ رہنے کے لیے ان کی راہوں پر پودے اور درخت اگا دیے جاتے ہیں۔ بالعموم چھوٹے ٹیلے متحرک ہوتے ہیں۔ بڑے ٹیلوں کے زیریں حصوں میں کچھ پانی محفوظ ہو جائے یا ان پر نباتات اُگ جائے تو ان کی حرکت کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ ٹیلے ہوا ہی کی سمت میں لمبے لمبے پھیل گئے ہوں تو ہوا کے رخ کی ڈھلان کے سوائے باقی تمام سمتوں کی ڈھلانیں سلامی وار رہتی ہیں۔ رخ بدلنے والی ہواؤں کا بنایا ہوا ٹیلا کسی بھی شکل کا ہو سکتا ہے۔ ٹیلے کئی طرح کے ہوتے ہیں (دیکھئے برخان، طولی ٹیلا، شاخچی ٹیلا اور سیف ٹیلا)۔

ریت ٹیلے (Sand Dunes): صحراؤں کے فرش پر ہوائی فرسودگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ریت کسی بھی جھاڑی یا حجر یا چٹان سے ٹکرا کر ریت کے ڈھیر کی شکل میں جمع ہو جاتی ہے جس کو ریت ٹیلے (Sand Dunes) کہا جاتا ہے۔

ریت ٹیلے، صحراؤں کے منظر کا ایک لازمی جزو ہیں۔ ریت کے ان ٹیلوں میں ریت کے ذرات ہوا کے رخ کی سمت جمع ہو کر ٹیلوں کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ اگر ان ذخائر میں ریت ٹیلوں سے نکل کر دو طرف دو بازوؤں کی طرف جمع ہو جائے تو ایسے ٹیلے ہلال نما چاند کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جن کو برخان (Barkhans) بھی کہا جاتا ہے۔

ریت ٹیلوں اور برخان میں ریت کے ننھے ننھے ذرات اس طرح جمع ہوتے ہیں کہ ان پر ہواؤں کی لہروں کے نشانات بھی مرتسم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لہریے دار نشانات کو لہری نشانات (Ripple Marks) کہا جاتا ہے۔ لہری نشانات کے علاوہ ریت ٹیلوں میں ریت کی پرتیں متوازی طور پر ایک دوسرے پر جمع ہونا ضروری نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر تو یہ ہوتا ہے کہ ریت کی پرتیں، ہواؤں کے بدلتے رخ کے ساتھ اپنے زاویے بھی بدلتی رہتی ہیں اس لیے یہ پرتیں مختلف زاویوں پر ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس کو چلیپی پرتیں (Cross Bedding) کہا جاتا ہے۔

ریٹزل (رٹزل): دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ریگستان تھار (Thar Desert): ہندوستان کے شمال مغرب میں دو سو تا تین سو کلو میٹر کا وسیع ریگستان ہے جو راجستھان اور پاکستان کے درمیان ایک سرحد کا کام کرتا ہے۔ شمال میں یہ پنجاب کے میدان تک چلا گیا ہے اور جنوب میں یہ عظیم کچھ کا رن (رن آف کچھ) تک پھیلا ہوا ہے اور مشرق میں اس کی حد ہریانہ ہے۔

ریگستان تھار ہندوستان کا نہایت ہی خشک علاقہ ہے جہاں موسم باراں میں دس یا بارہ سنٹی میٹر سے بھی کم بارش ہوتی ہے بلکہ اکثر یہاں بارش ہی نہیں ہوتی اور کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں تو یہاں کے باشندے پندرہ سے بیس کلو میٹر کے فاصلے سے اونٹ کی پیٹھ پر چڑے کے تھیلوں میں پانی لاتے ہیں اور جب انھیں یہ پانی بھی دستیاب نہیں ہوتا ہے تو پھر وہ جنوب کی جانب پانی کی جستجو اور چارہ اور روزی کی تلاش میں دور دور تک چلے جاتے ہیں۔

ریگستان تھار میں کوئی ندی نہیں ہے۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر اس بات کا ثبوت ملا ہے کہ ریگستان تھار کسی زمانہ میں سمندر کی تہ میں تھا جس کی شہادت اس ریگستان میں ملنے والے گھونگھے، سیپوں وغیرہ سے ملتی ہے جو سمندر میں پائے جاتے ہیں۔ بعد میں یہ سمندر سے برآمد ہوا۔ ممکن ہے کسی زمانہ میں یہاں بڑے بڑے دریا بھی پائے جاتے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ زرخیز خطہ خوشحال تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ اس کے بعض مقامات میں سو سے ڈیڑھ سو میٹر زیر زمین پانی موجود ہے لیکن جب اسے پمپ کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے تو یہ غیر معمولی کھاری ہوتا ہے۔

اس ریتیلے اور بنجر علاقے کو اب راجستھان نہر کے ذریعہ سر سبز اور شاداب بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ریگستان یا صحرا (Desert): سطح زمین پر پائے جانے والے علاقوں میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ریگستان بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ صحرا خشکی کے ایک تہائی حصے پر محیط ہیں۔ گرم و خشک آب و ہوا اور سبزہ یا پودوں کی کمی یا عدم پیداوار کی کمی کی وجہ سے ان علاقوں میں ہوائی فرسودگی زبردست اہمیت اور کردار کی حامل ہوتی ہے۔

صحراؤں کا ارتقا بڑی حد تک آب و ہوا، سطح سمندر سے بلندی، کم درجہ کے طول بلد اور عرض البلد اور سبزہ زاروں اور نباتیات کی کمی کا مرہون ہے۔ ان حالات میں ہوا، ان علاقوں میں ایک اہم ترین ارضیاتی عامل کے طور پر عمل کرتی ہے۔ ہوائی فرسودگی کے عمل کے نتیجے میں صحرا میں مختلف قسم کے خدوخال بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔

رینوکا جھیل: یہ ایک خوبصورت جھیل ہے جو ہندوستان میں ہماچل پردیش کے ضلع سرمور میں واقع ہے۔

ریوا: ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں سے ایک ریاست تھی جس کا انضمام مدھیہ پردیش میں ہو گیا ہے۔ یہ ریاست چودھویں صدی عیسوی میں راجپوت قبیلہ بگھیلا نے قائم کی تھی۔ 1812 میں یہ ریاست انگریزوں کے زیر اثر آ گئی اور 1948 میں بھارت میں شامل ہو گئی۔

ریواڑی: گڑگاؤں (ہریانہ) کے جنوب مغرب میں 50 کلو میٹر (31 میل) دور ریاست ہریانہ کا ایک ضلع اور شہر ہے۔ تانبے اور پیتل کے برتنوں کی صنعت کے لیے مشہور ہے۔ یہاں گوند دستیاب ہوتا ہے۔ دستی صنعت کاری اور پارچہ بافی کی اقسام میں منفرد ہے۔

ریوڈی جنیرو: برازیل کا یہ سب سے بڑا دوسرا شہر اور اس ریاست کی ثقافت، مالیہ، تجارت اور حمل و نقل کا مرکز ہے۔ پہلے یہ برازیل کا صدر مقام بھی تھا۔ اس کی آبادی سنہ 1976 میں 4,857,700 تھی۔ اس کے اطراف اونچے پہاڑوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ یہاں سے لوہا، مینگنیز، کافی، روئی، گوشت اور کھالیں برآمد کی جاتی ہے۔ اس شہر کی صنعتوں میں کپڑا، غذائی اشیا، گھریلو استعمال کی اشیا، سگریٹ، کیمیائی اشیا اور چرمی سامان شامل ہیں۔ اس بندرگاہ میں بڑے بڑے جہاز آ سکتے ہیں اور یہ دنیا کا ایک نہایت خوبصورت بندرگاہ ہے۔ یہاں 1920، 1937، اور 1958 میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ اس شہر کی خوبصورت سڑکیں، سمندری ساحل، وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ یہاں سیاح بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ یہ شہر اعلیٰ قسم کی نئی طرز کی عمارتوں کے لیے مشہور ہے۔ سرکاری عمارتوں کے علاوہ میوزیم اور فنون لطیفہ کی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ شہر میں جگہ جگہ خوبصورت پارک ہیں۔

ریو، کو سب سے پہلے فرانسیسیوں کے ایک گروہ نے بسایا تھا۔ بعد میں یہ پرتگالی قبضہ میں آیا۔ پھر اس کے لیے فرانس اور پرتگال میں جھگڑا چلتا رہا۔ سنہ 1763 میں یہ برازیل کا صدر مقام بنا۔ سنہ 1960 میں ایک نیا شہر برازیلیا تعمیر ہوا اور صدر مقام وہاں منتقل ہو گیا۔

ریو گرانڈ: شمالی امریکہ کا یہ دریا کولیراڈو علاقے کے کوہ سان یوان (San Juan) سے نکلا ہے۔ جنوب مشرق میں 1,895 میل تک جانے کے بعد میکسیکو میں داخل ہو جاتا ہے جو ٹیکساس سے کچھ ہی دور ہے۔ اس دریا میں اس کے دہانے سے تقریباً 500 میل تک جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ نیو میکسیکو میں اس میں پیور کو ندی شامل ہو جاتی ہے۔ ٹیکساس میں اس کی ایک اہم معاون دریائے پی کاس ہے۔ اس کے بعد اس میں کئی اور معاون ندیاں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اس کے کنارے کئی چھوٹے چھوٹے شہر آباد ہیں۔

ریول سر: ہماچل پردیش میں منڈی سے 19 کلو میٹر کے فاصلے پر 610 میٹر کی اونچائی پر یہ ایک مشہور جھیل ہے اور ہندوؤں اور بودھ مذہب کے لوگوں کے لیے ایک متبرک مقام ہے۔

ریہند: اترپردیش میں سون ندی کی ایک معاون ندی ہے۔ اس ندی کے پانی کی تقسیم اترپردیش اور مدھیہ پردیش ریاستوں میں ہوتی ہے۔ اس ندی پر ضلع مرزاپور (اترپردیش) میں ایک بندھ بنایا گیا ہے۔ اس کا ذخیرۂ آب گووند ولبھ پنت ساگر کہلاتا ہے۔ ذخیرہ آب سے پیدا شدہ بجلی دونوں ریاستوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس پروجیکٹ سے 3 لاکھ کلوواٹ برقی قوت حاصل ہوتی ہے اور 2 لاکھ ہیکٹر زمین سیراب ہوتی ہے۔

ز

زائرے (Zaire): زائرے وسطی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے جس کا نام آزادی سے پہلے بلجین کانگو اور اس سے پہلے کانگو فری اسٹیٹ بھی تھا۔ اس کا نام ڈیمو کریٹک ریپبلک آف کانگو بھی تھا۔ اس کے شمال مغرب اور مغرب میں جمہوریہ کانگو اور شمال مشرق میں سوڈان، شمال میں جمہوریہ وسطی افریقہ، مشرق میں یوگانڈا، روانڈا، بروونڈی اور جمہوریہ متحدہ تنزانیہ، جنوب مشرق میں زیمبیا، مغرب اور جنوب مغرب میں انگولا اور بحر اوقیانوس واقع ہیں۔

رقبہ 2,344,858 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 36,672,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام کنشاسا ہے۔ بول چال کی عام زبان بنٹو (Bantu) اور سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ 50 فیصدی آبادی قدیم مذاہب کی پیرو اور 43 فی صدی عیسائی ہے۔

ملک کا وسطی علاقہ زیادہ تر سطح مرتفع ہے۔ اوسط بلندی سطح سمندر سے 3 ہزار فیٹ ہے۔ دریاؤں اور جھیلوں کی کثرت ہے۔ جس کی وجہ سے پورا ملک سرسبز و شاداب اور گھنے جنگلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ بے شمار اقسام کے جانور اور پرندے پائے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کا سلسلہ بھی کئی سو میل لمبا ہے۔ جنگلوں سے بے شمار اقسام کی عمارتی لکڑیاں اور ربر حاصل ہوتا ہے۔

خطِ استوا زائرے کے تقریباً وسط سے گزرتا ہے اور آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے۔ اس لیے اس ملک میں سفید فاموں نے اپنی نو آبادیاں قائم نہیں کیں۔ چاول، مکئی، کساوا، مونگ پھلی اور پام کی کاشت ہوتی ہے۔ کوکو، کافی، تمباکو اور ربر کے باغات ہیں۔ تانبہ، یورانیم، ریڈیم، جست، لوہے، کوبالٹ اور سونے کے وسیع ذخائر ہیں۔ ان کی کانیں ابھی کافی محدود ہیں۔

5,280 کلو میٹر ریلیں اور 140,000 کلو میٹر لمبی سڑکیں ہیں۔ ان کے علاوہ دریا بھی بڑے پیمانے پر حمل و نقل کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ درآمدات زیادہ تر بلجیم، امریکہ، جرمنی، فرانس، جاپان اور برطانیہ سے آتی ہیں۔ برآمدات بلجیم کو 45 فی صدی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ فرانس، اٹلی، جاپان، مغربی جرمنی اور برطانیہ کو بھی جاتی ہیں۔ برآمدات کا 63 فی صدی حصہ تانبہ ہے۔

1988 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 4,356,516 طالب علم اور 10,819 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 1,066,351 طالب علم اور حرفی مدارس میں 291,743 طالب علم نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 61,422 طالب علم اور 3,873 استاد تھے۔

تاریخ: زائرے کے باشندوں کی بہت بڑی اکثریت بنٹو (Bantu) قبیلوں کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے یہاں ایک قسم کے بونے یا پستہ قد والی نسل کے لوگ رہتے تھے۔ بنٹو لوگوں نے انھیں نکال دیا اور وہ اب زیادہ تر جنگلوں میں رہتے ہیں۔ بنٹو قبائل کے لوگ اس علاقے میں بس گئے، زراعت شروع کی اور کئی بہت بڑی سلطنتیں قائم کیں۔ ان میں غالباً سب سے قدیم اور سب سے ترقی یافتہ باکوبا (Bakuba) کی ریاست تھی۔ پانچویں صدی عیسوی سے اس ریاست میں تقریباً 120 حکمراں گزرے ہیں۔ باکوبا سوڈان سے ترکِ وطن کرکے کاسائی اور سنکورو دریاؤں کے درمیانی علاقے میں بسے تھے۔ اس عہد کے مجسمے اور آرائش کی چیزیں فن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اس قبیلے کے لوگ اپنی پرانی روایتوں پر سختی سے قائم ہیں۔ جنوب مشرقی علاقے میں جو ریاستیں قائم ہوئیں ان میں سب سے بڑی اور طاقت ور بلوبا (Baluba) کی ریاست تھی۔ یہ سولھویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی تھی۔ موجودہ شابا (سابق کاتانگا) اور کیوو صوبے ان ہی کی ریاست میں تھے۔ بلجیم والوں کے افریقہ میں داخل ہونے تک یہ ریاست باقی تھی۔ ایک اور طاقتور ریاست لوانڈا تھی جو کسائی سے انگولا تک پھیلی ہوئی تھی۔ سب سے مشہور کانگو کی ریاست تھی۔

پندرھویں صدی عیسوی میں جب پرتگالی مہم جو (کھوج کار) یہاں آئے تو اس ریاست کے قبضے میں تمام ساحلی علاقہ اور اندر کانگو ندی تک کا علاقہ تھا۔

اس علاقے میں یوروپی باشندوں میں سب سے پہلے پرتگالی پندرھویں صدی میں داخل ہوئے۔ غلاموں کی تجارت کے لیے پہلے انھوں نے سلطنت کانگو

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

کے حکمراں سے دوستی کی اور آہستہ آہستہ اس کی ریاست پر چھاگئے۔ پرتگالی بڑے پیانے پر افریقی باشندوں کو پکڑتے، غلام بناتے اور یوروپ اور امریکہ لے جاتے۔ اس تجارت پر سترھویں صدی تک ان کی اجارہ داری رہی۔ اس کے بعد ڈچ، فرانسیسی اور انگریز بھی اس کاروبار میں شریک ہوئے۔ کہیں انیسویں صدی میں کھوج کاروں نے اندرونی علاقوں میں داخل ہونا اور یہاں کے معاشی مقامات کا پتہ چلانا شروع کیا۔ بلجیم کے بادشاہ لیوپولڈ دوم نے اس میں خاص دلچسپی لی اور مارٹن اسٹانلی اور دوسرے کھوج کاروں کو اندرونی علاقوں میں جانے اور مقامی ریاستوں کے ساتھ معاہدے کا کام سپرد کیا۔ 1885 میں بادشاہ لیوپولڈ نے کانگو فری اسٹیٹ قائم کی اور اپنے مطلق حکمراں ہونے کا اعلان کیا۔ کھوج کاروں کے لیے ایک کمپنی قائم کی جس میں سب سے بڑا حصہ خود اس کا تھا۔ اس کے افسروں نے اس علاقے میں لوٹ اور بے ایمانیوں کی حد کر دی۔ یوروپ کے دوسرے ملکوں نے احتجاج کیا اور 1908 میں اس علاقے کو بلجیم کانگو کا نام دے کر بلجیم کا ایک مقبوضہ یا کالونی بنادیا گیا۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران اس کالونی کے حکمرانوں نے جرمنی کے نئے افریقی مقبوضات کے خلاف مہم شروع کی اور روانڈا، بروونڈی کے علاقے سے جرمنوں کو نکال کر اسے بلجیم کانگو کا حصہ بنالیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سارے افریقہ میں قوم پرستی اور آزادی کی لہر تیز ہوئی تو کانگو بھی اس سے نہ بچ سکا اور اب بلجیم کے حکمرانوں نے یہاں کے لوگوں کی حالت سدھارنے کی طرف توجہ شروع کی جن کی حالت اس سے پہلے غلاموں سے کچھ بہتر نہ تھی۔ 1957 میں میونسپلٹیوں وغیرہ کے پہلی مرتبہ انتخاب کروائے گئے۔ لیکن عوام کو مطمئن نہ کیا جاسکا۔ چنانچہ 1960 میں آزادی دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن اس کے ساتھ نئی آزاد حکومت کو ناکام بنانے کی زبردست سازش کی گئی۔ تمام بیرونی سرمایہ واپس لے لیا گیا۔ اور بڑے پیانے پر قبیلہ واری فسادات کرائے گئے۔ ترقی پسند وزیر اعظم پیٹرس لومبا کے خلاف صدر کاسابوبو کو بھڑکایا گیا۔ سب سے مالدار صوبے کاتانگا میں موئزے شومبے نے بلجیم کی شہ پر اپنے صوبے کو ایک الگ ریاست بنانے کی مہم شروع کی۔ لومبا نے مجلس اقوام متحدہ سے مدد مانگی تاکہ ملک میں نظم و ضبط قائم ہو سکے۔ لیکن اس دوران بلجیم اور بعض دوسری بڑی طاقتوں کے اشارے پر کرنل جوزف موبوٹو نے فوجی حکومت قائم کر دی۔ لومبا کو گرفتار کر لیا گیا۔ فروری 1961 میں اسے قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد سارے ملک میں افراتفری اور خانہ جنگی پھیل گئی۔ شومبے گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن جب اس نے کاتانگا کو کانگو سے الگ کرنے کی مہم ترک کر دی تو اسے رہا کر دیا گیا۔ اور اس کی مدد کے لیے سفید فاموں کی ایک کرائے کی فوج منظم کی گئی۔ سفید فاموں کی حفاظت کے بہانے بلجیم کی فوج بھی کئی بار مداخلت کرتی رہی۔ صدر کاسابوبو نے اکتوبر 1965 میں شومبے کو وزارت عظمیٰ سے الگ کر دیا۔ نومبر 1965 میں کرنل موبوٹو نے کاسابوبو کا تختہ الٹ کر سارا اختیار حاصل کر لیا اور پھر بعد میں خود صدر بن گیا۔ بلجیم، فرانس اور دوسرے ملکوں کی معاشی اور اساسی مدد اور وقتاً فوقتاً ان کی فوجوں کی مدد سے وہ اس عہدے پر قائم رہا۔

1960 میں کانگو کو چار نیم آزاد حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھی اس ملک میں سیاسی افراتفری بڑے زور شور سے جاری رہی

1970 میں موبوٹو صدر بنا اور اس نے مرکزی حکومت کو علاقائی انتظام کے لیے بھی پورے اختیارات دیئے اور بیرونی سرمایے کو صنعتوں کی ترقی کے لیے ملک میں لگانے کی دعوت دی۔ پڑوسی ملکوں سے تعلقات بہتر کرنے کی کوشش کی۔ مغرب اور امریکہ سے تعلقات بہتر اور مستحکم بنائے۔ 1973 میں چین سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔

تانبہ کی قیمتوں کے بین الاقوامی بازار میں کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے زائرے کی معیشت پر بھی اثر پڑتا رہا۔ 1970 کے بعد سے نہ صرف معیشت خراب رہی بلکہ اندرونِ ملک سیاسی مخالفتوں کا بھی ملک پر اثر پڑتا رہا۔

1975 سے 1978 تک سیاسی بدامنی اور بے چینی نے بہت زور پکڑا۔ دو لاکھ پناہ گزیں شابا (سابق کاتانگا) سے انگولا چلے گئے۔

بالآخر 1990 میں موبوٹو کو ملک میں کئی سیاسی پارٹیوں کو قانوناً تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن ملک میں معاشی بدحالی کے سب لوگ شکار ہیں۔

زراعتی جغرافیہ: میلانات و تصورات۔ آثار قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان پودے اگانے اور مویشی پالنے کا کام غالباً عہد حجری ہی سے کرتا چلا آرہا ہے۔ صحیح طرح سے یہ بتانا تو مشکل ہے کہ مختلف علاقوں میں بسنے والے انسانوں کو کن خاص حالات نے اس کام کی طرف متوجہ کیا مگر اندازاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی قدیم نسلوں نے شروع میں بعض خوردو، بالخصوص قندوں، گٹھوں اور ڈنٹھلی جڑوں سے اگنے والے پودوں کے تنوں اور ان میں لگنے والے بیجوں، دانوں، پھولوں یا پھلوں کو چکھا اور ذائقہ اچھا پاکر انھیں اپنی رہائش گاہوں کے قریب اگانا شروع کر دیا۔ شہادتوں سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ عہد حجری ہی سے جنوب مغربی و جنوب مشرقی ایشیا، وسطی امریکہ، میکسیکو اور براعظم یورپ کے اکثر علاقوں میں موٹی نرم جڑوں والے اور دانے پیدا کرنے والے جنگلی پودوں کا استعمال مسلسل بڑھتا گیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

عہد قدیم ہی سے مرد بالعموم شکار کی طرف مائل رہے اور عورتیں گردو پیش سے غذائی اجناس فراہم کرنے کا کام کرتی رہی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اولاً عورتوں ہی نے اپنی پسند کے پودوں کو رہائشی علاقوں میں اگا کر زراعتی مہم کا آغاز کیا ہوگا۔

حیاتیاتی جغرافیہ کے امریکن ماہر سیور نے پودوں کو پہاڑی دامنوں میں اگانے کا مفروضہ پیش کیا ہے۔ اس میں اس نے یہ بتلایا ہے کہ ابتداً کاشتکاری کا کام پہاڑی دامنوں پر شروع کیا گیا تھا۔ وہاں قابل کاشت زمینوں کو بلندیوں سے بہتا ہوا پانی بآسانی سیراب کر دیتا تھا۔ زیریں وادیوں میں یہ سہولت نہ تھی۔ قدیم انسان حرفیاتی میدان میں بہت پیچھے تھا اور میدانی علاقوں میں مناسب اوقات پر پانی کی مناسب مقدار کو پہنچانے کے طریقوں سے واقف نہ تھا۔ اسے قدرت کے عطیے جہاں آسانی سے مل جاتے تھے وہیں وہ زراعتی کاروبار شروع کر دیتا تھا۔ سیور کا خیال ہے کہ پودے اگانے کا کام بعض ترقی پسند ماہی گیروں نے غالباً جنوب مشرقی ایشیا کے معتدل آب و ہوا والے علاقوں میں شروع کیا۔ ماقبل تاریخی دور میں انہی علاقوں کو ماہی گیری کے لیے انتہائی موزوں سمجھا جاتا تھا۔

زراعت کے اہم ابتدائی مراکز کے تعلق سے جدید معلومات این. آئی. ویویلو نے پیش کی ہیں۔ اس کے تحقیقاتی نتائج کا آثار قدیمہ کی بعد والی شہادتوں کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو آغاز کاشت کے درج ذیل آٹھ اہم مراکز سامنے آتے ہیں۔

(1) جنوب مشرقی ایشیا کا مرکز۔

(2) جنوب مغربی ایشیا کا مرکز۔

(3) چین اور جاپان کا مرکز۔

(4) وسط ایشیا کا مرکز۔

(5) رومی مرکز۔

(6) افریقائی مرکز۔

(7) وسطی امریکہ کا مرکز

اور (8) جنوبی امریکہ کا مرکز۔

زرکل، فرڈیننڈ (Ferdinand Zirkel): اس جرمن پروفیسر نے 1828 میں جنم لیا اور 1912 میں اس کی وفات واقع ہوئی۔ اس نے تعلیم اور کتابوں میں حجرات کی تفہیم کے سلسلے میں حجرات کی مہین تراشوں (Thin Sections) کے خوردبینی مطالعے کو بے حد اہمیت دی۔ اسی مطالعے کے انحصار پر اس نے بیسالٹ (Basalt) حجرات کی درجہ بندی بھی کی اور جمادات کا تفصیلی خوردبینی مطالعہ پیش کیا۔ آخر عمر میں اس نے حجرات کے مطالعے کی ایک نصابی کتاب بھی لکھی جس میں جماداتی ترکیب (Mineral Composition) کی بنیاد پر حجرات کی درجہ بندی کی۔

زلزلے (Earthquakes): زلزلے دراصل ان جھٹکوں کی موجوں کا تسلسل ہیں جو زمین کے قشر یا اوپری پرت (کرسٹ) یا میانہ یا درمیانی پرت (مینٹل) میں جنم لیتی ہیں۔ زمین کی اوپری پرت یا درمیانی پرت کے ابتدائی حصوں سے جو قوت آزاد ہو کر جس مقام یا نقطہ سے باہر اوپر کی طرف سفر کرتی ہے، اس کو ماسکہ کہتے ہیں۔ سطح زمین پر ماسکہ کے عین اوپر پائے جانے والے مقام یا نقطہ کو ظل ماسکہ کہتے ہیں۔ زلزلے پیدا کرنے والی موجوں کو زلزلوی موجیں (Seismic Waves) کہا جاتا ہے۔ اپنے خواص کی بنیاد پر زلزلوی موجیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔

(1) ابتدائی موجیں یا پی موجیں: یہ ایسی زلزلوی موجیں ہیں جن میں ذروں کی حرکت ایک ہی سمت میں ہوتی ہے۔ یہ دوسری زلزلوی موجوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیز رفتار ہیں۔ ابتدائی زلزلوی موجوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ٹھوس اجسام اور مائع دونوں واسطوں میں سفر کرنے کی اہل ہوتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ٹھوس اجسام اور مائع واسطوں سے سفر کرنے میں ان کی رفتار بہت کم ہو جاتی ہے۔ زلزلوی جائزوں کے ذریعہ زمین کی اندرونی ساخت کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان میں ابتدائی موجوں کے مطالعوں سے بہت مدد ملی ہے۔

(2) ثانوی موجیں یا ایس موجیں: ثانوی زلزلوی موجیں، ابتدائی موجوں سے اپنی ماہیت میں مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں ذروں کی حرکت، موجوں کے سفر کی سمت سے زاویہ قائمہ بناتی ہے۔ اس لیے بھی ثانوی موجوں کی رفتار، ابتدائی موجوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ثانوی موجیں صرف ٹھوس واسطوں میں سے گزرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، دوسرے معنوں میں ثانوی زلزلوی موجوں کے لیے مائع واسطے غیر شفاف ہیں۔ چنانچہ زمین کی اوپری پرت یا قشر (کرسٹ)، درمیانی پرت یا میانہ (مینٹل) اور اندرونی پرت (کور) کے زلزلوی مطالعوں میں ثانوی موجوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ جو اس بات ثبوت ہے کہ زمین کی اندرونی ساخت کا ایک بڑا حصہ مختلف گہرائیوں میں ٹھوس مادے پر مشتمل ہے۔

(3)لوف موجیں: لوف موجیں یا ایل موجیں جن کو انگریزی میں Love Waves کہا جاتا ہے ابتدائی اور ثانوی زلزلوی موجوں سے یکسر مختلف ہیں۔ یہ موجیں کسی متعینہ سمت میں سفر نہیں کرتیں بلکہ یہ ہر سمت میں سفر کرتی ہیں۔ مزید برآں لوف موجیں صرف سطح زمین پر پائی جاتی ہیں اور زمین کی گہرائیوں میں یہ مفقود ہیں۔ زلزلوں کی تباہ کاری کا ایک اہم سبب یہی تیز رفتار، بے سمت موجیں ہیں جو صرف سطح زمین کے ساتھ مس کرتی ہوئی گذرتی ہیں۔ زلزلوں کے ذریعہ پیدا ہونے والے جھٹکوں اور صدموں میں زبردست فرق اور تنوع پایا جاتا ہے۔ زلزلوں کے اثرات کو ناپنے یا سائنسی بنیادوں پر ان کی پیمائش کے لیے مختلف پیمانے بنائے گئے ہیں جن کو مارکلی اسکیل (پیمانہ) کہتے ہیں۔ زلزلہ پیمائی کا مارکلی پیمانہ درج ذیل ہے۔

مارکلی پیمانہ	طبعی اثرات
1) آلاتی (Instrumental)	یہ ایسے زلزلوی جھٹکے ہیں جو صرف زلزلہ پیماؤں (Seismograph) جیسے نازک آلوں سے ہی معلوم کئے جاسکتے ہیں۔
(2)خفیف (Feeble)	ایسے ہلکے جھٹکے جو صرف حساس لوگ ہی محسوس کرسکتے ہیں۔
(3) معمولی (Slight)	یہ وزنی کاروں یا لاریوں کے ارتعاش کے برابر ہوتے ہیں۔
(4)اوسط (Moderate)	یہ ایسے جھٹکے ہیں جو چلتے پھرتے لوگ بھی محسوس کرسکتے ہیں۔
(5)نسبتاً قوی (Rather Strong)	

قدرتی آفات میں زلزلے سب سے زیادہ تباہ کن ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے بسا اوقات چشم زدن میں بڑے بڑے شہر اور علاقے تباہ ہو جاتے ہیں۔ در حقیقت زمین کو کسی وقت بھی سکون نہیں ہوتا۔ حالانکہ بڑی قسم کے زلزلے، جن سے نمایاں تباہی ہوتی ہے، سال میں ایک درجن سے کم ہی آتے ہیں لیکن معمولی قسم کے ایسے زلزلے جن کے جھٹکے صرف خاص قسم کے زلزلہ پیما آلات ہی محسوس کرپاتے ہیں سال میں لاکھوں آتے رہتے ہیں۔ زلزلے عموماً تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) حجروں کے گرنے سے پیدا شدہ زلزلہ (Fall Earthqaukes): پہاڑوں کی چٹانیں جب کسی وجہ سے ٹوٹ کر کھسکتی یا گرتی ہیں یا چٹانوں میں بنی دراڑیں جب ٹوٹتی ہیں تو ان کی وجہ سے اس علاقہ میں معمولی جھٹکا محسوس ہوتا ہے یہ زلزلے مقامی ہوتے ہیں اور ان کا اثر دور تک نہیں ہوپاتا۔

(2) آتش فشانی زلزلے (Volcanic Earthquakes): جب کوئی بڑا آتش فشاں پھٹتا ہے تو اس کی وجہ سے بھی زلزلے کے جھٹکے آتے ہیں۔ اس قسم کے زلزلے اول الذکر قسم کے زلزلوں سے زیادہ شدید ہوتے ہیں اور ان کا اثر بھی نسبتاً دور تک محسوس کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات ان زلزلوں سے بھی کافی تباہی ہوتی ہے۔ مثلاً کراکاتاؤ (Krakatau) آتش فشاں جب پھٹا تھا تو اس کی وجہ سے سمندر میں اتنی اونچی لہریں پیدا ہو گئی تھیں کہ جاوا، ساترا اور قرب وجوار کے جزائر میں بہت تباہی آئی تھی۔ اسی طرح سے جزائر ہوائی (Hawajian Island) میں آتش فشاں ماؤنالووا (Mauna Loa) اور کیلاوی (Kilauea) کے پھٹنے سے بھی شدید زلزلے آئے تھے۔

(3) تکتانیکی زلزلے (Tectonic Earthquakes): تیسرے قسم کے زلزلے وہ ہیں جو کہ زمین کی اوپری تہہ جو حجرات پر مشتمل ہے اس کے کسی حصہ میں جنبش کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل زمین کی اوپری تہہ تقریباً ایک درجن زمینی پلیٹوں جیسے ٹکڑوں کی شکل میں ہے۔ یہ پلیٹیں زمین میں موجود تناؤ کی وجہ سے اپنی جگہ سے کھسکتی رہتی ہیں اور جن مقامات پر یہ پلیٹیں آپس میں ٹکراتی ہیں وہاں وقتاً فوقتاً زلزلے آتے رہتے ہیں اور ان ہی مقامات پر کوہستانی سلسلے بھی وجود میں آتے ہیں۔ بیشتر زلزلے خصوصاً شدید قسم کے زلزلے اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ زمین کی اوپری تہہ میں تناؤ کی وجہ سے چٹانیں مڑتی اور ٹوٹتی بھی رہتی ہیں۔ جس سطح سے چٹانیں ٹوٹ کر کھسکتی ہیں، ان کو گسل یا اختلال (Fault) کہتے ہیں۔

متذکرہ بالا تین وجوہات کے علاوہ بعض دوسرے وجوہات مثلاً شدید بارش وسیلاب، ہوا کے دباؤ میں نمایاں فرق یا زیر آب سمندر کی تہہ میں مٹی اور ملبے کے کھسکنے سے بھی معمولی قسم کے زلزلے کے جھٹکے آتے ہیں۔

یوں تو کرہ ارض پر ایسا کوئی مقام نہیں ہے جہاں کبھی معمولی قسم کے زلزلے کے جھٹکے نہ آئے ہوں لیکن فی زمانہ بیشتر اور بڑے قسم کے زلزلے دو علاقوں میں محدود ہیں۔ ایک تو بحرالکاہل کے چاروں طرف کا خشکی کا حصہ یعنی شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ، براعظموں کے مغربی ساحل کا کوہستانی علاقہ اور براعظم ایشیا کے مشرقی ساحل کا علاقہ جس میں جزائر جاپان وغیرہ علاقے شامل ہیں اور دوسرا علاقہ کرہ ارض پر تقریباً مشرق سے مغرب رخ کی وہ پٹی ہے جس میں یوروپ کا جنوبی کوہستانی علاقہ، جزائر غرب الہند، وسطی امریکہ، جزائر ہوائی، کوہ ہمالیہ اور مشرقی جزائر واقع ہیں۔ دنیا کے تقریباً 95 فی صد زلزلے ان ہی دو علاقوں میں

آتے ہیں اور یہاں ہی نو عمر کوہستانی سلسلے بھی واقع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جاپان، جزائر فلپائن، مغربی میکسیکو، چلی، یونان، ترکی ایران، بلوچستان، تبت، چین، آسام وغیرہ میں اکثر و بیشتر زوردار زلزلے آتے رہتے ہیں۔ یوں تو زلزلے ہر زمانے میں آتے رہے ہیں لیکن زمانہ حال میں جو زوردار زلزلے آئے ہیں ان میں قابل ذکر مندرجہ ذیل ہیں:

چلی (1822، 1835 اور 1906)، جنوبی کیرولینا (1886)، جاپان (1891)، جنوبی الاسکا (1899)، کیلیفورنیا (1906)، سسلی (1908)، آسام (1950،1897)۔

سسلی کے زلزلے میں تقریباً ڈیڑھ یا دو لاکھ جانیں ضائع ہوئی تھیں اور 1923 میں جاپان کے زلزلے میں ٹوکیو شہر کا کافی حصہ تباہ ہو گیا تھا اور شہر یوکوہاما تقریباً مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔

سمندر کی تہ میں بھی زلزلے کی لہریں اکثر اٹھتی رہتی ہیں۔ ان کی وجہ سے سمندر میں زوردار لہریں پیدا ہوتی ہیں جن کو سونامی (Tsunami) کہتے ہیں۔ یہ لہریں بسا اوقات دس میٹر تک اونچی ہوتی ہیں اور ان سے کافی نقصان پہنچتا ہے۔ سونامی عموماً بحر الکاہل میں آتی ہیں لیکن بحر اوقیانوس اور بحیرۂ روم بھی ان سے بچے نہیں ہیں۔

زمانہ یخ (Ice Age): زمین کی 4 سے 5 ارب سال کی تاریخ میں آب و ہوا کی تبدیلی کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔ ان میں ایسی بھی نشانیاں پائی گئی ہیں جبکہ زمین کے ایک بڑے علاقے پر گلیشیر یا برف کی حکمرانی تھی۔ ایسے دور کو جس میں زمین پر گلیشیر کی چادریں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں زمانہ یخ (Ice Age) سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تازہ ترین زمانہ یخ (Glacious Period) تقریباً 20 ہزار سال پرانا ہے جسے اس کی عظیم وسعت کی بنا پر عظیم زمانہ یخ بھی کہتے ہیں۔ اس زمانے میں برف کی چادریں پورے یوروپ، ایشیا اور شمالی امریکہ پر پھیلی ہوئی تھیں۔ اس زمانہ یخ کو ماہرین، مرحلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس زمانے کے ہر ایک مرحلہ میں مختلف جسامت کی برفیلی چادریں سطح زمین پر پھیلیں اور بعد میں رفتہ رفتہ سکڑ کر مختصر ہو گئیں یا بالکل ہی غائب ہو گئیں اور دوسرے موقع پر از سر نو ظاہر ہوئیں۔ اس طرح یہ عمل عظیم زمانہ یخ کے دوران چار بار ہوا۔ آخری مرحلے کے عظیم گلیشیر کا باقی ماندہ حصہ آج بھی بحر منجمد شمالی، شمالی یوروپ، آلپس، کوہ قاف اور دوسرے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔

زمبابوے (Zimbabwe): جمہوریہ زمبابوے افریقہ کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ یہاں کی سفید فام اقلیتی حکومت نے نومبر 1965 میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اگرچہ اس آزادی کو برطانیہ اور دنیا کے بہت سے ملکوں نے تسلیم نہیں کیا۔

زمبابوے، جسے انگریزوں نے رھوڈیشیا کا نام دیا تھا، کے شمال میں زیمبیا، مشرق میں موزمبیق، جنوب میں جنوبی افریقہ اور جنوب وجنوب مغرب میں بوتسوانا واقع ہیں۔ کل رقبہ 390,759 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق یہاں کی آبادی 10,019,000 ہے۔ ان میں 95 فی صدی افریقی اور 5 فی صدی سفید فام ہیں۔ عام بول چال کی زبان بنٹو (Bantu) ہے۔ سفید فاموں کی سرکاری زبان انگریزی ہے۔ آبادی کی کثرت پرانے افریقی مذاہب کی پیرو ہے۔ عیسائی بھی ہیں لیکن اقلیت میں۔ صدر مقام سلسبری ہے۔

زمبابوے ہر طرف سے خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ سمندر سے بہت دور ہے۔ یہاں پر دنیا کی قدیم ترین چٹانیں پائی جاتی ہیں۔ وسطی علاقہ اوسطاً چار ہزار فیٹ بلند ہے۔ سال بھر موسم نہایت خوشگوار رہتا ہے۔ صدر مقام اسی علاقے میں واقع ہے۔ یہ علاقہ زراعت کے لیے بھی مشہور ہے۔ مکئی، جوار، تمباکو، گیہوں اور مونگ پھلی یہاں کی خاص پیداوار ہیں۔ مویشی بھی بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔

اسبسطاس، کروم، سونا، کوئلہ، ٹنگسٹن، ٹن اور لوہے کی کان کنی ہوتی ہے۔ فولاد، کپڑے، آٹے اور سیمنٹ کے کارخانے قائم ہیں۔

درآمد زیادہ تر برطانیہ، جنوبی افریقہ، امریکہ اور جاپان سے ہوتی ہے اور برآمدات زیمبیا، برطانیہ، جنوبی افریقہ، مغربی جرمنی، ملاوی اور جاپان کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 35 فی صدی تمباکو، 10 فیصدی غذائی اشیا اور 8 فی صدی اسبسطاس ہے۔

78,930 کلو میٹر لمبی سڑکیں اور 3,394 کلو میٹر ریلیں ہیں۔ 1992 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 2,301,642 اور استادوں کی تعداد 60,834 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 710,619 طالب علم اور 25,225 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں 61,553 طالب علم اور 3,076 استاد تھے۔ طالب علموں اور استادوں کی بہت بڑی اکثریت سفید فاموں کی ہے۔

تاریخ: افریقہ کے دوسرے حصوں کی طرح زمبابوے بھی ایک بہت قدیم ملک ہے۔ یہاں پانچ لاکھ سال پرانی حجری تہذیب کے آثار ملے ہیں۔ ان باشندوں کو بنٹو قبیلے کے لوگوں نے ریگستانوں میں بھگا دیا تھا۔ بنٹو لوگ ایک زمانے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میں شمال سے آئے تھے اور جھیل چاڈ سے لے کر جنوب میں زولولینڈ تک بہت بڑے علاقے میں پھیل گئے تھے۔ یہ غالباً پانچویں صدی عیسوی اور دسویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔

سفید فام قوموں میں پرتگالی سب سے پہلے 1500 اور 1520 کے درمیان افریقہ کے مشرقی ساحل پر پہنچے تھے۔ اس وقت تک زمبابوے کی قدیم تہذیب کے آثار تو موجود تھے لیکن اس تہذیب کو جنم دینے والے غائب ہو چکے تھے۔ غالباً پانچ سال بعد یہاں کا شہنشاہ مونو موتاپا عیسائی بنا اور 1569 میں ایک فوجی مہم یہاں بھیجی گئی۔ 1830 میں جنوب میں بسے ہوئے بنتو نقل مکانی کر کے زمبابوے (رھوڈیشیا) میں آنے لگے۔ اس زمانے میں برطانیہ اور ڈچ شکاری، تاجر اور روزگار کے متلاشی جنوب سے آنے لگے اور ان کے جلو میں عیسائی پادری اور مشنری بھی یہاں پہنچے۔ جنوبی افریقہ میں اس وقت تک انگریز اور ڈچ اپنی کافی نوآبادیات قائم کر چکے تھے اور انگریز سیسل رھوڈس اب شمال میں برطانوی اقتدار کو وسعت دینے کی فکر میں تھا۔ اس وقت تک موزمبیق اور انگولا پر پرتگالیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور اب وہ دونوں کے درمیانی علاقے کو فتح کر کے ملا دینا چاہتے تھے۔

رھوڈس کے اصرار پر برطانوی حکومت نے 1889 میں برٹش ساؤتھ افریقہ کمپنی بنانے کی اجازت دی جس کا مقصد ریلوے لائن کو شمال میں وسعت دینا، شمال میں نوآبادکاری میں مدد دینا، تجارت کو فروغ دینا اور کچھ دھاتوں کی کان کنی کا حق حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ اس مقصد سے فوجی دستے شمال کی طرف بھیجے گئے اور انگریزوں نے اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ پرتگالیوں سے تھوڑی سی جھڑپ ہوئی لیکن آخر میں انھیں انگریزوں کی برتری ماننی پڑی۔ مقامی مزاحمتوں اور مخالفتوں کو فوجی طاقت سے کچل دیا گیا اور بڑے پیمانے پر آبادکاری شروع ہو گئی۔ مقامی آبادی کو زمین اور کانوں سے بے دخل کر دیا گیا اور انھیں غلاموں کی حیثیت دے دی گئی۔ سفید فام نوآبادکاروں کا شروع ہی سے یہ مطالبہ تھا کہ نظم و نسق میں انھیں بھی حصہ دیا جائے۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد رھوڈیشیا کو برطانوی حکومت کی نوآبادی (کالونی) بنا دیا گیا اور اندرونی معاملات میں مقامی سفید فاموں کو کافی نمائندگی دی گئی۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران زمبابوے (رھوڈیشیا) کی فوجی یونٹوں نے اتحادیوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا۔ 1953 تک جنوبی رھوڈیشیا میں سفید فاموں کی تعداد 157,000 تک پہنچ چکی تھی۔ شروع ہی سے سفید فاموں کی یہ پالیسی تھی کہ ساری معاشی، سیاسی اور انتظامی طاقت انھیں کے ہاتھ میں رہے۔ اس پالیسی پر ہر حکومت چلتی رہی۔

1953 میں برطانوی حکومت نے ملاوی (نیاسالینڈ)، شمالی زیمبیا (رھوڈیشیا) اور زمبابوے (جنوبی رھوڈیشیا) کا وفاق قائم کر دیا۔ لیکن ان تمام مقبوضات میں سیاہ فاموں میں قوم پرستی اور آزادی کی تحریک برابر بڑھتی گئی۔ چنانچہ 1963 میں اس وفاق کو توڑنا پڑا اور ایک سال بعد نیاسالینڈ اور شمالی رھوڈیشیا کو آزادی دینی پڑی۔ جنوبی رھوڈیشیا یا زمبابوے کی سفید فام اقلیتی حکومت نے مساوی حق رائے دہی ماننے اور سیاہ فاموں کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ 1965 میں آئن سمتھ کی سرکردگی میں زمبابوے کی سفید فام حکومت نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ جنوبی افریقہ اور پرتگال کے علاوہ کسی اور ملک نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ مجلس اقوامِ متحدہ نے سفید فام حکومت کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا لیکن برطانیہ، امریکہ، مغربی جرمنی وغیرہ کی مخالفت کی وجہ سے یہ کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ سیاہ فاموں کو مجبوراً مسلح جدوجہد کرنی پڑی۔

1969 میں رھوڈیشیا نے اعلان کیا کہ وہ 2 مارچ 1970 کو جمہوریت بن جائے گا۔ 1971 میں برطانیہ اور رھوڈیشیا کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رو سے افریقیوں کا سیاسی معاملات میں حصہ لینا بتدریج بڑھتا جائے گا۔ برطانیہ نے رھوڈیشیا کے اعلانِ آزادی کو تسلیم نہیں کیا۔ 1976 میں ملک کی حکومت نے پڑوسی ملکوں میں اکثریتوں کو حکومت بنانے کی اجازت کو مدنظر رکھتے ہوئے اعلان کیا کہ 1978 میں یہاں بھی اکثریت حکومت بنا سکے گی۔ لیکن سفید فام اقلیت سے ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد برابر جاری رہی۔ 1991 میں زمبابوے افریقن نیشنل یونین (زانو)، (Zimbabwe African National Union, ZANU) پارٹی نے کمیونسٹوں سے تعلق ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

زمین اور اس کے اہم طبقات: یہ زمین جس پر ہم آباد ہیں کئی پرتوں میں بانٹی جا سکتی ہے مثلاً زمین کے اوپر ہوا کا ایک کرہ ہے جس کو کرہ باد یا کرہ ہوا (Atmosphere) کہتے ہیں۔ یہ کرہ بھی زمین کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے اور اس طرح زمین ہی کا جزو ہے۔ زمین کی اوپری سطح پر وسیع سمندر پھیلے ہوئے ہیں یا پہاڑوں اور خشکی کے علاقے ہیں۔ اول الذکر کو کرہ آب (Hydrosphere) اور آخر الذکر کو کرہ سنگ (Lithosphere) کہتے ہیں۔ زمین کے اندرونی حصہ میں جہاں حجری مادہ نیم پگھلی حالت میں موجود ہوتا ہے، اس کو بیری کرہ (Barysphere) کہتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

زمین کی اوپری سطح سے لے کر اندرونی حصہ تک کی اگر ہم جانچ کریں تو اس کے مادہ کی طبعی خصوصیات میں نمایاں فرق پائیں گے۔ مثلاً زمین کی اوپری سطح پر پائے جانے والے حجرات کی کثافت اضافی 1.5 سے لے کر 3.4 کے درمیان ہوتی ہے۔ اس طرح سے اگر ہم اوپری پرت کی اوسط کثافت اضافی نکالیں تو وہ 2.7 ہوگی لیکن اگر ہم دنیا کے وزن کو اس کے حجم سے تقسیم کریں تو زمین کی اوسط کثافت اضافی 5.52 نکلتی ہے جو کہ زمین کی اوپری پرت کی کثافت اضافی سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ زمین کے اندرونی حصہ میں جو مادہ ہے وہ بہت وزنی ہے اور اس کی کثافت اضافی 12 سے بھی زائد ہے اور یہ لگ بھگ سیسہ کی کثافت اضافی کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ اس حقیقت کا پتہ لگایا گیا ہے کہ زلزلوں سے پیدا شدہ لہریں زمین کے اندرونی طبقات میں پہنچ کر مڑ جاتی ہیں یا منعطف ہو جاتی ہیں یہ صورت 5 کلومیٹر سے 70 کلومیٹر کی گہرائی میں پیدا ہوتی ہے۔ براعظمی علاقوں میں اس سطح کی گہرائی زیادہ اور سمندری علاقوں میں نسبتاً کم ہے۔ وہ سطح جہاں سے یہ لہریں مڑتی ہیں چیکو سلاویہ کے سائنسداں موہوروویک کے نام پر موہوروویک سطح غیر تواتر یا موہو سطح (Mohorovic Discontinuity or Moho) کہلاتی ہے۔ اسی طرح دو ہزار نو سو میٹر کی گہرائی پر زلزلوں سے پیدا شدہ طولی لہریں (Longitudinal Waves) نمایاں طور پر منعطف ہو جاتی ہیں اور عرضی لہریں (Transverse Waves) مدھم ہو جاتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس گہرائی پر مادہ کی طبعی خصوصیات میں نمایاں فرق ہے۔ زلزلوی لہروں کی تحقیقات اور کثافت اضافی میں فرق کی بنیاد پر زمین کو مندرجہ ذیل تین طبقوں میں بانٹا گیا ہے۔

(1) قشر ارضی یا اوپری پرت (Crust): یہ زمین کی اوپری حجری پرت ہے جو موہو سطح کے اوپر واقع ہے۔ اس پرت کی موٹائی براعظمی علاقوں میں عموماً 30 کلومیٹر سے 40 کلومیٹر تک ہے۔ اور پہاڑی علاقوں میں 70 کلومیٹر تک ہے۔ بحر اوقیانوس اور بحر الہند میں اس کی گہرائی 10 کلومیٹر سے 15 کلومیٹر تک ہے اور بحر الکاہل میں 5 کلومیٹر تک ہے۔ اس طبقہ کے اوپری حصہ میں گرینائیٹ، ریت پتھر، کوارٹزائیٹ وغیرہ قسم کے ہلکے حجرات ملتے ہیں جن میں سلیکا اور ایلومنیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اس تہہ کو سی آل (SIAL) کہتے ہیں۔ سی آل تہہ کے حجرات کی اوسط کثافت اضافی 2.7 ہے اور تہہ کی موٹائی 15 کلومیٹر سے 20 کلومیٹر تک ہے۔ اوپری پرت کی نچلی تہہ نسبتاً بھاری ہے اور اس میں سلیکا اور میگنیشیم خاص جزو ہیں۔ اس لیے اس نچلی تہہ کو سی ما (SIMA) کہتے ہیں جو سلیکا اور میگنیشیم کے پہلے حروف کا مخفف ہیں۔ اس تہہ میں قلوی قسم کے حجرات (Basic Rocks) زیادہ ہیں جیسے بیسالٹ (Basalt)۔ اس کے حجرات کی اوسط کثافت اضافی 2.95 ہے۔

(2) میانہ یا درمیانی پرت (Mantle): یہ طبقہ موہو سطح سے لے کر دو ہزار نو سو کلومیٹر کی گہرائی تک ہے۔ اس طبقہ کے اوپری حصہ میں کرومیم، لوہا، سلیکا اور میگنیشیم اہم جزو ہیں۔ اس لیے اس کو کروفیسما (CROFESIMA) کہتے ہیں۔ کروفیسما کی گہرائی 1250 کلومیٹر تک اور اس حصہ کی کثافت اضافی 4 سے 5 تک ہے۔ میانہ پرت کا جو حصہ کروفیسما کے نیچے ہے اس میں نکل کی موجودگی نمایاں ہے اس لیے اس تہہ کو نفیسما (NIFESIMA) کہتے ہیں۔ اس کی کثافت اضافی 5 سے 6 کے درمیان ہے۔

(3) اندرونی مرکزہ (Core): زمین کا یہ حصہ 2,900 کلومیٹر کی گہرائی سے لے کر زمین کے مرکز تک واقع ہے۔ پہلے یہ خیال تھا کہ اس حصہ میں نکل اور لوہے وغیرہ قسم کی بھاری دھاتیں ہیں اس لیے اس کو نیفے (NIFE) بھی کہتے ہیں۔ یعنی نکل اور لوہے کا کرہ۔ لیکن اب ماہرین کا خیال ہے کہ اس اندرونی مرکزہ میں جو مادہ ہے اس کی کیمیائی ترکیب سے زیادہ اس کی حالت یا نوعیت کی وجہ سے یہ بھاری پن ہے۔ چونکہ اندرون زمین دباؤ بہت زیادہ ہے اس لیے وہاں جو سلیکیٹ ہیں وہ دھات کی صورت میں ہیں اور اس وجہ سے اس مرکزہ کی کثافت اضافی 9.5 سے 14.5 کے درمیان ہے۔ اس کا درجہ حرارت 2700 ڈگری سینٹی گریڈ سے زاید ہے۔

زمین کی اوپری پرت یا قشر: زمین کا قشر یا اوپری پرت جسے انگریزی میں کرسٹ کہا جاتا ہے، سطح زمین سے موہوروویچک عدم تسلسل کی گہرائی تک موجود ہے۔ یہ سب سے نچلی اوپری پرت ہے جو براعظموں کے نیچے 35 کلومیٹر اور سمندروں کے نیچے صرف 10-12 کلومیٹر کی گہرائی تک موجود ہے۔ قشر یا اوپری پرت کو اس کے اجزائے ترکیبی کی بنا پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کرسٹ کی بالائی پرت کو سی آل کہتے ہیں۔ سی آل انگریزی کے مخفف (SIAL) پر مبنی ہے جس میں سلیکا (Silica) اور ایلومنیم (Aluminium) کثرت سے موجود ہیں۔ جبکہ قشر یا کرسٹ کی زیریں پرت کو سی ما (Sima) کہا جاتا ہے جو زیادہ کثیف اجزا ترکیبی یعنی سلیکا (Silica) اور میگنیشیم (Magnesium) پر مشتمل ہیں۔ سی آل براعظموں کے نیچے سی ما کے ساتھ موجود ہے جبکہ سمندروں کے نیچے صرف سی ما

موجود ہے دوسرے الفاظ میں سی آل سمندروں کے نیچے موجود نہیں۔

قشریا زمین کی اوپری پرت کی دو مختلف پرتوں کے بارے میں معلومات مختصراً درج ذیل ہیں۔

	سی آل	سی ما
(1) دبازت	10-12 کلو میٹر	15-20 کلو میٹر
(2) کثافت	2.7	2.95
(3) زلزلوی موجوں کی رفتار	ابتدائی موجیں 5.57 کلو میٹرفی سکنڈ	6-50 کلو میٹرفی سکنڈ
(4) حجرات	گرینائٹ	بیسالٹ
(5) موقوع پذیری	براعظموں کے نیچے	سمندروں کے نیچے

زمین کی ساخت (Structure of the Earth): علم ارضیات میں زمین کی اندرونی ساخت ایک بنیادی مسئلہ کی حامل ہے۔ سطح زمین سے اپنے مرکز یعنی 3,956.4 میل یا 6,371 کلو میٹر کی گہرائی تک زمین میں پائے جانے والے مادے کی نوعیت کیا ہے؟ زمین کے مختلف خواص کی بنیاد پر اس کے اندر ممکنہ طبعی حالات کی ایک صورت نظر آتی ہے۔ مگر وہ بھی بہر حال کچھ مشاہدوں اور تجربوں کے علاوہ بڑی حد تک مفروضات پر مبنی ہے۔

زمین کی کثافت اضافی 0.5 ہے۔ جبکہ زمین پر پائے جانے والے حجرات کی اوسط کثافت 2.7 ہے، اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ زمین کے اندر مادے کی کثافت میں مسلسل اضافہ ضروری ہے۔ چنانچہ زمین پر نازل ہونے والے زلزلوں کے نہایت تفصیلی جائزوں اور مطالعوں سے بھی، اس مفروضہ کو بڑی تقویت ملی ہے۔ زلزلیاتی جائزوں کی روشنی میں زمین کی ساخت کی شکل ذیل میں دی گئی ہے جو بڑی حد تک ماہرین ارضیات کے لیے قابل قبول ہے۔

زمین کے ممکنہ ساخت کے اس ماڈل میں زمین کی اندرونی ساخت کو تین منطقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (ا) قشر یا کرسٹ (Crust) یعنی اوپری پرت جو سطح زمین سے زیادہ سے زیادہ 35 کلو میٹر کی گہرائی تک چلی گئی ہے۔ (ب) میانہ یا مینٹل (Mantle) یعنی درمیانی دبیز پرت جو 35 کلو میٹر کی گہرائی سے تقریباً 2900 کلو میٹر کی گہرائی تک موجود ہے۔ (ج) مرکز یا کور (Core) یعنی اندرونی یا آخری مرکزی پرت جو 2900 کلو میٹر کی گہرائی سے مرکز زمین یعنی 3471 کلو میٹر دبیز پرت کی صورت میں موجود ہے۔

زمین کی سطح کا عدم استحکام: زمین کی سطح ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ اس میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کسی مقام پر اگر یہ ابھرتی ہے تو کسی دوسری جگہ دھنستی ہے۔ جہاں آج کل اونچے پہاڑ ہیں وہاں کسی وقت گہرے سمندر بھی تھے۔ زمین کی سطح میں یہ تبدیلی مختلف وجوہات کی بنا پر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی اگرچہ بہت آہستہ ہوتی ہے لیکن علم ارضیات کے ماہرین اس کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ بعض علاقوں میں یہ تبدیلی بہت نمایاں طور پر محسوس کی جاتی ہے۔ مثلاً خلیج نیپلس (Bay of Naples) کے ساحل پر واقع شہر نیر ولی پہلی صدی عیسوی میں دھنسنا شروع ہوا اور شہر کا ایک حصہ زیر آب ہو گیا۔ دسویں صدی عیسوی میں یہ حصہ پھر ابھرا اور پرانے کھنڈرات جو زیر آب ہو گئے تھے، سمندر میں نمودار ہو گئے۔ اسی طرح ناروے، سویڈن اور اٹلی کے ساحلوں کے اوپر اٹھنے کے ثبوت ملتے ہیں۔ اس کے برعکس جنوبی چین، آسٹریلیا اور شمالی افریقہ کے ساحلوں کی سطح نیچی ہو جانے کے ثبوت پائے جاتے ہیں۔ کوہستانی سلسلوں کی تشکیل بھی سطح زمین کی تبدیلی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے، اس بارے میں محققین کی آرا مختلف ہیں جو ذیل میں بیان کی گئی ہیں۔

(1) 1829 میں ایلی. ڈی. بیومونٹ (Elie de Beaumont) نے زمین کے سکڑنے کی تھیوری پیش کی۔ ان کے مطابق زمین شروع میں بہت گرم تھی آہستہ آہستہ جب یہ ٹھنڈی ہوتی گئی تو اس کی اوپری سطح میں سکڑن پیدا ہوئی جس کی وجہ سے کوہستانی سلسلے وجود میں آئے۔

(2) ارضی ہم میلان مفروضہ: ہاگ (Haug) اور جے. ڈی. ڈانا (J.D. Dana) وغیرہ کے خیال کے مطابق جب براعظم دھنستے ہیں تو ان کے درمیان میں واقع جیکتانیکی نشیب میں دباؤ واقع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہاں کے حجرات مڑ جاتے ہیں اور ان موڑوں کا جھکاؤ براعظمی علاقوں کی طرف ہوتا ہے۔

(3) انیسویں صدی کے اختتام پر کلیرینس (Clarence) اور ایڈورڈ ڈٹن (E. Dutton) وغیرہ نے ارضی توازن وہم آہنگی کی تھیوری (Theory of Isostasy) پیش کی۔ ان کے خیال کے مطابق زمین کی اوپری تہہ جو مختلف قسم کے حجرات پر مشتمل ہے ایک رقیق میگما (Magma) پر رکی ہوئی ہے۔ اپنی موٹائی اور بھاری پن کے اعتبار سے اس اوپری تہہ کے ٹکڑے میگما میں مختلف گہرائیوں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ تخریب کاری کی وجہ سے اونچے مقامات سے جو مٹی اور ریت وغیرہ نشیبی علاقوں میں آتی ہے، وہ اس توازن میں فرق پیدا کر دیتی ہے اور توازن برقرار رکھنے کے لیے جو علاقہ وزن میں بڑھ جاتا ہے وہ میگما میں مزید دھنس جاتا ہے اور ہلکے علاقے اوپر آ جاتے ہیں۔ یعنی سمندری علاقوں میں حجرات نیچے ہو

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جاتے ہیں اور کوہستانی علاقوں میں مزید بلند ہو جاتے ہیں۔

(4) ویگنر کا کلیہ یا ویگنری تھیوری (Wegener's Hypothesis):
الفریڈلوتھر ویگنر نے بیسالٹ کی تہہ پر گرینائٹ کے براعظموں کے کھسکنے کی تھیوری پیش کی۔ اس تھیوری کے مطابق زمین کے اوپر پہلے ایک پتلی گرینائٹ کی پرت بنی جو بعد میں سمٹ کر ایک بڑا براعظم بن گیا۔ بعد میں اس براعظم کے مزید ٹکڑے ہو گئے جو موجودہ براعظم اور جزائر ہیں۔ یہ براعظم جہاں بنے تھے اس مقام سے کھسک کر دوسری جگہ پہنچ گئے اور ابھی بھی براعظمی کھسکنا جاری ہے۔ اس طرح براعظم شمالی و جنوبی امریکہ، افریقہ اور یوروپ سے جدا ہوئے اور مغرب کی طرف کھسک گئے۔ درمیان میں بحر اوقیانوس وجود میں آیا اور امریکہ کے پہاڑ بنے۔ اسی طرح براعظم افریقہ، ایشیا سے جدا ہوا اور آسٹریلیا و انٹارکٹیکا بھی افریقہ سے الگ براعظم بنے۔ جزائر جاپان، ہوائی اور فلپائن کے جزائر خشکی کے وہ ٹکرے ہیں جو اس بڑے براعظم کے ٹوٹنے کے بعد زیادہ نہیں کھسک سکے وہ پیچھے رہ گئے۔ بہر حال اس تھیوری سے کچھ سائنسداں متفق نہیں ہیں جن میں سب سے زیادہ معترض روسی سائنسداں خصوصاً وی۔ بیلوسوف (V. Belousov) ہیں۔

(5) جان جالی (John Jolly) نے ایک دوسری تھیوری پیش کی ہے۔
ان کے خیال کے مطابق زمین کی سطح میں رد و بدل زمین کے اندر تابکاریت (Radioactivity) کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ویگنر کی طرح ان کا خیال ہے کہ زمین کی اوپری پرت جو گرینائٹ چٹانوں پر مشتمل ہے، ہلکی ہے۔ جو اس کے نیچے موجود بیسالٹ کی بھاری پرت پر تیرتی رہتی ہے۔ براعظموں کے ٹکرے اس بیسالٹ کی تہہ میں مختلف گہرائیوں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ براعظم اس وقت تک سکوت میں رہتے ہیں جب تک بیسالٹ کی تہہ سخت رہتی ہے۔ لیکن اندرون زمین تابکاری کی وجہ سے بیسالٹ کی تہہ گرم ہوتی رہتی ہے۔ جان جالی کے حساب سے چار ہزار آٹھ سو میٹر کی گہرائی کے نیچے تابکاری سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے وہ اس حرارت سے کہیں زیادہ ہے جو اشعاع (Radiation) کے ذریعہ ضائع ہوتی ہے اور تین سے پانچ کروڑ سال میں یہ حرارت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ بیسالٹ کی تہہ پگھل جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمین کی اوپری پرت ٹوٹ جاتی ہے اور سمندروں کی تہہ میں شگاف پڑ جاتے ہیں جن سے گرم لاوا یا میگما نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح بیسالٹ کی تہہ کا حجم بھی بڑھ جاتا ہے اور زمین کا حجم بھی۔ چونکہ حجم بڑھنے سے بیسالٹ کا وزن کافی کم ہو جاتا ہے اس لیے گرینائٹ کی تہہ بیسالٹ میں مزید ڈوب جاتی ہے اور سمندری علاقے وسیع تر ہو جاتے ہیں۔ بالآخر بیسالٹ کی یہ رقیق تہہ چاند اور سورج کی مدوجزری طاقت کی وجہ سے مغربی رخ پر کھسکنے لگتی ہے اور اس کے ساتھ اس کے اوپر کے براعظم بھی کھسکنے لگتے ہیں۔ بیسالٹ کی تہہ جب سمندری علاقوں کے نیچے پہنچتی ہے تو ٹھنڈی ہو کر سخت ہو جاتی ہے۔ اس کا حجم کم ہو جاتا ہے اور اس طرح زمین کا قطر بھی کم ہو جاتا ہے۔ براعظم اپنی پہلی اونچائی پر آجاتے ہیں اور سمندری علاقوں کی وسعت میں کمی آجاتی ہے۔ براعظموں کے کناروں پر کوہستانی سلسلے سمندری دباؤ کی وجہ سے بنتے ہیں اور اس طرح زمین کی اوپری پرت میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔

جان جالی کی تھیوری میں یہ نقص پایا گیا کہ ان کے مطابق کوہستانی سلسلوں کی تخلیق اور براعظموں کی تخلیق وقفوں وقفوں سے ہوئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس عمل میں تسلسل پایا جاتا ہے۔

(6) حال میں روس کے سائنسداں وی. بیلوسوف (V.Belousov) نے ایک دوسرے اصول کی بنیاد ڈالی جس کو ریڈیائی تبدیل مکانی کلیہ (Radiomigration Hypothesis) کہتے ہیں۔ ان کے مطابق زمین میں ریڈیائی مادہ غیر یکساں اور بدلتی ہوئی حالت میں رہتا ہے۔ تابکاری کی وجہ سے عمودی ٹکٹانک کا عمل ظہور میں آتا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق ہر ٹکٹانیکی ارضی دور میں گرینائیٹ مادہ چٹانوں میں داخل ہوتا ہے اور اس کا حجم بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان تابکار مادوں کی وجہ سے اندرون زمین غیر یکساں دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ جب ترشئی لاوا (گرینائیٹ) اوپر آتا ہے تو بھاری مادہ نیچے جاتا ہے اور قلوی لاوا (Basic Lava) اس میں داخل ہو جاتا ہے اور اس طرح زمین کی اوپری پرت بنتی ہے۔ بیلوسوف کے خیال کے مطابق زمین کی اوپری پرت میں مماسی (Tangential) ٹکٹانیک کے مقابلہ میں عمودی رخ پر ٹکٹانیکی رد و بدل زیادہ ہوتا ہے۔

زمین کی عمر: لارڈ کلوین نے 1883 میں زمین کی عمر 10 کروڑ سال بتائی۔ اور اس کا حساب انھوں نے زمین کی محوری گردش کی رفتار میں کمی کی بنیاد پر کیا۔ زمینی حرارت میں کمی کی بنیاد پر بھی انھوں نے زمین کی عمر کی پیائش کی اور اس کا تخمینہ کیا۔ 1900 میں جان جالی (سائنس داں) نے سمندروں میں پائی جانے والی نمک کی مقدار کو محسوب کرتے ہوئے بھی اسی مقدار عمر کا تعین کیا۔ لیکن تاب کاری کی دریافت اور حجرات اور زمین کے قشر میں تاب کار عناصر کی موجودگی نے زمین کی عمر پیمائی کو بہت آسان بنادیا۔ مغربی گرین لینڈ میں پائے جانے والے انتہائی پرانے حجرات انارتھوسائیٹ (Anorthosites) کی عمر 3 ہزار نو سو ملین سال (3 ارب 90 کروڑ سال) تخمینہ کی گئی ہے اس تخمینے میں 100 ملین سال (10 کروڑ سال) کی کمی بیشی ممکن ہے۔ اس کے علاوہ جست میں موجود تاب کار "ہم جا"

(Radioactive Isotopes) کی پیائش سے بھی زمین کی عمر 5 ہزار ملین تا 5 ہزار 4 سو ملین (5 ارب تا 5 ارب 40 کروڑ) سال محسوب کی گئی ہے۔ فلکیاتی مشاہدات سے نظام شمسی کی عمر 5 ہزار ملین تا 6 ہزار ملین سال محسوب کی گئی ہے۔ چاند سے لائے ہوئے قمری حجرات کے نمونوں کی پیائش سے ان کی عمر 4 ہزار 7 سو ملین (4 ارب 70 کروڑ سال) نکلتی ہے۔ اس طرح بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمین کی عمر 5 ارب سال ہوگی۔

زمین کی مرکزی پرت (Core): زمین کی مرکزی پرت یا کور یا مرکز کرہ زمین کا وہ اندرونی حصہ ہے جو گٹن برگ کی عدم تسلسل کی سطح یعنی 2900 کلو میٹر کی گہرائی سے زمین کے مرکز تک چلا گیا ہے۔ چونکہ اس آخری اور مرکزی پرت سے ثانوی زلزلوای موجیں یالہریں نہیں گزرتیں، اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ اس آخری پرت کا کچھ حصہ مائع حالت میں ہوگا۔ اس طرح مرکزی پرت کا بالائی حصہ 2900 کلو میٹر سے 5000 کلو میٹر کی گہرائی تک مائع حالت میں ہے، جبکہ اس کا زیریں اور آخری حصہ جو مرکز زمین سے وابستہ ہے یقین کیا جاتا ہے کہ ٹھوس ہوگا۔ زمین کی مرکزی پرت (کور) کی کثافت 9.5 سے 14.5 یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ مرکزی پرت کی ترکیب ماہیت کے بارے میں یہ نظریہ عام ہے کہ یہ نکل (Nickle) اور لوہے (Ferrous) سے مرکب ہوگا۔ چنانچہ اس کا انگریزی مخفف (NIFE) بھی کیا جاتا ہے۔ حساب لگایا گیا ہے کہ مرکزی پرت یعنی کور میں زبردست حرارت موجود ہے جہاں پر درجہ حرارت 2700°C (سینٹی گریڈ) سے بھی زیادہ ہوگا جبکہ دباؤ $3.5x10^6$ ہے۔

زمین کی مقناطیسی خصوصیات: ہم سب جانتے ہیں کہ قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال و جنوب کا رخ اختیار کرتی ہے۔ یہ صورت زمین کی مقناطیسی خصوصیت سے ہوتی ہے۔ یہ مقناطیسی خصوصیت دو طرح کی ہوتی ہیں۔ (1) مقناطیسی کجی (Magnetic Declination) اور (2) مقناطیسی جھکاؤ (Magnetic Inclination) ۔ مقناطیسی شمال و جنوب جغرافیائی شمال و جنوب سے قدرے مختلف ہوتے ہیں۔ ان دونوں رخوں میں جو فرق ہوتا ہے اس کو مقناطیسی کجی کہتے ہیں۔ قطب نما کی سوئی ہمیشہ مقناطیسی رخ کو ہی بتاتی ہے۔ اگر کسی مقام پر مقناطیسی شمال اور جغرافیائی شمال کا فرق معلوم ہو تو قطب نما سے جو رخ معلوم ہوگا اس سے جغرافیائی رخ معلوم کیا جاسکتا ہے۔ کسی نقشہ پر یکساں مقناطیسی کجی والے مقامات کو جس لائن کے ذریعہ ملاتے ہیں ان لائنوں کو ہم زاویہ خطوط (Isogons) کہتے ہیں۔ مقناطیسی جھکاؤ دراصل کسی مقام پر مقناطیسی سوئی کا وہاں پر جھکاؤ ہوتا ہے۔ جھکاؤ خط استوا کے شمال و جنوب میں بتدریج بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ قطبین پر مقناطیسی سوئی عمودی رخ پر ہو جاتی ہے۔ یعنی زاویہ قائمہ بناتی ہے۔

زمین کے خدوخال اور خواص:

(الف) خدو خال

	کلو میٹر	میل
(1) زمین کا استوائی نصف قطر	6,378.3	3,963.4
(2) زمین کا قطبی نصف قطر	6,356.9	3,956.9
(3) اوسط نصف قطر	6,371.0	3,956.4
	ملین مربع کلو میٹر	ملین مربع میل
(4) خشکی کا علاقہ (29.22%)	149	57.5
(5) بحری علاقہ (70.78%)	361	139.4
(6) جملہ سطحی علاقہ	510 ملین مربع کلو میٹر	196.9 ملین مربع میل
7۔ بلند ترین چوٹی (ماونٹ ایورسٹ)	8,848	29,528
8۔ اوسط بلندی	840	2,757
9۔ انتہائی گہرائی (میریانا ٹرینچ)	11,035	36,204
10۔ اوسط گہرائی	3,808	12,460

(ب) خواص

1۔ کمیت	$5.176x 10^{24}$ گرام
2۔ حجم	$10,83,230x10^6$ مکعب کلو میٹر
3۔ کثافت	5.517 گرام مکعب
4۔ کشش ثقل	98.183 سینٹی میٹر فی سکنڈ
5۔ نقصان حرارت	$1.25x10^{-6}$ حرارہ فی سکنڈ

زوجیلا: یہ ہمالیہ کے پہاڑی ضلع لداخ سے گزرنے والا اہم درہ 11,580 فٹ (3,529 میٹر) کی بلندی پر واقع ہے۔ وادیٔ کشمیر سے مشرق کی طرف لداخ کے شہر لیہ سے گزرنے والی اہم سڑک، جو تبت کو جاتی ہے، اسی درہ سے گزرتی ہے۔

زومبا: مملکت ملاوی کی راجدھانی اس کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ 1880 میں یہاں آکر بسنے والے انگریز کاشت کاروں نے اسے آباد کیا تھا۔ یہاں کپاس کافی اور تمباکو کی کاشت کی جاتی ہے۔ ان ہی اشیا کی تجارت کا یہ مرکز ہے۔ سطح مرتفع زومبا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کی اونچائی تقریباً سات ہزار فیٹ ہے۔ یہ شہر ایک گرمائی تفریح گاہ بھی ہے۔ سنہ 1971 میں اس کی آبادی 6,600 تھی۔

زیرگی کی تحقیقات (Palynology): بیج دار پودوں کے زیرے (Pollen) اور دوسرے پودوں کے تخموں یا بر زوں (Spores) کا علم جو چاہے دور حیات میں موجود ہوں یا رکازی حالت میں، اس میں ان زیروں اور بر زوں کا انتشار (Dispersal) اور علم قدیم ماحولیات (Palaecology) اور طبقات نگاری (Sratigraphy) میں ان کے مصرف کا مطالعہ بھی شامل ہے۔

زیگراز: یہ جنوب مغربی ایران میں شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف پھیلا ہوا پہاڑی سلسلہ سروان ندی سے شیراز تک 550 میل کی دوری میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کی کئی چوٹیاں، جو بارہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہیں، مستقلاً برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ ان میں تیز رفتار بہاؤ کی ندیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ بلندیوں میں کئی درّے ہیں جن کے ذریعہ پہاڑوں سے گھرے ہوئے، انگور کی فصلیں اگانے والے، میدانوں تک بآسانی پہنچا جا سکتا ہے۔

زیمبیا (Zambia): انگریزوں کی محکومی کے زمانے میں اس کا نام شمالی رھوڈیشیا تھا۔ اب یہ جمہوریہ زیمبیا ہے۔ جنوب میں دریائے زیمبزی اسے زمبابوے (جنوبی رھوڈیشیا) سے الگ کرتی ہے۔ اس کے جنوب میں بوتسوانا، زمبابوے اور نامیبیا، مشرق میں موزمبیق اور ملاوی، شمال میں تنزانیہ اور زائرے اور مغرب میں انگولا واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 752,618 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 8,780,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام لوساکا (Lusaka) ہے۔ عام زبان بنتو ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں میں انگریزی بھی رائج ہے۔ آبادی کی بڑی اکثریت قدیم افریقی عقائد کی پیرو ہے۔ کئی بڑے بڑے دریا مثلاً زیمبزی، کافوے، لوانگوا، چمازی وغیرہ یہاں سے گزرتے ہیں۔ کئی جھیلیں بھی واقع ہیں۔ اکثر علاقے بلند ہیں جہاں جنگلات پائے جاتے ہیں۔ کاشت کے قابل کافی وسیع علاقے ہیں لیکن ایک قسم کی مکھی کی وجہ سے بڑے علاقے پر کاشت ممکن نہیں ہے۔ بقیہ رقبہ میں مکئی، گیہوں، تمباکو، کافی، روئی اور تیل کے بیجوں کی کاشت ہوتی ہے۔ نارنگیوں کے باغات بھی ہیں۔ مویشی اور سور بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔

رائج سکہ کواچا (Kwacha) ہے۔ درآمدات زیادہ تر برطانیہ، جاپان، ایران، جنوبی افریقہ، مغربی جرمنی، اٹلی اور فرانس سے آتی ہیں۔ اور برآمدات برطانیہ، جاپان، اٹلی، مغربی جرمنی اور فرانس کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 93 فی صدی تانبہ ہے۔ 2,197 کلو میٹر لمبی ریلوے لائنیں ہیں۔ ان کے علاوہ 25 ہزار کلو میٹر لمبی سڑکیں ہیں۔

صنعتوں میں سب سے اہم تانبہ کی صنعت ہے۔ کوئلہ بھی نکالا جاتا ہے۔ تھوڑی سی مقدار میں شیشہ اور جست بھی نکالا جاتا ہے۔

1990 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں 1,461,206 طالب علم اور 27,302 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 140,743 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 7,361 طالب علم تھے۔

تاریخ: زیمبیا کی پرانی تاریخ کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ اٹھارھویں اور شروع انیسویں صدی میں چند پرتگالی مہم جو (کھوج کار) اس علاقے تک گئے تھے اور ان کے روزنامچوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقے میں افریقیوں کی ایک بہت بڑی سلطنت قائم تھی۔ بعد میں جو مہم جو 1851 میں یہاں پہنچے انھوں نے آبشار وکٹوریہ کا پتہ لگایا۔

زیمبیا کی آبادی کا بڑا حصہ بنتو قبیلے کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ 1700 میں اس علاقے میں داخل ہو کر قابض ہو گئے لیکن اس کے بارے میں تاریخی معلومات بہت کم ملتی ہیں۔ شروع انیسویں صدی میں عربوں نے بھی شمال سے اس علاقے پر حملہ کیا تھا۔ دوسرے حملہ آور قبیلوں میں سے لوزی بہت کامیاب رہا۔ ان کے سردار لیوانیکا نے 1891 میں انگریزوں سے مدد مانگی اور اس کے عوض انگریز تاجروں کو تجارت اور کان کنی کی مراعات دے دی گئیں۔ 1899 میں برٹش ساؤتھ افریقہ کمپنی نے مغربی اور شمال مغربی علاقے کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ 1911 میں ان دونوں علاقوں کو ملا کر شمالی رھوڈیشیا (موجودہ زیمبیا) کا نام دے دیا گیا۔ 1924 میں برطانوی حکومت نے شمالی رھوڈیشیا کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

1953 میں شمالی اور جنوبی رھوڈیشیا (زمبابوے) اور نیاسالینڈ (ملاوی) کا ایک وفاق قائم کر دیا گیا۔ اس وفاق سے اس علاقے نے بڑی ترقی کی۔ لیکن اس ترقی کے حق دار صرف سفید فام لوگ تھے۔ تمام زمینیں اور کانیں انھیں کی تھیں۔ نظم و نسق کی ہر منزل پر باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ دوسرے مقبوضات کی طرح افریقی باشندوں کی حیثیت غلاموں سے بہتر نہ تھی۔ چنانچہ افریقی باشندوں میں اس کے خلاف سخت ہیجان رہا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد آزادی کی تحریک اپنے عروج پر پہنچی اور برطانیہ کو وسطی افریقہ کے اس وفاق کو توڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ 1964 میں نیاسالینڈ، ملاوی کے نام سے اور شمالی رھوڈیشیا، زیمبیا کے نام سے آزاد مملکتیں بن گئیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کاؤنڈا زیمبیا کا پہلا صدر منتخب ہوا۔ کاؤنڈا 1968 اور 1973 میں دوبارہ صدر منتخب ہوا۔ جنوبی رھوڈیشیا پر سفید فام اقلیت کی حکومت مسلط رہی جس کے خلاف طویل جنگ جاری رہی۔ اب جنوبی رھوڈیشیا زمبابوے کے نام کی آزاد حکومت ہے۔ آزادی کے بعد زیمبیا دولت مشترکہ، مجلس اقوام متحدہ اور افریقی اتحاد کی تنظیم کا ممبر بن گیا اور غیر جانب دار ملکوں کی برادری میں شریک ہو گیا۔ انگولا اور موزمبیق کی جنگِ آزادی اور زمبابوے (جنوبی رھوڈیشیا) کی سفید فام حکومت کے خاتمے کی جدوجہد میں زیمبیا نے اہم رول ادا کیا۔

یوروپی اثر کو کم کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ بنکوں، کانوں اور صنعتوں میں سرکاری حصہ 51 فی صدی سے زیادہ کر دیا گیا ہے۔ زیمبیا نے بھی برطانیہ کے ساتھ رھوڈیشیا کے خلاف پابندیوں میں شرکت کی۔ اس عمل سے زیمبیا کو کافی نقصان پہنچا۔ اس کے تانبہ کی پیداوار 1965 کے پیمانے کی سطح پر 1969 تک بھی نہیں پہنچ سکی۔ 1968 میں کاؤنڈا پھر الیکشن میں امیدوار رہا۔ 1991 میں کاؤنڈا کی پارٹی کو ہرا کر فریڈرک چلوبا صدر بن گیا۔

زینوفن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

زینولیتھ یا اجنبی حجر (Xenolith): کسی آتشی حجر میں پہلے سے موجود حجرات یا اسی علاقے کے قدیم حجرات کے کسی ٹکڑے کا شمولہ (Inclusion) اجنبی حجر کہلاتا ہے۔ یہ اجنبی حجر یا تو کسی مقامی حجر کا ٹکڑا ہو سکتا ہے جس میں آتشی حجر متداخل ہوتے ہیں یا اسی آتشی جسم کا ایسا حصہ ہو سکتا ہے جو پہلے ہی منجمد اور قلم پذیر ہو چکا ہو اور جس کی ترکیب مختلف ہو (دیکھیے میگما اور میگمائی تفریق (Magma and Magnetic Differentiation)۔

زیورچ (زیورخ) (Zurich): شمال مشرقی سوئٹزرلینڈ کا ایک ضلع ہے۔ اس کا رقبہ 1,729 مربع کلومیٹر (668 مربع میل) ہے۔ اس میں کئی دریائی وادیاں رہائن (Rhine) کی طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے درمیان شمال مغرب سے جنوب مشرق کی سمت میں پہاڑی سلسلوں کا پھیلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ اس ضلع میں زراعت اور صنعت کی کافی ترقی ہوئی ہے۔ ریلوں کے پرزے بنانے کے کارخانے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ضلع کی آبادی 1,107,788 ہے۔ ضلع کے شمالی حصہ میں اسی نام کے صدر مقام سے مختلف سمتوں میں ریلیں پھیلا دی گئی ہیں۔ پاس ہی ایک جھیل بھی اسی نام سے موسوم کی گئی ہے۔

زیورچ (زیورخ) جھیل: وسطی یورپ کے ملک سوئٹزرلینڈ کی یہ ایک چھوٹی سی جھیل ہے جو اس ملک کے شمال مشرقی علاقہ میں واقع ہے۔ اس جھیل کا زیادہ حصہ شہر زیورچ میں ہے۔ یہ جھیل 25 میل لمبی ہے۔ چوڑائی کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے۔ رقبہ صرف 34 مربع میل ہے۔

س

سابر متی (ندی): یہ ندی میواڑ کی پہاڑیوں میں تندئی کنڈ سے نکلی ہے۔ اس مقام کا نام سابر ہے۔ جب یہ ندی ہتھ متی سے ملتی ہے تو اس کا نام سابر متی ہو جاتا ہے۔ شہر کھمبات، سابر متی اور مہی کے دہانوں پر واقع ہے۔ سابر متی کے کنارے "سابر متی آشرم" واقع ہے جہاں مہاتما گاندھی نے آزادی کی لڑائی کے لیے اہنسا کی فوج تیار کی تھی۔

سابر متی: گجرات کے احمد آباد ضلع میں ایک گاؤں ہے جو سابر متی ندی کے کنارے احمد آباد سے پانچ میل دور شمال میں واقع ہے۔ یہاں کا آشرم "مہاتما گاندھی آشرم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقام سے گاندھی جی ہندوستان کی آزادی کے مرحلوں کی ہدایات دیا کرتے تھے۔ گاندھی جی نے جس مکان کو آشرم بنایا تھا اس کے اطراف "گاندھی سمارک ندھی" نے ایک عمارت تعمیر کی ہے جس میں ایک کتب خانہ ہے۔ اس عمارت کا نقشہ ایک فرانسیسی آرکیٹکٹ نے تیار کیا تھا۔ یہاں ہریجنوں کے لیے ٹیچرس ٹریننگ اسکول واقع ہے۔ کتب خانہ میں آزادی کے مرحلوں سے متعلق اور دیگر جدید کتابیں بھی ہیں۔

ساحل یا بیچ: بحری رووں کی بنائی ہوئی ایسی ڈھلوان زمین جو حد ود مد و جزر کے درمیان پھیلی رہتی ہے، ساحل کہلاتی ہے۔ اس پر ریت، سنگ ریزوں یا کیچڑ کے جماؤ دکھائی دیتے ہیں۔ قشری ابھار کے باعث ساحلی علاقہ بلند ہو جائے تو اوپر اٹھا ہوا حصہ ساحلی میدان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ساحلی زمین بار بار ابھرے تو کناروں کی یکے بعد دیگرے اوپر اٹھی ہوئی پٹیوں سے زینہ نما ساحل تیار ہو جاتا ہے۔

ساحلی حجر (Beach Rock): نامیاتی ملبے (Debris) کے کیلشیم کاربونیٹ کے ذریعے بستہ ہو کر بننے والا حجر جس میں دورنی ذرات اور چٹانی ٹکڑے بھی اکثر شامل ہوتے ہیں۔ محض بین مدو جزری (Inter Tidal) علاقوں میں بنتا ہے۔ اس کو ساحلی ریت پتھر بھی کہا جاتا ہے۔

ساحلی کسپ: یہ سمندر سے ملے ہوئے علاقہ پر ریت، سنگ ریزوں اور دیگر چٹانی ٹکڑوں کا ہلکا سا ابھار ہے۔

ساختیاتی ارضیات: یہ ارضیات کا ایک ایسا شعبہ ہے جس میں زمین کے قشر یا کرسٹ پر پائے جانے والے حجرات یا چٹانوں کی ساخت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ حجرات میں پائے جانے والی اہم ساختوں میں فولڈ، گسل یا اختلال، عدم تطابق اور حجراتی جوڑ، حجراتی درازیں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

زمین کی ارضیاتی تاریخ کا مطالعہ بڑی حد تک حجرات کی ساخت اور ان میں تبدیلیوں کے مطالعہ کی بنیاد پر ہی کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دھاتی، لودھاتی اور ایندھن جیسے پٹرولیم اور کوئلے کے ذخائر کی تلاش میں ساختیاتی ارضیات زبردست اہمیت کی حامل ہے۔

سادہ پیمانہ: دیکھیے خطی پیمانہ

سادہ ظل استوائی: اس پر بہت عام نقشے بنتے ہیں اور ان میں صرف استوائی علاقوں کی شکلیں اور رقبے قدرے درست ہوتے ہیں۔ اس کا جال تیار کرتے وقت کرہ ارض کا مناسب نصف قطر (R) فرض کرکے 2^R سے محیط معلوم کر لیا جاتا ہے۔ اس کے مساوی لمبائی کا افقی خط اب استوائی پھیلاؤ کو دکھاتا ہے۔ اس کی نصف لمبائی کا خط "دی" اس کے وسطی نقطہ "ج" سے اس طرح عموداً گزرے کہ اس کا نصف حصہ اوپر اور نصف نیچے رہے تو یہ وسطی صفر درجہ کے طول البلد (خط گرینچ) کو ظاہر کرے گا۔ دیگر خطوط عرض البلد و طول البلد تیس تیس درجہ کے وقفہ سے بنانے ہوں تو خط استوا کو بارہ مساوی حصوں میں اور وسطی طول البلد کو چھ مساوی حصوں میں تقسیم کر دیں۔ استوائی نقاط تقسیم سے گزارتے ہوئے وسطی طول البلد کے مساوی و متوازی خطوط بنا دیں تو مطلوبہ طول البلد بن جائیں گے۔ وسطی طول البلد کے نقاط تقسیم سے گزارتے ہوئے خط استوا کے مساوی و متوازی خطوط بنا دیں

تو مطلوبہ عرض البلد بن جائیں گے۔

اس کے جال میں خط استوا اور وسطی طول البلد کے پیمانے درست رہتے ہیں لیکن قطبین کی جانب عرض البلدی پھیلاؤ میں مبالغہ یا بالفاظ دیگر طول البلد کے درمیانی فاصلہ میں مستقل اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

سادہ ظل مخروطی: یہ درمیانی عرض البلد کے علاقوں کی نقشہ کشی کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور دو قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا یک معیاری عرض البلد والا، دوسرا دو معیاری عرض البلد والا۔

سادہ ظل مخروطی (Simple Conical Projection): یہ درمیانی عرض البلد کے علاقوں کی نقشہ کشی کے لیے اختیار کی جاتی ہے اور دو قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی یک معیاری عرض البلد والی دوسری دو معیاری عرض البلد والی ظل مخروطی۔

(1) یک معیاری عرض البلد والی سادہ ظل مخروطی: اس کے ذریعہ بطور مثال 30° سے 70° شمالی عرض البلد تک پھیلے ہوئے علاقے کا جال بنانا ہو تو اس کا وسطی 50° کا عرض البلد معیاری سمجھا جائے گا۔ ابتدا میں کرہ ارض کو کسی مناسب نصف قطر (مثلاً 2 سم) کے دائرہ سے دکھا کر مرکزی زاویہ "د م ب" 50° کا بنا لیا جائے گا۔ طول البلدی اور عرض البلدی وقفہ 10° رکھنا ہو تو زاویہ "و م س" 10° کا بنادیں گے۔ قوس "و س" کے مساوی نصف قطر سے "م" کو مرکز مان کر ایک ربع دائرہ بنالیں گے۔ یہ "م ب" کو "ع" پر قطع کرے تو خط "ع ق" دائرہ کے نصف قطر کے متوازی بنادیں گے۔ خط "ع ق" 50° کے عرض البلد پر دس دس درجہ کے طول البلدی وقفہ کو ظاہر کرے گا۔ "ب د" نقطہ "ب" پر دائرہ کا مماس بنایا جائے گا۔ یہ خارج شدہ قطبی قطر سے کسی نقطہ "د" پر ملے گا۔

سادہ ظل مخروطی (ایک عرض البلد والا)
(Simple Conical Projection)
with One Standard Parallel

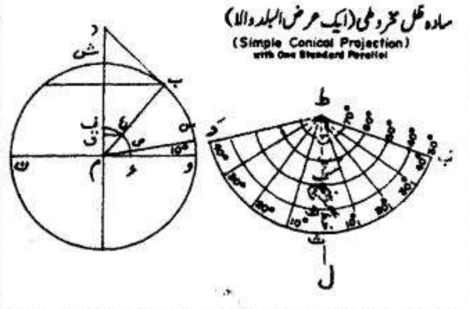

اس شکل کی مدد سے جال بناتے وقت خط "ط ل" کو وسطی طول البلد سمجھا جائے گا۔ "ط" کو مرکز مان کر "د ب" کے مساوی نصف قطر پر قوس بنادیں تو 50° کا معیاری عرض البلد بن جائے گا اور وسطی طول البلد کو کسی نقطہ "ک" پر قطع کرے گا۔ اس کے شمال اور جنوب میں "م ع" کے مساوی حسب ضرورت فاصلے قطع کرلیے جائیں گے۔ "ط" کو مرکز مانتے ہوئے نقاط تقسیم سے گزرنے والے ہم مرکزی قوس بنادیں گے تو دیگر عرض البلد بن جائیں گے۔ "ک" کے مشرق اور مغرب میں معیاری طول البلد پر حسب ضرورت "م ع" کے مساوی فاصلے قطع کرکے نقاط تقسیم "ط" سے ملانے والے خطوط مستقیم کو نیچے بڑھادیں تو مطلوبہ طول البلد بن جائیں گے۔

اس طرح کے مخروطی جال میں طول البلد کے پیمانے ہر جگہ درست رہیں گے، معیاری عرض البلد کا پیمانہ بھی صحیح ہوگا، لیکن اس کے شمال و جنوب کے عرض البلد پر پیمانہ میں مبالغہ ہو جائے گا، اس لیے شمالاً جنوباً کم پھیلاؤ کے علاقے جو شرقاً غرباً کتنے ہی پھیلے رہیں کافی صحت سے ظاہر ہو جائیں گے۔

(1) دو معیاری عرض البلد والی سادہ ظل مخروطی: یہ ایک معیاری عرض البلد کی ظل سے بہتر مانی گئی ہے۔ اس کا جال بناتے وقت ایک عرض البلد (مثلاً 40° شمالی) نقشہ کشی کے علاقہ کے جنوبی حصہ کے وسط سے اور دوسرا مثلاً (70° شمالی) شمالی حصہ کے وسط سے معیاری منتخب کرکے ایک معیاری عرض البلد کے طرح دائرہ میں ضروری عمل کرلیا جائے گا۔

بعد ازاں کسی علیحدہ مستقیم "گ ف" میں فاصلہ "ب و" دونوں معیاری دوائر عرض البلد کے درمیان کے قوس کا فاصلہ کے مساوی لے لیں گے اور "ب، ا" پر بالترتیب "ب ن" اور "ا ل" کے مساوی عمود کھڑے کردیں گے۔ "ب ا" کو جوڑنے والا خط خارج شدہ "ف گ" سے کسی نقطہ "س" پر ملے گا۔ یہ دونوں معیاری عرض البلدوں کا مشترک مرکز ہوگا۔ "ا ب" کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کرکے دس دس درجہ کے وقفے قائم کردیں گے۔ انہی کے مساوی شمال و جنوب میں بھی فاصلے لے لیں گے۔

اب ایک علیحدہ مرکز "ظ" سے "س گ، س ا، س ث، س ب، س و" نصف قطر کے ہم مرکزی قوس بنادیں تو مطلوبہ عرض البلد ظاہر ہو جائیں گے۔ انہیں درمیان میں عموداً قطع کرتا ہوا خط "ظ ی" وسطی طول البلد ہوگا۔ 40°، 70° کے عرض البلد پر حسب ضرورت "ب ن، ا ل" کے مساوی فاصلے قطع کرکے نقاط تقسیم کو بالترتیب جوڑنے والے خطوط دونوں طرف پھیلا دیں تو مطلوبہ طول البلد بن جائیں گے۔

اس عمل پر شرقاً غرباً زیادہ پھیلاؤ اور شمالاً جنوباً کم پھیلاؤ کے علاقے بہتر طریقے سے پیش ہوں گے۔

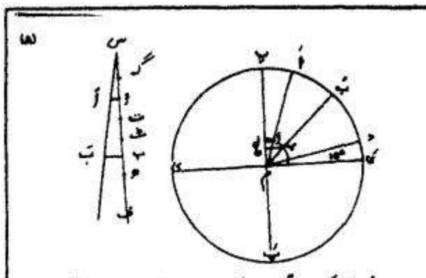

دو معیاری عرض البلد کی سادہ شکل مخروطی (Simple Conical Projection) with Two Standard Parallel

دو معیاری عرض البلد کی سادہ شکل مخروطی
(B)
(Simple Conical Projection)
with Two Standard Parallel

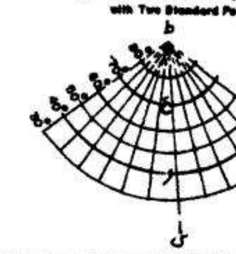

سالٹ رینج: یہ علاقہ پاکستان میں واقع ہے۔ پاکستان کو یہیں سے نمک حاصل ہوتا ہے۔ سالٹ رینج سے خاصی مقدار میں کیمیائی اجزا بھی دستیاب ہوتے ہیں اور آتشی مٹی بھی زیادہ مقدار میں ملتی ہے۔ یہاں میگنامیٹ اور پوٹاشیم بھی ملتا ہے۔

سالٹ سینٹ میری نہر: اسے نہر شو یا سُو کینال بھی کہتے ہیں۔ یہ جھیل سپیریئر اور جھیل ہیورون کو ملاتی ہے۔ یہ آبی نظام دو نہروں پر مشتمل ہے، 1. ریاست ہائے متحدہ شپ کینال اور 2. کینیڈین شپ کینال۔ یو. ایس. اے. کینال 1855 میں تعمیر کی گئی تھی جو دو نہروں میں منقسم ہو گئی ہے۔ شمالی نہر اور جنوبی نہر، دوسری کینیڈین کینال کی تعمیر 1895 میں ہوئی۔ یہ نہر 138 میل لمبی، 150 فٹ چوڑی اور 22 فٹ گہری ہے۔ ان تمام نہروں کی سطح نیچی ہے۔ اس لیے پانچ بندوں کے ذریعہ مصنوعی طور پر ان کے پانی کی سطح کو بلند کر کے قابل جہاز رانی بنا لیا گیا ہے۔

سالومن جزائر (Solomon Islands): یہ جزائر دولتِ مشترکہ کے رکن ہیں۔ نیو گنی کے مشرق میں واقع ہیں۔ رقبہ 40,150 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 350,000 ہے۔ یہ کئی جزائر کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے انتہائی شمال کے دو جزیرے آسٹریلیا کی تولیت میں ہیں۔ ان جزیروں کا سلسلہ 1,448 کلو میٹر (900 میل) تک چلا گیا ہے۔

یہاں سے بڑے پیمانے پر ساگوان لکڑی، ناریل اور مچھلی جاپان اور یوروپ کے کئی ملکوں کو بھیجی جاتی ہے۔

ان جزائر میں آبادی بہت کم ہے۔ یہ زیادہ تر پہاڑی ہیں اور بڑے بڑے جنگل پائے جاتے ہیں۔ ان کی معاشی ترقی پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔

ان جزائر کو 1567 میں ایک ہسپانوی مہم جو نے دریافت کیا تھا۔ لیکن یہاں بسنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ یوروپی آبادکار اٹھارہویں صدی سے یہاں آنا شروع ہوئے۔ 1885 میں جرمنوں نے مشرقی سالومن جزائر کو اپنا مقبوضہ قرار دے دیا۔ جنوبی جزائر 1893 میں برطانیہ کے تحت آئے۔ بعد میں ان میں مشرقی سالومن جزائر بھی شریک کر لیے گئے۔ 1900 میں جرمنی نے سوائے دو جزائر بوگن ویل اور بوکا کے باقی سب برطانیہ کے حوالے کر دیئے۔ یہ دو جزائر پہلی عالم گیر جنگ کے بعد مجلسِ اقوام متحدہ نے آسٹریلیا کی تولیت میں دے دیئے۔ 1942 میں دوسری عالم گیر جنگ کے دوران گوادل کنال اور تین دوسرے جزیروں پر جاپان نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن 1943 میں امریکہ نے یہ ان سے چھین لیے۔

1976 میں انھیں خود مختاری مل گئی اور 1978 میں یہ آزاد ہو گئے۔

سالوین: ایشیا کا یہ دریا تبت کی سطح مرتفع سے نکل کر چین کے صوبہ ینان (Yunnan) میں مشرق کی طرف بہنے کے بعد جنوبی رخ اختیار کر لیتا ہے۔ "24 شمالی عرض البلد کے جنوب میں یہ میانمار (برما) میں داخل ہوتا ہے۔ اپنے زیریں بہاؤ میں یہ تقریباً 80 میل تک میانمار (برما) اور تھائی لینڈ کی سرحدوں پر بہتا ہے۔ اس کی لمبائی 2,414 کلو میٹر (1,500 میل) ہے۔ اپنے بالائی بہاؤ میں تقریباً 600 میل تک یہ میکانگ کے متوازی بہتا ہے۔

سامبھر جھیل: راجستھان کے سامبھر علاقہ میں ناگور، جے پور اور اجمیر ضلعوں کے حصے واقع ہیں۔ سامبھر جھیل کا مشرقی علاقہ مسطح اور زرخیز ہے۔ اس جھیل سے نمک حاصل کیا جاتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ساموا جزائر (Samoa Islands): جنوبی بحرالکاہل میں آتش فشانی جزائر کا یہ مجموعہ ہونولولو اور سڈنی (آسٹریلیا) کے درمیان 560 کلو میٹر تک کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے دس بڑے جزیروں پر آبادی ہے بقیہ کئی جزیرے غیر آباد ہیں۔ زیادہ تر بڑے جزائر پہاڑی اور آتش فشانی ہیں۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ موسم معتدل رہتا ہے۔ یہ جزائر اکثر سمندری طوفانوں کی زد میں رہتے ہیں۔

سب سے پہلے ان جزیروں میں ڈچ لوگ 1722 میں پہنچے۔ 1899 میں برطانیہ، امریکہ اور جرمنی میں یہ معاہدہ ہوا کہ یہ جزیرے غیر جانب دار رہیں گے۔ لیکن 1899 میں جرمنی اور برطانیہ نے 70° مغربی طول البلد کے مشرق کے تمام جزیرے امریکہ کو دے دیئے اور اس کے مغرب کے جزیرے جرمنی کو مل گئے۔ پہلی جنگِ عظیم میں جرمنی کو شکست ہوئی۔ اس کے مقبوضہ تمام جزیرے 1920 میں مجلسِ اقوام متحدہ نے نیوزی لینڈ کی تولیت میں دے دیے اور 1946 میں مجلسِ اقوام متحدہ نے اپنی تولیت میں لے کر نیوزی لینڈ کے حوالے کئے۔ مغربی ساموا کے جزیروں کو جنوری 1962 میں آزادی مل گئی۔ جزائر ساموا کا رقبہ 2,831 مربع کلو میٹر ہے۔ اس کی آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 169,000 ہے۔

مغربی ساموا: رقبہ 2,842 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1990 میں 186,000 تھی۔ ان جزائر میں ناریل، کوکو اور کیلے پیدا ہوتے ہیں جو برآمد کئے جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں اچھی سڑکیں بن گئی ہیں۔ جزائر فجی کے لیے باقاعدگی سے سمندری جہاز جاتے ہیں اور امریکی ساموا کے ساتھ ہوائی ربط قائم ہے۔ نیوزی لینڈ اب بھی اس کی معاشی مدد کرتا ہے اور اس پر اس کا خاصہ اثر ہے۔ ویسے تو یہاں پارلیمانی حکومت ہے لیکن صدر کو کافی اختیارات حاصل ہیں جو ساموا کے شاہی خاندان سے ہے۔

امریکی ساموا: جزائر ساموا کے بقیہ حصہ پر امریکہ کا کنٹرول ہے۔ یہ نیوزی لینڈ کے شمالی حصے سے 2,560 کلو میٹر (1,600 میل) شمال مشرق کی جانب واقع ہے۔ اس کا رقبہ 197 مربع کلو میٹر اور آبادی 29,200 ہے۔ صدر مقام پیگو پیگو ہے۔ یہاں ٹیونا مچھلیاں پکڑنے اور انھیں ڈبوں میں بند کرنے کی صنعت واقع ہے اور اس کا 90 فی صدی امریکہ کو جاتا ہے۔ یہاں کیلے، ارا روٹ، سنگترے، پپیتا (پپئی) وغیرہ بھی پیدا ہوتے ہیں جو مقامی طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ آبادی پالینیشین لوگوں کی ہے جو امریکی باشندے تصور کئے جاتے ہیں اور زمین پر انھیں کی ملکیت ہے۔ 1991 سے یہاں کا نظم و نسق امریکی وزیر داخلہ کے تحت ہے۔ امریکی صدر، امریکی کانگریس کی منظوری سے یہاں کے لیے گورنر مقرر کرتا ہے۔ ایک منتخب اسمبلی بھی ہے لیکن اس کی حیثیت صرف مشاورتی ہے۔

سان جواں ڈے ڈیل سُر (S. Juan del Sur): یہ بندرگاہ نکاراگوا کے جنوب مغرب میں بحرالکاہل کے کنارے واقع ہے۔ کسی زمانے میں یہاں سے کیلیفورنیا کے سونے کی کانوں پر نرغہ ڈالا جاتا تھا۔ یہاں سے ریلوے لائن ریواس (Rivas) کو جاتی ہے۔ اس بندرگاہ سے شکر اور کوکو برآمد کی جاتی ہے۔

سان فرانسسکو: امریکہ کا یہ ایک مشہور شہر، کیلیفورنیا کے مغرب میں بحرالکاہل اور خلیج فرانسسکو کے درمیان واقع ہے۔ ایک اونچی پہاڑی پر ہونے سے یہ ایک خوبصورت اور دلفریب شہر بن گیا ہے۔ اپنی قدرتی خوبصورتی اور معتدل آب و ہوا کی وجہ سے یہ ایک بہترین رہائشی شہر ہے۔ پہاڑیوں کے اطراف سمندر نے اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ فرانسسکو کی معیشت کا انحصار یہاں کی صنعت اور تجارت پر ہے۔ مغربی ساحل کی زراعتی اور معدنیاتی اشیا کا بازار ہے۔ رسل و رسائل اور مالیہ نیز انشیورنس کا مرکز ہے۔ سان فرانسسکو امریکہ کے مغربی ساحل کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ مشرقی ہوائی اور الاسکا وغیرہ کے ساتھ تجارت کا بڑا مرکز ہے۔ یہاں کی صنعتوں میں غذائی اشیا کا تیار کرنا، جہاز سازی، پٹرولیم صاف کرنا، دھاتی اور کیمیائی اشیا کی صنعتیں شامل ہیں۔ امریکہ کے مغربی ساحل کے علاقہ کا یہ سب سے بڑا ثقافتی مرکز ہے۔ یہاں تعلیمی ادارے، تھیٹر، اشاعتی کاروبار اور موسیقی کی تنظیمیں ہیں۔ مشہور سیاح فرانسس ڈریک نے اپنے دنیا کے بحری سفر کے دوران 1579 میں خلیج سان فرانسس کے علاقہ میں قیام کیا تھا، لیکن اس شہر کی بنیاد 1776 میں ہسپانیوں نے ڈالی۔ جنگ میکسیکو شروع ہونے تک اس کی حیثیت ایک گاؤں کی سی تھا۔ 1846 میں یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ایک جزو بنا۔ پناما نہر بننے سے یہاں کی تجارت اور صنعتوں میں زبردست ترقی ہوئی۔ 1939-40 تک یہاں کئی صنعتیں قائم ہو چکی تھیں اور امریکہ کے مغربی ساحل کا یہ ایک بڑا شہر بن چکا تھا۔ سنہ 1971 میں اس کی آبادی 740,316 تھی۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران اسی بندرگاہ سے رسدات بھیجی جاتی تھیں۔ 1945 کا اقوام متحدہ کا چارٹر یہیں تیار ہوا اور 1951 میں جاپان سے امن کا معاہدہ بھی یہیں طے پایا۔ یہاں کے چائنا ٹاؤن میں مشرقی طرز تعمیر کی عمارتیں ہیں۔ مختلف نوعیت کے میوزیم، سان فرانسسکو اسٹیٹ کالج، یونیورسٹی آف سان فرانسسکو، سان فرانسسکو کالج برائے اناث (مستورات)، میڈیکل کالج، کیلی فورنیا یونیورسٹی کے کئی کالج اور جونیئر کالج بھی یہاں ہیں۔

سان مارینو (San Marino): یورپ کا ایک چھوٹا لیکن آزاد جمہوریہ ہے جو بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل کے قریب اٹلی کے اندر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 62 مربع کلو میٹر (24 مربع میل) ہے اور 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 23,200 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر سان مارینو ہے۔ جس کی 1988 میں تخمینًا آبادی 4,140 تھی۔ پولیس اور جج وغیرہ اٹلی سے لیے جاتے ہیں۔ اطالوی لیرا رائج سکہ ہے۔ سیاحی سب سے بڑا کاروبار ہے۔ سالانہ 24 لاکھ سے زیادہ سیاح آتے ہیں۔

سان میرینو (San Marino): 1. وسطی اٹلی کے مشرقی حصہ میں ساحل ایڈریاٹک (Adriatic) کے قریب موئلی ٹیٹانو (Moili Titano) کی ڈھلان پر دنیا کا سب سے چھوٹا آزاد جمہوریہ ہے۔ اسی نام کا صدر مقام بھی ہے جو سیاحت کا بڑا مرکز ہے۔ موئلی ٹیٹانو کے مغربی پہلو پر واقع ہے۔ اس جمہوریہ کا رقبہ صرف 61 مربع کلو میٹر (33.5 مربع میل) ہے۔ مرانو (Marano) اور آسا (Ausa) ندیاں اس میں بہنے کے بعد بحیرہ ایڈریاٹک میں داخل ہو جاتی ہیں۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ موسم گرما کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 79° (ف) اور سرما کا کم سے کم درجہ حرارت 19° (ف) رہتا ہے۔ سال میں "21 سے "32 تک بارش ہوتی ہے۔ 1991 میں آبادی تقریباً 23,000 تھی۔

2. ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جنوب مغربی کیلی فورنیا کا ایک شہر ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 14,177 تھی۔

سانچی: یہ مدھیہ پردیش (ہندوستان) کا ایک گاؤں ہے جو بھوپال سے شمال مشرقی جانب چھبیس میل دور واقع ہے۔ یہ بیٹوا ندی سے قریب ہے۔ یہ مقام ایک سطح تین سو فیٹ اونچی ریت پتھر والی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ گاؤں بدھ مذہب کی کئی یادگاروں کے لیے شہرت کا حامل ہے۔ ان میں سے اہم اشوکا دور کا بڑا استوپ (Stupa) ہے۔ یہاں کی دیگر عمارتوں کے دروازوں پر بدھا کی زندگی کے حالات دکھائے گئے ہیں۔ سانچی تین سوق م اور بارہویں صدی عیسوی کے دوران بدھ مذہب کا اہم مرکز رہا تھا۔

ساوکن: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ساؤ توے اور پرنسپے (Sao Tome and Principe): ایک آزاد افریقی جمہوریہ ہے جو دو بڑے اور تین چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ خطِ استوا پر خلیج گنی میں واقع ہے۔ رقبہ 964 مربع کلو میٹر (372 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 124,000 ہے۔ سرکاری زبان پرتگالی ہے۔ عام مذہب رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔ کوکو، ناریل اور پام کی کاشت ہوتی ہے۔ برآمد کا 87 فیصدی کوکو ہے۔

ساؤتوے ایک عرصے تک پرتگال کے زیرِ اثر رہا۔ 1470 میں پرتگالیوں نے اس کا پتہ لگایا تھا۔ 1641 سے تقریباً 300 سال تک یہ ڈچ لوگوں کے قبضے میں رہا اور 1740 سے اس پر پرتگال کا قبضہ رہا۔ 12 جولائی 1975 کو ایک طویل جدوجہد کے بعد اسے آزادی ملی۔

1990 میں رائے شماری نے ملک کی واحد حکومت کرنے والی پارٹی کو ختم کر دیا اور نیا آئین بنایا گیا۔ 1991 میں میگل ٹرووادا صدر منتخب ہوا۔

ساؤٹوم پرنسپی (Sao Tome Principe): افریقہ کے مغربی ساحل کے مقابل خلیج گنی (Guinea) میں پرتگیزیوں کے اقتدار کا ایک چھوٹا علاقہ ہے جو ساؤٹوم اور پرنسپی جزائر پر مشتمل ہے۔ اس کا رقبہ 964 مربع کلو میٹر (372 مربع میل) ہے۔ دونوں جزیروں کے وسطی حصوں میں آتش فشانی بلندیاں دکھائی دیتی ہیں جو ساڑھے چھ ہزار فٹ سے زائد بلند ہیں۔ اس ملک کا ساؤٹوم صدر مقام ہے۔ سنہ 1991 میں دونوں جزائر کی آبادی 124,000 تھی۔

ساؤفرانسسکو: یہ مشرقی برازیل کی ایک ندی ہے اور ریاست میناس جیریز میں سیرا ڈاکیناسٹرا سے نکلتی ہے۔ شمال مشرق کی جانب جاکر بحر اوقیانوس میں گرتی ہے۔ اس کے راستے میں کئی آبشار ہیں۔ سمندر سے اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ سمندر سے تقریباً 190 میل کے فاصلہ پر اس کا مشہور آبشار پاؤلوافانسو ہے۔

ساؤپاولو: برازیل کی ریاست ساؤپاولو کا یہ صدر مقام ہے جو برازیل کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ سنہ 1976 میں اس کی آبادی 7,198,600 تھی۔ یہ انتہائی عصری شہر ہے۔ یہاں سربفلک عمارتیں، وسیع محلات اور بہت بڑے پارک سطح مرتفع پر واقع ہیں جو 2,700 فٹ بلند ہے۔ یہ برازیل کا تجارتی اور صنعتی مرکز اور جنوبی امریکہ ایک اہم شہر ہے۔ اس کے بندگارہ 'سان توس' سے زراعتی سامان برآمد کیا جاتا ہے۔ یہاں کی صنعتوں میں گاڑیاں، بھاری مشینری، کپڑا، برقی آلات اور ادویات شامل ہیں۔ یہاں کا ایرپورٹ دنیا کے مصروف ترین ہوائی اڈوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک اہم ثقافتی، سائنسی اور ادبی مرکز بھی ہے۔ یہاں تین یونیورسٹیاں، کئی ٹکنیکی اور فنی اسکول واقع ہیں۔ ان میں سے ایک میں سانپ کے زہر کا تریاق بنایا

Digitized by commissionededwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

جاتا ہے۔ آرٹ میوزیم کافی مشہور ہے۔

اس شہر کی بنیاد سنہ 1554 میں رکھی گئی تھی جب ہسپانیہ کے چند سفید فام لوگ ایک قدیم انڈین قصبہ میں آکر بسے۔ سنہ 1681 میں یہ اطراف کے علاقہ کا مرکز بن گیا اور اس کے بعد مسلسل ترقی کرتا رہا۔

سائنائٹ (Syenite): درمیانی آتشی حجر (درمیانی سے مراد ترشی اور اساسی کے مابین) جو موٹے دانہ دار قلموں پر مشتمل ہوتا ہے اور جس میں قلوی فیلسپار (Alkali Felspar) یا / اور فلسپتھائڈ (Felspathoid) جمادات ہوتے ہیں ان میں کوارٹز بھی برائے نام موجود ہو سکتا ہے مگر قلوی سائنائٹ میں کوارٹز کی بجائے نفلین (Nephline) وغیرہ زیادہ مقدار میں ہوتا ہے۔ عام طور پر سائنائٹ میں سوڈیم اور پوٹاشیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ کوارٹز کے اضافے کے ساتھ یہ حجر گرینائٹ (Granite) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لبراڈرائٹ پلیجیو کلیز (Labradorite Plagioclase) اور اولوین کی موجودگی کی وجہ سے قلوی گیبرو (Alkali Gabbro) میں اگر پلیجیو کلیز آلیگو کلیز (Oligoclase) یا انڈیسین (Andesine) ہوں تو یہ حجر مونزونائٹ (Monzonite) کہلاتی ہے۔

سائنائٹ کا آتش فشانی یا برکانی بدل ٹریکائٹ حجر ہے، جس میں یہی جمادات باریک دانے دار بافت کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ یہ اکثر مدور مرکبوں (Ring Complexes) کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔

سائیکلو تھم (Cyclothem): دوری (Cyclic) یا تال دار (Rhythmic) رسوبیت کی ایک اکائی۔ تال دار رسوبیت میں ایک ہی ترتیب بار بار واقع ہوتی ہے)۔ اس طرح دوری رسوبیت کی ترتیب خواہ وہ کئی زمانوں میں یا ایک ہی دور میں جمع ہوں، تال دار رسوبیت کی ترتیب (Rhythmic) میں صرف ا، ب، ج، د، اکائی ایک ہی دور کی ہوگی۔ کئی دوروں کا ایک دور میگا سائیکلو تھم (Mega Cyclothem) کہلاتا ہے۔ اور میگا سائیکلو تھم کی ایک ترتیب ہائپر سائیکلو تھم (Hyper Cyclothem) کہلاتی ہے۔

دورے عام طور پر ناقیام پذیر (Unstable) شیلف (Shelf) یا بین طاسی (Inter Basinal) حالات میں بنتے ہیں۔ خصوصاً تہوں میں باری باری سے بحری پیش روی (Transgression) اور بحری واپسی واقع ہوتی ہے۔ عام طور پر غیر سمندری رسوب یا براعظمی رسوب دور کے نچلے نصف میں اور سمندری رسوب اوپری نصف میں پائے جاتے ہیں مگر اسے کوئی کلیہ اور قاعدہ نہیں سمجھا جانا چاہیے۔

سائلوریَن (Silurian): یہ دور 435 ملین سال قبل شروع ہو کر 295 ملین سال قبل تک جاری رہا ہے اور قدیم حیاتی عہد میں آرٹاویشین (Ortavician) سے اوپر اور ڈوونین سے نیچے اسی دور میں ابتدائی قدیم حیاتی عہد کے رسوبی کاس (Basin) مکمل طور پر بھر گئے تھے۔ ارضی ہم میلان یا کاسوں (Geosyncline) کے گرد پہاڑ سر بلند ہوئے اور دانہ دار (Clastic) رسوب پلیٹ فارم اور کم تر ارضی کاس میں جمع ہونے لگے اس دور کے اختتام کے قریب حجراتی ساخت میں تبدیلی اور بگاڑ (Deformation) اور کلیا بدلیت بھی عمل میں آئی۔

اس میں سب سے پہلے خشکی کے پودے ارتقاپذیر ہوئے۔ بریکیوپوڈس (Brachiopods) کے تمام قبیلے اور ٹرائلو بائٹ (Trilobite) کثیر تعداد میں رہے۔ کچھ علاقوں میں گریپٹولائٹس (Graptolite) معدوم (Extinct) ہو گئے مگر بعض جگہوں میں شروع ڈوونین تک جاری رہے۔ اس دور میں پہلی بار جبڑے والی مچھلیاں پیدا ہوئیں۔ آب و ہوا سرد رہی۔

سبری: گوداوری کی معاون ندی ہے جو مشرقی گھاٹ سے نکلتی ہے۔ یہ مشرق میں بستر اور جے پور کے درمیان سرحد کا کام کرتی ہے۔

ستلج: پنجاب کی پانچوں ندیوں میں ستلج سب سے بڑی ندی ہے جس کی لمبائی 300 کلو میٹر ہے۔ یہ ہمالیہ کے سلسلہ زنسکر سے نکلی ہے۔ تبت سے بہتے ہوئے ہندوستان میں جنوب مغرب کی جانب بہتی ہے۔ اسی سے سرہند نہر نکالی گئی ہے۔ بھاکرا کا مشہور ڈیم اسی ندی پر بنایا گیا ہے۔ سندھ اور ستلج کے دو آبے میں ہی ابتدائی آریائی تہذیب کی بنیاد پڑی تھی۔

ستونی ساخت (Columnar Structure): عام طور پر لاووں (Lavas) کے بہاؤ (Flows) میں پائی جانے والی ساخت، جو اکثر سل (Sill) میں بھی ہوتی ہے اور کبھی کبھی سدّ یا پشتہ یا ڈائک (Dyke) میں بھی جن کی ترکیب بیسالٹ یا ڈولورائٹ (Dolerite) کی سی ہو۔ یہ ساخت دراصل میگمائی مادرا کے ٹھوس بننے کے دوران قاشیدگی (Jointing) کے باعث پیدا ہوتی ہے اور بیسالٹی جسم (Body) کے اوپری اور نچلے حصے کے درمیان اور ان سطحوں پر عمود اور قریب قریب شش پہلو (کبھی کبھی پنج پہلو یا ہفت پہلو بھی) ستونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

ستھور ڈیم: تامل ناڈو میں ایک ذخیرہ آب ہے جو کہ آبپاشی کے لیے، بجلی پیدا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کرنے کے لیے اور مختلف دوسرے کاموں کی انجام دہی کے لیے کام آتا ہے۔ یہ ہمہ جہتی کار آمد ہونے کے سبب ریاست کے فلاح و بہبودی کے کام آتا ہے۔

سخالین: روس کا یہ جزیرہ آبنائے تاتار اور بحیرۂ او کھٹسک کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ وسط انیسویں صدی سے روس اور جاپان میں اس کے قبضہ کے تعلق سے جھگڑے ہوتے رہے ہیں۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سنہ 1945 سے اس پر روسیوں کا مکمل اقتدار قائم ہو گیا۔ شمالاً جنوباً اس کی لمبائی 589 میل ہے۔ چوڑائی تقریباً 100 میل ہے۔ رقبہ 29,500 مربع میل ہے۔ بیشتر حصہ پہاڑی ہے۔ سنہ 1970 میں اس کی آبادی 600,000 تھی۔ کیورائل جزائر کے ساتھ مل کر یہ روس کا ایک انتظامی صوبہ بن گیا ہے۔

سڈنی: دولت مشترکہ آسٹریلیا کی ریاست نیو ساؤتھ ویلز کا یہ دارالحکومت اور آسٹریلیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کے میٹروپولٹین علاقے کی آبادی سنہ 1976 میں 3,021,000 تھی۔ یہ ایک اہم صنعتی مرکز ہے۔ یہاں کپڑے کے کارخانے، موٹروں کے پلانٹ، تیل صاف کرنے کے کارخانے اور کیمیائی اشیا بنانے کے پلانٹ ہیں۔ اس کے بندرگاہ سے بڑی مقداروں میں غلہ، کوئلہ اور لکڑی جہازوں میں لادی جاتی ہے۔ اس شہر کی بنیاد 1788 میں رکھی گئی تھی جب برطانیہ سے سنگین جرائم کے مجرم یہاں لاکر رکھے گئے۔ ماضی میں اس کو بانٹی بے کالونی کہا جاتا تھا۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران، یہ اتحادیوں کی بری اور بحری افواج کا مستقر تھا۔ یہاں سڈنی یونیورسٹی ہے جو 1852 میں قائم کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں کئی کالج ہیں اور گرجا گھر بھی ہیں۔ 1830 میں یہاں ایک میوزیم قائم کیا گیا تھا اور 1904 میں نیشنل گیلری بنائی گئی۔ ان کے علاوہ کئی گرجا بھی ہیں۔

سر خلیج ساحل: خلیج کے بالائی حصہ سے ملا ہوا قوس نما ساحلی علاقہ سر خلیج کہلاتا ہے۔ یہاں ساحل کے دیگر علاقوں کے مقابلہ میں موجوں کا تخریبی عمل سست رفتار سے ہوتا ہے۔ اس سے لگے ہوئے براعظمی حاشیہ کا ڈھال تدریجی ہو تو موجوں کے تعمیری عمل کی رفتار خاصی تیز ہو جاتی ہے۔

سراون بیلگولا: کرناٹک کے ضلع حسن میں سراون بیلگولا زائرین کا ایک متبرک مقام ہے۔ جہاں ایک شاندار یک سنگی ستون میں شری گومیشور کی مورتی کھڑی ہوئی ہے، جس کی اونچائی 17 میٹر ہے۔ اس عظیم مورتی کو 25 کلومیٹر کے فاصلے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان جین بزرگ کی ایک ہزار سال سے زیادہ مدت سے پرستش ہوتی ہے اس لیے یہ جینیوں کا نہایت ہی مقدس سیاحت کا مرکز ہے۔

سر جان راس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

سر جان فرینکلن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

سرد معتدل بحری آب و ہوا یا مغربی یورپ کا بارانی خطہ: اس خطہ کے بیشتر علاقے شمال مغربی اور وسطی یورپ، منچوریا، برٹش کولمبیا، شمال مغربی ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی چلی، تسمانیہ اور جنوبی نیوزی لینڈ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان علاقوں میں مرطوب مغربی ہوائیں مستقل طور پر چلتی ہیں اور سال بھر تھوڑی تھوڑی بارش برساتی رہتی ہیں۔ سمندر کی قربت کے سبب یہاں تفاوت حرارت زیادہ نہیں ہوتا۔ مغربی ہوائیں اپنے ساتھ سیکلونوں (بادگولوں) اور مخالف سیکلونوں (بادگولوں) کو اڑاتی رہتی ہیں۔ موسمی حالات ان کے بہاؤ سے کافی متاثر ہوتے ہیں۔ مختلف علاقوں کے محل وقوع اور طبعی حالات کے اختلافات کا درجہ حرارت اور بارش کی تقسیم پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ شمال مغربی یورپ میں شمالی اوقیانوس کی گرم بحری رو کے اثر سے سرد ترین مہینہ کا اوسط درجہ حرارت 40°F سے کم نہیں ہوتا۔ لیکن وسطی یورپ میں اسی زمانہ کا درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی کم ہو جاتا ہے۔ بحیثیت مجموعی اس خطہ کا موسم گرما کا اوسط درجہ حرارت 65°F رہتا ہے۔ ساحلی علاقوں پر بارش زیادہ اور اندرونی حصوں میں کم ہوتی ہے۔

نباتات میں چوڑے پتوں کے درخت اہمیت رکھتے ہیں۔ اوک، ایلم اور میپل کے درختوں سے قیمتی لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ کولمبیا کے بلند علاقوں میں مخروطی درخت اور تسمانیہ میں یوکلپٹس کے درخت ملتے ہیں۔ پت جھڑ بالعموم موسم سرما میں ہوتا ہے۔ معتدل، صحت بخش آب و ہوا نے تہذیب و تمدن کے ارتقا میں سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔

سردھنہ: اتر پردیش کے ضلع میرٹھ میں ایک قصبہ ہے جو میرٹھ شہر سے 12 میل دور گنگا نہر کے بالائی شمال مغربی حصہ میں واقع ہے۔ یہاں ایک محل ہے جہاں کشمیر کی رقاصہ سمرو، جو لکسمبرگ کے بالٹر رمھارٹ (Halter Remharder) کی بیوی تھی، اور رمھارٹ خود یہاں مقیم تھے۔

سرسوتی: (1). سرسوتی ندی کا منبع کوہ ہمالیہ میں واقع ہے۔ یہ ریگستان میں غائب ہو کر ماؤنٹ آبو کے قریب ظہور میں آتی ہے اور پھر کچھ کے ریگستان میں غائب ہو جاتی ہے۔

(2). یہ پوشیدہ ندی کی صورت میں الہ آباد کے قریب گنگا اور جمنا سے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جاملتی ہے۔

سرکار شمالی: یہ ریاست آندھرا پردیش کے آٹھ مشرقی اضلاع، سریکاکلم، وشھاکاپٹنم، مشرقی گوداوری، مغربی گوداوری، پرکاشم، کرشنا، گنٹور اور نیلور پر مشتمل علاقہ ہے۔ ان تمام اضلاع میں مشرقی گھاٹ کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ ان کا ساحل ریتیلا ہے۔ دریائے گوداوری اور اس کے معاون اسے سیراب کرتے ہیں جس کی وجہ سے پورا علاقہ نہایت زرخیز ہے۔ یہاں چاول، پٹ سن، روئی، تمباکو، وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

سُرما: سُرما ندی منی پور اور کچھار کی پہاڑیوں سے نکلی ہے۔ ضلع کچھار سے جب یہ مغربی جانب مڑ جاتی ہے تو جنوب سے آئی ہوئی دھانشیری، گھاگرا اور سونا اور شمال سے نکلی ہوئی جیری اور دوسری ندیاں باراک میں مل جاتی ہیں۔ یہ سب ملی ہوئی ندیاں ہی سُرما کہلاتی ہیں۔ کچھار سے ہوتی ہوئی یہ ندی ضلع سلہٹ میں بنگلہ دیش کو چلی گئی ہے جہاں برہم پترا سے اس کا سنگم ہوا ہے۔

سرناتھ: اترپردیش میں آثار قدیمہ کے لحاظ سے قدیم جگہ ہے۔ یہ ضلع وارانسی میں شہر وارانسی سے چار میل دور شمال میں واقع ہے۔ زمانہ قدیم سے سرناتھ بدھ مت کے ان آٹھ مقاموں میں سے ایک ہے جن کو بدھ مت کی عبادت گاہیں مانا جاتا ہے۔ بدھا نے بودھ گیا میں نور وحدانیت حاصل ہونے کے بعد اپنے مذہب کا یہیں سے پرچار کیا۔ یہاں بدھا کے آثار اور کشان دور کی مذہبی تربیت گاہیں ہیں جن کو افغان محمد غوری نے تباہ کر دیا تھا۔ ایک تربیت گاہ میں بدھا کے آثار باقی ہیں۔

سری سیلم پراجکٹ: دریائے کرشنا پر 100.6 میٹر اونچا بندھ ضلع کرنول میں مشہور سری سیلم مندر کے قریب بنایا گیا ہے۔ اس اسکیم میں ایک پاور ہاؤس شامل ہے جس کے 7 یونٹ میں سے ہر یونٹ 110 میگاواٹ کی قوت کا ہے۔

سری رنگاپٹنم: یہ شہر میسور (کرناٹک) سے 15 کلومیٹر کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے۔ اٹھارہویں صدی میں حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کی سلطنت کا یہ پایۂ تخت تھا۔ یہاں ٹیپو سلطان کی بنائی ہوئی شاندار اور فلک بوس میناروں کی مسجد، دریا دولت باغ، ٹیپو سلطان کا موسم گرما کا محل اور گنبدوں کا علاقہ جس میں ٹیپو اور ان کے والدین کے مقبرے ہیں، دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

سری سیلم: ریاست آندھرا پردیش میں سری سیلم بھگوان ملک ارجن سوامی کے مندر کے لیے مشہور ہے جو ضلع کرنول کے نندی کوٹکور تعلقہ میں نلامائی کی پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس مندر کا حوالہ مشہور رزمیہ مہابھارت اور پرانوں میں بھی ملتا ہے۔

سری لنکا (Sri Lanka): سری لنکا جس کا پرانا نام سیلون ہے۔ یہ جنوب مشرقی ایشیا کا بحرالہند میں ایک جزیرہ ہے، جس کا رقبہ 65,610 مربع کلو میٹر (25,322 مربع میل) ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 17,540,000 ہے۔ اس میں 60 فیصدی بدھ سنہالی، 23 فیصدی ہندو تامل اور 8 فیصدی آبادی میں مسلم، مور (Moor) اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔ سری لنکا بحیثیت ایک آزاد مملکت دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا رکن ہے۔ اس کا صدر مقام کولمبو ہے۔ یہ جزیرہ 225 کلو میٹر (141 میل) چوڑا اور 435 کلو میٹر (270 میل) لمبا ہے۔ اس کے شمال کا نوکیلا حصہ بے شمار چھوٹے چھوٹے جزیروں کے ذریعے جنوبی ہند سے تقریباً ملا ہوا ہے۔ ان جزیروں کا سلسلہ ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان لگ بھگ 32 کلو میٹر (بیس میل) تک چلا گیا ہے۔ اور یہ تقریباً ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں کسی زمانے میں ایک خاکنائے تھا اور روایت یہ ہے کہ رامائن کے ہیرو رام چندر جی نے سری لنکا پر حملہ کرنے کے لیے اس پر ایک سیتو بند (پل) بنوایا تھا۔

سری لنکا کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر زراعت پر ہے۔ بلند علاقوں میں چائے اور ربر کی کاشت کی جاتی ہے اور ساحلی میدانوں میں ناریل کے درخت اگائے جاتے ہیں۔ چاول، میوے اور سبزیاں مقامی ضروریات کی حد تک پیدا کی جاتی ہیں۔ صنعتی پیداوار میں کپڑا اور سیمنٹ اور دیگر چھوٹی اشیا قابل ذکر ہیں۔ یہاں کے تیز رو دریاؤں میں بجلی پیدا کرنے کے کافی امکانات موجود ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں بیرونی امداد سے بجلی پیدا کرنے کے لیے مختلف منصوبے زیر تکمیل ہیں۔ درآمدی اور برآمدی تجارت کا بڑا مرکز بندرگاہ کولمبو ہے جو اندرونی طور پر ریلوں اور سڑکوں سے مربوط ہے۔ درآمدات کا 44 فیصدی چائے، 18 فیصدی ربر اور 8 فیصدی ناریل اور اس کی بنی چیزیں ہیں۔ برآمدات زیادہ تر چین، جاپان، پاکستان، برطانیہ اور عراق کو بھیجی جاتی ہیں اور درآمدات بھی چین، جاپان، پاکستان، سعودی عرب، جرمنی، فرانس اور تھائی لینڈ سے آتی ہیں۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 2,112,723 طالب علم، ثانوی مدراس میں 1,088,089 طالب علم اور حرفی اسکولوں میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

4,778 نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 38,424 طالب علم تھے۔

تاریخ: اس وقت جو لوگ ویدا (Veddas) کہلاتے ہیں ان کے آباواجداد غالباً سری لنکا کے قدیم ترین باشندے ہوں گے۔ یہ اب دور دراز کی پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً 3000 ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں ان پر سنہالی لوگوں نے، جو اصل میں ہندوستان سے آئے تھے، غلبہ حاصل کیا تھا۔ ہندوستان کی شہرہ آفاق رزمیہ رامائن میں لنکا کی تسخیر کا تذکرہ ملتا ہے۔ سری لنکا کے وقائع "مہاوسا" میں پہلے سنہالی راجا وجے کی 463ق۔م۔ میں آمد کا ذکر موجود ہے۔ سنہالی سری لنکا کے شمال میں بس گئے اور وہاں انھوں نے آب پاشی کا ایک وسیع نظام رائج کیا۔ انورادھاپور میں انھوں نے اپنی راجدھانی قائم کی اور تیسری صدی ق.م. میں بدھ مت کی اشاعت کے بعد یہ مقام بدھ مذہب کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ یہاں پر پیپل کے اس درخت کی ایک شاخ بھی لگائی گئی جس کے نیچے بیٹھ کر گوتم بدھ نے عرفان حاصل کیا تھا۔ انورادھاپور کے علاوہ سری لنکا میں بدھ مت کے اور بھی مقدس مقامات ہیں۔ بدھ مت کی وجہ سے سری لنکا میں فنون لطیفہ کو فروغ حاصل ہوا۔ چوتھی صدی سے چھٹی صدی کا دور اس کا سب سے روشن دور تھا۔ جنوبی ہندوستان میں سری لنکا کی قربت کی وجہ سے اسے متعدد تامل حملوں کا شکار ہونا پڑا۔ ابتدائی گیارھویں صدی میں۔ جنوبی ہند کے چولا راجاؤں نے انورادھا کو فتح کیا اور پلونارو (Pollonarrua) کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ پھر سنہالیوں نے دوبارہ اقتدار حاصل کرلیا۔ تاہم بارھویں صدی میں سری لنکا کے شمالی علاقے میں ایک تامل ریاست برسر اقتدار آگئی اور سنہالیوں کو جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ بارھویں اور تیرھویں صدی میں سری لنکا کے گرم مصالحوں (مسالوں) کے حصول کی غرض سے عرب تاجروں کی آمد ورفت شروع ہوئی۔ ان کے آباؤاجداد موری مسلمان تھے۔ سولھویں صدی کے ابتدائی دور میں پرتگالیوں نے سری لنکا کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کرلیا اور رومن کیتھولک مذہب کی داغ بیل ڈالی۔ وسط سترھویں صدی تک پرتگالیوں کے مقبوضات اور یہاں کی منافع بخش گرم مصالحوں کی تجارت پر ولندیزیوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ 1795 میں ولندیزی مقبوضات پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا اور 1798 میں سری لنکا کو ایک شاہی نوآبادی کی حیثیت دے دی۔ 1815 میں وسطی علاقہ جو اس سے قبل کینڈی کے زیر اقتدار تھا فتح کرلیا گیا اور اس طرح سارے سری لنکا میں پہلی مرتبہ ایک مرکزی حکومت قائم کی گئی۔

برطانوی دور میں چائے، کافی اور ربر کی پیداوار کو ترقی دی گئی اور مدارس کے علاوہ ایک یونیورسٹی بھی قائم کی گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران سری لنکا کی آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔ 1931 میں ایک دستور نافذ کیا گیا جس کی رو سے سری لنکا کے باشندوں کو بالغ رائے دہی کا عام حق عطا کیا گیا۔ لیکن سری لنکا کے عوام اس سے مطمئن نہ ہوسکے اور انھوں نے آزادی کی تحریک جاری رکھی۔ 1946 میں ایک اور دستور مدون کیا گیا اور مزید اختیارات عطا کئے گئے۔ بالآخر فروری 1948 میں سری لنکا کو مکمل آزادی دے دی گئی اور یہ دولت مشترکہ کا ایک رکن بن گیا۔ 1950 میں دولت مشترکہ کے آٹھ ملکوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس کولمبو میں منعقد ہوا اور جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا کی معاشی امداد کے لیے کولمبو پلان منظور کیا گیا۔ آزادی کے بعد سے یونائیٹڈ نیشنل پارٹی 1956 تک برسر اقتدار رہی۔ اس کے بعد انتخابات میں سری لنکا (سیلون) فریڈم پارٹی نے کامیابی حاصل کی اور بندرانائیکے وزیر اعظم بنے۔ 1958 میں سنہالیوں اور تامل باشندوں میں فسادات پھوٹ پڑے۔ تامل باشندوں کا مطالبہ تھا کہ ان کی زبان کو متبادل سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے اور ایک وفاقی نظام کے تحت ان کی علیحدہ ریاست قائم کی جائے۔ 1959 میں بندرانائیکے کو قتل کردیا گیا اور 1960 میں ان کی بیوہ سری ماؤ بندرانائیکے وزیر اعظم بنیں۔ 1961 میں مزید ہنگاموں کے بعد تامل باشندوں کی فیڈرل پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ 1962 میں محترمہ سری ماؤ کو قتل کرنے کی ایک سازش کا پتہ چلنے پر متعدد اعلیٰ فوجی اور پولیس عہدہ داروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ بین الاقوامی معاملات کی حد تک سری لنکا غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اور مغرب کے علاوہ روس اور کیمونسٹ چین سے بھی معاشی امداد حاصل کرتا ہے۔ تاہم بعض مغربی تجارتی اداروں کو قومیانے کے اعلان کے بعد برطانیہ اور امریکہ سے اس کے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ سری لنکا نے 1962 میں امریکی آئیل کمپنیوں کو قومیالیا۔ ان کمپنیوں کی جائداد کے معاوضہ سے امریکہ مطمئن نہیں تھا اس لیے ان کو امریکی امداد ملتوی کردی۔ 1964 میں مسز بندرانائیکے کی ترقی پسند پالیسیوں کے خلاف بعض اراکین پارلیمنٹ کے احتجاج پر مقننہ کو برخواست کردیا گیا۔ 1965 کے انتخابات میں ڈڈلے سینا نائیکے کی اعتدال پسند سوشلسٹ پارٹی کا موقف بہتر ہوگیا اور انھوں نے دوسری پارٹیوں کی مدد سے ایک متحدہ حکومت بنائی۔ نئی حکومت نے مغرب سے اپنے تعلقات استوار کئے اور آئیل کمپنیوں کے معاوضہ کے سلسلہ میں بھی سمجھوتہ ہوگیا اور امریکی امداد دوبارہ بحال کردی گئی۔ نئی حکومت نے مقامی خانگی سرمایہ کاروں کی ہمت افزائی کی پالیسی کو فروغ دینا چاہا تاہم معاشی مسائل اور افراط زر سے اسے دوچار ہونا پڑا۔ 1966 میں اتوار کی چھٹی کے مغربی طریقہ کی بجائے بدھ مت کے روایتی مقدس دن کو چھٹی کا دن قرار دیا گیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1972 میں سری ماؤ بندار نائیکے کی سرکردگی میں بائیں بازو کی ایک متحدہ حکومت بنی جس میں ان کی اپنی فریڈم پارٹی کے علاوہ بائیں بازو کی دوسری پارٹیاں اور کمیونسٹ پارٹی بھی شامل تھی۔ ایک نیا آئین مرتب کیا گیا اور ملک نے اپنے آپ کو جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا۔ یہ حکومت عوام کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو نہ روک سکی۔ طالب علموں اور نوجوانوں نے بڑے پیمانے پر بغاوت کی۔ اگرچہ اس حکومت نے چائے کے باغات کو، جو برطانوی سرمایہ داروں کی ملکیت تھے، قومی ملکیت میں لے لیا لیکن وہ عوام کے مسائل حل نہ کر سکی۔ تامل لوگوں نے اپنی زبان اور علاقے کی حفاظت کے لیے الگ تامل ایلم ریاست کی مانگ رکھی۔ جولائی 1977 کے انتخابات میں دائیں بازو کی یونائیٹڈ نیشنل پارٹی آر۔ جے۔ وردنے کی سرکردگی میں بڑی اکثریت سے اقتدار میں آگئی۔ اس نے پارلیمانی طرز کی حکومت کے بجائے صدارتی طرز کی حکومت قائم کی اور آر۔ جے۔ وردنے پہلے صدر بنائے گئے۔ لیکن ملک میں تشدد پسند سرگرمیاں بالکل کم نہ ہو سکیں۔ 1986 میں بھی تامل ایلم کے لبریشن ٹائگر گوریلا جنگ لڑ رہے تھے تو دوسری طرف طلبا بھی سرکاری ملازموں کو قتل کر رہے تھے۔ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ تامل لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آ رہے ہیں۔ جے۔ وردنے کی سری لنکا کی سرکار کی درخواست پر ہندوستان نے 1987 میں 42,000 فوجی بھیجے تاکہ وہ شمال مشرقی سری لنکا پر حملہ کر کے اسے قبضہ میں لے لیں۔ 1988 میں ان سپاہیوں کو ہندوستان واپس آنا پڑا کیونکہ یہ اپنے مقصد میں ناکام رہے اور نئے صدر رام سنگھے پریم داسا نے، جو 1989 میں منتخب ہوا، انھیں ہندوستان واپس جانے کے لیے کہا۔ 1992 تک ان جھگڑوں میں تقریباً 17,000 باشندے مارے جا چکے تھے۔

سری نگر (کشمیر): نئی دہلی سے چار سو میل دور شمال مغرب میں دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر بسا وادی کشمیر میں جموں اور کشمیر کا یہ صدر مقام ہے۔ جہلم پر کئی پل شہر کے سب حصوں کو ملاتے ہیں۔ یہ مقام سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز مشرق میں سب سے زیادہ صحت بخش اور خوبصورت تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں کے پشمینہ شال، ایرانی قالین، دباغتی کاغذ کی چیزیں، لکڑی پر کندہ نقوش والے سامان اور چرمی سامان شہرت کے حامل ہیں۔ یہ شہر چھٹی صدی عیسوی میں آباد کیا گیا تھا اور آٹھویں صدی کے بدھ مذہب کے مختلف آثار یہاں موجود ہیں جن میں قدیم مذہبی تعلیم گاہ، اسٹوپا اور ایک چاتیا (Chatiya) ہال ویران حالت میں ہیں۔ یہاں سے بیس میل شمال میں نوناگ (Navanag) عبادت کا مرکز ہے۔ شنکر آچاریہ کا مندر قدیم تاریخی یادگاروں میں سے ایک ہے۔

سُریکا: راجستھان میں الور کے جنوب میں 35 کلومیٹر کے فاصلے پر سریکا کا محل ہے جو گھنے جنگل میں واقع ہے۔ یہ اب فارسٹ اسکول ہو گیا ہے جہاں سے کئی شیر دیکھے جا سکتے ہیں۔

سسلی (صقلیہ): بحیرہ روم میں واقع ہے اور اس سمندر کا یہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اٹلی کا ایک خود مختار علاقہ ہے۔ یہاں کی آبادی بہت گنجان ہے۔ اطالوی لوگ اسے سچیلیا کہتے ہیں۔ اس میں نو صوبے شامل ہیں۔ صدر مقام پالرمو ہے۔ تقریباً پورا علاقہ پہاڑوں سے ڈھکا ہے۔ سب سے اونچا کوہ ایٹنا ہے، جو آتش فشانی ہے۔ یہاں انگور، سنترے اور شہتوت کے باغات کثرت سے ہیں۔ یہاں کی وادی اور میدانی علاقے میں گندم، مکئی، سن، کپاس، تمباکو، بارلی، اوٹ اور ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ٹیونا اور سارڈین مچھلیاں بڑی مقدار میں پکڑی جاتی ہیں۔ گندک، نمک اور شراب برآمد کی جاتی ہے۔ اب بڑے پیمانے پر تیل بھی نکالا جا رہا ہے۔ جزیرہ کا رقبہ 9,926 مربع میل اور آبادی 1971 میں 11,712 تھی۔

سسلی کی تہذیب نہایت قدیم ہے۔ یہاں ایک زمانہ میں فنیقیوں کی نوآبادی تھی۔ اس کے بعد یہ یونانی اثر میں آیا پھر سلطنت قرطاجنہ اور اس کے بعد رومن سلطنت کا حصہ بنا۔ بازنطینی سلطنت اور پھر عربوں کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد بے شمار یورپی مملکتوں کا اس پر تسلط رہا۔ آخر میں یہ اطالوی سلطنت کا حصہ بنا۔ 1947 میں جمہوری حکومت قائم ہونے کے بعد اسے خود مختاری ملی۔

سطح تکثیف: ایسی بلندی یا خط شادابی جسے پار کرنے پر ہوا کے آبی بخارات کی تکثیف شروع ہو جاتی ہے۔ بالائی فضا میں تکثیف کے مراکز نہ ہوں تو نقطہ شبنم سے کم درجہ حرارت پر بھی فوق شادابی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

سطح مدار شمسی: دیکھیے "مدار شمسی"

سعودی عرب (Saudi Arabia): یہ مغربی ایشیا میں ایک مملکت ہے۔ سعودی عرب کا رقبہ تقریباً 2,149,690 مربع کلومیٹر (836,000 مربع میل) ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی تقریباً 15,691,000 ہے۔ اس کا دارالحکومت ریاض ہے۔ سعودی عرب میں جزیرہ نمائے عرب کا بہت بڑا علاقہ شامل ہے۔ اس کے مغرب میں خلیج عقبہ اور بحیرۂ قلزم (احمر یا سرخ) اور مشرق میں خلیج فارس واقع ہیں۔ اس کے شمال میں اردن، عراق اور دو غیر جانبدار منطقے ہیں۔ جنوب مغرب میں جمہوریۂ یمن، جنوب نیز جنوب مشرق میں سلطنت

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

عمان اور مشرق میں متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور کویت واقع ہیں۔ ملک کے جنوبی اور جنوب مشرقی حصہ میں ربع الخالی کا عظیم ریگستان پھیلا ہوا ہے۔ یہاں پر موسم عام طور پر گرم اور خشک رہتا ہے تاہم راتیں ٹھنڈی رہتی ہیں۔ عربوں کی آبادی کم و بیش سنّی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ آبادی کا تقریباً ساٹھ فی صدی حصہ خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش قبائل پر مشتمل ہے۔ جو اونٹ، بھیڑ، بکریاں اور گھوڑے پالتے ہیں۔ پانی کی قلت کی وجہ سے زراعت صرف اسیر اور وادیوں کے نخلستانوں تک محدود ہے۔ تاہم حالیہ آب پاشی کے پراجکٹ کی وجہ سے ریگستان کا قابل لحاظ حصہ زیر کاشت لایا گیا ہے۔ خاص طور سے ریاض کے جنوب مشرق میں الخرج کے علاقہ پر کافی توجہ کی گئی ہے۔ حجاز میں واقع مکہ اور مدینہ کے مقدس مقامات اور جدہ کی بندرگاہ پر ہر سال لاکھوں حاجی اور زائرین آتے ہیں جو روایتی طور پر ان مقامات کی آمدنی کا ایک ذریعہ رہے ہیں۔ تاہم سعودی عرب کی معیشت کا دارومدار تیل کی صنعت پر ہے جو شمال مشرق میں خلیج فارس سے قریب واقع ہے۔ برآمدات کا 85 فیصدی تیل ہے۔ تیل پائپ لائینوں کے ذریعہ لبنان منتقل کیا جاتا ہے۔ خلیج فارس کے مقامات راس طنورہ اور بحرین میں تیل صاف کرنے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ ریاض ریلوے لائن کی تعمیر، گہرے پانی کے بندرگاہ کی حیثیت سے دمام کی ترقی اور شہروں میں برقی طاقت کی فراہمی، یہ سب تیل کی وافر آمدنی ہی کی مرہون منت ہیں۔ اس آمدنی سے مدارس، دواخانے اور رہائشی مکانات اور خاص طور سے تیل کے مزدوروں کے مکانات تعمیر کئے گئے ہیں۔ 1957 میں ریاض میں ایک یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔ دہران اور ھفوف میں بھی یونیورسٹیاں ہیں۔ دہران، ریاض اور جدہ میں جدید قسم کی طیران گاہیں موجود ہیں۔ سارے ملک پر ابھی مطلق العنان بادشاہ کی حکومت ہے جو اسلامی قوانین کے مطابق چلائی جاتی ہے۔ مکہ اور مدینہ شہر اسلام کی جائے پیدائش کی حیثیت سے انتہائی مقدس تصور کئے جاتے ہیں۔

سعودی عرب میں سالانہ 33,800,000 میٹرک ٹن تیل نکالا جاتا ہے اور اس پر ملک کی معیشت کا انحصار ہے۔ برآمدات کا 16 فیصدی جاپان، 12 فیصدی فرانس، اور 10 فیصدی اٹلی کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 94 فیصدی کچا تیل ہے۔ درآمدات کا 17 فیصدی امریکہ سے، 16 فیصدی جاپان، 10 فیصدی لبنان اور بقیہ جرمنی اور برطانیہ وغیرہ سے آتا ہے۔ رائج سکہ ریال ہے۔

ابتدائی مدرسوں میں 1,876,916 طالب علم اور 119,881 استاد، نیز ثانوی مدرسوں میں 892,585 طالب علم اور 71,149 استاد اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 153,967 طالب علم تھے۔

سعودی عرب کا علاقہ ہمیشہ اسلامی خلافتوں کا ایک حصہ رہا ہے۔ ایک سیاسی وحدت کے اعتبار سے سعودی عرب نسبتاً حالیہ دور کی پیداوار ہے۔ اس کی ابتدا اٹھارویں صدی میں وہابی تحریک سے ہوئی اور وسطی عرب میں نجد کا طاقتور سعودی خاندان بہت جلد اس سے وابستہ ہو گیا۔ اکثر بدوی قبائل کی تائید و حمایت سے یہ خاندان عرب کے بیشتر حصہ پر قابض ہو گیا۔ صرف انتہائی جنوب میں واقع یمن اور حضر موت کے علاقے اس کی عملداری میں شامل نہ ہو سکے۔ 1811 میں مصر کے محمد علی نے وہابی تحریک کو کچلنے کی پوری کوشش کی لیکن وسط انیسویں صدی میں اس کا پھر احیا ہوا۔ 1891 میں راشد خاندان نے جو وسطی عربستان پر مکمل تسلط حاصل کر چکا تھا، وہابیوں پر ضرب کاری لگائی۔ تاہم سعودی حکمرانوں کا اثر و رسوخ ختم نہ ہو سکا۔ اسی خاندان کے ایک فرد عبدالعزیز ابن سعود نے جدید سعودی عرب کی بنیاد رکھی۔ ان کی فتوحات کی ابتدا اس صدی کے اوائل میں ہوئی۔ 1902 میں انھوں نے ریاض پر قبضہ کر لیا اور 1906 تک نجد کا پورا علاقہ ان کے زیر نگیں آ گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر ابن سعود نے حسا کا علاقہ ترکوں سے چھین لیا اور بہت جلد دوسرے کئی علاقے ان کے زیر اقتدار آ گئے۔ اب ان کی نظریں حجاز پر پڑنے لگیں جہاں 1916 سے شریف مکہ، حسین ابن علی کی حکومت قائم تھی۔ 1924-25 میں حجاز بھی ابن سعود کے قبضہ میں آ گیا اور 1932 میں نجد کو ملا کر سعودی عرب کی ریاست قائم کی گئی۔ شاہ سعود نے بدوی قبائل کو لڑائی جھگڑوں سے باز رکھنے اور مستقل سکونت اختیار کر کے کھیتی باڑی کرنے کی طرف راغب کیا۔ 1936 میں تیل کے ذخائر دریافت ہوئے اور دوسری عالمی جنگ کے دوران تجارتی بنیادوں پر اس کی پیداوار شروع ہو گئی۔ اس جنگ کے تقریباً ختم ہونے تک سعودی عرب غیر جانبدار ہی رہا۔ تاہم وہ اقوام متحدہ کے منشور کے ابتدائی ارکان میں شامل تھا۔ 1945 میں وہ عرب لیگ کا ممبر بنا اور اسرائیل کے خلاف 1948-49 کی جنگ میں شریک رہا۔ 1951 کے ایک معاہدہ کے ذریعہ سعودی عرب نے امریکہ کو ظہران (دہران) میں ایک ہوائی اڈہ قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ عبدالعزیز ابن سعود کا 1953 میں انتقال ہو گیا اور ان کا سب سے بڑا لڑکا سعود جانشین ہوا۔ شاہ سعود کی حکومت میں ولی عہد فیصل کو معاشی اور خارجی امور کی ذمہ داری سونپی گئی شاہ سعود نے ابتدا میں ناصر کی حکومت کی تائید کی لیکن 1956 میں ناصر کی مخالفت کے باوجود اردن اور عراق کے ہاشمی حکمرانوں سے قریبی تعلقات قائم کر لیے، حالانکہ یہ حکمراں روایتی طور پر سعودی خاندان کے حریف تھے۔ شاہ سعود نے 1958 میں متحدہ عرب جمہوریہ کی مخالفت کی جو مصر اور سیریا (شام) کے انضمام کی بنا پر وجود میں آیا تھا۔ شاہ سعود نے ناصر کی اصلاحات اور ان کے عرب قومیت کے نظریہ پر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بھی شدید تنقید کی۔ 1961 میں شاہ نے اعلان کر دیا کہ وہ امریکن ہوائی اڈے کے قیام کی مزید تجدید نہیں کریں گے۔ چنانچہ آئندہ سال دہران کا ہوائی اڈہ برخواست کر دیا گیا۔ ستمبر 1962 میں ناصر موافق انقلابیوں نے پڑوسی ملک یمن کے امام کو معزول کر کے وہاں جمہوری حکومت قائم کر دی تو شاہ سعود اور اردن کے شاہ حسین نے شاہی فوجوں کی امداد کے لیے اپنے سپاہی روانہ کئے اور اس انقلاب کے عواقب و نتائج سے اپنے ملک کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ولی عہد فیصل کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ مصر سے تعلقات منقطع کر لیے گئے۔ فیصل نے بعض دستوری اصلاحات کا اعلان کیا اور نمائندہ حکومت کے قیام کا وعدہ کیا۔ 1963 میں بھی سعودی عرب یمن کی جمہوری حکومت کے خلاف شاہ پرستوں کی مدد کرتا رہا۔ اور جب مصر نے سعودی عرب کے ایک ہوائی اڈے پر بمباری کی تو شہزادہ فیصل نے امریکہ سے فوجی امداد طلب کی اور ساتھ ہی برطانیہ سے سفارتی تعلقات دوبارہ قائم کر لیے۔ 1964 میں شاہ سعود اولاً شاہی اختیارات سے محروم کر دیے گئے اور پھر ان کی معزولی عمل میں آئی۔ شہزادہ فیصل بہ حیثیت شاہ ان کے جانشین ہوئے۔ 1967 کی مشرق وسطی کی جنگ میں سعودی عرب نے عرب ممالک کی زبانی ہمدردی کی لیکن فوجی کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

1970 میں سعودی عرب نے یمن سے اپنی تمام فوجیں واپس بلالیں اور تعلقات بحال کر لیے۔ شاہ فیصل نے برطانیہ کے خلیجی علاقوں سے ہٹ جانے کے بعد ایران سے تعلقات بہتر کر لیے اور متحدہ عرب امارات بنانے میں شیخوں کی مدد کی۔

1972 میں سعودی حکومت نے اپنے تیل کے ذخائر پر سخت نظر رکھنی شروع کی۔ جون 1974 میں 'آرام کو' (Aramco) اور سعودی حکومت میں معاہدہ ہوا جس کی رو سے سعودیوں کو 60 فیصدی حصے لینے کا اختیار ملا۔ سعودی حکومت نے قومیانے کی بجائے تعاون کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔

25 مئی 1975 کو شاہ فیصل کے قتل کے بعد شاہ خالد بادشاہ بنے۔ شاہ خالد نے ملک کی معیشتی اور تعلیمی ترقی کی طرف بہت توجہ دی۔ سعودی عرب نے اسرائیل اور مصر کے درمیان ہوئے معاہدہ کو 1979 میں رد کر دیا، جس کے نتیجہ میں مصر کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع ہو گئے۔ سعودی لیڈروں نے تبدیلی پسند اور بائیں بازو والے گروہوں کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔ 1970 میں انھوں نے یمن اور عمان میں بائیں بازو کی تحریکوں کو کچلنے کے لیے فوجیں بھی بھیجیں۔ 1979 کی بغاوت کے نتیجہ میں کئی باغی قتل کر دیے گئے۔ 1980 کے دہے میں عراق-ایران جنگ میں سعودی عرب نے عراق کی حمایت کی۔ 1981 میں اس نے گلف کوآپریشن کونسل (G.C.C) کی رکنیت لے لی۔

جون 1982 میں شاہ خالد کا انتقال ہو گیا اور شاہ فہد نے ان کی جگہ لے لی۔

1980 کے دہے کے اوائل میں 'آرام کو' کی پوری ملکیت سعودی عرب نے حاصل کر لی۔

1987 میں حج کے دوران ایرانی زائرین نے عرب سپاہیوں کے ساتھ جنگ کی اور 400 لوگ مارے گئے۔ اس جھگڑے اور ایران کے بحری حملوں کے نتیجہ میں سعودی عرب نے ایران سے سفارتی تعلقات ختم کر لیے۔ ستمبر 1989 میں 16 کویتیوں کو مکہ پر بم برسانے کے جرم میں قتل کر دیا گیا

1990 میں بھگدڑ مچنے سے 1,400 زائرین حج پیدل سرنگ میں مر گئے۔

1991 کی عراق-کویت جنگ میں سعودی عرب نے عراق کی مخالفت کی اور امریکی اور اتحادی فوجوں کو اپنی سرزمین میں ٹھہرنے کے لیے جگہ دی۔ کویت کے شاہی خاندان اور چار لاکھ کویتیوں نے سعودی عرب میں پناہ لی۔

سعودی عرب کے سفارتی تعلقات مصر سے بحال ہو چکے ہیں۔

سفاکس: یہ بندرگاہ تیونس کے جنوب مشرق میں بحیرۂ روم کے کنارے واقع ہے۔ یہاں سے فاسفیٹس، زیتون کا تیل، اناج اور اسفنج برآمد کیے جاتے ہیں۔

سفال ترتیبی ساخت (Imbricate structure): یہ ساخت عام طور پر رڈیشیائی چٹانوں (Rudaceous Rocks) میں پائی جاتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ اس چٹان کے ترکیبی گول پتھر (Pebbles) کسی ایک سمت میں لمبوترے (Elongated) ہوں۔ طاقت ور بہاؤ کے زیر اثر ایسی صورت میں یہ گول پتھر اس طرح ترتیب پاکر ذخیرہ پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے طویل محور (Long Axes) ایک دوسرے کے متوازی ہو جاتے ہیں۔

سکا (Sikka): بھارت کے مغربی ساحل پر واقع گجرات کا چھوٹا سا بندرگاہ ہے۔

سکتہ (Diastem): ارضیاتی وقتی پیمانہ کا وہ لمحہ یا وقت جبکہ کٹاؤ (Erosion) یا رسوبیت اچانک رک جائے یا مسدود ہو جائے۔ جو وسط ترتیبی (Intraforma-tional) ہو اور جس کے ماقبل و مابعد رسوب میں حیواناتی یا نباتاتی باقیات میں کوئی

بے حد اہم تبدیلی رونما نہ ہوئی ہو۔

سکروپ، جارج پولٹ (George Poulelt Scrope): یہ انگریز ماہر ارضیات اور برطانوی پارلیمنٹ کا رکن 1797 میں پیدا ہوا۔ اس نے آتش فشاں پہاڑوں (Volcanoes) کی پیدائش اور ترکیب کا "اصول تسلسلیات نیز یکسانیت" (Uniformitarianism) کے مطابق جو مشاہدات کیے ان پر موجودہ نظریات کی اساس رکھی گئی ہے۔ اس نے بنیادی میگما (Primary Magmas) کا پہلا سائنسی مطالعہ شروع کیا اور اوورنیہ (Auvergne) ضلع کی آتش فشانیت کا کلاسیکی تجزیہ پیش کیا۔ اس کا انتقال 1876 میں ہوا۔

سکم: ہندوستان کی ایک شمالی ریاست ہے۔ یہ چھوٹی پہاڑی ریاست مشرقی ہمالیہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں تبت، مغرب میں نیپال، مشرق میں بھوٹان اور جنوب میں مغربی بنگال واقع ہیں۔ ہندوستان کی تمام ریاستوں میں سب سے کم آبادی اسی ریاست کی ہے۔ جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان کے لیے اس ریاست کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ شمال میں ہندوستان اور تبت کے درمیان واقع ہے۔ یہ 26/اپریل سنہ 1975 سے ہندوستان کی ایک ریاست بن گئی ہے۔

یہ ریاست تمام تر پہاڑی ہے اور اس کے ایک تہائی علاقہ پر گھنے جنگلات اُگے ہوئے ہیں۔ جو مال، سیمل، بانس اور دیگر قدرتی نباتات کے لیے اہم ہیں۔ ہمالیہ کے اونچے پہاڑوں کی سب سے زیادہ تعداد اسی ریاست میں ہے جن کی اونچائی 7,000 میٹر سے زیادہ ہے۔ کنچن جنگا جو ہمالیہ کی تیسری سب سے اونچی چوٹی ہے، سکم اور نیپال کی سرحد پر واقع ہے۔ دریائے تیستا یہیں سے نکلتی ہے۔ اس ریاست کا صدر مقام گنگ ٹوک ہے۔ سکم کا جملہ رقبہ 7,300 مربع کلومیٹر اور سنہ 1991 کی مردم شماری کے لحاظ سے اس کی آبادی 406,457 تھی۔ یہاں کئی قسم کے جانور اور درخت اور پودے پائے جاتے ہیں۔ دست کاری اور پارچہ بافی کی صنعت اہم ہے۔ آبادی کی اکثریت نیپال سے آئے ہوئے لوگوں کی ہے۔ زیادہ تر لوگ ہندو مذہب کے ہیں۔ کچھ بودھ بھی ہیں۔

سکندر آباد: آندھرا پردیش میں اس کے صدر مقام حیدر آباد سے ملا ہوا شہر ہے۔ ان دونوں کو جڑواں شہر کہا جاتا ہے۔ شہر سکندر آباد شہر حیدر آباد کے مرکزی مقام سے قریب آٹھ میل شمال کی جانب واقع ہے۔ دونوں شہروں کے درمیان ابراہیم قلی قطب شاہ کے دور کا تعمیر شدہ حسین ساگر ہے جس کے بندھ کی لمبائی ایک میل ہے۔ اس بندھ سے غروب آفتاب کا منظر نہایت دلکش نظر آتا ہے۔ یہ مقام فوجی اور ریلوے کی حیثیت سے جنوبی ہند کا مرکز ہے۔

سل (Sill): ایک چادر نما آتشی حجر جو کہ حجروں یا چٹانوں کی پرت داری یا کسی اور ساختی سطح کے متوازی ہی پائی جائے اور ان سطحوں کو قطع نہ کرے۔ کچھ لیکولتھ (Lacolith) بھی افقی وسعت بڑھنے پر سل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ سل عام طور پر درمیانی دانے دار (نیم قعری Hypabyssal) متداخل (Trusive) حجر یا چٹان ہوتی ہے۔ زیادہ تر اساسی (مثلاً ڈولرائٹ) ترکیب کے حجروں کی سل بے حد عام ہیں۔

سلاخی یا خطی ڈائگرام: یہ ایک ایسی شکل ہے جس میں ایک یا کئی ممالک کی مصنوعات، ماکولات اور زرعی اشیا، وغیرہ کی ایک ہی سال یا کئی سالوں کی پیداواری مقداروں کو یا آبادی اور درآمد و برآمد کے اعداد و شمار کو مختلف لمبائیوں کے افقی یا عمودی پھیلاؤ کے خطوط مستقیم سے دکھادیا جاتا ہے۔ انھیں بنانے کے لیے دیئے ہوئے اعداد و شمار کی مناسبت سے کوئی پیمانہ منتخب کر لیا جاتا ہے۔ سلاخی ترسیم میں ایک سے زائد آئٹمز دکھائے گئے ہوں تو شکل کو مخلوط سلاخی ڈائگرام کہا جاتا ہے۔

انھیں نقشہ سے باہر یا اندرون نقشہ بھی متعلقہ علاقوں پر دکھایا جاسکتا ہے۔ کبھی دو مقداروں کا مقابلہ کرنا پیش نظر ہو تو انھیں جڑواں سلاخوں سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ شکلوں کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے خطوط کو پتلے پتلے مستطیلوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ مستطیلوں کو دیدہ زیب بنانا ہو تو ان میں مختلف رنگ بھر دیے جاتے ہیں۔ ہرم کی شکل میں ترتیب دیے ہوئے مستطیلوں سے ہرمی ڈائگرام تیار ہو جاتا ہے۔

سلیبیز: یہ بچھو نما جزیرہ بورنیو کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کا ساحل 3,404 میل لمبا ہے اور متصلہ جزیروں کے ساتھ اس کا مشترکہ رقبہ 87,897 مربع میل ہے۔ جزیرہ کی بیشتر زمین پہاڑی ہے۔ کہیں کہیں زندہ آتش فشاں پہاڑ موجود ہیں۔ سب سے اونچی پہاڑی چوٹی ماؤنٹ رنٹے کومبولا سطح سمندر سے 11,350 فٹ بلند ہے۔ پوسو، تووونی اور متانا گہری جھیلیں ہیں۔ سنہ 1970 میں اس جزیرہ کی آبادی 8,535,000 تھی۔

سلسلے (Series): وقتی طبقاتی اکائی (دیکھیے وقتی طبقاتی اکائی Time-Rock Unit) جو نظام (System) سے چھوٹی مگر مرحلے (Stage) سے بڑی ہوتی ہے۔ وہ حجرات جو کسی عہد (Epoch) کے دوران جمع ہوں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سلطنت متحدہ (United Kingdom): (برطانیہ عظمیٰ یا گریٹ برٹین (Great Britain and Northern Ireland): سلطنت متحدہ جو عام طور پر سلطنت برطانیہ بھی کہلاتی ہے۔ یہ برطانیہ (انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور ویلز) نیز شمالی آئرلینڈ اور بے شمار جزیروں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک آئینی بادشاہت ہے۔ یہ شمال مغربی یوروپ میں واقع ہے۔ ہر طرف سمندر سے گھری ہوئی ہے۔ اس کے جنوب میں فرانس، مشرق میں ہالینڈ اور بلجیم واقع ہیں۔ شمال اور مغرب میں بحر اوقیانوس، مشرق میں بحیرہ شمالی اور جنوب میں انگلش چینل (رودبار انگلستان) (English Channel) اسے گھیرے ہوئے ہیں۔

سلطنت متحدہ کا کل رقبہ 244,044 مربع کلو میٹر (94,226 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 57,367,000 ہے۔ یہاں کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام لندن ہے۔ زبان انگریزی استعمال ہوتی ہے۔ ویلش اور گیلک بھی استعمال کی جاتی ہے۔ زیادہ تر لوگوں کا مذہب پروٹسٹنٹ عیسائی ہے۔ کیتھولک عیسائی، مسلمان اور یہودی بھی رہتے ہیں۔

جزائر برطانیہ کو روایتی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک بلند علاقہ اور دوسرا پست علاقہ۔ اگر جنوب مغرب میں دریائے اکس کے دہانے سے ایک سیدھا خط جنوب مشرق کی جانب کھینچ دیں تو یہ ملک ان دو علاقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ بلند علاقہ 2 ہزار سے 4 ہزار فیٹ اونچا ہے۔ اس میں بے شمار وادیاں، ٹیلے اور بیچ بیچ میں پست علاقے ہیں۔ دریا عام طور پر شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں۔

اسکاٹ لینڈ کے شمالی علاقہ میں بلند پہاڑ ہیں اور شمال اور مغرب کے پہاڑی علاقوں میں بڑے بڑے دلدل ہیں۔ برطانیہ کے بقیہ حصوں میں بڑے بڑے جنگل ہیں۔ جہاں بے شمار شاہ بلوط (Oak) کے درخت ملتے ہیں۔ پچھلی صدیوں میں بہت سے جنگل صاف کر کے ان پر کاشت ہونے لگی ہے۔ گیہوں، جَو (بارلی)، اوٹس اور آلو کی کاشت ہوتی ہے۔ سبزیاں اور پھل بھی پیدا کیے جاتے ہیں۔ گائیں، بھیڑیں، مرغیاں وغیرہ پالی جاتی ہیں۔

تجارت زیادہ تر یوروپی ممالک اور امریکہ سے ہوتی ہے۔ ہندوستان سے بھی کافی تجارتی تعلقات ہیں۔ برآمدات زیادہ تر مشینوں، کیمیائی اشیاء، موٹر گاڑیوں وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ سیاحت بھی ایک بہت بڑا کاروبار ہے۔ ہر سال 90 لاکھ کے قریب سیاح آتے ہیں جس سے بہت زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔

برطانیہ ایک قدیم صنعتی ملک ہے۔ کوئلہ کی بڑے پیمانے پر کان کنی ہوتی ہے۔ اب تیل بھی نکلنے لگا ہے۔ لوہے، فولاد، سیمنٹ، مشینیں، موٹریں، کپڑے، کیمیائی اشیاء، سمندری جہاز وغیرہ بنانے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔

رائج سکہ پاؤنڈ اسٹرلنگ ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق برطانیہ کے ابتدائی مدرسوں میں 4,532,500 طالب علم اور 229,100 استاد تھے ثانوی مدرسوں میں 4,335,600 طالب علم، صنعتی تعلیمی اداروں میں 480,400 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 428,858 طالب علم تھے۔

سلہٹ: یہ شہر بنگلہ دیش میں سُرماندی کے دائیں کنارے پر اسی نام کے ضلع کا انتظامی مستقر ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کا مرکز ہے۔ بید اور دیاسلائی کی صنعتوں کے علاوہ نباتاتی تیل اور چائے کی پیداوار کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 37,740 تھی۔

سلیٹ (Slate): کم تر درجے کی مطقائی کایا بدلیت سے برآمد شدہ حجر جو پہلے سے موجود مٹیائی حجر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ترکیدگی (Cleavage) بہترین ہوتی ہے کہ اس کی پرتیں اسی سطح پر ٹوٹتی ہیں۔ بچوں کے لکھنے کی سلیٹ کی تختیاں ایسی ہی پھٹن یا کلیویج (Cleavage) کے مطابق ٹوٹی ہوئی اس حجر کی پرتیں ہیں۔ ان میں دوبارہ قلماؤ (Recrystallization) تقریباً غیر موجود ہوتا ہے اس لیے یہ بے حد مہین ہوتی ہیں۔

سَیلم: تامل ناڈو (ہندوستان) میں ایک ضلع اور قصبہ ہے۔ مویشی پالنا، خاص طور پر یہاں کے جنگلات میں، جو جنوب مشرقی جانب پھیلے ہوئے ہیں، اہم ہے۔ یہ خشکی کی فصلیں اگانے والا حصہ ہے۔ اس علاقہ میں لچون کے ذخائر بھی پائے جاتے ہیں۔

سلیمان التاجر: یہ نویں صدی عیسوی کا ایک سوداگر تھا۔ سنہ 851 میں ایک گمنام مصنف نے اس کی زبان میں چین اور ہندوستان کے ساحلوں کے حالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

سماترا: یہ انڈونیشیا کا دوسرا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ نواحی جزیروں کے ساتھ اس کا رقبہ 183,000 مربع میل ہے۔ آبنائے ملاکا نے اسے جزیرہ نما ملایا سے جدا کر دیا ہے۔ مغربی ساحل کے قریب کوہ پیگوننگن بیریسن کے بلند سلسلے شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں کیرنچی کی چوٹی 12,488 فٹ بلند ہے۔ مشرق میں دریائی مٹی سے بنا ہوا ہموار میدان پھیلا ہوا ہے۔ اس جزیرہ کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ پالم بانگ، میدن اور پڑانگ اہم شہر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ہیں۔ نوے فیصدی آبادی وہیں ہے۔ میدان کے قرب وجوار کے علاقہ میں فی مربع میل 400 افراد آباد ہیں۔ ربر، تمباکو، چائے، کافی، سیسل، چھالیہ اور کالی مرچ کی کثیر مقداریں برآمد کی جاتی ہیں۔ انڈونیشیا کی عمارتی لکڑی کا ایک تہائی حصہ ساترا ہی سے فراہم ہوتا ہے۔ معدنیات میں پٹرولیم، ٹن، باکسائٹ، کوئلہ، سونا، چاندی، لوہا، ٹنگسٹن اور چونے کے پتھر اہمیت رکھتے ہیں۔ مشرق کے میدانی حصہ میں ریلوں اور سڑکوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

قدیم دور میں جب ہندوستانی رجواڑے اپنے عروج پر تھے تو انھوں نے ساترا پر بھی حملہ کیا تھا۔ ساتویں صدی تک شیلندرا خاندان کے حکمراں وجے نے بہت بڑی سلطنت قائم کرلی تھی جو انڈونیشیا کے بڑے حصہ اور جزیرہ نمائے ملایا پر پھیلی ہوئی تھی۔ چودھویں صدی تک اس سلطنت کو پوری طرح زوال آگیا اور ساترا جاوا کی سلطنت کے تحت آگیا۔ عرب یہاں بارہویں صدی میں آئے اور سترہویں صدی تک ان کی سلطنت پورے ساترا میں پھیل گئی۔

1596 میں ڈچ یہاں آئے اور آہستہ آہستہ پورے جزیرہ پر چھا گئے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں کچھ عرصہ کے لیے یہ انگریزوں کے تحت بھی رہا۔ جنگ عظیم کے بعد انڈونیشیا کو آزادی ملی تو ساترا بھی اس کا حصہ بن گیا۔

سمبلپور: ریاست اڑیسہ (ہندوستان) میں ایک تحصیل اور ضلع ہے۔ ہیراکنڈ پراجکٹ اس سے بہت قریب ہے۔ یہاں دو اہم چیزیں چونے کا پتھر اور کارآمد مٹی دستیاب ہوتی ہے جو سیمنٹ کی تیاری میں مفید ہیں، اس لیے یہاں سیمنٹ فیکٹری واقع ہے۔ یہاں لکڑی کاٹنے کے کارخانے بکثرت ہیں اور فرنیچر بھی تیار ہوتا ہے۔ یہ مقام مہاندی کی وادی میں ہے۔

سمپل: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

سمرقند: وسط ایشیا کا یہ قدیم شہر بے شمار سیاسی مدوجزر دیکھنے کے بعد سنہ 1938 میں سوویت یونین کی جمہوریہ ازبکستان میں صوبہ سمرقند کا انتظامی مرکز بن گیا تھا۔ ازبکستان نومبر 1991 سے ایک خود مختار ملک اور سمرقند اس کا دوسرے نمبر کا بڑا شہر ہے، جس کی آبادی تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ ہے۔ سمرقند وسطی ایشیا کا سب سے قدیم شہر ہے۔ 3000 قبل مسیح میں اس کا نام افراسیاب تھا۔ قدیم یونانیوں کے یہاں اس کا نام مارا کنڈہ تھا۔ پرانے زمانے کے بہت سے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں۔ سنہ 329 ق م میں سکندر اعظم نے اسے فتح کیا تھا اور یہ مغربی اور چینی تہذیب کا سنگم بن گیا تھا۔ سنہ 751 میں یہاں، چین سے باہر، کاغذ کا پہلا کارخانہ قائم ہوا تھا۔ سنہ 751 میں عربوں نے اس پر قبضہ کیا۔ عہد بنو امیہ میں یہ بغداد اور چین کے درمیان تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ نویں اور دسویں صدی میں عباسی عہد میں اسلامی علوم و فنون اور تہذیب کا بہت بڑا مرکز بن گیا اور یہیں امام بخاری اور دوسرے بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے۔ اس کے بعد یہ ایرانیوں، سلجوقیوں اور خوارزم حکمرانوں کے تحت آگیا اور کسی دور میں بھی اس کی عظمت اور شان و شوکت کم نہیں ہوئی۔ سنہ 1220 میں چنگیز خاں نے حملہ کرکے اسے تباہ کردیا۔ چودھویں صدی میں تیمور نے اسے اپنی سلطنت کا پایہ تخت بنایا۔ وسطی اور مغربی ایشیا سے دولت سمیٹ کر اس کے قدموں میں جمع کردی۔ بے شمار محل، مسجدیں اور باغات تعمیر کیے۔ اتنا عروج اس شہر کو پھر کبھی نصیب نہ ہو سکا۔ تیمور کی تعمیر کی ہوئی مسجد اور دوسری کئی عمارتیں آج بھی موجود ہیں۔ خود تیمور کا مقبرہ فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ تیمور کے بعد اس کی وہ شان و شوکت باقی نہیں رہی۔ بعد میں یہ امیر بخارا کے تحت چلا گیا۔ سنہ 1868 میں یہ زار روس کے تحت آگیا۔ موجودہ سمرقند ایک جدید شہر ہے۔ ہر طرف پارکوں اور باغوں سے گھرا ہوا ہے، سوتی کپڑے کی اور دوسری بے شمار ہلکی صنعتیں قائم ہیں۔ ایک یونیورسٹی اور کئی کالج اور تحقیقاتی ادارے بھی موجود ہیں۔

سمرنا (ٹرکی): دیکھئے ازمیر

سمندر: گہرے پانی کا ایسا وسیع علاقہ جو براعظموں کو گھیر رہا ہو یا ان کے درمیان بہت دور تک پھیلا ہوا ہو۔ بہت بڑے آبی علاقے بحر یا بحر اعظم اور کم گہرائی کے کم بڑے آبی حصے بحیرے کہلاتے ہیں۔

سمندروں میں درجہ حرارت: سورج سے خشکی اور تری دونوں گرم ہوتے ہیں لیکن غیر مساویانہ خشکی کے مقابلہ میں پانی کی حرارت نوعی پانچ گنا ہوتی ہے۔ سمندر سے کرنوں کے انعکاس وانعطاف اور حرارت کی گہرائیوں تک تقسیم کے علاوہ مستقل تغیر کے باعث خشکی اور تری کی تمازت یکساں نہیں رہ سکتی۔ پانی حرارت کا موصل ناقص ہے اور حرارت رساروؤں کے ساتھ باہمی اختلاط سے گرم ہوتا رہتا ہے۔

خشکی کے مقابلہ میں پانی دیر سے گرم اور دیر ہی سے سرد ہوتا ہے اس لیے موسم گرما میں تری کے علاقے کم گرم اور موسم سرما میں کم سرد ہوتے ہیں۔ سمندری پانی کا درجہ حرارت گہرائیوں اور عرض البلدی اختلافات کے علاوہ بحری روؤں، دائمی ہواؤں اور سیل یخ سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ شوریت، کثافت اور خشکی سے فاصلے اپنے اثرات ڈالتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سمندر کی بالائی سطح پر حرارت کی تقسیم خشکی ہی کی طرح ہوتی ہے۔ زیادہ دباؤ کی ٹراپکل پٹیوں میں انتہائی حرارت ہوتی ہے۔ یہاں سے قطبی اور استوائی سمت میں تخفیف ہوتی جاتی ہے۔ لیکن شرح تغیر حرارت مستقلاً یکساں نہیں رہتی۔ استوائی پانی کی حرارت سیدھی کرنوں کے باعث 80°F سے کم نہیں ہوتی اور قطبی پانی کی حرارت ترچھی کرنوں کے سبب نقطہ انجماد سے زیادہ اونچی نہیں ہو پاتی۔

ایک ہی عرض البلد کے سمندروں کے مختلف حصوں میں بھی حرارت بعض وجوہ سے مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً مشرقی اوقیانوس میں گرم رَو اور مغربی ہوائیں حرارت کو بڑھا دیتی ہیں، لیکن مغربی حصہ میں لبریڈور کی سرد رَو کی آمد، ہواؤں کے بعید از ساحل بہاؤ اور گہرائیوں سے سرد پانی کے ابھرنے کے باعث حرارت گھٹ جاتی ہے۔ استوائے حرّی کے نقل مقام، گہرائی، شوریت اور کثافت کے اختلافات اور خشکی سے فاصلے اپنا اثر دکھاتے ہیں۔

شرح تغیر حرارت مختلف منطقوں اور ایک ہی منطقہ کی مختلف گہرائیوں میں مختلف رہتی ہے۔ شمسی حرارت رسا کرنیں سمندروں میں صرف 115 فیدم کی گہرائی تک پہنچتی ہیں۔ پانی حرارت کا موصل ناقص ہے اور صرف حرارت رسائی اور اختلاط سے گرم ہوتا ہے، اس لیے 100 سے 600 فیدم کی گہرائی تک شرح تخفیف بہت تیز رہتی ہے۔ مزید نیچے 1,000 فیدم تک حرارت کم بدلتی ہے۔ آب دوز رووں میں استوائی سمت میں بہنے والے سرد قطبی پانی کی حرارت بہت کم بدلتی ہے۔

محصور بحیروں میں درجہ حرارت: کھلے سمندروں اور متصلہ بحیروں میں آب دوز فاصل آب چٹانوں کی چوٹیوں تک آزاد اختلاط آب سے شرح تغیر حرارت یکساں ہو سکتی ہے۔ لیکن زیادہ گہرائیوں میں آبی طبقات کی علیحدگی حرارت کے اختلافات پیدا کر دیتی ہے۔

بحری پانی کا دباؤ: بحری پانی کی دبازت جگہ جگہ مختلف ہوتی ہے لیکن گہرائیوں میں بھی بالائی پانی کا دباؤ زیادہ اثر نہیں ڈالتا۔ بحری فرش کی ایک مربع انچ سطح پر پانچ ہزار فٹ بلند آبی ستون کا وزن صرف ایک ٹن ہوتا ہے۔ بحری جاندار اجسام اندرونی و بیرونی طور پر متاثر کرنے والے دباؤ کو زیادہ محسوس ہی نہیں کرتے اس لیے عمیق سمندروں میں بھی جانور بکثرت ملتے ہیں۔ شرح تغیر بار پر کثافت اور شوریت کے اختلافات، بحری رووں کے بہاؤ اور مدّ و جذری پانی کی حرکات کا کافی اثر پڑتا ہے۔

کثافت: سمندروں میں مقامی درجہ حرارت اور شوریت کے علاوہ حل شدہ یا تیرنے والے مادّے اور در آمدہ پانی نیز سیل یخ کثافت کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ دریائی پانی کئی طرح کے نمک فراہم کرتا ہے۔ در آمدہ پانی کا کافی حصہ تو مستقل تبخیر سے ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن نمک کی مقدار بڑھتی ہی رہتی ہے۔ تجارتی ہواؤں کے شدید تبخیر والے علاقوں میں کثافت ہمیشہ زیادہ رہتی ہے۔ گرم ریگستانی علاقوں کے قریب ایسے آبی حصوں میں جہاں بارش کم ہوتی ہے، دریائی پانی کم پہنچتا ہے اور تبخیر زیادہ ہوتی ہے۔ سطحی کثافت اوسط کثافت سے 1.28 زیادہ ہو جاتی ہے۔

شوریت: بحری پانی ہر جگہ کچھ نہ کچھ کھاری ہوتا ہے۔ ٹراپکل علاقے استوائی علاقوں سے زیادہ کھاری ہوتے ہیں۔ بحیرۂ مردار کی شوریت فی ہزار 237 تا 250 اور شمالی کیسپین کی صرف 14 رہتی ہے۔ اوسط بحری شوریت 35 فی ہزار مانی گئی ہے۔ سمندر کا سطحی پانی بالعموم گہرے پانی سے زیادہ کھاری رہتا ہے۔ در آمدہ پانی اور نمک کی مقداروں کے علاوہ شدتِ تبخیر اور بحری رووں کی حرکات بھی سطحی شوریت پر اثر ڈالتی ہیں۔ گرم ریگستانی علاقوں کے قریب کے زیادہ کثیف پانی میں شوریت بھی زیادہ رہتی ہے۔ سرطان و جدی کے قریب سطحی اوسط شوریت 36 فی ہزار ہوتی ہے۔ قطبی اور استوائی سمتوں میں یہ گھٹتی جاتی ہے۔ 30° عرض البلد کے آگے قطبین کی جانب تبخیر کی کمی اور تازہ پانی کی مستقل فراہمی کے باعث شوریت گھٹ کر صرف 20 فی ہزار رہ جاتی ہے۔ قطبی کم شوریت کے لطیف پانی کی سطحی روئیں براعظموں کی مشرقی حدود پر استوائی سمت میں بہتی رہتی ہیں۔ آگے بڑھنے پر ان کی شوریت بھی بڑھ جاتی ہے۔

خط استوا کے قریب، زیادہ گرمی کے باوجود، فضائی رطوبت اضافی کی زیادتی اور بادلوں کی کثرت سے تبخیر سست پڑ جاتی ہے۔ اس طرح خالص پانی کم ضائع ہوتا ہے، لیکن بارانی اور دریائی پانی بکثرت پہنچتا رہتا ہے۔ نتیجتاً شوریت گھٹ جاتی ہے۔ اوسط استوائی شوریت 34 فی ہزار رہتی ہے۔

کلی یا جزوی طور پر محصورہ پانی میں حرارت اور تبخیر کے فرق، داخل اور خارج ہونے والے پانی کے اختلافات اور اختلاط آب کی تفاوتوں کے باعث شوریت یکساں نہیں رہتی۔

بحری تہ نشین مادّے: ساحل کے قریب جمع ہونے والے مادّے گہرائیوں کے تہ نشین مادّوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ براعظموں کے قریب گلیشیر یا دریاؤں کے ذریعہ پہنچے ہوئے مادے ملتے ہیں۔ بڑے بڑے وزنی ٹکڑے آب دوز حاشیوں پر، ریت اور سنگ ریزے ذرا گہرائی میں اور مہین ذرات زیادہ گہرے پانی میں لوندے بن کر عمیق بحری فرش پر جمع ہوتے رہتے ہیں۔

زمین آفریدہ پسے ہوئے چٹانی مادّے سیپوں، گھونگھوں اور مونگوں کے علاوہ دیگر بحری نباتات اور جمادات سے مل کر ساحل کے نزدیک ملگجی کیچڑ کا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

حاشیہ بنادیتے ہیں۔ خلیج میکسیکو اور بحیرۂ کیسپین میں لوہے کے مرکبات کی نیلگوں کیچڑ، مشرقی بحرالکاہل کے حاشیہ پر سبز معدنی کیچڑ اور بحیرہ زرد اور برازیل کے حاشیوں پر لوہے کے آکسائیڈ کی سرخی مائل مٹی ملتی ہے۔

بحری میدانوں اور گہرائیوں کے بھورے سفید چٹانی پرت بحر آفریدہ مادّوں سے بنتے ہیں۔ ان میں چٹانی مادے کم اور دریا برد اجزا ناپید ہوتے ہیں۔ سست رفتار سے پگھلنے والے سیل یخ ساحلوں سے بہت دور بھی چٹانی مادوں کو جمع کردیتے ہیں۔ ہوائیں اور بحری روئیں راکھ اور خاک کے ذرات کو دور دور تک لے جاتی ہیں۔ بعض مقامات پر آتشی اور شہابی احجار بھی تہ نشیں ہو جاتے ہیں۔

چونے کا کاربونیٹ رکھنے والی نامیاتی کیچڑ سے آہکی مادے بنتے ہیں۔ سیلیکائی کیچڑ سے سیلیکا مل سکتا ہے۔ آہکی مادے گہرائیوں میں اترتے ہوئے تحلیل ہوتے جاتے ہیں، اس لیے ساڑھے تین ہزار فیدم سے زیادہ گہرائیوں میں یہ بہت ہی کم ملتے ہیں، لیکن سیلیکا بآسانی حل نہیں ہوتا اس لیے 5 ہزار فیدم کی گہرائی میں بھی مل جاتا ہے۔

آہکی کیچڑ دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک "ٹیروپاڈ" جو بحیرۂ روم، بحر اوقیانوس اور بحرالکاہل میں چھ ہزار فیدم سے کم گہرائی پر ملتی ہے۔ دوسری "گلوبیجیرینا" جو پانی میں سست رفتار سے حل ہوتی ہے۔ یہ بحر ہند، بحر اوقیانوس اور بحرالکاہل میں °60 عرض البلد تک گہرائیوں میں بھی ملتی ہے۔ سیلیکائی کیچڑ بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ڈائم جو "انٹارکٹیکا" کے اطراف پھیلی ہوئی ہے۔ گرم سمندروں میں یہ صرف گہرے فرشوں ہی پر ملتی ہے۔ دوسری سرخی مائل "ریڈیو لیرین" جو بحر ہند اور بحرالکاہل کے گہرے میدانوں میں 5,000 فیدم کی گہرائی تک ملتی ہے۔

سرخ چکنی مٹی: یہ بحری فرش کے تقریباً ایک تہائی حصہ پر اکثر 2,000 فیدم سے زیادہ گہرائیوں میں ملتی ہے۔ اساسی طور پر یہ غیر نامیاتی اور بہ اعتبار ساخت آتشی ہوتی ہے۔ چونے، لوہے اور سیلیکا کے اجزار کھنے والے پوست دو ڈھائی ہزار فیدم تک غرق ہوتے ہیں تو چونا تحلیل ہو جاتا ہے۔ باقیات کے آکسائیڈ سے سرخ چکنی مٹی بن جاتی ہے۔ آتشی راکھ اور خاک بھی بحری فرش پر کیمیائی عمل کے باعث سرخ مٹی کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

سمندری پانی کا رنگ: بالعموم کھلے بحری پانی کا رنگ آسمانی دکھائی دیتا ہے، لیکن براعظمی حاشیہ قدرے سبزی مائل ہوتا ہے۔ بحری نباتات کی موجودگی اور پانی میں مختلف چٹانی نیز معدنی ذرات کی آمیزش بھی آبی رنگ کو متاثر کردیتی ہے۔

سمندری پانی میں گیسیں: اوسطاً 100 مکعب انچ بحری پانی میں دو تا تین مکعب انچ گیسیں موجود ہوتی ہیں۔ گیسوں کی جملہ مقدار کا نصف صرف نائٹروجن ہی کا ہوتا ہے۔ بقیہ مقدار آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی ہوتی ہے۔

سمندری پھیلاؤ: مختلف بحراعظم اور بحیرے کرۂ ارض کی تقریباً 71 فی صدی سطح پر پھیلے ہوئے ہیں۔ بحرالکاہل، بحراوقیانوس اور بحر ہند بڑے سمندر ہیں۔ ان کے رقبے بالترتیب 165 ملین مربع کلومیٹر، 82 ملین مربع کلومیٹر اور 74 ملین مربع کلومیٹر ہیں۔ بحر آرکٹک اور بحر جنوبی بھی خاصے بڑے ہیں۔ بحیروں میں بحیرۂ روم، بحیرۂ بالٹک، بحیرۂ شمالی، بحیرۂ اوکھٹسک، بحیرۂ قلزم (احمر یا سُرخ)، بحیرۂ اڈریاٹک، بحیرۂ ایجین، بحیرۂ مارمارا، بحیرہ چین، بحیرہ جاپان، بحیرۂ اسود، بحیرۂ ابیض، بحیرۂ زرد، بحیرۂ عرب اہم ہیں۔ براعظموں کے اندرونی حصوں کی بعض بڑی جھیلیں بھی بحیرے کہلاتی ہیں جیسے بحیرۂ کیسپین اور بحیرۂ اَرل۔

سمندری فرش: بحری تہہ کے درج ذیل چار حصے کیے جاتے ہیں:۔

(1) براعظمی حاشیہ: یہ ساحل سے لگا ہوا بحری تہہ کا کم گہرا، تدریجی ڈھلان والا علاقہ ہے جس پر خشکی اور تری سے پہنچے ہوئے چٹانی مادّے تہ نشیں ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کہیں زیادہ اور کہیں کم چوڑا رہتا ہے۔ اس کا وہ حصہ جو مدّو جذری حدود کے ۔ ۔ن واقع ہوتا ہے "بیچ" کہلاتا ہے۔ یہ صرف مد کے وقت ہی زیرِ آب رہتا ہے۔ بعض حاشیے بحری تخریبی عوامل کے ذریعہ فرسودہ ہوتے رہتے ہیں اور بعض جگہ غرق آب وادیاں دکھائی دیتی ہیں۔

(2) براعظمی ڈھال: یہ براعظمی حاشیہ سے ملا ہوا سمندر کی جانب زیادہ گہرا بحری فرش ہے۔ یہاں خشکی سے پہنچا ہوا چٹانی مادہ کم اور بحری اساس کا مادہ زیادہ پھیلا رہتا ہے۔

(3) پاتالی میدان: یہ گہرے سمندر میں تدریجی ڈھلان کے ہموار سے میدان براعظمی ڈھال کے علاقوں سے آگے 9 کروڑ 80 لاکھ مربع میل کے رقبہ پر (یعنی بحری فرش کے دو تہائی (2/3) حصہ پر) ہموار سطح کے بڑے قالین کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر بحری نباتات اور آبی جانوروں کے باقیات کے علاوہ آتش فشانی اساس کے مادّے زیادہ پھیلے رہتے ہیں۔

(4) بحری گہرائیاں: سلامی دار پہلوؤں کی لمبی لمبی گہرائیاں بحری فرش کے دس ہزار مربع میل رقبہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ آتش فشانی اور زلزلی علاقوں کے نواح میں اور پہاڑی تعمیر کے علاقوں کے قریب یہ زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔ نکارورا

اور ہینڈ ناؤ کی گہرائیاں اہم ہیں۔

سمندری گہرائیاں: سمندروں کی اوسط گہرائی 12,300 فٹ ہے۔ مختلف گہرائیوں کے بحری رقبے جو سَر جان مَرے نے پیش کیے ہیں درج ذیل ہیں:

گہرائی	متعلقہ رقبہ	گلوب کا فیصد
صفر تا 600 فٹ	10 ملین مربع میل	5
600 تا 3,000	7 " "	3
3,000 تا 6,000	5 " "	2
6,000 تا 12,000	27 " "	15
12,000 تا 18,000	81 " "	41
18,000 فٹ سے زائد	10 " "	5

گہرائیاں فٹ کے بجائے فیدم میں دکھانا ہو تو چھ فٹ کو ایک فیدم کے مساوی سمجھ کر فٹ کو فیدم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

سمندری لہروں کے ذریعہ تخریب کاری یا ٹوٹ پھوٹ: سمندر کی لہریں جب ساحل سے ٹکراتی ہیں تو ساحل کو مستقل کاٹتی رہتی ہیں۔ مثلاً رودبار انگلستان (English Channel) کے دونوں طرف ساحل سمندر کی دو میٹر چوڑی پٹی ہر سال سمندر کی لہروں سے کٹ جاتی ہے۔ اسی طرح فرانس کے ساحل پر 1818 میں کٹاؤ 15 میٹر فی سال کے حساب سے ہوا تھا جو 1944 میں بڑھ کر 35 میٹر فی سال کے سے حساب ہو گیا۔

سمندری ساحل کا کٹاؤ وہاں کی چٹانوں پر منحصر ہوتا ہے۔ نرم چٹانوں کے کنارے ٹوٹ کر صرف ریتیلے ڈھیر بناتے ہیں لیکن سخت چٹانوں والے سمندر کے ساحل پر بڑے پتھروں کے ڈھیر ملتے ہیں۔ اگر ساحل سمندر بلند ہوتا ہے تو لہریں نیچے سے ساحل کو کاٹتی رہتی ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ساحل کا بڑا حصہ ٹوٹ کر گر جاتا ہے۔ مد و جزر کے ذریعہ بھی ساحل سمندر کا کٹاؤ ہوتا رہتا ہے اور جہاں یہ اثر زیادہ ہوتا ہے وہاں ڈیلٹا (Delta) کے بجائے دہانہ یا ایچوری (Estuary) بنتی ہے۔

سمندری لہروں کے ساتھ پتھر بھی آتے ہیں جو ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر ان کو توڑتے رہتے ہیں۔ مزید برآں ساحل کی چٹانوں میں جو رخنے ہوتے ہیں لہروں کے تھپیڑوں سے ان رخنوں کے اندر کی ہوا دبتی ہے اور لہروں کے واپس جانے کے بعد پھیلتی ہے۔ اس طرح ساحل کی چٹانیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ اگر ساحل سمندر پر ایسی چٹانیں ہوتی ہیں جو گھل سکتی ہیں تو لہروں کے اثر سے جو پانی ان سے ٹکراتا ہے وہ اجزا کو گھول کر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ سمندری لہروں کی طرح بڑی جھیلوں کی لہروں سے بھی جھیل کے کنارے کٹتے رہتے ہیں۔

سمھاچلم: ریاست آندھرا پردیش کے علاقہ وجیانگر کی ایک پہاڑی ہے جو سری نرسمھا کے مندر کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں سال بھر زائرین کا ایک جمگھٹا رہتا ہے۔

سن سلویڈر (Sansalvador): یہ ایل سلویڈر (El Salvador) کا صدر مقام ہے۔ وادی ہماک (Hammock) میں 2,235 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں سات میل کے فاصلہ پر اسی نام کا ایک آتش فشاں دکھائی دیتا ہے۔ 1854 اور 1873 میں اسے آتش فشانی نے اور سنہ 1917 میں شدید سیلابوں نے تباہ کر دیا تھا۔ لیکن آج پھر یہ آمد و رفت، صنعت اور تجارت کا بڑا مرکز بن گیا ہے۔ پارچہ بافی اور چرمی نیز چوبی سامان کی تیاری کے علاوہ یہاں شراب اور سگریٹ کی تیاری اور گوشت کو ڈبوں میں ہوا بند کرنے کی صنعت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ نیشنل میوزیم قابل دید ہے۔ 1971 میں آبادی 337,171 تھی۔

سنٹر: ابلتے چشمہ یا گرم چشمہ کے اطراف سلیکائی مادہ کے جماؤ کا نام ہے۔

سندری: بہار میں دھن باد کے جنوب مشرق میں اس سے 25 کلو میٹر کے فاصلے پر سندری کا جدید صنعتی شہر واقع ہے جو کھاد کے کارخانہ کے لیے مشہور ہے۔ اس کارخانہ کے قیام میں 40 کروڑ روپے صرف ہوئے ہیں۔ یہ ایشیا کا سب سے بڑا کھاد کا کارخانہ مانا جاتا ہے۔ سندری میں قائم کردہ دوسرے صنعتی کارخانے اور ادارے سوپر فاسفیٹ، اے. سی. سی. سیمنٹ، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف فرٹی لائزر ٹکنالوجی اور بہار انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی ہیں۔

سندوو گندھارا: یہ پاکستان میں سندھ کی زیریں وادی کے علاقہ کا قدیم نام ہے۔ اس کا صدر مقام حیدر آباد (سندھ) تھا۔ اب اس کا بیشتر حصہ حیدر آباد اور خیر پور ڈویژن میں شامل ہو گیا ہے۔ اس کے مشرق میں ہندوستان او. مغرب میں بلوچستان واقع ہے۔ گندھارا ایک تاریخی خطہ ہے۔ ٹکسلا اور پیشاور اس کے اہم شہر تھے۔ قدیم زمانہ میں اولاً یہ ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ سکندر اعظم یہاں 327 ق م میں پہنچا تھا۔ کشان کے زیر اقتدار اس نے کافی ترقی کی تھی۔ ان کے بعد ہن خاندان نے اس پر قبضہ جمالیا تھا۔

سندھ (دریا): دریائے سندھ کیلاش پربت کے شمال سے نکلی ہے۔ ننگا پربت کے مغربی جانب پہنچنے کے بعد یہ کشمیر سے ہوتے ہوئے پاکستان میں داخل ہوتی ہے۔ اس کے بائیں اور دائیں جانب سے اس کی پانچ معاون ندیاں جہلم، چناب، راوی، بیاس اور ستلج، اس میں ملنے سے پہلے آپس میں مل جاتی ہیں اور ان کے ملنے کے بعد اس کا نام پنج ند ہو جاتا ہے۔ ان پانچوں ندیوں کی وجہ سے ہی، جن علاقوں میں یہ بہتی ہیں، ان کا نام پنجاب پڑ گیا ہے جس کا مشرقی حصہ ہندوستان اور مغربی حصہ پاکستان میں ہے۔ دریائے سندھ کی لمبائی 2,880 کلومیٹر ہے، اس کی عظمت کی وجہ سے اس کو سمندر کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ پاکستان میں صوبہ پنجاب اور سندھ میں شامل ہے۔ کراچی کے قریب کئی دہانوں کے ساتھ یہ بحیرۂ عرب میں جا ملتی ہے۔ اس دریا پر سکھر بیراج کا مشہور ڈیم بنایا گیا ہے۔

سنکونا کارٹیکس (سنکونا بارک (سنکونا کی چھال) پرووٹیائی بارک): دنیا کے تمام علاقوں میں سنکونا کی چھال کی قلوی خصوصیت کی وجہ سے بڑی مانگ ہے کیوں کہ ملیریا کے علاج میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ کونین اس کی چھال سے ہی حاصل ہوتی ہے جو ایک نہایت مفید دوا ہے جس کی وجہ سے نسل انسان کو بڑا فیض پہنچا ہے۔ یہ پودے جنوبی امریکہ میں کوہ اینڈیز کے وسط مغربی سلسلے کی مشرقی ڈھلانوں پر قدرتی طور پر اگتے ہیں۔ یہ سطح سمندر سے 3,000 تا 20,000 فٹ کی بلندی پر کاسٹاریکا سے بولیویا کی جنوبی سرحدوں تک نمو پاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یورپ میں سنکونا بارک کی کاشت 1639 میں شروع کی گئی ہو۔ اس کا درخت ہندوستان بھی لایا گیا اور بتدریج اس سے ملیریا کے علاج میں مدد لی گئی۔ ملیریا کے علاج کے علاوہ کونین کی بحیثیت ٹانک، اینٹی سپٹک (Antiseptic) اور بخار کے علاج میں بڑی اہمیت ہے۔ سنکونا کے درختوں کی جنوبی ہند میں نیلگری کی پہاڑیوں میں بڑی کامیابی کے ساتھ کاشت کی گئی اور 1864 میں رانچی کی وادی میں اور بمقام منگپو (Mangpoo) بھی اس کی کاشت کی ابتدا ہوئی۔ سنکونا ایک سدابہار درخت ہے۔ ہندوستان میں زیادہ تر اس کی کاشت گرم و مرطوب علاقوں میں ہوتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ سنکونا بارک جاوا میں پیدا ہوتا ہے۔ اس علاقہ سے دنیا کا تقریباً 97 فی صدی کونین بارک حاصل ہوتا ہے اور اس کی بڑی مقدار برآمد کی جاتی ہے۔

ہندوستان میں اس کی خاص قسمیں حسب ذیل ہیں۔ 1. سی. افسینیالس (بھورا بارک)۔ 2. سی. کیلیسایا (زرد بارک)۔ 3. سی. سکسی سیرا. (سی بارک)۔ 4. سی. رودن بسٹا۔ 5. سی. لیڈگرنیا۔ ہندوستان میں موجودہ کونین بارک کی سالانہ پیداوار تقریباً 250,000 پونڈ ہے۔ یہاں دو سنکونا مزرعے ہیں جن سے متعلقہ کارخانے بھی ہیں جو کونین پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک مزرعہ مغربی بنگال کے ضلع دارجلنگ میں بمقام منگپو (Mungpoo) واقع ہے اور دوسرا نیلگری میں او ٹکمنڈ (اوٹی) کے قریب نیدوو تم (Neduvattam) میں واقع ہے۔ ان دونوں کارخانوں کے کونین کی سالانہ جملہ پیداوار 70,000 پونڈ سے زائد نہیں ہے۔ اس ادویہ کی بڑی مقداریں درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ ملیریا سے بیمار پڑنے والے 10 کروڑ ایسے لوگ ہیں جو ہسپتال میں داخل نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کی حقیقی مانگ دراصل بہت زیادہ ہے۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ ہندوستان میں، جبکہ ملیریا کا اثر زیادہ ہے، کونین کا فی کس استعمال دوسرے ممالک کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ اٹلی میں اس کا فی کس استعمال 16 گرین (grain) اور یونان میں 24 گرین ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں اس کا فی کس استعمال صرف ½3 گرین ہے۔

سنگ مرمر (Marble): کایابدل چونا پتھر یا لائم اسٹون جو عام طور پر تپشی تماسی (Thermal Contact) سے تغیر پذیری کے باعث مکرر یا دوبارہ قلماؤ (Recrystalization) کی وجہ سے بنا ہو۔ خالص سنگ مرمر محض کیلسائٹ سے بنا ہوتا ہے اور سفید رنگ کا ہوتا ہے مگر اس کی کیمیائی ترکیب میں مختلف آمیزشوں کے باعث مختلف رنگ بھی ممکن ہیں مثلاً سرپنٹین (Serpentine) کے حامل ڈولومائٹ کی تغیر پذیری سے حاصل شدہ سنگ مرمر سبز ہوتا ہے، کیونکہ سرپنٹین اور ڈولومائٹ (Dolomite) کے تعامل سے سبز رنگ کا فارسٹرائٹ (Foresterite) جماد بنتا ہے۔ یہ عمارت سازی میں استعمال کے لیے بے حد اہم ہے چنانچہ کئی خوبصورت عمارتیں مثلاً ہندوستان میں آگرہ کا تاج محل اسی حجر کا بنا ہوا ہے۔

سنگ وقت (Chorolith): یک وقتی حجری اکائی (Time Rock Unit) ۔

سنگاپور: یہ جزیرہ نمائے ملایا کے مقابل جزیرہ سنگاپور کا صدر مقام اور اہم بندرگاہ ہے۔ اسی نام کی آبنائے نے اسے مجمع الجزائر ریا اور لنگا سے علیحدہ کر دیا ہے۔ مشرق بعید میں یہ بری، بحری اور ہوائی راستوں کا اہم مرکز ہے۔ دنیا کا بہت بڑا تجارتی مقام اور فوجی چھاؤنی ہے۔ یہ بحر ہند اور بحر الکاہل کو ملاتا ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے اسے بین الاقوامی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا بندرگاہی رقبہ 36 مربع میل ہے۔ 1991 میں اس کی آبادی 2,763,000 تھی۔ سنگاپور ریاست جمہور کا ایک حصہ تھا۔ 1819 میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے حاصل کر لیا۔ 1824 میں یہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

برطانوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس وقت یہ چھوٹا سا گاؤں تھا۔ برطانوی تسلط میں یہ دنیا کے اہم بندرگاہوں میں سے ایک ہو گیا۔ یہاں برطانیہ نے بہت بڑا بحری اڈہ قائم کیا۔ یہ ٹن اور ربر کی تجارت اور برآمد کا بھی بہت بڑا مرکز بن گیا۔ بنکاک سے اسے ریل سے ملا دیا گیا جس سے تجارت میں اور بھی ترقی ہوئی۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا لیکن ان کی شکست کے بعد یہ 1945 میں پھر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ 1963 میں جب ملایا کو آزادی ملی تو سنگاپور بھی اس وفاق میں شریک رہا لیکن بعد میں اس سے الگ ہو گیا اور اب ایک آزاد ریاست ہے۔

سنگاپور جمہوریہ (Republic of Singapore): جمہوریہ سنگاپور جزیرہ نما ملایا کے جنوبی سرے پر واقع ایک آزاد ریاست ہے۔ یہ دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کا رکن ہے۔ اس میں جزیرہ سنگاپور اور پچاس دوسرے چھوٹے چھوٹے جزیرے شامل ہیں جن میں سے صرف آدھے آباد ہیں۔ جمہوریہ سنگاپور کا رقبہ 625 مربع کلو میٹر ہے جس میں سنگاپور اور دوسرے جزیرے شامل ہیں۔ سنگاپور جنوب مشرقی ایشیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کی آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 2,763,000 ہے۔ یہاں کی آبادی میں تین چوتھائی چینی، 15 فیصدی ملائی اور 7 فی صدی ہندوستانی ہیں۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔

سنگاپور ایک زمانے تک ملائی بادشاہوں کے قبضے میں رہا۔ 1891 میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں کے حکمرانوں کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا اور اس کے تحت یہاں انھوں نے ایک تجارتی مرکز قائم کیا۔ 1824 میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے دباؤ ڈال کر پورے جزیرے اور ساتھ کے پچاس جزیروں پر قبضہ کر لیا اور بعد میں جب ملایا پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اسے ملایا میں ملا دیا گیا اور اسے انگریزوں نے جنوب اور جنوب مشرق کی اپنی سلطنت کی حفاظت کے لیے بحری اور ہوائی اڈے میں بدل دیا۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران فروری 1942 میں جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ جنگ کے خاتمے پر ستمبر 1945 میں یہ دوبارہ انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔

جنگ کے بعد ملایا کے ساتھ یہاں بھی آزادی کی جنگ تیز ہو گئی۔ جون 1959 میں اسے خود مختاری ملی اور ستمبر 1963 میں یہ ملایا کے وفاق میں شامل ہو گیا۔ لیکن چونکہ یہاں کی آبادی کی بڑی اکثریت چینیوں کی تھی اس لیے وفاقی حکومت کے ساتھ نبھ نہ سکی اور 19 اگست 1965 میں سنگاپور وفاق سے الگ ہو گیا۔ دسمبر 1965 میں یہ ایک آزاد ریاست بن گیا۔

سنگاپور میں 1989 میں ابتدائی مدرسوں میں 257,833 طالب علم، ثانوی مدارس میں 180,817 طالب علم اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں 14,179 طالب علم تھے۔

رائج سکہ سنگاپور ڈالر ہے۔ درآمدات جاپان، ملیشیا، کویت، سعودی عرب، برطانیہ وغیرہ سے آتی ہیں اور برآمدات ملیشیا، امریکہ، آسٹریلیا، برطانیہ وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 26 فی صدی پٹرول، 17 فی صدی مشینیں، 14 فی صدی ربر وغیرہ ہیں۔ سیاحت بھی ایک بہت بڑی صنعت ہے۔ آزادی کے بعد سے یہ جنوب مشرقی ایشیا کا ایک اہم صنعتی مرکز بن گیا ہے۔

لی کوان یو سنگاپور کا تیس سال تک وزیرِ اعظم رہا۔ اس نے بالآخر 1990 میں استعفا دے دیا۔ اس کے دورِ حکومت میں سنگاپور نے بتدریج ترقی کی۔

سنگیات (Lithology): کسی رسوب یا حجراتی مجموعوں کی عام خصوصیات کا بیان (حجریات) یا کسی تہ نگاری نظام ترتیب یا پرت یا رکن میں موجود حجرات کی قسموں کے بیان کو سنگیات کہا جاتا ہے۔

سنٹیلم البم (صندل): قدیم زمانہ میں ہندوستان اور چین میں سنٹیلم البم کی لکڑی کی اس کی عجیب و غریب بُو کی وجہ سے بڑی قدر و قیمت تھی۔ ہندوؤں کی مذہبی رسومات میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ایک چھوٹا سدا بہار ہندوستان کا دیسی درخت ہے۔ یہ تو جنگلاتی پیداوار ہے لیکن میسور، کورگ، کوئمبٹور اور چینئی کے جنوبی حصوں میں اس کی کاشت ہوتی ہے۔ ہندوستان کا وہ علاقہ جہاں سے بڑی مقدار میں اس کی لکڑی حاصل کی جاتی ہے، اس کی لمبائی 240 میل اور چوڑائی 16 میل ہے، یہ نیلگیری کی پہاڑیوں سے شروع ہو کر میسور سے ہوتے ہوئے شمال اور شمال مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ صندل کی لکڑی کے علاقہ کا جملہ رقبہ تقریباً 6,000 مربع میل ہے، جس کا تقریباً نوے فیصدی علاقہ میسور میں ہے۔ صندل کی لکڑی کی خصوصیت طفیلی ہوتی ہے۔ درخت سخت چٹانی مٹی میں اگتے ہیں اور یہ 18 تا 20 سال کی مدت میں تیار ہو جاتے ہیں۔ صندل کی لکڑی اور تیل، جو اس کے درخت سے حاصل ہوتا ہے، صدیوں سے استعمال ہوتے آئے ہیں۔ اس کا روغن (Emulsion) جلدی بیماریوں اور سوزش کو ٹھنڈک پہنچانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صندل کی سالانہ پیداوار 4,000 ٹن ہوتی ہے جس میں 800 تا 600 ٹن استعمال میں لائی جاتی ہے اور باقی برآمد کی جاتی ہے۔ بنگلور اور میسور میں ریاست کی زیرِ نگرانی صندل سے صابن سازی اور تیل سازی کے کارخانے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سوازی لینڈ (Swaziland): افریقہ کے جنوبی حصہ میں واقع ایک بادشاہت ہے جو ہر طرف سے دوسرے ملکوں سے اور خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے شمال جنوب اور مغرب میں جمہوریہ جنوبی افریقہ اور مشرق میں موزمبیق واقع ہیں۔ رقبہ 17,366 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 817,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر مبانے ہے۔ سرکاری زبانیں انگریزی اور سواتی (Siwati) ہیں۔ آبادی کا 60 فیصدی حصہ عیسائی اور بقیہ روایتی افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔

ملک کا سارا علاقہ سطح مرتفع پر مشتمل ہے اور زراعت کے لیے موزوں ہے۔ مغرب میں پہاڑوں کا بھی سلسلہ ہے۔ مکئی، چاول، آلو اور گنے وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ لوہے اور اسبسطاس کی کان کنی کی جاتی ہے۔

برآمدات کا 36 فیصدی شکر، 26 فیصدی کاغذ کے لیے لکڑی کی لگدی، لوہے اور اسبسطاس کا کچا مال بھی باہر بھیجا جاتا ہے۔ برآمدات زیادہ تر برطانیہ، جاپان اور جنوبی افریقہ کو بھیجی جاتی ہیں۔

رائج سکہ لیلانگینی ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 172,908 طالب علم اور 5,347 استاد ہیں اور ثانوی مدرسوں میں 31,109 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 3224 طالب علم ہیں۔

1820 تک سوازی لوگ دریائے پوگولا کے شمالی علاقہ تک چھائے ہوئے تھے لیکن ایک دوسرے قبیلے نے انھیں وہاں سے ہٹا دیا اور وہ موجودہ سرحدوں کے اندر رہ گئے۔ یوروپی باشندے سوازی لینڈ میں پہلی مرتبہ 1880 میں داخل ہو کر آباد ہوئے اور انھوں نے 1887 تک مقامی راجہ کو مجبور کیا کہ انھیں اندرونی خود مختاری دے دے۔ 1890 میں جنوبی افریقہ کی حکومت کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے برطانوی حکومت نے یہاں ایک دوسری عارضی حکومت قائم کر دی۔ 1894 میں پورا نظم و نسق ٹرانسوال کی حکومت نے سنبھال لیا۔ انگریزوں اور جنوبی افریقہ کی حکومت سے لڑائی کے بعد 7-1906 میں سوازی لینڈ کا نظم و نسق برطانیہ نے پوری طرح سنبھال لیا اور یہ علاقہ برطانوی تسلط میں آگیا۔ 1921 میں ایک مشاورتی کونسل منتخب ہوئی۔ اسے منتخب کرنے والے اور امیدوار سب سفید فام یوروپی باشندے تھے۔ 1949 اور 1956 میں اس طرح کے انتخابات سے نئی کونسلیں بنائی گئیں۔ 1967 میں بادشاہ کو اندرونی خود مختاری دی گئی۔ 1968 میں اسے مکمل آزادی مل گئی لیکن یہ دولت مشترکہ کا ممبر رہا۔

سوازی لینڈ میں سارا اقتدار بادشاہ کے ہاتھ میں مرکوز ہے۔ ایک وزیر اعظم اور کیبینیٹ کے ذریعہ وہ انتظام چلاتا ہے اور ان کا انتخاب وہ خود کرتا ہے۔ کابینہ بادشاہ کو مشورہ دیتی ہے اور ایک اسمبلی کے سامنے بھی جواب دہ ہے جو بالغ حق رائے دہی کے ذریعے چنی جاتی ہے۔ 1973 تک یہ نظام چلتا رہا۔ 1976 میں پرانا آئین منسوخ کر دیا گیا اور 1978 میں نیا آئین مرتب کیا گیا۔ 1979 میں نئی پارلیمنٹ کا تقرر ہوا۔ 1982 میں جنوبی افریقہ اور سوازی لینڈ اس بات پر متفق ہوئے کہ ایک دوسرے کی حفاظت کرنے میں آپس میں شرکت کریں گے۔

1982 میں 61 سال تک شہنشاہ رہنے کے بعد سوبھوزا کا انتقال ہوا اور شہزادہ ولا مبنی اس کا جانشین منتخب ہوا۔ 1986 میں شہزادے کی تاج پوشی کی گئی اور اس کا نام شاہ سواتی سوم رکھا گیا۔

1992 کی خشک سالی نے سوازی لینڈ میں قحط کے حالات پیدا کر دیے تھے۔

سواسمدرم: یہ ریاست کرناٹک میں سومناتھ پور سے 25 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جسے شیو کا سمندر یا ساگر (The Ocean of Siva) کہا جاتا ہے۔ یہ کاویری ندی کی دو شاخوں کے درمیان ایک جزیرہ ہے۔ یہ دو شاخیں پہاڑیوں اور وادیوں سے خاموش گزرتے ہوئے بالآخر دو آبشاروں کی شکل اختیار کرتی ہیں جو گگن چکی (The Gagan Chakki) یا آسمانی جھرنا (Cascade from the sky) اور بارہ چکی (Bara Chakki) کہلاتی ہیں۔ ان دونوں سے پانی کی زبردست دھارائیں گزرتی ہیں جن کے کناروں پر گھنے جنگلات اُگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے قریب سیواسمدرم کا مشہور مندر اور پیر ولی (Peer Wali) کی درگاہ تعمیر کی گئی ہے جہاں ہر سال بڑا میلا لگتا ہے۔

سُواکن: یہ بحیرۂ احمر میں سوڈان کا بندرگاہ ہے۔ سنہ 1980 میں اس میں امریکن فوجی اڈہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا اور اسے "کینیا" میں ممباسہ کے بندرگاہ سے مربوط کرنے کے لیے ایک طویل سڑک کی تعمیر کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا تھا۔

سوباسٹن منسٹر: یہ سولھویں صدی عیسوی میں سیاسی جغرافیہ کا علم بردار تھا۔ اس کے تصورات میں جگہ جگہ اسٹرابو کا رنگ غالب دکھائی دیتا ہے۔ اس نے ممالک کی حدود کے تعین پر زیادہ توجہ دی ہے اور مختلف علاقوں کے باشندوں کے طور طریق اور رسم و رواج کا تجزیہ کیا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سوڈان(Sudan): شمال مشرق افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ رقبہ میں افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔ کیونکہ یہ 2,505,813 مربع کلو میٹر کی وسعت میں پھیلا ہوا ہے۔ اس ملک کے شمال میں مصر، مشرق میں ایتھوپیا اور شمال مشرق میں بحیرۂ قلزم (سرخ)، جنوب میں کینیا، یوگانڈا اور زائرے، مغرب میں لیبیا، چاڈ اور جمہوریۂ وسطی افریقہ اور شمال مغرب میں لیبیا واقع ہیں۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 27,941,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام خرطوم ہے۔ زبان عربی اور جنوب کی افریقی بولیاں ہیں۔ 80 فیصدی آبادی مسلمان اور بقیہ کا مذہب قدیم افریقی روایتی عقیدے ہیں۔ افریقی قبائلی مذاہب کے پیرو جنوبی علاقے میں رہتے ہیں۔ سوڈان کا کچھ علاقہ سطح مرتفع ہے۔ یوگانڈا کی سرحد پر کوہ کنیٹی کی اونچائی 10,456 فیٹ ہے۔ یہاں دو بڑے علاقے ہیں۔ ایک ریگستانی علاقہ ہے جو شمال میں مصر سے شروع ہو کر خرطوم تک چلا گیا ہے۔ اس علاقے میں بارش اوسطاً 10 سینٹی میٹر (4 انچ) سالانہ ہوتی ہے اور کوئی درخت یا پودے نہیں اگتے۔ خرطوم کے جنوب سے بارش والا علاقہ شروع ہوتا ہے جہاں اوسطاً 100 سینٹی میٹر (40 انچ) بارش ہوتی ہے۔ اس علاقے کے شمال میں چھوٹی گھاس اور وسط میں لمبی گھاس اگتی ہے۔ جنوب کا حصہ جنگلوں سے ڈھکا ہے، کیونکہ جیسے جیسے جنوب کی طرف بڑھیے، بارش میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

دریائے نیل یوگانڈا سے نکل کر سوڈان ہوتا ہوا مصر میں داخل ہو جاتا ہے۔ خرطوم پر نیل ابیض (سفید نیل) (White Nile) میں ایتھوپیا سے آنے والی ندی، نیلی نیل (Blue Nile) مل جاتی ہے۔ خرطوم سے 240 کلو میٹر 150 میل دور، نیلی نیل پر ایک بند باندھ کر نہریں نکالی گئی ہیں جو دونوں نیلوں کے درمیان کے جزیرے کے دس لاکھ ایکڑ علاقے کو سیراب کرتی ہیں۔

تعلیم: 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں کے طالب علموں کی تعداد 2,042,743 اور استادوں کی تعداد 60,047 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 731,624 طالب علم اور 33,628 استاد تھے۔ فنی اور حرفی تعلیم کے مدرسوں میں 30,332 طالب علم اور 1,440 استاد تھے۔ یونیورسٹیوں میں 54,558 طالب علم اور 1,933 استاد تھے۔

یہاں کا سکہ سوڈانی پاؤنڈ ہے۔ درآمدات زیادہ تر برطانیہ، امریکہ، جاپان، جرمنی، روس اور چین سے آتی ہیں اور برآمدات چین، فرانس، اٹلی اور جرمنی کو جاتی ہیں۔ برآمدات میں کپاس 46 فیصدی اور تیل کے بیج 13 فیصدی ہیں۔ 4,757 کلو میٹر لمبی ریلوے لائنیں ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے نیل اور اس کی نہروں کو حمل و نقل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لاریوں اور ہوائی جہاز سے بھی حمل و نقل ہوتا ہے۔

یہاں کپاس کے علاوہ گیہوں، مکی، رتالو، آلو، تیل کے بیج وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گائیں، بکریاں، بھیڑیں، اونٹ اور گدھے وغیرہ پالے جاتے ہیں۔

ملک صنعتی طور پر زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔ سیمنٹ اور پیٹرولیم کی صنعتیں قائم ہیں۔

تاریخ: قدیم زمانے میں نوبیائی لوگ وادیٔ نیل میں رہا کرتے تھے۔ یہ علاقہ اب شمالی سوڈان میں شامل ہے۔ قدیم عہد میں مصری نوبیا کے علاقے تک پھیل گئے، لیکن غالباً 1500 ق.م. تک وہ اس علاقے سے چلے گئے۔ چھٹی صدی عیسوی میں نوبیایوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور وادیٔ نیل کے اس علاقے میں بہت ساری چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ پندرھویں صدی میں جب عرب فاتح اس علاقے میں بڑھے تو اس وقت تک یہ ریاستیں باقی تھیں۔ اس کے بعد ان کی جگہ مسلمان ریاستوں نے لے لی۔ یہ 1840 تک باقی رہیں جب مصر کے حکمراں محمد پاشا نے اسے فتح کر لیا۔

1877 میں ایک برطانوی افسر چارلس گارڈن (Charles Gardon) کو مصری حکومت نے سوڈان کا گورنر مقرر کیا۔ 1879 میں گارڈن چلا گیا اور اس کے بعد محمد احمد نامی ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور مصری حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اس لیے کہ وہ بھی آزادی چاہتے تھے۔ 1882 میں انگریزوں نے مصر پر قبضہ کر لیا تھا۔ انھوں نے مہدی کی بڑھتی فتوحات کو روکنے کے لیے گارڈن کو پھر سوڈان بھیجا۔ فروری 1884 میں مہدی نے خرطوم کا محاصرہ کر لیا اور ایک سال بعد اسے فتح کر لیا۔ گارڈن مارا گیا۔ جون 1885 میں مہدی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے جانشین اس آزادی کی حفاظت نہ کر سکے چنانچہ کچنر کی سرکردگی میں انگریز اور مصری فوجوں نے ان پر فتح پائی۔ 1899 سے 1953 تک سوڈان پر انگریزوں اور مصریوں کی مشترکہ حکمرانی رہی۔ سوڈان کا نام اینگلو ایجپشین سوڈان ہو گیا۔ 1953 کے معاہدے کے تحت جنوری 1956 میں سوڈان کو آزادی مل گئی۔

ایک پارلیمانی جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ 1958 میں فوج کے کمانڈر انچیف ابراہیم عبود نے اس حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی حکومت قائم کر دی۔ 1964 میں منظم طالب علموں اور مزدوروں نے عوام کی مدد سے اس حکومت کو استعفیٰ دینے اور جمہوری حکومت قائم کرنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ ایک پارلیمنٹ چنی گئی۔ دستور ساز اسمبلی بنائی گئی اور ملک میں ایک جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ 1969 میں کرنل جعفر نمیری کی سرکردگی میں ایک دفعہ پھر فوجی بغاوت ہوئی۔ دستور کو معطل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کر کے اور جمہوری حکومت برطرف کر کے ایک فوجی حکومت قائم کر دی گئی اس کے خلاف بھی کئی بغاوتیں ہوئیں لیکن مصر اور لیبیا کی مدد سے اسے کچل دیا گیا۔ بعد میں لیبیا سے اختلافات ہو گئے اور لیبیا کی مدد سے بھی بغاوتوں کی کوشش ہوئی۔ سوڈان نے مصر سے باہمی دفاع کا معاہدہ کر لیا ہے اور سعودی عرب سے بھی گہرے تعلقات قائم کر لیے ہیں۔

جولائی 1971 میں کمیونسٹوں نے حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی لیکن نمیری نے اسے ناکام کر دیا۔ اندرونی جنگوں اور بیماریوں سے اموات کی تعداد 1.5 ملین (پندرہ لاکھ) صرف جنوبی سوڈانی باشندوں کی ہو گئی۔ اس حالت کا خاتمہ ایک معاہدے کے ذریعے ہوا۔ جو جنوبی سوڈان لبریشن فرنٹ کے ساتھ ادیس ابابا میں، فروری 1972 میں کیا گیا۔ 1973 میں ایک ایسا آئین منظور کر لیا گیا جس میں ایک پارٹی کی حکومت اور جنوبی سوڈان کو کافی اختیارات دیے گئے۔

1983 میں سب کو حیرت میں ڈالنے والا قدم نمیری نے اٹھایا کہ خالص اسلامی قانون ملک میں نافذ کر دیے گئے۔ ان کی مخالفت بھی ہوئی لیکن نمیری نے 1984 میں ملک میں ایمرجنسی لگا دی۔ 1985 میں نمیری کو برطرف کر دیا گیا اور عبدالرحمن سوارے دہب کو عبوری فوجی حکومت کا سربراہ بنا دیا گیا۔ 1986 میں انتخابات ہوئے اور صادق المہدی نے 1989 تک حکومت کی جب ایک بغاوت میں اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ 1990 میں امریکہ نے امداد دینا بند کر دیا کیونکہ خلیجی جنگ میں سوڈان نے عراق کی طرفداری کی تھی۔

سورت: ریاست گجرات (ہندوستان) کا دوسرا بڑا شہر ہے جس کی 1991 میں آبادی 1,518,950 تھی۔ یہ مغربی ریلوے لائن پر ممبئی سے 163 میل کے فاصلے پر تاپتی ندی کے کنارے خلیج کھمبے میں واقع ہے۔ اس کی تاریخ عجیب و غریب ہے۔ 1512 میں پرتگالیوں نے اس کو لوٹا تھا۔ 1573 میں جب یہ شہر مغلوں کے اقتدار میں تھا تو مکہ کا دروازہ کہلاتا تھا۔ اس وقت یہ بیرونی تجارت اور سفر حج کے لیے ایک اہم بندرگاہ تھا۔ کئی غیر ملکی قوموں نے مختلف زمانوں میں اس پر اپنا قبضہ جمایا اور اپنی تجارتی چوکیاں قائم کیں۔ مرہٹہ سلطنت کے بانی شیواجی نے دو مرتبہ اس پر قبضہ کیا۔ 1842 میں جب آخری نواب کا انتقال ہوا تو یہ حکومت برطانیہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ سورت زری اور کامدانی کے کام کے لیے بہت مشہور ہے۔

سورج کنڈ: ریاست ہریانہ کی یہ جھیل طلوع ہونے والے سورج کے مانند ہے۔ یہاں سورج گہن کے موقعہ پر لاکھوں لوگ غسل کرنے کے لیے آتے ہیں۔

سورنریکھا (سبرنریکھا) ہائیڈرو اسٹیشن: بہار میں رانچی سے 30 کلو میٹر کے فاصلے پر سورنریکھا ندی پر ایک بندھ کی تعمیر سے بجلی کے دو یونٹ کے قیام کی وجہ سے 65 میگاواٹ بجلی حاصل ہوتی ہے جس سے رانچی اور اس سے متصلہ علاقے استفادہ کرتے ہیں۔

سوروِلی: مغربی گھاٹ میں کارڈمم اور وروش ند پہاڑیوں کے درمیان سے سوروِلی ندی نکلی ہے۔ اس ندی میں پیریار ڈیم کی وجہ سے ہمیشہ پانی موجود رہتا ہے۔

سُری نام (Surinam): جنوبی امریکہ کے شمالی حصہ میں ایک آزاد جمہوریہ ہے۔ اس کے مشرق میں گیانا، جنوب میں برازیل اور مغرب میں فرانسیسی گیانا، شمال میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔ رقبہ 163,266 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 403,100 ہے۔ ان میں سے 37 فیصدی ہندوستانی، 30.8 فیصدی ملی جلی نسل کے، 15.3 فیصدی انڈونیشی اور 10.3 فیصدی نیگرو ہیں۔ سرکاری زبان ڈچ ہے۔ مذاہب ہندومت، اسلام اور عیسائیت ہیں۔ صدر مقام 'پیماریبو' ہے جو دریائے سرینام پر واقع ہے۔ یہاں باکسائٹ کی کان کنی ہوتی ہے اور یہ برآمد کا بھی بڑا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ چاول، کافی اور رسدار پھل پیدا کیے جاتے ہیں۔ درآمدات ہالینڈ، جزائر غرب الہند، جاپان، جرمنی، اور برطانیہ وغیرہ سے آتی ہیں اور برآمدات ہالینڈ، ناروے، اسپین وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 46 فیصدی الیومنیا، 27 فیصدی باکسائٹ اور 14 فیصدی الومنیم ہے۔ اس کے علاوہ لکڑی، مچھلیاں اور کیلے بھی برآمد کیے جاتے ہیں۔ رائج سکہ سُری نام گلڈر یا فلورن ہے۔ 1988 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 65,798 طالب علم، ثانوی مدارس میں 34,248 اور اعلیٰ اداروں میں 2,373 طالب علم تھے۔

ہالینڈ کے باشندے سب سے پہلے 98-1597 میں یہاں داخل ہوئے لیکن 1616 سے یہاں نوآبادیاں قائم ہونا شروع ہوئیں۔ 1621 میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی تاکہ یہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اس کے لیے وہ انڈونیشیا، ہندوستان اور افریقہ سے بڑے پیمانے پر غریب مزدور جہازوں میں بھر کر لائے اور ان سے غلاموں کی طرح کام لیا۔ یہاں ڈچ راج کو برطانوی اور فرانسیسی حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف ایشیائی افریقی غلاموں نے 63-1762 میں زبردست بغاوت کر دی۔ 1815 میں ویانا معاہدہ کے تحت جنوبی امریکہ کا وہ ساحلی علاقہ جو اب سُری نام کہلاتا ہے ہالینڈ کو دے دیا گیا اور گویانا کو برطانیہ کو دے دیا گیا۔ 1868 میں یہاں ایک پارلیمنٹ بنائی گئی۔ 1954 تک اس پر ہالینڈ کی راست حکومت

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

رہی۔ اس کے بعد 1975 میں اسے آزادی دے دی گئی۔

1980 میں فوجی بغاوت نے حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور ایک نیا آئین بنایا گیا۔

1988 میں جمہوریت کا دوبارہ نفاذ ہوا۔ دسمبر 1990 میں صدر رام سیوک شنکر کو فوج کے ذریعہ معزول کردیا گیا۔

1991 میں رونالڈ وینیتیان صدر بنا۔

سوشل (سماجی) جغرافیہ: عام طور پر سوشل جغرافیہ کی کوئی تسلیم شدہ تعریف موجود نہیں لیکن اس کے باوجود سوشل جغرافیہ کے عنوان کے تحت جو بے شمار تصانیف شائع ہوئی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ بجز چند قابل ذکر استثنیات کے جو ہم کو سویڈن اور ہالینڈ میں ملتی ہیں اس مخصوص شعبہ تعلیم کے غور و فکر اور تصریح کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ سوشل جغرافیہ ایک ایسے مطالعہ کا میدان ہے جس کو کئی عالم انفرادی طور پر وجود میں لائے اور بڑی ترقی دی ہے۔ لیکن کئی لوگوں کے لیے اصطلاح "سوشل جغرافیہ" نا قابل قبول ہے۔ کیونکہ زمانہ سابق میں اس کا ربط جبریت کی مختلف شکلوں سے رہا ہے، جن کی وجہ سے معاشرہ اور جغرافیائی ماحول کے درمیان ایک علتی تعلق قرار پایا تھا۔

غالبًا سوشل جغرافیہ کو جانچنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اس میدان کا ایک عام نظری سرسری خاکہ تیار کیا جائے اور اس کے موجودہ ادب پر نظر ثانی کی جائے۔ فطری طور پر کئی ایسے کام جو سوشل جغرافیہ سے متعلق ہیں یا سوشل جغرافیہ کہلاتے ہیں وہ دوسرے شعبہ جات تعلیم کے لیے امدادی نوعیت سے لکھے گئے ہیں۔

یہ دعویٰ کہ سوشل جغرافیہ ایک ضروری ذریعہ تعلیم ہے کم از کم دو طریقوں سے ثابت ہو سکتا ہے۔ اولاً اس کی مطابقت جغرافیہ کی مستقل بنیادوں پر قائم ہوئی شاخوں کے ساتھ اور دوسرے وسیع معنوں میں انسانی جغرافیہ (Human Geography) کی تسلیم شدہ تعریف یعنی "ایک ایسا موضوع جو نسل انسانی اور اس کے کل جغرافیائی ماحول کے ربط سے بحث کرتا ہے" سے مطابقت۔ تجزیہ کی خاطر اس ماحول کو انسانی سرگرمیوں کے مختلف درجوں سے مطابقت رکھنے والے علیحدہ علیحدہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جیسے معاشی، سیاسی اور تہذیبی سرگرمیاں۔ اس لیے سوشل جغرافیہ علم جغرافیہ کی ایک ذیلی قسم قرار دیا گیا ہے جو خصوصی طور پر سماجی ترتیب سے بحث کرتا ہے۔ اس کی دوسری صورت میں جغرافیہ کی یوں تعریف کرنی چاہیے کہ اس کا مقصد دراصل روئے زمین کے مختلف مقامات کے درمیان پائی جانے والی مشابہتوں اور امتیازات کا مطالعہ ہے۔ معاشرہ یعنی تنظیم اور قدریں، معاشرتی نقل و حرکت اور تفاعل کے اعلیٰ نمونے، معاشرتی حرکیات اور فرق، مختلف مقامات کے درمیان مشابہتیں اور امتیازات پیدا کرنے میں وہ اس طرح کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں کہ اس مضمون پر باقاعدہ طور پر غور و فکر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس معاشری مضمون کے آزادانہ طور پر مطالعہ کے لیے اس کو دوسرے شعبہ جات تعلیم سے کس طرح علیحدہ کرنا چاہیے۔ حقیقت میں چونکہ انسانی سرگرمیاں خاصی حد تک گروہی سرگرمیاں ہوتی ہیں، اس لیے انسانی جغرافیہ، سوائے سماجی جغرافیہ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ فی الواقعہ برطانیہ اور ڈچ مکتب خیال کے جغرافیہ دانوں نے اصطلاحات انسانی اور سماجی کا استعمال متبادل طور پر کیا ہے، جس سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دونوں ایک ہی موضوع ہیں۔ انسانی جغرافیہ کے ارتقا میں زیادہ تقویت خالص سماجی عناصر کی مختلف منزلوں کو دی گئی ہے اور اگرچہ زبانوں، نسلوں اور مذہبوں کو شاذ و نادر ہی غور و فکر کے دائرہ سے خارج کیا گیا ہے لیکن پھر بھی ان سماجی عناصر کا طریقہ عمل کل خیالی ڈھانچے میں زیادہ واضح نہیں ہے۔ دراصل یہ خیال کہ جغرافیائی تجزیے کے لیے سماجی عناصر کو عام ڈھانچے میں باقاعدہ طور پر ڈھالا جا سکتا ہے ایک بالکل حالیہ تجویز ہے۔

ایسے کئی بنیادی سوالات ہیں جن کا سوشل جغرافیہ کو جواب دینا ضروری ہے۔ مثلاً نوع انسانی کی معاشرتی خصوصیات فضائے بسیط میں کیونکر بدلتی ہیں اور یہ خصوصیات انسان کے کل جغرافیائی ماحول کی مطابقت کو کس طرح متاثر کرتی ہیں۔ چونکہ ایسے سوالات انسانی جغرافیہ کے ہر پہلو کو متاثر کرتے ہیں، اس لیے سماجی جغرافیہ کے بارے میں بطور ایک علیحدہ مضمون کے سوچنا مشکل ہے۔

سوشل جغرافیہ کا مختلف زمانوں میں مختلف حیثیتوں سے مطالعہ ہوا ہے۔ تاریخ کے ابتدائی دور میں مختلف ملکوں کی کھوج لگانے والوں، جیسے مارکوپولو، وغیرہ، کے دیئے ہوئے بیانات سے مختلف ممالک کے سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح مختلف ادیبوں جیسے ہیروڈوٹس، تھوسی ڈیڈس، اسٹرابو اور دوسرے عالموں کی تصانیف سے دنیا کے معاشرتی اختلافات کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے معلوماتی بیانات وقتاً فوقتاً سترہویں صدی میں مغربی ممالک میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔

دوسری منزل میں اس مضمون پر مختلف فلسفیانہ تصوروں سے روشنی پڑتی ہے۔ اس دور کا یہ پیام تھا کہ دنیا کے معاشرے کی ایک معقول ترتیب ہے جو مستخرا جادریافت ہو سکتی ہے۔

سوشل جغرافیہ کا تیسرا اور اہم دور انیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

جب فرانس میں جمہوریت کے تصور کی دھوم تھی اور جرمنی میں قومی احساس بیدار ہو گیا تھا نیز دوسرے ممالک میں سائنٹفک اصولوں پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ ایسے دور میں علم الاقوام کے ماہروں اور تاریخ دانوں نے پہلی دفعہ باقاعدہ طریقے پر دنیا کے معاشرتی اختلافات کا مطالعہ کرنے کی کوشش شروع کی تھی۔ اس دور میں سوشل جغرافیہ پر سب سے زیادہ قابل ذکر کام فریڈرک لاپلے (Frederic le Play) کا ہے۔ اس کے مشہور فنی نوعیت سے لکھے ہوئے مقالہ نے معاشرتی صورت حال کی ایک قاموسی فہرست پیش کی۔

دوسرے ماہرین جغرافیہ جیسے ہٹنر جرمنی میں رٹر (Ritter)، وان ہمبولٹ (Von Humbolt)، ہیسنگر (Hassinger)، ار. ہٹنر (Hettner, Ruh)، فرانس میں ریکلس (Rechis)؛ امریکہ میں جارج پرکنس مارش (George Perkins Marsh) اور برطانیہ میں ایچ. جے. میکنڈر (H.J. Mackinder) سوشل جغرافیہ کے رہنماؤں میں سمجھے جاتے ہیں۔ البتہ سوشل جغرافیہ کے بارے میں تصورات کے کارآمد اور عظیم سرچشمے لاپلے (La Play) کا دی سوشل سروے موومنٹ (The Social Survey Movement)، رٹیزل (Ratzel) انتھروپو جیاگرفی اور ڈرخائم کی سوشل مورفولوجی Durkheim (Anthropo-geography) (Social Morphology) وغیرہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔

بعد میں فرانس کے بعض غیر معمولی جغرافیہ دانوں نے انسانی جغرافیہ کے بنیادی اصولوں کی ترتیب کی وضاحت کی مثلاً پی. وائڈل ڈی لا بلاش (Paul Vidal de la Blache)، بلانچرڈ (Blanchard)، جین برونس (Jean Brunhes)، ڈی منجن (Demongeon)، ڈی مارٹونے (De Mortonne)، بولگ گیلائے (Baulig Gallois)، سگفریڈ (Siegfried)، چورلے (Chorley)، ایم. سار (M. Sorre) اور دوسرے قابل ذکر جغرافیہ داں ہیں۔

بلاش (Blache)، جو فرنچ اسکول آف جیاگرفی کا اعلیٰ رکن تھا، کے خیال کے مطابق: "علم جغرافیہ انسان کا نہیں بلکہ مقامات کا باقاعدہ مطالعہ ہے"۔

انسانی جغرافیہ دراصل سطح زمین اور انسان کے درمیان باہمی تعلق کے نئے تصور کو پیش کرتا ہے، لہذا انسانی جغرافیہ ایک ایسا ارتقائی تصور ہے جس کا مقصد اس اثر کی کھوج کرنا ہے جو قدرت کا انسان پر اور انسان کا قدرت پر پڑتا ہے۔

ڈے منجن (Demangeon) کی تصنیف پرابلمس آف ہیومن جیاگرفی (Problems of Human Geography) میں انسانی جغرافیہ کی اس طرح تعریف کی گئی ہے: "طبعی ماحول کے باہمی تعلقات اور انسانی گروہوں اور معاشروں کا مطالعہ"۔

انسانی جغرافیہ کے ایک مشہور مصنف ہنٹنگٹن (Huntington) کے قول کے مطابق: "انسانی جغرافیہ قدرت اور جغرافیائی ماحول، انسانی سرگرمیوں اور کیفیتوں کے تعلقات کی تقسیم کا مطالعہ ہے"۔

سومناتھ: گجرات (ہندوستان) میں ویراول سے تقریباً تین میل جنوب مشرق میں سومناتھ کا مذہبی اور تاریخی شہر واقع ہے۔ اس کے قدیم نام پربھاس پٹن اور دیو پٹن ہیں۔ مشہور سیاح مارکو پولو نے اس کا نام سوے ناتھ لکھا ہے۔ مذہبی روایات کے مطابق ایک بھیل نے مہابھارت کے ہیرو اور ہندوؤں کے اوتار بھگوان شری کرشن کو یہیں غلطی سے اپنے تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ قدیم سومناتھ کا مندر، جو سب سے پہلا مندر تھا، سونے کا بنا ہوا تھا، اس کے بعد کا مندر چاندی اور تیسرا مندر لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ اس مندر کو محمود غزنوی نے لوٹا تھا۔ آزادیٔ ہند کے بعد قدیم سومناتھ مندر کی جگہ پر جدید پتھر کا مندر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس شہر کے مشرق میں تین ندیوں کا سنگم ہے جس کی وجہ سے یہ ایک متبرک مقام بن گیا ہے جہاں ہزاروں یاتری اشنان کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اس سنگم کے قریب ہی سومناتھ کا مشہور سورج مندر ہے۔ مغربی ہند میں سمندر کے کنارے کوئی دوسرا شہر اتنا خوبصورت نہیں ہے۔ ہندوستان کے لارڈ شیو کے بارہ (12) جیوتی لنگوں میں سے ایک جیوتی لنگ سومناتھ میں ہے جس کو سب جیوتی لنگوں پر فوقیت حاصل ہے۔

سون: سون ندی، دریائے گنگا کی ایک عظیم معاون ندی ہے۔ یہ مدھیہ پردیش میں وندھیا پہاڑ کی امرکنٹک چوٹی سے نکلی ہے اور جنوبی، شمالی اور مشرقی سمتوں میں بہتے ہوئے پٹنہ کے قریب گنگا سے مل گئی ہے۔ اتر پردیش کے ضلع مرزاپور میں سون اور ریہانڈ ندی کے سنگم پر ریہانڈ کے ہمہ مقصدی پراجکٹ کی تعمیر عمل میں آئی ہے۔ اس کے علاوہ بہار میں سون ندی پر 1,370 میٹر لمبا ریل کا پل بنایا گیا ہے۔

سووا (Suva): مجمع الجزائر فیجی (Fiji) کا صدر مقام ہے۔ صوبہ ریوا (Rewa) میں اسی نام کے دریا کے دہانہ پر واقع ہے۔ آمد و رفت کا مرکز اور تجارتی منڈی ہے۔ آزاد بندرگاہ ہونے کے باعث سیر و سیاحت کا مرکز بن گیا ہے۔ یہاں سگریٹ اور صابن تیار کرنے اور ناریل کا تیل نکالنے کے بڑے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔ سنہ 1971 میں آبادی 63,200 تھی۔

سوویت یونین: دیکھیے وفاقی روس

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سوئٹزرلینڈ (Switzerland): وسطی یوروپ کی ایک وفاقی جمہوریہ (ری پبلک) ہے۔ فرانسیسی میں اس کا نام سوئیے، جرمن میں شوئتش اور اطالوی میں شوتس سویزیرا ہے۔ اس کے مغرب اور جنوب مغرب میں فرانس کے ساتھ کوہ جورا اور جھیل جنیوا اور شمال میں دریائے رھائن جرمنی کے ساتھ اس کی سرحد کا تعین کرتے ہیں۔ مشرق میں اس کے پڑوسی آسٹریا اور لیختنشٹین اور جنوب مشرق اور جنوب میں کوہ آلپس اور جھیل لوگانو اور لاگو مگیورا اسے اٹلی سے الگ کرتے ہیں۔ رقبہ 41,287 مربع کلو میٹر (15,941 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 6,783,950 ہے۔ وفاقی صدر مقام برن ہے۔ دوسرے بڑے شہر زیورچ، بیسل اور جنیوا ہیں۔ 65 فیصدی آبادی کی زبان جرمن، 18 فیصدی کی فرانسیسی اور 12 فیصدی کی اطالوی ہے۔ 49.4 فیصدی کا مذہب رومن کیتھولک اور 47.7 فیصدی کا پروٹسٹنٹ عیسائی ہے۔ سوئٹزرلینڈ وسائل کے لحاظ سے مالدار نہیں ہے۔ صرف جنگل ہیں اور برق آبی (پن بجلی) پیدا کرنے کے وسائل ہیں۔ ویسے گیہوں، مکئی، آلو اور پھلوں میں سیب، انگور وغیرہ کافی پیدا ہوتے ہیں۔ مویشی پالے جاتے ہیں۔ تاہم صنعتی میدان میں اس نے کافی ترقی کی ہے۔ آدھی سے زیادہ آبادی صنعتوں میں لگی ہے۔ المونیم، کپڑے، سیمنٹ، کیمیائی اشیاء، مشینوں اور خاص طور پر گھڑیوں کی صنعتیں قائم ہیں۔ ان میں سے اکثر چیزیں برآمد کی جاتی ہیں۔ تجارت زیادہ تر مغربی یوروپ کے ملکوں سے ہوتی ہے۔ سیاحی بھی ایک بڑی صنعت ہے جس سے بہت آمدنی ہوتی ہے۔

رائج سکہ سوئیس فرانک ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 414,129، ثانوی مدارس میں 562,465، حرفی مدارس میں 209,927 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 89,031 طالب علم تھے۔ ملک میں دس یونیورسٹیاں ہیں۔

یہ ملک 26 ریاستوں یا صوبوں پر مشتمل ہے۔ مرکز کو بیرونی تعلقات اور ٹیکس وغیرہ کے اختیارات ہیں بقیہ سارے معاملات میں ریاستوں کو اختیارات ہیں۔ مذہبی آزادی، عام فوجی بھرتی اور ٹریننگ اور لازمی تعلیم کے حقوق آئین میں درج ہیں۔

تاریخ: 58 قبل مسیح میں جب رومن سلطنت نے سوئٹزرلینڈ پر قبضہ کیا تو یہاں ہلویتیا لوگ رہتے تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں اس پر المانی اور برگنڈی کے حملوں کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یہ فرانسیسیوں (Franks) کے اور 1033 میں مقدس رومن سلطنت کے تحت آگیا۔ تیرھویں صدی میں ہیپسبرگ خاندان نے اسے ہتھیالیا۔ چودھویں صدی تک اس نے اتنی فوجی طاقت حاصل کرلی کہ اس کا شمار بڑی طاقتوں میں ہونے لگا۔ 1499 میں اسے مکمل آزادی حاصل ہوگئی اور اس نے اطراف کے کئی علاقے بھی فتح کرلیے۔ 1575 میں اس کو کافی دھچکا لگا جب اسے فرانس سے شکست کھانی پڑی۔ اس کے بعد اس نے ایک طرف مکمل غیر جانبداری اور دوسری طرف فرانس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دوستی کی راہ اختیار کی۔ اس کے بعد دولت اعلیٰ طبقوں میں جمع ہونے لگی۔ غریب اور زیادہ غریب ہوگئے۔ اندرونی کشمکش اور لڑائیاں ابھریں۔ ساتھ ہی یہ دانش وری کا ایک اہم مرکز بھی بن گیا۔ انقلاب فرانس اور پھر نپولین اور روسی نیز آسٹریائی فوجوں کے حملوں سے اسے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ معاہدہ پیرس (1815) کے تحت اس کی پرانی سرحدیں پھر سے قائم ہوگئیں لیکن اندرونی معاشی بحران بڑھتا گیا اور کافی بڑی تعداد میں لوگوں نے شمالی اور جنوبی امریکہ کا رخ کیا۔

1847 میں سوئٹزرلینڈ کو سخت معاشی بحران اور خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا۔ 1848 میں ایک وفاقی آئین منظور ہوا جس میں ہر ریاست کو کافی اختیارات دیے گئے اور غیر جانبداری کو خارجی پالیسی کی بنیاد بنایا گیا چنانچہ پہلی اور دوسری عالم گیر جنگوں میں یہ بالکل غیر جانبدار رہا۔

1874 میں آئین پر نظر ثانی کی گئی۔

سوئٹزرلینڈ مجلس اقوام متحدہ کا رکن بنا اور اب اقوام متحدہ کے تمام کاموں میں شریک رہتا ہے لیکن رکنیت کے لیے اسے غیر جانبداری کے اصولوں میں ترمیم کرنی پڑے گی۔

1959 میں سوئٹزرلینڈ یوروپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن کا رکن بنا اور 1972 میں اس نے یوروپین کامن مارکیٹ (یوروپین مشترکہ منڈی) معاہدہ پر دستخط کیے۔

1971 میں مردوں کے ووٹوں سے طے ہوا کہ عورتوں کو بھی حق رائے دہندی دیا جائے اور انھیں وفاقی سطح پر منتخب ہونے کا بھی حق دیا گیا۔ 1977 میں ایک اور آئین منظور ہوا۔

1984-88 کے دوران سوئٹزرلینڈ میں پہلی خاتون وزیر بنی۔ 1986 میں عوامی رائے شماری سے اقوام متحدہ میں رکنیت کی تجویز رد کردی گئی کیونکہ یہ خیال ہے کہ اس کے بعد غیر جانبدارانہ پالیسی ختم ہو جائے گی۔ بہر حال 1992 میں ملک نے یوروپین کمیونٹی کی رکنیت کے لیے ضرور درخواست گزاری۔

سوئس، ایڈورڈ (Edward Suess): یہ وینس (Venice) کا پروفیسر جو 1831 میں پیدا ہوا، اپنے آتشی متداخل (Igneous Intrusion) پر

تحقیق کے باعث یاد کیا جاتا ہے۔ ان حتمہ اطلوں کو اس نے "بتھولائٹ" (قعری حجر) (Batholite) کا نام دیا تھا۔ اس نے زلزلوں کی وجوہات اور قشری (Crystal) حرکات کا بھی مطالعہ کیا۔ اس کی کتاب "فیس آف دی ارتھ" (Face of the Earth) زمین کا چہرہ میں اس وقت تک کی سطح ارض کی تمام معلومات دی گئی ہیں۔ اس نے ایک اور کتاب بھی بعد میں "آلپس کی پیدائش" (The Origin of Alps) کے نام سے لکھی۔ جس میں اس نے حجرات کی ساخت کے بارے میں کئی نظریات پیش کیے۔ اس نے ایمونائٹ جماعت (Ammonites) کے جانوروں کی درجہ بندی بھی کی۔ اس کا انتقال 1914 میں ہوا۔

سویڈن (Sweden): سویڈن ایک آئینی بادشاہت والا ملک ہے۔ جو شمالی یوروپ میں واقع جزیرہ نما اسکینڈی نیویا (Scandinavian Peninsula) کے مغربی حصے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 449,964 مربع کلو میٹر (173,731 مربع میل) ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 8,635,000 ہے۔ اسٹاک ہوم (اسٹاکھم) پایہ تخت ہے۔ ملک کی زبان سویڈش ہے۔ سویڈن کی سرحدیں مغرب میں ناروے، شمال میں بحر منجمد شمالی، شمال مشرق میں فن لینڈ اور بحیرۂ بالٹک اور جنوب میں خلیج بوتھنیا (Bothnia) سے ملتی ہیں۔ ملک میں بہت سے جزائر ہیں جن میں گوٹ لینڈ (Gotland) اور اولینڈ (Oland) بڑے ہیں۔ یہ بحیرۂ بالٹک میں واقع ہیں۔ وانرن (Vanern)، واٹرن (Vattern) اور مالارن (Malaren) بڑی جھیلیں ملک کے جنوبی حصے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ملک کی طویل مغربی سرحد کوہستانی ہے اور کیبنی کیسے (Kebnekaise) سب سے بلند چوٹی 6,960 فٹ بلند ہے۔

تعلیم۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی تعلیمی اداروں میں 584,203, طالب علم اور 92,924 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 585,527 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں (بہ شمول 9 یونیورسٹیاں) 121,266 طالب علم تھے۔ یہاں خواندگی کا تناسب 100 فی صدی ہے۔

ملک میں رائج سکہ کرونر (Kronor) ہے۔

برآمدات: جنگلات کی پیداوار، جانور، مچھلیاں، لکڑی کا گودا، دودھ، خام لوہا، سور کا گوشت، بکرے کا گوشت، گیہوں کا آٹا، صاف کی ہوئی شکر، گندھک کا تیزاب، حرارت پیدا کرنے والی مشینیں اور دوسری مشینیں، برقی قوت سے چلنے والی مشینیں اور برقی طاقت پیدا کرنے والی مشینیں (الیکٹرک پاور مشنری) اور ٹیلی کیمونکیشن کے آلات، تعمیری آلات، اوزار، نیز گاڑیاں وغیرہ ہیں۔

برآمدات کا 11 فیصدی انگلستان، 10 فیصدی مغربی جرمنی، 11 فیصدی ناروے، 10 فیصدی ڈنمارک، 6 فیصدی فن لینڈ، 5 فیصدی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور 5 فیصدی فرانس کو جاتا ہے۔

اہم برآمدات میں مشینری 26 فیصدی، گاڑیاں 10 فیصدی، جہاز اور کشتیاں 7 فیصدی، لکڑی کا گودا 7 فیصدی، تعمیراتی لکڑی (چوبینہ) 6 فیصدی نیز ادویہ 5 فیصدی شامل ہیں۔

درآمدات: درآمدات کا 19 فی صدی انگلستان، 11 فی صدی ڈنمارک، 7 فیصدی ناروے، 6 فیصدی فن لینڈ سے حاصل ہوتا ہے۔

تاریخ: قدیم زمانے میں سوی لینڈ (Svealand) میں سوئر (Svear) قوم کے لوگ رہتے تھے۔ یہ لوگ گوتار (Gotar) نامی جنوبی ہمسایوں سے جنگوں میں الجھے رہتے تھے۔ گوتار کو گوتھ (Goth) کے آباؤ اجداد کہا جاتا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں گوتار قوم پر فتح پانے کے بعد سوئر نے انھیں مکمل مل کر ایک کر لیا۔ دسویں صدی عیسوی میں سویڈش قوم، جسے وار آگین (Varagians) کہا جانے لگا تھا، کا اثر بحیرۂ اسود (Black Sea) تک پھیل گیا۔ تیرھویں صدی میں جاگیردار طبقے کی گرفت مضبوط ہوئی اور جرمن تاجروں کی تنظیم (Hanseatic Leangue) کی سرگرمی بڑھی تو ملک کی شہری زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے۔ میگنو ہفتم (Magnu VII) کے تحت 1391 میں سویڈن اور ناروے متحد ہو گئے۔ شہزادی مارگریٹ (Margarette) نے اس اتحاد کو مضبوط کیا۔ 1397 میں کرسچین دوم (Christian II) نے اپنا اقتدار جاگیرداروں پر مسلط کرنے کی کوشش میں اسٹاک ہوم میں جاگیرداروں کا خون خرابا کیا لیکن اس قتل عام کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم میں ایک نیا جذبہ مقاومت پیدا ہوا اور گستاو اول (Gastau I) بادشاہ بنایا گیا۔

مملکت کا ارتقا۔ جدید سویڈش سلطنت کے بانی گستاو اول نے ملک کو جرمن تجارتی تنظیم (Hanseatic League) سے چھٹکارا دلایا اور ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ اس کے جانشین ایرک چہاردہم (Eric XIV) نے لیودنیا پر قبضہ کر کے اقتدار کی حدود میں وسعت دی۔ 1061 میں گستاو دوم نے سویڈن کو یوروپ کی ایک بڑی طاقت بنا دیا۔ 1630 میں روس سے جنگ کر کے انگرمن لینڈ (Ingerman Land) اور کریلیا (Karilia) چھین لیے۔ چارلس دہم (Charles X) نے پولینڈ اور ڈنمارک سے کامیاب لڑائیاں لڑیں۔ چارلس یازدہم نے ملک میں ایک مطلق العنان حکومت قائم کی۔ چارلس دوازدہم کی زبردست فتوحات 1700 سے 1721 کے بعد ملک کی تباہی کا دور شروع ہوا۔ مختلف علاقے جیسے ہناور (Honover) اور پرشیا (Prussia) روس کے حوالے ہو گئے۔ الریکا الیونورا (Ulrica Ileonora) اور اس کے شوہر فریڈرک (Fredric) نے مل کر فرانس میں رائج

افسر شاہی کا دستور بنایا۔ 1769 میں یہ دستور رد کر دیا گیا اور گستاو سوم نے مطلق العنان بادشاہت بحال کی۔

1772 میں وہ امرا کی سازش کا شکار ہوا اور مار ڈالا گیا۔ گستاو چہارم نے سویڈن کو 1792 میں نپولین اول (Napoleon-I) کے خلاف جنگ میں الجھا دیا۔ 1809 میں چارلس ہشتم (Charles VIII) تخت نشین ہوا۔ اور اس نے دستوری بادشاہت (Constitutional Monarchy) کے قیام کے لیے ایک دستور بنایا۔ بعد میں 1864 میں دستور کی اصلاح ہوئی اور بعض تبدیلیوں کے ساتھ یہی دستور ملک میں رائج ہے۔ سویڈن کو نپولین کی جنگ میں جو نقصان ہوا تھا کانگریس آف ویانا (Congress of Vienna) نے 1814 میں اس کی تلافی کر دی اور فن لینڈ ناروے سے سویڈن کو واپس دلایا۔

انیسویں صدی کی تاریخ میں سویڈن میں آسکر اول (Oscar I) اور آسکر دوم (Oscar II) کے زمانے میں حکومت کے معاملات میں نیز صنعتی ترقیاتی پالیسی میں فراخ دلی سے کام لیا گیا۔ پریس کی آزادی (1844)، آزاد تجارت (1846) اور وسطی طبقے کے حق رائے دہندگی (1865) کے قوانین منظور ہوئے۔ موجودہ دستور کی بنیاد بھی اسی دور میں رکھی گئی۔ اور ملک میں سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کو جمہوری خطوط پر بڑھاوا دینے کے لیے سوشل ڈیموکریٹک پارٹی (Social Democratic Party) منظر عام پر آئی جسے 1920 کے بعد ملک کی سیاست میں اہم حصہ ادا کرنا تھا۔ گستاو پنجم نے ملک کو دونوں عالمگیر جنگوں سے الجھنے سے بچالیا جس سے ملک کی معیشت کے استحکام میں زبردست مدد ملی۔ 1946 میں سویڈن اقوام متحدہ کا رکن بنا۔ 1950 میں گستاو ششم تخت پر بیٹھا۔ 1960 کے انتخابات نے حکومت کی غیر جانبدارانہ پالیسی کی توثیق کی اور سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کو استحکام بخشا۔ ستمبر 1973 میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا مسلسل دوسری بار انتخاب عمل میں آیا۔ 1977 میں سوشل ڈیموکریٹک لوگوں کا اقتدار 44 سال کے بعد ختم ہوا اور سینٹر پارٹی کا ممبر فالدین الحاقی حکومت کا سربراہ بنا۔ 1978 میں جوہری توانائی کے کارخانے بنانے کی بحث میں فالدین نے استعفیٰ دیا لیکن 1979 کے عام انتخابات میں وہ دوبارہ منتخب ہو گیا۔

1982 میں سوشل ڈیموکریٹک لوگوں نے الوف پامے کی سربراہی میں دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا لیکن پامے کو 1986 میں کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا۔ 1991 میں کنزرویٹو گروہ کا کارل بلٹ صدر بنا۔ 1996 میں تمام جوہری توانائی کے نیوکلیر ادارے بالکل بند کر دیئے گئے۔

سویل: ساحل کے قریب کا دلدلی نشیب یا سطح زمین کے درمیان چھوٹا سا نشیبی

سہ رخی محور تشاکل: جب قلم کو تین دفعہ 120 درجے پر گھمایا جاتا ہے تو ابتدائی رخ کی مماثل شکل سامنے آتی ہے۔ اس محور کو سہ رخی محور کہتے ہیں۔ اس کی عمدہ مثال کیلسائٹ (Calcite) کی قلمیں ہیں۔

سی. ایم. ڈی. لاکنڈم سن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

سی ایٹو (S.E.A.T.O.): یہ جنوب مشرقی ایشیا کی اجتماعی مدافعت کی ایک علاقائی تنظیم ہے جو 8 ستمبر سنہ 1954 کو منیلا میں تشکیل پائی۔ اس تنظیم کے صلاح نامہ پر آسٹریلیا، فرانس، نیوزی لینڈ، پاکستان، فلپائن، تھائی لینڈ، دولت مشترکہ، یو. کے. اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے نمائندوں نے اتفاق رائے سے دستخط کیے۔ پاکستان نے 8 نومبر سنہ 1972 کو اس سے تعلق منقطع کر لیا۔ یہ صلاح نامہ 19 فروری سنہ 1955 سے روبہ عمل ہوا۔ اس کی تشکیل کا یہ مقصد تھا کہ جنوب مشرقی ایشیا کو اشتمالیت سے محفوظ رکھا جائے اور خصوصاً کوریا اور ہند چینی کو فوجی جارحانہ کارروائیوں سے بچایا جائے۔ سنہ 1954 کے جنیوا کے سمجھوتہ کی روشنی میں ویت نام، کمبوڈیا اور لاؤس کو اس کا ممبر نہیں بنایا گیا، تاہم انھیں ایک معاہدہ کے ذریعہ فوجی تحفظ دیا گیا۔ فروری سنہ 1955 میں "سی ایٹو" کے بین الاقوامی عملہ کا مستقر "بینکاک" میں قائم کیا گیا۔ ہندوستان، انڈونیشیا اور سری لنکا اس کے ممبر نہیں بنے ہیں۔ حال ہی میں فرانس نے بھی اس سے پہلو تہی اختیار کر لی ہے۔

سی کیانگ: یہ جنوبی یمنن (Yunnan Kweichoa) کا دریا چھ ہزار فٹ سے زیادہ بلند سطح مرتفع سے نکل کر مشرقی سمت میں 1,200 میل تک بہنے کے بعد کینٹن کے ڈیلٹا کا رخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے کئی معاون ہیں۔ ان میں نان پان، چیانگ اور پائی پان چیانگ (Pei-Pan Chiang) اہم ہیں۔ یہ اہم تجارتی شاہراہ ہانگ کنگ، کینٹن، مکاؤ اور دیگر ڈیلٹائی مراکز کو ووچاؤ (Wuchow) اور اندرونی علاقہ سے ملاتا ہے۔ سیلاب کے زمانہ میں ووچاؤ (Wuchow) تک جہاز رانی ہو سکتی ہے۔

شے من ڈیلرھ منو: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

سیالکوٹ: پاکستان کے شمال مشرقی حصہ میں دفاعی حیثیت سے اہم مقام ہے۔ لاہور اور اسلام آباد کے درمیان واقع یہ شہر دریائے چناب کی مشرقی جانب واقع ہے۔ لاہور سے اسلام آباد تک، جو پاکستان کا صدر مقام ہے، ریلوے لائن اور سڑک کے ذریعہ یہیں سے گزرتے ہیں۔ یہاں کھیل کود کے لیے استعمال ہونے

والا ہر قسم کا سامان تیار ہوتا ہے اور تمام ملک میں فروخت کیا جاتا ہے۔

سینٹو ڈومنگو (Santo Domingo): غرب الہند کے جزیرہ ہسپانیولا (Hispaniola) میں اس نام کو کئی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ 1496 میں کرسٹوفر کولمبس کے بھائی بار تھولومیو کولمبس نے ہسپانیولا کے جنوبی ساحل پر اپنے آباد کیے ہوئے شہر کو اسی نام سے تعبیر کیا تھا۔ نو آبادیاتی دور میں جزیرہ ہسپانیولا کے اسپینی علاقہ (جمہوریہ ڈومینیکا) کا یہی نام رکھا گیا تھا۔ اس کا صدر مقام بھی اسی نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ ایک ضلع بھی اسی نام کا موجود ہے۔ فرانسیسیوں نے اپنی نو آبادی کو سینٹ ڈومنگو (St. Domingue) کا نام دیا۔ قدیم اسپینی نو آبادی (اسکلنش کالونی) آج بھی سینٹ ڈومنگو کہلاتی ہے۔

سجوک، آدم (Adam Sedguick): سجوک 1785 میں پیدا ہوا۔ وہ کیمبرج یونیورسٹی میں ارضیات کا پروفیسر بھی رہا۔ وہ کیمبرین "سلسلے" (Cambrian "Series") کے حجرات کے مطالعہ کے لیے مشہور ہے۔ اس نے لیک ڈسٹرکٹ (Lake District) اور شمالی ویلز (North Wales) کی ساخت (Structure) کا مطالعہ کیا۔ مگر اس سے اس علاقے کی پرتوں میں کوئی قدیم حیاتیاتی (Palaeontological) ثبوت نہیں ملا۔ جس کی بنا پر وہ ان پرتوں کو مرچی سن (Murchisson) کی ابتدائی سائلورین زمانوی حجرات سے تعبیر کر سکا اور یہ مسئلہ اس کی موت کے بعد لیپ ورتھ (Lapworth) نے ای آرڈوویشین نظام کی بنیاد ڈال کر حل کیا۔ سجوک نے 1873 میں وفات پائی۔

سیر دریا یا سیحون: قزاخستان کا یہ دریا جو بحیرہ ارل میں داخل ہوتا ہے وسط ایشیا کے دریاؤں میں سب سے بڑا ہے۔ یہ تیان شان کے پہاڑوں سے نکلنے والی نارن اور نار ندیوں کے ملنے سے بنا ہے۔ ان دونوں کے سنگم کے بعد سیر یا سیحون دریا کی لمبائی 1,370 میل ہو جاتی ہے۔ اس میں آمو یا جیحون دریا کے مقابلہ میں کم پانی رہتا ہے۔ اس کا نکاسی آب کا جملہ رقبہ 462,000 مربع کلو میٹر (178,000 مربع میل) ہے۔ اس دریا سے وادیٔ فرغانہ سیراب ہوتی ہے۔

سیراٹائٹ (Ceratite): ایک قسم کا ایمونائڈ سفلو پوڈ ہے (دیکھیے Cephalopod) جس کے سوچرز کے ابھار میں کئی عدد چھوٹے شل ہوتے ہیں لیکن سوچرز کی زین (Saddle) بالکل نرم (Smooth) ہوتی ہے۔

سیرالیون (Sierraleone): سیرالیون مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے جو برطانوی دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کا بھی ممبر ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں گنی، جنوب مشرق میں لائبیریا اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 71,740 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 4,275,000 ہے۔ 60 فیصدی آبادی منڈے اور تمنے نسل کے لوگوں کی ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام فری ٹاؤن ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ بنٹو بولیاں بول چال کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ 66 فیصدی آبادی قدیم افریقی مذاہب کی پیرو ہے۔ 28 فیصدی مسلمان اور 6 فیصدی عیسائی ہیں۔

سیرالیون کا ساحلی علاقہ، میدانی اور دلدلی ہے۔ جیسے جیسے مشرق کی طرف جائیں پہاڑی اور سطح مرتفع کا علاقہ شروع ہوتا ہے جو جنگلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ ملک میں کئی تیز رفتار دریا ہیں۔ فری ٹاؤن دنیا کی بڑی اور مغربی افریقہ کی سب سے اچھی بندرگاہ میں سے ہے جہاں سے ہیرے، باکسائٹ، لوہے کی کچ دھات، پام کا تیل اور کافی نیز کوکو برآمد ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کا 61 فیصدی برطانیہ کو، باقی ہالینڈ، جاپان وغیرہ کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 54 فیصدی ہیرے ہیں۔ درآمدات 21 فیصدی برطانیہ سے اور باقی جاپان، نائجیریا، جرمنی، پاکستان، فرانس اور چین سے آتی ہیں۔ رائج سکہ لیون ہے۔ 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 367,426 اور استادوں کی تعداد 10,850 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 102,474 طالب علم اور 5,969 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 2,571 اور پیشہ ورانہ اسکولوں میں 5,425 طالب علم تھے۔

اس ملک کا نام سیرالیون (شیر کا پہاڑ) نامی پہاڑ پر رکھا گیا ہے۔ یہ نام ایک پرتگالی مہم جو (کھوج کار) پیڈرا ڈا سنترا نے دیا تھا۔

1562 سے برطانیہ نے اس میں دلچسپی لینی شروع کی، جبکہ سر جان ہاکنس نے یہاں سے غلام پکڑ کر لے جانے کی مہم شروع کی۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں یہ علاقہ غلاموں کی تجارت اور غلام حاصل کرنے کا ایک مرکز تھا۔ 1787 تک جب غلامی کے خلاف مہم تیز ہوئی تو آزاد شدہ غلام لا کر فری ٹاؤن میں بسائے گئے۔

اسے 1808 میں برطانوی کالونی بنا لیا گیا۔ ملک کا اندرونی حصہ 1896 میں برطانیہ کے زیر اثر آ گیا۔ اس علاقے پر ایک گورنر، ایک مشاورتی قانون ساز کونسل کی مدد سے حکومت کرتا تھا۔ 1957 میں اس کی جگہ ایک منتخب قانون ساز کونسل نے لے لی۔ اگست 1958 میں پہلی کابینہ بنی اور ڈاکٹر ملٹن مارگائی پہلے وزیر اعظم بنائے گئے۔ 1961 میں سیرالیون کو آزادی ملی لیکن وہ کامن ویلتھ ہی میں رہا۔

1971 میں ایک نیا آئین بنا اور اس کے تحت یہ جمہوریہ (ریپبلک) بن گیا۔ صدر ریاست کا عہدہ قائم ہوا اور نائب صدر اور وزیر اعظم کے عہدے ملا دیے گئے۔ جولائی 1971 میں فوجی بغاوت ہوئی لیکن ناکام رہی۔ سات فوجی اور پندرہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

عام شہری باغیوں کو موت کی سزا دی گئی۔ان میں فوج کے کمانڈر انچیف اور فائنس اور مالیات کے وزیر بھی تھے۔ 1971 میں سائیکا اسٹیونس صدر تھے۔ 1973 میں گنی کے فوجی واپس چلے گئے اور پارلیمانی انتخابات ہوئے۔ اسٹیونس کی پارٹی نے اکثریت حاصل کی۔ 1978 کی رائے شماری میں ایک نیا آئین بنایا گیا جس میں ایک پارٹی کو ہی تسلیم کیا گیا۔ لیکن 1985 میں عام بے چینی میں یہ مانگ کی گئی کہ بہت سی پارٹیوں کو تسلیم کیا جائے۔

1991 کی رائے شماری میں یہ طے ہوا کہ ایک نیا آئین مرتب کیا جائے جو کئی پارٹیوں کو تسلیم کرے۔ 1992 میں صدر موموہ کو ایک بغاوت میں صدارت سے معزول کر دیا گیا۔

سیرام پور: یہ مقام مغربی بنگال میں واقع ہے جو کہ ہگلی ضلع میں ایک شہر ہے۔ کلکتہ سے دہلی جانے والی ریلوے لائن اسی اہم مقام سے گزرتی ہے۔ یہ مقام صنعتی ترقی کر رہا ہے۔

سیریا (شام یا جمہوریہ عربیہ سیریا) (Syrian Arab Republic): سیریا (شام) (السوریہ) ایک عرب ریپبلک ہے جو مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ رقبہ 185,100 مربع کلو میٹر (71,467 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق تقریباً 12,900,000 ہے۔ اس کا صدر مقام دمشق ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ روم، لبنان اور شمالی اسرائیل، شمال میں ترکی، مشرق اور جنوب مشرق میں عراق اور جنوب میں اردن واقع ہیں۔ یہاں کے طبعی حالات میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔ جہاں جہاں شمال مغرب میں کوہستانی سلسلے اور وادیاں موجود ہیں وہیں وسطی اور جنوب مشرقی حصہ صحرائے سیریا اور بنجر اراضیات پر مشتمل ہے۔ شمال اور مشرق میں دریائے فرات کی نسبتاً سرسبز اور شاداب وادی ہے۔ جنوب میں جھیل دروز اور موران کا میدان ہے۔ جو مغرب کی جانب بحیرۂ گلیلی اور دریائے اردن کی وادی تک چلا گیا ہے۔ سیریا کا کچھ حصہ گلستان ہلالی (Fertile Crescent) کے منطقہ میں واقع ہے۔ یہ زرخیز خطہ جہاں پانی کے فراوانی ہے، جانب شمال بحیرۂ متوسط کے مشرقی ساحل سے ہوتا ہوا جنوبی ترکی کے کوہستانی علاقہ سے گزر کر دریائے دجلہ اور فرات کی وادی سے آگے خلیج فارس تک چلا گیا ہے۔

سیریا بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے جہاں کی ساٹھ فیصدی آبادی کا پیشہ زراعت اور گلہ بانی ہے۔ اہم پیداوار میں کپاس، گیہوں، جو (بارلی)، اون، تمباکو، میوے اور سبزیاں قابل ذکر ہیں۔ قدیم طریقۂ زراعت اور غیر محنتی اور غائب باش زمینداروں کی وجہ سے بٹائی کے طریقہ پر کاشت ہوتی ہے۔ پیداوار قابل لحاظ نہیں ہوتی البتہ 1958-61 کے دوران جبکہ سیریا متحدہ جمہوریہ کا رکن تھا زمینوں کی دوبارہ تقسیم عمل میں لائی گئی اور آب پاشی کی اغراض کے لیے بڑے بندھ تعمیر کئے گئے۔ صنعتیں زیادہ تر دمشق، حلب (Alepo) اور حمز (Homs) کے علاقوں تک محدود ہیں اور حال میں ان میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ سب سے بڑی صنعت جسے بین الاقوامی اہمیت حاصل ہے اور جو حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے وہ تیل کی صنعت ہے۔ تیل کی چار پائپ لائنیں سیریا سے گزرتی ہیں۔ ان میں سے تین عراق سے اور ایک سعودی عرب سے آتی ہے۔ ریلوے نظام گونا قص ہے تاہم اس کی کمی بڑی حد تک اتاکیہ کے بندرگاہ سے پوری ہوتی ہے جسے روسی امداد سے ترقی دی گئی ہے۔ اس سے قبل سیریا کی برآمدات کا واحد ذریعہ لبنان کے بندرگاہ بیروت اور طرابلس تھے۔ سیریا کی آبادی زیادہ تر عربوں پر مشتمل ہے اور عربی ہی یہاں کی سب سے اہم زبان ہے۔ تقریباً تین چوتھائی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ جن میں اکثریت سنی مسلمانوں کی ہے۔ ان کے علاوہ آبادی میں سیریائی عیسائی (جن کا تعلق زیادہ تر یونانی کلیسا۔ آرمینیائی کلیسا اور یونانی کیتھولک فرقے سے ہے)، کرد اور ترک بھی موجود ہیں۔ ایک اور مسلم فرقہ دروزی جنوب میں آباد ہے اور صحرائے سیریا متعدد بدوی خانہ بدوشوں کا مسکن ہے۔ مشرق قریب کے اور دوسرے ملکوں کی طرح سیریا کی تجارت زیادہ تر یوروپی ملکوں سے ہوتی ہے۔ درآمدات زیادہ تر جرمنی، اٹلی، فرانس، جاپان، وغیرہ سے آتی ہیں اور برآمدات اٹلی، بلجیم، جرمنی، برطانیہ، روس، یوگوسلاویہ اور یونان کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 62 فیصدی کچا تیل اور 15 فیصدی روئی ہے۔ 1991 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 2,539,081، استادوں کی تعداد 102,617 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 902,819 طالب علم نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 183,079 طالب علم تھے۔

تاریخ: تاریخی لحاظ سے سیریا کے نام کا اطلاق لیوانت (Levant) یا بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط) کے مشرقی ساحل کے ان علاقوں پر ہوتا ہے، جہاں اب جدید لبنان، اسرائیل اور اردن کا بڑا حصہ اور شمالی عرب کا کچھ حصہ واقع ہے۔

آغاز تاریخ ہی سے سیریا فاتحین کا منظور نظر رہا ہے۔ اس کی تاریخ کا ایک بڑا دور بیرونی قابضین کے تحت گزرا ہے۔ یوگارت (Ugarit) غالباً سیریا کے باشندوں کا پہلا تہذیبی مرکز تھا۔ جزیرہ نمائے عرب سے آنے والا بنی عموں (Amorites) قبیلہ شاید پہلا اہم سیریائی قبیلہ ہے جو اس علاقہ میں تقریباً 2100 ق.م. میں آکر بس گیا تھا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ پندرھویں صدی سے تیرھویں صدی ق م تک یہاں ہتّیوں (Hittites) کی سلطنت قائم تھی۔ تاہم اس زمانے میں یہ علاقہ کئی مرتبہ مصری سلطنت کے زیر نگیں بھی رہا۔ یہاں کی پہلی مقامی تہذیب فنیقی (فونیقی) کی تھی جو اب بیشتر موجودہ لبنان میں ہے۔ یہ تہذیب

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1250 ق.م. کے بعد سے ساحل کے تجارتی شہروں میں فروغ پاتی رہی۔ کچھ عرصہ بعد فلسطین میں عبرانی سلطنتیں قائم ہوئیں اور سیریا لگاتار آپس کی چپقلشوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ وہ مسلسل اسیریوں کے زیر اقتدار رہا۔ یہاں بابل کے حملہ آوروں نے بھی زور آزمائی کی اور مصر نے مستقلاً اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش کی۔ یہاں کے باشندے قتل عام، لوٹ مار، ظلم و ستم اور جبری جلاوطنی کے شکار ہوئے۔ لیکن ایرانی دور اقتدار میں، جس کا نظم و نسق بے مثال تھا، سیریا نے ترقی کی اور وہاں کے لوگوں کا معیار زندگی بھی بہتر ہو گیا۔ سکندر اعظم کے مختصر قبضہ (332-331 ق.م.) کے بعد یہ علاقہ سلوکیوں (سلوقیوں) کی عملداری میں شامل رہا۔ سلوکیوں کو عام طور سے شاہان سیریا کہا جاتا ہے۔ گوکہ سیریا کے بڑے حصہ پر ان کی گرفت ہمیشہ مضبوط نہیں رہی۔ اس کے علاوہ سلوکیوں کی عملداری میں کئی اور علاقے بھی شامل تھے۔ ان کو مصر سے مستقل خطرہ لگا رہتا تھا، جہاں اس وقت خاندان بطلیموس (Ptolemies) کی حکومت تھی۔ سیریا کا جنوبی علاقہ اکثر و بیشتر مصریوں کے قبضہ میں رہا۔ بالآخر انطاکیس سوم نے اسے فتح کر لیا۔ سلوکیوں نے سیریا میں کئی نو آبادیاں بسائیں اور یونانی تہذیب کو پھیلانے کی کوشش کی۔ اس نئی تہذیب کے اثرات سیریا میں ایک عرصہ تک موجود رہے۔ لیکن شہروں کے تہذیبی مراکز کے سواد عوام کے دیگر طبقات میں اثر انداز نہ ہو سکی اور جب پہلی صدی ق.م. میں ارمینیوں اور پارتھینیوں کے حملے شروع ہوئے تو اس تہذیب کی چمک دمک ماند پڑ گئی۔ 63 ق.م. میں رومیوں نے پامپئی کی سرکردگی میں اس علاقہ کو فتح کر لیا۔ تاہم وہ پارتھینیوں سے ایک عرصہ تک برسرپیکار رہے۔ رومیوں نے یہاں کے نظم و نسق میں بڑی تبدیلیاں کیں اور لاتعداد سیریائی سپاہیوں کو غلام بنا کر روم لے گئے۔ اس کے علاوہ اہل سیریا کے کئی قدیم بتوں کو بھی روم منتقل کر دیا گیا۔ مستقبل کے نقطہ نظر سے سب سے اہم بات یہ تھی کہ عیسائی مذہب کا جنم فلسطین ہی میں ہوا اور یہیں سے اس کے اثرات سیریا میں پھیلنے لگے۔ سینٹ پال دمشق ہی کے راستہ پر عیسائی بنے تھے۔

پہلی صدی عیسوی کے بعد وسطی سیریا میں پامیرہ نے ایک خود مختار ریاست کی حیثیت اختیار کر لی۔ لیکن جب اس کے اقتدار سے روم کو خطرہ پیدا ہو گیا تو رومیوں نے اس کا شیرازہ بکھیر دیا۔ سلطنت روم کے جب دو حصے ہو گئے اور وہ مغربی اور مشرقی سلطنت میں منقسم ہو گئی تو سیریا بازنطینی عملداری میں آ گیا۔ لیکن عربوں کی 633 اور 640 کے درمیان آمد سے قبل ہی یہاں بازنطینی تسلط کمزور پڑ چکا تھا۔ عربوں کے آنے کے بعد سیریائی باشندوں نے اسلام قبول کر لیا اور خاندان بنی اُمیہ (661-750) کا یہ دارالخلافہ قرار پایا۔

اس دور میں سیریا شان و شوکت کے لحاظ سے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ جب عباسیوں نے بزور شمشیر بنی اُمیہ کا تختہ الٹ کر سیریا سے بے دخل کر دیا اور انھوں نے عراق کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو دنیائے اسلام میں سیریا کا اثر و رسوخ بھی گھٹ گیا۔ اس کے بعد سیریا کے مسلمانوں اور جنوبی سیریا (جو بعد میں لبنان کہلایا) کے اکثریتی فرقہ عیسائیوں کے باہمی رشتے بھی ٹوٹنے لگے۔ چنانچہ گیارھویں صدی کے اواخر میں صلیبی لڑائیوں کے دوران یوروپی فوجیں سیریا میں داخل ہوئیں تو سیریائی عیسائیوں نے ان کی ہر طرح مدد کی۔ اس وقت تک سیریا کا بڑا علاقہ سلجوقی ترکوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ عیسائیوں کو نہ صرف ان کا سامنا کرنا پڑا بلکہ صلاح الدین ایوبی کی فوجوں سے بھی نبرد آزمائی کرنی پڑی۔ بارھویں صدی کے اواخر میں صلاح الدین نے سلجوقیوں اور عیسائیوں دونوں کو شکست دے کر اپنا تسلط مستحکم کر لیا۔ اس کے بعد مملوکین کے دور میں سیریا پر منگولوں کے خونریز حملے شروع ہوئے۔ 1516 میں سیریا سلطنت عثمانیہ کے زیر تسلط آ گیا۔ عثمانی دور میں سیریا بڑی حد تک حملہ آوروں کی زد سے محفوظ رہا اور اسے اپنے طور پر ترقی کرنے کا موقع ملا۔ تاہم مرکزی حکومت کی گرفت کمزور پڑنے کی وجہ سے پہاڑی علاقوں میں دروزیوں کا زور بڑھنے لگا اور وہ بیرونی عیسائیوں کو ڈرانے دھمکانے لگے۔ اس پر فرانس نے عیسائیوں کے محافظ کی حیثیت سے مداخلت شروع کر دی۔ 1799 میں مصر پر نپولین اوّل کی مہم کے دوران فرانسیسی سیریا میں بھی آ دھمکے۔ لیکن ان کا قبضہ عارضی رہا۔ انیسویں صدی میں مصر کے محمد علی پاشا کے اقتدار سے ترکوں کی حکومت کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور 33-1832 کی مہم میں تو ابراہیم پاشا نے سیریا کو ترکوں سے چھین بھی لیا۔ اور پھر تازہ مہمات کے ذریعہ اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ تاہم یوروپی طاقتوں کے دباؤ کے تحت مصر کو اپنی فوجیں واپس بلا لینی پڑیں۔ اسی اثنا میں لبنان کے علاقہ میں عیسائیوں پر دروزیوں کا ظلم و ستم اس قدر بڑھ گیا کہ سارا سیریا اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ صیہونی تحریک کے زور پکڑنے کے ساتھ ساتھ عرب قومیت کی تحریک بھی شدت اختیار کرتی گئی۔ پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ نے قومی تحریکات کی ہمت افزائی کی اور ان کا رخ ترکوں کے خلاف موڑ دیا۔ لیکن امن سمجھوتوں میں ان، خدمات، کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اور ان سے سراسر بے وفائی کی گئی۔ چنانچہ جنگ کے بعد لیوانت کی ریاستوں (موجودہ سیریا اور لبنان) کو فرانس کی تولیت (mandate) میں دے دیا گیا اور 1920 سے اس طرز حکمرانی پر عمل بھی شروع ہو گیا۔ عرب قوم پرستوں نے ان ریشہ دوانیوں کی شدت سے مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ 1925 میں بڑے پیمانے پر ہنگامے شروع ہو گئے۔ دروزیوں نے بغاوت کر دی اور فرانس نے دمشق کا محاصرہ کر کے اس پر بمباری شروع کر دی۔ بالآخر سیریا کو چند مراعات دینے پر اکتفا کیا گیا۔ 1926 میں لبنان کی ایک علیحدہ ریاست قائم کی گئی۔ اور ایک طویل اور صبر آزما گفت و شنید کے بعد 1936 میں سیریا کو بھی کچھ خود مختارانہ حقوق عطا کیے گئے اور اس کی ایک علیحدہ ریاست قائم کرنے سے اتفاق کر لیا گیا۔ تاہم لتاکیہ اور جبل الدروز کو علیحدہ علاقے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

قرار دیا گیا۔ لیکن یہ مراعات قوم پرستوں کو مطمئن نہ کر سکیں۔ اور مکمل آزادی کے لیے ان کی مہم تیز تر ہوتی گئی۔ فرانس مخالف جذبات اس وقت اور شدید ہو گئے جب فرانس ترکی کے مطالبہ پر الیگزنڈریہ (موجودہ اسکندرون) کو ترکی کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

جنوبی ترکی کا یہ علاقہ جو اسکندرون کے علاقہ انطاکیہ پر مشتمل ہے 1920 میں سیریا میں شامل کیا گیا تھا اور بالآخر 1939 میں اسے پھر ترکی کے حوالے کر دیا گیا۔ اس سال فرانس نے دستور کو معطل کر دیا اور دوسری عالمی جنگ کے دوران سیریا میں اپنی افواج کے لا تعداد اڈے قائم کر دیے۔ اس دوران برطانیہ سے بھی سیریا کے تعلقات بگڑ گئے اور جب اس کا انکشاف ہوا کہ سیریائی ہوائی اڈے جرمنوں کے زیر استعمال رہے ہیں، تو برطانوی اور فرانسیسی افواج نے 1941 میں سیریا پر قبضہ کر لیا۔ تاہم حسب وعدہ فرانس نے ستمبر 1941 میں ایک آزاد جمہوریہٗ سیریا کے قیام سے اتفاق کر لیا۔ اس کے ساتھ نومبر 1941 میں ایک آزاد لبنانی جمہوریہ کی تشکیل سے بھی اتفاق کر لیا گیا۔ 1942 میں لتاکیہ اور جبل الدروز کے علاقے سیریا میں شامل کر دیے گئے اور یکم جنوری 1944 کو سیریا مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ تاہم فرانسیسی افواج کی مسلسل موجودگی سے صورت حال کشیدہ رہی۔ بالآخر اپریل 1946 میں تمام بیرونی افواج ملک سے چلی گئیں اور سیریا اقوام متحدہ کا رکن بنالیا گیا۔

عرب لیگ کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے سیریا نے 1948 کی اسرائیل مخالف جنگ میں حصہ لیا۔ عربوں کے ہاتھوں سے فلسطین کے نکل جانے کے بعد سیریا کی سیاست بحران کا شکار ہو گئی اور اس کے بعد دیگر متعدد فوجی گروہ برسر اقتدار آتے رہے۔ اس دوران سیریا کیمونسٹ بلاک سے قریب ہوتا گیا اور مصر کی اتباع میں اس نے روس سے تجارت کے علاوہ حصول اسلحہ کے معاہدے کیے۔ دو سال بعد جب ترکی نے سرحد پر اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کیں تو روس نے سیریا کو مزید اسلحہ فراہم کیے۔ اس طرح وہاں کے فوجی حلقوں میں کیمونسٹ اثرات بڑھتے گئے۔ نہر سوئز کو قومی ملکیت بنانے اور انگریزوں، فرانسیسیوں اور اسرائیل کے عرب ملکوں پر حملہ کی ناکامی کے بعد ساری عرب دنیا میں سامراج دشمنی اور عرب اتحاد کا جذبہ غیر معمولی طور پر ترقی پا چکا تھا اور اس کے تحت مصر اور سیریا کے درمیان اتحاد سے فروری 1958 میں متحدہ عرب جمہوریہ وجود میں آئی۔ عراق میں انقلاب کے بعد اس اتحاد میں اسے بھی شریک کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ ناکام رہی۔ سیریا اور مصر کے درمیان اتحاد بہت دن باقی نہ رہ سکا اور 1961 میں ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد سے بعث پارٹی کے مختلف گروہ برسر اقتدار رہے اور 1971 میں حافظ الاسد کی سرکردگی میں اس پارٹی کی ایک حکومت قائم ہوئی جسے کیمونسٹوں کا تعاون حاصل رہا۔ سیریا کے روس کے ساتھ گہرے تعلقات بھی رہے۔ سیریا کو اسرائیل سے دو مرتبہ لڑنا پڑا ایک 1967 میں جب سیریا، اردن اور مصر نے متحدہ طور پر جنگ کی۔ لیکن اس میں شکست ہوئی اور سیریا کو جولان (گولان) کی پہاڑیوں کا علاقہ اسرائیل کے حوالے کرنا پڑا۔ دوسری لڑائی 1973 میں ہوئی۔ سیریا اور مصر کو اردن، عراق، سعودی عرب وغیرہ کی حمایت حاصل رہی اور اس مرتبہ اسرائیل اپنے مقبوضات میں اضافہ نہیں کر سکا۔ سیریا کی حکومت مصر کے صدر انور سادات کی اسرائیل کے ساتھ صلح کی پالیسی کے خلاف تھی اور وہ الجزائر، عراق اور لیبیا کے ساتھ تھی جو ان کوششوں کے سخت خلاف تھے۔ بعد میں عراق اور سیریا کے تعلقات بھی بہتر ہوئے اور آپس میں اتحاد کی بات چیت ہوئی۔

1973 میں ایک نیا آئین (دستور) مرتب ہوا۔

1976 میں سیریا اور اسرائیل میں معاہدہ ہوا جس کی رو سے اسرائیل 1967 کی حدود تک پیچھے ہٹ گیا اور سیریا کے حصے واپس کر دیے۔ گولان میں اقوام متحدہ کی امن بحال کرنے والی فوجوں کی زیر نگرانی ایک پٹی قائم کر دی گئی۔

1974 سے ہی سیریا کی معیشت کا سب سے اہم جزو تیل بن چکا ہے۔ فروری 1978 میں حافظ الاسد دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔ 1976 سے 1982 تک شہروں میں سیاسی بے اطمینانی بہت زیادہ پھیل گئی۔ لبنان کی اندرونی گڑبڑ کو ختم کرنے میں مدد کرنے کے لیے سیریا کی فوجیں لبنان بھیجی گئیں۔ 1985 میں حافظ الاسد پھر صدر منتخب ہوئے۔ سیریا پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے بین الاقوامی سطح پر تشدد پسند مظاہرین کو ایران، فلسطین اور لیبیا کی حمایت میں استعمال کیا ہے۔

1991 میں سیریا نے کویت کے خلاف عراق کے حملہ کی مذمت کی اور خود فوجی امداد دی۔ دریائے فرات پر ایک نیا بندھ بنا کر آبپاشی کے ذرائع میں کافی اضافہ کیا گیا ہے۔

سشلیز (Seychelles): تقریباً 100 جزائر کا مجموعہ ہے جو مغربی بحر الہند میں مڈغاسکر کے شمال مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ سشلیز کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ 285 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 69,000 ہے۔ سب سے بڑا جزیرہ ماہے ہے۔ کل آبادی کی 95 فی صدی اسی جزیرے میں رہتی ہے۔ صدر مقام وکٹوریہ بھی یہیں واقع ہے۔ تمام بڑے جزیرے آتش فشانی ہیں۔ کیونکہ یہ خط استوا کے قریب ہیں اس لیے بارش خوب ہوتی ہے۔ ناریل، الائچی، گنا اور کمی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب چیزیں اور مچھلیاں برآمد کی جاتی ہیں۔ سشلیز کو پرتگالیوں نے 1505 میں دریافت کیا تھا اور ایک زمانہ تک یہ بحری ڈاکوؤں کا اڈہ رہا۔ وسط اٹھارہویں صدی سے فرانسیسی یہاں آباد ہونا شروع ہوئے۔ برطانوی سپاہیوں نے 1794 میں اس پر قبضہ کر لیا اور 1814 کے پیرس معاہدہ کے مطابق اس پر برطانوی اقتدار تسلیم کر لیا گیا۔ 1903 تک یہ ماریشس کا حصہ رہا۔ اس

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے بعد یہ ایک علیحدہ کالونی بن گیا۔ یہاں کی آبادی کی بڑی اکثریت فرانسیسیوں اور افریقہ سے لائے ہوئے غلاموں کی ملی جلی نسل پر مشتمل ہے اور یہ ملی جلی فرانسیسی بولتے ہیں۔ جون 1976 میں اسے آزادی ملی اور یہاں جمہوری ریپبلک قائم ہو گئی۔ یہ دولت مشترکہ کا رکن ہے۔

1980 اور 1990 کے تمام سالوں میں عوامی بے چینی بڑھی اور حکومت میں زیادہ پارٹیوں کی شرکت کی مانگ بڑھتی رہی۔

سیف ٹیلا: یہ سلامی دار ڈھلانوں کا لمبا سا ٹیلا دائمی ہواؤں کے رخ میں پھیلا رہتا ہے۔ یہ ہوائیں اس کی لمبائی میں اضافہ کرتی رہتی ہیں۔ ساتھ ہی اسے چوڑائی میں عبور کرنے والی ہواؤں سے اس کی چوڑائی بھی بڑھتی رہتی ہے۔ صحرائے اعظم (افریقہ) اور ایران میں اس طرح کے ٹیلوں کی بلندی 90 میٹر تک پائی گئی ہے۔

سیفلوپوڈ (Cephalopod): عائلہ سیفلوپوڈا (Cephalopoda) سے متعلق جانور میں لچھے دار (Coiled) خول ہوتے ہیں اور جو ایک عضلاتی قیف (Muscular Funnel) سے فوارے کی طرح پانی خارج کر کے تیرتے ہیں۔ ان کے خول خانے دار ہوتے ہیں اور ان خانوں (Chambers) کو تقسیم کرنے والے پودے (Septa) جہاں خول کی دیواروں سے جڑے ہوتے ہیں وہاں وہ خمیدہ نشانات بناتے ہیں جن کو سوچر (Suture) کہا جاتا ہے۔ ان سوچروں کے اوپر ابھرے ہوئے حصے لَپ (Lobes) اور نیچے کی طرف مڑے ہوئے حصے زین (Saddle) کہلاتے ہیں۔ ان کا عہد عمر، کیمبرین سے لے کر عرصہ حاضر تک ہے۔

سیقلون یا بادگولہ (سائکلون) (Cyclone): یہ ہوا کا ایسا نظام ہے جس کے مرکز پر دباؤ کم اور باہر کی طرف دباؤ زیادہ رہتا ہے اس لیے ہوائیں اندر کی طرف چلتی رہتی ہیں۔ شمالی نصف کرہ میں یہ گھڑی کی سوئیوں کی مخالف سمت میں اور جنوبی نصف کرہ میں موافق سمت میں گھومتی ہوئی حرکت کرتی ہیں۔ دو سیقلونوں (بادگولوں) کے درمیان اکثر ایک مخالف سیقلون (بادگولہ) بھی پھیل جاتا ہے۔ منطقہ حارہ میں یہ تجارتی یا موسمی ہواؤں کے ساتھ چلتے ہیں اور ٹراپیکل سیقلون (بادگولے) کہلاتے ہیں۔ منطقہ معتدلہ میں مغربی ہواؤں کے ساتھ بڑھتے ہیں اور معتدل سیقلون (بادگولے) کہلاتے ہیں۔

سیلاب اور ان کی روک تھام (Floods and Flood Control): جب دریاؤں میں پانی گنجائش سے بڑھ جاتا ہے اور یہ زائد پانی کناروں کو پار کر کے دوسرے علاقوں میں پھیل جاتا ہے تو اسے سیلاب کہتے ہیں۔ سیلاب کے زمانے میں عام حالات کے مقابلہ میں دریاؤں میں تیس سے سو گنا زائد پانی ہوتا ہے۔ سیلاب کے زمانے میں دریا کا بہاؤ تیز ہو جاتا ہے اور اس کے پانی میں ریت و مٹی کی مقدار بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ سیلاب کے ذریعہ لائی ہوئی مٹی گاد جو سیلابی علاقے میں جمع ہو جاتی ہے وہ کافی زرخیز ہوتی ہے اور کاشت کاری کے لیے بہت فائدہ مند ہوتی ہے لیکن اس کے برخلاف سیلاب سے جو نواحی علاقے زیر آب ہو جاتے ہیں یا شہروں کے علاقے جو سیلاب کی زد میں آ جاتے ہیں ان سے کافی نقصان بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سیلاب کے زمانے میں دریاؤں کی تیز روی کی وجہ سے دریا کے کنارے کٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے کافی نقصان ہوتا ہے۔

سیلاب کیوں آتے ہیں اس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً دریا کے اوپری علاقوں میں اگر بہت زیادہ بارش ہوتی ہے یا برفیلے علاقوں میں اگر کسی وجہ سے برف زیادہ پگھلنے لگتی ہے اور اگر یہ پانی اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ دریا میں سما نہیں سکتا تو پانی قرب و جوار میں پھیل جاتا ہے۔ کچھ دریاؤں میں سیلاب ہر سال آتے ہیں اور کچھ میں چند سالوں کے وقفہ کے بعد آتے ہیں۔ یہ وقفہ ہر دریا کے لیے وہاں کی بارش اور زمین کے نشیب و فراز کے مطابق مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً دریائے گنگا اور جمنا کے دوآبے اور وادی برہمپترا میں سیلاب تقریباً ہر سال آتے ہیں اور برسات کے چار ماہ میں دریائے گنگا اپنے ساتھ اتنی مٹی سمندر میں پہنچاتی ہے جو باقی آٹھ مہینوں میں لائی مٹی سے تقریباً چوبیس گنا زائد ہوتی ہے۔

چونکہ پانی کے بہاؤ سے کٹاؤ کی طاقت پانی کی رفتار کے مربع کے حساب سے ہوتی ہے یعنی اگر رفتار دوگنی ہو جاتی ہے تو کٹاؤ کی طاقت چار گنی ہو جاتی ہے، اس لیے سیلاب کے زمانے میں دریاؤں کے کناروں کا کٹاؤ بہت زیادہ ہو جاتا ہے جس کو اگر نہ روکا جائے تو بسا اوقات دریا اپنا رخ بھی بدل دیتے ہیں۔ سیلاب کو روکنا بہت زیادہ دشوار کام ہے۔ جو پانی دریاؤں میں اوپری علاقوں سے آتا ہے اگر اس کا کچھ حصہ نہروں وغیرہ کے ذریعہ گھما کر دوسرے علاقوں میں یا دوسرے دریاؤں کی حدود میں کر بھی دیا جائے تاہم بیشتر پانی اسی دریا کے ذریعہ گزارنا پڑتا ہے۔ دوسرا طریقہ سیلاب کو کسی قدر روکنے کا یہ ہے کہ بڑے دریا اور اس کے معاون دریاؤں میں اوپری علاقوں میں جگہ جگہ باندھ بنا کر کچھ پانی روک لیا جائے اور اس پانی کو بعد میں آہستہ آہستہ خارج کیا جائے۔ اس طرح سیلاب کے زور میں قدرے کمی ہو جاتی ہے۔ مزید برآں جہاں سیلاب کی وجہ سے کسی شہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہاں کے کنارے پشتے باندھ کر اونچے کر دیے جاتے ہیں تاکہ سیلابی پانی کناروں کو پار نہ کر سکے اور محدود راستہ سے ہی گزرے۔

سیلاب کی آمد کا پتہ لگانے کے لیے دریاؤں کے بہاؤ کی رفتار، ان میں پانی کی سطح کی اونچائی اور کس علاقہ میں کس زمانہ میں کتنی بارش ہوتی ہے اس کی پیمائش مسلسل پروگرام کے تحت کی جاتی ہے جس سے پتہ لگایا جاتا ہے کہ کب اور کس قدر سیلاب آنے کا امکان ہے اور اسی کے مطابق بچاؤ اور روک تھام کے انتظامات کیے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جاتے ہیں۔

سیلابی چبوترے: ملاحظہ ہو دریائی ذخائر اور دریائی چبوترے

سیلسبری: افریقہ کی ریاست زمبابوے کا صدر مقام ہے۔ پہلے اس ریاست کا نام جنوبی رھوڈیشیا تھا۔ 1980 میں آزادی کے بعد زمبابوے ہو گیا۔ یہ افریقہ کے سب سے بڑے عصری شہروں میں سے ہے۔ رسل و رسائل اور تجارت کا مرکز ہے۔ یہاں سونے کی کافی کانیں ہیں۔ ریل اور سڑک کے ذریعے یہ زیمبیا کے صدر مقام لوساکا اور موزمبیق کے بندرگاہ بیارا سے جڑا ہوا ہے۔ سیلسبری کو 1890 میں بسایا گیا تھا۔ ایک انگریز آبادکار جان رھوڈس نے اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم لارڈ سیلسبری کے نام پر اسے بسایا تھا۔ 1953 میں یہ وفاق رھوڈیشیا اور نیاسالینڈ کی راجدھانی بنا دیا گیا۔ وفاق ٹوٹنے کے بعد یہ جنوبی رھوڈیشیا یعنی زمبابوے کا صدر مقام بنا۔ اس کی آبادی 1971 میں 260,800 تھی۔

سیمارنگ: یہ صوبہ وسطی جاوا کا صدر مقام ہے اور شمالی ساحل پر اسی نام کی ندی کے دہانہ پر واقع ہے۔ ایک اہم بندرگاہ، مشہور تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ لیکن اس کی لنگر گاہ زیادہ محفوظ نہیں ہے۔

سیمول بیکرس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

سیمول ویلسن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

سیمنوتیان شانسکی: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

سین ٹیاگو: چلی (جنوبی امریکہ) کا یہ دارالحکومت ہے اور اس کے وسطی حصے میں واقع ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1971 میں 1,699,711 تھی۔ جنوبی امریکہ کے سب سے بڑے شہروں میں سے ہے۔ برف پوش کوہ انڈیز اس کے مشرقی علاقے میں واقع ہیں۔ سال کے بیشتر حصے میں یہاں، دن میں گرمی اور رات میں سردی رہتی ہے۔ اس شہر کا ماحول بڑی حد تک عصری ہے۔ یہاں بڑے بڑے باغات، پلازا پارک اور کشادہ سڑکیں ہیں۔ شاہراہوں اور ریلوے کے ذریعے یہ شمال اور جنوب کے بڑے بڑے ملکوں سے مربوط ہے۔ صنعت و حرفت کا یہ مرکز ہے۔ یہاں پارچہ بافی، تعمیری اشیا، کیمیائی اشیا، کاغذ سازی اور دوسری کئی اشیا کی تیاری کے کارخانے ہیں جن میں لوہے اور فولاد کے کارخانے شامل ہیں۔ زلزلے یہاں کئی بار آتے ہیں اور اس کے باوجود یہ شہر خوب ترقی کرتا گیا۔

سین ٹیاگو چلی کا نہ صرف سیاسی، مالی اور تجارتی مرکز ہے بلکہ علمی اور ادبی مرکز بھی ہے۔ یہاں ایک قومی کتب خانہ، میوزیم، تھیٹر وغیرہ بھی ہیں۔ سولھویں صدی سے سفید فام لوگ، خاص طور پر ہسپانوی، یہاں آکر بسنے لگے تھے۔

سین ہوزے: جنوبی امریکہ کی مملکت کاسٹاریکا (Costa Rica) کے مغربی وسطی علاقے میں واقع ملک کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی 102,297 ہے۔ یہ کاسٹاریکا کا معاشی اور سماجی مرکز ہے۔ 1739 میں اس شہر کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ 1828 کے بعد، ہسپانوی اقتدار ختم ہونے پر، اس کو راجدھانی بنایا گیا۔ یہ عصری شہر ہے۔ یہاں پارک اور خوبصورت سرکاری عمارتیں ہیں۔ ان عمارتوں میں ہسپانوی اور شمالی امریکہ کی ثقافت کا مجموعہ ملتا ہے۔ اس شہر کے قرب و جوار میں کافی کے باغات ہیں۔ بین الاقوامی ایرپورٹ بھی یہاں ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی 1844 میں قائم کی گئی تھی۔ 1960 میں امریکی ریاستوں کے وزرائے خارجہ کی دو کانفرنسیں یہاں ہوئی تھیں۔

سینائی: یہ ایک مثلثی جزیرہ نما مصر، اسرائیل اور سعودی عرب کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس کی شمالی سرحد بحیرۂ روم سے ملتی ہے۔ اس کے مغرب میں نہر سوئیز اور خلیج سوئیز واقع ہیں۔ جنوب مشرق میں خلیج عقبہ پھیلی ہوئی ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے اسے ایشیا ہی کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے لیکن سیاسی اعتبار سے یہ مصر (افریقہ) کا ریگستانی صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 60,088 مربع کلومیٹر (23,200 مربع میل) ہے۔ سنہ 1960 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 126,000 تھی۔

سینٹ پیرے اور مکیلان (Saint Pierre and Miquilon): فرانس کے سمندر پار کے علاقے ہیں۔ یہ نیوفاؤنڈلینڈ کے جنوبی ساحل سے تقریباً 24 کلومیٹر (15 میل) کے فاصلے پر خلیج سینٹ لارنس میں واقع ہیں۔ ان کا کل رقبہ 241 مربع کلومیٹر ہے۔ 1991 کے اندازے کے مطابق آبادی 6,400 ہے۔ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں اور مویشی پالے جاتے اور برآمد کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ تیل کی صنعت بھی ہے اور اس کی پیداوار برآمد ہوتی ہے۔ برآمدات امریکہ اور کینیڈا کو جاتی ہے اور درآمدات فرانس اور کینیڈا سے آتی ہیں۔ اس پر سترہویں صدی کے شروع میں فرانس نے قبضہ کیا تھا۔ دو مرتبہ ان کو انگریزوں نے ان سے چھین لیا لیکن بعد میں فرانس کی حکمرانی تسلیم کر لی گئی۔

1935 میں انھیں مقامی خود مختاری دے دی گئی۔ 1976 میں یہ سمندر پار کا ڈپارٹمنٹ بنا دیے گئے۔ 1985 میں انھیں ایسٹ یوروپین (E.E.C.) کے ماتحت تجارت کے تمام حقوق دے دیے گئے۔

سینٹ لارنس: یہ شمالی امریکہ کا ایک نہایت اہم دریا ہے جو جھیل اونٹاریو کے

شمال مشرقی سرے سے نکل کر 740 میل تک جانے کے بعد خلیج سینٹ لارنس میں جاگرتا ہے۔ راستے میں کئی جھیلوں کا پانی اس میں مل جاتا ہے۔ اس کی لمبائی جھیل سپیریر (Superior) سے بحر اوقیانوس تک 2,350 میل ہے۔ یہ دریا کینیڈا کے صوبہ اونٹاریو (Ontario) اور ریاست نیویارک کے درمیان بین الاقوامی سرحد کا کام دیتا ہے۔ اس دریا سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں۔ اسی سے نیاگرا آبشار بنتا ہے۔ سینٹ لارنس کی اہم معاون ندیاں، رچے لیو، سیاگونے، اوٹاوا، سینٹ ماریس، چاڈیر اور سینٹ فرانسس ہیں۔ موسم سرما میں برف جم جانے سے اس میں جہاز رانی نہیں ہو سکتی۔ ویسے دریا کا کافی بڑا حصہ جہاز رانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے بڑے پیمانے پر بجلی پیدا کی جاتی ہے جسے امریکہ اور کینیڈا دونوں استعمال کرتے ہیں۔ اس پر کئی پل تعمیر کیے گئے ہیں۔

سینٹ لارنس آب و ہوا کا خطہ: اس خطہ میں جنوب مشرقی کینیڈا، شمال مشرقی ریاست ہائے متحدہ امریکہ، شمالی جاپان، مشرقی کوریا، مشرقی منچوریا اور جنوبی ارجنٹائنا شامل ہیں۔ یہ خطہ سرد معتدل بحری خطہ سے بہت مختلف دکھائی دیتا ہے۔ سرد معتدل بحری خطہ شمالی براعظموں کے مغرب میں مغربی ہواؤں سے سال بھر بارش پاتا ہے۔ بحر اوقیانوس کا اعتدالی اثر بھی اس پر بہت نمایاں ہوتا ہے۔ سینٹ لارنس کا خطہ سرد معتدل بحری خطہ کے مقابل شمالی براعظموں کی مشرقی حدود پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں ہوائیں خشکی سے آتی ہیں اس لیے نہ بارش برساتی ہیں نہ اعتدالی اثر پیدا کرتی ہیں۔ موسم سرما زیادہ سرد اور موسم گرما کچھ زیادہ گرم ہوتا ہے۔ سالانہ تفاوت حرارت زیادہ رہتا ہے اور بارش کا سالانہ اوسط تقریباً "30 ہوتا ہے۔ سردی کا مقابلہ کرنے والے درخت یہاں بکثرت ملتے ہیں۔ کہیں کہیں مخروطی درخت بھی دکھائی دیتے ہیں۔ باشندے شکار کرتے ہیں یا مویشی پالتے ہیں۔

سینٹ لوشیا (Saint Lucia): یہ ایک جزیرائی ملک ہے۔ بحیرۂ کیریبین میں مغربی جزائر الہند کے ونڈورڈ جزیروں میں سے ایک ہے۔ یہ جزیرہ مارٹی نیک کے جنوب میں 38 کلومیٹر (24 میل) اور جزیرہ سینٹ کے شمال مغرب میں 32 کلومیٹر (21 میل) دور واقع ہے۔ رقبہ 616 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 153,000 ہے۔ صدر مقام کیسٹریز ہے۔ کیلے اور ناریل پیدا ہوتے ہیں جو اطراف کے جزیروں میں بھیجے جاتے ہیں۔ علاقہ نہایت خوبصورت ہے۔ کافی تعداد میں سیاح آتے ہیں۔

سینٹ لوئی (Saint Louis): یہ شہر ریاست مسوری (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کے مشرق میں دریائے مسیسپی کے کنارے واقع ہے۔ یہ امریکہ کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ مختلف نوعیت اور مقاصد کی عمارتوں کے علاوہ یہاں 70 پارک ہیں جو تین ہزار ایکڑ رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں ایک حیوانیاتی باغ، سٹی آرٹ میوزیم، جیفرسن میموریل، کارل ملیس بھی ہیں۔ یہ امریکہ کا دوسرے نمبر کا سب سے بڑا ریلوے کا مرکز ہے۔ یہ ریلوے اس شہر کو مختلف شہروں سے مربوط کرتی ہے۔ یہاں بلدیہ کے زیر انتظام طیران گاہ (ایرپورٹ) ہے اور غلہ، مویشیوں اور کھیتوں سے متعلقہ اشیا کی مارکٹ ہے۔ شہر کے قرب و جوار میں تانبے، جست، لوہے اور کوئلہ کی کانیں ہیں۔ فیڈرل ریزرو بنک کا یہ مستقر ہے۔ یہاں جوتے، شراب، گوشت، غذائی اشیا، کیمیائی اشیا، موٹر کار، طیارے، برقی پنکھے، لوہے کا سامان اور فولادی اشیا بنائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ پشمینہ کی دباغت، شکر سازی، پٹرولیم سے متعلقہ سامان بنانے کے کارخانے بھی ہیں۔ 1971 میں اس کی آبادی 750,026 تھی۔

بہروں (کم سننے والوں) کے لیے یہاں ایک سنٹرل انسٹی ٹیوٹ ہے۔ 1819 میں یہاں سینٹ لوئس یونیورسٹی قائم کی گئی۔ اس کے علاوہ واشنگٹن یونیورسٹی، کانوینٹ کالج، ہیرز ٹیچرس کالج اور دو میڈیکل اسکول ہیں۔ مسوری نباتیاتی باغ جو شانباتاتی باغ (Shaw Botanical Garden) کہلاتا ہے، یہیں ہے۔ پودوں کے علاوہ اس میں علم نباتات سے متعلقہ کتب خانہ ہے نیز ایک تجربہ گاہ بھی ہے۔ یہاں کئی قسم کے میوزیم بھی ہیں۔

سینٹ ونسنٹ اور گرنیڈین (Saint Vincent and the Grenadines): یہ جزیرے برطانوی نو آبادی (کالونی) ہیں۔ بحیرۂ کیریبین میں جزیرہ بارباڈوس کے مغرب میں 160 کلومیٹر (100 میل) دور واقع ہیں۔ رقبہ 388 مربع کلومیٹر ہے۔ اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 117,000 ہے۔ کنگس ٹاؤن صدر مقام ہے۔ کیلے، اراروٹ اور ناریل کی کاشت ہوتی ہے۔ ان کی بڑی مقدار برطانیہ اور اطراف کے جزائر کو جاتی ہے۔

سینٹ ہیلینا۔ جزیرہ (Saint Helena Island): یہ جزیرہ مغربی افریقہ کے جنوب مغربی ساحل سے پرے 1,931 کلومیٹر دور جنوبی بحر اوقیانوس میں واقع ہے۔ 1834 سے ایک برطانوی کالونی ہے۔ رقبہ صرف 122 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 7,000 ہے۔ اس کا صدر مقام جیمس ٹاؤن ہے۔ درآمدات کا بڑا حصہ برطانیہ سے آتا ہے۔ برآمدات میں کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ فرانس کی تاریخ میں اس کی اہمیت اس لیے ہے کہ واٹر لو کی شکست کے بعد 1815 میں نپولین اسی جزیرہ میں قید رہا تھا اور 1821 میں اس نے یہیں وفات پائی۔

سینیگال (Senegal): افریقہ کے شمال مشرق کا ایک جمہوریہ ہے جس کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

شمال میں موریطانیا، مشرق میں مالی، جنوب میں گنی اور گنی بساؤ اور مغرب میں بحر الکاہل واقع ہیں۔ رقبہ 197,161 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 7,953,000 ہے جن میں 90 فیصدی مسلمان اور 6 فیصدی عیسائی ہیں۔ ڈاکار صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔ فرانسیسی سرکاری زبان ہے۔ وولوف (Wolof)، سیریر (Serer) اور دوسری قبائلی بولیاں عام کاروبار کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ سینیگال اور گیمبیا ندیاں یہاں سے گزرتی ہیں۔ ساحلی علاقہ پست ہے اور اندرونی علاقوں میں جنگل ہیں۔ جنوب مشرقی کنارے پر فوتا جلون پہاڑ واقع ہے۔ ملک کی آمدنی کا اصل ذریعہ زراعت اور مویشیوں کی پرورش ہے۔ 1957 میں آب پاشی کا ایک نظام مکمل کیا گیا جس سے شمال کی 15 ہزار ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے اور چاول کی کاشت ہوتی ہے۔

مونگ پھلی، روئی، گوند، فاسفیٹ اور کھالیں برآمد کی جاتی ہیں۔ برآمدات کا پچاس فیصدی فرانس اور بقیہ ہالینڈ، برطانیہ، آئیوری کوسٹ اور موریطینا کو جاتا ہے۔ ملک میں ریلیں بھی ہیں اور اچھی سڑکوں کا کافی بڑا جال ہے۔ بارش کے موسم میں دریائے سینیگال بھی حمل و نقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

رائج سکہ فرانک ہے۔ 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 708,448 طالب علم اور 12,559 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 181,170 طالب علم اور صنعتی مدرسوں میں 5,658 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 16,674 طالب علم تھے۔

یوروپی طاقتوں کے آنے سے پہلے ایک طاقت ور تکولر (Tukular) مسلم مملکت یہاں قائم تھی۔ تھوڑی سی مدت کے لیے وولوف کا اقتدار رہا پھر اس کے بعد 1893 تک یہاں تکولر کی حکومت رہی۔ یوروپی اقوام میں سب سے پہلے پرتگالی یہاں آئے اور پندرھویں صدی کے ساحلی علاقوں پر بسنے لگے اور مہم جوئی شروع کی۔ فرانسیسیوں نے سترھویں صدی سے قدم جمانے شروع کئے اور دریائے سینیگال کے دہانے پر ایک قلعہ سینٹ لوئی تعمیر کیا اور یہاں سے اور اس کے ایک قریب کے جزیرہ گوری سے بدنام عالم غلاموں کی تجارت شروع کی۔ انگریزوں نے فرانسیسیوں کو کئی مرتبہ یہاں سے نکالنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے لیکن 1815 کے یوروپی اقوام کے بین الاقوامی معاہدے کے تحت اس پر فرانس کا کنٹرول تسلیم کر لیا گیا۔ 1855 اور 1861 کے درمیان فرانس نے اس علاقے کے اندرونی حصوں میں پھیلنا شروع کیا اور ختم انیسوی صدی تک سنیگال فرانسیسی مغربی افریقہ کا مرکز بن گیا۔ 1946 میں سینیگال بھی افریقہ کے دوسرے فرانسیسی مقبوضات کے ساتھ فرانسیسی یونین کا رکن بھی بن گیا اور اس کے تمام باشندوں کو فرانس کی شہریت دی گئی۔ 1952 میں علاقائی اسمبلی قائم ہوئی۔ 1956 میں اسمبلی کو کچھ اور اختیارات ملے۔ 1958 میں جمہوریہ سینیگال کا اعلان کیا گیا اور لیوپولڈ سینگھور (Lupold Senghor) اس کے پہلے صدر چنے گئے۔ لیکن سینیگال فرانسیسی کیمونٹی کا ممبر رہا۔ 1959 میں سینیگال نے مالی کے ساتھ مل کر ایک وفاق قائم کیا لیکن پالیسیوں کے اختلافات کی وجہ سے چل نہ سکا اور 1960 میں یہ ٹوٹ گیا۔

افریقہ کے دوسرے نو آزاد ملکوں کی طرح سینیگال بھی کئی بحرانوں سے گزر چکا ہے۔ 1962 میں سینگھور کے قریبی دوست اور وزیر اعظم ممادودیا (Mamadou Dia) نے فوجی بغاوت منظم کرنے کی کوشش کی جو ناکام ہوئی اور ممادودیا کو عمر قید کی سزا دی گئی۔ 1963 میں ایک نیا آئین مرتب کیا گیا اور سینگھور دوبارہ صدر چنے گئے۔ 1968 کے انتخابات میں وہ تیسری مرتبہ صدر بنے۔

17 مارچ 1968 میں آئین میں ترمیم کر کے تین پارٹیاں قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ حکمراں پروگریسیو یونین پارٹی کا نام بدل کر سوشلسٹ پارٹی رکھا گیا۔ اب تک ایک شخص صدارت کے لیے صرف دو مرتبہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ اب یہ قید اٹھالی گئی اور سینگھور پھر منتخب ہوئے۔ اسی سال انھوں نے تمام قیدی رہا کر دیے۔ 1976 میں سینگھور کی 70 سالہ سالگرہ کے موقع پر ادارہ عالمی صحت نے ڈاکار میں ان کے نام پر افریقی صحت کا ایک ادارہ قائم کیا۔ 90 فی صدی مسلم آبادی کے ملک میں ایک اقلیتی قبیلے اور عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والی شخصیت کا بیس سال سے زیادہ عرصے تک صدر رہنا اس کی غیر معمولی مقبولیت اور صلاحیت کی دلیل ہے۔ سینگھور سیاست دان ہونے کے علاوہ بہت بڑے شاعر اور ادیب بھی ہیں۔

1981 میں سینگھور نے صدر کے اختیارات عبدو دیوف کو دے دیے۔

1989 میں گامبیا اور سینیگال کا الحاق ختم ہو گیا۔

سیول: جنوبی کوریا کا صدر مقام ہان ندی پر واقع ہے۔ صنعت اور تہذیب و تمدن کا اہم مرکز ہے۔ اس کی آبادی سنہ 1975 میں 6,879,100 تھی۔ پچھلے چند برسوں میں اس نے صنعتی طور پر خصوصاً سوتی کپڑے، چمڑے اور الکٹرانک کے سامان بنانے میں کافی ترقی کی ہے۔

سیول ایک قدیم شہر ہے۔ سنہ 1393 سے سنہ 1909 تک یہ کوریا کا صدر مقام تھا۔ اس کے بعد جاپان نے اس پر قبضہ کر کے یہاں اپنا گورنر مقرر کیا۔ یہاں قدیم دور کی فصیل کے کچھ حصے اور تین محل ابھی تک موجود ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں کی شکست کے بعد کوریا کو بھی آزادی ملی لیکن وہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ سیول جنوبی کوریا کا صدر مقام بنا۔ سنہ 1951 میں شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان جنگ میں یہ کافی تباہ ہوا۔ سنہ 1952 سے یہاں بہت بڑی امریکی فوج اس کی حفاظت کے لیے موجود ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ش

شانتی نکیتن: مغربی بنگال میں بیر بھوم ضلع کا ایک قصبہ ہے جو بولپور کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے 1922 میں جامعہ وشوابھارتی (یونیورسٹی) کی بنیاد ڈالی۔ فی زمانہ یہ ایک قومی جامعہ یا نیشنل یونیورسٹی ہے جو حکومت ہند کی وزارت تعلیم کے زیر اثر ہے۔

شپکا: یہ بلغاریہ کے کوہستان بلقان کا ایک درہ ہے جو 3,300 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کے قریب سنہ 78-1877 میں روس اور ترکی کے درمیان بڑا محاربہ ہوا تھا۔

شپکی: یہ کوہستان ہمالیہ کا ایک درّہ ہے۔ اس کے قریب دریائے ستلج اپنی اضطرابی دوڑ ختم کر کے ایک تنگ گھاٹی میں داخل ہوتا ہے۔

شجری حلقے (Tree Rings): درختوں کے کیمبئم (Cambium) کی یک سالہ بالیدگی (Growth) سے بنی ہوئی زائلم (Sylem) کی حلقہ نما پرت۔ درختوں کے تنوں کو کاٹ کر دیکھنے پر اس کے شجری حلقے ملتے ہیں۔ ان حلقوں کو شمار کرنے سے درخت کی عمر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس عمل کو شجری تقویم (Dendro Chronology) کہتے ہیں۔

شراوتی ندی: مغربی گھاٹ میں شراوتی ندی کا منبع ہے۔ شراوتی ندی کی اہمیت گروسپا آبشار کی وجہ سے ہے۔ جسے جوگ فال بھی کہتے ہیں۔ اس کے زیریں حصے میں "مہاتما گاندھی بجلی گھر" بنایا گیا ہے، جہاں گرتے ہوئے پانی سے بھی بجلی تیار کی جاتی ہے۔

شرڈی: یہ مہاراشٹرا میں واقع ہے۔ یہاں ایک مذہبی پیشوا رہتے ہیں جن کی کرامتوں سے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور مہاراشٹرا کے زیادہ لوگ ان کو خدا صفت آدمی تصور کرتے ہیں۔

شرون بلگولہ: میسور سے 80 کلومیٹر شمال مشرق میں جین مت کا قدیم اور مشہور مرکز شرون بلگولہ واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چندر گپت موریہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام یہیں گزارے تھے۔ یہاں کی عظیم الشان اور مقدس یادگار گومتیشور کی مورتی ہے جو اندرا گیری کی پہاڑی پر بنائی گئی ہے جہاں ہزاروں جینی یاتری عبادت کے لیے آتے ہیں۔

شسٹ (Schist): ایک علاقائی کایا بدل (Regionally Metamorphosed) حجر یا چٹان جس میں زیادہ تر جماداتی دانوں میں متوازیت (Parallelism) اور ترجیحی سمت بندی (Preferred Orientation) ہوتی ہے۔ اس متوازیت کو شسٹی ساخت (Schistose Structure or Schistosity) کہتے ہیں۔ اس میں فلائٹ (Phyllite) کی بہ نسبت زیادہ موٹے دانے ہوتے ہیں۔ یوں تو محض شسٹی ساخت کے حامل حجرات کو عام طور پر شسٹ کہہ دیا جاتا ہے مگر جمادی ترکیب کے مطابق ہی اس حجر کا پورا نام دیا جاتا ہے۔ اگر اس میں کئی جمادات ہوں تو پہلے زیادہ اہم جماد کا نام اور اس کے بعد کم اہم جماد کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً گارنٹ مائکا شسٹ (Garnet Mica Schist) یا گارنٹی فیرس مائکا شسٹ (Garnetc Ferous Mica Schist) جس میں گارنٹ اور ابرق کی جمادات کی مقدار زیادہ ہو۔ کلورائٹ شسٹ (Chlorite-Schist)، آسٹرولائٹ کائنائٹ شسٹ (جس میں آسٹرولائٹ Astrolite)، کائنائٹ (Kyanite) سے زیادہ ہو اور سلی مینائٹ (Sillimanite) شسٹ وغیرہ۔

شش رخی محور: جب قلم کو ایک محور پر 6 دفعہ اور ہر دفعہ °60 درجہ پر گھمایا جاتا ہے تو °360 درجوں تک گھمانے پر اصلی ابتدائی شکل یا اس کے مماثل رخ سامنے آتا ہے جب یہ صورت ہوتی ہے تو اس کو چھ رخی محور تشاکل کہا جاتا ہے اس کی عمدہ مثال بیرل (Beryl) ہے۔

شط العرب: دجلہ اور فرات کے سنگم "القرنا" کے مقام سے جنوب کی جانب

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بہنے والا دریا شط العرب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ دو سو میل لمبا ہے۔ اس کی اوسط چوڑائی 200 گز ہے۔ اس کا پاٹ شمال میں تنگ اور جنوب کی طرف زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ الفاؤ کے قریب یہ خلیج فارس میں گرتا ہے۔ اس دریا میں پانی کے ساتھ مٹی کی کثیر مقدار بہہ کر آتی ہے۔ اس لیے دریا کی سطح میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ہر سال تقریباً پانچ لاکھ ٹن مٹی اس دریا سے باہر نکالی جاتی ہے۔ اسے نہ نکالا جائے تو دریا جہاز رانی کے قابل نہیں رہتا۔ کہا جاتا ہے کہ اٹھارہویں صدی میں دریائے قارون کا پانی اپنا راستہ بدل کر شط العرب میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد سے ہی اس کا پاٹ وسیع ہونے لگا اور الفاؤ کے جنوب میں شط العرب کے دہانہ پر جزیرے نمودار ہو گئے۔ الفاؤ کے شمال میں دریا تیس تا چالیس فٹ گہرا ہے لیکن جنوب میں گہرائی چوبیس فٹ سے بھی کم ہو گئی۔

شط العرب کا یہ آبی راستہ خلیج فارس کو ایک طرف ایران کی اہم ریفائنری کے شہر آبادان سے ملاتا ہے تو دوسری طرف اسے عراق کے بڑے بندرگاہ بصرہ سے جوڑتا ہے۔ اس گزرگاہ پر 1975 سے قبل عراق کی عملداری تھی۔ خلیج سے برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے بعد ایران نے، جو اس علاقہ میں برطانیہ کے انخلا کو پُر کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، شط العرب پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور عراق کے داخلی سیاسی بحران سے فائدہ اٹھایا۔ شاہ ایران نے نسلی اور جغرافیائی اساس پر علیحدگی پسندی کو شہ دی۔ 75-1974 میں کافی ہنگامہ کیا اور عراقی فوج کو سخت نقصان پہنچایا۔ کردوں سے محاذ آرائی میں سولہ ہزار عراقی فوجی ہلاک یا زخمی ہوئے۔ اس قدر نقصان کے بعد عراق کے لیے ضروری تھا کہ وہ کچھ مناسب قدم اٹھائے۔ چنانچہ اس نے ایران سے صلح کر لی اور شط العرب کو ایران اور عراق کے درمیان کی نئی سرحد تسلیم کرتے ہوئے نصف گزرگاہ پر ایران کی عملداری سے اتفاق کر لیا۔ ساتھ ہی اس علاقہ کے تین چھوٹے چھوٹے جزائر بھی عراق نے ایران کے حوالہ کر دیے۔ نتیجتاً ان پر عربوں کا اقتدار عملاً باقی نہ رہا۔

شعاع ریز قلمیں (Anisotropic Crystals): اس میں وہ تمام قلمیں شامل ہیں جن کی نوری خصوصیات مختلف سمت میں یکساں نہیں ہوتیں اور روشنی کی رفتار بھی مختلف ہوتی ہے۔

شکار: راجستھان کا ایک جنگل ہے جہاں انواع و اقسام کے جانور ملتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں یہ شہزادوں اور امرا کی تفریح اور شکار کا مرکز تھا۔

شکار پور: یہ مقام پاکستان میں واقع ہے۔ دریائے سندھ کا سکھر بیراج ٹوٹ جانے پر شکار پور تک کشتیوں کے ذریعہ سیلاب زدہ علاقہ جو زیر آب تھا عبور کیا گیا تھا۔

شکاگو: امریکہ کا ایک شہر، الی نوائے (Illinois) کے شمال مشرقی حصہ میں جھیل مشیگن (Michigan) کے جنوب مغربی علاقہ میں واقع ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 3,550,404 تھی۔ 6 ملین (ساٹھ لاکھ) آبادی والے میٹروپولیٹن علاقہ کے لیے یہ قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں ایک اہم بین الاقوامی بندرگاہ ہے۔ یہ شہر مختلف ریاستوں اور ملکوں سے ہوائی راستوں سے جڑا ہوا ہے۔ بیس مربع میل سے زیادہ رقبہ پر یہ شہر پھیلا ہوا ہے۔ یہ امریکہ کا بہت بڑا صنعتی شہر ہے۔ اس کا صنعتی علاقہ انڈیانا تک چلا گیا ہے۔ یہاں سے مختلف نوعیت کے سامان دنیا کے مختلف علاقوں کو جاتے ہیں۔ یہاں مشینری، موسیقی کے آلات، الیکٹرانک آلات، فرنیچر، کیمیائی اشیا اور کپڑا، وغیرہ بنانے کے کارخانے ہیں۔ گوشت کو ڈبوں میں بھرنے کا پلانٹ ساری دنیا میں شہرت رکھتا ہے۔ لوہا صاف کرنے کے کارخانے، غلہ کی گرنیاں، فولاد کے کارخانے اور فولاد کو صاف کرنے کے پلانٹ بھی یہاں ہیں۔ اس کا میٹروپولیٹن رقبہ 465 مربع میل ہے۔ مرچن ڈائیز (Merchandise) نامی عمارت، دنیا میں سب سے بڑی تجارتی بلڈنگ ہے۔ مختلف نوعیت کے میوزیم اور گشتی کتب خانے اس شہر کی اہم خصوصیات میں شامل ہیں۔ شکاگو کے جنوبی علاقے میں شکاگو یونیورسٹی واقع ہے۔

شکاگو سینٹری نہر: جھیل مشیگن (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کے جنوب میں دریاؤں اور نہروں کا ایک ملا جلا نظام ہے۔ جسے الی نوائے آبی شاہرہ بھی کہتے ہیں۔ دریائے شکاگو سے دریائے الی نوائے تک اس نہر کی لمبائی 96 میل ہے۔ حمل و نقل کی سہولت کے لیے دریائے شکاگو کی جنوبی شاخ کو شکاگو درینج سے ملا دیا گیا ہے جس کا فاصلہ 28 میل ہے۔ پہلے اسے سینٹری اور شپ کینال کہا جاتا تھا اب شکاگو درینج کینال کے جدید نام سے موسوم ہے۔ اس نہر نے شکاگو کو دنیا کا سب سے بڑا اندرونی بندرگاہ بنا دیا ہے۔ اس طرح شکاگو نہر خلیج میکسیکو تک آمد و رفت اور حمل و نقل کا بہت اہم اور کارآمد ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ شکاگو کے عظیم مذبح کے سبب گوشت کی تجارت کا زیادہ کام اسی نہر سے لیا جاتا ہے۔

شکمی ارضی ساحل: سمندری ساحل کا وہ حصہ جو خط جذر اور بر اعظمی حاشیہ کی سرحد کے درمیان پھیلا رہتا ہے۔ اس پر ریت، کیچڑ، گھونگوں اور مونگوں وغیرہ کا جماؤ دکھائی دیتا ہے۔

شکوکو: جاپان کے چار اہم جزائر میں یہ سب سے چھوٹا جزیرہ ہے۔ اس کے شمال

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میں آبی علاقہ کے پار جزیرہ ہونشو، جنوب و مشرق میں بحر الکاہل اور مغرب میں آبنائے بنگو کے پار کیوشو کا جزیرہ واقع ہے۔ شکوکو کا رقبہ 7,251 مربع میل ہے۔ اس کا بیشتر حصہ پہاڑی ہے۔ آبادی زیادہ تر ساحل کے شہری علاقوں میں مرکوز ہے۔ ماہی گیری کو فروغ ہوا ہے۔ شمالی حصہ میں نمک کی کانیں اہمیت رکھتی ہیں۔ کوچی، متسویاما، تاکاماتسو اور توکوشیما اہم شہر اور صنعتی مراکز ہیں۔

شلا: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 23,150 فٹ بلند ہے۔

شلجمی ٹیلا: یہ ریت کا لمبوترا ٹیلا ہوتا ہے جس کا دُم نما نوکیلا حصہ ہوا کی سمت میں آگے کی طرف پھیل جاتا ہے۔ "برخان" کی طرح اس ٹیلے پر سے گزرنے والی ہوائیں بھی ریت کی کثیر مقداریں اگلے پہلو سے اڑا کر عقبی پہلو پر جمع کر دیتی ہیں۔ نتیجتاً عقبی پہلو کا "روئے پھسلن" یا ڈھلان کا رخ محدب ڈھال کا ہوتا ہے۔ مغربی ڈنمارک اور منگولیا میں اس طرح کے ٹیلے بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔

شماریاتی (اعدادی) طریقے اور تصورات: صنعتی جغرافیہ کی ضمن میں اعداد و شمار کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ انھیں مختلف سرکاری نیز نیم سرکاری محکمے مقررہ وقفوں سے جمع کرتے رہتے ہیں۔ شماریاتی طریقوں سے ان اعداد و شمار کے درمیان رابطے معلوم کیے جاتے ہیں اور بار بار رونما ہونے والی مخصوص صورتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ کسی علاقہ میں کسی بھی صنعت کی تقسیم، اضافی اہمیت اور ترقی یا تنزل کی شرح دریافت کرنے کے لیے مقداری معیار کو اساس بنایا جاتا ہے۔ صنعتی اور غیر صنعتی علاقوں کی حد بندیاں بھی اعداد و شمار ہی کی مدد سے کی جاتی ہیں۔ صنعتی تقسیم کی پیائش کے لیے استعمال کیے جانے والے اعداد و شمار جو مزدوروں، اجرتوں، صنعتی اندراجات کے اضافوں، جملہ قیمتوں، توانائیوں، پیداواری مقداروں یا پیدائشی صلاحیتوں سے متعلق ہوتے ہیں، تحدیدات کے پابند رہتے ہیں۔ ہارٹ شورن نے مزدوروں کے متعلق جمع کردہ اعداد و شمار کی مدد سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ مختلف علاقوں میں باشندوں کی کتنی فیصدی تعداد کس کس طرح روزی کماتی ہے۔

سویڈن کے ایک جغرافیہ داں اسٹینڈی گیر نے 1927 میں امریکہ کی صنعتی پٹی کی حدود کا تعین مقداری یا عددی اساس پر کرنے کی کوشش کی۔ اس نے دس ہزار یا اس سے زائد آبادی کے شہروں کے اعداد و شمار سامنے رکھے۔ جن مقامات کے دس فیصدی یا اس سے زائد مزدور صنعتی کاموں میں لگے تھے انھیں صنعتی مراکز تسلیم کیا اور ان مراکز کی ترقی کے اسباب کا تجزیہ بھی کیا۔ امریکہ کے کئی جغرافیہ دانوں نے صنعتی علاقوں کے تعین حدود کی کوشش کی ہے۔ 1937 میں ہیلن. ایم اسٹرانگ نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں صنعتی علاقوں کی تقسیم کو ظاہر کرنے والا ایک نقشہ استعمال میں آنے والی توانائی کی اساس پر تیار کیا۔ چانسے ڈی. ہیرس نے صنعتی شہروں کی درجہ بندی میں صنعتی روزگار اور تھوک نیز خوردہ فروشی روزگار کے باہمی تناسب کو بنیادی مقام دیا۔ ایچ. ی کارٹی نے صنعتی پٹیوں کی حدود کے تعین میں تین پہلوؤں کو پیش نظر رکھا۔ ایک کسانوں کے مقابلہ میں کارخانوں میں کام کرنے والوں کی کثرت تعداد، دوسرے قومی اوسط صنعت گری کے مقابلہ میں ملکی یا کسی صنعت گری کی برتریت، تیسرے صنعت گری اور تھوک تجارت کی باہمی نسبت کا قومی اوسط سے زائد ہونا۔ صنعتی علاقوں کی تعریف کے سلسلہ میں تین ماہرین جغرافیہ ی کارٹی، اے جے رائٹ اور وکٹر راٹرن نے مصنوعات سے حاصل ہونے والے مالیہ کے اعداد و شمار کو اساسی مقام دینا بہتر سمجھا ہے۔ جن علاقوں میں اس عنوان کے اعداد و شمار نہیں ملتے معیاری مصنوعات کی جملہ پیداوار کو اساس بنایا جا سکتا ہے۔ ہوائی جہازوں کی تیاری کے کارخانوں میں اکائیوں کی جسامت اور تیار شدہ چیزوں کی قیمتوں میں یکسانیت نہیں ہوتی، اس لیے ان کی اضافی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے فرشی پھیلاؤ کو (افقی وسعت) نمائندہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

1929 میں ایم. ایف. بورل نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مشینی صنعتوں کے پھیلاؤ کو ظاہر کرنے کے لیے ایک اٹلس تیار کی۔ اس کی ترتیب میں اس نے تمام مصنوعات کی جدا جدا قیمتوں کو پیش نظر رکھا۔ اس ملک میں صنعتوں کے اجتماعی اور انفرادی مقامیانے کا جائزہ لیتے وقت مصنوعات کی مقداروں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان کے انتشار اور علاقائی ربط کا حساب لگانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ حال ہی میں ہندوستان کے کئی مفکرین نے مقداری اساس پر اپنے ملک کی صنعتوں کا تجزیہ کیا ہے اور ان کے مکانی نمونوں پر گہری نظر ڈالی ہے۔ بعض ماہرین نے اس مہم میں علاقائیت اور گروہی تجزیہ کی تکنیک اختیار کی ہے۔ اس میدان میں آج کل رجعت و بین ربطی کے تجربے کیے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی وقومی خارج قسمت مقامیانے کی شرح اور مرکب رجعت کے طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں جغرافیہ دانوں نے تصادمی مطالعوں میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ علاقائی اور قومی اساس کو پیش نظر رکھتے ہوئے مدنیت کاری پر صنعت گری کے اثرات کا جائزہ لے رہے ہیں۔

شمالی افریقہ: یہ افریقہ کا وہ حصہ ہے جو بحیرۂ روم اور صحرائے اعظم کے درمیان واقع ہے۔ اس میں مراقش (مراکو)، الجیریا، ٹیونیشیا، لیبیا اور مصر کے علاقے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

شامل ہیں۔ اس کا جملہ رقبہ 2,140,000 مربع میل ہے اور آبادی 68,360,000 ہے۔ بیشتر باشندے مسلمان ہیں اور زیریں وادی نیل کی تنگ ساحلی پٹی پر آباد ہیں۔

شمال مغربی یورپ: اس میں برطانیہ عظمیٰ، شمالی جرمنی اور شمالی فرانس کے علاوہ اسکینڈے نیویا اور بینیلکس ممالک بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔

شمالی کوریا یا ڈیموکریٹک عوامی جمہوریہ کوریا (Democratic Peoples Republic of Korea): اس کا کل رقبہ 121,261 مربع کلو میٹر (46,800 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 22,194,000 ہے۔ یکم مئی 1948 کو کم ال سنگ کی سرکردگی میں ورکرز پارٹی کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ اس کا صدر مقام پیانگ یانگ ہے۔ جنگ کوریا کے بعد یہاں کی حکومت نے اس کی صنعتی ترقی میں قابل قدر کارنامے انجام دیے۔ چین اور روس کی امداد سے یہاں متعدد کارخانے اور بجلی گھر قائم کیے گئے اور ریلوں کا جال بچھایا گیا۔ 1958 میں ایک پنج سالہ منصوبہ مرتب کیا گیا جس کی بنا پر بھاری صنعتیں قائم کی گئیں اور اجتماعی کھیتی باڑی کے لیے اصولوں کو بروئے کار لایا گیا۔ لیکن ملک میں غذائی پیداوار، مکانات اور دیگر اشیائے ضروری کی کمی کی وجہ سے 1959 میں اس منصوبے میں کانٹ چھانٹ کی گئی۔ 1960 میں صنعتی ترقی کا ایک سات سالہ منصوبہ تیار کیا گیا۔ شمالی کوریا معاشی اعتبار سے سوویت روس اور کمیونسٹ چین سے مربوط ہے۔ 1961 میں اس نے ان دونوں ملکوں سے فوجی امداد کے معاہدے بھی کیے۔ یہاں کی حکومت سوویت یونین کے نمونے پر تشکیل دی گئی ہے۔ تاہم چین اور روس کے جھگڑے میں یہاں کی حکومت نے 1963 میں چین کی طرفداری کی۔ اس کے باوجود اس کے تعلقات سوویت یونین سے زیادہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہیں۔

یہاں کی برآمدات کا 50 فیصدی حصہ فولاد، جست، سیسہ وغیرہ پر مشتمل ہے، 11 فیصدی حصہ زرعی پیداوار کا ہے۔ برآمدات کا 60 فیصدی چین، 17 فیصدی روس اور 5 فیصدی جاپان کو جاتا ہے۔ درآمدات کا 30 فیصدی حصہ چین سے، 20 فیصدی حصہ سوویت یونین سے اور 13 فیصدی حصہ جاپان سے آتا ہے۔ 1987 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 1,543,000 طالب علم اور ثانوی مدرسوں میں 4,484,422 طالب علم اور حرفی اسکولوں میں 835,598 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 325,000 طالب علم تھے۔

شموگا: کرناٹک میں یہ مقام گھنے ساگوان کے جنگلوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ کرناٹک کا ایک ضلع بھی ہے۔ یہاں شدت کی بارش ہوتی ہے جو دو سو (200) سنٹی میٹر سے تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ پہلے قدیم میسور ریاست کا ضلع تھا جو ایک ہندو ریاست تھی۔

شنگھائی: چین کے ساحل پر مشرق بعید کا بڑا بندرگاہ ہے۔ صنعت اور تجارت کا اہم مرکز ہے۔ جہاز سازی کا کام وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے۔ اعلیٰ قسم کا سوتی، اونی اور ریشمی کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔ کاغذ کی تیاری اور لوہے اور فولاد کا سامان بنانے کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں۔ ریشم یہاں کی خاص برآمد ہے۔ شنگھائی کے میونسپل علاقہ کا رقبہ 2,200 مربع میل ہے۔ سنہ 1971 میں اس کی آبادی 71 لاکھ تھی۔ 1949 سے پہلے شہر کے ایک حصہ کو بین الاقوامی حیثیت حاصل تھی۔ اس دور کی بے شمار فلک بوس عمارتیں آج تک موجود ہیں۔

شنگھائی کی بنیاد سولھویں صدی میں پڑی۔ 1842 میں معاہدہ نانکنگ کے تحت اس کے حصے بخرے کر کے انگریزوں، امریکیوں اور فرانسیسیوں نے آپس میں بانٹ لیے۔ ان علاقوں میں ان مغربی ملکوں کی اپنی عدالتیں، پولس اور فوج تھی۔ 1927 میں چیانگ کائی شک نے کمیونسٹوں کی مدد سے شنگھائی پر قبضہ کر لیا لیکن 1932 میں جاپان نے اس پر حملہ کیا اور 1937 میں یہاں کے چینی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور پھر 1941 میں مغربی ملکوں کے علاقہ پر بھی جاپان کا قبضہ ہو گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد شنگھائی کا پورا علاقہ چینی حکومت کے تحت آگیا۔ 1949 میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد یورپی اثر بالکل ختم کر دیا گیا۔

شوپوری: یہ ریاست مدھیہ پردیش میں شہر گوالیار کے جنوب مغرب میں 120 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور 'جھیل والا ضلع' کے نام سے مشہور ہے۔ آزادیٔ ہند سے قبل مہاراجا مادھو راؤ سندھیا نے کثیر رقم کے صرفہ سے اسے کافی دلفریب بنا دیا تھا۔ جس کی بنا پر اب یہ مادھو نیشنل پارک کے لیے شہرت رکھتا ہے۔

شوپوری نیشنل پارک: مدھیہ پردیش میں گوالیار سے 181 کلو میٹر کے فاصلے پر سابق راجاؤں کی محفوظ شکار گاہ ہے جو سانبھر، چیتل، نیل گائے، چنکارا اور شیروں کا قدرتی مسکن ہے۔

شولاپور: مہاراشٹرا میں ممبئی کے جنوب مشرقی جانب دو سو بیس (220) میل دور ایک شہر ہے۔ سولھویں صدی عیسوی میں بیجاپور کے بادشاہوں کی اس پر حکومت تھی۔ قالین، ساڑیوں اور دستی پارچہ بافی کے لیے یہ مقام مشہور ہے۔

شیراز: ایران کا یہ مشہور شہر زیگراز پہاڑ کے دامن میں 4,875 فٹ کی بلندی پر آباد ہے۔ جنوب مغرب میں اس کا بندرگاہ بوشہر خلیج فارس کے کنارے واقع ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1972 میں شیراز کی آبادی 325,000 تھی۔ یہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے اور انگور اور لیموں وغیرہ کے وسیع باغوں کے لیے مشہور ہے۔ فارسی کے مشہور شعرا شیخ سعدی اور حافظ یہیں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے مقبرے یہاں موجود ہیں۔ یہ اہم صنعتی اور تجارتی مرکز ہے۔ یہاں کا سوتی کپڑا، قالین، زردوزی اور دھاتوں کا کام صدیوں سے مشہور ہے۔

شیراز نے ساتویں صدی سے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ نویں صدی میں امام رضا کے دو بھائیوں کا یہاں انتقال ہوا اور ان کے مقبرے آج بھی معتقدین کی آماجگاہ ہیں۔ یہ شہر زلزلوں اور طغیانیوں سے بھی تباہ ہوتا رہا ہے۔ اسی کے قریب قدیم تاریخی شہر تخت جمشید کے کھنڈرات بھی موجود ہیں۔

شیش ناگ: کشمیر میں شری امرناتھ کے غار کے راستے پر اور 3,646 میٹر کی بلندی پر شیش ناگ کی برف پوش جھیل واقع ہے۔ ماہ جون کے بعد یہ دلکش اور زمردی جھیل بن جاتی ہے۔

شیپکی لا: یہ ایک درہ ہے جو ہندوستان اور تبت کی سرحد پر کزن لک اور گھروا کو جوڑنے والی شاہراہ پر واقع ہے۔

شیلانگ: ریاست میگھالیہ کا صدر مقام ہے۔ اس کا طول البلد '34°25 شمال اور عرض البلد '5°92 مشرق ہے۔ یہ سطح سمندر سے چار ہزار نو سو آٹھ (4,908) فٹ بلند ہے۔ یہ کھاسی پہاڑیوں کے سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہ مقام ہندوستان کے بڑے پہاڑی قیام گاہوں میں سے ایک ہے۔ یہاں کئی تعلیمی ادارے بھی ہیں۔ شیلانگ انتظامی حیثیت کے علاوہ تعلیمی حیثیت سے بھی ترقی کر رہا ہے۔ اس کی 1991 میں آبادی 223,366 تھی۔

شیلڈ (Shield): وہ وسیع ارضی علاقے یا خطے جو ماقبل کیمبرین (Precambrian) حجرات پر مشتمل ہوں اور جو ارضی استحکام رکھتے ہوں۔

شہر کا خاکہ: دیکھیے نقشوں کی اقسام

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ص

صاحبی ڈیم: ہریانہ کی سرحد سے 25.7 کلو میٹر کے فاصلے پر اضلاع گڑگاؤں اور روہتک کو سیلابوں سے بچانے کے لیے صاحبی ندی پر ایک بندھ بنانے کی تجویز ہے۔ جس سے سالانہ 4,856 ایکڑ زمین کی سیرابی ہو سکے گی۔

صحیح الرقبہ ظِل استوائی پروجکشن: اس میں رقبے درست رہتے ہیں لیکن شکلیں اور سمتیں قطبین کی جانب زیادہ غلط ہوتی جاتی ہیں۔ اس کا جال کسی منتخبہ (تیس تیس درجہ کے) وقفہ سے بنانا ہو تو کرہ ارض کو کسی مناسب نصف قطر (مثلاً 2 سم) کے ایک دائرہ سے دکھادیں اور مرکز پر تیس تیس درجہ کے متصلہ زاویے بنا دیں۔ نصف قطر کو خارج کر کے استوائی پھیلاؤ کو ظاہر کرنے والا خط "اب" کے مساوی بنادیں۔ "ا" پر دائرہ کا مماس بنا کر نقاط "ج، ک، ق" سے گزارتے ہوئے خط استوا کے متوازی خطوط مستقیم بنادیں۔ ان کے حصے س س، دد اور ص ص خط استوا کے مساوی رہیں گے۔ جنوبی نصف کرہ کے عرض البلد بھی اسی طرح بنیں گے۔ "اب" کو بارہ مساوی حصوں میں تقسیم کر کے نقاط تقسیم سے گزرتے ہوئے خطوط "ص ط" کے متوازی اور مساوی بنا کر مطلوبہ طول البلد دکھادیے جائیں گے۔

اس جال میں خط استوا سے پرے عرض البلدی پھیلاؤ میں جس نسبت سے اضافہ ہوگا طول البلدی پھیلاؤ میں اسی نسبت سے تخفیف بھی ہو جائے گی۔ نتیجہ میں رقبے درست رہیں گے مگر شکلیں بگڑ جائیں گی۔ یہ جال استوائی علاقہ کی نقشہ کشی کے لیے موزوں رہتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اسی پر دنیا کے نقشے بھی بنا لیے جاتے ہیں۔

صنعا: شمالی یمن اور صوبہ صنعا کا صدر مقام ہے اور ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ جبل نقوم کے مغربی دامن میں تقریباً 7,700 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ 1975 میں آبادی 134,600 تھی۔ شہر تین حصوں میں منقسم ہے۔ درمیانی حصہ میں ایک آبی وادی ہے جو شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے جس میں سیلابی پانی دور تک پھیل جاتا ہے۔ شہر سے یمن کے اہم بندرگاہ الحدیدہ اور عدن تک پختہ سڑکیں بنادی گئی ہیں۔ قدیم زمانہ سے یہ اسلامی تہذیب اور علوم کا مرکز رہا ہے۔ یہاں پر اسلامی تعلیم کی ایک جامعہ (یونیورسٹی)، کئی تعلیمی ادارے اور مسجدیں ہیں۔ چمڑے کی تجارت ہوتی ہے۔ انگور کافی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہر اسلام سے پہلے سے مشہور ہے۔ قدیم زمانہ کی ایک فصیل کے کچھ حصے آج تک موجود ہیں۔ چھٹی صدی میں اس پر اتھوپیا (حبشہ) کا قبضہ تھا۔ سترہویں صدی اور پھر 1872 سے 1918 تک اس پر ترکوں کا قبضہ رہا۔ 1919 سے یہ آزاد رہا اور یہاں بادشاہت رہی۔ 1962 میں جب امام محمد کا انتقال ہو گیا تو فوجی افسروں نے بغاوت کر کے امام کے جانشین کا تختہ الٹ دیا اور جمہوری نظام قائم کر دیا۔ امام کا بیٹا کافی عرصہ تک سعودی عرب کی مدد سے لڑتا رہا لیکن جمہوریت پسندوں کی مدد کے لیے مصر کے صدر ناصر نے فوج بھیج دی اور امام کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

صنعت بحیثیت رابطہ: کھیتوں، جنگلوں، کانوں اور آبی علاقوں سے تجارتی میدانوں میں پہنچنے والی چیزیں شاذ ہی قدرتی شکل میں استعمال کی جاتی ہیں۔ بازاروں میں بھیجنے سے قبل انھیں کارخانوں میں پہنچا کر قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں خام اشیا کو صارفین ہی مناسب شکلوں میں تبدیل کر لیا کرتے تھے، لیکن گزشتہ دو سو سال میں سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ انفرادی دستکاری اور کاری گری بتدریج بڑے پیانہ کی صنعت گری کی شکل اختیار کر گئی۔ اس طرح کارخانوں نے پیداواری اور کھپت کے علاقوں کے درمیان اہم بین ربطی پیدا کر دی۔ صنعتی علاقوں کے پھیلاؤ زراعتی یا معدنی علاقوں کی طرح زیادہ وسیع نہیں ہوتے مگر باشندوں کو روزگار فراہم کرتے ہیں۔ عافیت و آسودگی کی صورتیں پیدا کرتے ہیں اور ترقی کی نئی راہیں بھی کھولتے جاتے ہیں۔

صنعت گری اس زمانہ میں بالعموم ایسے علاقوں سے زیادہ مربوط ہوتی ہے جہاں آبادی گنجان ہو، باشندوں کا معیار زندگی بلند ہو، ذرائع آمد و رفت کی سہولتیں موجود ہوں، شہری بازار قریب ہوں، مقامی یا بیرونی تجارت کے مراکز موجود ہوں، قرب و جوار میں بین ربطی قائم ہو یا پاس ہی اہم سیاسی اور فوجی مراکز

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

موجود ہوں۔

صنعتی جغرافیہ کا مفہوم: اس کے تحت صنعتی حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ معاشی جغرافیہ کی ایک شاخ ہے جو زراعتی، وسائلی، بلدی اور حمل و نقل کے جغرافیہ سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ تجارت اور انجینئرنگ کی ضمن میں بھی اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جغرافیہ کی اس شاخ کا طبعی ماحول کے اہم عناصر، جیسے محل وقوع، ہیئت زمین، آبی پھیلاؤ، آب و ہوا اور قدرتی وسائل اور صنعتی سرگرمیوں کی ترقی سے قریبی لگاؤ ہوتا ہے۔

صنعتی جغرافیہ کا وسعت مطالعہ: صنعتی جغرافیہ کے تحت مقامی، علاقائی، قومی، براعظمی یا کل عالمی صنعتی تقسیم کی نوعیت کا مطالعہ پیش نظر رہتا ہے۔ اس تقسیم میں تغیرات و میلانات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور آئندہ حالات کے تعلق سے قیاس آرائیاں بھی کی جاتی ہیں۔

صوفیہ: بلغاریہ کا دارالحکومت ہے۔ یہ ملک کے وسط مغربی علاقہ میں کوہ بلقان کے دامن میں ایک اونچی سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہ بلغاریہ کی صنعت اور حمل و نقل کا ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں کی مختلف النوع صنعتوں میں مشینری، مشینی اوزار، برقی آلات اور کپڑا شامل ہیں۔ صوفیہ میں 1889 میں ایک یونیورسٹی قائم ہوئی۔ یہ رومنوں، ہنوں اور بازنطینیوں کے قبضہ میں رہا۔ 1388 میں یہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کیا گیا اور ترکی کے گورنر کا یہ صدر مقام رہا۔ 1879 میں یہ ریاست بلغاریہ کی راجدھانی بنا۔ یہاں کئی قدیم گرجا، مساجد اور یہودیوں کی عبادت گاہیں واقع ہیں۔ چھٹی اور ساتویں صدی کے بعض گرجا گھر اس شہر کی نہایت شاندار عمارتوں میں سے ہیں۔ آپرا ہاؤس اور پارلیمنٹ کی عمارتیں مشہور ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کمیونسٹ پارٹی کی سرکردگی میں یہاں سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی۔ اس کے بعد سے بہت ساری صنعتیں اور جدید طرز کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اس کی آبادی 1971 میں 644,727 تھی۔

صومالیہ (Somalia): یہ مشرقی افریقہ کا ایک ڈیموکریٹک جمہوریت ہے۔ جزیرہ نمائے عرب (ایشیا) کے بالکل جنوب میں واقع ہے۔ یہ خلیج عدن کے پورے ساحل پر پھیلا ہوا ہے اور کافی لمبا حصہ بحر الہند پر واقع ہے۔ شمال مغرب میں جبوتی، مغرب میں اتھیوپیا اور جنوب مغرب میں کینیا واقع ہیں۔ رقبہ 637,657 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 7,691,000 ہے۔ آبادی کی بڑی اکثریت مسلمان ہے اور ہیمیٹی (حامی) (Hamitic) زبان بولتی ہے۔ جنوب مغرب میں بنٹو (Bantu) قبیلے کے لوگ آباد ہیں اور ساحلی شہروں میں بڑی تعداد میں عرب لوگ آباد ہیں۔ صدر مقام موگادیشو (Mogadishu) ہے۔ انگریزوں اور اطالویوں کی حکمرانی کے زمانے میں لوگ تعلیم سے یکسر محروم تھے۔ آزادی کے بعد سے تعلیم کا بندوبست شروع ہوا۔ 1985 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 196,496 طالب علم اور 10,338 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 45,686 طالب علم اور 2,786 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 15,672 طالب علم اور 817 استاد تھے۔ مختلف مدارس میں استادوں کی کافی بڑی تعداد مصریوں کی ہے۔

صومالیہ کے کافی حصے میں سطح مرتفع ہیں۔ شیبلی اور جوبہ صرف دو دریا ہیں۔ بیرونی حکمرانوں نے افریقہ کی دوسری نو آبادیوں کی طرح اس علاقے کو بھی انتہائی پس ماندہ رکھا۔ ساحلی علاقوں پر کیلے کی کاشت ہوتی ہے اور ان باغوں پر اطالوی باشندوں کا قبضہ ہے۔ مویشیوں کی پرورش پر آبادی کے بڑے حصے کا گزر بسر ہے۔ کیلے اور مویشی برآمد کیے جاتے ہیں۔ درآمدات زیادہ تر اٹلی، روس، امریکہ، برطانیہ اور چین سے آتی ہیں۔ برآمدات سعودی عرب کو 52 فیصدی اور اٹلی کو 18 فیصدی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ روس، کویت اور یمن وغیرہ کو بھی مال جاتا ہے۔ برآمدات میں 57 فیصدی مویشی اور 21 فیصدی کیلے ہیں۔ صومالیہ کا سکہ صومالی شلنگ ہے

تاریخ: جمہوریہ صومالیہ پرانے برطانوی مقبوضہ صومالی لینڈ اور اطالوی مقبوضہ اطالوی صومالی لینڈ پر مشتمل ہے۔ برطانوی صومالی لینڈ خلیج عدن پر واقع تھا۔ ہرگیزا (Hergeisa) اس کا صدر مقام تھا۔ 1870 میں اس کے بڑے حصے پر مصریوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ 1884 میں مہدی کے خلاف لڑائی میں مصریوں نے اپنی فوج ہٹالی تو ان کی جگہ انگریزوں نے لے لی اور اسے اپنی نو آبادی (colony) بنا لیا۔ 1901 سے 1920 تک انگریزوں کے خلاف کافی بغاوتیں ہوئیں اور ان کے لیڈر کو انگریزوں نے "پاگل ملا" (Mad Mullah) کا نام دیا۔ اطالوی صومالی لینڈ پہلے ایک مقبوضہ تھا اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد اقوامِ متحدہ کی تولیت میں دے دیا گیا۔ یہ حصہ بحر الہند پر واقع تھا اور اس کا صدر مقام موگادیشو تھا۔ اٹلی نے اس علاقے میں 1889 میں قدم جمانے شروع کیے اور وسطی حصے میں اپنی نو آبادی قائم کی۔ بعد میں اور حصوں میں مقبوضے قائم کیے اور اس کے لیے زنجبار اور کینیا کے کچھ علاقے چھین لیے۔ 1936 میں صومالی لینڈ اور اتھیوپیا کے کچھ علاقے ملا کر اطالوی مشرقی افریقہ کا ایک صوبہ قائم کیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد 1940 میں اٹلی نے برطانوی نو آبادی صومالی لینڈ پر حملہ کر کے اسے بقیہ صومالی لینڈ میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ملالیا۔ برطانوی فوجوں نے کینیا سے پیش قدمی کر کے 1941 میں نہ صرف اپنا علاقہ واپس لے لیا بلکہ پورے صومالیہ پر قبضہ جمالیا۔ 1950 میں مجلس اقوام متحدہ نے اطالوی علاقے کو اطالوی حکومت کی تولیت میں دے دیا۔ اطالوی صومالی لینڈ کو 1960 میں آزادی مل گئی۔ اس وقت برطانیہ نے اپنے علاقے سے اپنی تولیت ختم کرنے کا اعلان کیا اور دونوں علاقوں کی اسمبلیوں نے مل کر یکم جولائی 1960 کو دونوں علاقوں کو متحد کر کے متحدہ جمہوریہ صومالیہ کا اعلان کیا۔ عدن عبداللہ عثمان اس کے پہلے صدر چنے گئے۔ کچھ عرصہ جمہوریت کا تجربہ کرنے کے بعد آخر کار ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں کی طرح صومالیہ میں بھی سیاد برّے نے فوجی حکومت قائم کر لی اور خود صدر بن گئے۔ ان کے دور حکومت میں روس اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں نیز مصر اور مغربی جرمنی کی مدد سے اس ملک نے کافی ترقی کی۔ ساتھ ہی فوجی طاقت بڑھنے کے بعد صومالیہ نے کینیا کے بعض علاقوں اور خاص طور پر ایتھوپیا کے اوگے ڈان علاقے کا مطالبہ شروع کیا۔ وہاں کی آزادی کی تحریک کی مکمل کر فوجی اور مالی مدد کرنی شروع کی اور کافی علاقہ فتح کر لیا، جس کی وجہ سے ایتھوپیا اور صومالیہ میں جنگ چھڑ گئی اور صومالیہ کو مقبوضہ علاقے خالی کر کے اپنی سرحدوں میں واپس ہونا پڑا۔ چونکہ روس نے اس مہم کی حمایت نہیں کی اس لیے صومالیہ نے اس سے اپنے قریبی معاشی اور فوجی تعلقات توڑ لیے اور سعودی عرب اور مغربی ملکوں سے تعلقات استوار کرنے شروع کیے۔ 1978 میں صومالیہ نے اس علاقے پر دوبارہ قبضہ کر لیا لیکن گوریلا جنگ بڑھتی گئی۔ 1985 میں اس جنگ کے نتیجے میں اوگے ڈان سے تقریباً چھ لاکھ پناہ گزین صومالیہ میں آ گئے۔ ایتھوپیا سے پناہ گزین وہاں کی قحط سالی کی کیفیت سے پریشان ہو کر صومالیہ میں آ گئے۔ 1991 میں ایک تشدد پسند گروہ نے شمالی صومالیہ میں اپنی علیحدہ حکومت بنانے کا دعویٰ پیش کیا اور اسے صومالی لینڈ ریپبلک کا نام دیا۔ 1992 کے قحط میں ملک کی ایک تہائی آبادی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی اور ہزاروں اموات ہو چکی تھیں۔ شہروں میں دیہات سے روٹی کے متلاشی بھیڑ کی شکل میں چلے آ رہے تھے۔ اقوام متحدہ نے کافی تساہل کے بعد امدادی کارروائی شروع کی لیکن اس امدادی مہم کی مخالفت بڑے پیمانے پر ہوئی کیونکہ امدادی اشیا کی تقسیم مسلح سپاہی کرتے تھے۔

ض

ضد میلان فولڈ (Anticlinal Fold): یہ ایک ایسا متناسب فولڈ ہے جس کے دونوں بازوؤں کا ڈھلوان ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں ہوتا ہے۔ گویا اس فولڈ کے دونوں بازو، فولڈ کے محور سے دونوں طرف الگ الگ سمتوں میں جھکاؤ رکھتے ہیں۔ ایسے فولڈ کو انگریزی میں اینٹی کلائن اور اردو میں ضد میلان فولڈ کہا جاتا ہے۔ ضد میلان فولڈ گنبد نما ہوگا جس میں رسوبی حجرات کی پرتیں مرکز سے باہر کی طرف، اس طرح جمی ہوں گی کہ مرکز کے اندرونی قدیم حجرات اور باہر کی جانب نسبتاً کم عمر کے حجرات پرتوں کی شکل میں جمع ہوں گے۔

ضد میلان فولڈ زمین کی سطح پر اوپر سے گنبدوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن ان ارضی ساختوں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ان کو کسی ایک سمت سے ایک آڑی یا چلیپی تراش (Cross Section) میں دیکھا جائے۔ ضد میلان فولڈ کچھ سینٹی میٹر سے کئی سو میٹر لمبے چوڑے بھی ہوتے ہیں۔

ان کی معاشی ارضیات (Economic Geology) میں بہت اہمیت ہے کیونکہ ضد میلان ایسے فولڈ ہیں جن میں بہت سی دھاتوں اور ادھاتوں کے ذخیرے مرتکز رہتے ہیں۔ پٹرولیم کی تلاش میں ضد میلان کی تلاش بجائے خود پٹرولیم کے ذخیروں کی تلاش ہے۔ کیونکہ دنیا کے مشہور اور بڑے تیل کے چشمے ان ہی ضد میلان ساختوں میں پائے گئے ہیں۔

ضد میلان کے برعکس ساخت کے اعتبار سے جو دوسرا فولڈ حجرات میں ملتا جاتا ہے، اس کو ہم میلان فولڈ کہتے ہیں۔

ضروری جمادات (Essential Minerals): وہ جمادات جن کے کسی حجر میں موجود یا عدم وجود کی بنا پر اس حجر کی درجہ بندی کی جائے یا نام دیا جائے۔ یہ قطعی ضروری نہیں کہ یہ جمادات کافی زیادہ مقدار میں ہی موجود ہوں مثلاً سائنائٹ حجر (Syenite) میں نیفلین (Nephline) جماد کی ذرا بھی مقدار اس کو نیفلین سائنائٹ (Nepheline Syenite) کا نام دیئے جانے کے لیے کافی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ط

طبعی نقشہ برداری: طبعی نقشہ برداری کے ذریعہ ہم زمین کی شکل، اس کی جسامت، گردش ارضی کی رفتار اور مختلف مقامات پر کشش ارضی کی مقدار معلوم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سطح زمین کی اونچائی اور اس میں جو فرق ہوتا رہتا ہے یا قطبین کے مقام میں جو تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس کو طبعی نقشہ برداری کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں۔

سترھویں صدی سے قبل یہ سمجھا جاتا تھا کہ زمین گیند کی طرح گول ہے یعنی اس کی ناپ ہر رخ پر برابر ہے لیکن بعد میں جب اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ خط استوا کے قریب کشش ارضی قطبین کے مقابلہ میں کم ہے، تب معلوم ہوا کہ خط استوا کے پاس زمین کا محیط قطبین کو ملانے والے محیط کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ یعنی درمیانی حصہ میں زمین قدرے پھولی ہوئی ہے اور قطبین کے پاس کم پھولی ہوئی ہے۔ زمانہ حال میں جو تحقیقات ہوئی ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ دراصل زمین کی شکل کسی قدر ناشپاتی سے مشابہ ہے۔ سترھویں صدی سے انیسویں صدی کے درمیان طریقہ مثلثی (Triangulation or Triangular Method) کے ذریعہ مختلف عرض البلد (Latitude) کے درمیان طول البلد یا طول الارض کی پیائش کی گئی، جس سے یہ پتہ چلا کہ خط استوا کے مقام پر زمین کا قطر (Diameter) قطبین کو ملانے والے قطر کے مقابلہ میں 10.5 کلو میٹر یا ساڑھے دس کلو میٹر زائد ہے۔ درحقیقت خط استوا پر بھی زمین کا قطر ہر رخ پر برابر نہیں ہے بلکہ اس کے نصف قطر (Radius) میں تقریباً 213 میٹر کا فرق پایا گیا ہے۔ اس طرح سے زمین کی شکل ایک مسنوئی سہ محوری (Triascial Ellipsoid) کی سی ہے۔ چونکہ اس شکل کو ریاضی کی کسی خاص شکل سے مشابہ نہیں کہا جا سکتا ہے، اس لیے زمین کی شکل کا ایک الگ نام "زمین نما" (Geoid) رکھا گیا ہے۔

طبقات نگاری کی وقتی اکائی (Chronostratigraphic Unit): ارضیاتی وقتی اکائی میں سب سے بڑی اکائی یگ یا جگ (Eon) ہے اور اس کے بعد عہد (Era)، دور (Period)، عصر (Epoch) اور زمانہ (Age) کی اکائیاں ہیں۔

طبقاتی ترتیب (Stratigraphic Formation): بنیادی حجری طبقات نگاری (Lithostratographic) اکائی۔ ایسا حجری جسم (Rock Body) جس کی شناخت کسی اندرونی حجری یکسانیت یا کسی اہم حجری خاصیت یا رکاز (Fossils) کے کسی خاص اجتماعی مطلعے کی وجہ سے کی جا سکے اور ارضی سطح پر مناسب پیانے پر نقشہ سازی (Mapping) کے قابل بھی ہو اور جس کا تسلسل زیر زمین بھی دیکھا جا سکتا ہو۔

طبقاتی ریکارڈ (Stratigraphic Record): ارضیاتی ریکارڈ جس کا انحصار طبقاتی ترتیب کے مطالعے پر ہوتا ہے، ارضیاتی کالم کی طرح بہ اعتبار عمر ترتیب دیے گئے حجراتی طبق یا طبقات کا ریکارڈ۔

طبقاتی قانون (Stratigraphic Code): مناسب اور معیاری طبقاتی گروہ بندی اور تسمیہ (Nomenclature) کے قوانین اور اصولوں کا باقاعدہ نظام۔

طبقاتی لازم و ملزومیت یا تطابق (Stratigraphic Correlation): ارضیاتی نقشہ سازی اور ارضیاتی تاریخ مرتب کرنے کے عمل میں یہ ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ حجرات کہاں تک جغرافیائی اور عمری طور پر آپس میں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک نمود (Exposure) سے دوسرے نمود تک کیا وقتی تعلق رکھتے ہیں۔ حجرات کے مختلف طبقوں کی ترتیب کو اس وقت ہم منطبق یا تسلسل رکھنے والی (Correlative) کہا جاتا ہے جبکہ وہ مساوی العمر ہوں یا حجریاتی طور پر مساوی ہوں۔ وہ حجرات جو ترکیب میں یکساں ہوں اور حجری طبقات نگاری کے مطابق ایک ہی وقت میں بنے ہوں۔ وقتی طبقات نگاری میں اور جن حجرات میں ایک ہی قسم کے رکازی اجتماع

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(Fossil Assemblage) ہوں، وہ حیاتی طبقاتی طور پر منطبق کہلاتے ہیں۔ انطباق کے مختلف طریقے ہیں مثلاً (1) جغرافیائی اور طبعی تسلسل (Physical & Lateral Continuity)، (2) حجری یکسانیت (Lithological Similarity)۔ (3) ارضی طبعیات (Geophysics)۔ (4) رکازی یکسانیت (Fossil Similarity)۔ (5) تابکار عمر پیمائی (Radioactive Dating)۔ (6) قدیم مقناطیسیت (Palaeomagnetism) وغیرہ۔

طبقاتی نظام (Stratigraphic System): بڑی وقتی طبقاتی اکائی جو ساری دنیا میں قابل قبول اور قابل شناخت ہے۔ یہ ظاہر حیاتی زمانے (Phanerozoic) کے حجرات کی وقتی طبقاتی تقسیم کی بنیادی اکائی ہے، چاہے وہ حجرات جو کسی "دور" میں جمع ہوئے ہیں۔

طبقاتی وراثتی ترتیب (Stratigraphic Seccession): بہ اعتبار عمر رسوبی حجرات کو اس طرح ترتیب دینا کہ قدیم ترین یا زیادہ عمر والے حجرات کے طبق ارضیاتی کالم میں نیچے ہوں اور کم تر عمر کے طبق ان کے اوپر۔

طبقہ یا پرت بندی (Stratification): حجرات کی خصوصیت، رسوبی حجرات میں ذخیرگی کے دوران مادوں یا ذخیرگی کے حالات میں تبدیلی کی وجہ سے پرتوں کا بننا۔ آتشی حجرات بھی امتیاز یا تفریق (Differenciation) کی وجہ سے تہ دار ہو سکتے ہیں۔ ایک طبقہ یا تہ (Stratum) وہ پرت ہے جو اس طرح بنی ہو۔

طرابلس الشام (ٹریپولی) (لبنان): یہ لبنان میں سیریا (شام یا سوریا) کے محافظہ کا مشہور شہر اور انتظامی مرکز ہے۔ بحیرۂ روم کے ساحل پر ابو علی دریا کے کنارے بیروت کے شمال مشرق میں 40 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بندرگاہ اور تجارتی و صنعتی مرکز ہے۔ اس شہر کی بنیاد غالباً 700 ق م میں پڑی تھی۔ فنیقی دور میں اس علاقہ کا صدر مقام تھا۔ رومن دور میں اس نے بہت ترقی کی۔ 638 میں عربوں نے اس پر قبضہ کیا۔ 1109 میں صلیبی فوجوں نے ایک طویل محاصرہ کے بعد اسے فتح کیا اور اس لڑائی میں یہاں کا مشہور کتب خانہ تباہ ہو گیا۔ 1289 میں مصر کے حکمرانوں کے حملے میں بھی یہ تباہ ہوا۔ یہ ترکی سلطنت کے تحت بھی رہا اور پہلی عالمگیر جنگ کے بعد انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 1920 میں یہ لبنان کا حصہ بن گیا۔ پرانے شہر میں قدیم فصیل اور مینار ابھی تک موجود ہیں۔ یہاں سے ریشم، صابن، تیل، لیموں، سنترے اور اون وغیرہ برآمد ہوتے ہیں۔ عراق کی تیل کی ایک پائپ لائن یہاں تک پہنچتی ہے اور یہ تیل برآمد کیا جاتا ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے کا ایک کارخانہ بھی ہے۔ 1971 میں آبادی 185,000 تھی۔

طوفان: فضا کا ایسا شدید انتشار جس میں 88 سے 116 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائیں چلتی ہیں۔ ان میں کبھی ریت اور خاک کے ذرات کثیر مقدار میں اڑنے لگتے ہیں۔ اس کیفیت کو آندھی کہا جاتا ہے۔ کبھی بارش، برف باری یا اولہ باری ہونے لگتی ہے اور بجلی کی چمک کے ساتھ بادل بھی گرجنے لگتے ہیں۔

طوفان رعد و برق: یہ ایسا طوفان ہے جس میں بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ شدید بارش یا اولہ باری ہونے لگتی ہے۔ یہ کیفیت بالعموم اس وقت ہوتی ہے جب زمین کے شدید گرم ہو جانے کے باعث رطوبت سے لدی ہوئی ہوائیں تیزی سے اوپر اٹھ کر گالہ نما بارانی بادلوں کے دل کے دل پھیلاتی رہتی ہیں۔ اس نوعیت کے طوفان مرطوب استوائی خطوں اور ٹراپیکی علاقوں میں زیادہ آتے ہیں۔

طولی ٹیلا: ہوا کی سمت میں پھیلا ہوا پست لمبا سا ریت ٹیلا، طولی ٹیلا کہلاتا ہے۔ اس طرح کے ٹیلے کم ریت کے ایسے ساحلوں، ریگستانوں اور خشک سطوح مرتفع پر تیز رفتار ہواؤں کے مستقلاً ایک ہی سمت میں حرکت کرنے سے تشکیل پاتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ظ

ظلّ (Projection): تقریباً600ق م میں "تھیلو" نے نقشہ کشی کے سلسلہ میں ظلّ کا تصور پیش کیا۔540ق. م. میں فیثا غورث نے زمین کی کروی شکل کو تسلیم کیا۔ 500ق م میں "ہیکیٹیس" نے "ہینکو یمنڈر" کا نقشہ درست کیا۔ بعد ازاں "ہیروڈوٹس" اور "ڈیما کریٹس" نے دنیا کے نئے نقشے بنائے۔ "ایراٹا ستھینیز" نے سورج کی مدد سے زمین کا محیط معلوم کر لیا۔ "ہپارکس" اور "اسٹر یبو" نے اس حساب دانی کو جلا دی۔ کروی زمین کو چپٹی سطح پر دکھانے کے لیے "اسٹر یبو" نے پہلی بار طول البلد اور عرض البلد کے پھیلاؤ میں مناسب تبدیلیاں کر دیں۔ بطلیموس (ٹالیمی) نے خمیدہ طول البلد اور عرض البلد کے جال پر دنیا کا نقشہ پیش کر دیا۔ اس کی ایک ظل سادہ مخروطی ظلّ سے اور دوسری "بونس" کی ظلّ سے مشابہ تھی۔ موخرالذکر کی بہتر شکل "والڈی مر" نے 1507 میں پیش کی۔ بطلیموس کے بعد پندرہویں صدی عیسوی تک یہ فن تاریکی میں پڑا رہا۔

رومیوں نے اس میدان میں قطعی خاموشی برتی۔ "جرمنوں" نے 1496 میں مغربی نقشہ بنایا جس نے "طلمستیڈ" کا جال بنانے میں مدد دی۔ پچاس سال بعد "گلیریانس" نے قطبی علاقہ کا سمت الراس صحیح الفاصلہ نقشہ تیار کیا۔554 میں "گرہارڈ کریمر" نے یورپ کا ایک نقشہ دو معیاری عرض البلد والے مخروطی ظل پر پیش کیا۔اسی کے طرز فکر نے مرکیٹر کے صحیح السمت جال کا خیال اجاگر کر دیا۔ 1595 میں ایک ضخیم اطلس بھی منظر عام پر آئی۔

گزشتہ چند صدیوں میں فن نقشہ کشی نے بڑی اہمیت حاصل کی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں ظلّ کی متعدد اقسام سامنے آئیں۔ 1895 کی بین الاقوامی جغرافیائی کانگریس نے دنیا کے "ایک ملین" نقشہ کی تیاری کے لیے "پالی کانک ظلّ" کا جال تجویز کیا، لیکن 1909 کی بین الاقوامی نقشہ کشی کی کمیٹی نے اس ظلّ کو کچھ ترمیمات کے ساتھ "بین الاقوامی ظلّ" کی شکل دے دی۔اس کے جال پر دنیا کے نقشہ کو 2,222 شیٹ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آج ہر نقشہ کی تیاری کے مقاصد کے پیش نظر بہت موزوں ظلّ کا انتخاب ہوتا ہے۔

ظلِ استوانی (Cylindrical Projection): یہ سادہ صحیح الرقبہ یا صحیح الشکل استوانی ظِل ہوتی ہے۔

ظلِ بون (Bonne's Projection): یہ یک معیاری عرض البلد والی سادہ ظل مخروطی کی بہتر شکل ہے۔ اس میں دیے ہوئے علاقے کے وسطی معیاری عرض البلد کے علاوہ دیگر تمام عرض البلد بھی مناسب وقفہ (مثلاً 10°) سے معاون دائرہ کے مرکز پر زاویوں سے دکھا دیے جاتے ہیں۔ شکل میں 60° شمالی معیاری عرض البلد ہے۔ اس کے نقطہ "س" پر دائرہ کا مماس بنا کر خارج شدہ "م، پ" سے "ک" پر ملا دیں گے۔ اور "د، س" درجہ کے قوس "ا، ب" کے مساوی نصف قطر کے ربع دائرہ بنائیں گے۔ اس عمل سے زاویائی خطوط پر جو نقاط حاصل ہوں گے ان سے "ام" کے متوازی خطوط "1 تا 5" بنا دیے جائیں گے۔ یہ متعلقہ عرض البلد پر دس دس درجہ کے طول البلدی فاصلوں کو ظاہر کریں گے۔

اب علیحدہ شکل میں یک معیاری عرض البلد والی سادہ مخروطی ظل کی طرح سارے عرض البلد بنالیں گے۔ ہر عرض البلد پر دس دس درجہ کے طول البلدی وقفوں کے نقاط حاصل کر کے سلسلہ وار شمالاً جنوباً جوڑ کر مطلوبہ طول البلد دکھا دیے جائیں گے۔

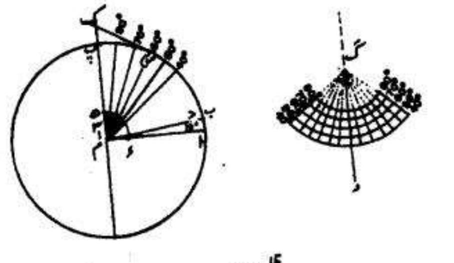

ظلِ بون
(Bonne's Projection)

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

اس جال میں ہر عرض البلد کا پیانہ درست رہتا ہے اور ان کے باہمی عمودی فاصلے بھی ٹھیک ہوتے ہیں،اس لیے نقشے صحیح الرقبہ رہتے ہیں۔ وسطی طول البلد کا پیانہ درست رہتا ہے۔ مشرق و مغرب میں یہ خمیدہ ہوتے جاتے ہیں۔اس لیے شکلیں درست نہیں رہتیں۔ شمالاً جنوباً زیادہ اور شرقاً غرباً کم پھیلاؤ کے نقشے زیادہ ناقص نہیں ہوتے۔

ظل رواجی (Conventional Projection): یہ کئی طرح کی ہوتی ہیں۔

(1) ظل سینسن فلیمسٹیڈ (سائنوسوائڈل): یہ "ظل بون" کی مخصوص شکل ہے، جس میں خط استوا کو معیاری عرض البلد سمجھا جاتا ہے۔اس کے جال میں بطور مثال، عرض البلد اور طول البلد تیس تیس درجہ کے وقفہ سے دکھانے ہوں تو مناسب نصف قطر کے دائرے کے مرکز پر تیس تیس درجہ کے متصلہ زاویے بنا دیے جائیں گے۔ 2^R کی مدد سے 30° کے قوس کی لمبائی کے مساوی نصف قطر لے کر مرکز دائرہ پر چھوٹا ربع دائرہ بنایا جائے گا۔ یہ زاویائی خطوط کو "ف" اور "گ" پر قطع کرے گا۔ان نقاط سے "ط م" کے متوازی خطوط بنادیے جائیں گے۔

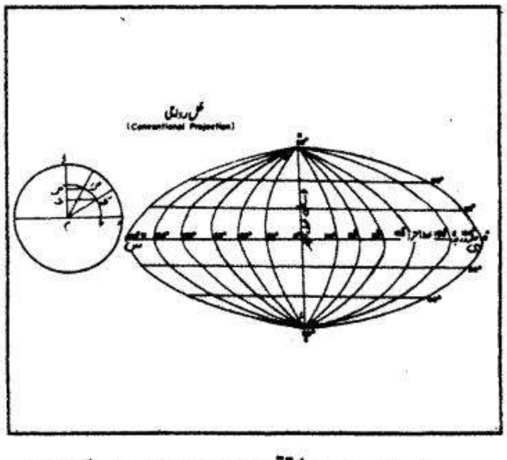

اب دائرہ سے باہر خط مستقیم "س ی"، 2^R کے مساوی بنا کر خط استوا کو ظاہر کریں گے۔ اس کے وسطی نقطہ سے دونوں طرف مساویانہ پھیلا ہوا عمود "وح" جو خط استوا کا نصف ہوگا وسطی طول البلد کو ظاہر کرے گا۔ "س ی" کو بارہ اور "وح" کو چھ مساوی حصوں میں تقسیم کردیں گے۔ "وح" کے نقاط تقسیم سے "س ی" کے متوازی بنے ہوئے خطوط 30° اور 60° کے عرض البلد کو ظاہر کریں گے۔ ان پر بالترتیب "ف ف" اور "گ گ" کے مساوی چھ چھ حصے مشرق و مغرب میں قطع کر کے نقاط تقسیم کو سلسلہ وار شمالاً جنوباً جوڑ کر قطبین سے ملا دیں تو مطلوبہ طول البلد بن جائیں گے۔

اس جال میں ایک عرض البلد کا پیانہ درست رہتا ہے اور ان کے باہمی فاصلے بھی ٹھیک رہتے ہیں اس لیے رقبے صحیح ہوتے ہیں مشرق اور مغرب کی طرف طول البلد کی بڑھتی ہوئی خمیدگی سے شکلیں زیادہ بگڑتی جاتی ہیں۔ عموماً افریقہ اور جنوبی امریکہ کے نقشوں کے لیے یہ جال مناسب سمجھا جاتا ہے۔

(2) ظل مالویڈ (Mollweide's Projection): اس ظل پر بنے ہوئے نقشوں میں شکلیں "سینسن فلیمسٹیڈ" کی شکلوں سے بہتر دکھائی دیتی ہیں اور رقبے بھی درست رہتے ہیں۔اس کا جال تیار کرنا ہو تو مناسب نصف قطر کا دائرہ بنا لیں گے۔اس کا نصف مشرقی محیط 90o مشرقی طول البلد کو اور نصف مغربی محیط 90o مغربی طول البلد کو دکھائے گا۔ قطر کو دونوں طرف اس طرح بڑھائیں کہ "س ی" خط "اب" کا دوگنا رہے۔ جال میں 30o، 60o اور 80o کے عرض البلد بنانے ہوں تو دیے ہوئے جدول کو دیکھ کر ان کے متبادل زاویے دائرہ کے مرکز پر بنا دیں اور زاویائی خطوط کو دائرہ کے محیط تک پہنچا دیں۔ان کے نقاط "ن، و، ق" سے اندرون دائرہ قطر کے متوازی خطوط بنا دیں۔ انھیں دائرہ کے باہر دونوں طرف بڑھا کر خط استوا کی طرح دوگنا کردیں۔ طول البلدی وقفہ بھی 30o کا رکھنا ہو تو تمام متوازی خطوط کو بارہ بارہ حصوں میں تقسیم کر کے نقاط تقسیم کو سلسلہ وار شمالاً جنوباً جوڑتے ہوئے قطبین سے ملا کر مطلوبہ طول البلد بنالیں۔

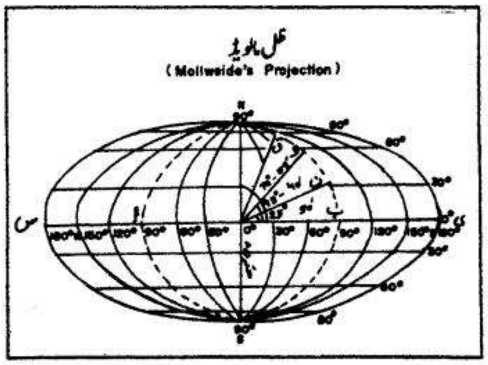

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

°90 کے طول البلدی قوس پر مختلف عرض البلد کے صحیح فاصلے

عرض البلد	10°	20°	30°	40°	50°	60°	70°	80°
تبادل صحیح فاصلے	7°-52'	15°-47'	23°-50'	32°-04'	40°-38'	49°-40'	59°-32'	70°-59'

یہ جال صحیح الرقبہ ہوتا ہے۔ اس میں عرض البلد اور طول البلد دونوں کے پیمانے ناقص ہوتے ہیں۔ وسطی طول البلد کے مشرق اور مغرب میں شکلیں بگڑتی جاتی ہیں۔ وسطی طول البلد کے چھوٹے چھوٹے علاقے بھی خط استوا کے قریب شمالاً جنوباً زیادہ پھیلے ہوئے اور شرقاً غرباً سکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قطبین کے قریب صورت حال برعکس ہوتی ہے۔ وسطی طول البلد کے صرف دو مقامات پر نقشے صحیح الشکل ہوتے ہیں۔

ظل سمت الراس صحیح الرقبہ (Zenithal Equal area Projection)

(Zenithal Equal area Projection): اس کے ذریعہ قطبی علاقوں کے رقبے صحیح طور پر دکھائے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر °60 سے °90 تک کے عرض البلد دس دس درجہ کے وقفہ سے دکھانے ہوں تو مناسب قطر کے دائرہ میں مرکز پر °60، °70، °80 اور °90 کے زاویے بنادیں گے اور "ش" کو محیط کے دیگر زاویائی نقاط "ص، د، ج" سے ملادیں گے۔

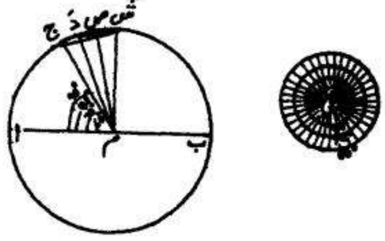

ظل سمت الراس صحیح الرقبہ
(Zenithal Equal Area Projection)

اب شکل سے باہر قطب کو ظاہر کرنے والے مرکز "م" کے گرد "ش ی، ش د، ش ج" نصف قطروں کے ہم مرکزی دائرے بنادیں گے۔ یہ مطلوبہ عرض البلد رہیں گے۔ طول البلد، ظل سمت الراس صحیح الفاصلہ، کے طریقہ پر بنائے جائیں گے۔

اس جال میں بعید از مرکز عرض البلد کے درمیانی فاصلہ میں جس نسبت سے تخفیف ہوتی جاتی ہے طول البلد کے درمیانی فاصلہ میں اسی نسبت سے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ نتیجتاً شکلیں تو غلط ہو جاتی ہیں مگر رقبے درست رہتے ہیں۔

ظل سمت الراس صحیح الشکل (Zenithal Orthomorphic Projection)

(Zenithal Orthomorphic Projection): اس سے قطبی علاقوں کی صحیح اشکال دکھائی جاتی ہیں۔ اگر °60 سے °90 عرض البلد کا جال طول البلد کے ساتھ دس دس درجہ کے وقفہ سے بنانا ہو تو مناسب نصف قطر کے دائرہ میں مرکز پر °60، °70، °80 اور °90 کے زاویے بنانے کے بعد، جس طرح شکل میں دکھایا گیا ہے، زاویائی خطوط کو محیط تک بڑھادیں گے۔ "ش" پر دائرہ کا مماس بنے گا۔ مقابل کے نقطہ "ج" کو محیط کے زاویائی نقاط سے جوڑنے والے خطوط کو خارج کر کے مماس میں نقاط "ص، ط، ع" حاصل کرلیں گے۔

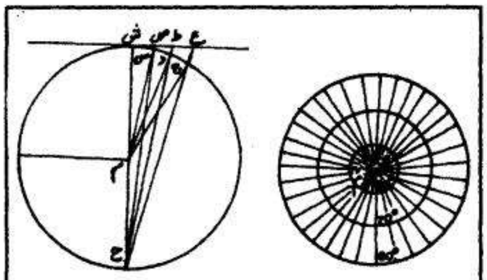

ظل سمت الراس صحیح الشکل
(Zenithal Orthomorphic Projection)

اب علیحدہ مرکز "م" کے گرد نصف قطر "ش ص، ش ط اور ش ع" کے فاصلوں پر ہم مرکزی دائرے بنائیں تو مطلوبہ عرض البلد بن جائیں گے۔ طول البلد ظل نومانک کے طریقہ پر بنا کر جال مکمل کرلیں گے۔

اس جال میں بعید از مرکز طول البلد اور عرض البلد کے پیمانوں میں مساویانہ مبالغہ ہونے کے باعث نقشوں کی اشکال درست رہتی ہیں۔ استوائی علاقوں کی نقشہ کشی کے لیے بھی بعض اوقات اسی ظل کو کچھ تغیرات کے ساتھ اختیار کرلیا جاتا ہے۔

ظل سمت الراس صحیح الفاصلہ (Zenithal Equidistant Projection)

(Zenithal Equidistant Projection): اس کے جال میں قطبی اضافت سے قطبی علاقوں پر صحیح

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

فاصلے دکھائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر °60 تا °90 عرض البلد کے علاقہ کا جال دس دس درجہ کا وقفہ دکھاتے ہوئے بنانا ہو تو مناسب نصف قطر پر کرہ ارض کو ظاہر کرنے والے دائرہ کا محیط 2πR سے معلوم کر کے °36 تقسیم کرنے پر دس درجہ کا افقی فاصلہ معلوم کر لیں گے۔ قطب بتانے والے مرکز "م" کے گرد اس قطر کا دائرہ °80 عرض البلد کو ظاہر کرے گا۔ دوگنے اور تگنے نصف قطر کے ہم مرکزی دائرے بالترتیب °70 اور °60 کے عرض البلد رہیں گے۔ مرکز پر دس دس درجہ کے متصل زاویے بنانے والے خطوط مطلوبہ طول البلد پیش کر دیں گے۔

ظل سمت الراس صحیح الفاصلہ
(Zenithal Equidistant Projection)

اس جال میں طول البلد کے پیمانے درست رہتے ہیں اس لیے قطب سے باہر کی طرف فاصلے صحت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ بعد از مرکز عرض البلدی پیمانہ میں مبالغہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے جال نہ صحیح الرقبہ ہوتا ہے نہ صحیح الشکل۔

ظل سہ بعدی یا گال کا اسٹیریو گرافک پروجکشن: یہ ایسی استوانی تظلیل ہے جس میں استوانہ کرہ ارض کو °45 شمالی اور °45 جنوبی عرض البلد پر قطع کرتے ہوئے تصور کیا جاتا ہے۔ ان دونوں خطوط پر پیمانے درست رہتے ہیں۔ ان کے درمیان کے عرض البلد قریب قریب بجے رہتے ہیں لیکن قطبین کی جانب پھیلے ہوئے خطوط عرض البلد کے درمیان فاصلوں میں مستقل اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ "مرکیٹر" کی تظلیل کے مقابلہ میں گال کی تظلیل پر خط استوا سے زیادہ دور کی شکلوں اور رقبوں میں مبالغہ کم ہوتا ہے۔ یہ تظلیل نہ صحیح الشکل ہوتی ہے نہ صحیح الرقبہ۔ اس کا بنانا بہت آسان ہے۔

ظل کثیر المخروط (پالی کانک) (Polyconic Projection):
اس میں تمام عرض البلد یک معیاری عرض البلد کی ظل کی طرح اور طول البلد "بون" کے اصول پر بنتے ہیں۔ وسطی طول البلد پر، جو خط مستقیم ہوتا ہے، تمام عرض البلد صحیح فاصلوں پر رہتے ہیں لیکن مختلف المرکز ہونے کے باعث مشرق و مغرب میں ان کا باہمی فاصلہ بڑھتا جاتا ہے اور طول البلد خمیدہ ہوتے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر °40، °50، °60 شمالی عرض البلد دکھا کر طول البلدی وقفہ بھی دس دس درجہ ہی کا رکھنا ہو تو کسی مناسب نصف قطر کے دائرہ کے مرکز پر °40، °50، °60 کے زاویے بنا دیں گے۔ اور محیط پر پہنچنے والے زاویائی خطوط کے نقاط پر دائرہ کے مماس بنا کر آگے بڑھا دیں گے۔ یہ خارج شدہ "ج پ" سے نقاط "ن ل ز" پر ملیں گے۔ دس درجہ کے قوس "ن ل" کے مساوی نصف قطر کا ربع دائرہ مرکز "ج" پر بنا دیں گے، یہ زاویائی خطوط کو "ک، ع، ف" پر قطع کرے گا۔ ان نقاط سے "ا ج" کے متوازی خطوط 3,2,1 بنا دیں گے۔

ظل کثیر المخروط (پالی کانک)
(Polyconic Projection)

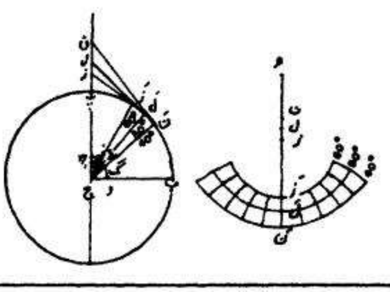

اب ظل کثیر المخروط پالی کانک کا جال بناتے وقت دائرہ سے الگ خط "و ن" بطور وسطی طول البلد لے کر "ن" کو °40 شمالی عرض البلد کی گزرگاہ تصور کر کے اوپر کی طرف "ج ا" کے مساوی دو بار فاصلے لے کر نقاط "ل، ز" حاصل کر لیں گے۔ تینوں نقاط سے بالترتیب "ن ن، ل ل اور ز ز" کے نصف قطروں پر گزرنے والے مختلف المرکز قوس °40، °50، °60 کے عرض البلد کہلائیں گے۔ ہم مرکزی نہ ہونے کے باعث یہ باہم متوازی نہ ہوں گے۔ طول البلد ظل بون کی طرح بنیں گے۔

اس کے جال میں عرض البلد اور صرف وسطی طول البلد کے پیمانے درست ہوتے ہیں اس لیے رقبے غلط رہتے ہیں۔ عرض البلد اور طول البلد باہم قائمہ زاویوں پر قطع نہیں ہوتے اور طول البلدی پیمانہ میں مشرق اور مغرب کی طرف مبالغہ ہوتا جاتا ہے اس لیے شکلیں بھی ناقص ہو جاتی ہیں۔

ظِل کروی (Globular Projection): یہ ایک رواجی ظِل ہے جو اکثر اطلسوں میں دنیا کے شرقی و غربی کروں کو علیحدہ علیحدہ دو مساوی دائروں میں پیش کرتا ہے۔ ہر ایک دائرہ کا افقی قطر نصف خط استوا کو اور عمودی قطر وسطی طول البلد کو دکھاتا ہے۔ دیگر طول البلد جو خط استوا پر باہم مساوی فاصلہ رکھتے ہیں، وسطی طول البلد کی طرف مقعر خیدگی رکھنے والے مختلف المرکز دائروں کے قوس ہوتے ہیں۔ عرض البلد کے قوس وسطی اور سرحدی طول البلد پر مساوی الفاصلہ ہوتے ہیں اور استوائی رخ میں محدب جھکاؤ رکھتے ہیں۔

ظِل مرکیٹر (ظِل استوائی صحیح الشکل) (Mercator's Projection): اس کے جال میں شکلیں صحیح لیکن رقبے غلط ہوتے ہیں۔ عرض البلد اور طول البلد کو کسی نتیجہ (مثلاً بیس بیس درجہ کے) وقفہ سے بنانا ہو تو مناسب نصف قطر (مثلاً 2 سم) کے کرہ ارض کا محیط 2^R سے معلوم کرلیں گے۔ یہ 12.57 سینٹی میٹر کا ہوگا۔ اس لمبائی کا خط "اب" استوائی پھیلاؤ دکھائے گا اور 360 کے زاویائی فاصلہ کو ظاہر کرے گا۔ اسے اٹھارہ مساوی حصوں میں تقسیم کرکے نقاط تقسیم سے خط استوا پر دونوں طرف خطوط عموداً پھیلادیں تو مطلوبہ طول البلد بن جائیں گے۔ ان کی شمالی اور جنوبی حدود کو، جدول کی مدد سے بنے ہوئے، عرض البلد کے پھیلاؤ معین کریں گے۔ پہلا °20 کا عرض البلد بنانا ہو تو وہ جدول کی رُو سے خط استوا کے شمال میں "0.356R" کے مساوی یعنی 2/1 x 356/1000=89/125 یا 0.71 سم کے فاصلہ پر رہے گا۔ دیگر عرض البلد بھی اسی طرح حسابی عمل سے بنالیے جائیں گے۔

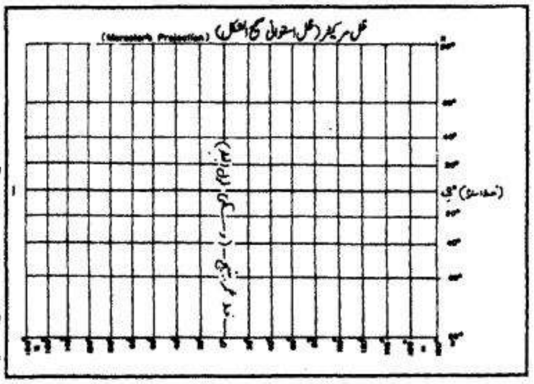

جدول

عرض البلد کے درجہ	بیضوی کرہ ارض سے خط استوا سے عرض البلد کے فاصلے بلحاظ نصف قطر (R)
5	0.78 R
10	....
15	....
20	0.356 R
25	....
30	....
35	....
40	0.763 R
......	....
......	....
80	2.437
......	....
......	....
90	لامحدود

اس کے جال میں ٹراپیکل علاقوں کی شکلیں اور رقبے درست رہیں گے۔ قطبین کی جانب رقبوں میں مستقل اضافہ ہوتا رہے گا۔ قطب لامحدود فاصلہ پر رہتے ہیں اس لیے بالعموم °85 عرض البلد تک کے علاقے ہی اس ظل پر دکھائے جاتے ہیں۔ دائمی ہواؤں، بحری رودوں اور بحری، بری نیز فضائی راستوں کے نقشے اسی ظِل پر بنائے جاتے ہیں۔

ظِل نومانک (قطب مرکزی): اس پر صرف قطبی علاقوں کی شکلیں قدرے درست رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر °60 سے °90 تک کے عرض البلد، طول البلدی پھیلاؤ کے ساتھ دس دس درجہ کے وقفہ سے دکھانے ہوں تو مناسب نصف قطر کے دائرہ میں مرکز پر °60، °70، °80، °90 کے زاویے بنا کر زاویائی خطوط کو خارج کرکے جس طرح شکل میں دکھایا گیا ہے قطبی مماس تک بڑھا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

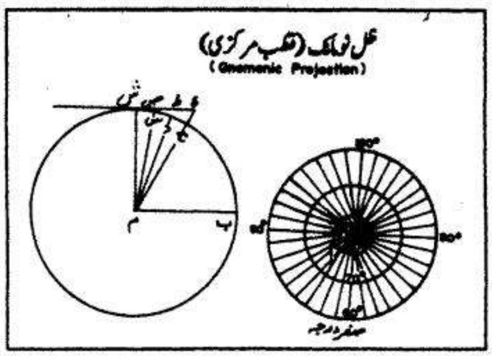

دیں گے۔ اب علیحدہ قطبی مرکز "م" کے گرد نصف قطر "ش ص، ش ط اور ش ع" کے مساوی فاصلوں پر ہم مرکزی دائرے بنا کر مطلوبہ عرض البلد دکھادیں گے۔

"م" پر دس دس درجہ کے متصلہ زاویے بنادیں تو مطلوبہ طول البلد بھی بن جائیں گے۔

اس جال میں بعید از مرکز طول البلد اور عرض البلد دونوں کے پھیلاؤ میں تیزی سے اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس لیے بعید از قطب رقبے، شکلیں اور سمتیں ناقص ہو جاتی ہیں۔ استوائی علاقہ کی نقشہ کشی کے لیے بھی بعض اوقات ایسا ہی جال کچھ تغیرات کے ساتھ بنالیا جاتا ہے۔

ظلّی جال: یہ نقشہ میں دوائر عرض البلد اور خطوط طول البلد کا جال ہوتا ہے جو گریٹیکول کہلاتا ہے۔ یہ مختلف ظلّیوں میں مختلف ہوتا ہے۔

ع

عدّس ابابا (Addis Ababa): یہ ایتھوپیا (Ethiopia) اور اس کے صوبہ شوا (Shiva) کا صدر مقام ہے۔ 9° شمالی عرض البلد اور تقریباً '30 °38 مشرقی طول البلد پر پہاڑیوں سے گھرے ہوئے شوآ کے جنوب میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے 8,000 فٹ بلند ہے۔ تعلیمی، تجارتی اور معاشرتی مرکز ہے۔ ذرائع آمد و رفت کا جنکشن ہے۔ ریلوے لائن کے ذریعہ اسے جیبوتی (Djibuti) سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اہم طیران گاہ (ایرپورٹ) ہے۔ 1937 میں گرازیانی (Graziani) کے حکم سے یہاں کے تیس ہزار باشندے قتل کر دیے گئے تھے۔ بارش کا سالانہ اوسط "49 ہے۔ بیشتر بارش اپریل، جولائی او راگست میں ہوتی ہے۔ یوکلپٹس (Eucalyptus) کے درخت خوب سرسبز ہوتے ہیں۔ 1972 میں شہر کی آبادی 958,700 تھی۔

عدم تسلسل کی سطح (Surface of Discontinuity):
ماہرین زلزلیات (Seismologists) نے زلزلے کے تفصیلی مطالعوں کی بنیاد پر زمین کے اندر دو ایسی گہرائیوں کا پتہ چلایا ہے جو زمین کے اندرونی حجرات اور ساخت کے بارے میں مختلف خواص کی نشان دہی کرتی ہیں۔ ایسی گہرائیوں کو عدم تسلسل کی سطح (Surface of Discontinuity) کہتے ہیں۔

پہلی عدم تسلسل کی سطح 35 کلو میٹر کی گہرائی پر پائی گئی ہے۔ سطح زمین سے 35 کلو میٹر کی گہرائی تک کے اس منطقے کو قشر یا اوپری پرت (Crust) کا نام دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کرسٹ) یہ عدم تسلسل کی سطح ایک یوگوسلاوی سائنس داں موہوروسِک (Mohorovicic) نے دریافت کی تھی اس لیے اس سطح کو اسی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے ارضیاتی ادب میں عدم تسلسل کی سطح کو مختصراً "موہو" (Moho) بھی کہا جاتا ہے۔

موہو جہاں قشر یعنی اوپری پرت کے اختتام کی نشاندہی کرتی ہے، وہیں پر وہ دوسری بڑی درمیانی پرت "میانہ" یعنی مینٹل (Mantle) کے آغاز کی بھی موجب ہے۔ گویا "میانہ" یا درمیانی پرت 35 کلو میٹر کی گہرائی سے 2900 کلو میٹر کی گہرائی تک موجود ہے (ملاحظہ ہو درمیانی پرت یا مینٹل)۔ 2900 کلو میٹر کی گہرائی کے بعد پھر زلزلوی موجیں اپنی رفتار میں نمایاں فرق کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ گویا 2900 کلو میٹر کی گہرائی پر ایک اور عدم تسلسل کی سطح موجود ہے جسے اس طرح کے دریافت کرنے والے ماہر زلزلیات ڈاکٹر گٹن برگ (Gutenberg) کے نام سے گٹن برگ کی عدم تسلسل کی سطح کہا جاتا ہے۔

اس طرح (Moho) "موہو" قشر یا اوپری پرت اور "میانہ" یا درمیانی پرت کے درمیان اور گٹن برگ کی عدم تسلسل کی دوسری سطح "میانہ" یا درمیانی پرت اور مرکزہ یا مرکزی پرت یعنی کور (Core) کے درمیان واقع ہے۔

ابتدائی زلزلوی موجوں اور ثانوی زلزلوں موجوں کے اعتبار سے ان دونوں عدم تسلسل کی گہرائیوں یا سطحوں کے بارے میں، زمین کی ساخت کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

زمینی حجری طبق یا پرت	ابتدائی زلزلوی یا ایس موجوں کی رفتار	ثانوی زلزلوں یا	حجری موجوں کی رفتار
	کثافت		
ا۔ قشر یا اوپری پرت سے موہو عدم تسلسل کی سطح سے اوپر	6.5 کلو میٹر فی سکنڈ	3.74 کلو میٹر فی سکنڈ	2.95
موہو عدم تسلسل کی سطح سے نیچے اور گٹن برگ سطح تک	3.76 کلو میٹر فی سکنڈ	4.36 کلو میٹر فی سکنڈ	3.3
گٹن برگ سطح سے نیچے اور مرکزہ یا کور تک	6.6 کلو میٹر فی سکنڈ	7.4 کلو میٹر فی سکنڈ	5.7
زمینی مرکزہ یا کور میں	8.1 کلو میٹر فی سکنڈ	ثانوی موجیں وجود نہیں	9.5

عدم تطابق (Unconformity): نارسوبیت (Non-Sedimentation) یا کٹاؤ (Erosion) کی مدفون (Buried) سطح۔ ایسی سطح کے دونوں طرف، اوپر اور نیچے مختلف اوقات میں جمع شدہ رسوب مختلف خواص اور

مختلف انداز سے میلان کرتے ہیں۔ اگر فریقین پرتیں میلان کرتی ہیں تو یہ صورت زاویائی عدم تطابق (Angular unconformity) کو ظاہر کرتی ہے مگر اس صورت میں عام طور پر میلان کرنے والے یا خمیدہ حجرات کو کم عمر اور کم بگڑے (Less Deformed) رسوبی حجرات سے علیحدہ کرنے والی سطح کو زاویائی عدم تطابق کہا جاتا ہے۔ لیکن فریقین کی ترتیب میں سطح کے دونوں طرف کی پرتیں ایک دوسرے کے متوازی ہو سکتی ہیں۔

عدم تطابق: فولڈ اور گسل یا اختلال کے بعد زمین کے قشر یا کرسٹ کے حجرات میں پائی جانے والی ساختوں میں عدم تطابق بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ عدم تطابق، حجرات کی پرتوں میں تسلسل کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ عام طور پر حجرات میں پرتیں ایک دوسرے کے متوازی ایسی جمی رہتی ہیں جیسے کہ کتاب کے اوراق۔ حجرات میں پرتوں کا اس طرح متوازی جمع رہنا، اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ پرتیں رسوبی عمل کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی ہیں لیکن اگر رسوب کی ذخیرگی رک جائے یا پھر رسوبی نشیب ابھر کر سطح پر آجائیں تو پھر پرتوں کی تشکیل کا عمل رک جاتا ہے۔ رسوبیت کے ایک وقفہ کے لیے رک جانے کے بعد، یہ بھی ممکن ہے کہ پھر رسوبی نشیب کے حالات عود کر آئیں اور رسوبیت کا اسی مقام پر پھر احیا ہو، جس کے نتیجے میں دوسرے دور کے رسوبی حجرات پھر پرت در پرت بننے لگیں۔ اس طرح دو مختلف قسم کے حجرات کے درمیان ایک "زمانی وقفہ" پیدا ہو جاتا ہے، جو حجرات کی ترکیب، ماہیت اور ساخت کے ساتھ ساتھ ان کے سری میلان اور ڈھلان یا غوط میں بھی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ حجرات میں پائے جانے والے اس وقفہ کو عدم تطابق یا سطح عدم تطابق کہتے ہیں۔ عدم تطابق دوسرے الفاظ میں رسوبی عمل میں وقفہ یا پھر حجرات میں فرسودگی کا مظہر ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عدم تطابق کی سطح ان دونوں مظاہر کی بھی نمایندگی کرے۔

طبقات الارض اور معاشی ارضیات کے مطالعوں میں عدم تطابق کی سطحوں کی پہچان زبردست اہمیت کی حامل ہے۔

طبقات الارض میں عدم تطابق کی سطح سے زمین کے قشر یا کرسٹ کی تاریخ میں جو وقفے یا خلا پیدا ہو گئے ہیں ان کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ معاشی ارضیات میں پٹرولیم کے ذخائر کی تلاش میں عدم تطابق کی سطح تیل کے چشموں کی وقوع پذیری اور ان کے تسلسل کی نشاندہی کرتی ہے۔

عدم صف بند ممالک: دوسری عالمی جنگ کے بعد ہندوستان، میانمار، کینیا، یوگوسلاویا اور ایشیا نیز افریقہ کے بہت سے نئے ممالک نے بین الاقوامی سیاست میں عدم صف بندی کی پالیسی اختیار کی۔ انھوں نے روسی اشتراکیت پسند بلاک اور امریکہ کے مغربی بلاک دونوں کے ساتھ صف بندی کرنے سے انکار کر دیا، مگر یہ ممالک قطعی غیر جانبداریا علیحدگی پسند نہ تھے۔ بین الاقوامی معاملات میں یہ نہ صرف سرگرمی سے حصہ لیتے تھے بلکہ نزاعی مسائل کو سلجھانے کے سلسلہ میں اپنی رائے کو قوت کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ بارہا انھوں نے اپنی رائے کو حق بجانب بھی ثابت کیا ہے۔ 1960 میں کچھ غیر جانبدار ممالک نے اپنا ایک جداگانہ بلاک بنانے اور بین الاقوامی مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں یکساں پالیسی اختیار کرنے کی کوشش بھی کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

عدن: یہ عوامی جمہوریہ یمن (جنوبی یمن) کا صدر مقام اور اہم بندرگاہ ہے جو خلیج عدن پر واقع ہے۔ یہ 632 میں عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ 1538 سے 1630 تک یہ ترکی سلطنت کا حصہ رہا۔ 1839 میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنی ہندوستان کی حکومت کے تحت رکھا۔ زمانۂ قدیم سے یہاں سے گزرنے والے جہازوں کے لیے کوئلہ کا اسٹیشن اور تجارتی مرکز رہا ہے۔ 1937 میں یہ برطانوی کالونی بن گیا۔ 1953 میں یہاں تیل صاف کرنے کا کارخانہ قائم کیا گیا۔ 1967 میں نہر سویز کے بند کیے جانے کے باعث اس کی اہمیت بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ 1962 میں عدن جزوی طور پر خود مختار ہو گیا تھا۔ 1963 میں یہ جنوبی عرب کی فیڈریشن میں شامل ہو گیا اور 1967 میں آزاد ریپبلک کا حصہ بن گیا، 1971 میں اسکی آبادی 184,000 تھی۔

عراق (Iraq): عراق جنوب مغربی ایشیا کا ایک جمہوریہ ہے۔ رقبہ 434,924 مربع کلومیٹر (167,924 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 17,900,000 ہے۔ آبادی کی بڑی اکثریت مسلمان اور عرب ہے۔ عربوں کے علاوہ ترک، کرد، اسیری اور ایرانی بھی رہتے ہیں۔ اس کا صدر مقام بغداد ہے۔ عراق کے جنوب میں خلیج فارس، کویت اور سعودی عرب، مغرب میں اردن اور سیریا، شمال میں ترکی اور مشرق میں ایران واقع ہیں۔ عراق کے لیے سمندر تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ خلیج فارس کے شمال مغربی ساحل کی مختصر سی پٹی ہے۔ عراق کا علاقہ قریب قریب وہی ہے جو زمانہ قدیم میں دو آبہ دجلہ و فرات (میسوپوٹامیہ) پر مشتمل تھا۔ جنوب میں سیریا کا ریگستان واقع ہے جو خانہ بدوش گلے بانوں کا مسکن ہے۔ ملک کے بقیہ حصہ میں زندگی کی ساری چہل پہل ان دو دریاؤں کے اطراف مرکوز ہے۔ یہ دو دریا دجلہ و فرات ہیں جو جنوب مشرق کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جانب بہتے ہوئے شط العرب میں جاملتے ہیں۔ جنوب مشرقی علاقہ میں بارش بہت کم ہوتی ہے اور زراعت کا سارا دارومدار آبپاشی پر ہے۔ یہ علاقہ کھجور اور روئی کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ اس سے کچھ اوپر جہاں بارش کافی مقدار میں ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کے اجناس پیدا کیے جاتے ہیں۔ شمال کے پہاڑی علاقہ کی معیشت زراعت سے تیل کی پیداوار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ خاص طور سے موصل اور کرکوک کے وسیع میدان تیل کے لیے مشہور ہیں۔ یہ تیل دو پائپ لائینوں کے ذریعے جہازوں میں منتقل کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک لائن طرابلس (لبنان) کو جاتی ہے اور دوسری بانیاس (سیریا) کو۔ کچھ تیل ریلوے کے ذریعے بھی منتقل کیا جاتا ہے۔ یہ ریلوے لائن طرابلس کو بصرہ سے ملاتی ہے جو عراق کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ زرعی پیداوار میں عراق میں گیہوں، جو (بارلی)، چاول اور کھجور وغیرہ اہم ہیں۔ سالانہ 7 کروڑ ٹن سے زیادہ تیل نکالا جاتا ہے۔ درآمدات زیادہ تر برطانیہ، روس، چیکوسلواکیا اور فرانس نیز مغربی جرمنی سے آتی ہیں۔ اور برآمدات فرانس، اٹلی، برازیل، برطانیہ وغیرہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 95 فیصدی تیل ہے۔ عراق میں پچھلے چند سال سے بڑے پیمانے پر تعمیرات اور صنعتی ترقی پر توجہ کی گئی ہے اور اس میں ہندوستان بھی کافی حصہ لیتا رہا ہے اور کافی بڑی تعداد میں انجینیر اور دوسرے ہندوستانی پیشہ ور اس کام میں مصروف رہے ہیں اور دونوں ملکوں کے درمیان معاشی تعلقات تیزی کے ساتھ بڑھتے رہے ہیں۔ عراق کا رائج سکہ عراقی دینار ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 3,328,212 اور استادوں کی تعداد 134,081 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 1,166,859 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 209,818 طالب علم تھے۔

تاریخ: عراق آثار قدیمہ کا مخزن ہے۔ یہاں کی حالیہ کھدائیوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کا تمدن دنیا کے قدیم ترین تمدنوں میں سے ایک ہے۔ آشوریا، بابل، وغیرہ جیسی قدیم سلطنتیں اور اُر (Ur)، نینوا اور بابل جیسے تاریخی شہر یہیں آباد تھے۔ 331 ق.م. میں ایران کے زوال کے بعد میسوپوٹامیہ پر سکندر اعظم کے تحت یونانیوں کا اور پھر رومیوں اور ان کے بعد عربوں کا تسلط رہا۔ 1298 میں منگول حملہ سے پورا ملک تاراج ہو گیا اور اس کا آبپاشی کا پورا انتظام تباہ ہو گیا۔ میسوپوٹامیہ اس تباہ کاری کے بعد پوری طرح کبھی پنپ نہ سکا۔

سولھویں صدی میں عراق کا علاقہ عثمانی ترکوں کے قبضے میں چلا گیا اور بصرہ، بغداد اور موصل کے تین صوبے بنا دیے گئے۔ پہلی جنگِ عظیم میں یہاں کے قوم پرست عناصر نے سلطنتِ عثمانی کے دیگر عربوں سے مل کر اتحادیوں کا ساتھ اس امید پر دیا کہ جنگ کے بعد انھیں آزادی مل جائے گی۔ جب آزادی نہیں ملی تو قوم پرستوں نے آزادی کے مطالبے پر 1920 میں بغاوت کر دی۔ برطانوی افواج نے اسے دبا دیا۔ اسی سال معاہدہ سیورے (Sevres) کے ذریعے عراق کو لیگ آف نیشن کی تولیت (Mandate) میں دے دیا گیا اور نظم و نسق کے اختیارات برطانیہ کو سونپے گئے۔ 1921 میں وہاں فیصل اول کے تحت شاہی حکومت قائم کر دی گئی۔ 1924 میں عراقی پارلیمنٹ نے بادل نخواستہ ایک معاہدے کے ذریعے برطانوی فوجی اڈّے کے قیام اور قانون سازی کے معاملے میں برطانوی حق تنسیخ سے اتفاق کر لیا۔ یوں تو 1930 کے معاہدہ سے نظم و نسق میں برطانوی مداخلت ختم ہو گئی تاہم 1932 میں تولیتی نظام کے ختم ہونے تک عراق کے حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہو سکی۔ اس کے بعد عراق کو لیگ آف نیشنز کی رکنیت عطا کی گئی۔ اس دوران میں عراق کے اندرونی حالات بڑے ہنگامہ خیز رہے۔ حکومتیں بدلتی رہیں اور انگریزوں کے خلاف جذبات مشتعل ہوتے رہے۔ 1936 کے اواخر میں بکر صدقی کی سرکردگی میں ایک فوجی بغاوت ہو گئی اور ملک میں فوجی حکومت قائم ہو گئی۔ تاہم وہ ایک سال بھی باقی نہ رہ سکی۔ اس کے بعد برطانیہ موافق عناصر نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور جب دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو عراق نے جرمنی سے تعلقات منقطع کر لیے اور جوں جوں مشرق وسطیٰ میں برطانیہ اور فرانس کو پسپائی ہوتی گئی عراق کی قومی جدوجہد تیز تر ہوتی گئی۔ اس کے علاوہ جنگ میں اٹلی کی شرکت کے باوجود عراق نے اس ملک سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع نہیں کیے 1941 میں راشد گیلانی نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور کمسن فیصل دوم کے برطانیہ موافق ولی امیر عبداللہ کو بے دخل کر دیا۔ اسی اثنا میں برطانیہ نے مزید فوجیں اتار دیں۔ راشد نے جرمنی اور اٹلی کی حمایت سے انگریزوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور امیر عبداللہ کو دوبارہ عنانِ حکومت سونپ دی گئی۔ 1943 میں عراق نے محوری طاقتوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد برطانیہ مخالف احتجاج شدت اختیار کرتا گیا۔ 1948 میں برطانیہ نے 1930 کے معاہدے میں بعض ترمیمات کے ذریعہ اشک شوئی کرنے کی کوشش کی لیکن عراقی پارلیمنٹ نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا کیوں کہ ان میں بیرونی افواج کی واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں کی گئی تھی۔ 1948 میں عراق نے عرب لیگ کے دیگر ارکان کے ساتھ اسرائیل کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ 1953 میں شاہ فیصل دوم نے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد عنانِ حکومت سنبھال لی۔ تاہم حکومت کی پالیسیوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ 1954 میں مغرب نواز وزیر اعظم نوری السعید نے تمام سیاسی جماعتوں کو تحلیل کر دیا اور ایک نئی پارلیمنٹ کا انتخاب عمل میں آیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ایک قومی ترقیاتی پروگرام شروع کیا گیا اور اس کے لیے تیل کی رائلٹی کی آمدنی استعمال کی گئی۔ سیلاب پر قابو پانے کی تجاویز اختیار کی گئیں۔ زرعی پیداوار کے طریقوں میں اصلاح کی گئی اور بجلی پیدا کرنے کے لیے پروجیکٹ تعمیر کیے گئے۔ امریکہ نے فنی امداد فراہم کی اور 1956 کے بعد فوجی امداد بھی بھیجنے لگا۔ خارجی امور میں عراق عرب لیگ کے ساتھ اسرائیل مخالف پالیسی پر کاربند رہا۔ تاہم اس نے مصر کی حکمت عملی سے اپنے آپ کو علیحدہ کرلیا۔ 1955 میں ترکی سے ایک دفاعی معاہدہ کیا۔ پھر مشرق وسطی کی معاہداتی تنظیم میں شرکت اختیار کرلی۔ جسے معاہدہ بغداد کا نام دیا گیا۔ 1955 میں سوویت یونین سے بگاڑ پیدا ہوگیا اور دونوں ممالک کے سفارتی تعلقات منقطع ہوگئے۔ 1955 میں عراق پیٹرولیم کمپنی سے ایک معاہدے کی بنا پر عراق کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ 1958 میں جب سیریا اور مصر کا متحدہ عرب جمہوریہ کی حیثیت سے انضمام عمل میں آیا تو عراق اور اردن نے بھی ایک وفاقیہ قائم کرلیا جسے عرب یونین کا نام دیا گیا۔ جولائی 1958 میں جنرل عبدالکریم قاسم کی سرکردگی میں فوج نے نئے شاہ کی سامراج نواز پالیسی کے خلاف بغاوت کردی۔ عوام نے ہر طرح اس کی تائید کی اور عراق کو جمہوریہ قرار دے دیا۔ شاہ فیصل، ولی عہد عبداللہ اور نوری السعید مارے گئے۔ عرب یونین تحلیل کردی گئی اور عراق میں جمہوری حکومت قائم کی گئی۔ جمہوریہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ وہ بانڈونگ کانفرنس کے اصولوں اور اقوام متحدہ کے منشور پر کاربند رہے گی۔ اس کے ساتھ ہی عراق 1959 میں معاہدہ بغداد سے علیحدہ ہوگیا۔ سوویت یونین سے سفارتی تعلقات کا احیا ہوا اور متعدد کیمونسٹ ملکوں سے تجارتی معاہدات کیے گئے۔ اس دوران متحدہ عرب جمہوریہ سے اس کے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ 1962 میں شمال کے کردی قبائل نے مصطفیٰ البرزانی کی قیادت میں ایک آزاد کردستان کا مطالبہ پیش کردیا۔ 1962 میں قاسم کے ایک سابق رفیق کرنل عبدالسلام عارف نے قاسم کا تختہ الٹ دیا اور اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ قاسم کو گولی ماردی گئی۔ عارف نے مصر سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ کرنل عارف کی نئی حکومت میں بعث پارٹی کو غلبہ حاصل رہا جو عرب اتحاد کی حامی تھی۔ تاہم عارف نے چند ہی دن بعد انقلابی کونسل سے اس پارٹی کے ارکان کو بے دخل کردیا۔ 1964 میں خود حکومت کے اندر عارف کی مخالفت بڑھتی گئی۔ 1965 میں ہوائیہ (ہوائی افواج) نے اقتدار پر قبضہ کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی۔ 1966 میں عارف اور اس کے دو کابینی وزرا اور دیگر افراد ہوائی حادثہ کا شکار ہوگئے۔ عارف کے بھائی جنرل عبدالرحمٰن عارف نے صدارتی عہدہ سنبھالا اور مخالف عناصر کی سختی سے بیخ کنی کرنے کی کوشش کی۔

1968 میں بعث پارٹی کے ایک اور فوجی افسر حسن البکر نے بغاوت کرکے اقتدار سنبھال لیا۔ جنوری 1974 میں بعث پارٹی کی کانگریس میں حسن البکر کو مملکت کا نہ صرف صدر باقی رکھا گیا بلکہ پارٹی کا جنرل سیکریٹری بھی بنایا۔ اس کے علاوہ ترقی پسند قومی محاذ بنایا گیا جس میں بعث پارٹی کے علاوہ عراقی کیمونسٹ پارٹی کو بھی لیا گیا اور انھیں اور کردوں کے نمائندوں کو بھی حکومت میں لیا گیا۔

عرب ملکوں میں عراق ان ملکوں میں سے ہے جو اسرائیل سے کسی قسم کی بھی بات چیت اور سمجھوتے کے خلاف ہیں اور جو یہ چاہتے ہیں کہ اسرائیل نہ صرف پورے مقبوضہ علاقے خالی کردے بلکہ جن کا خیال ہے کہ اسرائیل کا وجود ہی غیر قانونی ہے۔ 16 جولائی 1979 کو صدر بکر نے استعفیٰ دے دیا اور صدام حسین تکریتی نے حکومت سنبھال لی۔ اس نے بعث پارٹی کے اختیارات کم کردیے۔ ایران اور عراق کے درمیان 1980 میں شط العرب کے سلسلے میں جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ 8 سال تک چلی اور اس کے نتیجہ میں دونوں ملکوں کی تیل کی پیداوار بہت کم ہوگئی۔ بہت سے لوگ مارے گئے اور خوب آپسی بربادی ہوئی۔ زہریلی گیسوں کا استعمال ایران اور عراق دونوں نے کیا۔ 1987 میں عراق نے امریکہ کے ایک جہاز پر حملہ کردیا جس میں 37 جہازی مارے گئے۔ 1988 میں اقوام متحدہ نے جنگ بندی کرادی۔ اکتوبر 1990 میں عراق اور ایران میں سفارتی تعلقات بحال ہوگئے۔ صدام حسین کی جابرانہ حکمت عملی اور اسلحہ جمع کرنے کی رفتار نے بین الاقوامی تنقید کا سامان مہیا کردیا۔ امریکہ، خصوصاً، اس لیے ناراض ہوا کہ اس نے ایران کے خلاف عراق کی مدد کی تھی۔

2 اگست 1990 کو عراقی فوجیوں نے کویت پر حملہ کردیا اور اس پر اپنے حق کا اعلان کیا۔ اقوام متحدہ نے عراق کے خلاف، امریکہ کے دباؤ ڈالنے سے، بہت سی اقتصادی پابندیاں عائد کردیں لیکن صدام حسین نے کویت سے اپنی فوجیں واپس بلانے سے انکار کردیا۔ 16 جنوری 1991 میں متحدہ فوجیوں نے عراق پر حملے شروع کردیے۔ عراق نے اسکڈ بم اسرائیل اور سعودی عرب پر پھینکے۔ لیکن متحدہ فوجوں نے جلد ہی عراقی فوجیوں کو کویت سے باہر نکال دیا۔ صدام حسین گو کہ عراق کے حاکم ہیں لیکن ملک میں اسلحہ جمع کرنے کی سہولت ختم ہوگئی۔ تجارتی پابندیاں پورے 1992 میں لگی رہیں اور اقوام متحدہ نے اپنے جانچ کرنے والے انسپکٹر اسلحہ کی جانچ کے لیے مقرر کردیے۔ اس جنگ کے نتیجے میں عراق کے شہر اور بندرگاہ سب بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ گئے اور ہزاروں عراقی پناہ گزیں بن کر ایران، ترکی اور اردن چلے گئے۔ عراق کے بڑے مسائل اپنی فوجی طاقت کو بحال کرنا اور اپنی آبادی کو روزی اور روٹی مہیا کرنا ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

عرب جزیرہ نما: مغربی ایشیا کا بہت بڑا خشک ریگستانی علاقہ ہے۔ اس کے شمال میں عراق اور اردن واقع ہیں۔ مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان کا پھیلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ آبنائے ہرمز ان دونوں کو جوڑتا ہے۔ مغربی ساحل کے ساتھ بحیرۂ احمر پھیلا ہوا ہے۔ جنوب میں خلیج عدن اور بحیرۂ عرب کا پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ شمال مغرب میں نہر سویز کا راستہ بین الاقوامی اہمیت رکھتا ہے۔

عصر برفانی (عہد یخ) (Ice Age): ایسا برفانی زمانہ جس میں کئی براعظموں کے وسیع علاقے برف کی چادروں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ علاقے گلیشیائی عمل سے کافی متاثر ہوئے۔ ان کی آب و ہوا بہت سرد تھی۔ بیشتر پانی کے سمندر تک نہ پہنچنے اور برف کی شکل اختیار کر لینے کے باعث عصر برفانی میں سمندر کی سطح بھی کافی نیچی رہی۔ اہم برفانی زمانے کاربونیفیرس اور پلیسٹوسین عہد میں نمایاں ہوئے۔ عظیم عصر برفانی 600,000 سال قبل شروع ہوا۔ اس زمانہ میں شمالی براعظموں کی برفانی چادروں کا پھیلاؤ 21 ملین مربع کلو میٹر تک پہنچ گیا تھا۔ جنوبی نصف کرہ میں ایسی چادروں کی وسعت کا ہنوز اندازہ نہیں کیا جا سکا ہے۔

عظیم عصر برفانی میں گلیشیائی حرکت کی بڑھتی ہوئی مدتوں کے اعتبار سے درج ذیل چار منزلیں نمایاں ہیں۔

یورپی منزلیں	شمالی امریکہ کی منزلیں
ورم	وسکانسن
رس	الینوئین
منڈل	کنسن
گنز	نبراسکن

عظیم سیلاب کا نظریہ (Diluvial Theory): اس نظریے کے مطابق وسیع پیمانے پر پائے جانے والے سطحی ذخائر (جن کا اب گلیشیائی ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے) اور کچھ دوسرے ارضیاتی وقوعات اور عوامل ایک قدیم عالمی سیلاب کے ذریعے پیدا ہوئے ہوں گے۔

عقبہ: یہ بحیرۂ قلزم کے شمال مشرقی سرے پر ایک خلیج ہے جو عرب اور جزیرہ نمائے سینائی کے درمیان واقع ہے۔ اس کی لمبائی 100 میل اور چوڑائی 12 تا 17 میل ہے۔ اس کے کنارہ پر تقریباً 2,000 فٹ بلند سلامی دار پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس میں جگہ جگہ مونگوں کی چٹانیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے مشرقی ساحل پر اسی نام کا ایک شہر بھی آباد ہے جو اردن کا اہم بندرگاہ ہے۔ دوسرا بڑا بندرگاہ 1949 میں قائم ہوا ہے۔

عکرہ: جمہوریہ گھانا کا یہ صدر مقام ہے۔ خلیج گنی کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 491,060 تھی۔ سترہویں صدی میں یہاں ڈنمارک، ہالینڈ اور برطانیہ نے قلعے بنائے تھے۔ ان ہی قلعوں کے اطراف، یہ شہر بسایا گیا ہے اور آج تک آباد ہے۔ 1876 میں یہ کیپ کوسٹ کی جگہ مقامی ریاست کا صدر مقام بنا۔ 1923 میں یہاں ریل تعمیر ہوئی اور اس وقت سے یہ اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ گھانا کا یہ تجارتی مرکز اور عصری شہر ہے۔ یہاں ایک بین الاقوامی طیران گاہ ایرپورٹ ہے، معدنیات کی کانیں ہیں۔ زراعت میں کوکو کی پیداوار کا مرکز ہے۔ یہاں کی صنعتوں میں اینٹ سازی، ٹائیل سازی، مچھلی کو ڈبوں میں بند کرنے کے کارخانے ہیں۔ پھل اور کوکو یہاں سے برآمد کیے جاتے ہیں۔

عکسی نمائش (ہیئت) طبعی: طبعی حالات کی افقی سمتوں سے لی ہوئی تصویریں صرف یک رخی مناظر پیش کرتی ہیں۔ پستیوں اور بلندیوں کے صحیح فرق اور ڈھلانوں کی نوعیت کا ان سے ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ تصویروں میں سایہ کے ہلکے یا گہرے پھیلاؤ اور ارتقائی تغیرات کے باہمی رشتہ کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لیے مطالعہ میں سہولت پیدا کرنے کے لیے تصویر کے حاشیہ میں حسب ذیل کی صراحت کر دی جاتی ہے۔

(1) کیمرہ کے عدسہ کی قسم اور جھکاؤ۔ (2) ماسکی فاصلہ۔ (3) تصویر کا سلسلۂ نشان۔ (4) نقشہ کا حوالہ۔ (5) شمال کی سمت۔ (6) عکس کشی کی تاریخ اور وقت۔

عدسہ کے جھکاؤ اور ماسکی فاصلہ کے اعتبار سے تصویر کے افقی پیمانہ کا تعین ہوتا ہے اور سایہ کے پھیلاؤ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ سلسلۂ نشان نقشہ کے حوالہ اور سمت کی مدد سے تصویر میں دکھائے ہوئے علاقہ کو متعلقہ سروے شیٹ یا بڑے پیمانہ کے نقشہ میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ اور وقت کی روشنی میں اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ زیر مشاہدہ تصویر پر عکس کشی کے دوران روشنی کس سمت سے اور کتنی شدت سے پہنچ رہی ہوگی۔ اسی سمت سے تصویر پر مناسب روشنی ڈال کر طبعی حالات کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔

کبھی ہوائی جہاز میں بیٹھ کر کیمرہ کے ذریعہ ہر منتخبہ علاقہ کی دو دو تصویریں ایک ہی وقت میں لے لی جاتی ہیں۔ انھیں مجسم بین کی مدد سے بغور دیکھ کر طبعی حالات کا صحیح مشاہدہ کر لیا جاتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

علم ارضی طبعیات (Geophysics): یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ ہم زمین اور اس کے طبقات کی طبعی خصوصیات کو معلوم کرتے ہیں۔ چونکہ زمین کے اندرونی حصہ میں انتہائی گرمی ہے۔ لہذا وہاں تک کسی کا پہنچنا ناممکن ہے۔ اس علم کے ذریعہ ہم سطح زمین سے ہی زمین کی اندرونی ساخت کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ زمین کی کشش اور اس کی گردش، زلزلوں سے پیدا شدہ لہروں کی خصوصیات اور ان کا علم، زمین کی اندرونی حرارت کا اندازہ اور اس حرارت کا طریقہ اخراج وغیرہ کا علم بھی ہم کو اسی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ آتش فشانی اور اس سے متعلق تفصیلات معلوم کرنے میں علم البحر یا بحریات (Oceanography)، موسمیات (Meterology) اور آب وہوا (Climatology) کا اندازہ کرنے اور تابکاریت (Radioactivity) کی معلومات حاصل کرنے میں بھی علم ارضی طبعیات کا بڑا ہاتھ ہے۔

زمین کے حجرات کی طبعی خصوصیات معلوم کرنے کے بعد ان میں جو نمایاں فرق ملتا ہے اس کے ذریعہ زمین کے طبقات کی ساخت، جسامت اور موٹائی وغیرہ کا اندازہ کیا جاتا ہے جو کہ جمادات اور کچھ دھات اور ان کی کان کنی کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ علم ارضی طبعیات کے ذریعہ جو اصول بنائے جاتے ہیں اس کے لیے کچھ خاص طریقے ہیں جو کہ طبعی اصولوں پر مبنی ہیں جیسے کشش ارضی (Gravitational)، مقناطیسی (Magnetic)، برقی (Electrical)، قدرتی تابکاریت، حرارت کا تفاوت (Temparature Gradient)، زلزلہ خیزی (Seismic)، برقی مدافعت (Electrical Resistivity) وغیرہ۔

علم ارضیات (Geology) : علم ارضیات سائنس کا وہ شعبہ ہے جس میں زمین کی ابتداء، ارتقاء، ترکیب اور ماہیت پر بحث کی جاتی ہے۔ علم ارضیات کو انگریزی میں جیالوجی (Geology) کہتے ہیں۔ جیالوجی کو ہم مختصراً زمین کی سائنس بھی کہہ سکتے ہیں۔ جیالوجی کے بارے میں سب سے پہلے یونانی مفکر ارسطو (384 تا 322 ق.م.) کے پاس ہلکے سے مبہم اشارے ملتے ہیں۔ لیکن جہاں دوسرے سارے علوم کی ابتدا کا سہرا ارسطو کے سر ہے وہیں ارسطو نے زمین کے بارے میں اپنے نظریوں کی وجہ سے اس شعبۂ علم کی ابتدا میں بدخدمتی کی۔ ارسطو کا نظریہ تھا کہ قدرت میں تمام اشیا چار عناصر یعنی پانی، آگ، ہوا اور مٹی سے بنی ہیں۔ ارسطو نے حجرات کے بارے میں کہا تھا کہ یہ سورج اور تاروں کے زیر اثر بنتے ہیں اور یہ کہ زمین خود اپنے اندر ایک دہکتی آگ کا گولہ ہے جس کی زبردست آگ سے محفوظ رہنے کے لیے آتش فشاں پہاڑ بنائے گئے ہیں۔ ارسطو کے یہ نظریات ایک زمانے تک اہل علم کے پاس قابل قبول تھے جس کی وجہ سے جیالوجی بڑی حد تک مذہبی علوم اور فلسفہ کا حصہ بنی رہی۔ یہ ارسطو کا ہی اثر ہے کہ آج تک بھی پتھروں اور قیمتی جواہرات کے بارے میں یہ توہم عام ہے کہ ان کا تعلق ستاروں کی گردش سے ہے۔

بالآخر سولھویں صدی کے وسط میں ارسطو کے ان نظریات کا سحر ٹوٹا جب ایک جرمن سائنسداں اگریکولا (Agricola) نے حجرات کی پیدائش اور ارتقا کے سلسلے میں زمینی ماحول کے اثرات کو ہی ذمہ دار ٹھہرایا۔ 1788 میں ایک اسکاچ ماہر ارضیات جیمس ہٹن (James Hutton) نے اسکاٹ لینڈ اور یوروپی ممالک کے تفصیلی جائزوں کے بعد جب یہ نظریہ پیش کیا کہ زمانہ حال، ماضی کی کنجی ہے (Present is the key to Past) تو صحیح معنوں میں علم ارضیات کی بنیاد پڑی۔ گویا سترہویں صدی سے علم ارضیات ایک واضح شعبہ سائنس کی حیثیت سے موجود ہے۔ اس طرح اس شعبہ نے گزشتہ تین سو سال کے دوران زبردست ترقی کی۔ جیالوجی یا علم ارضیات کے دو اہم مقاصد ہیں۔ ایک طرف تو یہ علم زمین کی ابتداء، ارتقا اور ساخت کو سمجھنے کی مسلسل کوشش میں مدد دے رہا ہے تو دوسری طرف زمین کے خواص اور ان کے اطلاقی تجربوں کی مدد سے زمین کے وسائل کو دنیا پر آشکار کرتا ہے جس سے انسانی تہذیب دنیا میں روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

علم ارضیات یا جیالوجی کی کئی اہم شاخیں ہیں، جن کی مدد سے زمین کے بارے میں مطالعہ ممکن ہو سکتے ہیں۔ ان شاخوں کے بارے میں مختصر تعارف درج ذیل ہے: (1) علم قلمیات یا قلمیات نگاری (Crystallography)۔ (2) علم جمادات (Mineralogy)۔ (3) علم حجریات (Petrology)۔ (4) ارضی کیمیا (Geochemistry)۔ ان شعبوں کی وجہ سے زمین کی ترکیب اور ماہیت کو سمجھنے میں مدد لی جاتی ہے۔ (5) ساختیاتی ارضیات (Structural Geology)۔ (6) ارضی طبعیات (Geophysics)۔ ان علوم کی مدد سے زمین کی خشکی اور سمندروں کے علاقوں کی ساخت کے بارے میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ (7) طبقات الارض نگاری (Stratigraphy)، (8) تاریخی ارضیات (Historical Geology) (9) رکازیات (Philaeontalogy)۔ (10) طبعی ارضیات (Physical Geology)۔ ان علوم کی مدد سے زمین کے طبعی، کیمیائی اور نامیاتی ماحول اور عوامل کو سمجھنے اور اس کی تاریخ کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

علم الزلزلہ یا زلزلیات (Seismology): جب کوئی زوردار زلزلہ آتا ہے تو اس کی باقاعدہ تحقیقات کی جاتی ہے کہ زلزلہ کی نوعیت کیا تھی۔ اس کا مرکز کہاں اور اس کا مبدا یا ماسکہ کتنی گہرائی پر تھا۔ زلزلہ سے کتنا اور کس قسم کا نقصان کتنی دور تک ہوا۔ اس کے علاوہ بعض خصوصی آلات کے ذریعہ ان معمولی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

قسم کے زلزلوں کی بابت بھی پتہ لگایا جاتا ہے جن کے جھٹکے ہم محسوس نہیں کرتے لیکن ان آلات کو ایسے جھٹکوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زلزلوں کی تحقیقات سے متعلق علم کو علم الزلزلہ یا زلزلیات (Seismology) کہتے ہیں۔

کسی زلزلے سے مختلف مقامات پر جو کیفیت مشاہدہ میں آتی ہے اس کے مطابق اس مقام پر نوعیت زلزلہ کا تعین کیا جاتا ہے۔ ماہرین نے جو پیمانہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق ایک سے لے کر بارہ نوعیت کے زلزلوں کی فہرست بنائی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ اس پیمانہ کو ترمیم شدہ مرکیلی کا پیمانہ (Modified Mercalli Scale) کہتے ہیں اور یہ رومن نمبروں میں لکھے جاتے ہیں۔

شدت زلزلہ	مقدار زلزلہ	کیفیت
I	آلاتی	صرف زلزلہ پیما آلات ہی ان کو محسوس کرتے ہیں۔
II	بہت معمولی یا کمزور	صرف چند لوگوں کو ہی احساس ہوتا ہے، نزاکت سے لٹکی چیزیں جنبش کر سکتی ہیں۔
III	معمولی	اندرون مکان خصوصاً بالائی منزل پر مکین لوگوں کو زلزلے کے جھٹکوں کا احساس ہوتا ہے لیکن بعض لوگوں کو زلزلہ کا صرف شک ہی ہوتا ہے۔
IV	معتدل یا اوسط	راہ چلتے لوگ محسوس کر لیتے ہیں۔ غیر آویزاں چیزوں میں کھڑکھڑاہٹ یا جنبش ہوتی ہے۔ دروازے اور کھڑکیوں میں کھڑکھڑاہٹ ہوتی ہے، کھڑی ہوئی موٹر کاریں قدرے ہل جاتی ہیں۔
V	محسوس کن یا قدرے زوردار	تقریباً ہر ایک کو ہلکا جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔ بیشتر سوتے ہوئے لوگ جاگ جاتے ہیں۔ لٹکی ہوئی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ بسا اوقات پلاسٹر میں رخنے آجاتے ہیں۔
VI	زوردار	سب کو زلزلے کا احساس ہوتا ہے۔ بعض لوگ خائف ہو کر گھروں سے باہر نکل آتے ہیں۔ پلنگ ہلتے ہیں۔ گھروں میں چیزیں گر جاتی ہیں۔ دیواروں کے پلاسٹر میں رخنے پیدا ہو جاتے ہیں۔
VII	شدید	سب لوگ گھبرا جاتے ہیں اور بیشتر لوگ گھروں سے باہر نکل آتے ہیں۔ کار چلاتے ہوئے لوگ تک جھٹکا محسوس کرتے ہیں۔ کمزور عمارتیں شکستہ ہو جاتی ہیں، اچھے قسم کے بنے ہوئے مکانوں میں معمولی نقصان ہوتا ہے۔ بسا اوقات مینار اور ستون وغیرہ ٹوٹ جاتے ہیں۔
VIII	نقصان کن	عام عمارات کو کافی نقصان پہنچتا ہے لیکن خاص طریقہ سے بنائی ہوئی عمارات میں معمولی نقصان ہوتا ہے۔ کار چلانے میں دشواری ہوتی ہے اور مینار وغیرہ منہدم ہو جاتے ہیں۔ لوگوں میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے لیکن جانی نقصان نہیں ہوتا ہے۔
IX	تباہ کن	بیشتر عمارات بالکل شکستہ ہو جاتی ہیں اور کچھ منہدم ہو جاتی ہیں۔ زیر زمین نلکوں اور پائپوں میں رخنے پڑ جاتے ہیں، زمین میں شگاف بھی پڑ سکتے ہیں، کچھ جانی نقصان بھی ہو سکتا ہے۔
X	بہت تباہ کن	زمین میں بری طرح شگاف پڑ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

		جاتے ہیں۔ ریل کی پٹریاں ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ بہت سی عمارات منہدم ہو جاتی ہیں۔ کافی جگہ جانی نقصان ہوتا ہے۔ پہاڑوں کے ڈھلوان پر چٹانیں ٹوٹتی ہیں اور ملبا کھسکنے لگتا ہے۔
XI	مکمل تباہ کن	صرف چند عمارات ہی قائم رہ پاتی ہیں۔ پل، ریلوے لائنیں، باندھ وغیرہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ زمین میں بڑے چوڑے شگاف پڑ جاتے ہیں اور زیر زمین پائپ وغیرہ مکمل طور پر ٹوٹ جاتے ہیں۔ بسا اوقات دریاؤں میں سیلاب بھی آجاتا ہے۔
XII	قیامت خیز	مکمل تباہی۔ اشیا اپنی جگہ سے اچھل کر گرتی ہیں۔ زمین میں لہریں پیدا ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ تمام عمارات منہدم ہو جاتی ہیں۔

ٹیکٹانیکی زلزلوں کا مخرج سطح زمین کے نیچے کسی مقام پر ہوتا ہے۔ اس جگہ کو زلزلہ کا ماسکہ یا مبدا (Focus) کہتے ہیں اور ماسکہ کے ٹھیک اوپر سطح زمین پر جو مقام ہوتا ہے اسے زلزلہ کا مرکز (Epicentre) کہتے ہیں۔ مرکز کے قریب کے علاقوں میں زلزلہ کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس سے دور یہ بتدریج کم ہوتا جاتا ہے۔ زلزلوں کی آمد کے بعد ان علاقوں کا زلزلے کے اثر کے اعتبار سے نقشہ بنایا جاتا ہے۔ جن جگہوں پر زلزلے کا اثر یکساں ہوتا ہے ان جگہوں کو ایک خط سے ملایا جاتا ہے۔ ایسے خطوط کو خطوط یکساں نوعیت زلزلہ (Isoseismal Lines) کہتے ہیں۔ ماسکہ کی گہرائی کے اعتبار سے زلزلوں کی تین قسمیں ہیں۔

(1) بالائی یا اوپری: ان کا ماسکہ 60 کلو میٹر سے کم گہرائی پر ہوتا ہے۔

(2) درمیانی: ان کا ماسکہ 60 کلو میٹر سے 300 کلو میٹر کی گہرائی پر ہوتا ہے۔

(3) عمیق یا گہرے: ان کا ماسکہ 300 کلو میٹر سے زائد گہرائی پر ہوتا ہے۔

کسی جگہ پر کسی زلزلے سے تباہی یا اثر کئی چیزوں پر منحصر ہے جیسے زلزلہ کے ماسکہ کی گہرائی اور اس کے مرکز کی دوری، وہاں پر زمین کی ساخت اور زلزلہ سے اخراج شدہ قوت جس کو زلزلہ کی قوت (Magnitude of Earthquake) کہتے ہیں۔ اس قوت کا اندازہ خاص قسم کے زلزلہ پیما آلات کے ذریعہ کیا جاتا ہے جن کا استعمال انیسویں صدی کے شروع سے ہوا ہے۔ قوت زلزلہ کو عام ہندسوں میں لکھا جاتا ہے۔ اس صدی میں جتنے زلزلے آئے ہیں ان میں سے صرف چند 8.4 قوت سے زیادہ کے ہیں۔ زلزلوں کی پیمائش کے آلات کو سیسموگراف یا زلزلہ پیما (Seismograph) کہتے ہیں۔ یہ آلے بہت عام فہم اصول پر کام کرتے ہیں۔ ان آلات میں خاص چیز ایک سوئی یا قلم ہوتا ہے جو ایک بہت نازک اسپرنگ کے ذریعہ لگا یا لٹکا ہوتا ہے اور اس کی نوک ایک مستقل گھومتے ہوئے استوانہ یا (Cylinder) بیلن پر جس پر ایک کاغذ لپٹا ہوتا ہے ٹکی رہتی ہے۔ جیسے ہی کوئی زلزلہ کا جھٹکا آتا ہے یہ بیلن مسلسل گھومتا رہتا ہے اور اس پر ٹکی سوئی متحرک لکیریں بنا دیتی ہے۔ چونکہ استوانہ یا بیلن ایک خاص رفتار سے گھومتا ہے اس لیے کس وقت اور کتنی دیر تک زلزلے کے جھٹکے آئے ان کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ زلزلہ پیما آلات مختلف مقامات پر بنی تجربہ گاہوں میں لگے ہوتے ہیں اور زلزلہ کی لہریں ان تجربہ گاہوں میں زلزلہ کے ماسکہ کی دوری کے اعتبار سے مختلف اوقات میں پہنچتی ہیں۔ ان تجربہ گاہوں کی آپس کی دوری اور زلزلہ کی آمد کے اوقات کے اعتبار سے زلزلہ کے ماسکہ کے مقام کا تعین کر لیا جاتا ہے۔ زلزلوں کے جھٹکوں سے زمین میں کئی قسم کی لہریں پیدا ہوتی ہیں ان میں طولی (گھومتی) موجیں (Longitudinal Waves) اور عرضی موجیں (Transverse Waves) خاص ہیں۔ ان کے علاوہ لو موجیں (Love Waves) یا ریلے موجیں (Releigh Waves) وغیرہ بھی ہوتی ہیں جو زمین کے اوپری حصہ میں ملتی ہیں۔ زلزلروں سے پیدا شدہ ان لہروں کی مدد سے زمین کے اندرونی طبقات کی ساخت کے بارے میں بھی پتہ لگایا جاتا ہے۔

عمّان : یہ سلطنت اردن کا دارالحکومت ہے۔ آبادی تقریباً سات لاکھ ہے۔ عربوں کی بڑی اکثریت ہے۔ عمان ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ توریت اور انجیل میں اس کا ذکر آیا ہے۔ گیارہویں صدی ق.م. میں یہ حضرت داؤد کے قبضہ میں آ گیا تھا لیکن حضرت سلیمان کے زمانہ میں اس نے پھر آزادی حاصل کر لی۔ آٹھویں صدی ق م میں یہ اسیری سلطنت کے تحت آیا۔ مصر کے یونانی حکمراں بطلیموس دوم نے اس کا نام فلاڈلفیا رکھا تھا۔ 30 ق م میں رومنوں نے اس کی پھر سے تعمیر کی۔ عمان سے تقریباً دو سو میل دور "پٹرا" کے مقام پر ایک قدیم شہر اور اس میں رومنوں کی بنائی ہوئی عمارتوں کے آثار موجود ہیں۔

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

635ق م میں عمان پر عربوں نے قبضہ کیا۔ 1921 میں یہ ماورائے اردن کا پایہ تخت بنا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، فلسطین کے علاقہ میں اسرائیلی حکومت بننے کے بعد، بے شمار عرب پناہ گزیں اردن آگئے۔ کچھ یہاں کی زندگی میں جذب ہو گئے اور کچھ کیمپوں میں رہنے لگے۔ اس کی وجہ سے اردن کی آبادی کافی بڑھ گئی۔

عمان ایک کافی بڑا تجارتی مرکز ہے اور اطراف کے ملکوں کے حاجی بڑی تعداد میں یہاں سے ہو کر مکہ معظمہ جاتے ہیں۔

عُمان (Oman): سلطنت عمان جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 212,380 مربع کلو میٹر (82,000 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 1,534,000 ہے۔ پہلے یہ مسقط و عمان کہلاتا تھا۔ یہ شمال میں سعودی عرب نیز متحدہ عرب امارات سے اور مغرب میں عرب اور یمن سے گھرا ہوا ہے۔ شمال مشرق اور جنوب میں خلیج عمان اور بحیرۂ عرب واقع ہیں۔ اس کا صدر مقام مسقط ہے۔ عمان خلیج عمان اور بحیرۂ عرب کے ساحل پر تقریباً 1600 کلو میٹر (ایک ہزار میل) تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ ساحلی میدان پر مشتمل ہے جس کی پشت میں ایک پہاڑی سلسلہ اور سطح مرتفع واقع ہے۔ انتہائی شمال میں کھجور اور جنوب مغرب میں گنا بکثرت پیدا کیا جاتا ہے۔ مویشی بھی بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔ ملک کا بقیہ حصہ بنجر اور غیر آباد ہے۔ شہروں کی آبادی کا بڑا حصہ ہندوستانیوں، پاکستانیوں حبشیوں اور بلوچیوں پر مشتمل ہے، لیکن دیہاتی علاقوں میں عربوں کی اکثریت ہے۔ ساحل عمان کے زیادہ تر حصے پر 1508 سے 1659 تک پرتگالیوں کا قبضہ رہا۔ اس کے بعد وہ ترکوں کے اقتدار میں آگیا۔ 1741 میں یمن کے احمد بن سعید نے انھیں نکال باہر کیا اور موجودہ شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں عمان عربستان کی سب سے زیادہ طاقتور ریاست تھی جس کے قبضہ میں زنجبار کے علاوہ ایران اور بلوچستان کا ساحل کا بڑا علاقہ شامل تھا لیکن 1856 میں زنجبار عمان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور بلوچستان کے ساحل پر واقع شہر گوادر (Gwadar) کو 1958 میں پاکستان کے حوالے کرنا پڑا۔ عمان کے برطانیہ سے قریبی معاہداتی تعلقات رہے ہیں۔ 1957 میں اندرونی علاقے کے قبائیلیوں نے بغاوت کر دی تھی لیکن اسے برطانیہ کی مدد سے فرو کر دیا گیا۔ عمان کا اپنے ملحقہ متحدہ عرب امارت کے علاقہ عمان سے کوئی تعلق نہیں رہا اور عمان کے مغربی علاقہ میں ایک عرصہ تک بغاوت چلتی رہی جسے ایران کے ہوا بازوں اور فوج اور مغربی امداد سے دبانے کی کوشش کی گئی۔ 1965 میں اقوام متحدہ نے برطانیہ کے اقتدار کو یکسر ختم کر دیا۔ 1970 میں شاہ سعید ابن تیمور کو اس کے بیٹے قابوس بن سعید نے معزول کر دیا اور اب شاہ قابوس حکمراں ہیں۔ شاہ قابوس نے وعدہ کیا کہ تیل کی آمدنی کا اکثر حصہ ملک کی ترقی کے لیے خرچ کیا جائے گا اور یہی کیا۔ تیل جاپان، اسپین اور مغربی جرمنی کو جاتا ہے۔ درآمدات برطانیہ، عرب امارات، جرمنی اور ہندوستان سے آتی ہیں۔ رائج سکہ عمانی ریال ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 277,370 طالب علم اور 10,184 استاد، ثانوی مدارس میں 119,497 طالب علم اور حرفی اسکولوں میں 2,680 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں اور یونیورسٹی میں 3,615 طالب علم تھے۔ عمان نے 1971 میں اقوام متحدہ اور عرب لیگ کی رکنیت اختیار کرلی۔ لیکن یہ OPEC کا ممبر نہیں بنا۔ عمان نے خلیجی تعاون کاؤنسل (گلف کوآپریشن کاؤنسل) کی بنیادی رکنیت حاصل کرلی۔ 1991 میں کویت اور عراق کی جنگ میں متحدہ افواج کے لیے عمان میں اڈے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی۔

عمر پیمائی (Dating): کسی ارضیاتی ترتیب یا حیاتی باقیہ کی عمر معلوم کرنا عمر پیمائی کہلاتا ہے۔ عمر پیمائی کے تمام طریقے اس بنیادی اصول پر مبنی ہیں کہ کچھ تبدیلیاں جو ارضیاتی مادوں کے بنیادی خواص یا اکتسابی (Induced) خواص سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی رفتار مستقل طور پر یکساں رہتی ہے۔ اس طرح ابتدائی شکل سے موجودہ شکل تک تبدیلیوں کی مقدار اور اس تبدیلی کی رفتار کی مدد سے ان ارضیاتی مادوں کی عمر معلوم کی جاسکتی ہے۔

عمر = تبدیلیوں کی کل مقدار / تبدیلی کی اوسط رفتار

عمر پیمائی کے کچھ قدیم و جدید طریقے حسب ذیل ہیں:

(1) زمین کی موجودہ گردشی رفتار اور زمین کی گردشی رفتار کے بتدریج کم ہونے کی شرح کی پیمائش کی مدد سے زمین کی عمر معلوم کی جاسکتی ہے۔ (2) مائع حالت سے ٹھوس شکل میں تبدیل ہونے میں حرارت کے اخراج اور تبدیلیوں یعنی زمین کے سرد ہونے میں صرف ہونے والے وقت کے تخمینہ کی مدد سے بھی زمین کی عمر معلوم کی جاسکتی ہے۔ (3) ندیوں کے ذریعے تجرات سے حاصل شدہ نمکوں کے انتقال کی رفتار اور اس مفروضے کے تحت کہ ابتدا میں سمندر میٹھے پانی کا تھا، موجودہ کھاری پن کی پیمائش کی مدد سے سمندر کی عمر معلوم کی جاسکتی ہے۔ ان پرانے طریقوں سے زمین کی عمر کا اندازہ محض دس کروڑ سال (100 Million Years) لگایا گیا تھا جو اصل سے بے حد کم ہے۔ (4) رسوبیت کی رفتار کی پیمائش سے۔ مثلاً تمام ظاہر حیاتیاتی زمانے (Phanerozoic) کے تمام رسوبی طبقات کی کل دبازت یا موٹائی (Thickness) 45 لاکھ فٹ اور ایک ہزار سال میں ایک فٹ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کی اوسط رسوبیت کی رفتار کے اندازے سے کیمبرین دور کی شروعات 45 کروڑ سال قبل ہوئی ہوگی جو جدید ترین عمر پیمائی کے اندازے کے مطابق تقریباً صحیح ہے۔ دراصل بہت سے دوسرے عوامل کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ صحیح عمر معلوم کی جاسکے۔(5) موجودہ دور میں تابکار عمر پیمائی (Radiometric Dating) ہی کے ذریعہ صحیح عمر کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ کوئی آئسوٹوپ یا تابکار عنصر منتشر (Disintegrate) ہو کر دوسرے آئسوٹوپ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یورینیم 238 مختلف مراحل طے کر کے پہلے یورینیم اور آخر میں سیسہ (Pb-206) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پوٹاشیم (K-40) آرگن (Ar-40) میں اور ربیڈیم (Rb-97)، اسٹرانشیم (Sr-87) میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ان آئسوٹوپوں اور عناصر کی تناسبی موجودگی اور اس تبدیلی کی رفتار یا نصف عمر (Half-age) کی مدد سے حجرات اور ان کی جمادات کی پیدائش کی عمر کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ جس طرح اب تک کے قدیم ترین حجرات مغربی گرین لینڈ کے ایمفی بولائٹ (Amphibolite) اور فلیسک نائیس (Felsic Gniess) ہیں جن کی عمر 4 بلین سال (4 Billion Years) یا 4 ارب سال تخمینہ کی گئی ہے اور یہ قشر ارضی کی قدیم ترین عمر ہے۔ بطور سیارہ زمین کی پیدائش کی عمر کا اندازہ شہاب ثاقب کی عمر پیمائی سے کیا جاسکتا ہے اور قدیم ترین شہاب ثاقب ساڑھے پانچ بلین (ارب) سال قبل کے مل چکے ہیں۔ اس لیے بطور سیارہ زمین کی عمر تقریباً 5.5 بلین یا ساڑھے پانچ بلین (ارب) سال ہے۔

نسبتاً کم عمر حجرات یا رکازات (Fossils) کی عمر پیمائی میں کاربن C-14 کے آئسوٹوپ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ (غیر تابکار کاربن C-12 ہوتا ہے) اس طریقے کو کاربنی عمر پیمائی (Carbon Dating) کہتے ہیں۔

عمودی ارضی حرکات: براعظم سازی، ہم نشستی اور بین براعظمی سمندر (Eperogeny, Eustatic & Epeiric Seas): معدوسیاتی جغرافیائی (Paleogeography) مشاہدات نے اکثر سائنس دانوں کو یہ یقین کرنے پر مجبور کیا کہ وسیع پیمانوں پر براعظموں کی غرقابی (Submergence) اور تقریباً مکمل سر بلندی (Emergence) کے زمانے باری باری سے آتے رہتے ہیں۔ قدیم حیاتی (Palaeozoic) اور وسط حیاتی (Mesozoic) عہدوں میں بالائی سمندروں (جو براعظم پر واقع تھے) نے شمالی امریکہ کا 30 سے 50 فی صد علاقہ گھیر رکھا تھا۔ جبکہ دوسرے زمانوں میں بحری اور بری تناسب آج کل کی طرح ہی رہا تھا۔ اس بنیاد پر طبقاتی ریکارڈ (Stratigraphic Record) کی بھی فطری تقسیم کی جاسکتی ہے کیونکہ ان حرکات کی وجہ سے بحری طاسوں (Basins) کا حجم بھی ضرور کم یا زیادہ ہوا ہوگا۔ اور اس کے باعث سطح سمندر میں بھی ضرور تبدیلی آئی ہوگی۔ یعنی حجم کم ہونے کی صورت میں سطح کا نیچے ہونا اور حجم بڑھنے کی صورت میں سطح سمندر کا اونچا ہو جانا۔ اس تبدیلی نے تمام براعظموں کو ضرور متاثر کیا ہوگا۔ اگر براعظم قیام پذیر یا مستحکم (Stable) رہے ہوں اور اس طرح کی عمودی ارضی حرکات بحری طاسوں تک ہی محدود رہی ہوں تو ایک علاقے میں سر بلندی (Uplift) کے زیر اثر دوسرے علاقوں میں یقیناً نشیب (Depression) پیدا ہوا ہوگا تاکہ توازن قائم رہے اور سطح سمندر اپنی جگہ قائم رہے۔ لیکن اگر مثبت حرکات (سر بلندی Uplift/ Emergence) اور منفی حرکات (زیر نشینی Subsidence) میں توازن قائم نہ رہا ہو تو سطح سمندر میں بہر حال تبدیلی ہوئی ہوگی۔ اس کے بڑھ جانے سے عالمی سیلاب کی قسم کی صورت رونما ہو سکتی ہے اور کیونکہ اسی طرح سمندر براعظموں کی طرف بڑھ کر بے حد تیزی سے ان کو ڈھک لیں گے، یہ صورت تمام زمین پر ایک ہی وقت میں پیدا ہوئی ہوگی اور اس طرح طبقاتی ریکارڈ کی فطری تقسیم ہو گئی ہوگی۔

کمیتی اعتبار سے (Quantitatively) سطح سمندر کے 200 فٹ اونچا ہو جانے کے لیے پچاس لاکھ مکعب میل حجم کے پانی کا ہٹنا ضروری ہے اور یہ حجم بحر آرکٹک کے کل حجم سے بھی زیادہ ہے اور تمام بحری حجم کا تقریباً (ڈیڑھ) فی صد شمالی اٹلانٹک کا پورا فرش بھی 200 فٹ بلند ہو جانے پر بمشکل اس قدر پانی کو ہٹا سکے گا یا خشکی پر دھکیل سکے گا۔ لیکن اس امر کے کافی شواہد موجود ہیں کہ کچھ ادوار میں وسیع پیمانے پر براعظم سربلند اور دوسرے اوقات میں زیر نشیں رہے ہیں۔ مثلاً قدیم حیاتی عہد کے اختتام کے قریب پرمین زمانہ کے بحری راستے اور خطے بتدریج گھٹتے گئے اور غیر بحری سرخ رسوب جمع ہونے شروع ہوئے لیکن آرڈوویشین زمانہ میں (Ordovician) کاربونی فیرس (Carboniferous) اور کریٹیشیس (Cretaceous) زمانہ میں سارے سمندر بے حد وسیع تھے۔

عمودی گسل یا عمودی اختلال: عمودی گسل، دراصل عمل اختلال کی ایسی شکل ہے جس میں لٹکتا بازو، قدمی بازو کے مقابلے میں نیچے کی طرف کھسک جاتا ہے۔ اس طرح کے اختلال میں حجرات اور ان کی پرتیں کچھ سینٹی میٹر سے لے کر کئی سو میٹر کے فاصلوں تک ایک دوسرے سے دور ہو جاتی ہیں۔

عہد (Era): دوسری بڑی ارضیاتی وقتی اکائی۔ جس کی ابتدا اور آخری حدود کی نشان دہی عالمی طور پر یکساں ہو، اور جس کے دوران بنے ہوئے حجرات ساری دنیا میں قابل شناخت ہوں۔ ہر عہد میں کچھ مخصوص حجرات بنے ہیں اور خاص قسم کے جانوروں اور درختوں کا ارتقا ہوا ہے، جو کسی اور عہد میں نہیں پائے جاتے تھے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

قدیم حیاتی عہد کے اختتام (یعنی پرمین دور کے ختم ہونے پر) اور وسط حیاتی عہد (یعنی کریٹیشیس دور) کے اختتام پر زبردست حیاتیاتی تبدیلیاں ہوئیں۔ پچھلے عہد کے کئی اہم جانور اور پودے معدوم ہو گئے اور نئے جانداروں کا ارتقا ہوا۔ اس طرح ان عہدوں کی فطری تقسیم عمل میں آئی ہے۔

غ

غرب الہند ۔ جزائر (West Indies): مجمع الجزائر غرب الہند یا ویسٹ انڈیز کا علاقہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیان 4,020 کلومیٹر (2,500 میل) کی لمبائی میں قوس بناتا ہے۔ یہ بحیرۂ کیریبین کو بحر اوقیانوس سے الگ کرتا ہے۔ ان جزائر کو جزائر انٹی لیز (Antilles) بھی کہا جاتا ہے اور انھیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ا۔ جزائر بہاما، ۲۔ اینٹی لیز کبیر (کیوبا، جمائکا، ہیٹی، جمہوریہ ڈومی نکن اور پورٹوریکو) اور 3۔ انٹی لیز صغیر (جزائر لی ورڈ) جزائر ونڈ ورڈ، ٹرینیڈاڈ اور ٹوبیگو اور بارباڈوس اور وینی زویلا کے ساحل کے نزدیک والے جزائر)۔ ان میں سے اکثر اب بھی مغربی ممالک کے مقبوضات یا نوآبادیاں (کالونیاں) ہیں۔ برطانوی زیر انتظام جزائر کے من (Cayman)، جزائر ترک وکائی کوس، اینگو ئیلا مانٹ سیرات (Monteserrat) اور برطانوی ورجن جزائر ہیں۔

ڈچ جزائر غرب الہند میں اروبا اور نیدر لینڈ انٹی لیز (کوراکاؤ بونائیر، سینٹ ایوس ٹے ٹیس، سبا اور سینٹ مارٹن کے کچھ حصے) شامل ہیں۔ فرانسیسی جزائر غرب الہند میں جزائر گواڈالوپ اور مارٹی نیک شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جزائر ورجن (Virgin Islands) امریکہ کے قبضہ میں ہیں۔ جزائر پورٹوریکو ایک خودمختار دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) ہے جو امریکہ سے جڑا ہوا ہے۔ مارگریٹا وینی زویلا کے تسلط میں ہے۔

غرب الہند کے اکثر جزائر کا پتہ کولمبس نے 1492 میں لگایا تھا۔ یوروپی باشندے سب سے پہلے یہاں 1496 میں بسنا شروع ہوئے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ان جزائر کے لیے برطانیہ، فرانس، اسپین اور پرتگال وغیرہ میں کافی لڑائیاں ہوئیں۔ کئی جزیرے عرصے تک قزاقوں (بحری ڈاکوؤں) کا مرکز رہے۔ کئی جزائر میں افریقہ سے غلام لاکر ان کی محنت سے 1600 کے بعد یا سترھویں صدی میں گنے کی کاشت شروع کی گئی۔ ہندوستان سے بھی کافی مزدور بھرتی کرکے اس کام کے لیے لائے گئے جن کی حالت بھی غلاموں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی۔ بعد میں بعض جزیرے شکر کی صنعت اور تجارت کے بڑے مرکز بن گئے۔

اکثر جزیرے پہاڑی ہیں اور ان میں سے بعض آتش فشانی ہیں۔ سمندری طوفان کا اکثر شکار رہتے ہیں۔ لیکن آب و ہوا خوشگوار ہے اور ماحول بڑا خوبصورت ہے۔ اس لیے جاڑوں میں امریکہ، جنوبی امریکہ اور یوروپ سے کافی سیاح آتے ہیں۔ ان جزائر میں ہر طرح کے سیاسی نظام ملتے ہیں۔ کئی ممالک کو آزادی مل چکی ہے جیسے اینٹی گوا، بارباڈوس، کیوبا، ہیٹی، ڈومی نیکن جمہوریہ اور ڈومی نیکا، گریناڈا، جمائیکا، جزائر بہاما، سینٹ کیٹ اور نیوس، سینٹ لوشیا، سینٹ ونسنٹ اور گریناڈین اور ٹرینیڈاڈ اور ٹوبیگو۔ نیدرلینڈ اینٹی لیز اور اروبا کو مملکت نیدرلینڈ کے بظاہر ہالینڈ کے مساوی حق حاصل ہے۔ مختلف سامراجی ملکوں نے اپنے اپنے علاقوں کو کچھ اختیارات دیے ہیں۔

1958 میں دس برطانوی مقبوضات نے مل کر وفاقی غرب الہند (West Indies Frederation) بنایا۔ مئی 1962 میں یہ وفاق ٹوٹ گیا۔ دھیرے دھیرے بہت سے جزیرے آزاد ہو چکے ہیں۔

غرق آب جنگلات: ایسے ساحلی جنگلات جو سطح سمندر کے ابھرنے یا ساحلی زمین کے دھنس جانے سے پانی میں ڈوب گئے ہوں، غرق آب جنگلات کہلاتے ہیں۔ ایسے بعض جنگلات کے باقیات پست ترین جذر کی کیفیت میں آبی سطح سے اوپر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

غرق آب ساحل: خشکی کے کناروں پر ایسا علاقہ جو بحری سطح کے ابھر جانے یا سطح زمین کے پست ہو جانے سے پانی کے نیچے پہنچ کر براعظمی حاشیہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے، غرق آب ساحل کہلاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ایک نیا خط ساحل ظہور میں آتا ہے۔

غزنی: قدیم زمانہ میں یہ افغانستان کا اہم شہر تھا۔ آج یہ چھوٹے سے صوبہ غزنی کا صدر مقام ہے اور اسی نام کی ندی کے دونوں جانب 7,300 فٹ کی بلندی پر واقع

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔ قدیم شہر کے اطراف آج بھی پرانی فصیل کی بلند دیواریں پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ تجارت اور صنعت و حرفت میں اس مقام کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی آبادی 43,423 ہے۔

غزنی ایک قدیم شہر ہے۔ ساتویں صدی میں یہ ایک خوش حال شہر تھا۔ دسویں صدی میں محمود غزنوی کے دور میں یہ اپنے عروج پر پہنچا۔ محمود نے یہاں ایک شاندار مسجد اور ایک یونیورسٹی قائم کی۔ محمود کا مقبرہ اور اس کے بنائے ہوئے مینار آج تک باقی ہیں۔ 1149 میں غوریوں نے اس پر حملہ کر کے تاراج کر دیا لیکن بعد میں اپنی سلطنت کا صدر مقام بھی بنا لیا۔ 1221 میں چنگیز کے بیٹے اوغتائی نے اسے تاراج کر دیا۔ 1839 میں افغانوں کے خلاف لڑائی میں انگریزوں نے بھی اس پر قبضہ کیا تھا۔

غور: مغربی افغانستان کا یہ چھوٹا سا پہاڑی صوبہ "ہرات" کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہیں کے فوجی افسروں نے، جو غوری کہلاتے تھے، ہندوستان میں غوری سلطنت قائم کی تھی۔ قدیم پایۂ تخت کے قریب آج "قلعہ غور" کا چھوٹا سا شہر آباد ہے۔ اسی نام کا دوسرا شہر بنگال میں بھی موجود تھا جس کے کھنڈرات گنگا اور مہانندی کے درمیان آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ پندرہویں اور سولہویں صدی میں اہم تہذیبی مرکز تھا۔ اس دور کی "قدم رسول" مسجد (1530)، بارہ سونا مسجد اور ری مسجد آج بھی موجود ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ف

فاسفیٹی ذخائر (Phosphatic Deposits): اس اصطلاح سے وہ رسوبی فاسفیٹی ذخائر مراد لیے جاتے ہیں جن میں چٹانی فاسفیٹ (Rock Phosphate) یا فاسفورائٹ (Phosphorite) اور حصیل فاسفیٹ (Pebble Phosphate) شامل ہیں۔ ان ذخائر کی جمادات پیچیدہ ہوتی ہیں۔ عام طور پر یہ باریک دانے دار مختلف کیلشیم فاسفیٹ (Calcium Phosphate) ترکیب کے جمادات ہوتے ہیں جن میں اپاٹائٹ (Apatite) کی مختلف قسمیں جیسے ہائڈروکسیا اپاٹائٹ (Hydroxyapatite)، کاربونیٹ اپاٹائٹ (Carbonat Apatite) اور فلوراپاٹائٹ(Fluorapatite)وغیرہ شامل ہیں۔

فاسفورائٹ بنیادی اور ابتدائی بحری ذخائر ہو سکتے ہیں کیونکہ چونا پتھر یا لائم اسٹون کے علاوہ تمام بحری رسوب میں فاسفیٹ مادوں کی کچھ نہ کچھ مقدار لازمی طور پر موجود ہوتی ہے۔ یہ ترکیب زیادہ ہو جانے پر ان کو فاسفورائی کہا جاتا ہے۔

ان ذخائر میں ہی استخوانی پرتیں (Bone Beds) بھی شامل ہیں جو کوپرولائٹ (Coprolites)، دانت اور ہڈیوں وغیرہ کے کسی جگہ جمع ہو جانے کے باعث بنتی ہیں اور گوانو (Guano) بھی دراصل بحری پرندوں اور چمگادڑوں وغیرہ کے فضلے پر مشتمل چٹان ہوتی ہے۔ اس فضلے کے باعث اوپر نیچے پائے جانے والے چونا پتھر یا لائم اسٹون میں بھی کیلشیم کاربونیٹ کی تراوش (Leaching) اور ان کی جگہ فاسفیٹ (Phosphate) کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ اس عمل کو فاسفیٹائزیشن (Phosphatization) کہتے ہیں۔

فاک لینڈ۔ جزائر(Falkland Islands): جزائر فاک لینڈ جنوبی بحر اوقیانوس میں واقع ہیں اور برطانیہ کی نو آبادی ہیں۔ رقبہ 12,173 کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 میں 2,121 تھی۔ صدر مقام اسٹینلی ہے۔ جزائر فاک لینڈ میں دو بڑے جزیرے ہیں اور ان کے تحت تقریباً اور دو سو جزیرے ہیں۔ زیادہ تر علاقے پہاڑی ہیں۔ 88 میں زرخیز علاقے بھی ہیں۔ وہیل مچھلیاں شکار کی جاتی ہیں۔

ان جزائر کو برطانیہ کے جان بائرن نے دریافت کیا اور عرصہ تک ان پر برطانیہ، اسپین، ارجنٹینا اور امریکہ کے جھگڑے چلتے رہے۔ آخر کار یہ برطانیہ کے حصہ میں آیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ نے اس کے قریب ایک جرمن اسکویڈرن کو تباہ کیا تھا۔

فائبر بورڈ: فائبر بورڈ کا صرفہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، یورپ، افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ میں بالترتیب تقریباً 40 تا 33 اور 5 فیصدی ہے۔

فتح پور سیکری: اترپردیش کے ضلع آگرہ میں ایک شہر ہے جو آگرہ سے 26 میل جنوب مغربی جانب واقع ہے۔ اس کو شہنشاہ اکبر نے بنایا تھا۔ اکبر کی بنوائی ہوئی عمارتیں، شاہی محل، حضرت سلیم چشتی ؒ کا مزار اور دوسری عمارتیں اُسی طرح موجود ہیں۔ اکبر اسے پایۂ دار السلطنت بنانا چاہتا تھا لیکن پانی کی کمی کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

فرات: مغربی ایشیا کا یہ سب سے بڑا دریا ترکی میں آرمینیا کی سطح مرتفع سے نکل کر جنوب مشرقی سمت میں بہتا ہوا شام اور جنوبی عراق سے گزرتا ہے اور القرنہ کے قریب دجلہ سے مل کر شط العرب کی شکل میں بہنے کے بعد خلیج فارس میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی 2,235 میل ہے۔ بالائی منزل (دور) میں یہ ترکی کی بلندیوں سے گزرتا ہے اور وسطی حصہ میں سیریا کی سطح مرتفع کو پار کرتا ہے۔ زیریں منزل (دور) میں یہ عراق کے میدانی حصہ میں بہتا ہے۔ ریگستانی آب و ہوا کے علاقہ میں اس دریا کا وجود خدا کی ایک رحمت گردانا جاتا ہے۔ کربلا کا واقعہ اسی کے قریب پیش آیا تھا۔ اس کے کنارہ کی شوکتوں اور تہذیبوں کے آفتاب طلوع و غروب ہوتے رہے ہیں۔

فراز پیا(Clinometer): اسے بعض اوقات مماسی فراز پیا بھی کہا جاتا ہے۔ اسے سطح میز پر استعمال کرنے سے مختلف چیزوں کی بلندیاں اور گہرائیاں

معلوم کرلی جاتی ہیں۔

بناوٹ: یہ ایک مستطیل نما تختی یا ڈبہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے درمیانی حصہ میں ایک اسپرٹ کا سطح نما لگا رہتا ہے۔ سامنے کی طرف ایک اسکرو (پیچ) عموداً لگا رہتا ہے۔ اسے دائیں بائیں گھما کر بلبلہ کو صفر کے نشان پر پہنچا دیں تو آلہ کی سطح ہموار ہو جاتی ہے۔ ایک تہہ ہونے والی دھاتی پٹری اس کے اگلے حصہ میں اور دوسری ایسی ہی پٹری پچھلے حصہ میں لگی رہتی ہے۔ اگلی پٹری کے وسطی حصہ میں ایک لمبی عمودی درز بنی ہوتی ہے۔ اس کے درمیانی حصہ میں صفر کا نشان ہوتا ہے۔ درز کے ایک طرف اس نشان سے اوپر کی جانب زاویۂ بلندی اور نیچے کی طرف زاویۂ پستی کی پیمائش کے لیے عموماً 20 یا 22 تک نشانات بنا دیے جاتے ہیں۔ ہر درجہ کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس تقسیم سے حاصل کیا ہوا ذیلی نشان 1/3 درجہ یا 20 منٹ کے زاویائی فاصلہ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ذیلی حصے بھی مزید ثانوی حصوں میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ درز کی دوسری طرف صفر کے نشان سے اوپر اور نیچے کی جانب زاویائی نشانات کے مقابل مماسی قدریں درج کر دی جاتی ہیں۔ پچھلی پٹری میں خط نظر کی گزر کے لیے ایک چھوٹی سی دھاتی فریم لگی رہتی ہے جو ایک پیچ دار کیل کی مدد سے اوپر نیچے ہٹائی جا سکتی ہے۔ اس فریم میں افقی پھیلاؤ کا ایک باریک تار بھی لگا رہتا ہے۔

استعمال: مثال کے طور پر اس آلہ کے ذریعہ کسی ستون "اب" کی بلندی معلوم کرنی ہو تو اس کے پچھلے حصہ میں نیچے کی طرف لگی ہوئی کیل کو مسطح میز کے کسی ایسے مقام "لا" پر ایستادہ کر دیا جاتا ہے۔ جہاں سے ستون کے بالائی اور زیریں سروں کو بآسانی دیکھا جا سکے۔ مقام "لا" کے نیچے زمین پر بھی نشان "لا" بنا دیا جاتا ہے۔ آلہ کا رخ ستون کی طرف کر کے اگلے اور پچھلے حصوں کی پٹریوں کو عموداً کھڑا کر دینے کے بعد سامنے کی پیچ دار کیل کو گھما پھرا کر سطح نما کے بلبلہ کو درمیان میں لا کر آلہ کی ہمواری کا یقین کر لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد منظری روزن سے ستون کے اوپری سرے کو دیکھتے ہوئے پیچ دار کیل کی مدد سے فریم کے تار کو حسب ضرورت اونچا یا نیچا کرتے ہوئے خط نظر پر لے آتے ہیں۔ اور تار کے مقابلہ لکھے ہوئے زاویہ بلندی کے ساتھ اس کی مماسی قدر کو نوٹ کر لیا جاتا ہے اسی طرح ستون کے نچلے سرے کا مشاہدہ کر کے زاویہ پستی اور اس کی مماسی قدر کو پڑھ لیتے ہیں۔ ساتھ ہی "لا" سے ستون کا افقی فاصلہ بھی ناپ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد درج ذیل ضابطہ سے ستون کی بلندی معلوم کرلی جاتی ہے۔

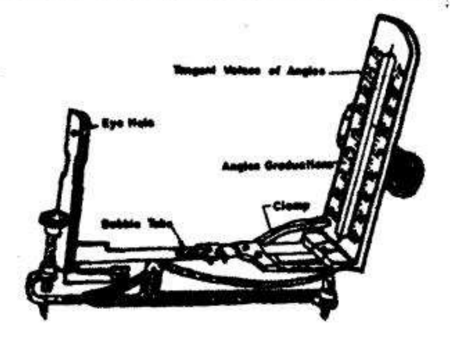

فرازپیما
(Clinometer)

ستون کی بلندی = مماسی قدروں کا مجموعہ × "لا" سے ستون کا فاصلہ۔

یاد رہے کہ ستون، مینار یا درخت، وغیرہ کے دونوں زاویے بلندی کی طرف ہوں یا دونوں ہی پستی کی جانب رہیں تو حساب دانی میں مماسی قدروں کے مجموعہ کے بجائے فرق دریافت کیا جاتا ہے۔ بقیہ حسابی عمل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

فرانس (France): جمہوریہ فرانس یوروپ کے اہم ترین ملکوں میں سے ایک ہے۔ اس کے شمال میں رودبار انگلستان (انگلش چینل)، مغرب میں بحر اوقیانوس، جنوب میں بحیرۂ روم، جنوب مغرب میں اسپین ہے۔ دونوں کی سرحد پر کوہ پائرنیز واقع ہے۔ جنوب مشرق میں اٹلی واقع ہے اور ان دونوں ملکوں کو کوہ آلپس ایک دوسرے سے الگ کر دیتا ہے۔ مشرق میں سوئٹزرلینڈ اور جرمنی ہیں۔ دریائے رہائن، فرانس اور جرمنی کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ شمال مشرق کی سرحدیں جرمنی اور لکسمبرگ سے ملتی ہیں۔

جمہوریہ فرانس کا رقبہ 547,026 مربع کلو میٹر (211,207 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 56,595,600 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر پاری یا پیرس ہے۔ زبان فرانسیسی ہے۔ آبادی کی اکثریت رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

فرانس زرعی اور صنعتی طور پر کافی ترقی یافتہ ہے۔ مرکزی حیثیت پیرس کے اطراف کے تاس، جسے پیرس بیسن کہتے ہیں، کو حاصل ہے، جسے دریائے سین (Seine) اور مارن (Marne) سیراب کرتے ہیں۔ وسطی فرانس میں پتھریلی پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ فرانس کا سب سے زرخیز علاقہ شمال میں ہے، جہاں گیہوں کی کاشت

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ جنوب کا علاقہ پھلوں، خاص طور پر انگور، کی کاشت کے لیے مشہور ہے۔ انگور سے بڑے پیمانے پر شراب بنائی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ سبزیاں بھی بہت پیدا کی جاتی ہیں۔ گائیں، سور، مرغیاں کثرت سے پالی جاتی ہیں۔ صنعتوں کا سب سے بڑا مرکز پیرس اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے۔ اس کے علاوہ مو ویسی وغیرہ کے شمال مشرقی علاقے اور لیان کے جنوب مشرقی علاقے صنعتوں کے لیے مشہور ہیں۔ یہاں لوہے، فولاد، مشینوں، کپڑوں، ہنرِ سنگھار کی چیزوں، جہاز سازی، سیمنٹ، المونیم اور کیمیائی اشیاء، کھاد وغیرہ کے بڑے کارخانے ہیں۔ کچے لوہے اور کوئلے وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔

درآمدات اور برآمدات کا پچاس فیصدی حصہ یوروپ کے ملکوں سے متعلق ہے۔ برآمد زیادہ تر مشینوں، موٹر گاڑیوں، لوہے، فولاد اور کیمیائی اشیا کی ہوتی ہے۔ ہر سال سوا کروڑ سے زیادہ سیاح آتے ہیں۔

رائج سکہ فرانک ہے۔

1992 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 4,060,408 طالبِ علم اور ثانوی مدرسوں میں 5,614,894 طالبِ علم، حرفتی مدرسوں میں 1,325,008 طالبِ علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1,246,989 طالبِ علم تھے۔

فرانسسکوڈ کرے لینی: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

فرانسیسی پالی نیشیا (French Polynesia): فرانس کا سمندر پار کا نو آبادیاتی علاقہ یا کالونی ہے۔ یہ ایک سو پانچ جزائر پر مشتمل ہے جو جنوب وسطی بحرالکاہل میں کافی بڑے علاقہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا کل رقبہ 4,000 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی کا 1991 کا تخمینہ 212,000 نفر ہے۔ آبادی کا بہت بڑا حصہ پالی نیشن لوگوں کا ہے۔ استوائی علاقوں کے تمام پھل یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ ونیلا اور ناریل برآمد کیے جاتے ہیں۔ فاسفیٹ کی کان کنی ہوتی تھی لیکن 1966 سے بند ہو چکی ہے۔ یہاں پر فرانسیسی گورنر کی حکومت ہے۔ اس کی امداد کے لیے مقامی منتخبہ کونسل بھی ہے اور اس کا ایک ایک نمائندہ، فرانس کی قومی اسمبلی اور سینٹ میں بھی ہے۔ ہر سال یہاں کافی سیاح بھی سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں۔ صدر مقام پاپیت (Papeet) ہے جو جزیرہ تاہتی پر واقع ہے۔

فرڈیننڈ میگلن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

فرش سمندر کا پھیلاؤ: سمندروں کی گہرائیوں میں کھوج اور تلاش کا کام گزشتہ نصف صدی میں زبردست اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے علم ارضیات میں دو نئے شعبوں سمندری ارضیات (Marine Geology) اور سمندری ارضی طبعیات (Marine Geophysics) کی بنیاد پڑی ہے۔

امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر ہیس (Prof. Hess) نے 1960 میں یہ نظریہ پیش کیا کہ سمندروں کی گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے عظیم پہاڑی سلسلے جنھیں بین البحر پہاڑی سلسلے کہا جاتا ہے۔ دراصل سمندروں کے نشیب میں عظیم اختلال (Faults) کی نشاندہی کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ یہ سلسلے عظیم اختلال کے مظہر ہیں جن کی وجہ سے سمندری قشر یا کرسٹ کے تودے ایک دوسرے سے تماس میں رہتے ہیں بلکہ بین البحر پہاڑی سلسلے تمام تر آتش فشاں حجرات سے بنے ہیں اور یہ کہ آج بھی ان پہاڑی سلسلوں کی چوٹیاں نہایت فعال (Active) قسم کے آتش فشانوں پر مبنی ہیں جن سے لاوا آئے دن خارج ہوتا رہتا ہے۔

پروفیسر ہیس کے نظریہ کے مطابق بین البحر پہاڑی سلسلے جو براعظموں کے اطراف سمندروں میں پھیلے ہوئے ہیں، زمین کے قشر یا کرسٹ پر ایسے منطقوں کے غماز ہیں جو قشر سے نکل کر زمین کی درمیانی پرت یا میانہ (Mantle) سے مربوط ہیں جس کی وجہ سے آئے دن ان کی چوٹیوں سے لاوا خارج ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح بحر متوسط کی چوٹیوں سے خارج ہونے والا لاوا، آتش فشانوں سے نکل کر، اسی جگہ ٹھوس شکل نہیں اختیار کر لیتا بلکہ یہ لاوا بین البحر پہاڑی سلسلوں سے نکل کر دونوں سمت یعنی شرقاً اور غرباً بڑھتا رہتا ہے۔ اس طرح لاوے کا ایک مسلسل سفر ہے جو سمندروں کی گہرائیوں میں جاری رہتا ہے تا آنکہ یہ مادہ سمندروں کے کناروں پر پائی جانے والی بحری خندقوں تک پہنچ کر ان جزائری قوسوں (Island Arcs) کی نذر نہیں ہو جاتا۔ دوسرے الفاظ میں سمندروں میں بین البحر پہاڑی سلسلے دراصل ایسے عظیم مطلعے ہیں جہاں زمین کی گہرائیوں سے نیا مادہ نکل کر فرش سمندر کا حصہ بنتا رہتا ہے جس کے نتیجے میں فرش سمندر پھیل رہا ہے۔

فرش سمندر کے پھیلاؤ کے اس نظریے کو قدیم ارضی مقناطیسیت کی حالیہ تحقیق سے بڑی تائید حاصل ہوئی ہے۔ ماہرین کی مسلسل تحقیق سے یہ بات تقریباً ثابت ہو چکی ہے کہ زمین پر موجود سمندر کم سے کم 160 ملین سال پرانے ہیں کیونکہ سمندروں کی گہرائیوں میں لاوے کے جو حجرات ملے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ 160 ملین سال پرانے ہیں۔ لیکن کیا سمندر 160 ملین سال پہلے بھی موجود تھے اور کیا پھر ان قدیم سمندروں میں بھی فرش سمندر کے پھیلاؤ کا عمل جاری تھا۔ اس سلسلے میں ابھی بہت کام ہونا باقی ہے۔ براعظموں کے گریز یا بکھراؤ اور فرش

سمندر کے پھیلاؤ کے نظریوں سے ارضیاتی فکر میں زبردست انقلاب آیا ہے جس کی وجہ سے ایک اور ارضی پلیٹوں کی حرکیات کا ایسا نظریہ پیش ہوا ہے جس میں زمین کی سطح اور اس کی اندرونی پرتوں کے ارتقا پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

فرقہ (Tribe): یہ باشندوں کا ایسا گروہ ہے جس میں زبان ایک ہی ہوتی ہے، رواج، تمدن اور طرز زندگی میں مطابقت پائی جاتی ہے، ناموں میں یکسانیت دکھائی دیتی ہے۔ نسلیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ سماجی تنظیم کے قواعد ایک سے ہوتے ہیں۔ تجارتی، زراعتی اور حربی امور میں طرز فکر کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہر فرقہ کے باشندے بالعموم متصل علاقوں میں جتھے بنا کر رہتے ہیں۔ لیکن بعض فرقے ان مطابقتوں سے مستثنیٰ ہوتے ہیں مثلاً "یوگنڈا" کا امبا فرقہ جس کے دو گروہ ایک دوسرے سے قطعی مختلف زبان بولتے ہیں۔ انسانیات کے ماہر بالعموم لسانی اور تمدنی اساس پر دنیا کے باشندوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ تمدنی یکسانیت کے بہت بڑے فرقہ کو "قوم" یا "نسل" (Race) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فرنچ گیانا (فرانسیسی گیانا)(French Guina): فرانس کا بیرونی مقبوضہ ہے جو جنوبی امریکہ کے شمال مشرقی ساحل پر برازیل اور سرینام کے درمیان واقع ہے۔ رقبہ 91,000 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 102,000 ہے۔

جس زمانے میں یوروپی اقوام شمالی اور جنوبی امریکہ میں نو آبادیات قائم کرنے کی مہم میں لگی ہوئی تھیں، اسے بھی فرانسیسی مقبوضہ بنا لیا گیا۔ انقلاب فرانس اور نپولین سوم کے زمانے میں مجرم اور سزا یافتہ لوگ یہاں بھیجے جاتے تھے۔ یہ قیدی رہا ہونے یا پیرول پر چھوڑے جانے کے بعد یہیں بس جاتے تھے۔ بعد میں یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ فرانسیسی یہاں سب سے پہلے 1604 میں آئے۔ لیکن آباد کاری 1676 سے شروع ہوئی۔ بیچ میں ایک مرتبہ یہ ہالینڈ کے اور ایک مرتبہ پرتگال کے قبضے میں چلا گیا لیکن فرانسیسیوں نے اس پر پھر قبضہ کر لیا اور 1815 میں ویانا کانگریس میں اسے مستقل طور پر فرانس کی کالونی تسلیم کر لیا گیا۔ 1947 میں فرانس نے اسے اپنے ایک بیرونی صوبہ کا درجہ دے دیا۔ 1974 میں اسے ایک انتظامی علاقہ بھی بنا دیا گیا۔

اس کی تجارت بڑی حد تک فرانس، امریکہ اور اطراف کے ملکوں سے ہوتی ہے۔ برآمدات کا 76 فیصدی شرمپ مچھلی (Shrimps) یا بحری سرطان (Ocean Crabs) پر مشتمل ہے۔

فری ٹاؤن (Free Town): یہ مغربی افریقہ میں سیرالیون (Siera Leone) کا صدر مقام ہے۔ بہترین قدرتی بندرگاہ اور بڑا صنعتی شہر ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے زمانہ میں یہ ایک اہم فوجی صدر کیمپ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں سے کھجور کے تیل، کولا (Kola) کی گری، قہوہ، کافی اور ادرک کی خاصی بڑی مقداروں کی برآمد ہوتی ہے۔ ذرائع آمد و رفت کا مرکز ہے۔ ہیرا تراشی، ریلوے ورک شاپ کے کام، چاولوں کی صفائی اور مچھلیوں کو ہوا بند ڈبوں میں بند کرنے کے کام اہم ہیں۔ جنوب مشرق میں دس میل کے فاصلہ پر ہیسٹنگز (Hastings) کا ہوائی اڈہ واقع ہے۔ پاس ہی لینگی (Lengi) نام کا بین الاقوامی ایرپورٹ بنایا گیا ہے۔ کئی بڑی تعلیمی درسگاہیں اور متعدد مساجد اور گرجا گھر اہمیت کے حامل ہیں۔ نیشنل میوزیم، نادر تاریخی صنادید اور لکڑی اور پتھر کی مورتیں قابل دید ہیں۔ 1972 میں آبادی 195,800 تھی۔

فرید آباد: دہلی سے چند میل دور جنوب میں ہریانہ کے ضلع فرید آباد کا صدر مقام ہے۔ یہ چھوٹی صنعتوں کا بہت بڑا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ روئی، کاغذ، کل پرزے، الکٹرانک سامان وغیرہ کے کارخانے قائم ہیں۔ یہاں باٹا شوز فیکٹری اور ایسکارٹس کی موٹر سائیکلیں، ٹریکٹر وغیرہ بنانے کے کارخانے بھی ہے۔

فصلوں کا پھیلاؤ: زراعتی علاقوں پر فصلوں کا پھیلاؤ درج ذیل عناصر اور عوامل سے متاثر ہوتا ہے۔ (1) آب و ہوا کی موافقت۔ (2) مٹی کی مناسبت۔ (3) زراعتی اشیا کی طلب اور (4) مزدوروں کی فراہمی۔

بیشتر فصلیں مخصوص موافق آب و ہوا کی پٹیوں ہی میں محدود رہ کر فروغ پاتی ہیں، لیکن بعض فصلیں مختلف آب و ہوا کے علاقوں سے بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر گیہوں کی فصل اپنی پیدائش کے خاص علاقوں کے علاوہ، دائرہ قطب شمالی کے نواح میں اور خط استوا کے قریب بلند علاقوں میں بھی حاصل کی جاتی ہے۔ ان صورتوں میں بیجوں کی اقسام اور کاشت کے طریقوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ جدید سائنسی اصولوں پر فصلیں نامناسب علاقوں میں بھی اگائی جانے لگی ہیں۔

دنیا میں آج کل جو فصلیں حاصل کی جا رہی ہیں ان میں سے اکثر 2,000 ق م تک یا اس سے پہلے ہی اگائی جانے لگی تھیں، لیکن بیشتر فصلیں عرصہ دراز تک اپنے ابتدائی پیدائش کے علاقوں ہی تک محدود تھیں۔ چودھویں صدی عیسوی تک فصلیں نئے علاقوں میں زیادہ نہ پھیلیں اور نئی اور پرانی دنیا میں ان کا مبادلہ بھی نہ ہو پایا، لیکن سترہویں صدی عیسوی میں ماہرین زراعت کے زیر نگرانی کئی مقامات پر کاشت کے تجربے کرنے کے لیے نباتاتی باغات قائم کیے گئے۔ ان میں مختلف قسم کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مٹی پھیلا کر اور عارضی طور پر مناسب موسمی حالات پیدا کر کے کئی طرح کی فصلیں حاصل کی گئیں۔ ساتھ ہی کئی قسم کے خوشنما پھول دار پودے بھی اگائے گئے۔ ان کے سرسبز ہونے پر ان کی بالیدگی اور نشوونما کے تعلق سے تفصیلی معلومات عوام کے سامنے پیش کی گئیں تو دنیا کے مختلف حصوں میں نئی نئی فصلیں اگائی جانے لگیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں جدید صنعتی ترقی کے باعث کارخانوں میں خام مال کی طلب بڑھتی گئی، نتیجتاً صنعتی فصلیں نئے نئے علاقوں سے حاصل کی جانے لگیں۔ ساتھ ہی یوروپی باشندوں کی آسودہ حالی کے باعث غذائی اجناس کو پیدا کرنے کے لیے نئے میدان فراہم کیے جانے لگے۔

فضائی درجہ حرارت کی معکوس تقسیم: اسے تقلیب حرارت بھی کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں بلندیوں کی طرف درجہ حرارت میں تخفیف کے بجائے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سرد سطح زمین پر گرم ہوا پہنچ جائے یا صاف مطلع کی سکونی راتوں میں اشعاع حرارت کے باعث تیزی سے درجہ حرارت میں کمی ہو جائے تو فضا کے زیریں حصہ میں تقلیب حرارت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت بالعموم وادیوں کے پست حصوں میں اور اکثر موسم سرما میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ وادیوں کی اوپری ڈھلانوں پر تیز رفتار اشعاع حرارت سے ہوائیں سرد اور بھاری ہو کر نیچے اترتی رہتی ہیں۔ گہرائیوں میں ان کے اوپر کی فضا مقابلتاً گرم رہتی ہے، اس لیے حرارت کی تقسیم معکوس ہو جاتی ہے۔ فضا کے بالائی طبقات میں زیریں سرد ہوا پر گرم ہوا کے پھیل جانے سے یا گرم ہوا کے نیچے سرد ہوا کے پہنچ جانے سے بھی تقلیب حرارت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آکلیوزن (Occlusion) کی حالت میں بھی یہی صورت حال سامنے آتی ہے۔

فضائی رطوبت: کسی بھی درجہ حرارت پر فی مکعب فٹ ہوا میں بخارات کی جو مقدار پائی جاتی ہے رطوبت مطلق کہلاتی ہے۔ اسی درجہ حرارت پر ہوا کے ایک مکعب فٹ میں بخارات کی زیادہ سے زیادہ جتنی مقدار پائی جا سکتی ہے انتہائی رطوبت کہلاتی ہے۔ دونوں رطوبتوں کا باہمی تناسب اضافی رطوبت کہلاتا ہے۔ حرارت کے تغیرات سے رطوبت مطلق اور انتہائی رطوبت میں بھی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ زیادہ مرطوب ہوا کی تمرید و تکثیف سے زیادہ بارش یا ژالہ باری ہو جاتی ہے۔

فضائی کثافت: یہ مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے۔ بالعموم بلندی کے اضافہ کے ساتھ کثافت گھٹتی جاتی ہے۔ حرارت کی زیادتی بھی کثافت میں کمی کر دیتی ہے۔

فکسل، جی۔ کرسچین (G.Christian Fuchsel): یہ جرمن ڈاکٹر، جس کی پیدائش 1727 میں ہوئی اور وفات 1773 میں ٹرائسک (Triassic) زمانے کے تفصیلی مطالعے کے لیے مشہور ہے۔ اس کے اپنائے ہوئے طریقۂ پرت نگاری (Stratigraphic Methods)، اس زمانے میں ایک معیار اور سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے سب سے پہلے پرت نگاری میں ترتیب (Formation) کی اصطلاح استعمال کی۔

فلاڈلفیا (Philadelphia): یہ شہر پن سلوانیا کے جنوب مشرق میں دریائے ڈیلاویر سے 100 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ پن سلوانیا کا سب سے بڑا شہر ہے اور آبادی کے لحاظ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا چوتھا شہر ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 2,002,510 تھی۔ واشنگٹن کے شمال میں 130 میل پر اور نیویارک سے جنوب مغرب میں 80 میل پر یہ بندرگاہ ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے۔ پہلے یہاں مقامی انڈین آباد تھے۔ سترہویں صدی میں سفید فام آکر بسنے لگے۔ اس شہر کی تجارتی، صنعتی اور ثقافتی ترقی بہت تیزی سے ہوئی۔ نوآبادیاتی دور میں یہ امریکہ کا ثقافتی مرکز رہا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں یہ امریکہ کا صدر مقام بھی رہا ہے۔ فلاڈلفیا آج بھی کئی فلسفہ، فنون لطیفہ، ڈراما، موسیقی اور سائنسی سوسائٹیوں کا مرکز ہے۔ یہاں کا فیئر ماؤنٹ پارک دنیا کا سب سے بڑا پارک ہے۔ اس پارک میں آرٹ کا میوزیم، حیوانیاتی باغ اور متعدد تاریخی اہمیت کے آثار موجود ہیں۔ یہاں کی مصنوعات میں کپڑا، ملبوسات، کیمیائی اشیا، دھاتی آلات اور دیگر کئی اشیا شامل ہیں۔ فلاڈلفیا یونیورسٹی، ٹمپل یونیورسٹی اور ڈریکول یونیورسٹیاں یہاں واقع ہیں۔ ایک بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) کے علاوہ یہاں ریلوے کا جال بچھا ہوا ہے۔ نیز شاہراہوں کا ایک وسیع جال پھیلا ہے۔ یہاں امریکی بحریہ کے بھی اہم مراکز ہیں۔

فلائٹ (Phyllite): کایابدلیت سے بننے والا حجر جو سلیٹ (Slate) کی بہ نسبت کم نمایاں ترکیدگی (Cleavage) کا حامل ہوتا ہے۔ مگر سلیٹ کی بہ نسبت زیادہ موٹے دانے دار ہوتا ہے اور شسٹ (Schist) کی بہ نسبت زیادہ مہین دانے دار اور زیادہ کلیویج والا بھی ہوتا ہے۔ یہ کم درجے کی منطقائی کایابدلیت کے دوران عام طور پر مٹیائی حجرات کی طرح بنتا ہے۔

فلپ کارٹرائٹ: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

فلپائن (جزائر) (Republic of Philippines): جمہوریہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

فلپائن جنوب مغربی بحر الکاہل میں تقریباً سات ہزار پہاڑی جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے صرف چار سو جزیرے آباد ہیں۔ ان کا مجموعی ارضی رقبہ تقریباً 3 لاکھ مربع کلو میٹر (115,830 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 62,868,000 ہے۔ یہاں جمہوری طرز حکومت (ریپبلک) رائج ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام منیلا ہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ ملک 55 صوبوں میں منقسم ہے۔ یہاں کے اکثر و بیشتر علاقے آتش فشانی سے متاثر رہتے ہیں۔

وسیع ساحلی میدان، گہری وادیاں، آتش فشانی گرم پانی اور معدنی پانی کے چشمے یہاں کے بڑے جزیروں کی خصوصیات ہیں۔ موسم انتہائی گرم رہتا ہے۔ زمین قدرتی طور پر زرخیز ہے اس لیے یہ زیادہ تر زرعی علاقہ ہے، لیکن بہت بڑا علاقہ اب بھی زیر کاشت نہیں ہے۔ موٹا چاول، جوار، ناریل، گنا اور تمباکو یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ ماہی گیری عام پیشہ ہے اور بعض علاقے مویشیوں کی پیداوار کے لیے بہت مشہور ہیں۔ معدنی ذخائر بھی وافر مقدار میں موجود ہیں اور یہاں کی ساگوان لکڑی کی منڈی دنیا کی بڑی منڈیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ منیلا میں سگار اور سگریٹ کے کارخانے، ناریل کے تیل کے کارخانے، چاول صاف کرنے، چمڑے، شکر اور سیمنٹ بنانے کے کارخانے موجود ہیں۔ کانوں سے سونا، کوئلہ، تانبہ اور کروم نکالا جاتا ہے۔ برآمدات کا 18 فیصدی شکر، 12 فیصدی ناریل کا تیل، 10 فیصدی تانبہ کی کچ دھات ہیں۔ ساگوان لکڑی، ناریل اور میوے نیز سبزیاں بھی برآمد کی جاتی ہیں جن کا 36 فیصدی امریکہ، 23 فیصدی جاپان، اور کچھ ہالینڈ جاتا ہے۔ درآمدات کا 22 فیصدی امریکہ، 27 فیصدی جاپان سے اور تیل سعودی عرب اور کویت سے آتا ہے۔

رائج سکہ پیسو (Peso) ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 10,558,105 اور استادوں کی تعداد 316,182 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 4,208,151 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1,656,815 طالب علم تھے۔

جنگل اور پہاڑیوں میں بسنے والے چند باشندوں کے سوا یہاں کی آبادی ملایائی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کو فلیپینو (Philippinoes) کہا جاتا ہے۔ ایشیا میں صرف فلپائن میں سب سے زیادہ عیسائی مذہب کے پیرو رہتے ہیں۔ آبادی کا تقریباً 84 فیصدی رومن کیتھولک عقیدے کو مانتا ہے جو فلپائن کے فاتح اسپینیوں کا مذہب تھا۔ ان کے علاوہ 5 فیصدی اگلی پیان (Aglipayans) ہیں جو کیتھولک مذہب ہی کی قوم پرست شاخ ہے۔ 5 فیصدی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یہاں کے مسلمان جو مورو (Moros) کہلاتے ہیں فلپائن کے دوسرے بڑے جزیرے منڈاناؤ (Mindanao) اور سولو (Sulu) میں آباد ہیں۔ ملک کی قومی زبان فلیپینو ہے۔ انگریزی اور ہسپانوی زبانیں اور بعض مقامی زبانیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔

تاریخ: فلپائن کی سرزمین پر قدم رکھنے والے پہلے یوروپی وہ تھے جو ایک پرتگالی فرڈینینڈ میگلن کی سرکردگی میں ساری دنیا کا چکر کاٹنے کی مہم پر نکلے تھے۔ اس کے بعد دیگر اسپینی فلپائن پہنچے۔ ایک جماعت لوپیز دی ولالوبوز (Lopez de Villalobos) کی قیادت میں میکسیکو سے یہاں وارد ہوئی، جس نے 1542 میں اسپین کے شہزادہ فلپ کے نام پر ان جزائر کا نام فلپیناس رکھا۔ لیکن فلپائن پر اسپینیوں کا قبضہ 1564 سے پہلے نہیں ہوا جبکہ لوپیز دی لیگاسپی (Lopez de Legaspi) کی قیادت میں ایک مہم جو دستہ نیو اسپین سے یہاں پہنچا اور منتشر چھوٹی چھوٹی جماعتیں بہت جلد اس کے زیر تسلط آگئیں۔ 1571 میں لیگاسپی، شہر منیلا کی بنیاد رکھ چکا تھا۔ اہل اسپین کے قدم فلپائن میں جم چکے تھے حالانکہ پرتگالیوں نے جو مشرق میں اپنی تجارتی اجارہ داری کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اس کی سر توڑ مخالفت کی تھی۔ 1574 میں منیلا نے چینی بحری قزاق 'لیما ہونگ' کے حملوں کو بھی ناکام بنادیا تھا۔ اسپینیوں کے آنے تک صدیوں سے چین کے فلپائن کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے۔ تاہم چینی اسپینیوں کے قبضہ سے پہلے یہاں مستقل سکونت نہیں رکھتے تھے۔ اسپینی نو آبادی کی ترقی کے ابتدائی زمانہ میں یہاں کی تجارت پر چینی چھائے ہوئے تھے اور مزدور پیشہ چینی بھی یہاں بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ لیکن ان کی بڑھتی ہوئی تعداد سے اسپینی بُری طرح خائف تھے۔ اس لیے انھوں نے 1603 میں ہزاروں چینیوں کا قتل عام کیا اور اس کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رہا۔ اسپینی حکمرانوں کی سخت گیری اور مطلق العنانی کے خلاف مقامی باشندوں نے صدائے احتجاج بلند کی اور اس سلسلہ میں کئی ہنگامے برپا ہوئے۔ سولھویں صدی کے اختتام پر منیلا کو مشرق بعید کے سب سے بڑے تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ چین، ہندوستان اور ایسٹ انڈیز سے تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ اس کے تجارتی جہاز سونا اور دیگر مال لے کر نیو اسپین اور منیلا کے درمیان آتے جاتے رہتے تھے۔ اس صورت حال سے برطانیہ کے بحری قزاق خوب فائدہ اٹھاتے رہے۔ اس کے علاوہ 1600 اور 1663 کے درمیان ولندیزیوں (ڈچ) سے لڑائیوں کا ایک سلسلہ چھڑ گیا۔ ان ہی لڑائیوں کے دوران ولندیزیوں کے قدم ایسٹ انڈیز میں جم گئے۔ اس کے علاوہ اسپینیوں کے لیے ایک اور پریشان کن مسئلہ مورو باغیوں کا تھا، جو رہ رہ کر اسپین کے مال بردار جہازوں کو لوٹا کرتے تھے اور انیسویں صدی کے وسط تک بھی ان پر قابو نہیں پایا جا سکا تھا۔ جب اسپین میں جیسوٹ (Jesiut) فرقے پر

زیادتیاں شروع ہوئیں اور منیلا میں اسپینی سلطنت میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے تھے تو اس فرقے نے فلپائن میں اپنا اثر ورسوخ بڑھالیا اور بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک بن بیٹھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پادریوں کے بڑھتے ہوئے اثر واقتدار کے خلاف ایک زبردست قومی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک آزادی کا لیڈر جوزے رزال (Jose Rizal) تھا۔ 1896 میں اس تحریک میں شدت پیدا ہو گئی۔ رزال کو قتل کر دیا گیا اور یہ تحریک تمام بڑے جزیروں میں پھیل گئی۔ کچھ عرصے کے بعد اسپین سے ایک سمجھوتا ہوا لیکن وہ دیرپا ثابت نہیں ہوا اور جب امریکہ کی اسپین سے جنگ چھڑ گئی تو باغیوں نے امریکی امداد سے اپنی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دیں۔ باغیوں کو امید نہیں تھی کہ وہ امریکہ کی مدد سے آزادی حاصل کر لیں گے۔ لیکن الٹا امریکیوں نے قبضہ جمالیا اور یہاں کی تجارت پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ یہ کنٹرول دن بہ دن بڑھتا ہی گیا۔ ساتھ ہی آزادی کی جدوجہد بھی تیز ہوتی رہی۔ بالآخر صدر روزولٹ کے دور میں، مارچ 1935 میں، جو دستور مرتب کیا گیا اسے اہل فلپائن نے ایک استصواب عامہ کے ذریعے قبول کر لیا۔ فلپائن کے پہلے صدر کی حیثیت سے کیوزان (Quezon) کو منتخب کیا گیا۔ امریکہ نے جاپان کی امکانی جارحیت کی روک تھام کے لیے جنرل میک آرتھر کو یہاں بحیثیت فوجی مشیر مقرر کیا۔ اس کے باوجود کچھ ہی عرصے بعد جاپان نے فلپائن پر حملہ کر دیا۔ میک آرتھر کی افواج پسپا ہو گئیں اور جاپانیوں نے 1942 میں منیلا پر قبضہ کر لیا۔ میک آرتھر نے باطان میں پناہ لی اور وہاں سے آسٹریلیا چلا گیا۔ فلپائن کے صدر، نائب صدر بھی بالآخر امریکہ فرار ہو گئے۔ جاپان نے 'فلپائن ریپبلک' کے نام سے ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کر دی، لیکن اسے عوام کی تائید حاصل نہ ہو سکی اور مجاہدین آزادی کی جدوجہد جاری رہی۔ آخر کار 1944 میں امریکیوں نے فلپائن کو جاپانیوں سے آزاد کرالیا اور اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ 1946 میں فلپائن کے عوام کے دباؤ سے مجبور ہو کر صدر ٹرومین نے فلپائن کی آزادی کو تسلیم کر لیا، تاہم امریکہ سے فلپائن کے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا، بلکہ 1974 تک کے لیے امریکہ کو مساویانہ تجارتی حقوق عطا کر دیے گئے۔ اس کے علاوہ ایک اور معاہدے کے ذریعے امریکہ کو 99 سال تک فلپائن میں فوجی اور بحری اڈے قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی اور ایک پانچ سالہ فوجی امداد کا معاہدہ طے پایا۔ اس صورت حال کے خلاف چھاپا ماروں کی، جو ہکس (Huks) کہلاتے تھے، جدوجہد جاری رہی۔ فلپائن کے صدر رامون میگ سے سے (Ramon Magsaysay) نے امریکی معاشی امداد، اصلاح اراضی اور چھاپا ماروں کے خلاف سخت کارروائی کے ذریعے ملک کے حالات کو سدھارنے کی کوشش کی تاہم جزائر فلپائن میں امریکی فوجی تنصیبات کے خلاف رائے عامہ منظم ہوتی گئی اور امریکہ سے 1946 کے فوجی اور تجارتی معاہدات کی تنسیخ کا مطالبہ زور پکڑتا گیا۔ 99 سالہ معاہدے کو گھٹا کر 25 سالہ کر دیا گیا۔ امریکہ مخالف لہر کے دوران 1961 کے انتخابات میں میکاپاگل (Macapagal) صدر چنا گیا۔ 1962 کے اواخر میں فلپائن نے ملایا اور تھائی لینڈ سے اتحاد کر کے جنوب مشرقی ایشیائی ریاستوں کی ایک متحدہ تنظیم قائم کی۔ 1965 کے صدارتی انتخابات میں پریزیڈنٹ میکاپاگل کو شکست ہوئی اور نیشنلسٹ پارٹی کے امیدوار فرڈینینڈ مارکوس نے بحیثیت صدر کامیابی حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ فلپائن نے وفاقی ملیشیا کے خلاف اپنی آواز بلند کی اور سباح (سابقہ شمالی بورنیو) پر اپنے ادعا کی تجدید شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملائی قوموں کے باہمی اتحاد کے سلسلے میں فلپائن، ملیشیا اور انڈونیشیا کے مابین اصولی طور پر جو مفاہمت ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی۔ متعلقہ ممالک ایک دوسرے سے بدظن ہوتے چلے گئے۔ طاقتور انڈونیشیا نے ملیشیا پر دست درازی بھی شروع کر دی۔ تاہم 1963 کے بعد ملیشیا سے فلپائن کے تعلقات نسبتاً بہتر ہوئے۔ 1966 میں منیلا میں چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے شرکا میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی کوریا، تھائی لینڈ، جنوبی ویتنام، فلپائن اور امریکہ کے نمائندے شامل تھے۔ اس کانفرنس میں ویتنام میں امریکی پالیسی کی توثیق کی گئی۔ اس کے بعد سے مسلم علاقوں میں بغاوت کی لہر برابر چلتی رہی گو کہ کبھی تیز ہوتی اور کبھی کمزور پڑ جاتی۔ مارکوس نے مارشل لا کے ذریعے حکمرانی کی۔ اندرونی جمہوریت کے فقدان اور مخالفوں پر ظلم وتشدد اس قدر بڑھ گیا کہ خود امریکہ میں اس پر سخت تنقید ہوئی۔ اس پر مارکوس نے امریکہ کے فوجی اڈے برخواست کرنے اور فوجی معاہدے ختم کرنے کی دھمکی دی۔ آخر کار طویل بات چیت کے بعد امریکہ سے معاہدہ ہو گیا جس کے تحت فلپائن میں امریکی بحری اور ہوائی اڈے باقی رہیں گے۔ جنوری 1970 میں تقریباً دو ہزار مظاہرین نے صدر کی رہائش گاہ پر مظاہرہ کیا اور امریکی سفارت خانے کے خلاف فسادات ہوئے۔ جب پوپ پال ششم نے نومبر 1970 میں منیلا کا سفر کیا تو ان کو مار ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ ستمبر 1972 میں صدر مارکوس نے مارشل لا کا اعلان کر دیا۔ 1973 میں نیا دستور بنایا گیا جس نے 1935 کے دستور کی جگہ لے لی۔ 1981 تک مارشل لا لگا رہا۔ مارکوس کے خلاف لوگوں میں بے چینی برابر بڑھ رہی تھی۔

فروری 1986 میں مارکوس ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اکینو صدر بنادی گئی۔ اس کی حکومت کو ملک کے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اقتصادی مسائل اور امریکہ کے فوجی اڈے مسئلہ تھے۔ بالآخر 1992 میں اکینو نے دوبارہ انتخابات میں حصہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ فڈل راموس نے انتخاب جیت لیا۔

فلنٹ (Flint): چرٹ (Chert) کی ایک قسم جس میں مدور شگفتگی

(Conchoide Fraction) ہوتی ہے۔ آگ پیدا کرنے کے لیے یہی پتھر، پتھر کے زمانے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اور اب بھی سگریٹ لائٹروں وغیرہ میں فلنٹ ہی استعمال کیا جاتا ہے اگرچہ جدید زمانے میں کئی مصنوعی فلنٹ بھی لائٹروں میں استعمال کیے جا رہے ہیں۔

فلیش (Flysch): بحری رسوبی فلیش جس میں بے حد دبازت، بے حد کم رکازی (Fossiliferous)، بے حد مہین پرت والے (Thin Bedded)، مگر خوب چنیدہ پرت دار (Graded Bedded) ذخیرے شامل ہوں۔ جو مارل (Marl)، ریت (Sand)، کیلسیائی شیل (Calcereous Shale) اور کیچ (Muds) سے بنے ہوتے ہیں اور روڑ پتھر یا موٹے دانے دار ریت کے پتھر (Coarse Grained) اور گرے واک (Graywacke) کے ساتھ تال دار طور پر پرت دار ہوں (دیکھیے سائیکلو تھم (Cyclothem) ایسے رسوب عام طور پر ارضی ہم میلان یا کاس کے تصور کے ساتھ مخصوص ہیں، جہاں یہ متصل بالا نشیں ہونے والے علاقوں کے تیز کٹاؤ (Erosion) سے حاصل ہوتے ہیں۔

فن لینڈ (Finland): فن لینڈ شمالی یورپ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کی حدود شمال میں ناروے، مغرب میں سویڈن اور خلیج بوتھنیا (Gulf of Bothnia)، جنوب میں بحیرۂ بالٹک اور خلیج فن لینڈ اور مشرق میں روس سے ملتی ہیں۔ اس کا رقبہ 337,009 مربع کلو میٹر (130,119 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 5,029,000 ہے۔ حکومت کا صدر مقام ہیلسنکی ہے۔ ملک کے وسطی اور جنوبی حصوں میں بے شمار جھیلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ سائی ما (Saimaa)، اناری (Inari) اور پائے ژانے (Pai Janne) بڑی جھیلیں ہیں۔ کیمی جو کی (Kemijo Ki) اور اولو (Oulu) بڑے دریا ہیں۔ شمالی علاقہ لاپ لینڈ (Lapland) کہلاتا ہے۔ یہاں کی سب سے بلند پہاڑی چوٹی ہال تیا تن توری (Haltiatunturi) 1,324 میٹر (4,344 فیٹ) بلند ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق فن لینڈ میں ابتدائی مدارس میں 392,695 طالب علم تھے۔ ثانوی مدارس میں 446,207 طالب علم اور حرفتی مدارس میں 130,341 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں، جن میں 11 یونیورسٹیاں شامل ہیں، 173,702 طالب علم تھے۔ خواندگی کا معیار نہایت اچھا ہے۔ 7 سال سے کم عمر کے بچوں کے لیے تعلیم لازمی ہے۔ اس سے بڑی عمر والوں میں خواندگی کا تناسب 100 فیصدی ہے۔

ملک میں رائج سکہ مرکا (Markka) ہے۔

درآمدی تجارت میں چند ممالک کا تناسب اس طرح ہے۔ روس 17 فیصدی، سویڈن 16 فیصدی، جرمنی 14 فیصدی، انگلستان 9 فیصدی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ 6 فیصدی۔

برآمدی تجارت میں کچھ ممالک کا تناسب اس طرح ہے۔ روس 21 فیصدی، سویڈن 18 فیصدی، انگلستان 13 فیصدی، جرمنی 8 فیصدی، ناروے 5 فیصدی۔

برآمدات میں مشینری 12 فیصدی، جہاز 8 فیصدی، عمارتی لکڑی اور کپڑا 6 فیصدی شامل ہیں۔

زراعت کی خاص پیداوار گیہوں، جو، رائی ہیں۔ مرغ، بھیڑ اور گھوڑوں کی پرورش بھی کی جاتی ہے۔ انڈے اور شکر بھی خاص پیداوار میں شامل ہیں۔

تاریخ: آٹھویں صدی عیسوی میں فن (Finn) قوم نے، جو یورال (Ural) کے جنوب مغربی علاقے میں پھیلی ہوئی تھی، لاپ (Lapp) قوم سے اس کا علاقہ چھین لیا اور لاپ قوم شمال کی سمت کو ہٹ گئی۔ بارھویں صدی میں سویڈ لوگوں نے اسے فتح کیا اور عیسائی بنایا۔ سولھویں صدی میں سویڈش زبان سرکاری اور ادبی زبان قرار پائی۔ سویڈن اور روس میں پے در پے جنگوں نے فن لینڈ میں تباہی مچادی۔ 1696 میں قحط نے ایک تہائی آبادی کا خاتمہ کر دیا۔ 1721 کے معاہدہ نسطاد کے ذریعے روس کے پیٹر اول (Peter I) نے فن لینڈ کے صوبہ وائی بورگ (Vyborg) پر قبضہ کیا اور چند سال بعد 1743 میں بعض دوسرے علاقوں پر بھی روس کا قبضہ ہو گیا۔ 1809 میں سویڈن نے باقی حصے زار الگزینڈر اول (Alexander I) کے حوالے کر دیے۔ زار نے سویڈن کے دستوری قوانین کو (جو 1772 اور 1789 میں منظور ہوئے تھے) باقی رکھا۔ سویڈن نے سینٹ پیٹرس برگ (St. Peters berg) کی کسی خاص مداخلت کے بغیر اپنا جمہوری طرز حکومت باقی رکھا۔ انیسویں صدی میں فن لینڈ کی قومیت پسندی کی تحریک نے شدت اختیار کی۔ عظیم شاعر جے۔ ایل۔ رون برگ (J. L. Runeberg) نے تحریک میں جان ڈال دی۔ فلسفی اور مفکر جے۔ وی۔ اسنل مین (J. V. Snellman) نے فنش زبان کو نکھار عطا کیا جس کی وجہ سے یہ زبان 1863 میں ملک کی سرکاری زبان قرار پائی۔

الگزینڈر دوم (Alexander II) کے زمانے میں فن لینڈ کی حکومت کی خود مختاری کو استحکام پہنچا۔ اس کے مالی نظام کو روسی نظام سے جدا کیا گیا۔ 1878 میں فن لینڈ نے اپنی فوج خود بنائی۔

الگزینڈر سوم نے فن لینڈ کو روس میں ضم کرنے کے قومی مطالبے سے

انکار کر دیا۔ تاہم روسی زبان کو 1900 اور 1901 میں سرکاری زبان قرار دیا گیا اور فن لینڈ کی فوج کو روسی فوج میں ضم کیا گیا۔ جب مارچ 1917 میں روس میں زار کا تختہ الٹا تو (سوشلسٹ) انٹی او سکری ٹوکوی (Anttioskaritokoi) کو صدر بنایا گیا۔ 15 نومبر 1917 میں کیمونسٹ انقلاب آیا اور فن لینڈ کی پارلیمنٹ (Diet) کو وسیع اختیارات دیے گئے۔ تاہم امور خارجہ اور دفاع علیحدہ رکھے گئے۔ 1919 میں فن لینڈ کو ریپبلک قرار دیا گیا اور اس کا پہلا صدر کارلو جوہو اسٹال برگ (Kaarlo Juho Stahlberg) منتخب ہوا۔ 1920 میں فن لینڈ کو لیگ آف نیشنز (League of Nations) کا رکن بنایا گیا۔ نومبر 1939 سے مارچ 1940 تک فن لینڈ روس سے لڑائی میں الجھا رہا۔ اگرچہ فن لینڈ کے لوگ جرمنوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے لیکن فن لینڈ والوں نے لینن گراڈ کی لڑائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ انگلستان نے فن لینڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا لیکن امریکہ نے اعلان جنگ کرنے سے احتراز کیا۔ 1944 میں روس کے زبردست حملے کی تاب نہ لا کر فن لینڈ نے صلح کی اور 1947 میں پیرس معاہدۂ امن (Peace Treaty of Paris) کے نتیجے کے طور پر فن لینڈ کے ذمہ تیس کروڑ ڈالر روس کو تاوان ادا کرنے کی ذمہ داری عائد کی گئی۔ 1948 میں روس نے ساٹھ کروڑ پچاس لاکھ ڈالر معاف کر دیے۔ 1948 کے بعد مسلسل کوشش کے باوجود کیمونسٹ پارٹی کو ملک کی حکومت میں کوئی خاص نمائندگی حاصل نہ ہو سکی۔ 1955 میں فن لینڈ مجلسِ اقوامِ متحدہ کا رکن بنایا گیا اور 1961 سے وہ یوروپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن (European Free Trade Association) کا رکن بنا۔ 1966 میں حکومت میں کیمونسٹ بھی شامل کیے گئے۔ 1971 میں کیمونسٹوں نے اپنے آپ کو حکومت سے علیحدہ کر لیا 1956 میں کیکونن ملک کا صدر بنا اور وہ 1981 تک صدر رہا۔ 1987 کے انتخابات میں کیمونسٹوں کی جگہ کنزرویٹو لوگوں نے لے لی اور سوشل ڈیموکریٹک، جو ان کے مخالف ہوتے تھے، ان کے ساتھ مل کر حکومت بنائی۔

1992 میں فن لینڈ نے یوروپین کیمونٹی کی رکنیت حاصل کرنے کی درخواست گزاری۔

فینگلومریٹ (Fanglomerate): ایک قسم کا روٹ پتھر یا کانگلومریٹ (دیکھو رڈیشیائی رسوبی حجرات) جو دریائی پنکھوں (Alluvial Fan) کی سنگ شدگی (Lithofaction) کے باعث بنے۔

فورٹ لامی: جمہوریہ چاڈ کا صدر مقام ہے۔ یہ دریائے شاری اور لوگون کے سنگم پر واقع ہے۔ 1900 میں اس شہر کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ کاروانی تجارت کا یہ ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں گائے، بیل، بھینس، نمک، کھجور اور غلہ کا مارکیٹ (منڈی) ہے۔ گوشت کو یہاں ڈبوں میں بند کر کے برآمد کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی طیران گاہ (ایرپورٹ) بھی یہاں ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں تقریباً 70 ہزار تھی۔

فورسٹر: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

فولڈ شدہ پہاڑ (Folded Mountain): فولڈ سے بننے والے پہاڑوں میں تسلسل اور مرکوب تسلسل بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن اختلال اور مرکوب اختلاطوں کے مقابلے میں ان کی تعمیر میں فولڈ کا بہت نمایاں رول رہا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے جورا آلپس (Jura Alps) اور ہمالیہ کے شوالک پہاڑ ان کی بہترین مثال ہیں۔

فولڈ شدہ پہاڑ کوہ سازی کے عمل کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔

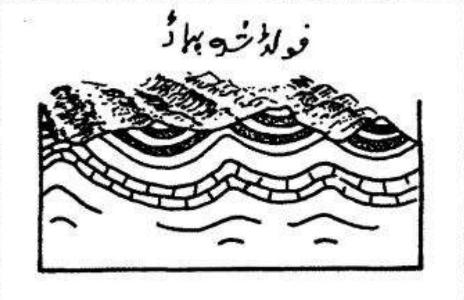

(Folded Mountain)

فولڈز (Folds): حجرات میں پائی جانے والی مختلف قسم کی ساختوں میں فولڈز بہت اہم ہیں۔ فولڈز حجرات میں لہروں کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ فولڈز عام طور پر رسوبی حجرات میں پائے جاتے ہیں۔ ویسے یہ آتشی حجرات اور کایا بدل حجرات میں بھی پائے جاتے ہیں۔

رسوبی حجرات کی پرتیں جب قشر یا کرسٹ پر موجود ہوتی ہیں تو وہ افقی سمت میں ایک دوسرے کے اوپر متوازی صورت میں جمی رہتی ہیں جیسے کہ کسی میز پر کتابوں کو جما دیا گیا ہو۔ ایسے پرت دار حجرات جب قشر زمین پر دونوں جانب سے اندر کی طرف ہونے والے دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ لچک کر لہروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح ارضی دباؤ کی کمی یا زیادتی کی بنا پر فولڈز کی مختلف

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

شکلیں بنتی ہیں۔

فولڈز کے بنیادی عناصر میں فولڈ کا محور ہے جو فولڈ کے بیچوں بیچ اس کو دو حصوں میں مساوی تقسیم کرتا ہے۔ فولڈ کے محور کے حوالے سے فولڈ دو مساوی بازوؤں میں تقسیم ہو جاتا ہے جس کو فولڈ کے بازو (Limbs of Fold) کہا جاتا ہے۔

محور اور بازوؤں کے رویے کی بنیاد پر فولڈز کی مختلف شکلیں اور اقسام پہچانی جاسکتی ہیں جو بڑی حد تک ارضی دباؤ کے علاوہ خود ان حجرات کے طبعی خواص پر بھی مبنی ہوتی ہیں۔

فولڈز کی عام شکلیں: فولڈز یا لہردار ساختیں حجرات میں مختلف انواع کی ہوتی ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند اہم فولڈز کا ذکر کریں گے جو عام طور پر حجرات میں پائے جاتے ہیں۔

عام طور پر پائے جانے والے فولڈز شکل میں دکھائے گئے ہیں۔

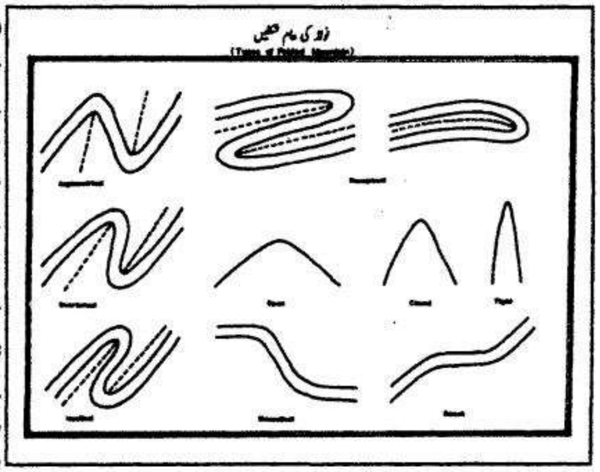

محور کی بنیاد پر فولڈز کی تین قسمیں کی جاتی ہیں۔ محور اگر عمودی ہو اور فولڈز کے بازوؤں کو یہ دو مساوی حصوں میں تقسیم کرتا ہو تو ایسے فولڈز کو متناسب فولڈز (Symmetrical Folds) کہا جاتا ہے۔ اگر فولڈز کا محور ترچھا ہو تو فولڈ کے بازوؤں کی غیر مساوی تقسیم ہوگی جس کے نتیجے میں ایسے فولڈز کو غیر متناسب یا ترچھے فولڈز (Assymetrical Folds) کہا جائے گا۔ اور اگر فولڈ افقی ہو تو ایسے فولڈ کے بازو ایک دوسرے پر ایک خم کے ساتھ ملتے رہیں گے اور ایسے فولڈز کو افقی فولڈز (Horizontal Folds) کہا جائے گا۔ ایک ہی ارضی دباؤ کے تحت بننے والے فولڈ عام طور پر سادے اور غیر پیچیدہ ہوتے ہیں جو ابتدائی فولڈنگ (Primary Folding) کی نشان دہی کرتے ہیں جبکہ ایک سے زیادہ بار ارضی دباؤ کی قوتوں کا شکار ہونے والے حجرات میں ابتدائی فولڈز پر دوسرے دور کے دباؤ کے فولڈ بھی پائے جاتے ہیں۔ اس طرح نہایت پیچیدہ قسم کے فولڈ معرض وجود میں آتے ہیں جن کو ثانوی فولڈز (Secondary Folds) بھی کہا جاتا ہے۔

فولڈ کی اس جیو میٹرک تقسیم کے علاوہ، ارضیاتی جائزوں میں عام طور پر پائی جانے والی لہریے دار ساختوں کو ضد میلان (Anticlines)، ہم میلان (Synclines) اور مسطح یا لیٹا ہوا فولڈز (Recunbent Folds) جیسے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

فی جی (Fiji): جنوبی بحرالکاہل کا ایک جزیروں کا مجموعہ ہے۔ پہلے یہ اس علاقے کی برطانیہ کی سب سے اہم نوآبادی تھا اور 1970 سے ایک آزاد جمہوریہ اور دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ یہ آسٹریلیا کے مشرق میں 3,200 کلومیٹر (2,000 میل) دور واقع ہے۔ اس کا رقبہ 18,130 مربع کلومیٹر اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 776,000 ہے۔ اس کے دو جزیرے وتی لے وو اور وانوا لے بڑے ہیں، باقی چھوٹے جزیرے ہیں۔ اس میں کل تین سو بیس جزیرے ہیں جن میں 105 آباد ہیں۔ سووا (Suva) صدر مقام ہے۔ زبان انگریزی، فیجی اور ہندی بولی جاتی ہے۔ مذہب عیسائی اور ہندو ہے۔

آب و ہوا گرم و مرطوب ہے۔ بڑے جزیرے آتش فشانی اور پہاڑی ہیں۔ گھنے جنگل بھی ہیں اور گھاس سے بھرے ہوئے میدان بھی ہیں۔ زرخیز زمین میں گنا، پھل، روئی، انناس، کیلے اور ناریل پیدا ہوتے ہیں۔ برآمدات میں سب سے بڑا مقام شکر کو حاصل ہے جو کل برآمدات کی 67 فیصدی ہے۔ اس کی کافی مقدار امریکہ اور یورپ کو بھی جاتی ہے۔ صنعتوں میں سونے کی کان کنی اہم ہے۔

ان جزائر کو سب سے پہلے ڈچ جہاز راں تسمان نے 1643 میں دریافت کیا تھا۔ کیپٹن کک یہاں 1774 میں آیا اور 1835 میں یہاں یورپیوں کی پہلی آبادکاری شروع ہوئی۔ 1874 میں برطانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا اور نوآبادی (کالونی) بنالیا اور یہاں پر گورنر کی مدد سے حکومت کرتا رہا۔

فیجی کے اصل باشندے میلانیشین ہیں لیکن وہ کل آبادی کے صرف

چار فیصدی ہیں۔ ہندوستانی بھی کافی ہیں، جو مزدور بھرتی ہو کر 1879 اور 1916 کے درمیان آتے رہے۔ یہ زیادہ تر گنے کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ یوروپی، چینی اور پولینیشین بھی یہاں رہتے ہیں ۔

فیمرے: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

فیثاغورث: آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے اس سائنسداں نے جو ریاضی فلکیات اور جغرافیہ کا ماہر تھا، زمین کو کروی شکل عطا کی اور اسے ایک دہکتے ہوئے مرکزی گول شعلہ کے اطراف گردش کرتا ہوا بتایا۔ فلکیاتی مشاہدات کی اساس پر اس نے کرۂ ارض کو آب و ہوا کے پانچ منطقوں میں تقسیم کیا۔ یہ پہلا مفکر تھا جس نے خط استوا کے جنوب میں آباد علاقوں کے وجود کے امکانات بتائے۔

فیرو۔ جزائر (Faeroe Islands): یہ آتش فشانی جزائر کا مجموعہ ہے۔ ڈنمارک کا مقبوضہ ہے۔ یہ بحر اوقیانوس میں ناروے سے 360 میل دور واقع ہے۔ رقبہ 1,399 مربع کلو میٹر (540 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 47,689 ہے۔ علاقہ کافی بلند ہے۔ نباتات بہت کم ہیں۔ گزر بسر کا انحصار مچھلیاں پکڑنے پر ہے اس کے علاوہ بھیڑیں اور مرغیاں وغیرہ بھی پالی جاتی ہیں۔ آب و ہوا عام طور پر معتدل ہے۔ سب سے پہلے یہاں کلٹ لوگ رہا کرتے تھے۔ گیارھویں صدی میں یہ سلطنت ناروے کا حصہ بن گیا۔ پرانی آبادی طاعون کی وبا سے تقریباً فنا ہو گئی۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں یہاں ناروے کے لوگ آکر بسے۔ 1380 میں یہ ڈنمارک کے تحت چلا گیا۔ انیسویں صدی میں یہاں قومی آزادی کی تحریک ابھری اور فیرو لوگوں نے خود مختاری کا مطالبہ شروع کیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب ہٹلر کی فوجوں نے ڈنمارک پر قبضہ کر لیا تو جزائر فیرو پر انگریزوں نے اثر جما لیا اور جنگ کے بعد یہ ڈنمارک کو واپس مل گئے۔ جنگ کے بعد آزادی کا مطالبہ تیز تر ہو گیا۔ 1946 میں عام رائے لی گئی اور اکثریت نے آزادی کی تائید میں ووٹ دیا۔ لیکن ڈنمارک کی حکومت نے اسے نہیں مانا اور ایک مرتبہ پھر ووٹ لیا گیا اور اس بنا پر یہ فیصلہ منسوخ ہو گیا۔ 1948 میں ڈنمارک کی حکومت کو آخر فیرو کو اندرونی خود مختاری دینی پڑی اور یہاں کے لوگ ڈنمارک کی پارلیمنٹ کے لیے بھی اپنے نمائندے بھیجتے ہیں۔ 1977 میں مچھلیاں پکڑنے کی حدود میں 370 کلو میٹر (200 ناٹیکل میل) تک اضافہ کر دیا گیا۔

فیروز آباد: اتر پردیش کا ایک شہر ہے۔ اس کا طول البلد 09'-27° شمالی اور عرض البلد 24'-78° مشرق ہے۔ یہ شہر کانچ کی چوڑیوں اور شیشہ کی دیگر مصنوعات کے لیے مشہور ہے۔

فیشی یا ہم خصوصیاتی (Facies): حجرات یا جانوروں کے عمومی خواص جیسے ساخت، ماہیت، کایا بدلیت وغیرہ کا ایک مقام سے دوسرے مقام میں بدل جانا جبکہ ان کا عہد وہی یا یکساں ہوتا ہے۔ اس طرح کی خصوصیات کے تبدل کو کایا بدلیت کہا جاتا ہے یعنی وہ حجر، مقام بہ مقام، مختلف شکلوں میں ملتا ہے لیکن وقتی پیمانہ کے ایک ہی حصہ کا حامل ہوتا ہے۔

فیلالس: یہ قدیم یونانی مفکر زمین کی کروی شکل کو تسلیم کرتا تھا اور چاند و سورج کے مداروں کی طرح زمین کے ترچھے مدار کے وجود کا قائل تھا۔

فینگلومریٹ (Fanglomerate): ایک قسم کا روٹ پتھر یا کانگلو مریٹ (دیکھو رڈیشیائی رسوبی حجرات) جو دریائی پنکھوں (Alluvial Fan) کی سنگ شدگی (Lithofaction) کے باعث بنے۔

فیوجی یاما: جاپان کا یہ بلند ترین پہاڑ وسطی ہونشو میں بحر الکاہل کے ساحل پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے 12,388 فٹ بلند ہے۔ یہ ایک خوابیدہ آتش فشاں ہے۔ اس کے دامن کا محیط 78 میل ہے۔ پاس ہی پانچ چھوٹی چھوٹی جھیلیں واقع ہیں۔ کواگوچی جھیل میں پہاڑ کا عکس بہت دلفریب نظر آتا ہے۔ پہاڑ کی بلندی پر ایک قدیم مقبرہ ہے۔ اس کی زیارت کے لیے ہر سال موسم گرما میں ہزاروں معتقدین پہنچتے ہیں۔

فیورڈ: گہرا، لمبا سا، کم چوڑا ساحلی کٹاؤ جو گلیشیائی نشیب کے غرق آب ہو جانے سے رونما ہوتا ہے۔ اس کے پہلو کی دیواریں سلامی دار ہوتی ہیں۔ دہانہ پر اس کی گہرائی مقابلتاً کم رہتی ہے۔ ناروے، گرین لینڈ، الاسکا اور نیوزی لینڈ کے ساحلوں پر ایسے کٹاؤ زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

فیومارول: سطح زمین کا یہ ایسا سوراخ ہے جس سے اندرونی دباؤ کے باعث بھاپ اور گیسیں خارج ہوتی رہتی ہیں۔ یہ اکثر خاموش آتش فشانی علاقوں میں رونما ہوتا ہے۔ الاسکا کے کٹمائی آتش فشاں کے نواح میں ایسے سوراخ بہت زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ک

کابل: یہ افغانستان کا دارالحکومت ہے جو سطح سمندر سے 5,900 فٹ کی بلندی پر دریائے کابل کے کنارے واقع ہے۔ آبادی تقریباً 12 لاکھ ہے۔ پہلے یہ ایک محصور شہر تھا پھر 1960 کے بعد اس نے تنگ گلیوں اور کشادہ سڑکوں کی صورت اختیار کرلی۔

یہاں آثار قدیمہ کی عمارتیں اور باغات قابل دید ہیں۔ تاریخی عمارتوں میں قلعہ بالاحصار قابل تعریف ہے جو برطانوی دور میں مسمار ہوگیا تھا۔ اس کے بعد نادر شاہ نے پھر سے تعمیر کروایا۔ اس میں اب فوجی (ملٹری) کالج ہے۔ دوسری عمارتوں میں دارالسلام پیلیس، سکریٹریٹ اور کابل یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔ یہاں ایک قدیم نوادر کا میوزیم بھی ہے۔ کابل افغانستان کا ایک اہم تجارتی شہر ہے۔ یہاں کھانے پینے کی چیزوں کو ڈبہ بند کرنے، سوتی کپڑے اور فوجی سامان بنانے کے کارخانے ہیں۔ ساتویں صدی میں عربوں نے اس پر قبضہ کیا لیکن بعد میں غزنی اور ہرات نے زیادہ اہمیت حاصل کرلی۔ سولھویں صدی میں اس نے پھر شہرت حاصل کرلی۔ مغل شہنشاہ بابر (1504 تا 1526) نے اسے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ 1738 میں نادر شاہ کے حملہ تک یہ مغل سلطنت کا حصہ رہا۔ انگریزوں نے ہندوستان سے اس پر کئی مرتبہ حملے کئے اور 1839 اور پھر 1879 میں اس پر قبضہ کرکے کافی حصہ کو تباہ کردیا مگر افغان مجاہدوں کی مزاحمت کے سامنے وہ ٹھہر نہ سکے۔

کاٹھیاواڑ: ریاست گجرات میں جزیرہ نما کاٹھیاواڑ واقع ہے۔ یہ خلیج کچھ کے جنوب میں ہے۔ اس کا رقبہ 25 ہزار مربع میل کے قریب ہے۔ اس جزیرہ نما میں کئی نئے بندرگاہ جیسے اوکھا، بیدی، پور بندر اور بھاؤنگر وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ ان بندرگاہوں میں ایسے جہاز آجا سکتے ہیں جن کو زیادہ گہرے پانی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ بندرگاہ ریل کے ذریعہ گجرات، مدھیہ پردیش اور راجستھان سے ملادیے گئے ہیں۔ ان بندرگاہوں کے ذریعے لوہے کا سامان، مٹی کا تیل، موتی اور ریشمی کپڑا درآمد کیے جاتے ہیں اور روئی اور تیل نکالنے کے بیج (روغنی تخم) برآمد کیے جاتے ہیں۔ یہاں سیمنٹ اور کیمیائی اشیا کے کارخانے ہیں۔ کپاس بھی کافی مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ انگریزی راج میں یہ علاقہ کئی چھوٹی چھوٹی دیسی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔

کاوسنگ سان فنگ: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 26,291 فٹ بلند ہے۔ اسے اکثر گوسائیں تھان بھی کہا جاتا ہے۔

کاربونی فیرس (Carboniferous): قدیم حیاتیاتی عہد (Palaezoic Era) کا وہ دور جو ڈوونین کے بعد اور پرمین (Permian) سے قبل تھا۔ اس کا یہ نام اس دور کی چٹانوں میں عالمی طور پر کوئلے کی صورت میں پائے جانے والے کاربن کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ یہ دور آج سے تقریباً 345 کروڑ سال قبل شروع ہوا اور 280 کروڑ سال پہلے ختم ہوگیا۔ اس دور کے دو ذیلی ادوار شمالی امریکہ میں مانے جاتے تھے۔ نچلا مسی سی پی دور (Mississipian Period) اور اوپری پنسلوینیائی (Pennsylvanian Period) دور۔

اس دور میں تقریباً تمام براعظموں میں ڈوونین سے شروع ہونے والی بحری پیش قدمی (Marine Transgression) جاری رہی جس کا سلسلہ وسط پنسلوینیائی دور تک چلا۔ مگر پنسلوینیائی دور کے اواخر تک تمام سمندر پس روی پر مائل ہوگئے تھے۔

اس دور میں مچھلیوں سے پہلی بار جل تھلیوں (Amphibians) اور رینگنے والے جانوروں (Reptiles) کا ارتقا ہوا۔ فرن (Fern)، مخروط (Conifers) وغیرہ کے جنگل بڑے وسیع پیمانے پر پھیل گئے جو رسوبات میں دفن ہوکر بعد میں کوئلے کے ذخائر کی شکل اختیار کرگئے (دیکھئے کوئلے کی تخلیق (Origin of Coal)۔ ناٹی لائڈ سیفلوپوڈس (Nautiloidea Cephalopods) سے پیچیدہ تر ایمونائٹس کا ارتقا ہوا۔ آخر کاربونی فیرس دور میں آب و ہوا تیزی سے سرد ہونی شروع ہوئی اور اس دور کے ختم ہوتے ہوتے گونڈوانا لینڈ میں گلیشیائیت شروع ہوگئی تھی۔

کاربونیٹائٹ (Carbonatite): وہ آتشی حجر جو زیادہ تر کیلشیم کاربونیٹ (کیلسائٹ Calcite) یا کبھی کبھی میگنیشیم کاربونیٹ سے بنا ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ ہی قلوی یا اساسی چٹانوں کے مدور مرکبوں سے متعلق ہوتا ہے۔

کارپوائیڈیا (Carpoidea): عائلہ ایکنوڈرماٹا (Echinodermata) کی ایک جماعت، ان ایکنوڈرم کے چپٹے اجسام اور تنے کی طرح دم ہوتی ہے۔ عہد عمر کیمبرین سے ڈیوونین تک۔

کارٹوگرام (Cartogram): اس کے ذریعہ شماریاتی نقشہ کو ڈائگرام کے روپ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ اسے تیار کرتے وقت نقشہ میں کسی ایک پہلو کی صورت تقسیم کو بہت نمایاں طریقہ پر پیش کرنا مدنظر ہوتا ہے۔ نقشہ کی حدود کی صحت کو برقرار رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس لیے انڈیکس پس منظر میں رکھا جاتا ہے۔ کارٹوگرام کو ایک طرح کا کارٹوگراف کارٹون سمجھا جاسکتا ہے۔ آج کل اعداد و شمار کے اظہار کے طریقوں میں کارٹوگرام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی تین اہم اقسام ہیں۔ ایک مستطیلی کارٹوگرام، دوسرے آمد و رفت کی گزر کے کارٹوگرام اور تیسرے مساوی الوقت (آئسو کرونک) کارٹوگرام۔

مستطیلی کارٹوگراموں سے اصل اعداد اور نسبتیں دونوں مناسب طریقہ پر سامنے آجاتی ہیں۔ انھیں تیار کرتے وقت کسی براعظم یا ملک کو علاقائی یا انتظامی حدود میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں اندرون حدود متعلقہ شماریاتی قدریں مناسب پیانہ کے مستطیلوں سے یا ان کی اجتماعی شکلوں سے پیش کر دی جاتی ہیں۔ اتر پردیش کے نقشہ میں آبادی کے اعداد و شمار کو اسی طریقہ پر دکھا دیا گیا ہے۔ آمد و رفت کی گزر کے کارٹوگراموں کے ذریعہ مختلف شاہراہوں پر ذرائع حمل و نقل، اسباب اور مسافروں کی شدت گزر کو مناسب وہازت کے خطوط سے یا مناسب

کارٹوگرام (Traffic Flow Cartogram)

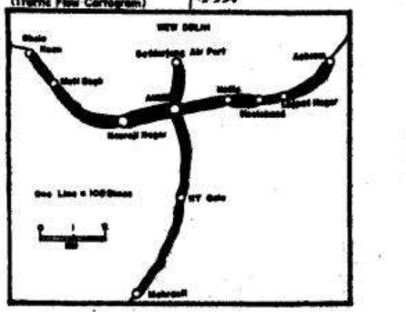

تعداد میں باریک باریک متوازی خطوط کے پھیلاؤ سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ ان خطوط کو دیکھتے ہی اضافی اہمیتیں فوراً عیاں ہو جاتی ہیں۔

مساوی الوقت کارٹوگرام بنانے کے لیے نقشہ میں ان تمام مقامات کو، جہاں تک مرکز شہر یا کسی اور مرکزی مقام سے پہنچنے میں مساوی وقت لگتا ہے، سلسلہ وار جوڑ کر خطوط مساوی القدر دکھا دیے جاتے ہیں۔ مساوی الوقت خط کے تمام مقامات کا مرکزی مقام سے مساوی الفاصلہ ہونا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ بعض دور کے مقامات تک بہت تھوڑی مدت میں اور بعض قریب کے مقامات تک دیر میں بھی پہنچا جاسکتا ہے۔ اس قسم کے کارٹوگرام سے کبھی سفر کی رفتاریں اور کبھی زلزلہ اور مدو جذری موجوں کی حرکت کی رفتاریں بھی دکھائی جاتی ہیں۔

کارخانوں کا محل وقوع: ہر کارخانہ کو قائم کرتے وقت کارخانہ دار حسب ذیل امور پر گہری نظر ڈالتا ہے۔

(1) معیار صنعت اور مصنوعات کی اوسط قیمت فروخت کا اندازہ۔
(2) معاشی عوامل جیسے سرمایہ، مزدوری اور بار برداری کی سہولتیں۔
(3) کام کی تکنیک۔
(4) مناسب محل وقوع کا انتخاب۔
(5) حکومتی رجحانات و میلانات اور پالیسی۔

کارل سار: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

کارل وائے بری شیٹ: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

کارلس باڈ توام (Carlsbad Twins): قلمی نظام کی ایک مائلہ کی متعلقہ قلموں میں توام، عام طور پر عمودی محور کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے توام جپسم (Gypsum) اور آرتھوکلیس (Orthoclase) کی قلموں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی قلموں میں جو توام پائے جاتے ہیں ان کو خاص طور پر کارلس باڈ توام کہتے ہیں۔ یہ نام بوہیمیا کے ایک مقام کارلس باڈ پر رکھا گیا ہے جہاں اس قسم کا توام وہاں کے ٹراکائیٹ (Trachyte) حجر میں پایا جاتا ہے، یہ تماسی توام یا غیر متداخل توام ہو سکتے ہیں۔

کارینتھ نہر: یونان کے جنوبی شہر کارینتھ کے ساتھ خلیج کارنتھ کو مشرق میں خلیج سارونیک سے ملانے والی ایک نہر ہے جو جہاز رانی کے مقصد کے لیے بنائی گئی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔ یہ نہر 4 میل لمبی ہے۔

کاروار: یہ گوا کے جنوب مشرق میں 50 میل اور ممبئی سے 295 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ سمندر کے کنارے پر ایک خوبصورت شہر ہے۔ اس کی آبادی 300,000 ہے۔ اس ضلع میں چھوٹے چھوٹے جزیروں کا مجموعہ بنا ہوا ہے جو آئسٹر شیک (Oyester Shak) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہاں ممبئی سے ہر ہفتہ کئی دخانی جہاز آتے ہیں۔

کارومنڈل (نیوزی لینڈ): نیوزی لینڈ میں سونے کی قدیم ترین کانوں کا علاقہ جو 1852 میں دریافت کیا گیا تھا۔ یہاں جزیرہ نمائے کارومنڈل اور سلسلہ کوہ کارومنڈل دونوں ہی شمالی جزیرے میں واقع ہیں۔

کازی رنگا: آسام میں گوہاٹی سے 218 کلومیٹر کے فاصلے پر گینڈے، ہاتھی، جنگلی بھینس، ہرن، سانبھر اور متعدد اقسام کے آبی پرندوں کی محفوظ رہائش گاہ ہے جس کا رقبہ 430 مربع کلومیٹر ہے۔

کاس (Basin): (الف) ایک نشیبی علاقہ یا گڑھا جس میں حجری تہیں اندر کی طرف میلان (Dip) کر رہی ہوں یا باہم میلانی ہوں۔ (ب) ایک وسیع گڑھا جس میں ملحق علاقے کی ندیاں آکر ختم ہوتی ہوں اور جس کا کوئی سطحی خارجی راستہ نہ ہو۔ (ج) قشر ارض کا وہ حصہ جو کچھ عرصے تک زیر خمی (Down Warp) کی طرف مائل ہو مگر جس میں وقفے وقفے سے دھنساؤ اور ابھراؤ (Sinking and Rising) ہوتا رہے۔ ایسے گڑھوں میں رسوب کی دبازت یا موٹائی (Thickness) کاس کے وسط میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

کاسابلینکا (Casablanca): شمالی افریقہ کے ساحل پر مراقش (مراکو) کا اہم بندرگاہ ہے۔ صنعتی، تجارتی اور معاشی مرکز ہے۔ ہوائی راستوں کا بھی بڑا مرکز ہے۔ یہاں کی اکثر عمارتیں سفید رنگ کی ہیں۔ اس لیے اسے "دارالبیضہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ براعظم افریقہ میں تیسرے نمبر کا بڑا شہر ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 1,506,173 تھی۔ 1755 میں زلزلہ کے باعث شہر کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا تھا۔ اور آخر اٹھارہویں صدی میں اسے علوی سلطان نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ ساحل پر اس شہر کی لمبائی 10 میل ہے۔ اندر کی طرف پانچ میل سے زائد فاصلہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا نواحی علاقہ زیر کاشت ہے۔ بحر اوقیانوس کے اعتدالی اثر کے باعث آب و ہوا سال بھر خوشگوار رہتی ہے۔ ہوا مرطوب رہتی ہے۔

اور موسمی تفاوت حرارت زیادہ نہیں ہوتا۔ بارش کا سالانہ اوسط 16 انچ ہے۔ ذرائع آمد و رفت میں کافی توسیع ہوئی ہے۔

کاسماس: یہ دور وسطی کے تاریک زمانہ کا جغرافیہ داں اندھا دھند مذہبی تصورات کو برتری دیتا تھا۔ سائنسی مدلل توضیحات کا قائل نہ تھا۔ جنوبی نصف کرہ میں آبادی کے وجود کے تصور کا خوب مذاق اڑاتا تھا۔ اس کے جغرافیائی بیانات میں انحطاط کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ زمین کی تخلیق اور لمبوتری تشکیل کے تعلق سے بھی اس نے قادر مطلق کو کارفرما بتایا ہے۔ اس نے زمینی پھیلاؤ کے دو جدا جدا حصے بتائے ہیں۔ ایک آباد وسطی حصہ جو سمندر سے گھرا ہوا ہے اور دوسرا سمندر پار کا حلقہ نما علاقہ جس کے چاروں کناروں پر زمین اور آسمان باہم ملے ہیں۔

کاغذ سازی کی عالمی صنعت: اخباری کاغذ کی صنعت کنیڈا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جاپان، فن لینڈ، روس، سویڈن، برطانیہ، فرانس، اٹلی اور ناروے میں مرکوز ہے۔ یہ دس ممالک دنیا کے اخباری کاغذ کا 85 فیصدی تیار کرتے ہیں۔ ان میں کنیڈا سب سے آگے ہے جو عالمی اخباری کاغذ کا 40 فیصدی مہیا کرتا ہے۔ طباعت اور لکھائی کے کاغذ کی پیداوار میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ سب سے آگے ہے یعنی عالمی پیداوار میں اس کا حصہ 40 فیصدی ہے۔ کاغذ سازی اور دفتی سازی کی صنعتوں میں سب سے بڑا حصہ دوسری قسم کے کاغذ اور دفتی کا ہوتا ہے جن کو "صنعتی کاغذ" کہا جاتا ہے۔ صنعتی کاغذ پیدا کرنے والے ممالک میں جو ممالک سب سے آگے ہیں، ان میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جاپان، روس، وفاقی جمہوریہ جرمنی، برطانیہ، کنیڈا، سویڈن، فرانس، فن لینڈ اور اٹلی شامل ہیں۔

کاغذ سازی کی عالمی انجمن میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کنیڈا اور سویڈن سب سے آگے ہیں جن کے اثرات کاغذ کی عالمی مارکیٹ میں نمایاں ہیں۔

دنیا میں کاغذ کا استعمال 1951 میں 44 ملین ٹن، 1961 میں 77 ملین ٹن اور 1970 میں 123.50 ملین ٹن تک بڑھ چکا تھا۔

کاغذ کا فی کس استعمال دنیا کے مختلف ممالک میں بڑی حد تک بڑھ چکا ہے۔ یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سب سے زیادہ یعنی 242 کلوگرام ہے۔ اس کے بعد سویڈن اور کنیڈا کا درجہ ہے، جن کا کاغذی صرفہ علی الترتیب 168 اور 167 کلوگرام ہے۔ ہندوستان میں یہ 1.5 کلوگرام ہے۔

کالاہانڈی: ریاست اڑیسہ میں ایک چھوٹا شہر ہے۔ یہ مینگنیز کے کارخانے کے لیے مشہور ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کالا ہستی: ہندو اس مندر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں جو آندھرا پردیش کے ضلع چتور کی دو ڈھلوانی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔

کالن پانگ: یہ مشرقی ہمالیہ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 23,933 فٹ بلند ہے۔

کالندی (کالی ندی): قنوج سے کچھ آگے گنگا سے اس ندی کا سنگم ہوا ہے۔ بلند شہر اور ضلع ایٹہ کا مشہور شہر کاس گنج اس کے بائیں کنارے اور قنوج اس کے دائیں کنارے پر واقع ہیں۔

کانپور: اتر پردیش کا ایک بڑا صنعتی شہر ہے، جو پارچہ بافی، مصنوعی ریشم اور چمڑے کی صنعت کا اہم مرکز ہے۔ اس کے علاوہ یہاں مشینری، ٹی وی، اونی سوتی کپڑوں، ہوائی جہاز وغیرہ بنانے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ یہاں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی بھی قائم ہے۔ یہاں یونیورسٹی اور کالج بھی واقع ہیں۔

کانچی پورم (کانجی ورم): چینئی سے 80 کلو میٹر کے فاصلے پر یہ ایک مندروں کا شہر ہے۔ اس لیے زائرین کا ایک اہم مرکز بن گیا ہے۔ یہاں متعدد مندر ہیں جو سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونوں کے لیے مشہور ہیں۔ یہاں کا کیلاش ناتھ مندر تقریباً بارہ سو سال قدیم ہے۔ دوسرا مشہور مندر ایکم بریسور ہے۔ لارڈ وردھراج کا مندر ہزار ستون کے ہال کے لیے مشہور ہے اور سولہویں صدی عیسوی کی سنگ تراشی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

کانچی پورم، پالوا، چولا اور وجیانگر کے راجاؤں کی حکومتوں کی راجدھانی رہا ہے۔ یہاں کی ساڑیاں سارے ہندوستان میں شہرت رکھتی ہیں۔

کانڈلا: ریاست گجرات میں بمقام کانڈلا، ایک بڑا بندرگاہ بنایا گیا ہے جس کی تعمیر پر اب تک تیرہ کروڑ روپے صرف کیے گئے ہیں۔ آزادی سے پہلے ہندوستان کی جو تجارت بندرگاہ کراچی سے ہوتی تھی وہ اب بندرگاہ کانڈلا سے ہوتی ہے۔ مغربی ساحل پر یہ دوسرا بڑا بندرگاہ ہے۔ اس کے نزدیک ہی ایک شہر "گاندھی دھام" بسایا گیا ہے۔ بندرگاہ کے قریب ایک صنعتی مرکز قائم کیا گیا ہے۔ یہاں سارا کچا مال جو باہر سے آتا ہے، اس پر کوئی ٹیکس یا چنگی نہیں لگتی اور تیار شدہ تمام مال برآمد کیا جاتا ہے۔

کانگو (Congo): عوامی جمہوریہ کانگو آزادی سے پہلے وسطی کانگو کہلاتا تھا۔ یہ پہلے فرانسیسی ایکوے ٹوریل افریقہ کے چار حصوں میں سے ایک تھا۔ دوسرے تین حصے گیبون، اُبانگی شاری، اور چاڈ تھے۔ یہ پورا علاقہ فرانسیسیوں کی نوآبادی (کالونی) تھا۔ کانگو کا موجودہ صدر مقام برازاویل ہے۔ کانگو کے مغرب میں گیبون، شمال میں کیمرون اور سینٹرل افریقن ریپبلک، مشرق میں زائرے اور دریائے کانگو، جنوب مغرب میں کابندہ اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 342,000 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 2,309,400 ہے۔ بڑا حصہ بنٹو قبائل پر مشتمل ہے۔ بول چال کی زبان بنٹو ہے۔ سرکاری اغراض کے لیے فرانسیسی استعمال ہوتی ہے۔ آبادی کی اکثریت قدیم مذاہب کی پیرو ہے۔ 38 فیصدی کیتھولک عیسائی ہیں۔

خطِ استوا پر واقع ہونے کی وجہ سے یہاں گرمی ہوتی ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے، جس کی وجہ سے کافی گھنے جنگلات ہیں۔ جن سے عمارتی لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن سڑکوں کے فقدان کی وجہ سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا جتنا ہونا چاہیے تھا۔ کساوا، شکر قند، مونگ پھلی اور پام کی کاشت ہوتی ہے۔ تیل نکلتا ہے اور پوٹاش کی کان کنی ہوتی ہے۔

درآمدات کا 54 فیصدی فرانس سے آتا ہے۔ اس کے علاوہ جرمنی اور چین سے بھی درآمدات آتی ہیں۔ برآمدات فرانس، جرمنی، ہالینڈ اور جنوبی افریقہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 62 فیصدی تیل اور 19 فیصدی عمارتی لکڑی ہے۔

رائج سکہ فرانک ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 502,918 اور استادوں کی تعداد 7,626 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 183,023 طالب علم اور 6,851 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 12,045 طالب علم اور 1,159 استاد تھے۔

یوروپی اقوام کے افریقہ میں آنے سے پہلے یہ علاقہ قدیم کانگو کا ہی حصہ تھا۔ پندرھویں صدی میں یوروپی اقوام میں سے یہاں سب سے پہلے پرتگالی آئے۔ شروع سترھویں صدی میں فرانسیسیوں نے یہاں اپنے تجارتی مرکز قائم کیے۔ 1875 کے بعد فرانسیسیوں نے یہاں اندرونی علاقوں میں جانا شروع کیا۔ بعض مقامات کے لیے بلجیم اور فرانس میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا لیکن 1885 کی برلن کانفرنس میں یہ سلجھایا گیا۔ شروع میں کانگو فرانسیسی کانگو کہلاتا تھا۔ پھر وسطی کانگو کہلایا اور 1910 میں فرانس نے اسے نوآبادی (کالونی) بنا کر فرانسیسی ایکویٹوریل افریقہ کا حصہ بنا لیا۔ 1956 میں فرانس نے اسے اندرونی خود مختاری دے دی۔ 15 راگست 1960 کو اس نے مکمل آزادی حاصل کر لی اور مجلس اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

کانگو کی حکومت افریقہ کی بائیں بازو کی ترقی پسند حکومتوں میں شمار ہوتی ہے اور تمام اہم مسائل میں الجیریا، موزمبیق، تنزانیہ وغیرہ کا نقطۂ نظر اختیار کرتی ہے۔ ہر قسم کی سامراجیت کے خلاف ہے اور افریقہ کی ہر تحریک آزادی کی مدد کرتی ہے۔

1968 میں حکومت اور فوج میں اختلافات پیدا ہوئے اور فوج نے بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور نگوبی (فوجی کمانڈر) نے اقتدار سنبھال لیا۔ نظام البتہ سوشلسٹ ہی رہا اور اس نے خود اپنی بائیں بازو کی تنظیم بنائی۔ 1972 میں ایک بغاوت کو اس نے کامیابی سے کچل دیا لیکن 1977 میں اسے قتل کر دیا گیا۔ 1981 میں کانگو نے سوویت روس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا۔ پیٹرول کی قیمتوں میں کمی نے 89-1988 میں ملک میں اقتصادی بدحالی بڑھا دی۔

1992 میں استصواب رائے سے ملک میں کئی پارٹیوں کی مشترکہ حکومت بنانے کی تجویز منظور ہوئی۔

کاویری: کاویری ایک مقدس ندی ہے جسے دکشن گنگا بھی کہتے ہیں۔ اس ندی کی دو دھاراؤں پر شری رنگم کا جزیرہ واقع ہے جس پر جنوبی ہند کا سب سے مشہور شری رنگناتھ سوامی کا مندر واقع ہے۔ اسی ندی کے کنارے چیر، چول اور پانڈیوں کی قدیم سلطنتوں کی بنیاد پڑی تھی اور بعد میں شری رنگا پٹنم پر ٹیپو سلطان نے قلعہ تعمیر کروایا تھا۔ کاویری کا سرچشمہ مغربی گھاٹ میں کورگ کے مقام پر ہے۔ ریاست کرناٹک کا مشہور ڈیم، کرشنا راج ساگر، کاویری پر ہی بنایا گیا ہے۔ اس ندی سے کرناٹک اور تامل ناڈو کے علاقے فیضیاب ہوتے ہیں جن کی سرحد پر شیوسمدرم کا جزیرہ ہے جہاں سے برقی قوت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کاویری فالس الکٹرک پاور اسٹیشن کہلاتا ہے۔ کاویری کی اہم معاونین شمشا، بھوانی، نوول اور امراوتی ہیں جن کے کناروں پر تروچیراپلی، جنوبی ارکاٹ اور تنجور واقع ہیں۔ شری رنگم کے قریب قدیم، مضبوط اور طویل بندھ ہے، جس سے تنجور کا علاقہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ تامل ناڈو میں اس پر میٹور ڈیم کی تعمیر ہوئی ہے۔ کول رن کے قریب جہاں کاویری خلیج بنگال میں مل جاتی ہے۔ چید مبرم کا مشہور نٹ راج شیو کا مندر واقع ہے اور یہیں اناملائی یونیورسٹی بھی ہے۔ تامل رامائن کے مشہور شاعر کمبر، نے اسی ندی کے کنارے رامائن کی تصنیف کی تھی۔ لہٰذا اس ندی کا جنوبی ہند کی تہذیب و تمدن پر کافی اثر پڑا ہے۔

کایابدل ہالہ (Metamorphic Aureole): کسی آتشی جسم (Igneous Body) کے آس پاس کا علاقہ جو آتشی متداخل (Intrusion) کے باعث ہونے والی کایابدلیت کا احاطہ کرے۔ عموماً یہ تبدیلیاں آتشی جسم کی حرارت کے باعث ہوتی ہیں اور اس صورت میں آس پاس کے علاقے کو (جس کی حدود متداخل مادہ کی حدود کے متوازی ہوتی ہیں) تماسی ہالہ (Contact Aureole) کہتے ہیں۔ کیونکہ ساری تبدیلیاں اس ہالے کے اندر کے علاقے میں ہی ممکن ہیں اس طرح اس کی بیرونی حد بندی علاقائی حجرات (Country Rocks) کی ساخت یا جماوی ترکیب میں تبدیلی کے پہلے آثار کے مطابق مقرر کی جاتی ہے۔ یعنی اس کی بیرونی حد کے باہر علاقائی حجرات کایابدلیت کے عمل سے قطعی متاثر نہیں ہوتے۔ کایابدلی کے ہالے کی چوڑائی کا انحصار مندرجہ ذیل عوامل پر ہوتا ہے۔

(1) علاقائی حجرات کی ضیائی حجرات میں زیادہ چوڑائی اور ریتیلی یا دانہ دار حجرات میں بے حد کم چوڑائی۔ (2) متداخل (Intrusive) حجرات کی جسامت، ان کا درجہ حرارت اور متداخل حجر یا چٹان میں طیرانی (Volatile) مادوں کا تناسب۔

کایابدلیت: جب حجرات سطح زمین سے زمین کی مختلف گہرائیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو بدلے ہوئے طبعی ماحول میں ایسے حجرات کی طبعی اور کیمیائی ماہیت بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے حجرات کی ساخت، ترکیب اور ماہیت میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ایسے سارے پیچیدہ عوامل کو کایابدلیت (Metamorphism) کہا جاتا ہے۔

کایابدلیت کے اس عمل میں حرارت، دباؤ اور کیمیائی محلول زبردست رول ادا کرتے ہیں۔ کایابدلیت کے عمل میں سطح زمین پر رونما ہونے والی تبدیلیوں جیسے موسمی فرسودگی کو شامل نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ کایابدلیت کے عمل میں نہ صرف تبدیلیاں زمین کی گہرائیوں میں وقوع پذیر ہوتی ہیں بلکہ ایسے سارے عوامل لازمی طور پر حجرات میں صرف اکثر ٹھوس حالت (Solid State) میں ہی ہوتے ہیں۔ کایابدلیت عمل کی وجہ سے جو نئے تبدیل شدہ حجرات تشکیل پاتے ہیں انھیں کایابدل حجرات (Metamorphic Rocks) کہا جاتا ہے۔

کایابدلیت عمل کے نتیجے میں جو نئے حجرات بنتے ہیں ان کی مجموعی کیمیاوی ترکیب میں عملاً کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہی اجزا ترکیبی پھر سے نئے حالات میں نئے جمادات کے روپ میں پھر رونما ہوتے ہیں۔ اگر ان کے اجزا ترکیبی میں کوئی فرق ہو جائے تو پھر اس عمل کو میٹاسوماٹیزم (Metasomatism) کہا جاتا ہے۔

کایابدلیت کے عمل کو اس کے نمایاں عوامل کی روشنی میں مندرجہ ذیل چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(1) حرارتی کایابدلیت: اس عمل میں پہلے سے موجود حجر میں تبدیلی محدود علاقے میں صرف حرارت کے اضافے سے واقع ہوتی ہے جبکہ دباؤ کے اثرات تقریباً مفقود ہوتے ہیں یا بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ عمل عام طور پر آتشی حجرات کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

(2) حرکی کایابدلیت: اس عمل میں بڑی حد تک حجرات میں تبدیلی دباؤ کے مقامی اثرات کی وجہ سے رونما ہوتی ہے۔ جس میں کایابدل حجرات عام طور پر شکستہ اور خستہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

(3) حرکی اور حرارتی کایابدلیت: یہ بہت بڑے پیمانے پر رونما ہونے والی تبدیلی ہے۔ جس میں زمین کی گہرائیوں میں حجرات حرارت اور دباؤ میں زبردست اضافہ کی وجہ سے یکسر بدل جاتے ہیں۔ ایسے حجرات میں نئے اور مخصوص کایابدل جمادات (Metamorhphic Minerals) کی بہتات ہوتی ہے۔ اس قسم کے عمل سے بننے والے کایابدل حجرات شسٹ (Schist) اور نائیس (Gneiss) بہت عام ہیں۔

(4) کایابدلیت کا عمل معکوس: یہ ایک مخصوص قسم کا عمل ہے جس میں حجرات انتہائی زیادہ درجہ کی حرارت اور دباؤ سے نکل کر ادنیٰ درجہ کی حرارت اور دباؤ کے منطقے میں آجاتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے کایابدل حجرات میں ایسے جمادات موجود رہتے ہیں جو دو مختلف کایابدل منطقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

کایابدلیت اور کایابدل حجرات (Metamorphism and Metamorphic Rocks)

کایابدلیت وہ عمل ہے جس کے ذریعے حجرات میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے عوامل تپش، حرارت، دباؤ اور کیمیائی عامل سیال ہیں اور ان عوامل میں سے ایک یا زیادہ کی موجودگی کے باعث ہی کسی عمل کو کایابدل عمل کہا جائے گا۔ ان اعمال کے لیے حجرات کا ٹھوس حالت میں رہنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حجرات کا پگھلنا اور حل ہونا کایابدلیت کی حدود میں نہیں آتے۔ ان عملوں کا آخری نتیجہ کایابدل حجرات کی صورت میں نکلتا ہے۔ جو پہلے سے موجود حجرات پر تپش، دباؤ اور کیمیائی سیال کے اثرات کے باعث بنتے ہیں۔ جب کسی مقام پر خارجی کیمیائی مادے داخل ہوتے ہیں تو ان کے باعث تبدیلیوں کو کیمیائی کایابدلیت یا میٹاسومیٹزم (Metasomatism) کہا جاتا ہے۔ کایابدلیت عمل پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) تپشی یا حرارتی کایابدلیت (Thermal Metamorphism): جب تپش ہی واحد عامل ہو اور دباؤ کے اثرات نہ ہوں۔ اکثر یہ عمل میگمائی متداخل سے متعلق ہوتا ہے اور اس صورت میں تماسی کایابدلیت (Contact Metamorphism) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کہ کایابدلیت کی وجہ میگمائی متداخل کا تپش خارج کرنا ہوتا ہے۔

(2) حرکی یا دباؤ کایابدلیت (Dynamic Metamorphism): جس میں صرف دباؤ کا عمل اہم ہو جو حجر کو شکستہ کر دے۔ اس شکستگی (Cataclysm) کا درجہ اس قدر شدید ہو سکتا ہے کہ حجر بالکل سفوف (Powdery) ہو جائے تو اس حجر کو مائلونائٹ (Mylonite) کہتے ہیں اور اس عمل کو مائیلونائزیشن یا مائلونائزیشن مائلونائٹ (Mylonitization or Mylonisation) کہا جاتا ہے۔

(3) منطقائی کایابدلیت (Regional or Dynamothermal metamorphism): اس میں تپش اور دباؤ دونوں عوامل مساوی طور پر شامل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے نئے جمادات بھی تشکیل ہوتے ہیں اور ٹکٹونائٹ (Tectonite) وسیع پیمانے پر بنتے ہیں۔ اس طرح کا عمل خاص طور پر کوہ سازی (Orogeny) کے دوران ہوتا ہے۔

(4) انحطاطی کایابدلیت (Retrograde Metamorphism): یہ کایابدلیت کا الٹا عمل ہے جس میں زیادہ اونچے درجے کی کایابدلیت سے حاصل شدہ حجرات کم تر درجے کے کایابدل حجرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

(5) خود کایابدلیت (Auto-metamorphism): اس میں وہ تبدیلیاں شامل ہیں جو کسی آتشی جسم کے سرد ہونے کے دوران باقی ماندہ سیالوں کے ٹھوس حصوں سے تعامل کے باعث ہوتی ہوں۔

محض حرارت یا تپش کے اثرات میں عام طور پر صرف دوبارہ یا مکرر قلماؤ (Recrystallization) ہے جس کی مثالیں چونا پتھر یا لائم اسٹون (Lime Stone) کا سنگ مرمر میں اور ریت پتھر (آرتھو کوارٹزائٹ، ریتیلے یا ارنیشیائی رسوب) کا کوارٹز میں تبدیل ہونے سے دی جا سکتی ہیں۔ مگر دباؤ کے زیر اثر کئی قسم کی ساختیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خاص طور پر ضیائی حجرات میں خاکی جمادات اور کبھی کبھی فیلسپار ابرکی (Micaceous) جمادات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ان جمادات کی مہین پرتیں (Flakes) دباؤ کے عمودی سمت میں ایک دوسرے کے متوازی جم جاتی ہیں۔ اس کو تورق (ورق دار بننا) (Folition) یا ترکیدگی (Cleavage) کہتے ہیں۔ جب دباؤ کے اثرات زیادہ ہوں تو یہ شگاف سلیٹی ترکیدگی (Slaty Cleavage) کی طرح استوار اور مستقیم ہوتا ہے کہ حجرات اس سطح پر آسانی سے ٹوٹ سکتے ہیں۔ مزید قلماؤ (تپش کے باعث) کے باعث مخنی ترکیدگی (فلائٹی ترکیدگی Phyllite cleavage) پیدا ہو جاتی ہے اور منطقائی کایابدلیت کے دوران

شسٹی ساخت (Schistose Structure) اور نائسی ساخت (دیکھئے نائس Gneise) پیدا ہو جاتی ہے۔ پرتی جمادات کے علاوہ دانے دار جمادات جیسے کوارٹز اور فیلسپار بھی دباؤ کی وجہ سے لمبے (Elongated) اور بیضوی شکل کے ہو جاتے ہیں۔

کایابدل حجرات کا ایک مجموعہ جو حرارت اور دباؤ کے یکساں حالات میں بنا ہو، کایابدل فیشی (Metamorphic Facies) کہلاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے ان حجرات کی جماداتی ترکیب کے امتیازات ابتدائی حجرات کی مختلف جماداتی ترکیبات کے باعث عمل میں آئے ہوں گے۔ سب سے کم درجے کی معطقائی کایابدلیت فیشی سبز شسٹ فیشی (Green Schist Facies) ہے جبکہ سب سے زیادہ درجے کا کایا بدل فیشی ایکلوگائٹ فیشی (Eclogite facies) کہلاتا ہے۔

کاہنا نیشنل پارک: ہندوستان کے وسطی پہاڑوں اور ناگپور سے 273 کلو میٹر کے فاصلے پر ہرن، چیتل، سانبھر، ارنا بھینسا اور گوشت خور جانوروں کی یہ ایک عمدہ محفوظ رہائش گاہ ہے۔

کپل وستو: نیپال کی ترائی میں چھتریوں کے شاکیہ حکمرانوں کی راجدھانی تھا۔ حضرت عیسیٰ سے چھ سو سال پہلے شاکیہ سلطنت کے راجا شدھودن کے اکلوتے بیٹے سدھارتھ 562 ق م میں یہیں پیدا ہوئے، جو بعد میں مہاتما بدھ کے نام سے بہت مشہور ہوئے۔

کپیلا: دور وسطیٰ کے اس عیسائی جغرافیہ داں نے ایک کتاب "مسیحی ٹپاگرافی" کے عنوان سے ترتیب دی۔ میکروبیس کی طرح یہ بھی ایراٹاستھنیز اور ٹالیمی کے تصورات سے بے حد متاثر تھا۔ کروی زمین کو یہ چاروں طرف سمندر سے گھرا ہوا تصور کرتا تھا اور کرۂ ارض پر پانچ رواجی منطقوں کے پھیلاؤ کو تسلیم کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں جغرافیائی میدان کے سائنسی نظریے کمزور پڑتے گئے اور اکثر بیانات خرافاتی شکل میں پیش کیے جانے لگے۔ ہندوستان، دریائے نیل اور بحیرۂ کیسپین کی جغرافیائی تفصیلات کو اس نے بڑے ناقص طریقہ پر پیش کیا۔

کتہ گنڈم تھرمل اسٹیشن: آندھرا پردیش کا یہ تھرمل اسٹیشن کتہ گنڈم کی کوئلہ کی کانوں کے قریب واقع ہے جہاں کوئلے کے عظیم ذخائر کی موجودگی کی وجہ سے اس سے تقریباً 6 لاکھ تا 10 لاکھ کلوواٹ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ 60 میگاواٹ کے چار یونٹوں کا 67-1966 میں افتتاح کیا گیا تھا۔

کٹ منڈو (کاٹھمنڈو): ریاست نیپال کا سب سے مشہور شہر اور صدر مقام ہے جو پہاڑیوں کے درمیان "بھاگ متی" اور "وشمتی" ندیوں کی نہایت زرخیز وادی میں 4,500 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کو "کنتی پال" بھی کہتے ہیں۔ نیپال کی تقریباً ایک چوتھائی آبادی کٹ منڈو میں رہتی ہے۔ ہندوستان سے برآمد اور درآمد ہونے والی اشیا اسی وادی سے ہو کر گزرتی ہیں۔ ہلکا سامان اور مسافر بذریعہ ہوائی جہاز کٹ منڈو پہنچائے جاتے ہیں کیونکہ یہ علاقہ اونچی اونچی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ 1971 میں آبادی 2 لاکھ کے قریب تھی۔ اس شہر کی بنیاد 723 میں راجا گنگادیو نے رکھی تھی۔ اس سے تین میل کے فاصلے پر "بودھ ناتھ" کا مقبرہ ہے۔ شروع میں اس پر نیواروں کی حکومت تھی۔ پندرہویں صدی میں اس نے آزادی حاصل کر لی۔ 1768 میں گورکھا لوگوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے اپنا صدر مقام بنا لیا۔ یہاں قدیم زمانہ کے کئی مندر ہیں جن میں اکثر نیواروں کے بنائے ہوئے ہیں جن میں کٹ منڈو کا مندر بہت مشہور ہے۔ یہ لکڑی سے بنایا گیا ہے۔

کٹاؤ یا تخریب آب رواں سے: دیکھئے آب رواں سے تخریب یا کٹاؤ۔

کٹاؤ یا تخریب (ٹوٹ پھوٹ)۔ گلیشیر سے: دیکھئے گلیشیر سے کٹاؤ یا تخریب (ٹوٹ پھوٹ)۔

کٹک: اڑیسہ کا ایک اہم شہر اور ضلع ہے۔ مہاندی اور اس کی معاون کوئی چوری اس میں سے گزرتے ہیں۔ کلکتہ سے 220 میل دور جنوب مغربی جانب اور سمندری ساحل سے 45 میل دور واقع ہے۔ اس کو اننگا بھیما دیو اسوم (III) نے بسایا تھا۔ یہاں چاول اور پٹ سن کی کاشت ہوتی ہے۔

کچی پڈی: یہ ریاست آندھرا پردیش میں وجے واڑہ سے 60 کلو میٹر کے فاصلے پر کچی پڈی ناچ ایجاد کرنے والے مشہور یوگی شری سید ہندر کا مقام پیدائش ہے۔ یہ ناچ سارے ہندوستان میں مشہور ہے۔ اس آرٹ کی تعلیم کا پانچ سال کا کورس ہوتا ہے، جس کے بعد اس آرٹ کے طالب علم کو نرتیہ آچاریہ کا لقب دیا جاتا ہے۔ جنوبی ہند میں یہ بہت مقبول ہے۔

کچھ: یہ ریاست گجرات کا مغربی حصہ ہے۔ مغربی پاکستان کی سرحد اس کے ساتھ ملتی ہے۔ اس کا اکثر حصہ بنجر ریگستان ہے۔ یہاں بارش بہت کم ہوتی ہے کیونکہ بحیرۂ عرب کی موسم گرما کی مونسون ہوائیں، کسی رکاوٹ کے نہ ہونے سے بغیر بارش برسائے ہوئے، اس پر سے گزر جاتی ہیں۔ یہاں جوار، باجرہ، کپاس کی کاشت ہوتی

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ہے۔ یہاں معدنیات کے بہت سے ذخائر ہیں۔ چونے کا پتھر، جپسم، لوہے کی کچ دھات بہت ملتی ہے۔ بھج، جو کسی زمانہ میں اس ریاست کی راجدھانی تھی، اب میوزیم، چاندی کے کام اور چھاپہ دار کپڑے کے لیے مشہور ہے۔ کانڈلا کچھ کا نیا بندرگاہ ہے۔

کدم: آندھرا پردیش کے ضلع عادل آباد میں کدم ندی پر ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے جو گوداوری پر اجکٹ کی شمالی نہر (نارتھ کنال) کا ایک جزو ہے۔ اس نہر کی لمبائی تقریباً 75 کلو میٹر ہے اور اس سے 65 ہزار ایکڑ علاقہ سیراب ہوتا ہے۔

کراچی: پاکستان کا سب سے اہم قدرتی بندرگاہ اور صنعتی شہر ہے۔ اس کا عقبی علاقہ نہایت ہی وسیع ہے، جس کی تجارتی اعتبار سے اہمیت نہ صرف پاکستان کے لیے بلکہ ایران اور افغانستان کے لیے بھی ہے۔ بندرگاہ کراچی ڈھائی مربع میل کے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں موٹروں کے پرزے جوڑ کر موٹریں بنانے کا بہت بڑا کارخانہ، تیل صاف کرنے کا کارخانہ، اس کے علاوہ سیمنٹ، سوتی کپڑے، دوائیں اور جوتوں وغیرہ کے کارخانے ہیں۔ اس بندرگاہ سے برآمد ہونے والی اہم چیزیں، گیہوں، روغنی تخم، روئی، اون، چمڑے اور کھالیں اور ہڈیاں اور صنعتی چیزیں ہیں۔ درآمد ہونے والا مال، روئی سے تیار کی ہوئی چیزیں، شکر، دھاتیں، مشینری، تیل، اونی چیزیں، کیمیائی اشیا ہیں۔ کراچی کی آبادی تقریباً 70 لاکھ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ اس کا صدر مقام تھا۔ بعد میں صدر مقام پہلے راولپنڈی اور پھر اسلام آباد منتقل ہو گیا۔ یہاں ایک یونیورسٹی، کئی ٹکنیکل کالج اور دوسرے تعلیمی ادارے اور عجائب گھر ہے۔ یہاں کا ایرپورٹ ایشیا کے بڑے ہوائی اڈوں میں سے ایک ہے۔

کربلا: وسطی عراق کا یہ انتہائی مقدس شہر اسی نام کے محافظہ کا صدر مقام ہے۔ بغداد کے جنوب مغرب میں 55 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دونوں مقامات ریلوے لائن سے جوڑ دیے گئے ہیں۔ یہاں 680 میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت عظمیٰ کا سانحہ پیش آیا تھا جہاں ان کے ساتھ اہل بیت شہید ہوئے تھے۔ امام شہید کے مقبروں پر آج بھی ہزاروں زائرین پہنچتے رہتے ہیں۔ یہ ایک اہم تجارتی مرکز ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 107,496 تھی۔

کرتھر: پاکستان میں یہ ایک پہاڑیوں کا سلسلہ ہے جو سندھ کے زیریں میدان، قلات اور لس بیلا ضلعوں کے درمیان حد بندی کرتا ہے۔ کئی متوازی پہاڑیاں 4,000 سے 8,000 فٹ بلند ہیں۔ ان میں کئی خندقیں واقع ہیں۔ شمالی حصہ میں کولاچی ندی اور جنوبی حصہ میں حب اور لیاری ندیاں بہتی ہیں۔

کرٹیس: یہ یونانی سائنسداں مالس کا باشندہ تھا۔ اس نے 150 ق م میں شمالی نصف کرہ کی طرح جنوبی نصف کرہ میں بھی تین جوابی براعظموں کے وجود کا تذکرہ کیا اور انھیں انٹاس، پیریاس اور انٹی پوڈز کے ناموں سے موسوم کیا۔

کرسٹالو: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

کرسمس جزیرہ (Christmas Island): یہ آسٹریلیا کے شمال مغرب میں اور جاوا (انڈونیشیا) کے جنوب میں 320 کلو میٹر یا 200 میل دور بحر ہند میں ایک جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 155 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی تقریباً تین ہزار ہے۔ اکثریت چینیوں اور ملائیوں کی ہے۔ یہ چونے اور فاسفیٹ کی کانوں میں کام کرتے ہیں۔ جن کے یہاں بڑے بڑے ذخیرے ہیں۔ 1888 میں برطانیہ نے اس جزیرے پر قبضہ کر کے اسے آبنائے ملایا کا حصہ بنا دیا تھا۔ 1958 میں یہ آسٹریلیا کو مل گیا۔

کرشر، اتھنیسیس (Athanasius Kircher): کرشر 1602 میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ اس نے زمین کو طبعی طور پر سمجھنے کی کوشش کی اور اپنی کتاب "مینڈس سب ٹیرے نیئس" (Mundus Subterraneous) کی دس جلدوں میں اس نے ارضیات کی بہت سی شاخوں کا احاطہ کیا جس میں سورج، چاند اور زمین کی ترکیب (Composition) سے لے کر کانوں اور جمادات کا مطالعہ بھی شامل تھا۔ اس نے 1680 میں وفات پائی۔

کرشنا: جنوبی ہند میں دریائے گوداوری کے بعد دوسری عظیم ندی کرشنا ہے۔ یہ مغربی گھاٹ میں مہابلیشور سے نکلتی ہے۔ اس میں کئی ندیاں ملتی ہیں، جیسے تنگبھدرا، بھیما، مین، کوینا، وانی، پنچ گنگا، گھٹ پربھا، مل پربھا وغیرہ۔ اس کے اور اس کے معاونوں کے کناروں پر کئی تاریخی اور صنعتی شہر واقع ہیں۔ وجے واڑہ، یعنی سمندر سے 72 کلو میٹر کے فاصلے پر، کرشنا کا ڈیلٹا شروع ہوتا ہے۔ یہاں کرشنا کے دونوں جانب، پہاڑ اتنے اونچے ہیں کہ کرشنا کو پاتال گنگا کا نام دیا گیا ہے۔ وجے واڑہ کے قریب پرکاشم بیرج کا مشہور بندھ باندھا گیا ہے جس سے ڈیلٹا کے علاقے میں نہروں کا جال بچھ گیا ہے جو آندھرا پردیش کا نہایت ہی زرخیز علاقہ ہو گیا ہے۔ یہ نہریں ایک جانب سے گوداوری کی نہروں اور دوسری جانب سے بکنگھم نہر میں ملا دی گئی ہیں۔ وجے واڑہ کے ایک جانب منگلا گیری میں ملک ارجن کا مشہور مندر واقع ہے۔ بھارت کے عظیم کثیر المقاصد پراجیکٹ ناگار جن ساگر اور سری سیلم پراجیکٹ کرشنا پر ہی بنائے گئے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

362

کرشنا سار جھیل: کشمیر میں سونا مرگ سے 26 کلومیٹر کے فاصلے پر اور 3,798 میٹر کی اونچائی پر یہ جھیل واقع ہے۔

کرغیزیا: کرغیزیا نومبر 1991 میں ایک خود مختار ملک بن گیا ہے۔ یہ وسطی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 166,000 مربع کلومیٹر (70,000 مربع میل) ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 35 لاکھ ہے۔ بیشتر زمین پر تیان شان کا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کے انتہائی مشرق میں چینی سرحد پر عظیم پہاڑی چوٹی پوبیڈی 24,407 فٹ (7,439 میٹر) اور پک خان تنگری 22,949 فٹ (6,995 میٹر) بلند ہے۔ آب و ہوا براعظمی ہے۔ چراگاہیں اہم ہیں۔ ان پر بھیڑیں، گھوڑے اور مویشی چرائے جاتے ہیں۔ لوئس مٹی کی وادی چو اور فرغانہ کے نشیبی حصہ میں زراعتی ترقی کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ کوئلہ، سرمہ اور پارہ کی کچ دھات کے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ فرونزے (Frunze) صدر مقام ہے۔

کرگ: ہندوستان میں مغربی گھاٹ کے جنوبی سرے پر قدیم میسور اسٹیٹ کے جنوب مغربی حصہ کا ایک انتظامی ضلع تھا جس کا رقبہ 1586 مربع میل تھا۔ نویں صدی عیسوی کے بعد کرگ کی ایک آزاد حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اس پر سولھویں صدی سے اوئل انیسویں صدی تک ایک ہندو خاندان حکمرانی کرتا تھا۔ 1834 میں انگریزوں نے اس کا شیرازہ بکھیر دیا۔ ان کے زیر اقتدار اس علاقہ نے ایک صوبہ کی شکل اختیار کر لی اور ہندوستان کا ویلز کہلانے لگا۔ اس کا انتظام میسور کے چیف منسٹر کے ذمہ تھا۔ 1953 میں اسے قدیم میسور (جدید کرناٹک) میں ضم کر دیا گیا تھا۔ مرکارا اس کا اہم مقام تھا۔

کرناٹک: سطح مرتفع دکن کے مغربی سرے پر واقع اس ریاست کے شمال میں گوا اور مہاراشٹرا، مشرق میں آندھرا پردیش، جنوب میں تامل ناڈو اور کیرالا اور مغرب میں بحیرۂ عرب واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 191,733 مربع کلومیٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 44,977,201 ہے۔

اس کے چار طبعی خطے (1) ساحلی میدان، (2) مالناڈ، (3) شمالی میدان اور (4) جنوبی میدان ہیں۔ اسے دریائے تنگا بھدرا، کرشنا اور ان کے معاون دریا سیراب کرتے ہیں۔ بھدرا، گھٹا پربھا، ہیماوتی، ہرنگی، کابینی، کرنجا، مالا پربھا، تنگبھدرا اور بالائی یعنی اپر کرشنا یہم اہم آب پاشی کے پراجکٹ ہیں۔

یہاں چاول بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ قہوہ دوسری اہم پیداوار ہے۔ جوار، راگی، گنا، کپاس، مونگ پھلی اور ارنڈ بھی کاشت کیے جاتے ہیں۔ ساگوان، صندل، بانس اور نرم لکڑی اہم جنگلاتی پیداوار ہیں۔ ریشم کے کیڑے بڑے پیمانے پر پالے جاتے ہیں۔

ساحل پر ہمہ اقسام کی مچھلیاں بڑی مقدار میں پکڑی جاتی ہیں۔ آب و ہوا گرم مرطوب ہے اور ساحل پر بارش خوب ہوتی ہے۔

سونا، چاندی اور لوہا نکالا جاتا ہے۔ انجینئرنگ، کیمیائی اشیا (کیمیکلس)، تمباکو اور کپڑے کی صنعتیں اہم ہیں۔ مرکزی حکومت نے ہوائی جہاز، گھڑیاں، دفاعی اشیاء، وغیرہ کی صنعتیں قائم کی ہیں۔ اس کے علاوہ انجینئری کی نہایت ترقی یافتہ صنعت ہے۔ دست کاری اور خاص طور پر صندل اور ریشم کی بنی ہوئی چیزوں کے لیے بھی یہ بہت مشہور ہے۔

بدامی، بیجاپور، ہمپی، جوگ آبشار، کولار، میسور، نندی درگ، سرنگاپٹم اور بنگلور قابل دید مقامات ہیں۔

صدر مقام بنگلور ہے اور اہم بندرگاہ منگلور ہے۔ 1956 میں لسانی بنیاد پر صوبوں کی ازسر نو تنظیم کے بعد کرناٹک کی ریاست وجود میں آئی۔ اس سے پہلے اس کا بڑا علاقہ دیسی ریاست میسور میں تھا اور بقیہ حصے سابق صوبہ مدراس، بمبئی اور ریاست حیدر آباد میں شامل تھے۔

تیسری صدی سے گیارہویں صدی تک کرناٹک کا بڑا علاقہ گنگا اور پھر چالوکیہ خاندانوں کی سلطنتوں کا حصہ رہا۔ 1313 میں اس پر دلی کی سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ علاقہ سلطنت وجیانگر کے تحت آگیا۔ اٹھارہویں صدی میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے میسور کے علاقہ میں اپنی سلطنت قائم کی۔ اسی زمانہ میں انگریز جنوبی ہند میں پھیل رہے تھے۔ ان کے ساتھ کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر کار 1799 میں ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی اور وہ شہید ہوئے اور ان کی جگہ پرانے حکمراں خاندان کے ایک فرد کو میسور کی گدی پر بٹھا دیا گیا اور ملک کی آزادی اور ریاست میسور کے ہندوستانی یونین میں ملنے تک اسی خاندان کی حکمرانی رہی۔

آزادی سے پہلے میسور ایک ترقی پسند ریاست تھی۔ یہاں صنعتیں قائم ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں یہ تعلیمی میدان میں بھی آگے تھی۔ اب بھی یہ ریاست، اور خاص طور پر بنگلور، ملک کے سب سے بڑے ترقی یافتہ علاقوں میں ہے۔ اب یہاں کئی یونیورسٹیاں، کالج اور دوسرے تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔

کرنال: اس کا دوسرا نام ..... ہے۔ یہ ریاست ہریانہ (ہندوستان) کا ایک متبرک

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

شہر ہے جس کا تذکرہ ہندوستان کی قدیم اور مقدس کتابوں، جیسے مہابھارت اور پُرانوں، میں ملتا ہے۔ رامائن کے شہرت یافتہ رشی وشوامتر کو اسی مقام پر برہم رشی کا لقب ملا تھا۔ یہ سکھوں کے گردوارہ ماتھی صاحب کے لیے بھی مشہور ہے۔ گرو نانک نے یہیں پر حضرت قلندر سے ملاقات کی تھی اور گرو تیغ بہادر دہلی میں اپنے عظیم ایثار سے پیشتر اسی مقام پر آخری تعلیم بجالائے تھے۔ اس ضلع کا نام مہابھارت کے راجا کرن کے نام پر کرنال رکھا گیا ہے۔

کروک شیتر: ریاست ہریانہ میں کروک شیتر بھگوت گیتا کی ابتدا کا مقام ہے اس لیے یہ قدیم آریائی تہذیب کا مرکز ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں جنگ مہابھارت کے دوران سری کرشن نے ارجن کو گیتا کی تعلیم دی تھی۔ ساتویں صدی عیسوی میں کروک شیتر کے قریب تھانیشور، راجا ہرش وردھن کی راجدھانی تھی۔ یہاں کی متبرک جھیلیں سنی ہت اور برہما ہیں۔ سورج گرہن کے موقعہ پر لاکھوں یاتری یہاں غسل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ "پانڈو پران" کے مطابق جو کوئی یہاں اشنان کرتا ہے، اس کو ہزار اشومیدھ یگیوں کا فائدہ ملتا ہے، لہٰذا مذہبی نقطہ نظر سے ان کنڈوں کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں برلا مندر کے علاوہ، استھانیشور، لکشمی نارائن اور پانڈوؤں کے مندر ہیں۔ یہاں کروک شیتر یونیورسٹی واقع ہے۔

کریبتی جزائر (گلبرٹ جزائر) (Kiribati Island or Gilbert Island): یہ برطانوی کالونی ہے۔ پہلے جزائر گلبرٹ اور جزائر ایلس کو ملا کر ایک کالونی تھی۔ یکم اکتوبر 1975 کو یہ دو حصوں میں بانٹ دیئے گئے۔ 16 بڑے اور چند چھوٹے جزائر کا نام جزائر گلبرٹ رہا اور جزائر ایلس کا نام بدل کر توالو (Tuvalue) رکھا گیا۔

جزائر گلبرٹ بحرالکاہل کے مغربی حصہ میں واقع ہیں اور جمہوریہ کریبتی کا حصہ ہیں۔ ان کا کل رقبہ 260 مربع کلو میٹر ہے جبکہ جمہوریہ کریبتی (Kiribati) کا کل رقبہ، 36 مربع کلو میٹر ہے اور جمہوریہ کی آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 66,000 ہے۔ خطِ استوا ان جزیروں کے وسط سے گزرتا ہے۔ 1765 میں ان کا ایک برٹش مہم جو نے پتہ لگایا تھا۔ باقی جزیروں کا 1788 میں پتہ چلا اور 1824 تک مزید نئے جزیرے دریافت ہوئے۔ 1892 میں برطانیہ نے ان پر قبضہ کیا اور 1915 میں انھیں اپنی کالونی بنالیا۔

یہاں ناریل اور پام کے وسیع باغات ہیں۔ سور اور مرغیاں پالی جاتی ہیں۔ بڑی مقدار میں مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ آبادی پالینیشین اور مائکرونیشین ہے۔

کریٹ: یہ جزیرہ یونان کے جنوب مشرق میں بحیرۂ روم کے ایجین سمندر کے جنوبی علاقے میں واقع ہے۔ یونان کا یہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ رقبہ 3,235 مربع میل ہے، اور آبادی 1971 میں 483,258 تھی۔ پہاڑوں کے سلسلے جزیرے کی پوری لمبائی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں کی وادیاں زرخیز ہیں اور جنگلات بہت ہیں۔ موسم سرما میں یہاں کافی سردی رہتی ہے۔ یہاں لوہا، تعمیری پتھر، کوبالٹ، مینگنیز اور گریفائٹ نکالا جاتا ہے۔ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے۔ بھیڑ اور بکریاں بڑی تعداد میں پالی جاتی ہیں۔ دودھ سے بنائی جانے والی چیزوں کی صنعتیں قائم ہیں۔ انگور بہت ہوتے ہیں۔ یہاں کے جنگلات سے کارک اور ایسنشیل آئل نکالا جاتا ہے۔ گھوڑے، مرغیاں اور مویشی بھی یہاں پالے جاتے ہیں۔ کئی اقسام کی شراب تیار کی جاتی ہے۔

کریٹ کا صدر مقام کانیا (Canea) ہے اور سب سے بڑا شہر کینڈیا (Kandaros) ہے۔ یہاں کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ہے۔ 1600 ق م میں یہاں ایک نہایت طاقت ور سلطنت موجود تھی، جس کی طاقت، دولت اور تہذیب کا آج تک تذکرہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد یونان کی تاریخ میں اسے اہم مقام حاصل رہا۔ 68 ق م میں اس پر رومن سلطنت کا تسلط ہوا۔ پھر بازنطینیوں اور عربوں کا۔ صلیبی جنگوں کے دوران یہ یورپی ملکوں کے قبضہ میں آیا۔ پھر یہ ترکوں کے قبضہ میں آیا۔ ایک عرصہ تک ترکی اور یونان میں اس کے لیے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر کار 1908 میں یہ یونان کا حصہ بن گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران 1941 سے 1944 تک یہ جرمن قبضہ میں رہا۔ جنگ کے بعد یہ یونان کو واپس مل گیا اور یہاں ناٹو (N.A.T.O) نے ایک فوجی اڈہ قائم کیا۔

کریٹان (Craton): وہ حجری علاقہ / علاقے جو عرصۂ قدیم سے قیام پذیر اور مستحکم (Stable) ہوں۔ مثلاً شیلڈ اور پلیٹ فارم (دیکھیے شیلڈ (Shield) اور پلیٹ فارم Plateform)۔ ان کے حاشیوں پر عموماً ارضی ہم میلان (Geosyn-clines) اور سمندری رسوبیت مراکز ہوتے ہیں۔ یہ علاقے کریٹان کہلاتے ہیں۔

کریٹیشیس (Cretaceous): یہ وسط حیاتیاتی عہد (Mesozoic Era) (دیکھیے ارضیاتی پیمانہ Geological Time-scale) کا آخری حصہ تھا جو ایک سو ساٹھ کروڑ سال قبل شروع ہوا اور 64 کروڑ سال تک جاری رہا اور اس کے اختتام کے ساتھ ہی وسط حیاتیاتی عہد کا خاتمہ ہو گیا۔

ابتدائی کریٹیشیس (Early Cretaceous) عرصے کی رسوبیت، جراسک (دیکھیے جراسک Jurassic) کی رسوبیت کے انداز میں ہی جاری رہی۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کہیں کہیں جیسے برطانیہ میں جھیل میں بنے (Lacustrine)، ڈیلٹائی (Deltaic) اور مخلوط فیشی کے رسوب جمع ہوئے مگر آخر کریٹیشیس عرصے کے شروع میں بے حد وسیع پیمانے پر بحری پیش روی (Marine Transgression) شروع ہوئی جو "سنومانین" (Cenomanian) بحری پیش روی کے نام سے مشہور ہے اور جس کے عروج کے زمانے میں تری اور خشکی کا تناسب قدیم حیاتیاتی دور سے اس وقت تک سب سے زیادہ رہا۔ شمالی یوروپ اور مغربی امریکہ میں آخر کریٹیشیس دور چاک یا کھریا کے ذخیروں کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اس دور میں ٹیتھس (Tethys) کے ذخیروں کی وجہ سے بھی الپائن کوہ سازی (دیکھئے الپائن کوہ سازی Alpine Orogeny) کے ابتدائی مراحل شروع ہو گئے تھے۔

اسی دور میں ایمونائیٹ بہت کثیر تعداد میں موجود تھے، بطور خاص ابتدائی عرصے میں۔ مگر اس دور کے ختم ہوتے ہوتے یہ معدوم (Extinct) ہو گئے۔ اسی دور میں بلیمنائٹ (Belemites) بھی معدوم ہو گئے۔

ایکنوڈرم اور ریپلی کیپوڈا (Echinoderm & Pelecypoda) کچھ علاقوں میں اہمیت رکھتے تھے۔ خشکی پر ڈائنوسار راج کرتے رہے مگر اسی دور کے ختم ہونے کے ساتھ یہ بھی معدوم ہو گئے۔ ترقی یافتہ بند بیجے (Angiosperms) اس عہد میں اہمیت اختیار کرنے لگے۔ آب و ہوا زیادہ تر گرم و مرطوب رہی۔

کرہ باد و فضائے بسیط: سطح زمین کے قریب فضا کی ترکیب تو یکساں رہتی ہے، لیکن درجہ حرارت، دباؤ اور مقدار بخارات میں جگہ جگہ فرق نظر آتا ہے۔ فضائی غلاف میں آبی بخارات کے علاوہ درج ذیل گیسیں بھی ملتی ہیں۔

نائٹروجن	حجم کی 78.3 فی صدی
آکسیجن	حجم کی 2.99 فی صدی
آرگن	حجم کی 0.94 فی صدی
کاربن ڈائی آکسائڈ	حجم کی 0.03 فی صدی
ہائیڈروجن	حجم کی 0.01 فی صدی

محصورہ اور آتش فشانی علاقوں میں یہ ترکیب کچھ بدل جاتی ہے۔ عموماً بیس ہزار فٹ کی بلندی تک ترکیب یکساں رہتی ہے۔ زیادہ بلندیوں میں کاربن ڈائی آکسائڈ نہیں ملتی۔ سر فضائے متلونہ کے اوپر جو قطبی علاقہ میں 25 ہزار فٹ کی بلندی پر اور استوائی خطہ میں 55 ہزار فٹ کی اونچائی پر ہوتا ہے، فضا آبی بخارات سے محروم رہتی ہے۔ فضائی غلاف تقریباً 188 میل کی بلندی تک پھیلا ہوا ہے۔

درجہ حرارت: ابتداً ہر 300 فٹ کی بلندی پر حرارت 1°F کم ہو جاتی ہے۔ بلندی کے اضافہ کے ساتھ حرارت کی کمی کی رفتار کو شرح تنزل حرارت کہا جاتا ہے۔ سر فضائے متلونہ کی سطح پر تخفیف حرارت کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سطح کے اوپر کا طبق فضائے قائمہ اور نیچے کا طبق فضائے متلونہ کہلاتا ہے۔ شرح تغیر حرارت میں سطح سمندر کی اضافت سے تخفیف کر دی جاتی ہے۔ عام حالات میں ہوا کا اوسط وزن فی مکعب فٹ سوا (11/4) اونس ہوتا ہے جو کرہ ارض پر پڑتا رہتا ہے۔ اونچائیوں میں یہ کم اور پستیوں میں زیادہ ہوتا ہے۔

دباؤ: سطح سمندر پر اوسط دباؤ "29.9 (1012 ملی بار) ہوتا ہے، لیکن مقامی اسباب سے یہ جگہ جگہ بدلتا رہتا ہے۔ اوسطاً ہر 900 فٹ کی بلندی پر دباؤ میں "1 (33.84 ملی بار) کی کمی ہو جاتی ہے۔ تغیر دباؤ سے بلندی کے اختلافات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فضائی دباؤ کو آبی رائڈ، فارٹن یا کثوری وار بار پیا سے ناپا جاتا ہے۔ بار نگار دباؤ کے اختلافات کی خود ہی ترسیم کر دیتا ہے۔ دباؤ کے تغیرات سے موسمی حالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔

باد نما: ہوا کی سمت بتاتا ہے اور باد نگار رفتار۔

ساڑھے تین میل بلند فضا میں دباؤ سطح سمندر کے دباؤ کا نصف اور سات میل کی بلندی پر چوتھائی (1/4) رہ جاتا ہے اور زیادہ بلندیوں میں فضا زیادہ لطیف ہو جاتی ہے۔

خطوط مساوی الدباؤ: یہ یکساں دباؤ (تخفیف کردہ بہ اعتبار سطح سمندر) کے مقامات کو جوڑنے والے خطوط موسمیاتی نقشوں میں بنائے جاتے ہیں۔ ان کے درمیان قائمہ زاویہ پر دباؤ میں تبدیلی کی رفتار "شرح تغیر دباؤ" کہلاتی ہے۔ خطوط پاس پاس ہوں تو شرح تغیر زیادہ اور ہوا کے بہاؤ کی رفتار تیز رہتی ہے۔ خطوط دور دور ہوں تو حالات برعکس ہوتے ہیں۔

کز سانی: دریائے گوداوری کی معاون ندی ہے جو جنوب سے آ کر اس میں مل جاتی ہے۔

کشاو ذخیرہ آب: ہریانہ میں دریائے جمنا اور اس کی معاون ٹونس ندی پر بمقام کشاو ایک بندھ بنانے کی اسکیم ہے، جس میں 16 لاکھ ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کیا جائے گا اور 750 میگاواٹ بجلی پیدا کی جائے گی اس سے اتر پردیش، ہماچل پردیش اور ہریانہ کی ریاستیں استفادہ کریں گی۔

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

365

کشش ارضی: اپنی عجیب شکل کی وجہ سے زمین کی ہر سطح پر اس کی کشش ارضی کی مقدار بھی مختلف ہوتی ہے، مثلاً قطبین کے پاس کشش ارضی دوسرے مقامات کے مقابلہ میں عموماً زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن بعض دوسری وجوہات کی وجہ سے بھی کسی مقام پر کشش ارضی وہاں کی اندازہ کی ہوئی اوسط کشش ارضی کے مقابلہ میں زیادہ یا کم ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر اس مقام پر زیر زمین وزنی قسم کے معدنی ذخائر ہوں تو وہاں کشش ارضی زیادہ ہوگی۔ کشش ارضی کو ناپنے کے لیے خاص آلہ کا استعمال کیا جاتا ہے جس کو کشش ارضی پیمانہ یا گریوٹی میٹر (Gravitymeter or Gravigometer) کہتے ہیں۔ کشش ارضی کی پیمائش پر مبنی زمین کے جو نقشے بنائے جاتے ہیں ان سے ہمیں حجرات کی ساخت کا پتہ لگانے اور جمادات کی تلاش میں بہت مدد ملتی ہے۔

کشن یو ویا شنز میاؤ (Kishineyov): مولڈیویا (Moldavia) کی اشتراکی جمہوریہ کا صدر مقام ہے۔ دریائے بائک (Byk) پر واقع ہے۔ اکثر سیلابوں سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ انجینئرنگ کے آلات، مشینوں کے پرزے، ٹریکٹر اور پمپ وغیرہ کی تیاری کا بڑا مرکز ہے۔ جوتے اور کپڑے تیار کرنے کے کارخانے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ 1970 میں آبادی 356,900 تھی۔

کک (کوک) جزائر (Cook Islands): یہ کئی جزیروں کا مجموعہ ہے جو جنوبی بحر الکاہل میں جزائر سموآ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ان جزائر کا رقبہ 234 مربع کلو میٹر (90 میل) ہے۔ آبادی کا تخمینہ 1991 میں 20,000 ہے۔ حکومت کا مرکز رارو ٹونگا جزیرہ میں ہے۔ ان جزائر کا نام پہلے جزائر ہروے (Hervey) تھا۔ ناریل، پھل اور کافی پیدا ہوتے ہیں۔ اطراف کے سمندر سے موتی بھی نکالے جاتے ہیں۔ آبادی کی بڑی اکثریت پالی نیشین ہے۔ ان جزائر میں سے بعض کا پتہ جیمس کک (کوک) نے 1773 میں لگایا تھا اور باقی کا پتہ جان ولیم نے 1823 میں چلایا۔ 1888 میں برطانیہ نے ان پر قبضہ کر لیا اور 1901 میں نیوزی لینڈ کی حکومت نے اپنے تحت لے لیا۔ گو کہ یہ اب بھی نیوزی لینڈ کے تحت ہیں لیکن 1965 میں انھیں تھوڑی سی اندرونی خود مختاری دے دی گئی ہے۔ ان میں سے کئی جزیرے تو 1920 تک بھی دریافت نہیں ہوئے تھے۔

کلاڈیس ٹالیمی: یہ یونانی جغرافیہ داں سنہ 70 میں پیدا ہوا۔ نقشہ کشی کے سلسلہ میں اس نے ہپارکس کے تصورات سے استفادہ حاصل کر کے دوائر عرض البلد و خطوط طول البلد کا بہتر جال تیار کیا۔ فن نقشہ کشی اس کے زیر اثر کافی عروج پر پہنچا۔ علاقائی جغرافیہ کے میدان میں وہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کے پیش کیے ہوئے طبعی حالات کے تذکرے اکثر جگہ ناقص دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں انسان اور ماحول کے باہمی رشتہ کی وضاحت کے سلسلہ میں اس نے سورج کے اثر کو غالب بتایا اور پاسی ڈونیس کے خیالات سے متاثر ہو کر آب و ہوا اور انسانی زندگی کے اختلافات کو طول البلدی اختلافات سے بھی وابستہ کیا۔ انسانی قوت مطلق کو اس نے صحیح مقام نہ بخشا۔

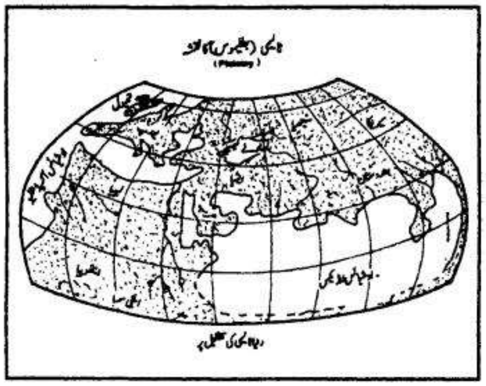

کلارک، ریورنڈ. ڈبلیو. بی. (Rev. W.B. Clarke): کلارک انگلستان میں 1790 میں پیدا ہوا۔ مگر بعد میں اس نے نیو ساؤتھ ویلز (New South Wales) میں رہائش اختیار کی۔ اسے آسٹریلیائی ارضیات کا بانی کہا جاتا ہے۔ اس نے بطور خاص سائلورین (Silurian) زمانے کے حجرات کا مطالعہ کیا۔ وہ پہلا سائنسداں تھا جس نے حجرات میں وہ مقامات دریافت کیے جن میں سونا پایا جاتا ہے۔ اس نے 1870 میں انتقال کیا۔

کلا کشیو سکایا سوپکا (Klyuchevskaya Sopka): یہ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو ایشیائی روس کے جزیرہ نما کمچٹکا کے مشرقی پہاڑی سلسلے میں واقع ہے۔ اس کی اونچائی 15,913 فٹ ہے۔

کلاہ برف (Ice Caps): یہ بلندیوں کی سرپوشی کرنے والا برفانی چادر سے چھوٹا تودۂ برف ہے۔ ایسے تودے گرین لینڈ اور آرکٹک نیز انٹارکٹک کے جزائر میں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کلچرل جغرافیہ (تمدنی یا ثقافتی جغرافیہ): کلچرل جغرافیہ صریحی طور پر انسان کی تہذیب کے کسی بھی پہلو سے اسی طرح بحث کرتا ہے جس طرح کہ نباتاتی جغرافیہ نباتاتی نوع اور نباتات سے یا معاشی جغرافیہ پیداوار اور مال کی تقسیم اور اس کی فراہمی اور استعمال سے بحث کرتا ہے۔ کلچرل جغرافیہ دراصل محدود معنوں میں مخصوص تہذیبی موضوعات پر روشنی ڈالتا ہے۔ کلچرل جغرافیہ بطور خود ایک خود مکتفی مطالعہ کا میدان نہیں ہے جو اپنے طور پر معلومات فراہم کر سکے یا مخصوص طریقے پر ایک جزو کی حیثیت سے ان کا جائزہ لے سکے بلکہ یہ ایک ایسا وسیلہ ہے جس میں ایک عام نقطہ نگاہ اور کئی ذرائع کی مدد سے معلومات اور توضیحات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔

اس مضمون کے ابتدائی مدارج میں صرف مظاہر قدرت کے بیانات پر ہی اکتفا کیا جاتا تھا لیکن بعد میں اس میں انسان اور اس کے طبعی ماحول کے مخصوص رشتے کی تحقیقات کو بھی تسلیم کیا گیا۔

کارل سار (Calr Sauer) نے (1925 اور 1931) ایک نئے قسم کے کلچرل جغرافیہ کی داغ بیل ڈالی جو مادی تہذیب کے ان عناصر سے بحث کرتا ہے جو سطح زمین کے کسی رقبہ میں منقوش ہوتے ہیں۔ اس موضوع بحث میں انسان کی بہ نسبت انسانی سرگرمیوں کو مرکزیت حاصل تھی۔ یہ مطالعہ بالکل تجرباتی تھا اور تاریخی نقطہ نظر سے اس میں ماحول کو ترجیح دی گئی تھی۔ گویا واضح طور پر اقتصادی اور مادی عناصر کا اس میں مطالعہ کیا گیا تھا۔ سار (Sauer) کی اس تحریک سے امریکی جغرافیہ کے نقطہ نظر میں ایک عام تبدیلی پیدا ہوئی اور بعد میں اس سے ایک مخصوص کلچرل جغرافیہ کے مطالعہ کی بنیاد پڑی جس کے ابتدائی مرحلوں میں اس کے شاگردوں سے اسے بڑی مدد ملی۔

یورپی جغرافیہ سے بڑی حد تک کلچرل جغرافیہ کا مواد حاصل کرنے میں مدد ملی۔ خاص طور پر یورپ کے تہذیبی اثاثہ پر روشنی ڈالنے کے لیے یہ بہت مناسب ثابت ہوا۔ لیکن یہ مواد زیادہ تر، عام انسانی جغرافیہ یا سماجی جغرافیہ کے عنوان کے تحت جمع کیا گیا تھا۔

سار (Sauer) کے کام پر جرمن اثر زیادہ غالب تھا، خاص طور پر فریڈرک ریٹزل (Friedrich Retzel) کے کلچرل پھیلاؤ کے کام سے وہ بڑا متاثر تھا۔ کلچر جغرافیہ (Culture Geography) آج بھی جرمنی میں جغرافیہ کی ایک اہم شاخ مانی جاتی ہے، لیکن پھر بھی وہ امریکن کلچرل جغرافیہ کا ہم پلہ نہیں ہے، جس کو خیالات کے مبادلے میں خاص مقام حاصل ہے (نیشنل ریسرچ کونسل۔ 1965) برطانیہ اور فرانس میں کلچرل جغرافیہ پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔

کلچرل جغرافیہ کے مباحث میں ایک یا اس سے زیادہ موضوعات شامل ہوتے ہیں مثلاً انسان اور اس کے رہن سہن کی جگہ اور اس سے اس کا استفادہ یعنی انسان اپنے طبعی ماحول کو کس طرح کام میں لاتا ہے۔ اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جیسے انسان اپنی تہذیب کے ابتدائی مدارج میں کس قسم کے آلات اور اوزار استعمال کرتا تھا؟ وہ پودوں کو کس طرح اگاتا اور جانوروں کی کیسے پرورش کرتا تھا؟ اس کی غذائی اجناس کی مختلف معیشتیں کیا تھیں؟ انسانی ترقی اور انسانی انکشافات کا چونکہ جغرافیائی حالات سے تعلق ہوتا ہے، جو خاص طرح کے حالات اور خاص مقامات سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے یہاں کلچر کا مطالعہ کرنے والا جغرافیہ داں انسان کے ماضی اور حال کی تمدنی تبدیلیوں میں دلچسپی لیتا ہے۔

مضمون آثار قدیمہ، تاریخ، طبعی جغرافیہ اور کسی مقام کے مشاہدے سے بھی اس موضوع کے مطالعہ میں بڑی مدد ملتی ہے۔ انسان اپنی ذاتی اغراض کے لیے سطح زمین پر بعض خاص تبدیلیاں کرتا ہے جو دراصل اس کی مادی ترقی کی شاہد ہوتی ہیں، جیسے اس کے کسی علاقہ کے زیر کاشت لانے کی وجہ سے مٹی کا کٹاؤ عمل میں آتا ہے یا پھر انسان اپنے رہائشی مقامات کے اردگرد کے رقبہ کی زمین کو زرخیز بناتا ہے یا پھر کسی جگہ کو جلاتا اور اس پر چراگاہیں بن جانے کے بعد پھر اسے کاشت کاری کے قابل بناتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ دراصل اس کی ارادی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ انسان اور قدرت کے یہ عمل اتنے طویل مدتی اور ایک دوسرے سے اتنے ملے جلے ہوتے ہیں کہ ان میں تفریق کرنا مشکل ہوتا ہے۔

نوآبادیات کی مختلف شکلوں، جیسے دیہی اور شہری نوآبادیات، کی وجہ سے بھی زمین کا چہرہ بڑی حد تک بدل جاتا ہے۔ انسان سطح زمین پر کئی طرح کے نمونوں کے مکانات تعمیر کرتا ہے اور اپنی ضروریات کے مطابق کھیتوں اور سڑکوں کا ایک جال بچھاتا رہتا ہے۔ یہ کام بھی اتنے بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں کہ مصنوعی اور قدرتی صورتوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

غیر مادی کلچر مثلاً زبان اور مذہب سے بھی تبدیلیاں عمل میں آتی ہیں۔ زبانیں نسلی شناخت کا بڑا ذریعہ ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ زبان، جو تبادلہ خیال کا ایک بڑا وسیلہ ہے، گروہی ربط کا ماحصل ہے، لہٰذا تہذیبوں اور زبانوں کی تقسیم، گو کہ ان کا تجزیہ ماہرین کا دائرہ عمل ہے، کے نتائج کا وسیع پیمانے پر جغرافیہ میں استعمال ہوتا ہے۔

مذہب بھی ایک سماجی تحریک ہے جس کی خاص مکانی ساخت ہوتی ہے اور تمدنی طور پر یہ کسی مقام کو ڈھالتی ہے۔ یہاں جغرافیہ مختلف مقامات کی مذہبی تقسیم کا مطالعہ کرتا ہے۔

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

مختلف ممالک میں تہذیبوں کی ابتدا کیونکر ہوئی، وہاں لوگوں کے رہن سہن کا کیا طریقہ تھا اور مختلف تہذیبیں کس طرح پھیلیں اور دوسری تہذیبوں پر ان کا کیا اثر پڑا اور وہ ان میں کیسے جذب ہوئیں، ان سب باتوں کا مطالعہ بھی کلچرل جغرافیہ میں کیا جاتا ہے۔

تاریخی جغرافیہ کا کلچرل جغرافیہ سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ دونوں علوم ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ جس میں تاریخ، کلچر کی وضاحت کرتا ہے تو کلچر، تاریخ کے جغرافیائی اعتبار سے دلچسپی رکھنے والے موضوعات کے لیے ایک تنظیمی تصور مہیا کرتا ہے۔

معاشی جغرافیہ اور کلچرل جغرافیہ دو الگ الگ مضامین ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں کا ایک دوسرے پر دار و مدار ہے۔ معاشی قوانین کا مکمل ڈھانچہ در اصل پیچیدہ کلچرل ساخت کا نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ ہماری بازاری معیشت میں قیمتوں کا تعین کلچر کی ترجیحات پر ہوتا ہے۔

معاشی جغرافیہ کی طرح سیاسی جغرافیہ بھی ایک ایسا مضمون ہے جس کے خاص ضابطے ہوتے ہیں۔ کسی ملک میں ایسے قوانین کا نفاذ ہوتا ہے جس کے پس منظر میں خاص نقطہ خیال کی بنیاد ہوتی ہے۔ ملک کا یہ عام خیال در اصل ایک خاص کلچر کا تصور ہے جس کی خاص بنیاد اور وسعت ہوتی ہے۔

شہر، تہذیبوں کے مراکز ہوتے ہیں، جو تہذیبی اختلافات کی وجہ سے جلد اور زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ داخلی طور پر کسی پیچیدہ شہر (Complex City) کے اندر ذیلی تہذیبوں کی تقسیم اور شہر کا علاقہ مساویانہ طور پر کلچرل جغرافیہ کا موضوع ہوتے ہیں۔

کلف: یہ بحری ساحل یا ندیوں اور جھیلوں کے کنارہ کی سلامی دار ڈھال والی بلند چٹان ہے جو موجوں کے عمل تراش خراش سے تشکیل پاتی ہے۔ اس کی نوعیت چٹانوں کی اقسام، رگڑ کھانے والے پانی کی قوت اور موجوں کی شدت عمل پر موقوف ہوتی ہے۔

کلوور: سترہویں صدی کے اس مشہور جغرافیہ داں کی کتاب 1624 میں شائع ہوئی جس میں مضمون جغرافیہ کی تعریف اور وسعت کی وضاحت کے بعد بری مناظر کی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا گیا ہے۔

کلوویر لیس: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

کلیدی پرت یا شناختی پرت (Key Bed or Marker Bed): افقی طور پر وسیع پتلی (Thin) مگر قابل شناخت (Traceable) پرت (Bed) جس کی مدد سے پورے ارضیاتی کالم کو مناسب پیمانے کی اکائیوں میں بآسانی تقسیم کیا جاسکے۔

کلیولینڈ (Cleveland): امریکہ کا یہ شہر ریاست اوہایو (Ohio) کے شمال مشرق میں دریائے کیو آئی ہوگا (Cuyhoga) کے دہانہ پر واقع ہے۔ یہاں جھیل ایری پر ایک بندرگاہ ہے۔ 1796 میں موزیز کلیولینڈ نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ 1836 میں یہ ایک شہر کے درجے کو پہنچا۔ یہ اوہایو کا سب سے بڑا شہر ہے اور اپنی وسعت کے لحاظ سے یہ 1960 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ساتواں بڑا شہر تھا۔ 1851 میں یہاں ریلوے لائن ڈالی گئی۔ کوئلہ اور کچے لوہے کی کانیں اس بندرگاہ سے قریب واقع ہیں، اس لیے دوسری ریاستوں کو کوئلہ اور کچا لوہا اسی بندرگاہ سے بھیجا جاتا ہے۔ لوہے اور فولاد کی اشیا بنانے اور خاص طور پر تیل صاف کرنے کا یہ ایک بڑا مرکز ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 876,050 تھی۔

کم تر ارضی ہم میلان یا کاس (Miogeosyncline): وہ ارضی ہم میلان یا کاس (دیکھیے ارضی کاس Geosyncline) جو کافی ترقی یافتہ ہو مگر اصل سے کم یعنی اس میں آتش فشانی چٹانیں غیر حاضر ہوں۔ اس ارضی کاس کے ذخائر میں چونا پتھر (Limestone)، شیل (Shale)، کوارٹزی ریت پتھر (Quarzite Sandstone)، وغیرہ اہم ہیں۔ کیچ دراڑیں (Mud Cracks)، اولائٹ (Ollite) اور الگیائی ساختیں (Algal Structures)، اتھلے پانی کی شہادت دیتی ہیں۔

کماؤں: کماؤں گڑھوال پہاڑیاں، ہمالیہ کا ایک جزو ہیں، جو دریائے سندھ سے برہم پتر تک پھیلا ہوا ہے، جن کو پار کر کے، مونسونی ہوائیں ملک میں داخل نہیں ہو سکتی ہیں۔ ان پہاڑیوں کی شمالی سرحد پر دو ممالک واقع ہیں، ایک تبت (چین) اور دوسرا نیپال۔ کماؤں میں برقی قوت پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، کیونکہ بڑے بڑے دریا یہاں سے گزرتے ہیں۔ کماؤں کے پرانے صوبہ میں قدیم الموڑا کا صوبہ شامل تھا۔ اب اس کی تقسیم کے بعد نیا سرحدی ضلع پتھورا گڑھ بنا ہے۔ رانی کھیت، الموڑا کا اہم ذیلی علاقہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ فوجی چھاؤنی ہے اور کماؤں کے نظم و نسق کا مرکز ہے۔

کماؤں پہاڑیوں کی سب سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ یہ گنگا اور جمنا ندیوں کا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سرچشمہ ہیں۔ اس پہاڑی علاقہ کا رقبہ 38,000 مربع کلومیٹر ہے اور اس میں ہمالیہ کے تینوں حصے سوالک، ہماچل اور ہیماوری شامل ہیں۔ دہرہ دون اسی کے مغرب میں واقع ہے۔

کمبرین (Cambrian): قدیم حیاتیاتی عہد کا پہلا دور (دیکھئے ارضیاتی وقت پیمانہ Geological Time Scale اور دور Period)۔ یہ دور آج سے 660 کروڑ سال قبل شروع ہو کر 50 کروڑ سال قبل تک جاری رہا۔ اس دور کے حجرات کی طبقاتی ترتیب کو کمبرین طبقاتی ترتیب کہا جاتا ہے۔ اس دور کی پہلی بار رکازات کی مدد سے عمر پیمائی کی جا سکتی ہے۔ خاص طور پر ٹرائلوبائٹ (دیکھئے ٹرائلوبائٹ Trilobite) قبیلے کے جانوروں کے رکازات اس سلسلے میں بے حد کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ اکثر علاقوں میں کمبرین نظام کے حجرات ما قبل کمبرین حجرات سے عدم تطابق رکھتے ہیں۔

اس دور میں پانچوں براعظم جو ما قبل کمبرین عہد میں علیحدہ ہو کر سرک چلے تھے۔ پھر ایک دوسرے کے قریب آتے رہے اور اس طرح ان کے درمیان واقع سمندر مختصر ہوتے گئے۔ کمبرین کے شروع میں بالا بری (Epicontinental) سمندر براعظم کے بالکل بیرونی کناروں تک محدود تھے۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ براعظم کے وسطی حصوں تک در آئے۔ یہاں تک کہ کمبرین دور کے اختتام پر تمام براعظم نصف سے زیادہ سمندروں سے ڈھک گئے۔ براعظموں کے کناروں پر اصل ارضی ہم میلان میں بے حد تیزی سے رسوبیت کا عمل شروع ہوا جہاں سے بے حد دبیز دانہ دار رسوب (Clastic Sediment) اور آتش فشانی (Volcanic) مواد جمع ہوئے اور کم تر ارضی ہم میلان میں کافی دبیز چونا پتھر (Lime stone) کی ترتیب ہوئی۔

کمبرین ہی وہ دور ہے جب کیلسائی (Calcic) اور سلیکائی (Siliceous) خول (Shell) پہلی بار رکازات کی صورت میں ملتے ہیں۔ خاص کر آرتھروپوڈا عائلہ کے ٹرائلوبائٹ قبیلے کے جانور کمبرین دور کے اہم رکازات ہیں۔ اسی دور میں آب و ہوا ابتدا میں سرد تھی مگر آہستہ آہستہ گرم ہوتی گئی۔

کمبوڈیا یا کمپوچیہ (Cambodia or Kampuchea):

جمہوریہ کمبوڈیا جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 181,035 مربع کلومیٹر (69,898 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی تقریباً 8,442,000 ہے۔ اس کے شمال میں لاؤس، مشرق میں ویت نام، جنوب میں خلیج سیام اور مغرب اور شمال میں تھائی لینڈ واقع ہیں۔ صدر مقام پھنام پنھ (Phnom Penh) ہے۔ سرکاری زبان کھمیر ہے۔

دریائے میکانگ کے سیلاب سے متاثر ہونے والا یہ میدانی علاقہ ایک طشتری کی شکل کا ہے جس کے اطراف پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس کے جنگلوں میں شیر اور جنگلی بھینسے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ میکانگ دریاہی گیری کا بڑا مرکز ہے۔ جنوب کے ساحلی میدانوں میں کالی مرچ اور دریائے میکانگ کے ساحل پر روئی اور تمباکو کی کاشت کی جاتی ہے۔

ربر بھی بڑے پیمانے پر پیدا کی جاتی ہے۔ دارالحکومت سے قریب ایک بڑی جھیل واقع ہے جس کے اطراف میں چاول بہ کثرت پیدا کیا جاتا ہے۔ تاہم تین چوتھائی علاقہ جنگلات پر مشتمل ہے اور ناکافی حمل و نقل کی وجہ سے اس سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا جاتا۔ معدنی ذخائر محدود ہیں۔ صنعتوں کا دارومدار زیادہ تر ماہی گیری اور لکڑی کی چیزوں پر ہے۔ برآمدات کا نوے فیصدی ربر ہے۔ کمبوڈیا کا شمار جنوب مشرقی ایشیا کے اقل ترین آبادی والے علاقوں میں ہوتا ہے۔ یہاں کمبوڈیائی یا کھمیر (Khmer) باشندے 93 فیصدی ہیں۔ ان کے علاوہ 4 فیصدی ویت نامی اور 3 فیصدی چینی بھی ہیں۔ بدھ مت یہاں کا سرکاری مذہب ہے اور تقریباً نوے فیصدی باشندے بدھ مت کے پیرو ہیں۔

تاریخ: کمبوڈیا کی تاریخ پہلی صدی سے شروع ہوتی ہے۔ تب یہاں فونان (Funan) سلطنت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ تیسری صدی تک فونانیوں نے فان شیہ مان (205-225) کی زیر قیادت، ہمسایہ علاقوں پر قبضہ کر کے دریائے میکانگ کے جنوبی حصہ تک اپنا اثر و اقتدار بڑھا لیا تھا۔ چینی وثائق کے مطابق چوتھی صدی عیسوی میں ایک ہندوستانی برہمن نے فونان پر تسلط جما لیا اور ہندو رسم و رواج کے علاوہ وسط ہند کا رسم الخط بھی رائج کیا۔ چھٹی صدی میں شمال کے حریف کھمیر قبیلے نے فونان کو زیر کر لیا اور کھمیر سلطنت کی بنیاد پڑی۔ اس سلطنت کے عروج کے ساتھ ہی سارے جنوب مشرقی ایشیا میں کمبوڈیا کو ایک برتر مقام حاصل ہو گیا۔ لیکن پندرھویں صدی میں اس سلطنت کے زوال کے بعد یہ اپنے طاقتور ہمسایوں کا شکار بن گیا۔ ایک طرف مغربی سرحد پر سیام کا دباؤ بڑھ گیا تو دوسری طرف سترھویں صدی میں مشرقی سرحد پر انام نے دست درازی شروع کر دی۔ سیام کے بادشاہ اور 'ہیو' کے سردار دونوں کمبوڈیا کے دعوے دار بن گئے اور اس سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ اٹھارھویں صدی میں کمبوڈیا کے تین مغربی صوبوں پر سیام نے قبضہ کر لیا اور کوچین چائنا کا علاقہ انامیوں کے زیر تسلط آ گیا۔ سازشوں اور جنگوں کا سلسلہ انیسویں صدی میں بھی جاری رہا۔ 1854 میں شاہ کمبوڈیا نے

فرانس سے مداخلت کی اپیل کی۔ 1863 میں فرانسیسیوں نے اسے ایک باقاعدہ محفوظ علاقہ کی حیثیت دے دی اور 1884 کے ایک معاہدے کی رو سے کمبوڈیا میں فرانسیسی اثر و رسوخ میں قابل لحاظ اضافہ ہوا اور 1887 میں وہ یونین آف انڈوچائنا کے ایک حصے کے طور پر ضم کر لیا گیا۔ 1907 میں ایک فرانسیسی سیامی معاہدے کے ذریعہ کمبوڈیا کے مغربی صوبے اسے واپس کر دیے گئے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپان کے اثر کی وجہ سے یہ صوبے کچھ عرصے کے لیے پھر سیام کے قبضہ میں چلے گئے۔ جنگ کے بعد فرانس نے وفاق انڈوچائنا کی حدود کے اندر کمبوڈیا کو ایک حد تک حکومت خود مختاری عطا کی۔ 1947 میں کمبوڈین دستوری بادشاہت قائم ہوئی اور نورودوم سیہانک اس کا بادشاہ بنا۔ 1949 میں کمبوڈیا فرنچ یونین کا ایک رکن بنا دیا گیا۔ اور مارچ 1953 میں اس نے اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا۔ 1954 کے ابتدائی زمانہ میں کیمونسٹ ویت منہ سپاہیوں نے اس پر حملہ کر دیا اور جنیوا کانفرنس کے ذریعے التوائے جنگ کا ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کی بنا پر تمام بیرونی فوجیں کمبوڈیا سے ہٹالی گئیں۔ ایک اور معاہدے کے ذریعے فرانس نے کمبوڈیا کو مکمل اقتدار اعلیٰ منتقل کر دیا اور 1955 میں اسے اقوام متحدہ کا رکن بنا لیا گیا۔ اس سال 'سیہانک' نے بعد میں پاپولر سوشلسٹ پارٹی قائم کی اور بہ حیثیت وزیر اعظم، عہدہ سنبھالا۔ 1960 میں بادشاہ کے انتقال پر سیہانک کو صدر مملکت کے نئے عہدے پر فائز کیا گیا۔

ویت نام میں جب امریکی مداخلت بڑھی اور امریکی فوجیں اور فوجی سامان بڑے پیمانے پر داخل ہونے لگا تو اس لڑائی کا اثر کمبوڈیا پر پڑنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس کا علاقہ بھی کافی حد تک میدان جنگ بن گیا۔ چونکہ سیہانک کی پالیسی اس لڑائی میں غیر جانبداری کی تھی اس لیے یہ امریکہ کو پسند نہیں تھی۔ چنانچہ 18 مارچ 1970 کو جب سیہانک ماسکو میں تھا وزیر اعظم جنرل لان نال (Lon Nol) نے سیہانک کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ اگرچہ لان نال نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کیا لیکن عملاً وہ امریکہ کی طرف سے لڑائی میں شامل ہو گیا اور ویت نام کے ساتھ کمبوڈیا بھی بہت بڑا میدان جنگ بن گیا۔

لان نال کی پالیسی سے ملک کی معیشت تیزی کے ساتھ بگڑنے لگی۔ مظاہروں اور گوریلا لڑائیوں کا سلسلہ بڑھ گیا۔ ویت نام میں امریکہ کی ناکامیوں نے لان نال کے مخالفوں کے حوصلے اور بلند کر دیے اور حکومت بالکل مفلوج ہو گئی۔ چنانچہ لان نال کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور یکم اپریل کو وہ بالی (انڈونیشیا) چلا گیا اور 17 اپریل کو نام پنہ نے ہتھیار ڈال دیے اور کھمیر روژ تحریک نے اقتدار سنبھال لیا۔ پال پاٹ (Pol Pot) وزیر اعظم مقرر ہوا۔ پال پاٹ کی حکومت کو چین کی پوری تائید حاصل تھی۔ لیکن حکومت نے ظلم و تشدد کا ایسا دور شروع کیا کہ عوام کی بڑی تعداد اس کے خلاف ہو گئی۔ چنانچہ 1979 کے اوائل میں پال پاٹ مخالف تحریک نے ویت نام کی حمایت سے پال پاٹ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ تاہم اقوام متحدہ پال پاٹ کی حکومت کو ہی، جو مغرب کے تھوڑے حصہ میں سمٹ کر رہ گئی تھی، اصل حکومت تسلیم کرتی رہی۔

سول جنگ کے خاتمہ کے سلسلے میں 1987 میں پیرس میں گفتگو شروع ہوئی اور 1989 میں ویت نام نے طے کیا کہ وہ کمبوڈیا سے اپنی فوجیں واپس بلالے گا۔ 23 اکتوبر 1991 کو کمبوڈیا کے آپس میں لڑنے والے گروہوں نے ایک معاہدہ امن کیا۔ ان گروہوں میں کھمیر روژ، کھمیر پیپلز نیشنل لبریشن فرنٹ اور پرنس سیہانک کا گروہ شامل تھے۔ اقوامِ متحدہ نے مختلف محاذوں کو لے کر، انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا اور 1993 میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔

کمپالا: یوگنڈا کا صدر مقام اور اہم تجارتی شہر ہے۔ یہ کئی پہاڑوں پر آباد ہے۔ 1862 میں جے۔ اے۔ اسپائیک اور جے۔ اے۔ گرانٹ نے اس کو دریافت کیا تھا۔ 1890 میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ یہاں کے پرانے قلعہ کو اب میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یہاں ایک یونیورسٹی بھی ہے۔ 1971 میں آبادی 50,000 تھی۔

کمچٹکا: یہ ایشیا کے شمال مشرقی حصہ میں روس کا ایک جزیرہ نما ہے، جس پر اسی نام کا ایک دریا بھی بہتا ہے۔ اس جزیرہ نما کے مغرب میں بحیرۂ اوکھوٹسک اور مشرق میں بحر الکاہل نیز بحیرۂ بیرنگ واقع ہیں۔ اس کی لمبائی 750 میل ہے۔ انتہائی چوڑائی 350 میل بتائی گئی ہے۔ اس پر پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلوں میں 127 برکانی مخروطیا کاسے (دہانہ آتش فشاں) (Craters) دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں 22 آتش فشاں آج بھی لاوا اگلتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑے آتش فشاں کلائشیو سکایا سوپکا (Klyuchevskaya Sopka) کی بلندی 15,913 فیٹ ہے۔

کنزم: یہ کوہستان ہمالیہ میں لاہول کو اسپتی سے جدا کرنے والا ایک درّہ 4,479 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔

کمیٹ (کامیٹ): یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو ہندوستان کے صوبہ اترپردیش میں تبت کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ سطح سمندر سے 25,446 فٹ (7,756 میٹر) بلند ہے۔ 1931 میں پہلی بار اس پر جھنڈا گاڑا گیا تھا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کناری ارضی ہم میلان یاکاس (Para Geosyncline): ساختی اعتبار سے مستحکم (Stable) براعظمی حاشیوں (Continental Margins) پر واقع ارضی ہم میلان یاکاس۔ مثلاً بحر الکاہل اور بحر الہند کے ساحلوں کے قریب آج کل واقع سمندری کاس۔ ان ارضی ہم میلانوں یاکاسوں میں جمع شدہ رسوب ان بگڑے(Undeformed)، ریت(Sand)، کیچ(Mud)،اور روڑی (Gravel) پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ رسوب جغرافیائی وسعت کے حامل ہوتے ہیں مگر آتش فشانی چٹانوں سے قطعی طور پر مبرا ہوتے ہیں۔

کنانور: ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر کیرالا کے شمالی حصہ میں کنانور واقع ہے۔ یہ ایک بندرگاہ ہے۔ طویل مدت تک یہ کولاپتری راجاؤں کادارالحکومت تھا۔ ابتدائی پرتگالی یہیں پر آباد ہوئے تھے۔ بعد میں یہ ڈچ اور انگریزوں کی نوآبادیات کے لیے مشہور رہا۔

کنجر بنگری: یہ اتر پردیش (ہندوستان) کی سرحد پر ایک درّہ ہے۔

کنچن جنگا (کانچن جنگا): ہمالیہ پہاڑ کی یہ چوٹی، نیپال اور سکم (ہندوستان) کی سرحد پر دارجلنگ کے شمال میں 46 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے 28,146 فٹ بلند ہے اور دنیا کی بلند ترین پہاڑی چوٹیوں میں تیسرا مقام رکھتی ہے۔ اس پر کئی گلیشیر حرکت کرتے رہتے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا نقشہ رنزن نمگیال نامی ایک پنڈت نے انیسویں صدی عیسوی میں تیار کیا تھا۔ 1905 کے بعد اس کی تسخیر کی کئی بار کوشش ہوئی۔ رائل جیاگرفیکل سوسائٹی اور الپائن کلب کے زیرِ سرپرستی 1955 میں چارلس ایوانس کی ٹیم سکم کے مذہبی تصورات کا احترام کرتے ہوئے چوٹی سے چند گز پیچھے ہی ٹھہر گئی تھی۔

31 / مئی 1977 کو اس کی شمال مشرقی سمت میں میجر پریم چند اور نائک این۔ ڈی۔ شیرپا نے اس پر فتح پائی اور اس کی چوٹی پر ہندوستان کا ترنگا جھنڈا لہرایا۔ دارجلنگ کی طرف سے کنچن جنگا کی سنہری برف پوش چوٹیوں کا منظر نہایت ہی دلفریب لگتا ہے۔

کنکر (Kankar): چونا پتھر یا لائم اسٹون یا دوسرے کاربونیٹ مادوں کے حامل حجرات کی فرسودگی کے باعث سطح پر پائے جانے والے تبدیل شدہ کاربونیٹ جمادات کے دانوں کا مجموعہ کنکر کہلاتا ہے۔

کنکری دانے (Detrital or Clastic Grains): جمادات یا حجرات کے تمام ایسے ذرات جو پہلے سے موجود حجرات کی کاٹ (Erosion) یا فرسودگی (Weathering) کے باعث بنے ہوں، کنکری دانے کہلاتے ہیں۔ عام طور پر دانہ دار ذرات یا دانے کیمیائی طور پر بھی پائدار (Stable) ہو سکتے ہیں اور طبعی طور پر بھی۔ اور ان میں ترکیدگی (Cleavage) موجود نہیں ہوتی۔ ایسے دانوں کی صورت میں کچھ معاشی طور پر اہم ذخائر بھی پائے جاتے ہیں۔ جیسے ٹن (Tin)، کسٹرائٹ کچ دھات (Cassiterite)، ہیرے (Diamonds) اور ٹائٹینیم (Titanium)، روٹائل (Rutile) اور المینائٹ (Ilmenite) جمادات کے ذخائر وغیرہ۔

جو رسوبی دانے فرسودگی اور کاٹ سے حاصل نہیں ہوتے وہ غیر دانہ داری (Non-detrital/ Non-clastic) کہلاتے ہیں۔

کنگ ٹو: مشرقی ہمالیہ کا یہ ایک بلند علاقہ ہے جو آسام (ہندوستان) اور جنوبی تبت (چین) کی سرحد پر واقع ہے اور سطح سمندر سے 23,260 فٹ (7,090 میٹر) بلند ہے۔

کنگسٹن (Kingston): یہ جزیرہ جمیکا (Jamaica) کا صدر مقام اور اہم بندرگاہ ہے۔ جنوب مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے عقبی علاقہ میں پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ تجارت اور سیاحت کا مرکز اور اہم ریلوے اسٹیشن ہے۔ کئی بار یہ آگ سے جل چکا ہے۔ 1907 میں یہاں خطرناک زلزلہ بھی آیا تھا۔ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر اس کا بین الاقوامی ایرپورٹ (طیران گاہ) پلیساڈوز (Palisadoes) واقع ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد سے صنعتی میدان میں زیادہ ترقی ہوئی ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 117,400 تھی۔

کنگور: ہندوستان میں ہماچل پردیش کا یہ جنگلاتی علاقہ چلغوزوں کی پیداوار اور شالوں کی تیاری کے لیے مشہور ہے۔

کنیا کماری: سرزمین ہند کا انتہائی جنوبی سرا ہے جہاں بحر ہند، بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یہاں طلوع و غروب آفتاب کا منظر اور سمندر میں کامل چاند کا منظر قابل دید ہوتے ہیں۔ یہیں قریب ہی سمندر میں ایک چٹان پر ووِیکانند میموریل بنایا گیا ہے۔

گواڈےلوپ (Guadeloupe): فرانس کا ایک سمندر پار صوبہ ہے جو بحیرۂ کریبین میں ویسٹ انڈیز کے پاس واقع ہے۔ یہ کئی جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان

کا کل رقبہ 1,780 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 345,000 ہے۔ صدر مقام باس تیر (Basse - Terre) ہے۔

ان جزائر کی آب و ہوا معتدل اور مرطوب ہے۔ اکثر طوفان کا شکار رہتے ہیں۔ آبادی کی بڑی اکثریت نیگرو (سیاہ فام) ہے۔ سفید فام لوگ ان کی اولاد ہیں جو شروع میں یہاں بسے تھے۔ کولمبس نے اسے 1493 میں دریافت کیا تھا۔ ہسپانیوں نے شروع میں یہاں آباد کاری کی کوشش کی اور پھر چھوڑ دیا۔ 1635 سے فرانسیسی یہاں آباد ہونے لگے۔ 1815 میں یہ فرانسیسی علاقہ مان لیا گیا، اگرچہ انگریز بھی سخت دعوے دار تھے۔ 1946 میں اسے فرانس کا سمندر پار صوبہ بنا دیا گیا اور گورنر کی جگہ ایک انتظامی عہدے دار مقرر ہوا۔ 1974 میں یہ انتظامی مرکز بن گیا۔ تجارت زیادہ تر فرانس سے ہوتی ہے اور شکر اور کیلا یہاں سے برآمد کیا جاتا ہے۔

کوارٹزائٹ (Quartzite): وہ کایا بدل حجر جس میں زیادہ تر کوارٹز کا دوبارہ قلماؤ ہوتا ہے اور اس طرح ایک پچی کاری (Mosaic) بافت بن جاتی ہے۔ کیونکہ رسوبی ریت پتھر کی سیمنٹ بھی قلم پذیر ہو جاتی ہے۔ لیکن اصلی حجر میں ضیائی مادے بھی شامل ہوں تو اس میں کلورائٹ یا بایوٹائٹ بھی شامل ہو سکتا ہے۔ محض پورا کا پورا کوارٹز پر مشتمل حجر عام طور پر آرتھو کوارٹزائٹ کی حرارتی کایا بدلیت کے دوران بنتا ہے۔ علاقائی کایا بدلیت کے باعث ایسے حجر میں دباؤ کے باعث کوارٹز کے دانے لمبے اور ایک دوسرے کے متوازی ہو کر شسٹی ساخت کی تشکیل کرتے تھے اور اس صورت میں اسے شسٹی کوارٹزائٹ (Schistose Quartzite) کہا جاتا ہے۔ شدید علاقائی کایا بدلیت کے باعث کوارٹز شسٹ (Quartz Schist) بنتا ہے۔

کوالالمپور (Kualalumpur): ملیشیا کا صدر مقام ہے۔ سیلنگر (Selanger) اسٹیٹ کے پہاڑی حصہ میں واقع ہے۔ بڑا ریلوے اسٹیشن ہے۔ اس کا بندرگاہ، پورٹ سیوٹین ہام (Port Swetten Ham) مغرب میں 25 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آمد و رفت اور تجارت کا بڑا مرکز ہے۔ انجینئرنگ کا سامان اور ربر کی اعلیٰ چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ مختلف نوع کی صنعتیں واقع ہیں۔ لوہا گلانے اور آہنی چیزیں ڈھالنے کے کارخانے اہم ہیں۔ سیمنٹ کی بڑی مقدار اطراف سے مہیا ہو جاتی ہے۔ کوئلہ کی موجودگی اور برق آبی قوت کی بآسانی فراہمی نے صنعتی ترقی میں بڑی مدد دی ہے۔ 1970 میں شہر کی آبادی 451,810 تھی اور اس کی ام البلادی (Metropolitan) آبادی 706,887 تھی۔

کوبھ (Cobh): جمہوریہ آئرلینڈ کا یہ ایک اہم بندرگاہ ہے اور اس کے جنوبی علاقے میں واقع ہے۔ ماضی میں اس کا نام "کو" تھا۔ یہاں کی آب و ہوا صحت بخش ہونے کی وجہ سے یہ ایک تفریح گاہ بن گیا ہے اور رائل کارک یاٹ کلب کا مستقر ہے۔ یہ کلب، دنیا کے قدیم ترین کلبوں میں سے ہے جو اٹھارہویں صدی میں قائم کیا گیا تھا۔ یہاں ہر سال کشتیوں کی دوڑ ہوتی ہے۔

کوپرولائٹ (Coprolite): مچھلیوں، رینگنے والے جانوروں (Reptiles)، پرندوں اور پستانی جانوروں کے فضلے کے رکازیدہ (Fossilized) ڈھیر یا ذخیرے جو عام طور پر فاسفیٹ (Phosphate) پر مشتمل ہوتے ہیں۔

کوپن (Koeppen) کی آب و ہوا کی تقسیم: ولاڈی میر کوپن نے 1918 میں آب و ہوا کے اختلافات کے اعتبار سے دنیا کو کئی اساسی اور ثانوی خطوں میں تقسیم کیا تھا۔ ان میں وقتاً فوقتاً کچھ تبدیلیاں بھی ہوتی رہی ہیں۔ اساسی خطے جو بڑے حروف تہجی سے دکھائے جاتے ہیں، درج ذیل ہیں۔

A۔ (اے) ٹراپیکل بارانی آب و ہوا کے خطے۔ یہاں کسی مہینہ میں بھی 18° سنٹی گریڈ سے کم درجہ حرارت نہیں ہوتا۔

B۔ (بی) خشک آب و ہوا کے خطے۔ ان میں تکثیف بخار کے مقابلہ میں تبخیر زیادہ ہوتی ہے۔

C۔ (سی) مرطوب میانہ حراری آب و ہوا کے خطے۔ ان میں سرد ترین مہینہ کا درجہ حرارت 18° سنٹی گریڈ سے کم لیکن 3° سنٹی گریڈ سے زائد رہتا ہے۔

D۔ (ڈی) مرطوب کم حراری آب و ہوا کے خطے۔ ان میں سرد ترین مہینہ کا درجہ حرارت 3° سنٹی گریڈ سے کم اور گرم ترین مہینہ کا درجہ حرارت 10° سنٹی گریڈ سے زائد رہتا ہے۔

E۔ (ای) برفانی آب و ہوا کے خطے۔ ان میں گرم ترین مہینہ کا درجہ حرارت 10° سنٹی گریڈ سے کم رہتا ہے۔

ان پانچوں خطوں "اے، بی، سی، ڈی اور ای" (A,B,C,D & E) کی تخصیص اوسط درجہ حرارت کی اساس پر کی گئی ہے، لیکن زمرہ "ب" (B) کے خطوں کی تخصیص میں تبخیر و تکثیف بخار کے تناسب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان اساسی خطوں کو مخصوص موسمی درجہ حرارت اور بارانی خصوصیات کی بنیادوں پر کئی ثانوی خطوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ان ثانوی خطوں کو دکھانے کے لیے اساسی تقسیم کے بڑے حروف تہجی کے ساتھ چھوٹے حروف تہجی بھی جوڑ دیے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جاتے ہیں جو آب و ہوا کی خصوصی کیفیتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

کوپن ہاگن: یہ ڈنمارک کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی 721,381 ہے۔ یہ شہر، جزیرہ زی لینڈ کے مشرقی حصہ اور جزیرہ امیجر کے شمالی حصہ اور آرے سنڈ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ بندرگاہ ہونے کے علاوہ بہت بڑا تجارتی، صنعتی اور ثقافتی مرکز بھی ہے۔ یہاں سے ڈنمارک کی آدھی تجارت ہوتی ہے۔ جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے، لوہے، شراب بنانے، طباعت سے متعلقہ اشیا اور کیمیائی اشیا کے کارخانے ہیں۔ گیارہویں صدی میں اس کے اطراف فصیل تعمیر ہوئی تھی۔ اس پر سویڈن نے قبضہ کی کوشش کی۔ نویں صدی میں برطانیہ اور نپولین کے درمیان لڑائی کا مرکز بنا اور برطانوی توپوں نے اسے جلا دیا۔ 1940 سے 1945 تک اس پر جرمنوں کا قبضہ رہا۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی شکست کے بعد اسے آزادی ملی۔

کوٹایم: کیرالا کا مشہور شہر، مختلف عیسائی فرقوں کا اہم مرکز ہے۔ ولیاپلی جو یہاں کا ایک قدیم گرجا گھر ہے، نایاب نقاشی کے لیے مشہور ہے۔

کوٹوپیکسی: جنوبی امریکہ کی ریاست ایکویڈور (Equadore) میں کوہستان انڈیز (Andez) کے درمیان یہ آتش فشاں پہاڑ واقع ہے۔ اس کی ساخت لاوے کی ہے۔ یہ دنیا کا بہت بڑا زندہ آتش فشاں ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 19,498 فٹ ہے۔ مخروطی اونچی چوٹی خط استوا پر واقع ہونے کے باوجود برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ اس کا دہانہ شمالاً جنوباً 2,300 اور شرقاً غرباً 1,650 فٹ قطر رکھتا ہے۔ دہانہ کی گہرائی 1,200 فٹ ہے۔ اپنی چوٹی سے یہ دہانہ آتش فشاں وقتاً فوقتاً خاک، پتھر اور جلتی ہوئی راکھ ہوا میں اچھال کر اپنے چاروں طرف پھیلاتا رہتا ہے۔ راتوں کو دہانہ سے نکلتی ہوئی آگ آس پاس کی فضا میں عجیب منظر پیش کرتی ہے۔ دھوئیں کے بادل بعض وقت اتنے زیادہ اور گھنے ہوتے ہیں کہ پورا پہاڑ ان سے ڈھک جاتا ہے۔ کوٹوپیکسی اپنی آتش فشانی کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ یہ اب تک کئی بار اپنے عمل آتش فشانی سے ملک میں تباہی لا چکا ہے۔ اس کے پائیں کی نشیبی زمین وادیوں اور گھاٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔ بہت سی ناکام کوششوں کے بعد کچھ کوہ پیما 1872 میں اس کی چوٹی کو سر کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

کوٹہ: ریاست راجستھان کا ایک جنوب مشرقی شہر ہے جو مغل شہنشاہ جہانگیر کے دور میں بوندی خاندان کے رکن مادھو سنگھ کی راجدھانی تھا۔ کوٹہ کے جنوب میں 5 کلومیٹر کے فاصلے پر دتہ مکندرا ہے، جس کے قریب برٹش فوجی عہدہ دار کرنل مانسون اور جسونت رائے ہولکر کے درمیان زبردست جنگ ہوئی تھی۔ اس شہر کے اطراف اتنی زبردست دیوار بنائی گئی ہے کہ اس سے آگرہ کے قلعہ کی دیوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ شہر کوٹہ میں بھیل اور مینا (Meena) قبیلے کے لوگ بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

کوٹہ کو چمبل ندی کی دو معاونیں سیراب کرتی ہیں جن کے نام کالی سندھ اور پاروتی ہیں۔ راجستھان اور مدھیہ پردیش کی ریاستوں کی تشکیل کے بعد چمبل وادی اسکیم کے تحت ایک منصوبہ کے تحت کوٹہ کے قریب ایک بندھ کی تعمیر کی گئی ہے۔ اس بندھ کے دونوں جانب دو نہریں بنائی گئی ہیں، جن سے راجستھان اور مدھیہ پردیش کا بڑا علاقہ سیراب ہوتا ہے۔ کوٹہ میں ایک کارخانہ ہے جس میں بندوقوں اور بجلی کے آلات بنائے جاتے ہیں۔

کوچی (کوچین): یہ ریاست کیرالا (ہندوستان) میں واقع ہے اور ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر ممبئی اور ارناکولم کے درمیان ایک مشہور بندرگاہ اور شہر ہے۔ یہ اپنے محل وقوع کی بنا پر جنوبی ہند کا سب سے اہم بندرگاہ مانا جاتا ہے جس سے کیرالا کے عقبی علاقے، تامل ناڈو، کرناٹک اور آندھرا پردیش کے جنوبی اضلاع کو تجارتی سہولتیں حاصل ہیں۔

کوچی کو بحیرۂ عرب کا مالک کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا شمار دنیا کے عمدہ بندرگاہوں میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کوچی دو مشہور گرجا گھروں کے لیے اہم ہے، جن میں ایک سینٹ فرانسس چرچ ہے جو ہندوستان کا سب سے قدیم گرجا گھر ہے۔ یہیں واسکوڈی گاما کا مقبرہ بھی ہے اور دوسرا اسپٹا کروز کا خوبصورت گرجا گھر ہے۔ آزادی کے بعد سے یہاں کئی بڑی صنعتیں قائم ہوئی ہیں جن میں ایک بڑے سمندری جہاز بنانے کا کارخانہ اور ایک تیل صاف کرنے کا کارخانہ بھی ہے۔

آزادی سے پہلے یہ ایک دیسی ریاست کوچین کا اہم بندرگاہ تھا اور اس سے ملا ہوا دریا کی دوسری طرف کا شہر ارناکولم صدر مقام تھا۔

کوڈاگو (کرگ): کرناٹک کا ایک ضلع ہے جو مغربی گھاٹ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا پہلے نام "کوڈاگو" تھا۔ جو کثرت استعمال سے کرگ ہو گیا ہے۔ کوڈاگو کے معنی پہاڑ کے ڈھلوان حصہ کے ہیں۔ یہاں بارش بکثرت ہوتی ہے۔ کافی کی کاشت زیادہ ہوتی ہے۔ چاول یہاں کے باشندوں کی مرغوب غذا ہے۔ لارڈ اکیشورا کا مندر مشہور ہے۔ یہاں کی اپنی الگ تہذیب اور کلچر ہے۔

کوڈے کنال (Kodai Kanal): یہ تامل ناڈو کے ضلع مدورائی میں پالنی کی پہاڑیوں (Palni Hills) میں واقع ہے۔ یہ خوبصورت مناظر اور

خوشگوار آب و ہوا کے لیے مشہور ہے۔ یہاں کے خوبصورت مقامات، ستونی چٹانیں (Pillar Rocks)، پیرومل کی چوٹی (Perumal Peak)، سلور کیس کیڈ (Silver Cascade) یا نقرئی آبشار، گلین (Glen)، پامبر (Pambar)، بیر شولا آبشار (Bear Shola Falls) اور فیئری فالس (Fairy Falls) وغیرہ ہیں۔

کوڈے کنال ہندوستان کا ایک مشہور پہاڑی مستقر ہے۔ اس کی معتدل آب و ہوا اور کم اوسط رطوبت کی وجہ سے یہاں ایک صحت گاہ (سینی ٹوریم) (Sanitorium) قائم کیا گیا ہے۔

یہاں ہر سال سیاحوں کی بڑی تعداد سیر و تفریح کے لیے آتی ہے۔

کوراپٹ: اڑیسہ کا ایک ضلع ہے جس کی آب ہوا ہمالیہ کے خطے کی مانند نہایت سرد ہے۔ کوراپٹ میں جے پور ایک پہاڑی مستقر ہے۔ یہاں رائے گورڈا میں کئی شکر کے کارخانے ہیں۔ کوراپٹ ہوائی جہاز کے سامان، انجنوں اور الکٹرانک کی اشیا کی صنعتوں کا بھی اہم مرکز ہے۔ سطح مرتفع کوراپٹ سطح سمندر سے تقریباً 1,200 میٹر بلند ہے۔

کورسیکا: یہ فرانس کا ایک جزیرہ ہے۔ فرانسیسی میں کورس کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ 3,367 مربع میل اور آبادی تقریباً تین لاکھ ہے۔ یہ بحیرہ روم میں فرانس کے جنوب مشرق اور سارڈی نیا کے شمال میں واقع ہے۔ یہاں پہاڑیاں زیادہ ہیں۔ یہاں سے زیتون کا تیل، شراب اور لکڑی برآمد کی جاتی ہے۔ گندم یہاں بہت ہوتا ہے اور پنیر بہت بڑی مقدار میں تیار کیا جاتا ہے۔ جزیرہ کا بیشتر حصہ غیر آباد ہے۔ یہاں کے خوشبودار پھولوں کی وجہ سے اس کو "جزیرہ عطر بیز" کہا جاتا ہے۔

کورنٹو: یہ بندرگاہ، نکاراگوا کے مغرب میں بحرالکاہل کے ساحل پر واقع ہے۔ بندرگاہ ہونے کے علاوہ یہ اس ریاست کا آخری ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ یہاں سے کافی، شکر، کھالیں اور چوبینہ برآمد کیا جاتا ہے۔ 1912 میں یہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی فوج اتری تھی۔

کورومنڈل: یہ ہندوستان کا جنوب مشرقی ساحلی علاقہ ہے جو آبنائے پاک کے شمال اور مسولی پٹنم کے جنوب، گویا نقطہ کالی میٹر اور کرشنا ندی کے دہانہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اس میں چنگئی اور پانڈیچری کے ساحلی علاقے شامل ہیں۔ پہلے یہ تمام ساحلی علاقہ صوبہ مدراس میں شامل تھا لیکن ملک کی لسانی تقسیم کے بعد یہ دو ریاستوں یعنی تامل ناڈو اور آندھرا پردیش میں بٹ گیا ہے۔ آزادی ہند سے پہلے اس ساحل پر واقع فرانسیسی مقبوضات کاریکل، پانڈیچری اور ینام سے متعدد اشیا جیسے کالی مرچ، جواہرات، سونا اور چاندی، ہاتھی دانت سے بنی ہوئی چیزیں، پارچہ بافی اور نقشات کی اشیا، برآمد ہوتی تھیں۔ موجودہ دور میں اس ساحل سے چمڑے اور کھالیں، عمارتی لکڑی، نباتاتی تیل، روئی، تمباکو اور شکر برآمد کی جاتی ہیں۔ ان میں بہت سی اشیا بندرگاہ چینائی سے برآمد ہوتی ہیں۔

کوروپلتھ: نقشہ کے مختلف رقبوں میں کسی چیز کی اوسط مقداری تقسیم کو ظاہر کرنے والی علامت کوروپلتھ کہلاتی ہے اور ان علامتوں کے حامل نقشے کوروپلتھ نقشے کہلاتے ہیں۔ رقبوں کی حدود کا ملکی حدود پر منطبق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ تقسیم کو ملکی حدود ہی میں ظاہر کریں تو نقشے ڈیسوپلتھ نقشے کہلاتے ہیں۔ کوروپلتھ نقشوں میں نباتاتی، زرعی یا حیوانی تقسیم اور آبادی یا بارش وغیرہ کے اعداد و شمار کو مختلف دبازتوں کے سادہ خطوط مستقیم سے، ایک ہی دبازت کے مختلف فاصلوں پر بنے ہوئے متوازی یا باہم قطع کرنے والے خطوط سے یا ایک ہی رنگ (بالعموم سیاہ) کے ہلکے اور گہرے سایوں سے دکھایا جاتا ہے۔ بعض اوقات غیر مقداری یا توصیفی نقشے بھی اس طریقہ پر تیار کیے جاتے ہیں۔ ڈیسوپلتھ نقشے مقابلتاً ناقص سمجھے جاتے ہیں کیونکہ ملکی، سیاسی یا انتظامی حدود اور کسی چیز کی قدرتی تقسیم کی حدود شاذ ہی منطبق ہوتی ہیں۔ ان نقشوں کا دوسرا نقص یہ ہے کہ وسیع علاقوں پر تقسیم یکساں دکھائی دیتی ہے جو اکثر و بیشتر حقیقت کے خلاف ہوتی ہے۔

کوریا (Korea): مشرقی ایشیا کا ایک ملک تھا جو اب دو ملکوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ اس کی شکل جزیرہ نما کی سی ہے۔ اس کا کل رقبہ 220,277 مربع کلو میٹر (85,049 مربع میل) ہے۔ اس کے مغرب میں خلیج کوریا (بحیرۂ زرد کی ایک شاخ)، جنوب میں آبنائے کوریا (جو بحیرۂ زرد اور بحیرۂ جاپان کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے) اور بحیرۂ زرد اور مشرق میں بحیرۂ جاپان واقع ہیں۔ شمال میں اس کی خشکی کی سرحدیں چین اور روس سے ملتی ہیں، جن کی نشاندہی زیادہ تر دریائے یالو اور دریائے تومین سے ہوتی ہے۔ اس کے وسیع ساحل سے پرے جو تقریباً پانچ ہزار میل لمبا ہے، لگ بھگ 3,400 چھوٹے چھوٹے جزائر واقع ہیں جو غیر آباد اور پتھریلے ہیں۔ خود جزیرہ نما کوریا بڑی حد تک پہاڑی علاقہ ہے۔ موسم شمال میں خشک اور انتہائی سرد اور جنوب میں گرم ملکوں کا سا رہتا ہے۔ شمالی علاقے میں جنگلات کثرت سے ہیں اور معدنی ذخائر کی بھی بہتات ہے۔ صرف جنوب اور جنوب مغرب میں دریاؤں کی وادیاں اور نشیبی علاقہ قابل کاشت ہے۔ چاول، جو (بارلی)، کپاس، تمباکو اور سبزیاں یہاں کی اہم پیداوار ہیں۔ ماہی گیری بھی کثرت سے ہوتی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔یہاں کی بھاری صنعتیں جو شمال میں واقع ہیں زیادہ تر پن بجلی سے چلتی ہیں۔ان صنعتوں کو 1910 سے 1945 تک جاپان کے قبضہ کے دوران ترقی دی گئی تھی۔ جنوب میں زیادہ تر صارفین کے استعمال کی اشیا تیار کی جاتی ہیں۔کوریائی باشندے زیادہ تر بدھ مت یا کنفیوشین مذاہب کے پیرو ہیں۔اس کے علاوہ بہت سے لوگ چن دو گیو (Chun-do-Gyo) عقیدہ کو بھی مانتے ہیں۔یہ ایک مقامی مذہب ہے، جس میں بدھ مت، کنفیوشین مذہب، عیسائی اور تاؤ عقائد ملے جلے ہیں۔یہ انیسویں صدی کی پیداوار ہے۔

تاریخ: کوریا کی تاریخ میں چینی اور جاپانی اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم نسلی اور تہذیبی اعتبار سے کوریا کے باشندے ایک علیحدہ قبیلہ تنگوسک(Tungusic) سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کی باقاعدہ تاریخ کا آغاز بارھویں صدی ق۔م۔ سے ہوتا ہے، جبکہ ایک چینی عالم کیوڑے (کیجا) نے پیانگ یانگ میں ان کی ایک بستی بسائی تھی۔ پھر 100 ق،م میں لولانگ (Lolang) کی چینی نو آبادی کے بھی خاص گہرے اثرات یہاں کے باشندوں پر پڑے۔یہ نو آبادی بھی پیانگ یانگ سے قریب ہی واقع تھی۔اس زمانے میں دریائے یالو کے قریب شمالی حصہ میں اہل کوریا کی پہلی مقامی ریاست قائم ہوئی جو کوگوریو(Koguryo) سلطنت کہلاتی تھی۔اس کے بعد یہاں کئی کوریائی خاندان حکمراں رہے۔ منگول حملہ آوروں نے 1231 اور 1260 کے درمیان کوریا پر قبضہ کر لیا۔ 1392 میں ای(Yi) خاندان برسر اقتدار آیا اور 1910 تک یہاں حکومت کرتا رہا۔اس نے سیئول کو اپنا نیا دارالحکومت بنایا اور کنفیوشین مذہب کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ 1592 میں ای خاندان کے حکمراں نے چینیوں کی مدد سے جاپانی حملہ کو پسپا کر دیا۔ابتدائی سترھویں صدی میں کوریا چین کے منچو خاندان کا ماتحت اور باجگزار بن گیا اور ساری دنیا سے اس کا رشتہ منقطع ہو گیا۔ تمام غیر چینی اثرات اور تعلقات کا خاتمہ کر دیا گیا۔البتہ 1876 میں وہ جاپان سے ایک تجارتی معاہدہ کرنے پر مجبور ہوا اور اس کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور یوروپ کے دوسرے ملکوں سے بھی اس کے تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ پہلی چینی۔ جاپانی جنگ(1984-85)اور روس–جاپانی جنگ(1904-05) کے بعد جاپان نے یہاں پوری طرح اپنا تسلط جما لیا اور 1910 میں باقاعدہ طور پر کوریا کا سلطنت جاپان میں انضمام ہو گیا۔جاپان نے یہاں جدید صنعتیں اور ریلیں قائم کیں۔ جبر و تشدد کے باوجود جاپان اہل کوریا کے جذبہ آزادی کو کچل نہ سکا۔1919 میں سنگمن ری کے زیر قیادت شنگھائی میں ایک عارضی حکومت قائم کی گئی۔دوسری عالمی جنگ کے دوران 1943 کی قاہرہ کانفرنس میں برطانیہ، امریکہ اور چین نے کوریا کو آزادی عطا کرنے کا معاہدہ کیا۔ جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد کوریا کو من مانے طور پر 1948 میں دو منطقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ °38 خط عرض البلد کے شمال کا منطقہ روس اور جنوبی علاقہ امریکن حلقہ اثر میں آگیا۔واضح رہے کہ صنعتیں اور تجارتی لحاظ سے شمالی منطقہ ہی کو اہمیت حاصل تھی اور جنوبی کوریا صرف زرعی علاقہ تھا۔روس اور امریکہ کی کشیدگی کا خمیازہ اہل کوریا کو بھگتنا پڑا اور دونوں ملکوں کے باہمی تجارتی اور تہذیبی تعلقات کو شدید نقصان پہنچا۔دونوں منطقوں کو متحد کرنے کی مساعی کا آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ حالانکہ سوویت روس نے کوریا کے لیے اقوام متحدہ کی مشترکہ تولیت کی تجویز بھی پیش کی تھی، لیکن وہ بھی بے سود ثابت ہوئی۔ 1948 میں دونوں علاقوں کو باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا گیا اور وہاں ڈیموکریٹک پیپلز ریپبلک آف کوریا(شمالی کوریا) اور ریپبلک آف کوریا (جنوبی کوریا) کی دو علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کی گئی۔ 1949 کے وسط تک تمام روسی اور امریکی فوجیں وہاں سے ہٹا لی گئیں۔ تاہم دونوں کوریائی حکومتوں کے تعلقات کشیدہ رہے۔جون 1950 میں اچانک شمالی کوریا نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا جس سے جنگ چھڑ گئی۔ شمال کی فوجیں پورے جنوب پر قابض ہو گئیں لیکن امریکی فوجوں نے بہت بڑے پیمانے پر مداخلت کر کے انھیں پیچھے ہٹا دیا۔ شمالی کوریا کی مدد پر چینی فوجیں آئیں۔ آخر کار 1953 میں جنگ بندی ہو گئی اور °38 شمالی عرض البلد دونوں کوریاؤں کی سرحد قرار پائی۔ 1971 کی گفت و شنید سے امید ہوئی کہ مصالحت ہو جائے گی اور 1972 میں ایک معاہدہ ہوا کہ دونوں ملکوں کو ملانے کی کوشش کی جائے۔

کوزی کوڈ (کالی کٹ): یہ بندرگاہ کیرالا میں کوچی (کوچین) کے شمال میں نوے میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مونسونی موسم کے ابتدائی دور میں چونکہ سمندر یہاں اتھلا ہے، عملی طور پر یہ بندرگاہ جہاز رانی کے قابل نہیں ہوتا ہے۔اس لیے جہاز ساحل سے تین میل کے فاصلے پر لنگر انداز ہوتے ہیں۔ تارا، ناریل کا ریشہ، کھوپرا، کافی، چائے، ادرک، مونگ پھلی اور مچھلی کی کھاد، یہاں سے برآمد ہونے والی اشیا ہیں۔

کوسٹاریکا (Costa Rica): وسطی امریکہ کا ایک جمہوریہ ہے جس کے شمال میں نکاراگوا، مشرق میں کیریبین (Caribbean)، جنوب مشرق میں پناما اور جنوب مغرب میں بحر الکاہل واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 51,100 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 3,064,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر سان جوسے (SanJose) ہے۔ ملک کی زبان ہسپانوی ہے۔ بڑی اکثریت کا مذہب رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کوسٹاریکا کے شمال میں جنگل اور پہاڑیاں ہیں۔ جنوبی حصے میں آتش فشاں پہاڑ ہیں اور ان کے دامن میں سطح مرتفائی علاقے ہیں جو ملک کا گویا دل ہیں۔ اس حصے میں ہمیشہ موسم بہار جیسی کیفیت رہتی ہے۔ کوسٹاریکا کی معیشت کی بنیاد زراعت پر ہے۔ اس میں مویشیوں کی پرورش اور افزائش شامل ہے۔ بلکہ قومی آمدنی کا بائیس فیصدی حصہ اس سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی برآمدات کی آمدنی کا 95 فیصدی ان ہی مویشیوں سے حاصل ہوتا ہے۔ زرعی اشیا میں چاول، آلو، گنا، کوکو، کافی اور پام کی کاشت ہوتی ہے۔

لاطینی امریکہ کے دوسرے ملکوں کی طرح تجارت زیادہ تر امریکہ سے ہے۔ در آمدات کا 34 فیصدی امریکہ سے اور باقی وینی زوئیلا، جاپان، جرمنی اور پڑوس کے دوسرے ملکوں سے آتا ہے۔ برآمدات کا 32 فیصدی امریکہ کو اور بقیہ پڑوس کے ملکوں کو جاتا ہے۔

یہاں کا رائج سکہ کولون (Colon) ہے۔

1991 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں 453,297 طالب علم اور 14,078 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 139,303 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 61,364 طالب علم تھے۔

تاریخ: کوسٹاریکا کو کولمبس نے 1493 میں دریافت کیا تھا اور اسی نے کوسٹاریکا (مالدار ساحل) کا نام رکھا تھا۔ یوروپی مہم جو 1530 کے بعد سے یہاں بسنے لگے اور نو آبادیاں قائم کیں۔ اس لیے کہ شروع میں مقامی انڈین آبادی نے ان کی سخت مخالفت اور مذاحمت کی اور سفید فام اقوام نے شمالی اور جنوبی امریکہ کے دوسرے علاقوں کی طرح بے رحمی کے ساتھ خونریزی کے ذریعے انھیں زیر کیا۔

پڑوس کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں کی سیاسی زندگی بھی کافی عرصے تک منتشر حالت میں رہی۔ 1821 تک یہ علاقہ گوئٹے مالا (Guatemala) کا حصہ رہا۔ پھر دو سال تک میکسیکو کا حصہ رہا۔ 1824 سے 1838 تک یہ وسطی امریکہ کی وفاقی ریاست کا جزو بنا رہا۔ کہیں 1848 میں یہ علیحدہ آزاد ریاست بن سکا۔ اس کے بعد یہ 1928 تک پڑوس کے ملکوں کے ساتھ سرحدی جھگڑوں میں الجھا رہا۔ اندرونی طور پر جنوبی امریکہ کی دوسری ریاستوں کے برعکس حالات پر امن رہے۔ 1917 میں یہاں ایک انقلاب ہوا اور پھر 1948 میں بھی ایک انقلاب ہوا۔ 1949 میں ایک نیا آئین بنایا گیا اور پھر انتخابات سے صدر بننے لگے۔ جنوبی امریکہ کی دوسری ریاستوں کے برعکس کوسٹاریکا کی قومی زندگی زیادہ منضبط رہی ہے۔ امیر اور غریب کا فرق بھی اتنا گہرا نہیں رہا ہے اور یہاں کافی عرصہ سے جمہوری نظام قائم ہے۔ اسی لیے یہاں اچھی سڑکیں ملتی ہیں اور تعلیم زیادہ ہے۔

پچھلے دنوں نکاراگوا میں وہاں کے ڈکٹیٹر کے خلاف جو زبردست انقلابی اور مسلح جنگ شروع ہوئی، کہا جاتا ہے کہ اس میں کوسٹاریکا انقلابیوں کو پناہ دیتا اور ان کی مدد کرتا رہا ہے۔ 1963 میں کوسٹاریکا نے سینٹرل امریکن کامن مارکیٹ کی رکنیت لے لی۔ اس ملک میں آتش فشاں ارازو 64-1963 میں پھٹ پڑا اور بہت نقصان ہوا۔ ایک دوسرا آتش فشاں 'اریتال' بھی 1968 میں پھٹا اور بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ 1973 میں سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ 1987 میں یہاں کے صدر آسکر اریاس سانچیز کو 'سینٹرل امریکن امن کی تدبیر کے لیے 'نوبل امن انعام' دیا گیا۔ 1992 میں فوج کی جگہ ایک 'سول گارڈ' محکمہ بنایا گیا۔ یہ محکمہ دراصل 1948 میں بند کر دیا گیا تھا۔

کوسکیو سکو (Kosciusko): آسٹریلیا کی ریاستوں، وکٹوریا اور ساؤتھ ویلز (South Wales)، کے درمیان کچھ پہاڑی سلسلے، جو جنوب مشرقی سرحد بناتے ہیں، آسٹریلین آلپس (Alps) کے نام سے موسوم ہیں۔ کوسکیو سکو اسی سلسلے کا ایک پہاڑ ہے جو 7,316 فٹ بلند ہے۔ براعظم آسٹریلیا کی سب سے اونچی چوٹی یہیں ہے۔ موسم سرما میں یہ پہاڑ برف سے ڈھک جاتا ہے۔

کوسی: "پر آشوب" دریا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ندی ہمیشہ اپنا راستہ بدلتی رہتی ہے۔ اس کے سیلابوں سے ریاست بہار کو ہر سال ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ یہ تبت میں 5,486 میٹر کی اونچائی سے نکل کر نیپال کے مشرقی حصے سے بہتے ہوئے شمالی بہار میں داخل ہوتی ہے اور داہنی جانب بہتے ہوئے پٹنہ سے کچھ دور گنگا میں مل جاتی ہے۔ نیپال کی سرحد پر اس پر ایک بندھ بنایا گیا ہے جس سے نیپال اور بہار دونوں فیض یاب ہوتے ہیں۔

کوسی پراجکٹ: کوسی پراجکٹ بہار کی سب سے اہم آبپاشی کی اسکیم ہے۔ جس کے مقاصد آبپاشی، برقی قوت کا حصول، جہاز رانی، مٹی کا تحفظ، پانی کا نکاس، پانی سے بھرے ہوئے علاقوں کی بازیابی، ملیریا کا کنٹرول، مچھلی کی افزائش نسل، وغیرہ ہیں۔ اس پراجکٹ میں ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے جو نیپال میں شہر اگارج پر 225 میٹر کی بلندی پر ہے۔ اس بندھ کی تعمیر کی وجہ سے بہار اور نیپال کا 20,720 مربع کلو میٹر رقبہ کوسی کے غضبناک سیلابوں سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اس کے بجلی گھر سے تقریباً 1.8 ملین کلوواٹ بجلی دستیاب ہوتی ہے۔

کوکولتھ (Coccolith): بعض بحری جان داروں کی جسمانی سطحوں پر پائی جانے والی بے حد مختصر بیضوی اور سوراخ دار کیلسائی پلیٹیں (Calcic Plates)

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

کوکولتہ کہلاتی ہیں۔

کوکوس جزائر (یا جزائر کیلنگ) (Cocos Islands or Keeling Islands): آسٹریلیا کی نوآبادی ہے۔ انھیں جزائر کیلنگ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ 27 چھوٹے چھوٹے مونگے کے جزیروں کا مجموعہ ہے۔ ان کا کل رقبہ 14.2 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1986 میں 676 تھی۔ 1609 میں ولیم کیلنگ نے ان کا پتہ لگایا تھا۔ 1857 میں برطانیہ نے ان پر قبضہ جمالیا اور 1955 میں انھیں آسٹریلیا کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں پر ناریل اور پام کی کاشت ہوتی ہے اور یہ چیزیں برآمد کی جاتی ہیں۔

کول ڈیم: ہماچل پردیش میں دریائے ستلج پر واقع بھاکرا ڈیم کے 72 کلو میٹر دور، بالائی دھارے پر، کول ڈیم کا منصوبہ بنا ہے۔ اس پراجکٹ کا اصل مقصد بھاکرا ذخیرہ آب میں مٹی کی تہ نشینی کو روکنا ہے جو کہ انجینئروں کے لیے ایک بڑا دشوار طلب مسئلہ ہے۔

کول کاتا (کلکتہ) (Calcutta): کول کاتا کا پرانا نام کلکتہ تھا۔ یہ ہندوستان کا دوسرا بڑا شہر ہے جو دریائے ہگلی پر خلیج بنگال سے تقریباً 120 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اگرچہ دریائے ہگلی میں جہاز رانی خطرہ سے خالی نہیں ہے تاہم یہ شمالی ہندوستان کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دریائے گنگا اور برہم پتر کی زرخیز وادیاں اس کے عقب میں واقع ہیں جہاں کی پیداواروں کے لیے کلکتہ سب سے بڑا تجارتی مرکز اور بندرگاہ ہے۔ اس کے عقبی علاقہ میں آسام، مغربی بنگال، بہار، اتر پردیش، پنجاب کے علاقے، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش واقع ہیں جو کول کاتا (کلکتہ) سے بذریعہ ریل اور سڑک جوڑ دیے گئے ہیں۔ یہ تمام ریاستیں کافی خام مال پیدا کرتی ہیں جن کی بیرونی منڈیوں اور بازاروں میں بڑی مانگ ہے۔

کول کاتا (کلکتہ) مغربی بنگال کا صدر مقام ہے۔ یہ دنیا میں پٹ سن کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں سے پٹ سن کی بنی بوریاں، چائے، تیل نکالنے کے بیج اور چمڑہ باہر بھیجے جاتے ہیں۔ یہ رانی گنج کے کوئلے کے علاقے کے قریب واقع ہے، اس لیے یہاں لوہے کا سامان بنانے، بوری بنانے، شکر، کاغذ، سوتی کپڑا، ربڑ کا سامان اور بجلی کا سامان بنانے کے بہت سے کارخانے ہیں۔

ہاوڑا کو، جو دریائے ہگلی کے دائیں کنارے پر واقع ہے، کلکتہ سے ایک بڑے پل کے ذریعہ ملا دیا گیا ہے۔ یہ دہلی، ممبئی اور چنئی سے آنے والی ریلوں کا بڑا جنکشن ہے۔

1912 تک کول کاتا (کلکتہ) گورنمنٹ آف انڈیا کا صدر مقام تھا اور آج کل یہ ہندوستان کا اہم ترین تجارتی مرکز بن گیا ہے۔ یہاں کے قابل دید مقامات وکٹوریہ میموریل، انڈین میوزیم، زولاجیکل گارڈن، جین مندر، کالی گھاٹ مندر، نیشنل لائبریری، راج بھون، ماربل پیلیس، فورٹ ولیم، ایڈن گارڈنس، ڈلہوزی اسکوائر اور دکشنیشور مندر ہیں، جن کو دیکھنے کے لیے دور دور سے یہاں سیاح آتے ہیں۔

ڈم ڈم (Dum Dum) کول کاتا (کلکتہ) کا ایئرپورٹ ہے جسے بین الاقوامی معیار پر تیار کیا گیا ہے۔ یہاں دنیا کے اکثر ممالک کے ہوائی جہاز آتے ہیں اور یہاں سے بھی دوسرے ممالک کو ہوائی جہاز جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کے اندرونی علاقوں کے ہوائی جہازوں کی آمد و رفت بھی یہاں ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

کول گارڈی۔ پورٹ آگستا ریلوے لائن: جنوبی آسٹریلیا کی یہ سب سے بڑی ریلوے لائن کال گورلی سے ہوتی ہوئی آسٹریلیا کے جنوبی وسط میں پورٹ آگستا تک جاتی ہے۔

کولار کی سونے کی کانیں: ریاست کرناٹک میں سونے کی کانیں کولار میں واقع ہیں جہاں سو سال سے سونا حاصل کیا جا رہا ہے۔ یہاں کی چیمپین ریف گولڈ مائن (Champion Reefs Gold Mine) کا دنیا کی گہری کانوں میں شمار ہوتا ہے جس کی گہرائی 2,885 میٹر ہے۔

کولم (کیولان): ریاست کیرالا (ہندوستان) کے ملابار ساحل پر ایک بندرگاہ ہے۔ بندرگاہ کی حیثیت سے اب اس کی شہرت کم ہو گئی ہے مگر اب بھی عقبی پانی میں کشتی رانی کی جاتی ہے۔ یہاں "کاجو" کے پھل اور بیج کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یہ مقام تریوندرم اور شن کوتا گیپ کے درمیان میٹر گیج ریلوے لائن پر واقع ہے۔ یہ ضلع بھی ہے اور ضلع کا صدر مقام بھی ہے۔

کولمبس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

کولمبو: جمہوریہ سری لنکا کا صدر مقام اور بندرگاہ ہے۔ جزیرہ لنکا کے مغربی ساحل پر دریائے "کلانی" کے جنوبی دہانے پر واقع ہے۔ قلعہ کے علاقہ میں انتظامی اور تجارتی دفاتر ہیں۔ یہ یورپ اور ایشیا کے تجارتی راستہ پر واقع ہے۔ چنانچہ سولھویں صدی میں جب یورپی ملکوں نے ایشیا کا رخ کیا تو 1565 میں پرتگالیوں نے کولمبو پر قبضہ کر کے ایک قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد ان کی جگہ ڈچ لوگوں نے لے لی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اور پھر انگریزوں نے اس پر قبضہ کیا۔ 1948 میں اسے آزادی ملی اور یہ لنکا کا صدر مقام بنا۔ پچھلے برسوں میں اس شہر کے بندرگاہ نے اتنی ترقی کی ہے کہ پرتگالی یا ڈچ آثار اب باقی نہیں رہے۔ یہاں کوتا ہینا میں بدھ مت کا بڑا مندر ہے۔ شہر کے وسط میں علمی، صنعتی اور تجارتی مراکز ہیں۔ ایک یونیورسٹی ہے۔ کولمبو کا بندرگاہ غیر قدرتی بندرگاہوں میں ایک بڑا بندرگاہ ہے جہاں سے چائے، ربر، کوکو، نارا، کھوپرا اور ناریل کا تیل بیرون ملک جاتا ہے۔ کتورائیکا (Katuroyaka) میں جدید بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہے جو شہر سے 34 کلو میٹر دور ہے۔

کولمبیا (کولومبیا) (Colombia): جنوبی امریکہ کے شمال مغرب میں واقع ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال مغرب میں پناما، شمال مشرق میں وینی زوئیلا، جنوب میں ایکویڈور اور پیرو اور جنوب مشرق میں برازیل واقع ہیں۔ شمال کا علاقہ بحر اوقیانوس پر ساحل بناتا ہے اور مغرب کا علاقہ بحر الکاہل پر۔ اس کا رقبہ 1,138,914 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 33,613,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر بگوٹہ (Bagota) ہے۔ زبان ہسپانوی ہے۔ 96 فیصدی آبادی رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

کولمبیا تضادات کا مجموعہ ہے۔ یہاں کا علاقہ بنجر علاقوں اور جنگلوں سے شروع ہو کر بلند و بالا برف پوش انڈیز پہاڑوں تک پہنچتا ہے۔ اس کی وجہ سے نقل و حمل کی سخت دقتیں ہیں۔ اس کا اثر یہاں کی معیشت پر بھی پڑا ہے۔ اس ملک کی اہم جغرافیائی خصوصیت کوہ انڈیز کے تین سلسلے ہیں۔ انڈیز کے مشرق میں کولمبیا کا تقریباً آدھے سے زیادہ حصہ واقع ہے، جو پست علاقہ پر مشتمل ہے۔ قدرتی وسائل کے لحاظ سے انتہائی مالدار ہے۔ سخت گرمی ہوتی ہے۔ میدان سے دریا امیزان (آمیزن) کے معاون گزرتے ہیں جو جہاز رانی کے لیے موزوں ہیں۔ شمالی علاقہ گرم صحرائی ہے، جہاں مویشی پالے جاتے ہیں۔ انتہائی جنوب مشرق میں گھنے جنگل ہیں اور خوب بارش ہوتی ہے۔

زرعی پیداوار میں مکئی، بارلی، آلو، کساوا اور سورگھم اہم ہیں۔ ان کے علاوہ کافی، گنا، پام، تمباکو وغیرہ بھی پیدا کیے جاتے ہیں۔ قدرتی گیس اور کچھ تیل بھی نکلتا ہے۔ سوائے سیمنٹ کے اور کوئی خاص صنعت نہیں ہے۔

رائج سکہ پیسو (Peso) ہے۔

40 فیصدی درآمدات امریکہ سے آتی ہیں۔ بقیہ جرمنی اور جاپان سے۔ برآمدات کا 37 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے بقیہ جرمنی اور اسپین وغیرہ کو۔ برآمدات کا 44 فیصدی کافی ہے اس کے علاوہ شکر، کپڑا اور روئی بھی برآمد ہوتی ہے۔ سیاحی ایک اہم تجارت ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 4,310,970 اور اساتذہ کی تعداد 143,193 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 2,377,947 طالب علم اور 119,742 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 474,787 طالب علم اور 51,725 استاد تھے۔

تاریخ: کہا جاتا ہے کہ کولمبس اپنے سفر کے دوران 1502 میں کولمبیا تک پہنچ گیا تھا اور اس سے اس کا نام کولومبیا پڑا۔ ویسے ہسپانوی سیاح یہاں 1499 میں پہنچ گئے تھے۔ ہسپانوی حکومت نے اوائل سولھویں صدی میں کئی لوگوں یا گروہوں کو اس علاقہ کی کھوج یا تلاش (Exploration) کا کام سپرد کیا۔ 37-1536 میں کافی اندر تک نہ صرف کھوج کاری کا کام ہوا بلکہ نو آبادیاں بھی قائم ہوئیں اور اس پورے علاقے کا نام نیا گرناطہ (نیو گراناڈا)(New Granada) رکھا گیا۔ وسط سولھویں صدی تک یہاں پائیدار حکومت قائم ہو چکی تھی اور ساحل پر شہر آباد ہونے لگے تھے۔ 1563 میں نیا گرناطہ پیرو کے وائسرائے کے تحت کر دیا گیا۔ پھر 1751 میں اسے ایک الگ وائسرائے کے تحت دے دیا گیا۔ اسپین کی حکومت نے جب بھاری ٹیکس اور چنگی عائد کی تو لوگوں نے اسپین کے خلاف بغاوت کر دی۔ 1811 میں اس نے باقاعدہ بغاوت کی شکل اختیار کر لی اور سخت لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کار 1821 میں نیا گرناطہ وینی زوئیلا اور ایکویڈور، سائمون بولیوار کی سرکردگی میں متحد ہو گئے اور اس اتحاد کو کولمبیا کا نام دیا گیا۔ 1830 میں بولیوار کا انتقال ہو گیا۔ اور وینی زوئیلا اور ایکویڈور اس اتحاد سے الگ ہو گئے اور بقیہ حصہ نے اپنا پرانا نام جمہوریہ نیا گرناطہ اختیار کر لیا۔ 1863 میں اس نے پھر اپنا نام بدل کر کولمبیا اختیار کر لیا۔

1863 تک کولمبیا کا آئین وفاقی طرز کا رہا۔ 1889 سے 1902 تک خانہ جنگی چلتی رہی اور آخر کار اعتدال پسند طاقتوں کو انقلابیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ 1953 سے 1962 تک مختلف فوجی گروہ حکمرانی کرتے رہے۔ 1962 میں جمہوری اصولوں پر ایک نیا آئین بنایا گیا۔ اور یہ طے ہوا کہ دو بڑی سیاسی پارٹیاں باری باری چار چار سال تک حکمرانی کریں گی۔ لیکن اس سے معاشی اور سیاسی مسائل حل نہیں ہوئے۔ 1965 میں ہڑتالوں اور انقلابی سرگرمیوں کی رفتار بڑھ گئی۔ امریکہ نے ہر قسم کی مالی اور فوجی امداد بہم پہنچائی لیکن حالت بہتر نہ ہو سکی۔ 1965 میں جو حالت تھی وہ مختلف شکلوں میں آج تک باقی ہے۔ 1974 میں نیشنل فرنٹ کے خاتمہ پر لبرل پارٹی کا الفانسو لوپیز مچلسن صدر بنا۔ 1970 سے 1980 تک ناجائز منشیات کی تجارت بہت زیادہ بڑھی اور ملک میں ان ناجائز تاجروں کے گروہ طاقتور بن گئے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بہت سے صحافی اور سرکاری افسران کو قتل کیا گیا۔ 1984 میں وزیر انصاف کو قتل کر دیا گیا۔ 1986 میں بارکو ورگاس صدر بنا اور 1990 میں تروجیلو نے اس کی جگہ لے لی۔

1990 میں ایک 74 رکنی دستور ساز اسمبلی بنی جس کے ذمہ نیا آئین (دستور) مرتب کرنا تھا۔ 5/جولائی 1991 کو نیا دستور تسلیم کر لیا گیا، جس میں حقوق انسانی اور عوامی فلاحی ذمہ داریاں جیسے صحت عامہ وغیرہ پر زور دیا گیا۔

کولو اور کانگڑا وادیاں: ہماچل پردیش میں واقع کولو اور کانگڑا کی وادیاں موسم گرما میں سیاحوں کے لیے گولف، تیرنے، ہائکنگ اور مچھلی پکڑنے (ٹروٹ فشنگ) کے مرکز بن جاتی ہیں۔

کولہاپور: مہاراشٹرا کا ایک تاریخی شہر ہے۔ اس کی آب و ہوا خوشگوار اور منظر دلفریب ہے۔ تاریخ ہند میں اس کی اہمیت چھترپتی شیواجی اور دوسرے مراٹھا حکمرانوں کی راجدھانی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اٹھارہویں صدی کے مشہور شاعر مورو پنت پراڈکر کی یادگار بھی یہیں بنائی گئی ہے۔

کومباکونم: تامل ناڈو کا ایک قدیم اور نہایت ہی مشہور شہر ہے۔ جو زمانہ ماضی میں چولا راجاؤں کی راجدھانی تھا۔ اس شہر میں کئی منادر ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ کمبیشور سوامی جی کا مندر ہے، جو نہایت ہی قدیم اور فنی تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ دوسرا مشہور مندر، ناگیشور جی کا مندر ہے، جو اس عمدگی سے تیار کیا گیا ہے کہ تامل سال کے چیترائی مہینے میں، جو انگریزی مہینوں، اپریل۔ مئی سے مطابقت رکھتا ہے، مسلسل تین دن تک، اس مندر کے مرکزی لنگ پر برابر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں۔ اس کے علاوہ لارڈ وشنو منادر میں یہاں کا سب سے قابل ذکر سری رنگاپانی مندر ہے جو شہر کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ اس کا گوپورم قابل دید ہے، جس کی اونچائی 45 میٹر (147 فٹ) ہے۔ شمالی ہند کی طرح کومباکونم میں بھی ہر بارہ سال کے بعد مہاکمبھ میلا لگتا ہے جس میں لاکھوں یاتری شریک ہوتے ہیں۔

کومو جھیل: شمالی اٹلی کے علاقہ لومبارڈی میں یہ جھیل واقع ہے جو در حقیقت دریائے اڈا کی توسیع ہے۔ اس جھیل کے جنوب مغربی کنارے پر ساحل سے 24 میل دور اٹلی کا مشہور شہر کومو واقع ہے۔ یہ جھیل 37 میل لمبی اور اوسطاً صرف 3 میل چوڑی ہے۔ رقبہ کا پھیلاؤ تقریباً 56 مربع میل ہے۔ اونچے اونچے پہاڑی سلسلوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر رکھا ہے جو 3,000 سے 7,000 فٹ تک بلند ہیں۔

کونار ڈیم: یہ بندھ ریاست بہار میں ضلع ہزاری باغ میں کونار ندی پر بنایا گیا ہے۔ اس کی اونچائی 160 فٹ ہے اور لمبائی 12,860 فٹ ہے۔ اس بندھ کی تکمیل 1954 میں ہوئی۔ اس سے تقریباً 40,000 ہیکٹر زمین زیر کاشت لائی گئی ہے۔ اس پراجکٹ کی تعمیر کا کام اپریل 1950 میں شروع کیا گیا اور نومبر 1952 سے اس کے ذخیرۂ آب کے کام کی ابتدا ہوئی۔ اس سے بوکارو تھرمل پاور اسٹیشن کو ٹھنڈا پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ اس اسکیم کے تحت جو پاور ہاؤس بنایا گیا ہے، اس سے 40,000 کلوواٹ بجلی سپلائی ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

کونارک مندر: کونارک اڑیسہ میں واقع ہے۔ یہ کونارک مندر کے لیے مشہور ہے جس کی تعمیری خوبصورتی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ دنیا کے ہر حصے سے اس کو دیکھنے کے لیے سیاح آتے ہیں۔ اب یہ مندر خستہ حالت میں ہے، جس کے باقیات کی سرکار خاص طور پر دیکھ بھال کر رہی ہے۔ کونارک کا مندر خلیج بنگال پر پوری سے 95 کلو میٹر اور بھونیشور سے 55 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ بارہویں صدی عیسوی میں نرسنگھ دیو نامی راجہ نے اس مندر کی تعمیر کی تھی۔ یہاں جملہ 28 چھوٹے مندر ہیں۔ خاص مندر کو رتھ کی شکل میں تعمیر کیا گیا تھا۔ جس میں بارہ پہیوں کے جوڑے ہیں۔ پہیوں میں کنول کے پھول بنائے گئے ہیں۔ پہیوں کے اندر کے ڈنڈوں پر کنول کی آٹھ پنکھڑیاں بنائی گئی ہیں۔ رتھ کے جنوب میں چار گھوڑے اور شمال میں تین گھوڑے بنائے گئے ہیں۔ جن سے مراد ہفتہ کے سات دن ہیں۔ اس رتھ کو فلکیاتی نقطہ نظر سے بنایا گیا ہے۔ اس کی اونچائی 70 میٹر ہے اور یہ ہندوستان کا سب سے اونچا مندر مانا جاتا ہے۔ اس مندر کو سیاہ مندر کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کے مقابل میں اڑیسہ کا پوری مندر سفید مندر کہلاتا ہے جس سے جہازرانی کی رہنمائی ہوتی ہے۔ فلکیاتی نقطہ نظر سے دوسری بار یعنی 16/فروری 1980 کو دو سال بعد یہاں کامل سورج گہن مشاہدہ کیا گیا۔

کونکری (Conakry): شمال مغربی افریقہ میں جمہوریہ گنی کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ اس کا بین الاقوامی ایرپورٹ (طیران گاہ) جزیرہ ٹومبو (Tombo) کے جزیرہ نما کالاؤم (Kaloum) میں واقع ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کا آخری اسٹیشن ہے۔ 1950 سے صنعتی میدان میں ترقی ہوتی گئی ہے۔ نواحی علاقہ میں لوہے اور باکسائٹ (Bauxite) کی موجودگی کے باعث کارخانوں کے قیام میں آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ پھلوں کو ڈبوں میں بند کیا جاتا ہے۔ ماہی گیری میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ترقی ہوئی ہے۔ آٹو موبائلس اور المونیم کے برتنوں کی تیاری کے علاوہ تمباکو، دیا سلائی، فرنیچر اور جوتوں نیز کپڑوں کی تیاری کی طرف بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ طباعت کو فروغ ہوا ہے۔ 1970 میں آبادی 197,267 تھی۔

کونکن: مہاراشٹرا کا ساحلی میدان ہے جو "کوکن" بھی کہلاتا ہے۔ یہ مغربی گھاٹ کے مغرب میں دمن گنگا ندی سے تیرے کھول ندی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی 330 میل اور چوڑائی 28 تا 47 میل ہے۔ اس میں تھانہ، عظیم تر ممبئی، کولابا اور رتناگری کے اضلاع شامل ہیں۔ قدیم یونانی، مصری اور عرب تاجر کونکن کے بندرگاہوں سے واقف تھے۔ اس علاقہ کے قدیم حکمرانوں کو گرم مصالحہ کی تجارت سے کافی فائدہ پہنچتا تھا۔ جزیرہ الیفنٹا اور کانڈیولی غاروں کے منادر اس خطہ کے قدیم اعلیٰ تمدن کی شہادت دیتے ہیں۔ پرتگیزوں اور انگریزوں کی آمد سے اس علاقہ کے بندرگاہوں کی خوب ترقی ہوئی ہے۔

کونکیولن (Conchiolin): ایسا نائٹروجنی مادہ جس سے بیشتر صدفے یا مولسک (Mollusc) کے خول بنے ہوتے ہیں۔

کونور: ریاست تامل ناڈو میں کونور اپنی فرح بخش آب و ہوا کے لیے مشہور ہے۔ یہ 1,708 میٹر کی بلندی پر واقع ہے اور اوٹکمنڈ سے اس کا فاصلہ صرف 19 کلومیٹر ہے۔ اوٹکمنڈ اور کونور کے درمیان وادی کیتی واقع ہے، جو سیاحوں کے لیے ایک دلفریب نظارہ پیش کرتی ہے۔ کونور پر لیڈی آف کیا تکس پائنٹ کافی اور چائے کے باغات کے لیے اہم ہے۔ قصبہ کونور کا پارک خوبصورت اور عمدہ مقام ہے۔

کونی بیئر، ولیم (William Conibeare): کونی بیئر انگریز ماہر ارضیات تھا جو 1767 میں اس دنیا میں آیا اور 1857 میں رخصت ہوا۔ ولیم فلپس (W. Phillips) نامی ماہر ارضیات سے مل کر اس کی لکھی ہوئی کتاب "انگلستان اور ویلز کی ارضیات کا خاکہ" (Outline of Geology of England and Wales) ایک کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے۔ اس وقت تک دریافت شدہ تمام حقیقتوں کا علم اس کتاب میں شامل ہے۔ اس کتاب میں حجرات کا ایک پرت یا تہہ نگاری نظام (Stratigraphic System) بھی مذکور ہے جس کی اساس پرتوں میں موجود رکازات یا باقیات (Fossils) پر تھی۔

کووالم: ریاست کیرالا کے صدر مقام ترپونڈرم سے 8 میل کے فاصلے پر کووالم دنیا کی ایک نہایت ہی مشہور اور خوبصورت بیچ ہے جسے سمندر کے کنارے کی ایک

تفریح گاہ کے طور پر ترقی دی گئی ہے۔ یہاں ملک کے اندر سے اور بیرونی سیاح بڑی تعداد میں تفریح کی غرض سے آتے ہیں۔ یہاں حکومت نے کئی ہوٹل بھی تعمیر کر دیے ہیں۔

کووِیے، جارج (George Cuvier): کووِیے جو فرانس کا رہنے والا تھا، 1769 میں پیدا ہوا۔ اس کو فقری رکازیات (Vertebrate Palaeontology) کا بانی کہا جاتا ہے۔ موجودہ فقری جانوروں کے استخوانی ڈھانچوں کا رکازی ڈھانچوں (Fossil Skeletons) سے مقابلہ کر کے اس نے تمام رکازی ہڈیوں کے ٹکڑوں سے جو اس وقت تک دریافت ہو چکے تھے، مکمل جانوروں کے خاکے بنائے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ رکازات ان جانوروں کے ہیں جو آج کل معدوم (Extinct) ہو چکے ہیں مگر ان سے ملتے جلتے کچھ جانور اب بھی روئے زمین پر موجود ہیں۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ رکازات کے ذریعہ حجرات کی پرتوں کی عمر معلوم کی جا سکتی ہے۔ جانوروں کی کچھ انواع (Species) کی معدومیت (Extinction) کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ یہ معدومیت کسی اچانک حادثہ سے واقع ہوئی۔ اس نے 1832 میں انتقال کیا۔

کوئٹہ: مغربی پاکستان میں ایک شہر ہے۔ یہ شہر بلوچستان کا صدر مقام تھا۔ یہ مقام پشتو زبان میں "کوئٹے" کہلاتا ہے۔ کوئٹہ دو الفاظ "کواٹ اور کوٹ" سے بنتا ہے۔ 1935 میں اس شہر کو بدترین زلزلہ سے دوچار ہونا پڑا۔ پاکستان کے بن جانے کے بعد سے موسم گرما کے لیے یہ خوشگوار مقام ہے۔

کوئسٹا: یہ ماہی پشت بلندی یا پہاڑی زمین کی ایسی پٹی ہوتی ہے جو ساحلی میدان سے ملحق تدریجی ڈھال کی، مقابلتاً کم گھسنے والی، چٹانوں پر ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کی ڈھلان ایک طرف تدریجی اور دوسری طرف سلامی دار ہوتی ہے۔ اس طرح کی بلندیوں کا ساحلی میدان پٹی دار دکھائی دیتا ہے۔ شمالی فرانس، مشرقی انگلینڈ اور میکسیکو کے ساحلی میدان اس کی اچھی مثالیں ہیں۔

کوئلہ (Coal): سیاہ یا سیاہی مائل سخت ٹھیالا (Earthy) نامیاتی حجر جو پودوں کے جمع ہو کر مرنے اور رسوبات یعنی دب کر سڑنے، گلنے اور تحلیل ہو کر دبنے سے پیدا ہوتا ہے۔ (دیکھیے کوئلے کی تخلیق Origin of Coal)۔ کوئلے کی تخلیق کے کئی مرحلے ہوتے ہیں۔ حرارت اور دباؤ کے بتدریج بڑھتے رہنے سے بالآخر کوئلہ کاربن کی خالص ترین شکل گریفائٹ (Graphite) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی ابتدائی شکل دلدلی کوئلہ (Peat) سے آخری شکل گریفائٹ تک کے

مختلف مراحل کوئلے کا سلسلہ (Coal Series) کہلاتے ہیں۔ یہ سلسلہ درج ذیل ہے:

دلدلی کوئلہ (Peat)، بھورا کوئلہ (Lignite)، زیر بٹومین کوئلہ (Sub-bituminous coal)، بٹومین کوئلہ (Bitumin)، زیر انتھراسائٹ (Sub-anthracite)، انتھراسائٹ (Anthracite) اور گریفائٹ (Graphite)۔

کوئمبٹور: ریاست تامل ناڈو کا ایک ضلع اور ضلع کا صدر مقام ہے۔ یہ نوول ندی کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ یہ پارچہ بافی کی صنعت کے لیے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہ پارچہ بافی کی مشینوں، مشینی پرزوں، چھاپہ کی مشینوں اور مصنوعی ریشم کی صنعت کا مرکز ہے۔ یہاں ساؤتھ انڈیا وسکس لمیٹیڈ کمپنی نے بمقام مٹوپالیم ایک عظیم مصنوعی ریشم کا کارخانہ قائم کیا ہے، جہاں سے کوئمبٹور کے اندرونی علاقوں کے علاوہ بیرونی کئی کارخانوں کو ریشم کا تار فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئمبٹور، پیرور کے مندر، وال پرائی کی چائے اور کافی کے باغات، مدوکرائی کے سیمنٹ کے کارخانے اور زیریں بھوانی اور امراوتی کے آبپاشی کے پراجیکٹ کے لیے مشہور ہے۔

اس ضلع میں اناملائی پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ دریائے کاویری ان کے درمیان سے گزرتی ہے۔

کوئنا: کوئنا کرشنا ندی کی معاون ہے جو مہابلیشور کے مغربی ڈھلانوں سے نکلتی ہے۔ مہاراشٹرا کے شمالی ستارا ضلع میں اس پر برقابی کی سپلائی کے لیے ایک ذخیرۂ آب کی تعمیر ہوئی ہے جس سے ممبئی اور پونا کے صنعتی علاقوں کو بجلی فراہم کی جاتی ہے۔

کویت (Kuwait): کویت ایک آزاد مملکت ہے جس کا حکمراں شیخ (امیر) کہلاتا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جو سعودی عرب کے شمال مشرق میں خلیج فارس کے سرے پر واقع ہے۔ اس کا جملہ رقبہ 17,818 مربع کلو میٹر (6532 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 2,200,000 ہے۔ یہ ایک نشیبی، ریتیلا بنجر علاقہ ہے۔ یہاں آبادی خال خال ہی نظر آتی ہے۔ کویت کے جنوب میں سعودی عرب اور شمال نیز مشرق میں عراق واقع ہے۔ 85 فیصدی سے زائد آبادی مسلمان نیز 4.5 فیصدی عیسائی ہیں۔ یہاں عربوں کی اکثریت ہے۔ تیل کی صنعت کی وجہ سے جنوبی ایشیا، ایران، ہندوستان، پاکستان، یمن اور فلسطین کے باشندے بھی یہاں رہتے ہیں۔ شہر کویت یا الکویت اس کا صدر مقام ہے۔ اس شہر کی 1991 میں آبادی 151,000 تھی۔ یہ ایک جدید شہر ہے۔ جہاں فلک بوس عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں۔ مینا الاحمد اس کا بندرگاہ ہے جو ایک تجارتی مرکز بھی ہے۔ یہاں جہازی لنگر گاہیں اور ریفائنریز بھی موجود ہیں۔ کویت سے ایک عرصہ تک موتی اور چمڑا برآمد کیا جاتا تھا۔ اب اس کا شمار تیل پیدا کرنے والے دنیا کے بڑے ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں ساری دنیا کے تقریباً بیس فیصدی تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ 1946 سے وہ تیل کا ایک اہم پیداکنندہ ہے۔ سعودی عرب اور عراق کے بعد کویت دنیا کا تیسرا سب سے بڑا تیل کے ذخیرے کا حامل ہے۔ تیل نکالنے کے سلسلے میں ایک مشترکہ برٹش۔ امریکہ فرم کو سب سے زیادہ رعایتیں حاصل ہیں۔ کمپنی کے منافع میں امیر کویت کا مساوی حصہ ہے۔ کویت میں درآمدات کا 18 فیصدی جاپان، 16 فیصدی جرمنی، 11 فیصدی برطانیہ اور 10 فیصدی فرانس سے آتا ہے۔ برآمدات 25 فیصدی جاپان کو اور باقی برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 75 فیصدی کچا تیل اور 17 فیصدی تیل سے بنی چیزیں ہیں۔ پچھلے چند سال سے کئی پروجیکٹ ہندوستان اور پاکستان بھی مکمل کر رہے ہیں، جن کی وجہ سے کافی تعداد میں ہندوستانی اور پاکستانی یہاں کام کر رہے ہیں۔

رائج سکہ کویتی دینار ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 114,641 طالب علم اور 6,967 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 167,195 طالب علم اور حرفتی اداروں میں 498 طالب علم، نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 15,313 طالب علم تھے۔ حکومت عوام کی مادی ضروریات اور تعلیم پر بھی روپیہ خرچ کرتی ہے۔ ابتدائی اٹھارھویں صدی میں یہاں عرب قبائل آکر بس گئے تھے۔ کویت کے موجودہ خاندان کا بانی صباح ابو عبداللہ تھا جس نے 1756 سے 1772 تک کویت پر حکمرانی کی۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں اور انیسویں صدی کے اوائل میں کویت کو جو برائے نام سلطنت عثمانی کا ایک صوبہ تھا، وہابیوں سے بڑا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ 1897 میں جب امیر کویت کو اس کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ سلطنت عثمانی کویت پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتی ہے تو اس نے انگریزوں سے مدد مانگی اور 1899 میں ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے کویت اس پر رضامند ہو گیا کہ برطانوی تحفظ کے عوض اپنے کسی علاقے کو پٹہ پر یا کسی اور طرح، بغیر برطانیہ کی رضامندی کے، کسی دوسرے ملک کے حوالے نہیں کرے گا۔ 1961 میں یہ حفاظتی نظام ختم کر دیا گیا۔ تاہم برطانیہ نے اس سے اتفاق کر لیا کہ کویت جب بھی چاہے اسے فوجی امداد بہم پہنچائی جائے۔ چنانچہ جولائی 1961 میں جب عراقی حکومت نے کویت پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی تو برطانیہ سے مدد طلب کی گئی۔ کچھ عرصہ بعد برطانوی فوج کے بجائے عرب لیگ کے سپاہیوں نے یہ جگہ لے لی۔ 1963 میں کویت مجلس اقوام

متحدہ کا رکن بن گیا۔ اکتوبر 1963 میں عراق نے باقاعدہ طور پر کویت کو ایک مملکت تسلیم کر لیا۔ 1973 کی عرب-اسرائیل جنگ میں کویت کی فوجوں نے اسرائیل کے خلاف مصر میں سوئز نہر کے قریب حصہ لیا۔ کویت آرگنائزیشن آف پٹرولیم، ایکسپورٹنگ کنٹریز (Organisation of Petroleum Exporting Countries) (OPEC) کا تاسیسی رکن ہے اور یہ خلیجی تعاون کاؤنسل (Gulf Co-operation Council) (GCC) کا بھی رکن ہے۔ کویت نے ہمیشہ عرب ممالک اور فلسطین کی امداد میں بہت زیادہ حصہ لیا ہے اور اس کے تعلقات عرب اور مغربی ممالک سے بہت عمدہ ہیں۔

یہاں کا دستور 1963 میں مرتب کیا گیا تھا۔ خلیجی ممالک میں کویت سب سے پہلا ملک تھا جس نے 1963 میں سوویت روس (روس) سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ کویت نے مغرب سے دوستی کے باوجود عرب-اسرائیل جنگ میں اسرائیل کی طرفداری کرنے والے ملکوں کے خلاف تیل روکنے کی اسکیم میں شرکت کی اور عراق-ایران جنگ میں عراق کی طرفداری کی۔ 1982 میں ایران نے کویت کی ایک تیل صاف کرنے کی ریفائنری پر حملہ کیا۔ مئی 1985 میں شیخ الصباح پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ 1987 سے 1988 میں، جنگ کے خاتمہ تک، کویت نے امریکہ سے خلیج فارس میں اپنے تیل بردار جہازوں کی حفاظت کرنے کی درخواست کی۔ 1989 میں صدام حسین صدر عراق نے کویت پر دنیا میں بہت زیادہ تیل سپلائی کرنے کا الزام لگایا۔ عراق نے 2 اگست 1990 کو کویت پر حملہ کر دیا۔ اور اعلان کیا کہ کویت عراق کا حصہ ہے۔ شاہی خاندان کویت چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں پناہ گزیں ہو گیا۔ عراق کے حملے سے ملک کے تیل کے کارخانے، ذخائر اور کنویں برباد ہو گئے۔ 80 فیصدی تیل کے ذرائع تباہ ہو گئے۔ مغربی اور عرب ملکوں کی کوششوں سے خصوصاً، امریکن فوجوں کی مداخلت سے، عراق کی فوجیں ملک کو خالی کرنے پر مجبور ہوئیں۔ فروری 1991 میں اقوام متحدہ نے عراق پر بہت پابندیاں عائد کیں۔ غیر ملکی مزدور اور کام کرنے والے کویت سے بھاگ گئے۔ مارچ 1991 میں الصباح کویت واپس آ گیا اور اب کویت کو اپنے آپ کو دوبارہ سے ٹھیک ٹھاک کرنے میں وقت خرچ کرنا پڑ رہا ہے۔

کوہ اراراٹ (Ararat): ترکی، ایران اور آرمینیا (Armenia) کی سرحدوں کے قریب آرمینین سطح مرتفع پر ایک بجھا ہوا آتش فشاں ہے۔ اس کی ساخت آتش فشانی عمل کا نتیجہ ہے لیکن ماضی میں اس کے پھوٹ بہنے کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ اس کے مشرقی اور شمالی ڈھلان سے دریائے ارس (Iris) کے میدان شروع ہوتے ہیں جو سطح سمندر سے 300 فٹ بلند سطح مرتفع پر واقع ہیں۔ اس پہاڑ کا جنوب مغربی پہلو دریائے بایزید کے میدان سے بلند ہوتا ہوا 5 ہزار فٹ کی اونچائی تک چلا گیا ہے۔ اراراٹ کے پہاڑی سلسلے دائرہ کی صورت میں 25 میل قطر کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی دو چوٹیاں بہت نمایاں ہیں۔ سب سے اونچی چوٹی عظیم اراراٹ سطح سمندر سے 16,945 فٹ بلند ہے۔ دوسری صغیر اراراٹ کی مخروطی شکل کی چوٹی 12,877 فٹ بلند ہے۔ مجموعی طور پر کوہستان اراراٹ میں واقع پہاڑوں کی اوسط بلندی 12 ہزار سے لے کر 14 ہزار فٹ تک ہے۔ عظیم اور صغیر اراراٹ دونوں ہی موسم سرما میں 8 ہزار فٹ کی بلندی تک برف پوش رہتے ہیں۔ موسم گرما میں یہ برف کی ٹوپیاں بارہ ہزار فٹ کی بلندی کے اوپر رہ جاتی ہیں۔ عظیم اراراٹ میں صرف ایک گلیشیر ہے جو اس کے شمالی حصے کی جانب واقع ہے۔ ان دونوں اراراٹ کے درمیان کا علاقہ بہترین گھاس کا میدان ہے جو کردوں کی چراگاہ کا کام دیتا ہے۔

قدیم روایات کے مطابق پیغمبر نوح کی کشتی طوفان تھم جانے کے بعد اس کوہ اراراٹ کے کنارے ہی آ لگی تھی۔

کوہ اطلس (Atlas Mountains): افریقہ کے مغرب میں مراقش (مراکو) (Morocco) میں وسطی اور سب سے اونچا پہاڑی سلسلہ کوہ اطلس کا ہے جو قلمیائی چٹانوں (Crystalline Rocks) کے لیے مشہور ہے۔ ان کی اونچائی 12,000 فٹ ہے۔ ہائی اطلس (High Atlas) کے جنوب میں سوس (Sous) کی مثلث وادی واقع ہے۔ اینٹی اطلس کا سلسلہ جو جنوب میں واقع ہے کم اونچا اور کم وسیع ہے۔ ہائی اطلس کے شمال میں وسطی اطلس (Middle Atlas) کا متوازی سلسلہ چلا گیا ہے۔ اور High اور Middle Atlas کے درمیان مولویا (Moulouya) کی وادی ہے۔ یہ دونوں سلسلے بحر اوقیانوس سے، ایک وسیع سطح مرتفع، جس کی اونچائی 1,000 فٹ ہے، کے ذریعہ علیحدہ ہو گئے ہیں۔ یہ سطح مرتفع جو برف پوش پہاڑوں سے نکلنے والے دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے، نہایت ہی زرخیز ہے اور اپنی زراعتی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ ہائی اطلس کے زیر سایہ شہر مراقش (Marrakesh) واقع ہے۔ شمال میں یہ سطح مرتفع ایک میدان کی شکل میں ختم ہوتا ہے جہاں رباط (Rabat)، مکنس (Meknes) اور فیز (Fez) کے قدیم شہر واقع ہیں۔

اس کے علاوہ اطلس کے خطہ میں الجیریا اور ٹیونیشیا بھی شامل ہیں۔ الجیریا میں کوہ اطلس کی دو شاخیں ہو گئی ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار ہے۔ یہاں موسم سرما میں مغربی ہواؤں کے ذریعہ بارش ہوتی ہے۔ اس کا اندرونی حصہ بہت خشک

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔ ساحلی میدان اور پہاڑوں کی سمندر کے رخ والی ڈھلانوں میں، جو ٹیل (Tell) کہلاتی ہیں، بحیرۂ روم خطہ کی خاص فصلیں جیسے انگور، زیتون، نارنگی، شہتوت، گیہوں اور مکئی کی کاشت ہوتی ہے۔ الجیریا میں اسپارٹو گھاس پیدا ہوتی ہے۔ اس سے کاغذ بنایا جاتا ہے۔ ان پہاڑوں میں سیسہ، فاسفیٹ اور لوہا بھی بہت ملتا ہے۔ لیکن الجیریا میں ہی کان کنی کا کام ہوتا ہے۔ مراقش (مراکو) نہایت زرخیز علاقہ ہے اور یہاں معدنیات کی بہتات ہے۔ یہاں بھیڑیں بھی پالی جاتی ہیں، جن کے اون سے قالین بنتے ہیں اور ان کی کھالوں سے عمدہ چمڑا تیار ہوتا ہے۔

کوہ البرز: شمالی ایران کا یہ پہاڑی سلسلہ کمان کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ بحیرۂ کیسپین (بحیرۂ خزر) کے ساحلی علاقوں کو اندرونی سطح مرتفع سے جدا کرتا ہے۔ اس کے جنوبی دامن میں ایران کا صدر مقام تہران واقع ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی دماوند 5,671 میٹر اونچی ہے۔

کوہ البروس: قفقاز میں کوہ قاف کا خطہ بحیرۂ اسود اور بحیرۂ خزر کے درمیان واقع ہے۔ اس کے اندر ساڑھے سات سو میل تک کوہ قاف پھیلا ہوا ہے جو بحیرۂ خزر کو ایران کی سطح مرتفع سے جدا کرتا ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا شمال سے جنوب تک 120 میل طویل ہے یہ سلسلہ جہاں قفقاز سے ملتا ہے طالش (Talish) کہلاتا ہے اور کئی چوٹیاں رکھتا ہے۔ دوسرا حصہ 240 میل لمبا ہے جو بحیرۂ خزر کے مغربی ساحل کے متوازی چلا گیا ہے۔ یہی حصہ آگے بڑھتا ہوا تہران کے مشرق میں کوہ دماوند (Demavend) تک پہنچتا ہے۔ تیسرا حصہ 250 میل لمبا ہے جو شمالی خراسان تک جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ ان سلسلوں کی سب سے اونچی چوٹی کوہ البروس ہے جو 18,500 فٹ بلند ہے۔ دوسری چوٹیاں بھی سال کے زیادہ حصہ میں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ کوہ البروس کے شمالی ڈھلان اور بحیرۂ خزر کے درمیان پھیلے ہوئے 2,562 مربع میل عریض و وسیع میدان گھنے جنگلات سے پٹے ہوئے ہیں۔ اس میدان کو بے شمار ندیاں اور نہریں سیراب کرتی ہیں۔ البروس کے تمام پہاڑ معدنی دولت سے مالا مال ہیں۔

کوہ اناپورنا: پامیر سے دریائے برہم پتر تک پھیلے ہوئے ہمالیائی پہاڑی سلسلوں اور نیپال کے درمیان کوہ اناپورنا واقع ہے۔ اس کی چار پہاڑی چوٹیاں ہیں۔ مغرب کی جانب پہلی چوٹی کی بلندی سطح سمندر سے 26,391 فٹ ہے۔ دوسری چوٹی جو مغرب کی سمت ہے، 26,041 فٹ بلند ہے۔ ان کے درمیان دو اور چوٹیاں 24,858 فٹ اور 24,688 فٹ ہیں۔ اناپورنا کا شمار دنیا کی گیارہ اونچی چوٹیوں میں ہوتا ہے۔

ہمالیائی پہاڑی سلسلوں کی چوٹیوں کو سر کرنے کی مہم سب سے پہلے اناپورنا کی پہلی چوٹی ہی سے شروع ہوئی تھی جس کو ایک فرانسیسی کوہ پیما نے پہلی کوشش میں فتح کیا تھا۔

کوہ اٹنا (Etna): جزیرہ سسلی کے مشرقی ساحل پر سرگرم آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹی 10,870 فٹ بلند ہے۔ یہ یورپ کا سب سے بلند کوہ آتش فشاں ہے۔ اس کے درمیانی حصے سے اب بھی لاوے کا اخراج ہوتا رہتا ہے اور دہانے سے راکھ اڑ کر منتشر ہوتی رہتی ہے۔ یہ پہاڑ ماضی میں اپنے آتش فشانی عمل سے کئی بڑی تباہیاں لا چکا ہے۔ اس کا کوہستانی علاقہ بالکل ویران ہے جہاں کوئی جاندار نظر نہیں آتا۔ سال کے زیادہ حصہ میں یہ کوہ برف پوش رہتا ہے۔ صرف گرما میں برف پگھلتی ہے۔ صدیوں سے یہ قدیم آتش فشاں یونانی لوک کہانیوں کا موضوع بنا رہا ہے۔

کوہ اوجو سدل سلادس (Oyosodel Salads): چلی (جنوبی امریکہ) کی سرحد پر شمال مغربی ارجنٹائن میں واقع ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی سطح سمندر سے 22,572 فٹ ہے۔

1841 میں سر جارج ایورسٹ نے اس کا مکمل سروے کیا تھا اور اس کی بلندی معین کی تھی۔ ان کے نام سے یہ چوٹی منسوب ہے۔ نیپالی علاقہ میں واقع پہاڑی چوٹی دنیا کی سب سے بلند چوٹی ہے۔ جس کی اونچائی 29,140 فٹ ہے۔ اونچائی کے سبب یہ پہاڑ ہمیشہ برف پوش رہتا ہے۔ گرما میں جب برف پگھلتی ہے تو یخ کے پگھلے ہوئے تودے گلیشیر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں پر تیز ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ بلند فضا میں آکسیجن کی مقدار بھی کم ہوتی ہے اس لیے حیوانات و نباتات مفقود ہیں۔ سنہ 1920 کے بعد کئی پارٹیوں نے اسے تسخیر کرنے کی کوشش کی۔ سنہ 1953 میں پہلی بار ایڈمنڈ ہلری اور تھنزنگ نورگے نے اس پر جھنڈے گاڑ دیے۔ اس کے بعد وقفہ وقفہ سے سوئٹزرلینڈ، امریکہ، ہندوستان اور جاپان کی متعدد پارٹیاں اس چوٹی پر پہنچتی رہیں۔ سنہ 1965 میں نیپال کی حکومت نے اس پر چڑھائی کا راستہ بند کر دیا لیکن سنہ 1968 میں یہ امتناع اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد کئی پارٹیاں اس پر پہنچی ہیں۔

کوہ ایورسٹ (Everest): ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے ہندوستان کی شمالی سرحد پر پامیر سے دریائے برہم پتر تک پندرہ سو میل تک مسلسل پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کوہستانی سلسلوں کی چوڑائی 150 تا 200 میل ہے۔ اس کے علیحدہ علیحدہ حصے مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ اس کے مشرقی سلسلہ کی، جو تبت اور نیپال کے درمیان دارجلنگ کے شمال میں واقع ہے، ایک چوٹی "ایورسٹ" کہلاتی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کوہ آدم (آڈمس پیک): سری لنکا میں سطح سمندر سے 7,360 فٹ کی بلندی پر واقع پہاڑی چوٹی ہے۔ یہاں ایک انسانی پیر کا نشان ہے جو پانچ فٹ چار انچ لمبا اور 2 فٹ چھ انچ چوڑا ہے۔

کوہ آلپس (Alps): براعظم یورپ میدانوں اور پہاڑوں کی سرزمین ہے۔ اس براعظم میں خاص طور پر اہمیت رکھنے والے پہاڑ ارضیاتی اعتبار سے تین مختلف ادوار سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عمر کے اعتبار سے کیلیڈونین (Caledonian)، ہرسنین (Hercynian) اور الپائن (Alpine) کہلاتے ہیں۔ کیلیڈونین (Caledonian) کوہستانی سلسلہ سب سے قدیم ہے۔ اس کے برعکس آلپس کا سلسلہ سب سے جدید خیال کیا جاتا ہے۔

آلپس کے خمیدہ پہاڑ (Alpine fold mountains) یورپ کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں۔ ان کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ بلینک (Mount Blanc) ہے جو سطح سمندر سے 4,807 میٹر بلند ہے۔ اپنی عمر، بناوٹ اور شان و شوکت کے اعتبار سے یہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں سے مشابہ ہیں۔ ان سلسلوں میں خاص آلپس (Alps Proper) کے علاوہ پرینیز (Pyrenees)، اپنائین (Apennine)، ڈنارک آلپس (Denaric Alps)، کارپے تھین (Carpathians) اور کوہ قاف (Caucasus) شامل ہیں۔

آلپس (Alps) پہاڑوں میں لاتعداد گہری وادیاں اور اونچے سلسلے ہیں۔ ان پہاڑوں میں کثرت سے بارش ہوتی ہے۔ یہ نہ صرف برف سے ڈھکے ہوئے ہیں بلکہ ان کے درمیان کئی خوبصورت جھیلیں ہیں اور ان سے یورپ کے اہم دریا نکلتے ہیں۔ جیسے رہائن (Rhine)، رہون (Rhone)، پو (Po) اور ڈینوب (Danube) کے چند معاون دریا۔ ان دریاؤں کے بالائی حصے سوئٹزرلینڈ، فرانس اور اٹلی کو برقابی (پن بجلی) قوت فراہم کرتے ہیں جس کی مدد سے ان ممالک کے ریشم اور سوتی کارخانے چلتے ہیں۔

آلپس کے سلسلے بیچ (Beach)، وال نٹ (Walnut)، پائن (Pine)، فر (Fur) اور عمارتی لکڑی کے جنگلات کے لیے مشہور ہیں جن کے درمیان چراگاہیں بھی ہیں جن میں مویشی چرائے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کی جنوبی وادیوں میں مکئی، گیہوں، انگور اور شہتوت کی کاشت ہوتی ہے اور شمالی وادیوں میں، جو کم گرم ہوتی ہیں، عموماً گیہوں اور جو کی کاشت ہوتی ہے۔

آلپس میں کئی درّے ہیں جن کے ذریعہ اٹلی کو بذریعے فرانس سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا جا سکتے ہیں۔ اب ان وادیوں سے ریلوے کے زمین دوز راستے بنائے گئے ہیں جو اٹلی میں بمقام میلان (Milan) ملتے ہیں جس کی وجہ سے میلان ایک اہم صنعتی اور تفریحی مرکز ہو گیا ہے۔ سوئٹزرلینڈ ایک الپائی ملک کہلاتا ہے۔ جس کے جملہ رقبہ کا 62 فیصدی آلپس کے سلسلوں پر محیط ہے۔ یہ جنگلات، چراگاہوں، مویشی پالنے اور سیاحی (Tourism) کے لیے مشہور ہے۔

کوہ پوپوکیٹے پٹ (Popocatepett Mountain): میکسیکو (Mexico) کی ریاست ویراکروز (Veerakrus) میں واقع ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جس کا بڑا دہانہ گھنٹے کی شکل کا ہے اور تقریباً نصف میل کا احاطہ رکھتا ہے۔ دہانہ کا عمق اندر کی طرف 250 فٹ ہے۔ اس پہاڑ کی 17,887 فٹ اونچی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ یہ میکسیکو کا سب سے اونچا پہاڑ ہے۔ زندہ آتش فشاں ہے جس کے دہانے سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں۔ لاوا پہلوؤں سے بہہ کر نیچے اترتا رہتا ہے۔ آتش فشانی عمل سب سے آخری بار 1802 میں ہوا تھا۔

کوہ دماوند (Demavand): ایران کے شہر تہران سے 40 میل مشرق کی طرف کوہستان البرز (Elburz) میں دماوند آتش فشاں واقع ہے جو اب مردہ ہو چکا ہے۔ لاوا اور راکھ سے بنے ہوئے اس مخروطی پہاڑ کی بلندی 18,580 فٹ ہے۔ اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی متعدد پہاڑیوں کے درمیان، جن کی بلندیاں 3,000 سے 8,000 فٹ تک ہیں، اس کی چوٹیاں برف پوش رہتی ہیں۔ انتہائی بلندی پر اس کا دہانہ بہت تنگ ہے جس سے نیچے اترتے ہوئے دو چھوٹے گلیشیر ہیں۔ اس پہاڑ کے دامن میں کئی خوبصورت گرمائی تفریحی مقامات ہیں جو ایک پختہ سڑک کے ذریعہ تہران سے ملے ہوئے ہیں۔ ایران کی لوک کہانیوں میں اس آتش فشاں پہاڑ کا ذکر بہت زیادہ ملتا ہے۔

کوہ رابسن (Robson): کینیڈا (شمالی امریکہ) کی ریاست برٹش کولمبیا میں یہ پہاڑ واقع ہے۔ اس کی بلندی 12,972 فٹ ہے۔ کینیڈا کے کوہستان راکیز (Rockies) کا سب سے اونچا پہاڑ ہے۔

کوہ رینیر (Rainier Mountain): کوہ رینیر واشنگٹن (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کے قریب پیرس (Pierce) کے مقام پر واقع ہے۔ یہ چوٹی 14,410 فٹ بلند ہے جو کاسکیڈ کے پہاڑی سلسلوں کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔

کوہ سازی: کوہ سازی، ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے ذریعہ ان سارے پیچیدہ مراحل اور عوامل کو بیان کرنا مقصود ہے جن سے گزر کر ایک رسوبی حجر ارضی ہم

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میلان کی ساخت کے ذریعہ بالآخر ایک لہردار کوہستانی تسلسل میں بدل جاتا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ یہ اصطلاح غیر لہردار پہاڑوں کے لیے استعمال نہیں کی جاتی۔

فولڈ شدہ یا لہردار پہاڑ (Folded Mountains) عام طور پر سطح زمین پر دور دور تک کوہستانی سلسلوں کی صورت میں موجود رہتے ہیں۔ اور یہی وہ زمین کی عظیم اکائیاں ہیں جو کوہ سازی کے عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی ہیں جیسے کہ ہمالیہ، آلپس اور راکیز وغیرہ۔ رسوبی حجرات کا ارضی ہم میلان کے نشیبوں میں جمع ہو کر زمین کی اوپری پرت کی گہرائیوں میں اترنا اور پھر آتشی حجرات خصوصاً لاوے کا، ان کی پرتوں میں جمع ہونا اور پھر ان دبیز رسوبات کا کایا بدلیت کے عمل سے متاثر ہو کر، گرینائٹ جیسے حجرات سے خوب مل جانا اور پھر آخر کار زمین کے حرکی عمل کے نتیجے میں ابھر کر سطح زمین پر آجانا، کوہ سازی کے طویل اور پیچیدہ عمل کے مختلف مراحل ہیں۔

کوہ سازی کا عمل کم سے کم کچھ کروڑوں سال کے عرصے پر محیط ہوتا ہے۔ اس مدت کو انگریزی میں اوروجینی (Orogeny) اور اردو میں دور کوہ سازی کہہ سکتے ہیں۔ ہر دور کوہ سازی (Orogeny) کو اس کے مخصوص کردار کی روشنی میں مختلف علاقوں میں جانا اور پہچانا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لیے بہت تفصیلی اور جزوی ارضیاتی جائزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

زمین پر کوہ سازی کے مختلف ادوار گزر چکے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ ہر کوہ سازی کا دور عالمی اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ کوہ سازی کے ادوار میں کوئی خاص وقفہ ہونا ضروری نہیں، لیکن ہر کوہ سازی کا دور اپنے آنے والے دور سے کم سے کم 20 یا 30 کروڑ سال کا وقفہ ضرور رکھتا ہے۔

کوہ سازی کے ادوار کی کچھ نشانیاں ہوتی ہیں۔ کوہ سازی کے دور کی قدامت اس کے پہچاننے میں بری طرح حائل ہے۔ چنانچہ کوہ سازی کا دور جتنا پرانا ہوگا، فرسودگی کے عمل سے اس کے نشانات اتنے ہی موہوم ہوں گے۔ اس لیے حالیہ یا ہم عصر کوہ سازی کے دور کے بارے میں ہماری معلومات، پچھلے ادوار کی نسبت زیادہ معتبر اور وقیع ہیں۔

کوہ سازی کے ادوار کی پہچان کے لیے آج کل حجرات کے تاب کار خواص کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

کوہ سازی (Orogeny): پہاڑوں کے بننے کے دور کو اور پہاڑ بننے کے عمل کو بھی کوہ سازی (Orogenesis) کہتے ہیں۔ زیادہ تر پہاڑ اور پہاڑی سلسلے قدیم ارضی ہم میلان یا کاسوں کے مقامات پر بنتے ہیں اور اس کے دبیز رسوب اور آتش فشانی حجرات ان میں اہم ہوتے ہیں جو کافی خمیدہ (Folded)، شگاف زدہ (Faulted) اور کایا بدل ہوتے ہیں۔ ان پہاڑوں کے مرکز میں اکثر گرینائٹ (Granite) کی مداخلت ہوتی ہے۔ کوہ سازی کا عمل اکثر طویل مدت تک جاری رہتا ہے اور اکثر عالمی نوعیت کا ہوتا ہے عالمی تکتونیات (Global Tectonics) کے مطابق یہ عمل دو خطوں کے ٹکراؤ اور اس طرح بننے والے کو منطقہ معانقہ (Sub-duction) میں موجود دو مخالف سمتوں سے اندر کی طرف دباؤ (Compression) کی وجہ سے ممکن ہوتے ہیں۔

کوہ سجاما (Sajama): چلی کی سرحد کے قریب بولیویا (Bolivia) میں یہ پہاڑ واقع ہے۔ اس کی بلندی 21,390 فٹ ہے۔ اسے کوہ سہاما (Sahama) بھی کہتے ہیں۔

کوہ سوکارنو (ماونٹ سینیو گیپر ٹے): انڈونیشیا میں یہ جزیرہ نیو گنی کی بلند ترین پہاڑی ہے۔ اس میں ٹکاپالو چوٹی 16,500 فٹ اونچی ہے۔ یہ دنیا کے جزیروں کی ساری پہاڑی چوٹیوں میں سب سے بلند ہے۔ اسے بعض اوقات کارسٹنز ماؤنٹ بھی کہا جاتا ہے۔

کوہ سیمیرو (Semeru): یہ ایک زندہ کوہ آتش فشاں ہے۔ انڈونیشیا کے شہر جاوا کے مشرق میں کرطیز پہاڑی سلسلے میں واقع ہے جو آگے بڑھ کر مٹنگر (Matangar) پہاڑوں سے جا ملتا ہے۔ اس کی بلندی 2,060 فٹ ہے۔

کوہ سینٹ ایلیس (St. Elias Mountains): بحرالکاہل کے ساحل کے قریب الاسکا (Alaska) (شمالی امریکہ) کے مشرق میں اور کینیڈا کی ریاست یوکان (Yukan) کے جنوب مغرب میں کوہ ایلیس کا پہاڑی سلسلہ 250 میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی کوہ لوگان 19,850 فٹ بلند ہے۔ اس پہاڑ کے جنوبی ڈھلانوں سے دو بڑے گلیشیر نکلتے ہیں۔ ان گلیشیروں کا ماخذ وہ برف کے تودے ہیں جو چوٹیوں سے پگھل کر نیچے کی جانب آتے ہیں۔

کوہ سہیادری یا اجنتا کی پہاڑیاں: مہاراشٹرا میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو دکن کی سطح مرتفع کا مغربی کنارہ ہے۔ یہاں سے کوکن کے میدان دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی کلسو بائی کہلاتی ہے جس کی بلندی ایک ہزار چھ سو چھیالیس (1,646) میٹر ہے۔ پرورا ندی جو کہ دریائے گوداوری کی معاون ہے یہاں

سے نکلتی ہے۔

کوہ شاستا (Shasta): کیلی فورنیا (شمالی امریکہ) کے شمالی کوہستانی سلسلے کاسکیڈ (Cascade) میں واقع یہ ایک مخروطی شکل کا مردہ آتش فشاں ہے جس کی چوٹی 14,162 فٹ اونچی ہے۔ کیلی فورنیا کے پہاڑوں میں اپنی اونچائی کے لحاظ سے اس پہاڑ کا نمبر چھٹا ہے۔ اس کی برفانی چوٹیوں سے بے شمار گلیشیر نکلتے ہیں جن کی برف ڈھلانوں پر سے پھسل کر پائیں میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ کوہ شاستا کی دریافت 1827 میں ہوئی اور 1854 میں اس کی چوٹی کو سر کیا گیا۔

کوہ طارس (ٹارس): یہ ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو جنوبی ترکی میں بحیرۂ روم کے متوازی پھیلا ہوا ہے۔ الاداگ اور ارسیاس (12,299 فٹ) اس کی بلند ترین چوٹیاں ہیں۔ اس میں کئی محصورہ طاس ہیں جن میں اوسطاً 3,200 فٹ کی بلندی پر کئی جھیلیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ پہاڑوں کو عبور کرنے والے راستوں میں سلیسیا کے گیٹ قدیم زمانے سے آمد و رفت کے مرکز بنے رہے ہیں۔ ایک ریلوے لائن پہاڑوں کو عبور کرتی ہے۔ چاندی، تانبے، لگنائٹ، جست، لوہے اور سنکھیا (ہڑتال) کے خزانے بھی کئی جگہ پائے گئے ہیں۔

کوہ قازبک (Kosbek): قفقاز (روس) کے پہاڑی سلسلے میں جنوبی جارجیا اور شمالی اوسیٹین (Ossetian) کے درمیان واقع ہے جس کی بلندی 16,538 فٹ ہے۔ یہ ایک مردہ آتش فشاں ہے جس کی ساخت فشانی مادہ کی ہے۔ یہ دوہری مخروطی شکل کا پہاڑ ہے۔ اس سے نکلنے والے گلیشیر 8 مربع میل کا رقبہ گھیرتے ہیں۔ یہ گلیشیر 7,532 تا 9,739 فٹ بلند ہیں جن سے دو اہم دریا آرڈن (Arden) اور ٹرک (Trek) نکلتے ہیں۔ قازبک کے کوہستانی سلسلے کی برف پوش چوٹیوں سے متعلق کئی لوک کہانیاں وابستہ ہیں۔ روسی شاعری پر اس کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ اس پہاڑ کی چوٹی کو پہلی بار 1868 میں سر کیا گیا تھا۔

کوہ قاف: یہ پہاڑی سلسلے بحیرۂ اسود اور بحیرہ کیسپین کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں۔ انھیں بعض اوقات جنوبی یورپ اور ایشیا کی درمیانی حد کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ البرس سطح سمندر سے 18,510 فٹ بلند ہے۔

کوہ قراقرم: دیکھیے "کوہ کراکرم"

کوہ کراکرم (قراقرم): یہ وسط ایشیا کا 480 کلومیٹر (300 میل) لمبا پہاڑی سلسلہ ہے جو قراقرم بھی کہلاتا ہے۔ بام دنیا (پامیر) تک پھیلا ہوا ہے۔ افغانستان، پاکستان، کشمیر (ہندوستان)، چین (تبت) اور تاجکستان کی حدود پر واقع ہے اور سنکیانگ اور ہندوستان کو جدا کرتا ہے۔ اس میں دنیا کی بلند پہاڑی چوٹیاں واقع ہیں۔

گاڈون آسٹن جو سطح سمندر سے 28,250 فٹ بلند ہے اسی پہاڑی سلسلہ میں واقع ہے۔ 33 چوٹیاں 24 ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہیں۔ بلندیوں میں کئی دشوار گزار درّے بھی واقع ہیں۔ ان میں درّہ، کے، مستاغ اور دسپر اہم ہیں۔ اول الذکر درّہ اٹھارہ ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر واقع ہے۔

کوہ کلیمنجارو (کلیمانجرو) (Kilimanjaro): یہ ایک بجھا ہوا آتش فشاں پہاڑ ہے جو تنزانیہ (مشرقی افریقہ) کے اس پہاڑی سلسلے میں واقع ہے جو تنزانیہ کی مشرقی سرحد سے ہوتا ہوا کینیا کی مشرقی سرحد کو چھوتا ہے۔ یہ ایک اونچا مخروطی شکل کا پہاڑ ہے اور ایک ایسی سطح مرتفع پر واقع ہے جو 3,000 فٹ سے 19,340 فٹ تک کی بلندی کی حامل ہے۔ اس کے شمال میں کوہ کینیا اور مغرب میں کوہ میرو (Meru) واقع ہیں۔ اس کی دو خاص چوٹیاں ہیں۔ مغربی سمت کی کیبو (Kibu) ہے جو 19,340 فٹ اونچی ہے۔ یہ چوٹی نصف میل قطر کا ایک دہانہ بھی رکھتی ہے جس کی گہرائی 984 فٹ ہے۔ یہ افریقہ کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ دوسری چوٹی ماوینزی (Mavensi) ہے جس کی بلندی 17,564 فٹ ہے۔ کلیمانجرو (Kilimanjaro) کا 15,000 فٹ بلندی سے اوپر کا حصہ برف پوش رہتا ہے جس کے تودے پگھل کر پہاڑ کے دامن میں گلیشیر بناتے ہیں۔ ان گلیشیروں سے کئی ندیاں اور اہم جھیلیں جنم لیتی ہیں۔ جنوب میں ایک جھیل جیپے (Jipe) اور مشرق میں ساؤ (Tsavo) ہے۔ اس پہاڑ کے پائیں سے لے کر 6,500 فٹ اور 6,800 فٹ کی بلندی تک گھنے جنگل ہیں۔ پہاڑ کے دامن کے عریض و وسیع میدان بہترین چراگاہیں ہیں۔

کوہ کیمرون: کیمرون مغربی افریقہ کی ساحلی ریاست ہے جس سے بحر اوقیانوس کا پانی ٹکراتا ہے۔ اس کے شمال مغرب میں اسی نام کا پہاڑ کیمرون واقع ہے جس کا سلسلہ ساحل تک جا کر ختم ہوتا ہے۔ کوہ کیمرون مغربی افریقہ کا واحد زندہ آتش فشاں ہے۔ اب تک یہ کئی بار 1909، 1922، 1954 اور 1959 میں اپنے آتش فشانی عمل کو دہرا چکا ہے۔ سمندر کے قریب سے ابھرتی ہوئی اس کی چوٹی 13,352 فٹ کی بلندی تک پہنچتی ہے۔ اس کا مغربی حصہ دنیا کے عظیم بارانی خطوں میں سے ایک ہے۔ کوہ کیمرون چھوٹے آتش فشانوں سے گھرا ہوا ہے جن میں ناڈو

سب سے قریب ہے۔

کوہ کینیا: مشرقی افریقہ میں کینیا کا یہ آتش فشاں پہاڑ جو خط استوا کے عین جنوب میں واقع ہے، قدیم آتش فشانی عمل کا نتیجہ ہے۔ اہرام کی شکل کے اس پہاڑ کا شمار افریقہ کے بلند ترین پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی لینانا (Lenana)، جو وسط میں ہے، 17,058 فٹ بلند ہے۔ اس کوہ کے دامن میں شمال سے جنوب تک کئی زرخیز گھاٹیاں ہیں۔ وسطی چوٹی سے، جو برف پوش رہتی ہے، 15 گلیشیر نکلتے ہیں، جو سب کے سب مغرب کی سمت میں واقع ہیں۔ ان میں لیوس (Lewis) اور گریگری (Greggory) سب سے بڑے ہیں۔ ان گلیشیروں کے علاوہ کئی جھیلیں بھی ہیں جن کو چشموں کا پانی ملتا ہے۔ اوپر کی ڈھلانوں پر گھنے جنگل ہیں جو 10,500 فٹ کی بلندی تک پھیلے ہوئے ہیں۔

کوہ مار گھریٹا: وسطی افریقہ کے پہاڑی سلسلوں میں جو جھیل البرٹ (Albert) اور جھیل ایڈورڈ (Edward) کے درمیان یوگانڈا (Uganda) اور کانگو (Congo) کی سرحد پر پھیلا ہوا ہے، کوہ مار گھریٹا واقع ہے۔ اس کا وسطی پہاڑ کوہ اسٹینلے (Stanley) کہلاتا ہے۔ جس کی دو چوٹیاں ہیں ایک مارگ اور دوسری الگزنڈر (Alexander) جو 16,750 فٹ بلند ہے۔ اس پہاڑ کو اسٹینلے نامی ایک شخص نے دریافت کیا تھا۔ اس کے نام سے یہ منسوب ہے۔

کوہ منیا کونکا (Minya Konka): جنوبی چین کی ریاست سیکانگ (Sikong) کے مشرق میں واقع اس کوہ کی بلندی 24,900 فٹ ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ چین کا سب سے اونچا پہاڑ ہے۔

کوہ مچل (Mount Mitchell): شمالی کیرولینا (شمالی امریکہ) میں بلیو رج (Blue Ridge) کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان کوہ مچل ایک پہاڑ کی چوٹی ہے۔ دریائے مسی سپی (Mississippi) کے مشرق میں واقع پہاڑ کی یہ چوٹی ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سب سے اونچی چوٹی ہے، جس کی بلندی سطح سمندر سے 6,684 فٹ ہے۔ اس کوہستانی سلسلے میں نصف درجن کے قریب اور بھی کئی چوٹیاں ہیں، جو 16 ہزار فٹ بلند ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں بلیک سلاک ناب (Black Slock Knob) (6,359 فٹ)، گرگی (6,105 فٹ) اور بالسم کور (Balsam Core) (6,611 فٹ) بلند ہیں۔ یہ پہاڑ پائیں کے قریب جنگلات سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ اوپری علاقوں میں صنوبر کی قسم کے اور بلسان کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔

کوہ ہمالیہ: کوہ ہمالیہ، ہندوستان کے شمال میں، دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں جو ہمیشہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ان میں دنیا کی کئی "آٹھ ہزار" (8,000) میٹر سے اونچی چوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ بریں یہ دنیا کے سب سے نو عمر اور طویل مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلے ہیں جو سلسلہ وار تقریباً 2,500 کلو میٹر کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا رقبہ 500,000 مربع کلو میٹر ہے۔ ارضیاتی نقطہ نظر سے دنیا کے دوسرے تعمیری پہاڑوں کی طرح، ہمالیہ بھی ایک قدیم سمندر کی تہ سے ابھرے ہیں۔ یعنی یہ 50 تا 60 ملین سال قبل عظیم ٹیتھیس سمندر (Great Tehthys Sea) کے فرش سے اوپر نکل کر بنے ہیں۔ یہ عمل بعد از نو مولیٹک، (Post Nummalitic times) دور میں شروع ہوا اور "پلیسٹوسین" (Pleistocene) دور تک جاری رہا۔ ہمالیہ کو البتہ اپنی پوری اونچائی حاصل کرنے کے لیے 6 یا 7 ملین سال کا عرصہ لگا اور اسی دوران تخریبی عمل سے ان کی سطح میں کمی ہونے لگی۔ ہمالیہ کی اونچائی میں اس سست رفتار اضافہ کا اس سے متعدد نکلنے والے دریاؤں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ مثال کے طور پر ہمالیہ کے مغربی سمت میں بہنے والے دریائے ستلج نے 6,000 میٹر کی اونچائی پر شمال اور جنوب میں اس سلسلے کو کلپا (Kalpa) کے قریب جو چنی (Chini) بھی کہلاتا ہے دونوں جانب کاٹ دیا ہے، اور یہ نہایت ہی گہری وادی سے گزرتا ہے۔ دراصل ہمالیہ کے غیر معمولی ابھار کے بعد ہی ہندوستان میں مونسونی نوع کی آب و ہوا کی ابتدا ہوئی۔ ہندوستان کے طبعی نقشے پر ہمالیہ ایک عظیم قوس کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں جن کا محدب پہلو ہندوستان کے شمالی میدانوں کی جانب ہے۔ پہاڑیوں کے دامن سے اور 150 کلو میٹر سے کم فاصلے میں، ہمالیہ پہاڑ اچانک شمال کی جانب 8,000 میٹر سے زیادہ اونچے ہو جاتے ہیں، جہاں یہ نہایت وسیع برف کے میدان بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا نام ہمالیہ ہو گیا ہے، جس کے معنی "برف کا گھر" ہے۔ ان برف پوش پہاڑوں سے کئی گلیشیر اور تیز بہنے والے دریاؤں کی ابتدا ہوتی ہے۔

قطبی علاقوں کے بعد، ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے، جہاں کے بڑے رقبہ پر برفستان اور گلیشیر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان برف کے میدانوں کا، جنھیں ہمل (Himal) کہا جاتا ہے، رقبہ 40,000 مربع کلو میٹر ہے۔ یہ مغرب میں کشمیر سے لے کر مشرق میں آسام تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سلسلہ ہمالیہ کے دو نہایت ہی اونچے سلسلوں، گریٹ ہمالیہ، اور "قراقرم" ہمالیہ میں بڑے بڑے برفانی دھاروں کا مشاہدہ ملتا ہے، جن کی نظیر دنیا کے کسی اور پہاڑی نظام میں نہیں ملتی ہے۔ ان گلیشیروں سے ہمالیہ کی چوٹیوں کو، یعنی ماؤنٹ ایورسٹ، کنچن جنگا، نندا دیوی، کے ٹو (K2) یا ماؤنٹ گاڈون آسٹن اور دوسری چوٹیوں تک جانے کے لیے راستے بھی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

فراہم ہوتے ہیں۔ یہ نہ صرف بڑے بڑے دریا جیسے گنگا، جمنا اور گنڈک کو پانی فراہم کرتے ہیں بلکہ میدانوں کی مانسونی بارش پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے چار نہایت ہی بڑے گلیشیر، سیاچن (Siachin) 70 کلو میٹر، بالتورو (Baltoro)، 60 کلو میٹر، بیافو (Biafo) 60 کلو میٹر اور ہسپار (Hispar) 62 کلو میٹر، قراقرم ہمالیہ میں واقع ہیں جن کا جملہ رقبہ تقریباً 13,000 مربع کلو میٹر ہے۔ یہ دریائے نبرا (Nubra)، دریائے شیوک (Shyok) اور دریائے سندھ (Indus) کے دائیں جانب کی معاونوں کے منبع ہیں۔ ان میں اکثر گلیشیروں کی لمبائی 6 کلو میٹر ہے۔ اتر پردیش کے کماؤں ہمالیہ (Kumaon Himalaya) میں متعدد گلیشیر ہیں جن میں سب سے بڑا گلیشیر گنگوتری ہے جو 30 کلو میٹر لمبا اور 3 کلو میٹر چوڑا ہے۔

نیپال جو ایک ہمالیائی ملک ہے، مغربی اور مشرقی ہمالیہ کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ مغربی ہمالیہ چار حصوں میں منقسم ہے۔ یعنی شمالی کشمیر ہمالیہ، جنوبی کشمیر ہمالیہ، پنجاب ہمالیہ اور کماؤن ہمالیہ۔ مشرقی ہمالیہ کے مغربی حصے میں سکم ہمالیہ، دار جلنگ ہمالیہ اور بھوٹان ہمالیہ شامل ہیں اور مشرقی ہمالیہ کے بقیہ حصہ میں آسام ہمالیہ شامل ہیں۔ ہمالیہ پہاڑوں کی انفرادیت اس بات میں ہے کہ یہ 2,500 کلو میٹر لمبے اور 50 تا 400 کلو میٹر چوڑے ہیں اور مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی وحدت کی دوسری حقیقت یہ ہے کہ شمال سے جنوب تک ان کے تین حصے ہیں جو جنوب میں سیوالک اور بیرونی ہمالیہ (Outer Himalaya)، وسط میں ہماچل کے ہمالیہ صغریٰ (Lesser Himalaya) اور شمال میں ہیمادری یا ہمالیہ کبریٰ (Himadarior Great Himalaya) کہلاتے ہیں۔

سیوالک دراصل ہمالیہ کی بالکلیہ بیرونی سلامی دار پہاڑیوں کا سلسلہ ہے جو دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی کے ذخیروں سے بنا ہے جو بعد میں لہریئے دار پہاڑیوں کا سلسلہ ہو گیا ہے۔ یہ شمال کی جانب مسطح وادیوں کی شکل میں پایا جاتا ہے جنہیں دون (Duns) کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت ہی گنجان آباد ہے اور یہاں بڑے پیمانے پر کاشت ہوتی ہے۔

ہمالیہ صغریٰ (Lesser Himalaya) ایک وسیع پہاڑی علاقہ ہے جو 75 کلو میٹر چوڑا ہے۔ یہاں ہر جانب پہاڑ اور وادیاں پائی جاتی ہیں۔ پہاڑوں کی اونچائی 5,000 میٹر ہے اور وادیاں 1,000 میٹر اونچی ہیں۔ چونکہ تمام سال ان پہاڑوں پر برف جمی رہتی ہے اس لیے ان کا قدیم نام ہماچل ہے۔ اس خطہ میں جس نئی ریاست کی تشکیل ہوئی ہے اس کا نام بھی ہماچل پردیش ہے۔ اس کے شمالی سرے پر ہماچل کا خطہ اچانک ختم ہو جاتا ہے اور ہمالیہ کا ایک دوسرا عظیم الشان سلسلہ نظر آنے لگتا ہے۔ جس کا جدید نام ہمالیہ کبریٰ (Great Himalaya) ہے اور قدیم نام ہیمادری (Himadri) ہے۔

ہمالیہ کا سب سے وسیع حصہ جموں و کشمیر میں ہے۔ یہ مغرب سے مشرق تک 700 کلو میٹر اور شمال سے جنوب تک 500 کلو میٹر کی دوری میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 350,000 مربع کلو میٹر ہے۔ ہمالیہ کے تمام خطوں میں، کشمیر میں ہی سب سے زیادہ برفستان اور گلیشیر پائے جاتے ہیں۔ ہمالیہ کے کسی اور خطے میں اتنے اونچے سلسلے نہیں ملتے ہیں جو قدرتاً پھیلے ہوئے ہوں اور جن کے پہلو پر حوض کی شکل میں طولاً وادیاں پائی جاتی ہوں۔ ہمالیہ کبریٰ (گریٹ ہمالیہ) کے سلسلے شمالی کشمیر اور جنوبی کشمیر ہمالیہ کے درمیان خطِ فاصل کا کام کرتے ہیں۔

جموں سوالک پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جموں کی پہاڑیوں کے شمال مغرب میں پونچھ (Punch) کی پہاڑیاں ہیں جن کی بلندی 3,000 میٹر ہے۔ یہاں کی سب سے اونچی چوٹی ٹاٹاکوٹی 4,743 میٹر بلند ہے جو پیر پنجال (Pir Panjal) میں واقع ہے۔ یہ سری نگر سے 50 کلو میٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ پیر پنجال، اپنے دو دَرّوں یعنی پیر پنجال، جو 3,494 میٹر (11,400 فٹ) بلند ہے، اور بنی ہال (Banihal) کے لیے مشہور ہے۔ بنی ہال کے ذریعہ شمالی ہندوستان کے میدانوں سے وادیٔ کشمیر کو راستہ جاتا ہے۔ یہ خطہ تین ہمالیائی دریاؤں، کشن گنگا، جہلم اور چناب کے لیے مشہور ہے۔ دریائے جہلم، وادیٔ کشمیر کے جنوبی سرے سے، ویری ناگ (Verinag) کے قریب، ایک گہرے چشمے سے نکلتا ہے۔ اس کے دائیں کنارے پر اس کی دو اہم معاونین سند (Sind) اور لڈر ہیں۔ وادیٔ کشمیر میں متعدد خوبصورت مقامات ہیں، جن میں ایک گلمرگ (Gulmarg) ہے، جہاں سے ننگا پربت (Nanga Parbat) کو دیکھا جا سکتا ہے۔ سری نگر، جو جموں و کشمیر کی راجدھانی ہے، وادی کے وسط میں سطح سمندر سے 1,893 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ سری نگر کے قریب ہی خوبصورت ڈل جھیل (Dal Lake) بھی واقع ہے۔

کشمیر ہیمادری، ننگا پربت، جو 8,126 میٹر (26,660 فٹ) بلند ہے، سے شروع ہوتا ہے۔ ہمالیہ کبریٰ (گریٹ ہمالیہ) سے صرف ایک سڑک لداخ کے صدر مقام لیہ (Leh) کو جاتی ہے جو زوجی لا (Zojila) درّہ سے بھی گزرتی ہے، جس کی بلندی 3,529 میٹر ہے۔ یہ ہمالیہ کبریٰ (گریٹ ہمالیہ) کا ایک اہم درّہ ہے۔

دریائے سندھ (Sind) فطری طور پر جموں و کشمیر سے گزرتا ہے۔ یہ دریا جھیل مان سرودر سے 100 کلو میٹر شمال میں سینگی کھباب (Sengge Khabab) سے نکلتا ہے اور تبت سے بہتے ہوئے جموں و کشمیر میں داخل ہوتا ہے اور پھر 560 کلو میٹر شمال مغربی جانب ہراموش (Haramosh) کی چوٹی کے اساس تک جس کی بلندی 7,397 میٹر ہے، بہتے ہوئے، پھر سلسلہ لداخ میں سے بہتے

ہوئے، بالآخر شمالاً جنوباً بہتا ہے۔ ننگا پربت کے مغربی جانب بہتے ہوئے یہ کشمیر سے پاکستان میں داخل ہوتا ہے جہاں اس کی بائیں اور دائیں جانب اس سے کئی معاون ملتی ہیں۔

دریائے سندھ (Indus) کے شمال میں عظیم کوہ کراکرم (قراقرم) کے سلسلے واقع ہیں۔ جنہیں سنسکرت میں کرشنا گیری کہتے ہیں۔ یہ کئی بلند چوٹیوں اور بڑے گلیشیر کا خطہ ہے۔ یہ اسٹیپ کے مانند اور نیم ریگستانی خصوصیات کا خطہ ہے جہاں کہیں کہیں نخلستان ملتے ہیں، جن میں ایک مشہور نخلستان اسکالو (Askalo) ہے۔ یہ قراقرم کا بلند ترین آباد علاقہ ہے۔ مغربی قراقرم میں بالتورو (Baltoro) گلیشیر کے سرے سے ہمالیہ کی دوسری سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ گاڈون آسٹن یا کے ٹو (K2) شروع ہوتی ہے۔ بالتورو (Baltoro) گلیشیر سے بہت اونچائی پر کئی (5,500 تا 7,000 میٹر بلند) عالیشان چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں اور دنیا کی منجملہ چودہ "آٹھ ہزار" میٹر سے زائد بلند چوٹیوں میں سے چار بلند چوٹیاں کے ٹو (8,611 میٹر)، ہیڈن (8,068 میٹر)، براڈ (8,047 میٹر)، اور گاشر بروم (8,035 میٹر) نیز راکاپوشی (7,788 میٹر) اور ہراموش (7,397 میٹر) جیسی بلند چوٹیاں بھی یہیں واقع ہیں۔

لداخ کی سطح مرتفع کی اوسط بلندی 5,300 میٹر ہے۔ یہ کشمیر ہمالیہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ ہندوستان کی سب سے بلند سطح مرتفع ہے۔ اس میں متعدد گرم پانی کے چشمے واقع ہیں اس کے علاوہ کئی میدان اور پہاڑ بھی ہیں۔

ہمالیہ کا وہ حصہ جو ہماچل پردیش میں واقع ہے، پنجاب ہمالیہ کہلاتا ہے۔ سندھ اور جہلم دریاؤں کے علاوہ تمام دریا جنھوں نے پنجاب اور ہریانہ کے میدانوں کو زرخیز بنادیا ہے، پنجاب ہمالیہ سے نکلتے ہیں۔ دریائے چناب (Chenab)، چندرا اور بھاگا یہیں سے نکلتے ہیں۔ دریائے راوی (Ravi) کا منبع بنگاہل (Bangahal) ہے۔ دریائے بیاس اور ستلج کا منبع بھی پنجاب ہمالیہ ہے۔ بیاس روہتانگ کے درّے سے نکلتا ہے۔ پنجاب کے تمام دریاؤں میں ستلج سب سے بڑا دریا ہے۔ پنجاب ہمالیہ میں کانگڑہ وادی اور کولو (Kulu) وادی نہایت ہی خوبصورت منظر پیش کرتی ہیں۔

کماؤن ہمالیہ (Kumaun Himalaya) دریائے گنگا اور جمنا کے منبعوں (Sources) کے لیے اہم ہے۔ دہرہ دون، جو مغرب میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد نشیب (Depression) ہے، 75 کلو میٹر لمبا اور 15 تا 20 کلو میٹر چوڑا ہے۔ کماؤن کے ہمالیائی حصے میں متعدد پہاڑی مستقر ہیں۔ جن میں نہایت ہی مشہور مسوری ہے۔ اسی طرح یہاں متعدد جھیلیں بھی ہیں جن میں غیر معمولی خوبصورت نینی تال اور بھیم تال کی جھیلیں ہیں۔ نینی تال سے 30 کلو میٹر شمال میں رانی کھیت دوسرا عمدہ پہاڑی مستقر ہے۔ نندا دیوی جو 7,817 میٹر بلند ہے کماؤں ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ اسی طرح دوسری چوٹیاں دوناگری (7,062 میٹر)، تری شول (7,120 میٹر)، نندکوٹ (6,861 میٹر)، نندا کنا (6,309 میٹر) اور نندا گھنٹی (6,063 میٹر) بلند چوٹیاں ہیں۔ وشنو گنگا کے مغرب میں دوسری مشہور چوٹیاں ستوپنتھ (7,084 میٹر)، بدری ناتھ (7,138 میٹر)، کیدارناتھ (6,940 میٹر)، گنگوتری (6,614 میٹر) اور سری کانت (6,728 میٹر) بلند ہیں۔

دریائے گنگا کا سرچشمہ بھاگیرتی ہے۔ جنوب میں بھاگیرتی ہمالیہ کبری (گریٹ ہمالیہ) سے گزرتے ہوئے ہمالیہ صغریٰ (Lesser Himalaya) سے گزرتا ہے۔ جہاں اس کا سنگم الک نندا سے ہوتا ہے۔ الک نندا کا منبع ستوپنتھ ہے۔ بھاگیرتی کے 25 کلو میٹر مغرب میں دریائے یمنا، یمنوتری کے گرم چشمے سے نکلتا ہے۔

وسطی ہمالیہ میں نیپال واقع ہے جہاں تین دریا بہت مشہور ہیں۔ کرنالی، گنڈک اور کوسی۔ نیپال کی وسطی وادی میں اس کی راجدھانی کھٹمنڈو واقع ہے۔ نیپال ہمالیہ میں آٹھ ہزار میٹر اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں کی اکثریت ملتی ہے۔ مغرب سے مشرق میں پھیلی ہوئی یہ چوٹیاں دھول گیری (8,172 میٹر)، انّ پورنا (8,078 میٹر)، مناسار (8,156 میٹر)، گوسائن ناتھ (8,013 میٹر)، چوگیو (8,153 میٹر) ماؤنٹ ایورسٹ (8,848 میٹر)، مکالو (8,481 میٹر) اور کنچن جنگا (8,598 میٹر) ہیں۔ ایورسٹ دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔

سکم ہمالیہ میں دریائے تستا (Tista) کا وسیع طاس واقع ہے۔ اس کے دو مشہور درّے ناتولا (Natula) اور جیلیپ لا (Jelepla) ہیں۔

دارجلنگ ہمالیہ کا پتلا لمبا سلسلہ مغربی بنگال اور نیپال کے درمیان واقع ہے۔ دارجلنگ کا سلسلہ اچانک ترائی کے میدانوں سے سنگھل چوٹی کی جانب اونچا ہو گیا ہے۔ دارجلنگ میں جنگلات کے ساتھ ساتھ کئی چائے کے باغات ہیں۔ یہاں دارجلنگ۔ ہمالیہ ریلوے پیچ و خم کھاتی ہوئی گزرتی ہے۔

بھوٹان ہمالیہ کا جملہ رقبہ 22,500 مربع کلو میٹر ہے جس میں کئی گہری وادیاں اور بلند سلسلے ہیں۔ بھوٹان کے ایک دن کے سفر میں سائبیریا کی سرد ترین سردی، صحرائی ریگستان کی شدید گرمی اور رومی اٹلی کے معتدل اور خوشگوار موسم سے سابقہ پڑتا ہے۔ بھوٹان ہمالیہ کے دو مشہور درّے لنگ شلا (Lingshila) اور یوری لا (Yurila) ہیں، جن سے متعد کی چُمبی وادی کو راستہ جاتا ہے۔

ہمالیہ کے بالکل مشرقی حصہ میں اروناچل پردیش اور آسام کا علاقہ ہے۔ بھوٹان ہمالیہ کی طرح اس علاقے میں انواع و اقسام کے مناظر ملتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سوالک پہاڑیوں کے گھنے جنگلات، برہم پتر وادی سے 800 میٹر بلندی پر واقع ہیں۔ دیہانگ (Dihang)، سیانگ (Siang)، ڈیبانگ (Dibang) اور لوہت (Luhit) کا سنگم ہوتا ہے تو ان کا نام دریائے برہم پتر ہو جاتا ہے، اس دریا کا منبع چیمائے ینگ ڈنگ (Chemayung dung) گلیشیر میں ہے جو مان سرودر سے ایک سو کلو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔

کوہستان ہمالیہ سے ہندوستان کو بہت فائدے ہیں۔ یہ پہاڑ گویا ہندوستان کا شمالی حصار ہیں جنھیں کوئی حملہ آور بمشکل عبور کر سکتا ہے۔ ان پہاڑوں کی شمالی جانب سے جو سرد ہوائیں چلتی ہیں انھیں یہ پہاڑ گزرنے نہیں دیتے بلکہ ان کی نمی کو جذب کر کے، بارش کی صورت میں برساتے اور تمام شمالی ہند کو سیراب کرتے ہیں۔ ادھر ان کی برف پوش چوٹیوں سے جو پانی پگھلتا ہے وہ ایک طرف سندھ اور برہم پتر میں جمع ہو کر ہندوستان کے میدانوں سے گذرتا ہے اور دوسری طرف گنگا اور اس میں ملنے والی کئی ندیوں کو رواں اور جاری رکھتا ہے۔ ان بلند پہاڑوں کے باعث سمندر سے آنے والی گھٹائیں، ہندوستان کے پار وسط ایشیا اور تبت میں نہیں جانے پاتیں تو گرمیوں میں آندھی اور لو اور سردی میں سرد ہوا بھی ادھر ہندوستان میں نہیں آسکتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانی میدان سرسبز و شاداب ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے شمالی علاقے کی زمین کوہستان ہمالیہ کی مٹی سے بنی ہے۔ یعنی زمانہ ہائے دراز سے چٹانوں کے جو ذرات اور اجزا ڈھل ڈھل کر دریاؤں میں بہتے رہے، انھی کی گاد سے ہندوستان کے وسیع اور زرخیز میدان بنے ہیں۔ غرض ہندوستان کو کوہستان ہمالیہ نے بنایا ہے، وہی اس کی آبرسانی کرتا ہے اور وہی اس کا محافظ و پاسبان ہے۔

کوہ یورال یا یورال کے پہاڑ (Ural Mountains):

روس میں یورال کے پہاڑ، مغربی سائبیرین میدان (Siberian Plains) اور مشرقی یورپی میدان کے درمیان واقع ہیں۔ یہ ہندوستان کے اراولی پہاڑ کی طرح نہایت ہی قدیم اور فرسودہ پہاڑ ہیں، جن میں اب زیادہ تر گول پہاڑ پائے جاتے ہیں۔ جن کی زیادہ سے زیادہ بلندی 1,600 میٹر ہے۔

یورال کے پہاڑ اپنے معدنی ذخائر کے لیے شہرت رکھتے ہیں۔ یہاں لوہے، مینگنیز اور سونے کی بڑی بڑی کانیں پائی جاتی ہیں۔ یورال کے مغربی ڈھالوں پر تیل کی ایسی بڑی صنعت قائم کی گئی ہے جو باکو (Baku) کے تیل کی صنعت سے زیادہ بڑی ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں جب ہٹلر کی فوجوں (Hitler's Army) نے باکو سے تیل کا سلسلہ منقطع کر دیا تو اس صنعت نے اہم رول ادا کیا۔

انیسویں صدی میں یورال نے ملک کی معیشت میں بڑا رول ادا کیا۔ لیکن یہ علاقہ اس وقت بہت ہی پسماندہ تھا اور اس زمانے کے یوکرین کے نئے دھات ساز علاقہ سے پیچھے تھا۔ آج کل اپنے ساز و سامان اور کارکردگی کے لحاظ سے یورال اور روس کے دوسرے علاقوں کی آہنی دھاتوں کی صنعت، اعلیٰ ترقی یافتہ ملکوں کے کسی بھی دھات ساز مرکز سے مقابلہ کر سکتی ہے۔

یورال میں تانبے کی صنعت بھی ترقی پر ہے۔ یہاں کراسنو اور الک جیسے متعدد تانبے کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔ یہاں نکل بھی صاف اور تیار کیا جاتا ہے۔ یورال کے مغربی ڈھال پر تیل کی کیمیائی صنعتیں بھی قائم کی گئی ہیں۔

یورال کی مشین ساز صنعت نے بھی بڑی ترقی کی ہے۔ یورال کے پار شمال میں، اربیٹ کا چھوٹا سا کاروباری شہر ایک جدید صنعتی شہر بن گیا ہے۔ یہ اپنی موٹر سائیکلوں اور ٹرک ٹریلروں کے لیے مشہور ہے۔ لیکن اربیٹ جیسے بہت سے دوسرے شہر بھی یورال میں واقع ہیں۔

اس وقت یورال اپنی مشین ساز صنعت کی وسعت کے لحاظ سے روس کے مرکزی علاقوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ یہاں لکڑی کے کام کی صنعت بھی ترقی کر رہی ہے۔ یہ سامان بنانے اور عمارتی چیزوں میں کام میں لائی جاتی ہے۔

یورال زبردست صنعتی علاقہ بن گیا ہے۔ وہ ملک کو ایک تہائی آہنی دھاتیں اور ایک تہائی سے زیادہ دھات کی مشینیں اور آلات وغیرہ دیتا ہے۔

اسی علاقے کے صوبوں اور خود انتظامی ریپبلکوں کی آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ ہے۔ یورال بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ یہاں تیل، کیمیائی اشیا، لکڑی اور مشین سازی کی صنعتیں ترقی کر رہی ہیں اور بجلی کی قوت کے مرکزوں کو اور زیادہ طاقتور بنایا جا رہا ہے۔ ان برقی قوت اور توانائی کے مرکزوں کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لیے گیس کی پائپ لائنیں بنائی گئی ہیں۔ جنوبی ازبکستان سے یورال کو آنے والی گیس کی پائپ لائن کی لمبائی دو ہزار کلو میٹر سے زیادہ ہے اور دوسری لائنیں شمال یعنی دریائے اوب کے نچلے حصے سے آتی ہے۔

یورال کو قوت کا ایک نیا ذریعہ مل گیا ہے۔ یہ والگا پر واقع لینن نامی پن بجلی گھر کی بڑی قوت ہے۔ اس لائن کی تکمیل روس میں برقی قوت کے واحد نظام کے قیام کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ یہاں بیلویارسک میں ایک ایٹمی بجلی گھر بھی واقع ہے۔

کوہستانوں یا پہاڑوں کے اقسام: دیکھیے پہاڑوں یا کوہستانوں کے اقسام۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کوہیما: کوہیما ناگالینڈ کا صدر مقام ہے۔ ناگالینڈ ہندوستان کی شمال مشرقی ریاست ہے۔ ناگالینڈ کے مشرق میں ناگا پہاڑیوں کا سلسلہ واقع ہے اور مغرب میں کوہیما کی پہاڑیاں واقع ہیں۔ جن کی سب سے اونچی چوٹی جاپ وہ ہے جس کی اونچائی 2,995 میٹر (9,890 فٹ) ہے۔

کھاڑی: یہ ساحل پر ہلکے موڑ کا چوڑا سا خلیج نما کٹاؤ ہوتا ہے جیسے "گریٹ آسٹریلین بائٹ"۔

کے. سی. کنال اور سن کیسولا اینی کٹ: آندھرا پردیش میں ریال سیما کے قحط زدہ علاقے کے سدھار کے لیے تنگھبدرا ندی کے بالائی دھارے پر اور کرنول سے 28 کلو میٹر پر بمقام سن کیسولا گاؤں کنکریٹ سے تعمیر کردہ اینی کٹ کے دائیں جانب کرنول کڑپا نہر نکالی گئی ہے جس سے کرنول اور کڑپا کا علاقہ مستفید ہوتا ہے۔

کے من جزائر (Cayman Islands): برطانیہ کی یہ نوآبادی (کالونی) بحیرۂ کیریبین میں جمائکا کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ رقبہ 259 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 26,000 ہے۔ صدر مقام جارج ٹاؤن ہے۔ یہ تین جزائر کا مجموعہ ہیں۔ پہلے یہ جمائکا کا حصہ تھے۔ لیکن اب یہ علیحدہ کالونی بنائے گئے ہیں آبادی کی اکثریت نیگرو ہے۔ یہاں چھوٹے جہاز بنانے کی صنعت واقع ہے، جو پڑوس کے علاقوں کو فروخت کئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ شارک مچھلی کی کھال اور کچھوے وغیرہ بھی برآمد کئے جاتے ہیں۔ سیاح بھی یہاں کافی تعداد میں آتے ہیں۔

کیپ ٹاؤن: یہ صوبہ کیپ ٹاؤن کے جنوب مغربی حصہ میں بحر اوقیانوس کے کنارے کوہ ٹیبل (13,667 فٹ) کے دامن میں واقع ہے۔ بحر ہند اس کے مشرق میں ہے۔ جمہوریہ جنوبی افریقہ کا صدر مقام اور ایک اہم بندرگاہ ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں سات لاکھ تیس ہزار تھی۔ 1652 میں اس کی بنیاد حکومت ہالینڈ کے ایک گورنر نے رکھی تھی۔ 1795 میں یہ برطانیہ کے زیر تسلط آیا اور جنوبی افریقہ کے آزادی حاصل کرنے تک ان ہی کے قبضہ میں رہا۔ یہاں کی معتدل آب و ہوا کے باعث یہ موسم گرما کا آرام گاہ ہے۔ 1666 میں تعمیر کردہ قلعہ آج تک یہاں موجود ہے۔ یہاں کے نباتیاتی باغ، میوزیم، آرٹ گیلری مشہور ہیں۔ یہاں ایک یونیورسٹی اور کئی کالج ہیں۔ 2 لاکھ 75 ہزار سفید فام باشندے اس شہر میں رہتے ہیں۔

کیپ ٹاؤن۔ قاہرہ ریلوے لائن: کیپ ٹاؤن اور قاہرہ کا فاصلہ 9 ہزار میل ہے جو ریل، دریا، جھیل اور سڑکوں کے ذریعہ طے ہوتا ہے۔ یہ ریلوے لائن کیپ ٹاؤن سے نکل کر براہ الیز بیتھ ویلی، کانگو کی سرحد تک جاتی ہے یہاں سے دریائی اور کاروانی راستے جھیل وکٹوریہ سے ملے ہوئے ہیں۔ وکٹوریہ جھیل سے موٹر کا راستہ جارج نیل تک جاتا ہے۔ یہاں سے خرطوم تک اسٹیمر چلتے ہیں۔ خرطوم سے ایک ریلوے لائن وادی حیفہ تک جاتی ہے پھر دریائی راستے کے ذریعہ شلال اور شلال سے قاہرہ تک ریلوے لائن ہے۔

کیپ کاڈ نہر: بحر اوقیانوس شمالی میں کیپ کاڈ ایک جزیرہ نما ہے اور ایک خلیج بھی اسی نام کی واقع ہے۔ اس کے قریب ہی ایک اور خلیج بزارڈس ہے۔ ان دونوں خلیجوں کی درمیانی خاکنائے کو کاٹ کر کیپ کاڈ نہر نکالی گئی ہے۔ اس طرح یہ نہر ایک طرف خلیج کیپ کاڈ اور دوسری طرف خلیج بزارڈس کو ملاتی ہے۔ نہر 8 میل لمبی اور 500 فٹ چوڑی ہے۔ گہرائی 32 فٹ ہے۔ 1914 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی نگرانی میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ جہاز رانی کے نقطہ نظر سے یہ نہر بہت اہم آبی راہ ہے۔

کیپ ورڈے۔ جزائر (Cape Verde Islands): یہ ایک آزاد افریقی جزیرائی جمہوریہ (ریپبلک) ہے جو افریقہ کے مغربی ساحل سے 480 کلو میٹر دور بحر اوقیانوس میں واقع ہے۔ رقبہ 4,033 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 352,000 ہے۔ صدر مقام پرائیا (Praia) ہے۔ سرکاری زبان پرتگالی ہے۔ آبادی زیادہ تر رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ یہ ریپبلک دس جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ساؤ نسنٹ اور ساؤ ٹیاگو سب سے بڑے ہیں۔ یہ آتش فشانی جزائر ہیں جو زیادہ تر پتھریلے، پہاڑی اور گرم و خشک ہیں۔ بحری جہازوں کے لیے ایندھن (کوئلہ) فراہم کرنے کے لیے یہ استعمال ہوتے تھے۔ کافی، نمک اور مچھلی یہاں سے برآمد کئے جاتے ہیں۔ ان کا 61 فیصدی پرتگال کو اور 25 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے۔ درآمدات 53 فیصدی پرتگال سے اور بقیہ انگولا اور برطانیہ سے آتی ہیں۔

1989 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 67,761 طالب علم اور 2,028 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 7,866 طالب علم اور پیشہ ورانہ مدرسوں میں 588 طالب علم تھے۔

پرتگالیوں نے جب 1460 میں اس کا پتہ چلایا تو اس پر قبضہ کر لیا اور اسے گنی سے پکڑ کر لائے ہوئے غلاموں اور مجرموں سے بھر دیا۔ نیگرو اور مخلوط

نسل کے لوگ یہاں اکثریت میں ہیں۔ آزادی تک یہ پرتگالی کالونی اور پھر اس کا سمندر پار صوبہ رہا۔ گینی بساؤ اور کیپ ورڈے کی آزادی کے لیے ایک ہی پارٹی یعنی گینی بساؤ کی آزادی کی افریقی پارٹی پی۔اے۔آئی۔جی۔سی (P.A.I.G.C) ہی جدوجہد کرتی رہی اور جون 1975 کے چناؤ میں اسی پارٹی نے ساری سیٹیں جیت لیں۔ 5 جولائی 1975 کو اس نے آزادی حاصل کرلی۔ گینی بساؤ کی طرح یہ حکومت بھی بائیں بازو کی سوشلسٹ پالیسی پر چل رہی ہے۔ ایک تجویز یہ بھی تھی کہ اسے گینی بساؤ کے ساتھ ملا دیا جائے، لیکن کیپ ورڈے کے باشندوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ 1983 میں گینی بساؤ سے تعلقات بہتر ہو گئے۔ 1951 کے انتخابات میں انٹونیو ماسکر یمس مانٹیرو صدر منتخب ہوا۔

کیچ میدان (Mud Flat): باریک گاد (Silt) کے رسوب جو کیچ میدان پر جمع ہوں۔ کیچ میدان وہ مسطح حصہ ہے جو کنارے کے قریب یا جزیرے کے ارد گرد واقع ہو اور جس پر مدوجزر کے باعث اتھلا پانی بار بار چڑھتا اترتا رہتا ہے۔

کیدار ناتھ: ہمالیہ کی ایک چوٹی ہے، جو اتر پردیش میں واقع ہے۔ سیاحت کے اعتبار سے واجب التعظیم جگہ ہے۔ یہاں ہر سال ہزاروں یاتری آتے ہیں۔ کیونکہ یہاں لارڈ سدا شیو کا مندر ہے جو 2,525 میٹر کی اونچائی پر واقع ہے۔

کیراکس: ہسپانوی زبان میں یہ کاراکس کہلاتا ہے۔ وینی زویلا کا یہ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ہے۔ یہ کوہستانی وادی میں واقع ہے۔ 1757 میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس کی آب و ہوا صحت بخش اور فرحت افزا ہے۔ اسی وجہ سے ہسپانوی حکومت نے اپنی وینی زویلا کی کالونی کا معاشی اور سیاسی مرکز بنایا تھا۔ یہاں ایک یونیورسٹی بھی ہے۔ تیل کے علاوہ یہاں کی صنعتوں میں کپڑا بنانے کے کارخانے، شکر صاف کرنے کے کارخانے، گوشت کو ڈبوں میں بھرنے کے پلانٹ ہیں۔ 1811 میں یہ ہسپانوی قبضہ سے آزاد ہوا۔ 1812 میں یہاں ایک تباہ کن زلزلہ آیا تھا۔ یہاں کی آبادی 1977 میں 2,664,000 تھی۔

کیرالا: ہندوستان کے جنوب مغربی کونے میں واقع اس ریاست کا رقبہ 38,864 مربع کلومیٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 29,098,518 ہے۔ کیرالا کے تین طبعی خطے ہیں:۔ (1) مغربی گھاٹ پر واقع بلند علاقہ، (2) درمیانی علاقہ اور (3) وادیوں اور پہاڑیوں پر مشتمل نشیبی علاقہ۔

بلند علاقے میں چائے، قہوہ، ربر اور الائچی کے باغات پھیلے ہوئے ہیں۔ نشیبی علاقے میں ناریل، سپاری، کالی مرچ، گنے اور چاول کی کاشت کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی 95% ربر اور 98% کالی مرچ یہیں پیدا ہوتی ہے۔ کیرالا دریاؤں اور بند کھاڑیوں کا علاقہ ہے۔ یہ کھاڑیاں ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہیں جو اہم ذریعہ آمد و رفت ہیں۔ ایک قابل جہاز رانی 728 میل لمبی نہر ٹریونڈرم کو انتہائی شمال میں واقع تیرو (Tiru) سے ملاتی ہے۔

ساحل پر خوب بارش ہوتی ہے۔ آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ اہم جنگلاتی پیداوار صندل، آبنوس، شیشم اور نرم لکڑی ہے۔ یہ ہندوستان کی سب سے زیادہ مچھلی برآمد کرنے والی ریاست ہے۔

چائے، ربر، تیل، کپڑے اور ناریل کی صنعت، کوزہ گری، کھاد کی صنعت، کانچ کا سامان، دیا سلائی، کاغذ شارک کا تیل نکالنا وغیرہ اہم صنعتیں ہیں۔ گھریلو صنعتوں میں ہاتھی دانت کا کام، پیتل، تانبے کے برتن، چمڑے کا سامان بنانا اہم ہیں۔ کنیا کماری سیاحوں کے لیے زبردست کشش رکھتی ہے۔ کوچی (کوچین) اس کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ یہاں جہاز سازی کا بہت بڑا کارخانہ اور تیل صاف کرنے کا کارخانہ بھی ہے۔ کوزی کوڈ بھی یہاں کا ایک بڑا اور اہم بندرگاہ ہے۔ صدر مقام ٹریونڈرم ہے۔

کیرالا ہندوستان کے سب سے گنجان آبادی والے علاقوں میں سے ہے۔ آزادی سے پہلے معاشی طور پر کافی پس ماندہ تھا لیکن اس کے باوجود تعلیم میں یہ ہمیشہ سب سے آگے رہا ہے۔ آزادی سے پہلے اس ریاست کا علاقہ ٹراونکور اور کوچین کی ریاستوں میں اور کچھ صوبہ مدراس میں بٹا ہوا تھا۔

1956 میں صوبوں کی لسانی تنظیم کے وقت تینوں علاقے ملا کر ملیالم بولنے والوں کا ایک صوبہ کیرالا بنا دیا گیا۔

کیریبین یا جزائر غرب الہند کی وفاقی انجمن: یہ 1958 میں تشکیل پائی۔ ٹرینیڈاڈ، ٹوبیگو، جمیکا اور برموڈا اس کے اہم ممبر تھے۔ لارڈ ہیلز اس کے پہلے گورنر جنرل تھے۔ اس میں انگریزی عملداری کے ونڈورڈ (Windward Islands) اور لیورڈ (Leeward Islands) جزائر بھی شامل تھے۔ ٹرینیڈاڈ کا شہر پورٹ آف اسپین، اس کا انتظامی مرکز تھا۔ جمیکا نے 1961 میں اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ٹرینیڈاڈ اور ٹوبیگو بھی اسی کے نقش قدم پر چلے۔ نتیجتاً 1962 میں وفاقی انجمن تحلیل ہو گئی۔ اس کے بعد جزائر غرب الہند کو اندرونی نظم و نسق میں آزادی حاصل ہو گئی۔ مگر خارجی حکمت عملی اور تحفظ کی ذمہ داری برطانیہ عظمیٰ ہی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پر رہی۔

کیلاش پربت: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 22,028 فٹ بلند ہے۔

کیلانگ (Keylong): یہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ کی وادی لاہول میں بھاگا ندی کے قریب گلیشیر اور خوبصورت چٹانوں کے درمیان ایک دلفریب نخلستان ہے۔ جو سطح سمندر سے 2,850 میٹر بلند ہے۔ یہاں چاروں طرف ہرے بھرے میدان اور بید کے پودے پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

کیلسیائی الگی یا الجی (Calcareous Algae): ایسے سمندری پودے کیلشیم کاربونیٹ کی کم و بیش ٹھوس ساخت کی تشکیل کرتے ہیں۔

کیلسید گی (Calcification): زندہ ریشے (Tissue) میں کیلشیم کی ذخیر گی (Deposition)، رکازید گی اور رکازیت کے دوران کیلشیم کے نمکوں کے ذریعے نامیاتی مادوں کا تبادل (Replacement) ہوتا رہتا ہے اس عمل کو کیلسید گی کہتے ہیں۔

کیلیڈونین کوہ سازی (Caledonian Orogeny): براعظم شمالی امریکہ میں سائلورین کے بعد کی کوہ سازی (دیکھئے سائلورین Silurian)۔

کیمیائی کایابدلیت یا میٹاسومیٹزم (Metasomatism): ایک طرح کی کایابدلیت جس میں خارجی ماخذات ابتدائی حجرات کے کیمیائی نظام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی میٹاسومیٹزم کے باعث کسی حجر کا ایک جماد مکمل طور پر دوسرے جماد میں بدل جاتا ہے جبکہ حجر کی بافت میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگر یہ سیال مادے کافی حد تک عامل (Active) رہیں تو وسیع پیمانے پر دوبارہ قلماؤ عمل میں آتا ہے۔

کیمیرون (Republic of Cameroon): جمہوریہ کیمیرون خلیج گنی میں بحر اوقیانوس پر واقع ہے۔ یہ پرانے فرانسیسی کیمیرون اور برطانوی کیمیرون کے جنوبی حصے پر مشتمل ہے۔ اس کے مغرب میں خلیج گنی، شمال اور شمال مغرب میں نائجیریا، شمال مشرق میں چاڈ اور مشرق میں جمہوریہ وسطی افریقہ (سینٹرل افریقن ریپبلک) اور جنوب میں جمہوریہ کانگو، گیبون اور گنی بساؤ واقع ہیں۔ رقبہ 475,442 مربع کلو میٹر ہے۔ اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 12,239,000 ہے۔ صدر مقام یاؤنڈے (Yaounde) ہے۔ سب سے بڑا شہر دووالا (Douala) ہے جس کی آبادی تقریباً 500,000 ہے۔ سرکاری زبانیں انگریزی اور فرانسیسی ہیں۔ آبادی بنٹو اور سوڈانی ہے۔ بڑی اکثریت قدیم افریقی مذاہب کی پیرو ہے۔ عیسائی 24 فیصدی ہیں۔ ایک چھوٹی سی اقلیت مسلمان بھی ہیں۔

ساحلی علاقہ دلدلی اور میدانی ہے۔ جیسے جیسے مشرق کی طرف بڑھیں بلند سطح مرتفائی علاقہ ملتا ہے جس میں گھنے جنگل ہیں اور اس کے بعد لق و دق میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ جھیل چاڈ کے قریب کے انتہائی شمالی علاقے خشک ہیں اور صرف کانٹے دار جھاڑیاں اگتی ہیں۔ کیمیرون میں سے کئی دریا گزرتے ہیں جن میں جیئو، وو ری، سناگا اور نیونگ مشہور ہیں۔ ساحلی علاقے میں بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ ملک کی معیشت کی بنیاد زراعت پر ہے۔ کیمیرون دنیا کے کوکو پیدا کرنے والے سب سے اہم ملکوں میں سے ہے۔ ان کے علاوہ کافی، کیلے، مونگ پھلی، پام، تمباکو وغیرہ بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا کافی حصہ برآمد کیا جاتا ہے۔ شمالی علاقوں میں مویشی بھی پالے جاتے ہیں۔

ملک میں معدنیات کے کافی بڑے ذخائر ہیں لیکن ابھی ان سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا ہے۔ ان میں خاص سونے، ہیرے، مینگنیز، باکسائیٹ، ٹن اور ابرق کی کانیں ہیں۔ اگرچہ الیومینیم کا ایک بہت بڑا کارخانہ ہے مگر زیادہ تر صنعتیں غذائی اشیاء سے متعلق ہی ہیں۔

درآمدات کا 47 فیصدی حصہ فرانس کو جاتا ہے بقیہ مال جرمنی، امریکہ اور جاپان وغیرہ کو جاتا ہے۔ 1,173 کلو میٹر لمبی ریلیں اور 43,508 کلو میٹر لمبی سڑکیں ہیں۔

رائج سکہ فرانک ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 1,964,146 اور استادوں کی تعداد 38,430 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 500,272 طالب علم اور 11,096 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 31,360 طالب علم تھے۔

قدیم زمانے میں کیمیرون کئی حملہ آوروں کا شکار رہا۔ فلانی، ہاؤسہ، بلینگ اور کوری قبیلوں کا اس پر مختلف ادوار میں قبضہ رہا۔ انیسویں صدی میں یہ جرمنوں کے قبضہ میں آگیا۔ جرمن اندرونی علاقوں تک پہنچ گئے تھے۔ مقامی لوگوں سے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

زمین چھین کر اور انھیں غلام بنا کر ان کی محنت سے کافی، کوکو، چائے وغیرہ کے بڑے بڑے باغات لگائے گئے۔ سڑکیں تعمیر کیں اور دووالا (Douala) پر بندرگاہ بنانا شروع کیا۔ 1911 میں اس میں انھوں نے فرانسیسی ایکویٹوریل افریقہ کو بھی شامل کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم میں جب جرمنوں کو شکست ہوئی تو اس کے دوسرے مقبوضات کی طرح کیمرون بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ بعد میں مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) نے ان ملکوں کی تولیت تسلیم کر لی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد 1960 میں فرانسیسی کیمرون ایک آزاد جمہوریہ بن گیا اور برطانوی کیمرون کا جنوبی حصہ اس میں ملا دیا گیا۔ شمالی حصہ نائجیریا کو دے دیا گیا۔ اس جمہوریہ کے صدر احمد اہیجو منتخب ہوئے۔ بعض دوسرے فرانسیسی مقبوضات کے برعکس کیمرون غیر جانب داری کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ 1966 میں مشرق اور مغرب کی اہم سیاسی جماعتیں آپس میں مل گئیں اور ایک پارٹی کیمرون نیشنل یونین بن گئی۔ 1972 میں عوام نے ایک نئے دستور کے حق میں رائے دی اور وفاق کی جگہ ایک ملک بنانے کی تجویز منظور کی۔ صدارتی حکومت کا نظام قبول کیا گیا۔ 1988 میں صدر بیا کا انتخاب پانچ سال کے لیے ہوا۔

کین برا: دولت مشترکہ آسٹریلیا کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 43,973 تھی۔ یہ آسٹریلیا کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس شہر کے محل وقوع کا انتخاب 1908 میں ہوا اور اس کی بنیاد 1913 میں پڑی اور دولت مشترکہ آسٹریلیا کا دوسرا مرکز بنایا گیا۔ آسٹریلیا کی پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس یہاں 1927 میں ہوا۔ دوسری عالمی جنگ میں ملبورن کو عارضی طور پر راجدھانی بنایا گیا تھا۔ کین برا کا منصوبہ شکاگو کے ایک انجینئر والٹر مرے گریفن نے تیار کیا تھا، یہاں ایک یونیورسٹی، کالج اور ایک ملٹری کالج ہے۔ آسٹریلیا کے حیوانیات کا ایک قومی عجائب گھر (نیشنل میوزیم) بھی ہے۔

کینٹ: یہ کاؤنٹی انگلینڈ کے جنوب مشرق میں آبنائے ڈوور (Dover) اور دریائے ٹیمز (ٹیمس) کی ایک معاون ندی کے درمیان واقع ہے۔ مرکزی شہر میڈ اسٹون ہے۔ ایک کہربائی سلسلہ اس ضلع کے مشرق سے مغرب تک چلا گیا ہے۔ اس کا جنوبی حصہ بہت زرخیز ہے۔ یہاں زیادہ تر زراعت کی جاتی ہے اور چراگاہیں ہیں۔ غلہ، پھل اور ہاپ (Hop) پیدا ہوتے ہیں۔ مصنوعات میں کاغذ، ظروف، ٹائیل، سیمنٹ، شراب اور لوہے کا سامان شامل ہیں۔ جہاز بھی یہاں بنائے جاتے ہیں اور کوئلہ کی کانیں بھی ہیں۔ 1971 میں آبادی 1,701,083 تھی۔

یہ کاؤنٹی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ رومن قبضہ کے زمانے میں انھوں نے کئی سڑکیں بنائی تھیں۔ عہد وسطیٰ میں پرانی کینٹ سلطنت میں کئی مذہبی گھرانوں نے اپنے مرکز قائم کیے تھے۔

کینٹن: جنوبی چین میں سی کیانگ ندی کی ڈیلٹائی راس پر یہ صوبہ کوانگ تنگ کا صدر مقام اور اہم تجارتی و صنعتی مرکز اور بندرگاہ ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 3,100,000 تھی۔ یہاں جہاز بنانے اور مشینیں، ریشمی و سوتی کپڑے، سیمنٹ اور ربر کے کارخانے ہیں۔ یہ بہت بڑا تعلیمی اور تہذیبی مرکز بھی ہے۔ کئی جامعات (یونیورسٹیاں)، کالج وغیرہ قائم ہیں۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ تیسری صدی ق م سے ایک ہزار سال تک یہ تجارت کا مرکز بنا رہا۔ دسویں صدی میں ہندوستانی اور عرب تاجر یہاں پابندی سے آتے جاتے تھے۔

سولھویں صدی سے یورپی قومیں آنے لگیں۔ 1511 میں پرتگالیوں نے تجارت پر اجارہ داری حاصل کر لی۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں انگریز، فرانسیسی اور ڈچ تاجر پہنچے اور انگریزوں اور فرانسیسیوں نے بعض علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا جو 1946 میں چین کو واپس مل گئے۔

کینٹن انقلابی طاقتوں کا بھی بڑا مرکز رہا ہے۔ سن یات سن نے 1911 میں آزادی کی تحریک یہیں سے شروع کی۔ کمیونسٹ تحریک کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی۔ اسی نام کا ایک شہر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دریائے الینوائے کی وادی میں واقع ہے۔ اسی نام کا ایک اور شہر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ہارٹ فورڈ علاقے میں بھی موجود ہے۔

کینڈی: سری لنکا کے وسطی پہاڑی علاقہ میں اس کا قدیم صدر مقام اور قدیم تمدن کا مرکز ہے۔ اس مقام کے اطراف واکناف میں ربر اور چائے کے باغات ہیں۔ سری لنکا کا سب سے لمبا دریا، مہاویلی گنگا، اس کے اطراف بہتا ہے جس سے اس شہر کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی ہے۔ کینڈی کو جھیل کا شہر کہتے ہیں۔ اس شہر کے وسط میں ایک قابل احترام یادگار ایک مندر ہے۔ چوتھی صدی عیسوی میں یہاں مہاتما بدھ کا دانت رکھا گیا تھا۔ کینڈی سری لنکا کے راجاؤں کی آخری راجدھانی تھا۔ سولہویں صدی میں پرتگالیوں اور ڈچ لوگوں نے جب سیلون پر قبضہ کیا تو بھی یہ آزاد رہا۔ سیلون پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد 1815 میں یہ بھی ان کے تحت آ گیا۔ اس دور کا ایک محل، عجائب گھر اور مشرقی علوم کا کتب خانہ اب بھی موجود ہے۔ یہاں ہر سال بہت بڑا مذہبی تہوار ہوتا ہے۔ اس سے قریب ہی ایک یونیورسٹی بھی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کینیا(Kenya): کینیا ایک افریقی جمہوریہ ہے۔ یہ دولت مشترکہ کامن ویلتھ کا ممبر ہے۔ خطِ استوا پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں سوڈان اور ایتھوپیا، مشرق میں صومالیہ، جنوب میں تنزانیہ اور مغرب میں یوگانڈا کی ریاستیں واقع ہیں۔ رقبہ 582,646 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 25,241,980 ہے۔ اس میں سے صرف تین فیصدی آبادی ایشیائیوں اور غیر افریقیوں پر مشتمل ہے۔ صدر مقام نیروبی ہے۔ سب سے اہم بندرگاہ ممباسا ہے۔ زبان سواحلی ہے۔ انگریزی بھی استعمال ہوتی ہے۔ 58 فیصدی آبادی عیسائی، 6 فیصدی مسلمان اور بقیہ ہندو نیز پرانے افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔ آزادی کے بعد سے جوموکینیاٹا اپنی وفات 1978 تک ملک کے صدر رہے۔ کینیا کا شمالی علاقہ زیادہ تر بنجر ہے۔ جنوب مغربی علاقہ سطح مرتفع ہے۔ جھیل وکٹوریا کا ایک حصہ اس ملک کے مغربی حصہ میں شامل ہے۔ موسم معتدل اور زمین زرخیز ہے۔ گیہوں، مکئی، مونگ پھلی اور کافی وغیرہ بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ مویشی بھی بڑے پیمانے پر پالے جاتے ہیں۔ کینیا ایک زرعی ملک ہے۔ صنعتیں آزادی کے بعد سے قائم ہونا شروع ہوئی تھیں۔ سیمنٹ، نمک، سوڈا ایش، اور پیٹرولیم کی مصنوعات کے کارخانے قائم ہیں۔ ابرق، کھریا مٹی، گریفائٹ، اسبطاس، نمک، سوڈا ایش وغیرہ کی کان کنی کی جاتی ہے۔ کینیا شکار اور بے شمار اقسام کے جانوروں مثلاً ہاتھی، مختلف اقسام کے ہرن، زیبرا، گینڈے، ببر شیر اور نیل گائے وغیرہ کے لیے مشہور ہے۔ ریلوے لائنیں اور اچھی سڑکیں شکار گاہوں اور زرعی علاقوں کو شہروں سے ملاتی ہیں۔ کینیا میں تقریباً 40 قبائل بستے ہیں۔ مثلاً کیکویو، لو، نندی، مسائی، گوسی، کامبا، صومال وغیرہ۔ ان کی بول چال کی زبان الگ الگ ہے لیکن مشترکہ زبان سواحلی ہے۔

رائج سکہ شلنگ ہے۔

درآمدات زیادہ تر برطانیہ، ایران، جاپان، جرمنی، امریکہ اور سعودی عرب سے آتی ہیں۔ برآمدات یوگانڈا، برطانیہ، تنزانیہ، جرمنی کو جاتی ہیں، جو زیادہ تر پیٹرول کی مصنوعات، کافی، چائے، کیمیائی اشیا اور پھلوں اور سبزیوں پر مشتمل ہیں۔ سیاحی ایک بڑی صنعت ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق کینیا کے ابتدائی مدارس کے طلبا کی تعداد 5,392,391 اور استادوں کی تعداد 172,117 تھی۔ ثانوی مدارس میں 563,440 طالب علم اور 23,055 استاد تھے۔ فنی تعلیم کے مدرسوں میں 8,880 طالب علم اور 535 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں اور جامعات میں 35,421 طالب علم تھے۔

تاریخ: کینیا کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں تحریری معلومات نہیں ملتیں، صرف انیسویں صدی کے بعد کے حالات ملتے ہیں۔ انیسویں صدی میں عرب اور سواحلی قافلے ہاتھی دانت کی تلاش میں ممباسا میں داخل ہو کر کوہ کلی منجارو (اب تنزانیہ میں ہے) اور جھیل وکٹوریہ تک اندر چلے جاتے تھے۔ اس سے پہلے ساتویں صدی عیسوی میں کینیا کے ساحلی علاقہ میں عرب آکر بس گئے تھے جو ہاتھی دانت اور غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ ہندوستان اور چین کے ساتھ بھی تجارت ہوتی تھی۔ چنانچہ جب 1498 میں یہاں پرتگالی پہنچے تو انھیں ہندوستانی اور چینی بھی ملے۔ 1729 میں عمان کے عربوں نے پرتگالیوں کو شکست دے کر ساحلی علاقہ پر پھر قبضہ کر لیا۔ انیسویں صدی میں یوروپی کھوج کاروں نے اس علاقے کے اندرونی حصوں میں داخل ہونا شروع کیا۔ ان میں جرمن اور انگریز پیش پیش تھے۔ برطانوی اور جرمن حکومتوں نے بعد میں اپنے اپنے حلقہ اثر قائم کر لیے۔ پہلے برطانوی آباد کاروں نے 1903 تک ایک لاکھ ایکڑ زمین حاصل کر لی اور اس پر برطانیہ اور جنوبی افریقہ سے لوگ آکر نو آبادیاں قائم کرنے لگے۔ اس وقت تک ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت مستحکم ہو چکی تھی۔ ممباسا سے یوگانڈا تک ریلوے کی تعمیر کے لیے بہت سے ہندوستانی لائے گئے۔ یہ کام مکمل ہونے کے بعد ان میں سے اکثر یہیں بس گئے۔ 1920 میں کینیا کے ساحلی علاقے کو چھوڑ کر باقی علاقہ حکومت برطانیہ کا محکوم علاقہ بن گیا۔ سفید فام لوگ سطح مرتفع کے علاقوں اور زرخیز علاقوں میں بس گئے اور مقامی 'کی کیو' باشندوں کی زمین لے کر انھیں زرعی غلام بنا لیا۔ چنانچہ انھوں نے کئی مرتبہ بغاوتیں کیں اور آخر کار 1952 میں اس نے مشہور ماؤ ماؤ مسلح چھاپہ مار جدوجہد کی شکل اختیار کر لی۔ سفید فام حکومت نے سخت ظلم و تشدد کا دور شروع کیا اور باغیوں کے لیڈر جوموکینیاٹا اور جدوجہد آزادی کے بے شمار مجاہدوں کو جیل میں بند کر دیا۔ آزادی کی اس تحریک کو کچلا نہیں جا سکا۔ چنانچہ 1961 میں عام چناؤ کروائے گئے۔ کینیا افریقن نیشنل یونین کو زبردست اکثریت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد صدر جوموکینیاٹا اور اس کے ساتھی رہا کر دیے گئے اور نئے آئین کے بارے میں برطانیہ سے بات چیت شروع ہوئی۔ 12/ دسمبر 1963 کو کینیا کو آزادی ملی۔ ساحلی علاقہ بھی کینیا کو واپس مل گیا۔ 1964 میں ایک پارٹی حکومت قائم ہوئی اور اس سال کینیا دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کے اندر ایک جمہوریہ بن گیا۔

آزادی سے پہلے ساری زمین اور ذرائع پیداوار پر سفید فاموں کا اور کچھ ایشیائیوں کا قبضہ تھا۔ آزادی کے بعد کچھ سفید فام تو اپنے زرعی فارم بیچ کر چلے گئے اور کافی زمینیں ان سے لے کر افریقی کسانوں کو تقسیم کر دی گئیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1963 سے 1968 تک ملک کی حدود کے سلسلے میں صومالی ڈیموکریٹک ریپبلک کے ساتھ تنازے چلتے رہے۔ تقریباً 70 فیصدی آبادی 1970 میں قحط سالی کا شکار ہوئی۔ 1978 میں کینیاٹا کے انتقال کے بعد ڈینیل آراپ موئی صدر بنا۔ اس نے ملک کی صنعتوں میں غیر افریقیوں کی ملازمت اور شرکت پر پابندی لگادی۔ لیکن جمہوریت پسندوں کے بھی معاشی حالات خراب ہونے کے نتیجے میں طلبا میں بے چینی بڑھی اور انھوں نے احتجاج کئے۔ 'موئی' نے 1980 کے بعد کے دہے میں صدر کی طاقت بڑھانے پر زور دیا۔ 1988 میں ملک کے سب سے زیادہ خراب فسادات ہوئے۔ 1991 میں مخالف جماعتوں کو بھی تسلیم کیا گیا۔

کینیڈا (Canada): کینیڈا ایک وفاقی پارلیمانی ملک ہے اور شمالی امریکہ کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، مشرق میں بحر اوقیانوس اور مغرب میں الاسکا اور بحر الکاہل واقع ہیں۔ شمال میں قطب شمالی واقع ہے اور دائرہ قطب شمالی کے علاقوں میں کئی بڑے اور چھوٹے جزیرے ہیں۔

کینیڈا کا رقبہ 9,976,128 مربع کلو میٹر (3,851,787 مربع میل) ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 27,296,856 ہے۔ جس میں انگریزی بولنے والے انگریز نسل کے 44.6 فیصدی، فرانسیسی نسل کے 28.7 اور دوسری یوروپین قوموں کے 23 فیصدی لوگ شامل ہیں۔ مقامی اسکیمو باشندے 1.4 فیصدی ہیں۔ صدر مقام اوٹاوہ (Ottawa) ہے۔ ملک کی آبادی کی 61 فیصدی کی مادری زبان انگریزی، 25 فیصدی کی فرانسیسی اور دوسری زبانوں والے 14 فیصدی ہیں۔ مذہب رومن کیتھولک عیسائی 46 فیصدی اور پروٹسٹنٹ 42 فیصدی ہیں۔ اقلیت میں دوسرے مذاہب والے بھی رہتے ہیں۔

کینیڈا کے مشرق اور مغرب میں بلند و بالا پہاڑوں کے سلسلے چلے گئے ہیں اور اندرونی حصوں میں وسیع میدان ہیں۔ یہ علاقے آب و ہوا، طبعی ہیئت اور ارضیاتی ساخت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مشرقی کینیڈا عام طور پر زیادہ بلند نہیں ہے۔ خلیج ہڈسن، کوہ رائل، نیاگرا، اور بڑی بڑی جھیلیں اس علاقہ میں واقع ہیں۔

مغربی علاقہ زیادہ بلند اور پہاڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں سے اکثر برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ وسطی حصہ میدانی ہے اور یہ سلسلہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے چلا آتا ہے۔ یہ برف پوش پہاڑوں اور خلیج ہڈسن کے درمیان واقع ہے اور قطب شمالی تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے اور گھنے جنگلوں اور کھلے گھاس کے میدانوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں امریکہ کے سات (7) قومی پارک ہیں۔

شمالی امریکہ کے سب سے بڑے اور اہم دریاؤں میں سے کئی کینیڈا میں ہیں۔ مشرق میں دریائے سینٹ لارنس ہے جو بڑے پیمانے پر تجارت اور حمل و نقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نہروں کی مدد سے بڑی جھیلوں کو بحر اوقیانوس سے ملا دیا گیا ہے۔ جنوب میں سینٹ فرانسس اور رشلیو دریا ہیں۔ جنوب مشرق کے تمام دریا خلیج ہڈسن میں گرتے ہیں۔ وسطی میدانوں میں کئی دریا ہیں۔ ان کے علاوہ کینیڈا میں بے حساب جھیلیں بھی ہیں۔ جہاں تک آب و ہوا کا تعلق ہے، اس میں بھی بڑا تنوع ہے۔ سب سے گرم علاقہ جنوب مغرب کا ہے۔ شمالی علاقہ بے حد سرد ہے۔ یہاں قطب شمالی کا موسم ملتا ہے۔

زراعت کینیڈا کی بنیادی صنعت ہے۔ بڑے پیمانے پر زرخیز میدان پھیلے ہوئے ہیں، سب سے زیادہ پیداوار گیہوں کی ہے۔ اس کے علاوہ بارلی، اوٹس، رائی، مکئی، تیل کے بیجوں اور تمباکو کی کاشت ہوتی ہے۔ جنگلوں سے بڑے پیمانے پر لکڑی، خاص طور پر ساگوان، حاصل کی جاتی ہے۔ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔

لوہے، نکل، ایلومنیم، سونا، اسبسطوس، یورانیم وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔ سیمنٹ، مصنوعی ربر، کاغذ، موٹروں، سمندری جہازوں وغیرہ کے کارخانے ہیں۔

برآمدات کا 22 فیصدی موٹر گاڑیاں، 7 فیصدی کچی دھاتیں، 6 فیصدی تیل، 11 فیصدی کاغذ کی لگدی اور کاغذ اور 5 فیصدی گیہوں ہیں۔ یہاں 36 لاکھ سے زیادہ ٹورسٹ ہر سال آتے ہیں۔

برآمدات زیادہ تر امریکہ کو جاتی ہیں جہاں 68 فیصدی مال جاتا ہے۔ اس کے بعد یوروپ کے ملکوں اور جاپان کو جاتی ہیں۔ درآمدات کا 69 فیصدی امریکہ سے اور 9 فیصدی یوروپ سے آتا ہے۔ رائج سکہ کینیڈائی (کینیڈین) ڈالر ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 2,371,558 نیز استادوں کی تعداد 154,698 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 2,292,735 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں (جن میں 45 جامعات شامل ہیں) 867,352 طالب علم تھے۔

تاریخ: 1000 سے لے کر 1600 تک یوروپ کے کئی ملکوں مثلاً اٹلی، فرانس، برطانیہ وغیرہ سے مختلف لوگ کینیڈا آتے رہے اور انھوں نے مقامی کینیڈین آبادی کے ساتھ تجارتی تعلقات بھی قائم کئے۔ بعض لوگوں نے بسنے کی بھی کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہے۔ پہلی مرتبہ یوروپ کے سفید فام یہاں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1605 میں آکر بسے۔ اور ایک مستقل بستی ڈی مونٹس اور ڈی چیمپلین کی سرکردگی میں قائم ہوئی۔ 1908 میں کیوبک میں ایک بستی بسائی گئی۔ اس کے بعد انگریز اور ڈچ آکر بسنے شروع ہوئے۔ اس کے بعد فرانس سے جیسوئیٹ (Jesuits) اور دوسرے فرقوں کے مشنری آنا شروع ہوئے اور انھوں نے کیوبک کے معاملات میں کافی اثر پیدا کرلیا۔ 1627 میں نیو فرانس نامی ایک کمپنی قائم کی گئی جو 1663 تک یہاں کے معاملات پر حاوی رہی۔ اس کے بعد سارا اختیار حکومت فرانس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ 1664 میں ایک کمپنی آف دی ویسٹ قائم کی۔ اسے فر (Fur) کی تجارت پر اجارہ داری دے دی گئی اور اس کی مدد سے شہنشاہ فرانس نے اس علاقہ میں اپنا اقتدار پھیلانے کی کوشش کی۔

اسی زمانے میں انگریز نیو انگلینڈ، نیو یارک اور ورجینیا میں اپنے قدم مضبوط کرنے لگے اس سے اور یوروپ کے سیاسی حالات کی وجہ سے، برطانیہ اور فرانس میں رقابت بڑھنے لگی اور فرانسیسیوں اور کینیڈین آبادی کے درمیان لڑائیاں ہونے لگیں۔ آخر کار 1763 کے معاہدے پیرس کی رو سے کینیڈا کا پورا علاقہ اور الگھینی (Alleghnies) اور مسسپی کے درمیان کا پورا علاقہ انگلستان کے قبضہ میں دے دیا گیا اور صرف نیو آرلینس کا شہر اور ضلع، فرانس کے قبضے میں رہا۔ 1760 سے 1764 تک کینیڈا کا پورا علاقہ فوجی کنٹرول میں رہا اور اس کے بعد ایک عارضی حکومت قائم کی گئی جو 1774 تک باقی رہی۔ اس سال برطانوی پارلیمنٹ نے ایک 'کیوبک قانون' منظور کیا جس کی رو سے کینیڈا کے فرانسیسی علاقے میں اس کے اپنے سول قانون اور اداروں کو تسلیم کرلیا گیا اور رومن کیتھولک باشندوں کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مذہبی فرائض بغیر کسی مداخلت کے پورے کر سکتے ہیں۔

1776 میں برطانیہ کے امریکی مقبوضات یا نو آبادیات (Colonies) نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور انقلابیوں نے کینیڈا کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ برطانیہ ہی کے وفادار رہے اور بہت سے لوگ جو برطانیہ کے وفادار تھے امریکہ چھوڑ کر کینیڈا چلے گئے۔

کینیڈا کے لوگ انگریزوں کے وفادار تو تھے لیکن اپنے معاملات وہ خود ہی طے کرنا چاہتے تھے، چنانچہ 1791 میں ایک آئین منظور ہوا جس سے کینیڈا میں ایک آئینی حکومت کی بنیاد پڑی اور ایک منتخبہ حکومت قائم ہوئی۔ ملک دو صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک بالائی اور دوسرا زیریں۔ بالائی صوبہ میں انگریزوں کی اکثریت تھی اور زیریں میں فرانسیسیوں کی۔ دونوں کے لیے بعد میں الگ الگ اسمبلیاں بھی چنی گئیں۔

1812 میں برطانیہ اور امریکہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں سے کئی کینیڈا کی سرزمین پر لڑی گئیں۔ شروع میں صوبائی اسمبلیوں کو کوئی اختیارات نہیں تھے۔ جب 1837 میں بغاوتیں ہوئیں تو پھر 1841 میں دونوں صوبوں کی ایک یونین بنائی گئی اور اسے مکمل خود مختاری دی گئی۔ 1867 میں کینیڈا ڈومینین بنا اور اس میں بعد میں کئی اور علاقے شامل کیے گئے۔

پہلی عالم گیر جنگ کے زمانے میں کینیڈا نے برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کا ساتھ دیا اور چار لاکھ سے زیادہ سپاہی لڑنے کے لیے بھیجے گئے۔ اس کے بعد کینیڈا نے ایک آزاد ملک کی حیثیت حاصل کرلی۔ صلح کے معاہدے پر دستخط کیے اور 1926 میں وہ لیگ آف نیشنز کا ممبر بنا اور پھر دوسرے ملکوں سے سفارتی تعلقات قائم کرنے شروع کیے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران بھی کینیڈا نے اتحادیوں کا ساتھ دیا اور اس کی بری، بحری اور ہوائی فوج نے لڑائی میں حصہ لیا۔

برطانیہ کی طرح کینیڈا میں بھی کنزرویٹو اور لبرل پارٹیاں باری باری سے وزارتیں بناتی رہیں۔ پچھلے چند سال سے فرانسیسی بولنے والی آبادی کے علاقہ میں علیحدگی کی تحریک ترقی پاتی رہی ہے اور اب یہ جذبہ عام ہوتا جارہا ہے کہ اس علاقے کو بقیہ کینیڈا سے الگ کر دیا جائے۔

کینیڈا 1949 میں 'ناٹو' کا ممبر بنا۔

1964 میں کینیڈا نے اپنا نیا قومی جھنڈا اپنایا۔

1968 میں 'ترودو' کی حکومت کے زمانے میں علیحدگی پسندی کی تحریک نے بہت زور پکڑا۔ 1984 تک 'ترودو' مختلف وقفوں کے ساتھ وزیرِ اعظم بنتا رہا۔ 1982 میں کینیڈا کی حکومت نے اپنے آپ کو برطانیہ کے اقتدار سے بالکل آزاد کر لیا۔

کینیڈا میں 1976 میں گرمائی اولمپک اور 1988 میں سرمائی اولمپک کھیل ہوئے۔

کینیڈین پیسفک ریلوے: یہ ریلوے لائن بحر اوقیانوس کے ساحل کو بحر الکاہل کے ساحل سے ملاتی ہے۔ اس کی وجہ سے لیورپول سے چین اور جاپان کے فاصلہ میں 1,200 میل کی کمی ہو جاتی ہے۔ یہ لائن وینکوور (Vancouver) سے نکل کر دریائے فریزر، دریائے تھامسن، کوہ راکیز کے درّے، ونی پیگ، فورٹ ولیم، اوٹاوا، مانٹریال، کوبیک اور سینٹ جانس ہوتی ہوئی ہیلی فیکس پہنچتی ہے۔ یہ لائن 3,500 میل لمبی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کیوبا (Cuba): سوشلسٹ جمہوریہ کیوبا ایک جزیرہ ہے۔ اسے اپنی زبان میں 'کوبا' تلفظ کرتے ہیں۔ غرب الہند کے جزیروں میں سب سے مغرب میں اور سب سے بڑا ہے۔ خلیج میکسیکو کے داخلے پر واقع ہے۔ اس کا مغربی حصہ امریکہ کی ریاست فلوریڈا کے مقام 'کی ویسٹ' سے جنوب میں صرف 145 کلو میٹر (90 میل) دور ہے۔ جنوبی ساحل بحیرہ کیریبین پر پھیلا ہوا ہے اور شمالی ساحل بحر اوقیانوس پر۔ مشرق میں ونڈ ورڈ چینل (Windward Channel) ہے جس کی دوسری جانب ہیٹی اور جمہوریہ ڈومی نیکن ہیں۔ ساحل اکثر جگہ دلدلی ہے۔ اس کا رقبہ 110,861 مربع کلو میٹر ہے۔ اس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی شامل ہیں۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 10,736,000 ہے۔ اس میں 72.8 فیصدی سفید فام، 12.4 فیصدی نیگرو اور 14.5 فیصدی نیگرو اور سفید فام کی ملی جلی نسلوں کے لوگ ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہوانا (Havana) ہے۔ زبان ہسپانوی ہے۔ کیوبا میں کئی چھوٹے چھوٹے دریا ہیں جن میں صرف کاٹو (Cauto) اہم ہے۔ تین پہاڑی سلسلے ہیں۔ مشرق میں سیرا میسترا (Sierra Maestra) کافی مشہور ہے۔ ان پہاڑوں میں لوہے، تانبے، نکل، مینگنیز اور کرومیم وغیرہ کے کافی بڑے ذخائر ہیں۔ ان کے ڈھلوانوں پر پھل اور ترکاریاں پیدا کی جاتی ہیں۔ وسطی کیوبا میں بڑے پیمانے پر گنے کی کاشت ہوتی ہے۔ پورے کیوبا کی معیشت کی بنیاد شکر کی صنعت پر ہے۔ گنے کے بعد اہم پیداوار تمباکو کی ہے۔ کیوبا کے بنے ہوئے سگار ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ چاول، مکئی، کساوا، کافی وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ سالانہ ڈیڑھ لاکھ ٹن تیل بھی نکلتا ہے۔

درآمدات کا 47 فیصدی روس سے اور بقیہ برطانیہ، جاپان اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے آتا ہے۔ برآمدات کا 36 فیصدی سوویت روس کو اور باقی جاپان، اسپین، جرمنی وغیرہ کو جاتا ہے۔ کل برآمدات کا 86 فیصدی حصہ شکر کا ہے اور بقیہ تمباکو اور نکل وغیرہ بھی برآمد کیے جاتے ہیں۔

رائج سکہ پیسو (Peso) ہے۔

1991 میں یہاں ابتدائی مدارس میں 917,889 طالب علم اور 14,078 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 912,165 طالب علم اور 95,696 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 242,434 طالب علم تھے۔

تاریخ: کیوبا کو کولمبس نے اپنے پہلے سفر کے دوران اکتوبر 1492 میں دریافت کیا تھا۔ 1511 میں ہسپانیوں نے یہاں اپنی نو آبادیاں بسانی شروع کیں۔ مقامی باشندوں کا، دوسرے لاطینی امریکی ملکوں کی طرح یہاں بھی یا تو صفایا کر دیا گیا یا پھر غلام بنا لیا گیا۔ سولھویں صدی میں اس علاقے کے ملکوں کی طرح یہاں بھی نیگرو غلام افریقہ سے پکڑ کر لائے گئے اور انھیں مقامی غلاموں کی جگہ لگایا گیا۔

1898 تک کیوبا ہسپانیہ کا مقبوضہ رہا۔ سترھویں صدی میں انگریز، فرانسیسی اور ڈچ اس پر حملے کرتے رہے۔ اور ہوانا میں فوجی قلعے بھی تعمیر کیے۔ انیسویں صدی میں غلاموں کی تجارت پر پابندی لگائی گئی۔ 1880 اور 1886 کے درمیان غلاموں کو آزادی ملی۔ 1868 اور 1878 کے درمیان کیوبا کی ہسپانیہ کے خلاف آزادی کی جنگ چلتی رہی۔ اس کے بعد 1895 میں پھر بغاوت ہوئی اور اس مرتبہ امریکہ نے مداخلت کی دھمکی دی اور اپنا جنگی جہاز مین (Maine) یہاں بھیج دیا۔ 15 فروری 1898 کو اس جہاز کے غرقاب ہو جانے پر امریکہ اور اسپین میں جنگ چھڑ گئی۔ 1898 میں پیرس معاہدے کے تحت اسپین نے کیوبا پر سے اپنا اقتدار ختم کر دیا اور اس کی جگہ 1989 سے 1901 تک اس پر امریکی قبضہ رہا۔ 1902 میں کیوبا کو آزادی مل گئی اور وہ ایک جمہوریہ بن گیا۔ لیکن بیرونی تعلقات پر امریکہ کا کنٹرول رہا۔ 1906 میں جب کیوبا کے صدر کے خلاف بغاوت ہوئی تو امریکہ نے پھر مداخلت کی اور دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا جو 1909 تک باقی رہا۔ اس کے بعد دوبارہ سے جمہوریہ قائم ہو گئی اور کیوبا ایک طرح سے امریکہ کی کالونی یا مقبوضہ بنا رہا۔ جنگِ عظیم کے دوران کیوبا کو شکر کی وجہ سے بہت آمدنی ہوئی۔ اس کے بعد سیاحتی (ٹورسٹ تجارت) بہت بڑھی، لیکن اس سے سارا فائدہ امریکی سرمایہ کاروں یا مٹھی بھر مقامی مالدار لوگوں کو ہی ہوا۔

1933 میں بتستا (Batista) کیوبا کا صدر بنا۔ اس نے ظلم و تشدد، رشوت ستانی اور بد نظمی کا ایک ایسا دور شروع کیا کہ جنوبی امریکہ کے دوسرے تمام ڈکٹیٹروں کو مات کر دیا۔ اس نے کیوبا کے ہر طبقے میں نفرت کی آگ بھڑکا دی۔ جولائی 1953 میں جنرل کاسترو کی سرکردگی میں مسلح جدوجہد کی ابتدا ہوئی اور آہستہ آہستہ یہ ایک قومی تحریک بن گئی جس کے اطراف تمام طبقوں کے لوگ اکٹھا ہو گئے اور آخرکار سیاہ رات ختم ہو گئی اور جنوری 1959 میں انقلابی لوگ فیڈل کاسترو کی سرکردگی میں ہوانا میں داخل ہوئے اور بتستا بھاگ کھڑا ہوا۔

فیڈل کاسترو نے آتے ہی زمین پر سے مٹھی بھر لوگوں کی اجارہ داری ختم کر دی اور زمین کسانوں میں بانٹ دی۔ تمام بیرونی سرمایہ قومی ملکیت بنا دیا گیا اور فیڈل کاسترو عوام کا ہیرو بن گیا۔ یہ مقبولیت آج تک باقی ہے۔ مالدار لوگ، رشوت خور اور ظالم افسروں نے بھاگ کر امریکہ میں پناہ لی اور 1961 میں امریکہ نے کیوبا پر حملہ کیا۔ اس حملے کو پوری طرح کچل دیا گیا۔ اس لیے کہ اس کی تائید میں کیوبا میں کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔ امریکہ نے انقلاب کے بعد ہی سے کیوبا کی ناکہ بندی کر دی تھی اور اب یہ مزید سخت کر دی۔ امریکی بحری اڈہ کیوبا میں آج تک باقی

ہے۔ روس (سوویت یونین) اور سوشلسٹ ملکوں کی مدد سے کیوبا آج تک اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ امریکہ کو برابر یہ ڈر رہا ہے کہ سوشلزم کی لہر جنوبی امریکہ کے دوسرے ڈکٹیٹروں کو بھی نہ الٹ دے اور امریکہ کا اربوں ڈالروں کا لگایا ہوا سرمایہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔

1962 میں محض اس وجہ سے کہ کیوبا میں روس نے میزائیل رکھے ہیں سخت بحران پیدا کر دیا گیا اور عالمی جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ امریکہ نے کیوبا کی بحری ناکہ بندی کر دی۔ آخر کار سوویت یونین اور امریکہ کے معاہدے کے ذریعے یہ خطرہ ٹل گیا۔ سوویت یونین نے میزائیل ہٹا لیے اور امریکہ نے سوویت یونین کے اطراف ترکی سے اپنے میزائیل ہٹا لیے۔

ان تمام مشکلات اور دباؤ کے باوجود کیوبا برابر ترقی کرتا رہا ہے۔ حال میں وہاں نیا آئین نافذ ہوا ہے۔ اور اس کے تحت انتخابات کرائے گئے ہیں اور یہ بات اس کے سب بڑے مخالف بھی جانتے ہیں کہ فیڈل کاسٹرو کو عوام میں اسی طرح کی مقبولیت حاصل ہے۔

حال ہی میں کیوبا نے بین الاقوامی سطح پر بھی اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ خاص طور پر انگولا، ایتھیوپیا، زمبابوے وغیرہ کی جنگِ آزادی میں عملی مدد دے کر اس نے اپنا مقام بنا لیا ہے۔

کیوٹو: جاپان کے جزیرہ ہانشو میں یہ کیوٹو کے بلدی ضلع کا صدر مقام ہے جو کبھی جزائر جاپان کا دارالحکومت تھا۔ جاپانی تمدن اور قدیم دستکاریوں کا مرکز ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یہاں بڑے پیمانہ کی صنعتوں کو کافی فروغ ہوا ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 1,419,165 تھی۔

اس شہر کی بنیاد آٹھویں صدی میں پڑی۔ اس وقت اس کا نام اودا تھا۔ 794 میں یہ جاپان کا صدر مقام بنا۔ بدھ مت کا اس پر زبردست اثر تھا۔ 1192 تک اس کی اہمیت کافی گھٹ گئی تھی اور ٹوکیو کا اثر بڑھ رہا تھا۔ 1868 میں ٹوکیو باقاعدہ طور پر جاپان کا صدر مقام بنا۔ یہاں قدیم دور کے کئی نہایت عالی شان اور خوبصورت مندر ہیں اور پیتل کے مجسموں اور پیکر سازی، چینی اور لاکھ کے برتنوں کے نایاب خزانے محفوظ ہیں۔ یہاں مہاتما بدھ کا 59 فٹ اونچا مجسمہ بہت مشہور ہے۔ قدیم جاپانی بادشاہوں کے مقبرے اور محل اور ان کے اطراف باغ و باغیچے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ ایک اہم تعلیمی مرکز بھی ہے۔ کئی یونیورسٹیاں اور کالج یہاں موجود ہیں۔

کیورائل: سکھالین (سخالین) کے انتظامی خطہ میں یہ 56 جزائر کا ایک سلسلہ روس کے زیر اقتدار ہے۔ یہ جزیرہ نما "کمچٹکا" کے جنوبی سرے سے "ہوکیڈو" (جاپان) کے شمالی کونے تک پھیلا ہوا ہے، اس کا رقبہ چھ ہزار مربع میل ہے۔ اس سلسلہ نے بحیرۂ اوکھٹسک کو بحر الکاہل سے جدا کر دیا ہے۔ ان جزیروں میں تقریباً ایک سو آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ ان میں سے 38 میں سے آج بھی لاوا نکلتا ہے۔ جگہ جگہ گرم پانی کے چشمے ہیں۔

کیوشو: جاپان کا جنوبی جزیرہ ہے۔ اس کے حاشیہ پر بحیرۂ مشرقی چین اور بحر الکاہل پھیلے ہوئے ہیں۔ آبنائے شیمونوسیکی نے اسے جزیرہ ہونشو سے جدا کر دیا ہے۔ اس کا رقبہ 16,225 مربع میل ہے۔ وسطی حصہ میں آتش فشاں پہاڑوں کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا آتش فشانی کاسہ ماؤنٹ ازو اور گرم پانی کے چشموں کی تفریح گاہ بیپو یہیں واقع ہے۔ ناگاساکی، کیوشو، فوکوکا اور ناگاساکی اہم صنعتی شہر ہیں۔

کیون لن: وسط ایشیا کا یہ وسیع پہاڑی سلسلہ تبت کی بلند سطح مرتفع کی شمالی سرحد پر تقریباً 1,675 میل تک پھیلا ہوا ہے۔

کیونجھار: یہ اڑیسہ میں خام لوہے اور مینگنیز کے ذخیروں کے لیے اہم ہے۔ یہاں بمقام بار بل کنگ لوہے کا کارخانہ قائم کیا گیا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ق

قاہرہ: جمہوریہ مصر کا صدر مقام ہے۔ القاہرہ کہلاتا ہے۔ بعض دیہاتی مصری اسے المصر بھی کہتے ہیں۔ یہ افریقہ کا سب سے بڑا اور دنیا کا آٹھویں نمبر کا شہر ہے۔ آبادی تقریباً 70 لاکھ ہے۔ دریائے نیل کے ڈیلٹا پر واقع ہے۔ آب و ہوا ریگستانی ہے۔ گرمیوں میں دن کے وقت کی حرارت 90° سے 110° (ف) تک اور جاڑوں میں یہ 65° اور 75° (ف) کے درمیان رہتی ہے۔ قاہرہ تضادات کی مکمل تصویر ہے۔ ایک طرف دریا کے کنارے کنارے پارک، سرسبز و شاداب باغات، اونچے اونچے پام کے درخت ہیں تو شہر کا بیرونی حصہ ریگستانی علاقے میں واقع ہے۔ ہر ایک طرف بلند و بالا کئی کئی منزلہ جدید عمارتیں ہیں تو دوسری طرف اہرام مصر اور ممفس کے قدیم ترین شہر کے آثار۔ ایک طرف وسیع شاہراہیں اور جدید وضع کے بازار ہیں تو دوسری طرف شہر کے پرانے حصے میں تنگ و تاریک گلیاں اور ان میں نہایت قدیم طرز کے بازار۔ ایک طرف جدید طرز کے تھیٹر، آپرا ہاؤس، عجائب گھر، ہوٹل وغیرہ ہیں تو دوسری طرف رومن دور سے لے کر عرب اور ترکی حکومتوں کے عہد کی عمارتیں، فصیلیں، مسجدیں اور مقبرے ہیں۔ لباس میں جدید ترین مغربی طرز بھی ملتا ہے اور صدیوں پرانے جھول دار لبادے بھی۔

آبادی میں رنگ برنگ کے لوگ ملتے ہیں، عربوں کے علاوہ افریقیوں، ترکوں، یونانیوں، اطالیوں اور آرمینیوں کی بھی کافی تعداد ہے۔ جدید بازاروں میں بہت سی دکانیں، ہوٹل وغیرہ یونانیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

قاہرہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ 5 ہزار سال پہلے موجودہ قاہرہ سے 14 میل دور فراعین نے ایک شاندار شہر ممفس تعمیر کیا تھا۔ اس شہر کے محلوں، عبادت گاہوں، اہرام وغیرہ کے آثار آج تک موجود ہیں۔ 2 ہزار سال قبل تقریباً اسی مقام پر جہاں اس وقت قاہرہ ہے رومن حکمرانوں نے ایک شہر تعمیر کیا تھا جس کا نام بے بی لون (Babylon) تھا اور جو اب مصر القدیمہ کہلاتا ہے۔ رومن عہد کی فصیلوں کا کافی حصہ اب بھی موجود ہے۔ اسی علاقہ میں سینکڑوں سال پرانی یہودی بستیاں اور حضرت عیسیٰ کے عین بعد کے عیسائی کلیسا آج بھی موجود ہیں۔

641 میں حضرت عمرو ابن العاص کی سرکردگی میں عرب مسلمانوں نے مصر فتح کیا تو اُسی مقام پر ایک نئے شہر الفسطاط کی بنیاد رکھی جہاں رومن شہر تھا۔ یہاں مسجد عمرابن العاص اسی طرح موجود ہے۔ بعد کے خلفا نے اس میں نئے نئے محلے تعمیر کیے، مثلاً خلفا بنی امیہ نے 705 میں محلہ العسکر بسایا اور 870 میں ابن طولون نے محلہ القتائی کی بنیاد رکھی۔ یہاں ابن طولون کی مسجد آج تک موجود ہے اور ساری دنیا میں مشہور ہے۔

969 میں فاطمین نے تیونس سے حملہ کر کے مصر پر قبضہ کیا اور الفسطاط کے قریب ہی ایک نیا شہر آباد کیا اور اسے فصیل سے گھیر لیا۔ شروع میں اس کا نام المنصوریہ رکھا۔ اس کے بعد 74-973 میں فاطمی خلیفہ المعز نے اسے فاطمی سلطنت کا دارالخلافہ بنایا تو المنصوریہ کا نام بدل کر القاہرہ رکھ دیا۔ یہاں فاطمین کی دو سو سال تک حکومت رہی۔ اس دور میں الفسطاط بھی باقی رہا۔ 1168 میں جب یورپ کی صلیبی طاقتوں نے قاہرہ کی طرف رخ کیا تو اسے بچانے کے لیے الفسطاط کو آگ لگا دی گئی لیکن آخر میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے سیریا (شام) سے بڑھ کر صلیبیوں کو شکست دی، سلطنت ایوبی کی بنیاد رکھی اور القاہرہ کو اس کا صدر مقام بنایا۔

صلاح الدین نے اگرچہ فسطاط کے بعض حصوں کو پھر سے تعمیر کروایا لیکن اصل شاہی مرکز قاہرہ رہا۔ اس نے اس میں اطراف کے علاقے بھی ملا لیے۔ مقطمہ کی پہاڑی پر ایک قلعہ تعمیر کروایا اور شہر کے اطراف ایک وسیع فصیل بھی بنوائی۔ قلعہ اور فصیل اب بھی باقی ہیں۔ قلعہ سے ملی ہوئی ایک نہایت عالی شان مسجد بھی موجود ہے جو بعد میں محمد علی پاشا نے بنوائی تھی۔

1260 میں بابیار اول نے مملوک سلطنت کی بنیاد رکھی اور قاہرہ کو اس کا دارالسلطنت بنایا۔ اس خاندان کی حکومت 1516 تک قائم رہی۔ مملوک عہد میں قاہرہ نے زبردست ترقی کی۔ 1340 تک یہاں کی آبادی 5 لاکھ تک پہنچ چکی تھی اور افریقہ، یورپ اور مغربی ایشیا کا یہ سب سے بڑا شہر بن چکا تھا۔ مشرق اور مغرب کی تجارت میں، خاص طور پر مصالحوں کی تجارت میں، اسے مرکزی حیثیت حاصل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

تھی۔ کئی ریاستیں اس کی باج گزار تھیں۔ قاہرہ کی اعلیٰ پایہ کی قدیم عمارتیں اسی دور میں تعمیر ہوئیں۔ جامعہ الازہر اسی زمانہ میں اسلامی تعلیم کا ایک بہت بڑا مرکز بنی۔

ترقی کے ساتھ تباہی بھی اسی تیزی سے آئی۔ 1348 کے قریب زبردست طاعون پھیلا اور ہزاروں لوگ مر گئے یا شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ 1400 میں تیمور نے اس کے مشرقی حصہ کو تباہ و تاراج کر دیا۔ واسکوڈی گاما نے 1498 میں مشرق اور ہندوستان کا سمندری راستہ دریافت کر کے مصالحہ کی تجارت پر مصر کی اجارہ داری ختم کر دی۔ 1517 میں عثمانی ترکوں نے ملوک کی حکمرانی ختم کر کے قاہرہ کی خود مختاری اور عظمت ختم کر دی اور یہ صرف ایک صوبہ کا مستقر بن کر رہ گیا۔ 1798 میں جب نپولین یہاں پہنچا تو قاہرہ کی آبادی صرف تین لاکھ رہ گئی تھی اور صرف دو محلے مصر القدیم اور بلاق باقی رہ گئے تھے۔ 1801 میں نپولین کو شکست ہوئی اور البانوی فوجی دستے کے ایک کمانڈر محمد علی پاشا نے مصر پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور اس خاندان کی حکومت 1952 تک رہی جب ناصر اور ان کے ساتھیوں نے فوجی انقلاب کے ذریعہ اس کا تختہ الٹ دیا۔ انیسویں صدی سے قاہرہ کی نئے سرے سے تعمیر شروع ہوئی اور بڑے پیمانے پر مغربی طرز کی عمارتیں بننے لگیں۔ ازبکیہ، عابدین، اسمٰعیلیہ وغیرہ جیسے نئے نئے محلے تعمیر ہوئے۔ 1882 سے قاہرہ پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوا اور برطانوی نوآبادیات کی طرح یہاں بھی برطانوی طرز کی عمارتیں بننے لگیں اور آج قاہرہ میں مختلف طرز کی عمارتیں نظر آتی ہیں۔

1952 کے انقلاب کے بعد، جمال عبدالناصر کے دور میں نہ صرف مصر اور قاہرہ نے مکمل آزادی حاصل کی بلکہ ہر میدان میں ترقی ہوئی۔ شہر کا ایک بہت بڑا محلہ النصر تعمیر ہوا جس کی آبادی تین لاکھ ہے۔ شہر کے اطراف غریبوں اور مزدوروں کے لیے بے شمار رہائشی مکانات بنائے گئے۔ لاتعداد ہوٹل اور دوسری عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم عام کی گئی۔ بے شمار اسکول اور کالج اور کئی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں جن میں مصری طالب علموں کے علاوہ دوسرے عرب ملکوں اور افریقی ملکوں کے طلبا کافی تعداد میں استفادہ کرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں عوامی فنون (فوک آرٹ)، بیلے، آپیرا، تھیٹر اور فلم سازی وغیرہ کی زبردست پیمانہ پر سرپرستی کی گئی اور ان فنون کو ترقی دی گئی۔ آج قاہرہ کو مغربی ایشیا اور افریقہ کی تہذیبی زندگی میں اہم مقام حاصل ہے۔

پچھلے برسوں میں قاہرہ میں عہد فراعین کے محلوں اور عبادت گاہوں کی کھدائی سے بے شمار قدیم نوادر ملے ہیں جو ایک عجائب گھر میں رکھے گئے ہیں۔ یہ دنیا کے مشہور ترین عجائب گھروں میں سے ہے۔ اس کے علاوہ عہد اسلامی اور مصر القدیمہ کے عجائب خانے اور قبطی عجائب گھر بھی بہت مشہور ہیں۔

ناصر کے دور میں قاہرہ نے معاشی اور صنعتی طور پر بھی زبردست ترقی کی۔ دست کاری، لوہے، فولاد، سیمنٹ، کپڑے، انجینئری اور دفاعی سامان کی تیاری کے بڑے بڑے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔

قدرتی خطے: کرہ ارض کے وہ تمام علاقے جہاں آب و ہوا، نباتات، پیداوار اور حیوانات کی یکسانیت کے ساتھ انسانی کاروبار اور طرز زندگی میں بھی مطابقت، ہم آہنگی اور یکسانیت ہے، ایک قدرتی خطہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ ایک خطہ کے تمام علاقوں کا ایک ہی براعظم میں یا یکساں دوائر عرض البلد میں واقع ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ہر قدرتی خطہ کی حدود پر حالات یک لخت نہیں بدلتے۔ تغیرات تدریجی ہوتے ہیں۔ ایک ہی خطہ میں جگہ جگہ طبعی حالات کے اختلافات کے باعث مقامی تبدیلیاں بھی سامنے آتی ہیں۔ دنیا کے اہم قدرتی خطے بارہ ہیں۔ انھیں بعض اوقات آب و ہوا کے خطے بھی کہا جاتا ہے۔

قدرتی گیس: قدرتی گیس پٹرولیم کے ذخائر کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ گیس ہائیڈروکاربن کے مرکبات سے بنی ہوتی ہے۔ ایندھن کی صورت میں اس کا استعمال بہت مقبول ہو گیا ہے۔

قدرتی گیس کا تیل کے چشموں کے ساتھ وابستہ ہونا لازمی ہے جبکہ تیل کے چشمے قدرتی گیس کے بغیر بھی پائے جاتے ہیں۔

قدموں کا پیمانہ: یہ ایک قسم کا تقابلی پیمانہ ہے جس میں خط مستقیم کے اساسی اور ثانوی حصوں پر ایک طرف وقت اور دوسری طرف قدم یا ان سے ظاہر ہونے والے فاصلے دکھا دیئے جاتے ہیں۔ اسے رفتار کا پیمانہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ (دیکھیے خطی پیمانہ)

قدیم عہدی تپش (Palaeotemperature): (الف) وہ تپش جس پر ماضی میں کوئی ارضیاتی عمل ہوا ہو۔ مثلاً کایا بدلیت (Metamorphism) کے دوران کسی خاص جماد کی بناوٹ۔ (ب) کسی علاقے کی قدیم عہد کی آب و ہوا پر منحصر تپش جو کسی خاص ارضیاتی وقت میں رہی ہو۔ اول الذکر حالت میں بھی اس تپش کو معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ لیکن قدیم عہدی آب و ہوا کی تپش معلوم کرنے کے دو اہم طریقے ہیں۔

(1) آکسیجن کا تابکار آئسوٹوپی تناسب (Isotopic Ratio): سمندری پانی میں عام آکسیجن (آکسیجن 16۔ O^{16}) کے علاوہ اس کا ایک

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

آئسوٹوپ آکسیجن 18 (O^{18}) بھی موجود ہوتا ہے اور ان دونوں آئسوٹوپوں کا تناسب تپش پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ تناسب اس دور کے سمندری جانوروں کے خولوں میں بھی ناپا جاسکتا ہے خصوصاً بیلمنائٹ (Belemnite) جانوروں کے خولوں سے ان آئسوٹوپوں کے تناسب کی پیمائش سے درجہ تپش معلوم کرنے کی کوششوں کے نتائج امید افزا رہے ہیں۔

(2) قلیل ترین عناصر (Trace Element): قلیل ترین عناصر کے ذریعے بھی قدیم عہد کی تپش معلوم کی جاسکتی ہے کیونکہ ان کی مقدار اکثر تپش پر منحصر ہوتی ہے۔ مثلاً میگنیٹائٹ (Magnetite) میں ٹائٹینیم (Titanium) اور بایوٹائٹ (Biotite) میں اسکنڈیم (Scandium) کی موجودگی۔ کسی چٹان میں ان جمادات سے ان عناصر کو علیحدہ کرکے تپش کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔

قدیم عہدی جغرافیائی نقشہ (Palaeogeographic Map): وہ نقشہ جس میں قدیم بحری اور بری تقسیم دکھائی جائے۔

قدیم عہدی جغرافیہ (Palaeogeography): قدیم بحری اور بری تقسیم کا مطالعہ۔

قدیم عہدی موسمیات (Palaeoclimatology): ارضیاتی طور پر قدیم زمانوں کی آب و ہوا کا مطالعہ۔

قدیم عہدی یا قدیم ارضی مقناطیسیت (Palaeomag-netism): ماہر طبیعیات خوب جانتے ہیں کہ مقناطیسی قطبین وقت کے گزرنے کے ساتھ اپنا موقف بدلتے رہتے ہیں۔ مقناطیسی قوت اور مقناطیسی قطبین کی تبدیلیوں کے ارضیاتی وقت کے پس منظر میں مطالعے، ارضیات کی خود ایک بہت پیچیدہ اور وسیع شاخ ہے۔ جس کو قدیم عہدی ارضی مقناطیسیت (Palaeogeomagnetism) بھی کہتے ہیں۔

سبھی حجرات میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ زمین کے مقناطیسی میدان میں متاثر ہوکر اپنے اجزائے ترکیبی میں دھاتوں کی کمی یا بیشی کے مطابق کم یا اعلیٰ درجہ کی مقناطیسیت حاصل کرلیتے ہیں۔ پگھلے ہوئے حجرات کے مادے سے بننے والے آتشی حجرات ہوں یا کایا بدل حجرات اور یا رسوبی حجرات ان سب حجرات میں اس دور کی مقناطیسیت ماخوذ اور محفوظ رہتی ہے، جس زمانے میں وہ معرض وجود میں آئے تھے۔ قدیم سے لے کر جدید حجرات میں بھی اس طرح کی مقناطیسیت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

کروڑوں بلکہ اربوں سال قدیم حجرات کے نمونوں کو مقناطیسیت پیما (Magnetometer) جیسے آلوں کی مدد سے جب جانچا جاتا ہے تو اس زمانے کی زمین کا مقناطیسی اثر ہلکا ہی سہی مگر ظاہر ضرور ہوتا ہے۔ اس طرح ارضی مقناطیس کے باقیات کو جو حجرات میں محفوظ رہتے ہیں قدیم عہدی یا قدیم ارضی مقناطیسیت کہا جاتا ہے۔

قدیم ارضی مقناطیسیت کے گہرے، تفصیلی اور وسیع مطالعوں سے زمین کی 4 ارب سال کی تاریخ کے دوران زمینی مقناطیسی خواص میں تبدیلیوں کا پتہ لگایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے مختلف حصوں میں خشکی والے یا سمندری علاقوں کی تقسیم کیا تھی، آب و ہوا کیسی تھی اور یہ کہ طبیعی ماحول کیسا تھا۔

قدیم ارضی مقناطیسیت کے ان مطالعوں سے براعظموں کے بکھراؤ کے نظریہ کو زبردست تقویت ملی ہے۔

قراقم: ترکمانیہ کا یہ وسیع اور پست و بالا ریگستان پسکی بھی کہلاتا ہے۔ سری کامش کے نشیب اور "جیحون" کی وادی سے یہ جنوب مشرق میں افغانستان کی سرحد کی طرف اور جنوب میں کوپٹ داغ (کوپے داگ) کے پہاڑوں کی جانب پھیلا ہوا ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ جمہوریہ ترکمانستان میں ہے۔ اس کا رقبہ 115,830 مربع میل ہے۔ ڈھلان مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ موسم بہار میں یہ علاقہ کچھ سرسبز ہوجاتا ہے۔ اس میں کئی جگہ بھیڑوں کی مستقل چراگاہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس علاقہ کی آبادی زیادہ تر نیم خانہ بدوش ہے۔ یہ لوگ بکریاں، اونٹ اور قراقل پالتے ہیں۔ نخلستانوں میں روئی کی کاشت کی جاتی ہے۔ اب آمو دریا سے نہر نکال کر کافی علاقہ زرخیز بنایا جارہا ہے۔

قزاخستان: قزاخستان وسطی ایشیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے۔ نومبر 1991 سے یہ ایک خود مختار ملک ہے۔ اس کے شمال میں روس کا سائبیریائی علاقہ، مشرق میں چین، جنوب میں "کرغیزیا"، ازبکستان اور ترکمانستان کے علاقے اور مغرب میں بحیرۂ کیسپین اور روس کا والگا کا علاقہ واقع ہیں۔ رقبہ 2,717,000 مربع کلومیٹر (1,049,000 مربع میل) ہے۔ 1989 کے تخمینہ کے مطابق کل آبادی 16,464,464 ہے۔ بیشتر علاقہ پر سطح مرتفع کا پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ پہاڑی حصہ کی سب سے اونچی چوٹی "خان ٹنگری" سطح سمندر سے 22,944 فٹ (6,995 میٹر) بلند ہے۔ ایشیا کا پست ترین مقام جو سطح سمندر سے 433 فٹ (132 میٹر) نیچا ہے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

"کراچیے" کے نشیب میں واقع ہے۔ آب و ہوا شدید براعظمی ہے۔ اندرون ملک خام مال کی فراہمی کا اہم علاقہ ہے۔ معدنیات بکثرت ملتی ہیں۔ صنعت اور زراعت کو کافی فروغ ہوا ہے۔ 460,000,000 ایکڑ زمین قابل کاشت ہے۔ "الما آتا" اس کا صدر مقام ہے۔

قسطنطنیہ: دیکھیے "استنبول"

قعری حجرات (بیتھولتھ یا بیتھی لتھ) (Batholith or Bathylith): عام طور پر گرینائٹی (Granitic) ترکیب کے وسیع آتشی دخولی حجرات قعری حجرات ہوتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پر ان کی تعریف میں اختلافات ہیں مگر اکثر ماہرین حجریات اور ارضیات اس پر متفق ہیں کہ ان دخولوں کا حجم بے حد زیادہ ہوتا ہے اور یہ اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ ان کی تہہ (Bottom) نظر نہیں آتی۔ ایسے متداخل حجرات عام طور پر کوہ سازی والے منطقوں میں پائے جاتے ہیں۔

اکثر قعری حجرات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کے دخول نے مقامی حجرات میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ کچھ ایسے اجسام ساختنی طور پر بھی داخل شدہ (Tectonically Emplaced) ہو سکتے ہیں۔ عام طور پر قعری حجرات میں جماد کاری (Mineralization) بھی ہوتی ہے اور نمایاں کایا بدلی ہالہ بھی۔

قلات: یہ بلوچستان (پاکستان) کا شہر، ضلع اور ڈویژن ہے۔ اسے اکثر قلات بلوچ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ افغانستان میں بھی اسی نام کا ایک شہر ہے۔ جو قلات غزائی کہلاتا ہے۔ قلات بلوچ چھوٹا چلو فروشی کا مرکز ہے۔ کوئٹہ، پسنی اور کراچی سے اسے بذریعہ ریل ملا دیا گیا ہے۔ قدیم آباد علاقہ 1935 کے زلزلہ میں جزوی طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ شہر کی آبادی 11,600 ہے۔

قلموں کا اجتماع (Crystal Aggregates): جب دو یا زیادہ جمادات کے قلم ملے ہوئے ہوں تو ان کو قلمی مجموعے کہتے ہیں۔ اگر جماد کے کئی دانے مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں تو اس وقت اس کو قلمیائی مجموعے کہا جاتا ہے۔ اگر یہ قلمی مجموعے ایک ہی جماد کے ہوں تو ان کو متجانس مجموعے کہا جاتا ہے اس کی بہترین مثال کلویا کوارٹز ہے۔ اگر مجموعے میں دو یا دو سے زیادہ جماد ہوں تو اس کو غیر متجانس مجموعے کہا جاتا ہے اس کی بہترین مثالیں پرتھائیٹ (Perthite) اور انسٹیٹائٹ (Enstatite) ہیں۔

قلمی سطح پھسلاؤ: جماداتی قلموں میں ایسے پہلوؤں پر جن پر میکانی قوت یا دباؤ کے باعث سالماتی پھسلاؤ ہوتا ہے، ان کی سطح پر یہ عمل قلمی سطح پھسلاؤ کہلاتا ہے۔ یہ پھسلاؤ عموماً ترکیدگی کی سطحوں سے متوازی ہوتا ہے اور بہت زیادہ ترکیدگی کی سمت سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔ ابرق کی تمام قسموں میں اس قسم کی پھسلاؤ سطحیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

قلمی محور: جمادات جو قدرتی حالت میں پائی جاتی ہیں وہ قلمی یا غیر قلمی شکلوں میں ہوتی ہیں۔ جو جمادات قلمی شکل کی ہوتی ہیں وہ بعض ضابطوں اور قانون کی پابند ہوتی ہیں۔ قلموں کے مطالعے میں یہ ضروری ہے کہ کچھ ضابطے بنائے جائیں اور ان ہی ضابطوں کی بنیاد پر کسی قلم سے خطوط کھینچے جائیں تو ان کی تین سمتیں ہوں گی (1) طولی۔ (2) عرضی۔ (3) عمودی۔

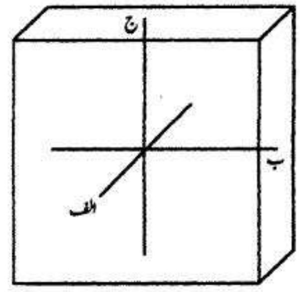

قلمی محور

قلمی محور بھی طولی (الف محور)، عرضی (ب محور) اور عمودی (ج محور) ہوتے ہیں اور کسی قلمی محور کے مطالعے کے لیے ان قلمی محوروں کا تعین کر لینا بہت ضروری ہے اور ان کے بغیر قلموں کا مطالعہ قطعاً ناممکن ہے اور دنیا بھر میں محور اسی طرح متعین اور قبول کر لیے گئے ہیں۔

قلمیں، ہم رخی (Isotropic Crystals): مکعبی نظام سے متعلقہ تمام قلموں میں روشنی کا لحاظ کرتے ہوئے تمام رخوں یا سمتوں میں روشنی کی "او" شعاع اور "وائی" شعاع ایک ہی رفتار سے گزرتی ہیں یعنی ذو انعطاف نہیں ہوتیں۔ ان کی اس خصوصیت کے باعث جب ان قلموں میں سے روشنی گزاری

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جاتی ہے تو روشنی تمام رخوں میں سے ایک ہی رفتار سے گزرتی ہے، جب تک کہ اس کے سالماتی توازن میں بیرونی دباؤ یا داخلی دباؤ خلل انداز نہ ہو۔ ان کی رفتار متاثر نہیں ہوتی، اس کے باعث قلمیں سیاہ یا کالی نظر آتی ہیں۔ ایسی قلمیں ہم رخی یا "آیسوٹراپک قلمیں" کہلاتی ہیں۔

قندہار: یہ افغانستان کا دوسرے نمبر کا بڑا تجارتی شہر اور صوبہ قندہار کا صدر مقام ہے۔ کابل کے جنوب مغرب میں 320 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے 3,300 فٹ بلند ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 2.3 لاکھ ہے۔ پہاڑی دامن زیادہ آباد ہے۔ پٹھان اور دُرّانی زیادہ بسے ہوئے ہیں۔ پرانے گھنے آباد شہر کے مغرب میں نیا قندہار بس گیا ہے۔ احمد شاہ کا مقبرہ قابل دید ہے۔ ہرات سے ہندوستان اور پاکستان کی طرف جانے والے راستہ پر واقع ہونے کے سبب قندہار کافی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک پختہ سڑک اسے کوئٹہ سے بھی ملاتی ہے۔ 1960 میں یہاں روسی حکومت کی اعانت سے ایک بین الاقوامی ہوائی اڈہ تعمیر کیا گیا تھا۔ پھلوں کی کثیر مقدار باہر بھیجی جاتی ہے۔ ان میں انگور اور انار زیادہ اہم ہیں۔ یہ ایک قدیم شہر ہے۔ اٹھارہویں صدی میں چند سال یہ افغانستان کا صدر مقام بھی رہا۔ 1839 میں انگریزوں نے ہندوستان سے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ چالیس سال تک ان کے پاس رہا۔

قنوج: یہ شہر اتر پردیش میں دریائے گنگا پر واقع ہے۔ یہ عطر سازی کے لیے مشہور ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ راجا ہرش وردھن کی سلطنت کی راجدھانی تھا۔

قوسی جزیرے: یہ جزائر کا ایسا طویل زنجیری سلسلہ ہے جو لازمی طور پر مدوری یا قوسی ہوتے ہیں۔ اپنی قوسی شکل (Arcuate Shape) کی وجہ سے انھیں قوسی جزیرے کہا جاتا ہے۔ قوسی جزیرے بحرالکاہل کے مغربی کنارے اور ایشیا کے مشرقی ساحل کے درمیان بہت نمایاں طور پر موجود ہیں۔ جن میں جاپان، فلپائن، انڈونیشیا، ملایا، جاوا، ساٹرا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں پائے جانے والے یہ جزیرے قوسی جزیرے کہلاتے ہیں۔ قوسی جزیروں کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(1) قوسی جزیرے، گہرے زلزلوں کے منطقوں سے وابستہ ہیں۔

(2) یہ آتش فشانی حجرات پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں فعال آتش فشاں آج بھی موجود ہوں۔

(3) قوسی جزیرے بڑی گہرائیوں کی بحری خندقوں (Submarine Trenches) سے منسلک ہوتے ہیں۔

(4) بحری خندقیں، قوسی جزیروں کی سمندری سمت میں واقع ہوتی ہیں۔

(5) قوسی جزیرے ایسے منطقے بھی ہیں جہاں پر زمین کی کشش، ثقل اور مقناطیسیت بہت زیادہ متاثر نظر آتی ہے۔

زمین کی اوپری پرت یعنی قشر یا کرسٹ کے ارتقا کے بارے میں جو نئے نظریے سامنے آئے ہیں ان سب میں قوسی جزیروں کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ قوسی جزیروں کے ساتھ بحری خندقیں لازمی طور پر سمندروں کی جانب موجود رہتی ہیں۔ فرش سمندر کے پھیلاؤ کے نظریے کے مطابق یہ ایسے منطقوں پر مبنی ہیں جن میں بین البحری پہاڑی سلسلوں پر پیدا ہونے والا لاوا، فرش سمندر پر سفر کرتے ہوئے بالآخر قوسی جزیروں سے وابستہ بحری خندقوں کی گہرائیوں میں جذب ہو کر زمین کی درمیانی پرت کا پھر سے حصہ بن جاتا ہے۔

گ

گاڈون آسٹن (Mt. K2): ہمالیائی پہاڑی سلسلے کی ایک چوٹی جو ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر ایورسٹ کی چوٹی سے دوسرے درجہ پر اور گویا دنیا کی دوسرے نمبر کی چوٹی ہے جو گاڈون آسٹن کہلاتی ہے۔ یہ چوٹی ننگا پربت سے 150 میل شمال مشرق میں دریائے سندھ کی گزرگاہ سے پرے سلسلۂ "قراقرم" میں واقع ہے۔ دریائے سندھ ان دونوں کے بیچ سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی 28,250 فٹ ہے۔ یہ کشمیر کے شمال میں دوسرا سب سے اونچا پہاڑ ہے۔ 31/ جولائی 1954 کو اسے سر کیا گیا تھا۔

گاندھی نگر: گجرات کے شمال میں نیا شہر آباد کیا گیا ہے جو باپائے قوم مہاتما گاندھی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اب یہ ریاست کی راجدھانی ہے۔ اس کا محل وقوع مسطح زمین پر ہے اور یہ 115 مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں انتظامی دفاتر اور رہائشی مکانات بنائے گئے ہیں۔

گبرو (Gabbro): موٹے دانے دار قعری اساسی آتشی حجر مثلاً بیسالٹ، میلوی جمادات (Mafic Minerals) کے اضافے پر گبرو، پکرائٹ (Picrite) اور ماورائے اساسی (Ultra basic) حجرات میں تبدیل ہو جاتا ہے جبکہ فیلسپار کے اضافے کے باعث انار تھوسائٹ (Anorthosite) میں اور اساسی فیلسپار کے اضافے کی صورت میں اولیوین مونزونائٹ (Olivine Monzoinites) اور اساسی گبرو میں۔ اگر کسی گبرو میں پائرو کسین (Pyroxene) صرف آرتھوپائرو کسین ہو تو اسے "نورائٹ" (Norite) کہا جاتا ہے بشرطیکہ اس میں اولیوین شامل نہ ہو۔ اولیوین کی موجودگی پر نورائٹ کو اولیوین نورائٹ (Olivian Norite) کہا جاتا ہے۔ ان نورائٹ حجرات میں پلیجیو کلیز فیلسپار عام طور پر لبراڈورائٹ (Labradorite) ہوتا ہے مگر بائٹونائٹ (Bytownite) یا انار تھائٹ (Anorthite) ترکیب کے کیلسیائی پلیجیو کلیز کی موجودگی کی صورت میں اسے یوکرائٹ (Eucrite) (اولیوین کے بغیر) یا اولیوین یوکرائٹ (Olivine Eucrite) کہتے ہیں۔ جب گبرو میں زیادہ کیلسیائی پلیجیو کلیز ہوں اور اولیوین بھی مگر پائرو کسین نہ ہو تو گبرو کی اس قسم کو ایلی ویلائٹ (Allivalite) کہا جاتا ہے۔ عام طور پر گبرو لے پولتھ (Lopolith) یا مدوری مرکبوں کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔

گجرات: بھارت کے مغربی حصے میں واقع ریاست گجرات کے شمال مغرب میں پاکستان، شمال میں راجستھان، مشرق میں مدھیہ پردیش، جنوب اور جنوب مشرق میں مہاراشٹرا اور مغرب میں بحیرۂ عرب واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 195,984 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 41,309,582 ہے۔

میدانی علاقے کو دریائے سابر متی، ماہی، نربدا اور تاپتی سیراب کرتے ہیں۔ کچھ کا علاقہ پتھریلا اور ویران ہے۔ گجرات کے خشک علاقے اور شمالی حصہ کو چھوڑ کر دوسرے حصوں میں 65 سے 127 سنٹی میٹر بارش ہوتی ہے۔ آب و ہوا شدید ہے۔ اہم آبپاشی کے پراجکٹ بانس (Banas)، کاکراپار، ماہی، نربدا، شلرو گی ہیں۔

گجرات کا تقریباً پورا رقبہ زیر کاشت ہے۔ باجرہ، گیہوں، چاول، جوار، مکئی اور تجارتی اشیا جیسے مونگ پھلی، تمباکو اور کپاس کی کاشت کی جاتی ہے۔

طویل سمندری ساحل پر بڑے پیانے پر مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ یہ ایک بڑی صنعتی ریاست ہے۔ یہاں 700 صنعتی مراکز ہیں جہاں 1038 کپڑے کے کارخانے اور الکٹریکل انجینئرنگ، تیل نکالنے، کیمیائی اشیا اور سیمنٹ وغیرہ کے کارخانے ہیں۔

احمد آباد مشہور صنعتی شہر ہے جہاں بے شمار سوتی کپڑے کے کارخانے ہیں۔ یہ شہر قالین، کمخواب، تانبے کے برتن، زیور بنانے اور لکڑی کے کام کے لیے بھی مشہور ہے۔ اس کی 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 3,312,216 تھی۔ گجرات پہلے صوبہ بمبئی کا حصہ تھا۔ 1960 میں اس سے الگ کر کے ایک علیحدہ صوبہ یا ریاست بنایا گیا۔ آبادی کی بڑی اکثریت کی زبان گجراتی ہے۔ اس کے بڑے شہر احمد آباد کے علاوہ سورت، بڑودہ، بھاؤنگر، راج کوٹ اور جام نگر وغیرہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہیں۔ قدیم زمانہ میں اسمٰعیل واڑاراج (755 تا 1572) کے دور میں یہ جین مذہب کا مرکز تھا۔ 1401 میں عادل شاہی حکمرانوں کے دور میں ایک آزاد سلطنت بن گیا۔ 1572 میں مغلوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ مغلوں کے زوال کے بعد اس کے کچھ حصہ پر انگریزوں نے قبضہ کیا اور بقیہ حصہ میں ان کے تحت چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔

گدوال: آندھرا پردیش کے ضلع محبوب نگر میں واقع ہے۔ سوتی کپڑے کی تیاری میں شہرت رکھتا ہے اور یہ کپڑا بیرون ملک بھی فروخت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

گراس گلاکنر (Grass Glockner): وسطی یورپ کی ریاست آسٹریا کا پہاڑ ہے۔ کوہ آلپس کے کئی سلسلے وسط یورپ سے مغرب میں فرانس اور اسپین کی سرحد تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک سلسلہ ٹرول (Tirol) کہلاتا ہے۔ مشرقی ٹرول اور کارپیتھین (Carpethian) کے درمیان اس کی سب سے اونچی چوٹی گراس گلاکنر کہلاتی ہے جو آسٹریا کی حدود میں واقع ہے اور 12,461 فٹ بلند ہے۔

گراس مور: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

گرپٹولائیٹ (Graptolite): ڈیلی عائلہ ہیمی کارڈاٹا (Hemichordata) کی جماعت گرپٹولیتھینا (Graptolithina) میں شامل حیوانات میں گرپٹولائیٹ شامل ہیں۔ یہ حیوانات کالونی (Colony) بنا کر رہتے تھے۔ اور اب معدوم ہو چکے ہیں ان کا خارجی پنجر (Exoskeleton) کائیٹن ساخت رکھتا تھا۔ آرڈوویشین دور میں شروع ہو کر یہ جانور ابتدائی ڈیوونین دور میں معدوم (Extinct) ہو گئے۔

گرٹ (Grit): ایک قسم کا ریت پتھر یا ارنیشیائی حجر جس کے دانہ دار ذرات نکیلے یا ذرا نکیلے (Angular or Subangular) ہوتے ہیں۔

گرڈ نارتھ: گرڈ کے وسط میں شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے خط کو وسطی طول البلد سمجھا جاتا ہے۔ یہ حقیقی شمالی سمت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے مشرق اور مغرب کی طرف شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے خطوط مستقیم جداجدا شمال کی سمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ گرڈ شمالی کہلاتے ہیں۔ وسطی طول البلد کے مشرق و مغرب میں حقیقی شمال کی

اضافت سے زاویائی فرق بڑھتا جاتا ہے۔ فرق کے زاویہ کو زاویہ میلان کہا جاتا ہے۔

گرڈ یا جال (Grid): یہ نقشہ یا چارٹ میں افقی اور عمودی پھیلاؤ کے خطوط سے بنے ہوئے یکساں جسامت کے مربعوں کا پھیلاؤ ہے۔ ان سے بنے ہوئے جال پر ٹرگنا میٹریکل نقاط کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ مربعوں کے شرقاً غرباً پھیلے ہوئے اضلاع ا، ب، ج، د سے اور شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے اضلاع 1، 2، 3، 4 نمبروں سے موسوم کیے جاتے ہیں۔

گرلا من دھاتا: یہ ہمالیہ کی ایک پہاڑی چوٹی ہے جو 25,355 فٹ بلند ہے۔

گرم چشمے: یہ سطح زمین کی گہرائیوں سے مستقلاً گرم پانی کے اخراج سے بننے والے چشمے ہیں جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے یلو اسٹون نیشنل پارک، نیوزی لینڈ کے شمالی جزیرہ اور آئس لینڈ کے آتش فشانی علاقوں میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

گرم ریگستانی خِطّہ: اس کے بیشتر حصے خطوط سرطان وجدی کے قریب زیادہ فضائی دباؤ کی پٹیوں میں، بالعموم براعظموں کی مغربی حدود پر، واقع ہیں۔ میکسیکو، کولوریڈو، اٹاکاما، پیرو، صحرائے اعظم، کالا ہاری، عربستان، فارس، تھار اور مغربی آسٹریلیا کے ریگستان اہم ہیں۔

زیادہ دباؤ کی ان پٹیوں میں بالائی سرد ہوائیں مستقلاً زیریں گرم علاقہ پر اترتی رہتی ہیں۔ تجارتی اور مغربی ہوائیں بھی یہیں سے باہر کی طرف چلتی ہیں۔ نتیجتاً بارش نہیں ہو پاتی۔ کیاہستانی رخ میں موسم گرما میں اور رومی خطہ کی جانب موسم سرما میں کچھ بارش ہو جاتی ہے۔ سالانہ بارش کا اوسط "10 سے کم رہتا ہے۔ بارانی بادل بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ دن میں چٹانیں تیزی سے گرم ہوتی ہیں اور رات میں تیزی سے سرد ہوتی رہتی ہیں۔ دنیا کے زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت کے علاقے اسی خطہ میں ملتے ہیں۔ یومیہ تفاوت حرارت زیادہ رہتا ہے۔ کانٹے دار جھاڑیاں اور کھجور یا تاڑ کے درخت اس خطہ میں زیادہ ملتے ہیں۔ کیاہستان سے ملے ہوئے علاقوں میں ادنیٰ گھاس اگتی ہے۔ رومی خطہ کے پاس کے علاقوں پر جھاڑ جھنکاڑ پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جہاں چشمے موجود ہوتے ہیں یا زمین دوز پانی بآسانی دستیاب ہو جاتا ہے، نخلستان قائم ہو جاتے ہیں۔ ان میں کاشتکاری کو فروغ دیا جاتا ہے۔ اونٹ یہاں کا خاص جانور ہے۔ باشندے اکثر خانہ بدوش ہیں۔ نخلستان میں بسے ہوئے لوگ زراعت یا گلہ بانی کرتے ہیں۔ بعض معدنی علاقوں میں کان کنی اہمیت رکھتی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

406

گرم سیر (ٹراپیکی) خِطہ: یہ علاقہ خط سرطان اور خط جدی کے درمیان گیانا کے بلند حصہ، اور میکیکو کے طاس اور جنوبی برازیل کے علاوہ کانگو کے طاس کے دونوں جانب اور شمالی آسٹریلیا میں گرم ریگستانوں تک پھیلا ہوا ہے۔ بعض اوقات یہ گرم گیاہستانی خطہ بھی کہلاتا ہے۔ اس کے استوائی رخ کے حصے مرطوب اور ریگستانی حاشیہ کے علاقے خشک رہتے ہیں۔ سالانہ اوسط درجہ حرارت زیادہ رہتا ہے۔ مرطوب حصّوں میں سالانہ تفاوت حرارت 10°F اور خشک حصوں میں 30°F رہتا ہے۔ استوائی حصہ سے متصل حصہ پر سالانہ بارش "70 سے "80 تک اور ریگستانوں سے ملے ہوئے حصہ پر "10 تا "15 ہوتی ہے۔ اس کی تقسیم غیر مساویانہ اور ناقابل بھروسہ ہوتی ہے۔ بیشتر بارش موسم بہار اور موسم گرما میں ہوتی ہے۔ موسم سرما بالعموم خشک رہتا ہے۔

جگہ جگہ درجہ حرارت اور بارش کی کمی بیشی کے سبب قدرتی نباتات میں اختلافات دکھائی دیتے ہیں۔ زیادہ بارش کے علاقوں میں جنگلات پھیلے رہتے ہیں اور خشک علاقوں میں گھاس ملتی ہے۔ بلند گھاس کے وہ علاقے جن میں کہیں کہیں درخت بھی اگ جاتے ہیں "سیلواز" کہلاتے ہیں۔ یہاں کے بیشتر جانور گھاس چرنے والے یا شکاری ہوتے ہیں۔ باشندے گلہ بانی اور شکار کرتے ہیں۔ زرخیز علاقوں میں کاشتکاری کو فروغ دیتے ہیں۔ زرعی پیداواروں میں مکئی، جوار، کپاس، گنا، مونگ پھلی اور تیل کے بیج اہمیت رکھتے ہیں۔

گرم معتدل مشرقی ساحلی یا چینی آب و ہوا کا خِطہ: یہ خطہ °30 سے °45 عرض البلد تک روی خطہ کے مقابل براعظموں کے مشرقی حصوں میں واقع ہے۔ دونوں خطوں میں درجہ حرارت تو یکساں رہتا ہے لیکن اس خطہ میں بارش زیادہ تر موسم گرما میں ہوتی ہے۔ جنوب مشرقی ریاست ہائے متحدہ امریکہ، وسطی اور شمالی چین، آسٹریلیا اور افریقہ کے جنوب مشرقی ساحلی حصے اور جنوبی امریکہ کے پیراگوئے اور جنوب مشرقی برازیل کے ساحلی حصے اس خطہ کے اہم علاقے ہیں۔ ان علاقوں میں طبعی حالات کے مقامی اختلافات نے آب و ہوا کے اختلافات بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ جنوب مشرقی ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تجارتی اور خلیج میکسیکو سے پہنچنے والی ہواؤں سے بارش ہوتی رہتی ہے۔ وسطی اور شمالی چین کی آب و ہوا میں مونسونی مشابہت نظر آتی ہے۔ ہندوستان کی طرح یہاں بھی موسم گرما کی مونسون ہواؤں سے بارش ہوتی ہے لیکن وسط ایشیا سے چلنے والی سرمائی مونسون ہوائیں بلا روک ٹوک ان علاقوں سے گزرتے ہوئے درجہ حرارت میں کافی تخفیف کر دیتی ہیں۔ اس خطہ کے جنوبی نصف کرہ میں پھیلے ہوئے علاقوں پر عام تجارتی ہوائیں سال بھر بارش برساتی رہتی ہیں۔ آب و ہوا کے مقامی اختلافات کا نباتات، زراعت اور انسانی کاروبار پر کافی اثر پڑتا ہے۔ جنگلات کہیں گھنے اور کہیں کھلے کھلے یا کم گھنے دکھائی دیتے ہیں۔

گروو ایور: یہ ریاست کیرالا کا ایک نہایت ہی اہم اور مقبول سیاحت کا مرکز ہے۔ جس کی آمدنی تروپتی اور ناتھدوارا کے مندروں کے بعد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ شادیوں کے زمانہ میں اس مندر میں ہزاروں شادیاں ہوتی ہیں۔ یہاں کے ہاتھیوں کی دوڑ کا مقابلہ بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے جس کو دیکھنے کے لیے ہزاروں لوگ جمع ہوتے ہیں۔

گریٹ بیر جھیل: کینیڈا کی یہ جھیل، اس کی ریاست میکنزی کے شمال مغرب میں واقع، تازہ پانی کا سب سے بڑا ذخیرۂ آب ہے۔ اس کی لمبائی 232 میل ہے۔ گہرائی 270 فٹ سے زیادہ ہے۔ یہ 12,275 مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔ شمال مغرب اور جنوب کی جانب اس کی پانچ تنگ شاخیں ڈیز آرم، جاوس، میک ویکا آرم، کیتھ آرم اور سمتھ آرم واقع ہیں۔ سردی کے موسم میں یہ جھیل تقریباً 8 مہینے یخ بستہ رہتی ہے۔ وسط جولائی تک برف کی تہیں جمی رہتی ہیں۔ اس جھیل میں مچھلیوں کی افراط ہے۔ ماہی گیری خوب ہوتی ہے۔

گریٹ سالٹ لیک: کوہستان راکی اور سیر انواوا کے درمیان سطح سمندر سے پانچ سو فیٹ نیچا ایک خشک و شور خطۂ زمین واقع ہے جو کھاری جھیلوں کا مرکز ہے۔ ان میں سب سے بڑی "گریٹ سالٹ لیک" ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی یہ جھیل 80 میل لمبی اور 45 میل چوڑی ہے۔ مجموعی رقبہ 2,360 مربع میل ہے۔ زیادہ سے زیادہ گہرائی 60 فٹ ہے۔ سطح سمندر سے یہ جھیل 4,218 فٹ بلند ہے۔ مشرق میں نکلنے والے دریائے بیر اور دریائے جارڈن اس میں گرتے ہیں۔ پانی کے اخراج کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس کے اندر کئی چھوٹے جزیرے ہیں۔

گریٹ سلیو لیک: کینیڈا کے صوبہ میکنزی کے جنوب میں واقع یہ ایک عظیم اور اہم جھیل ہے۔ اس کے رقبہ کا پھیلاؤ 11,170 مربع میل ہے۔ تقریباً 289 میل لمبی اور 62 میل چوڑی ہے۔ سطح سمندر سے یہ جھیل 516 فٹ بلند ہے۔ میکنزی دریا اس کے مغربی کنارے پر بہتا ہے اور اس کے پانی کو بحیرۂ بوفورٹ میں لا ڈالتا ہے۔ سلیو لیک کے جنوبی کنارے پر دریائے سلیو اس جھیل کو اتھاباسکا جھیل سے ملاتا ہے۔ اس کا کٹا پھٹا ساحل کئی کھاڑیاں رکھتا ہے۔ مغربی کنارے جنگلوں سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن مشرقی کنارے بالکل بنجر ہیں۔ جہاز رانی اس میں صرف جون سے اکتوبر تک ممکن ہے۔ موسم سرما میں یہ منجمد ہو جاتی ہے۔

گریفتھ ٹیلر: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

گرین لینڈ (Green Land): سلطنتِ ڈنمارک کا ایک خود مختار علاقہ ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ دائرہ قطب شمالی میں واقع ہے۔ رقبہ 2,175,600 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 56,000 ہے۔ اس کے شمال میں بحر منجمد شمالی (انٹارکٹک)، مشرق میں بحیرہ گرین لینڈ، جنوب مشرق میں آبنائے ڈنمارک، جو اسے آئس لینڈ سے جدا کرتی ہے، جنوب میں بحر اوقیانوس اور مغرب میں آبنائے ڈیوس اور خلیج بفن واقع ہیں۔

گرین لینڈ سے یونانی اور رومن دونوں واقف تھے، لیکن یہاں آبادکاری 982 میں شروع ہوئی اور اس کا نام گرین لینڈ اس لیے دیا گیا تاکہ لوگ اسے سرسبز اور شاداب سمجھ کر یہاں بسنے پر آمادہ ہوں۔ شروع میں یہ خود مختار ملک رہا۔ 1261 میں ناروے نے اسے اپنی نوآبادی بنالیا، لیکن چودھویں اور پندرھویں صدی میں اسے اتنا نظر انداز کیا گیا کہ آبادی یا تو ختم ہو گئی یا مقامی اسکیمو باشندوں میں مل گئی۔ سولھویں صدی کے بعد سے مہم جو (کھوج کار) پھر یہاں پہنچنے لگے۔ اٹھارھویں صدی میں ڈنمارک نے اس کی نوآبادکاری کی طرف پھر سے توجہ کی اور مجرم اور اس قسم کے لوگ ملک بدر کر کے یہاں بھیجے جانے لگے۔ ڈنمارک نے اس کے علاوہ اس علاقہ کو ترقی دینے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی بلکہ سفید فاموں کی بعض بیماریاں مثلاً 'دق' وغیرہ یہاں منتقل کر دیں۔ 1815 میں یوروپ کے ملکوں نے اسے ڈنمارک کی نوآبادی تسلیم کر لیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں بہت سے مہم جو لوگوں نے اندرونی علاقوں کی کھوج کی اور نقشے وغیرہ تیار کیے۔ 1940 میں ڈنمارک پر جرمن قبضہ ہو گیا تو امریکہ نے اس پر حق جتایا اور ڈنمارک کی جلاوطن حکومت نے امریکیوں کو یہاں فوجی اڈے اور سائنٹفک تحقیقات کے مرکز قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ پچھلے چند برسوں سے ڈنمارک نے یہاں کی معاشی ترقی پر کچھ توجہ کی ہے اور یہاں کے باشندوں کو مقامی حکومت میں کچھ حصہ دے دیا ہے۔ یہاں کی درآمدات کا 92 فیصدی ڈنمارک سے آتا ہے اور برآمدات کا 66 فیصدی ڈنمارک اور 26 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 90 فیصدی مچھلی ہے۔ گائیں، بھیڑیں اور رینڈیر پالے جاتے ہیں۔

گرینائیٹ اور گرینائیٹ سازی (Granite and Granitization): گرینائیٹ ایک موٹے دانے والا آتشی قلمی حجر ہے جو لازمی طور پر کوارٹز (10-20) قلوی فیلسپار (Alkali Felspar) اور عام طور پر ابرکی جمادات سے بنا ہوتا ہے۔ اس کے ذیلی جمادات میں اپاٹائیٹ (Apatite)، زرکان (Zircon) اور میگناٹائٹ (Magnetite) عام جمادات ہیں۔ گرینائیٹ میں عام طور پر سلیکا (SiO_2; Silica) کا تناسب زیادہ (کبھی کبھی 70 فی صد سے زیادہ) ہوتا ہے اور سوڈا اور پوٹاش کی مقدار بھی (K_2O+Na_2O) 5 سے 12 فی صد تک مگر میگنیشیا (MgO) اور کیلشیم آکسائڈ (CaO) عام طور پر بے حد کم مقدار میں ہوتا ہے۔

کوارٹز کی مقدار کم ہونے پر پہلے یہ کوارٹز سائنائٹ (Quartz Syenite) اور پھر سائنائٹ (Syenite) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اڈامیلائٹ (Adamellite) ایک قسم کا گرینائیٹ ہے جس میں کیلشیم آمیز پلیجیو کلیز (Plagioclase) عام طور پر آلجو کلیز (Oligioclase) اور پوٹاشیم فیلسپار برابر کی مقدار میں ہوتے ہیں۔ اڈامیلائٹ میں کوارٹز کی مقدار اور کم ہوتی ہے۔ پر یہ پہلے کوارٹز مونزونائٹ (Quartz Monzoite) اور پھر مونزونائٹ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

گرینائیٹ عام طور پر متداخل حجر ہوتے ہیں اور کسی بھی قسم کی دخولی شکل میں پائے جاسکتے ہیں مگر سب سے اہم شکل بیتھولیتھ (Batholith) ہے۔ باس (Boss) اور عمقہ (Pluton) بھی عام طور پر گرینائٹی ہوتے ہیں۔ گرینائیٹ کا برکانی معادل یا مماثل (Volcanic Equivalent)، رائیولائٹ (Phyolite) حجر ہے جبکہ ایڈامیلائٹ کا معادل رائیوڈیکائٹ (Rhyodacite) ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں گرینائیٹ کو عام طور پر ایک قعری متداخل حجر کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر گرینائیٹ کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ پہلے سے موجود حجرات بھی گرینائیٹ میں تبدیل ہو سکتے ہیں اور اس تبدیلی کو گرینائیٹ شدگی (Granitization) کہتے ہیں۔ یہ عمل ان مناسب کیمیائی ترکیب کے سیالوں کے تعامل کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے جو عمیق گہرائیوں سے اٹھتے ہیں۔ اس تعامل سے نظام میں سوڈیم اور پوٹاشیم داخل ہو جاتے ہیں اور کیلشیم اور میگنیشیم خارج ہو کر کناروں پر بنیادی حاشیوں (Basic Fronts) کے طور پر جمع ہو جاتے ہیں۔

گرینائیٹ ایک عمدہ عمارتی پتھر ہے اور عمارتوں کی تعمیر میں استعمال ہوتا ہے۔

گرینو، جارج بیلاس (George Ballas Greenough): ورنر (Werner) کا یہ شاگرد اور انگریز ماہر ارضیات 1778 میں پیدا ہوا اور اس نے 1855 میں وفات پائی۔ یہ برطانوی پارلیمنٹ کا رکن بھی رہا۔ اس نے لندن کی ارضیاتی سوسائٹی (Geological Society of London) کی بنیاد رکھی۔ ولیم اسمتھ (William Smith) کے فوراً بعد اس نے انگلستان اور ویلز کا ارضیاتی نقشہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بھی پیش کیا۔

گرینولائٹ (Granulite): علاقائی کایابدلیت سے برآمد شدہ حجر جس میں دانے دار بافت (Granular Texture) ہوتی ہے۔اس حجر کی جماوی ترکیب میں عام طور پر فیلسپار پائروکسین اور گارنٹ (Garnet) ہوتے ہیں۔ان میں نائسی ساخت (Gneissose Structure) تو نہیں ہوتی مگر پھر بھی کچھ حد تک جماداتی دانے (Pyrixene) ایک سمت میں جمے ہوئے ہو سکتے ہیں۔

گسٹروپوڈا (Gastropoda): یہ جانور مانند مولسکا (دیکھیے مولسکا Mollusca) کی ایک جماعت گسٹروپوڈا میں شامل ہیں۔ یہ میٹھے یا سمندری پانی میں رہتے ہیں اور خشکی کے میٹھے پانی میں بھی۔زیادہ تران کے کیلسائی خول سپرنگ نما پیچ دار (Spirally or Coiled) ہوتے ہیں۔کچھ خول مخروطی (Conical) یا قرص نما (Discoid) بھی ہوتے ہیں۔ یہ اگرچہ کیمبرین زمانہ سے زمانہ حاضر تک پائے جاتے ہیں مگر سب سے زیادہ ٹرشیری زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔

گسل فولڈ پہاڑ: یہ ایسے پہاڑ ہیں جن میں حجرات کی ساخت فولڈ اور گسل دونوں مراحل سے عبارت ہوتی ہے۔ فولڈ کی تحریک جن ارضی قوتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔وہی قوتیں ایک حد پر گسل کی بھی ذمہ دار ہوتی ہیں۔اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ کوہ سازی کی وجہ سے جو پہاڑی سلسلے وجود میں آتے ہیں ان میں گسل اور فولڈ پہاڑ عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

گسل یا اختلال: چٹانوں میں جھکاؤ یا خمیدگی ایک حد تک ہوتی ہے۔اگر چٹانوں پر دباؤ اس حد سے گزر جائے تو فولڈ کے محور یا فولڈ کے بازو میں چٹخن پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا چٹانوں کی پرتوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔اس طرح چٹانوں کے بلاک ایک خاص سطح پر ایک دوسرے سے اوپر نیچے ہو جاتے ہیں یا پھر افقی سطح پر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ حجرات یا چٹانوں میں ٹوٹ کر الگ ہونے کے اس عمل کو گسل یا اختلال کہا جاتا ہے۔

گسل یا اختلال کی وجہ سے چٹانوں کی پرتوں میں ہٹاؤ کے عمل سے جو دو بلاک تشکیل پاتے ہیں ان میں بالائی پرت یا بالائی بلاک کو معلق دیوار (Hanging Wall) اور زیریں پرت یا زیریں بلاک کو قدمی دیوار (Foot Wall) کہا جاتا ہے۔ معلق دیوار اور قدمی دیوار کے موقف کے اعتبار سے اختلال یا گسل کی دو مختلف قسمیں ہوتی ہیں جن کو عمودی گسل اور معکوس گسل کہا جاتا ہے۔ان کے علاوہ بعض وقت حجرات یا چٹانیں افقی سطح پر ہی گسل کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جس کو افقی گسل کہا جاتا ہے۔

فولڈ اور گسل دو ایسی بنیادی ساختیں ہیں جن کے ذریعہ پہاڑی سلسلوں کی ساخت اور ارتقا کو سمجھا جا سکتا ہے۔ایسی ساختوں کی پہچان پر ہی بالآخر قشر ارض یا زمین کے کرسٹ کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ فولڈ کی طرح گسل کی بھی معاشی ارضیات میں بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ میگما کی وجہ سے جو دھات کے ذخائر تشکیل پاتے ہیں۔ ان کا ارتکاز عام طور پر گسل کے مقامات کا ہی مرہون ہے۔ چنانچہ جہاں گسل کی وجہ سے کان کنی میں مدد ملتی ہے وہیں گسل کی سطحوں کے اچانک سامنے آجانے سے کان کنی ایک دم رک بھی سکتی ہے۔اس لیے کان کنی کے لیے بھی ضروری ہے کہ گسل کی تقسیم اور وقوع کے بارے میں پہلے سے معلومات حاصل کرلی جائیں۔

گل باد: یہ ایک مہینہ میں کسی مقام پر ہوا کے مختلف سمتوں میں بہاؤ کی مدت کو ظاہر کرتا ہے۔ باد نما کو دیکھ کر روزانہ ہوا کے بہاؤ کی سمتوں کو لکھتے رہیں۔ایک مہینہ بعد یا کسی اور منتخبہ مدت کے آخیر میں یہ معلوم کرلیں کہ ہوائیں مختلف سمتوں میں کتنے کتنے دن تک چلتی رہی ہیں۔ سمتوں کے اعتبار سے دنوں کی تعداد کو ظاہر کرنے والے مختلف لمبائیوں کے خطوط مستقیم مناسب پیانہ پر ایک مرکز سے متعلقہ سمتوں میں پھیلا دیے جاتے ہیں۔ مرکز پر ایک چھوٹے سے دائرہ میں پُر سکون ہواؤں کے ایام کی تعداد درج کر دی جاتی ہے۔ یہ شکل تارہ نما دکھائی دیتی ہے۔ خطوط کے بیرونی سروں کو سلسلہ وار جوڑ دیں تو گلاب کے پھول کی سی شکل تیار ہو جائے گی۔اسے سادہ گل باد کہا جاتا ہے۔

گلابہ: جزوی یا کلی طور پر پانی سے ڈھکی ہوئی نرم اور گیلی پست زمین جو غیر جاذب مٹی کے علاقہ پر پانی کی مسلسل آمد، سیلابی یورش اور ناقص نکاسی آب کے سبب رو نما ہوتی ہے۔ اس میں عموماً درخت نہیں ہوتے، مگر جھاڑیاں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ گلابہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک ساحلی نمکین گلابہ جو بحری کناروں کی مٹی میں بحری پانی کے مستقلاً جذب ہوتے رہنے سے تیار ہوتا ہے۔ دوسرا اندرونی گلابہ جو خشکی کے اندرونی علاقہ میں پانی کے جماؤ اور سیلابوں کے آتے رہنے سے تشکیل پاتا ہے۔ بعض اوقات خشک علاقہ کے گلابہ میں کھاری پانی کی ندیاں داخل ہو کر اپنا بہاؤ ختم کر دیتی ہیں۔ جمع کردہ پانی کی تبخیر کے بعد گلابہ کی مرطوب مٹی پر نمک کی پپڑی سی جم جاتی ہے۔

گلاٹی: یہ رومانیہ کے مشرق میں واقع ہے اور بحیرۂ اسود کا اہم بندرگاہ ہے۔ اس بندرگاہ سے غلہ اور چوبینہ برآمد کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد بطور ایک شہر کے قرون وسطیٰ میں رکھی گئی تھی۔ اٹھارہویں صدی میں یہ بین الاقوامی تجارتی مرکز تھا اور دوسری عالمی جنگ کے دوران یہاں کی یہودی آبادی جو بہت زیادہ تھی، نازی قبضہ کے دوران کم ہو گئی۔ یہاں ایک زراعتی کالج اور تکنیکی تعلیم گاہ ہے۔

گلاؤسیسٹر کاؤنٹی: یہ کاؤنٹی، انگلینڈ کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کا مرکز گلاؤسیسٹر ہے۔ اس کے مشرقی حصے میں کاٹس والڈ ہلز کے علاقہ میں بکریوں کی چراگاہیں ہیں۔ اس شہر کے مرکزی علاقے میں دریائے سیورن (Savern) کی نہایت زرخیز وادی ڈیری فارمنگ کے لیے مختص ہے۔ مغربی علاقے میں ڈین کا جنگل ہے۔ یہاں قدیم مذہبی عمارات کی باقیات موجود ہیں۔ کاؤنٹی کی آبادی 1,000,493 ہے۔

گلبرٹ، گرووکارل (Grove Carl Gilbert): گلبرٹ 1843 میں پیدا ہوا اور اس کا انتقال 1910 میں ہوا۔ اس نے کوہستان ہنری (Henry Mountains) میں کافی کام کیا اور وادیوں کے کاٹ (Erosion of Valleys) اور درمیانی ارتقا کا نظریہ پیش کیا جو موجودہ نظریات کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نے معلق وادی (Hanging Valley) کی اصطلاح بھی ارضیات کو دی اور پہلی بار آتشی متداخل (Igneous Intrusion) کا تذکرہ کیا اور اس کو لیولیتھ (Livolith) کا نام دیا۔

گلبرگہ: ریاست کرناٹک (ہندوستان) میں ایک ضلع اور اسی نام کا صدر مقام شہر گلبرگہ شہر حیدرآباد سے قریب 100 میل مغرب کی طرف واقع ہے۔ 1991 کی مردم شماری کے مطابق اس شہر کی آبادی 310,920 ہے۔ یہ شہر بہمنی حکمرانوں نے تعمیر کیا تھا۔ آج بھی اس دور کی کئی یادگاریں موجود ہیں۔ قلعہ اور جامع مسجد کے علاوہ صوفی بزرگ حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کا مزار یہیں پر ہے جہاں ہزاروں عقیدت مند کھنچ کر آتے ہیں۔ یہاں کپاس کی تجارت ہوتی ہے۔ ضلع کا رقبہ 6,332 مربع میل ہے۔

گلشیر: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

گلمرگ: کشمیر میں واقع تفریح گاہ گولف کھیلنے کے لیے مشہور ہے۔ اس کے ہرے بھرے جنگلات اور ندیوں کی لہردار آواز کی وجہ سے اس کو پہاڑی مستقروں کی ملکہ کہا جاتا ہے۔ گلمرگ کے معنی پھولوں کا سبزہ زار ہے۔ یہاں ملک کا اسکی انگ اور ماؤنٹینیرنگ انسٹی ٹیوٹ (Indian Skiing and Mountaineering Institute) واقع ہے جہاں اسکی انگ کی اکیس دن تک ٹریننگ دی جاتی ہے۔

گلیشیائیت (Glaciation): (الف) گلیشیر (Glacier) یا برفانی چادر (Ice Sheet) کی تشکیل، حرکات اور پگھلنے کے عوامل (ب) خشکی کے طویل و عریض علاقوں کا برفانی چادروں یا گلیشیروں سے ڈھک جانا (ج) گلیشیروں کے ذریعے کٹاؤ (Erosion)، حمل و نقل (Transportation) اور ذخیرگی (Deposition) کے عمل، (د) وہ ارضیاتی مدت یا عرصہ جب خشکی کے وسیع علاقے برف سے ڈھکے ہوں۔

ایسی بہت سی شہادتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ارضیاتی تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ خشکی کے کئی علاقے برف سے ڈھک گئے تھے مثلاً ناقص چنیدہ (Badly Sorterd) بولڈری (Bouldery) ذخیرہ۔ برفیلا بولڈری ذخیرہ یا ٹل یا ٹلائٹ (Till or Tillite)، کثیرالسطحی (Faceted)، دھاری دار (Striated)، سنگریزے (Pebbles) اور دھاری دار گزرگاہ (Striated Pavement) یعنی وہ فرش جس پر گلیشیر نے حرکت کر کے رگڑ کے نشانات ڈال دئے ہوں۔ گلیشیائی ذخائر کی زیادتی جیسے دو پرتی مٹی (Varved Clay) وغیرہ۔ گونڈوانا لینڈ میں مثلاً پرمین اور کاربونی فیرس ادوار کے کسی نہ کسی حصے میں کئی علاقے برفانی چادروں سے ڈھکے تھے اور اس زمانے کے حجرات میں بھی ایسے مشاہدات ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ قطب جنوبی افریقہ میں واقع تھا۔ قطبی سرکاؤ اور براعظمی سرکاؤ کے علاوہ بھی گلیشیائیت کے ایسے عرصے جن کو برفانی عہد (Ice Age) کہا جاتا ہے۔ کئی وجوہات کی وجہ سے ممکن ہو سکے تھے جن کے باعث ارضی فضا میں اچانک حرارت یا تپش کی کمی ہو جائے مثلاً مختلف عوامل کے ذریعے پیدا شدہ سبز خانہ کا اثر (Green House Effect)۔

گلیشیر یا برف ندی: زمین کی سطح پر اونچی بلندیوں اور بڑے درجوں کے عرض البلد کے علاقوں پر پانی نقطہ انجماد یا اس سے بھی کم درجہ حرارت کی وجہ سے بالکل ٹھوس حالت میں رہتا ہے۔ پانی کے اس طرح دیر تک ٹھوس شکل میں جمع رہنے کی وجہ سے برف کی موٹی پرتیں مسلسل جمع ہو کر ڈھلوان مقاموں سے کھسکنے لگتی ہیں۔ اس طرح جمع ہونے اور بہنے والے برف کو گلیشیر یا برف ندی کہا جاتا ہے۔

گلیشیر کے تشکیل پانے کے عمل کو گلیشیر سازی کہتے ہیں۔ گلیشیر فطرت میں یک لخت نہیں بن پاتا بلکہ یہ مختلف مرحلوں سے گزر کر بالآخر ایک متحرک

برفیلی ندی کی صورت اختیار کرتا ہے۔

گلیشیر سازی کے پہلے مرحلے میں تو روئی کی طرح برف کے گالے مسلسل برستے رہتے ہیں برف کے گالوں کی مسلسل برسات کے نتیجے میں برف خود اپنے بڑھتے ہوئے بوجھ کے تلے دب کر ریزوں اور روئی ملی ہوئی یخ (Ice) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پہاڑوں میں اس طرح جمع ہونے والی برف کو نیوے (Neve) کہتے ہیں۔ پہاڑوں میں یخ سے بھری وادیاں نیچے کی طرف واقع کسی بڑی وادی میں جا کر ملتی ہیں۔ اس طرح نیوے نیچے کی طرف رینگتی ہے اور یوں ایک گلیشیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ گویا برف کے گالوں سے نیوے اور نیوے سے گلیشیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ گلیشیر اپنی گزرگاہ کی رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا نیچے کی طرف بہہ نکلتا ہے۔ گلیشیر ایک دن میں تین سے چالیس سینٹی میٹر کی رفتار سے رینگتا یا حرکت پذیر رہتا ہے۔ تیز رفتار گلیشیر بھی چار میٹر فی دن سے زیادہ رفتار کا اہل نہیں ہوتا۔ گلیشیر کی رفتار کا انحصار برف کی دبازت اور اس کی وادی کی ڈھلوان پر ہوتا ہے۔ بعض بھاری جسامت والے نہایت دبیز گلیشیر نسبتاً تیز رفتار ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر گرین لینڈ گلیشیر ایک دن میں چالیس میٹر کا فاصلے طے کر لیتا ہے۔

گلیشیر سازی کا تعلق بڑی حد تک آب وہوا سے ہے۔ چنانچہ زمین کی وہ کم سے کم بلندی جہاں برف ہمیشہ پائی جاتی ہے، اس کو خط یخ (Snow Line) کہتے ہیں۔ خط یخ مختلف علاقوں میں مختلف ہوتا ہے۔ گرین لینڈ اور انٹار کٹیکا میں خط یخ سطح زمین پر ہی واقع ہے جبکہ ہمالیہ میں یہی برف کی لکیر 16 ہزار فیٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

اپنے محل وقوع، رفتار اور حجم و شکل کے اعتبار سے گلیشیر کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔

گلیشیریشن کی ابتدا (Origin of Glaciation): اونچے پہاڑوں یا کرہ ارض کے بہت سرد علاقوں میں جہاں سطح زمین تمام سال برف سے ڈھکی رہتی ہے وہاں برف کی موٹی تہیں جو برف باری کی وجہ سے ایک کے اوپر ایک جمتی رہتی ہیں اور سخت ہو جاتی ہیں، وزن کی وجہ سے اپنی جگہ سے نیچے کے علاقے کی طرف کھسکتی ہیں اور جن چٹانوں کے اوپر سے گزرتی ہیں ان میں کرنٹ پیدا کر دیتی ہیں جسے دھاریاں پڑنا (Striation) کہتے ہیں۔ سرد میدانی علاقوں میں برف کے یہ دریا جن کو گلیشیر کہتے ہیں شہد یا کولتار کے ڈھیر کی طرح پھیلتے ہیں لیکن اونچے پہاڑی علاقے کی وادیوں اور ڈھلوان علاقوں میں یہ برف کے دریا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور نیچے گرم علاقے میں پہنچتے ہیں تو پگھل کر آب رواں بن جاتے ہیں۔ گلیشیر اپنی نوعیت کے اعتبار سے تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(1) برف کے تختے یا برف پوش علاقے (Ice Sheets and Ice Cap) یہ برف کے وسیع میدان قطبین کے قریب کے علاقوں میں واقع ہیں جیسے گرین لینڈ اور انٹارکٹیکا وغیرہ۔

(2) کوہستانی یا وادی گلیشیر (Moatane or Valley Galciers) یہ گلیشیر اونچے پہاڑی علاقوں میں برف باری کی وجہ سے بنتے ہیں اور پہاڑی وادیوں میں نشیبی علاقوں کی طرف کھسکتے رہتے ہیں۔

(3) پائے کوہ گلیشیر پیڈ مونٹ گلیشیر (Piedmont Galciers) سرد علاقوں میں پہاڑوں اور وادیوں سے نکل کر جو گلیشیر نچلے میدانوں میں پھیل جاتے ہیں وہ پائے کوہ گلیشیر یا پیڈ مونٹ گلیشیر کہلاتے ہیں۔

گلیشیر کی رفتار چند سینٹی میٹر روزانہ سے کئی میٹر روزانہ تک ہوتی ہے۔

گلیشیر سے کٹاؤ ان کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے مثلاً برفیلے میدانوں اور پائے کوہ گلیشیر یا پیڈ مونٹ گلیشیر سے کٹاؤ کم ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں کے نشیب و فراز میں اس کی وجہ سے بہت کم فرق ہوتا ہے جبکہ وادی گلیشیر سے کٹاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ راہ میں آئے حجرات کو گھستے اور توڑتے چلتے ہیں اور حجرات کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے گلیشیر کے ساتھ آگے بڑھتے رہتے ہیں جو راہ میں آئے دوسرے حجرات کو رگڑ کر گھستے ہیں جس سے ان حجرات پر کھرنڈ اور چمک بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بڑے کوہستانی علاقوں مثلاً آلپس (Alps)، راکی اینڈیز اور ہمالیہ وغیرہ میں گلیشیر کے ذریعہ بنے ہوئے اشکال مثلاً لٹکتی وادیاں (Hanging Valleys)، تراشیدہ چوٹیاں (Glaciated Cliffs)، دندانہ دار پہاڑی چوٹیاں (Sarrated Ridges)، سرک (Cirque)، نصف کروی گلیشیائی میدان وغیرہ عام ہیں۔

گلیشیائی (Glacial): وہ رسوب جو گلیشیر کے ذریعے کٹاؤ (Erosion)، حمل و نقل اور ذخیرگی کے باعث جمع ہوتے ہیں۔ یہ رسوب گلیشیر کے تلے میں، سطح پر یا بیچ میں معلق بھی ملتے ہیں۔

گلیشیر سازی کے اثرات: گلیشیر جب اونچے علاقوں سے نکل کر نشیب میں سفر کرتے ہیں تو اپنے سفر کے دوران اس وادی اور اس کے حجرات کو بھی متاثر کرتے ہیں جہاں سے وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔

اپنے سفر کے دوران، گزرگاہوں سے گزرتے ہوئے حجرات کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مختلف سائز کے ٹکڑے گلیشیر کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ گلیشیر ان نکیلے ٹکڑوں سے تیز آلوں کا کام لیتے ہوئے وادی کی دیواروں اور فرش کے حجرات کو چھیل دیتے ہیں۔ اس طرح اپنے سفر کے دوران گلیشیر کے نقوش قدم وادی کی دیواروں اور فرش پر ایک ہی سمت کی نشان دہی کرنے والی لکیروں کی صورت میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔

برف کی پیش قدمی اور پسپائی کی وجہ سے گلیشیر جن وادیوں سے گزرتے ہیں، ان کی شکل انگریزی حرف "یو" (U) جیسی ہو جاتی ہیں۔ جبکہ دریاؤں کی وادیوں کی شکل "وی" (V) جیسی ہوتی ہے۔

پیش قدمی اور اپنی حرکت کے دوران گلیشیر اپنے ساتھ جو بوجھ لادتے ہیں وہ ان کی پسپائی تک ان کے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن جب گلیشیر پگھل کر ہٹنے لگتے ہیں تو یہ رسوبی ذخائر کی صورت میں وہیں جمع رہ جاتے ہیں جہاں پر گلیشیر کی پسپائی ہوئی تھی۔ اس طرح گلیشیر کی وجہ سے جمع ہونے والے رسوبات کو گلیشیائی مورین یا گلیشیائی ذخائر کہتے ہیں۔

گلیشیائی ذخائر (Glacial Deposits)، ارضیاتی مطالعوں میں زبردست اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ ان کی موجودگی سے نہ صرف گلیشیر اور گلیشیر سازی پر ہی بلکہ ایک مخصوص علاقے کی طبعی تاریخ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

گلیشیائی رسوبات مخصوص قسم کے کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں نکیلے اور نیم نکیلے مختلف سائز کے پتھر شامل ہوتے ہیں جن میں بعض 2 تا 3 میٹر بڑے بھی ہو سکتے ہیں اور کم سے کم ذرات کی سائز ایک مائیکرون سے بھی کم ہوتی ہے۔ خاص طور پر یہ رسوبات ڈھیر کی شکل میں جمع ہوتے ہیں جن میں ذرات اور بڑے بڑے ٹکڑوں کو ان کے سائز کے اعتبار سے علیحدہ پرتوں میں تقسیم نہیں کیا گیا ہو۔

گلیشیر سے کٹاؤ یا ٹوٹ پھوٹ (Erosion by glaciers):

گلیشیر جو کہ برف کے دریا ہوتے ہیں اور اونچے یا برفانی علاقوں میں پائے جاتے ہیں دریا کی طرح آگے کی طرف بڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کی رفتار دریاؤں کے مقابلہ میں بہت سست ہوتی ہے یعنی ایک دن میں صرف چند سینٹی میٹر یا زیادہ سے زیادہ چند میٹر آگے بڑھتے ہیں۔ ان کی وادیاں گہری اور ان کے کنارے سیدھے کھڑے ہوتے ہیں۔ گلیشیر جب چلتے ہیں تو وہ اپنی وادی کو نیچے کی جانب کاٹتے ہوئے چلتے ہیں اور اس طرح ان کی وادیاں گہری ہوتی جاتی ہیں۔ اگر راہ میں کہیں چٹانوں کی رکاوٹ ہوتی ہے تو اس رکاوٹ کو بھی وہ کاٹ کر برابر کر دیتے ہیں۔ گلیشیر کی وادی کے کناروں سے جو چٹانوں کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر گلیشیر میں گرتے ہیں وہ گلیشیر کی برف میں پھنسے ہوئے یا لٹکی ہوئی یعنی معلق صورت میں گلیشیر کے ساتھ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ دریا اپنے ساتھ جو پتھر کے ٹکڑے لاتا ہے ان کو وہ اپنی تہ میں گھماتا ہوا اور آپس میں ایک دوسرے سے رگڑاتا ہوا آگے بڑھتا ہے اس لیے ایسے چٹانی پتھر اور ٹکڑے سڈول ہو جاتے ہیں لیکن اس کے برعکس گلیشیر جن پتھروں کے ٹکڑوں کو لے کر بڑھتا ہے ان کو برف کے اندر گھومنے یا آپس میں ٹکرانے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ اس لیے یہ ٹکڑے بے ڈھنگے اور کناروں دار ہوتے ہیں۔ مزید برآں پتھر کے یہ ٹکڑے جو گلیشیر کی تہ میں یا اس کے کناروں پر دوسری مقامی چٹانوں پر رگڑتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں وہ ان چٹانوں پر کھرونچوں کی دھاریاں بنا دیتے ہیں۔ جن چٹانوں کی سطح پر ہمیں رگڑ کی یہ دھاریاں یا رگڑ سے ان پر جو جلا آجاتی ہے وہ ملتی ہیں تو ہم جان جاتے ہیں کہ ان راہوں سے کبھی گلیشیر کا گزر ہوا ہے۔

براعظمی گلیشیر (Continental Glaciers) اپنے وزن کی وجہ سے شہد یا کولتار کے ڈھیر کی طرح پھیلتے ہیں اور ایسی صورت میں وہ جن چٹانوں کے اوپر واقع ہوتے ہیں ان میں موجود رخنوں یا جوڑوں (Cracks or Joints) کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان چٹانوں کی حسب حالات توڑ پھوڑ کرتے ہیں اور ان چٹانوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں اس طرح جو اونچی نیچی سطح بنتی ہے وہ بڑھتے ہوئے گلیشیر کے لیے مزید رکاوٹ پیدا کرتی ہے جس کو گلیشیر کاٹ کر پھر برابر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح گلیشیر کے اثر سے چٹانیں کٹتی اور اکھڑتی اور ٹوٹتی رہتی ہیں۔

گلیشیر کے اقسام :

گلیشیر تین قسم کے ہوتے ہیں: (1) وادی گلیشیر (2) کوہستانی گلیشیر اور (3) براعظمی گلیشیر یا برف کی چادریں۔

(1) وادی گلیشیر: ایسے گلیشیر ہیں جو عام طور پر پہاڑوں کی وادیوں میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے برف کے جمع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وادی گلیشیر کا علاقہ خط انجماد کے اندر ہی واقع ہو۔

(2) کوہستانی گلیشیر: جب وادی گلیشیر، ڈھلوان سے اتر کے قرب و جوار کے نشیبی علاقوں میں جا ملتے ہیں تو کئی وادی گلیشیروں کے ملنے سے کوہستانوں کے زیریں علاقے میں جو گلیشیر بنتے ہیں ان کو کوہستانی گلیشیر کہا جاتا ہے۔ ایسے کوہستانی گلیشیر جو پائے کوہ گلیشیر بھی کہلاتے ہیں، نسبتاً ہموار سطح پر ہونے کی وجہ سے ان کی بار برداری کی قوت بہت کم ہو جاتی ہے۔ ایسے گلیشیر جنوبی الاسکا میں پائے جاتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(3) براعظمی گلیشیر: برف کی عظیم ترین چادریں ہیں جو خود ان علاقوں کو بھی برف سے ڈھک دیتی ہیں جہاں سے خود برف فراہم کی جارہی تھی۔ ایسے براعظمی گلیشیر ہزاروں، لاکھوں مربع میل کے علاقوں پر محیط ہوتے ہیں۔ گرین لینڈ اور انٹارکٹیکا براعظمی گلیشیروں کی دو بہت نمایاں مثالیں ہیں۔

گونڈوانا لینڈ (Gondwana Land): گونڈوانا لینڈ، ایک ایسا مفروضی عظیم تر براعظم (Super Continent) ہے جو جنوبی کرۂ ارض کے مختلف ممالک پر مشتمل تھا جس میں جنوبی امریکہ، افریقہ، مڈغاسکر، ہندوستان، آسٹریلیا، انٹارکٹیکا اور مشرقی ہند کے مختلف جزائر بھی شامل ہیں۔ اس عظیم تر براعظم کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ارضیاتی ماضی میں 160 ملین سال پہلے، اس میں وہ تمام براعظم متصل اور مجتمع تھے جو آج ہزاروں میل کی دوری پر موجود ہیں۔ اس عظیم تر براعظم کے شمال میں جو دوسرا عظیم تر براعظم موجود رہا ہوگا اسے لاورشیا (Laurasia) یا انگارا لینڈ (Angara Land) کہا جاتا ہے۔

گنار آئیلینڈ: انڈمان نکوبار (ہندوستان) جزیروں کے 258 جزیروں میں سے ایک ہے۔ زمانہ سابقہ میں سنگین جرائم کرنے والے مجرمین کو سزا کے طور پر یہاں بھیجا جاتا تھا۔ یہ جزائر 1956 میں ہندوستان کا جزو ہو گئے۔

گنبدی ٹیکری: الٹے کٹورے کی شکل کی چھوٹی سی پہاڑی۔

گنٹور: آندھراپردیش کا ضلع اور شہر ہے۔ اس کا مستقر شہر حیدر آباد سے جنوب مشرق کی جانب 100 میل دور واقع ہے۔ آندھراپردیش کے کئی اہم کالج یہاں قائم ہیں۔ یہاں سن، تیل اور چاول کے کارخانے ہیں۔ مرچ، کپاس اور تمباکو بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کا ورجینیا تمباکو مشہور ہے۔ دکن میں تمباکو کی کاشت اور تجارت کا بڑا مرکز ہے۔

گنڈک: دریائے گنڈک گنگا کی معاون ہے جو پٹنہ کے قریب گنگا سے مل گئی ہے۔ یہ نیپال کے شمالی پہاڑوں سے نکل کر بھارت میں اتر پردیش اور بہار کے درمیان کئی کلو میٹر تک سرحد کا کام کرتی ہے اور ان تینوں ریاستوں کو آبپاشی کے لیے پانی فراہم کرتی ہے۔ نیپال کی سرحد پر گنڈک پر ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے۔

گنڈک پراجکٹ: بہار میں بالمیکی نگر میں تریبنی نہر سے 760 میٹر نیچے گنڈک ندی پر ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے۔ جس کی لمبائی 747.37 میٹر اور اونچائی 9.81 میٹر ہے۔ اس سے متعلق نہر کی لمبائی 527.76 کلو میٹر ہے۔ اس بندھ کا نصف حصہ بہار میں اور باقی نصف حصہ نیپال میں ہے۔ ان دونوں ریاستوں کا بڑا رقبہ سیراب ہوتا ہے۔

گنگ بل جھیل: کشمیر میں 3,646 میٹر کی اونچائی پر اور ہر مکھ کی چوٹی کے اساس کے قریب یہ جھیل واقع ہے جو ہندوؤں کے لیے ایک متبرک مقام ہے۔

گنگا (دریا): ہندوستان کا سب سے مشہور اور مقدس دریا گنگا ہے جو ہندوستان کے میدانوں میں 2,491 کلو میٹر تک بہہ کر خلیج بنگال میں گرتا ہے۔ سطح سمندر سے 3,963 میٹر کی بلندی پر برف کی 91 میٹر موٹی اور منجمد تہ میں "گئوکھ" دریائے گنگا کا منبع ہے اور اس مقام کا نام گنگوتری ہے جو ٹہری گڑھوال کے علاقہ میں واقع ہے۔ اس جگہ گنگا کا نام بھاگیرتی ہے۔ اسی دریا کی وادی میں بھارت کی قدیم تہذیب کا جنم ہوا تھا۔ کروڑوں ہندوؤں کے لیے گنگا ایک نہایت ہی متبرک دریا ہے، اس لیے اس کے کناروں پر کئی منادر ملتے ہیں۔ اس کے کناروں پر کنکھل، ہری دوار، الہ آباد، کانپور، وارانسی اور پٹنہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔ الہ آباد میں گنگا جمنا اور سرسوتی کا سنگم ہوا ہے۔ خاص خاص دوسری ندیاں جو گنگا سے آکر ملتی ہیں وہ گومتی، گھاگرا، گنڈک، کوسی، سون، دامودر، جانہوی، الک نندا، کرنالی وغیرہ ہیں۔ جس مقام پر گنگا کا ڈیلٹا شروع ہوتا ہے وہ سمندر سے 48 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ وہاں اس کی مغربی شاخ کا نام ہگلی ہے۔ گنگا کی اصلی دھارا پدما جب برہم پتر سے آملتی ہے تو ان دونوں کا پاٹ 48 کلو میٹر چوڑا ہو جاتا ہے۔ گنگا کی عظمت اور وسعت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اپنے منبع سے صرف 320 کلو میٹر چل کر، یعنی میدانی علاقے میں داخل ہوتے ہی، اس کا پاٹ جہاز رانی کے قابل ہو گیا ہے۔ اس سے متعدد نہریں نکال کر اتر پردیش کے اکثر حصوں میں آبپاشی ہوتی ہے۔

صوبہ بنگال میں داخل ہونے کے بعد، فراکا کے مقام پر، دریائے گنگا دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک حصہ جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور اس کا نام ہگلی ہو جاتا ہے۔ اسی پر کولکاتا (کلکتہ) آباد ہے۔ ہگلی آگے جاکر خلیج بنگال میں گر جاتی ہے۔ دوسرا حصہ جنوب مشرق کی طرف بنگلہ دیش میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر دریا برہم پتر سے مل جاتا ہے اور اس کا نام جمنا ہو جاتا ہے اس میں میگھنا اور دوسری ندیاں آکر مل جاتی ہیں اور یہ بھی خلیج بنگال میں جا گرتی ہے۔ خلیج بنگال میں گرنے سے پہلے یہ سندربن کے دلدلوں سے گزرتی ہے۔

گنگٹاک (گینگ ٹاک): ریاست سکم (ہندوستان) کا صدر مقام ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اوائل 1975 میں سکم جو ایک پہاڑی ریاست کی حیثیت رکھتا تھا، عوام کی خواہش کی بنا پر بھارت میں بحیثیت ہندوستانی ریاست ضم ہو گیا۔ یہ ایک تجارتی منڈی بھی ہے۔ اس کی بلندی 3,600 فٹ ہے۔ یہ دارجلنگ کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے پہلوؤں پر سیڑھی نما علاقے پھیلے ہوئے ہیں۔ گنگٹاک ذرائع آمد و رفت کا مرکز اور اہم تجارتی مقام بھی ہے۔

گنگوتری: ہمالیہ کے پہاڑی سلسلہ میں اہل ہنود کی اہم عبادت گاہ ہے جو اتر پردیش کے ٹہری گڑھوال علاقے میں واقع ہے۔ یاتری یہاں اشنان کے لیے بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ یہ اشنان دریائے گنگا کے دو معاونوں کے سنگم پر ہوتا ہے۔

گنی (Guinea): مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال میں گنی بساؤ، سینیگال اور مالی، مشرق میں آئی وری کوسٹ، جنوب میں سیرالیون اور لائبیریا، اور مغرب میں بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) واقع ہیں۔ یہ ایک استوائی ملک ہے اور آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے۔ ساحلی علاقہ میدانی اور زرخیز ہے۔ کچھ حصہ پہاڑی ہے۔ کچھ میں گھنے جنگل ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ 'مالنکے' فلانی اور سوسو قبائل پر مشتمل ہے۔ ان کا پیشہ زیادہ تر زراعت ہے۔ چاول، کیلے، کافی اور پام کی کاشت کی جاتی ہے۔ گنی کے باکسائٹ کے خزانے دنیا کے سب سے بڑے خزانوں میں سے ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ مسلمان ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام کوناکری ہے جس کی آبادی 412,000 ہے۔ سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔

درآمدات زیادہ تر روس (سوویت یونین)، فرانس، امریکہ اور بلجیم سے آتی ہیں اور برآمدات اسپین، جرمنی، روس (سوویت یونین)، فرانس، کینیڈا، یوگوسلاویہ وغیرہ کو جاتی ہیں۔ الیومینا، باکسائٹ، کافی، پام اور انناس برآمد کئے جاتے ہیں۔

رائج سکہ سائلس ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 359,406 طالب علم اور 8,700 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 85,942 طالب علم اور 5,976 استاد تھے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 6,245 طالب علم تھے۔

زمانۂ قدیم میں مغربی افریقہ کے دوسرے ملکوں، مثلاً سینیگال اور گھانا کی طرح گنی بھی کافی ترقی یافتہ تھا۔ اس علاقہ کی تہذیبی ترقی کا اندازہ گنی کے کلاسکی رقص و موسیقی سے ہو سکتا ہے۔ یوروپی باشندوں کے اس علاقے میں آنے سے پہلے، ایک زمانہ میں یہ گھانا اور سوڈان کی مشہور افریقی سلطنتوں کا ایک حصہ تھا۔

افریقہ کے دوسرے ملکوں کی طرح یوروپ سے یہاں سب سے پہلے پرتگالی پندرھویں صدی میں آئے۔ اور لوگوں کو پکڑ کر غلاموں کی تجارت شروع کی۔ اس کے بعد فرانسیسی اور برطانوی تاجر یہاں آنے لگے اور سترھویں صدی تک ان میں آپس میں رقابت کافی بڑھ گئی۔ انیسویں صدی تک کئی لڑائیوں کے بعد آخرکار فرانس نے گنی پر قبضہ کر کے اسے اپنی کالونی بنا لیا۔ 1890 میں گنی کی ایک ریاست بنائی گئی اور اسے سینیگال سے الگ کر لیا گیا۔ 1895 تک گنی فرانسیسی مغربی افریقہ کا جزو رہا اور ستمبر 1958 تک یہ فرانس کی افریقہ میں نوآبادی (کالونی) بنا رہا۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد افریقہ کے دوسرے ملکوں کی طرح فرانسیسی مقبوضات میں بھی آزادی کی تحریک تیز ہوئی اور 1958 میں ڈی گال کو مجبوراً اپنے فرانسیسی مقبوضات میں رائے شماری کروانی پڑی کہ وہ آزادی چاہتے ہیں یا نہیں۔ گنی نے بڑی اکثریت سے آزادی کے حق میں ووٹ دیا۔ اس نے فرانس کو بہت ناراض کر دیا اور اس نے ہر قسم کا مصروف سرمایہ وہاں سے نکال لیا۔ اکتوبر 1958 میں گنی نے آزادی حاصل کر لی اور سیکو تورے اس کے صدر منتخب ہوئے۔ انھوں نے سوویت یونین، چین اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے قریبی معاشی تعلقات قائم کئے۔ افریقہ میں وہ بائیں بازو کے اور ترقی پسند سمجھے جاتے تھے اور گنی بساؤ اور دوسرے افریقی ملکوں کی آزادی کی جدوجہد میں انھوں نے بہت بڑھ چڑھ کر مدد کی۔

1963 میں فرانس سے تعلقات بحال ہوئے۔ 1984 میں صدر 'تورے' کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد کانتے صدر منتخب ہوا۔ اس نے مغربی ممالک سے تعلقات بڑھائے۔ 1989 میں اعلان کیا گیا کہ شہری حقوق بحال کئے جائیں گے۔ اسی زمانے میں پھر فرانس سے مالی امداد کے معاہدے ہوئے۔

گنی بساؤ (Guinea Bissau): یہ مغربی افریقہ کا ایک آزاد ملک ہے۔ آزادی سے پہلے یہ پرتگال کی ایک نوآبادی تھا اور اس کا نام پرتگالی گنی تھا۔ اس کا رقبہ 36,125 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 984,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام بساؤ ہے۔ گنی بساؤ کے مشرق اور جنوب میں آب و ہوا نہایت مرطوب ہے اور جنگل پھیلے ہوئے ہیں۔ چاول، مونگ پھلی، کساوا، گنا، کاجو، ناریل، اور پام پیدا ہوتے ہیں۔ صنعتیں بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ زرعی پیداوار سے متعلق ہیں۔ درآمدات کا 56 فیصدی حصہ پرتگال سے اور بقیہ اسپین، برطانیہ اور جاپان سے آتا ہے۔ برآمدات کا 90 فیصدی حصہ پرتگال کو جاتا ہے۔ برآمدات میں 46 فیصدی مونگ پھلی اور 11 فیصدی حمل و نقل کے کل پرزے

ہوتے ہیں۔

رائج سکہ گنی بساؤ کا پیسو ہے۔

1988 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 79,035 طالب علم اور 3,121 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 6,330 طالب علم اور فنی اسکولوں میں 649 طالب علم تھے۔

یوروپی باشندوں میں یہاں سب سے پہلے پرتگالی آئے۔ سولھویں صدی میں جب پرتگالیوں نے بڑے پیمانے پر افریقی باشندے غلام بنا کر یوروپ اور امریکہ کی منڈیوں میں بھیجنے شروع کئے تو یہ کاروبار سب سے پہلے اس علاقے سے شروع ہوا۔ 1879 میں پرتگالی حکومت نے اسے اپنی ایک کالونی بنا لیا جس پر ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب افریقہ کے دوسرے ملکوں میں آزادی کی جدوجہد شروع ہوئی تو آزادی کی تحریک یہاں بھی شروع ہوئی۔ برطانیہ، فرانس، بلجیم وغیرہ نے مجبور ہو کر اپنے علاقوں کو آزادی دے دی لیکن پرتگالیوں نے کچھ سبق نہیں سیکھا بلکہ وہاں کی فاشسٹ سالازار حکومت نے 1951 میں افریقہ کے مقبوضات اپنے سمندر پار صوبے قرار دے دیئے۔ آزادی کی جدوجہد نے آخر کار مسلح لڑائی کی شکل اختیار کر لی اور محاذ آزادی نے ملک کے بڑے حصے کو آزاد کرا کے اس میں اپنا نظم و نسق قائم کر لیا۔ پرتگال میں جب فاشسٹ حکومت کا تختہ الٹ کر جمہوری حکومت قائم ہوئی تو اس نے اگست 1974 میں گنی بساؤ کی آزادی تسلیم کر لی اور یہاں ایک آزاد اور جمہوری مملکت قائم ہو گئی۔ لوئی کبرال پہلا صدر منتخب ہوا اور گنی بساؤ اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔ 1980 میں کبرال کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ 1983 میں کیپ ورڈے کے ساتھ تعلقات بہتر ہو گئے۔ 1991 میں قومی اسمبلی نے PAIGC کی تنہا قانونی پارٹی کی حیثیت کو ختم کر دیا۔ گنی بساؤ سخت مالی بحران کا شکار ملک ہے۔

گوا: ہندوستان کے مغربی ساحل پر ممبئی سے 250 میل جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 14,265 مربع میل ہے۔ اس کے شمال میں ترا کول یا اَرون ڈم ندی ہے۔ مشرق میں مشرقی گھاٹ ہیں۔ جنوب میں کرناٹک کے ضلع جنوبی کنڑ کا علاقہ ہے اور مغرب میں بحیرۂ عرب۔ گوا میں تین بڑے شہر واقع ہیں۔ پنجم یا نیا گوا (نووا گوا)، گوا اور مارماگاؤ۔ پانچ سو سال قبل اس جزیرہ کے جنوبی علاقہ میں پرتگالیوں نے شہر بسایا تھا۔ چاول کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے۔ میوہ، نمک، سپاری اور ناریل کی بہتات ہے۔ ناریل، میوہ، گرم مصالحہ (مسالہ)، مینگنیز، کچا لوہا، مچھلی اور نمک باہر بھیجے جاتے ہیں۔ 19/ دسمبر 1961 میں یہ علاقہ پرتگالی قبضہ سے آزاد ہو کر ہندوستان کا جزو بن گیا اور اب ایک ریاست ہے۔

گواٹے مالا: جمہوریہ گواٹے مالا کا دارالحکومت اور اس کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں تقریباً 383,200 تھی۔ اس کا پورا نام سینٹیا گو ڈی لاس کیبلے روس ڈی گواٹے مالا نیووا ہے۔ یہ ایک کشادہ وادی میں واقع ہے۔ یہاں موسم سال بھر یکساں رہتا ہے۔ وسطی امریکہ کا یہ سب سے بڑا شہر ہے۔ سڑکوں اور ریلوے کا کافی جال بچھا ہوا ہے۔ اس جمہوریہ کا یہ صنعتی اور اقتصادی مرکز ہے۔ یہاں سے ساحلی علاقوں کے پھل، ترکاریاں، دیہی دستکاری کی اشیا اور زیادہ تر کپڑے برآمد ہوتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے یہاں ایک یونیورسٹی ہے۔ 1776 میں اس شہر کی بنیاد پڑی۔ 18-1917 کے دوران ایک تباہ کن زلزلہ آیا تھا اور شہر بڑی حد تک برباد ہو گیا تھا۔ اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ "مایا" تہذیب کے یہاں بڑے دلچسپ باقیات ملتے ہیں۔

گواڈے لوپ (Guadeloupe): فرانس کا ایک سمندر پار صوبہ ہے جو بحیرۂ کریبین میں ویسٹ انڈیز کے پاس واقع ہے۔ یہ کئی جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان کا کل رقبہ 1,780 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 345,000 ہے۔ صدر مقام باس ٹیر (Basse - Terre) ہے۔

ان جزائر کی آب و ہوا معتدل اور مرطوب ہے۔ اکثر طوفان کا شکار رہتے ہیں۔ آبادی کی بڑی اکثریت نیگرو (سیاہ فام) ہے۔ سفید فام لوگ ان کی اولاد ہیں جو شروع میں یہاں بسے تھے۔ کولمبس نے اسے 1493 میں دریافت کیا تھا۔ ہسپانیوں نے شروع میں یہاں آبادکاری کی کوشش کی اور پھر چھوڑ دیا۔ 1635 سے فرانسیسی یہاں آباد ہونے لگے۔ 1815 میں یہ فرانسیسی علاقہ مان لیا گیا، اگرچہ انگریز بھی سخت دعوے دار تھے۔ 1946 میں اسے فرانس کا سمندر پار صوبہ بنا دیا گیا اور گورنر کی جگہ ایک انتظامی عہدے دار مقرر ہوا۔ 1974 میں یہ انتظامی مرکز بن گیا۔ تجارت زیادہ تر فرانس سے ہوتی ہے اور شکر اور کیلا یہاں سے برآمد کیا جاتا ہے۔

گواشابرای: یہ کشمیر (ہندوستان) کے جنوب میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو سطح سمندر سے 5,425 میٹر بلند ہے۔

گوالیار: مدھیہ پردیش (ہندوستان) میں ایک قدیم مشہور شہر ہے۔ آزادی سے قبل یہ اسی نام کی ایک ریاست کا صدر مقام تھا۔ اب یہ ریاست مدھیہ پردیش کا ایک شہر اور اسی نام کے ضلع کا صدر مقام ہے۔ 1991 میں اس کی آبادی 717,780

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

تھی۔ یہ شہر صنعتوں کا مرکز ہے۔ یہاں یونیورسٹی اور کالج واقع ہیں۔ ہندوستان کے مشہور گویے تان سین کا مزار یہیں ہے۔ ضلع گوالیار کا رقبہ 2,002 مربع میل ہے۔ اس کا 1/6 علاقہ جنگلات پر مشتمل ہے۔ یہاں گیہوں، مکئی، چاول اور گنے کی کاشت زیادہ ہوتی ہے۔ گوالیار کا قلعہ بھی، جہاں پرانے حکمراں رہا کرتے تھے، مشہور ہے اور تاریخی اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔

گوام (Guam): یہ بحرالکاہل میں واقع ایک جزیرہ ہے جو امریکہ کے قبضہ میں ہے لیکن جسے امریکہ کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے۔ یہ امریکہ کے شہر سان فرانسسکو سے 9,600 کلو میٹر (6 ہزار میل) جنوب مغرب میں اور منیلا کے مشرق میں 2,400 کلو میٹر (1,500 میل) کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 541 مربع کلو میٹر ہے اور 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 149,000 ہے۔ صدر مقام اگانا ہے۔

یہاں سے شکر، آٹا، چاول، گوشت اور ترکاریاں برآمد کی جاتی ہیں۔ یہاں کے باشندے زیادہ تر کمارو س' نسل کے ہیں، جو اسپینی، فلپینو اور مائکرونیشین نسلوں سے مخلوط ہیں۔ 1521 میں ہسپانیوں نے اسے دریافت کیا تھا۔ 1898 تک یہ ان کے قبضے میں رہا۔ اس کے بعد ہسپانیہ اور امریکہ کی جنگ کے دوران امریکہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 1917 سے 1950 تک یہ بحری بیڑے کے تحت رہا اور بحریہ کا ایک افسر یہاں کا حاکم تھا۔ اب اس کا نظم و نسق امریکہ کی وزارت داخلہ کے تحت ہے۔ امریکی صدر ایک گورنر مقرر کرتا ہے اور اسے مشورہ دینے کے لیے 21 ممبروں کی ایک منتخبہ اسمبلی ہے۔ یہاں کے باشندوں کو امریکی شہریت حاصل ہے۔

دوسری عالم گیر جنگ کے دوران دسمبر 1941 میں جاپان نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ جولائی 1944 میں امریکیوں نے کافی خون خرابے کے بعد اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ مغربی بحرالکاہل میں امریکہ کا سب سے بڑا فوجی، بحری اور ہوائی اڈا یہاں موجود ہے۔ یہاں سے شمالی اور جنوبی ویت نام اور لاؤس پر حملے کیے گئے۔ یہاں تمام صنعتیں فوجی اور فوجیوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مصروف رہتی ہیں۔ سیاحی بھی بہت اہم ذریعہ آمدنی ہے۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے تجارتی زراعت کرنا ممکن نہیں ہے۔

گواٹے مالا (Guatemala): وسط امریکہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال اور مغرب میں میکسیکو، مشرق میں بلیزے اور بحیرۂ کیریبین، جنوب مشرق میں ہنڈوراس (Honduras) اور ایل سیلوڈور اور جنوب میں بحرالکاہل واقع ہیں۔ شمال مشرق میں کیریبین (Caribbean) پر اس کا ساحل ہے۔ اور مغرب میں بھی بحرالکاہل پر اس ملک کا ساحل ہے۔ وسطی امریکہ کا یہ رقبہ میں تیسرا سب سے بڑا ملک ہے۔ اور آبادی کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا ہے۔ اس کا کل رقبہ 108,889 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں کی آبادی 9,467,000 ہے۔ سرکاری زبان ہسپانوی ہے۔ ساتھ ہی انڈین زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ آبادی کی اکثریت کا مذہب رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔

گواٹے مالا کا زیادہ تر حصہ پہاڑی ہے۔ کوہ انڈیز کا سلسلہ یہاں تک چلا آیا ہے۔ کئی پہاڑ آتش فشانی ہیں۔ زراعت اور مویشیوں کی پرورش عام پیشے ہیں۔ مکا، گنا، کافی اور روئی وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ صنعتیں برائے نام ہیں۔ ملک کی درآمدات کا 32 فیصدی امریکہ سے اور بقیہ وینی زویلا، جاپان اور جرمنی سے آتا ہے۔ برآمدات کا 33 فیصدی امریکہ کو، باقی وسطی امریکہ کے دوسرے ملکوں کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 25 فیصدی کافی، 18 فیصدی شکر، 11 فیصدی روئی ہے۔

رائج سکہ کیٹزال (Quetzal) ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی تعلیم کے اداروں میں 1,249,413 طالب علم اور 36,757 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 241,053 طالب علم اور 16,332 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 51,860 طالب علم تھے۔

تاریخ: گواٹے مالا کی تاریخ 1524 سے شروع ہوتی ہے جب اسے کارٹیز (Cartez) نے فتح کیا۔ تین سو سال تک اس پر اسپین کا قبضہ رہا اور اس کے بعد اس نے آزادی حاصل کر لی۔ 1821 میں ایک وفاق (کانفیڈریشن) بنا دیا گیا۔ یہ 18 سال تک کام کرتا رہا۔ ایک مقامی انڈین رفائل کریرا (Rafael Carrera) نے 1839 میں اس پر قبضہ کر لیا اور 1865 تک حکمران رہا۔ اس کی وفات کے بعد امریکہ کے طرز کا ایک آئین بنایا گیا۔

اس کے بعد سے گواٹے مالا میں جمہوری نظام چلانا بڑا مشکل رہا ہے۔ 1951 میں بائیں بازو کا جاکوبو آربینز صدر چنا گیا۔ اس نے زرعی اصلاحات نافذ کیں اور غریب عوام کی فلاح کی کئی اسکیمیں شروع کیں۔ اس سے ملک میں قائم امریکن فروٹ کمپنی اور پڑوس کے ملکوں میں بوکھلاہٹ پھیل گئی۔ چنانچہ 1954 میں پڑوس کے ملک نکاراگوا اور امریکہ کی مدد سے کاسٹیلو آرماس نے اس پر حملہ کر دیا اور ملک پر قبضہ کر کے خود صدر بن گیا۔ لیکن 1957 میں اسے قتل کر دیا گیا۔ 1958 میں نئے آئین کے تحت پھر انتخابات ہوئے اور اس مرتبہ بھی ایک بائیں بازو کا صدر منتخب ہوا۔ لیکن 1963 میں فوجی بغاوت کے ذریعہ پھر اس کا تختہ الٹ دیا گیا اور اس کے بعد سے بیرونی مداخلت اور سرمایہ کے زور پر کسی عوامی حکومت کو برسر اقتدار آنے نہیں دیا گیا۔ اس کے نتیجے کے طور پر معاشی حالت انتہائی تباہ ہے اور بے ایمانی اور رشوت ستانی کا زور ہے۔ 1966 میں اعتدال پسند مونٹنگرو صدر منتخب ہوا۔ یہاں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

416

1970 میں کنزرویٹو جماعت کا ارناؤسوریو صدر منتخب ہو گیا۔اس نے کوشش کی کہ ملک میں قتل و فسادات بند ہوں۔ لیکن سیاسی فسادات ملک میں 1980 تک اور اس کے بعد بھی چلتے رہے۔1976 میں گواتے مالا شہر میں زلزلے سے بہت بربادی ہوئی۔1985 میں پھر ایک عام شہری صدر منتخب ہوا۔1990 میں ایک اور سول شخصیت (عام شہری) کا صدر منتخب ہو جانا یہ بتاتا ہے کہ ملک میں کسی حد تک تشدد کم ہو رہا ہے۔

گوبی (ریگستان): یہ وسط ایشیا کا وسیع ریگستان، ایک بڑی کمان کی شکل میں منگولیا کی سطح مرتفع اور چین میں منچوریا اور سنکیانگ تک پھیلا ہوا ہے۔اس کی چوڑائی تین سو تا چھ سو میل اور لمبائی ایک ہزار میل سے زائد ہے۔یہ تقریباً 5 ہزار مربع میل کے علاقہ پر پھیلا ہوا ہے۔اسے خشک ہواؤں نے تراشا ہے اور چاروں طرف پہاڑوں کے پھیلاؤ نے اسے ایک طاس کی شکل دے دی ہے۔یہاں موسم سرما کی ہوائیں زور سے چلتی ہیں اور برفانی طوفانی ہواؤں کی یورش بھی ہوتی رہتی ہے۔چھ ماہ تک اوسط درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی کم رہتا ہے۔گرم ترین مہینوں کا اوسط درجہ حرارت 85°F تا 90°F رہتا ہے۔ کہیں کہیں درجہ حرارت 105°F سے 110°F تک پہنچ جاتا ہے۔

گوداوری: یہ ندی شہر ناسک کے قریب مغربی گھاٹ میں ترمبک کے قریب برہم گری سے نکلی ہے۔اس کا منبع بحیرۂ عرب کے ساحل سے صرف 80 کلومیٹر دور ہے مگر خلیج بنگال تک پہنچنے میں اسے 1,440 کلومیٹر تک مہاراشٹر اور آندھرا پردیش سے گزرنا ہوتا ہے۔اس کی اہم معاون ندیاں پران ہتیا، اندراوتی، سابری، پراورا، داونا، پورنا، مانجرا ہیں۔ناسک سے پیٹھن تک گوداوری کے کنارے کئی شہر بسے ہوئے ہیں۔بھدراچلم کا مشہور مندر اسی پر واقع ہے۔دولیشورم کے پاس اس کا عظیم ڈیم تیار کیا گیا ہے۔پیٹھن ڈیم سے مہاراشٹر اور پوچم پاڈ پراجکٹ سے آندھرا پردیش استفادہ کرتے ہیں۔گوداوری جنوبی ہند کی سب سے بڑی ندی ہے اور جنوب کی گنگا کہلاتی ہے۔

گورکھپور: یہ شہر اتر پردیش میں "راپتی" ندی کے بائیں کنارے پر وارانسی سے 150 میل شمال میں واقع ہے۔نارتھ ایسٹرن ریلوے کا صدر مقام ہے۔ریلوے انجنوں کا بڑا ورک شاپ ہے۔یہاں کی 45 فیصدی آبادی کارخانوں میں ملازم ہے۔یہ اسی نام کے ضلع کا صدر مقام ہے۔1991 کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی 505,566 ہے۔

گوری شنکر: ہمالیہ پہاڑوں کے اندرونی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو نیپال میں واقع ہے۔اس کی بلندی سطح سمندر سے 7,145 میٹر (23,440 فٹ) ہے۔

گوسائین تھان: دیکھئے "کاوسنگ سان لنگ"

گولا نندا: تبت کے جنوب مغرب میں سلسلۂ ہمالیہ کی جو شاخ نیپال تک پہنچتی ہے اس کے قریب گڑھوال کی سرحد پر یہ پہاڑ واقع ہے جس کی چوٹی کی بلندی 25,355 فٹ ہے۔

گولکنڈہ (قلعہ): شہر حیدر آباد کی مشہور عمارت چار مینار سے 5 میل دور مغرب کی جانب واقع ہے۔ قطب شاہی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ اس کے محلات اور بالاحصار بیرونی اور اندرونی فصیلوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ بیرونی فصیل کے 64 برج ہیں۔ بعض برجوں پر قدیم زمانے کی بہت وزنی توپیں رکھی ہیں جن میں اژدہا پیکر اور فتح رہبر مشہور ہیں۔ قلعہ میں داخلہ چار بڑے دروازوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ ہاتھی دروازہ، موتی دروازہ، بنجاری دروازہ اور کلی دروازہ مشہور ہیں۔ یہ شہر ہیروں کی منڈی کے لیے مشہور تھا۔ جب قلی قطب شاہ نے شہر حیدر آباد بسایا تو اپنا دارالسلطنت وہاں منتقل کر دیا۔

گومتی: اتر پردیش کے ضلع پیلی بھیت کی ایک جھیل سے نکل کر یہ ندی جونپور سے آگے گنگا میں مل گئی ہے۔اس کے کنارے پر اتر پردیش کا صدر مقام لکھنؤ واقع ہے۔

گومل درّہ: یہ ایک پہاڑی درّہ ہے، جو پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ کے جنوبی وزیرستان ضلع میں گومل ندی کی وادی میں واقع ہے۔ خیبر اور بولن کے درّوں کے درمیان یہ ایک اہم ترین پہاڑی راستہ ہے، جو مشرقی افغانستان کے شہر غزنی کو پاکستان کے ٹانک اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے ملاتا ہے۔ قدیم افغانی خانہ بدوش تاجروں کی رہ گزر ہے۔

گونڈوانا لینڈ: ماہرین ارضیات کا خیال ہے کہ قدیم زمانہ میں یہ جنوبی نصف کرہ کا ایک وسیع براعظم تھا۔اس میں جنوبی امریکہ، افریقہ، عرب، جزیرہ نمائے ہند، آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا شامل تھے۔ان علاقوں کے ساحلی کٹاؤ کے علاوہ ارضیاتی، نباتاتی اور حیواناتی مشابہتیں، ان کے کبھی یکجا ہونے کی شہادت دیتی ہیں۔ براعظمی پھسلن (ڈرفٹ) نے انھیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

گویانا (Guyana): یہ ایک جمہوریہ ہے جو جنوبی امریکہ کے شمال مشرق میں دریائے امیزان اور دریائے آری نیکو (Orinico) کے درمیان ایک وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا مغربی علاقہ وینی زویلا کے اندر تک چلا گیا ہے اور جنوبی علاقہ برازیل کے اندر تک پھیلا ہوا ہے۔ شمال میں بحر اوقیانوس اور مشرق میں سری نام واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 214,969 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد وشمار کے مطابق 800,000 ہے۔ ان میں سے 52 فیصدی ہندوستانی نسل کے، 31 فیصدی افریقی، 10 فیصدی ملی جلی نسل کے اور 5 فیصدی امریکی انڈین نسل کے ہیں۔ آزادی سے پہلے یہ علاقہ برٹش گیانا کہلاتا تھا۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام جارج ٹاؤن ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ لوگ ہندو دھرم، اسلام اور پروٹسنٹ کیتھولک عیسائی مذہب کے پیرو ہیں۔

آب وہوا معتدل ہے۔ وسیع جنگلات ہیں۔ آبادی بہت گھنی ہے۔ گنے، چاول، کافی، ناریل کی پیداوار ہوتی ہے۔ آمدنی کا بڑا ذریعہ کان کنی ہے۔ خاص طور پر سونے ہیرے اور باکسائٹ کی کان کنی کی جاتی ہے۔ برآمدات کا 48 فیصدی شکر، اور 21 فیصدی باکسائٹ ہے۔ اس کے علاوہ چاول اور الیومینا بھی باہر بھیجا جاتا ہے۔

1988 کے اعداد وشمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 118,015 طالب علم اور 4,010 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 241,053 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 51,860 طالب علم تھے۔

تاریخ: اس علاقے میں یوروپی باشندے سب سے پہلے 1617 اور 1621 کے درمیان آکر بسے۔ یہ ڈچ ویسٹ انڈیا کمپنی والے لوگ تھے۔ یہاں انھوں نے اپنے قلعے بھی تعمیر کیے۔ 1604 میں انگریز بھی یہاں پہلی مرتبہ آئے۔ لیکن جم نہیں سکے۔ ڈچ لوگوں نے 1896 تک یہاں اپنا کنٹرول رکھا۔ انگریز، فرانسیسی اور پرتگالی بھی وقتاً فوقتاً اس پر دھاوے بولتے رہے۔ 1796 میں انقلاب فرانس کے زمانے میں فرانسیسیوں کو معروف پاکر برطانوی بحری بیڑے نے بارباڈوس (Barbados) سے بڑھ کر اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ 1802 میں یہ علاقہ ڈچ لوگوں کو پھر واپس کردیا گیا۔ لیکن اگلے سال پھر برطانیہ نے قبضہ کرلیا۔ 1815 میں اسے مستقل طور پر برطانیہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور 1831 میں اس کا نام برٹش گیانا رکھا گیا۔

برطانیہ نے اس علاقے کو اپنی کالونی بنالیا اور مقامی آبادی کو ختم کرکے بڑے پیمانے پر ہندوستانی اور افریقی مزدور لاکر بسائے۔ ان کی حالت غلاموں سے کچھ بہتر نہ تھی۔ ان سے زیادہ تر گنے کے کھیتوں میں کام لیا جاتا تھا۔ اب بھی یہاں تقریباً 85 فیصدی باشندے ہندوستانی اور افریقی نسلوں کے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب ساری دنیا کے محکوم ملکوں میں آزادی کی لہر تیز ہونے لگی تو پھر گویانا کیسے بچ سکتا تھا۔ چنانچہ یہاں بھی آزادی کی تحریک تیز ہوئی۔ برطانیہ کو 1956 میں ایک نیا آئین منظور کرنا پڑا اور چناؤ میں بائیں بازو کی پیپلز پروگریسیو پارٹی کے لیڈر چھیدی جگن کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور انھیں وزیر اعظم بنانا پڑا۔ 1961 میں دوبارہ جگن منتخب ہوئے۔ ایک نیا آئین منظور ہوا۔ اور گویانا کو اندرونی خود مختاری مل گئی۔ جگن نے ملک میں اہم سماجی اور معاشی اصلاحات کیں جس سے عام غریب کسانوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ لیکن زمینداروں، مالدار لوگوں اور سفید فام آبادی کو یہ پسند نہیں تھا۔ چنانچہ بڑے پیمانے پر نسلی فسادات شروع کیے گئے۔ 1962 سے 1964 تک کئی مرتبہ ایمرجنسی نافذ ہوئی اور برطانوی فوجوں نے مداخلت کی۔

آخر کار متناسب نمائندگی کی بنیاد پر نئے چناؤ کروائے گئے اور 1966 میں گویانا کو مکمل آزادی مل گئی۔ جگن کی ہی پارٹی کے ایک ممبر برنہم نے ایک الگ پارٹی بنالی اور اکثریت حاصل کرکے وزیر اعظم بن گئے۔ کئی سال تک اس کی وجہ سے سخت اندرونی کشمکش چلتی رہی اور چھیدی جگن کی پارٹی نے پارلیمنٹ کا بائکاٹ کردیا۔ 1970 میں گویانا ایک جمہوریہ بن گیا۔ وینی زویلا اور سری نام کے ساتھ سرحدیں متنازعہ ہوگئی تھیں۔ بالآخر 1970 میں طے ہوا کہ بارہ سال تک یہ ممالک آپسی جھگڑوں کو ملتوی کردیں۔

1976 میں وزیر اعظم برنہم اور چھیدی جگن کی پارٹیوں میں سوشلزم کی بنیاد پر آپس میں تعاون کا سمجھوتا ہوگیا اور اس کے مطابق حکومت نے تقریباً 70 فیصدی معیشت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کئی بڑی بڑی بیرونی کمپنیوں کو اور بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ 380 خانگی اسکولوں میں سے تین سو اسکول سرکار نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ جزائر غرب الہند کی طرح گویانا نے بھی امریکی خفیہ پولیس (C.I.A) اور اس کی سرگرمیوں کے خلاف اخباروں اور ریڈیو کے ذریعے زبردست مہم شروع کی۔ گویانا مجلس اقوام متحدہ اور کامن ویلتھ کا بھی ممبر ہے۔ 1980 میں ایک اور نیا دستور منظور کیا گیا۔

گوہاٹی تھرمل اسٹیشن: آسام میں گوہاٹی کے مقام پر اور دریائے برہم پتر کے جنوب کی جانب، ایک 12,500 کلوواٹ کا گیس ٹربائن یونٹ نارنگی میں اور دوسرا 30,000 کلوواٹ کا یونٹ چندر پور میں لگایا گیا ہے۔ ان دونوں یونٹوں سے گوہاٹی اور اس کے مضافاتی علاقے استفادہ کرتے ہیں۔

گہرے سمندری رسوب (Deep Sea Sediments): سمندر میں دو ہزار میٹر سے زیادہ گہرائی پر دو قسم کے رسوب پائے جاتے ہیں۔ حیاتی طور پر پیدا شدہ کیچڑ (Ooze) اور غیر نامیاتی سرخ چکنی مٹی کیچڑ آہکی بھی ہو سکتا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے اور سلیکائی بھی۔ مگر 5000 میٹر سے زیادہ گہرائی پر سرخ چکنی مٹی کے علاوہ ہر شے پانی میں حل ہو جاتی ہے۔ سرخ مٹی عام طور پر آتش فشانی راکھ (Volcanic Ash) اور شہابی مادوں کے بے حد باریک ذرات سے بنی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ عموماً شارک (Shark) اور وھیل (Whale) مچھلیوں کے دانت اور کان کی ہڈیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اکثر مینگنیز ڈائی آکسائیڈ (MnO_2) ترکیب کے گرہ دار پتھر (Nodules) بھی سمندر میں اوز (Ooze) کے ساتھ ملے ہوئے پائے جاتے ہیں اور یہ گرہ دار پتھر معاشی طور پر مینگنیز دھات کے اہم ذخیرے ہیں۔

گھاٹی: سلامی دار پہلوؤں کی تنگ دریائی وادی جیسے مغربی جرمنی میں رہائن کی گھاٹی۔

گھاگرا: دریائے گنگا کی معاون ندی ہے جو تبت سے نکل کر اور نیپال سے بہتے ہوئے اتر پردیش میں سریو ندی سے آملتی ہے۔ اس لیے لوگ اس کو سرجو ندی بھی کہتے ہیں۔ اس کے کنارے پر بھارت کی قدیم راجدھانی اجودھیا واقع ہے۔

گھانا (Ghana): مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ یہ بحر اوقیانوس اور خلیج گنی پر واقع ہے۔ پہلے یہ برطانوی کالونی گولڈ کوسٹ کا ایک حصہ تھا۔ اس کے مغرب میں آئی وری کوسٹ، شمال میں مالی اور برکینا فاسو (سابق اپر وولٹا)، مشرق میں ٹوگو اور جنوب میں خلیج گنی اور بحر اوقیانوس واقع ہیں۔ رقبہ 238,536 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 15,509,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام 'اکرا' ہے جس کی آبادی 7 لاکھ سے اوپر ہے۔ گھانا کے زیادہ تر لوگ آشانتی، فانتی، ڈاگومبا اور گونجا قبیلوں کے ہیں۔ عیسائی 43 فیصدی، افریقی مذاہب کے پیرو 38 فیصدی اور مسلمان 12 فیصدی ہیں۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ لیکن بول چال میں سوڈانی استعمال کرتے ہیں۔ گھانا کا ساحل 560 کلو میٹر (350 میل) لمبا اور ولدلی ہے۔ اس ساحل سے تھوڑی دور اندر گھاس اگنا شروع ہوتی ہے اور زیادہ اندر جنگل ہیں۔ ملک کا سب سے بڑا دریا وولٹا ہے۔ مغربی حصے میں بے شمار چشمے بھی ہیں جن سے زمین سیراب ہوتی ہے۔ اس علاقے میں سونے کی کانیں ہیں جس پر پرانے سامراجی حکمرانوں نے اس کا نام گولڈ کوسٹ رکھا تھا۔ گھانا بڑی حد تک زرعی ملک ہے۔ کوکو یہاں کی خاص پیداوار ہے کافی بھی پیدا ہوتی ہے۔ جنگلوں سے ربر حاصل کی جاتی ہے۔ لکڑی بھی کاٹی جاتی ہے۔ سونے کے علاوہ مینگنیز، ہیرے اور باکسائٹ کے کافی بڑے ذخیرے ہیں۔ دریائے وولٹا پر ایک بڑا بند بنایا گیا ہے جس سے بجلی حاصل کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ آب پاشی بھی کی جاتی ہے۔

گھانا کی درآمدات کا بڑا حصہ برطانیہ، جرمنی، امریکہ، جاپان اور نائجیریا وغیرہ سے آتا ہے اور برآمدات برطانیہ، امریکہ، سوئٹزر لینڈ، جرمنی، جاپان اور روس کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 55 فیصدی حصہ کوکو اور 21 فیصدی حصہ لکڑی ہے۔ ریلوے لائنیں صرف 933 کلو میٹر لمبی ہیں، البتہ سڑکیں 31 ہزار کلو میٹر لمبی ہیں جو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔

رائج سکہ نیا سیڈی (New Cedi) ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 1,945,422 طالب علم اور 66,946 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 829,518 طالب علم اور 45,597 استاد تھے۔ پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں 20,777 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 9,609 طلبا تھے۔

یوروپی اقوام کے گھانا میں داخل ہونے سے پہلے یہاں خود مختار نیگرو سلطنتیں تھیں جو کافی ترقی یافتہ تھیں۔ 1482 میں سب سے پہلے پرتگالی یہاں پہنچے اور ایلمینا (Elmina) کے مقام پر ایک قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے ساتھ غلاموں اور سونے کی تجارت شروع ہوئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے بھی ساحلی علاقوں پر قلعے تعمیر کئے اور اس تجارت میں شریک ہو گئے۔ ان کے قلعوں کے اطراف شہر بسنے لگے۔ پڑوس کی اشانتی حکومت نے سامراجیوں کے اس اقدام کی مزاحمت کی اور ان پر حملے شروع کیے۔ چنانچہ 1874 میں برطانیہ نے اسے باقاعدہ اپنی کالونی بنا کر گولڈ کوسٹ کا نام دیا اور فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ مسلسل لڑائیوں کے بعد آخر کار برطانیہ نے اشانتی حکومت کو زیر کر لیا اور 1901 میں پورے اشانتی علاقے پر قبضہ کر لیا اور اسے گولڈ کوسٹ کی کالونی میں شامل کر لیا۔ اس زمانہ میں اشانتی کے شمالی علاقہ کو بھی برطانیہ کی کالونی بنا لیا گیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد جرمن کالونی ٹوگولینڈ کا بھی کچھ حصہ برطانوی تولیت میں آگیا۔ انتظامی طور پر اسے گولڈ کوسٹ سے ملا دیا گیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد آزادی کی تحریک یہاں بہت تیز ہو گئی۔ اس سے مجبور ہو کر 1951 میں برطانیہ نے ایک نیا آئین منظور کیا۔ تحریکِ آزادی کے رہنما کوامے نکرومہ کو جیل سے رہا کیا گیا۔ ان کی پارٹی کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی اور وہ وزیر اعظم بنائے گئے اور گولڈ کوسٹ کے بجائے اس کا نام گھانا رکھا گیا، جو سامراجیوں کے آنے سے پہلے اس کا نام تھا۔ 1957 میں گھانا نے مکمل آزادی حاصل کر لی اور جولائی 1960 میں یہ ایک جمہوریہ بن گیا اور کوامے نکروما اس کے پہلے صدر ہوئے۔ شروع ہی سے کوامے نکروما افریقی اتحاد کے حامی تھے اور تازندگی اس کے لیے سرگرم رہے چنانچہ آل افریقن پیپلز کانگریس پہلی مرتبہ 1958 میں آکرا میں منعقد ہوئی۔ نکروما نے مغربی اتحاد کی کوشش شروع کی۔ پہلے گھانا اور گنی کا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اتحاد ہوا اور پھر 1960 میں مالی بھی اس میں شریک ہو گیا۔

کوامے نکرومہ کی افریقی اتحاد اور سامراج دشمن پالیسیاں مغربی ملکوں کو پسند نہ تھیں۔ چنانچہ انھوں نے گھانا کی اصل برآمدی پیداوار کوکو کا خرید نا بند کر دیا۔ اس کی وجہ سے گھانا سخت مشکلات میں مبتلا ہو گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر فوج اور پولیس نے فروری 1966 میں جب نکرومہ ہندوستان اور چین کے دورے پر تھے، فوجی بغاوت منظم کر کے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور نکرومہ کو گنی میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ نکرومہ کے بعد سے گھانا کو کبھی استحکام نصیب نہ ہو سکا اور سول اور فوجی حکومتیں ایک کے بعد ایک قائم ہوتی رہیں۔

1975 کے بعد پھر فوجی بغاوت کے ذریعے ایک انقلابی کونسل قائم ہوئی اور وہی حکومت چلا رہی ہے۔ 1979 میں حکومت نے سیاسی پارٹیوں پر سے پابندی ہٹالی۔ 1990 میں رالنگ پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا گیا اور اس نے با آسانی کئی پارٹیوں والے انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔

گھٹ پربھا: گھٹ پربھا اپنی دو معاون ندیوں کے ساتھ دکن کی ایک اہم ندی ہے جو مغربی گھاٹ میں سہیاوری کی پہاڑیوں سے نکلتی ہے۔ یہ ضلع بیجاپور میں دریائے کرشنا سے مل جاتی ہے۔ ہیڈا کل کے قریب گھٹ پربھا پر ایک ذخیرۂ آب بنایا گیا ہے جس سے خریف اور ربیع کی فصلوں کو پانی مہیا ہوتا ہے۔

گھماؤدار پرت داری (Convolute Bedding): تیز بہنے والی رودوں کے ذریعے برقی سطحوں میں اتھل پتھل کے باعث ایسی ساخت بن سکتی ہے جس میں کئی ضد میلان (Anticline) اور ہم میلان (Syncline) موجود ہوں۔

یہ ساخت اکثر اوپر کی سیدھی پرت سے ڈھک جاتی ہے۔

گیا اور بودھ گیا: دیکھیے "بدھ گیا (بودھ گیا)"

گیبرون (Gaberones): یہ جنوبی افریقہ کی جمہوریہ بوتس وانا (Botswana) کا صدر مقام ہے۔ صنعت و تجارت کا مرکز ہے۔ اہم ریلوے اسٹیشن اور ایرپورٹ ہے۔ 1971 میں گیبرون کی آبادی 14,467 تھی۔

گیبون (Gabon): مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ پہلے یہ فرانسیسی ایکوٹیوریل افریقہ کے چار ممبروں میں سے ایک تھا۔ خط استوا پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں بحر اوقیانوس، شمال مغرب میں ایکوٹیوریل گنی، شمال میں کیمیرون، اور جنوب مشرق میں جمہوریہ کانگو واقع ہیں۔ رقبہ 267,667 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 1,212,000 ہے۔ صدر مقام سب سے بڑا شہر لبروِیل (Liberville) ہے۔ آبادی کی اکثریت قبائلیوں کی ہے۔ زبان بھی مقامی قبیلے اپنی اپنی استعمال کرتے ہیں۔ سرکاری اغراض کے لیے فرانسیسی زبان استعمال ہوتی ہے۔ آبادی میں کافی لوگ قدیم افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔ اب یہاں عیسائی اکثریت میں ہیں۔

ساحل کے قریب کا علاقہ دلدلی ہے۔ اندر کا علاقہ سطح مرتفع پر مشتمل ہے۔ شمال میں پہاڑ بھی ہیں۔ مرطوب آب و ہوا کی وجہ سے کافی بڑے علاقے میں گھنے جنگل ہیں۔ جن سے کئی قسم کی عمارتی اور فرنیچر کی لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ اور یہی برآمد کا سب سے بڑا مال ہے۔ پیٹرول، مینگنیز، لوہے اور المونیم کے وسیع ذخائر ہیں جن کا بڑے پیمانے پر استحصال ابھی باقی ہے۔

درآمدات کا 57 فیصدی فرانس سے، اور اس کے علاوہ امریکہ، جرمنی اور سویڈن سے بھی آتا ہے۔ برآمدات میں سے 31 فیصدی فرانس کو اور بقیہ جرمنی، امریکہ، برطانیہ، بہاما اور اٹلی وغیرہ کو جاتا ہے۔ کل برآمدات کا 77 فیصدی کچا تیل ہے۔

رائج سکہ فرانک ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 210,000 طالب علم اور 4,782 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 44,124 طالب علم اور 2,074 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 3,000 طالب علم تھے۔

گیبون کے ساحل پر پہنچنے والے سب سے پہلے یوروپی پرتگالی تھے جو یہاں پندرھویں صدی میں آئے اور یہاں کے بندرگاہوں سے بڑے پیمانے پر غلام باہر بھیجے جانے لگے۔ ڈچ، فرانسیسی اور انگریز بھی بعد میں اس کاروبار میں شریک ہو گئے۔ 1815 میں ویانا کانگریس نے غلاموں کی تجارت پر پابندی لگادی اور اس تجویز پر عمل کے لیے فرانس کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ فرانس نے حفاظت کے نام پر 1839 میں افریقی حکمراں ڈینس کو اس پر مجبور کیا کہ وہ اپنا علاقہ فرانس کے حوالے کر دے۔ اس طرح کے معاہدے اور دوسرے افریقی سرداروں سے بھی کئے گئے۔ اس کے بعد فرانسیسیوں نے اندرونی علاقوں میں قدم بڑھانے شروع کئے اور 1885 میں یوروپ کے دوسرے ملکوں نے اس علاقے پر فرانس کا تسلط تسلیم کر لیا۔ پانچ سال بعد گیبون کا پورا علاقہ ایکوٹیوریل کانگو کا جزو بنا دیا گیا۔ 1910 میں اسے فرانسیسی ایکوٹیوریل افریقہ کے اندر ایک علیحدہ کالونی بنا دیا گیا 1960 میں اسے آزادی مل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

گئی۔ گو کہ فرانس کا اثر بہت زیادہ رہا لیکن 1970 سے مقامی حکومت نے اپنے بیرونی معاملات میں بھی فرانس سے خود مختاری طلب کی۔ 1981 میں ملک میں اساتذہ اور طلبا نے مظاہرے کیے۔ 1986 میں بوگو سات سال کے لیے دوبارہ صدر منتخب ہوا۔ 1989 تک حکومت کی مخالفت کی تحریک اور مظاہروں کے نتیجہ میں شدید فسادات ہوئے۔ 1990 میں مخالف جماعتوں کو بھی تسلیم کر لیا گیا لیکن ملک کی معاشی اور معیشتی کیفیت پریشان کن رہی۔

گیتارد، ژاں ایتینے (Jean Etienne Guettard): فرانسیسی ماہر ارضیات جو 1715 میں پیدا ہوا، ان اولین ماہرین ارضیات میں سے تھا جنھوں نے جمادات، حجرات اور رکازات کی تقسیم کا مطالعہ کر کے ان کو نقشوں میں ظاہر کیا اور بتایا کہ ان کی مکانی تقسیم (Spatial Distribution) کن اصولوں پر منحصر ہے۔ اس نے برٹنی (Brittany) اور جنوب مغربی انگلستان کے سفر کیے بغیر یہ اندازہ لگایا کہ ان علاقوں میں کس قسم کے حجرات پائے جا سکتے ہیں۔ جب اس نے خشکی پر پائے جانے والے رکازات کو قدیم بحری جانور قرار دیا اور کہا کہ اوورن (Auvergne) نامی فرانسیسی علاقہ پہلے آتش فشانی علاقہ تھا، تو اس کے ہم عصروں نے اس کا مذاق اڑایا اور کسی نے یقین نہیں کیا مگر جب اس نے بتایا کہ زمین انجیل مقدس کی بتائی عمر سے کہیں زیادہ قدیم ہے اور یہ کہ کچھ رکازات یا باقیات ان جانوروں کے ہیں، جو اب روئے زمین پر نہیں پائے جاتے تو اس زمانے کی مذہبی شخصیات نے اس پر کفر کا الزام لگا کر عوام میں اپنے خیالات پیش کرنے سے منع کر دیا۔ اس عظیم سائنسداں نے 1786 میں وفات پائی۔

گیراسیمو: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

گیریزن: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

گیمبیا (Gambia): افریقہ کا ایک آزاد جمہوریہ ہے۔ دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ یہ کئی چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے اور اس کا ایک حصہ براعظم افریقہ میں بھی ہے۔ یہ حصہ ریاست سینیگال کے اندر 24 کلو میٹر سے 48 کلو میٹر تک (15 سے 30 میل) چوڑی اور 480 کلو میٹر (300 میل) لمبی پٹی کی طرح دریائے گیمبیا کے دونوں طرف چلا گیا ہے۔ اس کا کل رقبہ 11,295 مربع کلو میٹر (4,467 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی تقریباً 884,000 ہے۔ اس میں مالنکے نسل کے لوگ 43 فیصدی، فلانی 18 فیصدی، وولوف 16 فیصدی، بقیہ دیولا، سونکے وغیرہ قبیلوں کے ہیں۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

اصل زرعی پیداوار مونگ پھلی کی ہے۔ چاول بھی دلدلی علاقوں میں پیدا ہوتا ہے۔ کل برآمدات کا 51 فیصدی برطانیہ کو، 23 فیصدی فرانس کو اور باقی ہالینڈ، پرتگال، جرمنی، اور اٹلی وغیرہ کو جاتا ہے۔ درآمدات کا 24 فیصدی برطانیہ سے، 10 فیصدی چین سے اور بقیہ ہالینڈ، پولینڈ، فرانس اور امریکہ وغیرہ سے آتا ہے۔

رائج سکہ دلاسی ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں 90,645 طالب علم اور 2,876 استاد، ثانوی مدرسوں میں 21,766 طالب علم، پیشہ ورانہ اسکولوں میں 1,107 طالب علم تھے۔

گیمبیا کا پتہ سب سے پہلے پرتگالی ملاحوں نے سولھویں صدی میں لگایا تھا لیکن انھوں نے یہاں بسنے کی کوشش نہیں کی۔ 1599 میں انگریزوں نے پہلے اسے اپنی تجارت کا مرکز بنایا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے دن اس پر فرانس کا بھی اثر رہا لیکن برطانیہ نے اسے اپنے کنٹرول سے جانے نہیں دیا۔ 1965 میں اسے آزادی ملی۔ اس کے صدر داؤدا کیرابا جاورا بنے۔ 1970 کی رائے شماری میں گیمبیا ایک جمہوریہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد سے دیہات سے شہروں کی طرف ہجرت کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی جس کا نتیجہ بے روزگاری نکلا۔ 1970 اور 1980 کے اوائل میں قحط کی کیفیت نے ملک میں افراتفری مچا دی۔ 1978 میں گیمبیا اور سینیگال کے درمیان دریائے گیمبیا اور اس کے طاس کی ترقی کا معاہدہ کر کے منصوبہ بنایا گیا۔ 1978 سے 1988 تک ملک میں آنے والے سیاحوں کی تعداد تین گنا ہو گئی۔ 1981 میں سینیگال اور گیمبیا نے ایک وفاق بنایا جس کا نیا نام سینے گیمبیا رکھا گیا۔ لیکن 1989 میں عوام کی تحریک پر یہ وفاق ختم کر دیا گیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ل

لاپاز: یہ جنوبی امریکہ کی مملکت بولیویا کا عملاً صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے جو دریائے ریوڈی لاپاز کے کنارے جھیل "ٹی ٹی کاکا" سے 30 میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ لاپاز کی بنیاد 1548 میں الانزوڈی منڈوزا نے رکھی تھی۔ یہاں سونے کی کان کی موجودگی کی وجہ سے مینڈوزا شہر بسانے پر راغب ہوا۔ یہ شہر سطح سمندر سے 12,000 کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ بولیویا کی یہ راجدھانی دنیا میں سب سے اونچے شہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اوسط درجہ حرارت 50°F ہے لیکن رات اور دن کے درجہ حرارت میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔

سترہویں صدی میں یہاں ایک گرجا بنایا گیا۔ 1605 سے یہاں ایک اسقف کا مستقل طور پر قیام رہتا ہے۔ اس شہر میں ایک یونیورسٹی اور دو عجائب گھر (میوزیم) ہیں، ان میں سے ایک معدنیاتی میوزیم ہے۔ 1899 میں جو انقلاب آیا، اس کے بعد لاپاز حکومتِ بولیویا کا صدر مقام بنا۔ مقامی انڈین لوگ بھی یہاں بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ یہاں ریلوے کے علاوہ ایک ایرپورٹ بھی ہے۔ اس شہر کی آبادی 1971 میں تقریباً 1,374,000 تھی۔

لاپیراوز آبنائے: دیکھیے سویا آبنائے

لاس اینجلس: امریکہ کا یہ مشہور شہر، مغرب میں بحرالکاہل کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 2,479,015 تھی۔ آبنائے سان پیڈرو میں یہ ایک بہترین بندرگاہ ہے۔ یہ جہاز سازی، تجارت، صنعت و حرفت اور رسل و رسائل کا مرکز ہے۔ حمل و نقل کا کام یہاں ریل اور ہوائی جہازوں سے لیا جاتا ہے۔ سنترے کے قبیل کے رسیلے پھل، ترکاری، غلہ اور میوہ کثرت سے ہوتا ہے۔ ڈیری (دودھ سے بنی چیزوں) کی صنعت کافی ترقی یافتہ ہے۔ لاس اینجلس میں نباتاتی باغات، یونیورسٹی، فنون اور تاریخ سے متعلقہ میوزیم، لائبریری، پارک، حیوانیاتی باغ اور رصدگاہ واقع ہیں۔ فلم، ٹیلیویژن اور قدرتی مناظر کے شائق سیاح، ہر سال ہزاروں کی تعداد میں یہاں آتے ہیں۔ امریکہ کی فلمی صنعت کا مرکز ہالی ووڈ (Holly-wood) اسی کا ایک حصہ ہے۔ مشہور عالم ڈزنی لینڈ (Disney Land) اسی کے قریب واقع ہے۔

لاطینی امریکہ: اس میں بالعموم کیریبین جزائر اور شمالی و جنوبی رومانسی بولی بولنے والے علاقے شامل ہیں۔ لیکن اکثر اس میں اسپینی یا پرتگالی زبان بولنے والے ممالک اور ہیٹی، فرانسیسی گیانا اور فرانسیسی جزائر غرب الہند کے فرانسیسی زبان بولنے والے علاقے شامل کر لیے جاتے ہیں۔ لاطینی امریکہ کو ہسپانوی امریکہ بھی کہا جاتا ہے۔

لانگ آئی لینڈ: یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ایک جزیرہ اور نیویارک ریاست کا ایک جزو ہے۔ لانگ آئی لینڈ ساؤنڈ اور بحر اوقیانوس کے درمیان واقع ہے۔ اس کا رقبہ 1,682 مربع میل ہے۔ اس میں کئی جھیلیں اور معمولی سا جنگل ہے۔ اس کا شمالی حصہ زرخیز ہے۔ اس کے ساحل عوامی تفریح گاہیں ہیں۔

لانگ بیچ: امریکہ کی ریاست جنوبی کیلی فورنیا میں لاس اینجلس کے جنوب میں یہ خلیج سان پیڈرو کے کنارے واقع ہے۔ اس کا بندرگاہ اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ شہر ایک تفریح گاہ بھی ہے، یہاں کافی سیاح آتے ہیں۔ تیل کے کنوئیں اور ہوائی جہاز، موٹر کار اور میزائل کے پرزے بنانے کے کارخانے ہیں۔ زیبائش اور آرائش سامان بنائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں الکٹرانک آلات، عمارتی سامان، دھاتی اشیا، ربر اور کیمیائی اشیا بنانے کے کارخانے ہیں۔ لانگ بیچ اسٹیٹ کالج برائے مخلوط تعلیم اور ایک جونیر کالج واقع ہیں۔ بحری افواج کا یہ مستقر ہے اور اس کے ساتھ سابقہ فوجیوں کے لیے ہسپتال بھی ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں 344,168 تھی۔

لانگ کوچ: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

لاوا (Lava): وہ مادے جو کوہ آتش فشاں سے خارج ہوتے ہیں۔ یہ مادے مائع یا نیم مائع سلیکیٹ جمادات (Silicate Minerals) کے ہوتے ہیں۔ مثلاً آتشی حلیمی حجرات۔ کسی مرکزی درز یا شگاف (Central Fissure) سے نکلنے والے لاوے کا ایک بار اخراج ایک لاوے کا بہاؤ (One Lava Flow) کہلاتا ہے۔ درز والے اخراج (Eruption) لاوا سے دکن بیسالٹ کی طرح کے وسیع لاوا سے ڈھکے ہوئے علاقے وجود میں آتے ہیں۔ لاوا سوراخ دار (مثلاً آتشی سوراخ والا) (Vesicles) ہو سکتا ہے یا ہر سوراخ لوز وضعی یا ہو اور (Amygdaloidal)، شیشائی (Glass)، نیم یا جامع قلمی (Hemi-hydraline or Holocrystalline)، پار فرائٹی یا غیر پار فرائٹی (Porphyritic or Non-Porphyritic)۔ ان کی سطح غیر استوار ہوتی ہے اور عام طور پر اوپری سطح پر سوراخ (Vesicles) ہوتے ہیں۔ جماداتی اور کیمیائی اعتبار سے یہ ترشی سے لے کر ماورائے اساسی (Ultra Basic) ہو سکتے ہیں۔ ان میں عام طور پر بلاکی یا رسی نما ساخت ہوتی ہے ستونی (Columnar) اور تکیہ دار (Pillow) لاوی ساخت بھی عام ہے۔

لائبیریا (Liberia): مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے جس کے شمال مغرب میں سیرالیون، شمال میں گنی، مشرق میں آئی وری کوسٹ اور جنوب میں بحر اوقیانوس (بحر اٹلانٹک) واقع ہیں۔ رقبہ 111,369 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 2,705,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام مونروویا ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ بول چال کی زبان قبائلی بولیاں ہیں۔ اکثریت قدیم افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔

1986 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں سرکاری ابتدائی مدرسوں میں 80,048 طالب علم اور ثانوی مدرسوں میں 1980 میں 54,623 طالب علم تھے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 5,095 طالب علم تھے۔

لائبیریا میں بارش بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ سارا ملک سطح مرتفائی ہے جس میں گھنے جنگل ہیں۔ زمین کی نوعیت اور موسم کی وجہ سے تیز رفتار معاشی ترقی ممکن نہیں۔ اہم پیداوار ربر ہے جس کے درخت وسیع باغات میں لگائے گئے ہیں اور یہ سب امریکیوں کی ملکیت ہیں۔ ان کے علاوہ پام اور تیل کے بیج بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کوکو کی کاشت ہوتی ہے اور ساگوان اور دوسری عمارتی لکڑیاں حاصل کی جاتی ہیں۔ بومی کے علاقے میں لوہے کی کچی دھات کی دریافت سے ریلوں اور سڑکوں کا جال پھیل رہا ہے۔ بن بجلی بھی پیدا کی جا رہی ہے۔ ہیروں کی کان کنی ہوتی ہے۔ کئی بیرونی جہاز راں کمپنیوں، خاص طور پر امریکی کمپنیوں، نے اپنے آپ کو یہاں رجسٹر کیا ہے جس سے حکومت کو کافی فائدہ ہوتا ہے۔ بیرونی سرمایہ کاری کی بڑی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ فائر اسٹون کمپنی نے بہت بڑا ربر کا کارخانہ قائم کیا ہے۔ مغربی جرمنی اور جاپان کچے لوہے پر کئی ارب ڈالر لگا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ تیل کی صنعت میں بھی کافی بیرونی سرمایہ لگا ہے۔ درآمدات زیادہ تر امریکہ، سعودی عرب، برطانیہ، جرمنی اور جاپان سے آتی ہیں اور برآمدات بھی امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، بلجیم، جرمنی، اور فرانس کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 74 فیصدی حصہ لوہے کی کچ دھات ہے۔ اس کے علاوہ ربر اور ہیرے بھی برآمد کئے جاتے ہیں۔

رائج سکہ لائبیری ڈالر ہے۔

لائبیریا افریقہ کا پہلا جمہوریہ ہے۔ 1822 میں امریکی نو آباد کاروں نے مونروویا کے قریب ساحلی علاقے میں زمین خریدی تھی تاکہ ان غلاموں کو وہاں بسائیں جو امریکہ میں آزاد ہو چکے تھے۔ لائبیریا کا حکمران گروہ ان آزاد شدہ غلاموں کی اولاد ہے۔ ان کی کل تعداد بیس پچیس ہزار کے قریب ہے۔ آبادی کا بقیہ حصہ پرانے قبائل پر مشتمل ہے جو یا تو مسلمان ہیں یا پرانے افریقی مذاہب کے پیرو ہیں اور اسی طرح کی پرانی طرز کی قبائلی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگرچہ لائبیریا میں برطانوی طرز کی جمہوریہ قائم کی گئی ہے لیکن یہ برائے نام ہے۔ آبادی کی اکثریت کو کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ لائبیریا کا شروع ہی سے امریکہ سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ اس نے یہاں یہ جمہوریہ قائم کی اور یہاں کی ربر اور لوہے کی کچ دھات پر اس کا کنٹرول رہا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے داخل ہونے کی بہت کوشش کی لیکن امریکیوں نے انھیں آنے نہیں دیا۔

غلامی اگرچہ سرکاری طور پر ختم ہو چکی تھی لیکن بعد میں یہاں سے کھیت مزدوروں کے نام پر بھرتی کر کے جو مقامی باشندے باہر بھیجے جاتے رہے ان کی حیثیت عملاً غلاموں ہی کی سی تھی۔ چنانچہ 1930 میں جمعیۃ اقوام (لیگ آف نیشنز) میں اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔

1961 میں آئین میں تبدیلی کی گئی اور رائے دہی کا حق جو صرف امریکہ سے آئے ہوئے لوگوں کو حاصل تھا اب وہ مقامی قبیلوں کے سرداروں کو بھی دے دیا گیا۔ عام افریقی آبادی اب بھی اس حق سے محروم ہے۔

1971 میں صدر ٹب مَن کی جگہ ٹالبرٹ آٹھ سال کے لیے صدر چنے گئے۔

قیمتوں کے اضافے کے خلاف مظاہرہ پر حکومت کی پابندی نے 1979 میں ملک میں بے چینی پھیلا دی۔ 1980 میں صدر ٹالبرٹ کو قتل کر دیا گیا۔ 1981

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میں اعلان کیا گیا کہ سول حکومت قائم کی جائے گی لیکن یہ صرف برائے نام ہوا۔ 1985 میں ڈو نامی شخص دھوکہ دے کر صدر منتخب ہو گیا۔ 1990 میں لائبیریا پر باغی فوجیوں نے حملہ کر دیا۔ ڈو کو 1990 میں قتل کر دیا گیا۔

لاورشیا یا انگارالینڈ (Laurasia or Angara Land):
ایک ایسا عظیم تر مفروضی براعظم ہے جو 160 ملین سال پہلے شمالی نصف کرۂ ارض پر موجود تھا جس میں شمالی امریکہ، یوروپ اور ایشیا کا وہ علاقہ شامل تھا جو ہمالیہ کے شمال میں واقع ہے۔ لاورشیا کے ٹوٹنے اور براعظموں کے بکھرنے سے شمالی امریکہ، یوروپ اور ایشیا اور دوسرے ممالک وجود میں آئے۔

لاورشیا یا انگارالینڈ نصف جنوبی کرۂ ارض کے عظیم براعظم گونڈوانہ لینڈ کا شمال میں جو آبی عظیم براعظم ہے۔

لاؤس (Lao People's Dem. Rep.): جمہوریہ لاؤس، جس کا رقبہ تقریباً 236,800 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 4,262,000 ہے، جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کا انتظامی صدر مقام وینتین (Vientiane) ہے اور شاہی مستقر لوانگ پرابانگ (Luang Prabang) ہے۔ اس کے شمال میں چین کا صوبہ ینان، مشرق میں ویت نام، جنوب میں کمبوڈیا اور مغرب میں تھائی لینڈ اور میانمار (برما) واقع ہیں۔ سارا ملک اور خاص طور سے شمالی علاقے زیادہ تر پہاڑی ہیں۔ شمال کا علاقہ اور مشرقی حصہ جو ویت نام کی سرحد پر واقع ہے گھنے جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔ دریائے میکانگ جو ایک وسیع وادی میں بہتا ہے، شمال مغرب میں میانمار (برما) سے شمالی لاؤس کو جدا کرتا ہے اور مغرب اور جنوب میں تھائی لینڈ کی سرحد پر بہتا ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے علاقے میں لاؤس ہی ایک ایسا ملک ہے جس پر تہذیب جدید کے اثرات سب سے کم پڑے ہیں۔ زیادہ تر آبادی دریاؤں کی وادیوں میں رہتی ہے۔ زراعت سیدھے سادے پرانے طریقے پر کی جاتی ہے۔ یہاں کی مخصوص پیداوار مکئی، کافی، چائے، اور کپاس قابل ذکر ہیں۔ چاول کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ نشیبی علاقوں میں گلّہ بانی اور ماہی گیری کا رواج ہے۔ معدنی ذخائر سے اب تک زیادہ استفادہ نہیں کیا جاسکا ہے، کیونکہ صنعتیں اور حمل و نقل کے ذرائع بہت محدود ہیں۔

برآمدات کا 81 فیصدی ساگوان اور دوسری لکڑیاں اور 11 فیصدی ٹن کی کچ دھات ہیں۔ برآمدات کا تقریباً 73 فیصدی حصہ تھائی لینڈ کو جاتا ہے اور بقیہ ملیشیا (ملائیشیا) اور ہانگ کانگ کو جاتا ہے۔ درآمدات کا تقریباً 50 فیصدی حصہ تھائی لینڈ سے آتا ہے اور بقیہ جاپان، فرانس، جرمنی اور امریکہ وغیرہ سے آتا ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 580,792 طالب علم اور 21,036 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 125,702 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 3,425 طالب علم تھے۔

آبادی کی اکثریت لاؤ باشندوں پر مشتمل ہے۔ جو نسلی اعتبار سے تھائی باشندوں سے قریب ہیں۔ اہل تھائی لینڈ زیادہ تر ہینایانہ بدھ مت کے پیرو ہیں۔ پہاڑی علاقوں کے باشندے مظاہر پرست ہیں۔ اہل لاؤس دراصل تھائی لینڈ کے قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں تیرھویں صدی عیسوی میں چین کے صوبہ ینان سے جنوب کی طرف دھکیل دیا گیا تھا۔ چودھویں صدی میں لان زانگ (Lan Xang) نامی ایک طاقتور بادشاہت قائم ہوئی جس کا بانی فانگوین تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس بادشاہ نے لاؤس یعنی بدھ مت اور کھمیر تہذیب کو رائج کیا تھا۔ لان زانگ خاندان کی کھمیر، میناری، ویت نامی اور تھائی باشندوں سے مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں اور سترھویں صدی تک اس خاندان نے چین کے صوبہ ینان، جنوبی مینمار، ویت نامی اور کمبوڈیائی میدانوں اور شمالی تھائی لینڈ کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ 1707 میں داخلی انتشار کی وجہ سے لان زانگ خاندان دو بادشاہوں میں تقسیم ہو گیا۔ انیسویں صدی میں دو ریاستوں کے باہمی جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر پڑوسی ممالک نے دست درازی شروع کر دی۔ پہلے تو ان ریاستوں پر تھائی لینڈ کا تسلط ہو گیا۔ لیکن اس کا ایک دعویدار انام بھی تھا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں یہاں فرانسیسیوں کا عمل دخل ہو گیا اور تھائی لینڈ، لاؤس پر ان کی بالادستی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا اور جلد ہی لاؤس کو انڈوچائنا کی فرنچ یونین میں ضم کر دیا گیا۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران قومی جدوجہد میں شدت پیدا ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود فرانس نے 1946 میں دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا اور شمالی لاؤس کے بادشاہ کو تمام لاؤس کا دستوری حکمراں بنا دیا۔ 1949 میں لاؤس کو فرنچ یونین کے اندر ایک نیم آزاد ریاست کی حیثیت دی گئی۔ جب ویت نام میں ویت منہ کیونسٹوں نے اپنی انقلابی جدوجہد شروع کی تو فرانس نے لاؤس کو فرنچ یونین کے اندر مکمل آزادی دینے کا اعلان کیا۔ 1951 میں پتھیت لاؤ کے نام سے ایک انقلابی قومی تحریک شروع ہوئی جس کا مرکز شمالی ویت نام تھا۔ 1953 میں ویت منہ کی فوجوں نے شمالی لاؤس پر قبضہ کر لیا اور سمنیوا (Samneua) کے مقام پر پتھیت لاؤ کے نمائندوں پر مشتمل انقلابی حکومت تشکیل دی اور ویت منہ کی مدد سے وسطی لاؤس پر پیش قدمی شروع کر دی جو خانہ جنگی کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ 1954 میں جنیوا کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں طے پایا کہ پتھیت لاؤ کی افواج شمال کے دو اضلاع پر اپنا قبضہ بحال رکھیں گی۔ 1955 میں شاہی افواج اور پتھیت لاؤ کے درمیان التوائے

جنگ کا معاہدہ طے پایا۔ اس دوران لاؤس کو مکمل اقتدار اعلیٰ حاصل ہو گیا اور اسے 1955 میں اقوام متحدہ کا بھی رکن بنا لیا گیا۔ 1957 میں لاؤس کے وزیر اعظم پرنس سوانا تھوما اور پتھیت لاؤ کے درمیان ایک سمجھوتا ہوا اور یہ طے پایا کہ شمالی علاقہ بھی حکومت کے زیر اقتدار رہے گا۔ پتھیت لاؤ کی افواج کو جزوی طور پر شاہی افواج میں ضم کر دیا جائے گا اور پتھیت لاؤ نمائندوں کو حکومت میں شرکت کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ تاہم 1959 میں اس معاہدے کی خلاف ورزی شروع ہو گئی اور دونوں فریقوں کے درمیان شمالی علاقے میں لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ یہ کشمکش برابر چلتی رہی۔ آخرکار جب 1975 میں ویت نام نے مکمل آزادی حاصل کر لی، شمالی اور جنوبی ویت نام متحد ہو گئے اور امریکی فوجیں ہٹ گئیں تو پتھیت لاؤ کی سرکردگی میں لاؤس نے بھی مکمل آزادی اور اتحاد حاصل کر لیا اور پرنس سوفانوونگ (Sou Phanouf Vong) صدر اور کے سون فوم وی ہان (Kaysone Phomvihan) وزیر اعظم بنے۔

لائل پور: پاکستان میں لائل پور لاہور سے 87 میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہ پاکستان کا ایک اہم تجارتی مرکز اور گیہوں کی پیداوار اور برآمد کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ گیہوں کے علاوہ کپاس اور روغنی تخم (تیل کے بیج) بھی یہاں بہت ہوتے ہیں۔ یہاں پر زراعتی کالج بھی ہے۔ اب اس کا نام بدل کر فیصل آباد رکھ دیا گیا ہے۔

لاہور: کراچی کے بعد پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ دریائے سندھ کے ایک معاون، دریائے راوی، پر واقع ہے۔ یہ پاکستان کا ایک اہم انتظامی، صنعتی، تجارتی، تعلیمی اور تہذیبی مرکز ہے۔ اس کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ ہے۔

شہر لاہور تقریباً 900 سال سے پنجاب کا صدر مقام رہا ہے اور آج بھی ہے۔ 1955 میں جب مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ بنایا گیا تھا تو اس کا صدر مقام لاہور ہی تھا۔ 1970 میں ایک صوبہ توڑ کر کئی صوبے بنا دیے گئے اور لاہور پنجاب کا صدر مقام رہا۔

لاہور ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ ایک روایت ہے کہ اس کا نام شری رام چندر کے بیٹے لو یا لوہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ 1152 سے اسے خاص طور پر شہرت حاصل ہوئی۔ 1153 سے 1186 تک یہ غزنوی سلطنت کا پایۂ تخت رہا۔ اس کے بعد یہ شمال سے آنے والے حملہ آوروں کی لوٹ اور حملہ کا شکار رہا۔ کئی مرتبہ منگول فوجوں نے اس پر حملہ کیا۔ دوا، چغتائی اور پھر تیمور نے اس پر حملے کیے۔ 1422 میں مبارک شاہ نے اسے پھر سے تعمیر کیا۔ 1451 میں یہ بہلول خاں لودھی کے تحت آ گیا اور چند برسوں کے لیے یہاں کے لوگوں کو چین کا سانس لینا نصیب ہوا۔ 1524 میں مغل شہنشاہ بابر نے اس پر قبضہ کیا۔ بعد میں مغل دور میں، خاص طور سے شاہ جہاں کے دور میں، اس نے زبردست ترقی کی۔ بادشاہی مسجد، قلعہ، جہانگیر کا مقبرہ اور شالیمار باغ وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔ 1707 میں اورنگ زیب کے انتقال کے بعد پھر اسے بیرونی حملوں اور لوٹ مار کا شکار ہونا پڑا۔ نادر شاہ اور پھر احمد شاہ ابدالی نے حملے کیے۔

1799 سے 1839 تک یہاں ایک طاقت ور حکومت رنجیت سنگھ کی سرکردگی میں قائم ہوئی اور اسے ایک نئی زندگی ملی۔ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد یہ ایک مرتبہ پھر کس مپرسی کا شکار ہو گیا۔ 1849 میں یہ انگریزوں کے قبضے میں آ گیا اور صوبہ پنجاب کا صدر مقام بنا۔ 1947 میں جب ملک تقسیم ہوا تو پنجاب بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ مغربی پنجاب پاکستان کے حصہ میں آیا اور اسی کے ساتھ لاہور بھی پاکستان کا حصہ بن گیا۔

آزادی کے بعد سے لاہور میں بڑی وسعت ہوئی ہے۔ بے شمار صنعتیں قائم ہوئی ہیں۔ تجارت کا بڑا مرکز بن گیا ہے۔ دو یونیورسٹیاں اور کئی کالج، اسکول اور حرفتی و فنی اسکول قائم ہوئے ہیں۔ لاہور آزادی سے پہلے سے ایک اہم سیاسی، تہذیبی اور ادبی مرکز رہا ہے۔ یہاں سے بے شمار رسالے، اخبارات اور کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں اور آج ان میں اور بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ کئی تھیٹر، کلب اور تہذیبی ادارے قائم ہیں۔

لاہور، پاکستان کے سب سے زرخیز علاقے میں واقع ہے اس لیے زمانہ قدیم سے یہاں بے شمار باغ اور پارک بنائے جاتے رہے ہیں۔ مغل دور کا شالیمار باغ آج بھی موجود ہے۔ انگریزی دور کا نہایت وسیع اور مشہور پارک لارنس گارڈن، "باغ جناح" کے نام سے آج بھی موجود ہے۔

لاہور کے وسط میں پرانا شہر ہے جس کے اطراف فصیل بنی ہوئی ہے۔ اور اس کے اندر آج بھی مغلیہ دور کی بے شمار عمارتیں ہیں۔ اس کے اطراف انگریزی دور کی، خاص طور سے انیسویں صدی کی، کئی سرکاری اور غیر سرکاری عمارتیں اور بنگلے موجود ہیں۔ آزادی کے بعد سے نئے نئے محلے آباد ہو گئے ہیں جن میں جدید طرز کی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔

لبرٹی ول (Liberty Ville): ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ریاست الی نوائے (Illinois) کا ایک شہر ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

لبنان (Lebnon): جمہوریہ لبنان جنوب مغربی ایشیا میں واقع ہے۔اس کا رقبہ10,400 مربع کلو میٹر (تقریباً چار ہزار مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً2,745,000 ہے۔ اس کا صدر مقام بیروت ہے۔ لبنان کے مغرب میں بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط) اور شمال نیز مشرق میں سیریا اور جنوب میں اسرائیل واقع ہیں۔ ساحل سمندر پر طرابلس (ترپولی)، تائر (صور) اور صیدون (Sidon) جیسے تاریخی بندرگاہ واقع ہیں۔

اس کا زیادہ تر علاقہ کوہستانی ہے جس کا سلسلہ سمندر کے متوازی چلا گیا ہے۔ مشرقی اور مغربی پہاڑیوں کے درمیان البقاکی زرخیز وادی ہے جو لبنان کا قلب کہلاتی ہے۔ ملک کا صرف ایک چوتھائی حصہ زیر کاشت ہے۔ تاہم یہاں وافر مقدار میں اناج، میوے اور ترکاریاں پیدا کی جاتی ہیں۔ زیتون، انگور اور انجیر یہاں کے خاص پھل ہیں۔ شہتوت کے درختوں سے ریشم حاصل کیا جاتا ہے۔ روئی اور تمباکو بھی پیدا کیا جاتا ہے۔ اور ان کے کارخانے بھی موجود ہیں۔ ہلکی صنعتوں کے زیادہ تر کارخانے طرابلس اور صیدون میں واقع ہیں۔ سعودی عرب اور عراق کا تیل پائپ لائن کے ذریعے لبنان کے بندرگاہوں میں آتا ہے اور وہاں سے یوروپ کو جاتا ہے۔ بیرونی تجارت اور سیاحی یہاں کی معیشت کا ایک اہم جزو ہے۔ درآمدات کا توازن بڑی حد تک سیاحوں کی آمدنی سے برقرار رکھا جاتا ہے۔ لبنان کی آبادی میں عربوں کی اکثریت ہے۔ تاہم وہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں منقسم ہے اور پھر ان میں بھی کئی عقائد اور فرقے موجود ہیں جس کا اثر یہاں کی سیاسی زندگی میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ عیسائی طبقہ اور خاص طور پر میرونی فرقہ کے لوگ لبنان کے لیے ایک آزادانہ رائے اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ یوروپ سے اپنے تعلقات استوار رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے برخلاف یہاں کے مسلمانوں کی نظر ہمیشہ اپنے ہمسایہ عرب ملکوں پر رہتی ہے۔ دستوری روایت کے مطابق یہاں کا صدر مملکت عیسائی اور وزیر اعظم مسلمان ہوتا ہے۔

لبنان کی معیشت میں سیاحت کو بڑا دخل رہا ہے۔ موجودہ خانہ جنگی اور خلفشار سے پہلے بیس اور پچیس لاکھ کے درمیان سیاح ہر سال ساری دنیا سے یہاں آتے تھے۔ لبنان دوسرے ملکوں کو مشینیں، تیار کپڑے، میوے اور ترکاریاں وغیرہ برآمد کرتا ہے اور یہ زیادہ تر پڑوس کے ملکوں مثلاً سعودی عرب کویت، سیریا وغیرہ کو نیز برطانیہ اور فرانس کو جاتی ہیں۔ درآمدات برطانیہ، فرانس، امریکہ، جرمنی وغیرہ سے آتی ہیں۔

رائج سکہ لبنانی پاؤنڈ ہے۔

1988 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 346,534، ثانوی مدرسوں میں 1986 میں 31,045 تھی۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1991 میں 85,495 طالب علم تھے۔

تاریخی اعتبار سے لبنان کا علاقہ سیریا سے ملحق رہا ہے۔ ماضی بعید میں یہاں کنعانی لوگ قابض ہو کر عظیم فینیشی شہروں کو بسانے میں کامیاب ہوئے۔ یہاں حبشیوں اور آرمینیوں کا بھی اقتدار تھا اور بعد میں یہاں فینیشی لوگوں (فونیقون) نے مشہور ساحلی شہر آباد کئے اور اپنی جہاز رانی اور تجارت کے ذریعے سلطنت قائم کرلی۔ فونیقیا کے باشندے دراصل کنعان ہی کے رہنے والے تھے۔ نویں صدی ق۔ م۔ میں اس علاقے کو فونیقیا کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جغرافیائی اعتبار سے اس علاقے کا تعین کرنا مشکل ہے۔ بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط) کے سارے مشرقی ساحل کو، جہاں فونیقیوں نے اپنی نو آبادیاں قائم کرلیں تھیں، فونیقیا کہا جانے لگا تھا۔ اکثر و بیشتر فونیقیا سے وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو اب قریب قریب لبنان پر مشتمل ہے اور جہاں صور اور صیدون کے تجارتی شہر آباد ہیں۔ تاریخ کے ابتدائی دور میں سیریائی (شامی) قوم کے کچھ قبیلے بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل پر بس گئے۔ ببلوس کی حالیہ کھدائی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس علاقے کے علاوہ یروشلم اور حلب میں بھی فونیقی بستیاں موجود تھیں اور تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح میں ببلوس کے مصر سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ بعد میں یہودیوں نے انھیں مزید مغرب کی طرف دھکیل دیا۔ 1250ق۔ م۔ تک یہ لوگ جہاز رانوں اور تاجروں کی حیثیت سے سارے بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط) کے علاقے پر چھا گئے۔ انھوں نے شہری ریاستیں قائم کیں۔ صور اور صیدون کے علاوہ طرابلس، ارادوس اور ببلوس ان کے مشہور شہر تھے۔ ان شہروں کے علاوہ فونیقیوں نے بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط) کے دوسرے علاقوں میں بھی اپنی نو آبادیاں قائم کیں جو بعد میں آزاد ریاستوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت اب تک اوتیکا (Utica) اور قرطاجہ (Carthage) کو حاصل ہوئی۔ فونیقی باشندے تجارت کی غرض سے دور دراز مقامات تک پہنچ جایا کرتے تھے۔ مغربی تہذیب کو ان کی سب سے بڑی دین حروف تہجی کی ایجاد ہے جسے بعد میں یونانیوں نے اختیار کیا۔ ان کے شہروں کی فصیلیں اتنی مضبوط تھیں کہ سیریائی انھیں کبھی نہ توڑ سکے۔ تاہم چھٹی صدی عیسوی میں وہ ایرانیوں کے زیر اثر آگئے۔ ایرانی سلطنت میں اس علاقے کو ایک اہم مقام حاصل رہا۔ ایرانیوں نے ان کی ہنر مندی اور دست کاری کی ہمت افزائی کی۔ یونان میں بحری طاقت کے اضافے کے بعد فونیقیوں کی انفرادیت باقی نہ رہ سکی۔ انھوں نے سکندر اعظم کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا لیکن شکست اٹھانی پڑی۔ سکندر کے بعد اس کے جانشین اس علاقے کے حصول کے لیے آپس میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جھگڑتے رہے۔ کچھ عرصے بعد یہ علاقہ سیریا کے ساتھ سلطنت روما کی عملداری میں شامل ہو گیا اور پھر بازنطینی سلطنت کے زیر تسلط آگیا۔ ساتویں صدی میں اس کے کچھ حصے پر عربوں نے قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی آمد سے بہت پہلے میرونی عیسائیوں کے قدم بڑی مضبوطی سے جم چکے تھے۔ بعد میں جب سارا سیریا مذہبِ اسلام قبول کر چکا تب بھی ان لوگوں نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا۔ لبنان کی تاریخ میں یہ حقیقت بڑے دور رس نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔ مسلمانوں اور میرونی عیسائیوں کے علاوہ دروزی بھی لبنان کے ایک حصہ اور ملحقہ سیریا کے بعض علاقوں میں آباد ہیں۔ دروزیوں اور عیسائیوں کے ناخوشگوار باہمی تعلقات کی ایک طویل تاریخ ہے۔ لبنان صلیبی حملہ آوروں کی بھی آماجگاہ رہا ہے اور ان صلیبی لڑائیوں میں عیسائیوں نے ہمیشہ اپنے ہم مذہب یوروپی حملہ آوروں کی مدد کی۔ اس کے بعد لبنان پر منگولوں اور دیگر اقوام کے حملے ہوتے رہے۔ جن کی وجہ سے ملک کی تجارت بُری طرح متاثر ہوتی رہی۔ کچھ عرصہ بعد سارا مشرق وسطی سلطنتِ عثمانی کی عملداری میں آگیا تاہم لبنان کو بڑی حد تک خود مختاری حاصل رہی اور پہلی جنگِ عظیم کے چھڑنے تک وہاں کئی طاقت ور خاندان یکے بعد دیگرے برسر اقتدار رہے۔ 1841 اور پھر 1860 میں دروزیوں کے ہاتھوں میرونی عیسائیوں کے قتلِ عام نے یوروپی طاقتوں کو مداخلت کا موقع فراہم کر دیا اور سلاطین عثمانی اس دباؤ کے تحت عظیم تر لبنان کو جیسا کہ وہ اس وقت موسوم تھا، مزید اختیارات دینے پر رضامند ہو گئے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد لبنان بشمول سیریا فرانس کی تولیت میں دے دیا گیا۔ لیکن اس دور میں لبنان کی سیاسی بے چینی میں اضافہ ہوا اور آزادی کی جدوجہد تیز تر ہو گئی۔ 1926 میں لبنان کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ لیکن وہ فرانس کے زیر تولیت ہی رہا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران فرانس کی حکومت نے لبنان پر اپنا تسلط برقرار رکھا اور 1941 میں برطانیہ اور فرانس کی متحدہ فوجوں نے لبنان کے ساحل پر قبضہ کر لیا۔ یکم جنوری 1945 کو لبنان کو آزادی ملی۔ اس سال لبنان اقوامِ متحدہ کا بھی رکن بن گیا۔ اور کچھ ہی عرصہ بعد فرانس اور برطانیہ کی افواج نے بھی لبنان سے تخلیہ کر لیا۔ عرب لیگ کے ایک رکن کی حیثیت سے لبنان نے 1948 میں عرب اسرائیل جنگ میں حصہ لیا۔ 1952 کے بعد بڑے پیمانے پر اسے امریکی امداد حاصل ہوئی اور تیل کی اضافہ شدہ رائلٹیز سے اسے کافی منافع ہوا۔ آزادی ملنے کے بعد سے بائیں بازو کے مسلمانوں اور دائیں بازو کے عیسائیوں میں وقتاً فوقتاً جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اور کبھی کبھی انھوں نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی۔ 1948 کے بعد کافی فلسطینی لبنان کے جنوبی علاقے میں پناہ گزیں بن گئے۔ اس سے بائیں بازو کے مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ پچھلے چند سال سے لبنان بڑے پیمانے پر خانہ جنگی کا شکار رہا ہے جس سے ملک کی معیشت تباہ ہو گئی ہے۔ پہلے سیریا کی فوجوں نے اور پھر عرب ملکوں کی مشترک فوجوں نے امن قائم کرنے کی کوشش کی۔ حال ہی میں فلسطینی مجاہدوں کی سرگرمیوں کو دبانے کے بہانے اسرائیل نے بھی مداخلت شروع کر دی ہے اور دوسری طرف وہ دائیں بازو کے عیسائیوں کی بھی مدد کر رہا ہے۔ لبنان اور اسرائیل کی سرحد پر مجلسِ اقوامِ متحدہ نے ایک فوج متعین کی ہے لیکن اس کے باوجود جھڑپیں جاری ہیں۔ 1992 تک بھی سیریا، اسرائیل اور اردن کے ساتھ مشترکہ گفت و شنید کے باوجود امن مستحکم نہیں ہو سکا ہے۔

لتاکیا (Latakia): ملک سیریا (شام) کا یہ بندرگاہ، بحیرۂ روم کے ساحل پر سیریا (شام) کے مغربی حصے میں واقع ہے۔ شہر کا عقبی علاقہ قابل کاشت ہے۔ یہاں کا تمباکو بہت مشہور ہے۔ یہ ایک بڑا تجارتی مقام ہے۔ 1971 میں آبادی تقریباً 135,000 تھی۔ یہ حلب، طرابلس اور بیروت سے سڑکوں کے ذریعہ ملا دیا گیا ہے۔ یہ مشرق میں نہایت قدیم شہروں میں سے ہے۔ فنیقی سلطنت کے دور میں یہ بسایا گیا تھا۔ یونانی جنرل سلیوکس نے اسے 290 ق م میں پھر سے تعمیر کیا۔ رومن عہد میں اس نے خوب ترقی کی۔ عربوں اور بازنطینیوں میں، اس پر قبضہ کے لیے، برسوں جنگ چلتی رہی۔ 1098 میں اس پر صلیبیوں نے قبضہ کیا اور 1188 میں سلطان صلاح الدین نے ان سے واپس چھین لیا۔ 1920 سے 1944 تک یہ فرانس کے قبضہ میں رہا۔

لداخ: ریاست جموں و کشمیر کا ایک علاقہ ہے۔ آبادی کی بڑی اکثریت بدھ مت کی پیرو ہے۔ یہاں کئی قدیم خانقاہیں ہیں۔ ان کی چٹانوں میں تراشے ہوئے کئی بت، خاکے اور فنی کام ملتے ہیں۔

لدر: یہ دریائے جہلم کی ایک معاون ندی ہے۔ وادی لِدر میں کشمیر کا پہلگام واقع ہے جو اپنی خوبصورتی اور ٹراؤٹ مچھلی کے لیے مشہور ہے۔

لڈوگ لیش ہارٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

لڈوگا جھیل (L.Ladoga): یورپی روس کے شمالی علاقہ کی جھیل ہے جو شمال مغرب سے جنوب مشرق کی جانب پھیلتی ہوئی خلیج فن لینڈ سے مل جاتی ہے۔ اس جھیل کے مشرقی اور جنوبی کنارے مسطح اور دلدلی ہیں۔ یہ جھیل لڈوگا رقبہ میں جنیوا جھیل سے 31 گنا بڑی گویا 7,000 مربع میل رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

انتہائی گہرائی 738 فٹ ہے۔ شمال مغرب میں یہ گہرائی گھٹتے گھٹتے 167 فٹ رہ جاتی ہے۔ خلیج فن لینڈ سے اس جھیل کی سطح 55 فٹ بلند ہے۔ معاون دریا جن کی تعداد 70 کے قریب ہے، دوسری جھیلوں کا پانی لے کر اس میں آ گرتے ہیں، جن میں سب سے اہم دریائے نیوا ہے۔ اس جھیل کا زائد از مقدار پانی دریائے نوودگا کے راستے خارج ہو جاتا ہے جو لڈوگا جھیل کے جنوب مغرب سے نکل کر خلیج فن لینڈ میں جا گرتا ہے۔ یہ جھیل ماہی گیری کا بڑا مرکز ہے۔ خطہ باردہ میں ہونے کے سبب سال میں 6 ماہ منجمد رہتی ہے۔

لزبن (لزبوآ): پرتگال کا صدر مقام، بندرگاہ اور اس کا سب سے بڑا شہر ہے۔ دریائے ٹیگس کے کنارے، مغربی علاقے میں واقع ہے۔ پرتگالی میں اس کا نام لزبوآ ہے۔ یہاں کے بندرگاہ کا شمار یورپ کے بہترین بندرگاہوں میں ہوتا ہے اور اس سے بہت زیادہ حمل و نقل اور رسل و رسائل کا کام لیا جاتا ہے۔ یہاں سے زراعتی اور جنگلاتی پیداوار برآمد کی جاتی ہے۔ کپڑا، کیمیائی اشیا، صابن، کاغذ اور فوجی ساز و سامان بنانے کے کارخانے ہیں۔ سیاح یہاں کثرت سے آتے ہیں۔

لزبن ایک نہایت قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ اس کے تعلقات فنیقیوں اور سلطنت قرطاجنہ سے تھے۔ یہ رومن سلطنت کا بھی ایک حصہ تھا۔ اسے سیاسی اہمیت 1147 سے حاصل ہوئی جب بادشاہ الفانسو اول نے صلیبیوں کی مدد سے اسے مُور لوگوں سے آزاد کرا لیا۔ سولھویں صدی میں جب پرتگال نے افریقہ اور ایشیا میں اپنی نو آبادیات قائم کیں اور ہر طرف اپنی تجارت پھیلائی تو بے حساب دولت اکٹھا ہو کر یہاں آنے لگی۔ اس شہر کو کئی زلزلوں کا سامنا کرنا پڑا جس سے کئی عمارتیں تباہ ہو گئیں۔ خاص طور پر 1755 کے زلزلہ میں بہت بربادی ہوئی۔ لیکن اب بھی بے شمار پرانے گرجا گھر اور عیسائی ولیوں کے مقبرے موجود ہیں۔ جامعہ لزبن (یونیورسٹی) جو 1290 میں قائم ہوئی تھی بعد میں کوئمبرا منتقل ہو گئی لیکن 1911 سے پھر لزبن میں موجود ہے۔

لعاب آب: یہ دریا برار مٹی کا پست اور تنگ لمبا سا پھیلاؤ ہوتا ہے جو خشکی سے لگا ہوا سمندر میں آگے کی طرف زبان کی طرح پھیل جاتا ہے۔ اسی نوعیت کے پھیلاؤ کبھی کبھی خلیج یا ہچواری (ایسچویری) میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

لکڑی اور دوسری صنعتیں: لکڑی پر مبنی صنعتوں میں کاغذ بنانے کی لگدی یا گودہ اور چوبی تختیوں کی صنعت کے علاوہ سب سے اہم صنعت ریان گریڈ لگدی یا گودہ (Rayon grade Pulp manufacture) کی صنعت، دیا سلائی کی صنعت، علسل، بابن اور کرگھوں کے شٹل (Shuttles) اور اوزاروں کے دستوں کی صنعت ہے۔

ریان گریڈ گودہ، دھاگوں اور ریان کے ریشوں کے پارچہ کی صنعت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی پارچہ، ٹائر سازی اور رسیوں کے بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ریان گریڈ گودہ بانس یا یوکلپٹس (Eucalyptus) کی لکڑی سے حاصل کیا جاتا ہے۔

ہمالیہ کے علاقہ کی صنوبری لکڑی کے علاوہ جو کہ ماچس کی تیلیوں کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے، استوائی انواع کی نرم لکڑی کو استر کاری کی تختیوں اور چوبی ڈبوں کی استر کاری میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

لکڑی کی عالمی تجارت: جنگل کی پیداوار، چاہے وہ خام حالت میں ہو یا نیم کار آمد یا کار آمد حالت میں ہو، بہر حال مارکیٹ میں پہنچ جاتی ہے۔ دنیا میں ایسے ملک بہت کم ہیں جو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے جنگلات کی پیداوار کی درآمد یا برآمد پر انحصار نہ کرتے ہوں۔ بہت سے ملک ایسے بھی ہیں جو جنگلاتی پیداوار کی درآمد بھی کرتے ہیں اور برآمد بھی۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بہ اعتبار قیمت جنگلاتی پیداوار کی کل تمام تجارت کا ایک چوتھائی حصہ کینیڈا سے ہوتا ہے۔ صرف ایک تہائی تجارت یوروپی ملکوں سے ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر آرہ کشیدہ لکڑی، کیمیائی چوبی گودہ، اخباری کاغذ، دبیز کاغذ اور دفتی وغیرہ شامل ہیں۔ درحقیقت جنگلاتی پیداوار کی عالمی برآمد کا 40 فیصد حصہ شمالی یوروپ سے آتا ہے اور ایک چوتھائی کینیڈا سے، جبکہ یوروپ کے دیگر ممالک کی مجموعی برآمد (بہ اعتبار قیمت) جملہ عالمی برآمد کی ایک چوتھائی ہوتی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی برآمد عالمی برآمد کا پانچواں حصہ اور انگلستان اور آئرلینڈ کی مجموعی برآمد چھٹواں حصہ ہوتی ہے۔

استوائی سخت لکڑی کے کٹے ہوئے تنے (Tropical Hardwood Logs) جنوب مشرقی ایشیا کے جزائر سے جاپان، مغربی افریقہ اور یوروپ کو فراہم ہوتے ہیں اور آرہ کشیدہ سخت لکڑی کی ایک قلیل مقدار جنوب مشرقی ایشیا سے زیادہ تر یوروپ کو فراہم ہوتی ہے۔

لکومبرگ (Luxembourg): مغربی یورپ کی آزاد گرانڈ ڈچی ہے جو بلجیم، فرانس اور مغربی جرمنی سے گھری ہوئی ہے۔ یہاں مطلق العنان حکومت قائم ہے۔ جرمن اور فرنچ سرکاری زبانیں ہیں۔ رقبہ 2,586 مربع کلومیٹر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(999 مربع میل) ہے۔ 1988 میں آبادی 374,000 تھی۔ جنوبی حصہ میں لورین(Lorraine) کی سطح مرتفع پھیلی ہوئی ہے۔ شمالی علاقہ زیادہ بلند ہے۔ یہاں آرڈینیز (Ardennes) کے جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔ 25 فیصدی آبادی کا پیشہ زراعت ہے۔ گیہوں، جو، جئی، رائی اور چقندر خاص پیداواریں ہیں۔ لوہے اور فولاد کی صنعت کو فروغ ہوا ہے۔ پارچہ بافی اور چمڑے کا سامان بنانے کے کارخانے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ لوہے کی خاص مقدار نواحی علاقوں سے دستیاب ہو جاتی ہے۔ زہور کے علاقہ سے کوئلہ بآسانی مل جاتا ہے۔

(2) گرانڈ ڈچی کا صدر مقام ہے۔

(3) بلجیم کے جنوب مشرقی حصہ کی ایک ریاست یا صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 4,418 مربع کلو میٹر (1,706 مربع میل) ہے۔ اکثر علاقہ جنگلاتی ہے۔ جگہ جگہ پہاڑی چراگاہیں دکھائی دیتی ہیں۔ چند زرخیز وادیوں میں زراعت کی جاری ہے۔ آرلن(Arlon) صدر مقام ہے۔ آبادی 216,900 ہے۔

لکسمبرگ میں سے دو دریا ساور اور الزیٹ نکلتے ہیں۔ یہ دونوں دریا موسیل کے معاون ہیں۔ موسیل اس کی مشرقی سرحد پر بہتا ہے۔ کوہ آرڈینیز اس ملک کے اندر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک بہت چھوٹا ملک ہے لیکن یہاں لوہے کی کچ دھات کی بہت بڑی کانیں ہیں اور لوہے اور فولاد کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں۔ اس کے علاوہ زراعت بھی ترقی یافتہ ہے۔ گیہوں، بارلی، آلو وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ مویشی پالے جاتے ہیں۔

رائج سکہ لکسمبرگ فرانک ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی تعلیمی اداروں میں 23,465 طالب علم اور 1,764 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 22,496 طالب علم، حرفتی مدرسوں میں 14,790 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 759 طالب علم تھے۔

تاریخ: لکسمبرگ کی تاریخ کا دسویں صدی سے پتہ چلتا ہے۔ اس وقت اس کا نام لکثرل برگ تھا۔ یہ دریائے میوز اور موسیل کے درمیان واقع تھا اور مقدس رومن سلطنت کے اندر سب سے بڑی ریاست تھا۔ سترھویں صدی تک بوہیمیا اور پھر آسٹریا، اسپین اور نیدرلینڈ وغیرہ کا حصہ رہا۔ اٹھارھویں صدی میں فرانس کی انقلابی جنگوں کے دوران اس پر فرانس کا قبضہ ہو گیا۔ 15-1814 کے ویانا معاہدے کے تحت اسے 'گرینڈ ڈچی' بنا دیا گیا اور یہ نیدرلینڈ کے تحت آ گیا۔ 1830 میں جب بلجیم نے نیدرلینڈ کے خلاف بغاوت کر کے علیحدگی اختیار کی تو لکسمبرگ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا۔ جب بلجیم کو آزادی مل گئی تو اس نے لکسمبرگ پر اپنا دعویٰ جتایا۔ چنانچہ اس کا بڑا حصہ بلجیم کو چلا گیا جو اب بھی اس کا ایک صوبہ ہے۔ اس کے بعد بقیہ حصہ کے لیے پروشیا اور فرانس میں کشمکش شروع ہوئی۔ آخر کار 1867 میں ایک سمجھوتے کے تحت یوروپی ملکوں نے اسے غیر جانب دار بنا دیا۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران جرمنی نے اس کی غیر جانبداری کو نظر انداز کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا اور جنگ ختم ہونے تک وہ ان کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد اسے آزادی ملی اور 1922 میں اس نے بلجیم کے ساتھ ایک معاشی یونین بنا لی۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہٹلر کی سرکردگی میں جرمن فوجوں نے پھر ایک مرتبہ اس پر قبضہ کر لیا۔ گرینڈ ڈچز اور اس کی حکومت نے لندن میں پناہ لی۔ 1944 میں اتحادیوں نے ہٹلر کی فوج کو یوروپ میں پیچھے دھکیلا تو اسے بھی آزادی ملی۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد بلجیم، نیدرلینڈ اور لکسمبرگ کی معاشی یونین قائم ہوئی اور لکسمبرگ اور دوسرے مغربی یوروپ کے ملکوں کی طرح مجلس اقوام متحدہ، ناٹو، معاشی کمیونٹی وغیرہ کا ممبر بن گیا اور اس نے اپنی غیر جانبداری کی حیثیت کو بھی آئین میں تبدیل کر کے ختم کر دیا۔

1985 کے بعد سے لکسمبرگ ایک نئی الجھن میں مبتلا ہے۔ وہ ہے، یہاں بڑی عمر والے یا بوڑھے لوگوں کی بڑھتی ہوئی آبادی اور بچوں کی پیدائش میں کمی۔ ان دونوں باتوں کی وجہ سے کام کرنے والی آبادی کی تعداد کم ہو جانے سے معاشی کیفیت پر بُرا اثر پڑ رہا ہے۔

لکشدیپ: کیرالا کے مغربی ساحل سے 300 کلو میٹر دور بحیرہ عرب میں واقع کل 27 جزائر پر مشتمل علاقہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کے زیر انتظام علاقہ ہے۔ اس کا مجموعی رقبہ 32 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 51,707 ہے۔

شمالی حصہ امین دیوی (Amindivis) اور بقیہ جزائر لکادیپ (Lacca dives) کہلاتے ہیں جن میں منی کائے (Minicoy) سب سے بڑا جزیرہ ہے۔

ناریل اہم پیداوار ہے۔ مچھلی پکڑنا سب سے بڑا پیشہ ہے۔ کوارتی (Kavaratti) صدر مقام ہے۔

لکھنؤ: ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کا صدر مقام ہے۔ دریائے گومتی پر واقع ہے۔ کئی سڑکوں اور ریلوے لائنوں کا جنکشن ہے۔ زرعی پیداوار کی بڑی منڈی ہے۔ آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 1,669,204 ہے۔ آزادی کے بعد سے یہاں کئی صنعتیں قائم ہوئی ہیں۔ جن میں سے اسکوٹر بنانے، غذائی چیزوں کو

ڈبوں میں بند کرنے اور دست کاری کی صنعتیں اہم ہیں۔ کپڑوں پر چکن کا کام مشہور ہے۔ یہاں ریلوں کا ایک ورک شاپ بھی ہے۔ تعلیمی اداروں میں لکھنؤ یونیورسٹی، میڈیکل کالج، دارالعلوم ندوہ، فنون لطیفہ کا کالج اور ادویات کا تحقیقی ادارہ مشہور ہیں۔

لکھنؤ کو اہمیت اور شہرت مغل دور سے حاصل ہوئی۔ صوبہ دار اودھ آصف الدولہ نے 1775 میں اپنا صدر مقام فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا اور پھر نوابان اودھ نے اسے خوب ترقی دی۔ دلی کی تباہی کے بعد اہل علم وادب اور فن کار وہاں سے منتقل ہو کر یہاں جمع ہونے لگے اور یہ ایک اہم علمی اور ادبی مرکز بن گیا۔ 1857 میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں لکھنؤ نے نہایت اہم حصہ ادا کیا۔

نوابی دور کی عمارتیں مثلاً بڑا امام باڑہ، شاہ نجف، رومی دروازہ اور انگریزوں کی قدیم ریزیڈنسی کافی مشہور ہیں۔ یہاں ایک بڑا نباتیاتی باغ اور چڑیا گھر بھی ہے۔

لنارک (Lanark): یہ اسکاٹ لینڈ کے جنوب وسطی حصے کا نہایت آباد اور صنعتی علاقہ ہے۔ اس کے شمال میں گلاسگو واقع ہے۔ یہ صنعت وحرفت کا مرکز ہے۔ یہاں جہاز سازی کے کارخانے، انجنیئری سے متعلق کارخانے، خشت سازی اور کپڑے کے کارخانے اور دوسری متعدد صنعتیں واقع ہیں۔ لنارک کے غیر صنعتی علاقے میں اوٹ (رائی)، گندم، آلو، شلجم اور ترکاریاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے بعض علاقوں میں گھوڑے، مویشی اور بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔

لندن: برطانیہ کا صدر مقام اور دنیا کا ایک بہت بڑا صنعتی، تجارتی اور سیاسی مرکز ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے یہ ایک بہت بڑی سلطنت کا بھی سیاسی مرکز تھا۔ لندن دریائے ٹیمز پر واقع ہے۔ 1971 کی مردم شماری کے لحاظ سے اس کی آبادی 70 لاکھ سے اوپر تھی اور یہ دنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا چھٹا شہر تھا۔ پچھلے برسوں میں آبادی کے ساتھ فلک بوس عمارتوں میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے لیکن اب بھی کافی باغات اور ہرے بھرے پارک باقی رہ گئے ہیں۔ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد نہ صرف تباہ شدہ عمارتیں پھر سے تعمیر ہو گئیں بلکہ شہر کی تعمیر نو میں اب منصوبہ بندی سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔

دنیا کے اور دوسرے مشہور شہروں کی طرح لندن بھی ایک نہایت پرانا اور تاریخی شہر ہے۔ اس کی تاریخ برطانیہ پر رومن قبضہ سے شروع ہوتی ہے۔ رومن حکمرانوں نے یہاں گرجا، قلعے اور فصیلیں اور ان میں پھاٹک تعمیر کیے۔ اس دور کے بہت کم آثار باقی ہیں۔ بعض فصیلوں کے حصے اور کچھ پھاٹک رہ گئے ہیں۔ نویں صدی عیسوی تک یہ سیکسنس کے زیر اثر آ گیا تھا اور انھوں نے شہر کو نئی زندگی بخشی نیز گرجا گھر تعمیر کیے۔ 1066 میں اس پر نارمنس نے قبضہ کیا۔ اس دور میں یہاں قلعے اور ان میں مینارے تعمیر ہوئے۔ رچرڈ اول نے صلیبی جنگ سے واپسی کے بعد یہاں کے فن تعمیر میں نئے خیالات کو فروغ دیا اور اس کے بعد ہر دور میں ٹاور آف لندن میں نئی نئی عمارتوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ رصدگاہیں، اسلحہ خانے وغیرہ تعمیر ہوئے۔ گرجا گھر بنائے گئے۔

1135 میں جب ہنری اول کا انتقال ہوا تو نئے بادشاہ کی تاج پوشی ویسٹ منسٹر ایبے میں ہوئی۔ 1136 میں لندن میں زبردست آگ لگی اور اس میں لکڑی کا بنا ہوا اسینٹ پال کا گرجا گھر بھی دیگر بے شمار تاریخی عمارتوں کے ساتھ تباہ ہو گیا۔ اسی دور میں جرمن اور ڈچ تاجروں کی الگ بستیاں قائم ہوئیں۔ 1192 میں لندن کا پہلا میئر چنا گیا۔ سولھویں صدی کے وسط تک لندن میں زبردست ترقی ہوئی۔ تجارت میں اضافہ ہوا۔ آبادی تین گنا بڑھ گئی۔ 1605 تک آبادی 75 ہزار ہو چکی تھی۔ ریشمی اور سوتی کپڑے، شیشے اور برتن بنانے کی صنعتیں قائم ہو چکی تھیں۔ امرا کے محل تعمیر ہونا شروع ہو چکے تھے۔ ملکہ ایلیزبیتھ کے دور میں (1508 تا 1603) اسے زبردست فوجی، مالی اور سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی۔

سترہویں صدی میں لندن کو طاعون کی زبردست وباؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ 1664-65 میں لندن کے 75 ہزار باشندے طاعون سے مر گئے۔ اسی کے ساتھ زبردست آگ میں بے شمار عمارتیں تباہ ہوئیں۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں برطانوی تاجر مشرق اور مغرب کی طرف دور دور پھیل گئے۔ ایک طرف امریکہ اور دوسری طرف افریقہ اور ایشیا میں انھوں نے کالونیاں قائم کرنی شروع کیں اور وہاں سے دولت سمٹ کر انگلستان آنے لگی اور لندن نے تیزی کے ساتھ ترقی شروع کی۔ 1820 میں جب جارج چہارم تخت پر بیٹھا تو لندن کی آبادی گیارہ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ یہ دنیا کا ایک بہت بڑا تجارتی اور سیاسی مرکز بن گیا تھا۔ ساتھ ہی تہذیبی زندگی میں بھی اس نے اہم مقام حاصل کر لیا۔ ادب، تھیٹر اور فنون میں اس نے زبردست ترقی کی۔ 1821 میں اس کی آبادی بارہ لاکھ سے کچھ اوپر اور 1901 میں 66 لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔ اس لیے کہ اس دور میں بے شمار تعلیمی ادارے اور چھوٹی اور بڑی صنعتیں قائم ہو چکی تھیں اور برطانیہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن چکا تھا اور لندن اس طاقت کا مرکز تھا۔

لندن کی قدیم عمارتوں میں ویسٹ منسٹر ایبے، ونڈسر پیلیس، سنٹ پال کا گرجا گھر، وغیرہ کو ساری دنیا میں شہرت حاصل ہے۔ آج بھی یہ دنیا کا بہت بڑا

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

صنعتی، تعلیمی اور تہذیبی مرکز ہے۔

لنڈن ڈری یا ڈری (Derry): شمالی آئرلینڈ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہاں بڑے بڑے گھاٹ، خشک گودی اور جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ یہاں کی اہم صنعتیں شراب کشید کرنا، سوتی کپڑے اور قمیص اور کالر بنانا ہیں۔ گائے نیز سور کا گوشت ڈبوں میں بھرا جاتا ہے۔

لنکن ایلسور تھ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

لوانڈا (Luanda): افریقہ کے مغربی ساحل پر یہ جمہوریۂ انگولا (Angola) کا بندرگاہ اور بین الاقوامی ایرپورٹ اور صدر مقام ہے۔ بنگو (Bango) اور کوانگا (Kwanga) کے درمیان واقع ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ مقام غلاموں کی برآمد کا مرکز تھا۔ ایک ریتیلے جزیرہ نے اسے بحری یورشوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ اس کی لنگرگاہ اچھی ہے۔ آب و ہوا گرم معتدل ہے۔ یہاں سے کافی، کپاس، ہیرے، لوہے اور نمک کی بڑی مقداروں کی برآمد ہوتی ہے۔ تیل صاف کرنے کے کارخانے خلیج لوانڈا کے شمالی سرے پر واقع ہیں۔

ضلع لوانڈا کا رقبہ 33,789 مربع کلومیٹر (13,046 مربع میل) ہے۔ 1970 میں ضلع کی آبادی 561,000 تھی۔ شہر کے بلند حصے آبادی کے مرکز ہیں۔ زیریں حصوں پر صنعت و تجارت کو فروغ ہوا ہے۔

لوپولتھ (Lopolith): طشتری نما آتشی متداخل حجر جو عام طور پر خیدگی (Folding) کے بعد نشیبی خموں (Syncline) میں دخول کرتے ہیں۔ مگر یہی اصطلاح بڑے بڑے نشیبی شکل کے آتشی اجسام کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ زیادہ تر اساسی (Basic) حجرات کے ہوتے ہیں۔ مثلاً گبرو کے اوپر کی طرف خمیدہ آتشی جسموں کو عدسی حجر (Phacolith) کہا جاتا ہے۔ آتشی چٹان کا دخول عام طور پر خیدگی کے دوران ہی ہوتا ہے اور آس پاس کے رسوبی حجرات کے ساتھ ساتھ ہی ان کا بھی بگاڑ (Deformation) ہوتا ہے یعنی یہ بھی فولڈنگ میں حصہ لیتے ہیں اور لوپولتھ وجود میں آتے ہیں۔

لوتھال: ریاست گجرات میں احمد آباد سے 128 کلومیٹر کے فاصلہ پر 1954 میں دریافت شدہ ایک قدیم شہر ہے جس کا تعلق ہڑپہ کے قدیم تمدن سے ہے۔ تہذیبی نقطہ نظر سے اس قدیم شہر کی ہڑپہ اور موہنجدارو کے شہروں سے زیادہ اہمیت ہے کیونکہ ان دونوں شہروں کے مٹ جانے کے باوجود طویل عرصے تک یہ شہر باقی رہا ہے۔

لوزوضعی یا ہوادار حجرات (ایمگڈیل یا ایمگڈیول (Amygdale or Amygdule): آتش فشانی عمل کے دوران لاوے میں موجود گیسوں کے بلبلوں کی صورت میں لاوے میں سے خارج ہونے کی وجہ سے جو سوراخ ہو جاتے ہیں۔ ان سوراخوں کی حامل آتش فشانی چٹانوں کو بلبلہ دار (Vesicular) حجرات کہا جاتا ہے۔ یہ سوراخ اکثر 1 مم سے 30 مم (1mm-30mm) کی جسامت کے ہوتے ہیں۔ اکثر یہ سوراخ بعد میں کسی ذیلی جماد مثلاً زیولائٹ (Zeolite)، کیلسائٹ (Calcite) یا کوارٹز (Quartz) وغیرہ سے پر ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں ان کو لوزوضعی پہلودار یا ایمگڈیل (Amygdale) حجرات کہتے ہیں اور ایسے حجرات یا چٹانوں کو بادام نما یا لوزدار (Amygdaloidal) کہا جاتا ہے۔

عام طور پر سوراخ یا ایمگڈیل لاوے کی اوپری سطح پر بنتے ہیں۔

لوساکا: افریقہ کی جمہوریہ زیمبیا کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 483,000 ہے۔ یہ اس علاقے کی تجارت اور انتظامیہ کا مرکز ہے۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں یہ تجارت کا مرکز بن گیا۔ یہاں کئی مدارس بھی واقع ہیں۔

لوگن، ولیم (William Logan): کینیڈا (Canada) کا یہ ماہر ارضیات 1798 میں پیدا ہوا اور 1875 میں انتقال کر گیا۔ اس کی ساری تحقیقات ویلز (Wales) کے علاقے میں ہوئی تھیں اور وہیں کام کرتے ہوئے اس نے کوئلے کی پیدائش کی وجہ دریافت کی تھی۔ دراصل کوئلے کی پرتوں کے نیچے اسے سٹگمیریا (Stigmaria) نامی جانور کے رکازات یا باقیات (Fossils) مل گئے تھے، جس کی بنا پر اس نے کوئلے کا نامیاتی ہونا ثابت کیا۔ اسی کی کوششوں سے کینیڈا کے ارضیاتی سروے (Geological Survey of Canada) کا قیام عمل میں آیا اور وہ اس کا پہلا صدر مقرر کیا گیا۔ بطور صدر اس نے سارے کینیڈا کی نقشہ بندی (Mapping) کی ٹھانی۔ اپنی ساری زندگی اس نے ماقبل کیمبرین (Pre-Cambrian) دور کے لورنشین شیلڈ (Laurentian Shield) کی نقشہ سازی میں صرف کر دی۔ اس نے بتایا کہ اس شیلڈ کی وسعت کے علاوہ اس میں کئی مختلف زمانوں کے حجرات کا وجود بھی اہم ہے۔

لولائے لاکو (Llullaillaco): یہ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو شالی چلی (جنوبی امریکہ) کے کوہستانی سلسلے اینڈیز (Andez) میں واقع ہے۔ ارجنٹائن سرحد کے عین شمال میں ہے۔ اس پہاڑ کی اونچائی 22,057 فٹ ہے۔

لومے (Lome): مغربی افریقہ میں جمہوریہ ٹوگو (Togo) کا صدر مقام اور اہم بندرگاہ ہے۔ بحر اوقیانوس کے ساحل پر خلیج گنی (Guinea) کے کنارے واقع ہے۔ آمد و رفت اور تجارت کا بڑا مرکز ہے۔ یہاں سے عقبی علاقہ کی طرف ریل کی تین لائنیں پھیلی ہوئی ہیں۔ فاسفیٹ، کوکو، کافی، ناریل، کھجور اور کپاس کی خاصی بڑی مقداریں برآمد کی جاتی ہیں۔ بین الاقوامی ایرپورٹ قریب ہی واقع ہے۔ 1970 میں آبادی 148,443 تھی۔

لونی: یہ ندی اجمیر میں اناساگر سے نکلی ہے۔ جنوبی رخ میں بہتے ہوئے کچھ کے رن (کارن آف کچھ) میں داخل ہوتی ہے۔ راجستھان میں بھیلارا کے قریب اس کے پانی کو روک کر ایک ذخیرۂ آب بنایا گیا ہے۔

لوور سیلیرو ہائیڈرو الکٹرک اسکیم: آندھرا پردیش میں سیلیرو اور ٹڈی داگو ندیوں کے سنگم پر ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے جس کے ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کے چھ یونٹ کی جملہ تنصیبی گنجائش ایک سو میگاواٹ ہے۔

لوئیس کی تشکیل: ہوائی فرسودگی کے عمل کی وجہ سے دھول رفتہ رفتہ اڑ کر زمین پر تہہ نشیں ہو جاتی ہے۔ اس طرح مختلف موٹائی کی مخصوص مٹی جمع ہو جاتی ہے جسے پیلی مٹی یا لوئیس (Loess) کہا جاتا ہے۔ لوئیس کا رنگ زرد، سرمئی یا بھورا ہوتا ہے۔ یہ مٹی بہت نرم اور ملائم ہوتی ہے جو آسانی کے ساتھ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ تاہم اس کی دبیز تہیں اگر ایک جگہ جمع ہوں تو یہ بہت سخت اور مضبوط بھی ہو جاتی ہے۔ لوئیس مسام دار بھی ہوتی ہے۔ اور اس کے مساموں میں لمبے نلی دار سوراخ پیڑ پودوں کی جڑوں کے لیے جگہ بھی بنا لیتے ہیں۔

لوئیس کے تجزیے سے پتہ چلا ہے کہ اس میں باریک ریت اور دھول ملی جلی ہوتی ہے۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پرت نہیں ہوتی اور ایک ٹھوس جسم کے مانند ہوتی ہے۔

لوئیس ریگستانوں سے اڑ کر آنے والی گرد اور دھول کے اکٹھا ہونے سے بنتی ہے۔ ریگستان سے اڑ کر آنے والی گرد ایسے میدانوں میں جمع ہو جاتی ہے جو ریگستانوں کی سرحدوں پر واقع ہوتے ہیں۔ زمین پر لوئیس (دھول) بہت آہستہ آہستہ جمع ہوتی ہے اور تقریباً ایک سال میں ایک تا دو ملی میٹر تک تہہ نشیں ہوتی ہے۔ لیکن اگر حالات میں تبدیلی نہ ہو تو ہزاروں برس کی مدت میں لوئیس دس تا بیس میٹر تک چلی جاتی ہے۔

شمالی چین، وسط ایشیا، مشرقی و مغربی منگولیا ایسے علاقے ہیں جو لوئیس مٹی کے خزانے ہیں جہاں ہزاروں سال سے اڑ کر آنے والی مٹی لوئیس کی شکل میں موجود ہے۔

لہریئے: یہ چھوٹے چھوٹے باہم متوازی خطوط طبعی نقشوں میں اور بالخصوص ٹوپو شیٹس میں زیادہ بلندیوں سے کم بلندیوں کی طرف پھیلتے ہیں اور خطوط مساوی الارتفاع سے عموداً ملتے ہیں۔ زیادہ ڈھال کے زیادہ بلند حصوں کو دکھانے والے لہریئے زیادہ موٹے ہوتے ہیں اور قریب قریب بنائے جاتے ہیں۔ کم ڈھال کے پست علاقوں کو دکھانے والے لہریئے مقابلتاً پتلے اور دور دور بنے رہتے ہیں۔ سلامی دار ڈھال والے بہت بلند علاقوں کے لہریئے بعض اوقات بہت قریب ہو کر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ لیہمن کے اصول پر لہریئے بنائے جائیں تو کم ڈھال اور زیادہ ڈھال کے علاقوں میں ان کی تعداد فی مربع انچ ایک ہی رکھی جاتی ہے، لیکن دبازت میں فرق ہونے کے باعث بلند علاقوں میں یہ پاس پاس اور مقابلتاً پست علاقوں میں دور دور دکھائی دیتے ہیں۔ ان خطوط کے درمیانی فاصلوں کی کمی اور زیادتی سے ڈھلانی زاویے کی کمی زیادتی کا پتہ چلتا ہے۔ سپاٹ علاقوں اور تدریجی ڈھال کی زمینوں کو دکھاتے وقت لہریئے عام ڈھلان کے رخ کی نشان دہی ضرور کر دیتے ہیں مگر ڈھال کی نوعیت اور صحیح سمت کا پتہ نہیں دیتے۔

لہریں: یہ آبی سطح پر نسیم یا ہلکی ہوا کی رگڑ سے پیدا ہونے والے ہلکے ہلکے ابھار ہیں، جو کناروں کی طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

لہوٹسے: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 23,260 فٹ بلند ہے۔

لی اس وائز ڈٹورس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

لی ما: یہ جنوبی امریکہ کی ریاست پیرو کا صدر مقام اور ایک بڑا شہر ہے۔ یہ ملک کے مغربی حصہ میں واقع ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں تقریباً 1,213,000 تھی۔ اس کا بندرگاہ کلاو (Callao) ہے۔ اس کی بنیاد 1535 میں فرانسیسکو پزارو نے رکھی تھی۔ جنوبی امریکہ کا یہ دوسرا قدیم ترین دارالحکومت ہے۔ یہاں کئی چھوٹے بڑے پارک اور باغیچے ہیں جن میں قومی بہادروں کے مجسمے لگے ہیں۔ محل اور گرجا

432

گھر کے علاوہ کئی چھوٹے کلیسا بھی ہیں۔ یہاں دو مرتبہ 1687 اور 1746 میں زلزلہ آیا تھا۔ یہاں کی اکثر عمارتیں لوہے اور کنکریٹ سے بنی ہوئی ہیں۔ یہاں نیشنل لائبریری بھی ہے اور یہاں کی یونیورسٹی، جو 1551 میں قائم ہوئی تھی، جنوبی امریکہ کی سب سے اچھی یونیورسٹیوں میں سے ایک سمجھی جاتی ہے۔ سردی یہاں ہمیشہ ہی رہتی ہے۔ برف باری تو یہاں ہوتی ہے مگر بارش بالکل نہیں ہوتی۔

لی مان (Limon): یہ بندرگاہ، بحیرۂ کیریبین کے ساحل پر، کاسٹاریکا کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں سے ریلوے لائن، سان جوزے کو جاتی ہے۔ یہ معتدل آب و ہوا والا، صاف ستھرا اور صحت بخش شہر ہے۔ یہیں سے کافی اور کیلے برآمد کیے جاتے ہیں۔

لے پاکشی: لے پاکشی، ریاست آندھرا پردیش کے ضلع اننت پور میں ہندو پور ریلوے اسٹیشن سے دس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا قصبہ ہے جو آج بھی وجیانگر کے کتب نقاشی کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ لے پاکشی کے مندر کا معلق منارہ ایک نادر چیز ہے۔ اس کے علاوہ پتھر سے تراشا ہوا ایک بڑا سانڈ (نندی بیل) مندر سے دو فرلانگ کے فاصلے پر نصب ہے۔

لے گاس: یہ نائجیریا کا دارالحکومت ہے۔ یہ خلیج گنی کے کنارے واقع ہے اور ایک بندرگاہ بھی ہے۔ یہ دو جزائر لے گاس اور ای ڈو پر مشتمل ہے۔ اس کا قدیم نام یوروبا تھا۔ پندرہویں صدی میں اس کا نام لے گاس رکھا گیا اور بہت تیزی سے یہ ترقی کرتا گیا۔ سمندری تجارت کے لیے یہ ایک اہم بندرگاہ ہے۔ انگریزوں کے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے یہاں بردہ فروشی ہوتی تھی۔ 1914 میں یہ نائجیریا کا حصہ بن گیا اور 1954 میں یہ راست مرکزی وفاقی حکومت کے تحت آگیا۔ یہاں بین الاقوامی ایرپورٹ بھی ہے اور دھاتی اشیاء فرنیچر اور کپڑا بنانے کے کارخانے ہیں۔ کھجور، کوک، کھال، چمڑے، مونگ پھلی اور جست وغیرہ، یہاں سے برآمد ہوتے ہیں۔ اس کی آبادی تقریباً پندرہ لاکھ ہے۔

لیٹا ہوا فولڈ یا مستکی یا افقی فولڈ: دیکھیے افقی یا مستکی یا لیٹا ہوا فولڈ

لیسوتھو (Lesotho): لیسوتھو جنوبی افریقہ میں واقع ایک آئینی بادشاہت ہے۔ یہ دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ آزادی سے پہلے اس کا نام لسوتو لینڈ تھا۔ یہ جنوبی افریقہ کے اندر واقع ہے اور ہر طرف سے اس کے علاقے سے گھرا ہوا ہے۔ رقبہ 30,335 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 1,826,000 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر مسیرو (Maseru) ہے۔ سرکاری زبان انگریزی اور لیسو (جو کیسی زبان) ہیں۔ 82 فیصدی عیسائی اور 18 فیصدی غیر عیسائی ہیں۔

ملک کا بڑا حصہ پہاڑی ہے۔ آبادی کا تین چوتھائی جنوب کے نچلے سطح مرتفائی علاقے میں رہتا ہے۔ گرمیوں میں مکئی اور پھلوں وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے، اور سرما میں گیہوں، مٹر، بارلی اور اوٹس وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ مویشی بھی کافی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔

برآمدات کا 36 فیصدی اُون اور 18 فیصدی مویشی ہیں۔ بھیڑیں اور بکریاں بھی باہر بھیجی جاتیں ہیں۔ برآمدات زیادہ تر جنوبی افریقہ کو جاتی ہیں۔ لیسوتھو میں ہیرے کی بھی کانیں ہیں۔ 1960 سے ان کی کان کنی شروع ہوئی۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 361,144 طالب علم اور 6,685 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 37,343 طالب علم اور پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں 1,600 طالب علم تھے جبکہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 3,060 طالب علم تھے۔

شروع انیسویں صدی میں زولو اور متابلے قبیلوں کی لڑائیوں (1816-30) کی وجہ سے کئی قبیلے (1816-30) بکھر گئے تھے اس لیے لیسوتھو کی موجودہ آبادی کئی قبیلوں کے لوگوں کا مجموعہ ہے۔ 1820 میں موشیش نے ان منتشر لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک خاندانی حکومت قائم کی۔ موشیش آج تک ہیرو مانا جاتا ہے۔ 1852 میں جب انگریزوں نے اس علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو موشیش نے ان کی مخالفت کی لیکن لڑائی میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ 1868 میں یہ علاقہ برطانیہ کے تسلط میں آگیا۔ 1884 میں یہ نوآبادی (کالونی) بن گیا۔ یہ ہر طرف سے جنوبی افریقہ سے گھرا ہوا ہے اور اس لیے اسے اپنی مملکت میں ملانے کی جنوبی افریقہ نے بہت کوشش کی لیکن مقامی لوگ اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ 1966 میں اسے لیسوتھو کے نام سے کامن ویلتھ کے اندر آزادی دے دی گئی۔

لینا: ایشیائی روس کے علاقہ سائبیریا کا یہ دریا 2,653 میل لمبا ہے۔ اس کا نکاسی آب کا طاس تقریباً 936,000 مربع میل ہے۔ یہ بیکال پہاڑوں کی مغربی ڈھلانوں پر 5,942 فٹ کی بلندی سے نکلتا ہے۔ کچوگا تک یہ مغربی سمت میں بہتا ہے اور بلندیوں میں کئی آبشار بناتا ہے۔ اس کے بعد استوکت (Ustokut) تک یہ شمال کی طرف بہتا ہے اور پھر یاکتسک (Yakutsk) تک یہ شمال مشرقی سمت اختیار

کرتا ہے۔ کیریگا، ویٹم، او لکھا، الدان اور ولیائی اس کے اہم معاون ہیں۔ بحیرہ لیبلیو پر اس دریا نے تقریباً 11,500 مربع میل پھیلا ڈیلٹا بنادیا ہے۔ موسم سرما میں لینا کا شمالی حصہ منجمد ہو جاتا ہے، اس لیے بہتا ہوا پانی برف کی رکاوٹ کے باعث کناروں پر دور دور تک پھیل کر دلدل سی بنا دیتا ہے۔

لیوانٹ: قدیم زمانہ میں یہ یونان سے مصر تک پھیلے ہوئے بحیرۂ روم کے ساحلی علاقوں کا نام تھا۔ بعض اوقات یہ نام اناطولیہ اور مشرق قریب یا مشرق وسطی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن اب اکثر ایشیائے کوچک اور سیریا کے بحیرۂ روم سے ملے ہوئے ساحلی علاقوں کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ سولھویں اور سترہویں صدی میں مشرق بعید کو ہائی لیوانٹ کہا جاتا تھا۔

لیونارڈ، کارل فان (Carl Von Leonard): یہ جرمن پروفیسر تھا جو 1779 میں پیدا ہوا اور 1862 میں انتقال کر گیا۔ یہ حجرات اور جمادات کو خورد بین کی مدد کے بغیر مطالعہ کرنے کے لیے مشہور ہے۔ اس نے محض آنکھوں سے دیکھ کر ہی حجرات کی خصوصیات، پیدائش کے طریقے اور جماداتی ترکیب بتائی اور ان کے پائے جانے کی متوقعہ جگہوں کی نشان دہی بھی کی۔

لیپ ورتھ، چارلس (Charles Lapworth): اس انگریز پروفیسر کا جنم 1842 میں ہوا اور 1930 میں اس نے وفات پائی۔ آرڈوویشین نظام (Ordovician System) اسی کا قائم کردہ ہے۔ اس سے پہلے سجوک (Sedgwick) کے کیمبرین نظام کے حجرات کے بعد مرچی سن (Murchisson) کے قائم کردہ سائلورین (Silurian) نظام کے حجرات کا ذکر کیا جاتا تھا۔ لیکن سجوک اور مرچی سن میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ سجوک کے کیمبرین نظام کی ہی قدیم ترین پرتیں مرچی سن کے سائلورین نظام کی نو عمر پرتیں تھیں۔ یعنی حجرات کا کچھ ریکارڈ دونوں نے اپنے اپنے نظاموں میں شامل کر لیا تھا اور دونوں اپنے اپنے نظام کی حدود پر بحث کرتے رہے۔ اس مسئلے کو لیپ ورتھ نے حل کیا۔ گریپٹولائٹ (Graptolites) گروہ کے رکازات (Fossils) کی دریافت کر کے اس نے متنازعہ فیہ پرتوں کو آرڈوویشین نظام میں شامل کیا جو کیمبرین سے نو عمر تر اور سائلورین سے قدیم تر تھیں۔ اس نے کایا بدلیت کے عمل (Metamorphism) کے سلسلے میں بھی کافی مشاہدات اور تجربات کیے۔

لیتھوانیا: یہ روس کا ایک جمہوریہ ہے جو لیتھوانیا کہلاتا ہے۔ لیٹویا کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 65,200 مربع کلو میٹر (25,200 مربع میل) ہے۔ بیشتر

حصہ پر پست میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر گلیشیر کے جمع کیے ہوئے چٹانی مادے جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ بحر اوقیانوس کی مرطوب ہواؤں کا آب و ہوا پر خاصہ اثر پڑتا ہے۔ بارش کا سالانہ اوسط "25 ہے۔ مغرب سے مشرق کی طرف اس کی مقدار بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں کی معدنیات اور جنگلات اہمیت رکھتے ہیں۔ صنعت اور زراعت کو کافی فروغ ہوا ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 3,128,000 تھی۔ فی مربع میل اوسطاً 124 افراد آباد ہیں۔ ولنیس یا ولنا صدر مقام ہے۔

لیٹرائٹ اور باکسائٹ (Laterite and Bauxite):
آبیدہ آئرن آکسائیڈ کی ترکیب کے ذخیرے جو منطقہ حارہ (Tropics) میں خاص آب و ہوائی حالات میں بنتے ہیں، لیٹرائٹ کہلاتے ہیں۔ نم موسم کے دوران کسی حجر کی لیچنگ (Leaching) ہوتی ہے اور خشک موسم میں خروج شدہ آئنس یا رواںات (Leached Ions) سطح پر شعوری عمل (Capillary Action) کے باعث آکر جم جاتے ہیں اور ان کی تبخیر (Volatilization) عمل میں آتی ہے۔ اس طرح زمین دوز آبی سطح (Ground Water Table) سے سطح زمین تک کے علاقے کے مادے سوڈیم، پوٹاشیم، کیلشیم اور میگنیشیم سے عاری ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ مادے آسانی سے مخروج (Leached) کر جاتے ہیں۔ ان رواںات (Ions) کے حامل محلول کا .PH سلیکا کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر آئرن آکسائیڈ کو چھوڑ دیتا ہے۔ عام طور پر بنیادی آتشی حجر کی فرسودگی کے باعث لیٹرائٹ بنتے ہیں۔

اسی طرح کے عمل سے پیدا شدہ ذخیرے باکسائٹ (Bauxite) بھی ہوتے ہیں جن میں آئرن آکسائیڈ کی بجائے الومنیم آکسائیڈ باقی رہ جاتا ہے۔ باکسائٹ عام طور پر گرینائٹی (Granitic) حجرات کی فرسودگی کے باعث بنتے ہیں۔

لیٹویا: اشتراکی روس کا ایک جمہوریہ ہے جو بحیرۂ بالٹک کے ساحل اور خلیج ریگا کے کنارے واقع ہے۔ اس کی حدود 1,120 میل لمبی ہیں۔ رقبہ 63,700 مربع کلو میٹر (24,600 مربع میل) ہے۔ بیشتر زمین پست و بالا میدان پر مشتمل ہے۔ مشرقی حصہ زیادہ اونچا ہے، جس میں وسطی حصہ سطح سمندر سے 1,027 فیٹ بلند ہے۔ بحر اوقیانوس سے پہنچنے والی ہوائیں آب و ہوا پر کافی اثر ڈالتی ہیں۔ فضا خاصی مرطوب رہتی ہے اور مطلع اکثر ابر آلود رہتا ہے۔ بے ابر دھوپ کے دن سال میں تیس چالیس ہی ہوتے ہیں۔ جمہوریہ کا 37 فی صدی حصہ جنگلاتی ہے۔ چقندر اور فلیکس کی کاشت زیادہ ہوتی ہے۔ ڈیری اور گوشت کی فراہمی کو اہمیت حاصل ہے۔ معیشت، صنعت اور زراعت کی اساس پر قائم ہے۔ 1970 میں آبادی 2,364,000 تھی۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

رہا صدر مقام ہے۔

لیف اریکسن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

لیکولتھ (Lacolith): گنبد نما آتشی متداخل حجر جس کا دخول قوت کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے کہ اوپر پائے جانے والے رسوب یا دوسرے حجرات میں بالاخیدگی کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔

لیمارک، ژاں باپٹسٹ (Jean Baptiste Lamarck): فرانسیسی ماہر فطرت 1744 میں پیدا ہوا۔ اس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے ہی فقری جانوروں کے رکازیات (Vertebrates Paleontology) کے مطالعہ اور بیان کی ابتدا کی۔ کافی مشاہدات اور مطالعے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ نامیاتی ارتقا ایک آہستہ ہونے والا نامیاتی عمل ہے۔ جس پر ماحول (Environment) کا اثر بے حد نمایاں ہوتا ہے۔ یہ نظریہ اس زمانے میں مانے جانے والے کودے (Cuvier) کے نظریے سے یکسر مختلف تھا۔ اس سائنسداں کا انتقال 1829 میں ہوا۔

لینکیسٹر (Lancaster): یہ شہر انگلینڈ کے شمال مغرب میں دریائے لیون (Lune) کے کنارے لیور پول سے 46 میل شمال میں واقع ہے۔ یہاں کی صنعتوں میں پارچہ بافی، زراعتی آلات، ظروف، لنولیئم، چمڑا اور صابن کی صنعتیں شامل ہیں۔ یہاں 1170 کا بنا ہوا نارمن عہد کا ایک قلعہ اور مینار اور پندرہویں صدی کا ایک گرجا گھر بھی ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 48,887 تھی۔

لینن گراڈ: روس کا دوسرا سب سے بڑا اور اہم شہر ہے۔ دریائے نیوا کے دونوں جانب اور خلیج فن لینڈ کے دہانے پر واقع ہے۔ 1971 میں آبادی 33 لاکھ تھی۔ یہاں سے 12 ریلوے لائنیں ملک میں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے بندرگاہوں میں سے ہے لیکن برف کی وجہ سے فروری سے اپریل تک بند رہتا ہے۔ یہاں ایک نہایت معروف دریائی بندرگاہ بھی ہے۔

لینن گراڈ ایک بڑا صنعتی شہر ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے اور مشینیں، کیمیائی اشیاء، سوتی کپڑا، کاغذ اور بحری جہاز بنانے کے کارخانے ہیں۔ لینن گراڈ کی بنیاد پیٹر اوّل نے 1703 میں رکھی تھی۔ 1917 کے سوشلسٹ انقلاب سے پہلے اس کا نام سینٹ پیٹرز برگ تھا۔ پیٹر نے وسط میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور اطراف میں نہایت عالی شان عمارتیں پتھر کی تعمیر کروائیں تاکہ یہ یورپ کے بڑے شہروں کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے لیے اٹلی اور فرانس سے ماہرین تعمیر بلوائے گئے۔ 1712 میں صدر مقام ماسکو سے بدل کر سینٹ پیٹرز برگ میں قائم کیا۔ اور یہ بہت جلد ایک تہذیبی مرکز بن گیا۔ پشکن، ترگنیف، داستوفسکی اور ٹالسٹائی جیسے ادیبوں نے اس کا نام ساری دنیا میں مشہور کر دیا۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں یہ روس کا سب سے خوبصورت اور سب سے بڑا صنعتی شہر بن گیا۔ جہاز سازی، انجینئری اور سوتی کپڑے کے کارخانے قائم ہوئے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں یہ یورپ کا ادب، موسیقی، بیلے، تھیٹر اور رنگارنگ سماجی زندگی کا محور بن گیا۔

جہاں ایک طرف اوپری سطح پر اتنی رونق اور دولت کی فراوانی تھی وہاں دوسری طرف آبادی کا بڑا حصہ غربت میں تڑپ رہا تھا۔ بے چینی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ 1905 میں روس کے مزدوروں نے اپنا انقلاب یہیں سے شروع کیا جسے کچل دیا گیا۔ 1914 میں اس کا نام بدل کر پٹرو گراڈ رکھا گیا۔ اس کے بعد 1917 میں ایک مرتبہ پھر روسی مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں نے یہیں سے بغاوت کا علم بلند کیا اور اس انقلاب نے زار شاہی کا تختہ الٹ دیا اور لینن کی سرکردگی میں سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی۔ 1918 میں نئی حکومت نے اپنا صدر مقام ماسکو منتقل کر دیا۔ 1924 میں لینن کے انتقال کے بعد اس کی یاد میں اس کا نام بدل کر لینن گراڈ کر دیا گیا۔

لینن گراڈ نے نہ صرف انقلاب کی مشعل روشن کی بلکہ اس کی حفاظت میں بھی زبردست قربانیاں دیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اگست 1941 میں ہٹلر کی فوجوں نے لینن گراڈ کا محاصرہ کر کے اسے پورے روس سے منقطع کر دیا تھا۔ دو سال تک محاصرہ رہا۔ ہٹلر نے ہوائی جہازوں اور توپوں سے بے پناہ بمباری کی لیکن لینن گراڈ کے باشندوں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ ہزاروں آدمیوں نے اس کی حفاظت میں جان دی۔

روم، پیرس، ماسکو وغیرہ کی طرح لینن گراڈ نہ صرف نہایت خوبصورت شہر ہے بلکہ ہر طرف لاجواب تاریخی عمارتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ شہر کی مشہور شاہراہ نیوسکی پراسپکٹ، زار شاہی دور کے سرمائی محل، گرمائی محل، سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کا گرجا گھر اور قلعہ وغیرہ، نہ صرف قدیم یادگاریں ہیں بلکہ مکمل عجائب گھر، سرمائی محل کے کئی سو کمروں میں پیکر سازی اور مصوری کے نادر خزانے محفوظ ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار دوسرے عجائب گھر، کتب خانے، آپرا اور بیلے کے تھیٹر اور ڈراموں کے تھیٹر ہال، یونیورسٹیاں، کالج وغیرہ ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد نہ صرف پرانی عمارتوں کی از سر نو تعمیر ہوئی بلکہ بے حساب نئے نئے محلے اور ان میں نئی

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

نئی کئی منزلہ عمارتیں، باغات، پارک، کھیل کے اسٹیڈیم وغیرہ تعمیر کیے گئے۔

لیوپرگیل: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 22,280 فٹ بلند ہے۔

لیوزون: یہ فلپائن کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کا بیشتر حصہ منیلا کے شمال میں واقع ہے۔ جنوبی حصہ میں دو جزیرے نما مشرق اور جنوب مشرق کی طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ آبنائے لیوزون نے اسے تائی وان (فارموسا) سے جدا کر دیا ہے۔ اس کا ساحل تین ہزار میل لمبا ہے جس میں متعدد خلیجیں اور کھاڑیاں واقع ہیں۔ منیلا اور کیوزون سٹی اہم مقامات ہیں۔

لیوسرن (لیوزرن) جھیل: سوئٹزر لینڈ کے وسطی علاقہ کی چھوٹی جھیل ہے جو سوئٹزر لینڈ کے اہم مقامات سے گھری ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی 24 میل ہے اور نصف میل سے دو میل تک چوڑی ہے۔ یہ جھیل صرف 44 مربع میل کا رقبہ گھیرتی ہے۔

لیئل، چارلس (Charles Lyell): یہ اسکاٹ ماہر ارضیات 1797 میں پیدا ہوا اور 1875 میں اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔ اس کو اپنی کتاب، ارضیات کے اصول (Principles of Geology) کے باعث بہت شہرت ملی جس کے گیارہ ایڈیشن اس کی حیات میں ہی شائع ہو چکے تھے۔ مستقبل کی سائنس اور بطور خاص ارضیات کی ترقی میں اس کتاب کا بڑا ہاتھ رہا۔ اس کی اپنی تحقیق دراصل ہٹن (Hutton) کے کام پر منحصر تھی۔ اس نے بتایا کہ طبعی قوتیں ماضی اور حال میں یکساں رہی ہیں۔ یہ قوتیں مسلسل، آہستہ آہستہ اور بغیر کسی انتہا کے جاری و ساری رہی ہیں۔ یکساں عملی کا نظریہ (Uniformitarianism) اس زمانے کے دوسرے مدرسہ ہائے فکر جو ورنر (Werner) اور کووے (Cuvier) نے پیش کیے تھے، سے قطعی مختلف تھا مگر موجودہ ارضیات کی بنیاد اسی اصول پر ہے۔ لیئل نے ٹرشیری دور کی تقسیم بھی کی اور ایو سین (Eocene)، مایو سین (Miocene)، پلایو سین (Pliocene) اور پلاسٹو سین (Pleistocene) عرصوں (Epochs) کی اصطلاحات ارضیاتی ادب کو دیں۔ اس نے سجوک اور مرچی سن (Sedgwick and Murchisson) کا جھگڑا سجھانے اور کیمبرین (Cambrian) اور سائلورین (Silurian) کی حدود مقرر کرنے کی بھی کوشش کی۔

اپنے عقیدے کے باعث اس نے اس دور کے عظیم سیلاب (Great Flood) کے ماننے والوں کو چیلنج کیا جو یہ کہتے تھے کہ اس سیلاب کے بعد سے اب تک دریا اسی طرح بہہ رہے ہیں۔ لیئل نے کہا کہ وادیاں ندیوں کی کاٹ (Erosion) سے بنتی ہیں۔

لیئل کے نصیب میں کچھ ناکامیاں بھی لکھی تھیں۔ جب تک کہ وہ ڈارون (Darwin) سے متاثر نہ ہو سکا تھا تب تک وہ حیاتی ارتقا (Organic Evolution) کے نظریے کو قبول نہیں کر پایا تھا۔ اس نے اگاسز (Agassiz) کے برفانی عہد (Ice Age) کے نظریے کو بھی رد کر دیا اور ڈرفٹ نظریے (Drift Theory) پر ہی قائم رہا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

م

ماتاٹیلا: اتر پردیش میں جھانسی سے 56 کلو میٹر جنوب میں بتوانڈی پر ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے جس کا طول 6,378 میٹر اور بلندی 36.60 میٹر ہے اور اس کی نہر کی لمبائی 111 کلو میٹر ہے۔ اس سے تقریباً 165,757 ہیکٹر رقبہ سیراب ہوتا ہے اور 30 ہزار کلوواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے۔

ماحولیاتی عناصر: انسانی ترقی اور فطری عناصر کے اثرات کے علاوہ، ماحولیاتی عناصر کا بھی جغرافیائی تقسیم پر اثر پڑتا ہے۔ ان طبعی ماحولیاتی عناصر میں اہم عناصر جو مختلف اشکال کے انتشار اور تقسیم کو متاثر کرتے ہیں وہ خشکی اور تری کے خدوخال، رقبہ، آب وہوا اور مٹی ہیں۔

ماخذی علاقہ (Provenance): وہ علاقے جہاں کے حجرات کی فرسودگی (Weathering) اور کاٹ (Erosion) سے رسوبی مادے حاصل ہو رہے ہوں، ماخذی علاقے کہلاتے ہیں۔ اکثر چٹانوں کو بھی ماخذی علاقہ ہی کہا جاتا ہے۔ جو ٹوٹ پھوٹ کر دانوں میں تبدیل ہو جائیں۔ اگر ماخذی علاقہ ذخیرگی کے طاس سے قریب ہی واقع ہو اور فرسودگی اور کاٹ کے بعد حاصل شدہ مادے زیادہ دور تک اور زیادہ دیر تک سفر نہ کر سکیں تو وہ عام طور پر نکیلے (Angular) اور کم کرویت کے حامل ہوں گے اور بے ترتیب بھی ہوں گے۔ ایسے رسوب کو عام طور پر خام (Immature) کہا جاتا ہے۔ جبکہ ماخذی علاقے سے زیادہ دور تک سفر کر کے یعنی ذخیرگی کے طاس کے دور واقع ہونے کی صورت میں خوب ترتیب والے (Well Sorted)، گول (Rounded) اور زیادہ کرویت (Sphericity) والے دانہ دار رسوب پختہ (Mature) کہلائیں گے۔ پختہ رسوبوں کی کیمیائی ترکیب بھی خام دانہ دار رسوب سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بہت سے کمزور اور آسانی سے تبدیل یا تحلیل ہو جانے والے مادے زیادہ دیر تک سفر کرنے کے باعث فنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح پختہ رسوب میں پائدار (Stable) جمادات بطور خاص کوارٹز خصوصیت سے موجود رہتے ہیں۔

رسوبی ساختوں (Sedimentary Structure) کے ذریعے قدیم آبی رو (Paleo-Current) کی سمت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رو کی سمت ماخذی علاقے سے طاس کی سمت کی نشان دہی کرتی ہے۔ مثلاً جنوب مشرق کی طرف حرکت کرنے والی قدیم رو سے بننے والے رسوب کے شمال مغرب میں کس طرف ماخذی علاقہ ہوگا اور ذخیرگی کا طاس جنوب مشرق کی طرف وسعت رکھتا ہوگا۔ پھر رسوب کی پختگی (Maturity) یعنی ترتیب، مدوریت (Roundness)، کریت (Sphericity)، جماداتی ترکیب وغیرہ کے مطالعے سے یہ بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ماخذی علاقہ شمال مغرب میں کس فاصلے پر واقع تھا۔ قریب ہی یا کافی دور۔ یہ اندازہ لگانے کے بعد رسوب میں موجود بھاری جمادات علاقے کے کن حجرات سے کس جگہ کے رسوب حاصل ہو گئے ہوں گے۔ یہ قطعی ضروری نہیں ہے کہ موجودہ زمانے میں پائے جانے والے رسوبی حجرات جن ماخذی علاقوں سے حاصل شدہ ہوں، وہ علاقے اور حجرات اب بھی موجود ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو چکے ہیں یا ان کو نو عمر تر حجرات نے مکمل طور پر ڈھک لیا ہو۔ آرکین زمانے کے کایا بدل رسوبی (Meta-Sedimentary) حجرات کے بارے میں یہ تو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسوب کس قسم کے ازلی قشر (Primordial Crust) سے حاصل ہوئے ہوں۔ مگر ازلی قشر کا نہ کہیں نام و نشان ہے اور نہ اس سلسلے میں اب تک کوئی قطعی بات کہی جا سکی ہے کہ ازلی قشر کی ترکیب کیا تھی۔

مارٹن فرابیشر: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

مارٹینیک (Martinique): فرانس کا ایک سمندر پار صوبائی علاقہ ہے۔ یہ جزیرہ بحیرۂ کریبین میں واقع ہے۔ رقبہ 1,102 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 343,000 ہے۔ صدر مقام فورٹ ڈی فرانس ہے جس کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر ہے۔ زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے۔ وادیوں میں اور ساحل پر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کاشت ہوتی ہے۔ 80 فیصدی حصے پر گنے کی کاشت کی جاتی ہے۔ یہ اس علاقے کے سب سے مالدار جزیروں میں سے ہے۔ گنے کے علاوہ کیلے اور اناناس بھی پیدا ہوتے ہیں۔ شکر اور پھل برآمد کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں اور مویشی بھی پالے جاتے ہیں۔ زیادہ تر برآمدات فرانس کو جاتی ہیں۔

آبادی کا بڑا حصہ نیگرو (سیاہ فام) ہیں جو افریقہ سے غلام بنا کر لائے گئے ہیں۔ اس کا پتہ کولمبس نے 1502 میں لگایا تھا لیکن یہاں آباد کاری فرانسیسیوں نے 1635 سے شروع کی۔ نپولین کی شکست کے بعد اس پر برطانیہ نے قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کے بعد اس پر فرانس کا قبضہ پھر تسلیم کر لیا گیا۔ 1946 میں اسے فرانس کا سمندر پار علاقہ یا صوبہ بنا دیا گیا اور گورنر کی جگہ ایک انتظامی عہدہ دار مقرر ہوا۔ پچھلے چند برسوں سے یہاں سیاحوں کی بڑی تعداد آنے لگی ہے۔

مار کو پولو: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

مارل (Marl): ایک کیلسیائی (Calcareous) کیچ پتھر (Mud Stone) جو کیلسائیٹ کا حامل ہوتا ہے اور باریک دانے دار ہوتا ہے۔

مارماگاؤ: بندرگاہ مارماگاؤ، گوا (ہندوستان) میں ممبئی کے جنوب میں 370 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک عمدہ قدرتی بندرگاہ ہے جو تمام موسموں میں موسمی اثرات کے ہنگامی حالات سے محفوظ رہتا ہے۔ بڑے بڑے جہاز بھی بآسانی اس بندرگاہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ بندرگاہ لونڈا کے راستے ممبئی اور بنگلور سے ملا ہوا ہے۔ یہاں سے برآمد ہونے والی خاص اشیا خام لوہا، کاجو اور ارنڈی کے بیج ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس بندرگاہ میں خشک "ڈاک" نہیں ہیں، تاہم دوسری تمام سہولتیں جیسے لنگر اندازی کے برتھ، روشنی کے مینارے وغیرہ یہاں مہیا ہیں۔

مارواڑ: یہ قدیم راجپوتانہ کی ایک بہت بڑی ریاست تھی۔ اسے جودھپور بھی کہا جاتا تھا۔ اس میں جودھپور کے علاوہ ناگرپالی، جالور اور بارمیر کے اضلاع شامل تھے۔ 1532 سے 1569 تک راؤ مالدیو کی حکومت میں اس علاقہ نے کافی ترقی کی تھی۔ اورنگ زیب نے 1679 میں اس پر حملہ کر کے کافی نقصان پہنچایا تھا۔ 1818 میں اس پر انگریزوں کا اقتدار اعلیٰ قائم ہو گیا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد 1949 میں اسے راجستھان میں ضم کر دیا گیا۔

ماریشس (Mauritius): ماریشس افریقہ کا ایک آزاد جمہوریہ ہے۔ یہ دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ مڈغاسکر کے مشرق میں 800 کلومیٹر (500 میل) دور جنوبی بحر ہند کا ایک جزیرہ ہے۔ اس جمہوریہ میں ماریشس کے علاوہ راڈریگیز (Rodrigues)، اگالیگا اور کارگاڈوس کاراجوس کے جزائر بھی شامل ہیں۔ کل رقبہ 2,046 مربع کلومیٹر ہے۔ اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 1,081,000 ہے۔ ہندوستانی اور پاکستانی نژاد آبادی 66 فیصدی ہے۔ فرانسیسی اور افریقی مخلوط نسل کے لوگ 31 فی صدی اور دوسرے تین فی صدی ہیں۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام پورٹ لوئی ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ ہندو مذہب کے پیرو 51 فی صدی، عیسائی 30 فی صدی، مسلمان 16 فی صدی اور بدھ مذہب کے ماننے والے 3 فی صدی ہیں۔ ماریشس انڈی پنڈنٹ پارٹی برسراقتدار رہی اور سر سیو ساگر رام غلام وزیر اعظم ہے۔

ماریشس کا بڑا علاقہ آتش فشانی ہے۔ پہاڑ زیادہ بلند نہیں ہیں لیکن وہ بھی آتش فشانی ہیں اگرچہ اب خاموش ہیں۔ ان میں سب سے مشہور کوہ پیٹر بوٹ ہے جو پیٹر لوئی کے قریب واقع ہے۔ آب و ہوا خط استوائی ہے یعنی نہایت گرم مرطوب۔ یوروپی باشندے زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں۔

ماریشس میں سب سے زیادہ پیداوار گنے کی ہوتی ہے۔ اور اس سے شکر بنائی جاتی ہے۔ چائے، تمباکو، ناریل وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔

برآمدات کا 86 فیصدی حصہ شکر ہے جو اور دوسری چیزوں کے ساتھ کینیڈا اور برطانیہ اور اس کے علاوہ امریکہ اور ایران بھیجی جاتی ہے۔ درآمدات برطانیہ، جنوبی امریکہ، ایران، فرانس، جرمنی، جاپان اور امریکہ سے آتی ہیں اور اب ہندوستان سے بھی درآمدات آتی ہیں۔

رائج سکہ ماریشسی روپیہ ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 135,233 اور استادوں کی تعداد 6,369 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 79,229 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1,658 طالب علم تھے۔

عرب اور سواحلی ملاح دسویں صدی سے پہلے ماریشس سے واقف تھے۔ یوروپی باشندوں میں سے سب سے پہلے سولھویں صدی میں پرتگالی یہاں پہنچے۔ لیکن 1710-1598 میں نوآبادی ڈچ لوگوں نے بنائی۔ اور ان ہی نے اس کا نام ایک زرعی اسٹیٹ کے مالک مارس کے نام پر رکھا۔ 1710 میں ڈچ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور ان کی جگہ فرانسیسی آئے اور اس پر فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی نے قبضہ کر لیا۔ آباد کاری شروع کی اور 1722 میں اس کا نام فرانس کا جزیرہ (Ile-de-France) رکھا۔ جنگل صاف کئے، سڑکیں اور قلعے تعمیر کئے۔ بندرگاہ پورٹ لوئی کی بنیاد

رکھی۔ افریقی غلاموں کی مدد سے شکر کی کاشت شروع کی۔ 1767 میں یہ جزیرہ کمپنی سے سلطنت فرانس کے ہاتھ میں آگیا۔ نپولین کے دور میں برطانیہ سے لڑائی کے وقت میں اسے برطانوی بحری بیڑے کے خلاف بحری اڈے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ چنانچہ 1810 میں ایک بحری بیڑہ ہندوستان سے بھیجا گیا جس نے اس پر قبضہ کر لیا۔ عہد نامہ پیرس کے بموجب یہ برطانیہ کو مل گیا اور اس کا نام پھر ماریشس رکھا گیا ۔ کیتھولک چرچ، فرانسیسی تہذیب اور زبان وغیرہ کو اسی طرح باقی رکھا گیا جس کا اثر آج بھی موجود ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان سے مزدور بھیج کر گنے کی کاشت شروع کی اور اسے ترقی دی اس لیے کہ غلامی پر پابندی لگانے کے بعد افریقہ سے غلام لانا ممکن نہیں تھا۔ اور ہندوستانی مزدوروں کو غلاموں کی حالت میں رکھ کر کام لیا جا سکتا تھا۔ ہزاروں مزدور ملیریا اور بھوک کا شکار ہو کر مر گئے۔ پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں تجارت رکی تو حالت اور بھی بگڑ گئی اس لیے کہ سارا دارومدار شکر کی برآمد پر تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران بھی لوگوں کو انتہائی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ کے بعد کچھ اصلاحات ہوئیں اور انگریز اندرونی خود مختاری دینے پر راضی ہو گئے۔ 1968 میں اس جزیرہ کو آزادی ملی۔ آزادی کے بعد یہ قدرتی بات تھی کہ ہندوستان کے ساتھ معاشی اور تہذیبی تعلقات وسیع اور مضبوط ہوتے۔ چنانچہ ماریشس کے وزیر اکثر ہندوستان کا دورہ کرتے رہتے ہیں اور ہندوستان کی سابق وزیراعظم اندرا گاندھی وہاں گئی تھیں۔ 1982 میں رام غلام کی حکومت ختم کر کے سوشلسٹ وفاق حکومت کر رہا ہے۔ 1992 میں ماریشس ایک جمہوریہ بن گیا۔

ماسکو: روسی اسے مسکوا کہتے ہیں۔ یہ مسکوا دریا پر واقع ہے۔ 1976 میں آبادی 7,734,000 تھی۔ روس کا صدر مقام سب سے بڑا شہر اور ایک نہایت اہم صنعتی و تہذیبی مرکز ہے۔ تیل صاف کرنے، لوہے، فولاد، مشینیں، موٹریں، ہوائی جہاز، سوتی کپڑے، کیمیائی اشیاء، کاغذ اور لکڑی کا سامان بنانے کے بڑے بڑے کارخانے واقع ہیں۔

ماسکو نے اہمیت سب سے پہلے 1261 میں حاصل کی جب سوزدال کے ڈیوکس ویلڈیمیر نے اسے اپنی جاگیر کا صدر مقام بنایا۔ بعد میں انھوں نے گرینڈ ڈیوکس آف ماسکو کا لقب اختیار کر لیا۔ اس طرح یہ روسی ریاست کا مرکز بن گیا۔ چودھویں صدی میں یہ روسی آرتھوڈوکس کلیسا کے بڑے پادری کا بھی صدر مقام بن گیا۔ ایک زمانہ سے ماسکو تجارت اور دست کاری کا مرکز تھا۔ 1381 اور پھر 1572 میں تاتاریوں نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ کچھ عرصہ تک یہ پولینڈ والوں کے تحت بھی رہا۔ 1712 میں پیٹر اول نے اپنا صدر مقام ماسکو سے پیٹروگراڈ منتقل کر لیا اور ماسکو کی اہمیت کافی گھٹ گئی۔

انیسویں صدی تک ماسکو کی زیادہ تر عمارتیں لکڑی کی بنی تھیں اور اس لیے بار بار شہر آگ سے تباہ ہوتا رہتا تھا۔ سب سے بڑی آگ 1812 میں لگی تھی جب نپولین نے اس پر قبضہ کیا۔ سوائے بڑے بڑے محلوں کے جو پتھر کے بنے تھے پورا شہر جل کر خاک ہو گیا تھا۔

نپولین کی شکست اور واپسی کے بعد ماسکو 1830 سے پھر تعمیر کیا گیا اور یہ ایک مرتبہ پھر بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ اس کے ساتھ یہاں مزدور اور سوشل ڈیماکریٹک تحریک نے جنم لیا جس نے لینن کی سرکردگی میں دنیا کا پہلا مزدور انقلاب برپا کیا اور 1917 میں دنیا میں پہلی مرتبہ مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم کی اور نئی سوشلسٹ مملکت کا صدر مقام ماسکو منتقل کر دیا۔ سوویت حکومت کے دور میں ماسکو نے بے حد ترقی کی۔ 1926 اور 1939 کے درمیان یہاں کی آبادی دوگنی ہو گئی۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران ہٹلر کی فوجیں ماسکو سے 20 یا 25 میل دور تک پہنچ گئی تھیں اور اسے تین طرف سے گھیر لیا تھا لیکن وہ اس پر نہ صرف قبضہ نہیں کر سکیں بلکہ شہر کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں۔ پچھلے برسوں میں کئی یونیورسٹیاں، کالج، بے شمار عجائب گھر، تھیٹر وغیرہ قائم ہوئے۔ آرٹ تھیٹر، مالے تھیٹر اور بالشوی تھیٹر نیز آپرا اور بیلے ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ کریملن اسی شان و شوکت سے قائم ہے۔ اس کے اطراف کی فصیل پندرھویں صدی کے آخر میں بنی تھی اور اس وقت ماسکو اسی کے اندر محدود تھا۔ اب اس میں کئی زار شاہی دور کی عمارتیں، دفاتر کے کام آتی ہیں۔ زار شاہی محل میں بہت بڑا عجائب گھر قائم ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس کے اندر بہت بڑا کانفرنس ہال تعمیر کیا گیا ہے۔ کریملن سے ملا ہوا سرخ چوک (سرخ میدان) ہے۔ اس کے مغرب میں لینن کا مقبرہ اور اس کے پیچھے کریملن کی دیوار سے ملی ہوئی سربرآوردہ لوگوں کی قبریں ہیں۔

انقلاب کے بعد سے پورے شہر کا نقشہ بدل گیا ہے۔ سڑکیں چوڑی ہو گئی ہیں۔ زیر زمین ریلوں کا جال پھیل گیا ہے۔ بے شمار ہوٹل، تفریح گاہیں، کلب، پارک وغیرہ تعمیر ہو گئے ہیں۔

ماسکو وولگا نہر: روس کی اندرونی آبی شاہراہوں میں دریائے وولگا کی اہمیت بہت زیادہ ہے جو روس کے گنجان آباد علاقے سے گزرتا ہے اور قابل جہاز رانی ہے۔ یہ والدائی کی پہاڑیوں سے نکل کر بحیرۂ خزر میں جا گرتا ہے۔ روس کا دارالحکومت ماسکو اسی وولگا کے معاون دریا موسکا پر واقع ہے۔ وولگا اور موسکا سے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

نکلنے والی نہریں ماسکو کو مولوتوف اور لینن گراڈ کو استراخان سے ملاتی ہیں۔ چنانچہ اندرون ملک تجارت کے نقطہ نظر سے تو اس آبی شاہراہ کو کافی اہمیت حاصل ہے، لیکن چونکہ وولگا بحر خزر میں جا گرتا ہے، جو اندرونی سمندر ہے، اس لیے بیرونی تجارت اور آمد و رفت کے لیے یہ مطلق کار آمد نہیں ہے۔ تاہم روس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جہاز رانی، تجارت، آمد و رفت اور حمل و نقل کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ماسکو-وولگا آبی شاہراہ ہے۔

ماقبل کمبرین زمانہ۔ پوشیدہ حیاتی زمانہ (Precambrian-Cryptozoic Era): وہ زمانہ جو قشر ارض (Earth's Crust) کی تخلیق اور ٹھوس شکل اختیار کر لینے سے تقریباً 4 ارب (4 billion) سال پہلے سے شروع ہو کر کمبرین کی ابتدا (چھ سو ملین سال پہلے) تک جاری رہا۔ اس کو ناحیاتی (Azoic) زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر اس زمانے کو دو عہدوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اولی حیاتی (Archaeozoic) اور مقدم حیاتی (Proterozoic) کیونکہ اس زمانے کے حجرات بے حد کایابدل (Metamorphosed) اور بگڑے ہوئے (Deformed) ہیں، اس لیے بین الاقوامی معیار سے تطابق (Correlation) بے حد مشکل امر ثابت ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار علاقائی طبقاتی اصطلاحات پیدا ہو گئی ہیں۔ البتہ تابکار عمر پیمائی (Radioactive Dating) کے ذریعے اسی زمانے کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش جاری ہے۔

اولی حیاتی عہد (Archaeozoic) یعنی اولی حیاتی نظام (Archean System) کے حجرات 2500 ملین سال سے زیادہ پرانے ہیں اور ایسے حجرات ہر براعظم میں پائے جا چکے ہیں۔ لیکن قدیم ترین حجرات جو 3.5 سے 4 ارب سال پہلے بنے تھے، گرین لینڈ وسطی شمالی امریکہ اور جنوبی افریقہ میں ملے ہیں۔ اس نظام کے حجرات عموماً آتش فشانیے (Volcanics)، گراویک (Graywacke) وغیرہ ہیں جو قوسی جزائر (Island Arcs) جیسے ماحول میں جمع ہوتے ہوں گے۔ ابتدائی حیاتی عہد کے آخر میں کوہ سازی کا عمل شدت سے ہوا۔ جس کی وجہ سے مختلف جزائر آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے سے مل گئے ہوں گے اور شاید اسی عمل سے براعظمی مرکزے (Continental Nuclei) بنے ہوں۔ اس عہد میں بے حد ابتدائی زندگی کے آثار (3.4 بلین سال قبل کے حجرات میں) گول اجسام کی شکل میں ملتے ہیں جو شاید الجیائی باقیات یا الگائی رکازات (Algal) ہیں۔

ابتدائی حیاتی عہد کے مقدم حیاتی عہد (Proterozoic Era) کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی (2.5 سے 1.7 ارب سال پہلے)، وسطی (1.7 سے 1.0 ارب سال پہلے) اور آخر (ایک ارب سے 570 کروڑ یا 600 ملین سال پہلے)۔

ابتدائی ترقی پذیر حیاتی دور کے ارضی ہم میلان یا کاس پانچوں براعظمی مرکزوں (Nuclei) کے حاشیوں پر بنے۔ آتش فشانیت اور بحری فرش کے پھیلاؤ کی وجہ سے براعظم اپنے کناروں کے گرد وسیع ہوتے گئے اور پھر شدید کوہ سازی (ہڈسونین کوہ سازی Hudsonian Orogeny) ہوئی۔ وسطی قدیم حیاتی دور کے ارضی ہم میلان یا کاس پھر براعظمی حاشیوں پر پیدا ہوئے لیکن اس وقت تک براعظموں کے وسیع تر ہو جانے کی وجہ سے ذخیرگی براعظموں کے بیچ میں بھی ہوئی اور اس کے بعد گرین ول کوہ سازی (Grenville Orogny) عمل میں آئی اس کے بعد آخر قدیم حیاتی دور میں بھی اسی طرح ارضی ہم میلان یا کاس میں رسوبیت ہوئی اور شاید اس عہد کے ختم ہوتے ہوتے تمام براعظم موجودہ رقبہ اختیار کر گئے تھے۔ اس عہد میں اکثر الجیائی یا الگائی اسٹرومیٹولائٹ (Stromatolite) بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ کثیر خلیائی (Multicellular) جانداروں کے آثار محض نقوش (Imprint) اور جیلی فش (Jelly Fish) کے نقوش تک محدود ہیں۔

مقدم حیاتی عہد کے حجرات کہیں زیادہ کایابدل ہیں تو کہیں بے حد کم یا غیر کایابدل۔ ہندوستان میں وندھیائی "نظام" اور "کڑاپا" نظام کے حجرات غیر کایابدل ہیں یا بے حد کم کایابدل حالت میں ملتے ہیں۔

ماگیور جھیل: اٹلی کے شمال اور سوئٹزرلینڈ کے جنوب میں یہ جھیل واقع ہے۔ اس کی لمبائی چالیس (40) میل اور چوڑائی صرف دو (2) میل ہے۔ رقبہ اسی لحاظ سے 81 مربع میل ہے۔ دریائے ٹی. سی. نو شمال اور جنوب میں اس کے دونوں جانب سے گزرتا ہے۔ اس جھیل کے ساحل پر کئی گاؤں اور تفریحی مقامات واقع ہیں۔ یہ جھیل تقریباً چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ یہ پہاڑی سلسلے ناہموار اور کم بلند ہیں۔

مال گزاری سروے (Cadastral): یہ ایسا پیمائشی کام ہے جس میں بالعموم جریب اور فیتہ کی مدد سے زمینداروں اور کاشتکاروں کی اراضیات کی حد بندی کر کے بڑے پیمانے کے نقشے تیار کر لیے جاتے ہیں۔

مالٹا (Malta): جمہوریہ مالٹا دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ اس میں جزائر مالٹا، گوزو اور کومینو شامل ہیں جو بحیرہ روم میں سسلی (صقلیہ) اور تیونیشیا کے درمیان واقع ہیں۔ کل رقبہ 316 مربع کلو میٹر (122 مربع میل) ہے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 356,450 ہے۔ صدر مقام والیٹا (Valleta) ہے۔ زبان مالٹی اور انگریزی استعمال ہوتی ہے۔ مذہب عام طور پر رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ ایک زمانہ تک یہ برطانوی فوجوں کا بحری اڈہ اور نوآبادی (کالونی) رہا۔ اب بھی برطانیہ اسے اس غرض کے لیے استعمال کرتا ہے۔

زراعت اب بھی اکثریت کا پیشہ ہے۔ تجارت مغربی یوروپ کے ملکوں اور امریکہ سے ہوتی ہے۔ کپڑے اور غذائی اشیا بر آمد کی جاتی ہیں۔ سالانہ ساڑھے تین لاکھ سیاح آتے ہیں۔

رائج سکہ مالٹی پونڈ ہے۔

مالٹا کو زمانہ قدیم سے اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کا قدیم نام ملیطا (Melita) تھا۔ بحیرہ روم کی تمام بڑی سلطنتیں مثلاً فنیقی (فینیشین)، یونانی، قرطاجنی (کارتھیجین)، رومن اور سرا کینی عرب وغیرہ سب ہی اس پر قابض رہے۔ 1798 میں اس پر نپولین نے قبضہ کیا اور جب انگریزوں کے ہاتھوں فرانسیسیوں کو 1800 میں شکست ہوئی تو انگریزوں نے قدم جمائے اور یہ ان ہی کے قبضہ میں مختلف حیثیتوں میں رہا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران اطالویوں اور جرمن نے اس پر سخت بمباری کی لیکن زیر نہ کر سکے۔ جنگ کے بعد انگریزوں نے اسے مختلف آئینی اختیارات دیے لیکن مقامی آبادی آزادی سے کم پر راضی نہ ہوئی تو 1964 میں مکمل آزادی دینی پڑی۔ 1965 میں یہ اقوام متحدہ کا ممبر بنا۔ اس کے بعد وہ برطانیہ اور نیٹو کے فوجی اڈے ہٹانے اور غیر جانبدار ملکوں کی صف میں شریک ہونے کی جدوجہد میں مصروف رہا۔ کئی بار اڈوں کا استعمال کرنے میں کرایہ پر بھی کافی بحث ہو جاتی تھی۔ 1973 میں اقتصادی منصوبہ بندی شروع کی تاکہ کرایہ پر ہی معیشت کا دار و مدار نہ رہے۔ 1979 میں اڈے بند ہونے سے کرایہ کی آمدنی بھی بالکل بند ہو گئی۔

مالدیو (مالدیپ) (Maldives): بحر الہند کا ایک جمہوریہ ہے جو دو ہزار چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ پہلے انھیں جزائر مالدیپ کہتے تھے۔ ہندوستان کے جنوبی سرے کے جنوب مغرب میں واقع ہیں۔ رقبہ 298 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 226,000 ہے۔ صدر مقام مالے ہے۔ یہ جزیرے تقریباً 800 کلو میٹر کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ عام طور پر لوگ مسلمان ہیں۔ آزادی کے بعد سے حکومتیں بدلتی رہی ہیں۔ لیکن ہندوستان کے ساتھ قریبی تعلقات قائم ہیں اور وہ کافی مالی مدد دیتا ہے۔ تجارت زیادہ تر سری لنکا سے ہوتی ہے۔ مچھلی اور ناریل بر آمد کیے جاتے ہیں۔

مالگزاری کا نقشہ: یہ زمینداروں یا کاشتکاروں کے انفرادی کھیتوں، باغوں اور باڑیوں کو دکھانے والا بڑے پیمانہ کا نقشہ ہوتا ہے۔ یہ سرکاری رجسٹر املاک کی تیاری کے لیے بنایا جاتا ہے۔ بڑے پیمانہ کے دیگر نقشوں کو بھی بعض اوقات غیر محتاط طریقہ پر اسی نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر برطانوی آرڈننس سروے کے 1/2500 تعبیری پیمانہ پر تیار کیے ہوئے نقشے یا 25 انچی نقشے بھی جو املاک کی معیاری حدود نہیں بتاتے، مال گزاری کے نقشے کہلاتے ہیں۔ املاک کی حدود کے صحیح تعین کے لیے جو پیائشی کام کیا جاتا ہے، مالگزاری کا سروے کہلاتا ہے۔

مالی یا مالے (Mali): مغربی افریقہ کا ایک آزاد جمہوریہ ہے جس کا رقبہ 1,240,000 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 8,338,500 ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر بماکو ہے۔ اس کے شمال میں الجیریا، مشرق اور جنوب مشرق میں نائجیریا، جنوب میں برکینا فاسو اور آئی وری کوسٹ اور مغرب میں گنی، سینیگال اور موری طینیا واقع ہیں۔ سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ ہامی-سامی (ہیمیتو-سامی) (Hamito-Semetic) اور دوسری بولیاں بول چال کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ 65 فیصدی آبادی مسلمان ہے اور 30 فی صدی قدیم افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔ یہاں بمبارا، مرکا، سونگھائی اور مالنکے نسل کے لوگ آباد ہیں۔

شمال میں دریائے نائجر اور دریائے سینیگال گزرتے ہیں۔ ان کے اطراف زرخیز علاقے ہیں جن میں مونگ پھلی، چاول، سیسم اور کپاس کی کاشت ہوتی ہے۔ بقیہ علاقہ بنجر ہے جس میں مویشیوں کے چارے کے لیے گھاس پیدا ہوتی ہے اور گائیں نیز بھیڑیں اور بکریاں پالی جاتی ہیں۔ جنوب مغرب میں فوتا جلوں پہاڑ ہے۔ ملک میں لوہے، مینگنیز اور فاسفیٹ کے کافی ذخیرے ہیں لیکن سوائے نمک کے کسی اور چیز کی کان کنی نہیں ہوتی۔

رائج سکہ مالی فرانک ہے۔

در آمدات کا 57 فی صدی حصہ فرانس سے آتا ہے۔ اس کے بعد آئی وری کوسٹ، امریکہ، جرمنی، بلجیم وغیرہ سے مال آتا ہے۔ بر آمدات کا 47 فی صدی فرانس کو جاتا ہے اور بقیہ برکینیا فاسو، جاپان، جرمنی، امریکہ اور گھانا وغیرہ کو جاتا ہے۔ بر آمدات کا 39 فیصدی روئی اور 7 فیصدی مونگ پھلی ہے۔

1991 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں 375,131 طالب علم اور 7,963 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 78,523 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں

6,703 طالب علم تھے۔

مالی کا علاقہ چوتھی صدی عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی تک کئی سلطنتوں اور مملکتوں کا مرکز رہا ہے۔ ان سب میں سب سے اہم گھانا کی سلطنت تھی۔ گیارھویں صدی میں مالی نے اس کی جگہ لی۔ یہ ایک نہایت خوش حال اور طاقت ور سلطنت تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یہ اپنے عروج کی انتہا پر پہنچی۔ اس دور کا سب سے اہم حکمراں منسا موسیٰ (1312-1337) تھا۔ اسلامی علوم کی تعلیم وتربیت کے لیے یہ ملک مشہور تھا۔ ٹمبکٹو جیسے شہر علوم وفنون کے بہت بڑے مرکز بن چکے تھے۔ وسط سترھویں صدی میں یہ سلطنت تواریغ حملہ آوروں سے شکست کھا کر ان کے زیر اثر آگئی۔ گاؤ کی شونگ ہائی سلطنت کی دریائے نائجر کے کنارے کے علاقوں پر حکومت تھی۔ چودھویں صدی میں یہ بھی بڑے عروج پر پہنچی۔ اس کے حکمراں نے حج کے لیے مکہ تک سفر کیا تھا اور جس راستے سے وہ گزرا صدیوں تک وہاں کے لوگوں میں اس کی شان و شوکت کے چرچے رہے۔ 1590 میں مراکش کی فوجوں نے اس سلطنت پر حملہ کرکے اسے بہت نقصان پہنچایا۔ انیسویں صدی میں فرانس نے اس پر حملہ کیا اور سخت مزاحمت کے بعد 1896 میں وہ اسے زیر کر سکا اور اس کا نام فرانسیسی سوڈان رکھ دیا اور اسے اپنی ایک کالونی بنالیا۔ اپنے دوسرے مقبوضات کی طرح فرانسیسی اس علاقے کا بھی استحصال کرتے رہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد فرانس کے دوسرے مقبوضات کی طرح اس نے بھی 1958 میں جمہوریہ سوڈان کے نام سے خود مختاری حاصل کرلی۔ اس کے بعد 1959 میں اس نے سینیگال کے ساتھ ایک وفاق قائم کیا جسے وفاق مالی کا نام دیا گیا۔ لیکن دونوں حصوں میں کافی اختلافات پیدا ہو گئے۔ سوڈان کا حصہ زیادہ ترقی پسند تھا اور سینیگال اعتدال پسندی کا حامی تھا۔ چنانچہ اگست 1960 میں یہ وفاق توڑ دیا گیا۔ سوڈان نے جمہوریہ مالی کے نام سے مکمل آزادی حاصل کرلی اور فرانسیسی کمیونٹی سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ 1960 میں گھانا اور گنی کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعہ افریقی ریاستوں کی ایک یونین قائم کی گئی۔ موبیدو کیٹا، مالی کے صدر چنے گئے۔

نومبر 1968 میں فوج نے موبیدو کیٹا کا تختہ الٹ کر انھیں قید کر دیا اور ایک فوجی انقلابی کونسل کرنل موسیٰ تراورے کی سرکردگی میں قائم کردی۔ مئی 1974 میں مالی نے سینیگال اور موریطانیا کے ساتھ مل کر دریائے نائجر کے اطراف کے علاقے کی ترقی کا ایک منصوبہ بنایا۔ اسی سال اگست میں لیبیا سے، مالی کی ترقی کے لیے ایک معاہدے پر دستخط ہوئے اور ایک مشترکہ بنک قائم کیا گیا۔ ستمبر 1976 میں ملک میں جمہوریت پھر سے بحال کرنے کے سلسلے میں ایک قدم اٹھایا گیا اور ایک سیاسی پارٹی مالین پیپلز ڈیماکریٹک پارٹی قائم کی گئی۔ البتہ فوجی بغاوت سے پہلے جو لوگ کسی پارٹی، حکومت یا پارلیمنٹ کے ممبر تھے انھیں اس کی رکنیت سے محروم رکھا گیا۔

مالے الال (Male Allol): بحر ہند میں جزائر مالدیپ (Maldive) کا ایک جزیرہ ہے۔ اس کا صدر مقام بھی مالے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جو سری لنکا (Sri Lanka) کے جنوب مغرب میں تقریباً 640 کلو میٹر (400 میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اہم تجارتی مرکز ہے۔ بازاروں میں ناریل، مچھلی اور چٹائیوں کا بڑا بیوپار ہوتا ہے۔ مالے کی آبادی تقریباً 40,000 ہے۔ یہ ایک قدرتی بندرگاہ، تجارتی مقام اور ثقافتی مرکز ہے۔

ماناگوا (Managua): (1) جنوب مغربی نکاراگوا (Nicaragua) کا ایک حصہ (ڈپارٹمنٹ) ہے۔ اس کا رقبہ 3,634 مربع کلو میٹر (1,403 مربع میل) ہے۔ پست علاقہ میں واقع ہے۔ زرخیز زمینوں پر کافی، کپاس اور مکئی کی کاشت زیادہ کی جاتی ہے۔ گنے اور چاول کی فصلوں کی اہمیت گھٹتی جارہی ہے۔ 1971 میں آبادی 504,126 تھی۔

(2) نکاراگوا اور اس کے ماناگوا ڈپارٹمنٹ کا صدر مقام ہے۔ جھیل ماناگوا کے جنوبی ساحل پر بڑا تجارتی مرکز ہے۔ عقبی علاقہ میں کافی اور کپاس کی فصلیں اہمیت رکھتی ہیں۔ ریلوں اور سڑکوں کا جنکشن ہے اور یہاں ہوائی اڈہ بھی ہے۔ 1971 میں شہر کی آبادی 398,514 تھی اور ام البلادی رقبہ کی آبادی 404,634 تھی۔

(3) ماناگوا جھیل مغربی نکاراگوا کی 65 فٹ گہری جھیل ہے جو دھنسی ہوئی وادی میں سطح سمندر سے صرف 120 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 1,149 مربع کلو میٹر (405 مربع میل) ہے۔

مانٹ سر آٹ (Montserrat): یہ ایک برطانوی کالونی ہے۔ یہ بحیرۂ کیریبین میں انٹی گوا کے شمال مشرق میں 43 کلو میٹر (27 میل) دور اور گواڈالوپ کے جنوب مشرق میں 64 کلو میٹر (40 میل) دور واقع ایک جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 102 مربع کلو میٹر (38 مربع میل) ہے۔ 1991 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 12,000 ہے۔ صدر مقام پلائی متھ ہے۔ یہ لی ورڈ جزائر کا ایک حصہ ہے۔ آتش فشانی پہاڑی علاقہ ہے۔ اطراف کے مناظر نہایت خوبصورت ہیں۔ یہاں پر تمباکو، کالی مرچ اور کپاس اگائی جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں اطراف کے جزائر اور امریکہ نیز

برطانیہ کو بھیجی جاتی ہیں۔

اس جزیرے کو کولمبس نے 1493 میں دریافت کیا تھا۔ 1632 میں انگریزوں نے یہاں بسنا شروع کیا۔ اس کے لیے برطانیہ اور فرانس کی کئی لڑائیاں ہوئیں اور ایک دوسرے کو یہاں سے نکالتے رہے۔ آخر کار 1783 میں یہاں برطانیہ کا مستقل قبضہ ہو گیا۔ یہ جزیرہ پہلے لی ورڈ جزائر کی کالونی میں شامل تھا۔ 1958 میں یہ ویسٹ انڈیز کے وفاق میں شریک ہوا۔ چند ہی ماہ بعد یہ وفاق ٹوٹ گیا تو براہِ راست برطانیہ کی نگرانی میں آگیا۔

مانٹریال: کینیڈا کا یہ شہر، جزیرہ مانٹریال ٹرماونٹ رایل کے دامن میں واقع ہے۔ اس کی آبادی 1976 میں 2,803,100 تھی۔ یہ کینیڈا کا سب سے بڑا شہر اور اس کی تجارت، مالیہ اور صنعت کا مرکز ہے۔ یہاں عصری ضروریات کے سامان سے آراستہ ایک بہترین بندرگاہ ہے جو کینیڈا کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں سے گیہوں، آٹا، کوئلہ، تیل، لکڑی، ڈبوں میں بند اشیا، لوہا اور بیج دوسرے ملکوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ اس شہر کی صنعتوں میں فولاد، الکٹرانک آلات، ہوائی جہاز، پانی کے جہاز، کپڑے اور تمباکو شامل ہیں۔ یہاں میک گل اور مانٹریال یونیورسٹیوں کے علاوہ عیسائی مذہب کی کئی درسگاہیں بھی واقع ہیں۔ ایک زراعتی انسٹی ٹیوٹ بھی ہے۔ 1642 میں فرانسیسیوں نے یہاں اپنی ایک نوآبادی بنائی تھی جو ترقی کر کے آہستہ آہستہ ایک اہم تجارتی مرکز بن گئی۔ 1760 میں اس پر انگریز آبادکاروں نے قبضہ کر لیا۔ انیسویں صدی میں یہ چند سال کے لیے متحدہ کینیڈا کا صدر مقام بھی رہا۔ اس کی آبادی کی اکثریت آج بھی فرانسیسی بولنے والوں کی ہے۔

مانٹے ویڈیو: جنوبی امریکہ کی جمہوریہ یوروگوے کا صدر مقام اور اس کا سب سے بڑا شہر اس کے جنوبی علاقے میں واقع ہے۔ یوروگوے کے لوگ اسے مانٹے ڈملا کہتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کا یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ 1717 میں پرتگالیوں نے پہلے یہاں ایک پہاڑی پر ایک قلعہ بنایا تھا۔ اس کے باوجود 1724 میں ہسپانویوں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ آج کل یہ ایک وسیع، عصری اور دلکش شہر ہے۔ یہاں کئی خوبصورت پارک اور اعلیٰ درجہ کی عمارتیں اور رہائش گاہیں ہیں۔ یہاں کا پرلاڈو پارک بہت شہرت رکھتا ہے۔ اس میں پودوں کی ہزاروں قسمیں ہیں اور یہ ایک تفریح گاہ بھی ہے۔ ایک علمی مرکز ہے اور یہاں ایک یونیورسٹی بھی ہے۔ اس کے کالجوں میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہے۔ سیاحوں کے لیے یہ ایک بہترین تفریح گاہ سمجھی جاتی ہے۔ یہاں اعلیٰ قسم کے ہوٹل ہیں اور ساحل پر باریک ریت پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں سے برآمد ہونے والی اشیا میں مچھلی، تازہ اور یخ بستہ گوشت، اون اور فلہ شامل ہیں۔ اس کی آبادی 1971 میں تقریباً دس لاکھ تھی۔

مانجرا: یہ ندی دریائے گوداوری کی معاون ہے۔ ریاست آندھرا پردیش کے ضلع نظام آباد میں مانجرا پر نظام ساگر ڈیم کی تعمیر ہوئی ہے جس سے آبپاشی ہوتی ہے اور بجلی کی سپلائی بھی کی جاتی ہے۔ مانجرا نظام آباد اور ناندیڑ کے درمیان سرحد کا کام کرتی ہے۔

مانڈلے: یہ بالائی برما کا سابقہ صدر مقام، ایک بڑا شہر اور صنعتی مرکز ہے اور اسی نام کے ضلع کا مستقر ہے۔ اراودی ندی پر واقع ہے، یہ برما کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے۔ مرکزی محل وقوع کے باعث سڑکوں اور ریلوں کا جنکشن ہے۔ برما پر انگریزوں کے قبضہ سے پہلے یہ برمی سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اب بحری اور ہوائی جہازوں کا مرکز ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں یہ شہر تباہ ہو گیا تھا۔ اس پر جاپانیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ 1945 میں جاپانیوں کی شکست کے بعد انگریزوں نے پھر قبضہ کر لیا۔ یہ بدھ مت کا بڑا مرکز ہے۔ کئی قدیم پگوڈا ابھی تک موجود ہیں۔ اسی نام کا ضلع اراودی ندی کے مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔ 1971 میں شہر کی آبادی 185,867 تھی۔

مانروویا: لائبیریا کا صدر مقام دریائے سینٹ پال کے دہانے پر واقع ہے اور بحر اوقیانوس پر بندرگاہ ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی تقریباً چالیس ہزار تھی۔ 1822 میں اس کو امریکی نوآبادیاتی سوسائٹی نے بسایا اور امریکہ سے آزاد شدہ سیاہ فام غلام آکر یہاں بسنے لگے۔ شروع میں جو لوگ امریکہ سے آکر بسے تھے ان ہی کی اولاد نظم ونسق پر حاوی رہی۔ یہاں کی گرم اور بارانی آب و ہوا اور سہولتوں کی عدم فراہمی کی وجہ سے یہ بندرگاہ زیادہ ترقی نہ کر سکا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران یہاں امریکی فوجوں نے اڈہ بنایا۔ شہر کی حالت بہتر بنانے کی کوشش کی۔ 1948 میں یہاں ایک گہرے پانی کا بندرگاہ بنایا گیا۔ اس شہر سے اب لوہے کی کچی دھات برآمد کی جاتی ہے۔ یہاں ایک یونیورسٹی اور بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہے۔

مانیر ندی: یہ گوداوری کی معاون ہے جس پر مانیر پراجکٹ کی تعمیر ہوئی ہے۔ آندھرا پردیش میں اس کے اور گوداوری ندی کے سنگم پر کریم نگر اس پر واقع ہے۔ اس ندی کی لمبائی 128 کلو میٹر ہے۔

ماورائے اساسی حجرات (Ultra Basic Rocks): ماورا مفری حجرات (Ultra Mafic Rocks): وہ آتشی حجرات (Igneous Rocks)

جو میفک (Mafic) جمادات سے بنے ہوں۔ اور اس وجہ سے ان میں سلیکا (Silica, SiO_2) 45 فی صد سے کم ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا، مگر بعد میں یہ حد بندی ہٹائی گئی ہے، اس لیے کہ یہ پتہ چلا ہے کہ محض ہائپر سٹھین (Hypersthene) ایک میفک پائرو کسین (Pyroxene) جماد سے بنا ہوا لماورائے اساسی حجر ہے جس میں 53 فی صد تک سلیکا کی موجودگی ممکن ہے۔

یہ حجرات زیادہ موٹے دانے دار اور قعری ہوتے ہیں۔ مگر کچھ ماورا اساسی آتشی حجرات برکانی (Volcanic) بھی ہوتے ہیں۔ اکثر قسمیں عام طور پر سدیا ڈائک (Dyke) یا باس (Boss) کی صورت میں متداخل پائی جاتی ہیں۔ عام طور پر اس گروہ میں تین قسم کے حجرات ہوتے ہیں۔ (1) پیری ڈوٹائٹ (Peridotite) بنیادی طور پر اولیوین (Olivine) کا بنا ہوا حجر۔ (2) پرکنائٹ (Perkinite) اولیوین کے علاوہ دوسرے میفک جمادات سے بنا حجر۔ (3) پکرائٹ (Picrite) اس حجر کو کہتے ہیں جس میں دس فی صد تک فیلسپار شامل ہو جاتے ہیں۔ مزید فیلسپار کے اضافے پر یہ حجر گیبرو (Gabbro) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی ترکیب کے حجرات برکانی حجرات کے طور پر بھی پائے جاتے ہیں۔

ماؤنٹ آبو: یہ راجستھان میں اراولی پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے 1,200 میٹر ہے۔ گرمیوں کے موسم میں لوگ یہاں آرام اور تفریح کے لیے جاتے ہیں۔

ماؤنٹ بلانک (Mount Blanc): کوہ آلپس (Alps) کے پہاڑی سلسلے میں، جو سوئزر لینڈ سے فرانس تک پھیلا ہوا ہے، کئی بلند چوٹیاں ہیں۔ ان میں ماؤنٹ بلینک سب سے اونچی چوٹی ہے جو فرانس اور اٹلی کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ سطح سمندر سے کافی بلند سطح مرتفع پر اس کی بلندی 15,771 فٹ ہے۔ اس سے کئی گلیشیر اور نہریں نکلتی ہیں جو سائز میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ ماؤنٹ بلینک کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ آلپس (Alps) کے پہاڑی سلسلوں کا سب سے بڑا سیاحتی کا مرکز ہے۔ اس کے سروے کی مہم 1741 میں شروع ہوئی۔ 1768 میں اس کی چوٹی سر کی گئی۔

ماؤنٹ کیلاش: یہ ہمالیہ کے پہاڑی نظام کا 22,028 فٹ بلند ناہموار علاقہ ہے جو تبت کی حدود میں واقع ہے۔ ویتا سیوا کی جنت کہلاتا ہے۔ ہندو اور بدھ مذہب کا مقدس مقام ہے۔ ان مذاہب کے لوگ اسے ماؤنٹ سمیرو کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور کائنات کا مرکز تصور کرتے ہیں۔ تبت میں اسے گینگ ٹائس کہا جاتا ہے۔

ماہرین معاشیات کی اعانت: معاشیات کے محقق ولیم لانہرٹ نے اواخر انیسویں صدی (1882-85) میں اس امر کی وضاحت کی کہ عام حالات میں خام مال کی حصولی اور تیار شدہ مال کی نکاسی کے مناسب حالات کے پیش نظر صنعت کے معیاری وقوع کا تعین بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد جرمن مفکر الفریڈ ویبر نے 1909 میں اپنی کتاب Uner-den-Standort-Der Industries کے ذریعہ وقوع صنعت کے نظریہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا۔ اس ضمن میں اس نے تین اساسی مفروضوں کو پیش نظر رکھا تھا۔ ایک، توانائی اور خام مال کی دستیابی، دوسرے، مصنوعات کو تصرف میں لانے والے مقامات کے وقوع اور جسامتوں کے ساتھ غیر محدود بازاروں کی موجودگی، تیسرے، معینہ اجرتوں پر قرب و جوار سے مزدوروں کی مستقل فراہمی۔ ویبر کے تصور کے تحت وقوع صنعت تین عوامل سے متاثر ہوتا ہے۔ دو عوامل علاقائی ہیں جو حمل و نقل اور مزدوروں کی اجرتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تیسرا عامل مربتگی کی قوتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ کارخانوں کے قیام کے سلسلہ میں حمل و نقل کے اخراجات کو فیصلہ کن گردانا گیا ہے۔ جس کارخانہ تک خام مال کے پہنچانے کے اخراجات سب سے کم ہوں اور اس کی تیار کردہ مصنوعات کو بازاروں تک لے جانے کے مصارف بھی قلیل ترین ہوں اسے "حمل و نقل کے قلیل ترین مصارف والا کارخانہ" کہا جاتا ہے۔ ویبر نے ان حالات کی وضاحت بھی کی ہے جن کے تحت صنعت کو خام مال رخ یا بازار رخ کہا جاسکتا ہے۔ اس نے ہمیں صنعت کے خام مال کے اشاریہ سے روشناس کرایا ہے۔ یہ اشاریہ استعمال شدہ مقامی خام مال اور اس سے تیار ہونے والے مال کے اوزان کے درمیان کی نسبت ہے۔ استعمال شدہ مقامی خام مال کا وزن تیار شدہ مال کے وزن سے زائد ہو تو اشاریہ کو "خام مال رخ" کہا جاتا ہے۔ لیکن مختلف مقامات سے پہنچنے والے خام مال کے استعمال کے بعد تیار شدہ مال کا وزن مقامی استعمال شدہ خام مال کے وزن سے زیادہ ہو جائے تو کارخانوں کا بازاری علاقوں ہی میں قائم کرنا مناسب رہے گا۔

ویبر نے یہ بھی بتایا ہے کہ کسی کارخانہ میں صرف درآمدی خام اشیا ہی استعمال کی جانے والی ہوں تو اسے بازار میں ایسے مقام پر قائم کرنا مناسب ہوگا جہاں سے مختلف سمتوں کے فراہمی کے مقامات تک حمل و نقل کے اخراجات کی شرح تقریباً یکساں رہے۔

ویبر کے تصور میں دوسرا علاقائی عامل مزدوروں کے مصارف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایسے علاقوں میں جہاں مقامی طور پر سستے مزدور بآسانی مل جاتے ہیں "حمل و نقل کے قلیل ترین مصارف والے کارخانے" بھی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

نقل ہو سکتے ہیں۔ یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب مزدوروں کی اجرتوں کی جملہ کی حمل و نقل کے جملہ اخراجات کے اضافہ سے زیادہ ہو۔

مزدوروں کی اہمیت کی پیائش کے لیے ویبر نے ان کی اجرتوں کے اشاریہ کا استعمال کیا ہے۔ اس اشاریہ میں کارخانہ کے تیار کردہ مال کے وزن کی ایک اکائی کی اضافت سے مزدوروں کی اوسط اجرت دکھائی جاتی ہے۔ یہ اجرت جتنی کم ہوتی جائے گی "حمل و نقل کے قلیل ترین مصارف والے صنعتی مراکز" کے نقل مقام کے امکانات بڑھتے جائیں گے۔ ویبر نے صنعتی مراکز کی مربتگی کے سلسلہ میں یہ بتایا ہے کہ کئی منتشر صنعتی مراکز کو یکجا کرنے میں مصنوعات کی مالیت کے کافی گھٹ جانے کا امکان ہو اور نکاسی کے اخراجات میں غیر معمولی اضافہ نہ ہو تو انھیں مجتمع کرنا منفعت بخش ثابت ہوگا۔ لیکن اس طرح یکجا کیے ہوئے صنعتی مرکزوں کو سستے مزدوروں کی فراہمی بھی لازمی ہوگی۔

ویبر کے نظریہ پر کئی مفکرین نے تنقیدیں کی ہیں تاہم اس کے طرز فکر کو کافی پسند کیا گیا ہے اور اسے وقوع صنعت کے جدید نظریہ کی پہلی کڑی گردانا گیا ہے۔ حال کے کئی مفکرین نے اپنے مطالعوں میں اس کے کئی تصورات سے اتفاق کیا ہے۔ 1957 میں ایسرڈ نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی لوہے اور فولاد کی صنعت کے تجزیہ میں ویبر ہی کے نقطہ نظر سے مدد لی ہے۔ وقوع صنعت کے دوسرے دانشوروں میں سویڈن کے ماہر معاشیات ٹی. پلندر کے علاوہ ایڈگر ہوور اور اگسٹ لوش قابل ذکر ہیں۔

ماہے: پانڈیچری کے مرکزی زیر انتظام علاقہ میں نہ صرف "پانڈیچری خاص" شامل ہے بلکہ ہندوستان کے مشرقی ساحل پر ینام اور مغربی ساحل پر ماہے بھی شامل ہیں۔ جغرافیائی نقطہ نظر سے ماہے ریاست کیرالا میں اور ماہے ندی کے دہانہ پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 9 مربع کلومیٹر ہے۔ ماضی میں یہاں کے حکمراں نے 1721 میں اسکو فرانسیسیوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ ماہے ایک پہاڑی علاقہ ہے جہاں لاتعداد ناریل کے درخت ہیں۔ یہاں کی خاص صنعت پارچہ بافی ہے۔

مبابین (Mbabane): افریقہ میں سوازیلینڈ (Swaziland) کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ضلع ہوہو (Hhohho) میں واقع ہے۔ اس کے قریب ہائی ویلڈ (High Veld) کے خطہ میں پایا جانے والا لوہا لورینکو مارکوئی (Lourenco Marques) کے بندرگاہ سے جاپان کو برآمد کیا جاتا ہے۔ 1972 میں آبادی 17,850 تھی۔

مپوٹو (Maputo): جنوب مغربی موزمبیق (Mozambique) کا ایک دریا ہے جو اوسوٹو (Usutu) اور پنگولا (Pongola) ندیوں کے ملنے سے بنا ہے۔ دونوں کا مشترکہ پانی شمال مشرق کی طرف 50 میل تک بہنے کے بعد بائیا ڈی لیورینکو مارکوئی (Baia De Lurenco Marques) میں جا ملتا ہے۔

متحرک پانک: رُکے ہوئے پانی کی کم گہری جھیلوں یا تالابوں میں اسفگنم کائی کے تہ نشیں ملاؤں سے بنی ہوئی پانک کو متحرک پانک کہا جاتا ہے۔

متداخل حجرات (Instrusive Rocks): آتشی حجرات کے جسم (Body) پہلے سے موجود حجرات میں قوت کے ساتھ داخل ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کو دخول اور ایسے حجرات کو متداخل حجرات یا مدخولہ کہا جاتا ہے۔ ان کی کئی شکلیں ممکن ہیں۔ حجری سدّہ، ڈائک، سل، باتھولتھ (Batholith)، لوپولتھ (Lopolith)، فیکولتھ (Phacolith)، باس (Boss) وغیرہ۔

متقابل شکلیں (Enantiomorphous Forms): یہ نام ان قلموں کو دیا جاتا ہے، جن میں نہ تو مستوی تشاکل اور نہ مرکزی تشاکل پایا جاتا ہے، یہ ایسی دو حالتوں میں پائے جاسکتے ہیں جو ایک دوسرے کی عکسی ہوں۔ کسی بھی طرح سے گھمانے پر یہ ایک دوسرے پر منطبق نہیں ہوتیں لیکن ایک دوسرے سے ان کا آپس میں تعلق ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر دائیں یا بائیں شکلوں میں ملتے ہیں اسی لیے ان کو دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ کی متقابل قلمیں کہا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت کوارٹز (کوارٹز) کی قلموں میں پائی جاتی ہے۔

متوازی گسل: جب حجرات کی پرتوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ قشر زمین کے بڑے یا چھوٹے بلاک ایک ہی سمت میں دو یا اس سے بھی زیادہ مقامات پر حرکت پذیر ہو جاتے ہیں۔ ایسے عمل سے جو ساختیں تشکیل پاتی ہیں ان کو متوازی گسل کہا جاتا ہے۔

(ا) پہلی صورت میں دو گسلوں کے درمیان کا حصہ نشیب میں چلا گیا ہے جس کو نشیبی گسل (Graben) کہا جاسکتا ہے۔

(ب) دوسری صورت میں گسلوں کے درمیان کا حصہ ابھر کر اوپر آگیا ہے جس کو ارتفاعی گسل یا ہارسٹ (Horst) کہا جاتا ہے۔

(ج) تیسری صورت میں قشر زمین کے مختلف بلاک ایک تسلسل میں مختلف سمتوں میں اوپر یا نیچے ڈھکیل دیے گئے ہیں۔ اس ساخت کو زینہ دار گسل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(Step Fault) کہا جاتا ہے۔

متھرا: اتر پردیش میں دریائے جمنا پر واقع ہے اور ایک متبرک مقام ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے یہ راجا کنشک کی سلطنت کا مشرقی پایہ تخت تھا۔ اسی کے دور حکومت میں یہ تجارت اور تمدن کا مرکز رہا۔ اس کے علاوہ گپتا حکومت اور اشوک کے زمانہ حکومت میں سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونوں کے لیے مشہور ہوا۔ اسی دوران میں متھرا کے سنگ تراشی کے اسکول کی بنیاد پڑی۔ متھرا پارچہ بافی، چھاپہ سازی اور پیتل کے کام کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے۔

مٹادی (Matadi): یہ کانگو کا ایک بڑا بندرگاہ ہے۔ دریائے کانگو کے دہانے سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں سے ایک ریلوے لائن لیوپولڈ ویل کو جاتی ہے۔

مٹی کا کٹاؤ اور اس کی روک تھام (Prevention and Control of Soil Erosion): انسان کی زندگی میں اس کے آرام و آسائش کے لیے مٹی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مٹی تمام نباتات کی نشو و نما کے لیے بہت ضروری ہے۔ وسیع زرخیز مٹی کے خطے کاشتکاری کے کام آتے ہیں اور جنگلات کا انحصار بھی مٹی پر ہوتا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں جہاں بارش خوب ہوتی ہے وہاں گھنے جنگل اور جھاڑیاں اگتی ہیں جن سے ہمیں عمارتی لکڑی، مختلف قسم کے میوہ جات، پھل اور جڑی بوٹیاں دستیاب ہوتی ہیں۔

جن علاقوں میں مٹی کے خطے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں چکنی مٹی کا جزو کم ہوتا ہے اور ریتیلی مٹی کا جزو زیادہ ہوتا ہے وہاں تیز بارش یا آندھی طوفان کے ذریعہ مٹی کے ذرات الگ ہو کر یا تو بہہ کر نشیب کی طرف جاتے رہتے ہیں یا ریگستانی علاقوں میں اڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے ڈھلوان پر جب تیز بارش ہوتی ہے تو اس پر موجود مٹی کی پرت کٹتی رہتی ہے اور نیچے کی طرف کھسکتی جاتی ہے جس سے جنگلات کو نقصان پہنچتا ہے۔ جن پہاڑی ڈھلوان پر نباتات نہیں ہوتیں وہاں بارش کی وجہ سے کٹاؤ اور زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح تیز رو دریا اپنے کناروں کی مٹی برابر کاٹتے رہتے ہیں جس سے زرخیز کھیتی والے علاقوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر دریاؤں کے کنارے شہر آباد ہوتے ہیں تو کناروں کے کٹنے سے ان آبادیوں کو خدشہ پیدا ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہ بنی نوع انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ خواہ میدانی علاقے ہوں یا پہاڑی علاقے وہاں سے مٹی کم سے کم کٹے۔ مٹی کا کٹاؤ روکنے کے لیے بہت سے طریقے ہیں جو وہاں کے حالات کے مطابق استعمال کیے جاتے ہیں۔

(1) میدانی علاقے: میدانی علاقوں میں جہاں زمین اونچی نیچی ہوتی ہے وہاں اونچے مقامات سے مٹی کٹ کر نشیب کی طرف آتی رہتی ہے۔ ندی و نالے اپنے کناروں کو کاٹتے رہتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں مٹی کا کٹاؤ روکنے کے لیے جگہ جگہ مینڈھ باندھ کر اسے روکا جاتا ہے اور بارش کے زائد پانی کا نکاس نالیوں کے ذریعہ بڑے نالوں اور دریاؤں میں کیا جاتا ہے۔ مناسب جگہوں پر پشتے اور باندھ بنا کر بارش کے سیلابی پانی کو روکا جاتا ہے اور نہروں کے ذریعہ اس پانی کو کاشت کاری کے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ جن مقامات پر دریا کے پانی سے اس کے کناروں کا کٹاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے وہاں کناروں پر بڑے بڑے پتھر جمع کر کے پتھروں کو تار کے بنے جال کے اندر بھر کر دریا کے کنارے لگا دیا جاتا ہے۔ اگر پتھر دستیاب نہیں ہوتے تو کنکریٹ کے بڑے بڑے تختے بنا کر کنارے پر لگا دیے جاتے ہیں۔ بسا اوقات دریا کے کنارے لکڑی کی بلیاں یا تختے بھی گاڑے جاتے ہیں جن سے عارضی طور پر کٹاؤ رک جاتا ہے۔ جن خطوں پر کھیتی نہیں ہوتی ہے ان کو کاشت کے قابل بنانے سے بھی یا ان پر جھاڑیاں وغیرہ لگانے سے مٹی کا کٹاؤ رک جاتا ہے۔

(2) پہاڑی علاقے: پہاڑی ڈھلوان پر اگر درخت وغیرہ نہ ہوں تو ان پر سے مٹی کٹ کٹ کر نیچے آتی رہتی ہے۔ ایسے ڈھلوان پر درخت لگانے یا جھاڑیاں وغیرہ اگانے سے مٹی کا کٹاؤ ختم ہو جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ اگر پہاڑی ڈھلوان ایسے ہوتے ہیں کہ بڑے تودے کھسکنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ایسے ڈھلوان کو کاٹ کر ہلکا کر دیا جاتا ہے یا ایسے دیگر طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں کہ تودے نیچے نہ کھسکیں۔ مثلاً ڈھلوان پر جگہ جگہ روکنے والی پختہ یا نیم پختہ قسم کی دیواریں بنائی جاتی ہیں۔ پہاڑی نالوں پر بھی چھوٹے باندھ بنانے سے کٹاؤ رک جاتا ہے۔

مثل ارضی ہم میلان یا کاس (Para Geosyncline): کسی کریٹان (Craton) پر واقع ارضی ہم میلان کاس کو مثل ارضی ہم میلان کہتے ہیں۔

مثل تطابق (Para Conformity): جہاں عام تطابق کے دونوں طرف پرتیں بالکل متوازی ہوں اور ان کا تماس (Contact) ایک پرتی سطح (One Layer Plane) پر ہو مثل تطابق کہلاتا ہے۔

تجگنڈ ہائیڈ رو الکٹرک اسکیم: یہ اڑیسہ اور آندھرا پردیش کی ریاستوں کی مشترکہ اسکیم ہے۔ جس کے مطابق دریائے گوداوری کی معاون تجگنڈ ندی کے پانی کو

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

روک کر ایک بندھ بنایا گیا ہے اور ہائیڈرو الکٹرک اسٹیشن قائم کیا گیا ہے، جس کی جملہ تنصیبی گنجائش 114,750 کلوواٹ ہے۔

محاذِ باد (Air Front): ہوا کے تودوں کے درمیان کی تدریجی سطح تغیر کو محاذی سطح کہا جاتا ہے۔ وہ خط جس پر اس سطح سے سطح زمین قطع ہوتی ہے، محاذ کہلاتا ہے۔ تودوں کے درمیان کا محاذ چوڑا ہو تو خط محاذ کہلاتا ہے۔ گرم تودہ باد کے نیچے سرد ہوا گاڈے کی طرح بڑھنے لگے تو درمیانی خطِ فاصل کو سرد محاذ کہا جاتا ہے۔

قطبی سرد ہوا محوری گردش سے منحرف ہو کر استوائی سمت میں چلتی ہے اور مغربی ہوا بالائی یا زیریں فضا میں قطب کی جانب بڑھتی ہے۔ اول الذکر کی دبازت کم (بالعموم 10,000 فٹ) ہوتی ہے۔ یہ گرم مغربی ہوا کے نیچے گھس کر اسے اوپر اٹھا دیتی ہے۔ دونوں کی درمیانی حد قطبی محاذ کہلاتی ہے۔ یہاں کرۂ ارض کی محوری حرکت کے باعث فضائی انتشارات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سرد ہوا کے ساتھ آگے بڑھ کر گرم ہوا کو بلندیوں میں پہنچا دیتے ہیں۔ نتیجتاً سیاہ بادلوں کے بارانی طوفان برپا ہو جاتے ہیں۔

خشکی اور تری کے پھیلاؤ کے اختلافات اور غیر مساویانہ گرم و سرد ہونے سے قطبی محاذ کی سطح ناہموار ہو جاتی ہے۔ اس تغیر پذیر قطبی محاذ پر گرم و سرد دونوں قطعات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ گرم ہلکی ہوا سامنے کی سرد ہوا کو دھکا دے کر اوپر چڑھ جاتی ہے۔ ان کی درمیانی حد فاصل، گرم محاذ کہلاتی ہے۔ اسی زمانہ میں گرم قطعہ کے پیچھے کی سرد ہوا نیچے سے اندر گھس جاتی ہے۔ نتیجتاً گرم ہوا کا پھیلاؤ گھٹ جاتا ہے اور وہ اوپر اٹھ جاتی ہے۔ اس طرح دباؤ میں تخفیف ہو جاتی ہے، کم دباؤ کا علاقہ بتدریج بڑھتا جاتا ہے اور ہوائیں زور سے چلنے لگتی ہیں۔

منطقہ معتدلہ کے بادگولوں میں محاذ کے مرکزی کم دباؤ کے نظام کی حیات مختصر سی ہوتی ہے۔ سبب یہ ہے کہ مغرب سے آنے والی سرد ہوا مستقل طور پر گرم ہوا کو ہٹاتی رہتی ہے اور گرم قطعہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔ ایک منزل میں سرد و گرم قطعات کے مکمل اتحاد سے "آکلیوزن" پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے بنا ہوا نیا محاذ "آکلیوڈڈ" محاذ کہلاتا ہے۔

محدود کاس (Barred Basin): وہ کاس جس کا کچھ حصہ یا تو مکمل طور پر سمندری حصے سے علیحدہ ہو یا خاص آبی جسم (Water Body) سے منقطع ہو گیا ہو۔

محمد بن موسیٰ: اس عرب محقق نے بعض کائناتی مسائل پر غور و فکر کر کے متعدد تجربات کرنے کے بعد 848 میں "زیج خوارزمی" عوام کے سامنے رکھی۔

محور تشاکل (Axes of Symmetry): اگر کسی جمادی قلم کو ایک ایسے محور پر خاص زاویہ میں گھمایا جائے کہ آنے والے رخ پہلے رخ کے بالکل مماثل ہو تو اس محور کو محور تشاکل کہتے ہیں۔ مختلف جمادات کی قلموں میں چار مختلف قسم کے محور تشاکل ہوتے ہیں۔

(1) دو رخی محوری تشاکل یا دوہری محور تشاکل

(2) سہ رخی محوری تشاکل

(3) چار رخی محوری تشاکل

(4) شش رخی محوری تشاکل

محور تشاکل
(Axes of Symmetry)

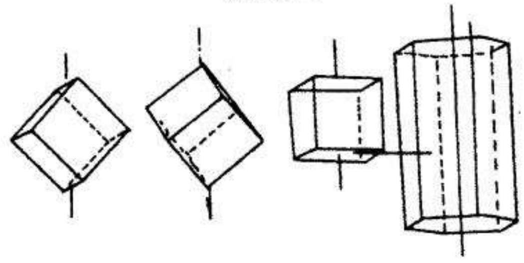

دو رخی محوری تشاکل: جب قلم کو ایک محور پر 180 درجہ گھمایا جاتا ہے تو اس وقت وہ ابتدائی قلم کے رخ کی مماثل شکل میں آ جاتا ہے اور جب اس مقام سے دوبارہ 180 درجہ پر گھمایا جاتا ہے تو اصلی ابتدائی رخ سامنے آتا ہے جہاں سے کہ ابتدا کی گئی تھی اس محور کو دو رخی محور کہتے ہیں۔ اس کی عمدہ مثال کرائی سولائیٹ (Chrysolite) کی قلمیں ہیں۔

محور عمودی (Ortho Axis): یک مائلہ نظام میں قلموں کی وہ تمام شکلیں شامل ہیں، جن میں تینوں قلمی محور غیر مساوی ہوتے ہیں اور جن میں ایک محور جھکا ہوا ہوتا ہے۔ ان تینوں محوروں کو حسب ذیل نام دیے جاتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

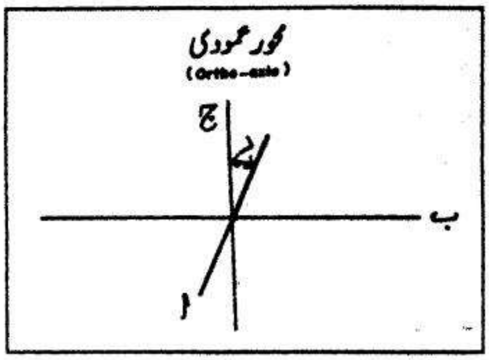

الف محور مائل ہوتا ہے اس لیے اس کو مائل محور کہا جاتا ہے اور افقی محور "ب" ہوتا ہے جس کو افقی محور کہتے ہیں اور "ج" محور عمودی ہوتا ہے۔ اس کو عمودی محور کہتے ہیں اور "ج" محور کے درمیانی زاویہ کو "د" سے ظاہر کیا گیا ہے جو جھکا ہوا ہے اور ب اور ج کا درمیانی زاویہ 90 درجہ کا ہوتا ہے یعنی یہ زاویہ قائمہ ہوتا ہے۔

محور کبیر (Macro-axis) اور محور صغیر (Brachy-axis):
قائمہ معینی نظام میں قلموں کی وہ تمام شکلیں شامل ہیں جن میں تینوں محور ایک دوسرے سے زاویہ قائمہ بناتے ہیں مگر ان تینوں کی لسبائی مختلف ہوتی ہے۔ ان محوروں میں سے کسی ایک کو عمودی یا ج محور تصور کیا جاسکتا ہے اور اس کو عمودی محور کہتے ہیں۔ باقی دو افقی محوروں میں سے لمبے محور کو ہمیشہ "ب" محور یا کبیر محور کہا جاتا ہے۔ دوسرا افقی محور چھوٹا ہوتا ہے جس کو "ا" محور یا صغیر محور کہتے ہیں۔ اس قسم کے محور عام طور پر جماد بیرائیٹس (Barytes) میں پائے جاتے ہیں۔

یہ محور مندرجہ ذیل شکل میں دکھلائے گئے ہیں۔

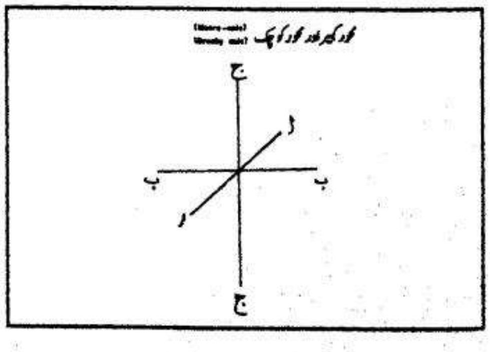

محوری تناسب: جمادی قلموں کے الف۔ب۔ج۔ محور ایک دوسرے سے اپنی لسبائی میں معین تناسب رکھتے ہیں۔ اور یہ اکائی محور کی دو گنی، تین گنی، نصف یا چوتھائی لمبی ہوتی ہے۔ د، ہ، و کے پیرامیٹر ظاہر کرنے کے لیے 1/2-2-1 لکھا جاسکتا ہے اس کو محوری تناسب کہتے ہیں (دیکھیے شکل پیرامیٹر)۔

مختلف السطوح قلم (Scalenohedron): یہ معین نما سطحی قلم کی ایک عام شکل ہے جس میں بارہ رخ ہوتے ہیں اور ہر ایک رخ مختلف الاضلاع مثلث کی شکل کا ہوتا ہے۔ تقریباً دوہرا شش رخی اہرام دکھائی دیتا ہے، اس کے انتہائی کناروں کے دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے منفرد ہوتے ہیں اور اس کے جانبی کنارے قلم کے اطراف کج مج کنارے تیار کرتے ہیں۔ یہ معین سطحی خاندان کے قلموں میں پائے جاتے ہیں۔

مخروط در مخروط ساخت (Cone-in-Cone Structure):
یہ ساخت عام طور پر ریشے دار (Fibrons) کیلسائٹ اور جپسم کی رسوبی پرتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس ساخت میں ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے کئی مخروط ایک کے اندر ایک جمادئے گئے ہیں۔ ایسی کچھ ساختیں بستگی (Concretionary) کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہیں مگر عام طور پر یہ ساخت دباؤ کے باعث بنتی ہے۔

مخروطی جنگلات یا ٹیگا کا خطہ: یہ خطہ ایشیا، یورپ اور شمالی امریکہ کے شمالی حصوں میں شرقاً غرباً ایک وسیع پٹی کی طرح ٹنڈرا کے علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جنوبی امریکہ کا انتہائی جنوبی حصہ اور نیوزی لینڈ کا پہاڑی حصہ بھی اسی خطہ میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت سرد اور قدرے مرطوب ہے۔ سورج کی کرنیں تمام سال ترچھی پہنچتی ہیں۔ اوسط سالانہ درجہ حرارت 40°F سے کم اور بیشتر علاقہ پر نقطہ انجماد سے کم رہتا ہے۔ "ورخویانسک"، جو دنیا کا سرد ترین مقام ہے، اسی علاقہ میں واقع ہے۔ یہاں موسم گرما بہت مختصر مگر غیر متوقع طور پر کافی گرم ہوتا ہے۔ بارش اور برف باری کا سالانہ اوسط "20 رہتا ہے۔ جنگلات میں نرم لکڑی کے مخروطی درخت اور حیوانات میں رُوئیں دار جانور اہم ہیں۔ ذرائع آمد و رفت کی دشواری اور ناموافق آب و ہوا کے باعث آبادی بہت کم ہے۔ زیادہ درجہ حرارت کے بعض علاقوں میں جنگلات صاف کر کے جئی یا رائی کی کاشت کی جاتی ہے۔ کہیں کہیں گیہوں بھی پیدا کیا جاتا ہے۔

مخروطی چادر (Cone Sheet): ایک آتشی ڈائک سیدھی نہ ہو کر سطح پر مدور ہو اور ایسے مخروط کی صورت میں جو ایک ماسکہ (Focus) کی طرف

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

غوطہ کھا رہی ہو یا مائل (Dipping) ہو مخروطی چادر کہلاتی ہے۔

مدار شمسی: کرہ ارض کی سورج کے اطراف سالانہ گردش کے دوران ستاروں کے درمیان سورج اپنی ظاہر گزر کا جو راستہ بناتا ہے مدار شمسی کہلاتا ہے۔ یہ ساوی کرہ پر ایک بڑا سا دائرہ ہوتا ہے۔ مدار شمسی کی سطح محور ارض کی اضافت سے °½66 کا جھکاؤ قائم کرتی ہے۔ اس راستہ کو عبور کرنے والی سطح جو مدار ارضی پر منطبق ہوتی ہے سطح مدار شمسی سمجھی جاتی ہے۔

مدت ارضی کا تعین: ہماری زمین کب عالم وجود میں آئی اور اس کے حجرات کتنے پرانے ہیں؟ یہ سوال سائنسدانوں کے لیے ہمیشہ باعث فکر رہا ہے۔ شروع شروع میں سائنسداں مختلف حجرات کے تعامل اور مطالعہ سے صرف یہی اندازہ کر سکے کہ کون سے حجرات زیادہ پرانے ہیں اور کون سے نسبتاً کم عمر کے ہیں۔ مثلاً جو حجرات نیچے ہیں وہ ان حجرات کے مقابلہ میں پرانے ہیں جو کہ ان کے اوپر واقع ہوئے ہیں۔

انیسویں صدی کے وسط میں ماہر علم طبقات الارض لارڈ کیلون نے سب سے پہلے زمین کی عمر کا اندازہ لگایا۔ چونکہ زمین کے اندر درجہ حرارت بتدریج بڑھتا جاتا ہے اس لیے کیلون نے اس خیال کے تحت کہ جب زمین بنی ہوگی تو آگ کا گولہ رہی ہوگی اور آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوتی گئی یہ اندازہ لگایا کہ زمین کی عمر دو کروڑ سال سے لے کر 40 کروڑ سال تک ہے۔ بہت سے سائنسداں اس اندازے سے متفق نہیں تھے کیونکہ بہت سی باتیں ایسی تھیں جن کا کیلون نے اپنے حساب لگانے میں خیال نہیں رکھا تھا۔ 1906 میں لارڈ ریلے نے پتہ لگایا کہ حجرات میں تابکار جمادات کی موجودگی کی وجہ سے زمین کی حرارت میں خاطر خواہ کمی نہیں ہونے پاتی اور اس طرح کیلون کا اندازہ کافی حد تک غلط تھا۔

ایک دوسرا طریقہ، جس کے ذریعہ بعض پرت دار حجرات کی عمروں کا کافی حد تک صحیح اندازہ لگایا گیا، وہ ہے جس کی دریافت ڈی گیر (1858 تا 1943) نے کی۔ دنیا میں بیشتر ایسے ملائم حجرات ہیں جو کسی گلیشیر کے ذریعہ لائی گئی مٹی کے جمع ہونے سے بنے ہیں۔ ان حجرات کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ چکنی مٹی اور ریتیلی مٹی کی باریک تہوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ گلیشیر کے پگھلنے سے ہر سال ایک تہ چکنی مٹی کی اور ایک تہ ریتیلی مٹی کی جمع ہوتی ہے۔ ان پرتوں کو گن کر ڈی گیئر اور اس کے ساتھیوں نے مل کر کافی جانفشانی اور محنت کے بعد عہد یخ یا زمانہ برف (Ice Age) کی عمر کا پتہ لگایا۔ ان کے حساب سے یہ زمانہ آٹھ ہزار سات سو سال قبل ختم ہوا ہے۔ اس طریقہ سے صرف پرت دار حجرات کی عمر کا ہی حساب لگایا جا سکتا ہے۔ ان طریقوں کے علاوہ مدت ارضی ناپنے کے جو دوسرے طریقے ہیں ان کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

(1) سمندر میں سوڈیم کے ذریعہ مدت کی دریافت: 1900 میں جولی (Joly) نے حساب لگایا کہ ایک سال میں کس قدر سوڈیم نمک دریاؤں کے ذریعہ سمندر میں پہنچتا ہے اور اگر جب سمندر وجود میں آئے تو میٹھے پانی کا ذخیرہ رہے ہوں تو موجودہ کھاری پن لانے کے لیے کتنا عرصہ لگا ہوگا۔ اس حساب سے جولی نے جو مدت ارضی نکالی وہ کیلون کے اندازے سے کافی مطابقت رکھتی تھی۔

(2) تابکاری: بعض جمادات ایسے ہیں جن کے عناصر کے جوہر یا نیوکلی (Nuclei) سے ذرات جدا ہو کر خارج ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح سے وہ عنصر دوسرے عنصر میں بدلتا رہتا ہے۔ اس عمل کو تابکاری کہتے ہیں۔ مثلاً یورانیم 238 (U_{238}) تابکاری تبدل کے ذریعہ ہیلیم اور سیسہ 206 (Pb_{206}) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ تبدیلی ایک خاص رفتار سے ہوتی ہے جو اس عنصر کی نصف عمر کہلاتی ہے یعنی اس عرصہ میں اس عنصر کا نصف حصہ دوسرے عنصر میں بدل جائے گا۔ مثلاً یورانیم کی نصف عمر 456 کروڑ سال ہے۔ کسی پتھر میں موجود تابکار عنصر کی جانچ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عنصر کا کتنا حصہ اصل صورت میں ہے اور کس قدر دوسرے عنصر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور اس طرح سے اس پتھر کی عمر کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے نکالی گئی سب سے قدیم چٹانیں گرین لینڈ کی ہیں جن کی عمر 390 کروڑ سال سے زائد ہے۔ تابکار تبدل سے اصول پر صرف ان حجرات کی ہی عمر نکالی جا سکتی ہے جن میں وہ عناصر موجود ہوں جن میں تابکاری تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی عمر بھی کافی ہونی چاہیے یعنی اگر حجر کی عمر بیس لاکھ سال سے کم ہو تو اس طریقہ سے اس کی صحیح عمر کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ نو عمر چٹانوں کی مدت تخلیق معلوم کرنے کے لیے دوسرے طریقے ہیں جن میں کاربن 14 (C_{14}) کا طریقہ بھی شامل ہے۔

(3) کاربن 14 (C_{14}) کے ذریعہ دریافت مدت: خلا سے آنے والی کاسمک شعاعیں جب زمین کے گرد ہوا میں موجود نائٹروجن سے ٹکراتی ہیں تو وہ نائٹروجن کے جوہر (Nucleus) سے ایک پروٹون (Protone) الگ کر دیتی ہیں اور اس طرح کاربن 14 (C_{14}) کا Isotope وجود میں آتا ہے۔ یہ کاربن 14 ہوا میں موجود آکسیجن سے مل کر جو کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس بناتا ہے وہ زمین پر پہنچ کر نباتات اور حیوانات کے ذریعہ جذب ہو جاتی ہے اور اس طرح ہر جاندار چیز میں کاربن 14 موجود ہوتا ہے اور اسی حالت میں جب تک یہ ذی جان بقید حیات ہے، موجود رہتا ہے لیکن ان جانداروں کے مرنے یا ختم ہونے کے بعد یہ کاربن 14

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

دوبارہ نائٹروجن 14 میں بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔ کاربن 14 کی نصف عمر پانچ ہزار چھ سو سال کے لگ بھگ ہوتی ہے اور جاندار چیز کو مرے ہوئے جتنا عرصہ گزرتا ہے اسی کے مطابق اس میں کاربن 14 کی کمی ہوتی جاتی ہے۔ اس حقیقت کا بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیا میں ہر جگہ کاربن 14 کی مقدار یکساں ہوتی ہے۔ اسی طرح سے پتھروں یا مٹی میں دبی ہوئی لکڑی، ہڈی کے ٹکڑے وغیرہ کی جانچ کر کے ان میں کاربن 14 کی مقدار معلوم کرنے پر اس کی مدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کاربن 14 کے طریقہ سے صرف پچاس ہزار سال تک کی مدت کا ہی ٹھیک طرح سے پتہ لگ پاتا ہے۔ کاربن 14 کے ذریعہ مدت کا اندازہ لگانے کا طریقہ سب سے پہلے شکاگو یونیورسٹی کے ویلارڈ (ایف۔ لبی F.Libby) نے دریافت کیا۔

مدغاسکر (Madagaskar, formerly Malagasy Republic): مدغاسکر افریقہ کے جنوب مشرقی ساحل کے قریب بحر ہند میں ایک جزیرہ ہے۔ پہلے جمہوریہ ملاگاسی کہلاتا تھا۔ اس کا دنیا کے سب سے بڑے جزیروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا رقبہ 587,041 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 11,493,000 ہے۔ اس جمہوریہ میں مدغاسکر کے علاوہ دو چھوٹے جزیرے نوسی بے اور سان ماری بھی ہیں۔ زبان فرانسیسی اور ملاگاسی استعمال ہوتی ہے۔ پچاس فیصدی آبادی عیسائی ہے۔ بقیہ روایتی مذاہب کے پیرو ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر انتاناناریوو (Antananarivu) ہے۔ جزیرہ مدغاسکر کا ساحلی علاقہ میدانی ہے۔ وسطی حصہ سطح مرتفعائی ہے۔ پہلے یہاں گھنے جنگل تھے لیکن بعد میں نوآبادکاروں نے یہ کاٹ ڈالے۔ کافی کے بڑے بڑے باغات ہیں اس کے علاوہ ساحلی علاقوں میں چاول، گنا، اور ونیلا پیدا کیا جاتا ہے۔

برآمدات کا 27 فی صدی کافی ہے۔ اس کے علاوہ گوشت، ونیلا، لونگ، اور پٹرولیم کی بنی ہوئی چیزیں بھی برآمد ہوتی ہیں۔ 36 فی صدی برآمدات فرانس کو جاتی ہیں۔ اور بقیہ امریکہ، جاپان، جرمنی وغیرہ کو جاتی ہیں۔ درآمدات کا بھی 36 فیصدی حصہ فرانس سے آتا ہے اور باقی مغربی جرمنی، امریکہ اور جاپان سے آتا ہے۔ ریلیں نہیں ہیں لیکن 27 ہزار کلو میٹر لمبی سڑکیں ہیں۔ تجارت زیادہ تر سمندر کے راستے ہوتی ہے۔

رائج سکہ ملاگاسی فرانک ہے۔

1990 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں 1,570,721 طالب علم اور 38,933 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 340,191 طالب علم اور 16,340 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 35,824 طالب علم تھے۔

آبادی عموماً مخلوط نسل کی ہے جس میں نیگرو، ملایائی اور جنوبی مشرقی ایشیا کے لوگوں کا خون ملا ہوا ہے۔ اس جزیرہ کی اصل آبادی غالباً جنوب مشرقی ایشیا سے جنوبی ہندوستان ہوتی ہوئی آئی۔ مدغاسکر کی عربی میں لکھی ہوئی جو تاریخیں ملتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں نے نویں اور چودھویں صدی کے درمیان یہاں اپنی نوآبادیاں قائم کی تھیں۔ سولھویں صدی تک یہاں ہولیامرینا نسل کے مقامی لوگوں کی حکمرانی تھی۔ آج بھی اکثریت اس نسل کے لوگوں کی ہے۔ سولھویں صدی میں پرتگالیوں نے، سترھویں صدی میں انگریزوں نے اور سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں فرانسیسیوں نے یہاں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ایک زمانے تک یہاں تاراج رہا اور یہ سمندری لٹیروں کا اڈہ بن گیا اور ہر ایک یوروپی طاقت اس پر اپنا حق جتانے لگی۔ بادشاہ اینڈریانم پوائی میریتا (1787-1810) (Andrianampoinimerina) نے میریتا لوگوں کو متحد کر کے تقریباً پورے جزیرے پر اپنی حکمرانی قائم کر لی جس سے فرانسیسیوں کے مقبوضہ علاقہ کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نے انگریزوں کے ساتھ تعلقات اچھے رکھے۔ انگریزوں کو فرانسیسیوں کے خلاف لڑوانے کی بھی کوشش کی۔ لیکن 1885 میں فرانس نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ مقامی راجہ برابر مزاحمت کرتے رہے۔ 95-1894 میں فرانس نے ایک اور حملہ کیا۔ آخری ملکہ رناوالونا سوم (Ranavalona III) کو معزول کر کے اسے الجیریا بھیج دیا اور ایک فرانسیسی گورنر مقرر کر دیا۔ 1908 میں جزیرہ کو مورو اور پھر بعد میں دوسرے جزائر اسی گورنر کے تحت دے دیے گئے۔

دوسری جنگِ عظیم میں یہاں کے گورنر نے ہٹلر کی حامی فرانسیسی حکومت کا ساتھ دیا۔ چنانچہ 1942 میں برطانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ جنگ کے بعد افریقہ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح قوم پرست تحریک یہاں بھی تیز ہوئی۔ فرانسیسی حکومت نے جو دوبارہ قابض ہو چکی تھی اسے کچلنے کی کوشش کی۔ 1956 میں اسے اندرونی خود مختاری دینی پڑی اور 1958 میں مدغاسکر فرانسیسی ریپبلک کے اندر خود مختار ریاست بن گیا۔ جون 1960 میں فرانس کے دوسرے مقبوضات کی طرح اس نے بھی مکمل آزادی حاصل کر لی۔

مدور ساخت اور مدور مرکبے (Ring Structure and Ring Complex): ایک مرکب آتشی متداخل جس کے ارکان فرداً فرداً مدور یا تقریباً مدور شکل میں رونما ہوں۔ یہ عام طور پر دائری شیٹ یا ڈائک یا مخروطی شیٹ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس ساخت کو مدور ساخت کہتے ہیں اور چونکہ یہ آتشی متداخل جسم عام طور پر مختلف آتشی حجرات سے بنا ہوتا ہے اس لیے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

اس کو مدور آتشی مرکبہ بھی کہتے ہیں جیسے ہندوستان میں گجرات کا ماؤنٹ گیرنار (Girnar) ایک مدور مرکبہ ہے جس میں گرینائٹ، سائنائٹ (Syenite)، اساسی سائنائٹ اور کاربونیٹائٹ (Carbonatite) حجرات شامل ہیں۔ دنیا میں اسکاٹ لینڈ اور نائجیریا کے مدور مرکبے مشہور ہیں۔

مدورائی: تامل ناڈو میں مندروں کا شہر ہے، جہاں سب سے مشہور مینا کشی کا مندر ہے۔ اس کے اندر ایک ہزار ستون کا ہال ہے۔ مدورائی جنوبی ہند کا سب سے قدیم شہر ہے، جو ترومل نائک نامی راجا کے محل کے لیے بھی مشہور ہے۔ یہ ہندو، مسلم اور قدیم انگریزی طرز تعمیر کے اختلاط کا بہترین نمونہ ہے۔ ترومل نائک کا تعمیر کردہ ماری امن (Mariamman) کا تالاب جنوبی ہند کا سب سے عظیم سنگ بستہ تالاب ہے۔ 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 1,085,914 ہے۔

مدورائی پر پانڈیائی خاندان کی حکومت چوتھی صدی ق م سے چودھویں صدی عیسوی تک رہی۔ اس کے بعد یہ مسلمانوں کے تحت آیا اور بعد میں وجیانگر اور پھر نائک خاندان کی سلطنت کا حصہ بنا۔ 1801 میں اس پر انگریزوں نے قبضہ کیا۔

مدینہ منورہ: مسلمانوں کا دوسرا اقدس مقام، سعودی عرب کے صوبہ حجاز میں مکہ سے 250 میل شمال کی طرف ایک میدانی علاقہ میں سطح سمندر سے 2,050 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اسے مدینۃ النبی، مدینہ منورہ یا مدینہ طیبہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں پانی کی افراط ہے۔ مسجد نبوی میں حضرت محمد ﷺ کا مقبرہ بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مستقل آبادی تقریباً 60 ہزار ہے مگر حج کے زمانہ میں زائرین کی کثیر تعداد یہاں پہنچتی رہتی ہے۔ اسے مکہ مکرمہ سے ایک پختہ سڑک کے ذریعہ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ کئی اور سڑکیں مختلف سمتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کھجور یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ ترقی کے میدان میں یہ بھی مکہ، جدہ اور ریاض وغیرہ کی طرح آگے بڑھ رہا ہے۔ 632 میں حضرت محمد ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی تو آپؐ مدینہ آئے۔ اس وقت اس کا نام یثرب تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس نے تیزی کے ساتھ ترقی کی۔ لیکن 661 میں جب بنوامیہ نے اپنا دارالخلافہ دمشق منتقل کر دیا تو اس کی وہ اہمیت نہ رہی۔

یہاں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت فاطمہؓ اور بے شمار صحابہ کی قبریں ہیں۔

مدھیہ پردیش: رقبہ کے لحاظ سے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست مدھیہ پردیش ہے۔ اس کا رقبہ 442,841 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 66,181,170 ہے۔ یہ وسطی ہند میں دکن اور گنگا کے میدان کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ وادیٔ نربدا اور تاپتی کے علاوہ پوری ریاست سطح مرتفع پر مشتمل ہے جس کی سطح سمندر سے اوسط بلندی 1,600 فٹ ہے۔ یہاں کے خاص دریا چمبل، بیتوا، سندھ، نربدا، تاپتی، مہاندی اور اندراوتی ہیں۔ ریاست کے مختلف حصوں کی اوسط سالانہ بارش "30 تا "60 ہے۔

آب و ہوا مغرب میں شدید، سطح مرتفع پر معتدل اور جنوبی و مشرقی میدان میں گرم و مرطوب ہے۔ یہاں کوئلہ اور مینگنیز بکثرت پایا جاتا ہے۔ جوار، گیہوں، چاول، چنا اور گنے کی کاشت کی جاتی ہے۔ سطح مرتفع مالوہ کی زرخیز کالی مٹی کپاس کی کاشت کے لیے موزوں ہے۔ بیشتر پہاڑیاں گھنے جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

مدھیہ پردیش جنگلاتی، معدنی اور زرعی دولت سے مالا مال ہے۔ یہاں کے اہم پراجکٹ برنا، چمبل، گاندھی ساگر ڈیم وغیرہ ہیں۔ کپڑے اور شکر کے کارخانے، برتن بنانے، قالین بنانے اور پٹ سن کے کارخانے قائم ہیں۔ چینی کے برتن اور انجینئرنگ کا سامان بنانا اہم صنعتیں ہیں۔ ملک کا سب سے بڑا سیمنٹ کا کارخانہ کٹنی کے قریب کیمور (Kaimur) میں واقع ہے۔

بھلائی میں واقع فولاد کا کارخانہ بھارت کے تین بڑے فولاد کے کارخانوں میں سے ایک ہے۔ بجلی تیار کرنے کی بھاری مشینیں بنانے کا کارخانہ بھوپال میں قائم ہے۔

مڈیرا (Madeira): برازیل کی یہ ندی، میمورے اور بینی ندیوں کے ملنے سے بنتی ہے۔ بولیویا- برازیل سرحد پر سے گزرتی ہے۔ میمورے کے ساتھ اس کی لمبائی تقریباً 2 ہزار میل ہے۔ برازیل کی سرحد کے ساتھ یہ شمال کی سمت جاتی ہے اور بعد میں شمال مشرق کو مڑ کر رانڈونیا اور ریاست امے زوناس کے علاقے سے گزر کر دریائے آمیزان میں جا گرتی ہے۔ اس میں کئی معاون ندیاں شامل ہوتی ہیں۔ اس میں جہاز رانی ہو سکتی ہے۔

مذاہب کے خطے: دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں۔ ایسے مذاہب جو دنیا کے کسی مخصوص خطہ میں پائے جاتے ہیں، ایک ہی زمرہ میں لے لیے جاتے ہیں۔ دنیا میں مذاہب کی جغرافیائی تقسیم درج ذیل ہے:

(1) مشرق قریب کے مذاہب۔ ان میں یہودی، عیسائی اور اسلام

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مذہب کے علاوہ زرد تشتی اور دیگر قدیم ادیان شامل ہیں۔

(2) مشرق بعید کے مذاہب۔ مشرق بعید میں چین، جاپان اور کوریا کے کئی مذہبی فرقے پائے جاتے ہیں جو کنفیوشیست، تاؤسیت، مہایانا، بدھ مت اور شنتو مذاہب کے عقیدے رکھتے ہیں۔

(3) ہندوستانی مذاہب۔ ان میں قدیم بدھ مت، جین مت، سکھ اور ہندو مذاہب اہم ہیں۔ بعض اوقات ان میں جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کے تھریوداء بدھ مت اور اس سے متاثر ہونے والے ہندو مذہب کے بعض فرقے بھی شامل کر لیے جاتے ہیں۔

(4) افریقی مذاہب۔ ان میں متعدد قبائلی دین شامل ہیں۔ قدیم مصری مذہب کو ان کے زمرہ میں شریک نہیں کیا جاتا۔ اسے قدیم مشرق قریب سے وابستہ کیا جاتا ہے۔

(5) امریکن مذاہب۔ ان میں جزائر غرب الہند اور امریکہ کے قدیم باشندوں کے دین شامل کیے جاتے ہیں۔

(6) بحری مذاہب۔ یہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے جزیروں کے دین ہیں۔

(7) قدیم یونان اور روم کے لاطینی مذاہب

دنیا کی بڑھتی ہوئی صنعتی، کاروباری اور تجارتی ترقی کے نتیجہ میں آبادی کے مسلسل نقل مقام کے باعث اب مذاہب کے درج بالا خطوں کی انفرادیت قطعی ختم ہو گئی ہے۔

مراد آباد: اتر پردیش میں رام گنگا کے کنارے بین الاقوامی شہرت کا صنعتی شہر ہے۔ یہ چاندی کی پالش اور پیتل کے برتن بنانے کے لیے اہم ہے۔

مراقش (مراکش) (Morocco): مراقش (مراکش) شمال مغربی افریقہ کا ایک ملک ہے جو بحیرہ روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے جنوب میں مغربی صحارا اور مشرق اور جنوب میں الجیریا واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 446,550 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 25,698,000 ہے۔ صدر مقام رباط ہے۔ سب سے بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ کسابلانکا ہے۔ زبان عربی اور بربر ہے۔ اکثریت کا مذہب اسلام ہے۔ 1976 میں اسپین سے معاہدہ کے ذریعہ ہسپانوی صحارا (موجودہ مغربی صحارا) کو مراقش اور موری طانیا نے آپس میں بانٹ لیا۔ الجیریا نے اسے تسلیم نہیں کیا اور مغربی صحارا کا محاذ آزادی الجیریا سے اپنی گوریلا یا چھاپا مار جنگ جاری رکھے ہوئے ہے۔ کوہ اطلس (اٹلس) کا بڑا حصہ مراقش میں ہے۔ اس پہاڑ کے ڈھلواں حصہ پر کافی بڑے جنگل ہیں۔ وادیاں سرسبز ہیں۔ کوہ اطلس کے اس پار ریگستان ہیں۔ پہاڑوں پر قصبے آباد ہیں جن کے مکانات یمن کے قصبوں سے بہت مشابہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں کے عرب یمن ہی سے آئے تھے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق مراقش کے ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 2,578,566 اور استادوں کی تعداد 95,206 تھی۔ ثانوی مدارس میں 1,168,918 طالب علم اور 81,581 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 221,217 طالب علم تھے۔

ملک کا سکہ درہم ہے۔

درآمدات 30 فی صدی فرانس سے اور بقیہ امریکہ، جرمنی، اور عراق سے آتی ہیں۔ برآمدات بھی 21 فی صدی فرانس کو اور بقیہ اٹلی، پولینڈ، جرمنی اور برطانیہ وغیرہ کو جاتی ہیں۔ کل برآمدات کا 55 فی صدی حصہ فاسفیٹ اور 7 فی صدی حصہ رسیلے پھل، لیموں وغیرہ ہیں۔ مراقش سیاحی کا بھی بڑا مرکز ہے۔ 1975 میں تقریباً بارہ لاکھ سیاح مراقش آئے تھے جن سے تقریباً نوے کروڑ ڈالر کی آمدنی ہوئی تھی۔ گیہوں، بارلی، مکئی، سنترے کی اقسام کے رسیلے پھل، انجیر، انگور، کھجور وغیرہ کی بڑے پیمانے پر کاشت ہوتی ہے۔ جانوروں میں گائیں، بھیڑیں، بکریاں، گھوڑے، اونٹ اور گدھے پالے جاتے ہیں۔

تھوڑی مقدار میں تیل بھی نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئلہ، فاسفیٹ، مینگنیز، جست اور سیسے کی کان کنی ہوتی ہے۔ سیمنٹ کے بھی کارخانے ہیں۔

تاریخ: مراقش کی لکھی ہوئی تاریخ آٹھویں صدی عیسوی سے ملتی ہے۔ یہ ہارون الرشید کی خلافت کا دور ہے۔ یہاں پر ادریسیوں نے اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ان کے بعد یہاں پر المرابطون اور الموحد خاندانوں کی حکومت رہی۔ سب سے آخر میں 1546 سے فلالی (Filali) خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ شاہ حسن ثانی اسی خاندان سے ہیں۔

جس زمانہ میں فرانسیسیوں نے الجیریا کو فتح کیا تو مراقش نے اس کی مخالفت کی اور مشہور الجیریائی مجاہد عبد القادر کی نہ صرف مدد کی بلکہ بعد میں اسے پناہ بھی دی۔ 1843 میں فرانسیسیوں نے فیض (Fez) میں اپنا ایک فوجی مشن متعین کیا۔ اس کے بعد فرانس اور اسپین کا آپس میں معاہدہ ہو گیا۔ جس کی رو سے دونوں ملکوں کے حلقہ اثر کا تعین ہو گیا۔ 1906 میں یوروپ میں سامراجی ملکوں کی ایک

بین الاقوامی کانفرنس ہوئی جس میں ہر ملک کے مفادات کی وضاحت کی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ مراقش میں ایک باقاعدہ پولیس دستہ بھیجا جائے اور اس کے دروازے ہر ملک کے لیے کھلے رہیں۔ 1912 میں فرانس اور اسپین کا ایک معاہدہ ہو گیا اور دونوں نے آپس میں مراقش کو بانٹ لیا۔ اسپینی علاقے کے قبائلیوں کو یہ منظور نہ تھا اور کافی بڑے عرصے تک یہاں مسلح جدوجہد چلتی رہی اور یہ فرانسیسی علاقے میں بھی پھیل گئی۔

فرانس نے اپنے قبضہ کے زمانے میں مراقش کو کافی ترقی دینے کی کوشش کی۔ 1934 میں یہاں تیل دریافت ہوا۔ پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت بڑھائی گئی تاکہ فرانسیسی خوب فائدہ اٹھا سکیں۔ 1921 اور 1926 کے درمیان عبدالکریم کی سرکردگی میں اسپینی مراقش میں بغاوت کافی بڑے پیمانے پر چلتی رہی۔ 1935 اور اس کے بعد جب جنرل فرانکو نے اسپین کی جمہوری حکومت کے خلاف بغاوت کی تو اسپینی مراقش میں اس کا صدر مقام تھا۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران نومبر 1942 میں اتحادی فوجوں نے الجیریا اور مراقش پر قبضہ کر لیا اور یہیں سے یوروپ پر حملہ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ 1956 میں سلطان مراقش اور فرانس کے معاہدے کے ذریعے طنجہ، مراقش کو واپس دے دیا گیا اور اس کی آزادی تسلیم کر لی گئی۔ تاہم فرانس اور اسپین کے ساتھ قریبی تعلقات باقی رہے۔ 1957 میں سلطان محمد پنجم نے اپنا خطاب بدل کر شاہ کر لیا۔ 1961 میں شاہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹے حسن ثانی تخت پر بیٹھے۔ 1962 میں نئے آئین کے ذریعے آئینی بادشاہت قائم ہوئی گو کہ شاہ نے طاقت کبھی بھی نہیں چھوڑی۔ 1965 میں حسن نے ایمرجنسی کا اعلان کیا اور خود ہی وزیر اعظم بن گئے۔ 1970 میں ایک ترمیم شدہ پارلیمانی جمہوریت ملک میں قائم ہوئی۔ جون 1971 میں ایک ناکام فوجی بغاوت ہوئی۔ فروری 1972 میں شاہ حسن نے ایک نئے آئین کا اعلان کر دیا۔ 1976 میں اسپین نے اسپینی صحارا کو آزاد کر دیا اور یہ مغربی صحارا کہلانے لگا۔ 1979 میں مراقش نے موری طانیا کے حصہ کا مغربی صحارا اپنے تحت لے لیا۔ 1990 کے شروع میں اقوام متحدہ نے اعلان کیا کہ وہ استصواب رائے کرائے گا، مگر اس کام میں مقامی حکومت نے کوئی گرم جوشی نہیں دکھائی۔

مرتجان: زیریں بینار میں سالوین ندی پر مولمین کے شمال مغرب میں مرتجان کی ایک بستی واقع ہے جو کبھی پیگو کا صدر مقام تھی اور کافی اہمیت رکھتی تھی۔ سالوین ندی پر اس مقام سے مولمین تک ایک گھاٹ (Ferry) کا پھیلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ جنوب مغرب میں اسی نام کی ایک خلیج بھی واقع ہے۔

مرٹھواڑا: یہ جنوبی ہند کے لسانی اور تمدنی اساس کے ایسے علاقہ کا نام ہے جہاں اکثر باشندے مراٹھی زبان بولتے ہیں۔ اس میں اورنگ آباد، پربھنی، بیڑ، عثمان آباد، بیدر اور ناندیڑ کے اضلاع شامل کیے جاتے ہیں۔ ضلع اورنگ آباد کے جنوب مغربی حصہ میں اجنتا اور ایلورا کے قابل دید غار اور منادر ساری دنیا میں مشہور ہیں۔

مرجانی پشتہ: سطح سمندر پر یا اس کے ذرا ہی نیچے پھیلی ہوئی مسامدار آہکی چٹانوں کا ابھار جو مرجانی کیڑیا کے تہ در تہ جمع ہوتے رہنے سے تشکیل پاتا ہے۔ اس ابھار کے بالائی اور عقبی حصوں پر موجوں اور ہواؤں کے ذریعہ گھونگوں کے ٹکڑے اور مرجانی ریت کے ڈھیر پھیل پھیل کر نئی زمینیں بناتے رہتے ہیں۔ مرجانی پشتہ کی تین اہم اقسام ہیں۔ روک پشتہ، حاشیائی پشتہ اور مرجانی حلقہ۔

مرجانی حلقہ: یہ مردہ مرجانوں کے تہ در تہ جماؤ سے بنی ہوئی ایک گول سی دیوار ہوتی ہے جو کم گہرے ہموار تہ کے مرجانیہ کو جزوی یا مکمل طور پر گھیرے رہتی ہے۔ اس کے بحری رخ کے پہلوؤں کی ڈھلانیں سلامی دار ہوتی ہیں۔ اس طرح کی دیواریں مغربی اور وسطی بحر الکاہل میں زیادہ ملتی ہیں۔ چارلس ڈاروِن کا خیال ہے کہ اس طرح کی دیواریں زیر تعمیر مرجانی علاقوں سے گھرے ہوئے جزیروں کے غرق آب ہونے سے ظہور میں آتی ہیں۔ آر. اے. ڈالی کا بیان ہے کہ پلاسٹوسین دور برفا میں سطح سمندر کے پست رہنے کے باعث قدیم جزیروں کے اطراف موجوں نے چبوترے اور بحری بینچیں تراش دیں۔ اواخر دور برفا میں جب سطح سمندر بلند ہو گئی تو چبوتروں اور بنچوں پر مرجانی پشتے بنتے گئے اور عرصہ دراز کے بعد مرجانی حلقے ظہور میں آئے۔

مرچی سن، راڈرک اِمپی (Roderick Impey Murchisson): یہ مشہور اسکاٹ ماہر ارضیات 1792 میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے تقریباً سب سے پہلے قدیم حیاتیاتی عہد (Palaeozoic Era) کے حجرات کی ترتیب (Sequence) معلوم کی اور ایک نیا پرت یا تہہ نگاری نظام (Stratigraphic System) قائم کیا جسے اس نے سائلورین نظام (Silurian System) کا نام دیا۔ لیکن اس سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے آرڈووشین دور کے حجرات کو ممیز نہیں کیا اور ان کو ہی اپنے سائلورین نظام میں شامل کر دیا۔ یہی غلطی سجوک نے بھی آرڈوویشین دور کے حجرات کو اپنے کیمبرین نظام میں شامل کر کے کی تھی۔ یہ تنازعہ لیپ ورتھ (Lapworth) نے ختم کیا۔ 1940 میں اسے زار روس نے روس بلوایا جہاں کے حجرات پر تحقیق کر کے اس نے پرمین نظام (Permian

(System) کی بنیاد ڈالی۔ 1855 میں اسے بیچ (Boche) کے بعد عظیم تر برطانیہ کے ارضیاتی سروے (Geological Survey of Great Britain) کا ناظم اعلیٰ (Director General) مقرر کیا گیا۔ مرچی سن نے 1871 میں انتقال کیا۔

مرد آب: ساحل اور اس کے سامنے کے کسی پتلے سے خشکی کے پھیلاؤ، پشتہ یا منڈیر کے درمیان جزوی یا کلی طور پر گھرا ہوا کم گہرا پانی کا علاقہ جسے ساحلی جھیل بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس نوعیت کی جھیلیں مرجانی حلقوں کے درمیان بھی پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حاشیائی باڑھ تک گھری ہوئی مرد آب تنگ اور اتھلی ہوتی ہے لیکن ساحلی باڑھ تک پھیلی ہوئی مرد آب مقابلتاً زیادہ چوڑی اور زیادہ گہری ہوتی ہے۔ بعض اوقات خلیجوں میں کیچڑ، ریت اور سنگ ریزوں پر مشتمل بری لعاب، خلیجی دہانوں کو بند کرکے اسی نوعیت کی ساحلی جھیلیں بنا دیتا ہے۔ کبھی خطِ مد پر موجوں کے پھینکے ہوئے سنگ ریزوں کے انبار اور سلامی دار ڈھال کی چٹانوں کے درمیان پانی کے جمع ہو جانے سے بھی عارضی مرد آب تیار ہو جاتی ہے جو اکثر جزر کے وقت غائب بھی ہو جاتی ہے۔ خشکی میں گھسی ہوئی پانی کی پٹی ریت کے ٹیلوں سے گھر جائے تو پتلی سی ساحلی جھیل رونما ہو جاتی ہے۔ دریائی دہانہ میں ریت کے پشتہ یا بری لعاب کے جماؤ کے پاس پانی جمع ہو کر اتھلی سی جھیل بناوے تو اسے ہیف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ساحلی علاقوں میں چٹانوں کی غیر مساویانہ تخریب یا ان کے دھنسنے اور ابھرنے کے نتیجہ میں بنے گڑھے بھی پانی سے بھر کر مرد آب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

مرزاپور: اترپردیش کا جنوب مشرقی ضلع ہے جو گنگا کے کنارے واقع ہے۔ یہاں سنگرولی کی کوئلے کی کان ہے جہاں ہندوستان کے سب سے بڑے کوئلے کے ذخائر ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں چونا پتھر اور ڈالومائٹ کے ذخائر بھی ملتے ہیں، جس سے مستقبل میں صنعتی ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔ اس کے علاوہ مرزاپور سیمنٹ فیکٹری، پارچہ بافی، ظروف مجموں اور لسر کی صنعتوں کا بھی مرکز ہے۔

مرکب عدم تطابق (Composite Unconformity): طبقاتی درجہ بندی میں ایسے کئی طبقے جو ایک ہی عہد یا زمانے کے ہوتے ہیں ان میں کئی سطحیں عدم تطابق والی موجود ہوتی ہیں۔ یہ عدم تطابق عدم رسوبیت کے باعث یا ارضی کٹاؤ کی وجہ سے یا کسی اور ارضیاتی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر ایک سے زاید عدم تطابق ہو تو مرکب عدم تطابق کہلاتے ہیں۔

مرکب گل باد: اس میں پورے خطوط یا ان کے مختلف حصوں کی موٹائیوں میں حسابی طور پر فرق قائم کرکے ہوا کے بہاؤ کی رفتاروں کے اختلافات ظاہر کر دیے جاتے ہیں۔ ہشت پہلو گل باد سے ہواؤں کے جملہ ماہانہ اوسط تواتر کے ساتھ بہاؤ کی سمتیں بھی دکھاوی جاتی ہیں۔

مرکب متحرک علاقے (Composite Mobile Belts): ایسے متحرک ارضی علاقے جن میں دو یا اس سے زیادہ متوازی ارضی ہم میلان موجود ہوں۔

مرکب یا مخلوط یک رخی شکل: یہ طبعی حالات دکھانے والی ایک ایسی شکل ہے جو یک رخی اشکال کے متوازی سلسلوں کے صرف بلند ترین مقامات کو نمایاں کرتی ہے۔

مرکرا: مغربی گھاٹ کے سرسبز اونچے علاقہ پر واقع ہے۔ مرکرا جو ضلع کورگ کا مرکز ہے اپنے دلفریب مناظر کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ یہاں کی خاص قابل دید چیزیں، قلعہ، راجا کا محل اور اوم کرنیشور کا مندر ہے۔ کورگ گھنے جنگل کے درمیان ایک خوبصورت ضلع ہے۔ یہ کافی کے باغات، سنتروں کے باغیچوں اور چاول کے کھیتوں کے لیے بھی اہم ہے۔

مرکزِ تشاکل (Centre of Symmetry): اکثر قلموں میں مستوی تشاکل اور محور تشاکل کے علاوہ ایک مرکزِ تشاکل بھی ہوتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے مکعبی قلمی نظام سے متعلقہ کسی قلم کو دیکھا جائے۔ بعض اوقات جمادات کی قلموں میں مستوی تشاکل اور محور تشاکل نہیں ہوتا لیکن ان میں اکثر مرکز تشاکل ضرور ہوتا ہے جیسا کہ سہ مائلہ نظام کے قلموں میں پایا جاتا ہے۔ مرکز تشاکل وہ مقام ہے، جہاں تمام محور تشاکل ایک خاص درمیانی نقطہ پر قطع کرتے ہیں۔

مرکوب پہاڑ: ان پہاڑوں میں مرکوب ساختوں کی تکرار سے بہت سی پیچیدہ قسم کی ساختیاتی چادریں ایک دوسرے کے اوپر جمی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہمالیہ کے بلند ترین پہاڑوں میں مرکوب ساختیں پائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ روس کے کوہ قاف اور آلپس کے بعض علاقوں میں بھی مرکوب ساختیں دیکھی گئی ہیں۔ کوہ سازی کے شدید اثرات کے تحت مرکوب پہاڑ رونما ہوتے ہیں۔

مرکوب گسل: پہاڑوں میں گسل کی یہ ایسی صورت ہے جس میں افقی فولڈ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کے محور پر ارضی دباؤ کی زیادتی کی وجہ سے افقی فولڈ کی بالائی پرت کھسک کر بہت دور تک ہٹ گئی ہو۔ ایسی ساختوں کو مرکوب یا مرکوب گسل کہا جاتا ہے۔

مرکوب ساخت یا مرکوب گسل، عظیم کوہستانی سلسلوں، جیسے ہمالیہ اور آلپس میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ جہاں پر افقی فولڈ کے بالائی بازو محوروں سے ٹوٹ کر دور دراز مقامات تک چادروں کی طرح کھسک گئے ہیں۔ اس لیے ان کو بعض ماہرین مرکوب چادریں (Thrust Sheets) بھی کہتے ہیں۔

مرکوب چادریں اپنے اصل مقام سے نکل کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں اس لیے ان کو باقی ماندہ حصے کی وجہ سے پہچاننا بہت مشکل ہے جبکہ زیریں بازو، اصلی مقام پر ہی جڑوں (Roots) کی مانند مدفون رہتے ہیں۔

یوروپ کے ماہرین نے ایسی مرکوب چادروں کو جو آلپس میں پائی جاتی ہیں نپی (Nappe) کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ ہمالیہ کے ساختی ارتقا میں مرکوب چادروں کا زبردست رول رہا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مسوری، شملہ اور نینی تال کے پہاڑی علاقے ایسی ہی مرکوب چادروں پر مشتمل ہیں جو پہاڑوں کے ڈھلوان پر کئی سو کلو میٹر کا سفر طے کر کے اب موجودہ مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

مرمیکائٹ، مرمیکائی بافت (Myrmekite, Myrmekitic Texture): کوارٹز اور پلیجیو کلیز فیلسپار کی باہمی نمو (Intergrowth) کی نمائش کرنے والی آتشی بافت مرمیکائٹ کہلاتی ہے۔ اس میں کوارٹز فیلسپار کے دانوں میں منحنی لکیروں (کیڑے نما) کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر زیادہ سوڈا رکھنے والے فیلسپار کے پوٹاش فیلسپار میں تبدیل ہونے کے عمل کے باعث ہوتا ہے جس میں فاضل اور غیر ضروری کوارٹز علیحدہ ہو جاتا ہے۔

مرے: آسٹریلیا کا ایک بڑا دریا ہے۔ یہ ریاست نیو ساؤتھ ویلز میں آسٹریلیائی آلپس سے نکلتا ہے اور شمال مغرب کی سمت بہتا ہوا وکٹوریہ اور نیو ساؤتھ ویلز کے درمیان سرحد بناتا ہے۔ اس کے بعد جھیل الکو ینڈرے سے ہوتا ہوا خلیج اینکاؤنٹر (Encounter) میں جا گرتا ہے۔

اس دریا کی مجموعی لمبائی 2,310 میل ہے اور اسکے آب گزر کا علاقہ 27 لاکھ مربع میل ہے۔ اس دریا میں تقریباً 175 میل تک جہاز رانی ہو سکتی ہے لیکن اس میں بڑے جہاز داخل نہیں ہو سکتے۔ اس کا ایک بڑا ذخیرۂ آب ہیوم ہے اور اس کا پانی زیادہ تر آبپاشی اور بجلی پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مزار شریف: یہ شمالی افغانستان کے زرخیز علاقہ میں 1,250 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت علی کا مزار ہے، اسی باعث اسے مقدس مقام سمجھا جاتا ہے۔ زراعتی اور صنعتی مرکز ہے۔ 1970 میں آبادی 43,197 تھی۔

منرسر جھیل: کشمیر میں پہل گام سے 21 کلو میٹر کے فاصلے پر 3,807 میٹر کی اونچائی پر یہ جھیل واقع ہے۔

مساوی دانے دار (Equi-granular): ایک بافتی (Texture) اصطلاح ہے۔ جب حجر کے ترکیبی جمادات کے تمام ذرات یا قلم یا دانے تقریباً ایک ہی سائز کے ہوں جب قلم شدہ ایسی حجری بافت مساوی دانے دار کہلاتی ہے۔

مسکی فولڈ یا افقی یا لیٹا ہوا فولڈ: دیکھیے افقی یا مسکی یا لیٹا ہوا فولڈ

مستوی تشاکل (Plane of Symmetry): بعض جماداتی قلم جو جیو میٹریائی حیثیت سے اور مستوی تشاکل کے لحاظ سے بالکل متناسب اور متشاکل ہوتے ہیں یعنی ان کا ہر رخ، کنارے یا کناروں کا درمیانی زاویہ دوسرے رخ کے درمیانی زاویہ کے مماثل ہوتا ہے، مستوی تشاکل والے ہوتے ہیں۔ امفی بول (Amphibole) کے قلم کو اگر عمودی محور سے کاٹا جائے تو اس کا ایک نصف حصہ اس کے دوسرے نصف حصہ کے بالکل مماثل ہوتا ہے یعنی اس کا آئینہ عکس ہوگا۔ مکعبی نظام سے متعلقہ قلموں میں 9 مستوی تشاکل ہوتے ہیں جن میں سے 3 ایک سٹ (Set) کے اور 6 دوسرے سٹ کے ہوتے ہیں۔ پہلے سٹ کے مستوی تشاکل مکعب کے رخ کے متوازی ہوتے ہیں اور دوسرے سٹ کے مستوی تشاکل مکعب کے مقابل کے دو زاویوں کو ملانے سے حاصل ہوتے ہیں۔

مسطح میز (Plane Table): یہ سطح زمین پر پیمائشی کام کرنے کی ایک سادہ سی میز ہے جس کے ذریعہ چھوٹے چھوٹے علاقوں کے خاکے تیار کیے جاتے ہیں۔ اس میں ایک مستطیل نما تختہ کو افقی سطح میں اسٹینڈ یا تپائی پر افقی سطح میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ پیمائشی علاقہ کے مشاہدات کے دوران ہی جیو میٹری کے آلات کے ذریعہ خاکہ یا پلان تیار ہو جاتا ہے۔ وسیع علاقہ کا پلان بنانا ہو تو متعلقہ علاقہ کو کئی حصلہ مثلثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تختہ کو ہموار سطح میں لانے کے لیے اسپرٹ لیول استعمال کیا جاتا ہے۔ سمتوں کا تعین مقناطیسی قطب نما کے ذریعہ ہوتا ہے۔ سطح زمین کے پیمائشی اسٹیشنوں کی مطابقت سے میز پر لگے ہوئے کاغذ پر صحیح نقاط کے تعین کے لیے شاقول لگا ہوا دو شاخہ استعمال کرتے ہیں۔ ابتدائی اسٹیشن سے مختلف

مقامات کو تھیوڈولائٹ کے ذریعہ دیکھ کر انھیں کی سمتوں میں خطوط مستقیم پھیلا دیے جاتے ہیں۔ دوسرے اسٹیشن پر اورینٹیشن کے بعد یہی عمل دوہرایا جائے تو خطوط مستقیم کے نقطہ تقاطع سارے منتخبہ مقامات کا تعین کر دیں گے۔ مختلف اسٹیشنوں کے باہمی فاصلے جریب یا فیتہ سے ناپ لیے جاتے ہیں۔ پیمائشی اسٹیشنوں کو جوڑنے والے خطوط کو اساسی خطوط کہا جاتا ہے۔ مختلف مقامات کو زمین پر دکھانے کے لیے حسب ضرورت آہنی تیر، چوبی کھونٹیاں یا پیمائشی جھنڈیاں گاڑ دی جاتی ہیں۔ مسطح میز کی پیمائش دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تقاطع، دوسری تراش۔

مسقط: سلطنت عمان کا دار الحکومت اور خلیج عمان کے ساحل پر بندرگاہ ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 18,000 تھی۔ 1508 میں اس پر پرتگالیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ان کے پاس 1648 تک رہا۔ اس کے بعد یہ ایرانیوں کے تسلط میں رہا۔ 1741 سے عمان کے سلطان کے تحت ہے۔ یہاں سے کھجوریں اور سمندر سے نکالے ہوئے موتی برآمد کیے جاتے ہیں۔

مسکگ: شمالی امریکا کے معتدل جنگلات کے علاقہ کی ہانک جو اسفگنم کائی سے ڈھکی رہتی ہے۔

مسوری (دریا): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا یہ سب سے لمبا دریا ہے۔ اس کی لمبائی 2,464 میل ہے۔ دہانے پر یہ تین ہزار فٹ چوڑا ہے اور دریائے مسی سی پی کا سب سے بڑا مغربی معاون ہے۔ ریاست مونٹینا سے نکل کر شمال کی جانب بہتا ہے اور عظیم میدان (گریٹ پلینس) (Great Plains) سے گزر کر شمالی اور جنوبی ڈکوٹا، نبراسکا، کینساس وغیرہ میں سے ہو کر سینٹ لوئی کے اوپر دریائے مسی سی پی سے جا ملتا ہے۔ امریکی حکومت نے اس دریا اور اس کے معاونوں کے سیلاب پر قابو پانے اور اس کے پانی کو زراعت اور برقی قوت پیدا کرنے کے لیے بہت بڑا منصوبہ بنایا ہے۔ سفید فام قوموں کے آنے سے پہلے بھی یہاں کے انڈین باشندے اس دریا کو تجارت اور حمل و نقل کے لیے استعمال کرتے تھے۔

مسولی پٹنم: مسولی پٹنم یا فش ٹاؤن (Fish Town) ضلع کرشنا کا ایک بندرگاہ ہے، جو قدیم زمانہ میں بہمنی بادشاہوں، گولکنڈہ کے حکمرانوں، فرانسیسی اور پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں تھا۔ اس بندرگاہ سے سری لنکا اور مشرقی ممالک سے تجارت ہوتی ہے۔ یہاں پر کپڑوں کی چھپائی اور رنگائی کی صنعت ترقی پر ہے۔ یہاں شری ناگیشور سوامی اور شری کیلاشورنگ سوامی کے مندر بہت مشہور ہیں۔

مسی سی پی: ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی یہ بڑی ندیوں میں سے ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 2,350 میل ہے۔ اس کا پانی امریکہ کی ریاستوں یا ان کے حصوں میں سے گزرتا ہے اور 1,244,000 مربع میل رقبہ کو سیراب کرتا ہے۔ یہ دریا جھیل اتاسکا (Itasca) کے قریب منی سوٹا (Minnesota) کے شمال سے نکلتا ہے اور خلیج میکسیکو میں گرتا ہے۔ اس کی معاون ندیوں اور نالوں کی تعداد 42 ہے۔ بحیثیت مجموعی اس میں 12,798 میل تک جہاز رانی ہوتی ہے۔ دریائے مسی سی پی میں اکثر طغیانیاں آتی ہیں اور بعض اوقات یہ نہایت تباہ کن ہوتی ہیں۔ اس کے اونچے بہاؤ کو روکنے کے لیے اس سے کئی نہریں نکالی گئی ہیں۔

حطیمی یا دانہ دار (رسوب / حجرات) (Clastic (Sediments/ Rocks): وہ رسوب یا رسوبی حجرات جو پہلے سے موجود حجرات یا چٹانوں کے ریزوں اور ٹکڑوں سے بنتی ہیں حطیمی یا دانہ دار (Clastic) حجرات کہلاتی ہیں۔ یہ چٹانیں پرانی چٹانوں اور حجرات کی فرسودگی (Weathering) اور کاٹ (Erosion) اور جائے ذخیرگی تک حمل و نقل کے بعد وجود میں آتی ہیں۔ ان حجرات یا رسوب کی تین قسمیں ہیں۔ روڈوشیائی (Rodaceous)، ریتیلی / ارنیشیائی (Arenaceous) اور مٹیائی یا ارجلیشیائی (Argillaceous)، جن کی پہچان ریزوں کے سائز پر منحصر ہوتی ہے۔

مشرقی افریقہ: اس میں درج ذیل ممالک شامل ہیں:۔

برونڈی، کینیا، روانڈا، تنزانیہ، یوگنڈا، صومالیہ۔ یہ علاقے شمال میں سوڈان تک اور جنوب میں دریائے "زیمبیزی" تک پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات انہی کے ساتھ موزمبیق کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔

مشرقی ایشیا: اس میں چین، تائیوان، فلپین، جاپان، کوریا، منچوریا کے علاوہ جنوب مشرقی ایشیا کے ویت نام کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔

مشرقی گھاٹ: ان کو انگریزی میں ایسٹرن گھاٹس کہا جاتا ہے۔ یہ آندھرا پردیش میں واقع علیحدہ علیحدہ پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ پہاڑی سلسلوں کی اوسط اونچائی سطح سمندر سے 914 میٹر سے 1,524 میٹر تک ہے۔

مشرقی یوروپ: اس میں روس کا وسیع علاقہ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ جنوب کی جانب نئی ریاستیں اور ممالک بھی اس میں شامل ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مشہد: شمالی ایران میں یہ صوبہ خراسان کا صدر مقام ہے۔ تجارتی، سیاسی، مذہبی، صنعتی اور زراعتی مرکز اور ہوائی اڈہ بھی ہے۔ "کشف رود" کی وادی میں قدیم تجارتی شاہ راہ پر واقع ہے۔ 1972 میں اس کی آبادی 510,000 تھی۔ یہاں حضرت امام رضا کا مزار ہے، جس کی زیارت کے لیے یہاں ہر سال ہزاروں زائرین پہنچتے ہیں۔ آب و ہوا خوشگوار اور صحت بخش ہے۔ اسے تہران سے بذریعہ ریل ملادیا گیا ہے۔

مصر (Arab Republic of Egypt): مصر (Egypt) یا متحدہ عرب جمہوریہ مصر، افریقہ کے شمال مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ اس کا شمال مشرقی حصہ، جزیرہ سنائی، مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کو نہر سویز افریقی مصر سے علیحدہ کرتی ہے۔ اس کے شمال میں اسرائیل اور بحیرۂ روم، مشرق میں بحیرۂ قلزوم (احمر یا سرخ)، جنوب میں سوڈان اور مغرب میں لیبیا واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 1,001,449 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 54,688,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام قاہرہ ہے۔ عام اور سرکار زبان عربی ہے۔ آبادی کے 93 فیصدی لوگ مسلمان اور 7 فیصدی عیسائی ہیں۔

تعلیم: 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں کے طلبا کی تعداد 6,964,306 اور استادوں کی تعداد 280,000 سے اوپر تھی۔ ثانوی مدرسوں کے طالب علموں کی تعداد 5,300,881 تھی۔ فن اور پیشہ ورانہ تعلیم کے اداروں میں 1,110,184 طالب علم تھے۔ کل 8 جامعات (یونیورسٹی) ہیں۔ جن میں 600,680 طالب علم اور 34,553 استاد تھے۔

زراعت: 1992 میں اجناس کی پیداوار 14,702,000 میٹرک ٹن تھی۔ یہاں گیہوں، چاول، جو (بارلی)، مکئی اور کپاس کی کاشت خوب ہوتی ہے۔ ہر قسم کی ترکاریاں، کیلے سنترے، انگور وغیرہ کافی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ گائیں، بکریاں، اونٹ اور مرغیاں وغیرہ کافی تعداد میں پالی جاتی ہیں اور غذا کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔

صنعتیں: صنعتوں میں سیمنٹ، کھاد، تیل اور کپڑے کی صنعتیں اہم ہیں۔ 1991 میں 16,427,000 میٹرک ٹن سیمنٹ تیار ہوا۔ 1991 میں 1,216,000 میٹرک ٹن کے متبادل بجلی پیدا کی گئی۔ حمل و نقل ریلوں، بحری اور ہوائی جہازوں نیز لاریوں اور بسوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

ایک ہی بڑی ندی دریائے نیل ہے۔ مصر کی آبادی کا 95 فیصد حصہ صرف تین فیصدی رقبہ میں دریائے نیل کے دونوں طرف اور اس سے نکلنے والی نہروں کے اطراف آباد ہے۔ سدعالی اسوان دریائے نیل پر ایک بہت بڑا بند ہے جو سوویت یونین کی مدد سے تعمیر کیا گیا تھا۔ مصر کے زیر کاشت علاقہ میں اس سے تیس فیصدی اضافہ ہوا ہے اور بڑے پیمانے پر اس سے بجلی بھی تیار ہو رہی ہے۔ عربی فلموں کی سب سے بڑی صنعت یہیں پر قائم ہے۔ سکہ کا نام مصری پاؤنڈ ہے۔

تاریخ: وادی نیل انسانی تہذیب اور تمدن کے سب سے قدیم گہواروں میں سے ایک رہی ہے۔ جہاں دوسرے ملکوں کی تہذیبوں اور تاریخ کو صدیوں میں گنا جاتا ہے وہاں مصر کی تہذیب کو ہزاروں برس میں گننا پڑتا ہے۔ مصر کی پرانی تہذیبوں کے جو آثار آج تک ملتے ہیں اور پچھلے سو سال میں کھدائی کے ذریعہ جن آثاریات کا پتہ چلا ہے نیز جو کندہ تحریریں ملی ہیں، ان سے قدیم مصری تاریخ کے کئی دریچے ہمارے سامنے کھل گئے ہیں اور ہم کئی حکمراں خاندانوں کے دور حکومت کے بالکل صحیح زمانہ کا تعین کر سکتے ہیں۔

آثاریات سے پتہ چلتا ہے کہ سکندر اعظم کے مصر پر حملہ (332 ق.م.) تک تیس حکمراں خاندانوں نے وادی نیل پر حکومت کی جن میں سے سب سے پہلا خاندان تین ہزار قبل مسیح میں اور سب سے آخری 222 قبل مسیح تک حکمراں تھا۔

ان ادوار میں مصر نے کئی فنون اور خاص طور پر فن تعمیر میں زبردست ترقی کی جن کے آثار بڑی تعداد میں آج بھی موجود ہیں۔ شروع ہی سے حکمراں یا فرعون کو نہ صرف سیاسی حکمرانی حاصل تھی بلکہ وہ روحانی اوتار یا دیوتا بھی ہوتا تھا۔ 3,200 ق.م. سے پہلے وادیٔ نیل میں دو سلطنتیں تھیں۔ ایک بالائی نیل کی اور دوسری زیریں نیل کی۔ فرعون مینیس (Menes) نے 3,200 ق.م. میں زیریں مصر پر قبضہ کر کے دونوں علاقوں کو متحد کیا اور موجودہ قاہرہ کے قریب ممفس (Memphis) کے مقام پر اپنے دارالسلطنت کو منتقل کیا۔ اس عہد کے مندروں اور محلوں کے آثار آج تک موجود ہیں۔ فراعنہ کے چوتھے خاندان کے دور میں مشہور عالم اہرام مصر تعمیر ہوئے۔ یہ اہرام صرف ان فراعنہ کے مقبرے ہی نہیں بلکہ وادیٔ نیل کے اتحاد کی علامت بھی ہیں۔ فراعنہ کے پانچویں خاندان کے برسر اقتدار آنے تک مرکز میں کمزوری آگئی۔ جگہ جگہ مندروں کے پجاری بااثر اور خود مختار بن گئے۔ مقامی افسروں نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ افراتفری کافی عرصہ تک رہی۔

آخر نویں خاندان کے دور میں اتحاد کی مہم پھر شروع ہوئی اور گیارھویں خاندان تک فراعنہ کی سلطنت نہ صرف پوری طرح متحد ہو گئی بلکہ اپنی عظمت اور شان و شوکت میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس خاندان کے دور میں صدر مقام

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جنوب میں تھیبز (Thebes) کے مقام پر منتقل ہو گیا تھا۔ ان سلطنتوں کے بنائے ہوئے مجسمے، عبادت گاہیں اور محل آج تک لوگوں کو حیرت زدہ کرتے رہتے ہیں۔ اس دور میں فرعون پہلے کی طرح مطلق العنان نہیں تھا بلکہ اس کے تحت کئی چھوٹی چھوٹی نیم خود مختار ریاستیں تھیں۔ بارھویں خاندان تک یہ علاقہ تہذیبی ترقی کی انتہائی بلندی تک پہنچ گیا۔ اس دور میں مصری رسم الخط ایجاد ہوا۔ اس خاندان کی حکمرانی 213 سال یعنی 1,786 ق.م. تک رہی۔ اس کے بعد تقریباً سو سال تک افراتفری کا دور رہا اور سیریا (شام) کے چرواہوں کے خاندانوں کی حکومت رہی۔ انھیں اٹھارھویں خاندان کے حکمران اہمس نے نکال باہر کیا اور اس نئی سلطنت کے زیر سایہ عروج و ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ یہ سلطنت دریائے فرات تک پھیل گئی اور اس کی عظمت کے آثار آج بھی کوئارک اور الاقصر (Luxar) میں موجود ہیں۔

سلطنت میں مرکزیت کے ساتھ مذہب میں بھی انقلاب آیا اور ایک قسم کی وحدانیت نے جنم لیا۔ سورج دیوتا کا راج ہر جگہ قائم کر دیا گیا۔ انیسویں خاندان کے رامسیس دوم (Ramsis II) نے جس کا عظیم مجسمہ آج قاہرہ کے ریلوے اسٹیشن پر نصب ہے، سیریا (شام) کے ہیون سے جنگ کی اور ان سے معاہدہ کر لیا۔ بیسویں خاندان کے رامسس سوم کے دور میں سمندر کے راستہ کئی حملے ہوئے لیکن انھیں شکست دے دی گئی۔ اس کے بعد نہایت کمزور حکمرانوں نے گدی سنبھالی اور سلطنت کمزور ہوتی گئی۔ مندروں کے پروہتوں نے اقتدار حاصل کر لیا اور علا پورے علاقے پر حکومت کرنے لگے۔ اکیسویں خاندان سے فراعنہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور ان کی جگہ لیبیا کے ایک خاندان کی حکمرانی قائم ہو گئی۔ اس کے بعد ان کی جگہ نوبیا کے حبشی قبیلوں نے لے لی۔

اس زمانے میں مشرق وسطیٰ میں آشور (Assyrians) کی طاقت بڑھنے لگی۔ انھوں نے کئی مرتبہ مصر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور آخر کار الاقصر اور تھیبز (Thebes) پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا اور وادئ نیل کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ لیکن یہ حکمرانی بہت دن نہ چل سکی۔ 650ق م تک مصر نے غیر ملکی تسلط سے آزادی حاصل کر لی اور ایک آزاد سلطنت پھر سے بحال ہو گئی۔ خوش حالی آئی اور یونان سے تجارت بڑھی۔ 525 ق.م. میں ایرانیوں نے حملہ کیا اور وادی نیل کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ 405ق.م. تک ایرانیوں کا تسلط رہا۔ 405 ق.م. میں ایرانیوں کو نکال باہر کر کے آزاد سلطنت قائم ہوئی لیکن پچھلا سا عروج حاصل نہ ہو سکا۔ مصر دولت مند تھا لیکن کمزور۔ چنانچہ 332ق.م. میں سکندر اعظم نے اس پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ سکندر کی فتوحات اور حکمرانی کا دور بہت مختصر ثابت ہوا۔ اس کے بعد اس کے جنرلوں نے اس کی سلطنت بانٹ لی اور بطلیموس کے حصہ میں مصر آیا۔ خاندان بطلیموس کے دو سو سالہ دور حکمرانی میں مصر اور خاص طور پر اسکندریہ یونانی علوم و فنون اور تہذیب کی ترقی کا مرکز بن گیا۔ شہنشاہ آگسٹس کے دور میں خاندان بطلیموس کا خاتمہ ہو گیا اور مصر رومن سلطنت کا جزو بن گیا۔ رومن دور حکومت میں مصر میں کافی ترقی ہوئی اور پھر اسے بھی زوال آیا اور 616 میں ایران کے شہنشاہ نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ 628 میں ہر کولیس نے ایرانیوں سے اسے پھر آزاد کروا لیا۔

اسلامی دور: ظہور اسلام کے بیس ہی سال کے بعد عربوں نے مصر کو فتح کر لیا اور اس کے بعد سے مصر ہمیشہ کے لیے اسلامی دنیا کا جزو بن گیا۔ انیسویں صدی تک مصر کی تاریخ، اسلام کی تاریخ کا ایک جزو بنی رہی۔ عربوں کے اقتدار کے بعد یونانی اور قبطی زبانوں کی جگہ عربی نے لے لی۔ عہد بنو امیہ اور عہد بنو عباس میں مصر خلافت اسلامی کا مکمل جزو بنا رہا۔ لیکن بنو عباس کے آخری دور میں جب خلافت کمزور ہو گئی تو جگہ جگہ مقامی گورنروں نے اقتدار حاصل کرنا شروع کر دیا۔ دسویں صدی عیسوی میں فاطمیوں نے مغرب سے حملہ کر کے مصر کو اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا۔ انھوں نے اپنے دور میں قاہرہ کو آباد کیا اور جامعہ ازہر تعمیر کی۔ صلیبیوں کے بڑھتے حملوں کا اثر فاطمیوں پر بھی پڑا اور صلاح الدین نے صلیبیوں کے خلاف جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ مصر کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے خاندان ایوبی کے کمزور ہونے پر مملوک 1250 میں مصر کے حکمراں بنے۔ ان کی حکومت 1517 تک رہی جب عثمانیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ 1768 تک مصر پر عثمانی ترکوں کا کنٹرول برائے نام رہ گیا تھا اور علی بے نے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ نپولین نے ترکوں کی مدد کے بہانے 1798 میں مصر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ جب فرانسیسیوں نے سیریا (مصر) اور شام سے نکلنے سے انکار کیا تو ترکوں نے امریکیوں کی مدد سے انھیں نکال باہر کیا۔ اور محمد علی پاشا کو مصر کا گورنر بنایا۔ محمد علی نے آخری مملوک سلطانوں کا خاتمہ کر دیا اور خود کافی خود مختاری حاصل کر لی۔ سوڈان کے کافی بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا اور زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ روئی کی کاشت شروع کی اور اب مصر کی حکمرانی اس کے خاندان نے حاصل کر لی۔ اسماعیل پاشا کو خدیو مصر کا خطاب مل گیا۔ عیش و عشرت میں جب خزانہ خالی ہو گیا تو اس نے 1875 میں نہر سویز کی کمپنی کے حصص انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیے۔ اس کے جانشین توفیق پاشا نے مصر کے مالیات پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کو کنٹرول دے دیا۔ 1903-07 میں انگریزوں نے اپنا اقتدار اور مضبوط کر لیا اور انگریزی قونصل لارڈ کرومر عملاً مصر کا حکمراں بن گیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

پہلی عالم گیر جنگ کے بعد سعد زاغلول پاشا کی سرکردگی میں آزادی اور خود مختاری کی زبردست تحریک چلی۔ اور 1922 میں انگریزوں کو مصر کی آزادی تسلیم کرنی پڑی۔ فواد اور فاروق کے دور میں آزادی اور خود مختاری کی تحریکوں کو دبانے کی زبردست کوشش کی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران دفاع کے نام پر انگریزوں نے پھر سے مصر پر اقتدار جمالیا۔ جنگ کے بعد آزادی کی تحریک نے اور زور پکڑا اور جمال عبدالناصر کی سرکردگی میں مصر نے آخرکار پھر سے کامل آزادی حاصل کرلی۔ 1970 میں جمال عبدالناصر کا انتقال ہوگیا اور انور سادات ان کی جگہ صدر بنے۔ ان کے دور میں 1973 میں اسرائیل سے ایک اور لڑائی ہوئی اس مرتبہ اسرائیل کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ بغیر کسی تصفیہ کے لڑائی روک دی گئی۔ بعد میں انور سادات نے اپنی اندرونی اور بیرونی پالیسی میں کافی تبدیلی پیدا کی۔ سوویت یونین سے معاہدے ختم کردیے اور سوویت فوجی مشیر واپس بھیج دیے۔

اس دوران امریکہ سے تعلقات استوار کیے گئے۔ اسرائیل سے صلح کی کوشش میں انور سادات اسرائیل بھی گئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ البتہ سوئیز نہر اور سنائی کا کچھ علاقہ واپس مل گیا۔

1973 میں اسرائیل کے ساتھ پھر جنگ چھڑ گئی۔ مصر نے بہت اہم رول ادا کیا اور عرب ممالک نے تیل کی سپلائی کو روک دینے کی دھمکی دی اور سپلائی کم کردی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ 1974 میں امریکہ کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا جس کے ذریعہ جوہری تکنیک کی مہارت امریکہ نے مصر کو دینے کا وعدہ کیا۔ 1977 میں سادات نے اسرائیل کا دورہ کیا اور 1979 میں اسرائیل کے ساتھ واشنگٹن جاکر ایک صلح نامہ لکھ دیا۔ اس عمل سے تمام عرب ممالک مصر اور سادات سے ناراض ہوگئے۔ بالآخر 1981 میں 6 اکتوبر کو سادات کو قتل کردیا گیا۔ حسن مبارک نے سادات کی جگہ لی اور 1987 میں حسن مبارک دوبارہ منتخب ہوئے۔ آہستہ آہستہ مصر کے عرب ممالک سے تعلقات بحال ہوئے اور 1989 میں مصر پھر عرب لیگ کا رکن بن گیا۔ 1991 میں مصر نے عراق کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا اور خلیج فارس کی جنگ میں بھی اپنے سپاہی بھیجے جس کے نتیجہ میں امریکہ نے اس کے مالی قرضے کی کافی بڑی رقم معاف کردی۔ جنگ کی شرکت سے مصر کے تعلقات مغربی طاقتوں کے ساتھ بہتر ہوگئے۔

مصر۔زبان(Egypt-Language): قدیم مصر میں لکھنے کے لیے تحریری خط (Hieroglyphic) استعمال ہوتا تھا۔ اس قسم کا تحریری خط قدیم زمانے میں کریٹ (Crete)، مشرق قریب، وسطی امریکہ اور میکسیکو میں بھی استعمال ہوتا تھا۔ مصری تحریروں کو اب پوری طرح پڑھ لیا گیا ہے۔ دوسرے ملکوں کی تحریروں کو پڑھنے میں اتنی کامیابی ابھی تک نہیں مل سکی ہے۔

یہ رسم الخط مختلف چیزوں کی تصویروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایسی چیزیں جو ہم روز مرہ دیکھتے ہیں مثلاً جانور، پرندے وغیرہ، اور ہر تصویر کے اپنے الگ معنی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں ہوتے جو بظاہر اس شکل سے اخذ ہوسکتے ہیں۔ یہ رسم الخط کئی منزلوں سے گزرا ہے۔ فراعنہ کے سب سے قدیم دور میں یہ مکمل ہوچکا تھا اور استعمال میں تھا۔ وسطی دور میں اس کا استعمال ختم ہو رہا تھا اور آخری دور میں استعمال ختم ہوچکا تھا۔

مصر۔مذہب(Egypt-Religion): مصر کے مذاہب کے بارے میں ویسے تو بہت سی معلومات ملتی ہیں لیکن اتنی نہیں کہ ہمارے سامنے ان کی ایک مکمل تصویر بن سکے۔ مصری مذاہب کے صرف چند پہلوؤں کا علم ہمیں ہوسکا ہے۔ کئی تصورات ملتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتے ہیں۔ کئی دیوی اور دیوتا ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے مشابہ ہیں لیکن ساتھ ساتھ ہیں۔ کائنات کی پیدائش اور مختلف قدرتی مظاہر بیان کرنے کے لیے بظاہر کئی متضاد اعتقادات ملتے ہیں۔ چنانچہ اس لیے مصری مذہب کی ایک مبسوط اور صاف تصویر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ زیادہ تر تحقیقات اور نتائج کی بنیاد مفروضات پر مبنی ہے۔

بالکل ابتدائی دور میں غالباً جانوروں کی پرستش ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کسی ایک جانور کو مقدس مان کر اس کی پوجا کرتا تھا۔ بعض جانوروں کے پورے خاندان کو بھی دیوتا بنالیا جاتا تھا۔ مصری سماج جیسے جیسے ترقی کرنے لگا تو ان دیوی دیوتاؤں میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں اور وہ زیادہ انسانی روپ اختیار کرنے لگے۔ چنانچہ اب بعض دیوتاؤں کے جسم انسان کے ہوتے اور چہرے جانوروں کے۔ چنانچہ بھیڑیے کے چہرے والا دیوتا جنگ کا دیوتا بن گیا۔ باقی جانوروں کے دیوتاؤں کے بارے میں ابھی ٹھیک سے علم نہیں ہوسکا ہے۔ بعض اوقات ایک دیوتا کئی جانوروں کا مجموعہ ہوتا تھا۔ سر ایک جانور کا باقی دھڑ مختلف جانوروں کے۔ قدیم مصر میں زمین کو ایک طشتری کے مانند تصور کیا جاتا تھا جس کے مرکز میں مصر تھا۔ کناروں پر دوسرے ملک واقع سمجھے جاتے تھے۔ زمین کے نیچے پانی اور سر پر آسمان۔ ان چیزوں کو بیان کرنے کے لیے کئی آسمانی دیوتا تھے۔ بعض کے نزدیک اس کائنات کو ایک کمہار نے ایک کوزہ گر کے پہیے کے شکل میں بنایا تھا۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ دنیا کی پیدائش ایک مادی نہیں بلکہ خیالی عمل ہے اور پتاح (Ptah) کے الوہی تصورات نے اسے تشکیل دیا۔ کائنات کی پیدائش کے بارے میں غالباً سب سے مقبول تصور یہ تھا کہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سورج دیوتا را(Ra) یا آتم(Atum) ابتدائی کائناتی خلفشار سے باہر نکلا اور اس نے ہوا کے دیوتا شو(Shu) اور اس کی بیوی تف نُت(Tefnut) کو جنم دیا۔ اور ان سے آسمان کا دیوتا نُت(Nut) اور زمین کا دیوتا گیب(Geb) پیدا ہوئے اور انھوں نے اوسی رس(Osiris)، آئی سس(Isis)، سیٹ(Set) اور نفتی(Nephtys) کو جنم دیا۔ انتہائی ابتدائی دور میں ایک تصور یہ بھی تھا کہ آسمان ایک بڑی گائے ہے جس پر تارے ٹکے ہوئے ہیں اور وہ پوری زمین پر قوسی شکل میں ڈھکی ہوئی ہے۔

کائنات کی ابتدا اور مختلف دیوتاؤں کے بارے میں کتنے ہی تصور کیوں نہ ہوں، یہ بات بالکل صاف تھی کہ قدیم مصری کئی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور ان سب کا تعلق فطرت (Nature) سے تھا۔ اس طرح مصری اپنی انسانی، کائناتی اور روحانی زندگی میں تال میل قائم کرتے تھے۔ 3,200 ق۔م۔ سے پہلے پوری وادیٔ نیل چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی اور ان کے الگ الگ تصورات اور دیوی دیوتا تھے۔ لیکن جب ایک مرکزی حکومت قائم ہوئی اور وادی کے سب لوگ ایک حکمران کے تحت متحد ہوئے تو مذہب اور مذہبی تصورات میں بھی اتحاد لازمی ہو گیا۔ خداؤں کو بالکل ہٹانا بھی ممکن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ جب ایک خاندان کی حکمرانی ہوتی تو اس کا دیوتا مرکزی حیثیت حاصل کر لیتا۔ حکومت میں مرکزیت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ مذہب میں مرکزیت یا وحدانیت آتی گئی۔ چنانچہ فرعون اخناتن (Ikhnaton) نے اپنے مذہب کی بنیاد سورج کے دیوتا آتون (Aton) پر رکھی۔ اور باقی دوسرے دیوتاؤں کو دیس نکالا دے دیا۔ لیکن یہ چیز باقی نہ رہ سکی اخناتن کے انتقال کے بعد کئی دیوی دیوتا پھر واپس آ گئے۔

بعد کے دور میں اوسی رس(Osiris) اور را(Ra) کی پرستش نے بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ اوسی رس مرے ہوئے لوگوں کا بادشاہ اور منصف تھا۔ ساتھ ہی وہ دریائے نیل، زمین کی پیداوار، حتیٰ کہ سورج کا دیوتا بھی تھا۔ وہ بڑا رحیم، امیر اور غریب دونوں کا یکساں محافظ اور محبت و شفقت کا دیوتا تھا۔ روایت کے مطابق اسے اس کے بھائی سیٹ(Set) نے قتل کر دیا تھا۔ لیکن اس کی بیوی آئی سس(Isis) نے اسے پھر زندہ کر دیا۔ چنانچہ وہ انسان کی ابدی زندگی کا نشان بن گیا تھا۔ آئی سس کے لڑکے اور جانشین ہورس(Horus) نے اپنے باپ کے قتل کا بدلا لیا۔ ہورس اس طرح برائی پر نیکی کی فتح کا نشان بن گیا۔

سورج دیوتا را(Ra) بھی قدیم مصری اہم ترین دیوتاؤں میں سے تھا۔ شاہی خاندان اس کی خاص طور پر پرستش کرتے تھے۔ مصر کے مشہور اہرام اس کی علامت ہیں اور ان اہرام میں مصری فراعنہ کو دفن کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ آمون (Amun) بھی قدیم مصر کا اہم دیوتا تھا۔ انیسویں شاہی خاندان کی حکمرانی تک "آمون" "را" کے ساتھ "آمون را" نام دے کر سب سے بڑا دیوتا تسلیم کیا جا چکا تھا۔ اکثر عالموں کا خیال ہے کہ آخری ادوار تک ان خداؤں کا راست عوام سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ صرف فراعنہ کے توسط ہی سے وہ ان تک پہنچ پاتے تھے۔ یہ مذہب یہودیت، عیسائیت وغیرہ کی طرح مرتب اور باقاعدہ نہیں تھے اور نہ ان کے اصول مرتب ہوتے تھے اور نہ ان کی کوئی ایک مقدس کتاب توریت یا انجیل وغیرہ کی طرح تھی۔ عوام اپنے خداؤں کی نیکی اور فہم کے سہارے چلتے تھے اور یہ سب انھیں دیوتاؤں کی اولاد، فراعنہ سے حاصل ہوتی تھی۔

قدیم مصر میں مآت(Maat) یا انصاف کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اگرچہ فراعنہ انتہائی مطلق العنان اور مختار کل تھے لیکن اس دور کا تصور حیات، قوانین قدرت، سماج کے قوانین اور مذہبی اصول ایک وحدانیت میں پروئے ہوئے تھے اور چونکہ یہ کائنات ابتدائی انتشار اور خلفشار کو ختم کر کے انصاف کے ذریعے وجود میں آئی تھی اس لیے فراعنہ کا فرض تھا کہ وہ اس انصاف کی مدد سے لوگوں کے مسائل حل کرتے۔

متحدہ مصر نے جیسے جیسے ترقی کی، فراعنہ کا اقتدار اور دولت بھی بڑھتی گئی اور انھوں نے اپنے خداؤں کے لیے بڑے بڑے معبد تیار کئے۔ پروہتوں کا اقتدار اور اثر بھی اس کے ساتھ بڑھنے لگا۔ اب عوام اس زندگی سے زیادہ موت کے بعد کی زندگی پر توجہ دینے لگے۔ چنانچہ مرنے کے بعد بڑے اہتمام سے تدفین ہوتی۔ ہر قسم کا کھانا، ہتھیار اور ضروریات زندگی کی چیزیں ساتھ رکھ دی جاتیں۔ رشتے دار بعد میں بھی آ کر ضروریات کی چیزیں چڑھاتے۔

موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں بھی مصریوں کے کئی تصورات تھے۔ ان میں سب سے اہم 'کا'(Ka) اور 'با'(Ba) کے تصورات تھے۔ ان کے لحاظ سے انسان کے دو وجود ہوتے ہیں۔ جن میں ایک جسم سے الگ ہوتا ہے جو اس زندگی میں ان کی قسمت گری کرتا ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو وہ پھر اپنے 'کا' سے جا ملتا ہے۔ 'با' کا تصور تقریباً اسی طرح کا ہے جیسے ہمارا روح کا تصور ہے۔ مرنے کے بعد انسان 'با' کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہ عام طور پر ایک پرندے کی شکل کا ہوتا ہے۔ قدیم مصر میں ایک تصور 'آکھ' (Akh) کا بھی ہے۔ اس کے مطابق انتہائی شریف اور اعلیٰ ہستیاں جاویدانی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں اور ان میں سے چند ستاروں کی شکل اختیار کر کے ہمیشہ کے لیے اس کائنات کا ایک حصہ بن جاتی ہیں۔

مصر۔ ثقافت و تہذیب (Egypt-Culture): دوسرے بہت

سے مذاہب کی طرح قدیم مصر میں بھی موت کے بعد کی زندگی کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ مرنے کے بعد بڑے اہتمام سے دفن کیا جاتا اور ضروریات کی تمام چیزیں بھی ساتھ دفن کر دی جاتی تھیں۔ چنانچہ 4 ہزار قبل مسیح سے 3,200 ق۔م۔ تک کی جو قبریں ملی ہیں ان کے اندر رکھے ہوئے برتن ملے ہیں جن پر تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹے مجسمے اور ہاتھی دانت کی بنی ہوئی چیزیں بھی ملی ہیں۔ بناؤ اور سنگھار کی چیزیں اور نوک دار پتھروں سے بنے ہوئے ہتھیار بھی دستیاب ہوئے ہیں، جن سے اس قدیم عہد کے ترقی یافتہ فنون لطیفہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ برتنوں پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، جن سے اس وقت کی مصوری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس زمانے میں پتھر سے دیوتاؤں کی مورتیاں تراشی جاتی تھیں۔ فراعنہ کا دور شروع ہونے سے عین پہلے اور ان کے ابتدائی دور (3,200 ق۔م۔ تا 2,700 ق۔م۔) میں میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) کے بعض فنی تصورات داخل ہونے لگے تھے۔ اس دور کے پتھر سے تراشے ہوئے پیالوں اور برتنوں کی نقاشی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ 2,680 ق۔م۔ اور 2,258 ق۔م۔ کے درمیان جب مصر میں متحدہ حکومت قائم ہوئی اور سلطنت کا مرکز مصر کے قریب میمفس (Memphis) منتقل ہو گیا تو مصری تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ فنون لطیفہ کا ترقی کرنا لازمی تھا۔ چنانچہ اس دور میں مصری فنون کا اپنا طرز یا اسٹائل ترقی پا سکا اور اس خصوصیت سے وہ آج تک جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اس دور کے مجسموں اور مصوری میں انسانوں کے سر سامنے سے نہیں بلکہ بازو سے یک رخی (Profile) بنائے جاتے تھے۔ آنکھوں اور بازوؤں کی تصویر سامنے سے پیش کی جاتی تھی اور نچلا دھڑ یک رخی یا بازو سے پیش کیا جاتا تھا۔ ان میں رنگ ہلکے اور سیدھے سادے استعمال ہوتے تھے۔ مجسمے کھڑے اور بیٹھے ہوئے بنائے جاتے تھے لیکن ان میں کہیں حرکت کا تصور نہیں ہوتا تھا۔

مصریوں کا مذہبی تصور یہ تھا کہ موت کے بعد کی زندگی اسی وقت خوش و خرم ہو سکتی ہے جبکہ مرنے کے بعد بھی وہ تمام سرگرمیاں جاری رہیں جو زندگی میں تھیں۔ اس لیے فنکاروں کا یہ فرض تھا کہ قبروں پر نقاشی انتہائی حقیقت پسندانہ ہو اور ان میں انتہائی پائیدار مسالہ استعمال کیا جائے۔ قبروں کی آرائش، گھریلو اور فوجی سامان، شکار کے ہتھیار اور مختلف رسوم کی عکاسی سے کی جاتی تھی۔ آقا کے ساتھ اس کے غلاموں اور نوکروں کے مجسمے بھی دفن کیے جاتے تھے۔ اور انھیں مختلف کاموں میں مصروف دکھلایا جاتا تھا۔ عام طور پر مجسمے زیادہ استعمال ہوتے تھے اور تصویریں کم، شاید اس لیے کہ تصویریں کم پائیدار ہوتی ہیں۔

2124 ق۔م۔ اور 1786 ق۔م۔ کے درمیان مصر میں ترقی اور استحکام کا نیا دور شروع ہوا۔ اور صدر مقام بالائی مصر میں تھیبز (Thebes) منتقل ہو گیا تھا۔ پرانی سلطنتوں کی روایات تو باقی رہیں لیکن اب نقش و نگار اور مصوری میں بڑی نزاکت اور فنکاری آچکی تھی۔ بنی حسن میں چٹانوں کو تراش کر جو قبریں بنائی گئی ہیں اور ان پر جو نقش و نگار اور تصویریں بنائی گئی ہیں وہ اپنی فنکاری کا آپ نمونہ ہیں۔ سسوسٹرس سوم (Sesostris III) اور امنمہیٹ سوم (Amenembet III) کے مجسمے خود مصری مجسمہ سازی میں خود اپنا الگ مقام رکھتے ہیں جن میں چہرے بے جان نہیں، بلکہ ان میں جذبات کی حسین عکاسی ملتی ہے۔ فراعنہ کے آخری دور (1,570 ق۔م۔ تا 372 ق۔م۔) میں فن اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اس میں ابتدائی دور کی عظمت کے ساتھ وسطی دور کی نزاکت اور حساسیت کو باہم سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس زمانے کی مصوری میں ڈیزائن کی ندرت کے ساتھ زندگی کی رنگارنگی ملتی ہے۔ اس زمانے کے مجسموں کی بہترین مثال ملکہ نفر تیت (Nefrtet) کا مجسمہ ہے۔ اپنی نزاکت، حسن کاری اور اسٹائل میں اس کا کوئی جواب نہیں۔ 1085 ق۔م اور 730 ق۔م۔ کا درمیانی دور مصری فن کے زوال کا دور ہے۔ جبکہ پرانے شہکاروں اور فن کی نقالی ہوتی رہی۔ اس زمانے میں غیر سنجیدہ اور ہنسانے والی تصویریں بننے لگیں۔ 730 ق۔م۔ اور 663 ق۔م۔ کے درمیان پرانی سنجیدگی کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ 663 ق۔م۔ میں آشوریوں (Assyrians) کے حملے کے بعد تمام مصری فنون لطیفہ کا زوال ہو گیا، البتہ دھاتوں کی صنعت کاری نے کافی ترقی کی۔ آشوریوں اور ان کے بعد کے ایرانی حملہ آوروں نے مصری فنون لطیفہ پر ذرا بھی اثر نہیں ڈالا حتیٰ کہ خاندان بطلیموس کے دور حکومت میں بھی یونانی فنون مصری فن پر اثر نہ ڈال سکے۔ مٹی کے برتن، مجسمے، کانچ کے برتن، ہاتھی دانت اور دھات کی چیزیں اسی پرانے مصری اسٹائل میں بنتی رہیں۔

مصنوعاتی کارخانوں کے محل وقوع پر اثر ڈالنے والے عوامل:

(1) خام مال: مصنوعات کی تیاری میں اگر استعمال میں آنے والی خام چیزوں کا وزن یا حجم گھٹ جاتا ہو تو کارخانے ان چیزوں کو فراہم کرنے والے علاقوں کے پاس ہی بنائے جاتے ہیں۔ گھٹتے چیرنے، کاغذ سازی کے لیے لگدی (ملوا) تیار کرنے اور اینٹیں بنانے کے کارخانے بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس مصنوعات کی تیاری میں استعمال کی جانے والی خام چیزوں کے وزن یا حجم میں اضافہ ہو جاتا ہو تو کارخانوں کا کھپت کے علاقوں کے پاس ہی بنانا مناسب سمجھا جاتا ہے۔ شیشہ سازی کے کارخانے اس ضمن کی اچھی مثال ہیں۔

(2) توانائی: صنعتی انقلاب کے ابتدائی زمانے میں توانائی دور تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس لیے کارخانے اس کی حصولی کے مراکز کے قریب ہی بنائے جاتے تھے۔ مگر آج کل اس توانائی دور دور تک بآسانی پہنچائی جا سکتی ہے۔ اس لیے کارخانوں

کے قیام میں اس کی قربت کے بجائے دیگر عوامل کی سہولتوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

(3) مزدور: کارخانوں کو چلانے کے لیے مختلف قسم کے مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہیں جاہل مزدوروں سے کام چل جاتا ہے اور کہیں صرف ماہر فن مزدور ہی کام کر سکتے ہیں۔ مزدور مقامی طور پر نہ ملتے ہوں تو زیادہ معاوضہ پر دُور سے بلانے پڑتے ہیں۔ کسی صنعت میں زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی میں تھوڑے ہی مزدوروں سے کام چل جاتا ہے۔ جن مصنوعات کی تیاری میں زیادہ مزدور لگائے جاتے ہیں ان کی لاگت بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برعکس جن کارخانوں میں زیادہ مزدوروں کی ضرورت نہیں ہوتی، مصنوعات کی لاگت کم رہتی ہے۔ بڑے شہروں کے مقابلے میں چھوٹے شہروں کے مزدوروں کی اجرتیں کم ہوتی ہیں، ان میں زمین مقابلتاً سستی رہتی ہے۔ مکانات کی قیمتیں کم ہوتی ہیں۔ فضائی آلودگی زیادہ نہیں ہوتی، کاروباری مراکز تک پہنچنے میں وقت اور کرایہ کی کفایت ہوتی ہے۔ بازاروں میں روزانہ استعمال کا سامان سستا مل جاتا ہے اور تفریحات کے مصارف بھی زیادہ نہیں ہوتے۔ اس لیے اکثر مزدور کم اجرتیں پانے کے باوجود چھوٹے شہروں کی زندگی کو زیادہ اطمینان بخش سمجھتے ہیں۔ انھی حالات کے باعث سارے صنعتی کاروبار ایک ہی بڑے شہر میں مرکوز نہیں ہوتے۔

(4) سرمایہ: کارخانوں کے محل وقوع کے تعلق سے فیصلے کرتے وقت سرمایہ کی دستیابی کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سرمایہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ اک مالی جو زر کی شکل میں ہوتا ہے، دوسرا مادّی یا جسمانی جو کارخانوں اور مشینوں وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ مالی سرمایہ کو بینکوں کے ذریعہ کہیں بھی بآسانی پہنچایا جا سکتا ہے، مگر مادی سرمایہ جو زیادہ وزن اور حجم کا ہوتا ہے، سہولت سے ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔

(5) حمل و نقل: صنعتی مراکز کے قیام کے سلسلہ میں خام مال کی آمد اور مصنوعات کی منتقلی کے طریقوں اور ذرائع آمد و رفت کی نوعیت کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ کارخانوں تک پہنچنے والے سامان پر باربرداری کے اخراجات کا زیادہ بوجھ پڑ جائے تو مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اخراجات کم ہوں تو قیمتیں بھی کم رہتی ہیں۔

(6) دیگر متفرق عوامل: مختلف مقامات کی صنعتی منزلیں، مذہبی میلانات اور نسلی صلاحیتیں وغیرہ بھی صنعتی کاروبار کو کافی متاثر کرتی ہیں۔

مطابقتی ظِل منقطع (Interrupted Homolographic Projection)

مطابقتی ظِل منقطع (Interrupted Homolographic Projection): مالویڈ اور سینسن فلیمسٹیڈ دونوں کے جال پر نقشوں کی اشکال غلط رہتی ہیں۔ اس میں نقص کو دور کرنے کے لیے جال کے تسلسل کو کئی جگہ منقطع کر دیا جاتا ہے۔ براعظموں کی شکلیں درست رکھنے کے لیے جال کا انقطاع سمندروں پر کیا جاتا ہے۔ ہر براعظم کا مرکزی طول البلد جداگانہ رہتا ہے۔

جال بناتے وقت مناسب نصف قطر کے کرہ ارض کا محیط معلوم کر لیا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی کا خط استوائی پھیلاؤ کو دکھاتا ہے۔ طول البلدی وقفہ 20° رکھا جائے تو یہ خط اٹھارہ مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ عرض البلد حسب ضرورت مالویڈ یا سینسن فلیمسٹیڈ کے طریقہ پر بنائے جائیں گے۔

شمالی امریکہ کا وسطی طول البلد 100° مغربی، یوریشیا کا 80° مشرقی، جنوبی امریکہ کا، 60° مغربی، افریقہ کا 20° مشرقی، اور آسٹریلیا کا 140° مشرقی ہوگا۔ پہلے دو طول البلد قطب شمالی سے اور بعد کے تین قطب جنوبی سے خط استوا تک پھیلائے جائیں گے۔ ہر وسطی طول البلد کے مشرق اور مغرب کے طول البلد مالویڈ یا سینسن فلیمسٹیڈ کے طریقوں پر بنیں گے اور استوائی نقاط تقسیم سے گزریں گے۔

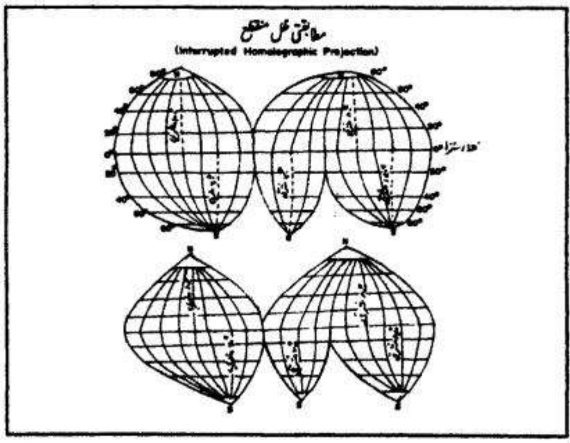

محاسن: (1) یہ جال صحیح الرقبہ ہونے کے باعث اعداد و شمار کی تقسیم کے لیے مناسب سمجھے جاتے ہیں۔

(2) شکلیں کافی درست اور حقیقی دکھائی دیتی ہیں۔

اسقام: (1) انقطاع کے باعث خشکی اور تری کے علاقوں کا ربط قائم نہیں رہتا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

(2) کتیس قطار رہتی ہیں۔

(3) جال کی شکل عجیب سی نظر آتی ہے۔

مطرہ: مسقط کے شمال مغرب میں سلطنت عمان کا اہم بندرگاہ ہے۔

مظفر پور: یہ شہر ریاست بہار میں واقع ہے اور ضلع مظفر پور اور ترہوت ریلوے ڈویژن کا صدر مستقر تھا۔ یہ منفرد لز پھلوں کے لیے بھی مشہور ہے۔

مظفر پور (Muzaffarpur): مظفر پور بہار (ہندوستان) کا ایک شہر ہے۔ یہ شہر پالیزا گھاٹ (Paleza Ghat) کے شمال میں 54 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں 40 کلو میٹر کے فاصلے پر قدیم تاریخی شہر ویشالی (Vaishali) کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ اس کے شمال مغرب میں 82 کلو میٹر کے فاصلے پر موتی ہری (Moti Hari) نامی قدیم تاریخی شہر واقع ہے اور اس سے مزید 28 کلو میٹر مغرب میں لوریا آریہ راج (Laurya Aryaraj) کی مشہور اشوک کی لاٹ واقع ہے جس کا خوبصورت کتبہ قدیم پالی زبان میں ہے۔

معدومیت (Extinction): بعض اوقات کوئی جاندار جنس (Genus) یا قبیلہ (Order)، جماعت یا پورا عائلہ (Phylum) اپنے ارتقائی عروج (Climax) تک پہنچنے کے بعد مکمل طور پر کسی نہ کسی وجہ سے معدوم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ چاہے عظیم سیلاب ہو یا براعظمی گریز یا قطبی گریز یا مقناطیسی انقلاب (Magnetic Reversal) یعنی قطبین کا منقلب ہو جانا گویا قطب شمالی کا قطب جنوبی اور قطب جنوبی کا قطب شمالی بن جانا۔ دراصل کسی بھی واقعہ کے باعث فضا، آب و ہوا اور ماحول میں تبدیلی ہوگی تو وہی جاندار زندہ رہ سکیں گے جو تبدیل شدہ ماحول میں خود کو ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ معدوم ہو جائیں گے۔

معکوس گسل: معکوس گسل، عمودی گسل کے برعکس حجرات میں اختلال کی ایسی صورت ہے جس میں لٹکتی دیوار، قدمی دیوار کے مقابلے میں اوپر کی طرف کھسک جاتی ہے۔

مغربی افریقہ: یہ افریقہ کا وہ حصہ ہے جس کے شمال میں صحرائے اعظم اور جنوب میں خلیج گنی واقع ہے۔ مشرق میں اس کی حد کیمرون اور جھیل چاڈ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں شمال سے جنوب کی طرف بحر اوقیانوس سے لگے ہوئے ممالک سینیگال، گیمبیا، گنی، بساؤ گنی، گیمبیا، سیرالیون، لائبیریا، آئیوری کوسٹ، گھانا (غانا)، ٹوگو، بینن، نائجیریا اور کیمرون ہیں۔ اس کے اندرونی علاقہ میں مالی اور نائجر شامل ہیں۔

مغربی ایشیا: اس میں افغانستان، ایران، عراق، سیریا، اردن، لبنان، سعودی عرب، اسرائیل، یمن، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر اور عمان کے علاقے شامل ہیں۔

مغربی بنگال: مشرق میں واقع ہندوستان کی دوسری بڑی صنعتی ریاست مغربی بنگال کے شمال میں ہمالیہ، جنوب میں خلیج بنگال، مشرق میں بنگلہ دیش اور آسام، مغرب میں بہار اور اڑیسہ اور شمال میں سکم اور بھوٹان واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 87,853 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 68,077,965 ہے۔

مغربی بنگال کو دو قدرتی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(1) دارجلنگ، کوچ بہار اور جلپائی گوڑی کا شمالی ہمالیائی خطہ اور (2) زرخیز ڈیلٹا۔ شمال میں واقع ضلع دارجلنگ ریاست کا سب سے بلند حصہ ہے جو سطح سمندر سے 3,656 میٹر بلند ہے۔ یہ ایک مشہور پرفضا مقام ہے۔

جنوبی حصہ انتہائی گنجان آباد ہے جہاں خوب بارش ہوتی ہے اور چاول بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ یہاں آم، ناریل اور کیلے کے باغ ہیں۔ یہاں مکئی، پٹ سن، دالیں، چائے اور میسٹا (Mesta) کی کاشت کی جاتی ہے۔

کوئلہ اہم معدنی دولت ہے۔ بہار کے بعد یہ دوسری بڑی معدنیات پیدا کرنے والی ریاست ہے۔

مغربی بنگال میں ملک بھر میں سب سے پہلے فولاد اور کاغذ کی صنعتیں قائم کی گئی تھیں۔ ہندوستان میں صنعتی انقلاب کی ابتدا رانی گنج سے ہوئی تھی۔ چائے، پٹ سن کی صنعت، آٹو موبائلس کے کارخانے، درگاپور کے فولاد کے کارخانے، چترنجن میں واقع ریل کے انجن کے کارخانے اہم ہیں۔

صدر مقام کولکاتا (کلکتہ) ہندوستان کا سب سے بڑا اور اہم شہر ہے۔ یہ سمندر سے 80 میل دور ہگلی ندی کے کنارے ایک بڑا بندرگاہ ہے۔ یہ ہندوستان کا تجارتی صدر مقام بھی ہے۔ بڑی بڑی صنعتوں مثلاً پٹ سن، چائے، چمڑے اور لاکھ کی صنعتوں کا مرکز ہے۔

وکٹوریہ میموریل، انڈین میوزیم، چڑیا گھر، راج بھون، فورٹ ولیم، ایڈن گارڈن، ڈلہوزی اسکوائر، دکشنیشور کنڈرو وغیرہ قابل دید مقامات ہیں۔ کلکتہ کی آبادی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1991 میں 11,021,918 تھی۔ رقبہ 104 مربع کلو میٹر ہے۔

مغربی بنگال نہ صرف ہندوستان کی بہت بڑی صنعتی ریاست ہے بلکہ بنگالی ادب اور تہذیب کی بھی بہت بڑی مرکز ہے۔ تیسری صدی ق م میں بنگال راجا اشوک کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ سنہ 1200 کے بعد یہ دلی کی ترک سلطنت اور پھر مغلیہ سلطنت کا حصہ بن گیا۔ 1642 میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے سب سے پہلے یہاں قدم رکھا اور اگلے 125 سال میں یہاں کے مقامی حکمرانوں، مثلاً سراج الدولہ وغیرہ، کو شکست دے کر اس صوبہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے ڈچ اور فرانسیسی تاجروں کو بھی نکال باہر کیا۔ قبضہ کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے اپنی مملکت میں ایک پریسیڈنسی بنا دیا۔ مختلف ادوار میں پڑوس کے صوبوں آسام، بہار اور اڑیسہ کا نظم و نسق بھی اسی پریسیڈنسی کے تحت رہا۔

انیسویں صدی کے آخر میں لارڈ کرزن کے دور میں بنگال کا صوبہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن جب اس کے خلاف پورے ملک میں زبردست تحریک اٹھی تو پھر اسے ملا کر ایک کر دیا گیا۔

1947 میں جب ہندوستان کو آزادی ملی تو ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ مشرق اور مغرب کے صوبے تقسیم کر کے پاکستان بنایا گیا۔ بنگال بھی تقسیم ہو گیا۔ مشرقی بنگال پاکستان کا حصہ بنا اور مغربی بنگال ہندوستان میں رہا۔ 77,442 مربع میل علاقہ میں سے 30,775 مربع میل علاقہ مغربی بنگال میں رہا اور بقیہ مشرقی پاکستان میں چلا گیا۔ 1971 کے آخر میں مشرقی بنگال یا مشرقی پاکستان کا علاقہ پاکستان سے الگ ہو گیا اور ایک آزاد ملک، بنگلہ دیش، وجود میں آیا۔

مغربی صحارا (Western Sahara): یہ ایک زمانے تک اسپین کی کالونی رہا۔ 1958 میں وہ اس کا سمندر پار علاقہ بن گیا۔ 1970 سے اس کی آزادی کی جدوجہد چل رہی تھی اسپین میں جنرل فرانکو کے انتقال کے بعد جمہوری حکومت قائم ہوئی تو نئے حکمراں نے اس کی آزادی کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد مراکش کے شاہ حسین نے اس پر اپنے حق کا اعلان کیا۔ اس زمانے میں بین الاقوامی عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ مراکش یا اور کسی ملک کا اس پر کوئی حق نہیں۔ خود وہاں کے محاذ آزادی نے یہ مطالبہ کیا کہ عام رائے دہی کے ذریعے اس کے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے۔ الجزائر اور افریقہ کے اکثر ممالک نے اس کی تائید کی۔ ہسپانوی حکومت نے وعدہ کیا کہ وہ فروری 1976 میں مراکش اور ماری طینیا کو مشترکہ طور پر حوالہ کر دے گا۔ 1976 میں یہ علاقہ مراکش اور ماری طینیا نے بانٹ لیا۔ بڑا حصہ مراکش کے حصے میں آیا۔ صحارا کے محاذ آزادی نے الجزائر کی مدد سے گوریلا جنگ جاری رکھی۔ 1979 میں ماری طینیا میں فوجی بغاوت ہوئی اور اس نے اس علاقے سے دست برداری اختیار کر لی۔ 1991 میں اقوام متحدہ نے یہاں خود مختاری کے لیے رائے شماری کرانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ نہیں ہوا۔

مغربی صحارا کا زیادہ تر حصہ ریگستانی اور بنجر ہے۔ کل رقبہ 266,000 مربع کلو میٹر ہے۔ 1990 کے تخمینہ کے مطابق آبادی 191,000 ہے۔ فاسفیٹ کے بڑے ذخائر ہیں جو برآمد ہوتا ہے۔ بکریاں، بھیڑیں اور اونٹ پالے جاتے ہیں۔

مغربی گھاٹ: مغربی گھاٹ، ہندوستان کے مغرب میں یعنی دکن کی مغربی سرحد پر نمایاں پہاڑوں کا مجموعہ ہے جو وادیٔ تاپتی سے کنیا کماری تک ساحل کے متوازی چلا گیا ہے۔ ان کے اور مغربی ساحل کے درمیان تنگ ساحلی میدان واقع ہے۔ بحیرۂ عرب کے ساحل سے مغربی گھاٹ بہت اونچے پہاڑ معلوم ہوتے ہیں، لیکن جب انھیں سطح مرتفع کی جانب سے دیکھا جائے تو یہ بالکل پہاڑ کی شکل میں نظر نہیں آتے۔ دوسرے الفاظ میں مغرب میں بحیرۂ عرب کی جانب ان کے ڈھلان سیدھے ہیں۔ اس کے برخلاف مشرق میں ان کے ڈھلان تدریجی ہیں۔ ساحل سے اندرونی جانب، ان گھاٹوں کی گزرگاہیں، بجز ان قطعوں کے جہاں درّے ہیں، بہت دشوار گزار ہیں۔ ان میں سے تین درّے تھال گھاٹ، بھور گھاٹ اور پال گھاٹ کہلاتے ہیں، جن کے اندر سے ریلیں گزرتی ہیں۔

مغربی گھاٹ جو بحیرۂ عرب کے بہت قریب واقع ہیں، جزیرہ نما کے عظیم دریاؤں کے سرچشمے ہیں۔ جیسے گوداوری، کرشنا، کاویری وغیرہ جو جزیرہ نما سے گزرتے ہوئے بالآخر خلیج بنگال میں گرتے ہیں۔ مغربی گھاٹ کو "سہیادری" بھی کہتے ہیں۔

چونکہ مشرقی گھاٹ اور مغربی گھاٹ کے پہاڑوں کی بلندی میں فرق ہے اور مغربی گھاٹ زیادہ بلند ہیں، اس لیے دکن کی سطح مغرب سے مشرق کی طرف جھکی ہوئی ہے اور اسی ڈھلان کے سبب دکن کے دریا بالعموم مغرب سے مشرق کو بہتے ہیں اور مشرقی گھاٹ کی گھاٹیوں سے گزر کر ساحلی میدانوں میں پہنچتے اور پھر خلیج بنگال میں گرتے ہیں۔

بحیرۂ عرب سے جو جنوب مغربی ہوائیں آتی ہیں، انھیں مغربی گھاٹ کے پہاڑ روک لیتے ہیں، چنانچہ مغربی علاقوں میں خوب بارش ہوتی ہے۔ مغربی گھاٹ کے پہاڑوں میں ہر جگہ گھنے جنگل ہیں جن سے نہایت قیمتی عمارتی لکڑی (چوبینہ)، ساگوان وغیرہ حاصل ہوتی ہے۔ یہ جنگلی جانوروں جیسے شیر، تیندوے، ریچھ، جنگلی بھینسے اور ہاتھیوں کے گلّے کے لیے بھی مشہور ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مقطوعہ لاوا (بلاک لاوا) (Blocky Lava): وہ لاوا جس میں مقطوعہ ساخت (Blocky Structure) ہو یعنی جب لاوا کی لزوجیت (Viscosity) کم ہو تو عام طور پر گیلے قطعات (Blocks) کی شکل میں منجمد ہوتا ہے۔

مقناطیسی خصوصیت زمین کی: دیکھئے زمین کی مقناطیسی خصوصیت۔

مقناطیسی قطب نما: اس آلہ سے، جو گول ڈبیہ نما ہوتا ہے، مقناطیسی سمتیں معلوم کی جاتی ہیں۔ اس کی مرکزی کیل پر افقی سمت میں آزادانہ گھومنے والی ایک مقناطیسی سوئی رکھ دی جاتی ہے۔ اس کا ایک سرا ہمیشہ مقناطیسی شمال دکھاتا ہے۔ سوئی کے نیچے ڈبیہ کی تہ میں سمتیں دکھانے والا ڈائل لگا رہتا ہے۔ ڈبیہ کو ہموار سطح میں رکھ کر حسب ضرورت گھمانے پر سوئی اور ڈائل کی مدد سے ساری سمتیں معلوم کرلی جاتی ہیں۔

مک موہن لائن: مک موہن لائن ہندوستان کے شمالی سرحدی حصے کی قدرتی اور روایاتی سرحد ہے جو ایک برطانوی عہدہ دار کے نام سے مشہور ہے۔

مکالو: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 27,827 فٹ بلند ہے۔ یہ نیپال کی شمالی سرحد پر ماؤنٹ ایورسٹ سے مشرق میں واقع ہے۔

مکاؤ (Macau): چین کے صوبہ گوانگ ڈونگ سے ملحق بندرگاہ اور پرتگالی مقبوضہ ہے۔ ہانگ کانگ سے 64 کلو میٹر (40 مربع میل) دور ہے۔ رقبہ 16 مربع کلو میٹر (6 میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 497,000 ہے۔ اس کے قریب دو اور جزیرے ہیں۔ شہر پانچ کلو میٹر (3 میل) لمبے جزیرے نما پر واقع ہے جو جزیرہ ژھونگشان سے ایک سات سو فیٹ لمبی خاکنائے کے ذریعے جڑا ہوا ہے۔

مکاؤ مشرق بعید کا ایک اہم تجارتی مرکز ہے۔ بڑے پیمانے پر مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ چین کی تجارت کافی مقدار میں اسی کے راستے ہوتی ہے۔ یہاں پر چھوٹی دستکاری کی صنعتیں بھی ہیں۔ آب و ہوا اگرچہ مرطوب ہے لیکن خوشگوار ہے۔ سیاح اور تاجر بڑی تعداد میں آتے جاتے ہیں۔

یوروپی اقوام کے لوگوں میں سب سے پہلے واسکوڈی گاما یہاں 1497 میں آیا اور 1557 میں پرتگالیوں نے اس پر قبضہ کرکے اسے تجارتی بندرگاہ بنادیا۔ تقریباً تین سو سال تک پرتگالی چین کو اس کا معاوضہ دیتے رہے۔ 1849 میں اسے پرتگال نے ایک آزاد بندرگاہ قرار دے دیا اور چین کو بھی بعد میں یہ تسلیم کرلینا پڑا۔ انیسویں صدی میں جب ہانگ کانگ نے ترقی کی تو مکاؤ کی وہ اہمیت باقی نہیں رہی اور یہ بڑی حد تک جھوٹے اور چوری چھپے مال لے جانے کا اڈا بن گیا۔ 1949 میں چین کے انقلاب کے بعد یہاں بہت سے چینی پناہ گزین آگئے جس سے آبادی کافی بڑھ گئی۔

مکڈن: شمال مشرقی چین کا یہ شہر، جو "شن یانگ" بھی کہلاتا ہے، پہلے منچوریا کا دارالحکومت تھا۔ اب صوبہ لیاؤیانگ کا صدر مقام ہے۔ بیجنگ (پیکنگ) کے شمال مشرق میں 380 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ذرائع آمد و رفت کا مرکز ہے اور چین کا چوتھا سب سے بڑا شہر اور منچوریا کا سب سے بڑا صنعتی مقام ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 3,000,000 تھی۔

1625 سے 1644 تک یہ مانچو حکمرانوں کا صدر مقام تھا۔ ان کے محل اور مقبرے یہاں اب تک موجود ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے شروع میں روسیوں نے یہاں کے ریلوں کے نظام کو وسعت دینے میں کافی دلچسپی لی۔ 1931 میں جاپان نے اس پر قبضہ کرلیا اور یہاں پر کافی صنعتوں کو ترقی دی۔ دوسری جنگ عظیم میں شکست کے بعد جاپان کو پورے چین سے ہٹنا پڑا۔ 1949 کے انقلاب کے بعد سے یہاں لوہے، فولاد، موٹریں، کیمیائی اشیا اور سیمنٹ وغیرہ بنانے کی بڑی بڑی صنعتیں قائم ہوئی ہیں۔

مکگاڈیشو (Magadisho): بحر ہند میں خط استوا سے شمال کی طرف صومالیہ کا صدر مقام، اہم بندرگاہ اور بڑا شہر ہے۔ بنادیر (Benadier) کے خطہ کا انتظامی مستقر بھی ہے۔ یہاں عربوں کی قدیم آبادیاں ہیں۔ 1905 میں اس کا بندرگاہ اٹلی والوں کو فروخت کردیا گیا تھا۔ 1960 میں یہ آزاد صومالیہ کا صدر مقام بن گیا۔ مسلمانوں کی قدیم عمارتیں، تعلیمی درسگاہیں اور نیشنل میوزیم قابل دید ہیں۔ یہاں سے کیلا، کھالیں اور گوند کی بڑی مقداریں برآمد کی جاتی ہیں۔ ماہی گیری، پارچہ بافی، شکر سازی اور کپاس اوٹنے کے کام اہم ہیں۔ مغرب میں پانچ میل کے فاصلہ پر بین الاقوامی ہوائی اڈہ واقع ہے۔ 1971 میں آبادی 248,900 تھی۔

مکہ معظمہ: سعودی عرب کا ایک مشہور شہر حضرت محمد ﷺ کی پیدائش کا مقام ہے۔ اس کا قدیم نام "بکہ" تھا۔ ظہور اسلام سے قبل یہاں عکاظ کا مشہور بازار لگتا تھا اور اسی زمانہ میں حج بھی کیا جاتا تھا۔ قریش یہاں کا مشہور قبیلہ تھا جو حرم کی خدمت کرتا تھا۔ قریب کی پہاڑیوں میں غار حرا واقع ہے جہاں رمضان کے مہینہ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میں حضرت محمد ﷺ پر سب سے پہلے کلام مجید کا نزول ہوا تھا۔ 8 ہجری میں مسلمانوں نے حضرت محمد ﷺ کی قیادت میں اسے فتح کر لیا۔ اسی مقام پر مسلمانوں کی سب سے مقدس عبادت گاہ خانہ کعبہ واقع ہے۔ حج کے لیے ساری دنیا سے لاکھوں مسلمان ہر سال یہاں پہنچتے ہیں اور عمرہ کرنے کے لیے سال بھر روزانہ ہزاروں مسلمان یہاں پہنچتے رہتے ہیں۔ یہ اپنے بندرگاہ جدہ کے مشرق میں تقریباً 45 میل کے فاصلہ پر "جبل الصراط" میں واقع ہے۔ دونوں کے درمیان سڑک واقع ہے۔ "وادیٔ ابراہیم" اس شہر کے محور کا مقام رکھتی ہے۔ وسط شہر کو "بطحہ" کہتے ہیں۔

قدیم زمانہ میں مغربی ایشیا کے تجارتی راستہ پر واقع ہونے کے سبب یہ ایشیا، افریقہ اور بحیرۂ روم کے علاقوں سے تجارت کا مرکز تھا۔ حال میں اس شہر نے کافی ترقی کی ہے۔ 1970 میں اس شہر کی مستقل آبادی تقریباً تین لاکھ تھی۔ یہاں پانی کی فراہمی ہمیشہ ایک اہم مسئلہ بنتی رہی ہے۔ 1950 تک خلیفہ ہارون الرشید کی بیگم زبیدہ کی بنوائی زمین دوز نہر سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ آج اس کی فراہمی کے لیے کئی نئی اسکیمیں روبہ عمل ہیں۔ مکہ کی مذہبی عظمت اور اہمیت کبھی کم نہیں ہوئی لیکن جب بنی امیہ نے اپنا دارالخلافہ دمشق منتقل کر لیا تو اس کی تجارتی اہمیت گھٹ گئی۔ 1517 سے یہ عثمانی ترک سلطنت کا حصہ رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران 1916 میں حسین ابن علی نے پورے حجاز کی آزادی اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ 1924 میں ابن سعود نے حسین کو شکست دے کر اپنے خاندان کی حکومت قائم کر لی اور اس وقت سے پورا عرب سعودی خاندان کی حکمرانی میں ہے۔

مگماٹائمیٹ (Migmatite): مگماٹائٹ عام طور پر ایک مخلوط حجر کو کہا جاتا ہے جو کہ دو مختلف مادوں سے بنے۔ اکثر یہ دو قسم کے مادے پہلے سے موجود کایا بدل حجر اور متداخل گرینائٹی (گرینائٹ Granite) مادے ہوتے ہیں جن کے تعامل کے باعث مگماٹائٹ ایک بالکل ہی نئی بافت کا حامل ہو سکتا ہے مگماٹائٹ ایک نمودی مرحلہ (Blastic Stage) سے بھی گزرتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں خمیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس خمیدگی کو ٹگمیٹک فولڈنگ (Ptygmatic Folding) کہتے ہیں۔ کچھ داخل شدہ مادے حجری رگ (Vein) کی شکل میں تمام تر ابتدائی حجر میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ایسے حجر کو اگمیٹائٹ (Agmatite) کہتے ہیں۔ عام طور پر مگماٹائمیٹ بے حد اونچے درجے کی علاقائی کایا بدلیت کے باعث بنتے ہیں۔

مل واکی (Milwaukee): یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست وسکان سن (Wisconsin) کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ اس ریاست کے جنوب مشرقی حصہ میں، جھیل مشی گن کے مغربی کنارے پر، شکاگو سے 85 میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے۔ بندرگاہ مل واکی کو ریلیں اور سڑکیں اوہایو اور شکاگو وغیرہ سے ملاتی ہیں۔ شہر سے 7 میل کے فاصلہ پر مچل فیلڈ ہوائی اڈہ ہے۔ جھیل مشی گن کی موجودگی سے اس شہر کے مناظر، تفریح گاہوں اور صنعت کو اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ اس شہر میں بارہ پارک ہیں۔ 1971 میں یہاں کی آبادی 741,324 تھی۔ یہاں ٹربائن، ڈیزل انجن، انجینئری سے متعلقہ مشینری اور برقی آلات تیار کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں چمڑے کا سامان، گرنیوں کے پرزے، گیسولن انجن، موٹر سائیکل، موٹر، قفل وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ مل واکی میں کئی یونیورسٹیاں اور مختلف قسم کے کالج بھی واقع ہیں۔ پارک، زو (Zoo)، آرٹ گیلری، پبلک لائبریری اور میوزیم وغیرہ بھی ہیں۔

ملابار: منگلور کے جنوب میں ہندوستان کے کل جنوب مغربی ساحل کا نام ملابار ہے۔ یہاں ملیالم زبان بولی جاتی ہے۔ اس علاقہ کو اب کیرالا کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ بحری موجوں نے اس ساحلی حصہ پر ریت ٹیلوں کی ایک پٹی سی پھیلا دی ہے۔ اس کے عقب میں ساحل کے متوازی کئی جھیلیں واقع ہیں۔ اندرونی حصہ میں دریائی مٹی کا ہموار میدان دکھائی دیتا ہے۔ کوچی (کوچین) اس کا اہم بندرگاہ ہے۔

ملاوی (Malawi): آزادی سے پہلے اس کا نام نیاسالینڈ تھا۔ مشرقی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال میں تنزانیہ، مشرق اور جنوب مغرب میں موزمبیق اور مغرب میں زیمبیا واقع ہیں۔ رقبہ 118,484 مربع کلو میٹر اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 8,556,000 ہے۔ صدر مقام لی لانگ وے (Lilongwe) ہے اور استعمال کی عام زبان چچیوا (Chichewa) یا نیانجا ہے۔ مذہب عام طور پر قدیم افریقی ہے۔

ملاوی کے پورے مشرقی ساحل پر جھیل ملاوی پھیلی ہوئی ہے۔ ملک کا زیادہ تر حصہ پہاڑی یا سطح مرتفائی ہے۔ مشرقی افریقہ کے دوسرے علاقوں کی طرح آب و ہوا خوش گوار اور معتدل ہے۔ چائے اور کافی کے باغات ہیں۔ اس کے علاوہ تمباکو، مونگ پھلی اور مکئی کی بھی کاشت ہوتی ہے۔

رائج سکہ کواچا ہے۔

درآمدات زیادہ تر جنوبی افریقہ، برطانیہ، زمبابوے اور جاپان سے آتی

ہیں اور برآمدات بھی زیادہ تر ان ہی ملکوں کو جاتی ہیں۔ کل برآمدات کا 42 فیصدی حصہ تمباکو اور 17 فیصدی چائے۔

1990 میں ابتدائی مدرسوں میں 1,400,682 طالب علم اور 15,440 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 32,275 طالب علم اور 1,192 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 1989 میں 2,685 طالب علم تھے۔

تاریخ: ملاوی کی قدیم تاریخ کے بارے میں کوئی مواد نہیں ملتا۔ مشہور مہم جو (کھوج کار) اور پادری لیوِنگسٹن جھیل ملاوی (سابق نام نیاسا) کے جنوبی کنارے پر 1859 میں پہنچا تھا۔ اس کے بعد یہاں کئی مشن قائم کیے گئے۔ 1883 میں پہلی افریکین لیکس کارپوریشن (African Lakes Corporation) قائم کی گئی اور دو سال بعد پہلا برطانوی قونسل یہاں بھیجا گیا۔ 1884 میں برطانوی ساؤتھ افریقہ کمپنی نے اس علاقے میں تجارت کی اجازت مانگی۔ اس کے بعد انگریزوں نے مقامی عرب حکمرانوں کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ 1889 میں برطانیہ نے کافی علاقہ کو اپنا مقبوضہ قرار دے دیا۔ جھیل نیاسا اور شائر کے علاقے براہ راست برطانیہ کے تحت آگئے۔ باقی علاقے برطانوی ساؤتھ افریقہ کمپنی کے قبضہ میں دے دیے گئے۔

1953 میں افریقیوں کی سخت مخالفت کے باوجود نیاسا (موجودہ ملاوی) کو رھوڈیشیا کے ساتھ ملا کر رھوڈیشیا۔ نیاسالینڈ وفاق قائم کر دیا گیا۔ ہیسٹنگ بانڈا کی سرکردگی میں اس وفاق کی مخالفت میں سخت مہم چلتی رہی کیونکہ اس کی حکومت پوری طرح سفید فاموں کے ہاتھ میں تھی۔ 1959 میں آزادی کی تحریک نے کافی شدت اختیار کر لی۔ بانڈا کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن اس تحریک کو دبایا نہ جاسکا۔ آخر کار 1960 میں بانڈا کو رہا کر دیا گیا اور چناؤ میں ان کی پارٹی ملاوی افریکین کانگریس کو زبردست اکثریت حاصل ہوئی۔ 1963 میں ملاوی کو فیڈریشن سے علیحدگی کا اختیار مل گیا۔ 1964 میں اس نے ہیسٹنگ بانڈا کی سرکردگی میں آزادی حاصل کر لی۔ آزادی کے بعد بانڈا نے اپنے آپ کو اس علاقے کی تمام قوم پرست تحریکوں سے الگ رکھا اور یہ افریقہ کا واحد ملک ہے جس نے نہ صرف جنوبی افریقہ سے معاشی تعلقات باقی رکھے بلکہ سفیروں کا تبادلہ بھی کیا۔ 1966 میں ملاوی ایک جمہوریہ بن گیا اور بانڈا 1971 میں تاعمر صدر بنا دیا گیا۔ 1980 میں ملاوی میں موزمبیق سے چھ لاکھ پناہ گزیں آگئے اور نتیجہ میں دونوں ملکوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ 1992 میں ملاوی میں شدید قحط سالی کا دور آگیا۔ اتنی شدید قحط سالی تو پورے سو سال میں بھی نہیں ہوئی اور اس کی وجہ سے بہت سی اموات کا سامنا کرنا پڑا۔

ملایا: یہ جزیرہ نما ملیشیا کی فیڈریشن کا ایک بڑا حصہ ہے جس میں درج ذیل گیارہ ریاستیں شامل ہیں۔

1. پرلس، 2. کیڈاہ 3. پہانگ، 4. ترنگانو، 5. پیراک
6. سلینگار، 7. نیگری سمبلان، 8. ملاکا 9. جوہور،
10. ریہانگ، اور 11. کانٹن (کالنتان)۔

اس کے شمال میں تھائی لینڈ، جنوب میں جزیرہ سنگاپور، مشرق میں بحیرۂ جنوبی چین اور مغرب میں آبنائے ملاکا واقع ہیں۔ ملایا کا رقبہ 50,690 مربع میل ہے اور آبادی 7,500,000 ہے جس میں 49 فیصدی ملایائی، 36 فیصدی چینی، 10 فیصدی ہندوستانی یا پاکستانی ہیں۔ کوالالمپور صدر مقام ہے۔

ملایا جزیرہ نما: یہ "جزیرہ ساترا" کے شمال میں شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف ایک دم کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے جنوب اور مغرب میں آبنائے ملاکا واقع ہے جو بحر ہند کو بحر الکاہل سے ملاتا ہے۔ اس کے قریب ہی سنگاپور کا جزیرہ بین الاقوامی اہمیت رکھتا ہے۔

ملبورن (Melbourne): دولت مشترکہ آسٹریلیا کی ریاست (Victoria) کا یہ صدر مقام دریا یارا کے دہانے سے 5 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 9,800 ہے۔ لیکن میٹروپالیٹن شہر کی آبادی 20 لاکھ کے قریب ہے۔ یہاں ایک بندرگا بھی ہے۔ یہ شہر ایک بڑے خطہ کی تجارت کا مرکز ہے۔ یہاں کپڑا، مشینری اور ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے ہیں۔ گیہوں، آٹا، گوشت، اون، پھل برآمد کیے جاتے ہیں۔ یہ آسٹریلیا کے سب سے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ دولت مشترکہ کا یہ پہلا مستقر تھا۔ یہاں ملبورن یونیورسٹی ہے جو 1854 میں قائم کی گئی تھی۔ تکنیکل کالج، موسیقی کی تعلیم گاہ اور نیشنل آرٹ گیلری ہے۔ ان کے علاوہ یہاں ایک شاہی دار لعرب ہے۔ اس شہر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں نباتیاتی باغ 103 ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے

ملتان: ملتان پاکستان کا ایک قدیم اور مشہور شہر ہے جہاں افغانستان سے میوہ، ادویات، ریشم اور مصالحے وغیرہ برآمد ہو کر یہاں اکٹھا کیے جاتے ہیں تاکہ پاکستان کے دوسرے حصوں کو ان کی سپلائی کی جاسکے۔ اس شہر کو لاہور اور کراچی سے بذریعہ ریل ملا دیا گیا ہے۔ یہ دریائے چناب کے قریب زرعی علاقہ میں واقع ہے۔ سوتی کپڑے اور چمڑے کی تجارت کا مرکز ہے۔ دست کاری، خاص طور پر مٹی کے برتن بنانے اور میناکاری، کے لیے مشہور ہے۔ 1971 میں آبادی ساڑھے تین لاکھ سے اوپر تھی۔

ملتان 326ق.م. سے جب سکندر اعظم نے اس پر قبضہ کیا تھا، مشہور ہے۔ مشہور چینی سیاح ہوانگ سانگ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ 1005 میں محمود غزنوی اور پھر 1398 میں تیمور نے اس پر قبضہ کیا۔ 1818 میں پنجاب کے حکمراں رنجیت سنگھ نے اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ 1848 میں یہ انگریزوں کے ہاتھ آیا اور انھوں نے اسے صوبہ پنجاب کا حصہ بنادیا۔ ملتان میں چودھویں صدی کے کئی صوفی بزرگوں کے مزار ہیں۔

ملر، ہگ (Hugh Miller): اسکاٹ ماہر ارضیات اور ادیب جو 1802 میں پیدا ہو کر 1856 میں فوت ہوا۔ پہلے وہ ایک معمار رہا تھا اور قدیم سرخ ریت پتھر یا سینڈ اسٹون (Old Red Sandstone) کو استعمال کرتے ہوئے اس نے مچھلیوں کے کئی رکازات یا باقیات (Fossils) دریافت کئے۔ اس نے سلسلے وار کئی مضامین قدیم ریت پتھر یا سینڈ اسٹون کے عنوان کے تحت لکھے تھے اور ان ہی مضامین کی بدولت شہرت نصیب ہوئی۔

ملکّا: یہ ملایا کی ایک ریاست (State) ہے جو 1957 میں تشکیل ہوئی ہے۔ اسی نام کا شہر اس کا صدر مقام ہے۔ سماترا اور جزیرہ نما ملایا کے درمیان شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف سنگاپور تک پھیلا ہوا قیف نما آبی علاقہ آبنائے ملکّا کہلاتا ہے۔ یہ اہم تجارتی شاہراہ ہے۔ جنوب میں اس کی چوڑائی صرف چالیس میل ہے۔ شمال مغرب کی طرف چوڑائی میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا ہے۔ سابنگ اور خاکنائے کرا (Kra) کے درمیان یہ آبنائے 300 میل چوڑی ہو گئی ہے۔

ملکوٹ: شہر میسور سے 64 کلو میٹر کے فاصلے پر یہ ایک مشہور سیاحی کا مرکز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں مشہور سری ویشنو اسنت، سری رامانج نے چند سال تک قیام کیا تھا۔ ملکوٹ کا مندر جو دراوڑی طرز پر چودھویں اور سولھویں صدی میں تعمیر کیا گیا تھا، خاص طور سے دیکھنے کے قابل ہے۔

ملیشیا (Federation of Malaysia): ملیشیا گیارہ ریاستوں کا ایک وفاق ہے۔ جس میں ملایا کے پرانے وفاق کی ریاستوں کے علاوہ صباء، سراوک اور کوالا لمپور کا وفاقی علاقہ شامل ہے۔ یہ دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ اس کا آئین وفاقی ہے اور آئینی بادشاہت قائم ہے۔ ملیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں جزیرہ نما ملایا کے سرے پر واقع ہے۔ اس میں جزیرہ بورینو کا شمالی حصہ بھی شامل ہے۔

ملیشیا کا کل رقبہ 332,633 مربع کلو میٹر (128,430 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 18,333,000 ہے۔ دارالسلطنت اور سب سے بڑا شہر کوالا لمپور ہے۔ سرکاری زبان ملائی ہے۔

ملیشیا میں کئی نسلوں کے باشندے آباد ہیں۔ تقریباً نصف آبادی ملائی باشندوں پر مشتمل ہے۔ چینی ایک تہائی سے کچھ زائد ہیں۔ ہندوستانی اور پاکستانی آبادی کا تقریباً ساتواں حصہ ہیں۔ تھائی (سیامی) باشندے بھی کافی تعداد میں یہاں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ جنگلوں اور پہاڑوں میں متعدد وحشی قبائل آباد ہیں۔ اسلام یہاں کا سرکاری مذہب ہے اور عام طور سے ملائی زبان بولی جاتی ہے۔ تاہم مدارس میں انگریزی سکھائی جاتی ہے۔ ملائی باشندے جن کے تہذیبی اثرات اس علاقے میں سب سے زیادہ قدیم ہیں ابتداً جنوبی چین سے یہاں آئے تھے۔ لیکن دوسری قوموں سے میل ملاپ کی وجہ سے ان کی نسلی خصوصیات میں کافی تبدیلی آچکی ہے۔ وفاق ملیشیا کا ملایا کا علاقہ پہاڑی ہے اور تقریباً تین پہاڑی سلسلے شمال سے جنوب کی طرف چلے گئے ہیں۔ ان سے کئی چھوٹے چھوٹے دریا نکلتے ہیں۔ تین بڑے دریا پیراک، پاہانگ اور کیلنتان ہیں۔ ملیشیا کی آب و ہوا خط استوائی ہے یعنی گرم مرطوب۔ بارش خوب ہوتی ہے اور رطوبت بہت زیادہ رہتی ہے۔ 80 فی صدی علاقہ میں جنگل ہیں۔ باقی حصہ میں باغات ہیں اور کاشت ہوتی ہے۔ چاول، ربر، ناریل، پام، چائے، تمباکو، کیلے اور اناس کی کاشت ہوتی ہے۔ جنگلوں سے ساگوان اور دوسری عمارتی لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ ٹن اور باکسائٹ کی بڑے پیمانے پر کان کنی ہوتی ہے۔ برآمدات کا 23 فی صدی ربر، 11 فی صدی ٹن، 9 فی صدی پام کا تیل، 18 فی صدی ساگوان اور 9 فی صدی کچا تیل ہیں۔ برآمدات زیادہ تر جاپان، سنگاپور، برطانیہ، آسٹریلیا اور امریکہ کو جاتی ہیں اور درآمدات بھی تقریباً انھیں ملکوں سے آتی ہیں۔

رائج سکہ: رنگٹ ہے۔

ملایا کے علاقے میں 1991 میں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 2,540,623 اور استادوں کی تعداد 126,139 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 1,482,530 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 57,059 طالب علم تھے۔

عیسوی دور کی ابتدا میں ہندوستانی تاجر پہلے پہل یہاں وارد ہوئے تھے۔ اس کے بعد کی صدیوں میں انڈونیشیائی اور انڈو چینی باشندوں کی اور بدھ اور برہمن مبلغوں اور ہندو نو آباد کاروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی بعض چھوٹی چھوٹی ہندو ریاستیں بھی قائم ہو گئیں۔ جیسے کیداہ (Kedah) کے علاقہ میں لنگاسوکا (Langkasuka) کی ریاست تھی۔ آٹھویں صدی کے نصف آخر میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ملیشیائی جزیرہ نما پر ساترا کے ہندو راجاؤں کا قبضہ ہو گیا۔ گیارھویں صدی عیسوی میں اس علاقہ پر ہندوستان کے ساحل کارومنڈل کے حکمرانوں کا تسلط ہو گیا۔ کوئی پچاس سال بعد ساترا کے سیلندر (Sailendra) راجاؤں نے، جن کی قوت کافی گھٹ چکی تھی، دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن تیرھویں صدی میں جاوا اور تھائی راجاؤں کے حملوں کی وجہ سے ان منصوبے کے پورے نہ ہو سکے اور ساترا اور جزیرہ نمائے ملایا کے بعض جنوبی علاقے جاوا کے قبضہ میں چلے گئے۔ اس کے بعد پھر ساترا کے میلایو (Melayu) خاندان کا جنوبی جزیرہ نما پر تسلط ہو گیا۔ اور اواخر چودھویں صدی میں جاوا کی آخری ہندو سلطنت مجاپہت (Madjapahit) اور ایوتھیا کے تھائی بادشاہ کا قبضہ رہا۔ مجاپہت کے زوال کی جگہ ایک ملائی ریاست ملاکا کو اپنی برتری منوانے کا موقعہ مل گیا۔ پندرھویں صدی میں اول تو اہل ملایا نے، پھر ملایا کے دیگر باشندوں نے، اسلام قبول کر لیا جو آج بھی اہل ملایا کی اکثریت کا مذہب ہے۔ سولھویں صدی میں یوروپی باشندوں نے پہلی مرتبہ اس سرزمین پر قدم رکھا۔ پرتگالیوں نے ملاکا پر قبضہ کر لیا اور چند ہی دنوں بعد ولندیزی تاجر بھی ملائی سمندر میں نظر آنے لگے۔ پینانگ میں پہلا برطانوی جہاز 1592 میں نمودار ہوا۔ 1612 سے 1623 تک پینانگ میں انگریزوں کا ایک کارخانہ بھی موجود تھا۔ تاہم ملایا میں دوبارہ برطانوی تسلط پینانگ (1786) اور سنگاپور (1819) میں ان کی کوٹھیوں کے قیام اور ملاکا سے (1824) ولندیزیوں کے قطعی اخراج کے بعد قائم ہو سکا۔ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے، جس نے ان علاقوں میں قدم جمائے تھے، پینانگ، ملاکا اور سنگاپور کے لیے ایک مشترکہ نظم و نسق قائم کیا۔ جسے اسٹریٹس سیٹلمنٹ (Straits Settlement) کا نام دیا گیا۔ 1858 میں کمپنی کے خاتمہ کے بعد ان نو آبادیوں کا انتظام براہ راست برطانوی حکومت کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اور 1867 میں ایک شاہی نو آبادی (Colony) کی حیثیت سے اس سارے علاقہ کی از سر نو تنظیم کی گئی۔ 1895 میں چند ریاستوں کو ملا کر ایک وفاقی ریاست ہائے ملایا قائم کیا گیا۔ 1909 میں سیام نے کیدہ (Kedah)، کیلنتان (Kelentan)، پرلس (Perlis) اور ترنگانو (Terengganu) کے علاقے برطانوی حکومت کے حوالے کر دیے۔ جیہور کے ساتھ ان چار ریاستوں کو غیر وفاقی ریاست ہائے ملایا کا نام دیا گیا۔ برطانوی نظم و نسق نے خام مال کی پیداوار کی ترقی میں کافی دلچسپی لی۔ چنانچہ ٹن کی پیداوار میں حیرت ناک طور پر اضافہ ہوا اور 1877 میں بڑے پیمانے پر ربر کے درخت لگائے گئے۔ انیسویں صدی میں چین اور ہندوستان کے ہزاروں باشندوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپان نے ملایا پر قبضہ کر لیا۔ 1946 میں برطانوی حکومت نے پرانے نظم و نسق کی بجائے وفاقی اور غیر وفاقی ریاستوں کی ایک یونین قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اہل ملایا نے اس منصوبہ کی شدت سے مخالفت کی کیونکہ انھیں اندیشہ تھا کہ اس کی وجہ سے ریاستوں کا درجہ گھٹ کر نو آبادیوں کا سا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس منصوبہ کو ترک کر دیا گیا اور یونین کی بجائے 1948 میں وفاقی نظام حکومت قائم کیا گیا۔ اس زمانے میں کمیونسٹوں کی سرگرمیاں شروع ہوئیں جو ایک طویل عرصے تک جاری رہیں۔ 1955 میں برطانیہ نے آزاد انتخابات کا انتظام کیا اور بہت سے امور میں حکومت خود اختیاری کے نظام کو رائج کیا۔ انتخابات میں تنکو عبدالرحمٰن کی پارٹی کو بہت بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی۔ 1956 میں برطانیہ، ملایا کی ریاستوں اور برسر اقتدار پارٹی کے نمائندوں نے آزاد ملایا کا دستور مرتب کرنے سے اتفاق کر لیا۔ اس طرح ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے وفاقی ملایا کا وجود عمل میں آیا اور 1957 میں وہ برطانوی دولت مشترکہ کا رکن بنا لیا گیا۔ دستور کے لحاظ سے صدر مملکت، ریاستی فرمانرواؤں کی جانب سے خود ان ہی میں سے، پانچ سال کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ، سینیٹ (سینات) اور ایوان نمائندگان پر مشتمل ہوتی ہے۔ 1957 میں ملایا کو اقوام متحدہ کا رکن بنا لیا گیا اور برطانیہ سے دفاع اور باہمی امداد کا معاہدہ طے پایا۔ 1961 میں ملایا، تھائی لینڈ اور فلپائن کے ساتھ جنوب مشرقی ایشیا کی ایک تنظیم میں شریک ہو گیا۔ جس کا مقصد باہمی تہذیبی اور معاشی تعلقات کو فروغ دینا تھا۔ جولائی 1962 میں برطانیہ اور ملایا کے نمائندوں نے وفاق ملیشیا قائم کرنے سے اتفاق کر لیا۔ اس وفاق میں ملایا اور سنگاپور کے علاوہ سراوک اور سبا (شمالی بورنیو) (Sabah) کی برطانوی نو آبادیات اور برطانوی علاقے برونائی کو شامل کیا گیا، تاہم شمالی بورنیو پر فلپائین کے دعوے اور برونائی کے باغیوں کی انڈونیشیا کی جانب سے امداد کی وجہ سے انھوں نے وفاق میں شرکت نہیں کی۔ ملیشیا کے لیے سب سے اہم مسئلہ انڈونیشیا کی مخالفت تھی جو ملیشیائی وفاق کو نہ صرف برطانوی سازش قرار دیتا تھا بلکہ اس نے ملیشیا کے باغیوں کی بھی ہمت افزائی شروع کر دی تھی۔ انڈونیشیا کی مخالفت کا سلسلہ 1966 میں صدر سوکارنو کے اقتدار سے علیحدہ ہونے کے بعد کم ہوا۔ نئی حکومت نے ملیشیا سے دوستی کا ایک معاہدہ کر لیا۔ اس کے باوجود ملیشیا کے باہمی اختلافات اور معاشی مسائل کا سلسلہ جاری رہا۔ خاص طور سے ملائی اور چینی باشندوں کے اختلافات نے ایک سنگین صورت اختیار کر لی اور جب 1965 میں سنگاپور کے وزیر اعظم نے چینی باشندوں کی حمایت سے سرزمین ملایا پر اپنے سیاسی رسوخ کو بڑھانے کی کوشش کی تو اس کی شدت سے مخالفت کی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ 1965 میں سنگاپور کو وفاق سے علیحدہ کر دیا گیا۔ ملک کے اندر اب بھی سیاسی اختلافات اور انتشار زور پکڑ رہے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ممبئی (Mumbai): شہر ممبئی، ہندوستان کی ریاست مہاراشٹرا کا صدر مقام اور گیٹ وے آف انڈیا (Gateway of India) ہے۔ یہ ہندوستان کا ایک نہایت ہی عمدہ، قدرتی وسیع اور محفوظ بندرگاہ ہے جو مغربی گھاٹ کے اساس پر براہ راست سمندر پر واقع ہے۔ ممبئی کا عقبی علاقہ جنوب میں تامل ناڈو کے مغربی حصے سے شمال میں دہلی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں مغربی اتر پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش اور مہاراشٹرا کی ریاستیں شامل ہیں۔ آبادی کے نقطہ نظر سے یہ ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے یہ ہندوستان سے براعظم یورپ کے لیے قریب ترین بندرگاہ ہے۔ یہ ایک عظیم صنعتی مرکز ہے جس کی وجہ سے اسے بذریعہ ریلوے لائن ملک کے مختلف علاقوں سے ملا دیا گیا ہے۔ اور ویسٹرن نیز سنٹرل ریلوے کا صدر مستقر ہے۔ ممبئی کا سانتا کروز ہوائی اڈہ بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے۔ اس طیران گاہ (ایرپورٹ) میں بیرونی ممالک کے ہوائی جہازوں کی مسلسل آمد و رفت رہتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اندرون ملک کے تمام ہوائی اڈوں (طیران گاہوں) سے بھی ملا دیا گیا ہے۔

پارچہ بافی کی صنعت کے لحاظ سے یہ ملک کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں سوتی کپڑا تیار کرنے کے بہت سے کارخانے قائم ہیں۔ اس کے عمدہ قدرتی بندرگاہ ہونے کے سبب اس سے ہندوستان کی مجملہ تجارت کی 28 فی صد تجارت ہوتی ہے۔ تخمن یا تیل والے بیج (Oil Seeds)، اُون اور اُونی سامان، چمڑے اور کھالیں اور غذائی اجناس اس بندرگاہ سے برآمد کیے جاتے ہیں اور درآمد ہونے والی اشیا سوتی کپڑا، انواع و اقسام کی مشینیں، ریلوے کی مشینیں، لوہے اور فولاد کی اشیا، اسٹیل کے برتن، شکر، چھپائی کا سامان، کوئلہ اور پٹرولیم ہیں۔

پارچہ بافی کے کارخانوں کے علاوہ دوسری صنعتوں کے بھی یہاں کئی کارخانے موجود ہیں۔ جیسے کاغذ سازی، اوزار و آلات، کیمیائی اشیا، پوشاک، موٹر گاڑیاں، جہاز سازی، ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے وغیرہ۔

ملک میں تجارتی اور صنعتی ترقی کو فروغ دینے کے لیے ممبئی میں کئی ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، کالج اور اسکول قائم کیے گئے ہیں مثلاً یو. ایس. ایس. آر. (U.S.S.R.) کے تعاون سے دی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی، میرین انجینئرس کمرشیل نیول انسٹی ٹیوٹ، ڈیری ماہرین کی تربیت کے لیے، ڈیری انسٹی ٹیوٹ جو آرے ملک کالونی کے قریب واقع ہے، اسکول آف اریٹری، دی نیول کیمیکل۔ میٹالرجیکل لیباریٹری۔ وزرات دفاع کے تحت آرڈننس کے کارخانے، اٹامک اینرجی کا کارخانہ اور تارا پور اٹامک پاور اسٹیشن ہیں جو ہندوستانی سائنسدانوں کی قابلیت اور محنت کے قابل فخر کارہائے نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ ٹرامبے میں ایک بہت بڑی کھاد کی فیکٹری اور تھرمل جنیریٹنگ یونٹ قائم کیے گئے ہیں جو اس علاقے کی صنعتی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔

چونکہ ممبئی ہندوستان کا تجارتی اور کاروباری مرکز ہے اس لیے یہاں ملک کے متعدد دفاتر قائم کیے گئے ہیں اور ہمیشہ یہاں علمی اور ثقافتی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔

ہندوستان کا ایک قدیم انسٹی ٹیوٹ جو جے. جے. ہسپتال کے نام سے مشہور ہے یہیں پر واقع ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اور دوسرے مشہور ہسپتال بھی واقع ہیں۔

ممبئی تجارتی، سیاسی، علمی اور تمدنی اعتبار سے ہندوستان کا سب سے اہم شہر ہے۔

شہر بمبئی کا جدید نام ممبئی "Mumbai" ہے۔ ممبئی کے قابل دید مقامات گیٹ وے آف انڈیا، اپولو بندر، پرنس آف ویلس میوزیم، سنٹرل ریلوے کا وکٹوریہ ٹرمینس، ملابار ہل، ہینگنگ گارڈن، کملا نہرو پارک، وکٹوریہ گارڈنس اور البرٹ میوزیم ہیں۔

ممنوعہ جنگل اور محفوظ علاقے: آج کل دنیا میں چار ہزار سے زیادہ قومی پارک، جنگلی جانوروں کے شکار کے لیے ممنوعہ علاقے، جنگلی جانوروں کے بسیرے کے محفوظ مقامات، محفوظ علاقے اور قومی آثار موجود ہیں۔

دنیا کے چند اہم قومی پارک اور جنگلی جانوروں کے شکار کے لیے ممنوعہ علاقے حسب ذیل ہیں۔

یوروپ:

(1) فرانس میں دریائے رھون (Rhone) کے مبدا کے قریب مقام کیمارگ (Camargue) کا حیوانیاتی اور نباتیاتی محفوظ علاقہ، اس کا رقبہ 36 مربع میل ہے۔ یہ آبی پرندوں اور لم ٹنگو کی افزائشی کالونی ہے۔

(2) اسپین کا کوٹوڈونانا (Coto Donana) کا محفوظ علاقہ جس کا رقبہ 27 مربع میل ہے۔ اس میں ہرن، جنگلی سور، اسپینی جنگلی بلی (بن بلاؤ) (Spanish Lynx)، فلیمنگو اور دوسرے پرندے پائے جاتے ہیں۔

(3) اٹلی کا ابیروبزی نیشنل پارک (Abrubizzi National Park) جس کا رقبہ 112.5 مربع میل ہے اور جس میں پہاڑی بکری، بھورا ریچھ، بھیڑیے، جنگلی بلی وغیرہ رہتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(4) سوئس نیشنل پارک: اس پارک کا رقبہ 65 مربع میل ہے۔ یہ آلپس کی پہاڑیوں میں واقع ہے۔ یہاں کے مناظر کی خوبصورتی مشہور ہے۔

(5) بیالوویسا نیشنل پارک: یہ پولینڈ کا نیشنل پارک ہے جس کا رقبہ 16.6 مربع میل ہے۔ یہاں کے جنگل بالکل اصلی اور قدرتی حالت میں ہیں۔ اس میں یوروپی جنگلی بھینسے (Bison) کے علاوہ ایلک (Elk)، جنگلی گھوڑے، بن بلاؤ (Lynx) اور اودبلاؤ یا سگ آبی (Beaver) وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

(6) پیچوائی الیش (Pechoia Ilych) روس کا پہاڑی علاقہ ہے اور اس کا رقبہ 2,757 مربع میل ہے۔ اس میں رینڈیر (Reindeer) اور ریچھ وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

شمالی امریکہ میں مندرجہ ذیل نیشنل پارک ہیں:

(1) بلواسٹون (Blue Stone Park) نیشنل پارک: یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ایک نیشنل پارک ہے۔ اس کا رقبہ 2,482 مربع میل ہے۔ یہ علاقہ اپنے قدرتی چشموں، گرم پانی کے چشموں اور پہاڑی مناظر کے لیے مشہور ہے۔ جنگلی جانوروں میں یہاں موس (Moose) ہرن، واپٹی (پہاڑی بکرا) (Wapiti)، میول ہرن (Mule deer)، پران کارن (Pronchorn)، مرگ (Antelope)، بڑے سینگوں والی بھیڑ، جنگلی بھینسے، گرزلی ریچھ (Grizzly Bear) اور راج ہنس پائے جاتے ہیں۔

(2) گرانڈ ٹیٹان نیشنل پارک: اس کا رقبہ 484 مربع میل ہے۔ یہاں ٹیٹان پہاڑیوں کے سلسلے بے حد شاندار مناظر پیش کرتے ہیں۔ موس، واپٹی، میول (خچر) ہرن، بڑے سینگوں والی بھیڑ، گرزلی ریچھ وغیرہ یہاں کے جنگلی جانوروں میں شامل ہیں۔

(3) گرانڈ کینیان نیشنل پارک: اس کا رقبہ 1,052 مربع میل ہے۔ یہ پہاڑی درّوں اور تحیر خیز مناظر کے لیے مشہور ہے۔

(4) یوسی مائیٹ (یوسی مٹی) نیشنل پارک (Yosemite National Park): اس کا رقبہ 1,189 مربع میل ہے۔ یہاں کی وادیوں میں گلیشیر، آبشار اور پہاڑی تنگ درّوں میں بہنے والی ندیاں اور دیو قامت درخت میول (خچر) ہرن، سیاہ ریچھ، وغیرہ ملتے ہیں۔

(5) اولمپک (Olympic) نیشنل پارک: اس کا رقبہ 1,400 مربع میل ہے اور بحر الکاہل کے ساحل سے برف سے ڈھکی پہاڑیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس پارک میں برساتی جنگل (جن میں کائی سے ڈھکے ہوئے بڑے بڑے درخت ہیں) نیز پہاڑی بکرا، سیاہ دُم والے ہرن، سیاہ ریچھ، کوگر بیور (تیندوا)، سگ آبی (اودبلاؤ) ملتے ہیں۔

(6) ایورگلیڈس نیشنل پارک: اس کا رقبہ 188 مربع میل ہے۔ اس میں ذیلی استوائی صحرا پائے جاتے ہیں۔ یہاں پر مناٹی (Manatee)، تیندوا، گھڑیال، امریکن مگرمچھ کے علاوہ بہت سے پرند ملتے ہیں۔

(7) ووڈ بفالو نیشنل پارک (البرٹا۔ کینیڈا): اس کا رقبہ 17,300 مربع میل ہے۔ یہ شمالی بھینسے یا جنگلی بھینسے کے تحفظ کے لیے قائم کیا گیا ہے۔

(8) جیسپر (جیاسپر) نیشنل پارک (کنیڈا): اس کا رقبہ 4,200 مربع میل ہے۔ یہاں بہت بڑی پہاڑیاں اور دلکش منظر ہیں۔ یہاں موس، واپٹی، کیربیان (کیریبو)، پہاڑی بکری، گرزلی ریچھ وغیرہ ملتے ہیں۔

(9) بانف (Banff) نیشنل پارک (البرٹا، کنیڈا): یہاں کوہستانی مناظر ہیں۔ موس، واپٹی، کیربیان (کیریبو)، میول (خچر) ہرن اور کوگر یہاں کے جانوروں میں شامل ہیں۔

جنوبی اور وسطی امریکہ:

(1) نہیول ہواپی نیشنل پارک (Nahuel Huapi National Park) (ارجنٹائن): اس کا رقبہ 3,030 مربع میل ہے۔ اس میں عظیم اینڈین (Andean) مناظر ملتے ہیں۔ اس پارک میں پوڈو (Pudu)، ہوئمل (Huemal)، پیوما (Puma)، گدھ کلاں وغیرہ ملتے ہیں۔

(2) لاس گلیر یارس نیشنل پارک (ارجنٹائن): اس کا رقبہ 2,316 مربع میل ہے۔ اس میں نیاتھوفاگس جنگلات میں پوڈو، ہوئمل، گوانا کو (Guanaco)، شتر مرغ وغیرہ ملتے ہیں۔

(3) اگناکو نیشنل پارک (برازیل): اس کا رقبہ 695 مربع میل ہے۔ یہاں شاندار اگناسو (Ignassue) آبشار پائے جاتے ہیں۔ اس میں چیخنے والے بندر، پیوما، جاگوار (Jaguar)، اوسی لاٹ (Ocelot)، کیپی بارا (Capybara)، کیمان (Caiman) ملتے ہیں۔

(4) بیسارو کولوریڈو ریزرو (پناما): یہ جنگل سے ڈھکا ہوا جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 5.6 مربع میل ہے۔ یہاں پر کالے چیخنے والے بندر، مارموسیٹ (Marmoset)، کاپوچن (Capuchin)، گلہری نما بندر، شانہ بندر، ٹاپر (Tapir)، اوسی لاٹ، پکاری (Peccary)، پیوما، کوٹی (Coati)، اگوٹ (Agoute) وغیرہ ملتے ہیں۔

افریقہ میں مندرجہ ذیل نیشنل پارک ہیں:

(1) کروگر نیشنل پارک (جنوبی افریقہ): اس کا رقبہ 7,016 مربع میل ہے۔ اس میں بڑے کوڈو (Kudu)، نیالا، زراف، بھینسے، زیبرا، دریائی گھوڑا، شیر ببر، چیتا، ہاتھی، سفید گینڈا وغیرہ ملتے ہیں۔

(2) اٹوشا گیم پارک (جنوبی مغربی افریقہ): اس کا رقبہ 25,090 مربع میل ہے جو ساحلی صحرائے نامبس (Naimbs) سے جنگلاتی علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ہاتھی، سیاہ گینڈا، پہاڑی زیبرا، زراف، ایلانڈ (Eland)، امپالا (Impala)، بڑے بلو وائلڈ بیسٹ، شیر ببر، جیمس باک (Gemsbock) وغیرہ ملتے ہیں۔

(3) وانگی نیشنل پارک (زیمبیا): اس کا رقبہ 554 مربع میل ہے۔ اس میں ہاتھی، سیاہ گینڈے، سفید گینڈے، برکلی کے زیبرا (Zebra)، دریائی گھوڑا، زراف، بھینسے، ایلانڈ، امپالا، واٹر بک (سانبھر)، شیر ببر، چیتا وغیرہ ملتے ہیں۔

(4) کوفے نیشنل پارک (زیمبیا): اس کا رقبہ 8,492 مربع میل ہے۔ اس میں ہاتھی، سیاہ گینڈا، برکلی کا زیبرا، دریائی گھوڑا، بھینسہ، سیبل (Sable)، رون، اینٹی لوپ، کوڈو، ریڈ لیچوے (Red Lechwe)، ایلانڈ، امپالا، شیر ببر اور لیوپرڈ ملتے ہیں۔

(5) سیرنگال نیشنل پارک (تنزانیہ): اس کا رقبہ 5,600 مربع میل ہے۔ یہ زیادہ تر سوانا (Savanna) کے سبزہ زاروں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک مشہور نیشنل پارک ہے جس میں وائلڈ ایبسٹی (Wild Ebeste) کے بڑے بڑے گلے، زیبرا، ہاتھی، سیاہ گینڈے، ہارٹ ایبسٹی (Hart Ebesete) امپالا، تھامسن اور گرانٹ کے غزال، واٹر بک (سانبھر)، شیر ببر، چیتا، لیوپرڈ وغیرہ ملتے ہیں۔

(6) این گورنگورو کریٹر کنزرویشن ایریا (محفوظ علاقہ) (تنزانیہ): اس کا رقبہ تین ہزار مربع میل ہے۔ اس میں ہاتھی، سیاہ گینڈے، زیبرا، دریائی گھوڑا، بڑا جنگلی سور، زراف، ہارٹ ایبسٹی، وائلڈ بیسٹ، واٹر بک، تھامسن اور گرانٹ کے غزال، بش بک، ایلانڈ، بھینسہ، شیر ببر، لیوپرڈ، چیتا، چتی دار لکڑ بگھا (Spotted Hyaena) وغیرہ ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف اقسام کے پرند بھی ملتے ہیں۔

(7) سیرو نیشنل پارک (کینیا): اس کا رقبہ 8,084 مربع میل ہے۔ اس میں ہاتھی، سیاہ گینڈے، دریائی گھوڑے، زیبرا، زراف، ہارٹ ایبسٹی، وائلڈ بیسٹ، ایلانڈ، گرانٹ کے غزال، اورکس (Oryx)، چھوٹے (Lesser Kudu) واٹر بک، شیر ببر، لیوپرڈ وغیرہ ملتے ہیں۔

(8) نیروبی نیشنل پارک (کینیا): اس کا رقبہ 44 مربع میل ہے اور یہ شہر سے بالکل قریب واقع ہے۔ سیاہ گینڈے، زیبرا، دریائی گھوڑا، بے دار خوک، زراف، ہارٹ ایبسٹی، وائلڈ ایبسٹی، اسٹین باک (Stein Bock)، آبی سانبھر، امپالا، ایلانڈ، بھینسہ، شیر ببر، چیتا، مگرمچھ وغیرہ یہاں ملتے ہیں۔

(9) مرچی سن فالس نیشنل پارک (Murchisonfalls national park) (یوگانڈہ): اس کا رقبہ 1,557 مربع میل ہے۔ یہ دریائی جنگلات اور سبزہ زاروں سے بھرا پڑا ہے۔ اس میں ہاتھی، سیاہ گینڈے، سفید گینڈے، دریائی گھوڑا، زراف، ہارٹ ایبسٹی، اوری بی (Oribi)، کوب (kob)، آبی سانبھر، سرخ سانبھر، شیر ببر، چیتا، کولوبس بندر (Colobus Monkey)، چمپانزی، مگرمچھ اور مختلف اقسام کے پرند ملتے ہیں۔

(10) البرٹ (Albert) نیشنل پارک (کانگو): اس کا رقبہ 3,088 مربع میل ہے۔ یہ آتش فشانی روونزور (Ruwenzor) پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ہاتھی، دریائی گھوڑا، ٹوپی (Topie)، کوب (Kob)، آبی سانبھر، اوکاپی، شیر ببر، چیتا اور پہاڑی گوریلا ملتے ہیں۔

ایشیا میں مندرجہ ذیل نیشنل پارک ہیں:

(1) کازی رنگا (Kazi Ranga) نیشنل پارک، آسام (ہندوستان): اس کا رقبہ 166 مربع میل ہے۔ اس میں ہندوستانی گینڈا، ہاتھی، بھینسہ، دلدلی ہرن، شیر، چیتا، ریچھ وغیرہ ملتے ہیں۔

(2) گیر وائلڈ لائف سینکچوری (Gir Wild Life Sanctuary) (ہندوستان): اس کا رقبہ 1,229 مربع میل ہے۔ ہندوستانی شیر کی یہ آخری پناہ گاہ ہے۔ اس میں سانبھر، چیتل، نیل گائے، چکارا وغیرہ ملتے ہیں۔

(3) پیری یار (Periyar) وائلڈ لائف سینکچوری (ہندوستان): اس کا رقبہ 300 مربع میل ہے۔ اس میں ہاتھی، گور، سانبھر، شیر، ریچھ وغیرہ ملتے ہیں۔

(4) کاربٹ (Corbett) نیشنل پارک (ہندوستان): اس کا رقبہ 183 مربع میل ہے۔ یہ شیر، ہاتھی، چیتل، سانبھر، چیتا اور مگرمچھ کے لیے مشہور ہے۔

(5) چیتاوان رھائنو سیراس (Chitawan Rhineceros) سینکچوری (نیپال): اس کا رقبہ 293 مربع میل ہے۔ اس میں ہندوستانی گینڈے، ہاتھی، سانبھر، چیتل، منٹ جیک (Mint Jack)، شیر، ریچھ وغیرہ ملتے ہیں۔

(6) کھاؤ ای (Khao Yei) نیشنل پارک (تھائی لینڈ): اس کا رقبہ 783 مربع میل ہے۔ اس میں ہاتھی، گور (Guar)، شیر، ریچھ، اور گبن (ایک قسم کا

بندر) ملتے ہیں۔

(7) اڈلانگ کولانگ نیچر ریزرو (Udlong Kulong Natural Reserve) (انڈونیشیا): اس کا رقبہ 158 مربع میل ہے۔ جاوا کے گینڈے کی یہ آخری پناہ گاہ ہے۔ اس میں بانٹینگ (Banteng)، سانبھر، موس، آہو اور پانگ ملتے ہیں۔

(8) نکو (Nikko) نیشنل پارک (جاپان): اس کا رقبہ 543 مربع میل ہے۔ اس کے مناظر پرکشش ہیں۔ اس میں سیکا ہرن (Sika deer)، سیرو (Serow)، کالا ریچھ، جاپانی میکاک (Mecaque) اور ریکون (Raccoon) کتا ملتے ہیں۔

(9) سکھوٹے ایلن (Sikhote Alin) (روس): اس کا رقبہ 1,196 مربع میل ہے۔ اس میں واپٹی، سیکا ہرن، ایلک (Elk)، مشک ہرن، گورال (Goral)، جنگلی سور، امور شیر (Amur Tiger)، براؤن ریچھ، چیتا، سیاہ ریچھ، سیبل (Sable) وغیرہ ملتے ہیں۔

آسٹریلیا میں مندرجہ ذیل دو نیشنل پارک ہیں:

(1) ماؤنٹ کاسکیوسکو (Mount Koscuosko) نیشنل پارک: اس کا رقبہ 2,316 مربع میل ہے۔ یوکلپٹس کے جنگلات، کنگرو (کنگارو)، ووم باٹ (Wombat)، پلاٹی پس (Platypus)، کانٹے دار مور خور، لائیر برڈ (Lyre Bird)، باور برڈ (Bower Bird) وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

(2) بلو ماؤنٹ (Blue Mount) نیشنل پارک: اس کا رقبہ 262 مربع میل ہے۔ اس علاقہ میں پہاڑ اور گہری پہاڑیاں اور درّے پائے جاتے ہیں۔ اس میں بھورے کنگرو (کنگارو)، پلاٹی پس، کانٹے دار مور خور، لائیر برڈ، باور برڈ وغیرہ ملتے ہیں۔

من دھاتا: ریاست مدھیہ پردیش میں دریائے نربدا کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کی لمبائی ڈیڑھ میل ہے۔ اس جزیرہ پر اونچی اونچی پہاڑیاں واقع ہیں جن پر کئی مناور بنائے گئے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور شری اوم کرنیشور مہادیو کا مندر ہے۔ ہندوستان کی بارہ جوتی لنگوں میں سے ایک جوتی لنگ اسی جزیرہ میں ہے۔

منا: (1) یہ شمال مغربی فرنچ گیانا کا ایک شہر ہے جو دریائے منا کے جنوبی کنارہ پر دہانہ کے قریب واقع ہے۔ 1830 میں یہ مقام ایک فرانسیسی راہبہ کے قائم کیے ہوئے یتیم خانہ کی بنیاد پڑنے سے آباد ہوا تھا۔ 1948 کے بعد یہ آزاد کردہ غلاموں کا مقام رہائش بن گیا۔ یہاں اب جذامیوں (کوڑھیوں) کا ایک اقامت خانہ بھی قائم ہو گیا ہے۔

(2) یہ ایک ملیشیائی اصطلاح ہے جو قوت کے معنی رکھتی ہے۔

(3) یہ اتر پردیش (ہندوستان) کی سرحد پر ایک چھوٹا سا درّہ ہے۔

منار: یہ سری لنکا کے شمال مغرب میں ایک جزیرہ ہے جس تک ریل یا سمندر کے ذریعہ پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ ہندوستان کے جنوب میں بحر ہند میں واقع ہے۔ قرنہا قرن قبل یہ دراصل ہندوستان ہی کا ایک ٹکڑا تھا لیکن اب خلیج منار اور آبنائے پاک نے اسے ایک علیحدہ جزیرہ بنا دیا ہے۔ خود اس پایاب آبنائے میں اکیس میل کے فاصلے پر دو جزیرے منار اور رامیشورم بالمقابل واقع ہیں۔ سری لنکا سے منار اور ہندوستان سے رامیشورم تک ریل چلی گئی ہے۔ اس اکیس میل کے فاصلے میں جا بجا سمندر کی چٹانوں اور چھوٹے چھوٹے ٹاپوؤں کی ایک قطار چلی گئی ہے جو پل آدم کہلاتی ہے۔ خلیج منار سے موتی برآمد کیے جاتے ہیں۔

منار خلیج: خلیج منار، دھنش کوڈی کے بالکل جنوب میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں جزیرہ سری لنکا واقع ہے۔ اسی خلیج میں تامبر پرنی ندی جو تامل ناڈو کی مشہور ندی ہے، 120 میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جا ملتی ہے۔

مناسلو: یہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 26,760 فٹ بلند ہے۔

منالی: دیکھیے روہتانگ

منٹ: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

مینڈ ناؤ: فلی پائن کے جنوبی حصہ میں دوسرے نمبر کا بڑا جزیرہ ہے۔ اس کا ساحل ناہموار ہے۔ رقبہ 36,537 مربع میل ہے۔ شمالاً جنوباً یہ 293 میل چوڑا اور شرقاً غرباً 324 میل لمبا ہے۔ اس میں کئی جزیرہ نما اور خلیجیں ہیں۔ اکثر جگہ شکستہ پہاڑی علاقے اور آتش فشانی سلسلے موجود ہیں۔ سب سے اونچا ماؤنٹ اپو ہے جو سطح سمندر سے 6,990 فٹ بلند ہے۔ یہ اب بھی آتش فشانی کرتا رہتا ہے۔ یہاں کے بندروں کو کھانے والے عقاب ساری دنیا میں مشہور ہیں۔

منڈیر: بحری فرش پر ریت، مٹی یا سنگ ریزوں سے بنی ہوئی ماہی پشت ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے اسے مختلف نام دیے جاتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

لنگر گاہی منڈیر بندرگاہ کے دہانہ پر واقع ہوتی ہے۔ پیش ساحل منڈیر ساحل کے متوازی پھیلی رہتی ہے۔ خلیجی پانی میں دور تک پھیلی ہوئی دو راسوں کو جوڑنے والی دیوار کو خلیجی منڈیر کہا جاتا ہے۔ اس کے مسلسل پھیلاؤ سے بعض اوقات پوری خلیج ہی بھر جاتی ہے۔ کبھی اس طرح کی منڈیر میں مدو جزری حرکت یا خشکی سے آنے والی پانی کی تیز دھاروں سے جگہ جگہ رخنے پڑ جاتے ہیں۔ دریائی دہانہ کی منڈیر بھی ایسے ہی مناظر پیش کرتی ہے۔ برِ اعظم اور قریبی جزیرہ کے درمیان پھیلی ہوئی اس نوعیت کی بلندی "تومبولو" کہلاتی ہے۔ اکثر منڈیریں مدّ کے وقت غرق آب ہو جاتی ہیں۔

منڈیلو (Mindelo): بحر اوقیانوس میں یہ جزائر کیپ ورڈے (Cape Verde) کا اہم شہر اور بندرگاہ ہے۔ جزیرہ کے مغربی ساحل سے تقریباً 40 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کی لنگر گاہ خلیج بورٹو گرانڈی (Bort Grande) کے گہرے پانی میں قائم کی گئی ہے۔ آبدوز کیبل اسٹیشن ہے۔ 1970 میں آبادی 10,622 تھی۔

منس بل (مانس بل جھیل): کشمیر میں سری نگر سے 29 کلو میٹر کے فاصلے پر منس بل خوبصورت اور صاف و شفاف پانی کی جھیل ہے۔ موسم بہار میں بڑی تعداد میں اس میں کھلے ہوئے زرد سرسوں کے پھول ایک نا فراموش جادو کا سا اثر پیدا کرتے ہیں۔

منشور (Prism): یہ ایسا قلم ہے، جس کے رخ عمودی محوروں کے متوازی ہوتے ہیں لیکن اس کے رخ دونوں افقی محوروں سے ملتے ہیں۔ ایسی شکل کو منشور کہا جاتا ہے۔

منشوری قطب نما: یہ گول ڈبیہ کی شکل کا قطب نما سروے کے کام آتا ہے۔ اندر مرکز پر عموداً کھڑی ہوئی کیل کے سہارے ایک دھاتی حلقہ آزادانہ جھولتا رہتا ہے۔ حلقہ پر صفر سے 360° تک کے نشانات الٹے ہندسوں میں لکھے رہتے ہیں۔ حلقہ کے وسط میں ایک دھاتی پتی قطر کی طرح لگی رہتی ہے۔ پتی کے نیچے ایک مقناطیسی سوئی جوڑ دی جاتی ہے۔ ڈبیہ کے محیط پر کیس میں ایک منشور لگا رہتا ہے۔ سامنے دیکھنے کے لیے کیس میں ایک روزن بنا رہتا ہے۔ کیس کے سامنے محیط پر ایک جھری ہوتی ہے۔ جھری کے وسط میں عموداً ایک تار یا بال لگا دیا جاتا ہے۔ اس قطب نما کو اسٹینڈ پر ہموار سطح میں رکھ کر کسی بھی چیز کے مقناطیسی شمال کی اضافت سے بننے والے زاویہ کو منشور اور روزن سے مقابل کے بال کی سیدھ میں دیکھ کر حلقہ پر پڑھا جا سکتا ہے۔ اس طرح ایک ہی مقام سے یا مختلف مقامات سے متعدد چیزوں کے اضافی زاویے معلوم کر کے انٹر سیکشن، ریسکشن، کلوز ٹراورس یا اوپن ٹراورس بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

منطقی محور (Zone Axis): کئی قلموں کی جانچ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے رخ ایسے ہوتے ہیں کہ بعض رخوں کے ملنے یا کٹنے سے جو کنارے تیار ہوتے ہیں، وہ اکثر ایک دوسرے کے متوازی ہوتے ہیں اور اس قسم کے رخ ایک منطقہ تیار کرتے ہیں اور وہ خط جس سے رخ کے کنارے متوازی ہوتے ہیں، اس کو منطقی محور کہتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال کوارٹز (Quartz) کی قلم ہے۔ جس کے چھ رخ متوازی کناروں پر ملتے ہیں اور اس کے اوپری حصے پر عام طور پر چھ کونے رخ کا سٹ تیار ہوتا ہے۔ چھ کونی رخ متوازی کناروں سے نہیں ملتے اور یہی چھ رخ مل کر منطقہ تیار کرتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل شکل میں دکھلایا گیا ہے۔

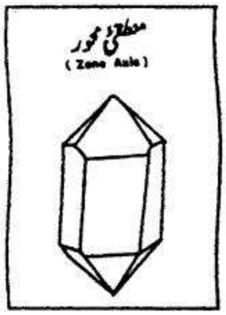

منطقہ فشار: خط فشار کا ہم معنی ہے۔

منطقہ معتدلہ کا ریگستانی خطہ: یہ خطہ یوریشیا کے اندرونی حصہ میں واقع ہے۔ اس کی سرحدوں پر مغرب میں گرم ریگستانی اور رومی خطے، شمال میں منطقہ معتدلہ کے گھاس کے علاقے، مشرق میں سینٹ لارنس یا چینی آب و ہوا کے خطے بتدریج اپنی انفرادیت ختم کر دیتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں کوہستان راکی کی محصور سطح مرتفع اور جنوبی امریکہ میں پیٹاگونیا کے علاقے بھی اسی خطہ میں شامل ہیں۔

یہ تمام علاقے سمندر کے اعتدالی اثر سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے موسم گرما میں ان پر ہوا کے کم دباؤ کے مراکز اور موسم سرما میں زیادہ دباؤ کے مراکز قائم ہو جاتے ہیں۔ ان میں سالانہ تفاوت حرارت بہت زیادہ رہتی ہے۔ بارش سال میں بالعموم "15 سے کم ہوتی ہے۔ خط استوا سے دوری اور سطح سمندر سے بلندی کے اختلافات کے پیش نظر اس خطہ کے دو ثانوی حصے کیے جاتے ہیں۔ ایک ثانوی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

حصہ تحتی خطہ اور دوسرا ایرانی خطہ کہلاتا ہے۔

منطقہ معتدلہ کے باد گولے: یہ بالخصوص موسم سرما میں بحر اوقیانوس شمالی میں زیادہ چلتے ہیں اور ٹراپیکل باد گولوں سے بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن شرح تغیر دباؤ ان میں مقابلتاً کم رہتی ہے۔ بالعموم یہ "بیضہ" نما ہوتے ہیں اور مخالف باد گولے ان کے پیچھے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ محوری حرکت زمین اور حرارت رسائی سے نہیں بنتے۔ ان کے طرز تشکیل کے تعلق سے دو نظریے پیش کیے جاتے ہیں۔

(1) **حرکیاتی نظریہ:** اس میں یہ بتایا گیا کہ زیادہ دباؤ کی پٹی کے مقابل مختلف درجہ حرارت اور دباؤ والی ہوا کی رووں کے اجتماع سے باد گولے تشکیل پا کر حرکیاتی قوت حاصل کر لیتے ہیں۔

(2) **قطبی محاذ کا نظریہ:** اس کے تحت گرم اور ہلکی استوائی ہوا کے نیچے قطبی سرد اور بھاری ہوا کے گھس جانے سے باد گولے تشکیل پا جاتے ہیں۔

منطقہ معتدلہ کے باد گولے تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(1) **حرمی:** یہ حرارت اور دباؤ کے اختلافات سے بنتے ہیں۔

(2) **تمازتی:** یہ جزیرہ نماؤں کے نواح میں تری کے مقابلتاً سرد پھیلاؤ سے رونما ہوتے ہیں اور جزیرہ نما اسپین، الاسکا اور شمال مغربی آسٹریلیا میں زیادہ چلتے ہیں۔

(3) **عارضی (موسمی):** یہ حرارت رسائی سے مختصر مدت کے لیے بنتے ہیں اور عمل تکاثف کے دوران حرارت مخفی کے اخراج کے باعث قائم رہتے ہیں۔

یہ سارے باد گولے مغربی ہواؤں کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ ان کی آمد سے قبل سطحی بادلوں کی پتلی پتلی متوازی چادریں افق سے پھیلنے لگتی ہیں۔ ہوا کا دباؤ گھٹتا ہے، سمتیں بدلتی ہیں اور چاند، سورج کے گرد "ہالہ" سا بن جاتا ہے۔ ان کے پہنچتے ہی ترشح کے بعد زور کی بارش کے ساتھ تیز ہوا چلنے لگتی ہے۔

گرم محاذوں کے پہنچنے پر دباؤ کی تخفیف کے ساتھ بارش بند ہو جاتی ہے۔ مرکزی حصوں کے گزرتے وقت مطلع صاف اور موسم خوشگوار ہو جاتا ہے۔ گرم قطعہ کے گزر جانے کے بعد تخفیف حرارت سے بادل پھیل جاتے ہیں اور بجلی کی چمک اور گرج کے ساتھ بارش ہونے لگتی ہے اور اولہ باری بھی ہو جاتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں سرد محاذ کے گزر جانے پر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

ثانوی باد گولہ: یہ مکمل باد گولہ کے حاشیہ کا چھوٹا سا باد گولہ کم دباؤ کے ذیلی مرکز کے بن جانے سے رونما ہوتا ہے۔

مخالف باد گولہ: یہ ہوا کا ایسا نظام ہے جس کے وسطی پرسکون حصہ میں دباؤ زیادہ اور باہر کی طرف کم ہوتا ہے۔ اس میں خطوط مساوی البار بیضوی ہوتے ہیں۔ اندرونی حصہ سے لطیف ہوائیں باہر کی طرف چلتی ہیں۔ یہ اندرونی ہوائیں شمالی نصف کرہ میں گھڑی کی سوئیوں کی موافق سمت میں اور جنوبی نصف کرہ میں مخالف سمت میں چلتی ہیں۔ اس کی حرکت کی سمت معین نہیں ہوتی۔ کئی کئی دن تک یہ ایک ہی حالت میں رہ سکتا ہے۔ بعض اوقات یہ دوران حرکت ہی غائب بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی آمد خوش گوار موسم کا پتہ دیتی ہے۔ بعض مخالف باد گولے سرد اور بعض گرم بھی ہوتے ہیں۔ ان کی نوعیت حری، ملکی یا شعاع ریز ہوتی ہے۔

وتج (Wedge): یہ مرکزی زیادہ دباؤ کا ایک تکونا نظام ہے۔ اس کے قاعدہ کے وسط میں دباؤ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ راس اور پہلوؤں کی جانب یہ کم ہوتا جاتا ہے۔ جن بادلوں میں یہ پھیلتا ہے انھی کے ساتھ حرکت بھی کرتا ہے۔ اس کے اگلے حصہ میں آسمان چمکدار اور نیلگوں دکھائی دیتا ہے۔

بیضہ نما مرکزی کم دباؤ کا نظام: یہ مرکزی کم دباؤ کا ایک تکونا نظام ہے جس کے قاعدہ کے مرکز پر دباؤ سب سے کم اور راس اور پہلوؤں کی جانب زیادہ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ شدید گرجدار طوفان باد و باراں بھی آ جاتے ہیں۔

ٹارنیڈوز: یہ باد و باراں کے شدید طوفان، بحر اوقیانوس کے گرم سیر علاقہ میں چلتے ہیں اور افریقہ کے مغربی ساحل اور مسی سپی اور اوہایو کے علاقوں کو کافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں ہوائیں مستقلاً اپنی سمتیں بدل کر گھومتی ہوئی چلتی ہیں۔

کال یا سیڈل (زین): یہ دو باد گولوں یا مخالف باد گولوں کے درمیان دباؤ کا زین نما پھیلاؤ ہے۔ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان کا ورہ یا دو وادیوں کے درمیان کا بلند ترین حصہ بھی "کال" ہی کہلاتا ہے۔

منگلور: ریاست کرناٹک میں مغربی ساحل کے نشیبی علاقہ کا ایک اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں کھاد بنانے کا ایک چھوٹا کارخانہ قائم کیا گیا ہے۔

منگولیا (Mongolian Peoples' Republic): ایشیا کی ایک آزاد اور سوشلسٹ جمہوریہ ہے جو روس اور چین کے درمیان واقع ہے۔ اسے باہری منگولیا یا صرف منگولیا بھی کہتے ہیں۔ اس کا رقبہ 1,566,500 مربع کلو میٹر (604,000 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

2,250,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام اُلن بتور (Ulan Bator) ہے۔ سرکاری بول چال کی زبان خلخا منگولین (KhalKha Mongolian) ہے۔ مذہب لامائی بدھ مت ہے۔ منگولیا کا زیادہ تر حصہ بنجر ہے۔ اور وسیع سطح مرتفع پر واقع ہے۔ جس کی بلندی 910 میٹر سے 1,520 میٹر (تین ہزار سے پانچ ہزار فیٹ) تک ہے۔ یہاں کے باشندے روایتاً خانہ بدوشوں کی زندگی گزارتے ہیں اور چراگاہوں پر گزر بسر کرتے رہے ہیں۔ صرف جنوبی منگولیا کے دریائے زرد کی وادی ہی کا علاقہ ایسا ہے جہاں تجارتی اہمیت کی زرعی پیداوار ہوتی ہے۔ وسطی منگولیا سارے کا سارا صحرائے گوبی پر مشتمل ہے اور بالکل غیر مزروعہ ہے۔ مویشیوں کی افزائش نسل اور پرورش اور چمڑے اور اون کی اشیا کی تیاری یہاں کی مخصوص صنعت ہے۔ کوئلہ اور لگنائٹ کی کان کنی ہوتی ہے اور سیمنٹ کے کارخانے ہیں۔ برآمدات کا 27 فی صدی مویشی، 19 فی صدی گوشت اور 16 فی صدی اون ہے اور اس کا 79 فی صدی روس اور بقیہ چیکوسلواکیہ اور بعض دوسرے سوشلسٹ ملکوں کو برآمد کیا جاتا ہے۔ درآمدات بھی 90 فی صدی روس سے ہی آتی ہیں۔ 1991 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں 154,600 طالب علم اور 6,230 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 245,600 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 13,223 طالب علم تھے۔

تاریخ: کسی زمانے میں شمالی ایشیا کا سارا علاقہ منگول حملہ آوروں کی زد میں تھا۔ ان کے سوار دستے دور دراز ملکوں تک پہنچتے اور بزور شمشیر ان علاقوں کو زیر کیا کرتے تھے۔ اس طرح انھوں نے کئی سلطنتیں قائم کیں، تاہم یہ سلطنتیں دیرپا ثابت نہ ہوئیں۔ پہلی صدی عیسوی میں یہاں متعدد ترک قبیلے آباد تھے۔ ان کے علاوہ یہ سی انگ نو (Hsiung-Nu) باشندوں کا بھی، جو غالباً ہُن تھے، وطن رہا ہے۔ یہ لوگ پہلی اور پانچویں صدی عیسوی کے درمیان شمالی چین کو اپنے حملوں کا نشانہ بناتے رہے۔ یوگر (Uigur) ترکوں نے یہاں اپنی پہلی سلطنت (744-856) قائم کی جس کا دار الخلافہ قراقرم سے قریب مغربی منگولیا میں واقع تھا۔ خِطن (Khitan) کے باشندے بھی، جنھوں نے شمالی چین میں خاندان لیاؤ (Liao) کی بنیاد ڈالی تھی، یہیں کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد یہاں متعدد چھوٹی چھوٹی علاقائی ریاستیں قائم ہوتی رہیں۔ تا آنکہ چنگیز خان نے غالباً 1205 میں سارے منگولیا کو اپنے تسلط میں لاکر اور تمام قبیلوں کو متحد کرکے ایسی عظیم الشان اور وسیع سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کا مقابلہ تاریخ عالم کی چند ہی سلطنتیں کر سکتی تھیں۔ اس کے دور میں بہ حیثیت ایک طاقتور اور متحد قوم کے منگولوں کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ مغرب میں یورپ اور مشرق میں چین تک تقریباً سارا علاقہ بلا مبالغہ اس کے زیر اثر تھا۔ چنگیز خان کے بعد اس کے بیٹوں نے 1260 تک تقریباً سارے یوریشیا کو اپنے قبضہ اور تسلط میں لے لیا۔ یہ عظیم قلمرو چار خاندانوں میں منقسم تھی۔ ایک حصہ میں سارا چین، کوریا اور مشرقی ایشیا کا بہت بڑا حصہ شامل تھا۔ یہ علاقہ خان اعظم کا علاقہ کہلاتا تھا۔ جو کُبلائی خان کے زیر اقتدار یو آن خاندان (1260-1368) کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسرا حصہ ترکستان کا تھا جہاں چغتائی خانوادہ حکمراں تھا۔ تیسرا جنوب مشرقی روس کا وہ علاقہ جسے باتو خاندان نے فتح کیا تھا اور جو کپچک (Kipchak) خاندان یا زریں اردو (Golden Hordes) کہلاتا تھا۔ چوتھا گھرانہ جو ہلاکو کہلاتا تھا، ایران پر قابض تھا۔ منگول جرگہ میں، خاص طور پر ان میں جنھوں نے روس کو فتح کرکے ہنگری اور جرمنی میں پیش قدمی کی تھی، ترک نسل کے لوگ بھی شامل تھے۔ یہ بہ حیثیت مجموعی تاتاری کہلانے لگے۔ تیمور لنگ جس نے چودھویں صدی عیسوی میں چغتائی علاقہ پر قبضہ کرکے ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی اپنے آپ کو چنگیزی نسل سے ہی بتلاتا تھا۔ اس طرح بابر بھی تاتاری النسل تھا، جس نے سولھویں صدی میں ہندوستان کے اندر مغل سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ 1382 تک چین میں منگولوں کا بالکلیہ صفایا کر دیا گیا اور اس کے بعد سے یہ قوم نسبتاً گوشۂ گمنامی میں چلی گئی۔ منگول سلطنت کے زوال کے بعد عالمی سطح پر بھی اس کا اثر و نفوذ کم ہو گیا۔ چین نے، جو قبل ازیں اندرونی منگولیا پر اپنا تسلط جما چکا تھا، سترھویں صدی میں بیرونی منگولیا کو بھی اپنے زیر نگیں لے لیا۔ تاہم اسے اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے جاپان اور روس سے برسرپیکار ہونا پڑا۔ 1921 میں بیرونی منگولیا بالآخر علیحدہ ہو گیا اور عوامی جمہوریہ منگولیا (Mongolian Peoples Republic) کے نام سے اپنی خود مختار ریاست قائم کر لی۔ 1949 میں چینی کمیونسٹوں نے اندرونی منگولیا کے ایک بڑے حصہ کو شمالی ریہے (Rehe) اور مغربی ہیلنگ جیانگ (Heilong Jiang) کے صوبوں سے ملا کر اندرونی منگولیا کا ایک خود مختار علاقہ تشکیل دیا۔

بیرونی منگولیا کی ابتدائی تاریخ عام منگولوں ہی کی تاریخ ہے۔ سترھویں صدی سے 1911 تک یہ علاقہ چین کے زیر اقتدار رہا۔ اس سال منگول کے بعض بااثر شہزادوں نے متحد ہو کر مانچو حکومت کا جوا اتار پھینکا اور اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ 1919 میں روس کے شدید احتجاج کے باوجود چینیوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن 1921 میں اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ کچھ دنوں تک تو یہاں شاہی طرز حکومت ہی قائم رہی لیکن 1924 جب بدھ مت کے سب سے بڑے حکمراں پیشوا کا انتقال ہوا تو لساوات حاصلہ سے شدید کشمکش کے بعد کمیونسٹوں نے یہاں جمہوریہ قائم کر دی۔ 1936 میں روس سے اس کا باہمی امداد کا معاہدہ طے پایا اور اس طرح دونوں ملکوں کے قریبی تعلقات کو بڑھاوا ملا۔ 1940 میں یہاں ایک

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

نیا دستور نافذ کیا گیا۔ جس سے کیمونسٹ حکومت کی بنیادیں اور بھی مضبوط ہو گئیں۔ جاپان کے خلاف دوسری عالمی جنگ کے دوران منگولیا کی فوجوں نے روس کا ساتھ دیا۔ 1945 میں سوویت۔ چین معاہدہ کی بنا پر وہاں استصواب عامہ مقرر کیا گیا جس میں وہاں کے باشندوں کی بڑی بھاری اکثریت نے خود مختاری اور آزادی کی تائید میں رائے دی۔ 1947 میں سوویت یونین نے منگولیا کو اقوام متحدہ کی رکنیت دینے کی سفارش کی جو اس وقت منظور تو نہیں ہوئی تاہم 1961 میں اسے اقوام متحدہ کا رکن منتخب کر لیا گیا۔ 1962 میں ایک معاہدہ کے ذریعے چین اور بیرونی منگولیا کی سرحدوں کا تعین کیا گیا۔ سوویت روس اور کیمونسٹ چین کے نظریاتی تنازعہ میں منگولیا نے سوویت روس کی حمایت کی اور 1966 میں اس نے سوویت یونین سے دوستی اور اشتراک کے ایک بیس سالہ معاہدہ پر دستخط کیے۔

منگھیر: منگھیر بہار کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے جس کا ذکر رزمیہ مہابھارت میں بھی ملتا ہے۔ جس میں یہ موداگیری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ قدیم زمانہ میں مشرقی ہند کی حکومت کی راجدھانی تھا۔ اس میں ایک قدیم قلعہ بھی ہے جو سیاحوں کا مرکز نظر بن گیا ہے۔

منی پور: منی پور ہندوستان کی شمال مشرقی سرحد پر ناگالینڈ کے جنوب میں واقع ہے۔ میںنمار اس کے مشرق اور جنوب میں، میزورام اس کے جنوب مغرب میں اور آسام اس کے مغرب میں واقع ہیں۔ منی پور انڈین یونین میں شامل ہونے سے پیشتر ایک شاہی ریاست تھی۔ 21 جنوری 1972 کو یہ انڈین یونین کی ایک ریاست قرار دی گئی ہے۔

منی پور ایک پہاڑی ریاست ہے۔ اس کا نوے فیصدی حصہ پہاڑیوں پر مشتمل ہے اور صرف دس فیصدی حصہ میدانی ہے جو دو فصل منی پور وادی کہلاتا ہے۔ یہ ریاست کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ اس کا رقبہ 1,020 مربع کلو میٹر ہے اور سطح سمندر سے اس کی اوسط اونچائی 750 میٹر ہے۔ 1991 میں اس کی آبادی 1,837,149 تھی۔ اس کی شکل بیضوی ہے اور یہ ہر طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ منی پور کی راجدھانی شہر امفال ہے۔ چونکہ منی پور کا ڈھال شمال سے جنوب کی جانب ہے اس لیے اس کے سب دریاؤں کا رخ بھی شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ اس کے جنوب میں کئی جھیلیں ہیں۔ اس کی اہم جھیلیں لوک ٹاک، ایکوپ اور وائی تھو ہیں۔ سب سے بڑی جھیل لوک ٹاک ہے۔ یہ ساری جھیلیں ماہی گیری کے لیے مشہور ہیں۔

اس کے اہم دریا امفال، ایریل، تھوبال، ایرانگ اور باراک ہیں جن کا رخ شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ زراعت یہاں کے باشندوں کا خاص پیشہ ہے اور زیر کاشت رقبہ کے نوے فیصدی حصہ پر یہاں چاول کی کاشت ہوتی ہے۔

منی پور روڈ درّہ: ریاست منی پور کا ایک بلند پہاڑی راستہ ہے جو منی پور دریا کی وادی میں شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ یہ سطح سمندر سے 2,600 فٹ بلند ہے۔ اس راستہ پر لوکتک نامی ایک جھیل بھی واقع ہے، جس میں سنگھاڑے (نرکل) بکثرت اگتے ہیں۔ اس کا رقبہ 25 مربع میل ہے۔ دریائے منی پور کو اسی جھیل سے پانی پہنچتا رہتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپانیوں نے اسی راستہ سے گزر کر ہندوستان پر حملہ کرنے کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔

منیاپولس (Minneapolis): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست منی سوٹا (Minnesota) کے جنوب مشرقی علاقہ میں اور سینٹ پال (Saint Paul) کے عین مغرب میں، دریائے مسی سی پی کے دونوں کناروں پر واقع اس کے بعد ریاست کا سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ہے۔ ریلوے کے ذریعے یہ شکاگو اور ملواکی سے مربوط ہے۔ شہر سے 8 میل کے فاصلہ پر ایک بین الاقوامی ہوائی اڈہ واقع ہے۔ دریائے مسی سی پی سے تجارتی سامان کے حمل و نقل کا کام لیا جاتا ہے۔ یہاں چودھویں آرمی کور (محفوظ) کا مستقر ہے۔ اس کے علاوہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ہوائی فوج کے کچھ حصے بھی یہاں رکھے جاتے ہیں۔ شہر کے جنوبی حصے سے جھیل منی ٹونکا ملحق ہے۔ اس کے علاوہ یہاں 6 جھیلیں اور 153 پارک ہیں۔

منیاپولس، بالائی مڈل ویسٹ کا اہم صنعتی، تجارتی اور مالیاتی مرکز ہے۔ فیڈرل ریزرو بنک ضلع کا یہاں مستقر ہے۔ ریاست ہائے متحدہ میں یہ گندم کا سب سے بڑا مارکٹ ہے۔ یہاں آٹا، نیز اناج سے بنی ہوئی دوسری اشیا تیار کی جاتی ہیں۔ السی کا تیل اور اس کی کھلی بھی یہاں تیار کی جاتی ہے۔ یہاں کی صنعتی پیداوار میں برقی مشینری، فرنیچر، کنفکشنری، مشین بنانے کے کارخانوں کی ضروریات کی اشیا، لوہے کا آرائشی اور عمارتی سامان، ریل سے متعلقہ سامان اور کپڑا شامل ہیں۔ یہاں منی سوٹا یونیورسٹی، آگس برگ کالج، اسکول آف آرٹس، تجارتی تعلیم گاہ، آرٹ سنٹر، پبلک لائبریری وغیرہ ہیں۔ اس شہر کی بنیاد انیسویں صدی میں پڑی تھی۔

منیلا: فلپائن کا اہم شہر، بندرگاہ اور بڑا تجارتی مرکز ہے۔ 1971 میں آبادی ساڑھے گیارہ لاکھ کے قریب تھی۔ اس کے شمال مشرق کا مضافاتی علاقہ کیزون شہر ہے جو باضابطہ قومی پایہ تخت ہے لیکن حکومت کے زیادہ تر کام منیلا میں انجام پاتے ہیں۔ یہاں پر ایک آریت پہاڑ ہے جو بہت ہی مقدس مانا جاتا ہے۔

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

منیلا آبادی کے لحاظ سے 14 غیر مساوی ضلعوں میں منقسم ہے۔ یہاں کی آب و ہوا نشیبی علاقے کی طرح کی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں پر خانگی صنعتی اسکول، کالج اور کئی یونیورسٹیاں ہیں۔ تجارتی اور صنعتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی کا ایک تہائی حصہ صنعتی مزدوروں پر مشتمل ہے۔ یہاں کی صنعتوں میں پارچہ بانی، کھانے کی چیزیں ڈبوں میں محفوظ کرنے، جہاز سازی، تیل، کیمیائی اشیاء وغیرہ کی صنعتیں شامل ہیں۔

دوسری جنگ عظیم سے پہلے یہاں ہسپانیوں کی بنائی تاریخی عمارتیں اور گرجا گھر تھے۔ جنگ میں ان میں سے اکثر تباہ ہوگئیں۔ جنگ کے بعد کئی شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں جن میں مرکزی ڈاک خانہ، سٹی ہال، پارلیمنٹ کی عمارت اور صدر کا محل نہایت شاندار ہیں۔

1571 میں یہاں ہسپانوی مشنریوں نے ایک کالونی آباد کی۔ 1762 میں اس پر انگریزوں نے قبضہ جمایا لیکن دو سال بعد پھر ہسپانیوں کو لوٹا دیا۔ ہسپانیہ اور امریکہ کے درمیان لڑائی کے بعد اس پر امریکیوں کا قبضہ ہو گیا۔ بیرونی قبضے کے خلاف مقامی لوگوں نے کئی بغاوتیں کیں۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران 1942 سے 1945 تک اس پر جاپانیوں کا قبضہ رہا۔ جنگ کے بعد اسے آزادی ملی اور شہر کو پھر سے تعمیر کیا گیا۔ اس کا شمار ایشیا کے سب سے خوبصورت شہروں میں ہوتا ہے۔

موج شکستہ: جب موج ساحل کے قریب پہنچتی ہے تو بر اعظمی حاشیہ کے اتھلے پانی میں چھلانگ لگا دیتی ہے۔ یہاں اس کی رفتار میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے اگلے حصہ میں انعطافی کیفیت ہوتی ہے۔ نتیجتاً پچھلا حصہ اس پر چڑھ جاتا ہے اور چوٹی کو ساحل کے متوازی موڑ دیتا ہے۔ اگلا حصہ زیادہ سلامی دار ہو جائے تو چوٹی بے سہارا ہو کر اگلے حصہ پر گر پڑتی ہے اور ساحل پر ٹوٹ کر پانی کو زور دار آواز کے ساتھ کافی بلندی تک اچھال دیتی ہے۔ اس صورت کو موج شکستہ کہا جاتا ہے۔

موجی یا لہری نشانات (Ripple Marks): ہوا یا پانی کے بہاؤ کے اثر سے جو نشانات رسوب کی پرتوں کی اوپری سطح پر بن جائیں وہ موجی یا لہری نشانات کہلاتے ہیں۔

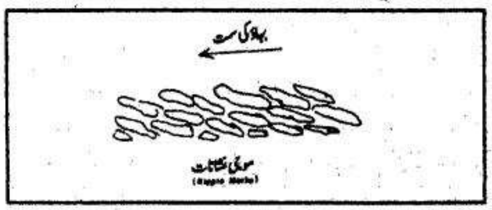

اہتزازی رو (Oscillatory Current) کے باعث یہ نشانات متشاکل (Symmetrical) ہو جاتے ہیں اور یک سمتی (Directional) رو کے باعث نامتشاکل (Asymmetrical)۔ موخرالذکر صورت میں موجی نشانات سے بہاؤ کی سمت کا پتا لگایا جا سکتا ہے کیونکہ ان نشانات یا ابھاروں کے جھکاؤ کا زاویہ (Slope Angle) بہاؤ (پانی یا ہوا کے) کی سمت میں زیادہ رہتا ہے۔ ان نشانات کی چوٹیاں (Crests) نکیلی بھی ہو سکتی ہیں اور گول اور چکنی (Smooth) بھی۔ یہ ساخت قدیم موجوی یا روی تجزیات (Palaro-Current Analysis) کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی ہے۔

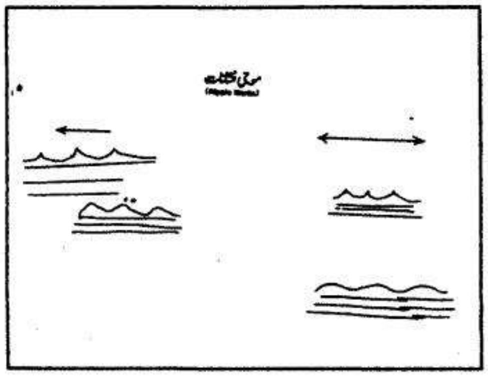

موجیں: یہ آبی سطح پر تیز ہوا کی رگڑ سے پیدا ہونے والے پانی کے اتار چڑھاؤ ہیں جو ہوا کی سمت میں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن کسی بھی موج کا پانی زیادہ آگے نہیں بڑھتا۔ ہر موج کی چوٹی کے قطرات کچھ ہوا کے رخ میں حرکت کرتے ہیں لیکن اگلے حصہ کا اوپر اٹھتا ہوا پانی انھیں آگے بڑھنے سے روک دیتا ہے۔ پچھلے حصہ میں پانی کے قطرے نیچے کی طرف اترتے ہیں اور نشیب میں پہنچ کر پچھلی موج کے اگلے حصہ پر اوپر اٹھنے لگتے ہیں۔ اس طرح موج کے تمام آبی قطروں میں ایک اہتزازی حرکت قائم ہو جاتی ہے۔ دو متصلہ موجوں کی چوٹیوں کے درمیان کا افقی فاصلہ موج کے طول کو ظاہر کرتا ہے۔ چوٹی اور نشیب کے درمیان کے عمودی فاصلہ سے اس کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔

موودوملائے سینکچوری: کرناٹک میں بانڈی پور کے قریب جنگلی جانوروں کی یہ ایک مشہور محفوظ رہائش گاہ ہے جس کا رقبہ 295 کلو میٹر ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مودی نگر (Modi Nagar): ریاست اترپردیش کے ضلع میرٹھ میں مودی نگر ایک بڑا صنعتی مرکز ہے، جہاں پارچہ بافی، فولاد اور نائیلان کا دھاگہ (Nylon) وغیرہ کی صنعت کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔

مورنی: یہ ہندستان میں ہریانہ اسٹیٹ کی ایک پہاڑی ہے۔ اسے اکثر مقامی پہاڑیوں کی "ملکہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مورونی (Moroni): یہ بحر ہند میں جزائر کومورو (Comoroo) (افریقہ) کا صدر مقام، بندرگاہ اور تجارتی مرکز ہے۔ ونیلا (Vanilla)، کوکو اور کافی کی تجارتی منڈی ہے۔ چیونڈا (Cheonda) نامی مسجد قابل دید ہے۔ آبادی گھنی ہے۔ اس شہر کی آبادی تقریباً 25,000 ہے۔ یہاں ایک بین الاقوامی ہوائی اڈہ بھی ہے۔

موزمبیق (Mozambique): موزمبیق افریقہ کا ایک آزاد ملک ہے۔ اس کا پورا مشرقی علاقہ بحر ہند پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں تنزانیہ، مغرب میں زمبابوے، زیمبیا اور ملاوی اور جنوب میں جنوبی افریقہ اور سوازی لینڈ واقع ہیں۔

موزمبیق کا کل رقبہ 801,590 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 16,084,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام میپوتو (Maputo) ہے۔ بیریا اس کا ایک اہم بندرگاہ ہے۔ عام زبان بنٹو (Bantu) ہے۔ پرتگالی بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ آبادی کے 70 فیصدی کا مذہب قدیم افریقی مذاہب ہے۔ 15 فیصدی عیسائی اور 13 فیصدی مسلمان ہیں۔ ہندوستانیوں کی بھی کافی تعداد ہے۔

یہاں کے اہم دریا روما (Rovuma)، پنگوے، بوسی وغیرہ ہیں۔ پورا علاقہ انتہائی سرسبز ہے۔ بڑے بڑے جنگل ہیں۔ ساگوان کی لکڑی بڑے پیمانے پر حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ناریل، نارنگی، لیموں، کالی مرچ، کاجو، چاول، روئی اور تمباکو کی کاشت ہوتی ہے۔ جنگلوں میں افریقہ میں پائے جانے والے جانور خاص طور پر ہاتھی بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ صنعتوں میں سیمنٹ اور تیل کی مصنوعات اہم ہیں۔

موزمبیق کا رائج سکہ ایس کیوڈو (Escudo) ہے۔

درآمدات زیادہ تر جنوبی افریقہ، پرتگال، جرمنی، جاپان، برطانیہ امریکہ، فرانس اور سعودی عرب سے آتی ہیں۔ اور برآمدات پرتگال، امریکہ، جنوبی افریقہ، ہندوستان وغیرہ کو جاتی ہیں۔ زیادہ تر کاجو، روئی، شکر، کھانے کے تیل اور کانوں سے نکالے ہوئے کچے مال برآمد کیے جاتے ہیں۔ درآمدات کپڑے، کوئلے، ریلوے کا سامان، لوہے اور فولاد، پٹرول اور چاول وغیرہ ہیں۔ بارہ سو کلو میٹر لمبی ریلوے لائنیں اور سولہ ہزار کلو میٹر سڑکیں ہیں۔

تاریخ: مغربی ملکوں کے افریقہ میں داخلے سے پہلے کی تاریخ کا کچھ حال نہیں ملتا ہے۔ شروع سولھویں صدی میں پرتگالیوں نے ساحلی علاقے میں کچھ اپنی بستیاں قائم کیں اور پھر پورے ساحلی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ جب ہالینڈ نے 1640 اور 1648 کے درمیان انگولا کی پرتگالی نوآبادیوں اور کاروباری اداروں پر قبضہ کر لیا تو پرتگال کے غلاموں کے تاجروں نے اپنا کاروبار موزمبیق منتقل کر دیا اور یہاں پر اپنی گرفت اور زیادہ وسیع اور مضبوط کر لی۔ 1878 میں غلاموں کی تجارت بند ہو گئی۔ مرطوب اور گرم آب و ہوا کے باوجود بڑی تعداد میں پرتگالی یہاں آتے اور بستے رہے۔ ایشیا اور خاص طور سے ہندوستان سے بھی کافی لوگ لائے گئے۔ 1962 تک ایشیائیوں کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر تھی۔ 1951 تک موزمبیق پرتگال کی ایک نوآبادی (کالونی) تھا۔ اس کے بعد اسے ایک صوبہ بنا دیا گیا۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد افریقہ کے دوسرے ملکوں کی طرح موزمبیق میں بھی جدوجہد آزادی تیز ہوئی اور بہت سے ملک آزاد ہو گئے۔ لیکن پرتگال کی فاشسٹ حکومت کسی قسم کی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ چنانچہ فری لیمو (Frilimo) کی سرکردگی میں مسلح جدوجہد شروع ہو گئی اور اس نے کافی علاقے پرتگال سے آزاد کرا لیے۔ 1974 میں پرتگال میں جب سلازار کی فاشسٹ حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور جمہوری حکومت قائم ہوئی تو اس نے افریقہ کے تمام پرتگالی مقبوضات سے دست بردار ہونے اور ان ملکوں کی آزادی کی تحریکوں سے سمجھوتہ کر لینے پر آمادگی ظاہر کی اور 25 جون 1975 کو موزمبیق نے آزادی حاصل کر لی۔ تحریک آزادئ موزمبیق کے رہنما سمورا میشل (Samora Machel) اس کے پہلے صدر چنے گئے۔ اس وقت موزمبیق افریقہ کے بقیہ محکوم ملکوں، خاص طور پر زمبابوے اور جنوبی افریقہ کی جدوجہد آزادی کی حمایت میں سب سے آگے رہا۔ زمبابوے کے محاذ آزادی کا ایک بڑا مرکز موزمبیق میں تھا اور اس کی وجہ سے اسے اکثر زمبابوے کی سفید فام حکومت کے زمینی اور ہوائی حملوں کا بھی شکار ہونا پڑتا رہا۔ 1979 میں رھوڈیشیا، جو اب زمبابوے ہے، نے موزمبیق پر حملہ کر کے اس کے ذرائع ابلاغ اور رسل و رسائل، زراعتی مراکز اور ذرائع نقل و حمل کو بہت نقصان پہنچایا۔ بہت سے باشندے بھی مارے گئے۔ 1980 میں زمبابوے کے آزادی حاصل کر لینے کے بعد جنوبی افریقہ نے ناخوش لوگوں کے گروہوں کو

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

موزمبیق میں بغاوت کرنے میں مدد دی۔ معاشی اور سیاسی بدحالی پھیلی اور بدانتظامی کی وجہ سے موزمبیق بہت کمزور ہو گیا۔ 1984 میں موزمبیق اور جنوبی افریقہ میں ایک معاہدہ ہوا کہ یہ آپس میں جنگ نہیں کریں گے۔ 1986 میں میشل کو قتل کر دیا گیا۔ 1992 میں موزمبیق میں بہت سخت قحط پڑا اور لوگ بڑی تعداد میں مر گئے۔

موسم: کسی علاقہ کے کسی مختصر عرصہ کے فضائی حالات کو موسم کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت ہوا کا درجہ حرارت، ہوا کا دباؤ، اس کی سمت و نوعیت، رطوبت، ترسیب، تمازت اور بادلوں کے کیفیتیں بتائی جاتی ہیں۔

موسم اور آب و ہوا کا فرق: وسیع علاقوں پر طویل عرصہ (بالعموم تیس سال) کے موسمی حالات کی اوسط مجموعی کیفیت آب و ہوا کہلاتی ہے۔ آب و ہوائی عناصر پر محل وقوع، سطح سمندر سے بلندی، خشکی وتری کی تقسیم، بحری رووں کے پھیلاؤ، مٹی اور چٹانوں کی اقسام، نباتاتی کیفیت اور ساحلی پیچ و خم کا بڑا اثر پڑتا ہے۔

موسمی فرسودگی: حجرات کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جو حجرات زمین پر نیچے سے ابھر کر آشکار ہو جاتے ہیں وہ شب و روز بیرونی عوامل کی مسلسل گردش کی زد میں رہتے ہیں جن میں باد و باراں، دھوپ، دن رات کی تبدیلیوں سے پیدا ہونے والا درجہ حرارت کا فرق، پودے، اشجار، کیڑے مکوڑے، جراثیم، جانور اور خود انسان بھی شامل ہیں۔ ان تمام بیرونی عوامل کے مسلسل حملوں سے حجرات ہزاروں اور لاکھوں برسوں میں ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ حجرات کے اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے کے عمل کو موسمی فرسودگی یا (Weathering) کہتے ہیں۔ موسمی فرسودگی سے حجرات ریزہ ریزہ ہو کر وہیں رہ جاتے ہیں جہاں سے وہ ابھرے تھے اور موسمی فرسودگی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا مادہ بھی عام طور پر وہیں جمع ہو جاتا ہے گویا موسمی فرسودگی سے حاصل ہونے والا مادہ عام طور پر حمل و نقل کے اثرات سے محفوظ رہ کر وہیں جمع ہوتا رہتا ہے۔ یا دوسری صورت میں حمل و نقل کے مختلف عوامل کے زیر اثر دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔

حجرات میں موسمی فرسودگی دو طرح سے عمل میں آتی ہے۔

(ا) میکانکی فرسودگی: میکانکی فرسودگی میں موسمی اثرات بڑی حد تک درجہ حرارت کے فرق سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ قطبی علاقوں میں برف کے جم جانے یا پھر اس کے پگھل جانے سے یا پھر گرم علاقوں میں شب و روز کے درجہ حرارت کے فرق سے بھی حجرات کا اوپری حصہ آہستہ آہستہ چھلکوں کی صورت میں گرنے لگتا ہے۔ ان کے علاوہ پودوں کی نشو و نما اور جھاڑیوں کے تنے بھی حجرات کو رفتہ رفتہ اپنے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

(ب) کیمیائی فرسودگی: کیمیائی فرسودگی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حجرات کو کیمیائی عوامل سے متاثر کر کے رفتہ رفتہ انھیں ختم کر دیتی ہیں۔ عام طور پر کیمیائی عمل بارش کے پانی میں شامل ان ترشئی عناصر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو فضا میں موجود رہتے ہیں۔ ایسے کیمیائی محلول حجرات کی درزوں اور مساموں سے گزر کر کیمیائی تعاملات کے ذریعہ ان کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ حجرات میں کیمیائی تعاملات کی ایک بہت عام مثال درج ذیل ہے۔

$$2CaCO_3 + H_2O + CO_2 \rightarrow 2Ca(HCO_3)_2$$

چونا پتھر + پانی + کاربن ڈائی آکسائیڈ ← کیلشیم بائی کاربونیٹ (محلول)

آب و ہوا کے اثرات، موسمی فرسودگی کی کارکردگی پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں خود حجرات کی ساخت اور اجزا ترکیبی بھی فرسودگی کو بڑھانے یا کم کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

گرم اور خشک علاقوں کی آب و ہوا ہی کیمیائی فرسودگی کی وجہ سے حجرات سے سارے عناصر کو محلولوں میں حل کر کے بہالے جاتی ہے، جبکہ لوہا اور الیومنیم ان کے کیمیائی تعاملات سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس طرح لوہے اور الیومنیم کی مقدار میں بالواسطہ اضافہ ہوتا رہتا ہے جو پانی سے آلودہ آکسائیڈ کی شکل میں جمع ہو کر بالآخر الیومنیم کے بڑے ذخائر یعنی باکسائٹ (Bauxite) کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے ذخائر کو لیٹرائٹ (Laterite) بھی کہا جاتا ہے جن میں یا تو لوہا یا الیومنیم کے جزو کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہندوستان کے مشرقی ساحل، بالخصوص اڑیسہ اور آندھرا پردیش کے ساحلوں پر ایسے لیٹرائٹ کے بڑے ذخائر حال میں دریافت ہوئے ہیں۔

موسمی فرسودگی کا عملی پہلو (Practical Aspect of Weathering)

حجرات کی موسمی فرسودگی انسان کے لیے کار آمد ہوتی ہے۔ اس طریقہ سے حجرات کے اوپری حصہ میں جو ملائم تہہ بنتی ہے اس میں سے کچھ اجزا جو پانی میں تحلیل ہو سکتے ہیں، نکل جاتے ہیں اور نباتات کے سڑنے اور گلنے کی وجہ سے کچھ اجزا کی آمیزش ہو جاتی ہے اور زرخیز مٹی کی تہہ بن جاتی ہے۔ نباتات کو جن کیمیاوی اجزا مثلاً نائٹروجن، میگنیشیم، پوٹاشیم، کیلشیم، گندھک، لوہا، تانبہ، آکسیجن، ہائیڈروجن وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ان موسمی فرسودہ شدہ حجرات کی اوپری تہہ سے بآسانی دستیاب ہو جاتے ہیں۔ نباتات ہوا سے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

دوسرے اجزا حاصل کرتے ہیں اور جب وہ سڑتے ہیں تو موسمی فرسودگی سے متاثر حجرات میں موجود اجزا کے ساتھ مل کر دوسرے مرکب بناتے ہیں جو مٹی کو مزید زرخیز بنادیتے ہیں۔ مقامی حجر کے ترکیبی اجزا، وہاں کے موسم اور نباتات کے اقسام کے مطابق وہاں کی مٹی بنتی ہے۔ مثلاً وسط ہندوستان میں جو آتش فشانی بیسالٹ حجرات ہیں ان کی موسمی فرسودگی کے بعد جو زرخیز سیاہ مٹی بنتی ہے وہ ریگور کہلاتی ہے اور کپاس کی کاشت کے لیے بہت موزوں ہوتی ہے۔

حجرات کی موسمی فرسودگی سے دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فرسودہ شدہ حصہ میں بعض کیمیاوی مرکبات کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور اس طرح بعض کار آمد جمادات اور کچ دھات وجود میں آتے ہیں جن کی کان کنی میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ مثلاً منطقہ حارہ اور منطقہ معتدلہ میں واقع بعض حجرات کی موسمی فرسودگی سے باکسائٹ اور لیٹرائٹ بنتے ہیں جو بہت کار آمد ہیں۔ اول الذکر میں الیومنیم آکسائیڈ کی مقدار زیادہ رہتی ہے اور ان سے الیومنیم حاصل کیا جاتا ہے۔ بعض سنگی حجرات میں کار آمد جمادات موجود ہوتے ہیں اگر ان حجرات کی موسمی فرسودگی ہو جاتی ہے تو یہ حجرات ملائم ہو جاتے ہیں اور ان جمادات اور کچ دھات کی کان کنی میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مثلاً افریقہ میں ہیرے کی کانوں میں جو حجرات اوپری حصہ میں ہیں وہاں موسمی فرسودگی کی وجہ سے حجرات ملائم ہو گئے ہیں اور اس حصہ میں ہیرے دستیاب کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں گہرائی پر جہاں موسمی فرسودگی کا عمل نہیں ہوا ہے وہاں حجرات سخت ہیں اور وہاں سے ہیرے پتھروں کو توڑ کر ہی حاصل کئے جاتے ہیں۔

موسیاتی آلات: فضائی کیفیت کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے متعدد موسیاتی آلات بنائے گئے ہیں، جیسے حرارت پیما (سینٹی گریڈ، فارن ہیٹ اور ریومر)، حرارت نگار، بار پیما، بار نگار، باد نما، باد پیما، رطوبت پیما اور بارش پیما وغیرہ۔

موسی ندی: موسی ندی دریائے کرشنا کی ایک معاون ہے جو اننت گیری کی پہاڑیوں سے نکلتی ہے۔ ریاست آندھرا پردیش کا صدر مقام، شہر حیدر آباد، اسی ندی پر واقع ہے۔ ضلع نلگنڈہ میں اس ندی پر موسی پراجکٹ کی تعمیر ہوئی ہے اور نہریں بھی نکالی گئی ہیں۔ شہر حیدر آباد میں عثمان ساگر اور حمایت ساگر موسی اور عیسیٰ ندی کے پانی کو روک کر بنائے گئے ہیں۔

موصل: یہ شہر شمال مغربی عراق میں دریائے دجلہ پر واقع ہے۔ بڑا تجارتی مرکز اور ہوائی اڈہ ہے۔ یہاں کبھی اعلیٰ کپاس کے کپڑے تیار ہوتے تھے۔ اب یہ سیمنٹ، پارچہ بافی اور شکر کی تیاری کا اہم مرکز ہے۔ بغداد اور عراق کے دیگر شہروں کے علاوہ سیریا (شام) اور ترکی سے بذریعہ ریل ملا دیا گیا ہے۔ قریب میں تیل کے خزانوں کی موجودگی کے باعث اس شہر نے کافی ترقی کی ہے۔ 1970 میں اس کی آبادی 179,464 تھی۔

موصل ایک قدیم شہر ہے۔ 750 ء میں اس نے کافی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ دسویں اور گیارہویں صدی میں یہ آزاد مملکتوں کا مرکز تھا۔ اس کے اطراف مضبوط فصیل تھی جسے نادر شاہ اور صلاح الدین بھی سر نہ کر سکے۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے ترکی اور عراق دونوں دعوے دار تھے لیکن آخر کار یہ عراق کو ملا۔ یہاں کئی قدیم مسجدیں اور نستوری عیسائیوں کے کلیسا ہیں۔

مولا: مولا ندی دریائے گوداوری کی معاون ہے۔ اس پر مہاراشٹرا کا شہر پونا واقع ہے۔

مولاسس (Molasses): (1) جزوی بحری اور جزوی براعظمی یا ڈیلٹائی رسوبی فیشیز کی بیانیہ اصطلاح۔ فیشیز میں کم غیر بستہ (Unconsolidated)، غیر چنندہ (Unsorted)، غیر تدریجی (Ungraded)، نا مطابق پرت دار (Cross Bedded)، رکاز دار (Fossiliferous)، روث پتھر، شیل، مارل (Marl) وغیرہ حجرات کی بے حد دبیز ترتیب ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اس میں کوئلہ اور کاربونیٹ (Carbonate) ذخائر بھی ہوتے ہیں۔ (2) وہ تمام حجرات جو کوہ سازی کے اہم مرحلے (Phases) کے دوران یا فوراً بعد بالا نشین پہاڑوں کی کاٹ سے حاصل شدہ مادوں سے بنے ہوں۔

مولڈیویا: یہ روس کے جمہوریوں میں سے ایک آزاد جمہوریہ ہے جو انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ اس کا بیشتر حصہ میدانی ہے جو پرٹ اور نیسٹر دریاؤں کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اوسط بلندی 482 فٹ ہے۔ دریائی مٹی کے زرخیز علاقہ میں دوسری عالمی جنگ کے بعد عمیق کاشت کو کافی فروغ ہوا ہے۔ صنعتوں میں غیر معمولی ترقی ہوئی ہے۔ آب و ہوا گرم اور معتدل براعظمی ہے۔ شمالی اور وسطی علاقے جنگلاتی ہیں۔ جنوب میں اسٹیپ پر وسیع چراگاہیں دکھائی دیتی ہیں۔ 1970 میں جملہ آبادی 3,569,000 تھی۔ کشی نیو (کشن یوو) صدر مقام ہے۔

مولمین: خلیج مرتبان میں واقع میانمار کا دوسرا بڑا بندرگاہ ہے۔ یہ رنگون سے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

بذریعہ ریل ملا ہوا ہے۔ اہم برآمدات ساگوان، ربر، خام جست اور تمباکو ہیں اور اہم درآمدات فولاد، شکر اور فلسن (جوٹ) کے تھیلے ہیں۔

مونا کیا (Mauna Kea): جزیرہ ہوائی (Hawai) کا مردہ آتش فشاں ہے جو اس کے وسط میں واقع ہے۔ اس کی بلندی 13,796 فٹ ہے۔ جزیرہ کے پہاڑوں میں سب سے اونچا پہاڑ یہی ہے۔

مونالوآ (Maunna Loa): جزیرہ ہوائی (Hawaii) کا ایک اونچا آتش فشاں پہاڑ مونالوآ جنوب وسطی ہوائی میں واقع ہے۔ اس کی بلندی 13,680 فٹ ہے۔ یہ پہاڑ کئی دہانے رکھتا ہے۔ درمیانی دہانہ بالعموم خفتہ رہتا ہے۔ صدیوں سے خفتہ ہے لیکن کبھی کبھی اچانک بیدار ہو جاتا ہے۔ چند سال قبل اس سے لاوے کا اخراج اچانک شروع ہوا تھا لیکن 700 فٹ کی بلندی سے نیچے نہیں اترا۔

موناکو (Monaco): شمالی بحیرہ روم کے ساحل کا ایک آزاد علاقہ ہے جس کے شمال میں فرانس کے علاقے ہیں۔ اس کا رقبہ 1.49 مربع کلو میٹر (0.93 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 28,000 ہے۔ زبان فرانسیسی استعمال ہوتی ہے۔ مذہب عام طور پر کیتھولک عیسائی ہے۔

یہ ریاست تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے ایک کاروباری علاقہ، لاکونڈا مائن، دوسرا اس کے سامنے کارلو جہاں دنیا کا مشہور کیسینو (Casino) یا جوا خانہ واقع ہے اور تیسرا موناکو ویل (Monaco Ville) جہاں شہزادہ کا محل ہے اور یہ گویا صدر مقام بھی ہے۔ ایک پہاڑی پر یہ علاقہ واقع ہے جہاں بڑا ہی خوش منظر علاقہ ہے۔ آب و ہوا نہایت معتدل ہے اور ساری دنیا کے مالدار یہاں جوئے، عیش اور آرام کے لیے کھنچ کر چلے آتے ہیں۔ یہاں کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں ہے لیکن جائداد کی خرید و فروخت، ایکسائز اور سرکاری ٹکٹوں کی قیمت کی شکل میں آمدنی ہوتی ہے۔ سارے اخراجات کیسینو کی آمدنی سے پورے ہوتے ہیں۔ ساری دنیا سے مالدار لوگ آکر یہاں اپنی دولت لگاتے بھی ہیں۔ موناکو کے اصل باشندے ڈھائی تین ہزار سے زیادہ نہیں ہیں۔ انھیں کیسینو میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ صرف بیرونی سیاح ہی اس میں جا سکتے ہیں۔

یہ صدیوں سے فرانس کے مختلف علاقوں کے تحت رہا ہے۔ اب بھی 1918 کے معاہدے کے تحت موناکو کی جانشینی کے لیے فرانس سے منظوری لینی ضروری ہے۔

مونزونائٹ (Monzonite): موٹے دانے دار آتشی حجر جو ترشئی (Acid) سے لے کر اساسی (Basic) ترکیب تک کے ہو سکتے ہیں مگر جس میں لازمی طور پر اساسی اور کیلسیائی اساسی (Calc-Alkali) فیلسپار برابر مقدار میں ہوتے ہیں۔ ترشئی ہونے کی صورت میں اسے ایڈامیلائٹ (Adameilite) اور اساسی کی صورت میں اولیوین مونزونائٹ (Olivine Monzonite) کہا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر گرینائٹ اجسام کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے۔

اس حجر کا برکانی بدل (Volcanic Equivalent) ٹریکی انڈیسائٹ (Trachyandesite) ہے، جسے لیٹائٹ (Latite) بھی کہتے ہیں۔ ایڈامیلائٹ کا بدل رائیولائٹ (Rhyolite) اور اولیوین مونزونائٹ کا برکانی بدل ٹریکی بیسالٹ (Trachy-Basalt) کہلاتا ہے۔

مونگے کی چٹان (Coral Reef): ایک ایسی پہاڑی جو کچھ مونگے کی کالونی کے پنجروں یا ڈھانچوں کے اس جگہ جمع ہونے سے، کچھ نامیاتی ملبے کے منتقل ہو کر اس جگہ چلے آنے سے اور کچھ کیمیائی ترسیب کے باعث بنی ہو۔

موہن جودارو: پاکستان میں وادیٔ سندھ میں کھدائیاں کرنے پر پرانا شہر موہن جودارو دستیاب ہوا ہے۔ اس کی کھدائی سے برآمد شدہ چیزیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ وادیٔ سندھ میں جو لوگ آریوں سے قبل آباد تھے وہ بہت مہذب تھے۔ ان چیزوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں اس مقام پر ایک بڑا بارونق اور مالدار شہر آباد تھا۔ اس میں خوبصورت محل، حمام اور سیر گاہیں بنی ہوئی تھیں۔

موہورو ویچک عدم تسلسل: دیکھیے عدم تسلسل

میامی (Miami): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست فلوریڈا کا یہ سب سے بڑا شہر ہے۔ دریائے میامی کے کنارے واقع ہے۔ یہاں سنترے کے قبیل کے پھل اور موسم سرما کی ترکاریاں بہت ہوتی ہیں۔ مچھلیاں یہاں بہت زیادہ پکڑی جاتی ہیں۔ میامی منطقہ حارہ کے عین شمال میں واقع ہے اور موسم سرما کی ایک تفریح گاہ ہے۔ یہاں کے سمندر کے بالمقابل فلک بوس عمارتیں ہیں۔ کنکریٹ، گوشت اور بیکری سے متعلقہ اشیا، کپڑا اور شراب بنائی جاتی ہیں۔ یہاں سے ہوائی جہاز، جزائر غرب الہند اور جنوبی امریکہ کو جاتے اور آتے ہیں۔ ایک بندرگاہ بھی یہاں ہے۔ اکثر طوفان آتے ہیں۔ 1971 میں اس کی آبادی 39 لاکھ سے اوپر تھی۔

میتھیو فلنڈرس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میٹان زاس (Matanzas): یہ بندرگاہ کیوبا کے شمال میں واقع ہے۔ یہ بہت بڑا اور گہرا ہے۔ کسی زمانے میں یہ قزاقوں کا اڈا تھا۔ یہاں شکر، پھل، پارچہ بافی اور بعض چوٹی مصنوعات کے کارخانے واقع ہیں، یہاں سے زیادہ تر مصنوعات برآمد کی جاتی ہیں۔ یہ ایک جدید تفریح گاہ بھی ہے۔

میدان: تقریباً ہموار یا ہلکے سے نشیب و فراز کے وسیع علاقے میدان کہلاتے ہیں۔ محل وقوع اور تشکیل کی صورتوں کے اعتبار سے ان کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

(1) ساحلی میدان: یہ خشکی کے وسیع علاقوں کے کناروں پر پائے جاتے ہیں۔ ان کی دو ذیلی قسمیں ہیں۔

(الف) براعظمی حاشیہ کے ابھار کے بعد حال ہی میں بنے ہوئے میدان جن پر ریت اور کیچڑ کے جھاڑ دکھائی دیتے ہیں۔

(ب) پٹی دار ساحلی میدان جو قدیم ساحل پر موجوں اور بحری رووں کے عمل فرسودگی سے تشکیل پاتے ہیں۔

(2) تراشیدہ میدان: یہ مختلف عوامل فرسودگی سے بنتے ہیں۔ پہاڑوں میں تراش خراش سے تشکیل پائے ہوئے پست ہموار سے علاقے جن میں جگہ جگہ مزاحم چٹانوں کے باقیات ابھرے نظر آتے ہیں، پنی پلین کہلاتے ہیں۔ دریا کے تراشے ہوئے میدان کو کوکستی فارم میدان کہتے ہیں۔ چونے کی چٹانوں کے کٹنے سے بنے ہوئے میدان آہکی، گلیشیائی تخریب سے بنے ہوئے میدان گلیشیائی اور گرم خشک علاقوں میں ہوا کے کٹاؤ اور کیمیائی فرسودگی سے تشکیل پائے ہوئے ہموار علاقے ریگ میدان کہلاتے ہیں۔

(3) تہ نشینی کے میدان: ان میں دریا برار مٹی کے میدان، گلیشیر کے بنائے ہوئے میدان، ہوا کے تعمیر کردہ لوئس مٹی کے میدان اور جھیلی میدان شامل ہیں۔ دریا برار مٹی کے میدانوں کی تین ذیلی شاخیں ہیں۔ ایک، بالائی وادیوں کے بڑے چٹانی ٹکڑوں والے میدان، دوسرے، وسطی وادیوں کے مہین ریت اور مٹی کے میدان، تیسرے، زیریں وادیوں کے مثلث نما ڈیلٹائی میدان۔ گلیشیائی بہاؤ کے میدانوں میں رہ گزر پر جمع کی ہوئی مٹی کے میدان، حاشیائی تہ نشینی کے میدان، انقضائی ریت سنگ ریزوں کے میدان اہمیت رکھتے ہیں۔

میدانِ برف: تیرنے والے برف سے ڈھکا ہوا وسیع علاقہ۔

میڈرڈ (Madrid): وسطی اسپین کا ایک پہاڑی صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 7,995 مربع کلو میٹر (3,087 مربع میل) ہے۔ اسپینیوں کی خانہ جنگی کے زمانہ (1936-39) میں یہ کئی فیصلہ کن جنگوں کا مرکز رہا ہے۔ ڈھلانوں والے علاقوں میں صنوبر کے جنگلات محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ دریائے ہینارز (Henares) اور جرما (Jarma) کے پہلوؤں پر آب پاشی کے ذریعہ کچھ کاشت کی جاتی ہے۔ باغبانی، مرغ بانی اور گلہ بانی کی طرف زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کا مرکز ہے۔ 1970 میں آبادی 3,792,561 تھی۔

وسطی اسپین کی سطح مرتفع کا شہر میڈرڈ صوبائی اور قومی صدر مقام ہے۔ سطح سمندر سے 2,100 فٹ بلند ہے۔ اواخر بیسویں صدی میں یہاں صنعتوں میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ 1970 میں شہر کی آبادی 3,146,071 تھی۔

میڈک: یہ ریاست آندھرا پردیش کے علاقہ تلنگانہ میں واقع ہے۔ یہ حیدرآباد کے شمال میں تقریباً 47 میل پر ایک ضلع ہے۔ قصبہ میڈک ایک پہاڑی قلعہ کے دامن میں واقع ہے۔ یہ قلعہ راجگان ورنگل کے تحت تھا۔ بعد میں یہ سلطنت بہمنی کے زیر نگیں آیا اور آخر ش اس قلعہ کو جمشید قلی قطب شاہ نے علی برید، شاہ بیدر سے فتح کر کے حاصل کیا۔

میڈک کا عیسائی گرجا گھر جو ایک سطح مرتفع پر بنا ہوا ہے دکن میں بہت مشہور ہے۔ تالاب پوچازم سیر و تفریح کے لیے ایک بہترین مقام ہے۔ دوسرا مشہور تالاب پٹن چرو ہے۔ سنگاریڈی، ظہیر آباد، نارائن کھیڑ، اندول، جوگی پیٹ، میڈک، سدی پیٹ، گج ویل اور نرساپور اس کے تعلقے ہیں۔ سنگاریڈی میں سائیاں، موٹا سوتی کپڑا تیار کیا جاتا ہے اور یہاں کے چاندی کے برتن بھی بہت مشہور ہیں۔

میرٹھ: مغربی اتر پردیش میں ایک ضلع اور اس کا صدر مقام ہے۔ ضلع میرٹھ میں گڑھ مکتیشور گنگا اشنان کا مرکز ہے۔ ضلع میرٹھ میں مودی نگر ایک بڑا صنعتی مرکز ہے جہاں پارچہ بافی، نائلان اور لوہے اور فولاد کی اشیا بنانے کے کارخانے ہیں۔ 1857 کی جنگ آزادی یہیں سے شروع ہوئی تھی۔

میرینس: تائر کا یہ قدیم نقشہ نویس بطلیموس (تالیمی) کا پیش رو تھا۔ اس نے اہاب کا بکری کی کھال پر بنایا ہوا صحیح پیمانہ کا نقشہ دیکھا۔ اس کا چربہ اتار لینے کے بعد بہتر نقشہ کشی کے لیے اس نے ہپارکس کے بتائے ہوئے طریقہ پر دوائر عرض البلد کا جال تیار کرنے کا تصور قائم کیا۔ دنیا کے نقشہ میں اس نے تمام دوائر عرض البلد کو خطوط مستقیم سے ظاہر کیا۔ انھیں زاویہ قائمہ پر قطع کرنے والے طول البلد کے خطوط بھی باہم متوازی بنائے۔ سطح زمین کی خمیدگی کو پیش نظر نہ رکھنے کے باعث

ان کی صحت برقرار نہ رہ سکی۔ اسی لیے بطلیموس (تالیمی) نے اس کے بنائے ہوئے جال کو بہت ناقص بتلایا۔

میزا (میسا): یہ گھسے ہوئے حدب سے بنی ہوئی ہٹی یا بڑی پہاڑی ہے جس کے تمام پہلو سلامی دار ڈھلان والے ہوتے ہیں۔ اس کی چوٹی پر مزاحمت کرنے والی سخت ہموار چٹان افقی سمت میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ زیادہ تخریبی عمل کے نتیجہ میں یہ پہاڑی "ہٹی" کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ ساخت کے اعتبار سے یہ کوئسٹا سے مشابہت رکھتی ہے۔

میزورام: یہ ہندوستان کی ایک ریاست ہے، جو اس کے شمال مشرقی کونہ میں واقع ہے۔ اس کے مغربی جانب بنگلہ دیش اور تری پورہ ہیں اور مشرق اور جنوب میں چن کی پہاڑیاں ہیں۔ شمال میں اس کی سرحد منی پور اور ضلع کچھار سے ملتی ہے۔ اس کا رقبہ 21,087 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 689,756 ہے۔ میزو کی پہاڑیاں جو شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی ہیں، ان کی اوسط اونچائی 900 میٹر ہے۔ ان کی سب سے اونچی چوٹی پھا نگپن 2,165 میٹر اونچی ہے۔ یہ اس کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ میزو کئی ندیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہاں چند جھیلیں بھی ہیں، جن میں سب سے بڑی جھیل پالک ہے۔ میزو کی آب و ہوا خوشگوار ہے۔ اس کا قدیم نام لوشائی کی پہاڑیاں تھا۔ جنوری 1972 تک یہ آسام کا ایک جزو تھا۔ اس کے بعد یہ ایک متحدہ صوبہ ہوگیا اور میزورام سے موسوم ہوگیا۔ اس کا صدر مقام آئزول (آئجل) (Aizawl) ہے۔ یہ اس علاقہ کا اہم شہر ہے۔ میزو کی آبادی بہت کم ہے۔ لوشائی زبان میں میزو (Mizo) کے معنی پہاڑی باشندہ کے ہیں۔ لیکن اب اس کے معنی لوشائی اور اس سے متعلقہ قبیلے ہیں۔ ڈھلوانوں پر مکئی، چاول، آلو، اناناس اور ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

میسور: میسور کو ہندوستان کے باغات کا شہر کہا جاتا ہے۔ یہ بنگلور سے 140 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ چامنڈی پہاڑی یہاں کی خوبصورت پہاڑی ہے۔ دشہرہ کے تہوار کے زمانہ میں دنیا کے ہر حصے سے یہاں لوگ آتے ہیں اور یہاں کے قابل نظارہ جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ یہاں کے دیکھنے کے قابل مقامات، راجا کا محل، چامنڈی کی پہاڑیاں، ریشم کا کارخانہ، صندل کی لکڑی کے تیل کا کارخانہ، سینٹرل فوڈ ٹکنالاجیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، آرٹ گیلری اور زوالاجیکل گارڈن ہیں۔

شہر میسور سے 20 کلومیٹر کے فاصلے پر کرشنا راج ساگر ہے۔ جو کاویری ندی پر اپنی نوعیت کا سب سے پہلا مٹی کا بندھ ہے۔ اس بندھ کے نیچے برندا ون گارڈنس ہیں جو اپنے ڈھلوانی باغات کے لیے مشہور ہیں۔ آزادی سے پہلے یہ میسور نامی ایک دیسی ریاست کا اہم شہر تھا۔

میک کلوک، جان (John Mac Culloch): یہ اسکاٹ لینڈ میں 1773 میں پیدا ہوا۔ اور اسی ملک میں کام کرتا رہا۔ اس نے اسکاٹ لینڈ کا پہلا ارضیاتی نقشہ پیش کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے واضح خیالات، مطالعے اور علم کے باوجود اس کی زندگی میں اسے سراہا نہیں گیا کیونکہ وہ کافی ناخوش کن شخصیت تھا۔ اس نے 1835 میں انتقال کیا۔

میکانگ (دریا): ایشیا کا یہ بہت بڑا دریا تبت کی بلندیوں میں سنگھائی (Tsinghai) کے صوبہ سے نکلتا ہے اور بحیرۂ جنوبی چین کی جانب تقریباً 2,500 میل تک جنوبی سمت میں بہتا ہے۔ مغرب میں سالوین اور مشرق میں ینگس اس کے متوازی بہتے ہیں۔ 22° شمالی عرض البلد کے جنوب میں یہ میانمار اور لاؤس کے درمیان اور تھائی لینڈ اور لاؤس کے درمیان بین الاقوامی حد بندی کرتا ہے۔ اس کے بنائے ہوئے میدان میں چاول کی کاشت کو بہت فروغ ہوا ہے۔ اپنے بندرگاہ نام پنھ (Phnom Penh) کے قریب یہ جنوب مشرقی سمت میں بہنے کے بعد ڈیلٹائی تعمیر شروع کر دیتا ہے۔ ڈیلٹائی علاقہ کافی آباد ہے اور یہاں آب پاشی کو ترقی دی جارہی ہے۔

میکروبیس: اس عیسائی جغرافیہ داں نے دور وسطی میں کاسموگرافی مرتب کی۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایراتا ستھینز اور بطلیموس (تالیمی) کے تصورات سے بے حد متاثر تھا۔ یہ مؤلف تو اچھا تھا مگر تنقیدی میلان نہ رکھتا تھا۔ یہ کروی زمین کو سمندر سے گھرا ہوا تصور کرتا تھا اور اس پر پانچ رواجی منطقوں کے پھیلاؤ کو تسلیم کرتا تھا۔ ارسطو کی طرح یہ بھی جنوبی نصف کرہ میں آباد علاقوں کی موجودگی کا قائل تھا، لیکن منطقہ حارّہ کو ناقابل عبور سمجھتے ہوئے ان تک پہنچنا دشوار سمجھتا تھا۔

میکسیکو-جمہوریہ (Mexico): شمالی امریکہ کا ایک جمہوریہ ہے جس کا نام ہسپانوی میں ولایت متحدہ میہکو (Mijico) ہے۔ یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) اور وسطی امریکہ (Central America) کے درمیان واقع ہے اور وسطی امریکہ کا ایک حصہ ہے۔ شمال میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، مشرق میں خلیج میکسیکو اور بحیرہ کیریبین، جنوب مشرق میں بیلیزے اور گوائٹے مالا اور مغرب اور

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

جنوب میں بحر الکاہل واقع ہیں۔ شمال سے جنوب تک سب سے زیادہ لمبائی 1970 کلو میٹر ہے اور مشرق سے مغرب تک سب سے زیادہ چوڑائی 750 کلو میٹر ہے۔ میکسیکو کا رقبہ 1,958,200 مربع کلو میٹر (753,665 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 87,836,000 ہے۔ ان میں سے 55 فی صدی میں میتیزو (ملی جلی نسل کے لوگ) اور 29 فی صدی انڈین ہیں۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام میکسیکو ہے جس کی آبادی 1991 میں 13,636,127 تھی۔ سرکاری زبان ہسپانوی ہے۔ اکثریت کا مذہب کیتھولک عیسائی ہے۔

میکسیکو کا تقریباً 15 فی صدی علاقہ سطح مرتفعائی ہے۔ اس علاقہ میں آبادی کا بڑا حصہ مرکوز ہے۔ زراعت کا مرکز ہے اور بڑے بڑے شہر بھی یہیں ہیں۔ سب سے بڑا دریا رایو گراں (Rio Gran) ہے۔

چونکہ خطِ سرطان (Tropic of Cancer) میکسیکو کے بالکل وسط سے گزرتا ہے اور مختلف علاقوں کی بلندیاں بھی الگ الگ ہیں اس لیے آب و ہوا بھی مختلف اقسام کی ملتی ہے۔ ساحلی علاقوں کی آب و ہوا معتدل ہے اور بلند مقامات کی مقابلتاً سرد ہے۔ ساحلی علاقوں میں کافی بارش ہوتی ہے اور اندرونی علاقوں میں کم۔ پست علاقے خوب سرسبز و شاداب ہیں۔ شمال میں ریگستان پھیلے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں کئی قسم کے جنگلی جانور مثلاً ریچھ، بندر، بھیڑیے وغیرہ ملتے ہیں۔ میکسیکو بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور برآمدات کا چالیس سے پچاس فی صدی حصہ زرعی پیداوار ہے۔ گیہوں، بارلی، سورگھم، چاول آلو اور روئی نیز تمباکو وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ مویشی بڑی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔

درآمدات کا 63 فی صدی اپنے پڑوسی ملک امریکہ سے آتا ہے۔ برآمدات بھی 58 فی صدی امریکہ ہی کو جاتی ہیں۔

صنعتوں میں سیمنٹ، سوتی اور مصنوعی ریشوں کے کپڑوں کی صنعتیں اہم ہیں۔ کچے لوہے، گندک، الیومنیم، سونے، چاندی، فاسفیٹ، وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔

رائج سکہ پیسو (Peso) ہے۔

ابتدائی مدرسوں میں 1991 میں طالب علموں کی تعداد 14,396,375 اور استادوں کی تعداد 479,616 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 6,704,188 طالب علم اور 406,998 استاد نیز پیشہ ورانہ اسکولوں میں 818,202 طالب علم اور 58,550 استاد تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں، جن میں 44 جامعات شامل ہیں، 1,252,027 طالب علم اور 134,424 استاد تھے۔

تاریخ: میکسیکو ایک نہایت قدیم ملک ہے اور پرانی تہذیب کے جو آثار آج موجود ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یورپی قوموں کے آنے سے پہلے یہاں کی سماجی زندگی کافی ترقی یافتہ تھی۔ یہاں امریکن انڈین نسل کے کئی گروپ بستے تھے جو پہلے خانہ بدوش تھے اور بعد میں جب وہ بس گئے تو انھوں نے نہایت پیچیدہ سماجی زندگی کو جنم دیا۔ ان میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ مایا (Maya) تہذیب تھی۔ اس تہذیب نے سب سے پہلے گوئٹے مالا، ہونڈوراس اور میکسیکو کے جنوبی علاقہ میں نشو ونما پائی۔ ان کے ابتدائی آثار جو ملتے ہیں وہ ٹھیک 291 ق۔م۔ کے ہیں۔ مایا لوگوں نے فن تعمیر، فنون لطیفہ، علم ہیئت، ریاضی اور تصویری رسم الخط میں کافی ترقی کی تھی۔ وقت کا تعین کرنے میں ان کو خاصی مہارت تھی اور انھوں نے غیر معمولی طور پر ایک مکمل کیلنڈر مرتب کر لیا تھا۔ ان کی معیشت زراعت تھی اور مکئی کی کاشت کرتے تھے۔ مایا لوگوں کے زوال کے اسباب عام طور پر اندرونی قبیلہ واری لڑائیاں، بیماریاں وغیرہ سمجھی جاتی ہیں۔ ایک اور لوگ جو یہاں بستے تھے وہ ٹالٹک (Toltec) تھے۔ یہ لوگ دستکاری میں ماہر فن، تعمیر سے واقف اور جنگجو تھے۔ زراعت اور پارچہ بافی بھی کرتے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں وہ اس علاقے میں آباد تھے جو اب خلیج میکسیکو کہلاتا ہے۔ انھوں نے وسیع شاہراہیں، عبادت خانے (مندر) یادگاری عمارتیں، تعمیر کی تھیں۔ غالباً گیارھویں صدی عیسوی میں انھوں نے مایا قبیلوں کے شہروں پر حملہ کیا تھا۔ ان کی تہذیب میں زوال غالباً گیارھویں صدی سے شروع ہو چکا تھا۔

چودھویں صدی عیسوی تک مقامی باشندوں میں سے ایزٹک (Aztec) قبیلوں کے لوگ اس علاقہ میں پہنچ گئے تھے جہاں اب شہر میکسیکو آباد ہے۔ یہاں 1325 میں انھوں نے ٹینوک ٹیٹ لان (Tenochtitlan) نامی شہر بسایا تھا۔ ایزٹک اصل میں ٹالٹک اور شمالی امریکہ کے انڈین باشندوں سے ملی جلی نسل کے لوگ تھے۔ یہ بھی جنگجو تھے۔ ان کی کافی منظم سماجی زندگی اور حکومت تھی۔ جس وقت ہسپانیوں نے میکسیکو کو فتح کیا ایزٹک کا جنوبی اور وسطی میکسیکو کے کافی بڑے علاقے پر قبضہ تھا۔ ان کے یہاں بڑا مکمل کیلنڈر تھا۔ ریاضی کافی ترقی پا چکی تھی۔ تصویری رسم الخط رائج تھا۔ زراعت کے ابتدائی طریقے رائج تھے۔ وہ ابھی پہیہ یا دھات کے استعمال سے واقف نہیں تھے اور نہ باربرداری کے لیے مویشیوں کو استعمال کرنا جانتے تھے۔ ان کے مذہب میں ٹالٹک کی طرح انسانی قربانی جائز تھی۔

ہسپانیوں نے 1519 میں ہرنانڈو کورٹیز (Hernando Cortez) کی سرکردگی میں میکسیکو کے علاقہ پر حملہ کر دیا اور دو سال کے اندر پورے علاقہ کو زیر کر لیا اور اس کا نام نیا اسپین رکھا۔ کورٹیز کو گورنر بنا دیا گیا۔ 1540 میں ہسپانوی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

حکومت کی طرف سے ایک وائسرائے حکمرانی کرتا رہا۔ ہسپانوی سامراجی حکومت کا صرف ایک ہی مقصد رہا، جتنی ممکن ہو دولت سمیٹی جائے خواہ اس سے ملک اور اس کے لوگ کتنے ہی کیوں نہ تباہ ہو جائیں۔ ظلم و تشدد کا یہ دور 1821 تک رہا۔ چنانچہ یہاں انقلاب آیا اور آخری وائسرائے کو اقتدار انقلابیوں کے ہاتھ سونپنے پر مجبور ہونا پڑا۔ باغیوں کے ایک لیڈر جنرل آگسٹن نے آگسٹن اول کے نام سے 1822 میں شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن 1823 میں سانتانا (Santa Anna) نے اس کا تختہ الٹ دیا۔ اور میکسیکو ایک جمہوریہ بن گیا۔ اس سے پہلے آگسٹن نے وسطی امریکہ کی پانچ ریاستوں پر قبضہ کر کے انھیں میکسیکو میں جو ملا لیا تھا، اب انھیں آزادی دے دی گئی۔ 1835 میں سانتانا نے بحیثیت صدر میکسیکو کی وفاقی حیثیت ختم کر دی اور اسے ایک وحدانی مملکت بنا دیا تو ٹیکسس (Texas) میں رہنے والے امریکی کسانوں نے بغاوت کر دی۔ سانتانا نے اسے کچلنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا اور 1836 میں ٹکسس نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ 1845 میں امریکہ نے ٹکسس کو ہتھیا لیا اور میکسیکو اور امریکہ میں جنگ چھڑ گئی۔ میکسیکو کو شکست ہوئی اور ٹکسس نیو میکسیکو اور کیلی فورنیا کا ایک حصہ امریکہ کے حوالے کرنا پڑا۔ امریکہ سے جنگ کے بعد 1855 میں میکسیکو میں انقلاب آیا۔ سانتانا کو ہٹا دیا گیا اور انقلابی طاقتوں نے معاشی اور سماجی زندگی میں کافی تبدیلیاں پیدا کیں، حتی کہ رومن کیتھولک کلیسا کو اپنی بڑی بڑی زمینیں بیچنے پر مجبور ہونا پڑا۔ انقلابیوں میں سب سے مشہور اور اہم شخصیت بنیٹو واریز (Benito Juarez) کی تھی۔ جس نے انقلابی تبدیلیاں لانے اور لبرل خیالات کی مدافعت میں 61-1858 کے دوران سخت جدوجہد کی۔ جنوبی امریکہ کی انقلابی جدوجہد میں واریز کا نام سرفہرست ہے۔ فرانس، برطانیہ اور اسپین نے میکسیکو کے رجعت پسندوں کی حمایت میں مداخلت کی۔ 1862 میں برطانیہ اور اسپین نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں اس لیے کہ فرانس کا شہنشاہ نپولین سوم میکسیکو کے رجعت پسندوں اور کلیسا والوں کی حمایت میں بادشاہت قائم کرنے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ اسے کامیابی ہوئی اور 1864 میں آسٹریا کے شہنشاہ کے بھائی میکسی ملین (Maximilian) کو میکسیکو کا شہنشاہ بنا دیا گیا۔ انقلابی خاموش نہیں بیٹھے اور اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ چنانچہ 1867 میں انھوں نے واریز کی سرکردگی میں میکسی ملین کو شکست دی۔ اسے گرفتار کر کے گولی مار دی۔

میکسیکو ایک دفعہ پھر جمہوریہ بن گیا۔ واریز اس کا صدر چنا گیا اور تاحیات یعنی 1877 تک وہ اس عہدے پر قائم رہا۔ اس کے بعد جنرل پورفوریو دیاز (Gen.Porfirio Diaz) صدر چنا گیا اور وہ چند ہی ماہ بعد ڈکٹیٹر بن بیٹھا۔ کہیں 1910 کے انقلاب میں اس کا تختہ الٹا گیا۔ دیاز نے واریز کی لبرل پالیسیوں کو ختم کرنا شروع کیا اور تقریباً ایک کروڑ انڈین نسل کے لوگوں کی مشترکہ زمین چھین کر بڑے بڑے زمینداروں میں تقسیم کر دی اور انڈین نیم غلام بنا دیے گئے۔ کلیسا نے بھی اپنی زمین واپس لے لی اور اب 90 فی صدی کسان زمین سے محروم ہو گئے۔

1910 اور 1917 کے درمیان انقلابیوں اور مالدار زمینداروں اور کلیسا کے درمیان جنگ اور جدوجہد کا سلسلہ جاری رہا اور آخرکار 1917 میں انقلابیوں کو فتح ہوئی۔ کلیسا کی ساری زمین پھر واپس لے لی گئی اور بہت اصلاحات کی گئیں۔ 1924 اور 1940 کے درمیان جنرل کارڈیناس صدر بنا اور اس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ زمین کو قومی ملکیت بنانا اور کسانوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ تیل کی صنعت کو قومی ملکیت بنانے سے امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ سخت کشمکش شروع ہو گئی اور انھوں نے سخت معاشی دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ 1939 میں دوسری عالم گیر جنگ چھڑ گئی تو اس میں کسی قدر ٹھہراؤ آیا۔ میکسیکو نے ہٹلر کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور اتحادیوں کی کافی مدد کی۔

جنگ کے بعد میکسیکو اقوامِ متحدہ اور امریکی ملکوں کے اتحاد میں شریک ہوا۔ اس کے بعد سے میکسیکو اندرونی ترقی، خاص طور سے زراعت، صنعت اور حمل و نقل کے وسائل کی ترقی میں مصروف رہا ہے۔ یہ وسطی نیز جنوبی امریکہ کے ان چند ملکوں میں سے ہے، جہاں جمہوریت کی سختی سے حفاظت کی جاتی ہے۔

سماجی و تہذیبی زندگی: آج کا میکسیکو قدیم و جدید کا نہایت دلچسپ مجموعہ ہے۔ بہت سارے انڈین آج بھی اسی طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں جیسے ان کے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔ گھاس پھوس کے جھونپڑوں میں رہتے ہیں اور عام طور پر دستکاری ان کا پیشہ ہے۔ ان کے بنائے ہوئے انتہائی خوشنما چاندی کے زیورات، برتن اور کپڑے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ اس کے مقابلہ میں میکسیکو وہ شہر ہے جو دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ جدید شہر کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

میکسیکو نے لاطینی امریکہ کے سب سے بڑے فنکار پیدا کئے ہیں۔ جوسے اروزکو (Jose Orozco)، ڈیگو ریویرا (Diego Rivera) اور ڈیوڈ سکیروس (Sequeiros) آج ساری دنیا میں مشہور ہیں اور میکسیکو کی بڑی بڑی سرکاری عمارتوں اور دیواروں پر ان کی نقاشی اور گل کاری وہاں آنے والے سیاح کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔

میکسیکو کے موسیقار اور استاد کارلوس شانیز (Carlos Shanez) کو ساری دنیا میں شہرت حاصل ہے۔

میکسیکو: جمہوریہ میکسیکو کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کے وسطی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

حصے میں واقع ہے۔ یہاں کے لوگ اسے ہمکو کہتے ہیں۔ اس شہر کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ اس کی آبادی 1971 میں تقریباً پچاس لاکھ تھی۔ اس کی آب و ہوا، سرد خشک اور صحت بخش ہے۔ سولھویں صدی عیسوی میں یہاں ایک نیشنل یونیورسٹی آف میکسیکو قائم کی گئی۔ آج یہ بہت بڑا شہر، تجارت، صنعت اور سیاسیات کا قومی مرکز ہے۔ یہاں کپڑے، تمباکو، کانچ کے سامان اور دھاتی اشیا کے کارخانے ہیں۔ اس شہر کی خوبصورتی اور ثقافتی کشش کے باعث ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے سیاح کثیر تعداد میں یہاں آتے ہیں۔ 1957 میں یہاں جوزلزلہ آیا تھا، اس سے بہت زیادہ تباہی ہوئی۔

یوروپی اقوام کے یہاں آنے سے پہلے یہاں ایک قوم ایزٹک کی نہایت ترقی یافتہ سلطنت تھی۔ اس کی راجدھانی کے آثار اب بھی شہر کے وسط میں موجود ہیں۔ سترہویں صدی میں یہاں ہسپانوی آئے اور اسے اپنا ایک صوبہ بنالیا۔ 1847 میں امریکی فوجوں اور پھر 1864 میں اس پر فرانسیسی فوجوں نے قبضہ کیا۔ اس سارے دور میں، خاص طور پر ہسپانوی قبضہ کے زمانہ میں، بے شمار گرجا گھر، محل اور دوسری عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ 1935 سے یہاں بڑے پیمانے پر صنعتی ترقی ہوئی۔ ریل ڈالی گئی، اور میکسیکو جنوبی امریکہ کا بہت بڑا تہذیبی مرکز بن گیا۔ فنون لطیفہ کے لیے زبردست عمارت تعمیر ہوئی اور اسے دوسری بہت ساری عمارتوں کو دنیا کے مشہور فن کاروں مثلاً ریویرا سیکوروز وغیرہ نے اپنی نقاشی سے سجایا۔

میکلیور، ولیم (William Maclure): یہ امریکی ماہر ارضیات تھا مگر اس کا جنم اسکاٹ لینڈ میں 1763 میں ہوا۔ وہ اپنے اس کارنامے کی بدولت مشہور ہے کہ اس نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا پہلا مکمل ارضیاتی نقشہ تن تنہا بنا کر پیش کیا۔ اس نے 1840 میں وفات پائی۔

میکنزی: یہ شمالی مغربی کنیڈا کا ایک دریا ہے جو شمال میں بحر قطب شمالی میں گرتا ہے۔ جھیل گریٹ سلیو (Great Slave) سے نکل کر 1,120 میل تک بہتا ہے۔ شروع میں جب جھیل اتھاباسکا (Athabaska) اور جھیل گریٹ سلیو کے درمیان سے گزرتا ہے تو اس کا نام گریٹ سلیو یا سلیو دریا ہوتا ہے۔ اس دریا کی لمبائی ڈھائی ہزار میل ہے۔ اس کے راستہ میں کئی جھیلیں ہیں، جن سے ایک طرف باڑھ پر کنٹرول ہوتا ہے۔ دوسرے ان میں جو پانی جمع ہوتا ہے وہ زراعت کے کام آتا ہے۔

میگما اور میگمائی تفریق (Magma and Magma Differentiation): قشر (Crust) یا بالائی میانہ (Upper Mantle) میں تشکیل شدہ مائع جو منجمد ہو کر آتشی حجرات بناتے ہیں۔ میگما کہلاتے ہیں۔ میگما عام طور پر پگھلے ہوئے سلیکیٹ جمادات کا مرکبہ ہوتا ہے اور اس میں پانی اور گیسیں بھی حل شدہ حالت میں شامل ہوتی ہیں۔ مگر انجماد کے دوران بخاراتی مادے خارج ہو جاتے ہیں۔ جب یہ سطح پر کسی دراڑ یا دراڑوں کے سلسلے یا کوہ آتش فشاں کے دہانے اور دہانے کے ذریعے سطح پر آجاتا ہے تو اس کو لاوا کہتے ہیں۔ آتشی حجرات میگما کی کیمیائی ترکیب کی وجہ سے بھی اور بعین میگمائی تفریق کی وجہ سے بھی کافی حد تک مختلف ہوتے ہیں۔

میگمائی تفریق مندرجہ ذیل طریقوں سے ممکن ہے۔

(1) مائع ناخلط پذیری (Liquid Immiscility) یعنی ایسے دو مائع کا پیدا ہونا جو آپس میں مل نہ سکتے ہوں اور خود بخود آسانی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور دو مختلف قسم کے حجرات کی شکل میں ٹھوس بن سکتے ہیں۔

(2) کسری قلماؤ (Fractional Crystallization) یعنی مختلف مرحلوں میں قلم پذیری ہونا۔ پہلے بننے والی قلمیں محض کثافت اضافی کے فرق کے باعث بھی باقی مائع سے علیحدہ ہو سکتی ہیں اور وہ قلمیں ایک مختلف حجر اور باقی مائع دوسری مختلف حجر کی صورت میں منجمد ہو سکتی ہیں۔ اگر اس قلم پذیری کے کئی مرحلے ہوں تو متنوع قسم کے حجرات بن سکتے ہیں۔

(3) مائع میں موجود گیس کے ساتھ دوسرے محلول مادوں کا بھی علیحدہ ہو جانا۔

(4) حرارتی یا تپش انتشار (Thermal Diffusion) کی وجہ سے اگر کسی میگمائی جسم میں درجہ حرارت کہیں زیادہ اور کہیں کم ہو تو روانات (Ions) مختلف رفتاروں سے حرکت کریں گے اور اس طرح تفریق عمل میں آئے گی۔

میگھالیہ: میگھالیہ کے معنی "بادلوں کا مسکن" ہے۔ یہ ہندوستان کی ایک ریاست ہے۔ اس کے انڈین یونین کی ریاست ہونے کا اعلان 21 جنوری 1972 کو کیا گیا۔ اس کے شمال اور مشرق میں آسام اور جنوب اور مغرب میں بنگلہ دیش واقع ہیں۔ کھاسی، جینتیا اور گارو قبیلوں کے لوگ یہاں بستے ہیں۔ یہ ریاست پہاڑی ہے۔ شیلانگ، جو اس کی راجدھانی ہے، ایک بلند سطح مرتفع پر واقع ہے۔ اس ریاست کی سب سے اونچی چوٹی شیلانگ ہے، جس کی اونچائی 6,450 فٹ ہے۔ ناک ایک جو گارو کے پہاڑی ضلع میں ہے، دوسری اونچی چوٹی ہے۔ یہاں متعدد ندیاں بہتی ہیں۔ جو اپنی گزرگاہوں میں کئی آبشار بناتی ہیں۔ سب سے خوبصورت آبشار چراپونجی کے قریب نوسنگی تھیانگ ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

اس ریاست کی سالانہ اوسط بارش 1000 اور 1270 سنٹی میٹر کے درمیان ہے۔ چیراپونجی کے بالکل نزدیک موسیر نام کی بستی میں جو کھاسی پہاڑیوں کے جنوبی ڈھلوان پر واقع ہے، دنیا میں سب سے زیادہ یعنی 500 انچ یا 1270 سینٹی میٹر سالانہ بارش ہوتی ہے۔ میگھالیہ جسے مشرق کا اسکاٹ لینڈ کہتے ہیں، غیر معمولی طور پر دلفریب مناظر کے لیے مشہور ہے۔ یہاں قدرتی آبشار، پہاڑ، جھیلیں، اونچی اونچی چوٹیاں، پہاڑیاں، وادیاں، تیزی سے بہنے والی ندیاں اور سبزہ زار ہیں جو دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔

اس ریاست کا رقبہ 22,489 مربع کلو میٹر اور 1991 کی مردم شماری کے مطابق آبادی 1,774,778 ہے۔ یہاں کے باشندوں کی اکثریت کا پیشہ زراعت ہے۔ آلو، پھل، کپاس وغیرہ خاص پیداوار ہیں۔ اس کے علاوہ جنگلات سے لکڑی بھی حاصل کی جاتی ہے۔ یہاں معدنی دولت بھی کافی موجود ہے۔

مینچسٹر جہاز رانی کی نہر: سلطنت برطانیہ کی آبی راہوں میں سے ایک ہے جو دریائے مرسی کے جنوبی ساحل پر واقع بندرگاہ الیسمر (Ellesmere Port) کو مینچسٹر سے ملاتی ہے۔ اس نہر کی وجہ سے مینچسٹر ایک بڑا اندرونی بندرگاہ بن گیا ہے۔ بڑے بڑے جہاز اور اسٹیمر انگلستان کے اہم صنعتی مرکزوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ مینچسٹر نہر ½36 میل لمبی، 28 فٹ چوڑی اور 120 فٹ گہری ہے۔ سمندر کی سطح سے نیچی ہونے کی وجہ سے اس کو پانچ بندوں میں تقسیم کر کے قابل جہاز رانی بنایا گیا ہے۔ دریائے مرسی اور دریائے ارول سے اس نہر کو پانی ملتا ہے۔ اس نہر کی بدولت ہی مینچسٹر کو بحیرۂ شمالی تک اپنے تجارتی جہازوں کو پہنچانے میں بڑی مدد ملی ہے۔ مینچسٹر میں پیدا ہونے والی کپاس کی صنعت کو فروغ دینے میں اس نہر نے بڑا اہم حصہ لیا ہے۔

میانمار (برما) (Myanamar): میانمار (یونین ریپبلک آف برما) جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ رنگون اس کا صدر مقام ہے۔ 1989 میں اس کا نام یونین آف برما سے بدل کر یونین آف میانمار رکھا گیا ہے۔

اس کا رقبہ 678,078 مربع کلو میٹر (261,788 مربع میل) ہے

آبادی 1991 میں تقریباً 42,561,000 تھی۔ اس کا صدر مقام مینگان (سابق رنگون) ہے۔ مغرب میں خلیج بنگال، بنگلہ دیش اور ہندوستان کا مشرقی علاقہ، شمال اور شمال مشرق میں چین اور مشرق میں لاؤس نیز تھائی لینڈ واقع ہیں۔ اس کے جنوب میں بحیرہ انڈمان پھیلا ہوا ہے۔ دریائے اراودی کی وادی کا علاقہ سب سے زیادہ گنجان آباد ہے۔ سرکاری اور بڑی اکثریت کی زبان برمی ہے۔ 80 فیصدی آبادی بدھ مت کی پیرو ہے۔ چاول کی پیداوار کے لحاظ سے میانمار کا شمار دنیا کے چند بڑے ملکوں میں ہوتا ہے۔ وادی اراودی پہاڑیوں سے گھری ہوئی ہے۔ جس کا سلسلہ مشرقی ہمالیہ سے شروع ہو کر ایک بڑے نعل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ میانمار کے پہاڑی علاقوں میں منگول نسل کے باشندے آباد ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ناگا ہیں۔ ان کے علاوہ آٹھویں صدی میں تبت سے آئے ہوئے کاچن اور چن پہاڑیوں میں بسنے والے چن قبیلے آباد ہیں۔ یہ لوگ چاول اور باجرہ کی کاشت کرتے اور ساگوان کی کٹائی کرتے ہیں۔ بعض علاقوں میں لعل اور نیلم جیسے قیمتی پتھر دستیاب ہوتے ہیں۔ یشب اور جیڈ جیسے قیمتی پتھر تیرھویں صدی ہی سے چین کو برآمد کئے جاتے ہیں۔ سطح مرتفع شان کے مشرق میں شان ریاست واقع ہے۔ شان باشندوں کا تعلق تائی نسل سے ہے جو تھائی لوگوں (سیامی) سے ملتی جلتی ہے۔ شان کے جنوب میں کابا کے علاقے میں کرن قبیلے آباد ہیں۔ جن کا تعلق تائی چینی نسل سے ہے۔ مانڈلے اور اراودی دریا کے آس پاس اصل برمی باشندے رہتے ہیں۔ منگولیا نسل کے یہ لوگ نویں صدی میں تبت سے نقل مقام کر کے یہاں آباد ہوئے تھے۔ زراعت ان کا اہم پیشہ ہے۔ میانمار میں چاول کے علاوہ روئی، تمباکو، ربر وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ سالانہ 1,160,000 میٹرک ٹن تیل نکالا جاتا ہے۔ برآمد کا 58 فیصدی حصہ چاول اور 23 فیصدی ساگوانی لکڑی ہے، اور یہ زیادہ تر انڈونیشیا، سنگاپور، سری لنکا، جاپان، ہالینڈ اور ماریشس وغیرہ کو جاتی ہے۔ درآمد کا 33 فیصدی جاپان سے آتا ہے۔ باقی چین، جرمنی، برطانیہ، امریکہ اور جنوبی کوریا سے آتا ہے۔

رائج سکہ کیات (Kyat) ہے۔

میانمار (برما) میں 1987 میں ابتدائی مدرسوں میں 4,848,158 طالب علم اور 137,320 استاد تھے اور ثانوی مدرسوں میں 1,358,788 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 202,381 طالب علم تھے۔

1044 میں اناوراتھ (ANAURATH) نے اراودی کے ڈیلٹا میں اپنا تسلط قائم کیا تھا۔ اس نے ہمان بنایا تا بدھ مت رائج کیا جو اب بھی یہاں کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہاں پگوڈا، خانقاہ اور منادر کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ باشندوں کی اکثریت لکھی پڑھی ہے۔ اناوراتھ کی راجدھانی پگان (ہزار منادر والا شہر) تھا جو 1287 میں کبلائی خان کے قبضہ تک اس خاندان کا پایۂ تخت رہا۔ اس کے بعد شان باشندے جو پیگنگ کے باجگوار کی حیثیت سے برسر اقتدار آئے ایک عرصہ تک حکومت کرتے رہے۔ 1546 کے بعد نئے شاہی خاندانوں نے ان کی جگہ لے لی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جن کی راجدھانیاں اوا، پیگو اور لوگو میں واقع تھیں۔ سولھویں صدی میں برمی حکمراں تابنشتی (TABINSHETI) نے ملک کو متحد کیا لیکن اٹھارویں صدی میں پھر اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور مانڈلے اور اراودی کا وہ علاقہ جو منطقہ خشک کہلاتا ہے تالینگ (TALAINGS) خاندان کے زیر نگیں آ گیا۔ 1858 میں الاونگ پایہ (ALAVNG PAYA) نے برمیون کو دوبارہ متحد کر کے تلنگوں کو شکست دی اور رنگون کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اولانگ پایہ کے جانشینوں کے دور میں انگریزوں نے برما کے حصے بخرے کر دیے اور رفتہ رفتہ سارے ملک پر قبضہ جمالیا اور پھر اسے برطانوی ہند کے ماتحت کر دیا۔ انگریزوں نے یہاں سے دولت اس طرح سمیٹی جیسے ہندوستان سے سمیٹی تھی۔ اس دور میں زرعی پیداوار اور خام مال میں اضافہ ہوا۔ خاص طور سے چاول، ربر، نیشکر اور کپاس کی پیداوار بڑھتی گئی اور ریلوں کا جال بچھا دیا گیا۔ تیل برآمد کیا جانے لگا۔ 1937 میں میںمار کو ہندوستان سے علیحدہ کر دیا گیا اور داخلی امور کی حد تک اسے کچھ اختیارات دے دیے گئے۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران 1942 کی ابتدا میں۔ جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور ایک آزاد برمی حکومت قائم کی۔ لیکن شمال میں جنرل اسٹویل کی سرکردگی میں امریکی اور برطانوی فوجوں نے چین کے جاپانی مقبوضات پر حملے شروع کر دیے اور چار متحدہ حلیفوں نے جن میں چین بھی شامل تھا جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ 1945 میں رنگون پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد میںمار کو مکمل آزادی حاصل ہو گئی۔ 1948 میں یونین آف برما تشکیل دی گئی اور اسے جمہوریہ قرار دے دیا گیا جو ایک صدر مملکت کے تحت دو ایوانی مجلس قانون ساز پر مشتمل ہے۔ خاص برما سے باہر کے کم ترقی یافتہ علاقوں کو خود مختار ریاستوں اور قومی منطقوں میں تقسیم کر دیا گیا اور مرکزی پارلیامنٹ میں ان کو نمائندگی دی گئی۔ مخالف فاشسٹ عوامی سوشلسٹ لیگ، جس نے ملک کے بحرانی حالات میں اپنا اثر و رسوخ قائم رکھا تھا۔ اب کیونسٹوں اور کیرینت قبیلہ کی مسلح بغاوت سے دوچار ہو گئی۔

1951-52 کے انتخابات کے بعد 1947 کے دستور کا عبوری دور ختم ہو گیا اور مخالف فاشسٹ عوامی لیگ کو انتخابات میں کامیابی ہوئی باؤ (BAU) کو برما کا پہلا صدر چنا گیا اور اس جماعت کے ایک دوسرے لیڈر اونو کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ اونو نے بعض قابل قدر اصلاحات نافذ کیں، مثلاً میںمار ایشیا کا پہلا ملک ہے جس نے بچوں کی مزدوری کا خاتمہ کیا، تنخواہوں کی بنیادی شرح مقرر کی اور 40 گھنٹوں کا ہفتہ رائج کیا۔ اس کے علاوہ جاپان کی جنگی تاوان کی رقم سے پن بجلی گھروں کی بڑے پیمانے پر تعمیر کی۔

1959 میں جنرل نے ون کی سرکردگی میں فوج نے بغاوت کی اور اونو نے جنرل نے ون کی فوجی حکومت کے حق میں اقتدار سے دست برداری اختیار کر لی۔ 1960 میں جنرل نے ون نے استعفیٰ دے دیا اور اونو عام انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دوبارہ برسر اقتدار آئے۔ تاہم اونو نے اپنے انتخابی وعدہ کی تکمیل نہیں کی اور جب انھوں نے بدھ مت کو سرکاری مذہب قرار دیا تو اس کی سختی سے مخالفت شروع ہو گئی۔ 1962 میں ایک اور بغاوت کے بعد جنرل نے ون نے پھر حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اونو اور دوسرے لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ دستور معطل کر دیا گیا قومی اسمبلی تحلیل کر دی گئی۔ اور فوجی حکومت قائم کر دی گئی۔

1963 میں فوجی حکومت نے اصلاح اراضی کے علاوہ صنعتوں، بینکوں اور تجارتی اداروں کو قومیانے کا پروگرام شروع کیا۔ اور اپنی سیاسی بنیاد کو مستحکم بنانے کی غرض سے برما سوشلسٹ پروگرام پارٹی کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی۔ اس کے سوا بقیہ تمام سیاسی پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا اور جب جامعاتی تعلیمی نظام میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں تو طلبا کے 1964 کے زبردست احتجاجی مظاہروں کی بنا پر جامعات (یونیورسٹیاں) بند کر دی گئیں۔ جہاں تک خارجی امور کا تعلق ہے میںمار نے بیرونی تسلط سے بچنے کی پوری پوری کوشش کی اور عالمی جھگڑوں میں اپنے آپ کو غیر ملوث رکھا اور غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل کیا۔

1963 کے بعد سے، 1967 میں، 1969 میں اور پھر 1972 میں بھی مستقل بغاوتیں اور بے چینی کے حالات اس ملک کو گھیرے رہے ہیں۔

مارچ 1974 میں ایک نیا آئین مرتب کیا گیا اور نے ون کو صدر بنایا گیا۔ 1988 میں حکومت کے خلاف فسادات ہوئے۔

مئی 1990 میں انتخابات کرائے گئے، لیکن فوجی حکومت نے انتخابات کے نتائج منسوخ کر دیے اور بہت سے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ آنگ سان سوکئی کو اندرون خانہ نظر بند کر دیا گیا۔ اسی 'سوکئی' کو 1991 کا امن کے لیے نوبیل انعام ملا۔

1992 میں یونو اور بہت سے دوسرے لیڈروں کو رہا کر دیا گیا۔

میواڑ: یہ قدیم راجپوتانہ کی ایک ریاست آٹھویں صدی عیسوی میں تشکیل پائی تھی۔ اسے "اودے پور" بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے فرمانروا مسلمان حملہ آوروں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے تھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں اس ریاست کے اندرونی خلفشار اور مرہٹوں کی یورشوں نے اس پر برا اثر ڈالا۔ 1818 میں اس پر انگریزوں کا اقتدار اعلیٰ قائم ہو گیا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد 1948 میں ریاست

راجستھان میں ضم ہو گیا۔

میور بھنج: ریاست اڑیسہ کا ایک شہر جو خام لوہے کے ذخائر کے لیے مشہور ہے۔

میوراکشی: بہار میں چھوٹا ناگپور کی سطح مرتفع سے نکلنے والی اس ندی پر بمقام مسنجار کنیڈا بندھ کی تعمیر ہوئی ہے جس کی وجہ سے مشرقی بہار اور مغربی بنگال کی لاکھوں ہیکٹر زمین سیراب ہوتی ہے۔

میونخ: جمہوریہ جرمنی کا یہ شہر، جو دریائے اِسار (Isar) کے کنارے کوہ آلپس کے بویریائی سلسلہ کے دامن میں واقع ہے، جرمن زبان میں میونخن کہلاتا ہے۔ 1971 میں آبادی 1,033,964 تھی۔ صنعت، تجارت اور ثقافت کا مرکز ہونے کے علاوہ رسل و رسائل کا ایک اہم مقام ہے۔ یہاں کی بیئر شراب غیر معمولی شہرت رکھتی ہے۔ یہاں مشینری، کیمیائی اشیا، غذائی اشیا، آلات بصارت، کپڑے اور دوسری کئی اشیا بنانے کے کارخانے ہیں۔ یہاں کی یونیورسٹی جو 1742 میں قائم کی گئی تھی، بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہاں فنون، سائنس، فنون لطیفہ کے کالج اور کئی مشہور و معروف میوزیم ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جرمن مصوری نے یہیں زبردست ترقی کی۔ میونخ آپیرا اور تھیٹرز کا بھی بہت بڑا مرکز ہے۔ سیاح یہاں بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ میں یہاں کے مشہور گرجاؤں اور عمارتوں کو بہت نقصان پہنچا۔ ہٹلر نے 1923 میں اپنی جرمن نیشنل سوشلسٹ پارٹی یا نازی پارٹی کی بنیاد یہیں رکھی تھی۔ 1938 میں مشہور عالم "میونخ معاہدہ" یہیں ہوا تھا، جس میں برطانیہ کے وزیر اعظم نے سوڈے ٹن لینڈ ہٹلر کے حوالے کر دیا جس سے چیکوسلواکیہ پر قبضہ کرنے کا ہٹلر کو موقع مل گیا۔ اس طرح دوسری عالمی جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

میتھیلا: یہ ہندوستان میں بہار کی قدیم حکومت کا ایک اہم حصہ ہے۔

میچیگن جھیل (مشیگن جھیل): یہ جھیل، جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی شمال سرحد کے نزدیک واقع ہے، گریٹ لیکس کی پانچ جھیلوں میں سے ایک ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے یہ تیسری بڑی جھیل ہے۔ گریٹ لیکس میں صرف یہی ایک جھیل ہے جو مکمل طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سرحد کے اندر واقع ہے۔ اس کا شمالی کنارہ دریائے میکینیو کے ذریعہ جھیل ہیورن سے ملا ہوا ہے۔ اس کے جنوب مغربی ساحل پر شہر شکاگو واقع ہے۔ یہ جھیل 307 میل لمبی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گہرائی 923 فٹ اور رقبہ تقریباً 22,400 مربع میل ہے۔ سطح سمندر سے اس کے پانی کی سطح 580 فٹ بلند ہے۔

مہابلی پورم (Mahabalipuram): یہ سمندر کے کنارے ایک مشہور تفریحی مقام ہے جو چنئی کے جنوب میں ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں پلوا حکمرانوں کے زمانہ میں یہ ایک ترقی یافتہ بندرگاہ اور ایک اہم شہر تھا۔ مہابلی پورم جسے ممالا پورم (Mamallapuram) بھی کہتے ہیں۔ چٹانوں میں تراشے ہوئے مذہبی تعمیر کے فن کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ جنھیں رتھ (Raths)، غار (Caves) اور مندر (Temples) کہا جاتا ہے۔ یہ شاندار تہذیب کا ایک نمونہ ہیں جن کا تعلق مہا گیرت اور گنگا کے راج گھرانوں سے تھا۔

مہابلیشور: یہ مہاراشٹرا کی ایک عمدہ تفریح گاہ ہے جس کی سطح سمندر سے بلندی 4,500 فٹ ہے۔ مہاراشٹرا کے گورنر یہاں گرمیاں گزارنے کے لیے جاتے ہیں۔ مہابلیشور کی سیر کا سب سے اچھا زمانہ اپریل سے مئی اور اکتوبر تا مارچ ہوتا ہے کیونکہ جون سے اکتوبر تک یہاں خوب بارش ہوتی ہے۔ مغربی گھاٹ کا نظارہ یہاں سے بڑا دلفریب ہوتا ہے۔ موسم گرما میں جب آسمان صاف و شفاف ہوتا ہے تو سمندر بھی یہاں سے دکھائی دیتا ہے۔ پونا سے مہابلیشور کا فاصلہ 75 میل ہے۔

مہاجر حجر (Allochthon): وہ حجرات جو اپنے جائے اخراج یا جائے پیدائش سے طویل فاصلے تک کسی ٹکٹونک عمل (Tectonic Process) کے زیر اثر ہٹ جاتے ہیں یا جگہ تبدیل کر لیتے ہیں، مہاجر حجر کہلاتے ہیں۔

مہاراشٹرا: آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے ہندوستان کی تیسری بڑی ریاست مہاراشٹرا ملک کے مغربی ساحل کے ساتھ واقع ہے۔ اس کے وسیع و عریض سمندری ساحل میں جگہ جگہ دھان کے کھیت اور ناریل کے درخت پائے جاتے ہیں۔

اس کے مغرب میں بحیرۂ عرب، شمال اور مغرب میں گجرات، شمال میں مدھیہ پردیش، جنوب مشرق میں آندھرا پردیش اور جنوب میں گوا اور کرناٹک واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 30,762 مربع کلومیٹر اور آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 78,937,187 ہے۔

یہاں واقع مغربی گھاٹ یا سہیادری پہاڑ مرطوب سدا بہار اور مانسونی جنگلات سے ڈھکے ہوئے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

آبپاشی کے اہم پروجیکٹ پاگ، بھیما، گھودم (Ghodam)، مولا (Mula)، کوکاڈی (Kukadi) وارنا، اپر گوداوری، کرشنا وغیرہ ہیں۔

یہاں چاول، جوار باجرہ، گیہوں، کپاس، گنا اور مونگ پھلی کی کاشت کی جاتی ہے۔ اہم معدنیات کوئلہ، مینگنیز اور چونا پتھر ہیں۔ یہاں ملک بھر میں سب سے بہتر برقی قوت حاصل کرنے کے امکانات موجود ہیں۔

مہاراشٹر اسب سے بڑی صنعتی ریاست ہے۔ اکثر کارخانے ممبئی اور اس کے اطراف واکناف مرکوز ہیں۔ سوتی کپڑے کی صنعت سب سے اہم ہے۔ اس کے علاوہ اونی کپڑے، شکر اور شراب کے کارخانے انجینئرنگ اور کیمیائی اشیا اور ٹرانسپورٹ کا سامان تیار کرنے کے کارخانے موجود ہیں۔ ممبئی ایک بڑا بندرگاہ ہے۔

ریاست کے اہم شہر ناگپور، اورنگ آباد، ممبئی، ناسک اور پونا ہیں۔ صدر مقام ممبئی ہے۔

ریاست مہاراشٹرا آزادی کے بعد زبانوں کی بنیاد پر ریاستوں کی تنظیم نو کے بعد بنی ہے۔ پہلے اس صوبہ میں شریک علاقے، صوبہ بمبئی، صوبہ متوسط و برار، ریاست حیدر آباد اور چند چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تنظیم نو کے وقت ان سب علاقوں میں سے مراٹھی بولنے والے تمام علاقے الگ کرکے اور ان سب کو ملا کر ریاست مہاراشٹرا بنادی گئی۔

مراٹھی قومیت اور مراٹھا سلطنت کا احساس بڑے پیمانے پر سترہویں صدی میں پیدا ہوا، جب شیواجی نے ایک مراٹھا سلطنت کی بنیاد رکھی اور اورنگ زیب کی مزاحمت کی۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد پیشواؤں کی سرکردگی میں اس نے زبردست ترقی کی اور دکن اور وسطی نیز مغربی ہندوستان کے کافی حصے تک پھیل گئی۔ وسط اٹھارہویں صدی تک یہ ہندوستان کی سب سے طاقت ور سلطنت بن گئی۔ اس کا مرکز پونا تھا، لیکن جلد ہی یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کئی ریاستوں میں بٹ گئی اور انگریزوں نے یکے بعد دیگرے انھیں زیر کرلیا۔ 1857 کے بعد مراٹھوں کی مرکزی حکومت پوری طرح ختم ہو گئی اور صرف بڑودہ، گوالیار، اندور وغیرہ میں انگریزوں کے ماتحت دیسی ریاستیں رہ گئیں۔

مہاندی: اڑیسہ کی مہاندی وندھیاچل کے مشرقی ڈھال سے نکلی ہے۔ خلیج بنگال میں گرنے سے پیشتر یہ کئی شاخوں میں منقسم ہو کر اپنے دہانے پر ایک بہت بڑا ڈیلٹا بناتی ہے۔ سمندر میں جہاں یہ گرتی ہے، اس مقام کا نام فالس پوائنٹ ہے۔ 800 کلو میٹر لمبی یہ ندی، جنوبی ہند کی، گوداوری کے بعد، دوسری عظیم ندی ہے۔ کوسی اور دامودر کی طرح یہ بھی ایک غضبناک ندی ہے جس میں اکثر باڑھ آجاتی ہے۔ لیکن ہیرا کنڈ ڈیم کی تعمیر کے بعد اس سے لاکھوں ہیکٹر زمین اب سیراب ہونے لگی ہے اور بجلی کی بڑے پیمانے پر فراہمی ممکن ہو گئی ہے۔ اس کے کنارے پر سنبھل پور، کٹک اور پوری واقع ہیں۔

مہی ندی (ماہی ندی): مہی گجرات کی ندی ہے جس سے نہریں نکالی گئی ہیں اور بجلی پیدا کی گئی ہے۔ اس سے راجستھان اور گجرات استفادہ کرتے ہیں۔ یہ ندی مدھیہ پردیش کے وندھیاچل کے سلسلے سے نکلی ہے اور بحیرۂ عرب کی خلیج کھمبات میں جاگرتی ہے۔

ن

ناٹو (نیٹو) (N.A.T.O.): یہ شمالی اوقیانوس کا صلح نامہ 4 اپریل 1949 کو واشنگٹن کے مقام پر ہوا تھا۔ اس پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ عظمیٰ کینیڈا، فرانس، بلجیم، نیدرلینڈز، لکزمبرگ، ناروے، ڈنمارک، آئس لینڈ، اٹلی اور پرتگال کے نمائندوں نے اتفاق رائے سے دستخط کیے۔ 52-1951 میں یونان اور ترکی بھی اس معاہدہ میں شریک ہو گئے۔ اس صلح نامہ کی منظم جماعت ناٹو (نیٹو) (NATO) یا North Atlantic Treaty Organization کہلاتی ہے۔ یہ 1952 میں تشکیل پائی۔ اس کا سب سے پہلا سکریٹری لارڈ اسے تھا۔ اس تنظیم کا صدر دفتر پیرس میں ہے۔ اس کی ایک کونسل ہوتی ہے۔ شریک ممالک کے امور خارجہ یا دفاع کے وزرا اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ سال میں دو یا تین بار وزارتی سطح پر اس کے اجلاس ہوتے ہیں۔ اجلاس زیادہ ہوں تو ان میں ناٹو (نیٹو) کے ہر شریک ملک کا کوئی ایک نمائندہ وزیر کے قائم مقام کی حیثیت سے شرکت کرتا ہے۔ 1950 میں اس تنظیم نے مغربی یوروپ کی مشترکہ مدافعتی فوج کی تشکیل سے اتفاق کیا اور اس کا مستقر پیرس ہی کے نواح میں قائم کرنے کی تجویز کی۔ پچھلے دنوں ناٹو (نیٹو) میں کئی اختلافات بھی پیدا ہو گئے تھے۔ ان میں نیوکلیائی مصنوعات کے ضبط سے تعلق رکھنے والے اختلافات اہم تھے۔ ان میں ڈی گال (فرانس) کا عمل بہت اہم تھا۔ اس نے 1966 میں اعلان کیا تھا کہ 1969 میں فرانس ناٹو (نیٹو) سے قطعی الگ ہو جائے گا اور اس کے تمام بدیسی سپاہیوں کے دستے ایک ہی سال میں فرانس سے واپس چلے جائیں گے۔ 1970 میں ناٹو (نیٹو) کو کئی سیاسی الجھنوں سے دوچار ہونا پڑا۔ بعض ممبروں نے اور بالخصوص فرانس نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی برتریت پر اعتراضات کیے۔ مغربی جرمنی کے مستقبل کا سوال بھی ناٹو (نیٹو) کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا رہا۔

نارائن گنج: یہ بنگلہ دیش کا ایک اہم تجارتی مرکز ہے۔ پٹ سن کی تجارت کے اعتبار سے یہ بنگلہ دیش کا سب سے اہم ڈویژن ہے۔ یہاں جوٹ کی کاشت برہم پترا کی قدیم وادی میں کی جاتی ہے جس میں میمن سنگھ، ڈھاکہ، تسرا کے اضلاع شامل ہیں۔ چونکہ برہم پترا کا پانی یہاں صاف و شفاف ہوتا ہے اس لیے نارائن گنج کے جوٹ کی مارکٹ میں بڑی مانگ ہے۔ یہ جوٹ اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے۔ اس کے صرف ضلع میمن سنگھ سے ہی بنگلہ دیش کا 70 فی صدی جوٹ حاصل ہوتا ہے۔ اس ڈویژن کا جوٹ کثیر مقدار میں مغربی ممالک کو برآمد ہوتا ہے۔

نارفوک۔ جزیرہ (Norfolk Island): جنوبی بحر الکاہل میں واقع ایک جزیرہ ہے جو آسٹریلیا کا مقبوضہ ہے۔ اس کا رقبہ 36 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی جنوری 1986 کے اعداد و شمار کے مطابق 2,367 تھی۔ نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ سیاحی کا مرکز ہے۔ صنوبر (پائن) کے جنگلات اور سنترے اور اسی قسم کے پھل بہ کثرت پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے انگریزوں نے 1780 میں اس کا پتہ چلایا اور قبضہ کر لیا۔ دو مرتبہ اس سے مجرموں کی جیل کا کام لیا گیا۔ 1844 میں یہ تسمانیہ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ 1896 میں یہ نیو ساؤتھ ویلز کا مقبوضہ بنا اور 1913 میں آسٹریلیا کا مقبوضہ بن گیا۔

نارم (Norm): چار امریکن ماہرین حجریات، کراس (Cross)، ایڈنگس (Iddingse)، پیرسن (Pirrson) اور واشنگٹن (Washington) نے کچھ اصولوں کے مطابق کسی آتشی حجر کی کیمیائی ترکیب کے اظہار کرنے کے طریقے بتائے جس کا اظہار "نارم" کہا جاتا ہے۔ اس میں حجرات کی کیمیائی ترکیب کا اظہار کرنے کے لیے مخصوص اور منتخب جمادات کے ناموں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ناروے (Norway): ناروے شمالی یوروپ کا ایک ملک ہے اور جزیرہ نما اسکنڈینیویا (Scandinavian Peninsula) کے مغربی حصہ میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 324,219 مربع کلو میٹر (125,181 مربع میل) ہے۔ اس کی سرحدیں مشرق میں سویڈن، شمال مشرق میں روس اور فن لینڈ، مغرب میں بحر اوقیانوس (بحر اٹلانٹک) (Atlantic Ocean) اور بحیرۂ شمالی (North Sea)، بحیرۂ آرکٹک

(Arctic Ocean) سے ملتی ہیں۔ مغرب کی سمت طویل سرحد پر کئی جزیرے واقع ہیں جن میں لافوٹن (Lafoten) اور ویسٹرالن (Vestralen) قابلِ ذکر ہیں۔ ساحل سے زمین ایک دم بلند ہوتی جاتی ہے اور ایک سطح مرتفع کی شکل لے لیتی ہے۔ یہاں جوٹن ھیمین (Jotunheimen) کوہستانی سلسلہ میں گلد وپگن چوٹی (Galdhopiggen) 2,468 میٹر (8 ہزار فٹ) بلند ہے۔ کوہستان کے مغرب میں یوروپ کے سب سے بڑے گلیشیر (Glaciers) جو سٹیڈلسبرین (Jostedals-breen) واقع ہیں۔ ملک کی آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 4,262,000 ہے۔ صدر مقام اوسلو (Oslo) ہے۔ سرکاری زبان نارویجین ہے۔ سکہ رائج کرون (Krone) ہے۔

تعلیم: 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں 308,516 طالب علم اور 50,614 استاد تھے۔ ثانوی مدرسوں میں 367,395 اور حرفی مدارس میں 118,056 نیز اعلیٰ تعلیمی مدارس میں 68,249 طالب علم تھے۔

ملک میں خواندگی کا تناسب 99.3% ہے۔

زراعت، جنگلات، شکار، ماہی گیری اہم پیشے ہیں۔ گائے کا دودھ، کان کنی اور خام لوہے کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔

تیار شدہ اشیا میں لکڑی کا گودا، صاف کیا ہوا فولاد، عمارات کے لیے لوہے اور فولاد کے تیار ڈھانچے، اخباری کاغذ، ملبوسات، بجلی کے تار اور کیبلیں، برف میں ٹھنڈی کی ہوئی مچھلیاں، تمباکو، وارنش، پینٹ، چاکلیٹ، مشروبات اور 100 ٹن سے چھوٹے وزن کی کشتیاں، نیز پورٹ لینڈ سیمنٹ وغیرہ ہیں۔

تاریخ: ناروے کی قدیم تاریخ کو آٹھویں صدی عیسوی تک سمندر میں لوٹ مار کرنے والوں (Vikings) کے دور سے پہلے اسکنڈینیویا کی تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ نویں صدی میں یہ ملک مختلف حکمرانوں کے تحت بٹا ہوا تھا۔ ہیرالڈ اول (Herald 1) نے، جو انگلنگ یا سلفنگ (Yngling or Scilfing) خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اور اپنے آپ کو قدیم نارسے (Norse) دیوتاؤں کی نسل سے بتاتا تھا، چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو شکست دے کر انھیں آپس میں متحد کرنا چاہا لیکن اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور بہت سارے امیر فرانس اور آئس لینڈ کو ترکِ وطن کر گئے۔ 930 میں ہیرالڈ کی وفات سے پہلے ملک اس کے لڑکوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ان میں سے ہاکون اوّل (Haakon 1) نے اپنے بھائیوں کو زیر کیا اور عارضی طور پر ملک میں اتحاد قائم کیا۔ اولاف دوم (Olaf II) (1015-1028) نے ملک میں مذہب عیسائیت کو رواج دیا لیکن ناروے کے امیروں کی سازش سے انگلستان اور ڈنمارک کے بادشاہ نے اولاف کو ملک سے باہر نکال دیا۔

اس کے لڑکے میگنس اول (Magnus I) کو تخت پر بٹھایا گیا۔ میگنس اور اس کے جانشین ہیرالڈ سوم (Herald III) نے انگلستان اور ڈنمارک کے معاملات میں اہم حصہ لیا۔ ہیرالڈ کے بعد ناروے خانہ جنگیوں اور زوال کا شکار ہو گیا۔ بارھویں صدی میں ناروے کی کلیسائی حکومت نے مقبولِ عام برکے بینر (Birkebeiner) کی شاہ سویر (Sverre) کی مدد سے پارٹی کے اقتدار کو مستحکم کیا۔ اسی پارٹی کی مدد سے سویر کے پوتے ہاکن چہارم (Haakon IV) کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کے دور میں اور میگنس ششم (Magnus VI) کے دور میں وہ زمانہ تھا جب قرونِ وسطیٰ کا ناروے اپنے عروج کی بلندیوں تک پہنچا۔ آئس لینڈ (Iceland) اور گرین لینڈ (Green Land) بھی ناروے کے تاج کے ماتحت آگئے تھے۔

ناروے اور ڈنمارک۔ میگنس ہفتم (Magnus VII) کی تخت نشینی کے بعد جو سویڈن کا بھی بادشاہ تھا ناروے کی جدا طور پر ترقیات کا سوال باقی نہیں رہا۔ لیکن وہ خود ناروے میں مقبول نہیں تھا، اس لیے اس نے ناروے کو اپنے لڑکے ہاکون چہارم (HaakonIV) کے سپرد کر دیا۔ ہاکون ڈنمارک کی ملکہ مارگریٹ کا شوہر تھا اور مارگریٹ نے ناروے، سویڈن اور ڈنمارک کو متحد کر دیا۔ اس اتحاد کی 1397 میں تشکیل ہوئی۔ جسے کالمر یونین (Kalmar Union) کہتے ہیں۔ اس کے بعد چار صدیوں تک ناروے کی جدا حیثیت یا وحدت باقی نہیں رہی اور وہ ڈنمارک کے دربار کا محکوم رہا۔ تاہم اس دور (سترھویں صدی) میں ناروے کا بحری بیڑہ بہت مستحکم ہو گیا۔ عمارتی لکڑی کے کاروبار نے وسعت پائی۔ ڈنمارک نے چونکہ نپولین کی لڑائیوں میں فرانس کا ساتھ دیا تھا اس لیے اسے 1814 کے معاہدۂ کیل (Treaty of Kiel) کی شرائط قبول کرنی پڑیں اور سویڈن کے حق میں پومیرنیا (Pomerania) کے بدلے ناروے سے دست بردار ہونا پڑا۔

ناروے اور سویڈن۔ ناروے نے شہزادہ کرسچین (Prince Christian) (جو بعد میں ڈنمارک کا شاہ کرسچین ہشتم ہوا) کے تحت ایک جدا سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی۔ 1814 میں ناروے کا ایک دستور تیار ہوا اور مختلف ترمیمات کے ساتھ یہ دستور باقی ہے۔ 1905 میں پارلیمنٹ (اسٹورٹنگ) (Storting) نے یونین کو تحلیل کر دیا۔ اور آسکر دوم (Oscar II) کو تخت سے اتار دیا اور ڈنمارک کے فریڈرک ہشتم (FredrickVIII) کو ہاکون ہفتم (Haakon

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(VII کے لقب سے ناروے کا بادشاہ بنایا گیا۔

جدید ناروے۔ انیسویں اور ابتدائی بیسوی صدیوں کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں امریکہ کو ترک وطن کیا اور دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ فرڈ جوف نانسن (Fridtjof Nansen) جیسی مشہور شخصیتوں نے قطب شمالی (Arctic) اور قطب جنوبی (Antarctic) کا پتہ چلایا۔ پہلی جنگِ عظیم میں ناروے غیر جانبدار رہا جس سے سماجی اور معاشی ترقی میں بڑی مدد ملی۔ دوسری جنگِ عظیم میں بھی ناروے نے جنگ میں الجھنے سے احتراز کیا لیکن جرمنوں نے 1940 میں اس پر قبضہ کیا اور جرمن فوج 1945 میں اس ملک میں رہی۔ جنگ کے بعد ترقیات کی رفتار بڑی تیز رہی۔ ناروے اقوامِ متحدہ (United Nations) کے بانی اراکین میں سے ایک ہے اور اس کی خارجہ پالیسی یہ رہی ہے کہ ایک طرف مغربی ممالک سے دوستی رہے اور دوسری طرف روس سے اچھے تعلقات رہیں۔

ناسک: مہاراشٹر کا ایک اہم شہر ممبئی سے 115 میل کے فاصلے پر گوداوری ندی کے کنارے واقع ہے۔ یہ ہندوؤں کے لیے ایک متبرک مقام ہے۔ ہزاروں لوگ گوداوری میں نہانے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ ہر بارہ سال کے بعد کمبھ کا میلا ہوتا ہے تو لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہندوستان کے ہر حصہ سے اشنان کرنے کے لیے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ ایک مندروں کا بھی شہر ہے، جہاں اس کے مشرق میں ندی کے کنارے کئی مندر بنے ہوئے ہیں۔ ناسک میں ایم. آئی. جی. طیاروں کی ایک فیکٹری بھی قائم کی گئی ہے۔

ناگا کی پہاڑیاں: ناگالینڈ کے مشرق میں ناگا پہاڑیوں کا سلسلہ ہے جو ہندوستان اور میانمار کے درمیان فاصل آب کا کام کرتا ہے۔ تیزو وہ تنہا ندی ہے جو ناگا پہاڑیوں کے سلسلے سے ہوتی ہوئی مشرق میں میانمار کی ندی چندون سے جا ملتی ہے۔ سارامتی ناگا پہاڑیوں کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔

ناگار جن ساگر: ناگار جن ساگر کا شمار ہندوستان کے عظیم ہمہ مقصدی دریائی منصوبوں (پراجیکٹس) میں ہوتا ہے، جس پر خرچ کا اندازہ 165 کروڑ روپیہ ہے۔ اس پراجیکٹ کا افتتاح شری نہرو نے دسمبر 1955 میں کیا تھا۔ اس کی تعمیر آندھرا پردیش میں دریائے کرشنا پر ضلع نلگنڈہ کے مریال گڈھ کے تعلقہ میں ہوئی ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا سنگ بستہ میسنری ڈیم ہے جس کے دونوں جانب دو آبپاشی کی نہریں ہیں ایک دائیں جانب کی نہر، جو جواہر نہر کہلاتی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی نہر ہے۔ اس کی لمبائی 392 کلو میٹر ہے۔ اس کے پانی کے بہاؤ کی گنجائش 21 ہزار کیوسیکس ہے جس سے 20.58 لاکھ ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا ہے۔ بائیں جانب کی نہر، لال بہادر نہر ہے۔ اس کی لمبائی 348.8 کلو میٹر ہے۔ اس کے پانی کے بہاؤ کی گنجائش 15 ہزار کیوسیکس ہے جس سے 10 لاکھ ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس پراجیکٹ کے تحت ایک بجلی گھر ہے، جس کے آٹھ بجلی پیدا کرنے والے یونٹ ہیں۔ ان میں ہر یونٹ کی 50 ہزار کلوواٹ برقی گنجائش ہے۔ اصل ڈیم کی اونچائی 126 میٹر، چوڑائی 94 میٹر اور لمبائی 1.6 کلو میٹر ہے۔ اس کی تقریباً 2,290 میٹر لمبی نہر کی سرنگ ہندوستان کی سب سے بڑی اور اپنی نوعیت کی پہلی سرنگ ہے۔ دریائے کرشنا پر بنائی ہوئی یہ مصنوعی جھیل ہندوستان کی سب سے بڑی اور دنیا کی تیسری بڑی جھیل ہے۔ اس سے کئی ہزار ٹن نئے شکر (گنا) اور کئی لاکھ ٹن اناج کی پیداوار میں مدد ملی ہے۔ اس ذخیرہ آب میں غرقاب ہونے والے علاقے کی تاریخی اور قبل از تاریخی یادگاریں، ناگار جن کنڈ کے پہاڑی جزیرے ہیں۔

ناگاساکی: یہ جاپان کے جزیرہ کیوشو کا ایک ضلع ہے جس میں کئی چھوٹے جزیرے بھی شامل ہیں۔ ضلع کا رقبہ 1,582 مربع میل ہے۔ بیشتر زمین پہاڑی ہے۔ ایک تنگ خلیج پر اسی نام کا بندرگاہ ہے جو اس ضلع کا صدر مقام بھی ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران 9/اگست 1945 کو امریکہ نے اس پر اپنا پہلا ایٹم بم گرایا تھا، جس سے پورا شہر تباہ ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں 39 ہزار انسان مر گئے تھے اور 35 ہزار زخمی ہوئے تھے۔ جنگ کے بعد اسے نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔ 1970 میں شہر "ناگاساکی" کی آبادی 4 لاکھ سے اوپر تھی۔ ناگاساکی جاپان کے سب سے اچھے بندرگاہوں میں سے ہے۔ یہاں جہاز سازی کا کارخانہ ہے۔ کوئلہ کی کانیں ہیں۔ بڑے پیمانے پر مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ سولھویں صدی سے ہسپانوی، پرتگالی اور پھر ڈچ جہاز تجارت کے سلسلہ میں یہاں آنے لگے تھے۔

ناگالینڈ: ریاست ناگالینڈ (ہندوستان) کے مغرب اور شمال میں آسام، مشرق میں میانمار، جنوب میں منی پور اور شمال مشرق میں اروناچل پردیش واقع ہیں۔ اس کی سب سے بلند چوٹی سارامتی 12,600 فٹ بلند ہے۔ اہم دریا دھن سری (Dhansiri)، ڈویانگ (Doyang)، ڈکھو (Dikhu)، اور جھانجی (Jhanji) ہیں۔ یہاں پہاڑی قبائل آباد ہیں جن کا خاص پیشہ زراعت ہے۔ اہم پیداوار چاول اور مکئی ہے۔

اس کا رقبہ 16,527 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 میں 1,209,546 تھی۔ ناگا قبائل دستکاریوں میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ناگالینڈ کا صدر مقام کوہیما ہے جو سطح سمندر سے 4,800 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

ناگپور: مہاراشٹر کا ایک صنعتی اور تجارتی مرکز ہے۔ جنوب مشرقی ریلوے کی ہاوڑا۔ ناگپور ریلوے لائن ملک کے اہم معدنی ذخائر سے گزرتی ہے، بالخصوص جمشید پور اسی ریلوے لائن پر واقع ہے، جو ہندوستان کے لوہے اور فولاد کی صنعت کا سب سے اہم مرکز ہے۔ اس کے علاوہ ناگپور پارچہ بافی، سیمنٹ، بھاری کیمیاوی اشیا اور کاغذ سازی کی صنعتوں کے لیے بھی مشہور ہے۔

ناگرہول سینکچوری: کرناٹک میں بمقام کورگ یہ جنگلی جانوروں کی ایک محفوظ رہائش گاہ ہے جہاں بکثرت جانور پائے جاتے ہیں۔

نال (Knoll): چھوٹی سی گول پہاڑی۔

نالندہ: بہار کا ایک چھوٹا قصبہ ہے۔ یہ ایک قدیم یونیورسٹی کا مستقر ہے جو راجا ہرش وردھن کی بنائی ہوئی تھی۔ اس یونیورسٹی میں کئی تحقیقاتی بڑے بڑے کمرے اور کتب خانے تھے۔ اس میں ایک کتب خانہ کا نام رتنادومی تھا، یعنی جواہرات کا ساگر، جو کئی منزلہ عمارت پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ یہاں آج بھی مختلف انداز میں کھڑی ہوئی مہاتما بدھ کی مورتیاں ملتی ہیں۔ نالندہ میں بہت کم تعداد میں نئی عمارتیں ملتی ہیں۔ البتہ حال میں یہاں ایک تحقیقاتی ادارہ قائم کیا گیا ہے تاکہ بدھ فلسفے پر تحقیقاتی کام کیا جاسکے۔ اس ادارے کے کتب خانہ میں نادر تبتی قلمی نسخے جمع ہیں۔

نام پنھ (Phnon Penh): کمبوڈیا کا صدر مقام ہے۔ دریائے بساک (Basak)، دریائے ساب (Sab) اور دریائے میکانگ (Mekong) کے سنگم کے قریب واقع ہے۔ گو سمندر سے 180 میل دور ہے مگر میکانگ کا اہم بندرگاہ ہے۔ خشک مچھلی، سیاہ مرچ اور کپاس کی تجارت کا مرکز ہے۔ تھائی لینڈ سے بذریعہ ریل جوڑ دیا گیا ہے۔ قریب ہی پوچن ٹانگ (Pochentong) کا ہوائی اڈہ ہے۔

نامروپ تھرمل اسٹیشن: آسام میں ضلع لکھیم پور کے نامروپ علاقے میں، پہلے مرحلے سے 23 ہزار کلوواٹ کے گیس ٹربائن سیٹ کے تین یونٹ اور دوسرے مرحلے میں 30 ہزار کلوواٹ کے اسٹیم ٹربائن کی توسیع عمل میں آئی ہے۔ ان یونٹوں سے ڈبرو گڑھ، تن سکھیا، ناظرا، جورہاٹ، رودم دوما، گولا گھاٹ اور

ناگالینڈ مستفید ہوتے ہیں۔

نامیبیا (Namibia): نامیبیا پہلے جنوب مغربی افریقہ کہلاتا تھا۔ یہ ایک جمہوریہ ہے جو جنوبی افریقہ کی تولیت میں ہے۔ اس کا رقبہ 824,292 مربع کلو میٹر (318,000 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 1,837,000 ہے۔ اس کے شمال میں انگولا، شمال مشرق میں زامبیا (زیمبیا)، مشرق میں بوتسوانہ، جنوب و جنوب مشرق میں جنوبی افریقہ اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔ پورا علاقہ سطح مرتفع ہے اور اونچائی تین ہزار اور چار ہزار فیٹ کے درمیان ہے۔ زیادہ تر علاقہ پتھریلا اور بنجر ہے۔ مغربی ساحل کا علاقہ ریگستانی ہے اور یہ 80 سے 130 کلو میٹر (50 سے 80 میل) اندر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ ہیروں کے لیے مشہور ہے۔ مشرقی سرحد کے قریب کی زمین قابل کاشت ہے جس پر کاشت ہوتی ہے اور اطراف میں جھاڑیاں ہیں جن میں خانہ بدوش لوگ مویشی چراتے ہیں۔ شمال کا کافی بڑا علاقہ دلدلی ہے۔ یہاں بڑے پیمانے پر بھیڑیں پالی جاتی ہیں اور قراقلی بھیڑیں کافی تعداد میں برآمد ہوتی ہیں۔ مکھن اور پنیر تیار ہوتا ہے۔ مچھلیاں بھی پکڑی جاتی ہیں اور برآمد کی جاتی ہیں۔

صدر مقام ونڈھوک (Windhock) ہے۔ ریلوے لائن اور سڑکیں اس علاقہ کو انگولا، جنوبی افریقہ اور بوتسوانہ سے ملاتی ہیں۔ تانبا، جست، سیسہ وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔

نامیبیا کی آبادی کا بڑا حصہ بنٹو قبیلہ پر مشتمل ہے۔ سفید فام ایک لاکھ کے قریب ہیں۔ جنوب اور وسطی علاقہ جو رقبہ میں پورے ملک کا دو تہائی ہے، سفید فام لوگوں کے لیے محفوظ ہے۔ شمالی علاقہ میں سیاہ فام قبائلی رہتے ہیں۔

سفید فام مہم جوؤں (کھوج کاروں) میں اس علاقہ میں سب سے پہلے بار تولو میو دیاز 1486 میں پہنچا۔ اس کے بعد کے برسوں میں سفید فام مہم جو اندرونی حصوں میں بھی پہنچ گئے۔ لیکن یہاں یہ سفید فام لوگ 1840 سے بسنا شروع ہوئے۔ یہ زیادہ تر جرمن تھے۔ انھوں نے یہاں بسنا اور اثر و اقتدار جمانا شروع کیا۔ 1892 تک یہ پورا علاقہ جرمنی کی ایک نو آبادی (کالونی) بن گیا۔ پہلی جنگِ عظیم میں جب جرمنی کو شکست ہو گئی تو جنوبی افریقہ نے اس پورے علاقے پر قبضہ کر لیا اور 1919 میں اس پر جنوبی افریقہ کی تولیت منظور کر لی گئی اور جنوبی افریقہ نے اس کا دو تہائی حصہ سفید فاموں کے لیے محفوظ کر کے اس میں نو آبادکاری شروع کر دی۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے مجلس اقوام متحدہ مسلسل جنوبی افریقہ پر زور ڈالتی رہی کہ وہ اس سے معاہدہ کرے کہ یہ تولیتی علاقہ ہے اور اس کی آزادی

کے لیے ایک پروگرام بنائے لیکن جنوبی افریقہ نے انکار کر دیا اور اسے اپنی ریاست کا حصہ بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب نامیبیا میں سواپو (Swapo) کی سرکردگی میں آزادی کی جدوجہد تیز ہونے لگی اور نو آزاد ایشیائی اور افریقی ملکوں کی تعداد مجلس اقوام متحدہ میں بہت بڑھ گئی تو جنوبی افریقہ پر دباؤ بہت بڑھ گیا کہ وہ اس علاقہ کو آزادی دیدے۔ اس بڑھتے ہوئے دباؤ کے تحت جنوبی افریقہ نے انتخابات کروانے اور آزادی دینے کے لیے اقرار کیا لیکن پھر جلد ہی وہ اس سے مکر گیا اور اپنے زیر سایہ چناؤ کروانے کے بجائے ایک بار پھر حکومت قائم کر دی اور اب آزادی کی تحریک اور آزادی پسند ملکوں کے لیے اور کوئی راستہ نہیں رہا کہ وہ جنوبی افریقہ پر اپنا دباؤ اور بڑھائیں۔ ملک کے اندر جدوجہد تیز کر دیں۔

1966 میں مجلس اقوام متحدہ نے طے کیا کہ جنوبی افریقہ کی تولیت ختم ہو گئی اور 1968 میں طے کیا کہ ملک کا نام نامیبیا (نمی بیا) ہے۔ جون 1971 میں بین الاقوامی عدالت نے حکم دیا کہ جنوبی افریقہ نامیبیا سے اپنا انتظامیہ فوراً ہٹالیں۔ جنوبی افریقہ نے 1975 میں پھر یہ طے کیا کہ وہ نامیبیا کے درجہ کو بعد کو طے کرے گا لیکن جب دباؤ بڑھ گیا تو اعلان کیا کہ نامیبیا کو آزادی 1978 کے آخر تک دے دی جائے گی۔ بڑی جدوجہد کے بعد 21 مارچ 1990 کو نامیبیا کو آزادی ملی۔

ناندیڑ: مہاراشٹرا کا ایک ضلع ہے جو پہلے مرہٹواڑہ کے اضلاع میں شامل تھا۔ یہ سکھ قوم کے گرو گوبند سنگھ جی کی سمادھی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں کا گردوارہ بہت مشہور ہے جس کا کلس سونے کا بنا ہوا ہے۔ یہاں روزانہ ہزاروں یاتری آتے ہیں۔

نانسن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

نانشن (نان شان): شمال مغربی چین میں بل کھائے ہوئے پہاڑوں کا سلسلہ، جو تیرہ ہزار سے ساڑھے سولہ ہزار فٹ بلند ہے، سینڈام کے طاس اور صوبہ کانسو کے شمال مغربی حصہ کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ انتہائی اونچائی 20,820 فٹ ہے۔ یہاں آبادی بہت کم ہے۔ اکثر باشندے نیم خانہ بدوش ہیں۔

نائجر (Niger): مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال میں لیبیا اور الجیریا، مشرق میں چاڈ، مغرب میں مالی اور برکینیا فاسو (اپر وولٹا) اور جنوب میں بنین (دہومی) اور نائجیریا واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 1,267,000 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 8,154,000 ہے۔ ان میں ہوسا 73.7 فیصدی، زرما اور سونگھائی 23.6 فیصدی، فلانی 10.6 فیصدی اور بیری بیری منگا 9.1 فیصدی ہیں۔ آبادی مسلمان، عیسائی اور قدیم افریقی مذاہب کی پیرو ہے۔ سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ سوڈانی بولی جاتی ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر نیامے (Niamey) ہے۔

بہت بڑا علاقہ صحرائی ریگستان ہے۔ شمال کا علاقہ انتہائی خشک ہے۔ اور جنوب کا علاقہ پتھریلا ہے۔ دریائے نائجر اس میں سے گزرتا ہے اور اس کے آس پاس کا کچھ علاقہ سرسبز ہے۔ جھیل چاڈ اور نیامے کے درمیان بہت ہی چھوٹے سے علاقے میں آبادی کا تقریباً آدھا حصہ بسا ہوا ہے۔ یہاں زراعت ہوتی ہے۔ مونگ پھلی اہم فصل ہے جس پر سارے ملک کی معیشت کا دارومدار ہے۔ اس کے علاوہ روئی، مکئی اور سورغم کی کاشت ہوتی ہے۔

درآمدات زیادہ تر فرانس، نائجیریا اور مغربی جرمنی سے آتی ہیں۔ برآمدات کا 54 فیصدی حصہ فرانس، 28 فیصدی نائجیریا اور اس کے بعد مغربی جرمنی وغیرہ کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 29 فیصدی حصہ یورانیم اور 14 فیصدی حصہ مونگ پھلی ہے۔ مویشی بھی برآمد کئے جاتے ہیں۔ یہاں ابتدائی مدارس میں 1990 میں 368,732 طالب علم اور پیشہ ورانہ اسکولوں میں 843 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 4,506 طالب علم تھے۔

رائج سکہ فرانک ہے۔

مصری لوگ اس علاقہ سے زمانہ قدیم سے واقف تھے۔ بطلیموس نے اس ملک کے پہاڑی علاقوں پر رومنوں کے حملے کا ذکر کیا ہے۔ تقریباً ایک ہزار سال تک قدیم سلطنت سوڈان کے حکمراں اس ریاست کے بعض علاقوں پر حملے کرتے رہے۔ مشرق میں، جھیل چاڈ کے قریب کے علاقہ میں، گیارھویں صدی عیسوی میں، شمالی افریقہ کے بربر لوگوں نے جو اسلام قبول کر چکے تھے، ایک ریاست بورنو (Bornu) قائم کی تھی۔ یوروپی اقوام سب سے پہلے بارھویں صدی عیسوی میں منگو پارک علاقہ میں داخل ہوئیں۔ 1896 میں فرانسیسیوں نے اسے فرانسیسی مغربی افریقہ میں شامل کر لیا اور ایک فوجی حکومت قائم کر دی۔ 1921 میں یہاں پہلی مرتبہ علاقائی اسمبلی چنی گئی۔ 1956 میں بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر چناؤ ہوئے اور نتیجہ حکومت کو اندورنی معاملات میں کچھ اختیارات دیے گئے۔ 1958 میں یہ فرنچ کمیونٹی کے اندر ایک جمہوریہ بنا۔ 1960 میں یہ کمیونٹی سے الگ ہو گیا اور آزادی حاصل کر کے مجلس اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔ اس کے بعد سے کئی بغاوتیں ہوئیں اور صدر مملکت قید کئے گئے۔

1968 سے شروع ہونے والی خشک سالی کے نتیجہ میں قحط نے جو 1974

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

تک جاری رہا۔ ملک کو بہت بری طرح متاثر کیا۔ بہت سے مویشی ہلاک ہو گئے اور فصلیں تباہ ہو گئیں۔

1980 میں یورانیم کی قیمتیں بڑھنے سے ملک میں رئیس اور غریب کا فرق بہت بڑھ گیا اور آپس میں فسادات ہونے لگے۔ 1991 میں آئین کو منسوخ کر دیا گیا اور حکومت کو تحلیل کر دیا گیا۔ 1993 تک کے لیے ایک عارضی حکومت بنادی گئی۔

نائجیریا (Nigera) : مغربی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے۔ یہ خلیج گنی کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں نائجر اور چاڈ، مشرق میں کیمرون، جنوب اور جنوب مغرب میں خلیج گنی نیز خلیج بنن اور مغرب میں بنن (دہومی) واقع ہیں۔ یہاں کا سب سے بڑا دریا نائجر ہے جو شمال مغرب سے جنوب کی طرف بہتا ہے۔ جنوب میں دلدل اور گھنے جنگل ہیں۔ اس کے بعد اور مشرق کی طرف سطح مرتفعائی علاقے ہیں جو ریگستانوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آب و ہوا زیادہ تر گرم و مرطوب ہے۔

نائجیریا کا کل رقبہ 923,768 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 122,471,000 ہے۔ ان میں ہوسا (Hausa) قبیلہ کے لوگ 21 فیصدی، ایبو (Ibo) قبیلے کے 18 فیصدی، یوروبا (Yoruba) قبیلہ کے 18 فیصدی اور فلانی (Fulani) قبیلہ کے 10 فیصدی ہیں۔ سب سے بڑا شہر اور سب سے بڑا مقام لاگوس (Lagos) ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔ نائجیریا میں ویسے تو تقریباً 25 بولیاں رائج ہیں لیکن ان میں سب سے بڑی ہوسا اور فلانی شمال میں، ایبو، ایبڈو اور ابجا جنوب مشرق میں، یوروبا اور ایبڈو جنوب مغرب میں بولی جاتی ہیں۔

آبادی میں 47 فیصدی مسلمان اور 34 فیصدی عیسائی ہیں۔ بقیہ قدیم افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔ مسلمان زیادہ تر شمال میں اور عیسائی جنوبی علاقہ میں رہتے ہیں۔

زرعی پیداوار میں مکئی، سورگھم، جوار، چاول، مونگ پھلی، کساوا، کوکو، کپاس اور ربر وغیرہ اہم ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ پام کا تیل یہیں نکالا جاتا ہے۔ سیمنٹ کے کارخانے ہیں لیکن سب سے اہم تیل کی دریافت ہے۔ برآمدات میں آمدنی کا 90 فیصدی ذریعہ تیل ہے۔ نائجیریا کی حکومت نے جو 1975-80 کا پنج سالہ منصوبہ بنایا تھا، اس کے مطابق بڑی اور بھاری صنعتوں کو ترقی دی جانی تھی۔ زراعت میں تجارتی پیداوار پر زور دینا اور زرعی پیداوار میں ملک خود کفیل ہو جائے اس کا خیال رکھا گیا تھا۔ ہر ایک کو مفت اور لازمی تعلیم دی جائے یہ بھی اس منصوبے کا مقصد تھا۔ درمیانی اور استعمال کی چیزوں کی صنعتیں سو فیصدی نائجیریا والوں کی ملکیت ہوں گی۔ بنک کاری میں نائجیریا کا حصہ 60 فی صدی اور بھاری صنعتوں میں 40 فیصدی ہوگا۔

نائجیریا میں درآمدات زیادہ تر مغربی جرمنی، برطانیہ، امریکہ، جاپان، اور فرانس سے آتی ہیں اور برآمدات برطانیہ، مغربی جرمنی، جاپان، فرانس اور امریکہ کو جاتی ہیں۔ برآمدات میں قدرتی تیل کا حصہ 93 فیصدی ہے۔ سیمنٹ کے علاوہ قدرتی گیس اور پیٹرول نیز پیٹرول سے بنی اشیا بھی شامل ہیں۔

رائج سکہ نائرا ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 13,776,854 اور استادوں کی تعداد 353,600 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 3,123,277 طالب علم اور 141,491 استاد تھے۔ فنی مدرسوں میں 1133,556 طالب علم نیز اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 180,871 طالب علم اور 11,936 استاد تھے۔

تاریخ: نائجیریا کی تاریخ کے بارے میں کوئی قطعی مواد نہیں ملتا ہے جو کھدائیاں ہوئی ہیں اور عرب مورخوں کی جو تاریخیں زمانہ کی دست برد سے بچ گئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کی تہذیب بہت پرانی ہے، خاص طور سے نوک (Nok) تہذیب کے بارے میں جو آثار ملے ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

بعد کے دور میں یہ ملک چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں بٹ گیا اور علاقہ واری کشمکش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شمال میں ہوسا (Hausa) قبیلے کے لوگ حاوی تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں مسلم فلانی قبیلے نے تسلط حاصل کر لیا۔ یہ لوگ غالباً مصر سے آئے تھے۔ ان ریاستوں کا مالی کی مشہور سلطنت سے قریبی ربط تھا۔ مغرب میں عام طور پر یوروبا سلطنت کی عمل داری رہی اور جنوب میں اِفے (Ife) اور بنن (Benin) سلطنتیں تھیں۔ افریقہ کے دوسرے ملکوں کی طرح یوروپ سے سب سے پہلے 1472 میں پرتگالی یہاں آئے۔ ان کے بعد 1553 میں انگریز پہنچے۔ یہ علاقہ غلاموں کی تجارت کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ انیسویں صدی میں جب غلاموں کی تجارت مسدود یا کم ہوئی تو یوروپی مہم جو (کھوج کار) ملک کے اندرونی علاقوں میں داخل ہونے لگے۔ غلاموں کے تاجروں کی جگہ اب دوسری تجارتی کمپنیاں قائم ہونے لگیں۔ سب سے زیادہ تجارت پام کے تیل کی تھی۔ 1861 میں غلاموں کی تجارت روکنے کے بجائے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

انگریزوں نے لاگوس پر قبضہ کرلیا۔ 1885 میں یورپی اقوام کی برلن کانفرنس میں جنوبی نائجیریا پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کرلیا گیا اور اس کے بعد انھوں نے شمال پر بھی اپنے پنجے پھیلانے شروع کیے۔ 1906 میں انگریزوں کے تحت دو علاقے شمال اور جنوب کے قائم ہوگئے۔ 1914 میں دونوں علاقوں کو ملا کر اب نائجیریا انگریزوں کی نوآبادی (کالونی) یا مقبوضہ بن گیا۔

دوسری جنگِ عظیم تک انگریز گورنر نائجیریا کا مختارِ کل رہا۔ جنگ کے بعد افریقہ کے دوسرے ملکوں کی طرح یہاں بھی قوم پرست تحریک نے نیا موڑ لیا۔ ہربرٹ میکالے اور نامدی ازی کی وے (Nnamdi Azikiwe) نے آئین کو ترک کرنے کا اعلان کر دیا۔ اوبافیمی اور ابوبکر تفاوا بھی اس تحریک کے لیڈر تھے۔ 1951 میں برطانیہ نے نیا آئین مرتب کیا اور اس کے تحت افریقیوں کو کچھ اختیارات دیے گئے لیکن قوم پرست مطمئن نہیں ہوئے۔ چنانچہ 1954 میں ایک اور آئین نافذ ہوا جس کے ذریعہ ایک وفاقی ریاست قائم کی گئی جس میں ملک کو تہذیب اور کلچر کے لحاظ سے شمالی، مغربی اور مشرقی علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مغربی اور مشرقی ریاستوں کو 1956 میں اندرونی خود مختاری مل گئی۔ شمال کو 1959 میں یہ خود مختاری ملی۔ جب یہ بھی عوام کو مطمئن نہ کر سکی تو آخرکار 1960 میں نائجیریا کو آزادی دینی پڑی اور ابوبکر تفاوا بلیوا اس کے پہلے وزیرِ اعظم بنے۔

جنوری 1966 میں فوج میں بغاوت ہوگئی۔ اس میں مغربی علاقہ کے ایبو (Ibo) قبیلے کے افسر پیش پیش تھے۔ انھوں نے وزیرِ اعظم اور شمالی اور مغربی علاقوں کے وزراءِ اعلیٰ کو بھی قتل کر دیا۔ اور میجر ارونسی کی سرکردگی میں فوجی حکومت قائم ہوگئی۔ فوجی حکومت نے وفاقی ڈھانچہ ختم کرکے ایک متحدہ ملک تشکیل دینے کی کوشش کی جس سے شمال میں بغاوت پھوٹ پڑی اور وہاں رہنے اور کام کرنے والے ایبو لوگوں کا قتلِ عام شروع ہوگیا۔ جولائی 1966 میں ایک اور فوجی بغاوت ہوئی اور شمالی علاقہ کے ایک جنرل یعقوبو گوان (Yakubu Gowon) برسرِ اقتدار آگئے۔ ایبو لوگوں کا قتل جاری رہا اور وہ بھاگ کر مشرق میں پناہ لینے لگے۔ مشرق میں ہوسا لوگوں کا قتل ہونے لگا۔ شہر میں چاروں علاقوں کے نمائندوں نے ایک نیا قانون مرتب کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ 27 مئی 1967 کو مشرقی ریاست نے لفٹنٹ کرنل اجوکوو (Ojukwu) کی سرکردگی میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور صدر مقام بیافرا پر قبضہ کر لیا۔ وفاقی حکومت نے ایمرجنسی کا اعلان کر دیا۔ یہ خانہ جنگی کئی سال تک جاری رہی۔ آخرکار جنرل گوان نے اسے دبانے اور ملک کو متحد کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

29 جولائی 1975 کو ایک اور فوجی بغاوت ہوئی۔ جنرل گوان جو اس وقت کمپالا (یوگانڈا) میں افریقی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس میں تھے، ہٹا دیے گئے اور وہ جلاوطن ہوکر برطانیہ چلے گئے۔ ان کی جگہ بریگیڈیر مُرتلا محمد نے صدارت سنبھالی۔ حکومت میں بہت سے عام شہری لیے گئے۔ بہت سے سرکاری اور فوجی افسروں کو علیحدہ کر دیا گیا اور سرکاری اخراجات میں کافی کمی کی گئی۔ سرکاری ملازموں کی تنخواہیں بڑھائی گئیں۔ ملک کو کئی چھوٹے صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

13 فروری 1976 کو فوج کے ایک ناراض حصہ نے بریگیڈیر مُرتلا محمد کو قتل کر دیا لیکن باغی کامیاب نہیں ہو سکے۔ سازش کرنے والے 30 افراد کو معہ وزیرِ دفاع گولی مار دی گئی۔ مُرتلا محمد کی جگہ لیفٹیننٹ جنرل اولوسیگن اوباسانجو (Olusegan Obasanjo) نے لی اور یہ اعلان کیا کہ وہ اپنے پیش رو کی پالیسی پر چلیں گے۔ انھوں نے جلد ہی سویلین حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا۔ سات نئی ریاستیں یا صوبے قائم کرکے ملک کو انیس (19) ریاستوں میں تقسیم کر دیا اور لاگوس کی جگہ ابوجا کے مقام پر ایک نیا صدر مقام تعمیر کرنے کا اعلان کیا۔

1979 میں 1978 کے بنائے ہوئے آئین کے مطابق انتخابات کرائے گئے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ تعلقات بہتر ہوگئے۔ 1983 میں ہزاروں غیر ملکی مزدوروں سے ملک سے باہر جانے کو کہا گیا جس سے پوری دنیا حیرت میں پڑ گئی

جو انتخابات 1990 میں ہونے تھے وہ 1992 تک کے لیے ملتوی کر دیے گئے۔

نائس (Gneiss): پٹی دار کایا بدل حجرات جو اونچے درجے کی علاقائی کایا بدلیت کے باعث بنتے ہیں۔ یہ نام کسی حجر میں نائسی ساخت (Gneissose Structure) کی موجودگی کے باعث ہی دیا جاتا ہے اور اس ساخت میں تقریباً شستی (Schistose) اور گرینولائٹ (Granulite) حجر ایک کے بعد ایک یعنی متبادل (Alternate) پٹیوں میں نمو پائے ہوئے ہوتے ہیں۔ شستی پٹیوں کی تشکیل عام طور پر ابرکی جمادات (Micaseous) اور / یا ایمفی بول (Amphibole) جمادات کی پرتیں (Flakes) بناتی ہیں۔ گرینولائٹی پٹیاں کوارٹز اور فیلسپار جمادات کی بنی ہوتی ہیں۔ اس موٹے دانے دار حجر کی پٹیاں ایک سم (1 cm) سے لے کر کئی سم تک چوڑی ہو سکتی ہیں۔ کبھی کبھی کوارٹز اور فیلسپار کی پٹیاں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کسی بے حد بڑے پورفیرو بلاسٹ (Porphyro Blast) کی وجہ سے زیادہ چوڑی اور بیضوی ہو جاتی ہیں۔ پیرا نائس (Paraneiss) ایسا نائس ہوتا ہے جس کی تشکیل کسی رسوبی حجر کی کایا بدلیت کے باعث ہوتی ہے جبکہ آرتھو نائس (Orthogneiss) بنیادی آتشی حجر (Basic Igeneous Rock) کی کایا بدلیت سے بنتا ہے۔ عام طور پر ان کی جماداتی اور کیمیائی ترکیب گرینائٹی (Granitic) سی ہوتی ہے۔ اور "گرینائٹ نائس" کہلانے والا حجر بے حد عام حجر ہے۔

لی پارلی نائس (Lit-par-lit Gneiss) آتشی مادوں کے پرتی یا شسٹی سطحوں (Schistose Foliation) کے مطابق قوت کے ساتھ داخلہ کے باعث بنتے ہیں۔ ان آتشی مادوں (عام طور پر گرینائٹی Granitic) کے مقامی حجرات سے تعامل ہونے پر میگماٹائٹ (Magmatite) بنتے ہیں۔

نائیجر (دریا): مغربی افریقہ کے خط استوائی علاقے کا یہ ایک اہم دریا ہے۔ اس کی لمبائی 2,600 میل ہے۔ یہ مینڈی گاس سے نکلتا ہے اور پھر شمال مشرق کی جانب گنی، مالی اور نائجر کی مملکتوں میں سے ہوتا ہوا نائجیریا میں داخل ہوتا ہے۔ بعد میں یہ جنوب مشرق کی سمت بہتا ہوا بالآخر خلیج گنی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے راستہ کے زیادہ تر علاقے دلدلی ہیں۔ یہ جب مالی میں جنوب کی طرف مڑتا ہے تو اس کا کچھ پانی کئی نالوں اور جھیلوں میں چلا جاتا ہے۔ اس کے بعض حصوں میں اور مخصوص ایام میں کشتی رانی بھی ہوتی ہے۔ اس پر بندھ سازی اور آب پاشی کے کئی منصوبے بنائے گئے ہیں۔ قدیم زمانہ میں اس دریا کے کنارے کئی سلطنتیں مثلاً سوگھائی، مالی وغیرہ قائم ہوئیں اور مٹ گئیں۔

نباتات اور حیوانات پر آب و ہوا کے اثرات: حیوانی زندگی وسیع طور پر سطح زمین پر تری میں اور خشکی پر پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن مخصوص جانوروں کے وقوع کا انحصار دو بنیادی حالتوں پر ہوتا ہے۔ (1) دسترس اور (11) بقا کے لیے موزوں حالات۔ کسی بھی طرح کی طرز زندگی کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ حیوانی سرگرمی کے لیے موزوں حالات، اور غذا اور پانی کی فراہمی۔ غذا اور پانی تمام جانداروں کو متاثر کرتے ہیں کیونکہ یہ نشو و نما، تولید اور توانائی کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

آب و ہوا کے حالات کا ابتدائی طور پر تعلق نمی، درجہ حرارت اور روشنی سے ہوتا ہے اور کچھ حد تک دباؤ سے بھی۔ پانی میں رہنے والے جانداروں کے لیے پانی لازم و ملزوم ہے لیکن تمام خشکی پر رہنے والے جانوروں کے لیے پانی، زیادہ یا کم مقدار میں ضروری ہوتا ہے۔ چند جانور بہت زیادہ تر اور مرطوب حالات میں رہتے ہیں لیکن دوسرے خشک مقامات کو روا رکھتے ہیں بلکہ ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اصطلاح اسٹینو ہائیگرک (Sternohygric) ان جانوروں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو فضائی رطوبت کے کم تفاوت کے علاقوں میں رہتے ہیں، مثلاً جل تھل کیڑے، بہت سے گھونگے، سمندری گھوڑے اور آبی بھینسیں۔

اس کے برعکس وہ جانور جو رطوبت کے زیادہ تفاوت میں رہتے ہیں، وہ یوری ہائیگرک (Uryhygric) کہلاتے ہیں۔ اس قسم کے جاندار بالخصوص حشرات، پرندوں اور پستانیوں میں عام ہیں۔

درجہ حرارت آب و ہوا کا ایک اہم عنصر ہے جو حیوانات کی طرز زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض انواع زیادہ درجہ حرارت کو برداشت کر سکتے ہیں اور دوسرے کم درجہ حرارت کو، لیکن درجہ حرارت کی حدیں، جن میں جانوروں کی سرگرمیاں ممکن ہیں بڑی حد تک محدود ہیں۔ سب سے کم حد نقطہ انجماد سے قریب سے قریب یا اس سے کچھ کم ہوتی ہے اور زیادہ حد 50° سینٹی گریڈ (122°F) کے قریب قریب ہوتی ہے۔ کچھ مدت کے لیے بعض جانور کم درجہ حرارت کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے بے حس و حرکت پڑے رہ کر اپنی سرگرمیاں بند کر دیتے ہیں گویا خوابیدہ کیفیت (Hybernation) میں رہتے ہیں۔ ایسی انواع جو درجہ حرارت کے زیادہ تفاوت کی متحمل ہوتی ہیں یوری تھرمل (Urythermal) کہلاتی ہیں، مثلاً اسپرم وہیل اور بعض شکار خور بلیاں، اور جو کم درجہ حرارت کے تفاوت میں رہتے ہیں اسٹرنو تھرمل (Sternothermal) کہلاتے ہیں مثلاً مگرمچھ اور پینگوئن (پینگوئن)۔ یہ یا تو گرمی کے متحمل ہوتے ہیں یا شدید سردی کے۔

حیوانات روشنی کے اتنے تابع نہیں ہوتے جتنی کہ سبز نباتات ہوتی ہے۔ اس کو ارضیاتی تالیف کے عمل کے لیے روشنی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ بعض جانور، جو مضبوط رہائش گاہوں، غاروں اور گہرے پانی میں رہتے ہیں، اپنی تمام زندگی تاریکی میں گزارتے ہیں۔ بعض حالتوں میں بہت زیادہ روشنی نقصان دہ ہوتی ہے۔ اور بعض مقامات میں، جیسے ریگستانوں اور بہت اونچے علاقوں میں، جہاں شدید اور تیز دھوپ (Intense Insolation) ہوتی ہے، جانور سورج کی تیز کرنوں سے بچنے کے لیے سیاہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ زہریلے مادے والے جراثیم، سادہ خلیے اور متعدد خورد بینی جانور، اگر کھلی فضا میں ہوں تو سورج کی روشنی کی تیز بالائی اشعاع الشانی سے مر جاتے ہیں۔ بجز بلند ارتفاع کے، یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ آیا زیادہ بلندیوں پر فضائی دباؤ کے اثرات میں تبدیلیوں کی وجہ کا تعلق کس درجہ کے مقابل میں آکسیجن میں کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اجمالی طور پر قدرتی نباتات، حیوانی طرز زندگی کو، دو طریقوں سے مخصوص قسم کی رہائش گاہیں فراہم کر کے متاثر کرتی ہے۔ مثلاً جنگلاتی خطوں میں زندگی یا گھاس کے خطوں میں طرز زندگی۔ چند ایسے بھی جانور ہیں جو کسی بھی مقام کو اپنی رہائش گاہ بنا سکتے ہیں لیکن اکثر صورتوں میں کسی خاص قسم کی قدرتی نباتات میں ہی جانور پرورش پاتے ہیں۔ اکثر گھاس کھانے والے سم دار جانور کبھی بھی گھنے جنگلات کے خطوں میں نہیں پائے جاتے۔ پودے، بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر مویشیوں کے لیے خوراک فراہم کرتے ہیں۔ کسی بھی علاقہ میں نامیاتی غذا کی بڑی مقدار ہی جانوروں کی رہائش کے لیے ناگزیر ثابت ہوتی ہے۔ جانور اپنی غذائی ضروریات میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض خالص طور پر نباتات خور ہوتے ہیں۔ جیسے مرگ (ہرن) اور گھوڑے، بعض بالکلیہ گوشت خور ہوتے ہیں، جو دوسرے چرندوں کا شکار کرتے ہیں۔ مثلاً بلی کی نسل کے جانور اور چند ہمہ خور ہوتے ہیں، جو نباتات اور حیوانات دونوں کھاتے ہیں مثلاً کوے اور ریچھ۔ وہ حیوان جو ہمہ خور ہوتے ہیں یوری فیگس (Uryphagous) کہلاتے ہیں اور وہ جو نباتات خور اور گوشت خور دونوں ہوتے ہیں اسٹینو فیگس (Sternophagous) کہلاتے ہیں۔

نیپولی یا نیپلز: اٹلی میں یہ شہر مغربی ساحل پر واقع ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 962,069 تھی۔ یہ اٹلی کا دوسرا سب سے بڑا بندرگاہ اور صنعتوں کا مرکز ہے۔ یہاں جہاز سازی، ریل کے سامان، لوہے کی اشیا بنانے، تیل صاف کرنے اور کپڑا بنانے کے کارخانے واقع ہیں۔ سیاحت کا یہ ایک مشہور مرکز ہے۔ پہاڑیوں کے ڈھلوان علاقے پر اس کو بسایا گیا ہے۔ یہ پہاڑیاں خلیج نیپلز کے اطراف واقع ہیں۔ یہ موسیقی، تہواروں اور عیش و عشرت کی زندگی کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ یہاں کی آبادی بہت گنجان ہے۔ ایک قدیم عمارت سیلالوسیا آج بھی اس شہر کی ایک امتیازی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں اس شہر کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ 1943 میں جرمن فوجیوں نے یہاں سے واپس ہوتے ہوئے بہت تباہی مچائی۔ یہاں سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے اکثر گرجا اور قرون وسطیٰ کے کئی محل موجود ہیں۔ نیپولی ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ یہاں پر یونانیوں کی ایک نو آبادی تھی۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں اس پر رومن سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں کی قدیم یونانی تہذیب اور حسین ماحول نے ان کا دل موہ لیا۔ اس کے بعد یہ یورپ کی کئی سلطنتوں کا حصہ رہا۔

نجد: یہ ریگستانی علاقہ، سعودی عرب کے شمالی حصہ میں، نفوذ کے ریگستان کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کے مغربی حصہ کی اوسط بلندی 4,000 فٹ ہے۔ مشرقی حصہ 1,950 فٹ بلند ہے۔ نجد میں کئی چھوٹی چھوٹی موسمی ندیاں مغرب سے مشرق کی طرف بہتی ہیں۔ شمال میں وادی الرمہ (ندی) جو مشرقی سمت میں بہہ کر الدنا میں اپنا بہاؤ ختم کر دیتی ہے، بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ وسط میں وادی حنیفہ (ندی) قابل ذکر ہے۔

نربدا: ہندوستان کے عظیم دریاؤں میں نربدا کا شمار ہوتا ہے جو امر کنٹک کی سطح مرتفع سے شروع ہوتا ہے۔ اپنے 1,200 کلو میٹر بہاؤ کے دوران کئی بار کودتے پھاندتے، جس کی وجہ سے اس کا نام ریوا ہو گیا ہے، اور جانب مغرب بہتے ہوئے بالآخر خلیج کیمبے (کھمبات) میں جاگرتا ہے۔ اس کے کنارے پر کئی تاریخی مقامات واقع ہیں۔ اس کے دہانے کے قریب شہر بھڑوچ کے جنوب میں اس کی 26 کلو میٹر چوڑی کھاڑی بن گئی ہے۔ اس لیے اس میں جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ نربدا کو عام طور پر شمالی ہندوستان کی جنوبی سرحد سمجھا جاتا ہے جس سے آگے جزیرہ نمائے دکن شروع ہو جاتا ہے۔

نربدا پراجکٹ: گجرات کے ضلع بھڑوچ میں تعلقہ راج پیپلا میں نربدا ندی پر ایک کثیر المقاصدی پراجکٹ کی اسکیم ہے۔ اس کے پہلے مرحلے میں 4 لاکھ ہیکٹر رقبہ زمین کی آبپاشی اور ایک بندھ کی تعمیر ہوئی ہے اور دوسرے مرحلے میں 625,000 کلوواٹ برقی قوت مہیا ہو سکی ہے۔

نرکندا: شملہ سے 39 میل کے فاصلہ پر واقع اس مقام سے کولو کے مشرق کی شاندار برفانی چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں۔

نرمل: تعلقہ نرمل ریاست آندھرا پردیش کے ضلع عادل آباد میں واقع ہے۔ یہ لکڑی کے کام کی صنعت کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ اس تعلقہ کے ایک دیہات کا ایک خاص طبقہ اس کام میں مہارت رکھتا ہے۔ ڈرائنگ، ڈائننگ، بیڈ روم فرنیچر، لیمپس، ایش ٹرے، دیوار پر لگائی جانے والی نقش کی ہوئی تختیاں یہاں بنائی جاتی ہیں اور ان پر رنگ لگا کر تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ تعلقہ کے مستقر کا نام بھی نرمل ہے۔

ناساؤ: یہ جزائر بہاما کا صدر مقام اور جزیرہ نیو پروویڈنس کا ایک بڑا اور خوبصورت بندرگاہ ہے۔ ان جزائر کا یہ سماجی اور اقتصادی مرکز ہے۔ اپنی گرم اور صحت بخش آب و ہوا اور رنگین فضا سے یہ سرمائی تفریح کا صحت گاہ بن گیا ہے۔ ماضی میں اس کا نام چارلس ٹاؤن تھا۔ 1695 میں اس کا نام ناساؤ رکھا گیا۔ اٹھارہویں صدی میں یہ بحری قزاقوں کی آماجگاہ کا اڈا تھا۔ ہسپانوی حملوں سے بچنے کے لیے تین قلعے ناساؤ

(1697)، چارلوٹ (1794-1784)، اور "فن کیسل" تعمیر کیے گئے تھے۔ امریکی انقلابیوں نے 1776 میں اس پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصے تک اس پر قابض رہے۔ اس کی آبادی 1973 میں 36,243 تھی۔

نسلی تقسیم: دنیا کی نسلوں کو تین اساسی زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ذیل کے تحت میں ان کے تعلق سے اہم معلومات درج ہیں:

	کاکیشیائی نسل	منگولیائی نسل	نیگرو نسل
دنیا کی آبادی کا فیصدی پھیلاؤ	33	43	24
	لپس اور فنس کے سوا تمام یوروپی نسلیں اور افریقہ، ایشیائے کوچک، ہندوستان اور آسٹریلیا کے باشندے۔	لیپ لینڈ سے تھائی لینڈ کو جوڑنے والے فرضی خط کے مشرق میں پھیلے ہوئے وسیع علاقہ کے باشندے یعنی لپس، فنس، اسکیمو، ہنگیس اور کیچاڈیلس کے علاوہ شمالی اور مشرقی ایشیا کے بیشتر باشندے اور جزائر غرب الہند اور امریکا کے تمام کے قدیم باشندے۔	افریقہ کے حبشی (نیگرو)، انڈونیشیا کے نیگرویشین اور تسمانیہ کے قدیم باشندے، جو اب وجود میں نہیں ہیں۔
ذیلی اقسام	(1) نارڈک۔ یہ ناروے، سویڈن، ڈنمارک، شمالی جرمنی اور مشرقی برطانیہ کے باشندے ہیں۔	(1) منگس۔ یہ سائبیریا، منگولیا اور صحرائے گوبی کے مغرب کے علاقوں کے باشندے ہیں۔	(1) افریقیائی نیگرو یا حبشی۔ اصل حبشی مغربی افریقہ میں، سوڈانی حبشی وسطی افریقہ میں، نیلوٹک مشرقی افریقہ میں، ہاٹن ٹاٹس اور بش مین صحرائے کالاہاری میں، اور بونے مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔
	(2) آلپس اور روس میں بڑے میدانی علاقہ کے باشندے ہیں۔	(2) قدیم ایشیائی یا کاس: یہ شمالی اور شمال مشرقی سائبیریا، یوروپی روس کے شمالی حصہ اور اسکینڈینیویا کے باشندے ہیں۔	(2) بحری نیگرو جو ملیشیائی یا پاپوانس بھی کہلاتے ہیں: بورنیو، نیوگنی، جزائر سلیمان، ہبریڈیز اور فیجی جزائر کے باشندے ہیں۔
	(3) بحروی: یہ اسپین اور جنوبی اٹلی کے باشندے ہیں۔	(3) سانگ: ہوانگ ہو کے میدان اور یانگ سی کے وسطی وزیریں طاس اور کوریا میں آباد ہیں۔	(3) نیگرو اکلوز: یہ جزائر انڈومان، ملایا، فلی پائن اور نیوگنی میں آباد ہیں۔
	(4) بالٹک: اس نسل کے باشندے بحیرۂ بالٹک کے مشرق اور جنوب مشرق میں آباد ہیں۔	(4) جنوبی منگولین: یہ تبت، ہمالیہ کے جنوبی ڈھال، جنوبی چین اور ویت نام کے باشندے ہیں۔	
	(5) آرمینوائڈ: اس نسل کے باشندے مغربی ایشیائے کوچک اور وسط ہند کے شمالی حصہ میں بسے ہوئے ہیں۔	(5) بحری منگولین: اس نسل کے لوگ انڈونیشیا، فلی پائن، فارموسا، کوہار اور مڈغاسکر میں آباد ہیں۔	
	(7) تورانی: ترکستان کے باشندے ہیں۔		
	(8) شمالی اور مغربی ہندوستان کے باشندے ہیں۔		
	(9) دراوڑی اور ماقبل دروازی: اس نسل کے باشندے جنوبی ہند کے بیشتر علاقہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔		
	(10) نیسوبیٹ اور		

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

	پالینیشیائی: یہ باشندے جنوب مشرقی ایشیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (11) عرب، ہیمیٹک اور بربر: یہ لوگ سعودی عرب، شمالی افریقہ، مصر، ایتھوپیا (حبش)، سوڈان اور اٹلس کے علاقہ میں آباد ہیں۔ (12) اینس: یہ شمالی جاپان کے باشندے ہیں۔ (13) آسٹریلین کا کیشیائی: یہ براعظم آسٹریلیا کے قدیم باشندے ہیں۔		
رنگ	گورا زردی مائل، گورا گلابی، گورا ابجز کیلا۔	زردی مائل، ہلکا بھورا، گہرا بھورا	سیاہ، سیاہی مائل بھورا، نیالا زردی مائل
بال	(A) لمبے، لہریے دار، نرم، سن نما۔ (B) لمبے، سیدھے، گھونگھر والے سیاہ، تراش میں دونوں بیضوی۔	(A) سیدھے اور نرم (B) کھردرے، سیاہ، تراش میں گول۔	چھوٹے، سنگ موسیٰ کے رنگ کے سیاہ۔
کاسہ سر (کھوپڑی)	(A) لمبا (B) چوڑا۔	(A) چوڑا۔ (B) اوسط پھیلاؤ کا۔	(A) لمبا (B) چوڑا
[illegible]	90 درجے	83 تا 90 درجے	83 درجے
جبڑے	چھوٹے	پہلوؤں پر نمایاں	آگے کو نکلے ہوئے چھوٹے
ناک	بڑی، سیدھی یا خمیدہ	بہت چھوٹی	بہت چوڑی اور چپٹی
آنکھیں	نیلی یا سیاہ، قدرے بڑی اور ہمیشہ سیدھی	چھوٹی، سیاہ، ترچھی، بیرونی زاویہ ذرا بلند	بڑی گول، سیاہ، آنکھ کا بیرونی پردہ زردی مائل
قد	دراز	اوسط	پست

نظام ساگر: آزادی سے کئی سال پیشتر ضلع نظام آباد میں مانجرا ندی پر نظام ساگر ڈیم کی تعمیر عمل میں آئی تھی۔ یہ قدیم ریاست حیدر آباد کا اہم ڈیم ہے، جس کی تعمیر 1931 میں مکمل ہوئی۔ اس جھیل کا رقبہ 15 مربع میل ہے جس میں پانی کے جمع کرنے کی گنجائش 30,000 ملین مکعب فٹ ہے۔ اس کی گہرائی 105 فٹ، لمبائی 2 میل اور اونچائی 158 فٹ ہے۔ اس تالاب میں 28 خودکار دروازے ہیں، جو پانی کی زائد مقدار ہمیشہ خارج کرتے رہتے ہیں۔ اس سے نکالی ہوئی نہر کی لمبائی ایک سو میل ہے جس سے 275,000 ایکڑ رقبہ کو پانی فراہم ہوتا ہے۔ اس ڈیم کے پانی سے گنے کی کاشت اور چاول کی فصل میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور اس سے برقی قوت بھی پیدا کی جارہی ہے۔

نظر نما: یہ ایک چوبی یا دھاتی پٹری ہوتی ہے جس کے ہر سرے پر ایک پتلی سی دھاتی پٹی قلابے کے ذریعہ جوڑ دی جاتی ہے۔ استعمال کے وقت پٹیوں کو عموداً کھڑا کر کے نظر نما کو مسطح میز پر ہموار سطح میں رکھ دیا جاتا ہے۔ ہر پٹی میں ایک عمودی جھروکا بنا رہتا ہے۔ ایک جھروکا جو پیمائش کرنے والے کے قریب رکھا جاتا ہے بہت پتلا ہوتا ہے۔ مقابل کے دوسرے، مقابلتاً چوڑے، جھروکے کے وسط میں ایک باریک تار، بال یا تاگا عموداً تان دیا جاتا ہے۔ دوران پیمائش مختلف مقامات کو دیکھنے کے لیے دونوں جھروکوں سے خط نظر کو آگے کی طرف پھیلا دیا جاتا ہے۔

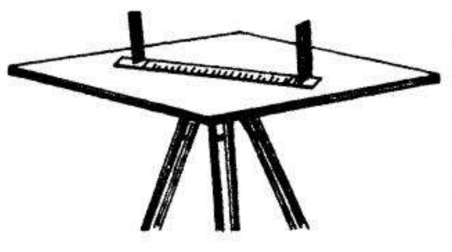

مسطح میز اور نظر نما
(Alidade: with Plane Table)

نفوذی توام (Penetration Twins): یہ نام ایسی صورت میں دیا جاتا ہے جبکہ دو یا دو سے زیادہ مکمل قلمیں ایک دوسری میں گھسی ہوئی ہوتی ہیں اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ایک دوسری میں سے گزرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ عام طور پر ان کا ایک ہی مرکز تشاکل ہوتا ہے جو سب قلموں کے محور تشاکل کے درمیان ہوتا ہے۔ تمسی توام کی طرح اس میں بھی بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔ اس کی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

502

بہترین مثال اسٹار ولائیمٹ ہے۔ یہ شکل مندرجہ ذیل ہے۔

نقاط کا نقشہ: یہ ایک تقسیمی نقشہ ہوتا ہے جس میں کسی علاقہ کی زرعی یا معدنی پیداوار یا آبادی وغیرہ کے تعلق سے کسی ایک زمانے کے اعداد و شمار کو نقطوں کی مناسب تعداد سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ انھیں بناتے وقت نقشہ کی وسعت اور اعداد و شمار کی نوعیت دونوں ہی کو پیش نظر رکھ کر مناسب پیمانہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک نقطہ = 1000 عورتیں یا 50,080 ٹن وغیرہ۔ پیمانے حسب ضرورت چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں۔ تقسیمی نقطوں کو نقشہ میں مراکز جاذبہ پر بنایا جاتا ہے۔ انھیں بنانے سے پہلے متعلقہ علاقہ کے طبعی حالات، چٹانی ساخت اور آب و ہوا کے تغیرات کو ظاہر کرنے والے اسی پیمانے کے نقشے بھی بغور دیکھ لیں یا ایک دوسرے پر منطبق کرتے جائیں تو مراکز جاذبہ کے تعین میں سہولت ہو جاتی ہے۔ کبھی ایک ہی چیز کی تقسیم کو تعداد یا مقدار کی کمی زیادتی کے اعتبار سے چھوٹے بڑے نقطوں سے دکھا دیا جاتا ہے۔ ایک ہی نقشہ میں کئی چیزوں کی تقسیم دکھانی ہو تو نقطوں کی شکلیں مختلف کر دی جاتی ہیں یا ان میں مختلف رنگ بھر دیے جاتے ہیں۔

نقشہ پر پیمانہ کو ظاہر کرنے کے طریقے:

ہر نقشہ میں پیمانہ کو درج ذیل تین طریقوں سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

(1) راست بیان کا طریقہ: یہ مساوات کا طریقہ بھی کہلاتا ہے کیونکہ اس میں مساوات کے ذریعہ یہ صاف صاف بتا دیا جاتا ہے کہ نقشہ میں ایک انچ یا ایک سینٹی میٹر سے کتنا حقیقی فاصلہ دکھایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نقشہ کے حاشیہ میں 1 سینٹی میٹر = 1500 کلو میٹر لکھا ہو تو فوراً ہی ہم یہ سمجھ جائیں گے کہ نقشہ میں 1 سنٹی میٹر کے افقی فاصلہ سے سطح زمین کے 1500 کلو میٹر کا افقی فاصلہ ظاہر ہو رہا ہے۔

مساوات کی مدد سے نقشے میں دکھائے ہوئے تمام افقی فاصلوں کو وحدانی طریقہ پر اصل فاصلوں میں تحویل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دقت یہ ہے کہ ہر بار حسابی عمل ضروری ہوتا ہے، جو نقشہ پڑھنے والوں کے لیے کافی پریشان کن ہوتا ہے۔

(2) کسر تعبیری کا طریقہ: اس میں ایک کسر کے ذریعہ نقشہ کے پیمانہ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً 1/2,500، 1/84,000 یا 1/1,000,000 وغیرہ۔ اس کسر کا تعین پیمانہ کی مساوات کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ کسر تعبیری میں پیائش کی کسی اکائی کا ذکر نہیں ہوتا۔ حسب ضرورت اسے کسی بھی اکائی میں تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اس کسر سے نقشہ اور متعلقہ زمین کے پھیلاؤ کی باہمی نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ کسر میں شمار کنندہ ہمیشہ ایک کا ہندسہ ہوتا ہے۔ نسب نما مختلف نقشوں میں مختلف رہتے ہیں۔ شمار کنندہ نقشہ میں دکھائے ہوئے فاصلہ کو ظاہر کرتا ہے۔ نسب نما سے شمار کنندہ ہی کی پیائشی اکائی میں متعلقہ زمین پر کے فاصلے ظاہر ہوتے ہیں۔ کسر کے شمار کنندہ کو انچ سمجھ لیں تو نسب نما بھی انچوں میں رہے گا۔ اسی کسر کے شمار کنندہ کو سینٹی میٹر تسلیم کر لیں تو نسب نما بھی سنٹی میٹروں میں تصور کیا جائے گا۔

تعبیری کسر کی مدد سے بھی نقشہ میں دیے ہوئے مختلف فاصلے محسوب کیے جا سکتے ہیں مگر حسابی عمل اس صورت میں بھی تکلیف دہ ہی ثابت ہوتا ہے، تاہم سہولت یہ ہے کہ کسر تعبیری کے ذریعہ پیائش کی کسی بھی اکائی تک نقشہ اور متعلقہ زمین کے فاصلے بآسانی معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

ہر نقشہ کی کسر تعبیری کو پیمانہ کی مساوات میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح پیمانہ کی مساوات سے کسر تعبیری معلوم کی جا سکتی ہے۔

(3) خطی پیمانہ کا طریقہ (دیکھیے خطی پیمانہ)۔

نقشوں کی پیمانہ کی اساس پر اقسام:

نقشوں کی درجہ بندی کئی طرح کی جا سکتی ہے۔ پیمانہ کی اساس پر نقشے بڑے، اوسط یا چھوٹے ہو سکتے ہیں۔ فنچ نے ان کی دو بڑی قسمیں بتائی ہیں۔ ایک دیواری نقشے اور دوسرے کتابی نقشے۔ بڑے پیمانہ کے نقشوں میں زیادہ تفصیلات کو زیادہ صحت کے ساتھ دکھایا جا سکتا ہے۔ چھوٹے پیمانے کے نقشے مقابلتاً ناقص ہوتے ہیں۔

نقشوں کے اقسام:

(1) طبعی نقشے: ان نقشوں میں پستیوں، بلندیوں اور دیگر طبعی مناظر کو لہریوں، سایوں، رنگین پٹیوں یا خطوط مساوی الارتفاع، وغیرہ سے دکھایا جاتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ایسے نقشوں میں بعض اوقات ریلوں، سڑکوں، پگڈنڈیوں، ندیوں اور نہروں، وغیرہ کا پھیلاؤ بھی مختلف قسم کے خطوط سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ بالعموم سارے طبعی نقشے تظلیل صحیح الشکل یا تظلیل صحیح الفاصلہ کے جال پر تیار کیے جاتے ہیں۔

(2) مناظری نقشے: سطح کے وہ نقشے جو کیمرہ کی مدد سے تیار کیے جاتے ہیں، مناظری نقشے کہلاتے ہیں۔ انھیں اسٹیریو سکوپ سے پڑھ کر طبعی حالات کی اصل تصویریں دیکھ لی جاتی ہیں۔

(3) فزیوگرافک نقشے: یہ چھوٹے پیمانہ پر بنائے جاتے ہیں۔ اہم مظاہر قدرت پیش کرتے ہیں۔ یہ بلاک ڈائگرام کی اساس پر تیار ہوتے ہیں اور عوام کو ارضیاتی پس منظر سے واقف کراتے ہیں۔ ریز (Raisz) نے انھیں مارفولاجک یا لینڈ فارم کے نقشوں کا نام دیا ہے۔ لوبیک انھیں فزیوگرافک ڈائگرام کہتا ہے اور امریکہ کے جیولوجیکل سروے نے انھیں ڈائگرام کا نام دیا ہے۔ حال ہی میں پلاسٹک کی پتلی پتلی چادروں پر "ٹاکرو ریلیف" کے رنگین نقشے بھی بننے لگے ہیں۔

(4) ارضیاتی نقشے: یہ نقشے ٹوپو شیٹ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان میں طبعی حالات کے ساتھ ہی ارضیاتی ساخت کے تغیرات، معدنیات کے پھیلاؤ اور چٹانوں کی اقسام بھی دکھاتے ہیں۔ اکثر ارضیاتی نقشے جن میں عمودی تراشیں اور یک رخی شکلیں بنائی جاتی ہیں فولیو کی شکل میں شائع ہوتے ہیں۔ عمل فرسودگی کی کل کاریاں دکھانے والے نقشے فرسودگی عمل کے نقشے کہلاتے ہیں۔ ارضیاتی نقشوں کی بیشتر تفصیلات مختلف رنگ کی پٹیوں یا علامتوں سے دکھادی جاتی ہیں۔ اس قسم کے تمام نقشوں کی تیاری میں محل و قوع کی مناسبت سے تظلیل صحیح الشکل یا صحیح الفاصلہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

(5) علاماتی نقشے: یہ ایسے نقشے ہیں جن میں سطح زمین کی ڈھلانوں یا بلندیوں کو صحیح طور پر دکھانے کے بجائے مختلف علامات کے ذریعہ خدو خال ارضی کے صرف عام اختلافات پیش کر دیے جاتے ہیں۔

(6) اشکالی نقشے: ان نقشوں میں مختلف علامات کے بجائے صرف ایک ہی قوس نما علامت کی مختلف صورتوں سے ہیئت زمین کو نمایاں کر دیا جاتا ہے۔

(7) بحریاتی نقشے اور جہاز رانی کے نقشے: بحریاتی نقشہ میں ساحلی پیچ و خم کے علاوہ سمندری فرش کے مختلف حصوں کو یکساں گہرائی کے خطوط سے دکھایا جاتا ہے۔ گہرائیاں بالعموم فیدم میں ظاہر کی جاتی ہیں۔ ایک فیدم چھ فٹ کے مساوی ہوتا ہے۔ سمندر کی سطح پر درجہ حرارت اور فضائی دباؤ کی کیفیت کو بالترتیب خطوط مساوی الحرارت اور خطوط مساوی البار سے دکھایا جاتا ہے۔ آبی کثافت و شوریت کے علاوہ بحری ہواؤں کے رخ اور رووں کے پھیلاؤ کی رفتاریں اور سمتیں بھی دکھادی جاتی ہیں۔ یہ نقشے بالعموم مرکیٹر کے جال پر تیار کیے جاتے ہیں۔ جہاز رانی کے نقشوں میں بحری راستے، بندرگاہ اور روشنی کے مینار وغیرہ مرکیٹر کے جال پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں اضافی سمتیں بھی دکھادی جاتی ہیں۔

(8) ہوابازی کے نقشے یا تختے: دور حاضرہ میں ان نقشوں سے ہوابازوں کو بڑی مدد ملتی ہے۔ ان میں ہوائی راستوں کی تفصیلات کے ساتھ ہی سطح زمین کے طبعی حالات، اہم مقامات اور زمینی ذرائع آمد و رفت بھی دکھائے جاتے ہیں۔ بلندیوں کے اختلافات مختلف رنگ کی پٹیوں سے اجاگر کیے جاتے ہیں۔ خطوط مساوی الارتفاع عموماً ہلکے بادامی رنگ سے بنائے جاتے ہیں۔ سمندر آسمانی رنگ سے، شہر چمکدار پیلے رنگ سے، سڑکیں گلابی رنگ سے اور دیگر کلچرل تفصیلات سیاہ رنگ سے دکھاتے ہیں۔

(9) زلزلہ نمائی کے نقشے: ان میں زندہ، خوابیدہ اور مردہ آتش فشانی علاقے، زلزلوں کی پٹیاں اور قشر ارض کی کمزوری کے خطوط دکھادیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات زلزلہ کے یکساں شدت سے جھٹکے محسوس کرنے والے مقامات کو جوڑ کر خطوط مساوی الزلزلہ بھی بنادیتے ہیں۔ یہ نقشے زیادہ تر تظلیل سمت الراس صحیح الفاصلہ کے جال پر تیار کیے جاتے ہیں۔

(10) وضعی نقشے: سروے آف انڈیا کے یہ نقشے خشتی پیمائش کے دوران تیار کیے جاتے ہیں۔ ان میں طبعی اور کلچرل حالات کے علاوہ انسانی ماحول کی بہت سی تفصیلات کو نمایاں کر دیا جاتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے علاقوں کے بڑے پیمانہ کے نقشے ایک انچ کو ایک میل، نصف میل یا مربع میل کے مساوی سمجھ کر بنائے جاتے ہیں۔

مختلف ممالک میں ان کے پیمانے مختلف ہوتے ہیں۔ پیمانہ کے میٹرک نظام میں اکثر یہ کسر تعبیری 1/50,000 پر تیار کیے جاتے ہیں۔ سطح کے تفصیلی حالات کو خطوط مساوی الارتفاع، فارم لائنس، مقامی بلندیوں، خشتی یا ٹرگنا میٹریکل بلندیوں اور بنچ مارکس سے دکھادیا جاتا ہے۔ ذرائع آمد و رفت کو مختلف خطوط سے اور دیگر اہم تفصیلات کو چند مقررہ علامتوں سے اور جنگلاتی علاقوں کو ہلکے پیلے رنگ سے نمایاں کر دیا جاتا ہے۔ انھیں بغور دیکھ کر انسان اور ماحول کا باہمی رشتہ بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس قسم کے تفصیلی نقشے سروے آف انڈیا شیٹس یا ٹوپو شیٹس بھی کہلاتے ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ کے ایسے ہی نقشوں کو آرڈننس نقشے کہا جاتا ہے۔ ایسے اکثر نقشے یک انچی ہوتے ہیں۔ یورپی نقشوں کی تعبیری کسریں 1/25,000 یا 1/100,000 ہوتی ہیں۔ کسر تعبیری 1/1,000,000 کے نقشے بھی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

اسی زمرہ سے وابستہ کیے جا سکتے ہیں اور یہ بین الاقوامی تظلیل کے جال پر تیار کیے جاتے ہیں۔

(11) مال گزاری کے نقشے: یہ مزروعہ علاقوں، باغوں اور عمارتی خطوں کے بڑے پیمانے کے نقشے ہیں۔ انھیں سرکاری پیمائش کا محکمہ تعیین لگان یا محصول کی خاطر تیار کرتا ہے۔ ان نقشوں کے ساتھ متعلقہ افراد کے انتظامی یا مالکانہ حقوق کی صراحت بھی کر دی جاتی ہے۔ ہندوستانی گاؤں کے لیکھ پال انھی نقشوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ان میں ایک میل کے فاصلہ کو بالعموم 16 تا 32 انچ سے ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ تمام ضروری تفصیلات کو بآسانی درج کیا جا سکے۔

(12) فوجی نقشے: یہ نقشے سروے شیٹ کی طرح کافی بڑے پیمانہ پر تیار کیے جاتے ہیں۔ ان میں فوجی ضروریات کے پیش نظر سطح کی تفصیلات دکھا دی جاتی ہیں۔ حملہ آوری کے مناسب مقامات، پناہ گاہیں اور گھنے جنگلات زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ ہر نقشہ کئی مربعوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ان مربعوں کا سلسلہ ملحقہ علاقوں کے نقشوں سے وابستہ ہوتا ہے۔ حسب ضرورت بڑے مربعوں کو ذیلی مربعوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ان تمام چھوٹے بڑے مربعوں کو مختلف ہندسوں اور حرفوں سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

(13) آب و ہوا کے نقشے: ان نقشوں میں کم از کم دس سال کے درجہ حرارت، بارش یا فضائی دباؤ کی اوسط تقسیم اور ہواؤں کے بہاؤ کی اوسط کیفیت کو مختلف طریقوں سے دکھایا جاتا ہے۔

(14) فضائی یا موسمی نقشے: محکمہ موسمیات کے تیار کیے ہوئے یومیہ موسمی نقشوں کو موسمی چارٹس بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نقشے عموماً 24 گھنٹے کی بارش اور فضائی دباؤ کے حالات کے علاوہ ہوا کے بہاؤ کی رفتار و سمت اور مطلع کی کیفیت کا پتہ دیتے ہیں۔ فضائی دباؤ کو خطوط مساوی البار سے اور ہوا کے بہاؤ اور رفتار کو تیر کے نشانات سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ تیر کے نشانات کے پچھلے سروں پر جو چھوٹے چھوٹے خطوط بنے رہتے ہیں وہ رفتاروں کا فرق دکھاتے ہیں۔ درجہ حرارت اور بارش کی تقسیم نقشہ کے ساتھ ہی ایک تختہ میں درج کر دی جاتی ہے۔ مطلع کی کیفیت چھوٹے چھوٹے خالی یا سایہ دار دائروں اور مخصوص علامتوں سے ظاہر کی جاتی ہے۔ کسی ایک دن کے فضائی نقشہ پر نظر ڈالتے ہوئے سابقہ تاریخوں کے نقشے بھی پڑھ لیے جائیں اور اوسط حالات سے انحراف کی رفتاروں کو حاشیہ کے چھوٹے چھوٹے نقشوں میں دیکھ لیں تو آئندہ موسم کے تعلق سے قیاس آرائیاں کرنے میں کافی مدد مل جاتی ہے۔ یومیہ فضائی نقشوں ہی کی طرح ماہانہ موسمی اور فضائی نقشے تیار ہونے لگے ہیں۔

(15) تقسیمی اور اعداد و شماری نقشے: ان نقشوں میں فضائی درجہ حرارت، دباؤ کی کیفیت، بارش کی تقسیم نباتات، زرعی پیداوار، معدنیات، مصنوعات، ماکولات اور آبادی وغیرہ کے اعداد و شمار کو مختلف طریقوں سے دکھایا جاتا ہے۔

(16) ملکی یا سیاسی نقشے: ان نقشوں میں براعظموں، ملکوں، صوبوں، ضلعوں، تعلقوں اور دیگر سیاسی و انتظامی منفرد رقبہ جات کو حسب ضرورت یا مختلف رنگوں یا تظلیل صحیح الشکل کے جال پر مختلف وہارت کی حدود یا مختلف رنگوں سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی طبعی اور تمدنی تفصیلات پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔ صدر مقاموں، اہم شہروں اور بندرگاہوں کے علاوہ نہروں، ریلوں اور سڑکوں کے پھیلاؤ بھی دکھائے جاتے ہیں۔

(17) ٹاؤن پلانس: یہ بڑے پیمانہ کے نقشے اہم شہروں کے شہری (بلدی) مناظر پیش کرتے ہیں۔ ان میں موجودہ صورت حال کے علاوہ مجوزہ منصوبوں کی تفصیلات بھی دکھائی جاتی ہیں۔ منصوبہ بندی اور ماسٹر پلان کی تیاری میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔

(18) تفریحات کے نقشے: ان نقشوں میں مخصوص علاقوں کے باغات، سیر و تفریح کے گوشے اور تاریخی یا قابل دید مقامات دکھائے جاتے ہیں۔ ان کا پیمانہ کافی بڑا ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی تیاری کے لیے کسی خاص تظلیل کے جال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سیاحوں اور نوواردوں کو ان نقشوں سے بڑی مدد ملتی ہے۔

(19) تاریخی نقشے: ان میں گزشتہ زمانہ کی سیاسی یا انتظامی تقسیم یا مملکتی پھیلاؤ کو تظلیل صحیح الشکل یا صحیح السمت کے جال پر دکھایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان میں عہد رفتہ کے اہم مقامات درج کر دیے جاتے ہیں۔ قدیم جغرافیہ دانوں کے تیار کیے ہوئے نقشے بھی، جو مختلف زمانوں کے جغرافیائی تصورات اور تحقیقات کا پتہ دیتے ہیں، تاریخی نقشے کہلاتے ہیں۔

(20) آثار قدیمہ کے نقشے: ان نقشوں میں قدیم بستیوں، پرانے معبدوں، لاٹوں، کتبوں، قلعوں، غاروں، تل گھروں، زمین دوز راستوں، پرانے میناروں، فصیلوں، عہد کہن کی نہروں، تالابوں، کنوؤں، مسافر خانوں، شاہراہوں، جنگ و جدل کے میدانوں اور پناہ گاہوں کے باقیات یا آثار دکھائے جاتے ہیں۔ ان سے قدیم رہن سہن اور تہذیب و تمدن کا پتہ چلتا ہے اور تحقیقاتی کاموں میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔

(21) ارضی مقناطیسیت کے نقشے: یہ نقشے مختلف مقامات کے مقناطیسی

شمال کے میلان کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یکساں جھکاؤ رکھنے والے مقامات کو سلسلہ وار جوڑ کو نقشہ میں متعدد "ہم میلانی خطوط" بنا دیے جاتے ہیں۔ یہ نقشے بالعموم مرکیٹر کی تظلیل، تظلیل سمت الراس، صحیح الفاصلہ اور صحیح السمت پر تیار کیے جاتے ہیں۔

(22) دیواری نقشے: یہ بڑے پیمانے کے نقشے، جو دوران درس طالب علموں کے سامنے لٹکائے جاتے ہیں، صرف اہم تفصیلات کو اجاگر کرتے ہیں۔ محل وقوع کے اعتبار سے مختلف علاقوں کی نقشہ کشی کے وقت مناسب تظلیل کے جال تیار کیے جاتے ہیں۔

(23) نیشنل اٹلس: یہ آرڈننس سروے کے تیار کیے ہوئے نقشوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں دنیا کے نقشے ماڈیفائڈ مالویڈ کی تظلیل پر بنتے ہیں۔ نصف کرّے سمت الراس صحیح الفاصلہ تظلیل پر اور ہندوستان کے نقشے مخروطی صحیح الرقبہ تظلیل پر تیار کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف حصوں کے نقشے بین الاقوامی تظلیل پر بنتے ہیں۔ ان میں طبعی حالات کے علاوہ معدنیات کی تقسیم، چٹانوں کی اقسام، فرسودگی کے اثرات، استفادۂ زمین کی منزل، کاشتکاری کی نوعیت، تار برقی کے پھیلاؤ، آبادی کی گنجانیت کے ساتھ ہی سیاسی اور انتظامی حدود بھی دکھادی جاتی ہیں۔

(24) بین الاقوامی نقشے: یہ ایسے نقشے ہیں جن میں دنیا کے مختلف حصوں کو ملین/1 پیمانہ پر ایک ہی طریقہ سے الگ الگ شیٹس پر دکھادیا جاتا ہے۔ جملہ شیٹس 2,222 ہوتے ہیں۔ خط استوا کے دونوں طرف 60° عرض البلد تک ہر شیٹ 6° طول البلدی پھیلاؤ اور 4° عرض البلدی پھیلاؤ رکھتا ہے۔ 60° سے 88° عرض البلد تک ہر شیٹ میں طول البلدی پھیلاؤ تو 12° کا ہو جاتا ہے لیکن عرض البلدی پھیلاؤ 4° ہی کا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک شیٹ شمالی قطبی علاقہ کا اور ایک جنوبی قطبی علاقہ کا بھی ہوتا ہے۔ یہ دونوں شیٹ دائرہ نما ہوتے ہیں اور ہر دائرہ کا قطر 4° کا ہوتا ہے۔

(25) فلکیاتی نقشے: ان میں ستاروں اور سیاروں کے پھیلاؤ کے علاوہ ان کے محور و مدار، مناسب پیمانہ اور مناسب تظلیل پر دکھائے جاتے ہیں۔

نقشہ پیما (Rotameter): یہ ایک گول گھڑی نما آلہ ہے جس میں اوپر کی طرف ایک دستہ اور نچلے حصہ میں ایک چھوٹا سا گھومنے والا پہیہ لگا رہتا ہے۔ آلہ کے دونوں طرف شیشوں کے نیچے ڈائل پر نمائندے لگے رہتے ہیں۔ آلہ کا اندرونی نظام کچھ ایسا ہوتا ہے کہ پہیہ کی حرکت کے ساتھ ہی نمائندے بھی گھومتے جاتے ہیں۔ آلہ میں ایک طرف کے ڈائل پر دو ہم مرکزی دائرے نظر آتے ہیں۔ بیرونی بڑے دائرہ کے محیط پر بنے ہوئے نشانات سے فاصلے میلوں میں اور اندرونی چھوٹے دائرہ کے محیط پر بنے ہوئے نشانات سے فاصلے کلو میٹر میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بیرونی دائرہ کی درجہ بندی کرتے وقت ایک انچ کو ایک میل کے مساوی اور اندرونی دائرہ کی درجہ بندی کرتے وقت ایک سینٹی میٹر کو ایک کلو میٹر کے مساوی تصور کیا جاتا ہے۔

نقشہ پیما
(Rotameter)

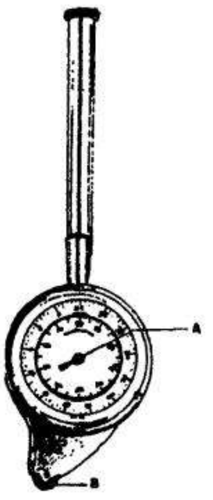

استعمال کا طریقہ: نقشوں میں فاصلے ناپنے سے پہلے اس آلہ کے چھوٹے سے پہیہ کو گھمائیں تو ڈائل کے مرکز پر لگا ہوا نمائندہ بھی حرکت کرنے لگے گا۔ جب یہ صفر کے نشان پر پہنچ جائے تو پہیہ کو گھمانا بند کردیں۔ اب آلہ کو دستہ سے پکڑتے ہوئے پہیہ کو پیمائش طلب فاصلہ پر چلائیں۔ نمائندہ گھوم کر کسی نشان پر رک جائے گا۔ اس کیفیت میں آلہ کو اٹھا کر نمائندہ کے مقابل ڈائل کے بڑے دائرہ پر لکھے ہوئے ہندسہ کو پڑھ لیں۔ اگر نقشہ میں ایک انچ سے ایک میل کو دکھایا گیا ہے تو اس ہندسہ سے اصل فاصلہ اسٹیچوٹ میلوں میں معلوم ہو جائے گا۔ اگر نقشہ میں ایک سینٹی میٹر سے ایک کلو میٹر کو دکھایا گیا ہے تو نمائندہ کے نیچے ڈائل پر بنے ہوئے چھوٹے دائرہ کے محیط پر نمائندہ کے مقابل لکھے ہوئے ہندسہ کو دیکھ کر اصل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

فاصلہ کلو میٹر میں معلوم ہو جائے گا۔

بڑے دائرہ کے محیط پر زیادہ سے زیادہ 39 میل تک اور چھوٹے دائرہ کے محیط پر زیادہ سے زیادہ سو کلو میٹر تک فاصلے ناپے جا سکتے ہیں۔ زیادہ بڑے فاصلے ناپنے ہوں تو تھوڑے تھوڑے فاصلوں کو سلسلہ وار ناپ کر جوڑ لیا جاتا ہے۔

اس آلہ میں دوسری طرف کے ڈائل پر تین ہم مرکزی دائرے بنے رہتے ہیں۔ سب سے بڑے بیرونی دائرہ کے محیط پر اسٹیچوٹ میل دکھائے جاتے ہیں۔ وسطی دائرہ کے محیط پر ان کے مساوی کلو میٹر اور اندرونی دائرہ کے محیط پر انہی کے مساوی ناٹیکل میل دکھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس طرف کا نمائندہ ایک انچی نقشے پر دکھائے ہوئے حقیقی فاصلوں کو ایک ہی وقت میں پیائش کی تین اکائیوں سے ظاہر کر دیتا ہے۔

نقشہ کا پیانہ "2:1 میل یا ایک سینٹی میٹر: 2 کلو میٹر ہو تو معلوم فاصلوں کو دو کے ہندسہ سے ضرب دے کر حقیقی فاصلے معلوم کر لیے جاتے ہیں۔ مختصراً اس آلہ کی مدد سے کسی بھی پیانہ کے نقشہ میں دکھائے ہوئے فاصلوں کے مساوی سطح زمین پر کے حقیقی فاصلے بآسانی معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

نقشہ کشی: یہ ایک فن ہے جس کے ذریعہ جغرافیہ، ارضیات، معاشیات، فلکیات اور علم پیائش کے ماہرین کی پیش کی ہوئی مشاہداتی یا اعداد و شماری تفصیلات کو حسابی طریقہ پر مناسب پیانوں اور موزوں تظلیلوں، چارٹ اور نقشوں میں ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ یہ فن بہت قدیم ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی مختلف بھونڈے طریقوں سے نقشے تیار کیے جاتے تھے۔ بابل کے بعض قدیم قبیلوں کے بنائے ہوئے نقشے ہوزہارورڈ یونیورسٹی میں محفوظ ہیں۔ یونانی فن نقشہ کشی پر ان کا کافی اثر پڑا ہے۔ اہل بابل کا یہ تصور کہ زمین قرص نما ہے، رومیوں، یونانیوں اور اسرائیلوں کے ذریعہ دور وسطیٰ کے عیسائیوں تک پہنچا اور نقشوں کو متاثر کرتا رہا۔

چین میں پی ہونے تیسری صدی میں اور ہی چوانگ نے پانچویں صدی میں بڑے پیچیدہ سے نقشے تیار کیے۔

یونانیوں میں اناکز منڈر، تھیلو، فیثاغورث، ہیکا ٹیس، ہیرالڈوٹس، ڈیماکریٹیز، ایراٹا ستھینز اور ہپارکس نے اچھے نقشے تیار کیے۔ اسٹرابو نے خطوط عرض البلد اور طول البلد کو بہتر طریقے پر پیش کیا۔ بطلیموس (ٹالیمی) نے مناسب تظلیل پر دنیا کا اچھا نقشہ بنایا۔ اس کے بعد پندرہویں صدی عیسوی تک فن نقشہ کشی میں کوئی خاص ترقی نہ ہو سکی۔ رومی تو اس میدان میں بہت پیچھے رہ گئے۔

عربوں نے فلکیات اور ریاضی کی وسیع معلومات کے باعث بہتر نقشے بنائے۔ ادریسی کا 1154 کا دنیا کا نیا نقشہ آج بھی اہمیت رکھتا ہے۔ سولھویں صدی میں گرہارڈ کریمر، مرکیٹر، آرٹیلیس اور سلسن ہاؤس نے فن نقشہ کشی کو کافی فروغ دیا۔ نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بھی اچھے نقشے بنائے گئے۔ پی. وی. کورنیلی اس دور کا قابل نقشہ نویس تھا۔

اٹھارہویں صدی میں سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقی کے ساتھ جی. ڈیلاکل اور جے. بی. ڈی. اینول جیسے ماہرین نے بہت اعلیٰ نقشے پیش کیے۔

پہلا اہم قومی سروے فرانس میں سی. ایس. کیسینی کی زیر نگرانی شروع ہوا، جسے اس کے بیٹے نے 1789 میں مکمل کیا۔ نپولین نے کئی سروے کرائے۔ 1791 میں برٹش آرڈننس سروے کا آغاز ہوا۔ اسپین، جرمنی اور سوئزرلینڈ کے سروے کی تنظیم بھی اٹھارہویں صدی میں ہی ہوئی۔ انیسویں صدی میں جغرافیہ کو علم قطعیہ سمجھا جانے لگا اور زیادہ مستند نقشے بننے لگے۔ ہمبولٹ اور رٹر کے نئے تصورات نے نقشوں کی اہمیت بڑھا دی اور اواخر انیسویں صدی میں کئی نیشنل اٹلس منظر عام پر آئے۔ 1895 کی بین الاقوامی کانگریس اور 1909 کی بین الاقوامی سب کمیٹی نے دنیا کے نقشہ کو 2,222 حصوں میں تقسیم کر کے جداجدا تفصیلی شیٹ تیار کرنے کا پروگرام پیش کیا۔

نکاراگوا(Nicara-gua): وسطی امریکہ کا ایک جمہوریہ ہے جس کے شمال میں ہانڈوراس، مشرق میں بحیرۂ کیریبین، جنوب میں کوسٹاریکا اور مغرب میں بحر الکاہل واقع ہیں۔ کل رقبہ 130,000 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 3,999,000 ہے۔ سرکاری زبان ہسپانوی ہے۔ مذہب رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔ آبادی کی بڑی اکثریت ملی جلی نسل کی ہے۔ اس کے علاوہ دس فیصدی نیگرو اور چار فی صدی انڈین ہیں۔ ملک کے مشرقی حصہ میں زیادہ تر دلدلی جنگل ہیں۔ اندر کے شمال مغرب سے جنوب مشرق تک بلند پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ بحر الکاہل ساحلی علاقوں میں آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ زیادہ تر زرخیز زمین پہاڑوں اور بحر الکاہل کے ساحلی علاقے کے درمیان واقع ہے۔ کافی بڑی بڑی جھیلیں ہیں۔ آب و ہوا گرم و مرطوب ہے لیکن بلندی اور پستی کے لحاظ سے اس میں فرق پڑتا ہے۔ زمین کافی زرخیز ہے۔ مکئی، گنا، چاول، کافی، تیل کے بیج، کوکو، تمباکو، ربر اور کیلے پیدا ہوتے ہیں۔ مویشی کافی تعداد میں پالے جاتے ہیں۔ لوہے، سونے، چاندی اور تانبے کی کان کنی ہوتی ہے۔ شکر سازی کی صنعت سب سے بڑی ہے۔ اس کے علاوہ سیمنٹ، سگریٹ اور چمڑے وغیرہ کے کارخانے بھی ہیں۔

درآمدات کا 32 فی صدی امریکہ سے اور بقیہ پڑوس کے لاطینی امریکی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ملکوں اور کچھ جرمنی اور جاپان وغیرہ سے آتا ہے۔ برآمدات 19 فی صدی امریکہ کو، باقی مغربی جرمنی، جاپان، چین، اور بعض امریکی ملکوں کو جاتی ہیں۔ برآمدات کا 25 فی صدی روئی، 13 فی صدی کافی اور گیارہ فی صدی شکر ہے

رائج سکہ کارڈوبا (Cordoba) ہے۔

1991 میں یہاں ابتدائی مدارس میں 674,045 طالب علم اور 18,646 استاد تھے۔ 1990 میں ثانوی مدرسوں میں 168,888 اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 30,733 طالب علم تھے۔

تاریخ: جس زمانے میں ہسپانوی اس علاقے میں آئے تھے یہاں ایزٹکس (Aztecs) لوگ پہلے ہی سے آباد تھے۔ ان کی سماجی زندگی کافی ترقی یافتہ تھی۔ 1522 میں ہسپانیوں نے اس حصہ ملک پر قبضہ کیا اور دو سال بعد شہر غرناطہ (Granada) کی بنیاد رکھی۔ 1560 سے 1821 تک نکاراگوا گواٹے مالا کے ماتحت رہا اور پھر اس نے اسپین سے آزادی حاصل کرلی۔ یہ ایک سال میکسیکو کا حصہ رہا اور 1823 تک وسطی امریکی ریاستوں کا ممبر رہا۔ کئی انقلابات آئے۔ بعض میں بیرونی ملکوں نے بھی مداخلت کی۔ مختلف شکلوں میں امریکہ کا بھی فوجی اور معاشی کنٹرول رہا۔ 1913 میں ایک نیا آئین بنا جس کے تحت نکاراگوا کو جمہوریہ بنادیا گیا اور مقابلتاً کافی عرصہ تک پرامن ترقی ہوتی رہی۔

1925 میں پھر انقلاب ہوا اور امریکی فوجیں اتار دی گئیں۔ سخت احتجاج کے باوجود 1933 تک یہ یہاں موجود رہیں۔ مارچ 1939 میں ایک نیا آئین بنایا گیا اور نکاراگوا اتحادیوں کے ساتھ دوسری عالم گیر جنگ میں شریک ہوگیا۔ 1939 میں سوموزا (Somoza) کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہوئی اور اس کے بعد اس کے لڑکے اور خاندان کی ڈکٹیٹر شپ قائم رہی۔ اس سارے عرصے میں امریکہ سے اسے کافی مدد ملتی رہی۔ چند سال سے رشوت خوری اور حکومت کے خلاف جدوجہد چل رہی ہے اور دن بدن شدت اختیار کرتی جارہی ہے۔ آخر 1978 میں تو انقلابیوں نے کچھ عرصہ کے لیے کئی شہروں پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ 1979 میں سوموزا کی حکومت کا تختہ پلٹ دیا گیا۔ 1981 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اس حکومت پر روس سے دوستی کے شبہ پر اسے کمزور کرنے کی بہت سی ترکیبیں شروع کردیں۔ مالی امداد امریکہ اور بین الاقوامی اداروں سے آنی بند ہوگئی۔ 1984 میں امریکہ نے نکاراگوا کے بندرگاہوں پر بارود بچھادی اور مستقل باغیوں کی ہمت افزائی کرتا رہا۔ 1990 میں حکومت کو ملی جلی پارٹیوں نے ہرادیا اور کمارو صدر منتخب ہوگیا۔ امریکہ نے بھی پابندیاں اٹھالیں اور مخالفت بھی ختم ہوگئی۔ ملک کی معاشی بحالی کی کوششیں شروع کی گئیں۔

نکاراگوا جھیل: وسطی امریکہ کی ریاستوں میں صرف یہی ایک بڑی جھیل ہے جو اپنی ہمنام ریاست نکاراگوا میں واقع ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 100 میل ہے۔ اس کا پانی 2,972 مربع میل رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ وسطی امریکہ کی سب سے بڑی جھیل ہے اور تازہ پانی کا سب سے بڑا ذخیرۂ آب ہے۔ دریائے ٹپی تاپا کے ذریعہ یہ جھیل ایک اور جھیل مناگوا سے ملی ہوئی ہے۔ دریائے سان جان سے اس کے پانی کا اخراج ہوتا ہے۔

نکاسی آب: دیکھئے دریائی نظام

نکوسیا: جمہوریہ قبرص کا صدر مقام ہے اور جزیرہ کے وسطی میدان میں واقع ہے۔ اس کی آبادی 87,100 ہے۔ یہ انتظامیہ، زراعتی تجارت، پارچہ بافی، برانڈی، چمڑے (چرم) اور ظروف سازی کا مرکز ہے۔ 1571 میں ترکوں نے اس کو فتح کیا تھا۔

یہ ایک قدیم جزیرہ ہے۔ اس پر سلطنت وینس کا بھی تسلط تھا۔ اس دور کی فصیلوں کے آثار آج تک موجود ہیں۔ یہاں کے میوزیم میں قدیم دور کے کافی نوادرات جمع ہیں۔ آزادی سے پہلے اس پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ جنگ آزادی میں یہاں کے لوگوں نے زبردست حصہ لیا۔

نکوالوفا (Nuku'alofa): جنوبی بحرالکاہل میں جزائر ٹونگا (Tonga) کا صدر مقام اور بڑا بندرگاہ ہے۔ اس کی لنگرگاہ ساحلی سنگستان (Reefs) کے پھیلاؤ سے محفوظ ہوگئی ہے۔ تعلیمی اور تجارتی مرکز ہے۔ ناریل، کیلے اور ثعلبہ یا ونیلا (Vanilla) کے علاوہ دستکاری کی چیزوں کا بیوپار اہمیت رکھتا ہے۔ 1972 میں آبادی تقریباً 20,000 تھی۔

نکولوڈی کا نٹی: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

نکول، ولیم (William Nicol): یہ اسکاٹ پروفیسر 1810 میں پیدا ہوا اور 1879 میں اس کی وفات واقع ہوئی۔ اس نے سب سے پہلے سنگ شدہ لکڑی (Petrified Wood) اور ہڈیوں کی مہین تراشیں (Thin Sections) خوردبینی مشاہدات کے لیے کامیابی سے بنائیں اور جنھیں ساربی (Sorby) نے بعد میں زیادہ بہتر طور پر استعمال کیا۔ خوردبینی مشاہدات کے لیے اس نے کیلسائٹ (Calcite)، جماد کے منشور (Prism)، لا تقطیب نور (Plane Polorized Light)، کے لیے ایجاد کیا۔ اس منشور کو اس کی یاد میں نکول کا منشور (Nicol's

Prism) کہتے ہیں۔

تگین: کشمیر میں جھیل ڈل سے متصل جھیل تگین ہے۔ یہ سری نگر سے 6 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

تلگنڈہ: ریاست آندھرا پردیش کے خطہ تلنگانہ کا ایک ضلع ہے۔ اس ضلع کے تعلقہ مریال گوڑہ کے ایک دیہات نندی کنڈا میں آندھرا پردیش کا سب سے مشہور ناگار جن ساگر پراجکٹ بنایا گیا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا میسنری ڈیم ہے۔ اس پراجکٹ کے دونوں جانب دو نہریں نکالی گئی ہیں۔ جو آندھرا پردیش کے کئی اضلاع کو سیراب کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس پراجکٹ سے بجلی بھی فراہم ہوتی ہے۔ ضلع تلگنڈہ کا صدر مقام بھی تلگنڈہ ہے۔

نمائش طبعی کے اظہار کے طریقے: سطح زمین کے طبعی حالات دکھانے کے اہم طریقے درج ذیل ہیں۔

(1) عکس کشی: اس کے ذریعہ سایہ کے ہلکے اور گہرے پھیلاؤ سے ہیئت زمین کے تنوع نمایاں ہوتے ہیں۔

(2) ماڈل سازی: اس طریقہ میں اصل نمائش طبعی کی طرح پستیوں، بلندیوں اور ڈھلانوں، وغیرہ کو مناسب افقی اور عمودی پیمانوں پر کارڈ بورڈ کے ٹکڑے، چکنی مٹی، پلاسٹر آف پیرس یا کوٹے ہوئے کاغذ کی لگدیوں کے پھیلاؤ سے نمایاں کر دیا جاتا ہے۔ ماڈل کو رنگین بنا کر جاذب نظر بنایا جا سکتا ہے۔

(3) رنگین پٹیوں کا پھیلاؤ: کتابی، اٹلسی اور دیواری نقشوں میں طبعی تفصیلات کو مختلف رنگ کی پٹیوں سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

(4) سایہ کا پھیلاؤ: اس طریقہ پر نقشہ یا خاکہ میں ایک ہی رنگ کے ہلکے اور گہرے سایوں سے یا مختلف دبازتوں کے خطوط کے ذریعہ نشیب و فراز دکھا دیئے جاتے ہیں۔

(5) بلندیوں کا اندراج: کبھی طبعی نقشوں میں مقامی، مطلقاتی بلندیوں کے ساتھ بینچ مارکس سے پستیاں اور بلندیاں دکھا دی جاتی ہیں۔ بینچ مارکس سے پیمائش کے دوران خط سطوح کے ابتدائی، آخری یا درمیانی مقام کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ان کی بلندیاں اوسط سطح سمندر کی اضافت سے دکھائی جاتی ہیں۔

(6) لہریوں کا پھیلاؤ: بعض طبعی نقشوں میں چھوٹے چھوٹے متوازی خطوط بلندیوں سے پستیوں کی طرف پھیلا کر ڈھلانوں کے رخ دکھائے جاتے ہیں۔ زیادہ بلند حصوں کو دکھانے والے خطوط زیادہ دبیز ہونے کے باعث پاس پاس دکھائی دیتے ہیں۔ کم بلندیاں دکھانے والے خطوط پتلے ہونے کے سبب دور دور پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ویسے نقشہ کے ہر حصہ پر اس قسم کے خطوط کی فی مربع انچ تعداد ایک ہی ہوتی ہے۔

(7) خطوط مساوی الارتفاع کا پھیلاؤ: یہ سطح سمندر کی اضافت سے معلوم کی ہوئی یکساں بلندیوں کو جوڑنے والے خطوط ہیں جو طبعی حالات کے اختلافات کو بہت اچھی طرح ظاہر کرتے ہیں۔ حسب ضرورت یہ مناسب وقفہ ارتفاع پر بنائے جاتے ہیں۔ ان سے پستیوں اور بلندیوں کے علاوہ ڈھلانوں کی قسموں، سمتوں اور باہمی رویت کا پتہ چل جاتا ہے۔ ان خطوط کے درمیان وقفہ ارتفاع ایک ہی رہنے کے باوجود افقی مرادف کہیں کم اور کہیں زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ کم افقی مرادف سلامی دار ڈھال کو اور زیادہ افقی مرادف تدریجی ڈھال کو دکھاتا ہے۔ کسی علاقہ کے وقفہ ارتفاع کو افقی مرادف سے تقسیم کر دیا جائے تو شرح تغیر ارتفاع، معلوم ہو جاتی ہے۔ خشکی کی پستیوں اور بلندیوں کو دکھانے والے خطوط کو مساوی الارتفاع (Isohypses) کہتے ہیں۔ بحری فرش کے ایسے ہی ارتفاعی تغیرات کو ظاہر کرنے والے خطوط کو مساوی العمق (Isobaths) کہا جاتا ہے۔ پیمائشی میدان کے مشاہدات اور مقامی بلندیوں کے الحاق سے بنائے ہوئے اسی نوعیت کے خطوط جو دندانہ ہوتے ہیں، فارم لائنز کہلاتے ہیں۔

نمک کے گنبد: یہ ایسی ارضیاتی ساختیں ہیں جن میں سوڈیم کے نمک نشیبوں سے ابھر کر بالائی رسوبی پرتوں میں عمودی طور پر گھس جاتے ہیں۔ جن کو نمک کے گنبد کہا جاتا ہے۔

نمک کے گنبد، تیل کے ذخائر کی تلاش میں بہت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی معاشی طور پر ان کی زبردست اہمیت ہے۔ امریکہ کے ٹیکساس اور لوئزیانا میں پائے جانے والے تیل کے چشمے نمک کے گنبدوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔

نندادیوی: کوہ ہمالیہ کے چھوٹے بڑے پہاڑی سلسلے جو مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں ان کے الگ الگ حصوں کے نام ان علاقوں سے منسوب ہیں جن کی سرحدوں سے یہ پہاڑ گزرتے ہیں۔ اتر پردیش کے شمال میں کماؤں ہمالیہ واقع ہے۔ اس کماؤں ہمالیہ میں جو پہاڑی چوٹی 25,645 فٹ اونچی ہے، نندادیوی کہلاتی ہے۔ ہندوستان کے علاقہ میں ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی یہی ہے۔

نندی ہلس: بنگلور سے 68 کلو میٹر کے فاصلے پر یہ پہاڑیاں واقع ہیں جن کی سطح سمندر سے اوسطاً اونچائی 1,370 میٹر ہے۔

ننگا پربت: مغربی ہمالیہ میں یہ ایک اہم پہاڑی چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 8,126 میٹر (26,660 فٹ) بلند ہے۔ برطانوی الپائن کوہ پیما البرٹ ایف. ممیری اور اس کے ساتھیوں نے 1895 میں اس برف پوش چوٹی پر پہنچنے کی کوشش میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ تیس دیگر کوہ پیماؤں نے بھی اس پر جھنڈا گاڑنے کی ناکام کوششیں کیں، لیکن 1953 میں ایک جرمن کوہ پیما ہرمن ایم. بہل نے اس کی تسخیر کرلی۔ مقامی باشندے اس چوٹی کو دیامیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ننگل ڈیم: پنجاب کے بھاکرا ننگل پراجکٹ کا ایک حصہ ننگل ڈیم پر مشتمل ہے جس پر بھاکرا ننگل پراجکٹ کی آبپاشی کا دارومدار ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر دریائے ستلج کے کنارے ہوئی ہے۔ اس ڈیم کی اونچائی 95 فٹ اور لمبائی 955 فٹ ہے۔ اس کے تحت جانچ کرنے کے لیے ایک گیلری بنائی گئی ہے جو دریا کی سطح سے 67 فٹ نیچے ہے۔ کوئی شخص بھی، جبکہ دریا اس کی سطح کے اوپر بہہ رہا ہے، اس گیلری میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر آجا سکتا ہے۔ اس گیلری کی تعمیر کا مقصد ڈیم کے شکستہ حصوں کی تعمیر میں سہولت پہنچانا ہے۔

ننگل ڈیم کے ذخیرۂ آب کی گنجائش 24,000 ایکڑ فٹ ہے۔ اس ڈیم سے ایک نہر بھی نکالی گئی ہے جو ننگل ہائیڈل چینل کہلاتی ہے۔ اس کی لمبائی 40 میل، چوڑائی 140 فٹ اور گہرائی 20.6 فٹ ہے۔ یہ ایک مصنوعی ندی ہے جس سے ہر سکنڈ 12,500 مکعب فٹ پانی بہتا ہے۔ یہ انجینئرنگ کا قابل ستائش کارنامہ ہے۔

نواک چوٹ (Nouakchott): مغربی افریقہ کے ساحل پر یہ جمہوریہ اسلامی ماریطانیا (Mauritania) کا صدر مقام ہے۔ یہ بحر اوقیانوس سے 4 میل دور واقع ہے۔ بڑا صنعتی مرکز اور ہوائی اڈہ ہے۔ شمالاً جنوباً گزرنے والی اہم شاہراہ پر مرکزی محل وقوع رکھتا ہے۔ اس کے جنوب میں زیادہ آبادی والا زراعتی علاقہ واقع ہے۔ شمال میں کم آبادی کا معدنی خطہ ہے۔ اس کے مشرق میں پانچ میل کے فاصلہ پر پٹرولیم اور تانبے کی برآمد کے لیے ایک بندرگاہ کا قیام عمل میں آیا ہے۔

نوویسی برسک: مغربی سائبیریا کا یہ ایک انتظامی خطہ اسٹیپ کے میدان میں واقع ہے۔ بیشتر حصہ دلدلی ہے جس میں کئی جھیلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس میں دریائے اوب اور ارتش کے معاون بہتے ہیں۔ اسی نام کا شہر اس علاقہ کا معاشی اور کلچرل مرکز ہے۔ قرب وجوار کے علاقے زراعت، ڈیری، ماہی گیری کے ساتھ ساتھ صنعتی ترقی بھی کرتے جارہے ہیں۔ 1970 میں شہر کی آبادی 1,161,000 تھی۔

نوڈراس مسن: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

نوع (Species): حیاتی درجہ بندی کی بنیادی اکائی۔ موجودہ قسم کے جانوروں یا پودوں کا وہ گروہ جو آپسی جنسی عمل کے ذریعے اپنی ہی جیسی نسل یا اولاد (Progeny) پیدا کرنے کا اہل ہو۔ قدیم حیاتیات میں اس کی شناخت محض رکازات (Fossils) کی شکلیات اور خدو خال (Morphology) اور ماحولی خصوصیات پر منحصر ہے۔

نواکولائٹ (Novaculite): ایک چرٹ (Chert) نما جماد جو قدیم حیاتی دور میں عام طور پر رسوبیت پذیر ہوا تھا۔

نوودوسی برسک: مغربی سائبیریا کا ایک صوبہ ہے۔ اس کے اطراف میں بیشتر حصہ دلدلی ہے جس میں کئی جھیلیں واقع ہیں۔ اس میں دریائے اوب اور ارتش کے معاون بہتے ہیں۔ اسی نام کا شہر اس علاقہ کا معاشی اور کلچرل مرکز ہے۔ قرب وجوار کے علاقے زراعت، ڈیری، ماہی گیری اور صنعت میں ترقی کرتے جارہے ہیں۔ 1970 میں شہر کی آبادی 1,161,000 تھی۔

نئے میلانات و تصورات: زراعت نہ صرف ایک معاشیاتی فعل ہے بلکہ اطلاقی ماحولیات کی بھی ایک خاص شکل ہے۔ فصلوں کی تقسیم اور پیدائش کی وضاحت زرعی ماحولیات کے مختلف حالات کے حوالہ سے کی جاتی ہے۔ اساسی طور پر انھی حالات سے دنیا میں زرعی کاروبار کے علاقائی اختلافات اور مطابقتوں کا تعین ہوتا ہے۔ دنیا میں معاشی ترقی کے تعلق سے پیش کیے جانے والے نئے نظریوں میں زراعتی میدان کے تصوراتی تغیرات کی جڑیں پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ معاشی ترقی کی شدید ضرورت نے متعدد نظریئے اور طرز فکر سامنے رکھے ہیں۔ ان میں بہت سے نظریئے اور طرز فکر ترقیاتی مسائل کے بعض پہلوؤں کے عمیق مطالعہ کی شہادت ضرور دیتے ہیں مگر کوئی ایسا عام تصوراتی ڈھانچہ پیش نہیں کرتے جسے زیر ترقی ممالک میں معاشی اور بالخصوص زرعی ترقی کے سلسلہ میں بلا تامل اختیار کیا جا سکے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تمام ترقی کے خواہاں ممالک کے طبعی، سماجی اور معاشی حالات یکساں نہیں ہوتے۔

ان نظریوں اور تقسیم کے طریقوں میں کئی اسقام موجود ہیں:

اولاً ان میں ماحول کی کلیت کو، جس کے ڈھانچہ میں ارتقا کے طریقے ابھر کر ہوئے ہیں، پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ نوکلاسیکی معاشی نظریہ یہ بتاتا ہے کہ اگر صرف سرمایہ فراہم ہو جائے تو ترقی کا سلسلہ خود ہی شروع ہو جاتا ہے، مگر تمام کم ترقی یافتہ اور زیر ترقی ممالک میں اس صورت حال کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ان میں ذیلی ساخت کی سہولتوں کی کمی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ صرف سرمایہ کی فراہمی سے وہ پس پشت نہیں پڑ سکتا۔

دوم، بیشتر معاشی نظریے اور تصورات مغربی دنیا کی صنعتی ترقی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ ان کی ترتیب میں زراعتی ارتقا اور مشرقی ممالک کے مختلف حالات کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ بیشتر نظریوں میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہر علاقہ کی معاشی ترقی کا انحصار ہر دور میں اکثر صنعتی ترقی ہی پر موقوف ہوتا ہے، لیکن یہ مفروضہ درست نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام کم ترقی یافتہ اور زیر ترقی ممالک کی صنعتی توسیع میں زرعی معیشت کو اساسی مقام حاصل ہوتا ہے۔ جن علاقوں میں مناسب زرعی ترقی نہیں ہوتی، مصنوعات کی طلب بھی کم رہتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں عدم توازن کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

کم ترقی یافتہ اور زیر ترقی ممالک میں صنعتی ترقی کا دار و مدار زراعتی ترقی ہی پر ہوتا ہے۔ لیکن زراعت کی ساری ترقیاتی مہمات میں استحکام کا ہونا ضروری ہے اور ان کا مقامی ضرورتوں اور صلاحیتوں سے مطابقت رکھنا بھی لازمی ہے۔ ہالونی نے بتایا ہے کہ انسانوں کی تمام احتیاجات کی تکمیل در آمد سے نہیں ہو سکتی اور باہر سے منگائی ہوئی مشینوں وغیرہ کو ہر جگہ یا کسی بھی جگہ استعمال کرنا بھی دشوار ہوتا ہے۔ تکنیکی در آمد کا مسئلہ تو ایک مخصوص اور جداگانہ مقام رکھتا ہے۔ جہاں آبادی کی بہت بڑی تعداد کا ذریعہ معاش زراعت ہو وہاں لازماً صنعتی ترقی کے تاریخی مطالعہ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ارتقائی منازل میں زراعت ہی نے پہلے قدم بڑھایا۔

زراعت سے زندگی کی اساسی ضروریات فراہم ہوتی ہیں۔ بعض ممالک میں تو یہی زر مبادلہ کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے اور اس کے بغیر زرعی اور صنعتی دونوں میدانوں میں جدید حرفیات کی سادہ ترین اسکیمیں تک روبہ عمل نہیں لائی جا سکتیں۔ ترقی یافتہ زرعی نظام سے فاضل سرمایہ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور صنعت و معیشت کے دیگر حلقوں میں زرعی میدان کے زائد مزدور بھی پہنچ جاتے ہیں۔

زراعت اپنی مخصوص نوعیت کے باعث خود ہی تغیر کی منزلوں میں آگے نہیں بڑھ پاتی۔ آبادی کے بڑے مراکز سے دور، چھوٹے سے دائرۂ عمل میں یہ طبعی حالات سے بہت زیادہ متاثر ہوتی رہتی ہے۔ اسی لیے ناموافق علاقوں میں وسیع زرعی مراکز قائم کرنے کے لیے گرد و پیش کو بدلنا اور بالکل موزوں حالات کا پیدا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان حالات میں زراعت اور دیگر معاشی کاموں کے علاقوں کی حد بندیاں کرنا ناممکن سا دکھائی دیتا ہے۔ زراعت، زراعتی صنعت اور سبزی کاری ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ جدید معاشی نظریوں کی بنیادیں ایسے زنجیری نظام کے تجرباتی مطالعوں کی اساس پر قائم نہیں کی جاتیں اس لیے وہ اکثر ناقص دکھائی دیتے ہیں۔ ان کڑیوں کی وضاحت صرف ایسے نظریے ہی کر سکتے ہیں جن میں نظام زراعت کو متعدد بین ربط اور بین عامل متغیرات سے بنا ہوا تسلیم کیا گیا ہو۔ دنیا کے کسی بھی علاقہ میں ہم ایک کسان کے کھیت میں پہنچ جائیں تو مشاہدات یہ بتادیں گے کہ روایتی زرعی نظام مقامی ماحول کے ڈھانچہ ہی میں رنگا ہوا ہے۔

بڑی حد تک فصلیں اور کسی حد تک مویشی بھی گرد و پیش کے قدرتی حالات کی پیداوار ہیں۔ انسان ان حالات کو کافی مصارف کے بعد ہی کچھ بدل سکتا ہے۔ ماحولیاتی فضائی اختلافات اور انسان کی فراہم کی ہوئی سہولتوں کے نتیجہ میں فصلوں اور مویشیوں کی کئی مخلوط شکلیں سامنے آتی ہیں۔

زراعتی صورتوں کی حد بندی، ان میں وسیع مکانی اختلافات کی شناخت اور حیاتی، سماجی اور معاشی عوامل کے ساتھ ان کی بین ربطی قائم کرنے کے اہم کام زرعی جغرافیہ کے ماہرین کی خصوصی توجہ کے محتاج ہیں۔ انھیں چاہیے کہ مختلف مقامات پر زرعی مظاہر قدرت میں وسعت تغیرات کی پیمائش، نقشہ کشی، معائنہ اور تشریح کے مناسب طریقے اختیار کریں اور عوام کی نظر میں نہ آنے والی مشابہتوں اور عدم مشابہتوں کو ابھار کر یں۔ زراعتی خطوں پر تحقیقاتی نظر ڈال کر اختلافات رکھنے والے علاقوں میں مطابقت رکھنے والے رقبوں کی حد بندی کرنا ضروری ہے۔ اس کوشش کے بعد ہر زرعی خطہ کی اساسی خصوصیات کی بنیادوں پر زراعتی خطوں کی جدید تنظیم کی جا سکتی ہیں۔

کم ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں زراعت نہ صرف باشندوں کا ایک اہم پیشہ ہے بلکہ اس سے قومی آمدنی اور زر مبادلہ میں بھی کافی اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لیے جغرافیہ دانوں نے زراعت میں علاقائی اختلافات اور یک رنگیوں کا مقداری اعتبار سے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ گیرٹ کا 1969 کا یہ بیان قطعی درست ہے کہ زراعتی یک رنگیوں کے ابھار کرنے کی طرف جو توجہ دی جا رہی ہے وہ جغرافیہ دانوں کی مناسب کوشش اور زراعت کی بحیثیت صنعت علاقائی اور پیشہ ورانہ اہمیت کا نتیجہ ہے۔

نی کولڈی پیری نالسکی: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

نیاسا ملاوی جھیل: اس کو اب ملاوی جھیل کہا جاتا ہے۔ یہ جنوب مشرقی افریقہ کی جھیل ہے۔ اس کے مغرب اور جنوب میں ملاوی، شمال اور شمال مشرق میں تنزانیہ اور مشرق میں شمالی موزمبیق واقع ہیں۔ یہ جھیل شمالاً جنوباً 3,600 میل لمبی ہے۔ چوڑائی 10 اور 50 میل کے درمیان ہے۔ چوڑائی کا اوسط 5 میل ہے۔ اس کا ذخیرہ آب 11,600 مربع میل کا رقبہ گھیرتا ہے۔ جنوب کی طرف دریائے زیمبوی بہتا ہے۔ شمالی پہاڑیوں سے اترنے والی ندیاں اور نہریں اسی جھیل میں اپنا تازہ پانی ڈالتی رہتی ہیں۔ اس کے پانی کے اخراج کا صرف ایک ہی ذریعہ دریائے شائر ہے جو اس کا پانی اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔ موسمی اثرات اس کی سطح پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ تند ہواؤں کی وجہ سے اس جھیل میں طوفان بہت آتے ہیں۔ جھیل کے اندر مشرقی کنارے پر صرف ایک جزیرہ لکاتا ہے۔ مچھلیوں کی تجارت کے نقطہ نظر سے اس جھیل کی اہمیت بہت ہے۔

نیانگ یانگ: بالائی میںنمار میں یہ دریائے ایراودی کے کنارے مگوے ضلع اور اسی نام کے ڈویژن کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی 24,416 ہے۔ مانڈلے اس کے شمال مشرق میں 135 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ نیانگ یانگ تیل کے خزانوں کے لیے مشہور ہے۔ یہاں سے رنگون کے مقابل سیریم کے تیل صاف کرنے کے کارخانوں تک پائپ لائن پھیلا دی گئی ہے۔

نیپال (Napal): کوہ ہمالیہ کے سلسلوں میں واقع ایک آزاد شاہی ریاست ہے۔ اس کا رقبہ 140,797 مربع کلومیٹر (56,136) میل ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 19,615,000 ہے۔ کھٹمنڈو اس کی راجدھانی ہے۔ یہ ہر طرف خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے مغرب، جنوب اور مشرق نیز جنوب مشرق میں ہندوستان اور شمال میں تبت (چین) واقع ہیں۔ سرکاری زبان نیپالی ہے۔ اس کے علاوہ ہنواری اور بھوٹیا بھی استعمال ہوتی ہیں۔ آبادی کے 89.4 فیصدی ہندو اور 7.5 فیصدی بدھ مت کے پیرو ہیں۔ جغرافیائی اعتبار سے تین حصوں پر مشتمل ہے، جو مشرق سے مغرب کی طرف چلے گئے ہیں۔ جنوبی علاقہ ترائی کہلاتا ہے۔ یہ نشیبی علاقہ جنگلات اور دلدل سے بھرا ہوا ہے تاہم نسبتاً قابل کاشت ہے۔ یہاں جنگلی ہاتھی اور شیر کثرت سے پائے جاتے ہیں اور قیمتی ساگوان لکڑی دستیاب ہوتی ہے۔ شمالی حصہ ہمالیہ پر مشتمل ہے جہاں دنیا کی سب سے اونچی پہاڑی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ واقع ہے جس کی بلندی 8,848 میٹر (29,028) فٹ ہے۔ نیپال کے بڑے بڑے دریا تبت سے نکل کر یہاں ہمالیہ کی گہری وادیوں میں بہتے ہیں۔ وسطی نیپال کے علاقہ میں کھٹمنڈو واقع ہے۔ یہ وادی کا علاقہ ہے جو تقریباً ساڑھے چھ سو مربع کلومیٹر (ڈھائی سو مربع میل) پر پھیلا ہوا ہے۔ کھٹمنڈو، بھات گاؤں، اور پٹن اسی علاقہ میں واقع ہیں۔ نیپال کی اہم غذائی پیداوار یعنی چاول، گیہوں، اور پھل اسی علاقہ میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ رسل و رسائل اور حمل و نقل کی مشکلات کی وجہ سے یہاں کی صنعت و تجارت صرف دیسی مصنوعات تک محدود ہیں۔ برآمدات کا بڑا حصہ جوٹ اور جوٹ (سن) کے سامان پر مشتمل ہے۔ بیرونی تجارت صرف ہندوستان اور تبت ہی سے ہوتی ہے۔ درآمدات کا 65 فیصدی ہندوستان سے آتا ہے۔

نیپال میں کئی قبیلے بستے ہیں جو مینڈا اور مختلف انڈو آریائی بولیاں بولتے ہیں۔ نسلی اعتبار سے یہاں کے دو گروہ اہم ہیں۔ ایک تو منگولیائی ہیں جو شمال سے یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔ دوسرے انڈو آریائی ہیں جو جنوب میں گوگا کے میدانی علاقوں سے یہاں منتقل ہوئے ہیں۔ نیپال کے باشندوں کو گورکھا کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل ان ہی دو گروہوں کی اولاد ہیں جو آپس میں میل ملاپ اور شادی بیاہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہاں کے دو بڑے مذاہب ہندومت اور بدھ مت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ نیپال ہی کی لڑائی میں پیدا ہوئے تھے۔ روایت ہے کہ نیپال کی بنیاد ہندوستان کے گپتا خاندان نے ڈالی تھی۔ تاہم پندرھویں صدی سے قبل کی نیپالی تاریخ کا بہت کم سراغ ملتا ہے۔ مغربی کھٹمنڈو کے ایک چھوٹے علاقے گورکھا کے حاکم پرتھی نارائن شاہ نے 1756 میں ترائی کے علاقے کو ملا کر جدید نیپالی ریاست کی تشکیل کی تھی۔ اس راجہ کی اولاد اب تک برسر اقتدار ہے۔ نیپال کی موجودہ حدود کا تعین ان ہی راجاؤں کے دور میں ہوا ہے۔ یہ راجہ ہندو مذہب کے پیرو تھے۔ نیپال دنیا کا وہ تنہا ملک ہے جہاں ہندو مذہب کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ اٹھارھویں صدی سے نظم و نسق کا ایسا طریقہ رائج ہے جس کے تحت بادشاہ برائے نام رہے گا اور ریاست کے سارے اختیارات ایک موروثی وزیر اعظم کو سونپ دیئے گئے۔ 1792 میں نیپال نے تبت پر حملہ کر دیا جس کے جواب میں چین کی فوجوں نے نیپال کے بعض حصوں پر قبضہ کر لیا اور نیپال کو خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ خراج 1792 سے 1910 تک ادا کیا جاتا رہا۔ 1792 میں نیپال اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اور پہلی مرتبہ دونوں ملکوں میں سیاسی تعلقات قائم ہوئے۔ 1814 سے 1816 تک کی سرحدی لڑائی کے نتیجہ میں نیپال برطانیہ کی ہدایات پر عمل کرنے کا پابند ہو گیا جس سے یہ خیال عام ہو گیا کہ نیپال کی آزادی سلب کر لی گئی۔ 1854 میں نیپال نے دوسری

مرتبہ تبت پر حملہ کر دیا اور تبت نے نیپال کو خراج دینا منظور کر لیا۔ 1953 تک تبت نیپال کو برابر خراج ادا کرتا رہا۔ اس دوران نیپال کے تعلقات برطانیہ سے بہتر ہو گئے۔ اور 1923 کے ایک معاہدے کے ذریعے برطانیہ نے نیپال کی مکمل آزادی کی توثیق کر دی۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگ میں نیپال ہندوستان کے دائرہ اثر میں آ گیا۔ 1950 میں ہندوستان سے دوستی اور تجارت کا ایک معاہدہ طے پایا۔ 1951 میں وزیر اعظم نیپال کے استعفیٰ دینے پر شاہ نیپال نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور اس طرح رانا خاندان کی روایتی اور موروثی حکمرانی کا خاتمہ ہو گیا۔ 1955 میں مہیندر ربیر بکرم شاہ نے گدی سنبھالی اور اسی سال نیپال کو اقوام متحدہ کا رکن منتخب کر لیا گیا۔ 1950 اور 1956 میں نیپال کے تعلقات ہندوستان سے کسی قدر کشیدہ رہے۔ تبت سے متعلق نیپال اور کیمونسٹ چین میں جو نزاع تھا اس کے دور ہونے کے بعد نیپال نے چین سے معاشی امداد حاصل کی۔ نیپال کی معاشی امداد میں امریکہ اور روس نے بھی حصہ لیا۔ 1962 میں شاہ نیپال نے ایک دستور کا اعلان کیا جسے 1963 میں عملی شکل دے دی گئی۔ 1963 کے بعد نیپال اور ہندوستان کے تعلقات میں بڑی حد تک بہتری پیدا ہوئی اور آب پاشی اور برقابی کے متعدد منصوبے (پروجیکٹ) دونوں ملکوں کے باہمی تعاون سے روبہ عمل لائے گئے۔ 1969 میں نیپال نے ہندوستان کے ساتھ ہوئے اسلحہ جاتی معاہدہ کو ختم کر دیا۔ 1990 میں ملک کی مختلف تحریکوں کے نتیجے میں شاہ بریندر کو نئے آئین کا اعلان کرنا پڑا جس کی رو سے شاہ کے حقوق کم ہو گئے اور سیاسی جماعتوں کو تسلیم کر لیا گیا۔ ملک میں جنگلوں کے کٹنے اور آبادی کے بڑھنے نے بہت سے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

نپی پہاڑ (Nappe): یہ ایسے شکنی یا لپٹے ہوئے فولڈ کے بالائی بازو سے بنے ہوئے ہیں جو شکنی فولڈ کے افقی محور سے کٹ کر پہاڑوں کے ڈھلوان پر سفر کرتے ہوئے دور دور پھیل گئے ہوں۔ سوئٹزرلینڈ کے آلپس پہاڑ اور ہمالیہ کے اونچی بلندیوں پر پائے جانے والے پہاڑ ان کی بہترین مثالیں ہیں۔

نپی پہاڑ لازمی طور پر کوہ سازی کے زیر اثر ہی تشکیل پاتے ہیں۔

نیترا وتی ندی: نیترا وتی ندی کے دہانے پر شہر منگلور واقع ہے جو منگلور ٹائلس کے لیے مشہور ہے۔ سطح مرتفع میسور سے نکل کر یہ کورگ میں داخل ہوتی ہے، جہاں اس کے کنارے پر راگی اور دھان کی فصلیں اگائی جاتی ہیں۔

نیتی: یہ اتر پردیش (ہندوستان) کی سرحد پر ایک درہ ہے۔

نیدرلینڈ (The Netherlands): شمال مغربی یوروپ کا ایک ملک ہے، جہاں آئینی بادشاہت قائم ہے۔ ہالینڈ اس کا ایک حصہ ہے لیکن پورے ملک کو عموماً ہالینڈ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے شمال اور مغرب میں بحیرۂ شمالی، جنوب میں بلجیم اور مشرق میں جرمنی واقع ہیں۔ اصل علاقے کے علاوہ کئی جزیرے بھی ہیں۔ رقبہ 41,344 مربع کلو میٹر (15,963 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 15,065,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام ایمسٹرڈم ہے۔ زبان ڈچ استعمال ہوتی ہے۔ اکثریت کا مذہب عیسائی ہے۔ ان میں سے رومن کیتھولک عیسائی 40 فیصدی ہیں۔ سب سے زیادہ علاقہ وہ ہے جو سمندر کی سطح سے نیچے ہے اور جسے بندھ باندھ کر سمندر سے حاصل کیا گیا ہے۔ ملک میں نہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ دریا ایک دوسرے کے ساتھ نہروں کے ذریعے ملائے گئے ہیں اور نہروں کا یہ نظام بلجیم اور جرمنی کی نہروں کے نظام سے جڑا ہوا ہے۔

نیدرلینڈ دنیا کا سب سے گھنی آبادی والا علاقہ ہے۔ اندرونی حصے میں زمین زرخیز نہیں ہے۔ مویشی پالنے اور دودھ کی بنی چیزوں کی صنعت پر کافی زور دیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ مرغیاں بھی بڑے پیمانے پر پالی جاتی ہیں۔ سمندری مچھلیاں بھی معیشت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ غلے کے علاوہ شکر قند اور آلو وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ کوئلے کے علاوہ اور کوئی صنعت یا معدنی وسائل نہیں ہیں۔ ربر، تیل، ٹن، وغیرہ اس کی قدیم نو آبادی انڈونیشیا سے حاصل ہوتا ہے۔ سوتی کپڑے، مشینیں، بجلی کے سامان، کھانے کی چیزیں ڈبوں میں بند کرنے اور کیمیائی اشیا کی صنعتیں بھی یہاں ہیں۔ ایمسٹرڈم ہیرے صاف کرنے اور اس کی تجارت کا دنیا کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس کے علاوہ ایک نہایت اہم کاروباری اور مالیات کا مرکز بھی ہے۔ یہاں کا تجارتی بحری بیڑہ بہت بڑا ہے۔ ڈچ کمپنیوں کو دنیا کے تیل اور ٹن کے بہت بڑے ذخیروں اور تجارت پر اختیار حاصل ہے۔

تجارت زیادہ تر مغربی ملکوں اور امریکہ سے ہوتی ہے۔

رائج سکہ گلڈر (Guilder) ہے۔

1990 میں یہاں ابتدائی مدارس میں 1,082,022 طالب علم اور 36,022 استاد اور ثانوی مدرسوں میں 1,178,857 طالب علم، حرفی مدرسوں میں 505,589 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 190,448 طالب علم تھے۔ ملک میں گیارہ یونیورسٹیاں ہیں۔

تاریخ: نیدرلینڈ کا موجودہ علاقہ سولھویں صدی سے پہلے کبھی ایک ہی ملک یا سلطنت کا حصہ نہیں رہا اس لیے اس کے مختلف حصوں کی تاریخ بھی الگ رہی ہے۔ دریائے رہائن کے بائیں جانب کا علاقہ رومن سلطنت کا حصہ تھا۔ پانچویں اور

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

آٹھویں صدی کے درمیان پورا علاقہ فرینکس کے تحت رہا اور پھر نویں صدی میں یہ مشرقی فرینکس (یعنی جرمن) سلطنت یا مقدس رومن سلطنت کے تحت آ گیا۔ ہالینڈ کے امرا کا شمار عہدِ وسطیٰ کے سب سے طاقتور امرا میں ہوتا ہے۔ پندرھویں صدی میں ہالینڈ اور جو موجودہ بلجیم کا علاقہ ہے، ڈیوک آف برگنڈی کے تحت چلا گیا تھا۔ 1515 میں یہ علاقہ اسپین کو مل گیا اور ایک طویل عرصے تک اس کے خلاف جدوجہد چلتی رہی۔

تیس سال کی مسلسل لڑائی کے بعد 1648 میں متحدہ صوبوں یا نیدرلینڈ کو آزادی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ ابھی یہ لڑائیاں ختم نہیں ہوئی تھیں اور مذہبی فرقہ وارانہ لڑائیاں بھی جاری تھیں۔ کہ ڈچ لوگوں نے اپنی تجارت بڑھانے اور نوآبادیاں قائم کرنے کی طرف پہلا قدم اٹھایا اور 1621 میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی جس نے اپنی تجارت بحرالکاہل کے علاقوں سے ہوتے ہوئے جاپان تک پھیلا دی۔ دوسری طرف اس نے اپنے دروازے اسپین سے نکالے ہوئے یہودی اور فرانس سے نکالے ہوئے بعض عیسائی فرقوں کے پناہ گزینوں کے لیے کھول دیے جس سے یہاں کی معیشت کو کافی فائدہ پہنچا۔ اس تجارت اور نوآبادیوں سے دولت سمٹ کر آنے لگی اور ملک کی معیشت کے ساتھ ساتھ علمی، ادبی اور ثقافتی زندگی کو زبردست فروغ ملا۔

مشہور عالم مصور ریمبراں اسی دور کی پیداوار ہے۔ لیڈن کی یونیورسٹی نے ساری دنیا میں شہرت حاصل کی۔ مشہور فلسفی اور سائنس داں ڈسکارٹس اور فلسفی اسپنوزا ہالینڈ ہی کے تھے۔ اسی کے ساتھ اس نے جنوب مشرقی ایشیا میں خاص طور پر انڈونیشیا کے جزائر میں ڈچ ایسٹ انڈیز کے نام سے بہت بڑی نوآبادی (کالونی) بنائی۔

اسی دوران اسے اسپین، فرانس اور انگلستان سے بھی جنگیں لڑنی پڑیں۔ آخرکار 15-1814 کی ویانا کانگریس کے فیصلوں کے مطابق بادشاہ ولیم اول کے تحت متحدہ صوبوں اور اطراف کے علاقوں کو ملا کر ایک ریاست بنائی گئی اس میں چونکہ مختلف زبانوں اور کلچر والے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ اس لیے بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آخرکار ولیم سے معاہدے کے بعد حالات پرامن ہوئے۔ 1848 میں ولیم دوم نے بہت ساری اصلاحات کیں۔ 1849 میں ولیم سوم تخت پر بیٹھا۔ اس کے دور میں نیدرلینڈ نے اندرونی طور پر زبردست ترقی کی۔ اس کے بعد ملکہ ولہلما کے دور میں عوام کو بہت سی سماجی اور آئینی رعایتیں ملیں۔

پہلی جنگِ عظیم میں نیدرلینڈ غیر جانب دار رہا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران مئی 1940 میں ہٹلر نے یکایک اس پر حملہ کر دیا۔ ملکہ کی حکومت اور فوج کا ایک حصہ برطانیہ کو چلا گیا۔ لیکن ملک کے اندر محبانِ وطن نے جنگ جاری رکھی۔ ہٹلر نے سخت ظلم و تشدد کا دور دورہ شروع کیا۔ دو لاکھ سے زیادہ یہودی اور ڈچ محبانِ وطن جلاوطن کر کے پولینڈ بھیجے گئے۔ جہاں انھیں قتل کر دیا گیا۔

1945 میں جب ہٹلر کو شکست ہوئی تو ملکہ اور حکومت فوراً واپس آ گئے۔ اس سے پہلے بھی محبانِ وطن کافی علاقہ آزاد کروا چکے تھے۔ آزادی کے بعد نیدرلینڈ نے بلجیم اور لکسمبرگ سے قریبی معاشی اتحاد قائم کیا۔ اس کے بعد یہ یوروپی معاشی اتحاد اور ناٹو (Nato) میں شریک ہو گیا۔ جنگ کے بعد ڈچ سامراج نے اپنے پرانے مقبوضات پر، جن میں سے زیادہ جاپان کے قبضے میں چلے گئے تھے، پھر سے اپنے آپ کو مسلط کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہیں ہو سکی۔ لیکن 1949 میں انڈونیشیا نے آزادی حاصل کر لی۔ اس کے بعد نیو گنی اور جنوبی امریکہ میں سرینام، اینٹی لیز وغیرہ کو بھی آزادی دینی پڑی۔

نیدرلینڈس اینٹی لیز (کیوراکاؤ) (Netherland's Antilles) (Curacao): ہالینڈ کی سلطنت کا ایک حصہ ہے جسے اندرونی خود مختاری حاصل ہے۔ یہ وینیزویلا کے ساحل کے قریب جزائر کا ایک مجموعہ ہے۔ ان کا مجموعی رقبہ 800 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 189,000 ہے۔ ان جزائر کے مجموعہ کو ڈچ ویسٹ انڈیز بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں پیٹرول کی صنعت ہے اور فاسفیٹ کی کان کنی ہوتی ہے۔ تجارت زیادہ تر امریکہ اور ہالینڈ سے ہوتی ہے۔

نیروبی: کینیا کا صدر مقام اور مشرقی افریقہ کا سب سے بڑا شہر، کینیا کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 297,000 ہے۔ یہ 5 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ سیاحی کا یہ مشہور مرکز ہے۔ اطراف کے زراعتی علاقے کے لیے یہ اہم تجارتی مرکز ہے۔ کینیا ایک زمانے تک انگریزوں کی نوآبادی (کالونی) رہا اور شہر کے اندر صرف سفید فاموں کو رہنے کی اجازت تھی۔ 1961 میں کینیا کو آزادی ملی اور صورت حال بدل گئی۔ 1920 کے بعد یہاں دلدل صاف کر کے ایک نہایت خوبصورت شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ یہاں مشہور رائل کالج بھی ہے جو 1960 میں ایسٹ افریقہ یونیورسٹی کالج کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ کینیا ہر قسم کے جنگلی جانوروں کے لیے مشہور ہے اور ان کے شکار کے لیے لوگ ساری دنیا سے نیروبی آتے ہیں۔

نیل ناگ: کشمیر کی یہ دل لبھانے والی جھیل سری نگر سے 33.7 کلومیٹر کے فاصلے پر 2,073 میٹر کی اونچائی پر واقع ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

نیلسن (دریا): یہ دریا کینیڈا میں منی ٹوبا کے شمال میں بہتا ہے۔ یہ جھیل وینی پگ کے شمالی سرے سے نکل کر خلیج ہڈسن میں گر جاتا ہے اور اس کی لمبائی تقریباً 400 میل ہے اس دریا کے راستہ پشمینہ کی تجارت ہوتی ہے۔

نیلگری: کرناٹک کا نہایت ہی دلکش اور آباد پہاڑی علاقہ ہے جس کی آب وہوا معتدل ہے۔ اسے نیلگری یا نیلے پہاڑوں کا علاقہ بھی کہتے ہیں۔ نیلگری میں جزیرہ نمائے ہند کے تین پہاڑی سلسلوں کا میل ہوتا ہے۔ سہیادری، اس سے ماکرتی (Makurti) چوٹی کے قریب مل جاتے ہیں، مغربی گھاٹ، پال گھاٹ درہ (گیپ) کے پاس اس سے جنوب میں مل جاتے ہیں اور مشرقی گھاٹ اس کے شمال مشرقی سرے پر اس سے مل جاتے ہیں۔ اس کے گرد و پیش کے علاقوں سے اچانک اونچا ہو جانا اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کی دو سب سے اونچی چوٹیاں دودا بیٹا اور ماکرتی ہیں جن کی اونچائیاں 2,637 میٹر اور 2,554 میٹر ہیں۔ او ٹکمنڈ جو جنوبی ہند کی نہایت ہی مقبول پہاڑی قیام گاہ ہے، دودا بیٹا کے دامن میں واقع ہے۔ اس علاقہ میں بڑے پیمانے پر چائے کی کاشت ہوتی ہے۔

نیلنگ: یہ اتر پردیش (ہندوستان) کی سرحد پر ایک درہ ہے۔

نیلور تھرمل اسٹیشن: آندھرا پردیش کے ضلع نیلور کی برقی ضروریات کی تکمیل کے لیے نیلور تھرمل اسٹیشن کا 1949 میں افتتاح کیا گیا۔ اس اسکیم کے مطابق 2,500 کلوواٹ کے دو ٹربو سیٹ نیلور میں لگائے گئے ہیں۔

نیم شکلیت (Hemimorphism): جو قلمیں ترلی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں وہ بہترین طریقے سے نیم شکلیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس میں محور تشاکل مشابہ ہوتا ہے اور محور کے اطراف قلمیں مستوی گروپ کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ ایسی قلمی شکلیں فضا کو نہیں گھیرتیں۔ عام طور پر یہ دوسرے جماد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ جماد کی قلمیں محور کے دونوں کناروں پر مختلف شکل کی ہوتی ہیں۔ ان میں مرکز تشاکل نہیں ہوتا۔

نیم قعری حجرات (Hypabyssal Rocks): وہ متداخل آتشی حجرات (Intrusive Igneous Rocks) جن کا قلماؤ برکانی (Volcanic) اور قعری (Plutonic) حالات کے درمیان کی گہرائی میں عمل میں آتا ہے۔ یہ حجرات درمیانی دانے دار ہوتے ہیں۔ یہ حجری سدہ، ڈائک (Dyke) یا سل (Sill) کی شکلوں میں پائے جاتے ہیں۔

نینی تال: یہ اتر پردیش کا موسم گرما کا پہاڑی مستقر ہے۔ یہاں ایک خوبصورت جھیل بھی ہے جس کے اطراف یہ شہر تعمیر ہوا ہے۔ یہ عمدہ عمارتوں، گورنمنٹ ہاؤس اور چکر دار سڑک کے لیے مشہور ہے۔ چونکہ یہ سات پہاڑیوں پر مشتمل ہے، اس لیے یہ سات پہاڑیوں کا بھی شہر کہلاتا ہے۔ یہاں 1921 میں ایک ہائیڈرو الکٹرک پراجکٹ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔

نیو آرلینز: یہ دریائے مسس سی پی کے دہانے سے 107 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ لوئی زیانا میں جنوب کا سب سے بڑا شہر اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نیویارک کے بعد دوسرے نمبر کا شہر ہے۔ یہاں کافی، شکر، باکسائٹ اور موز درآمد کیے جاتے ہیں۔ پٹرولیم، کیمیائی اشیا، غلہ، روئی، لوہا، فولاد اور لکڑی کا سامان یہاں سے برآمد کیا جاتا ہے۔ یہاں کی صنعتی پیداوار میں المونیم، کپڑا، فرنیچر، تعمیراتی سامان اور غذائی اشیا شامل ہیں۔ جہاز سازی کا ایک کارخانہ بھی یہاں ہے۔ ٹیولین یونیورسٹی کے علاوہ یہاں طالبات (اناث) کے لیے کالج، لویولا یونیورسٹی، لوئی زیانا اسٹیٹ یونیورسٹی، ڈیلرڈ یونیورسٹی اور زیویئر یونیورسٹی واقع ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ کا یہ ایک اہم طبی مرکز ہے، جہاں 20 دواخانوں کے علاوہ چیریٹی ہاسپٹل آف لوئی زیانا ہے۔ یہاں کی آبادی 1971 میں 70 لاکھ سے زیادہ تھی۔ یہاں کئی پارک اور عجائب گھر ہیں۔ یہاں کے ہوٹل خوش ذائقہ کھانوں کے لیے مشہور ہیں۔

اس شہر کی بنیاد 1718 میں پڑی۔ پہلے یہ فرانسیسی کالونی کا مرکز بنا، پھر یہ ہسپانیوں کو منتقل ہوا اور تھوڑے دن فرانسیسیوں کے پاس رہنے کے بعد 1803 میں یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا حصہ بن گیا۔

نیوچاٹل جھیل: یورپ کی مملکت سوئزرلینڈ کے پہاڑی خطوں کے درمیان کئی جھیلیں ہیں۔ ان میں سے ایک جھیل نیوچاٹل بھی ہے جو شمال مغربی سوئزرلینڈ میں واقع ہے۔ یہ 84 مربع میل کے رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ سوئزرلینڈ کے اندرونی علاقہ کی سب سے بڑی جھیل ہے۔

نیوزی لینڈ (New Zealand): آسٹریلیا کے جنوب مشرق میں بحرالکاہل میں واقع ایک جزیرائی ملک ہے جہاں پارلیمانی طرز کی حکومت قائم ہے اور جو دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کا ممبر ہے۔ نیوزی لینڈ شمالی اور جنوبی جزیروں اور اسٹیورٹ، چیتھم اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ اس کا رقبہ 270,986 مربع کلو میٹر (104,454 مربع میل) ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 3,434,950 ہے۔ صدر مقام ولنگٹن (Wellington) ہے

اور سب سے بڑا شہر کرائسٹ چرچ ہے۔ زبان انگریزی ہے لیکن پرانی مقامی آبادی ماؤری بولتی ہے۔ 76 فی صدی لوگ عیسائی ہیں۔ شمالی جزیرے میں چھوٹی پہاڑیاں اور بڑے بڑے جنگل ہیں۔ بعض پہاڑ آتش فشانی ہیں۔ بعض پہاڑی علاقے کافی بلند ہیں۔ ساحلوں میں کئی خلیجیں اور بہترین بندرگاہ ہیں۔ جنوبی جزیرے کی سطح کافی بلند ہے اور کئی بلند پہاڑ بھی ہیں۔ دریا تیز رفتار اور چھوٹے چھوٹے ہیں۔ کئی خوبصورت جھیلیں بھی ہیں۔

آب و ہوا تقریباً یکساں اور صحت بخش ہے اگرچہ یہ بلندی اور پستی کے لحاظ سے بدلتی ہے۔ مشرقی ساحل پر اوسط 67 سینٹی میٹر (27 انچ) اور مغربی ساحل پر 200 سینٹی میٹر (80 سے 100 انچ) تک بارش ہوتی ہے۔ شمالی علاقہ میں برف شاذونادر ہی گرتی ہے لیکن جنوب میں کبھی کبھی کافی سردی ہوتی ہے۔ کوئی بڑے جنگلی جانور نہیں پائے جاتے البتہ رنگ برنگی چڑیاں ضرور ہوتی ہیں۔

ملک کے تقریباً دو تہائی رقبہ کو زراعت یا گھاس اگانے کے قابل بنالیا گیا ہے۔ زمین زرخیز ہے اور موسم زراعت کے لیے نہایت موزوں ہے۔ کافی بڑے رقبہ میں مکئی، آلو، ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں لیکن گیہوں، اوٹس اور بارلی اصل فصلیں ہیں۔

دودھ اور اس پر مبنی مصنوعات سب سے اہم صنعت ہے۔ آبادی کے تناسب سے نیوزی لینڈ میں سب سے زیادہ بھیڑیں ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ سرمایہ مکھن اور پنیر تیار کرنے اور گوشت ٹھنڈا کرنے کی صنعت میں لگا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ سیمنٹ، کھاد، اخباری کاغذ وغیرہ کی بھی صنعتیں ہیں۔

کل برآمدات کا 25 فی صدی گوشت اور اس کی بنی ہوئی چیزیں، 19 فی صدی اون، 9 فی صدی مکھن اور 5 فی صدی کاغذ ہے۔ کل برآمدات کا 19 فی صدی برطانیہ، 14 فی صدی جاپان، 13 فی صدی آسٹریلیا اور 12 فی صدی امریکہ کو جاتا ہے۔ درآمدات کا 20 فی صدی آسٹریلیا، 17 فی صدی برطانیہ، 15 فی صدی جاپان اور 14 فی صدی امریکہ سے آتا ہے۔

رائج سکہ نیوزی لینڈ پونڈ ہے۔

1990 میں یہاں ابتدائی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد 314,487 اور استادوں کی تعداد 16,547 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 335,456 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 72,381 طالب علم تھے۔

تاریخ: ڈچ ملاح ابیل تسمان (A.E.Tasman) نے 1642 میں نیوزی لینڈ کو دریافت کیا اور 1769 میں جیمس کوک نے اس پر برطانیہ کی طرف سے حق قائم کیا۔ یہاں کے اصل باشندے ماوری تھے جن کا تعلق پالینیشن نسل (Polenesian) سے ہے۔ 1814 سے یہاں انگریزوں کی آبادکاری شروع ہوئی۔ بڑے پیمانے پر آبادکاری 1840 سے شروع ہوئی۔ اس سال ماوری لوگوں کو ایک سمجھوتا کرنے پر مجبور کیا گیا جس کے تحت ملک کی حکمرانی انگریزوں کو منتقل کردی گئی اور ماؤریوں کو صرف اپنی زمین اور جائداد پر قابض کی حیثیت دی گئی۔ ماؤریوں کے ساتھ کئی جنگیں ہوئیں کیونکہ نئے انگریز آبادکار ان کی زمین اور جائداد چھین رہے تھے۔ لیکن انگریزوں نے انھیں اپنی برتر طاقت کی وجہ سے زیر کرلیا۔ 1876 میں نیوزی لینڈ کا نیا آئین منظور ہوا جس کے تحت بادشاہ انگلستان اس کا بادشاہ قرار پایا۔ گورنر بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور چنی ہوئی پارلیمنٹ مقامی حکومت بناتی ہے۔ 1907 میں برطانیہ نے اسے ڈومینین کا درجہ (Dominion Status) دے دیا۔

پائدار حکومت قائم ہونے کے بعد اس نے ملک کی ترقی میں عملی حصہ لینا شروع کیا۔ سڑکیں بنائیں، ریلیں تعمیر کیں اور کسانوں کو قرضے دیے اور کئی جگہ امداد باہمی کی انجمنیں قائم کی گئیں اور انھوں نے بعض جگہ نظم و نسق بھی سنبھال لیا۔

پہلی اور دوسری عالم گیر جنگوں کے زمانے میں نیوزی لینڈ نے آسٹریلیا کے ساتھ انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا۔

نیوزی لینڈ مجلسِ اقوامِ متحدہ (UNO)، اینزس (ANZUS) اور سیاٹو (SEATO) کا رکن ہے۔

نیو کیلی ڈونیا (New Caledonia): فرانس کا ایک سمندر پار علاقہ ہے۔ آسٹریلیا کے مشرق میں بحرالکاہل میں مجمع الجزائر ہے جس کا رقبہ 18,545 مربع کلو میٹر ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 170,000 ہے۔ صدر مقام نومیہ (Noumea) ہے۔ آتش فشانی پہاڑی علاقہ ہے۔ آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے۔ ناریل اور کافی کی کاشت ہوتی ہے اور یہ برآمد بھی کیے جاتے ہیں۔ مویشی پالے جاتے ہیں۔ کئی دھاتوں مثلاً نکل، کرومیم، مینگنیز اور کوبالٹ وغیرہ کی کان کنی ہوتی ہے۔

اس جزیرہ کا پتہ 1774 میں کیپٹن جیمس کوک نے لگایا تھا۔ 1853 میں اس پر فرانس نے قبضہ کرلیا اور یہاں سزا یافتہ مجرموں کو رکھا جاتا تھا۔ 1958 کے بعد اسے فرانس کا سمندر پار صوبہ بنالیا گیا۔ 1980 سے جدوجہد آزادی تیز ہوگئی۔ 1984 میں تحریک آزادی کو استصواب رائے سے نامنظور کردیا گیا۔ لیکن 1988 میں

پھر ایک معاہدہ فرانسیسی اور ملیشیائی وفود کے درمیان ہوا کہ ملک تین خود مختار حصوں میں تقسیم کر دیں اور 1998 میں پوری آزادی کے معاملہ پر غور کیا جائے گا۔

نیو کھس: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

نیوئی۔ جزیرہ (Niue Island): یہ موتکے کا جزیرہ نیوزی لینڈ کی نو آبادی (کالونی) ہے جسے کچھ اندرونی اختیارات مل گئے ہیں۔ یہ نیوزی لینڈ کے شمال مشرق میں 2,400 کلو میٹر (1500 میل) دور جنوبی بحر الکاہل میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 260 مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 5,000 ہے۔ صدر مقام الوفی ہے۔ یہاں ناریل کی کاشت ہوتی ہے اور شہد بھی نکالا جاتا ہے۔ اس جزیرہ کو پہلے جزیرہ سیویج بھی کہتے تھے۔

نیویارک: یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سب سے بڑا شہر اور دنیا کے سب سے بڑے تین شہروں میں سے ایک ہے۔ 1976 میں آبادی 7,453,600 تھی۔ دریائے ہڈسن کے دہانے کے قریب واقع ہے۔ یہ پانچ بلدی یا انتخابی حلقوں پر مشتمل ہے۔ (1) مین ہیٹن (منہاٹن)، (2) برانکس، (3) بروکلن، (4) کوئینس اور (5) رچمنڈ۔

نیویارک، اپنے وسیع، ثقافتی اور تعلیمی اداروں، مشہور عالم دکانوں، ریستوران، سیر و تفریح کے مقامات، قومی تھیٹر، مختلف نوعیت کے آرکیٹکچر، میوزیم، کتب خانے، پارک، نباتیاتی باغات اور تاریخی وسیع پس منظر کے اعتبار سے دنیا میں لاثانی شہر ہے۔ گہرے پانی کا بندرگاہ ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سب سے بڑا اور دنیا کے سب سے اچھے بندرگاہوں میں سے ہے۔ یہاں ریلوے کا بہت بڑا جال پھیلا ہوا ہے جو مجموعی طور پر 10,714 میل پر محیط ہے۔ یہاں کئی ہوائی اڈے ہیں۔ بین ریاستی اور درون ریاستی بس سسٹم بھی ہے۔ نیویارک کی کثیر آبادی اور یہاں آنے والے کثیر التعداد مسافروں کی وجہ سے یہاں رہائشی، تعلیمی، حمل و نقل اور دوسری نوعیت کی دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہاں کی پولیس کو انتظامات میں سہولت پہنچانے کے لیے مضافاتی فوج بنائی گئی ہے۔ یہاں غربا کے لیے مکانات کا مسئلہ پریشان کن ہے۔ یہ شہر امریکی قوم کے مالیہ اور اقتصادیات کا مرکز ہے۔ یہاں کی بعض اہم صنعتی اشیا میں کپڑا، کیمیائی اشیا، دھاتی اشیا اور غذائی اشیا شامل ہیں۔ نیویارک میں کئی یونیورسٹیاں ہیں یہ ساری دنیا کی بہت بڑی تفریح گاہ ہے۔ لاکھوں سیاح ہر سال یہاں آتے ہیں۔

نہر پناما: یہ نہر شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے درمیان خاکنائے پناما کو کاٹ کر بنائی گئی ہے جو وسطی امریکہ سے گزرتی ہوئی بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس کو آپس میں ملاتی ہے۔ اس کی لمبائی 50 میل اور چوڑائی اوسطاً 500 فٹ ہے۔ گہرائی 41 فٹ ہے۔ نہر پناما کا شمالی بندرگاہ پناما اور جنوبی بندرگاہ کولون ہے۔ یہ دونوں بندرگاہ ریل کے ذریعے بھی ملے ہوئے ہیں۔ جہاز اس نہر کو 8 گھنٹوں میں پار کرتے ہیں۔ نہر سویز کی طرح یہ نہر سمندر کی ہم سطح نہیں ہے۔ درمیان میں نیچی اونچی ہے۔ اس لیے جہاز رانی کے قابل بنانے کے لیے بندوں کے ذریعہ جہازوں کو اونچا چڑھا کر نہر میں پہنچایا جاتا ہے۔ کنٹرول کا کام 6 آہنی دروازے کرتے ہیں۔ نہر پناما سے سمندری تجارت میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا۔ اس کی تکمیل سے پہلے جہازوں کو جنوبی امریکہ کا چکر کاٹ کر جانا پڑتا تھا جس میں وقت بھی زیادہ صرف ہوتا تھا اور پیسہ بھی۔ اس کی تعمیر سے شمالی امریکہ کے بحر اوقیانوسی ساحل اور جنوبی امریکہ کے بحر الکاہلی ساحل کے درمیان 7 ہزار میل فاصلے کی بچت ہو گئی۔ یوں تو اس کا اثر برطانیہ کی صنعت پر بھی پڑا لیکن سب سے زیادہ فائدہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو ہوا جس کی تجارت آسٹریلیا، چین، جاپان اور نیوزی لینڈ کے ساتھ بہت ہوتی ہے۔ اس نہر کی بین الاقوامی اہمیت یہ ہے کہ یہ آبی راستہ یورپ کے اہم تجارتی اور صنعتی مرکزوں سے ملا ہوا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی نگرانی میں یہ نہر پناما 1914 میں تعمیر ہوئی۔

نہر کیل: جرمنی اور ڈنمارک کے درمیان کے خشکی کے حصہ کو کاٹ کر یہ نہر بنائی گئی ہے۔ جرمنی کے شمال میں شہر کیل ہے۔ جنوب مغرب کی طرف بہتی ہوئی نہر کیل بحیرہ بالٹک کو بحیرہ شمالی سے ملاتی ہے۔ یہ نہر 71 میل لمبی ہے۔ گہرائی 35 فٹ ہے۔ تہ کی چوڑائی 144 فٹ اور سطح کی چوڑائی 335 فٹ ہے۔ اس نہر سے یہ فائدہ ہوا کہ جہاز ڈنمارک کا چکر لگانے کے بجائے اس نہر کے راستے سے بڑی آسانی کے ساتھ اور بہت کم وقت میں ایک سمندر سے دوسرے سمندر میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ نہر جرمن حکومت کے تحت ہے۔ 1895 میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔

نہر سویز: یہ نہر جو پورٹ سعید سے سویز تک پھیلی ہوئی ہے۔ بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کو ملاتی ہے اور یورپ اور مشرقی ممالک کے درمیان قریب ترین بحری راستہ کا کام دیتی ہے۔ اولاً 1798 میں نپولین نے اس آبی راستہ کو بنانے کی تجویز پیش کی مگر کام کی تکمیل نہ ہو سکی۔ 1854 میں دو فرانسیسی انجنیئروں نے نہر کی تعمیر کا نقشہ تیار کیا۔ بین الاقوامی کمیشن کی منظوری کے بعد 1856 میں تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ نومبر 1875 میں اس کا افتتاح ہوا۔ اس نہر کے جملہ چار لاکھ حصص مقرر

کیے گئے۔ 1875 میں ڈیزرائلی (برطانوی وزیر اعظم) نے خدیو مصر سے 176,602 حصے چالیس لاکھ پونڈ میں خرید لیے۔ 1888 میں قسطنطنیہ کی کانفرنس نے اس نہر کو تمام اقوام کے لیے کھول دیا۔

اس وقت اس نہر کی لمبائی 104 میل ہے، چوڑائی مختلف مقامات پر مختلف ہے۔ کم سے کم چوڑائی صرف 197 فٹ ہے۔ اس نہر میں بڑے بڑے جہاز بآسانی داخل ہو کر اوسطاً پندرہ گھنٹوں میں پورا فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔

1936 کی اینگلو ایجپشین ٹریٹی کی رو سے 1955 تک سویز زون کا تحفظ انگریزوں کے ذمہ رہا۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری مصری حکومت کے سپرد ہوئی۔ جولائی 1956 میں ناصر نے سویز کمپنی کے سرمایہ قائم کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

مصر اور اسرائیل کے تنازع کے بعد اکتوبر 1956 میں مصریوں نے نہر کو کئی مقامات پر بند کر دیا۔ 30 اپریل 1957 کو نہر کا راستہ پھر کھول دیا گیا۔ جولائی 1958 میں ایو. اے. آر. حکومت اور سویز کینال کمپنی کے حصے داروں کے درمیان معاوضہ کی ادئیگی کے تعلق سے ایک معاہدہ کیا گیا اور جنوری 1963 میں معاوضہ کی آخری قسط بھی ادا کر دی گئی۔ 22 دسمبر 1959 کو بین الاقوامی بینک نے نہر سویز کو گہرا کرنے کے لیے 5 کروڑ 60 لاکھ ڈالر کا قرض بھی منظور کیا تھا۔ 1972 کی عرب۔اسرائیل جنگ کے بعد اسرائیل نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ کئی سال بعد ایک معاہدہ کے تحت اسے خالی کیا گیا اور اب یہ آمد و رفت کے لیے کھل گئی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

و

واٹ کا شارع عام کا ترازپیا: اس نازک ترازپیا سے سطح کی پیائش زیادہ صحت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ اس میں اسپرٹ لیول اور دوربین کو مرکزی حصہ پر جوڑ دیا جاتا ہے۔ دوربین کو محور پر گھمایا جاسکتا ہے۔ دوربین کی بائیں جانب ایک بڑا اسپرٹ لیول جڑا رہتا ہے۔ اس کے ہلبلہ کو مائکرو میٹر اسکرو کے ذریعہ درمیانی ڈور میں لایا جاسکتا ہے۔ پیائش شروع کرنے سے پہلے مائکرو میٹر کے اوپری حصہ کو ٹھیک صفر کے نشان پر قائم کردیا جاتا ہے۔ اسٹینڈ کی سطح درست کرنے کے لیے بھی عموماً ایک چھوٹا سا دائرہ نما اسپرٹ لیول لگا رہتا ہے۔

وادز (Vaduz): یہ وسطی یورپ کی وادی رہائن (Rhine) میں لیچ ٹنس ٹین (Liechtenstein) کی قلمرو کا صدر مقام ہے۔ سیاحت کا اہم مرکز ہے اور حاکم شہزادہ کا مستقر ہے۔ یہاں قرون وسطیٰ کا ایک خوبصورت محل اور قابل دید آرٹ میوزیم سیاحوں کے لیے باعث کشش ہیں۔ 1970 میں آبادی 3,790 تھی۔

وارانسی: اترپردیش (ہندوستان) میں دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے اور بھگوان وشوناتھ کے سونے کے مندر کے لیے مشہور ہے۔ اس کا نام بنارس سے تبدیل کرکے وارانسی کردیا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی متبرک شہر ہے جہاں روزانہ ہزاروں زائرین آتے ہیں۔ یہ ریشم اور بنارسی ساڑیوں کے لیے بہت مشہور ہے۔ یہاں کھاد اور کیمیاوی کارخانے بھی ہیں۔ یہاں 1920 میں مہاتما گاندھی نے ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی جس کا نام کاشی ودیاپیٹھ ہے، جہاں ہندوستان کے نامور لوگوں نے تعلیم پائی تھی جیسے آچاریہ نریندر دیو، ڈاکٹر سمپور نانند، لال بہادر شاستری وغیرہ۔ وارانسی میں بنارس ہندو یونیورسٹی بھی ہے جس کے بانی مدن موہن مالویہ تھے۔ بنارس کے گھاٹ اور بنارس کی صبح کی سارے ہندوستان میں دھوم ہے۔ اس قدیم تاریخی و تمدنی شہر سے 6 میل کے فاصلے پر سارناتھ ہے جہاں ہندوستان کے سب سے عمدہ بدھ مت کے کھنڈرات ملتے ہیں۔ وارانسی انگلش اور سائنٹفک انسٹی ٹیوٹ کے لیے بھی مشہور ہے۔ یہاں ڈیزل انجن بنانے کا کارخانہ 20 کروڑ کی لاگت سے کھولا گیا ہے۔

وارسا: عوامی جمہوریہ پولینڈ کا صدر مقام ہے۔ ملک کے وسطی حصے میں دریائے وسچولا کے دونوں کناروں پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 1971 میں تقریباً 1,107,000 تھی۔ یہ پولینڈ کا انتظامی، سیاسی اور تہذیبی مرکز ہے۔ یورپ کا یہ ایک قدیم تاریخی اور صنعتی شہر ہے۔ یہاں مشینیں، سائنسی آلات، کیمیائی اشیاء، موٹریں اور برقی آلات تیار ہوتے ہیں۔ پولینڈ کا صدر مقام پہلے کراخوف تھا۔ جب اس میں آگ لگی تو 1596 میں وارسا صدر مقام بنا اور اس کے بعد یہ تجارتی اور تہذیبی طور پر برابر ترقی کرتا گیا۔ اسے مسلسل بیرونی حملوں اور تباہ کاریوں کا شکار ہونا پڑا۔ سویڈن کے بادشاہوں (1655 تا 1702)، زار روس (1792 تا 1794)، پروشیا (1795) اور نپولین (1807) نے اس پر حملے کیے۔ پہلی اور پھر دوسری عالمی جنگوں کے دوران اس پر جرمنوں کا قبضہ رہا۔ بیچ میں کئی فوجی بغاوتوں کا شکار بنا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنوں نے اسے پورے طور پر تباہ کردیا۔ لاکھوں باشندوں، خاص طور پر یہودیوں، کو قتل کردیا گیا۔ ہٹلر کی شکست کے بعد یہ سوشلسٹ پولینڈ کا صدر مقام بنا۔ نہ صرف نئی عمارتیں تعمیر کی گئیں بلکہ کئی پرانی عمارتیں اور محلے پھر سے تعمیر کیے گئے۔ اب یہاں ایک یونیورسٹی، سائنس کی اکادمی، اعلیٰ تعلیم کے کئی ادارے، عجائب گھر، کتب خانے، تھیٹر اور دوسرے تہذیبی مراکز قائم ہیں۔

وارسا کا صلح نامہ: 28 جنوری 1573 کے اس صلح نامہ سے پولینڈ کے تمام غیر رومن کیتھولک تسلط کو مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی۔ اس کے نتیجہ میں مذہبی جنگ وجدل کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

واروی تقویم (Varved Chronology): واروی چکنی مٹی کی دو پرتیں ایک سال میں جمع ہوتی ہیں۔ ہلکے رنگ کی پرت موٹے دانے دار (Coarse Grained) ہوتی ہے جو گرمیوں میں رسوب پذیر ہوتی ہے جبکہ گہرے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

(Dark)یاسیاہ رنگ کی پرت پتلی ہوتی ہے اور اس کی ذخیرگی سردیوں میں ہوتی ہے جب جھیلیں منجمد ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کی دو پرتوں کا ایک سٹ (Set)، ایک سال کی رسوبیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کلیے کو مدنظر رکھتے ہوئے پلائسٹوسین (Pleistocene) عہد کے دوران اور بعد کے حالات کی ارضیاتی عمر پیمائی کی جاسکتی ہے۔ ایک طولانی ترتیب میں سے اگر ایک پرت کی بھی صحیح عمر (Absolute Age) کاربن عمر پیمائی (Carbon Dating) کے ذریعے معلوم کرلی جائے تو درمیانی پرتوں کی بھی صحیح عمر معلوم کی جاسکتی ہے۔

واسکوڈی گاما: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

واشنگٹن ڈی سی (ڈسٹرک کولمبیا): ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا یہ دارالحکومت ہے۔ اسی نام کی ریاست کا سب سے بڑا شہر اور اس ملک کا نواں شہر ہے۔ 1991 میں آبادی 702,000 تھی۔ دریائے پوٹومیک کے کنارے واقع ہے۔ اس دریا میں کچھ فاصلہ تک جہازرانی ہو سکتی ہے۔ واشنگٹن کو پایۂ تخت بنانے کے لیے 1790 میں ایک ایکٹ پاس کیا گیا اور یہ بھی طے پایا کہ فلاڈلفیا سے حکومتی محکمہ جات یہاں منتقل کیے جائیں۔ چنانچہ 1800 میں یہاں حکومت منتقل ہوئی۔ اس شہر کی بنیاد 1793 میں جارج واشنگٹن نے رکھی تھی۔ کیپی ٹول (Capitol) نامی ایک عالیشان عمارت پن سلوانیا اوینیو کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ 1814 میں انگریزوں نے مذکورہ عمارت کو جلادیا۔ 1888 میں اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔ اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جو مدور حصہ ہے اس کا قطر 96 فٹ اور اونچائی 288 فٹ ہے۔ پن سلوانیا اوینیو کے دوسرے سرے پر وہائٹ ہاؤس (White House) ہے۔ یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کی سرکاری رہائش گاہ ہے۔ یہاں کی مشہور عمارتوں میں پنٹاگن (Pentagon)، دی پیٹنٹ آفس، دی جنرل پوسٹ آفس، قومی رصدگاہ، کارکوسن گیلری آف آرٹ، دی لنکن میموریل، تھامس جیفر سن میموریل، دی پان امریکن یونین، کانسٹی ٹیوشن ہال، دی امریکن یونیورسٹی شامل ہیں۔ الذکر کے علاوہ یہاں جارج ٹاؤن یونیورسٹی اور جارج واشنگٹن یونیورسٹی بھی واقع ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں واشنگٹن انتہائی خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کی سرکاری عمارتیں سنگ سفید اور مرمر سے بنی ہوئی ہیں۔ یہاں نیشنل گیلری آف آرٹ اور کانگریس کی لائبریری ہے۔ دریائے پوٹومیک پر جو پتھر کا پل بنایا گیا ہے اس کی لمبائی 452 فٹ ہے۔ اس دریا کے ایک جانب پنٹاگن ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے اور اس میں حکومت کے محکمہ دفاع کے دفاتر ہیں۔ واشنگٹن دراصل ایک رہائشی شہر ہے۔ صنعت و حرفت کے اعتبار سے اس شہر میں صرف پایۂ تخت کی ضروریات کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک اہم پیشہ ان جانوروں کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت ڈبوں میں بھرنا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ طباعت اور اشاعت یہاں کی ایک اہم صنعت سمجھی جاتی ہے۔ ریلوے کے ذریعے یہ شہر مختلف شہروں سے ملا ہوا ہے۔ واشنگٹن بحریہ کا مستقر ہے اور یہاں بحریہ کے لیے جہاز سازی کا ایک کارخانہ ہے۔ نیز ہوائی فوج کا ایک ہوائی اڈہ ہے۔ اس کے علاوہ یہاں قومی ہوائی اڈہ بھی ہے۔ واشنگٹن میں کئی بین الاقوامی معاہدات پر دستخط ہوئے ہیں۔

واکلوشی چشمہ: آبی علاقہ کا ایسا مقام جہاں سے زمین دوز ندی اندرون زمین دور تک بہنے کے بعد دوبارہ سطح زمین پر نکل آئے۔ جنوبی فرانس، مسوری، انڈیانا اور کنٹکی میں کئی جگہ اس طرح کے چشمے دکھائی دیتے ہیں۔

وال پیریزو: یہ چلی (جنوبی امریکہ) کے وسطی حصے میں واقع ہے۔ جنوبی امریکہ کا یہ ایک اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں ہر سال ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ اس کے قریب وینے ڈیل مار نامی تفریح گاہ ہے، یہاں سوتی کپڑے، شکر، پینٹ، چینی کے برتن، تیل، جوتے اور چمڑے کا سامان، دھاتی اشیا اور کیمیائی اشیا تیار کی جاتی ہیں۔ 1822 میں یہاں زلزلہ آیا تھا۔ یہ ایک عصری شہر ہے۔

والٹر ریلے: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

والٹیر (Waltair): یہ ریاست آندھرا پردیش کے ضلع وشاکھاپٹنم میں واقع ہے۔ والٹیر وشاکھاپٹنم کے قدرتی بندرگاہ سے ملا ہوا ایک بندرگاہ ہے۔ یہاں آندھرا یونیورسٹی واقع ہے جو آندھرا پردیش کا ایک اہم تعلیمی مرکز ہے۔

وائنڈل ڈی لابلاش: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

وجے واڑہ تھرمل پاور اسٹیشن: دریائے کرشنا پر آندھرا پردیش میں بمقام وجے واڑہ ایک برقی اسٹیشن کا قیام عمل میں آیا ہے۔ 1939 سے اس کے دو ٹربو سیٹ سے 1,500 کلوواٹ بجلی حاصل ہوتی ہے۔ بعد میں یہاں مزید 3,000 کلوواٹ کے تین سیٹ لگائے گئے۔

وجیانگر (Vijayanagar): یہ ریاست آندھرا پردیش کا جدید تشکیل شدہ ضلع ہے جو ایک اہم تجارتی مرکز ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سولھویں صدی عیسوی میں ریاست وجیانگر ایک عظیم حکومت تھی، جس کے بانی ہری ہر اور بکا تھے۔ راجا کرشن دیو رائے (1529 ـ 1509) اس ریاست کے سب سے عظیم راجا مانے جاتے ہیں جو ایک زبردست مدبر، منتظم اور فنون لطیفہ کے سرپرست تھے۔ ان کا عہد حکومت وجیانگر کے راجاؤں کا سب سے زرّیں دور سمجھا جاتا ہے۔ ان کی حکومت سارے جنوبی ہند پر تھی۔ اس سلطنت کے کھنڈرات رایچور میں بمقام ہمپی، جو تنگبھدرا ندی کے جنوبی کنارے پر ہوس پیٹ (Hospet) کے ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے، پائے جاتے ہیں۔

یہ علاقہ بلہار شاہ۔ ناگپور ریلوے لائن پر واقع ہے۔ یہاں کی اہم پیداوار کپاس ہے۔

وردھا (Wardha): مہاراشٹر امیں ضلع ناگپور کے جنوب میں وردھا ایک اہم مقام ہے جو مہاتما گاندھی کے سیواگرام آشرم کے لیے مشہور ہے۔ مہاتما گاندھی کے قیام کی وجہ سے یہ کئی سال تک ہندوستان کا غیر سرکاری صدر مقام تصور کیا جاتا تھا۔ گاندھی جی کے متعدد تعمیری پروگراموں کے اداروں کی وجہ سے یہ موجودہ زمانہ میں سیاحوں کا ایک بڑا مرکز بن گیا ہے۔

وردھا ندی: یہ ندی سطح مرتفع ملتائی سے نکلی ہے۔ یہ جب ناگپور، وردھا اور چاندہ سے ہو کر سیونی سے گزرتی ہے تو وین گنگا سے اس کا میل ہوتا ہے۔ وردھا میں مہاتما گاندھی کا مشہور آشرم سیواگرام ہے اور چاندہ کے قریب کوئلے کی کانیں ہیں۔

ورنداون: اترپردیش (ہندوستان) میں متھرا کی طرح ورنداون بھی ایک مقدس شہر ہے جو مندروں کے لیے مشہور ہے۔ یہاں کارنگ جی اور شاہ بہاری لال مندر جو سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے، بطور خاص مشہور ہیں۔ ورنداون گروکل کے لیے بھی مشہور ہے جہاں سنسکرت میں تعلیم دی جاتی ہے۔

ورنر، ابراہم گوٹلوب (Abraham Gottlob Werner): یہ جرمن ماہر ارضیات تھا جس کا جنم 1749 میں ہوا۔ اس نے اس اصول کو بے حد اہمیت دی کہ زمین کو صحیح اور بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ارضی میدانوں اور تجربہ گاہ دونوں جگہ گہرے مشاہدات بے حد ضروری ہیں۔ اس نے ایک نیا ارضیاتی کالم (Geological Column) اور پرت یا تہہ نگاری کا نظام پیش کیا۔ زمین کی پیدائش کے سلسلے میں اس نے نپچونین (Neptunian) نظریہ پیش کیا جو تقریباً 50 سال تک صحیح سمجھا اور مانا جاتا رہا۔ مگر اس کا خیال جلد ہی غلط ثابت ہو گیا کہ آتش فشاں پہاڑ (Volcanoes) کوئلے کی پرتوں (Coal Seams) کے جلنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس نے 1817 میں انتقال کیا۔

ورنگل (Warangal): یہ ریاست آندھرا پردیش کے علاقہ تلنگانہ کا ایک اہم ضلع ہے۔ اس کے شمال میں کریم نگر، مغرب میں میڈک، جنوب مشرق میں کھمام اور جنوب مغرب میں نلگنڈہ واقع ہیں۔ اس علاقہ میں کئی معدنیات کے ذخائر جیسے کوئلہ، خام لوہا، ریت پتھر، چونا پتھر، شیل، المونیم اور تعمیری پتھر پائے جاتے ہیں۔

وزنی سانچہ (Load Cast): ایک رسوبی ساخت (Sedimentary Structure) جو تلے کے نشانات (Sole Marks) میں شامل ہے۔ جب ریت کی کوئی پرت لزوجی (Plastic)، کیچ (Mud) کی پرت کے اوپر ذخیرگی کے عمل سے گزرے تو بھاری ریت نرم کیچ (Mud) کو دبا کر اس میں دخول کر جاتی ہے اور اس طرح گولائی لیے ہوئے لبوترے تودے ریت کی پرت سے نیچے لٹک جاتے ہیں۔ اس ساخت کو وزنی سانچہ کہتے ہیں۔

وسطی امریکہ کی وفاقی انجمن: اس میں آج کل گوئٹے مالا، ہانڈوراز، ایل سلویڈور، کوسٹاریکا اور نکاراگوا کے علاقے شامل ہیں۔ 1520 کے بعد سے یہ علاقے بشمول چیاپاز اسٹیٹ گوئٹے مالا کی تشکیل کرتے تھے اور "نیو اسپین" کی مملکت کا ایک حصہ تھے۔ 15/ اکتوبر 1821 سے ان پر اسپینی اقتدار ختم ہو گیا۔ 1822 میں یہ میکسیکو کی عارضی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ فروری 1823 کے بعد وسطی امریکہ کے صوبوں کے نمائندے گوئٹے مالا شہر میں اپنی مکمل آزادی اور وفاقی جمہوریت کی تشکیل کا اعلان کرنے کے لیے جمع ہوئے اور انھوں نے ایک دستور بھی مرتب کیا۔

1825 میں اس کا پہلا پریزیڈنٹ منتخب ہوا۔ 1829 میں حریت پسندوں کا اقتدار قائم ہوا اور ان کے لیڈر "فرانسسکو ویزان" کو پریزیڈنٹ بنایا گیا۔ 1834 میں گوئٹے مالا شہر کے بجائے سلویڈور کو وفاقی انجمن کا صدر مقام بنایا گیا۔ 1838 میں گوئٹے مالا شہر پر ایک ریڈ انڈین باغی آر. کریرا نے قبضہ کر لیا۔ نتیجتاً ہر ممبر اسٹیٹ نے وفاقی انجمن سے اپنے تعلقات ختم کر دیے۔ اس کے بعد تقریباً پچیس بار یونین کو دوبارہ بحال کرنے کی کوششیں کی جا چکی ہیں۔ انیسوی صدی میں گوئٹے مالا کی حکومت نے وسطی امریکہ کی دوسری اسٹیٹس (States) پر طاقت کے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بل بوتے پر فرماں روائی قائم کرنے کی کوشش کی۔ آر. کریرانے، جس کا اقتدار 1865 تک قائم رہا، کئی بار ایل سلویڈور، ہانڈوراز اور نکاراگوا میں قدامت پسندوں کا نظام حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کی۔ 1882 میں گوائٹے مالا کے پریزیڈنٹ نے پرانی وفاقی انجمن کی بحالی پر زور دیا۔ اس نے خود کو اس کا حاکم بنایا اور اپنی فوج کے ساتھ "ایل سلویڈور" پر حملہ بھی کر دیا لیکن شکست کھائی اور مارا گیا۔ 1951 میں وسطی امریکہ کے "اسٹیٹس کامن مارکٹ" کے ذریعہ معاشی اتحاد و عمل کی کوشش کی اور اپنے ممبر علاقوں میں تعلیمی و تمدنی کاموں کو منظم کرنے کی جدوجہد بھی کی۔

وسطی ایشیا: اس میں برِ اعظم کے اندرونی حصہ کے درج ذیل چار خشک منطقے شرقاً غرباً پٹیوں کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(1) اسٹیپ۔ (2) ریگستان۔
(3) اسٹیپ کے ریگستان (4) پہاڑ

اس علاقہ کے مغرب میں بحیرۂ کیسپین، مشرق میں منگولیا اور شمال مغربی چین، شمال میں جنوبی سائبیریا اور جنوب میں شمالی ایران اور افغانستان واقع ہیں۔

وسطی یوروپ: اس میں آسٹریا، ہنگری اور سوئزلینڈ کے علاوہ فرانس اور جرمنی کے جنوبی حصے شامل کیے جا سکتے ہیں۔

وشاکھاپٹنم: ریاست آندھرا پردیش کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے۔ اس کا شمار ہندوستان کے دس عظیم بندرگاہوں میں ہوتا ہے۔ جہازوں پر مال لادنے کے اعتبار سے اس کا درجہ تیسرا ہے۔ ہندوستان کے مشرقی ساحلی علاقہ کے بڑے بندرگاہوں میں وشاکھاپٹنم کا نمبر پہلا ہے۔ اس بندرگاہ کی تعمیر 1924 میں شروع ہوئی اور 1933 میں ختم ہوئی۔ یہ بندرگاہ ہندوستان کے مشرقی ساحل کورومنڈل پر کلکتہ کے جنوب میں 750 کلو میٹر کے فاصلہ پر اور بندرگاہ چینئی (مدراس) کے شمال میں 475 کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس بندرگاہ سے لوہا، مونگ پھلی، ہلیلہ، چمڑے اور کھالیں برآمد اور روئی کی اشیاء، عمارتی لکڑی اور مشینری درآمد کی جاتی ہیں۔ ریاست اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے مشرقی علاقوں کا مال برآمد کرنے کے لیے کلکتہ کے مقابلہ میں وشاکھاپٹنم زیادہ مفید بندرگاہ ثابت ہوا ہے۔ اس بندرگاہ کو جنوب مشرقی ریلوے لائن کے ذریعہ بھلائی اور رائے پور سے ملا دیا گیا ہے۔ یہ ہندوستان کا سب سے اہم جہاز سازی کا مرکز بھی ہے۔ یہاں 5,000 تا 15,000 ٹن وزن کی گنجائش کے جہاز بنتے ہیں۔ پچھلے برسوں میں اسے کافی ترقی دی گئی ہے۔

یہاں تیل صاف کرنے کا ایک کارخانہ بھی ہے۔

وفاقی روس (Russian Federation): سابق سوویت یونین (Formerly Union of Soviet Socialist Republics): یہ سوویت سوشلسٹ جمہوریتوں کی یونین (U.S.S.R) تھی لیکن اب وفاقی جمہوریت ہے۔ 31 مارچ 1992 کو ماسکو کی مرکزی حکومت اور 19 دوسری جمہوریتوں کے ساتھ ایک صلح نامہ کے تحت وفاقی روس بن گیا ہے۔ یہ مشرق یوروپ سے شمال وسطی اور مشرقی ایشیا تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ مغرب میں بحیرۂ بالٹک سے مشرق میں بحر الکاہل تک 8,000 کلو میٹر اور بحر منجمد شمالی سے بحیرۂ اسود تک شمالاً جنوباً 2,400 سے 4,000 کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کل رقبہ ساری دنیا کے زمینی رقبہ کا چھٹا حصہ ہے اور سب سے بڑا ملک ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ دنیا کا چھٹا سب سے بڑا ملک ہے۔ کوہ یورال اس کی درمیانی روایتی سرحد، جو یوروپین اور سائبیرین حصوں کو علیحدہ کرتی ہے، تشکیل کرتے ہیں۔ اس کے شمال مغرب میں ناروے اور فن لینڈ، مغرب میں ایسٹونیا، لیٹویا، بائلا روس اور یوکرین، جنوب مغرب میں جارجیا اور آذربائیجان، اور جنوب میں چین، منگولیا، اور قزاخستان واقع ہیں۔

کل رقبہ 17,075,400 مربع کلو میٹر ہے۔ 1989 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 147,021,869 تھی۔ ماسکو صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔

روس میں اب 20 جمہوریتیں اور 6 علاقے شامل ہیں۔ 31 دسمبر 1991 کو یو۔ ایس۔ ایس۔ آر کے ختم ہو جانے کے بعد تمام سابق خود مختار جمہوریتیں مکمل آزاد جمہوریتیں بن گئی ہیں اور 4 خود مختار علاقے بھی جمہوریتیں بن گئے ہیں۔

روس میں ساٹھ سے زیادہ قومیں اور قومیتیں آباد ہیں۔ بڑی قوموں میں سے روسی 83 فی صدی، یوکرینی 3 فی صدی اور تاتار 3 فی صدی ہیں۔

روس کا یوروپی علاقہ پورا تقریباً میدانی ہے اور نہایت زرخیز ہے۔ اس میدان کے شمال میں یورال پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور جنوب میں قفقاز کے پہاڑ ہیں۔ اس کے علاوہ سائبیریا کا علاقہ ہے، جو مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ وسطی سائبیریا سطح مرتفعائی ہے۔ مغربی سائبیریا میدانی ہے اور مشرقی سائبیریا میں پہاڑوں کے سلسلے چلے گئے ہیں۔ جنوب مشرق میں ایشیائی علاقہ میں وسیع صحرا اور ریگستان ہیں اور ان کے جنوب میں شان، پامیر اور التائی پہاڑوں کے سلسلے چلے گئے ہیں۔ قفقاز میں کوہ البرز کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ سب سے بلند چوٹی پامیر کے پہاڑوں میں ہے، جو 24,600 فیٹ بلند ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

روس میں کئی بڑی بڑی جھیلیں ہیں جن میں سے جھیل بالکش اور بیکال مشہور ہیں۔ بہت بڑے بڑے دریا بھی ہیں جن میں جہاز چلتے ہیں اور بڑے بڑے بندھ بناکر آب پاشی کی جاتی ہے اور بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ یوروپی علاقہ میں ڈیسنر، ڈان، وولگا اور نیپر وغیرہ مشہور دریا ہیں۔ سائبیریا میں آمور، لینا اور وسطی مشرقی علاقہ میں سیر دریا اور آمو دریا بہتے ہیں۔ کئی دریاؤں کو بڑی بڑی نہروں کے ذریعہ بھی ملایا گیا ہے۔

آب و ہوا اور زرخیزی کے لحاظ سے روس کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو انتہائی شمال کا قطبی علاقہ ہے جو انتہائی سرد اور برف سے ڈھکا ہے۔ دوسرا وسطی علاقہ ہے جو گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا ہے اور اتنا سرد نہیں ہے، تیسرا علاقہ صحرائی ہے جو کافی زرخیز ہے اور مغرب سے وسطی سائبیریا تک پھیلا ہوا ہے، چوتھا ایشائی علاقہ ہے جس میں بڑے بڑے ریگستان ہیں۔

روس اتنا وسیع ہے کہ وہاں ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہے۔ سب سے پہلے پورے ملک کا ایک تہائی جنگل ہے جہاں ہر قسم کی لکڑی دستیاب ہوتی ہے۔ دنیا کا سب سے زیادہ ساگوان یہیں سے ملتا ہے۔ لوہے، کوئلے، تانبہ، سونا اور تیل وغیرہ کے بے شمار ذخیرے زمین میں چھپے ہوئے ہیں اور ان کی کان کنی ہوتی ہے۔ اس نے آج روس کو دنیا کے دو سب سے بڑے صنعتی ملکوں میں سے ایک بنادیا ہے۔ دوسرا امریکہ ہے۔ جہاں تک زراعت کا تعلق ہے، گیہوں، بارلی، اوٹس، مکئی، روئی، تمباکو، چائے کے علاوہ ہر قسم کے پھل اور سبزیاں پیدا کی جاتی ہیں۔

تجارت کا 45 فیصدی مشرقی یوروپ کے سوشلسٹ ملکوں سے ہے۔ اس کے بعد دنیا کے تقریباً تمام ملکوں سے اس کی تجارت ہے۔ ہندوستان سے بھی بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی ہے۔

رائج سکہ روبل ہے۔

وقتی طبقاتی اکائی (Time Stratigraphic Unit):

ذخیرگی کی وہ اکائی جو کسی خاص زمانی وقفے میں یا وقت میں وقوع پذیر ہو اور جس میں کسی بھی قسم کے حجریاتی (Lithology) مجموعے شامل ہوں۔ چنانچہ کسی عہد (Era) میں جمع ہونے والی عہدیہ (Erathem)، دور (Period) میں نظام (System)، عرصے (Epoch) میں، سلسلہ (Series) اور عمر (Age) میں جمع ہونے والی مرحلہ (Stages)، ایسی ہی اکائیاں ہیں۔

وقوع صنعت کا نظریہ اور تصورات:

1950 تک جغرافیہ داں وقوع صنعت کے نمونوں کی وضاحت طبعی ماحول کی روشنی میں کیا کرتے تھے یا ان کے ترقی کے حالات سے روشناس کراتے تھے۔ وہ خام مال، حمل و نقل، مزدوروں اور بازاروں کے اثرات سے ضرور واقف تھے مگر ان عوامل کے اثرات کی حقیقی نوعیت نہیں جانتے تھے۔ انھیں کارخانوں کے تعین مقام کے اصولوں سے زیادہ واقفیت نہ تھی۔ رچرڈ ہارٹ شورن نے 27-1926 میں وقوع صنعت کے مسئلہ کا عام جائزہ لیا۔ اس نے بتایا کہ صنعتی مراکز کے اضافی محل وقوع کا انسان کی معاشی کارکردگی پر کافی اثر پڑتا ہے۔ 1947 کے بعد جارج رونر نے صنعت کو چار شاخوں میں تقسیم کیا۔ ایک کشید؟ صنعت، دوسری دوبارہ پیدا کرنے والی صنعت، تیسری تشکیل دینے والی صنعت اور چوتھی سہولت پیدا کرنے والی صنعت۔ ان میں سے ہر صنعت کے قیام کے لیے خام مال، بازار، توانائی، مزدور، مالیہ اور حمل و نقل کی سہولتوں کی موجودگی کو لازمی سمجھا گیا ہے۔ رونر نے بتایا ہے کہ یہ ساری سہولتیں (عناصر) یک جا ہوں تو وقوع صنعت کے لیے عطیۂ قدرت سمجھی جائیں گی۔ سب عناصر یک جا نہ ہوں تو صنعت کا قیام ایسے مقام پر ہوگا جہاں سب سے قیمتی یا مشکل سے منتقل کیا جانے والا عنصر زیادہ آسانی سے حاصل ہو جائے۔ یہ تصور، جس کا عام اطلاق ہو سکتا ہے، صنعت کی مختلف اقسام میں مختلف طور پر کارفرما ہوتا ہے۔ تشکیل دینے والی صنعت ان مقامات پر مرکوز ہوتی ہے جہاں اس کے ترکیبی عناصر بآسانی فراہم ہو جائیں۔ اسی لیے اس کے بیشتر کارخانے ان مقامات پر قائم کیے جاتے ہیں جہاں خام مال، توانائی اور مزدور بآسانی مل سکیں۔ ساتھ ہی بازار کی سہولتیں بھی موجود ہوں۔ رونر نے یہ بھی بتایا ہے کہ بعض اوقات بظاہر ایک دوسرے سے کوئی اساسی رشتہ نہ رکھنے والی صنعتیں بھی باہم بالواسطہ مستفید ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً پنسلوینیا کے صنعتی شہروں میں جو مزدور لوہے اور فولاد کے کارخانوں یا کانوں میں کام کرتے ہیں ان کی عورتیں قریب ہی سوتی پارچہ بافی کے کارخانوں میں کم اجرتوں پر کام کرنے کے لیے پہنچ جاتی ہیں۔ بعض صنعتیں بنیادی طور پر باہم مربوط ہوتی ہیں، مثلاً ایک خام مال فراہم کرنے والی صنعت اور دوسری اس سے تیار کی جانے والی چیزوں کی صنعت۔ ان دونوں کے تغیرات اشارتی ہوتے ہیں۔ ان کی ہم آہنگی سے وسیع صنعتی رقبوں کی علاقائی تخطیط ہو جاتی ہے۔ اس طرح رونر کے بیانات نے وقوع صنعت کے ضمن میں کئی حقیر عناصر کو باہم مربوط کردیا ہے، لیکن ضابطوں کو وضع کرتے وقت اس نے اثر ڈالنے والے معاشی عوامل کا گہرائیوں تک جائزہ نہیں لیا ہے۔

وکٹوریا جھیل:

یہ جھیل وکٹوریا نیانزا بھی کہلاتی ہے۔ افریقہ کی سب سے بڑی جھیل اور دریائے نیل کا سب سے اہم ذخیرۂ آب ہے۔ دنیا کی تازہ پانی کی جھیلوں میں بلحاظ سائز یہ صرف جھیل سپیریر سے بڑی ہے۔ رقبہ کا پھیلاؤ 26,828 مربع میل

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ہے جو اسکاٹ لینڈ کے رقبہ کے برابر ہے۔ انتہائی لمبائی 250 میل اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 200 میل ہے۔ اس جھیل کے ساحل کا مجموعی طول 2,000 میل ہے۔ گہرائی 270 فٹ کے قریب ہے۔ وکٹوریا جھیل اپنے اچانک طوفانوں کے لیے بہت بدنام ہے جس کی وجہ سے اس میں چلنے والے جہاز ہمیشہ بڑے خطرات سے دوچار رہتے ہیں۔ اس کے ساحل کے قریب کئی جزیروں کے گروپ ہیں۔ کاگیرا اس کا سب سے بڑا معاون دریا ہے۔ شمال سے نیانزا نیل اس میں آ کر گرتا ہے۔ مغرب کی سمت سے آ کر اس میں گرنے والے دریا دریائے کالونگا اور روئی زی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی بڑی ندیاں ہیں جو اس میں اپنا پانی لا کر شامل کرتی ہیں۔ ان دریاؤں کے ذریعہ کافی پانی اس جھیل میں داخل ہوتا ہے۔ دریائے نیل اس میں سے گزرتا ہے اور اسی کے ذریعہ وکٹوریہ جھیل کے پانی کا اخراج ہوتا ہے۔

ولاڈی واسٹک: روس (ایشیا) کا ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ یہ مشرق بعید میں سائبیریا کے مشرقی ساحل پر "ٹرانس سائبیرین ریلوے" کا آخری اسٹیشن، فوجی چھاؤنی اور جنوب مشرقی ایشیا کی سوشلسٹ جمہوریہ کا انتظامی مرکز ہے۔ یہ بحیرۂ جاپان کی خلیج پیٹرا اعظم میں واقع ہے اور ماہی گیری کے لیے بھی مشہور ہے۔ ریلوں کا سلسلہ یہاں سے چین، منچوریا اور کوریا کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ 1970 میں اس شہر کی آبادی 422,000 تھی۔ یہ مشرق بعید میں بحر الکاہل کا سب سے بڑا روسی بندرگاہ ہے۔ یہاں جہاز بنانے، انجینئری اور کیمیائی اشیا کی صنعتیں واقع ہیں۔ مچھلیاں ڈبوں میں بند کرنے کی بھی صنعتیں ہیں۔ 1860 میں پہلے روسیوں نے یہاں اپنا فوجی اڈہ قائم کیا اور اس کے بعد یہ بندرگاہ بن گیا اور پھر مشرق کے بحری بیڑے کا سب سے بڑا مرکز بنا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران جب روس میں انقلاب آیا تو اتحادی فوجوں نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن جب سوویت فوجوں نے 1922 میں اس پر جوابی حملہ کیا تو اسے خالی کرنا پڑا۔ اب یہ روس کا مشرق کا بہت بڑا تہذیبی مرکز بن گیا ہے۔ کئی تعلیمی ادارے اور سائنس کی اکادمی یہاں قائم ہے۔

ولٹا (Valletta): جزیرہ مالٹا کے شمال مشرقی ساحل پر بندرگاہ اور صدر مقام ہے۔ مقامی اور عبوری تجارت و سیاحت کا مرکز ہے۔ 1991 میں آبادی 15,401 تھی۔

ولکینو ٹا پہاڑ: جنوبی امریکہ کی جھیل ٹی ٹی کاکا (Titi kaka) کے شمال مغرب میں جو کوہستانی سلسلہ بولیویا (Bolivia) اور چلی (Chile) سے ہوتا ہوا پیرو (Peru) میں داخل ہوتا ہے اسی میں یہ پہاڑ واقع ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی 18 ہزار فٹ بلند ہے۔

ولگائی ندی: مغربی گھاٹ میں ورودش کی پہاڑیوں میں ولگائی کا منبع ہے۔ یہ مدورائی اور رام ناد کے درمیان بہتی ہے۔ مدورائی کا قدیم شہر، جہاں میناکشی کا مشہور مندر ہے اور جو پارچہ بافی کی صنعت کے لیے بھی مشہور ہے، ولگائی پر واقع ہے۔ آبنائے پاک کے قریب اس پر رامیشورم کا جزیرہ واقع ہے جو رامیشور کے مندر کے لیے شہرت رکھتا ہے۔

ولکیز: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ولونا (ولورے): یہ بندرگاہ، البانیہ کے مغرب میں، خلیج وے لونا کے قریب، بحر ایڈریاٹک کے کنارے واقع ہے اور تجارتی مرکز ہے۔ یہاں چمڑا تیار کیا جاتا ہے۔ غذائی اشیا کو ڈبہ بند کرنے اور سیمنٹ نیز تمباکو کی صنعتیں واقع ہیں۔ تیل نکالا جاتا ہے۔ نمک اور بیٹومن بھی یہاں ہوتا ہے۔ اس بندرگاہ کے قریب کے علاقوں میں معدنیات کی کانیں ہیں۔

ولیم بارنٹس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ولیم ڈیمپیر: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ولیم شاوٹن: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ونسی، لیونارڈو ڈا (Leonardo da Vinci): ونسی 1452 میں پیدا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ اپنی مصوری کے لیے اور بطور خاص اپنے شاہکار مونالزا (Monaliza) کے لیے مشہور ہے، مگر اس نے تقریباً سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ رکازات یا باقیات (Fossils) دراصل نامیاتی (Organic) ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کو "منقش پتھر" کہا جاتا تھا اور ان کا ماخذ آسمانی اور ماورائی سمجھا جاتا تھا۔ اس نے بہتے ہوئے پانی کی کٹاؤ (Erosion) کی طاقت کا بھی ذکر کیا اور ان رسوب (Sediments) کی نشان دہی کی جو اب سطح سمندر سے کافی اوپر پائے جاتے ہیں، مگر پہلے دراصل پانی میں ہی ان کی ذخیرگی عمل میں آئی ہوگی۔ اس مصور اور سائنسداں نے 1519 میں وفات پائی۔

ونواتو (Vanuatu): یہ ایک آزاد جمہوریہ ہے جو جنوب مغربی بحر الکاہل میں آسٹریلیا کے مشرق میں اور فیجی کے مغرب میں 800 مربع کلو میٹر (پانچ سو

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

میل) دور واقع ہے۔ اس کا رقبہ 14,760 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 170,319 ہے۔ صدر مقام 'ولا' ہے۔ یہ 80 آتش فشانی جزیروں کا سلسلہ ہے۔ جو 724 کلو میٹر (450 میل) تک پھیلا ہوا ہے۔ علاقہ عام طور پر پہاڑی ہے۔ یہاں کافی، ناریل، کوکو، چیڑ اور صندل کی لکڑی پیدا ہوتی ہے۔ آبادی عام طور پر میلا نیشی ہے۔ بعض جزیروں میں پولینیشن بھی ہیں۔ یہاں انگریز، فرانسیسی اور چینی بھی آباد ہیں۔ 1606 میں فرانس کے چند مہم جوؤں (کھوج کاروں) نے اس کا پتہ لگایا تھا۔ 1887 میں یہ انگریزی اور فرانسیسی بحری کمیشن کے تحت آگئے اور 1906 میں اس پر برطانیہ اور فرانس کی مشترکہ حکمرانی قائم ہو گئی۔ 1980 میں یہ آزاد جمہوریہ بن گیا اور نام 'ونواتو' ہو گیا۔ یہ دولتِ مشترکہ کا ممبر ہے۔

وِنی پیگ جھیل: براعظم شمالی امریکہ کی مملکت کینیڈا کی ریاست منی ٹوبا میں واقع ہے۔ 9,460 مربع میل رقبہ رکھتی ہے۔ مغرب کی طرف سے دریائے سسکاچوان اس جھیل سے ہو کر گزرتا ہے۔ دوسری جانب سے دریائے نیلسن اس میں آکر گرتا ہے اور اس کا پانی خلیج ہڈسن میں بہالے جاتا ہے۔ موسم گرما میں قابل جہاز رانی ہے۔ اس جھیل میں ماہی گیری خوب ہوتی ہے۔

ووڈ ورڈ، جان (John, Woodward): طبیعیات (Physics) کا یہ پروفیسر انگلستان میں 1665 میں پیدا ہوا۔ یہ ان اولین لوگوں میں سے ہے جنھوں نے میدانی کاموں اور مشاہدوں (Field Observations) کی اہمیت کو سمجھا۔ برطانوی رکازات یا باقیات (Fossils) کی فہرست بھی اس نے مرتب کی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ زمین میں پرت داری (Stratification) عظیم سیلاب (Great Flood) کے باعث پیدا ہوئی ہوگی۔ یعنی سیلاب نے سطح زمین کو توڑ پھوڑ دیا اور ان ٹوٹے ہوئے ذروں اور ریزوں کی کثافت اضافی کے مطابق ان کی ذخیرگی (Deposition) عمل میں آئی۔ اور رکازات یا باقیات (Fossils) بھی نامیاتی آثار (Organic Remains) کے طور پر اسی طرح جمع ہوئے ہوں گے۔ اس نے 1729 میں وفات پائی۔

وولر جھیل: کشمیر کی یہ جھیل ایشیا کی سب سے بڑی تازہ پانی کی جھیل ہے جس کا رقبہ 22.5 مربع کلو میٹر ہے۔ اس جھیل تک پہنچنے کا سفر سڑک کے علاوہ دریا میں شکارے کے ذریعہ بھی ممکن ہے۔ اس کے شمال میں گندھک کا ابلتا چشمہ موجود ہے۔

وی بیرنگ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ویانا: یہ جمہوریہ آسٹریا کا صدر مقام ہے۔ جرمن زبان میں یہ "وین" کہلاتا ہے۔ دریائے ڈینیوب کے کنارے واقع ہے۔ اس دریا کی ایک نہر شہر کو دو حصوں میں بانٹ دیتی ہے۔ ویانا کے مغرب اور جنوب میں درختوں سے بھری ہوئی، سرسبز خوبصورت پہاڑیاں ہیں۔ یہ ایک زمانہ میں مقدس رومن سلطنت کا مرکز تھا اور 1806 کے بعد شہنشاہ آسٹریا کا پایۂ تخت بنا۔ یہ دنیا کے قدیم اور اہم تاریخی شہروں میں سے ہے۔ یہاں سلاف (سلاو)، اطالوی، جرمن اور ہنگیری تہذیبوں کا سنگم ہے۔ یہاں یہ سب مکمل مل گئی ہیں۔ یہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذاہب کے آرچ بشپ کا مستقر ہے۔ رینگسٹرین نامی یہاں کی ایک شاہراہ، دنیا کی سب سے خوبصورت شاہراہوں میں سے ہے۔ یہاں کی مشہور عمارتوں میں بارہویں صدی اور سولھویں صدی کے بنے ہوئے گرجا گھر اور سابقہ شہنشاہ کا محل ہے۔ 1365 میں بنی یہاں کی یونیورسٹی سے متعلقہ میڈیکل فیکلٹی ساری دنیا میں شہرت رکھتی ہے۔ تکنیکی اور وٹرینری کالج بھی یہاں ہیں۔ ویانا کو ایک عرصہ سے موسیقی کا مرکز مانا گیا ہے۔ بیتھووین، شوبرٹ، ہیڈن اسٹراس جیسے عالمی شہرت کے موسیقار اس نے دنیا کو دیئے۔ جنوب مشرقی یورپ میں یہ ایک اہم تجارتی شہر ہے۔ یہاں کی اہم صنعتوں میں ریشم، مخملی قالین، چینی کے برتن، جواہرات، ریاضیاتی، سائنسی اور موسیقی کے آلات، گھڑیاں، کٹلری، کیمیائی اشیاء، چرمی سامان، فرنیچر اور کاغذ شامل ہیں۔ تیل صاف کرنے اور شراب کی کشید کے کارخانے بھی ہیں۔ 1971 میں اس کی آبادی 1,627,034 تھی۔ ویانا میں سب سے پہلے کلٹ لوگ آباد ہوئے۔ اس وقت اس کا نام وِنڈوبونا تھا۔ رومن سلطنت کے تحت یہ بہت بڑا فوجی اور تجارتی مرکز بن گیا۔ رومن سلطنت کے بعد اس پر کئی ملکوں کا تسلط رہا۔

1282 سے خاندان ہیپسبرگ کا مستقر بن گیا۔ سترہویں صدی میں عثمانی ترکوں نے دو مرتبہ اس پر حملہ کیا اور ہنگیری کے ساتھ مل کر اس کا محاصرہ بھی کیا لیکن قبضہ نہ کر سکے۔ اس کے بعد اس کے اطراف نئی فصیلیں تعمیر ہوئیں اور شہر کو کافی وسعت اور ترقی دی گئی۔ 1805 اور پھر 1809 میں نپولین نے اس پر قبضہ کیا۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں ویانا بہت بڑا تہذیبی نیز علمی مرکز بن گیا۔ پہلی عالم گیر جنگ میں جرمنی کے ساتھ اسے بھی شکست ہوئی۔ آسٹریا اور ہنگیری کی سلطنت ختم ہو گئی اور آسٹریا کی چھوٹی سی ریاست رہ گئی جس میں جمہوریت قائم ہوئی۔ 1938 میں جرمنی نے آسٹریا پر قبضہ کر لیا۔ دوسری عالمی جنگ میں ہٹلر کی شکست کے بعد کچھ عرصہ تک آسٹریا، روس اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں میں بٹا رہا۔ جون 1961 میں ایک متحد آزاد اور غیر

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

جانبدار مملکت بن گیا اور ویانا اس کا صدر مقام بنا۔

ویت نام (Vietnam): جنوب مشرقی ایشیا کی ایک سوشلسٹ جمہوریہ ہے جس کے شمال میں چین، مغرب میں لاؤس اور کمبوڈیا اور جنوب نیز مشرق میں بحیرۂ جنوبی چین اور ٹونکن واقع ہیں۔ اس ملک کا رقبہ 331,689 مربع کلو میٹر (128,400 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 68,183,000 ہے۔ صدر مقام ہنوئی ہے۔ سب سے بڑا شہر "ہوچی منہ شہر" (جس کا پرانا نام سائے گان تھا) ہے۔ سرکاری اور بول چال کی زبان ویت نامی ہے۔ اس کے علاوہ فرانسیسی اور انگریزی بھی استعمال ہوتی ہے۔

یہاں جنگلات اور پہاڑ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ساحلی میدانوں اور دریاؤں کے ڈیلٹاؤں میں آبادی کی کثرت ہے۔ شمال میں دریائے سرخ (دریائے ریڈ) کا ڈیلٹا واقع ہے اور جنوب میں دریائے میکانگ کا ڈیلٹا واقع ہے۔ شمالی اور جنوبی ویت نام کو وسطی ویت نام کا ایک پتلا سا علاقہ ملاتا ہے۔ بارش بکثرت ہوتی ہے۔ باشندوں کی اکثریت کا پیشہ زراعت ہے اور سب سے اہم پیداوار چاول ہے۔ جنوب میں کافی اور چائے کے باغات بھی ہیں۔ ویت نامی (جن کی آبادی اسی فیصدی سے بھی زائد ہے) منگولی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور کنفیوشین ازم اور بدھ مت کے ایک ملے جلے عقیدہ کے پیرو ہیں۔ جنوب میں رومن کیتھولک عقیدہ رکھنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ کمبوڈیا کی سرحد کے قریب میکانگ ڈیلٹا میں اہل کمبوڈیا زیادہ بستے ہیں۔ شہری مراکز میں اور خاص طور سے جنوبی ویت نام میں چینی بھی بکثرت بسے ہوئے ہیں۔ برآمدات کا دس فی صدی سلے ہوئے کپڑے اور دس، دس فی صدی مچھلی اور ربر ہیں۔ برآمدات کا چندرہ فیصدی روس، گیارہ فیصدی چین اور دس، دس فیصدی جرمنی اور جاپان کو جاتا ہے۔ درآمدات کا 23 فیصدی چین، 20 فیصدی روس، 20 فیصدی امریکہ اور باقی سنگاپور اور جاپان وغیرہ سے آتا ہے۔

رائج سکہ ڈانگ ہے۔

ابتدائی، ثانوی اور حرفی مدرسوں میں دس لاکھ طالب علم اور 27,500 استاد تھے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 16,000 طالب علم تھے۔

تاریخ: ویت نام کی ابتدائی تاریخ زیادہ تر ٹونکن، انام اور کوچین چائنا کی تاریخ ہے۔ یوں تو فرانسیسی یہاں سولھویں صدی کے اواخر ہی میں پہنچ چکے تھے لیکن آبادکاری کا صحیح دور 1859 سے شروع ہوتا ہے جبکہ فرانسیسیوں نے سائیگان پر قبضہ کیا اور شدید مزاحمت کے بعد کوچین چائنا کی نو آبادیاں بسائی تھیں۔ 1884 میں فرانس نے ٹونکن اور انام کو بھی اپنی سرپرستی اور تولیت میں لے لیا اور انیسویں صدی کے ختم ہونے تک فرانسیسی علاقہ میں کوچین چائنا کی نو آبادی کے علاوہ چار علاقے یعنی ٹونکن، انام، لاؤس اور کمبوڈیہ بھی آگئے۔ پہلی عالم گیر جنگ کے بعد ویت نام میں قومی پیداواری اور آزادی کی تحریک شروع ہوئی اور دوسری جنگ کے دوران جاپانی قبضہ کے زمانے میں اس تحریک نے شدت اختیار کرلی۔ جاپانیوں نے ابتدا میں تو فرانسیسیوں کی وشی (وچی) حکومت کو کچھ عرصہ کے لیے برداشت کرلیا لیکن 1945 میں انھوں نے انام کے ایک سابق حکمران باؤدائی کو ویت نام کے تخت پر بٹھادیا۔ لیکن باؤدائی حکومت نے چند ہی دنوں میں دم توڑ دیا اور دوسری عالم گیر جنگ کے خاتمے پر ویت منہ پارٹی نے، جو قوم پرستوں اور کمیونسٹوں پر مشتمل تھی اور جس کی قیادت ہوچی منہ کر رہے تھے، فرانسیسیوں کی کامیاب مقاومت کی اور ہنوئی میں ویت ناميوں کی ایک جمہوری حکومت کے قیام کا اعلان کردیا۔ 1946 میں فرانسیسی افواج جب ہنوئی پہنچیں تو انھیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر فرانکن نے انام اور ٹونکن کو ویت نام کی آزاد حکومت کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ تاہم اس نے کوچین چائنا کو اس میں شامل ہونے سے روکا۔ 1946 کے اواخر میں فرانسیسیوں اور ویت ناميوں کے درمیان گوریلا جنگ کا ایک طویل اور خون آشام دور شروع ہوا۔ 1949 میں فرانس نے باؤدائی کو ویت نام کے حکمراں کی حیثیت سے دوبارہ گدی نشین کیا اور کوچین چائنا کو بھی اس میں شامل کردیا اور جب سوویت اور چینی قوموں کی ویت نامی قوم پرستوں کی حمایت کا اندیشہ بڑھتا گیا تو فرانس نے دسمبر 1946 کے ایک معاہدے کے ذریعہ فرنچ یونین کے اندر ہی ویت نام کو برائے نام آزادی دے دی اور امریکہ اور برطانیہ اور بعض دیگر ممالک نے بلا کسی تامل کے باؤدائی کی اس نئی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ لیکن دوسری طرف روس، کیونسٹ چین اور ان کے ساتھیوں نے ہوچی منہ کی حکومت ہی کو ویت نام کی جائز حکومت قرار دیا۔ ہوچی منہ کو ویت نامی عوام کی پوری تائید حاصل تھی اور اس لیے وہ فرانسیسی سامراج کے خلاف اپنی جنگ کو تیز کرنے لگے اور پے در پے حملے کرتے رہے۔ 1954 میں ویت منہ فوجوں نے ڈئن بیئن فو (Dienbienphu) کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور فرنچ فوجوں نے اپنی ساری قوت یہاں جھونک دی۔ اس کے باوجود مئی میں ڈئن بیئن فو پر فرانسیسیوں کو شکست ہوئی اور اس کے بعد جنیوا کانفرنس میں فرانس کو شرم ناک شرائط پر التوائے جنگ کے لیے راضی ہونا پڑا۔ عارضی صلح نامے کی رو سے، جس پر ویت منہ اور فرنچ یونین کے نمائندوں نے دستخط کیے، ویت نام کو 170 عرض البلد کے متوازی خط پر عارضی طور پر دو حصوں میں تقسیم

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کر دیا گیا۔ شمالی ویت نام ہوچی منھ کی سرکردگی میں ویت منھ کے اقتدار میں دے دیا گیا اور جنوبی ویت نام پر باؤدائی کو بحال رکھا گیا، جس کی حکومت کا سارا دارومدار فرنچ فوج پر تھا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ 1956 تک جنوبی ویت نام میں استصواب کرو لیا جائے گا، آیا وہ شمالی ویت نام کے ساتھ مل کر متحدہ ویت نام بنانے کا حامی ہے یا نہیں اور مثبت ووٹ کی صورت میں دونوں علاقے ملا دیے جائیں گے۔ امریکہ نے جنیوا معاہدے کو تسلیم نہیں کیا۔ اکتوبر 1955 میں جنوبی ویت نام میں باؤدائی کو ہٹا دیا گیا اور اسے جمہوریہ بنا دیا گیا۔ نودنھ ڈیم (Ngo Dinh Diem) کی صدارت میں ایک نئی حکومت بنا دی گئی۔ جنیوا معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے اسے پورے ویت نام کی حکومت تسلیم کر لیا اور امریکہ نے بڑے پیمانے پر فوجی اور مالی امداد دینی شروع کی۔

جنوبی ویت نام کے عوام کے لیے کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ اس کی منظم مزاحمت کریں چنانچہ ویت منھ نام کی جمہوری تنظیم بنا دی گئی اور چند ماہ ہی میں اس نے کافی علاقہ ڈیم کی حکومت سے حاصل کر لیا۔ ڈیم، جو امریکہ کا پٹھو تھا عوام کی تائید حاصل نہ کر سکا۔ چنانچہ یکم نومبر 1965 میں ہوائی فوج کے مارشل کاؤکائی (Ngueyen Caoky) نے اقتدار سنبھال لیا۔

یہ نئی حکومت ڈیم کی حکومت سے مختلف نہیں تھی۔ سخت، جابر، عوام دشمن اور اس کے سارے افسر رشوت خور تھے۔ یہ حکومت بھی امریکہ کی بڑھتی مالی اور فوجی امداد کے باوجود ویت منھ کی بڑھتی طاقت کو نہ روک سکی چنانچہ ستمبر 1965 میں جنرل تھیو نے کاؤ کی جگہ سنبھال لی۔

شروع میں امریکہ سائیگان کی فوجی امداد کرتا رہا۔ جب وہ ویت منھ کے دھاوے کو نہ روک سکا تو پھر آہستہ آہستہ امریکہ نے زیادہ سے زیادہ جنگی ذمہ داریاں سنبھالنی شروع کیں اور 1965 تک یہ بڑی حد تک امریکہ کی جنگ بن گئی۔ 1965 میں لنڈن جانسن صدر امریکہ نے بڑے پیمانے پر بم باری کا حکم دیا اور 1968 تک ویت نام میں پانچ لاکھ سے زیادہ امریکی فوجیں آگئیں۔ چھ لاکھ ویت نامی فوجیں اس کے علاوہ تھیں۔ 50 ہزار جنوبی کوریا کی فوجیں بھی بلا لی گئیں۔ امریکی ذرائع کے مطابق ویت منھ کی فوجیں دو لاکھ تیس ہزار سے زیادہ نہ بڑھ سکیں۔

ویت نام کے خلاف امریکہ کی یہ خوں ریز جنگ بہت بڑے پیمانے پر تین سال تک چلتی رہی۔ شمالی ویت نام پر بہت بڑے پیمانے پر بم باری کی گئی اور شمال اور جنوب کے علاقے جدید ترین بموں کی مدد سے تباہ و برباد کر دیے گئے لیکن ویت نامیوں کو جھکایا نہ جا سکا۔ بلکہ فروری 1968 میں ویت منھ نے سو سے زیادہ شہروں اور قصبوں پر حملہ کیا اور امریکہ کے چھکے چھڑا دیے اور امریکہ کو یقین ہو گیا کہ ویت منھ کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ صدر جونسن نے امریکی کمانڈر کے دو لاکھ مزید امریکی فوج بھیجنے کے مطالبہ کو رد کر دیا۔ شمالی ویت نام میں بم باری روک کر صلح کی راہ تلاش کرنی شروع کی۔ چنانچہ 12 مئی 1968 کو صلح کی بات چیت کا پیرس میں آغاز ہوا جس میں شمالی ویت نام کے علاوہ ویت منھ کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔

نکسن نے صدر بننے کے بعد بات چیت جاری رکھی لیکن اپریل 1970 مین جنگ کو نئی ہوا دی۔ ویت نام پر بم باری پھر شروع کر دی اور لاؤس اور کمبوڈیا کو بھی جنگ میں کھینچ لیا۔ لیکن آخر کار جنوری 1973 کو صلح کرنی ہی پڑی جس کے تحت امریکہ نے اپنی ساری فوجیں واپس نکالینے کا وعدہ کیا اور جنوبی ویت نام کے محاذ آزادی کو سائیگان کے برابر مرتبہ دیا گیا اور اس معاہدہ پر نگرانی کے لیے ایک بین الاقوامی کمیشن قائم کیا گیا۔ اپریل 1975 تک جنوبی ویت نام کی حکومتیں امن اور جنگ کے درمیان لٹکتی رہیں۔ زبردست امریکی امداد اور امریکی اسلحہ کے باوجود وہ حالات کو قابو میں نہ رکھ سکیں۔ ویت نامی محاذ آزادی کے قبضہ میں پہلے ہی سے ملک کا زیادہ تر علاقہ تھا۔ بڑھتے ہوئے افراط زر، افسروں کی لوٹ اور رشوت ستانی نے حالات اور خراب کر دیے۔ چنانچہ اس دباؤ کے تحت آخر کار جنوبی ویت نام کے صدر دوانگ وان منھ نے 30 اپریل 1975 کو ہتھیار ڈال دیے اور سائیگان ویت نامی محاذ آزادی کے حوالے کر دیا اور اس طرح تیس سالہ جنگ آخر کار اختتام کو پہنچی اور ویت نام ایک بار پھر متحد ہو گیا۔ سائیگان کا نام بدل کر "ہوچی منھ "شہر رکھا گیا اور ویت نام کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوئی۔ اس آزادی اور اتحاد کے بعد وہ ملک کی تعمیر نو میں مصروف ہو گیا۔

1980 تک ملک سخت معاشی بحران میں مبتلا رہا اور 1990 سے ملک نے کچھ حد تک اقتصادی بحالی کی طرف قدم بڑھائے۔

ویت نام اور کمبوڈیا کا جزیرہ نما: جنوب مشرقی ایشیا میں خلیج سیام (تھائی لینڈ) اور بحیرہ جنوبی چین کے درمیان واقع ہے۔ دریائے میکانگ اس کے وسطی حصہ میں شمالاً جنوباً بہتا ہے۔

ویدانت انگل: مدراس سے 85 کلو میٹر کے فاصلے پر موسم باراں میں، بالخصوص معتدل خطوں سے ہزاروں آبی پرندے یہاں جھیل کے اطراف پائے جانے والے درختوں پر افزائش نسل کے لیے آتے ہیں۔ نومبر اور جنوری کے مہینوں میں یہ کئی سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ویکو: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ویلن کنی (Velan Kanni): اسے ہندوستان کا عجائب گھر (Lourdes of India) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رومن کیتھولک زائرین کے لیے ایک عظیم مقام ہے۔ ویلن کنی کے جشن میں اندرون ملک کے زائرین کے علاوہ، بیرون ملک سے بھی کافی زائرین شریک ہوتے ہیں۔ ان زائرین میں پروٹسٹنٹ عیسائی اور ہندو بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس متبرک مقام پر جسے اروگیہ ماتا (Arogya Mata) یا آور لیڈی آف ہیلتھ شرائن (Our Lady of Health Shrine) بھی کہتے ہیں، کئی عقیدت مندوں کو ان کی بیماری سے نجات ملتی ہے۔ یہ دراصل ورجن میری (Virgian Mary) ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں ایک بچے کو لے کر ایک تالاب کے کنارے آئی تھیں۔ اس تالاب کو اب آور لیڈیس ٹینک (Our Ladys Tank) کہتے ہیں۔ یہاں ہر سال 29/اگست سے 8/ستمبر تک زبردست میلا لگتا ہے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں زائرین شریک ہوتے ہیں۔ یہ مقدس روضہ تامل ناڈو میں خلیج بنگال کے ساحل پر ویلانکنی (Valankanni) کے گاؤں میں واقع ہے جو ناگپٹنم سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

ویلنگٹن: یہ نیوزی لینڈ کا دارالحکومت ہے اور شمالی جزیرہ (نارتھ آئی لینڈ) کے انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ یہاں کی اہم پیداوار مچھلیاں اور تعمیری پتھر ہیں۔ اس کی بنیاد 1840ء میں رکھی گئی تھی۔ 1865 میں اس کو دارالحکومت بنایا گیا تھا۔ یہاں کی اہم عمارتیں گورنر جنرل کی رہائش گاہ، پارلیمنٹ ہاؤس، یونیورسٹی آف نیوزی لینڈ، وکٹوریہ یونیورسٹی کالج، جو 1897 میں قائم کیا گیا تھا، آرٹ گیلری اور ڈومینین میوزیم ہیں۔ اس کی آبادی 123,948 ہے۔

ویلنگٹن (Wellington): یہ ریاست تامل ناڈو میں وادی بھوانی (Bhavani Valley) کے شمال مشرقی جانب ایک پہاڑی مستقر ہے۔ اس کے جنوب مغربی جانب اوٹکمنڈ کا پہاڑی مستقر ہے۔ ویلنگٹن سطح سمندر سے تقریباً چھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ ماہ جنوری میں اس کا درجہ حرارت 55°F ہوتا ہے۔ بارش کا اوسط تقریباً 55 انچ ہوتا ہے۔ یہ پہاڑی علاقہ ٹوڈا قبیلے کی رہائش کے لیے بھی اہمیت رکھتا ہے۔

اس پہاڑی مستقر کی غیر معمولی خوشگوار آب و ہوا کی وجہ سے یہ ایک سیر و تفریح کا مرکز بن گیا ہے جہاں ہر سال بہت سے سیاح آتے ہیں۔

ویلور: ریاست تامل ناڈو کے بالکل شمال میں ضلع ارکاٹ کا صدر مستقر ہے۔ یہ ایک بڑا ریلوے جنکشن اور تجارتی مرکز ہے۔ یہ اپنے مشن ہاسپٹل کے لیے بھی سارے ہندوستان میں شہرت رکھتا ہے، جہاں دور دور سے بیمار لوگ علاج کے لیے جاتے ہیں۔ اس شفاخانہ میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ماہر ڈاکٹر کام کرتے ہیں۔

وین کوور: یہ مغربی کنیڈا میں کولمبیا کا ایک اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں سے جہاز کے ذریعے غلہ، لکڑی کا سامان، غذائی اشیا، کپڑا اور کیمیائی اشیا باہر بھیجی جاتی ہیں۔ یہاں المونیم کی صنعت قائم ہے اور جہاز سازی کے کارخانے ہیں۔ یہاں کی یونیورسٹی، پارک وغیرہ مشہور ہیں۔ 1971 میں آبادی 384,522 تھی۔

وین گنگا ندی: ست پڑا کے پہاڑوں میں وین گنگا کا منبع ہے۔ سیونی نگر کے قریب یہ وردھا میں مل جاتی ہے۔ اس کے کنارے کئی مندر آباد ہیں۔

وینی زویلا (Venezuela): جنوبی امریکہ کے شمال میں واقع ایک جمہوریہ ہے۔ اس کے شمال میں بحیرۂ کیریبین (Caribbean)، مشرق میں بحر اوقیانوس، اور گویانا، جنوب میں برازیل اور جنوب مغرب اور مغرب میں کولمبیا واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 912,050 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 20,226,000 ہے۔ 69 فیصدی مسٹیزو یا مخلوط نسل کے، 20 فیصدی سفید فام، 9 فیصدی نیگرو، 2 فیصدی انڈین نسل کے لوگ آباد ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر کیراکس (Caracas) ہے۔ سرکاری زبان ہسپانوی ہے۔ اکثریت کا مذہب رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ وینی زویلا میں کوہ اینڈیز (Andes) کے دو سلسلے کولمبیا سے شروع ہوتے ہیں۔ ان پہاڑوں پر کئی اعلیٰ اقسام کی عمارتی لکڑیوں کے جنگل ہیں۔ آب و ہوا خطِ استوائی (حاری) ہے۔ شمال مشرقی اور وسطی علاقے پست ہیں اور یہاں گرمی ہوتی ہے۔ پورے ملک میں اور خاص طور پر پست علاقوں میں بارش خوب ہوتی ہے۔ بعض اوقات سیلاب بھی آجاتے ہیں۔

وینی زویلا بھی بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور پورے رقبہ کے ایک تہائی حصہ پر کاشت ہوتی ہے، کافی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کوکو، روئی، گنا، تمباکو اور پھل بھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ میدانوں میں بڑے پیمانے پر مویشی اور گھوڑے پالے جاتے ہیں۔

وینی زویلا کا شمار دنیا کے بڑے تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں ہوتا ہے۔ سالانہ 12 کروڑ میٹرک ٹن تیل نکالا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گیس بھی نکلتی

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہے۔ صنعتی طور پر کچھ زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔

47 فیصدی مال امریکہ سے آتا ہے۔اس کے علاوہ جاپان، مغربی جرمنی اور اٹلی سے بھی درآمدات آتی ہیں۔ برآمدات کا بھی 43 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے۔اس کے علاوہ کینیڈا اور ہالینڈ کو جاتا ہے۔ برآمدات کا 58 فیصدی کچا تیل اور 37 فیصدی پیٹرول کی بنی چیزیں ہیں۔

رائج سکہ بولی وار (Bolivar) ہے۔

1991 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدارس میں 4,190,047 طالب علم اور 183,298 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 289,430 طلبا نیز حرفی اسکولوں میں 15,013 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 347,618 طالب علم تھے۔

تاریخ: کولمبس وینی زویلا کے ساحل پر 1498 میں پہنچا اور پھر ہسپانیوں نے یہاں آنا اور خاص طور پر جھیلوں کے اطراف نو آبادیاں قائم کرنی شروع کیں۔ تین سال تک یہ علاقہ ہسپانیہ کی نو آبادی رہا۔ 1811 میں سائمون بولیوار (Simon Bolivar) کی برکردگی میں ہسپانوی حکومت کے خلاف انقلابی تحریک شروع ہوئی ۔ کئی شکستوں اور کامیابیوں کے بعد جون 1821 میں آخر کار ہسپانوی اور شاہ پرست طاقتوں کو شکست ہوئی اور وینی زویلا کولمبیا کے وفاق میں شریک ہو گیا۔ 1830 میں اس نے الگ ہو کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ پوری انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں وینی زویلا کو کئی انقلابوں اور خانہ جنگیوں کا سامنا کرنا پڑا اور یکے بعد دیگرے جمہوریتیں اور ڈکٹیٹر شپ قائم ہوتی رہیں۔اس کے ساتھ پڑوس کے ملکوں سے سرحدوں کے بارے میں بھی مسلسل جھگڑے چلتے رہے۔ اس وقت جمہوری دور ہے اور کارلوس آندریز پیریز (Carlos Andres Perer) 1976 میں صدر رہا ۔

پچھلے برسوں میں بائیں بازو اور خاص طور پر کیمونسٹ تحریک کا اثر برابر بڑھتا رہا ہے۔ چنانچہ جمہوری حکومت پر بھی اس کا اثر پڑا ہے۔ جنوری 1976 میں تیل کی صنعت کو قومی ملکیت بنایا گیا۔ اس سے پہلے کچے لوہے کی کان کنی کو قومی ملکیت بنایا گیا تھا۔ 1975 میں حکومت اس وعدہ پر منتخب ہو کر آئی کہ وہ ملک سے امیر و غریب کی تفریق کو جلد سے جلد کم کرے گی۔ 1992 میں پیریز کی حکومت کے خلاف ایک ناکام بغاوت ہوئی۔

ویئنتیان (Vientiane): لاؤس (Laos) کا انتظامی صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔ صوبہ ویئنتیان کا دارالحکومت ہے۔ دریائے میکانگ (Mekong) کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہاں نام نم (Nam Ngum) ڈیم سے برق آبی قوت حاصل کی جاتی ہے۔ سگریٹ، پلاسٹک کی تھیلیوں اور ربر کی چپلوں کی تیاری کے کارخانے اہمیت رکھتے ہیں۔ بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہے۔ یہاں سے بینگ کاک (Bangkok)، سائیگان (Saigon) اور ہنوئی (Hanoi) کو ہوائی جہاز راست پہنچ جاتے ہیں۔ 1970 میں شہر کی آبادی 150,000 تھی۔ 1971 میں صوبہ ویئنتیان کی آبادی 335,000 تھی۔

ویلینڈ شپ کینال: کینیڈا (شمالی امریکہ) کی گورنمنٹ کے تحت یہ آبی راہ ویلینڈ اور لنکن کے ساحلوں کو جھیل ایری اور جھیل اونٹاریو کے ذریعہ ملاتی ہے۔ اونٹاریو کے جنوب مغرب میں یہ نہر تقریباً 27 میل لمبی ہے۔ اس کے پانی کی سطح چونکہ نیچی ہے اس لیے 8 بندوں کے ذریعہ اس کی سطح بلند کر کے قابل جہاز رانی بنایا گیا ہے۔ اس نہر کی کم سے کم گہرائی 25 فٹ ہے۔ پرانی نہر 25 بندوں پر مشتمل تھی۔ 1932 میں نئی نہر تعمیر کر کے اس نہر کو موجودہ ضروریات کے مطابق بنا لیا گیا ہے۔

وِہسٹن، ولیم (William Whiston): حساب کا یہ پروفیسر 1666 میں پیدا ہوا اور 1753 میں اس نے وفات پائی۔ اس کا خیال تھا کہ زمین ایک دم دار ستارے کے بطور پیدا ہوئی جو سورج کے بے حد قریب آنے کے باعث پگھل کر موجودہ شکل کی بن گئی اور موجودہ پہاڑ، وادیاں اور سمندر وغیرہ ان تبدیلیوں کے باعث وجود میں آئے جو زمین کے دوبارہ سورج سے دور سفر کرنے کے باعث واقع ہوئیں۔ ان سائنسی خیالات کے علاوہ اس کے مذہبی خیالات یہ تھے کہ جنت خط جدی (Capricorn) پر کہیں واقع ہے اور زمین نے عظیم سیلاب کی دی ہوئی سزا کے طور پر گھومنا شروع کیا۔

ورجن جزائر (Virgin Islands): یہ بحیرۂ کیریبین میں تقریباً 100 چھوٹے چھوٹے جزائر کا مجموعہ ہے۔ انھیں کولمبس نے 1493 میں دریافت کیا تھا۔ ان میں سے کچھ برطانیہ کی نو آبادی (کالونی) ہیں اور کچھ امریکہ کی۔ یہ تمام آتش فشانی جزیرے ہیں۔ اکثر سمندری طوفانوں کا شکار رہتے ہیں۔ آبادی زیادہ تر نیگرو نسل کی ہے۔

ورجن جزائر (امریکی): ان جزائر کا کل رقبہ 344 مربع کلو میٹر (206 مربع میل) ہے اور آبادی 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق 101,809 ہے۔ پہلے یہ ڈنمارک کے ویسٹ انڈیز کا حصہ تھے۔ 1917 میں امریکہ نے انھیں ڈھائی کروڑ

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ڈالر میں خرید لیا تھا۔ ویسے تو اس گروپ میں 68 جزیرے ہیں لیکن اصل میں ان میں سے صرف تین بڑے ہیں۔ مویشی پالے جاتے ہیں اور ان کا گوشت ڈبوں میں بند کرنے کی بھی صنعت ہے۔ لیکن اصل صنعت گنے کے رس سے رم (شراب) بنانے کی ہے۔ آب و ہوا خوشگوار اور ماحول نہایت خوشنما ہے۔ اس کی وجہ سے سیاحی کی صنعت تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ یہاں امریکہ کے فوجی اڈے بھی ہیں ایک بہت بڑا قومی پارک بھی ہے جہاں طرح طرح کے درخت اور جانور جمع کیے جاتے ہیں۔

ورجن جزائر (برطانیہ): برطانیہ کے تحت تقریباً 30 جزائر ہیں۔ ان کا رقبہ 153 مربع کلومیٹر (91 مربع میل) ہے اور آبادی 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق 14,800 ہے۔ 1960 تک یہ برطانیہ کی لی ورڈ کالونی کا ایک صوبہ تھے۔ اب ایک علیحدہ کالونی ہیں۔ ایک زمانہ سے یہاں کپاس کی کاشت ہوتی ہے۔ اب تمباکو بھی بویا جا رہا ہے۔ کئی چھوٹی صنعتیں بھی قائم ہیں۔ مویشی بھی پالے جاتے ہیں۔ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ تجارت زیادہ تر امریکہ، برطانیہ اور آس پاس کے جزائر کے ساتھ ہوتی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہ

ہاپکنس، ولیم (William Hopkins): انگریز ماہر طبعیات اور حساب داں جو 1792 میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے علم حساب کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زمین ایک ٹھوس اور استوار (Rigid) شکل ہے اور یہ کہ تمام سطحی اشکال بشمول وادیاں قشری سر بلندی یا سر فرازی (Uplift) کے باعث بنی ہیں۔ اس نے اصطلاح، طبعی ارضیات، (Physical Geology) استعمال کیا۔ ہاپکنس نے 1866 میں انتقال کیا۔

ہاروے: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ہار بنگی: کورگ کے علاقے میں کاویری کی ایک معاون ندی ہے۔

ہار سلی ہلز: مدناپلی سے 12 کلو میٹر دور آندھرا پردیش کے ضلع چتور میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے 1,250 میٹر کی بلندی پر ہے۔ موسم گرما کا اچھا تفریح گاہ ہے۔ اس کے دامن میں جنگلات سے ڈھکی ہوئی خوبصورت وادی ہے۔ ہار سلی ہلز تلاملائی پہاڑی سلسلہ کی کڑی ہے۔

ہالے بیڈ: کرناٹک میں بیلور سے 16 کلو میٹر کے فاصلے پر ہالے بیڈ سلطنت ہوسیل کا پایہ تخت تھا جو دوار سمندر کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مقام جینیوں اور ہندوؤں کے بنائے ہوئے مندروں کے لیے مشہور ہے۔

ہال، جیمس (James Hall): امریکی ماہر ارضیات جس کی پیدائش 1811 میں ہوئی اور 1898 میں وفات پائی۔ وہ کچھ عرصے کے لیے نیویارک کے ریاستی ارضیاتی سروے (Geological Survey of New York State) کا صدر بھی رہا۔ اس نے تقریباً تمام زندگی اس مطالعے میں صرف کر دی کہ پورے ریاست ہائے متحدہ امریکہ (U.S.A.) میں کوئلہ کے طبقوں (Coal Measures) کے نیچے کل کتنے قسم کے رکازات یا باقیات (Fossils) پائے جاتے ہیں۔ اس مطالعے کی روشنی میں اس نے اپے لیشین (Appalachians) کے رسوبی (Sedimentary) ارتقا کا نظریہ بھی پیش کیا۔ اس کے مطابق کوہ سازی (Orogeny) ارضی ہم میلان یا کاس (Geosynclines) کی سرافرازی یا سربلندی (Uplift) کے باعث ہوتی ہے اور یہی نظریہ موجودہ کوہ سازی نظریات کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

ہال، سر جیمس (Sir James Hall): سر جیمس ہال کی پیدائش 1761 میں اسکاٹ لینڈ میں ہوئی۔ اس کو تجرباتی ارضیات (Experimental Geology) کا بانی کہا جاتا ہے۔ ہٹن (Hutton) کا دوست ہونے کی وجہ سے اس نے پہلے شیشے کو گرم اور سرد کیا اور پھر حجرات اور جمادات کو گرم کر کے پگھلایا اور پھر سرد کیا۔ ان تجربات سے ہٹن نے چٹانوں کی پیدائش کے نظریے کو واضح کیا اور ثبوت بہم پہنچائے۔ ہال کا انتقال 1822 میں ہوا۔

ہانگ کانگ (Hong Kong): ایک برطانوی نو آبادی (کالونی) ہے جو چین کے جنوب مشرقی کونے پر واقع ہے۔ اس کا کچھ حصہ جزیرہ ہے باقی حصہ چین کی سرزمین پر مشتمل ہے۔ اس کا رقبہ 1,034 مربع کلو میٹر (399 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے تخمینہ کے مطابق 5,912,000 ہے۔

جزیرہ ہانگ کانگ، جس کا رقبہ 75 مربع کلو میٹر (29 مربع میل) ہے، انگریزوں نے 1842 میں چین سے حاصل کیا تھا۔ 1860 میں ایک اور علاقہ کاولون حاصل کیا اور 1898 میں کاولون سے ملا ہوا اور علاقہ دینے پر چین کو مجبور کیا۔ یہ تینوں علاقے آج برطانیہ کی ہانگ کانگ کی نو آبادی (کالونی) کا جزو ہیں۔ ہانگ کانگ اونچی پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ کئی بندرگاہ ہیں جن میں سے بندرگاہ وکٹوریہ دنیا کے سب سے اچھے بندرگاہوں میں سے ایک ہے۔

چین میں کمیونسٹ راج قائم ہونے کے بعد ہانگ کانگ کا معاشی تعلق چین سے بہت کم ہو گیا اور ہانگ کانگ میں بڑے پیمانے پر صنعتیں قائم ہونے لگیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

یہاں پر سوتی کپڑوں، جہاز سازی، تیل، شکر، الکٹرانکس وغیرہ کی کافی بڑی صنعتیں قائم ہیں، مچھلیاں بھی کافی بڑے پیمانے پر پکڑی جاتی ہیں۔

آبادی کی بڑی اکثریت چینی ہے، لیکن امریکی، انگریز اور ہندوستانی بھی کافی ہیں۔

دوسری عالم گیر جنگ شروع ہونے کے بعد 1941 میں جاپان نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ جاپان کی شکست کے بعد ستمبر 1945 میں برطانیہ نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

ہائتوگراف: یہ ایک مرکب ستونی ڈائگرام ہے جو کسی مقام کی ماہانہ زیادہ سے زیادہ، اوسط اور کم سے کم تکثیف کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ منتخبہ مقام کی مسلمہ اوسط بارش سے معیاری و امکانی انحرافات بھی دکھائے جا سکتے ہیں۔ خمیدہ سائفن کا خودکار مطرپیا بھی اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ہائگراسکوپ: یہ آلہ فضائی رطوبت کے تغیرات کو نمایاں کرتا ہے۔ اس میں ایک تانت لگی رہتی ہے۔ رطوبت کی کمی بیشی کے نتیجہ میں تانت پر بلوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور رطوبت کی تبدیلیوں کی نشان دہی کرتی ہے۔

ہائگروگراف: یہ ایک خودکار رطوبت پیما ہے جس کے ذریعہ رطوبت اضافی کا سلسلہ وار ریکارڈ تیار ہو جاتا ہے۔ اس میں گھومنے والے استوانہ پر ایک چارٹ لگا رہتا ہے۔ خودکار قلم چارٹ پر مسلسل اندراجات کرتا رہتا ہے۔

ہائگروگرام: رطوبت اضافی کا سلسلہ وار ریکارڈ جو بالعموم ایک ہفتہ کا ہوتا ہے، ہائگروگرام کہلاتا ہے۔

ہائی فانگ: یہ ویٹ نام کا اہم شہر اور مشہور بندرگاہ ہے۔ دریائے سرخ (ریڈ ریور) کے شمالی کنارہ پر واقع ہے۔ خلیج ٹانگ کنگ یہاں سے بارہ میل دور ہے۔ اہم تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ حالیہ مردم شماری کے اعتبار سے آبادی 812,000 ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کے ذریعہ اسے ہینوئی، جنوبی چین اور جنوبی ویٹ نام سے جوڑ دیا گیا ہے۔ آزادی کی جد و جہد کے دوران اسے امریکی بم باری سے کافی نقصان پہنچا۔

ہبلی: دھارواڑ ضلع کا اہم شہر ہے جو ریاست کرناٹک میں ہے۔ یہ شہر "اہارنی شنکر" کے مندر کے اطراف بسا ہے۔ یہ تجارتی مرکز بھی ہے۔ یہاں دو سو (200) سے زیادہ چھوٹے پیمانے کی صنعتیں ہیں۔

ہپارکس: یہ قدیم یونانی سائنسداں بطلیموس (تالیمی) کا پیش رو تھا۔ اس نے سب سے پہلے نقشوں کی تیاری کے سلسلہ میں تظلیل کے استعمال کی ضرورت بتائی اور ہندسی طریقہ پر کرۂ ارض کے دوائر عرض البلد و خطوط طول البلد کا جال تیار کرنے کے طریقے سامنے رکھے۔

ہپسوگرافک منحنی: یہ ایک ایسی ترسیم ہے جس میں منتخبہ بلندی (بالعموم سطح سمندر) کی اضافت سے کسی خشکی اور متصلہ تری کے مختلف حصوں کی بلندیاں اور پستیاں اجاگر کی جاتی ہیں۔ محور "لا" سے اونچائیوں اور گہرائیوں اور محور "تا" سے مختلف بلندیوں اور پستیوں کے افقی پھیلاؤ کے علاقے یا جملہ رقبہ کے فیصد ظاہر ہوتے ہیں۔ بحری فرشی نشیب و فراز اس پر خوب نمایاں ہوتے ہیں۔

ہپسومیٹر: اس آلہ کی مدد سے ابلتے ہوئے پانی کا درجہ حرارت نوٹ کر کے بلندی کا حساب لگایا جا سکتا ہے۔ فضائی دباؤ کے اختلافات کے ساتھ پانی کا نقطۂ ابال بھی بدلتا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں تیار کیے ہوئے مخصوص تختوں کی مدد سے بلندیوں کا تعین بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

ہپسومیٹر کا منحنی خط ہپسوگرافک کرد کا دوسرا نام ہے۔

ہٹن، جیمس (James Hutton): ماہر ارضیات جیمس ہٹن اسکاٹ لینڈ میں 1726 میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے موجودہ ارضیات کے کئی بنیادی اصول وضع کئے۔ اپنی زندگی میں وہ زمین کی پیدائش اور ارتقا کے پلوٹانک (Plutonic) نظریے کے لیے مشہور تھا اور جس کے مطابق خشکی والے علاقوں کی سربلندی یا سرفرازی اور بیشتر ارضیاتی عملوں کے لیے حرارت ہی بنیادی عامل (Agent) ہے۔ یہ فلسفہ اس زمانے میں عام طور پر پائے جانے والے نیپچونین (Neptunian) نظریے سے بالکل مختلف تھا جس کے لیے ورنر (Werner) کا نام مشہور ہے۔ اس لیے ہٹن کے نظریات اس زمانے میں اکثر لوگوں کو بکواس لگتے تھے، خاص طور پر اس کے ایسے خیالات جیسے گرینائٹ (Granite) نامی حجر کبھی مائع حالت میں رہا ہوگا وغیرہ۔ اپنے اس نظریے میں جسے وہ زمین کا نظریہ (Theory of the Earth) کہتا تھا، اس نے توڑ پھوڑ (Denudation) اور ذخیرگی کے تمام عملوں کا ذکر کیا اور خیال ظاہر کیا کہ اگر یہ عمل ماضی کے کروڑوں اربوں سال تک چلتے رہے ہوں تو ارضی سطح کی موجودہ شکل وجود میں آ سکی ہوگی۔ اس کے دو قول بے حد مشہور ہیں۔ "حال

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ماضی کی کنجی ہے" اور "ان اعمال کی نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا کی امید" اس کے ان نظریات کی وجہ سے اس پر کفر کے الزامات عائد کیے گئے لیکن پھر بھی اس نے مزید مشاہدات کے ساتھ اپنے نظریے کو دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی لیکن نہ وہ لوگوں کو سمجھا سکا نہ کسی نے اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ یہ کارنامہ 1797 میں اس کی موت کے بعد پلے فیر (Play Fair) نے انجام دیا۔

ہرات: مغربی افغانستان کا یہ شہر اسی نام کی ندی پر ولایت ہرات کا صدر مقام ہے۔ سطح سمندر سے 3,025 فٹ بلند ہے۔ زرخیز زرعی علاقوں کی موجودگی کے باعث اس کی آبادی کافی گھنی ہے۔ سڑکوں کا مرکز ہے۔ صنعتی، معاشی اور تجارتی اہمیت رکھتا ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 103,915 تھی۔ یہاں کی پارچہ بافی اور قالین مشہور ہیں۔ یہ باغوں کا شہر کہلاتا ہے۔

یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ یہاں کئی سو سال قبل مسیح کے دور کی ایک میل لمبی فصیل اب بھی موجود ہے جو اس کے سلطنت ایران میں شامل ہونے اور سکندر اعظم کے حملہ سے پہلے کی ہے۔ چونکہ یہ ایران اور ہندوستان کے درمیان تجارت کے راستہ پر واقع ہے اس لیے ہمیشہ حملہ آوروں کا نشانہ بنتا رہا۔ کچھ عرصہ تک سلطنت غزنی کے تحت رہا۔ ترکوں نے اسے لوٹ کر تباہ کیا۔ غوریوں نے اسے پھر سے آباد کیا، لیکن پھر تیرھویں صدی میں منگول اور پھر 1383 میں تیمور نے تاراج و برباد کیا۔ تیمور کے بعد اس کے جانشینوں، خاص طور پر شاہ رخ، کے زمانہ میں 1506 تک، یہاں بڑی شان و شوکت رہی۔ اس کے بعد ازبکوں، ایرانیوں اور افغانیوں کے درمیان اس کے لیے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر کار وسط اٹھارہویں صدی میں مستقل طور پر افغان اثر میں آگیا۔

ہردوار: اتر پردیش کے شمال میں ایک شہر ہے جہاں دریائے گنگا شمالی پہاڑی علاقوں سے میدانوں میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں سری کرشن جی کے پاؤں کے نقش ہیں۔ ہر سال بے شمار یاتری یہاں آتے ہیں۔ بارہ سال میں ایک مرتبہ کمبھ میلا بیساکھ کے پہلے دن لگتا ہے۔ اب یہاں بجلی کی مشینیں بنانے کا بہت بڑا کارخانہ بھی قائم ہو گیا ہے۔

ہربرٹسن: دیکھیے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ہرمکھ: یہ کشمیر (ہندوستان) کے مشرق میں ایک پہاڑی چوٹی ہے جو سطح سمندر سے 5,150 میٹر بلند ہے۔

ہریانہ: ریاست ہریانہ (ہندوستان) کے شمال میں، ہماچل پردیش، جنوب میں راجستھان، مشرق میں اتر پردیش اور مغرب میں پنجاب واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 44,556 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 میں 16,463,648 تھی۔

اس کے دو طبعی حصے (1) ترائی کا علاقہ اور (2) گنگا اور سندھ کا میدان ہیں۔ میدانی علاقہ زرخیز ہے جہاں گنا، تیل کے بیج، گیہوں اور کپاس بوئی جاتی ہے۔ جنوب مغربی ہریانہ خشک ریتیلا ہے جہاں بڑے تباہ کن قحط آتے ہیں۔ دوسری ریاستوں کے دریاؤں سے نہریں نکال کر ہریانہ کو سیراب کیا جاتا ہے۔

یہاں اونی اور سوتی کپڑے، شکر، کاغذ اور زرعی آلات بنانے کے کارخانے ہیں۔ آزادی کے بعد سے نہ صرف زراعت بلکہ صنعت نے بھی بڑی ترقی کی ہے۔ فرید آباد چھوٹی صنعتوں کا بہت بڑا مرکز بن گیا ہے۔ ہریانہ پہلے پنجاب کا حصہ تھا۔ 1956 میں اس سے الگ ہو کر اس کا ایک الگ صوبہ بنا دیا گیا۔ اس کا صدر مقام چنڈی گڑھ ہے۔

ہڑپا: پاکستان کے علاقہ مغربی پنجاب میں واقع ہے۔ یہ مقام نہایت قدیم تہذیب کی یادگار ہے۔ پچھلے برسوں میں جو کھدائی ہوئی اور آثار ملے ان سے پتہ چلتا ہے کہ 2350-2100 قبل مسیح میں یہاں زبردست تہذیب موجود تھی اور شہر کو منصوبہ کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا۔ طرز تعمیر میں بعض نمونے آج بھی بے نظیر ہیں۔ ہڑپا اور مغربی ایشیا کی قدیم ریاست سمیریا کے درمیان تجارتی ربط و ضبط تھا۔

ہسٹوگرام: یہ ایک ایسی ترسیم ہے جو تعددی تقسیم میں جماعتی یا گروہی تعدد کو عمودی مستطیلوں کی شکل میں پیش کرتی ہے۔ اس میں محور "لا" پر جماعتیں (گروہ)

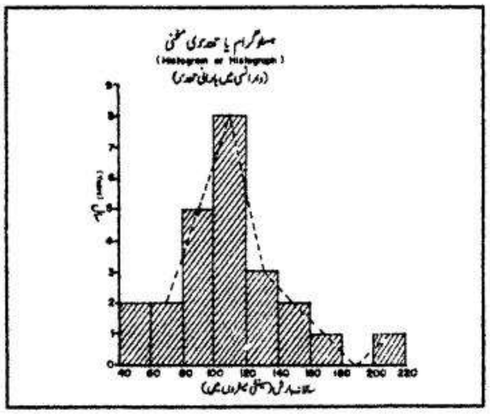

دکھادی جاتی ہیں اور محور "ما" میں تعدد کو درج کر دیا جاتا ہے۔ یہ جماعتوں پر موقوف ہوتے ہیں۔

شکل میں افقی پیمانہ جماعتی وقفہ کو پیش کر رہا ہے۔ ہر جماعت کو دکھانے والا فاصلہ جماعتی وقفہ کی مناسبت سے متعین ہوتا ہے۔ یہ فاصلے جدا جدا مستطیلوں کی چوڑائیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ تمام جماعتی وقفے مساوی ہوں تو سارے مستطیلوں کی چوڑائیاں ایک ہی رہیں گی۔ عمودی پیمانہ میں تعدد کو دکھادیا گیا ہے۔ ہر جماعتی تعدد کو مستطیلوں کی بلندیوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس طرح بنے ہوئے مستطیلوں کا مجموعہ ہسٹوگرام کہلاتا ہے۔ اس کا کل رقبہ ساری جماعتوں کے جملہ تعدد کو ظاہر کرتا ہے۔

ہک، رابرٹ (Robert Hooke): یہ ذہین انگریز سائنسداں 1635 میں پیدا ہوا اور اس کا انتقال 1703 میں ہوا۔ اس کا سب سے اہم ارضیاتی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے "منقش پتھروں" یعنی رکازات یا باقیات (Fossils) کا سمندری ہونا دریافت کیا اور یہ بھی بتایا کہ ان رکازات کی ارضیاتی تاریخ میں کیا اہمیت ہے۔ وہ ان اولین ماہرین میں سے تھا جن کا خیال تھا کہ توڑ پھوڑ یا رکازات اور حمل و نقل سے برآمد شدہ مادوں کی بستگی (Lithification) اور پہاڑوں کی شکل میں سربلندی کے عمل اور زلزلوں نے ارضی سطح کی ماہیت اور صورت کو بہت حد تک متاثر کیا ہوگا۔

ہل شیڈنگ (Hill Shading): طبعی حالات کے اظہار کا یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کے تحت زیادہ ڈھلوان اور سلامی دار بلندیوں کو گہرے سایوں سے اور مقابلتاً کم ڈھال والے حصوں کو ہلکے سایوں سے دکھایا جاتا ہے۔ سایوں کا فرق خطوط کے پاس پاس اور دور دور پھیلاؤ سے یا نقطہ کاری کے ذریعہ نمایاں کیا جاتا ہے۔ گہرے اور ہلکے سائے عمودی سمت سے پہنچنے والی روشنی کی اضافت سے پھیلائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات مبدۂ نور کو نقشہ کشی کے علاقہ کے شمال مغربی گوشہ کے پار تصور کیا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں روشنی طبعی مناظر پر ترچھی پہنچتی ہیں۔ بلندیوں کے شمال مغربی پہلو زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ اس لیے اس رخ کی ڈھلانیں ہلکے سایہ سے اور جنوب مشرق کی ڈھلانیں گہرے سایہ سے دکھائی جاتی ہیں۔ اس قسم کے سایوں سے نہ اضافی ڈھلانوں کا پتہ چلتا ہے نہ بلندیوں کا صحیح نقشہ سامنے ہوتا ہے اور نہ شرح تغیر ڈھلان کا ہی پتہ چلتا ہے، تاہم اسی طریقہ کو چھوٹے پیمانہ کے طبعی نقشوں میں عام ڈھلائی کیفیت کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ہلدی گھاٹی: یہ ہندوستان میں راجستھان کے علاقہ کا ایک درہ ہے جو اودے پور سے شمال مغرب کی جانب گوکندا کے قلعہ سے تقریباً انیس کلومیٹر (بارہ میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں 1567 میں میواڑ کے ایک راجپوت سردار رانا پرتاپ سنگھ نے مغل فوج کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ موخرالذکر کی کمان جے پور کے راجامان سنگھ نے سنبھال رکھی تھی۔ اس معرکہ میں مغلوں کو فتح تو ہوگئی تھی مگر رانا پرتاپ نے مدتوں پہاڑیوں میں مدافعت کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ ایک طویل عرصہ بعد 1614 میں میواڑ پر مغلوں کا اقتدار قائم ہوا۔ ہلدی گھاٹی کے درہ کو گوکندا کا درہ بھی کہا جاتا ہے۔

ہم آہنگ سکونی توازن (Isostatic Equilibrium): زمین کی سطح پر کہیں گہرے سمندر ہیں تو کہیں وسیع میدان اور ان کے برعکس کہیں اونچے فلک نما پہاڑ ہیں۔ ایسا کیوں ہے اور کیسے ہوا؟ اس کے متعلق ہمیشہ سائنسداں اور مفکرین غور کرتے رہے ہیں اور ان کے اپنے اپنے خیالات اور دلائل ہیں۔ سطح زمین کے ان نشیب و فراز کو سمجھانے کے لیے انیسویں صدی کے آخر میں سائنسداں کلیرنس ایڈورڈ ڈٹن نے ایک نظریہ پیش کیا جس کی تائید مارشل الکزنڈر برٹرنڈ نے بھی کی۔ اس خیال کے مطابق زمین کا اوپری طبقہ زمین کے اندرونی رقیق مادہ پر تیر رہا ہے۔ زمین کے مختلف حصوں میں چونکہ مختلف قسم کے حجرات ہیں جن کی کثافت اضافی بھی مختلف ہوتی ہے، لہذا ڈٹن نے اظہار خیال کیا کہ اپنی تہوں کی موٹائی اور مختلف کثافت اضافی کے اعتبار سے زمین کی اوپری تہہ کے مختلف حصے کم و بیش اس رقیق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق شروع شروع میں زمین کی سطح ناہموار تھی۔ تخریب کاری یا فرسودگی کے ذریعہ بعد میں کسی مقام پر کٹاؤ ہوا تو کسی دوسرے مقام پر جماؤ۔ جس جگہ کٹاؤ ہوا وہ علاقہ ہلکا ہو کر اوپر اٹھ گیا اور جہاں جہاں جماؤ ہوا وہاں وزن بڑھ جانے کی وجہ سے وہ علاقہ نیچا ہو گیا۔ اس اصول کو ہم آہنگ سکونی توازن کہتے ہیں۔ اس طرح کوہستانی مادہ کی کشش ارضی زیر سمندر نسبتاً بھاری مادہ کی موجودگی کی وجہ سے وہاں کی کشش ارضی کے برابر ہو جاتی ہے۔ زمین کی اوپری تہہ کی موٹائی اور جس گہرائی کے نیچے رقیق مادہ موجود ہے اس کا اندازہ 55 کلومیٹر سے 120 کلومیٹر کے درمیان لگایا گیا ہے۔ اس تھیوری پر بعد میں بہت سے اعتراضات ہوئے اور اب اس کو صرف ایک حد تک درست مانا جاتا ہے۔

ہم ترتیب (Nomotaxial): وہ پرتیں یا طبقات جو ایک ہی معین عمر یا زمانہ کے نہ ہوں مگر ایک ہی رکازی اجتماع کے حامل ضرور ہوں جس کے باعث ان

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سارے طبقوں یا پرتوں کو یکساں ترتیب کے باعث ہم عمر سمجھا جاتا ہے۔ پروفیسر ہکسلے نے یہ اصطلاح وضع کی تھی۔

ہم سکونی دباؤ: یہ قشر ارض کے مختلف حصوں کے درمیان کی توازنی کیفیت ہے۔ قشر میں عمودی حرکات اور اس سے نیچے کے پرت میں افقی حرکات کے باعث باہمی توازن برقرار رہتا ہے۔ مثال کے طور پر عمل تخریب کے نتیجہ میں سطح زمین کا بہت سا چٹانی مادّہ نقل مقام کر کے سمندر میں پہنچ جائے تو براعظمی کمیت (مقدار مادہ) میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً وزن کم ہو جانے کے باعث براعظمی سطح میں اضافی ابھار پیدا ہو جاتا ہے۔ وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ قشر ارض کے زمینی علاقے زیریں پرت پر تیرتے رہتے ہیں اور ہلکے یا بھاری ہو جانے پر ابھرتے دبتے رہتے ہیں۔ اس توازنی کیفیت میں قشر ارض کے مساوی رقبوں کے نیچے چٹانوں کی مساوی مقداریں موجود ہوتی ہیں۔

ہم مرکز ساخت (Corona Structure): ایک یا ایک سے زیادہ جماد رجمادات کسی جمادی قلم یا دانے کے چاروں طرف قلمانے سے بننے والی ساخت کو ہم مرکز ساخت کہتے ہیں۔ احاطہ کرنے والے ثانوی (Secondary) جماد، "بوون" (Boven) کے تعاملی سلسلہ (Reaction Series) کے مطابق تعامل سے بنتا ہے۔

ہم میلان فولڈ: ہم میلان فولڈ بھی اپنی مثالی شکل میں ایک قسم کا متناسب فولڈ ہے جس میں فولڈ کے دونوں بازو، فولڈ کے محور کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ جبکہ ضد میلان فولڈ میں دونوں بازو، فولڈ کے محور سے دور ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم میلان فولڈ کو ضد میلان فولڈ کا جوابی عکس سمجھا جاتا ہے۔

ہم میلان فولڈ دیکھنے میں طشتری نما ہوتے ہیں۔ جس میں حجرات کی پرتیں ضد میلان فولڈ کے برعکس مختلف ترتیب سے جمع ہوتی ہیں۔ ضد میلان فولڈ کو انگریزی میں سنکلائین (Syncline) کہتے ہیں۔ ضد میلان فولڈ کچھ سینٹی میٹر سے کئی سو بلکہ کئی ہزار مربع کلومیٹر کے رقبہ پر بھی محیط ہوتے ہیں۔ آخرالذکر کو ارضی ہم میلان کہا جاتا ہے۔ ارضی ہم میلان کی کوہ سازی اور براعظم سازی میں بڑی اہمیت ہے۔

کوہ سازی کے نتیجے میں تشکیل پانے والے حجرات میں زبردست ارضی دباؤ کے اخراج کی وجہ سے حجرات میں فولڈوں کا ایک ایسا تسلسل پیدا ہوتا ہے جن میں ہم میلان اور ضد میلان فولڈ مسلسل ایک زنجیر کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان فولڈوں کے مشاہدوں کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ حجرات موسمی فرسودگی سے کس حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ کم متاثر ہونے پر فولڈوں کا مشاہدہ زیادہ آسان ہوتا ہے جبکہ قدیم حجرات میں ان ساختوں کا مشاہدہ اور مطالعہ بہت مشکل امر ہے۔

ہماچل پردیش: ہندوستان کی یہ شمال مغربی ریاست سطح سمندر سے 460 سے 6,400 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں جموں اور کشمیر، مغرب اور جنوب مغرب میں پنجاب، جنوب میں ہریانہ، جنوب مشرق میں اترپردیش اور مشرق میں تبت واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 55,673 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی 1991 میں 5,170,877 تھی۔

اس کا شمالی حصہ شدید سرد اور جنوبی حصہ گرم ہے۔ اوسط سالانہ بارش 143 سنٹی میٹر ہے۔ اسے دریائے راوی، بیاس، ستلج اور جمنا سیراب کرتے ہیں۔ یہاں کی اہم پیداوار مختلف اقسام کے پھل ہیں۔

پشم کی شالیں، اون کی بنی ہوئی اشیا اور چمڑے کا سامان مشہور دستکاریاں ہیں۔ شملہ یہاں کا صدر مقام اور مشہور صحت بخش پہاڑی مقام ہے جو دہلی سے بذریعہ ریل اور سڑک ملا ہوا ہے۔ شملہ کی آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 110,360 ہے۔ یہ شہر خوبصورت قدرتی مناظر کے لیے مشہور ہے۔

ہماچل پردیش کا علاقہ پہلے صوبہ پنجاب کا حصہ تھا۔ 1956 میں اس سے الگ کر کے ایک علیحدہ ریاست (صوبہ) بنادی گئی۔

ہمبولٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ہمفرے گلبرٹ: دیکھئے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ہمکنڈ: یہ ہندوستان میں گڑھوال ڈویژن کی ایک جھیل ہے جو کافی بلندی پر واقع ہے۔

ہنٹر: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ہندوستان (India): آبادی کے لحاظ سے ہندوستان چین کے بعد دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کی آبادی 1991 کی مردم شماری کے مطابق 849,638,861 ہے جو 1999 کے اعداد و شمار کے مطابق ایک سو کروڑ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے دنیا میں اس کا مقام ساتواں ہے جو 3,287,590

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

مربع کلو میٹر ہے۔اس کی ریاستوں میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑی ریاست اتر پردیش ہے۔رقبہ میں سب سے بڑی ریاست مدھیہ پردیش ہے۔

ہندوستان کے شمال میں ہمالیہ اور کئی دوسرے چھوٹے چھوٹے پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ چین، نیپال اور بھوٹان بھی اس کی شمالی سرحد پر واقع ہیں۔ مشرق میں میانمار اور بنگلہ دیش واقع ہیں۔ شمال مغرب میں افغانستان اور پاکستان ہیں۔باقی علاقہ مشرق میں خلیج بنگال، مغرب میں بحیرۂ عرب اور جنوب میں بحر ہند سے گھرا ہوا ہے۔ جنوبی سرے سے کچھ دور شری لنکا کا ملک، جو ایک جزیرہ ہے، واقع ہے۔

جغرافیائی طور پر ہندوستان کو چار نہایت واضح علاقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک تو شمال کا وسیع پہاڑی علاقہ، دوسرا دریائے سندھ-گنگا کا میدانی علاقہ، تیسرا ریگستانی علاقہ اور چوتھا جنوب کا جزیرہ نمائی علاقہ۔ ہمالیہ کے تین متوازی سلسلے چلے گئے ہیں جن کے بیچ میں نہایت حسین اور زرخیز وادیاں واقع ہیں مثلاً کشمیر، کولو، وغیرہ۔ یہ پہاڑی سلسلہ 2,400 کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں ہندوستان اور میانمار اور ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان پہاڑ اتنے بلند نہیں ہیں۔ان میں گارو، کھاسی، جینتیہ، ناگا اور لوشائی نیز اراکان وغیرہ مشہور ہیں۔

دریائے سندھ۔گنگا کا میدان (Indo Gangetic Plains) 2,400 کلو میٹر لمبا اور تقریباً 240 سے 320 کلو میٹر چوڑا ہے۔ یہ تین دریاؤں یعنی سندھ، گنگا اور برہم پتر کے تاسوں پر پھیلا ہوا ہے۔یہ دنیا کا، اس طرح کا سب سے بڑا علاقہ ہے اور یہاں کی فی مربع کلو میٹر آبادی بھی دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔دہلی کے قریب دریائے جمنا سے لے کر خلیج بنگال تک وسیع علاقے میں ایک ٹیلہ تک نہیں ہے اور علاقہ بالکل مسطح اور زرخیز میدان ہے۔

ریگستانی علاقہ دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ایک بڑا علاقہ کچھ سے شروع ہو کر شمال تک پھیلا ہوا ہے۔راجستھان اور سندھ کا سرحدی علاقہ اس میں آتا ہے اور دوسرا چھوٹا علاقہ دریائے لونی سے شروع ہو کر جیسلمیر اور جودھ پور کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ان علاقوں کے درمیان وسیع غیر زرخیز پتھریلا علاقہ ہے۔

جزیرہ نمائی علاقہ گنگا کے میدانی علاقے سے شروع ہوتا ہے اور جنوب کی طرف چلا جاتا ہے۔یہ علاقہ بڑے اور چھوٹے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ان میں اراولی، وندھیا، ست پڑا، اجنتا وغیرہ مشہور ہیں۔اس کے علاوہ مغرب میں ساحل سے قریب مغربی گھاٹ کا سلسلہ اور مشرق میں مشرقی گھاٹ کا سلسلہ، جنوب کی طرف چلا گیا ہے۔بحیرۂ عرب اور مغربی گھاٹ کے بیچ میں میدانی علاقہ کی پتلی سی پٹی چلی گئی ہے لیکن مشرقی گھاٹ اور خلیج بنگال کے درمیان کا میدانی علاقہ کسی قدر چوڑا ہے۔ انتہائی جنوب میں مغربی گھاٹ اور مشرقی گھاٹ کے سلسلے آملتے ہیں اور ایک سطح مرتفع بن جاتا ہے جو نیلگری کہلاتا ہے۔

شمال کا ہمالیائی علاقہ ایک زمانے میں سمندر کے اندر تھا اور اس علاقے میں اس کے بے شمار آثار ملتے ہیں۔سندھ-گنگا کے علاقہ میں لاکھوں برس سے دریا پہاڑوں سے مٹی لاکر پھیلا رہے ہیں۔ بعض جگہ یہ چھ ہزار میٹر کی موٹائی تک پہنچ گئی ہے۔جنوب کے علاقہ کے پہاڑ انتہائی قدیم ہیں۔یہ علاقہ زلزلوں سے ہمیشہ پاک رہا ہے۔

ہندوستان کے دریا بھی چار واضح قسموں میں بانٹے جاسکتے ہیں۔ایک ہمالیائی دریا، دوسرے دکن کے دریا، تیسرے ساحلی دریا اور چوتھے درمیانی علاقہ کے دریا۔ہمالیہ سے نکلنے والے دریاؤں میں سال بھر پانی رہتا ہے اس لیے کہ برف پگھل کر آتی رہتی ہے۔بارش کے زمانے میں چونکہ ہمالیہ کے اطراف خوب بارش ہوتی ہے اس لیے اکثر ان دریاؤں میں طغیانی آتی ہے۔دکن کے دریاؤں کے پانی کا انحصار بھی بارش پر ہوتا ہے۔یہی حال ساحلی دریاؤں کا ہے۔

ملک کے رقبہ کا تقریباً ایک چوتھائی گنگا کے تاس میں واقع ہے۔یہ علاقہ ہمالیہ اور جنوب میں وندھیا کے درمیان واقع ہے۔ اس علاقے سے نہ صرف دریائے گنگا گزرتی ہے بلکہ اس کی معاون جمنا، گھاگھرا، گنڈک اور کوسی بھی گزرتی ہیں۔اس کے علاوہ جنوب سے چنبل، بیتوا اور سون بھی آکر دریائے جمنا سے ملتے ہیں۔دوسرا سب سے بڑا تاس کا علاقہ گوداوری کا ہے۔ یہ ملک کے رقبے کا دس فیصدی ہے۔اس کے بعد اس علاقے میں دوسرے نمبر پر دریائے کرشنا کے تاس کا علاقہ ہے اور تیسرے نمبر پر چاندی کا علاقہ ہے۔اس کے علاوہ اس کے شمالی حصہ میں نرمدا کا تاس اور جنوب میں کاویری کا تاس ہے۔

موسم: ہندوستان میں نیم ٹراپکی اور حارّی (خطِ استوائی) موسم پایا جاتا ہے۔عام طور پر چار موسم ہوتے ہیں۔موسم سرما (دسمبر تا فروری)، موسم گرما (مارچ تا مئی)، بارش کا موسم (جون تا ستمبر) اور بارش کے بعد کا موسم (اکتوبر تا دسمبر)۔

ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے اس لیے بارش ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی۔اور ہر سال بھی یہ یکساں نہیں رہتی۔اس کے باوجود بارش کے لحاظ سے بھی ملک کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) آسام اور اس کے اطراف کا علاقہ۔(2) مغربی گھاٹ اور اس سے

ملا ہوا ساحلی علاقہ۔ (3) ہمالیہ کے کچھ حصے، زیادہ بارش والے علاقے ہیں جہاں سالانہ بارش کا اوسط 200 سینٹی میٹر سے زیادہ ہے اور آسام کے بعض علاقوں میں تو ملک کی سب سے زیادہ بارش ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں۔ (4) راجستھان، کچھ، اور لداخ اور کشمیر کے علاقوں میں سب سے کم بارش ہوتی ہے۔ سالانہ اوسط 10 سے 50 سینٹی میٹر تک رہتا ہے۔ ان کے بیچ میں دو علاقے ایسے ہیں جہاں معمولی بارش ہوتی ہے، نہ کم نہ زیادہ۔ ان میں ایک علاقہ مشرق سے شروع ہو کر شمال کے میدانی علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں 100 سے 200 سینٹی میٹر تک بارش ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب سے وندھیاچل تک کے میدانی علاقے اور دکن کا مغربی علاقہ اور آندھرا نیز کرناٹک میں بارش کا سالانہ اوسط 50 سے 100 سینٹی میٹر ہے۔

ملک کے اکثر حصوں میں بارش جون سے ستمبر تک ہوتی ہے لیکن تامل ناڈو میں بارش اکتوبر سے دسمبر تک ہوتی ہے۔

ہندوستان میں طرح طرح کے جغرافیائی حالات اور موسم ملتے ہیں اور اس لیے جانور بھی بکثرت اور قسم قسم کے پائے جاتے ہیں۔ ان میں دودھ پلانے والے جانور 500 اقسام کے ہیں۔ پرندے 2,100 اقسام کے ہیں۔ کیڑے مکوڑے 30,000 اقسام کے ہیں اور ان کے علاوہ سیکڑوں اقسام کی مچھلیاں، سانپ اور اسی قسم کے دوسرے رینگنے والے جانور ملتے ہیں۔

جانوروں میں سور، گینڈے، نیل گائے، طرح طرح کے ہرن، بارہ سنگھے، ہاتھی، شیر ببر وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ پرندوں میں مور، کبوتر، بیّا، طوطے، مینا اور بے شمار دوسری قسمیں ملتی ہیں۔ دریاؤں میں مگرمچھ، گھڑیال وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

ان جانوروں اور پرندوں وغیرہ کی بہت سی نسلیں ختم ہو رہی ہیں اور انھیں بچانے کے لیے ملک بھر میں 135 محفوظ علاقے قائم کیے گئے ہیں جہاں ہر قسم کے جانوروں کا شکار منع ہے۔ اس کے علاوہ 24 حیوانی پارک (Zoological Parks) قائم ہیں جہاں نہ صرف تفریح کا سامان مہیا کیا جاتا ہے بلکہ نایاب جانوروں کو قدرتی ماحول میں رکھ کر افزائش نسل بھی کی جاتی ہے۔

مویشیوں کی طرح ہندوستان میں بے شمار اقسام کے درخت اور پودے ملتے ہیں۔

آبادی: یہاں آخری بار مردم شماری 1991 میں ہوئی ہے۔ 1881 سے ہر دسویں سال باقاعدہ مردم شماری کرائی جاتی ہے جس کے لحاظ سے ہندوستان کی آبادی 849,638,000 تھی۔ 1961 کے مقابلے میں 1971 میں آبادی میں 24.8 فیصدی اضافہ ہوا تھا۔ اسی طرح آبادی 1971 سے 1981 اور 1981 سے 1991 تک برابر بڑھتی رہی ہے۔

1991 کی مردم شماری کے مطابق ملک کی آبادی کا 82.00 فیصدی ہندو مذہب، 12.12 فیصدی اسلام، 2.34 فیصدی عیسائیت، 1.94 فیصدی سکھ مذہب کے اور باقی دوسرے مذاہب کے ماننے والے ہیں۔

سماجی ترقی: آزادی کے بعد سے تعلیم نے کافی ترقی کی ہے لیکن اس کے باوجود ابھی بھی بے پڑھے لکھوں کی تعداد کافی ہے۔ چھ سال سے گیارہ سال کی عمر کے بچوں کی 87 فیصدی تعداد اب اسکولوں میں ہے جبکہ پندرہ سال پہلے یہ تعداد صرف 33 فیصدی تھی۔ 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق 15 لاکھ بچے نرسری کلاسوں میں تھے۔ ابتدائی اسکولوں میں 1,636,898 استاد 99,118,320 طلبا کو تعلیم دے رہے تھے۔

1985 میں ثانوی اسکولوں میں طلبا کی تعداد 44,484,544 تھی اور حرفی اداروں میں 677,164 طلبا تھے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں کی تعداد 4470,844 تھی۔

ہندوستان ایروناٹک فیکٹری: ہوائی جہاز بنانے کا کارخانہ جو 1961 میں حکومت ہند نے قائم کیا، اس پر محکمہ دفاع کی نگرانی ہے۔ اس کارخانے کے چار شعبے چار مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انجن ناسک میں بنائے جاتے ہیں۔ الکٹرانک حصے حیدر آباد میں اور دوسرے حصے کوراپٹ اور بنگلور میں۔

ہندوستان کا برصغیر (ذیلی براعظم): یہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں کے پھیلاؤ کے باعث شمالی ایشیا کے ایک وسیع علاقہ سے الگ ہو گیا ہے۔

ہندوستان کی شاہراہیں: ہندوستان کی 4 قومی شاہراہیں حسب ذیل ہیں جن کی مجموعی لمبائی 22,400 کلو میٹر (14 ہزار میل) ہے۔

(1) کلکتہ تا امرتسر۔ (2) ممبئی تا دہلی۔ (3) دہلی تا کنیا کماری۔ (4) کلکتہ تا ممبئی۔

ہندوستان کی ریلیں: ہندوستان کی معیشت میں ریلوے کا بہت ہی اہم حصہ رہا ہے۔ ہندوستان کے ریلوے نظام پر ہی ملک کی معیشت کی ترقی اور کارکردگی نیز طریقۂ عمل کا دار و مدار ہے۔ ہندوستان کا ریلوے نظام ایشیا کا سب سے بڑا ریلوے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

نظام اور دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملکی ریلوے کا نظام ہے۔ انڈین ریلوے میں تقریباً ایک ملین آدمی کام کرتے ہیں۔ ابتدا میں ریلوے کا کام صرف فوجی مقاصد کی تکمیل تھی۔ لیکن موجودہ دور میں ملک کی تیز رفتار صنعتی ترقی کا سبب دراصل ریلوے کی کارکردگی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف زرعی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے بلکہ نئی نئی صنعتوں کے قیام میں بھی اس سے بڑی مدد ملی ہے۔ معدنی صنعت، بالخصوص کوئلہ کی صنعت پر ریلوے کا بڑا احسان ہے۔

انڈین ریلوے کی مدد سے ملک کے 80 فی صدی سے زیادہ مال کی تجارت اور 70 فی صدی سے زیادہ مسافر سفر کرتے ہیں۔ گنگا کے طاس کے عظیم میدان ہونے اور اس کی گنجان آبادی اور موزوں طبعی نیز جغرافیائی حالات کی وجہ سے وہاں ریلوے لائنوں کا ایک بڑا جال بچھا دیا گیا ہے۔ البتہ ملک کے پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں اور بڑے بڑے دریاؤں پر جہاں پلوں کی تعمیر مشکل ہے ریلوے لائنوں کے ڈالنے میں بڑی دقتیں پیش آئی ہیں۔

ہندوستان کی ریلوے لائنیں تین گجوں (Gauges) پر کاربند ہیں۔ یہ "5'-6، "3'-3/8 اور "2'-6 ہیں۔ 1975 میں ملک میں 60,237 کلو میٹر لمبی ریلوے لائنیں تھیں۔

ہندوستان کی موجودہ ریلوے لائنوں کو منطقوں (Zone) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(1) شمالی ریلوے۔
(2) شمال مشرقی ریلوے۔
(3) شمال مشرقی سرحدی ریلوے
(4) مشرقی ریلوے۔
(5) جنوب مشرقی ریلوے۔
(6) مغربی ریلوے۔
(7) وسطی ریلوے۔
(8) جنوبی ریلوے
(9) جنوب وسطی ریلوے۔

منطقوں کے نظام (Zone System) کے انعقاد سے قبل ہندوستان میں 38 ریلوے نظام تھے، لیکن موجودہ منطقوں کے نظام (Zone System) کے سبب ملک کی معیشت اور نظم و نسق کی کارکردگی پر اچھا اثر پڑا ہے۔ ریلوے اور پبلک میں ہمیشہ ایک دوسرے سے مشورہ ہوتا رہتا ہے اور دونوں کے درمیان کافی تعاون عمل ہے۔

(1) شمالی ریلوے (The Northern Railway): شمالی ریلوے کی لمبائی 10,688 کلو میٹر ہے۔ اس سے پنجاب، ہریانہ، دہلی، شمالی اور مشرقی راجستھان اور اترپردیش کے علاقے استفادہ کرتے ہیں۔ اس ریلوے لائن کی جملہ لمبائی میں براڈ گیج (Broad Gauge) 6,881 کلو میٹر، میٹر گیج (Metre Gauge) 3,322 میٹر اور نیرو گیج (Narrow Gauge) 260 کلو میٹر ہے۔ شمالی ریلوے کا صدر مستقر دہلی ہے۔

براڈ گیج کی خاص لائنیں حسب ذیل ہیں:

(i) امرتسر۔مغل سرائے جو جالندھر، انبالہ، سہارن پور، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ اور وارانسی سے گزرتی ہے۔ اس لائن سے مسافروں کی بڑی تعداد سفر کرتی ہے۔

(ii) دہلی۔فیروز پور۔ براہ (Via) بھٹنڈہ۔ اس کا فاصلہ 360 کلو میٹر ہے۔

(iii) دہلی۔ کالکا جو انبالہ (Ambala) سے گزرتی ہے۔ کالکا سے ایک نیرو گیج (Narrow Gauge) شملہ کو جاتی ہے۔

(iv) دہلی۔ مغل سرائے جو علی گڑھ، کانپور، الہ آباد اور مرزاپور سے گزرتی ہے۔ اس لائن کی لمبائی 650 کلو میٹر ہے۔

میٹر گیج (Meter Gauge) دہلی کو بیکانیر، جودھ پور، انوپ گڑھ اور پوکرن سے ملاتی ہے۔

(2) شمال مشرقی ریلوے (The North Eastern Railway): شمال مشرقی ریلوے کی لمبائی 4,977 کلو میٹر ہے جو اترپردیش کے شمالی حصے اور شمالی بہار سے گزرتی ہے۔ اس ریلوے کا صدر مستقر گورکھپور ہے۔ اس ریلوے لائن کی مدد سے اترپردیش کے زرعی خطے کی ترقی میں بڑی مدد ملی ہے۔ اور اس کے ذریعہ شکر، تمباکو، چائے اور چاول کی بڑی بڑی مقداروں کی حمل و نقل میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

شمال مشرقی ریلوے کی خاص ریلوے لائنیں حسب ذیل ہیں:

آگرہ، کانپور، لکھنؤ سے کٹی ہار (Katihar) براہ (Via) گورکھپور، چھپرا (Chapra) اور مظفر پور۔ آگرہ سے کٹی ہار تک اس ریلوے لائن کی لمبائی 1,500 کلو میٹر ہے۔ 1950 میں ایک نئی ریلوے لائن کٹی ہار اور سلی گڑی کو ملانے کے لیے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

بنائی گئی ہے۔ آسام سے ایک لائن فقیر آگرام (Fakiragram) تک بچھائی گئی ہے۔

اس ریلوے لائن کی کئی شاخیں (Branch Lines) ہیں:۔ (i) لکھنؤ- بریلی لائن۔ (ii) بھٹنی- الہ آباد لائن۔ (iii) چھپرا (Chapra)- سوارانسی لائن۔

(3) شمال مشرقی سرحدی ریلوے (The North East Frontier Railway)۔ اس کا صدر مستقر پانڈو (Pandu) میں ہے۔ اس منطقہ کا افتتاح 1958 میں ہوا تھا۔ اس کی جملہ لمبائی 3,620 کلو میٹر ہے۔

شمال مشرقی سرحدی علاقے کی ریلوے کی خاص لائنیں درج ذیل ہیں۔

(i) کٹی ہار۔ سلی گڑی (Siliguri) علی پور دوار کے راستے منی ہاری گھاٹ تا میس گاؤں۔ اس کا فاصلہ 409 کلو میٹر ہے۔

(ii) پانڈو۔ گوہاٹی۔ تن سوکھیا۔

(iii) شاخ (برانچ) لائنیں (Branch Lines) جیسے لیدو۔ ڈبروگڈھ اور کٹی ہار- جوگ بانی وغیرہ ہیں۔

(4) مشرقی ریلوے (The Eastern Railway): اس کی لمبائی 4,225 کلو میٹر ہے۔ اس سے مشرقی گنگا کے خطہ کو، جو مغل سرائے اور ہگلی کے درمیان واقع ہے، مختلف طرح کی اشیا بڑی مقدار میں بھیجی جاتی ہیں۔ مسافروں (Passengers) کی بڑی تعداد اس لائن کو استعمال کرتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئلہ، خام لوہا، مینگنیز، پٹ سن، ابرق اور دوسری پیداوار بھی اس لائن سے منتقل کی جاتی ہے۔ اس راستے کے ذریعہ بڑے پیمانے پر مال اور مسافروں کی تعداد سفر کرتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کلکتہ، درگاپور اور سندری کے صنعتی علاقے اسی لائن پر واقع ہیں۔ کلکتہ کا بندرگاہ برآمد اور درآمد دونوں کے لیے اہم ہے۔

اس کی خاص لائنیں یہ ہیں۔

(i) ہوڑا، مغل سرائے، گیا (Gaya) اور ڈیہری (Dehri) کے راستے جو دریائے سون پر واقع ہے۔

(ii) ہوڑا، مغل سرائے (پٹنہ کے راستے)- اس کا فاصلہ 625 کلو میٹر ہے۔ یہ دونوں لائنیں دہلی، سہارن پور، گویا شمالی ریلوے لائن تک چلی گئی ہیں۔

(iii) ہوڑا، کوئل (Howrah-Kuil) براہ برہروا (Barharwa)، صاحب گنج، بھاگلپور اور جمال پور (Jamal Pur)۔ اس کا فاصلہ 370 کلو میٹر ہے۔

(5) جنوب مشرقی ریلوے (The South Eastern Railway): اس کی لمبائی 6,926 کلو میٹر ہے۔ اس سے جنوب مغربی بنگال، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے معدنی علاقے استفادہ کرتے ہیں۔ اس کا صدر مستقر کلکتہ ہے۔ اس میں 6,522 کلو میٹر براڈ گیج لائنیں اور 1,405 کلو میٹر میٹر گیج لائنیں ہیں۔ اس کی خاص لائنیں حسب ذیل ہیں۔

(i) ہوڑا، ناگپور براہ کھڑک پور، جمشید پور، بلاس پور اور رائے پور۔ اس کا فاصلہ 1,003 کلو میٹر ہے۔

ناگپور لائن ایک بڑے معدنی علاقے سے گزرتی ہے۔ جس سے مینگنیز کوئلہ، خام لوہا وغیرہ منتقل کیے جاتے ہیں۔ جمشید پور، جو لوہے اور فولاد کی صنعت کا مرکز ہے، اس لائن پر واقع ہے۔ یہاں کئی چھوٹی لائنیں بھی بنائی گئی ہیں جن سے جمشید پور کو بوناٹی، کیونجھار (Keonjhar) اور سنگھوم کی کانوں سے ملا دیا گیا ہے۔

(ii) ہوڑا، والٹیر براہ (Via) بالاسور (Balasore)، کٹک، برہام پور، وجیانگرم۔ فاصلہ 790 کلو میٹر۔ یہ لائنیں چینئی (مدراس) تک چلی گئی ہیں۔

ایک اور اہم لائن ہے جو ہوڑا- ناگپور لائن پر رائے پور اور والٹیر کو ملا دیتی ہے۔ مدھیہ پردیش اور اڑیسہ کا مال، جو برآمد کے لیے ہوتا ہے، والٹیر سے ہی گزرتا ہے۔ یہ ریلوے جو پہلے بنگال- ناگپور کہلاتی تھی، اب اس سے 20 ملین مسافر سفر کرتے ہیں اور 18 ملین ٹن مال بھیجا جاتا ہے۔ ڈیزل والے انجنوں (Diesel motive power) کی گاڑیوں سے بھی مال آسنسول- جھرسوگوڑ (Asansol- Jhorsugaud) کے علاقوں کو روانہ کیا جاتا ہے۔

(6) مغربی ریلوے (The Western Railway): مغربی ریلوے کی 10,150 کلو میٹر سے زیادہ لمبی ریلوے لائنیں ہیں جو مہاراشٹرا، گجرات، راجستھان اور مدھیہ پردیش کے لیے بنائی گئی ہیں۔ یہ لائنیں ممبئی کے عظیم صنعتی علاقوں کے علاوہ احمد آباد اور وڈودرا (Vadodra) کی روئی کی بھاری مقداروں کو مختلف صنعتی علاقوں کو بھیجنے میں کارآمد ثابت ہوئی ہیں۔ ان لائنوں کے ذریعہ 12 ملین ٹن مال اور 9 ملین مسافر استفادہ کرتے ہیں۔ اس کا صدر مستقر ممبئی میں ہے۔

براڈ گیج (Broad Gauge) کی خاص لائنیں مندرجہ ذیل ہیں جن کی لمبائی 2,636 کلو میٹر ہے۔

(i) ممبئی- دہلی براہ (Via) سورت، وڈودرا، رتلام، ناگوڑ، کوٹہ، بھرت پور اور متھرا۔ اس کا فاصلہ 1,300 کلو میٹر ہے۔ اس کے ذریعہ بیانا (Bayana) کو آگرہ اور کانپور سے ملادیا گیا ہے۔

(ii) ممبئی- احمد آباد براہ (Via) سورت اور وڈودرا۔ فاصلہ 450

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

کلو میٹر۔ سورت کو بھساول سے اور بھساول کو ناگپور سے ملادیا گیا ہے۔

میٹر گیج کی خاص لائنیں یہ ہیں۔

(I) احمد آباد-دہلی براہ (Via) آبو روڈ، اجمیر، جے پور اور الور۔ فاصلہ 800 کلو میٹر۔ اجمیر کو کھنڈوا سے ملادیا گیا ہے۔

(ii) پوربندر- ڈھولا (Porbandar-Dhola) راج کوٹ ویراول، کانڈلا، بھج، سریندر نگر، اوکھا۔

(7) وسطی ریلوے (The Central Railway): اس کی کل لمبائی 8,755 کلو میٹر ہے، جس سے مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش اور تامل ناڈو کو فائدہ پہنچتا ہے۔ وسطی ریلوے کا صدر مستقر بھی ممبئی میں ہے۔ براڈ گیج کی لمبائی 6,042 کلو میٹر۔ میٹر گیج 1,546 کلو میٹر اور نیرو گیج (Narrow Gauge) کی لمبائی 1,167 کلو میٹر ہے۔

خاص لائنیں حسب ذیل ہیں:

(i) ممبئی-دہلی (Via) بھساول، کھنڈوا، اٹارسی، بھوپال، جھانسی، آگرہ، متھرا۔ لمبائی 1,400 کلو میٹر۔ اٹارسی کو ناگپور اور الہ آباد سے ملادیا گیا ہے۔

(ii) ممبئی- رائچور، براہ (Via) پونے (Pune) اور واڈیا (Wadia)، لمبائی 650 کلو میٹر۔ یہ لائن بنگلور تک چلی گئی ہے۔

(iii) دہلی- وجے واڑہ، براہ اٹارسی، ناگپور، واردھا اور قاضی پیٹ۔ یہ لائن چنئی (مدراس) تک چلی گئی ہے۔ قاضی پیٹ اور حیدر آباد اس لائن کی وجہ سے مل گئے ہیں۔

اس لائن سے مدھیہ پردیش کی روئی اور مینگنیز اور بھوپال کی عمارتی لکڑی بھیجی جاتی ہے۔ اس سے سالانہ 50 ملین مسافر سفر کرتے ہیں اور 11 ملین ٹن مال بھیجا جاتا ہے۔

تقریباً 300 کلو میٹر ریلوے لائن کو دہلی اور آگرہ، کٹنی اور جبل پور اور جبل پور اور اٹارسی کے درمیان دوہرا (Double) کر دیا گیا ہے۔ ایگت پوری (Igatpuri) اور بھساول کے درمیان برقی ریلیں چلتی ہیں۔

(8) جنوبی ریلوے (The Southern Railway): جنوبی ریلوے کی تشکیل میسور ریلوے، مدراس اور جنوبی مرہٹہ ریلوے اور ساؤتھ انڈین ریلوے کے انضمام سے ہوئی ہے۔ اس کی جملہ لمبائی 10,064 کلو میٹر ہے اس ریلوے نظام میں 6,759 کلو میٹر میٹر گیج اور 3,305 کلو میٹر براڈ گیج کی لائنیں ہیں۔ اس سے تامل ناڈو، کرناٹک، کیرالا اور جنوبی مہاراشٹرا کے گنجان آباد اور زرخیز علاقے استفادہ کرتے ہیں۔

جنوبی ریلوے کا صدر مستقر چنئی (مدراس) ہے۔ براڈ گیج (Broad Gauge) کی خاص لائنیں یہ ہیں۔

(i) مدراس- رائچور براہ کڈپا (Cudappa)۔ فاصلہ 400 کلو میٹر۔ یہ لائن چنئی (مدراس) اور ممبئی کو ملاتی ہے۔

(ii) چنئی (مدراس)۔ بنگلور، اس کا فاصلہ 340 کلو میٹر ہے۔

(iii) جلار پیٹ، منگلور (Jalarpet-Mangalore)، براہ سیلم، ایروڈ، کوئمبتور، تیلی چری، فاصلہ 630 کلو میٹر۔ جلار پیٹ کو بنگلور اور اوٹکمنڈ سے ملادیا گیا ہے۔

میٹر گیج کی خاص لائنیں مندرجہ ذیل ہیں:-

(i) پونے- ہری ہر (Pune-Harihar)۔ فاصلہ 630 کلو میٹر، یہ چنئی (مدراس) سے ممبئی کو ایک مزید راستہ ہے۔ یہ ہری ہر سے بنگلور کو جاتی ہے۔

(ii) گنٹکل (Guntakal)۔ مسولی پٹم براہ وجے واڑہ، فاصلہ 470 کلو میٹر۔

(iii) چنئی (مدراس)۔ دھنش کوڈی۔ براہ تنجور اور تری چورا پلی۔ فاصلہ 640 کلو میٹر۔

(iv) چنئی (مدراس)- ٹریونڈرم۔ براہ تری چورا پلی، ویرودھانگر، مدورائی اور کوئلان (Quilan)۔ فاصلہ 750 کلو میٹر، ویرودھانگر سے ایک لائن توتی کورن Tuticorin) کو جاتی ہے۔

یہ لائنیں چنئی (مدراس)، کوچی، توتی کورن (Tuticorin) الپتی، کوئلان اور کوزم کوڈ تک چلی گئی ہیں۔ ان لائنوں سے اجناس، روئی، روغن دار تخم، نمک، شکر، تمباکو، عمارتی لکڑی اور کھالیں بھیجی جاتی ہیں۔ چنئی، ویلوپورم لائن کو 150 کلو میٹر تک برقیا (Electrification) دیا گیا ہے۔

(9) جنوب وسطی ریلوے (The South Central Railway): جنوب وسطی ریلوے لائن کا افتتاح 1906 میں ہوا تھا۔ اب اس کی لمبائی 6,175 کلو میٹر ہے۔ براڈ گیج کی خاص لائنیں سکندر آباد تا پونے (Pune)، حیدر آباد تا قاضی پیٹ۔ بلہار شاہ تا وجے واڑہ اور چنئی تا والٹیر ہیں۔ جنوب وسطی ریلوے کا صدر مستقر سکندر آباد ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہندوستان کے صنعتی خطے: ان میں درج ذیل علاقے اہم ہیں:۔

(1) مشرق کا صنعتی علاقہ، جو کلکتہ، بہار، آسنسول اور جمشید پور کے اضلاع پر مشتمل ہے۔

(2) مغرب کا صنعتی علاقہ، جس میں مغربی ساحلی پٹی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ احمد آباد سے ممبئی کی طرف مڑ کر جنوب مشرق میں پونا اور شولاپور تک پھیلا ہوا ہے۔

(3) جنوبی صنعتی علاقہ، جس کے اہم صنعتی مراکز بعد راوتی، بنگلور، کوئمبتور، مدورائی اور حیدر آباد ہیں۔

ہندوستان میں کاغذ سازی کی صنعت: ہندوستان میں کاغذ سازی کی صنعت کا آغاز 1832 سے ہوا جب مغربی بنگال میں سیرام پور کے مقام پر پہلی کاغذ سازی کی مشین لگائی گئی۔ دوسری کاغذ کی مل لکھنؤ میں لگائی گئی جہاں پیداوار کا آغاز 1881 سے ہوا۔ اس کے بعد ٹیٹا گڑھ پیپر مل کلکتہ میں 1882 میں لگائی گئی لیکن پیداوار کا آغاز 1884 سے ہوا۔ دکن پیپر مل کا قیام پونا میں 1887 میں ہوا اور بنگال پیپر مل رانی گنج میں 1889 میں قائم کی گئی۔ 1900 کے اختتام تک ہندوستان میں کاغذ کی پیداوار 19,000 ٹن تھی۔ 1911 تک یہ 26,800 ٹن تک بڑھ گئی۔

1924 تک ملک میں نو پیپر ملیں قائم ہو چکی تھیں۔ جن کی پیداواری گنجائش 33,000 ٹن تھی۔

کاغذ سازی اور دفتی سازی کا باضابطہ ترقیاتی منصوبہ 1951 میں شروع کیا گیا۔ پہلے منصوبہ کے آغاز پر 17 اکائیاں موجود تھیں جن کی پیداواری صلاحیت 137,000 ٹن تھی۔ پہلے منصوبہ کی مدت میں یعنی 1951 تا 1956 کاغذ سازی کی صنعت اپنے مقررہ نشان یعنی 210,000 ٹن کی پیداواری صلاحیت تک پہنچ چکی تھی۔ ترقی کی یہ شرح 8 فیصد سالانہ رہی۔ دوسرے منصوبہ کی مدت میں یعنی 1956 تا 1961 یہ صنعت اپنے مقررہ نشان یعنی 350,000 ٹن تک پہنچ گئی۔ تیسرے منصوبہ کے دوران 1961 میں حقیقی پیداوار 536,000 ٹن رہی۔ 1971 تک ملک میں 59 ملیں قائم ہو چکی تھیں جن کی پیداوار 7.75 لاکھ میٹرک ٹن ہو گئی تھی۔

جملہ پیداوار کا 70 تا 75 فیصدی لکھنے اور طباعت کا کاغذ ہے۔ 20 فیصدی صنعتی اغراض کے لیے پیکنگ اور لپیٹنے کا کاغذ ہے اور باقی خاص قسم کا کاغذ ہے۔

ہندوستان کے منصوبہ ساز کمیشن کا تخمینہ تھا کہ 1979 تک ہندوستان کو 12 لاکھ میٹرک ٹن کاغذ کی ضرورت ہوگی اگرچہ فی کس کاغذی صرفہ میں، جو کہ اب 1 تا 2 کلوگرام ہے، کوئی قابل لحاظ تبدیلی نہ ہوگی۔

ہندوستان میں اخباری کاغذ کی صرف ایک ہی مل ہے جس کی پیداوار 40,000 میٹرک ٹن ہے اور ملک کی اخباری کاغذ کی ضرورت 200,000 میٹرک ٹن ہے۔ فی الحال ہندوستان 160,000 میٹرک ٹن اخباری کاغذ روس، کناڈا اور اسکینڈینیویا سے درآمد کرتا ہے جس پر 30 کروڑ روپیہ سالانہ کا خرچ آتا ہے۔

فی الحال ہندوستان میں کاغذ سازی کی صنعت میں بانس کو بطور خام مال سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ تمام مستعملہ خام مال میں بانس کا تناسب 70 فیصدی ہے۔ تاہم آہستہ آہستہ سخت لکڑی کا استعمال بھی مروج ہوتا جارہا ہے اور یہ پیش قیاسی کی جارہی ہے کہ آنے والے سالوں میں سخت لکڑی کو بالکلیہ طور پر استعمال کیا جائے گا۔

ہندوکش: یہ تقریباً ایک ہزار میل لمبا پہاڑی سلسلہ دریائے جیجوں کی وادی کو وادئ سندھ سے جدا کرتا ہے۔ پاکستان سے افغانستان تک پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں یہ "پامیر" کے سلسلہ سے مل جاتا ہے۔

ہنری جہاز راں: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ہنگری (Hungary): ہنگری وسطی یوروپ میں ایک عوامی جمہوریہ ہے۔ اس کی حدود شمال میں زیکوسلوا کیا، شمال مشرق میں یوکرین (روس)، مشرق میں رومانیا، جنوب میں سلاوینیا، سربیا اور کروشیا اور مغرب میں آسٹریا سے ملتی ہیں۔ اس کا رقبہ 93,030 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد وشمار کے مطابق 10,559,000 ہے۔ جس میں ہنگیرین 95.8 فیصدی اور جرمن 2.1 فیصدی ہیں۔ بڈاپسٹ (Budepest) صدر مقام اور ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ملک کی زبان ہنگیار ہے۔

1991 کے اعداد وشمار کے مطابق تحتانی مدارس میں 1,081,,213 طالب علم زیر تعلیم تھے اور اساتذہ کی تعداد 89,276 تھی۔ ثانوی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 525,151 اور حرفی مدارس میں طلبا کی تعداد 390,908 تھی۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں، جن میں 18 یونیورسٹیاں بھی شامل ہیں، طلبا کی تعداد 71,452 اور اساتذہ کی تعداد 13,036 تھی۔

ہنگری کی سرزمین زراعت کے لیے انتہائی موزوں ہے۔ بیچ میں وادی ہے اور اطراف میں پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ سب سے بڑا دریا ڈینیوب ہے۔ اس کے علاوہ تسزا اور ڈریو ہیں۔ ان دریاؤں اور ان کے معاونوں سے زراعت کی اور کچھ دوسری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ یہ سب بحیرۂ اسود (سیاہ) میں گرتے

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ہیں۔ دریائے ڈینیوب اور ڈریو کے درمیان میں بڑی جھیلیں ہیں جن میں سے جھیل بلاتون بہت مشہور ہے۔

زراعت: روایتی طور پر ہنگری ایک زرعی ملک رہا ہے اگرچہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد صنعت کے شعبے میں ترقی ہوئی ہے تاہم ملک کی معیشت میں زراعت ہی کو اہم مقام حاصل ہے اور 60 فیصدی آبادی دیہات میں رہتی ہے۔ گیہوں، جوار، جو، سبزیاں، پھل پیدا ہوتے ہیں۔ شراب تمباکو، دودھ سے بنی اشیا اور شکر بنائی جاتی ہیں اور مویشی یعنی گائے، بیل، گھوڑے، بکریاں، اس کے علاوہ سور اور مرغ، یہ سب اجتماعی مزرعوں پر جو ملک کی قابلِ کاشت آراضی کے 96 فیصدی حصّہ پر قائم ہیں، پیدا کئے جاتے ہیں۔

صنعت: ملک کے معدنیاتی وسائل میں کوئلہ، لوہا، پیٹرولیم، باکسائٹ، المونیم، سیمنٹ، کیمیائی کھاد کے علاوہ روئی اور ریشم شامل ہیں۔ خاص اشیائے برآمد میں مشینری، موٹر گاڑیاں، لوہے اور فولاد کی بنی ہوئی اشیا، میوے اور ترکاریاں شامل ہیں۔

مملکت کا ارتقا: ٹیبریس (Tiberius) اور اس کے بعد ٹراجن (Trajan) نے جب پنونیا (Pannonia) اور ڈیشیا (Dacia) کے رومن صوبے پہلی صدی عیسوی میں فتح کئے تو یہ دونوں صوبے مل کر ایک علاقہ بن گیا جو بعد میں ہنگری کہلانے لگا۔ پہلے پہل ہن (Huns) یہاں آئے۔ ان کے بعد آسٹرو گوتھ (Ostrogoths) آئے۔ نویں صدی عیسوی میں مگیار (Magyars) قوم نے، جو یورال (Urals) کے علاقے سے چلی تھی اور فنو اُگرک (Finno-Ugric) لوگوں پر مشتمل تھی، اس علاقے پر تسلط جمالیا۔ ان کا پہلا بادشاہ 1001 سے 1038 تک سینٹ اسٹیفن (St. Stephen) تھا۔ اس کے بعد چودھویں صدی عیسوی تک کوئی قابلِ ذکر واقعات رونما نہیں ہوئے، بجز اس کے کہ 1222 میں امرا نے ملک میں اصلاحات نافذ کرانے میں کامیابی حاصل کی۔ 1241 میں منگولوں نے عارضی طور پر ملک پر قبضہ کیا۔ 1308 میں چارلس رابرٹ آف انجو (Charles Robert of Anjou) بادشاہ منتخب ہوا اور چارلس اول کے نام سے انجیون (Anjeuin) خاندان کا بانی ہوا۔ اس کے لڑکے لوئی اول (Louis I) کے دور میں ہنگری اپنے وسیع ترین علاقائی دور تک پہنچا۔

غیر ملکی اقتدار: لوئی اول کی وفات کے بعد ہنگری غیر ملکی تسلط میں چلا گیا اور رفتہ رفتہ 1444 میں تمام بلقان علاقے پر ترکوں نے قبضہ جمالیا۔ لوئی دوم کو 1526 میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے بعد ہنگری کے تین حصے ہوگئے جہاں کے حکمران ترکوں کے خوشہ چین تھے۔ ترکوں نے ویانا (Vienna) کا محاصرہ 1683 میں کیا تو آسٹریا کے خلاف ہنگری نے بھرپور مدد کی۔ 1699 کے معاہدۂ امن کالوئی (Peace Treaty of Kalowitz) کے تحت ترکوں نے ہنگری کا بڑا حصّہ آسٹریا کے حوالہ کردیا۔

1739 کے ہنگری اور آسٹریا کے معاہدۂ امن بلگریڈ کی رو سے ہاپسبرگ (Hapsburg) پر ہنگری کے قبضہ کی توثیق ہوئی۔ ہنگری میں قومیت پسندی کا جذبہ 1789 کے انقلاب فرانس سے متحرک ہوا اور غیر ملکی اقتدار کے خلاف کشمکش شروع ہوگئی۔ 1847 میں قومی رہنما کوسٹھ (Louis Kossuth) کی سرکردگی میں آسٹریا سے جنگ ہوئی اور اپریل 1849 میں ہنگری ایک آزاد جمہوریہ قرار دیا گیا۔ لیکن روس نے آسٹریا کی مدد کی نیز سلاوی اور رومانیائی اقلیتوں نے کوسٹھ کے مقابلے میں ہتھیار اٹھالیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوسٹھ کا جمہوریہ چند مہینوں میں ختم ہوگیا۔ چند سال بعد 1866 میں آسٹریا اور پروشیا (Astro- Prusia) کی جنگ میں آسٹریا نے شکست کھائی۔ ہنگری (مگیار) قومی جذبات کا مظاہرہ وسیع پیمانے پر ہوا اور بڈاپسٹ میں فرانسس جوزف کی بحیثیت شہنشاہ 1867 میں تاج پوشی ہوئی۔ اس کے بعد پچاس سال تک اگرچہ سوشلسٹ تحریکوں کے لیے لوگوں میں بے چینی سی پیدا ہوئی تاہم یوروپ میں غالبًا ہنگری سب سے زیادہ رجعت پسند رہا۔

آزادی: آزاد جمہوریہ ہنگری کے سربراہ مائکل کرولی (Karolyi) کی حکومت مارچ 1919 میں ختم ہوگئی تو کمیونسٹوں نے بیلا کون (Bela Kun) کی قیادت میں اقتدار سنبھالا لیکن چار ماہ بعد (جولائی میں) بیلا کون کو رومانیہ سے ہزیمت اٹھانی پڑی اور ایڈمرل ہورتی ناگی بنیا (Admiral Horthly De Nagybanyee) نے حکومت سنبھالی۔ 1920 میں معاہدہ ٹرانون (The Treaty of Trianon) کی رو سے ہنگری کی دو تہائی آبادی گھٹ گئی اور غیر مگیار علاقے ملک سے جدا کئے گئے۔ 1938 اور 1944 کے دوران ہنگری نے اٹلی اور جرمنی کی مدد سے زیکو سلاواکیہ، رومانیہ اور یوگوسلاویہ سے اپنے علاقے واپس لے لیے۔ ہنگری نے روس اور امریکہ سے بھی جنگ کی۔ سوویت روس نے اکتوبر 1944 میں اور فروری 1945 میں اسے فتح کرلیا۔ 1946 میں ریپبلکن دستور منظور کیا گیا۔ 1947 کے پیرس کے معاہدۂ امن کے تحت قدیم حدود قائم کی گئیں۔ 1949 میں ہنگری کو ایک عوامی ریپبلک (Peoples' Republic) قرار دیا گیا اور وہ سوویت بلاک میں شامل ہوگیا۔ 1955 میں وہ وارسا معاہدہ کی تنظیم (Warsaw Treaty Organisation) میں شامل ہوا اور اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ہوا کے ذریعہ تخریب یا ٹوٹ پھوٹ (Erosion by Wind): پانی کے بعد سطح زمین پر سب سے زیادہ تخریب ہوا کے ذریعہ ہوتی ہے۔ جب ہوا بہت تیز چلتی ہے جس کو ہم آندھی کہتے ہیں تو وہ جس علاقے سے گزرتی ہے وہاں سے وہ ریت کے ذرات کو اپنے ساتھ اوپر اٹھا لیتی ہے اور ان کو دوسرے مقام پر جہاں اس کی رفتار کم ہو جاتی ہے وہاں گرا دیتی ہے۔ بگولوں کے ذریعہ ریت کے یہ ذرات سیکڑوں فیٹ اوپر تک اٹھ جاتے ہیں۔ یہ ذرات راہ میں آئی ہوئی رکاوٹوں سے ٹکراتے ہیں اور اس طرح رگڑ سے حجرات میں کھردرے اور گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ ہوا کے اس عمل کو ہوائی تخریب یا ٹوٹ پھوٹ یا گھساؤ (Corrasion) کہتے ہیں۔ حجرات کی سختی کے اعتبار سے ان پر رگڑ کا اثر ہوتا ہے یعنی ملائم حجرات سخت حجرات کے مقابلہ میں زیادہ گھستے ہیں۔ حجرات کی پرتوں کا رخ، ان کی موٹائی اور ان میں موجود رخنوں کی موجودگی کے اعتبار سے بھی تخریب کا اثر مختلف حجرات میں مختلف ہوتا ہے۔ ریگستانوں میں جہاں بگولے بکثرت اٹھتے رہتے ہیں اگر حجرات افقی (Horizontal) شکل میں ہوتے ہیں تو ہوا کے ذریعہ تخریب کاری کی وجہ سے ان کے ٹکڑے چھوٹے تخت نما (Tabular Form) شکل میں بن جاتے ہیں اور اگر حجرات خصوصاً پرت دار حجرات کی پرتیں ترچھی ہوتی ہیں تو تخریب کاری کے ذریعہ نوکیلے میناروں کی شکل میں یہ حجرات ریگستانوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہوا کے بگولے جب ایک ہی جگہ پر چکر کاٹتے ہیں تو حجرات میں گہرے گڑھے بن جاتے ہیں اور جن حجرات کی سختی یکساں نہیں ہوتی ان میں جگہ جگہ کھرنڈ بن جاتے ہیں اور ان حجرات کی شکل شہد کی مکھی کے چھتے کی طرح ہو جاتی ہے۔ حجرات میں غار بھی اسی طرح بنتے ہیں۔

ریگستانوں میں ایک اور دلچسپ عمل ہوتا ہے جس کو ریگستانی وارنش (Desert Varnish) کہتے ہیں۔ تقریباً سب پتھروں میں لوہا اور مینگنیز کم و بیش موجود ہوتا ہے۔ ان حجرات پر جب دن میں تیز دھوپ پڑتی ہے تو ان میں موجود رطوبت بخارات بن کر اڑ جاتی ہے اور نیچے سے جو رطوبت اوپر آتی ہے وہ ساتھ میں لوہے اور مینگنیز کے اجزا اپنے ساتھ حل کر کے اوپر کی سطح پر لے آتی ہے اور اس طرح چٹانوں کی اوپری سطح پر سیاہ رنگ کی چمکدار پالش ہو جاتی ہے جس کو ریگستانی وارنش کہتے ہیں۔ وسط ایشیا کے ریگستانی علاقہ میں یہ عمل بہت ہی نمایاں نظر آتا ہے۔

ہوا کے ذریعہ لائی ہوئی بالو اور ذرات کے ڈھیر اکثر کافی وسیع ٹیلوں کی شکل میں جمع ہوتے ہیں جو ہوا کے رخ پر آگے بڑھتے رہتے ہیں اور راہ میں آئے ہوئے باغوں اور بستیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ریت کے ان ٹیلوں کو ریت ٹیلے (Sand Dunes) کہتے ہیں۔

ہوانا: ریاست کیوبا کا دارالحکومت، اس جزیرے کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً آٹھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ جزائر غرب الہند کا یہ سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ تجارت کے لحاظ سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ بیسویں صدی میں اس پر امریکہ کا قبضہ ہو جانے کے بعد یہاں جو زرد بخار کی وبا پھیلی تھی، اس کا دفیعہ کر دیا گیا۔ یہاں سے شکر، پھل، تمباکو، برآمد کیا جاتا ہے۔ حال میں اس شہر کو صنعت و حرفت کا مرکز بنایا گیا ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے، فولاد کے کارخانے اور ایک یونیورسٹی ہے۔ یہاں کی آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے۔

سفید فاموں میں یہاں سب سے پہلے ہسپانوی آئے۔ اس پر برطانیہ اور امریکہ کا بھی قبضہ رہا۔ ہوانا کے قریب امریکہ کا فوجی اڈہ اب تک موجود ہے، حالانکہ کیوبا کی حکومت اسے ہٹانے کے لیے بار بار مطالبہ کر چکی ہے۔ یہ کیوبا کا اہم سیاسی، انتظامی اور تجارتی مرکز ہے۔

ہوانگ ہو: شمالی چین کا، اپنی گزرگاہ بدلنے والا، یہ عظیم دریا 2,900 میل لمبا ہے۔ اس میں اکثر تباہ کن سیلاب آتے رہتے ہیں۔ اسی لیے بعض اوقات اسے "آفت چین" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا بہاؤ کیون لن کے متوازی پہاڑی سلسلوں کے درمیان صوبہ کانسو سے شروع ہوتا ہے۔ ابتدا میں مشرق کی طرف بہنے کے بعد یہ تیز رفتار سے جنوبی سمت اختیار کر لیتا ہے اور ایک لمبی خندق سے گزرنے کے بعد شمالی شینسی کے لوئس والے طاس میں پہنچتا ہے۔ یہاں کئی معاون دریا اس میں داخل ہوتے ہیں۔ ان سب کا مشترکہ پانی رخ بدل کر مشرقی سمت میں بہنے کے بعد قیف نما وادی میں داخل ہوتا ہے۔ چیسن (Chihsien) کے قریب یہ وادی ایک میدان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ہوائی تصاویر کی تعبیر: دیکھیے "مجسم بین یا اسٹیریو سکوپ"

ہوائی ذخائر: ہوائی فرسودی کے نتیجے میں تیز ہوائیں ریت کو اپنے ساتھ اڑا لے جاتی ہیں یا زمین کی سطح پر اس وقت تک ریت کو لڑھکاتی رہتی ہیں جب تک کہ راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آ جائے۔ راستے میں رکاوٹ کے آنے کی وجہ سے ریت کے ذرات کی حرکت بہت کم ہو جاتی ہے یا پھر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ رکاوٹیں صحرا میں اگنے والی جھاڑیاں بھی ہو سکتی ہیں یا پھر صحرا کے فرش پر پائے جانے والے حجرات یا چٹانوں کے بڑے بڑے روڑے جنھیں بولڈر (Boulder) کہا

جاتا ہے۔

کوئی جھاڑی یا رکاوٹ جب ریت میں پوری طرح دفن ہو جاتی ہے تو ایک ٹھوس رکاوٹ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس ٹھوس رکاوٹ کے ہوا کی سمت والے رخ پر ریت کے ذرات رفتہ رفتہ تہ نشین ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح ریت کے ذرات پر مشتمل ہوائی ذخائر تشکیل پاتے ہیں۔ اس طرح ریت کے ذرات کے جمع ہونے والے ذخیروں کو ریت ٹیلے (Sand Dunes) کہا جاتا ہے۔

ریت کے ٹیلوں کے علاوہ دوسرے اقسام کے اور بھی ذخائر صحراؤں اور ساحلوں پر تشکیل پاتے ہیں جن میں ریت کے برخان، لوئس (Loess) کی مٹی اور صحرائی پالش شدہ پتھر (Ventifacts) قابل ذکر ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ریت ٹیلے نہ صرف صحراؤں بلکہ سمندروں کے ساحل پر بھی پائے جاتے ہیں کیونکہ سمندروں کی موجوں کے مسلسل تموج سے ساحل کی مٹی اور حجرات فرسودگی سے متاثر ہو کر اس قدر مہین (Fine) ہو جاتے ہیں کہ سائز کے اعتبار سے ساحلوں کی ریت، صحراؤں کی ریت سے بڑی حد تک مماثل ہو جاتی ہے۔ اس لیے سمندروں کے ساحلوں پر بھی ریت کے ٹیلے پائے جاتے ہیں۔

ارضیاتی جائزوں میں سمندروں کی ریت کو صحراؤں کی ریت سے الگ کرنا ایک اہم تحقیقی مسئلہ ہے۔

ہوائی رسوب (Aeolian Sediments): وہ رسوب جس کی ذخیرگی (Deposition) ہوا کے ذریعے حمل و نقل کے بعد عمل میں آئے۔ ریت ٹیلے (Sand Dunes) اور خاکی تودے (Loess) ایسے رسوبی ذخائر کی اچھی مثالیں ہیں۔

ہوائی عکاسی: یہ ایسا فن ہے جس کے تحت فضائی بلندیوں میں پہنچ کر ہوائی جہازوں یا مصنوعی سیاروں میں بیٹھ کر سطح زمین کے چھوٹے چھوٹے علاقوں کی تصاویر لے کر طبعی حالات کا تفصیلی مشاہدہ کیا جاتا ہے اور انھی کی مدد سے طبعی نقشے بھی تیار کر لیے جاتے ہیں۔ کسی بڑے علاقہ کا طبعی نقشہ بنانا ہو تو اس کے چھوٹے چھوٹے حصوں کی 60 فیصدی تک انطباق کرنے والی متعدد تصاویر سلسلہ وار لے لی جاتی ہیں۔ ہر حصہ کی دو دو تصویریں ضرور لی جاتی ہیں۔

ایک ہی علاقہ پر مختلف اوقات میں تصویریں لیتے وقت فضائی حالات کی یکسانیت پیش نظر رکھی جاتی ہے۔ کیمرہ ایک ہی قسم کا اور بالعموم ایک ہی بلندی پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا عدسہ زیر مشاہدہ علاقہ کے ساتھ کبھی 40 تا 60 درجہ کا اور کبھی 90 درجہ کا زاویہ بناتا ہے۔ ہر تصویر کے حاشیہ پر اس کا انڈکس نمبر، شمالی سمت کا نشان، نقشہ کا حوالہ، عکس کشی کی تاریخ اور وقت، عدسہ کا میلانی زاویہ اور ماسکی فاصلہ درج کر دیا جاتا ہے۔ شمالی سمت کے نشان اور نقشہ کے حوالہ سے تصویر میں دکھائے ہوئے علاقہ کو بڑے پیمانہ کے نقشوں یا ٹوپو شیٹس میں بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ اور وقت کے اندراجات سے اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ تصویر پڑھتے وقت کن سمتوں سے کس قدر روشنی ڈالنا ضروری ہوگا۔ کیمرہ کی بلندی، عدسہ کے میلانی زاویہ اور ماسکی فاصلہ کی مدد سے تصویروں کے عمودی پیمانہ کا تعین کیا جا سکتا ہے اور سایہ کے پھیلاؤ کے اختلافات کی تشریح بھی کی جا سکتی ہے۔

ہوائی فرسودگی: موسموں کی تبدیلی اور برف اور دریاؤں کی طرح ہوا بھی ایک اہم ارضیاتی عامل ہے جو سطح زمین پر پائے جانے والے ارضی خدوخال کی تعمیر اور تخریب کی ذمہ دار ہے۔

سطح زمین پر ابھرے ہوئے حجرات اور پہاڑ عام طور پر ہوا کی زد میں رہتے ہیں لیکن گرم اور خشک آب و ہوا کے علاقوں میں ایسے حجرات اور چٹانیں بھی ہوا کے تیز جھونکوں کا نشانہ بن جاتی ہیں جو سطح زمین پر نہ ابھرے ہوں جیسا کہ صحراؤں اور ریگستانوں میں دیکھا گیا ہے۔

تیز ہوا کے مسلسل گھساؤ سے چٹانیں رفتہ رفتہ ذروں کی شکل میں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اس طرح ہوائی فرسودگی کا عمل جاری رہتا ہے۔ ہوائی فرسودگی کا عمل صرف ان علاقوں میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے جو گرم و خشک آب و ہوا کے علاقے ہیں اور جن میں ہواؤں کے چلنے کی رفتار غیر معمولی ہو اور جہاں حجرات فرسودگی کے نتیجے میں کم سے کم ایک ملی میٹر سائز کے ذرات میں بدل جانے کے اہل ہوں۔

ہواؤں کی زد میں آ کر جب حجرات ذروں کی شکل میں ٹوٹ جاتے ہیں تو پھر تیز رفتار ہوائیں ان ہی ذرات کو اٹھا کر اپنے بہاؤ میں لے اڑتی ہیں جس سے مزید حجرات ٹوٹ ٹوٹ کر ذرے بنتے ہیں اور پہلے سے حاصل شدہ ذرات اس عمل میں اور بھی باریک ہو کر مدوری ہو جاتے ہیں۔ ہواؤں کے اس عمل فرسودگی کی بنا پر ہی ریگستانوں کی ریت نہایت مدوری اور بہت باریک ہوتی ہے۔

ہوائیں: ہوائیں ہمیشہ زیادہ دباؤ کے علاقہ سے کم دباؤ کے علاقہ کی طرف چلتی ہیں لیکن خطوط مساوی البار کے ساتھ زاویۂ قائمہ نہیں بناتیں۔ شمالی نصف کرہ میں

ہماری پشت ہوا کی طرف رہے تو "بائز بیلٹ" کے قانون کے مطابق دباؤ ہماری داہنی جانب زیادہ اور بائیں طرف کم رہے گا۔ جنوبی نصف کرہ میں یہی عمل کریں تو حالات برعکس ہوں گے۔

متوازن قوتوں کے ساتھ ہوا کی حرکت: بڑھتی ہوئی ہوائیں فیرل کے قانون کے مطابق شمالی نصف کرہ میں داہنی جانب اور جنوبی نصف کرہ میں بائیں جانب مڑنے کا میلان رکھتی ہیں۔ یہ میلان قوت انحراف کے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جو سمتِ حرکت کے ساتھ زاویہ قائمہ پر کار فرما ہوتی ہے۔ ہوائیں قوت انحراف اور قوت دباؤ دونوں سے متاثر ہوتی ہیں اور یہ دونوں مخالف سمتوں میں مساویانہ عمل پیدا ہوتی ہیں۔

دائمی ہوائیں: استوائی خطہ میں سورج کی کرنیں سال بھر تقریباً سیدھی رہتی ہیں اس لیے ہوا گرم اور ہلکی ہو کر حرارت رساروؤں کی شکل میں اوپر اٹھتی رہتی ہے اور زمین کے قریب فضائی دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ بلندیوں کی سرد اور بھاری ہوائیں نیچے اترنے پر مائل ہوتی ہیں مگر زیریں حرارت رسارو ئیں مزاحمت کرتی ہیں اس لیے وہ بلندیوں میں شمال و جنوب کی طرف مڑ کر نیچے اترنے لگتی ہیں۔ یہاں درجہ حرارت کی کمی اور سرد اور بھاری ہوا کے اترنے کے باعث فضائی دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے اور تجارتی ہوائیں استوائی کم دباؤ کی پٹی کی طرف چلنے لگتی ہیں۔ شمالی نصف کرہ میں یہ شمال مشرق سے اور جنوبی نصف کرہ میں جنوب مشرق سے پہنچتی ہیں۔

مغربی ہوائیں بھی یہیں سے °60 تا °65 عرض البلد کی کم دباؤ کی پٹیوں کی طرف چلنے لگتی ہیں۔ شمالی نصف کرہ میں یہ جنوب مغرب سے اور جنوبی نصف کرہ میں شمال مغرب سے پہنچتی ہیں۔ ان پٹیوں میں زمین کی محوری حرکت سے پیدا ہونے والی مرکز گریز قوت کے باعث ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ یہاں قطبی ہوائیں بھی شمالی نصف کرہ میں شمال مشرق سے اور جنوبی نصف کرہ میں جنوب

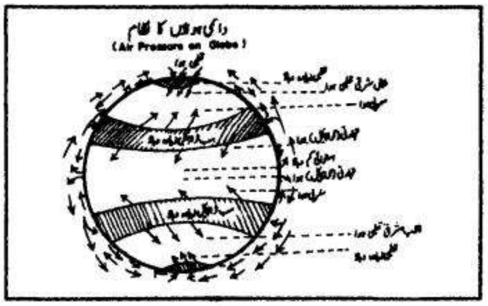

مشرق سے پہنچتی ہیں۔ قطبی اور مغربی دونوں ہوائیں مخالف سمتوں سے پہنچ کر قوت کے ساتھ حرارت رساروؤں کی طرح اوپر اٹھنے لگتی ہیں۔ بلندیوں میں سرد اور بھاری ہو کر یہ نیچے اترنے پر مائل ہوتی ہیں لیکن زیریں ہوا کی اوپر اٹھنے والی رو ئیں سدِ راہ ہوتی ہیں۔ نتیجتاً یہ بالائی فضا میں استوائی اور قطبی رخ اختیار کر کے قطبین پر اور °30 تا °35 عرض البلد میں حرارت رسارو ئیں بکھر کر نیچے اترنے لگتی ہیں۔ سطح زمین کے قریب یہ قطبی یا تجارتی اور مغربی ہوائیں بن جاتی ہیں۔

شکل بالا میں دکھایا ہوا دائمی ہواؤں کا نظام صرف تری یا صرف خشکی کے ایسے کرہ پر پایا جا سکتا ہے جس کی ساخت اور سطح ہر جگہ یکساں رہے لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ اس لیے فضائی دباؤ اور ہواؤں کے بہاؤ میں کافی اختلافات ہو جاتے ہیں۔

استوائے حرّی کے گرمائی و سرمائی نقل مقام سے دباؤ کی پٹیاں بھی شمال و جنوب کی طرف ہٹتی رہتی ہیں۔ اس کا اثر ہوا کے بہاؤ اور بارش کی تقسیم پر بھی پڑتا ہے جو درج ذیل شکل میں عیاں ہے۔

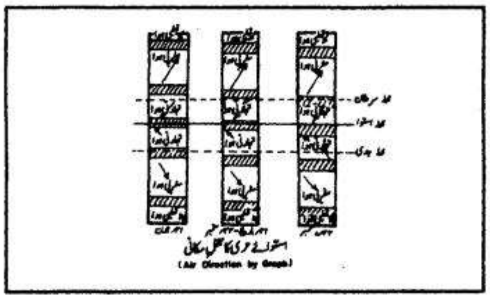

براعظموں اور بحر اعظموں کے یکے بعد دیگرے واقع ہونے سے بھی درجہ حرارت کے اختلافات کے باعث دباؤ کی پٹیاں جس طرح درج ذیل اشکال

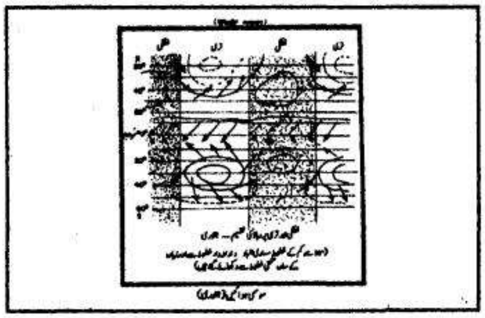

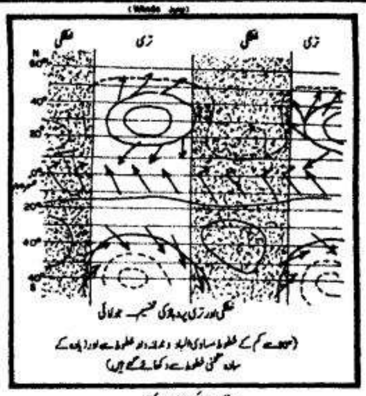

موسمی ہوائیں (جولائی)

میں دکھایا گیا ہے، متوازی نہیں رہ سکتیں۔

مقامی ہوائیں (Local winds): یہ بعض علاقوں میں حرارت اور دباؤ کی مخصوص کیفیتوں کے باعث وقتی طور پر اور چھوٹے پیمانہ پر چلنے لگتی ہیں۔

اہم مقامی ہوائیں:

برگ ہوائیں: یہ "فون" کی سی گرم خشک ہوائیں افریقہ میں بالعموم سطوح مرتفع سے ساحلوں کی طرف چلتی ہیں۔ بعض اوقات ان سے موسم سرما میں بھی کافی تکلیف پہنچتی ہے۔

برلیو ویسٹ ونڈز: یہ جنوبی نصف کرہ کی سال بھر قوت سے چلنے والی مغربی ہوائیں ہیں۔

برک فیلڈرز: یہ آسٹریلیا کے جنوب مشرقی حصہ کی گرمائی تند ہوائیں ہیں۔

بلیزرڈ: یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں شمال مغرب سے سیکلون کے ساتھ چلنے والی برفانی ہوا ہے۔ انٹارکٹک میں ایسی ہی ہوا بعض اوقات سطحی سرد ہوا کی اوپری پرت کو آگے ہٹا کر درجہ حرارت بڑھا دیتی ہے۔

بورا اور بورینو: ایڈریاٹک کے مشرقی ساحل کی شمال مشرقی سرد خشک طوفانی ہوا "بورا" کہلاتی ہے۔ یہ یورپ کے اندرونی بلند علاقوں سے چلتی ہے۔ آلپس اور وسطی ڈینارک کے درمیان یہ تیز رفتار سے چلتی ہے۔ ایسی ہی کمزور گرمائی ہوا "بورینو" کہلاتی ہے۔

بوراں (پرگا): یہ روس اور وسط ایشیا کی تیز و تند شمال مشرقی ہوا ہے جو سرما میں برف اڑاتی ہوئی چلتی ہے۔

پُروائی: یہ ہندوستان کی ٹھنڈی فرحت بخش ہوا اوائل موسم گرما میں مغرب سے چلتی ہے۔

ٹرل: یہ مغربی پیرو کی نسیم بری ہے۔

جبلی: یہ لیبیا کی ریت سے لدی ہوئی لو ہے۔

جیٹ اِسٹریم: یہ ہوا سر فضائے حلونہ کے قریب بہت تیز رفتار سے تقریباً افقی سمت میں چلتی ہے اور دھونکنی سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا محور انتہائی رفتار کے خط پر رہتا ہے۔ اس میں تیز و تند بادی مقراضیں بھی عرضاً چلتی رہتی ہیں۔ اس کی لمبائی چند ہزار کلو میٹر، چوڑائی چند سو کلو میٹر اور دبازت صرف چند کلو میٹر ہی ہوتی ہے۔ یہ فضا کے زیریں طبقات کے موسمی نظام میں انتشار پیدا کر دیتی ہے۔

جھکو: یہ عارضی تیز و تند ہوا ہے۔

جھیلی نسیم: یہ بڑی جھیلوں کے قریب دباؤ کے فرق کے باعث نسیم بحری کی طرح چلتی ہے۔

چنوک: یہ کوہ راکی کے مشرق میں نیچے اترنے والی گرم خشک ہوا ہے۔

خام سُن: یہ گرم ہوا مصر میں مارچ سے مئی تک جنوبی یا جنوب مشرقی سمت سے وقتاً فوقتاً پہنچ کر فضا میں ریت پھیلاتی رہتی ہے۔

ڈڈول (بگولہ): یہ ہندوستان کی گرمائی گول گھومنے والی خاک آلود ہوا ہے۔

زونڈا: یہ گرم خشک، گرد آلود تیز رفتار مغربی ہوا کوہ اینڈیز سے "فون" کی طرح اترتی ہے۔

ساؤتھ ویسٹر: یہ ایک تیز رفتار جنوب مغربی ہوا ہے۔

سراکو: یہ ریگ آلود پریشان کن "لو" ہے جو لیبیا کے ریگستان سے بحیرۂ روم کی طرف چلتی ہے۔

سموم: یہ بادگولہ نما ریگ آلود خطرناک ہوا شمالی صحرائے اعظم میں گرم ترین مہینوں میں چلتی ہے۔

سمون: یہ "فون" نما ہوا کردستان کے پہاڑوں سے اترتی رہتی ہے۔

سولانو: یہ اسپین کے مشرقی ساحل پر چلنے والی گرم مضرت رساں ہوا ہے۔ بعض اوقات یہ ابر و باراں کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔

سدرلی برسٹر: یہ سرد ہوا نیو ساؤتھ ویلز، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں اکثر موسم بہار و گرما میں جنوب سے پہنچتی ہے۔

فون: یہ گرم خشک ہوا آلپس کے سایہ باراں میں جنیوا سے وار لبرگ تک نیچے اترتی رہتی ہے اور برف کو تیزی سے پگھلا دیتی ہے۔

کمبنگ: یہ جاوا میں پہاڑیوں کو جنوب مشرق سے پار کرنے والی ہوا ہے۔

کیرابوران: یہ ہوا طارم کے طاس میں شمال مشرق سے تیز رفتار سے پہنچ کر ریگ و خاک کے بادل پھیلا دیتی ہے۔

لیوانٹی: یہ مشرقی ہوا، جولائی سے اکتوبر تک، جنوب مشرقی اسپین اور شمالی الجیریا تک پہنچتی ہے۔ رفتار سست ہو تو علم نما بادل پھیل جاتے ہیں لیکن رفتار تیز رہے تو خطرناک رو ئیں اور گرداب قائم ہو جاتے ہیں۔

لیوپچی: یہ صحرائے اعظم کی گرم خشک ہوا جنوب یا جنوب مشرق سے اسپین تک پہنچتی ہے۔

نارتھ ویسٹر (ناروسٹر): یہ فون نما ہوا نیوزی لینڈ وغیرہ میں بادگولوں کے طوفانی پہاڑی علاقوں میں چلتی ہے۔

نارور: یہ خشک ہوا ستمبر سے مارچ تک ٹیکساز اور خلیج میکسیکو میں فضائی درجہ حرارت کو گھٹاتی ہوئی چلتی ہے۔ نیو ساؤتھ ویلس میں ایسی ہوا سدرلی برسٹر، ارجن ٹائن میں "پمپیرو" اور "فریاجم"، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور میکسیکو میں "نارٹا" اور "پلیاگایو" کہلاتی ہے۔

نسیم بحری: یہ ہوا ساحلوں پر سہ پہر میں سمندر سے پہنچتی ہے، کیونکہ اس وقت خشکی پر ہوا کا دباؤ کم اور تری پر مقابلتاً زیادہ رہتا ہے۔

نسیم بری: یہ ہوا ساحلوں سے رات کے وقت سمندر پر پہنچتی ہے، کیونکہ اس وقت خشکی پر ہوا کا دباؤ زیادہ اور تری پر مقابلتاً کم رہتا ہے۔

ولی وا: یہ خشکی کی سرد ہوا کا جھکو عرض البلد بعید میں پہاڑی علاقوں پر چلتا ہے۔

ولی ولی: یہ شمال مغربی آسٹریلیا کا بادگولہ طوفان ہے۔

وائیریزان: یہ مغربی پیرو کی نسیم بحری ہے۔

وینڈاویلز: یہ تیز رفتار طوفانی ہوائیں اسپین کے ساحل پر جنوب مغرب سے پہنچ کر زوردار بارش کے ساتھ بحری تلاطم برپا کر دیتی ہیں۔

ہرمٹن (ہمٹن): یہ غبار آلود خشک ہوا افریقہ کے گنی کے علاقہ سے ساحل اوقیانوس تک نومبر تا فروری وقفہ وقفہ سے چلتی رہتی ہے۔

ہلمز: یہ تیز ہوائیں شمالی انگلینڈ میں پہاڑوں سے اترتی ہیں۔ پہاڑوں کے ہوا رخ پہلوؤں پر مستقل تکثیف اور عقبی علاقوں میں مستقل تبخیر کے باعث بلندیوں پر بادل پھیل جاتے ہیں۔

موسمی ہوائیں: (مونسون) (Monsoons) خشکی اور تری کے پہلو بہ پہلو پھیلے ہوئے وسیع علاقے مساویانہ گرم اور سرد نہیں ہوتے۔ تری کے مقابلہ میں خشکی جلد گرم اور جلد ہی سرد بھی ہو جاتی ہے۔ ایشیا، افریقہ اور آسٹریلیا کے اندرونی علاقے موسم گرما میں تیزی سے زیادہ گرم ہو جاتے ہیں اور یہاں ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ متصلہ بحری علاقے مقابلتاً سست رفتار سے کم گرم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر دباؤ زیادہ رہتا ہے۔ ہوائیں زیادہ دباؤ کے بحری علاقوں سے کم دباؤ کے براعظمی علاقوں کی جانب چلنے لگتی ہیں۔ یہ گرمائی مونسون کہلاتی ہیں۔ رطوبت ساتھ لیے ہوئے جب یہ پہاڑوں سے رک کر اوپر اٹھتی ہیں تو بارش برسا دیتی ہیں۔

سرمائی حالات برعکس ہوتے ہیں۔ خشکی کے زیادہ سرد علاقوں سے سمندر کی طرف خشک ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ یہ سرمائی مونسون کہلاتی ہیں اور بہت کم بارش برساتی ہیں۔

اناباٹک ہوائیں: یہ حرارت رسائی سے اوپر اٹھنے والی ہوائیں ہوتی ہیں۔

کیٹاباٹک ہوائیں: یہ ہوائیں اشعاع حرارت سے سرد ہو کر کشش ثقل کے باعث سلامی وار ڈھلانوں سے اترتی ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

ہوبرٹ: آسٹریلیا کی ریاست تسمانیہ کی راجدھانی اور اس کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ شہر کی آبادی 1971 میں 54,650 تھی اور شہر نیز مضافات کی آبادی 109,200 تھی۔ یہ کوہ ویلنگٹن کے دامن میں واقع ہے۔ یہاں اون کے کارخانے، گوشت اور پھلوں کو ڈبوں میں بند کرنے کے پلانٹس، جست کو صاف کرنے کا ایک کارخانہ بھی ہے۔ اس شہر کی بنیاد 1804 میں رکھی گئی تھی اور برطانیہ کی نو آبادیات کے ایک سکریٹری کے نام سے اس کو موسوم کیا گیا۔ یہاں ایک یونیورسٹی بھی ہے۔

ہوس پیٹ: ریاست کرناٹک کا ایک اہم شہر ہے۔ راجا کرشنا دیورایا نے اسے اپنی والدہ کی یادگار میں بسایا تھا۔ اسی کے قریب تنگبھدرا تالاب بھی ہے۔

ہومر: اس یونانی مفکر کی پیش کی ہوئی جغرافیائی معلومات کو تقریباً 500 سال تک مستند سمجھا جاتا رہا۔ اسی لیے اسٹرابو نے اسے بابائے جغرافیہ کا نام دیا تھا۔ ایلیڈ اور اوڈیسی اس کی اہم تصانیف ہیں۔ وہ زمین کو متحرک، سمندر سے گھری ہوئی، ایک چپٹی قرص سمجھتا تھا اور قشرِ ارض سے ابھرے ہوئے آسمان کو تھامنے والے ستونوں کے وجود کا قائل تھا۔

ہوموکلائمس: یہ وہ تمام علاقے ہیں جن کی آب و ہوا کے حالات یکساں ہوتے ہیں۔

ہومولوگرافک تظلیل: یہ مالویڈ کی مجمع الرقبہ تظلیل کا دوسرا نام ہے جو بالخصوص دنیا کے تقسیمی نقشوں کی تیاری کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

ہومولوسین تظلیل: مطابقتی منقطع تظلیل کو بعض اوقات ہومولوسین تظلیل بھی کہا جاتا ہے۔

ہومیر: دیکھئے کلیدی مضمون "جدید جغرافیائی تصورات"

ہونڈوراس (Honduras): وسطی امریکہ کا ایک جمہوریہ ہے جس کے شمال میں بحیرۂ کریبین اور مشرق اور جنوب میں نکاراگوا اور جنوب مغرب میں ال سلواڈور اور مغرب میں گوئٹے مالا واقع ہیں۔ رقبہ 112,088 مربع کلو میٹر (43,277) مربع میل ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 5,265,000 ہے۔ آبادی کا 90 فیصدی میسٹیزو (Mesitizo) (سفید فاموں، نیگرو اور مقامی لوگوں کی نسل کی ملی جلی) آبادی ہے۔ زبان ہسپانوی ہے۔ انڈین بولیاں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ مذہب رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ صدر مقام تیگوسی گلپا ہے۔

پست علاقوں کی آب و ہوا گرم ہے اور بلند مقامات پر معتدل۔ زیادہ تر زمین زرخیز ہے۔ جنوب مغربی علاقہ میں بلند پہاڑیوں کا سلسلہ ہے اور ان سے کئی چھوٹے چھوٹے دریا نکلتے ہیں۔ زراعت عام پیشہ ہے۔ گنا، کافی، تمباکو، گیہوں، مکئی، چاول اور پھلوں کی کاشت ہوتی ہے۔ جنگلوں سے لکڑی، ربر، گوند کافی مقدار میں حاصل کیا جاتا ہے۔ مویشیوں کی پرورش اور ان سے متعلق صنعتیں کافی ترقی یافتہ ہیں۔

کوئلہ، سونا، چاندی، لوہا اور سیسہ کی کان کنی ہوتی ہے۔

درآمد کا چالیس فیصدی حصہ امریکہ سے آتا ہے اور باقی قریب کے لاطینی امریکی ممالک اور جرمنی نیز جاپان سے آتا ہے۔ برآمدات کا 44 فیصدی حصہ امریکہ کو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی جرمنی، جاپان وغیرہ کو جاتا ہے۔ برآمدات میں کافی، کیلے، لکڑی، جست، گوشت وغیرہ اہم ہیں۔

1991 میں یہاں ابتدائی مدارس میں 908,446 طالب علم اور 23,872 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 194,083 اور فنی اسکولوں میں 58,566 طالب علم تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں اور جامعات میں 39,324 طالب علم اور 3,528 استاد تھے۔

رائج سکہ لمپیرا (Lempira) ہے۔

تاریخ: یوروپی باشندوں میں کولمبس نے سب سے پہلے 1502 میں ہونڈوراس کے ساحل کا پتہ لگایا تھا۔ دو سال بعد یہ اسپین کی سلطنت کا ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ 1821 میں یہاں اسپین کے خلاف بغاوت ہوئی اور میکسکو نے اسے ہڑپ لیا۔ 1823 میں وہ وسطی امریکہ کی ریاستوں میں شامل ہو گیا۔ 1938 سے اس نے اپنی ایک آزاد معیشت قائم کرلی۔ پچھلے برسوں میں اپنے پڑوسیوں، نکاراگوا اور گوئٹے مالا، وغیرہ سے سرحدوں کے جھگڑے چلتے رہے۔ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں اس نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ یہ مجلسِ اقوامِ متحدہ کے بانیوں میں سے ایک تھا اور امریکی تنظیم کا بھی وہ ممبر بن گیا۔ پچھلے دنوں میں یہاں انتخاب کے ذریعہ صدر چنے جاتے رہے اور ان کے بعد ہی فوجی بغاوت اور ڈکٹیٹر شپ قائم کر دی گئی۔ یہاں کی معیشت پر امریکہ کی یونائٹڈ فروٹ کمپنی کا زبردست کنٹرول ہے اور ان ہی کے زیرِ اثر حکومتیں ہر قسم کی زرعی اصلاحات کی مخالفت کرتی رہی

ہیں اور نتیجتاً بائیں بازو کی گوریلا تحریک یہاں کافی طاقت ور ہے۔ 1974 میں ہونڈوراس کے ساحل کیریبین پر طوفان سے بہت نقصان پہنچا۔ 1975 میں بغاوت کے نتیجہ میں صدر لوپیز متاثر ہوا۔ اس کا جانشین بھی 1978 کی فوجی بغاوت کے بعد صدارت سے ہٹادیا گیا۔

1992 میں ال سلواڈور کے ساتھ معاہدہ میں سرحدی تنازعہ طے کرلیا گیا۔

ہونشو: جاپان کے چار اہم جزائر میں سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کے مشرق میں بحرالکاہل اور مغرب میں بحیرۂ جاپان واقع ہیں۔ یہ جزیرہ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف قوس کی شکل میں 800 میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 89,105 مربع میل ہے۔ جاپان کے جملہ 46 اضلاع میں سے 34 اضلاع اسی جزیرہ میں واقع ہیں۔ اس کا وسطی حصہ پہاڑی ہے۔ جنوبی ساحلی علاقہ اہم معاشی مرکز ہے۔ اسے ٹوکیو، یوکوہاما اور اوساکا-کوبی کے ام البلادی علاقوں سے جوڑدیا گیا ہے۔ جاپان کا سب سے بڑا پہاڑ فیوجی یاما اور سب سے بڑی جھیل بیوا اسی جزیرہ میں واقع ہیں۔

ہوئے، رینے زست (Rene-Just Hauy): یہ فرانسیسی ماہر طبیعیات اور جمادات 1635 میں پیدا ہوا اور 1703 میں اس نے وفات پائی۔ اس نے علم ہندسہ کے قوانین کے مطابق جمادات کی قلمی شکلوں کا پہلا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اتفاق سے اس کی اس سلسلے میں دلچسپی اس واقعہ کی وجہ سے ہوئی کہ ایک بار تجربہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کیلسائٹ کی کچھ قلمیں گرگئی تھیں۔ ایک جماد کا نام اس کو اعزاز دینے کی خاطر ہوئیائٹ (Hauyite) رکھا گیا ہے۔

ہیٹی (Haiti): یہ ایک آزاد جمہوریہ ہے۔ ہیٹی جزیرۂ ہسپانولیہ کے مغربی ایک تہائی حصہ پر واقع ہے۔ بقیہ دو تہائی حصہ پر ڈومی نکن ریپبلک ہے۔ ہیٹی کے شمال اور مغرب میں بحر اوقیانوس اور جنوب میں بحیرۂ کیریبین واقع ہیں۔ ڈومی نکن ریپبلک مشرق میں ہے۔ جمائیکا اس کے مغرب میں اور کیوبا جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 27,750 مربع کلو میٹر (10,714 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 6,625,000 ہے۔ 95 فیصدی آبادی نیگرو ہے۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر پورٹ او پرنس (Port-au-Prince) ہے۔

سرکاری زبان فرانسیسی ہے اور ملی جلی زبان جسے کری اول (Creol) کہتے ہیں، بھی استعمال ہوتی ہے۔ مذہب رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

یہ ایک پہاڑی ملک ہے۔ دو تہائی علاقہ میں اتنے بلند پہاڑ ہیں کہ وہاں پہنچنا مشکل ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ آبادی کا 80 فیصدی حصہ زراعت میں مصروف ہے۔ کسانوں کی حالت بہت خراب ہے۔ فرسودہ زرعی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ بمشکل گزر بسر ہوتی ہے۔ کافی، کوکو، مکئی، گنا وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ تھوڑی مقدار میں باکسائٹ اور تانبہ کی دھات بھی نکلتی ہے۔ درآمدات کا 45 فیصدی امریکہ سے آتا ہے۔ اس کے علاوہ کینیڈا، جاپان، فرانس، اور مغربی جرمنی وغیرہ سے بھی درآمدات آتی ہیں۔ برآمدات کا 68 فیصدی امریکہ کو جاتا ہے اور بقیہ فرانس، بلجیم، اٹلی وغیرہ کو برآمد ہوتا ہے۔ برآمدات کا 33 فیصدی کافی، 9 فیصدی شکر اور 8 فیصدی باکسائٹ ہے۔

رائج سکہ گورڈ (Gaurde) ہے۔

ابتدائی مدرسوں میں 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق طالب علموں کی تعداد 555,433 اور اساتذہ کی تعداد 26,208 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں 143,758 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 4,471 طالب علم تھے۔

تاریخ: ہیٹی کو 1492 میں کولمبس نے دریافت کیا تھا۔ اس وقت یہاں تقریباً 20 لاکھ لوگ رہتے تھے۔ ہسپانوی حکمرانی کے زمانے میں ان میں سے بڑی اکثریت کو قتل کردیا گیا۔ جو باقی بچے انھیں غلام بنالیا گیا۔ 1630 میں یہاں کے مغربی علاقہ میں فرانسیسی آکر بسنے لگے۔ 1697 میں انھوں نے تھوڑا سا علاقہ اسپین کے قبضہ سے الگ کروالیا۔ 1791 میں نیگرو آبادی نے فرانس کے خلاف بغاوت کی اور ایک آزاد جمہوریہ قائم کرلی۔ لیکن 1801 میں نپولین نے اسے کچل دیا۔ اور ان کے لیڈروں کو پکڑ کر فرانس بھجوادیا۔ 1803 میں دیسالین (Desalines) کی سرکردگی میں ایک اور بغاوت ہوئی اور وہ شہنشاہ بن بیٹھا لیکن تین سال بعد دیسالین کو قتل کردیا گیا اور اسپین نے ایک بار پھر پورے جزیرہ پر قبضہ کرلیا۔ کئی سال کی خانہ جنگی اور غارت گری کے بعد یہ جزیرہ پھر دو حصوں میں بٹ گیا۔ اور دونوں آزاد ہوگئے۔ ان میں سے ایک ہیٹی ہے۔ 1950 میں ایک باقاعدہ آئین بنا جس کی رو سے چار سال بعد ایک صدر کا انتخاب ہونا چاہیے اور ایک شخص مسلسل صرف دو مرتبہ صدر بن سکتا ہے۔ 1957 میں ڈاکٹر فرانسوا دوالر (Dr. Francois Duvalier) صدر چنا گیا۔ اس نے آئین میں تبدیلی کرلی اور زندگی بھر کے لیے صدر بن گیا۔ اس کے انتقال کے بعد 1971 میں اس کا بیٹا ژان ژان کلاڈ (Jean-Claude) بے بی ڈاک بھی تاعمر صدر رہا۔ ہیٹی اپنی غربت، بدانتظامی اور رشوت ستانی کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے آئے دن بغاوتیں اور سازشیں ہوتی رہتی ہیں لیکن چھوٹے سے ملک میں کسی

حکومت کا، جسے فوج کی تائید حاصل ہو، تختہ الٹنااتنا آسان نہیں۔ ستمبر 1991 کی بغاوت نے صدر زین برٹرنڈاریسٹائیڈ کوملک چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

ہیدرگراف: کسی مقام کے بارہ مہینوں کے جداجدااوسط ماہانہ درجہ حرارت اوراوسط بارش کے اعداد وشمار کو ظاہر کرنے کے لیے ایک مشترکہ ترسیم تیار کرلی جائے تواسے ہیدرگراف اور کلائموگراف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس میں اگرافقی پیمانہ بارش کی مقداروں کو ظاہر کررہاہو تو عمودی پیمانہ سے حرارت کے درجے دکھائے جائیں گے۔ان کی مدد سے ہر مہینہ میں درجہ حرارت اور بارش کی مقدار کو ظاہر کرنے والے مشترکہ نقاط معلوم کرکے سلسلہ وار مہینوں کے نام لکھ دیے جاتے ہیں۔ان تمام نقطوں کو بالترتیب جوڑتے جائیں تو بارہ ضلعوں کا ہیدرگراف تیار ہوجاتا ہے۔

ہیراکڈ پراجکٹ بندھ: اڑیسہ میں دریائے مہاندی پرواقع ہیراکڈ بندھ دنیاکا سب سے لبا کنکریٹ اور مٹی کا ہمہ مقصدی بندھ ہے جس کی لمبائی 4801.2 میٹر ہے۔اس کی موجودہ برقی قوت کی گنجائش 123 میگاواٹ ہے اور دوسرے مرحلے کی تکمیل کے بعد اس کی گنجائش 270 میگا واٹ ہوگی۔اس سے طغیانیوں کو روکنے، آب پاشی اور زراعت کے کاموں اور بجلی حاصل کرنے کاکام لیاجاتا ہے۔

ہیروڈوٹس: دیکھیے کلیدی مضمون "جغرافیائی کھوج"

ہیروشیما: یہ جنوبی جاپان میں ضلع ہیروشیماکا صدر مقام ہے اور خلیج ہیروشیما پرواقع ہے۔1970 میں اس کی آبادی 541,998 تھی۔6/اگست 1945 کو یہاں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے پہلی بار ایٹم بم چھوڑاتھا۔ نتیجتاً شہر کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا اور ایک لاکھ تیس ہزار کے قریب جانیں ضائع ہوئیں۔عالمی جنگ دوم کے فوراً بعد ہی شہر کی تعمیر نوکا سلسلہ شروع ہوگیا۔1955 سے ہر سال ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف عالمی کانفرنس ہوتی ہے۔اب یہ شہر اہم تجارتی اور صنعتی مرکز بن گیا ہے۔

اس شہر کی بنیاد 1594 میں اوتاندی کے ڈیلٹاپر رکھی گئی تھی۔

ہیکاٹیس: یونان کا یہ جغرافیہ داں ہومر ہی کی طرح زمین کو ایک مسطح قرص سمجھتا تھا۔اس کے خیال میں زمین کے اطراف ایک متحرک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اس نے اناکزیمنڈر کے بنائے ہوئے آباد دنیا کے نقشہ کو بہتر شکل دی اور ایشیا نیز یوروپ کے عام جغرافیہ کی دو کتابوں میں اس نقشہ کو بھی شامل کردیا۔

ہیلسنکی (Helsinki): یہ فن لینڈ کا پایۂ تخت ہے۔ملک کے جنوب میں بحراوقیانوس کی ایک خلیج فن لینڈ کے کنارے واقع ہے۔یہاں قدرتی بندرگاہ ہے۔ یہ فن لینڈ کا تجارتی، انتظامی اور تعلیمی مرکز ہے۔یہاں مشین بنانے کے کارخانے، جہاز سازی کے کارخانے، غذائی اشیاکی تیاری کے پلانٹ، کپڑے کی کرنیاں اور چینی کے برتن بنانے کے کارخانے نیز کیمیائی اشیاکی تیاری کے پلانٹ ہیں۔1860 میں یہاں ریلوے لائن بچھائی گئی۔1840 میں یونیورسٹی قائم کی گئی۔یہاں کی آرٹ گیلری کافی شہرت رکھتی ہے۔ تکنیکی یونیورسٹی یہاں 1879 میں قائم کی گئی۔اس کی آبادی 441,678 ہے۔

ہیلی فیکس: یہ نوواسکوشیا (Nova Scotia) کا سب سے بڑا شہر اور اہم بندرگاہ ہے۔کینیڈا کی دو بڑی ریلوے لائنیں اور شاہراہیں یہاں ختم ہوتی ہیں۔اس کی بنیاد 1749 میں پڑی تھی۔1971 میں آبادی 92,511 تھی۔

ہیمبرگ: جرمنی میں یہ ہیم بورک کہلاتا ہے۔جرمنی کا یہ دوسرا سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ، دریائے ایلب کے کنارے، اس مقام پر واقع ہے، جہاں یہ دریا بحیرۂ شمالی میں گرتا ہے۔یہاں جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے، مشینری کے پلانٹ، غذائی اشیا تیار کرنے کی فیکٹری اور کیمیائی اشیا کے کارخانے ہیں۔یہ فری پورٹ ہے اور یہاں مچھلی پکڑنے کا کافی بڑا جہازی بیڑا ہے۔یہاں تکنیکی اور طبی درسگاہیں ہیں۔ایک یونیورسٹی ہے جو 1919 میں قائم ہوئی تھی۔یہ ایک قدیم شہر ہے جو نویں صدی میں موجود تھا۔کسی زمانے میں یوروپ کے عیسائی مذہب کی اصلاحی تحریک کا مرکز رہا ہے۔1558 میں یہاں پہلا اسٹاک ایکسچینج قائم کیا گیا۔1815 میں یہ جرمن کانفیڈریشن میں بحیثیت علیحدہ ریاست شامل ہوا۔1817 میں جرمن شہنشاہیت اور 1919 میں وی مر جمہوریہ کا ایک جزو بن گیا۔دوسری عالمی جنگ کے دوران اس شہر کو ہوائی حملوں سے بہت نقصان پہنچا۔ تاریخی اہمیت اور عصر جدید کی ایسی عمارتیں جن سے اس شہر کو شہرت حاصل تھی، تباہ ہوگئیں۔ مشہور موسیقار برام اور منڈل سان یہیں پیدا ہوئے تھے۔اس کی آبادی 1977 میں 1,898,600 تھی۔

ہیمپ شائیر: یہ ایک کاؤنٹی ہے جو انگلینڈ کے جنوب میں واقع ہے۔ونچسٹر اس کا مرکز ہے۔اس میں تین بڑے دریا بہتے ہیں اور یہ ایک زراعتی علاقہ ہے۔اس کو بھیڑوں کی پرورش اور ڈیری فارمنگ کے لیے مختص کردیا گیا ہے۔یہاں کئی ادبی اور شعبہ تاریخ سے متعلق انجمنیں ہیں۔اس کاؤنٹی کی آبادی 1971 میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

1,431,563 تھی۔ انگلستان کے دو بڑے بندرگاہ ساؤتھ ہیمپٹن اور پورٹس متھ یہیں ہیں۔

ہمپی: یہ ریاست کرناٹک کا قصبہ کسی زمانہ میں یہ ریاست وجیانگر کا دار السلطنت تھا۔ قدیم عمارتیں اور مندروں میں لنگایت مورتیاں آج بھی موجود ہیں۔ وجیانگر دور کے پتا بھی رنامندر، وٹیالا مندر اور ہزارارما مندر بہت شہرت رکھتے ہیں۔

ہینن (جزیرہ): تائی وان (فارموسا) کے بعد یہ چین کا سب سے بڑا جزیرہ ہے جو کوانگ تنگ صوبہ کے جنوب میں جزیرہ نما لوچو کے مقابل واقع ہے۔ شرقاً غرباً اس کی لمبائی 160 میل اور شمالاً جنوباً چوڑائی 130 میل ہے۔ رقبہ 13,204 مربع میل ہے۔ جنوبی حصہ کا وسطی علاقہ پہاڑی ہے۔ اس کے اطراف ساحلی میدان پھیلا ہوا ہے جو شمال میں زیادہ وسیع ہے۔ 1971 میں اس کی آبادی 1,330,789 تھی۔

ہینوئی (ہینوائی): یہ شہر دریائے سرخ (ریڈ ریور) (Songker) کے دہانے سے 75 کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ پہلے یہ فرانسیسی ہند چینی کا پایہ تخت تھا۔ 1954 میں یہ شمالی ویتنام کا پایہ تخت بنا۔ چینی زبان میں اس کے معنی ہیں۔ "دریا سے گھرا ہوا" اصل میں اس شہر کی بنیاد فرانسیسیوں نے ڈالی۔ یہ شہر مختلف علاقوں میں منقسم ہے جس میں انتظامی علاقے میں گورنمنٹ کی اہم عمارتیں، تعلیمی ادارے اور سوشل انسٹیٹیوٹ شامل ہیں۔ دوسرا علاقہ گنجان آبادی پر مشتمل ہے اور تیسرے رہائشی علاقے میں زیادہ دیہاتی ماحول کا اثر ہے۔

یہ ایک تجارتی مرکز کے علاوہ اہم صنعتی شہر ہے۔ یہاں کے کارخانوں میں مشینیں، اوزار، الکٹرک جنریٹر، موٹر، پارچہ بافی، کیمیائی اشیا بنانا شامل ہیں۔ بندرگاہ، جو شہر سے 70 کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، اس کی تجارتی ترقی کا ذریعہ ہے۔ یہاں کے تعلیمی اداروں میں ہنوئی یونیورسٹی، صنعتی انسٹی ٹیوٹ، میڈیکل انسٹی ٹیوٹ اور نیشنل لائبریری شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کئی میوزیم قابل دید ہیں۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ی، ے

یارک (شائیر): یارک،یارک شائیر،یا یارکس کاؤنٹی،انگلینڈ کے شمال میں واقع ہے۔ انگلینڈ کی تمام کاؤنٹیوں میں یہ سب سے بڑی ہے اور دریائے ہمبر اور ٹمز کے درمیان واقع ہے۔اس کا مرکزی شہر یارک ہے۔اس کا میدانی علاقہ بہت زرخیز ہے۔ یہاں لوہے اور فولاد کی صنعتیں ہیں، کپڑا بنانے کے کارخانے ہیں، کیمیائی اشیا تیار کی جاتی ہیں اور کوئلہ برآمد کیا جاتا ہے۔ غیر صنعتی علاقوں میں زراعت ہوتی ہے اور مویشی پالے جاتے ہیں۔ماقبل تاریخ کی عمارتوں کے باقیات یہاں آج تک موجود ہیں۔کاؤنٹی کی آبادی 1971 میں 4,722,661 تھی۔ شہر یارک کو انگلستان کی تاریخ میں نہایت اہم مقام حاصل رہا ہے۔رومن حکومت کے دور میں یہ شمالی انگلستان کا صدر مقام تھا۔پانچویں صدی میں رومنوں کے جانے کے بعد یہ سیکسنز کے ہاتھ آیا۔عہد وسطیٰ میں اسے برطانیہ کی مذہبی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

یافو (جافہ): یافو یا جافہ (عبرانی میں یافو) بحیرۂ روم کے کنارے ایک اہم بندرگاہ ہے۔یہاں سے ریلیں اور سڑک یروشلم کو جاتی ہیں۔ مشرق قریب کا یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔انجیل میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ اسرائیل کی سلطنت میں تھا، پھر بعد کی کئی مملکتوں کا حصہ بنا۔بارہویں صدی میں یہ یوروپ کے صلیبیوں (Crusadors) کے قبضہ میں آیا۔1799 میں اس پر نپولین نے قبضہ کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب انگریزوں نے فلسطین پر قبضہ کیا تو یہ بھی ان کے ہاتھ آیا۔ 1948 میں فلسطین کی تقسیم کے بعد اسرائیل کی ریاست بنی تو یہ نئی اسرائیلی ریاست کا حصہ بنا۔ تقسیم کے وقت آبادی کی اکثریت عربوں کی تھی۔ سخت لڑائی اور تقسیم کے بعد عربوں کی بڑی تعداد ترک وطن کر گئی اور یہاں یہودیوں کی اکثریت ہو گئی۔ 1950 میں اسرائیلیوں نے اسے تل ابیب (عفیف) کا حصہ بنالیا۔

یان میَن۔ جزیرہ (Jan Meyen Island): دائرۂ قطب شمالی کا ایک جزیرہ ہے جو ناروے اور گرین لینڈ کے درمیان واقع ہے۔کل رقبہ 380 مربع کلو میٹر ہے۔اس پر 1929 میں ناروے نے قبضہ کرلیا۔یہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔اسے مچھیرے استعمال کرتے ہیں اور لوگ لومڑیوں کا شکار کرتے ہیں۔یہاں سے موسم کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

یروشلم: اس کی آبادی 288,000 ہے۔ام البلدی رقبہ کی آبادی 323,700 ہے۔شہر یروشلم 2,500 فٹ اونچے سلسلۂ کوہ پر بسا ہوا ہے۔یہ دریائے اردن کے دہانے کے مغرب اور تل ابیب کے جنوب میں واقع ہے۔یافو (جافا)، اس کا اہم بندرگاہ ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے یہ متبرک شہر سمجھا جاتا ہے۔یروشلم کے مشرقی حصے میں پرانا شہر (اولڈ سٹی) واقع ہے۔یہ مربع شکل میں ہے اور دو پہاڑیوں پر بنایا گیا ہے۔اس کے اطراف ایک دیوار ہے جو 1942 میں بنائی گئی تھی۔اس کے اندر چار قطعات ہیں۔ مسلم علاقہ مشرق میں ہے اور یہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے۔ یہیں ایک پہاڑ پر حضرت عمرؓ کی مسجد ہے۔اس کے مغرب میں یہودیوں کی متبرک دیوار گریہ ہے۔ حرم کے قریب ہی، جنوب مغرب میں، یہودیوں کا علاقہ ہے جہاں ہیکل سلیمانی ہے۔اس کی اکثر عمارتیں 1948 کی جنگ میں بہت کچھ تباہ ہو گئی تھیں۔ مغرب کی جانب ارمینیائی حصہ ہے۔ عیسائیوں کا علاقہ اولڈ سٹی کے شمال مغرب میں ہے۔ یہاں "ہولی سپلکر" نامی گرجا ہے۔ اسرائیلی علاقے میں ایک یونیورسٹی، حکومت کے دفاتر اور رہائشی مکانات واقع ہیں۔

یسمرگ: یہ سری نگر (کشمیر) سے 43 کلومیٹر کے فاصلہ پر پہاڑوں کے درمیان ایک خوبصورت تفریح گاہ ہے۔

یک رخی شکل: یہ وضع زمین کی سطح سے نیچے کی طرف بنائی ہوئی عمودی تراش کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والی خاکے (لے آوٹ) کو ظاہر کرتی ہے۔

یک رخی شکل توازن: یہ دریایا حدود ساحل کا ایسا تعمیر شدہ منظر ہے جو تراشیدہ اور جمع شدہ چٹانی مادوں میں توازنی کیفیت کے نتیجہ میں رونما ہوتا ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

Jameay Urdu Encyclopedia Jughrafia

دریائی بہاؤ کی اس نوعیت کی یک رخی شکل مقعر قوس کی طرح دکھائی دیتی ہے۔اس کے بالائی حصہ میں کچھ پیچ و خم ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن زیریں حصہ بالعموم ہموار نظر آتا ہے۔

یک رخی شکل کے لیے تراز پیائی: کسی معینہ خط کی سطح زمین کے یک رخی نشیب و فراز کے اختلافات دکھانے ہوں تو ڈمپی تراز پیا کو منتخبہ میدان میں ایک ہی جگہ رکھ کر متعدد مقامات کی بلندیوں کا مشاہدہ کر لیا جاتا ہے۔اس نوعیت کی پیائش کو یک رخی شکل والی تراز پیائی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ معینہ خط کبھی مستقیم اور کبھی منحنی بھی ہو سکتا ہے۔اس پر مناسب فاصلوں کے وقفوں سے کئی اسٹیشن قائم کر لیے جاتے ہیں اور انھیں صفر،ایک،دو، تین، چار وغیرہ کے ہندسوں سے دکھا دیا جاتا ہے۔ خط کے ابتدائی یا آخری اسٹیشن کا کسی معلوم بلندی کے بینچ مارک کے قریب ہونا لازمی سمجھا جاتا ہے۔ درمیان کے ایسے مقامات بھی اہمیت رکھتے ہیں جہاں ڈھلان غیر معمولی طور پر کم یا زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ اسٹیشنوں سے ان مقامات تک کے فاصلے ناپ لیے جاتے ہیں اور انھیں اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے جیسے "ا"30،اس کے یہ معنی ہیں کہ زیر مشاہدہ مقام اسٹیشن نمبر "ا" سے 30 فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ڈمپی تراز پیا کو اسٹیشن پر نصب کر کے اس کی بلندی کا حساب لگانے کے لیے بینچ مارک کا عقبی مشاہدہ نوٹ کر لیا جاتا ہے۔اس کے بعد اسٹاف کو ابتدائی مقام پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ بینچ مارک اور موڑ کے مقامات کی بلندیوں کا تعین بہت احتیاط کے ساتھ اعشاریہ کے دو مراتب تک کرنا مناسب سمجھا جاتا ہے۔

کسی علاقہ "اب" کی یک رخی شکل تیار کرنے کے لیے جو مشاہدات کیے گئے ہیں بطور نمونہ ذیل میں درج کیے گئے ہیں۔

اسٹیشن	عقبی مشاہدہ	آلہ کی بلندی	پیش مشاہدہ	رڈاریڈنگ	اونچائی
بینچ مارک(B,M)	2.64	92.99	–	–	90.35
صفر+0				3.4	89.4
صفر+30				6.8	86.2
0+1				8.2	84.8
40+1				2.1	90.9
موڑ کا مقام TPI	4.35	89.88	7.46	–	85.53
0+20				3.3	86.6
60+2				8.3	81.7
موڑ کا مقام TPII	1.38	86.24	4.32	–	85.56
0+3				7.0	79.9
40+30				2.2	84.7
0+40				5.1	81.8

درج بالا جدول میں بینچ مارک کی اونچائی 90.35 فٹ ہے۔ آلہ کے مقام (L.1) سے لیا ہوا عقبی مشاہدہ 2.64 بتایا گیا ہے۔ان دونوں کو جوڑ کر آلہ کی بلندی 92.99 فٹ ہو جاتی ہے۔اسے خانہ نمبر (3) میں درج کر دیا ہے۔اسی جگہ سے مختلف مقامات 0۔ صفر،30۔ صفر،0۔ 1 اور 40۔ 1 کی راڈریڈنگز نوٹ کر لی جاتی ہیں۔ انھیں آلہ کی بلندی سے گھٹا کر مقامات کی اونچائیاں معلوم کر لی جاتی ہیں اور انھیں خانہ نمبر 6 میں درج کر دیا جاتا ہے۔ تمام راڈریڈنگز کو نوٹ کر لینے کے بعد موڑ کے پہلے مقام (T.P.I) یعنی Turning Point I کا تعین کر کے پیش مشاہدہ (S-) کر لیا جاتا ہے۔اس کی اونچائی معلوم کرنے کے لیے پیش مشاہدہ (S-) کو آلہ کی بلندی سے تفریق کر دیتے ہیں۔ جدول کے درج بالا اندراجات کے اعتبار سے حسابی عمل حسب ذیل رہے گا۔

7.46- 92.99 = 85.53 فٹ۔

اس کے بعد ڈمپی تراز پیا کو دوسرے اسٹیشن (LII) پر نصب کر دیا جاتا ہے۔ یہاں سے T.P.I کا عقبی مشاہدہ کر کے اسے .T.P.I کی اونچائی میں جوڑنے سے آلہ کے نئے مقام کی بلندی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر مختلف مقامات کی راڈریڈنگز لے کر ان کی اونچائیاں معلوم کر لی جاتی ہیں۔ جب مقام L-II سے دیکھے ہوئے مقامات کی اونچائیاں معین ہو جاتی ہیں تو آلہ کی نئی بلندی (H.1) سے راڈریڈنگ کو گھٹا دیا جاتا ہے۔اس طرح تراز پیائی کا کام آگے بڑھتا جاتا ہے۔

آلہ کی بلندی کا تعین بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہ درست رہے تو دیگر تمام مقامات کی اونچائیاں بھی درست رہیں گی۔اس صحت ہی کو قائم رکھنے کے لیے موڑ کے متعدد مقامات منتخب کیے جاتے ہیں اور انھی کے حوالے مستقلاً دیے جاتے ہیں۔

بینچ مارکس کی بلندیاں بڑی احتیاط سے معلوم کی جاتی ہیں۔ اس لیے قطعی درست ہوتی ہیں اور اسی لیے انھیں حوالہ کے معیاری و اساسی مقامات گردانا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر پیائش میں بینچ مارکس کا پایا جانا ضروری نہیں ہوتا اس لیے موڑ کے متعدد مقامات کا تعین کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ مشاہدات کے اندراجات کے بعد مناسب افقی اور عمودی پیمانوں کی مدد سے زیر پیائش علاقہ کی فرازی کو ظاہر کرنے والی یک رخی شکل بآسانی تیار ہو جاتی ہے۔

یک رخی منظر گل: یہ قشر ارض میں کسی منتخبہ علاقہ پر تہ در تہ پھیلی ہوئی مٹی کے افقی پرت کی یک رخی شکل ہے۔ یہ پرت تراش عمودی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ان کی چار اہم اقسام ہیں جو کئی ذیلی قسموں میں منقسم ہو سکتی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

یک محوری جمادات (Uniaxial Minerals): ایسے جمادات جن میں ایک سمت ایسی ہوتی ہے جس میں دوہرا انعطاف نہیں ہوتا۔ اس جماد کے قلم کو عمودی محور سے اس کی لمبائی میں تقسیم کیا جاتا ہے تو اس کے دو حصے ہم شکل ہوتے ہیں اور کسی قلم میں ایسی صورت پائی جائے تو اس کو یک محوری جماد کہا جاتا ہے۔ اس کی بہترین مثال کیلسائٹ (Calcite) ہے جو ضلعی اور شش ضلعی نظام کے جمادات میں ایک عمودی محور ہوتا ہے جس کے باعث ایسے جمادات اس محور کے متوازی دوہرا انعطاف نہ ہونے کے باعث خوردبینی امتحان میں سیاہ نظر آتی ہیں۔

یکساں عوامل کا اصول (Uniformitarianism): جیمس ہٹن (James Hutton) کا اصول کہ "حال ماضی کی کنجی ہے" یعنی موجودہ دور میں جو کچھ بھی واقع ہو رہا ہے اور جو عوامل کارفرما ہیں وہی ماضی میں بھی ہوتے رہے ہیں اور اس طرح موجودہ ارضیاتی اعمال (Geological Processes) کے قریبی مشاہدات کے ذریعے ماضی میں ایسے اعمال کے بارے میں اندازے قائم کیے جا سکتے ہیں اور ماضی کی ایک تصویر بنائی جا سکتی ہے۔

یمن ریپبلک (Yemen): یمن ایک ریپبلک ہے۔ 1990 میں یمن عرب ریپبلک اور پیپلز ڈیماکریٹک ریپبلک آف یمن (جنوبی یمن) متحد ہو گئے۔ یہ جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے۔ اس کا صدر مقام اور بندرگاہ صنعا (Sana) ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ قلزم (بحیرۂ سرخ) اور شمال میں سعودی عرب کا ریگستانی علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں عمان واقع ہے اور جنوب میں خلیج عدن اور بحیرۂ عرب ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں چند چھوٹے جزائر بھی شامل ہیں۔ اسکا رقبہ 535,800 مربع کلو میٹر (207,300 مربع میل) ہے۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 11,610,000 ہے۔ عام مذہب اسلام ہے اور زبان عربی ہے۔

اس علاقہ کو ہمیشہ تاریخی حیثیت حاصل رہی ہے۔ بحیرۂ عرب سے بحیرۂ قلزم (سرخ) میں داخل ہوتے وقت اس کے ساحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ بحر ہند کے ملکوں، عرب ملکوں، اور شمال مشرقی افریقہ کے ممالک کی آپس میں تجارت اس کے سمندری علاقہ سے ہو کر گزرتی ہے۔

جب انگریزی اقتدار ہندوستان اور جنوب و جنوب مشرقی ایشیا میں پھیلنا شروع ہوا تو بندرگاہ عدن نے بھی اہمیت حاصل کر لی۔ 1839 میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے عدن پر قبضہ کر لیا اور اسے بحری اور ہوائی اڈے میں تبدیل کر دیا۔ ہندوستان اور مشرقی ایشیا کو جانے والے تمام تجارتی جہاز عدن سے ہو کر گزرتے تھے۔ 1869 میں جب نہر سوئیز بن گئی تو عدن نے اور بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ بیسویں صدی میں خلیج فارس اور سعودی عرب میں تیل دریافت ہوا۔ اس سے عدن کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہاں بھی آزادی کی جنگ تیز ہو گئی اور آخر میں اس نے مسلح جدوجہد کی شکل اختیار کر لی۔ آخر کار 1967 میں برطانیہ کو اسے آزادی دینی پڑی اور اطراف کے علاقوں سے متحد ہو کر یمن عوامی جمہوریہ کی بنیاد پڑی۔ سیاسی طور پر یہ نہایت ترقی پسند ملک ہے۔ سوشلزم کا قیام اور شمالی یمن کے ساتھ اتحاد اس کا ایک اہم مقصد رہا جو 1990 میں مکمل ہو گیا۔

شمالی یمن جس کا سرکاری نام یمن عرب جمہوریہ تھا، اب متحدہ یمن کا حصہ ہے جنوب مغربی عربستان میں بحیرۂ قلزم (احمر یا سرخ) کے ساحل پر واقع ہے۔ یمن کے مشرق میں کوئی معینہ سرحد نہیں ہے، بلکہ ربع الخالی کا وسیع ریگستان واقع ہے۔ عربی میں الیمن سے مراد سیدھا ہاتھ ہے۔ غالبًا یہ نام خانہ کعبہ کے مقابل یمن کے محل وقوع کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ واضح رہے کہ خانہ کعبہ اسلام سے قبل بھی عربوں کی عبادت گاہ رہا ہے۔ قدیم زمانے میں یمن کا اطلاق موجودہ یمن سے کہیں بڑے علاقہ پر ہوتا تھا۔ موجودہ یمن تہامہ کے ساحلی میدان پر مشتمل ہے۔ یہاں عرب اور افریقہ کے مخلوط النسل باشندے آباد ہیں۔ البتہ اندرونی ملک کے پہاڑی علاقوں میں صرف عرب رہتے ہیں۔ بلند علاقوں میں بارش اچھی خاصی ہوتی ہے، اس وجہ سے وسیع پیمانے پر کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ یہاں کی، ایک مخصوص قسم کی، کافی بھی بہت مشہور ہے۔ ساحلی پٹی کے نیم خانہ بدوش بھیڑ، بکریاں اور اونٹ پالتے ہیں۔ یہاں سے کافی اور چمڑا بڑی تعداد میں برآمد کیا جاتا ہے۔ صنعتیں صرف دستکاریوں تک محدود ہیں۔ 1958 میں تیل دریافت ہوا۔ اس سلسلہ میں بیرونی کمپنیوں کو کافی مراعات دی گئی ہیں۔ رائج سکہ ریال ہے۔ برآمدات کا 33 فیصدی روئی، 20 فیصدی کھالیں اور 20 فیصدی کافی ہے۔ برآمدات کا 42 فیصدی جاپان کو، اور بقیہ اٹلی اور سعودی عرب کو جاتا ہے۔ درآمدات زیادہ تر سعودی عرب، جاپان، ہندوستان، برطانیہ اور چین وغیرہ سے آتی ہیں۔ 1965 سے روس اور کمیونسٹ چین نے بھی معاشی اور فنی امداد بہم پہنچائی ہے۔ روسیوں نے حدیدہ میں ایک نئے اور جدید طرز کا بندرگاہ تعمیر کیا ہے۔ تقریبًا ساٹھ فیصدی باشندے سنی عقیدۂ اسلام کو مانتے ہیں۔ بقیہ زیدی شیعہ ہیں۔ سرکاری اور بول چال کی زبان عربی ہے۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 1,291,372 طالب علم اور 35,350 استاد تھے۔ ثانوی مدارس میں 420,697

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 23,457 طالب علم تھے۔

تاریخ: جنوبی عربستان کی قدیم ترین تہذیب جس کے آثار دستیاب ہوئے ہیں مینائیوں (Minean) اور سبائیوں (Sabaean) کی تھی۔

سبائی تہذیب تقریباً 750 سے 115 ق۔م۔ تک قائم رہی۔ چھٹی صدی سے پانچویں صدی ق۔م۔ تک اس تہذیب کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس میں موجودہ یمن کے علاوہ حضر موت بھی شامل تھا۔ سمجھا جاتا ہے کہ سبا کے باشندے زمانہ قدیم میں شمال مغربی عربستان سے یہاں آئے تھے۔ دسویں صدی قبل مسیح میں یمین کے سامی باشندوں نے حبش (ایتھوپیا) میں بھی اپنی نو آبادیاں قائم کی تھیں۔ توریت میں سبائے یمن کا ذکر موجود ہے۔ آٹھویں صدی کی اسیر لیائی دستاویزیں بھی اس کی شہادت دیتی ہیں کہ زمانہ قدیم میں سبا تہذیبی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ عربوں کی قدیم روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ ملک ہندوستان اور افریقہ کے تجارتی راستے پر واقع ہونے کی وجہ سے بڑا دولت مند بن گیا تھا۔ یہاں کی زرخیزی اور خوشحالی کے چرچے دور دور تک پہنچے تھے۔ یمن کے معنی عربی میں خوش نصیب اور خوش حال کے بھی ہیں اور اس لیے قدیم رومی اس علاقہ کو (Arabia Felix) کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہاں کی خوش حالی کا ایک اہم سبب وہ بندھ تھا جو یمن کے پایہ تخت مارب میں تعمیر کیا گیا تھا اور جو غالباً پہلی صدی میں ٹوٹ گیا۔ عرب مورخین کے مطابق یہ بندھ ملکہ بلقیس (ملکہ سبا) نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ وہی ملکہ سبا (شیبا) ہے جو توریتی روایت کے مطابق حضرت سلیمان فرمانروائے اسرائیل سے ملنے گئی تھی۔ ایک بہت لمبی گھاٹی میں بندھ کے ذریعہ پانی کو روک کر ایک تالاب بنایا گیا تھا جس سے تمام ملک میں آبپاشی ہوتی تھی۔ اس علاقہ کے جو کتبات اور آثار دریافت ہوئے ہیں ان سے اس بندھ کے علاوہ وہاں کے باشندوں کی فنی مہارت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کتبات ایک سامی زبان حماری (Himyaretic) میں ہیں جس کے حروف فینیقی سے لیے گئے ہیں۔

سبائیون کے بعد یہاں حماری (Himyaretic) خاندان برسر اقتدار رہا۔ حماری دور کی ابتدا یعنی 24 ق۔م۔ میں رومیوں کے حملے شروع ہوئے اور پھر اہل حبش (ایتھوپیا) نے اس علاقے پر تقریباً 340 سے 378 کے درمیان قبضہ کیا۔ حماری سلطنت کے دوسرے دور میں یہاں عیسائی اور یہودی مذہب پہنچا۔ چنانچہ آخری حماری بادشاہ ایک یہودی تھا۔ 525 میں حبش نے دوبارہ یمن فتح کیا۔ 575 سے 628 تک یہ علاقہ ایران کی عمل داری میں رہا۔ اس کے بعد مسلمان یہاں آئے۔ خلافت کے زمانے میں اس کی حیثیت ایک صوبے کی ہو گئی۔ خلافت کے کمزور پڑ جانے کے بعد یمن ایک بااثر راسی (Rassite) خاندان کے زیر تسلط آ گیا۔ جس کے زیدی فرقہ کے اماموں نے یمن میں مذہبی اصولوں پر مبنی سیاسی نظام قائم کیا جو 962 تک مستحکم رہا۔ تقریباً 1000 سے 1175 تک جبکہ مصر کے فاطمی خلفا کا ستارہ عروج پر تھا یمن کے بیشتر حصہ پر مصر کا قبضہ رہا۔ پھر یہ ایوبیون کے زیر اقتدار چلا گیا اور تقریباً 1250 تک ان ہی کے قبضہ میں رہا۔

1520 میں یمن سلطنتِ عثمانی کا حصہ بن چکا تھا تاہم اس کا اقتدار برائے نام تھا جو پہلی جنگِ عظیم کے ختم ہونے پر برخواست ہو گیا۔ وہابی تحریک کی لہر سے، جس نے انیسویں صدی کے اوائل میں سارے جزیرہ نمائے عرب کو تہ و بالا کر دیا تھا، یمن بھی نہ بچ سکا۔ وہابیوں نے یمن کے اماموں کو اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ لیکن 1818 میں مصر کے ابراہیم پاشا نے، جو سلطان ترکی کی نمائندگی کر رہا تھا، وہابیوں کو مار بھگایا اور قبضہ گیر مصری وہاں 1840 تک جمے رہے۔ پھر ترکوں نے مصریوں کو یمن سے ہٹا دیا اور اس کے اندرونی حصہ کو امام کی کامل خود مختاری میں دیدیا۔ 1918 میں ترکوں کے چلے جانے کے بعد امام یحیٰ نے یمن کے علاقہ میں توسیع کرنے کی کوشش کی۔ شمال میں اس نے ابن سعود کے مقابل اسیری اور ادریسی ریاست کو اپنا نشانہ بنایا اور جنوب میں عدن کے برطانوی مقبوضہ کے خلاف چھاپہ مار لڑائی شروع کر دی۔ لیکن اس ساری بھاگ دوڑ کے بعد اسے صرف حدیدہ کا بندرگاہ اور اسکے اطراف کا کچھ علاقہ ہاتھ آیا۔ 1934 میں سعودی عرب کے ایک مختصر سے حملے اور انگریزوں سے ان کی جھڑپ کے بعد سعودی عرب اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے ذریعہ یمن کی حدود کا تعین کر دیا۔ تاہم عدن کی سرحد پر کبھی کبھی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یمن گوشہ تنہائی سے باہر نکلا اور خارجی امور میں زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ 1945 میں اس نے عرب لیگ میں شرکت کر لی اور 1947 میں اقوامِ متحدہ کا رکن بن گیا، تاہم ایک روحانی پیشوا اور بادشاہ کی حیثیت سے امام کے مرتبہ میں کوئی فرق نہ آیا اور حکومت مذہبی اصولوں پر ہی چلتی رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ سیاسی بے چینی بڑھتی گئی۔ 1948 میں ایک درباری بغاوت نے سر اٹھایا اور امام یحیٰ کو قتل کر دیا گیا۔ ولی عہد احمد نے شورش پسندوں کی سرکوبی کر کے خود اقتدار سنبھالا۔ 1958 میں یمن نے متحدہ عرب جمہوریہ میں شرکت کی اور اس طرح ایک عرب ریاست ہائے متحدہ وجود میں آئی تاہم اس کا وجود صرف کاغذ ہی پر رہا۔ 1959 میں ملک میں بد نظمی اور افراتفری پیدا ہو گئی اور 1961 میں امام احمد کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ جب سیریا متحدہ عرب جمہوریہ سے علیحدہ ہو گیا تو ناصر نے امام احمد پر رجعت پسندی کا الزام لگا کر یمن سے اتحاد ختم کر دیا۔ امام احمد کا 1962 میں انتقال ہو گیا اور ولی عہد محمد البدر اس کا جانشین ہوا۔ البدر نے غیر جانب دارانہ خارجہ

پالیسی اختیار کی۔ کچھ ہی دن بعد ناصر موافق فوجی افسروں نے بغاوت کر دی۔ امام کو ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ امام کے مرنے کی بھی اطلاع عام ہو گئی تاہم وہ چند ہی دنوں بعد شاہ پرست قبیلوں کی حمایت سے پھر نمودار ہو گیا۔ ان حالات میں کرنل عبداللہ السلال نے مصریوں کی مدد سے یمن کے جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا اور انقلابی افواج نے امام کے سپاہیوں کو مشرقی سرحدوں پر پسپا کر دیا۔ 1967 میں اسرائیل سے جنگ کے وقت مصر نے اپنی فوجیں یمن سے بلوالیں اور اس کے بعد سے یمن میں کئی فوجی بغاوتیں ہو چکی ہیں اور مملکت کے صدر بدلے جا چکے ہیں۔

بالا آخر 1990 میں دونوں یمن یعنی شمالی یمن اور جنوبی یمن متحد ہو گئے ہیں۔

یمناہائیڈرو الکٹرک پراجکٹ: مسوری (اترپردیش) میں سب سے پہلا برقابی پراجکٹ 1909 میں اور نینی تال میں 1921 میں قائم کیا گیا۔

ینگ سی کیانگ: چین کا یہ سب سے بڑا دریا ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف بہتا ہے۔ تجارت کی اہم شاہراہ ہے۔ یہ کیون لُن پہاڑوں کے جنوبی دامن سے نکلتا ہے اور وسط چین میں زرخیز میدان بناتا ہے۔ معاشی اہمیت کے گنجان آباد علاقہ کو سیراب کرنے کے بعد شنگھائی کے قریب بحیرۂ مشرقی چین میں گر جاتا ہے۔ اس کی لمبائی 3,434 میل اور نکاسی آب کا رقبہ تقریباً 756,498 مربع میل ہے۔ اس میں اندرون ملک دور تک جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ موسم گرما میں اس پر دس ہزار ٹن تک کے جہاز ہانکاؤ تک اور ایک ہزار ٹن والے جہاز چنگ کنگ تک پہنچ سکتے ہیں۔

یوروپ کی اہم ریلوے لائنیں: (1) پیرس تا استنبول، (2) پیرس تا وارسا، (3) وارسا تا ماسکو اور (4) پیرس تا میلان

یوروپ کے صف اول کے صنعتی خطے: رہور کا علاقہ، سوئٹزر لینڈ کا پلیٹو، وادیٔ پو اور لورین کے صنعتی علاقے ترقی کے میدان میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔

یوروگوے (Uruguay): یہ جنوبی امریکہ کا سرینام کے بعد دوسرے نمبر پر چھوٹا جمہوریہ ہے لیکن اس کی آبادی سب سے زیادہ گھنی ہے۔ اس کے شمال میں برازیل، مغرب میں ارجنٹینا، جنوب میں ریولا پلاٹا اور جنوب نیز مشرق میں بحرالکاہل واقع ہیں۔

یوروگوے کا رقبہ 177,414 مربع کلو میٹر ہے اور 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق آبادی 3125,000 ہے۔ ان میں سے 89 فیصدی سفید فام، 10 فیصدی مسٹیزو یا ملی جلی نسل کے لوگ ہیں۔ صدر مقام اور سب سے بڑا شہر مانٹیویڈیو (Montevideo) ہے۔

سرکاری زبان ہسپانوی ہے اور مذہب رومن کیتھولک عیسائیت ہے۔

یوروگوے میں کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے سلسلے ہیں۔ شمال میں دریاؤں کے کنارے کنارے جنگل ہیں جن میں تجارتی لکڑیاں ملتی ہیں۔ دریائے یوروگوے سب سے بڑا دریا ہے اور ملک کو برازیل سے الگ کرتا ہے۔ جنوب مشرق کے ساحلی علاقہ میں کافی جھیلیں ہیں۔ اس علاقہ میں بھی پام کے درختوں کی کثرت ہے۔ آب وہوا عام طور پر معتدل ہے اور بارش بھی بہت زیادہ نہیں ہوتی۔

زرخیز زمین، وسیع چراگاہوں اور جھیلوں کی وجہ سے مویشی بڑے پیمانے پر پالے جاتے ہیں۔ ملک کے ساٹھ فیصدی علاقے میں چراگاہیں ہیں۔ عام دنوں میں گوشت، اون، کھالیں، یوروگوے کی درآمدات کا 85 فیصدی حصہ ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ گیہوں، مکئی، چاول اور پھلوں وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

درآمدات، کویت، جرمنی، ارجنٹینا، برازیل وغیرہ سے آتی ہیں اور برآمدات 22 فیصدی جرمنی کو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ امریکہ، اٹلی، برطانیہ اور یوروپ کے بعض اور دوسرے ملکون کو بھی برآمدات جاتی ہیں۔

رائج سکہ پیسو (Peso) ہے۔

1992 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں میں 343,825 طالب علم اور 15,827 استاد تھے۔ ثانوی اسکولوں میں 276,482 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 62,587 طالب علم تھے۔

تاریخ: ہسپانوی اس علاقہ میں 1624 سے آنا اور بسنا شروع ہو گئے تھے، لیکن بڑے پیمانے پر اور مستقل طور پر لوگ اٹھارویں صدی سے بسنا شروع ہوئے۔ 1811 اور 1821 کے درمیان اسپین سے آزادی کی تحریک چلتی رہی۔ لیکن آزادی کے ساتھ ہی 1821 میں برازیل نے اسے ہتھیالیا۔ برازیل کے خلاف جدوجہد کئی سال چلی۔ آخر کار 1828 میں برازیل اور ارجنٹینا دونوں نے اس کی آزادی تسلیم کرلی۔ آزادی کے باوجود ملک تقریباً چالیس سال تک افراتفری اور نراج کا شکار رہا اور ارجنٹینا، برازیل، برطانیہ، فرانس، سب ہی اس کو ہتھیانے کی فکر میں لگے رہے۔ 1870 کے بعد سے دو بڑی پارٹیاں یہاں کی سیاست پر حاوی رہیں۔ صدر اورڈونیز (Ordonez) کی سرکردگی میں اور اس کے دور صدارت میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

سوشلسٹ طرز کی اصلاحات نافذ کی گئیں اور ملک میں کسی قدر سکون پیدا ہوا۔ اس دوران بائیں بازو کی طاقتیں اور کمیونسٹ تحریک بھی بڑھتی رہی۔ جب حکومت بڑھتے ہوئے افراط زر اور بے چینی پر قابو نہ پاسکی تو بائیں بازو کی پارٹیوں کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔ 1976 میں فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔ تمام پارٹیوں پر پابندی لگا دی گئی اور ہر قسم کے شہری حقوق ختم کر دیے گئے۔

1980 میں فوجی حکومت عوام کی رائے سے بے دخل ہو گئی۔ 1985 میں جولیو ماریا سانگی نتی صدر رہا۔ 1989 میں اس کی جگہ البرٹو ہر یرا صدر بنا۔

یوروگوئے کا زبان و ادب کے معاملہ میں قابل ذکر تعاون ہے۔

یوکرینیا (یوکرین): یہ اشتراکی روس کے جمہوریوں میں سے ایک جمہوریہ ہے جو کافی وسیع اور ترقی یافتہ ہے۔ مشرقی یوروپ کے ہموار میدانی علاقہ میں واقع ہے۔ اسکی اوسط بلندی 175 میٹر (574 فٹ) ہے۔ کہیں کہیں بلند علاقے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں ماؤنٹ کال ڈیڑھ ہزار فٹ، ماؤنٹ موگیلا بلمارک 1,070 فٹ اور ماؤنٹ میچٹ تایا 1,204 فٹ بلند ہیں۔ جمہوریہ کا رقبہ 603,700 مربع کلومیٹر (233,100 مربع میل) ہے۔ 65 فیصد علاقہ پر سیاہ مٹی پھیلی ہوئی ہے۔ کوئلہ، مینگنیز اور پٹرولیم کے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ بحر اوقیانوس سے پہنچنے والی گرم مرطوب ہوائیں اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ گرمائی بارش سرمائی بارش سے دوگنی ہوتی ہے۔ اشتراکی روس کی زرعی اور صنعتی پیداواروں کا 20 فیصدی حصہ اور اناجوں کی چوتھائی مقدار یہیں سے فراہم ہوتی ہے۔ جنگلاتی علاقے زیادہ نہیں ہیں۔ 1970 میں جملہ آبادی 47,126,000 تھی۔ کیواس کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی دس لاکھ سے زائد ہے۔ خارکو دوسرا اہم مقام ہے۔ اس کی آبادی 1,223,000 ہے۔

یوکلپٹس گلوبیولس: یہ ایک قسم کا پتلا، پرانے نیلے گوندھ (Eucalyptus globulus) کے پتوں کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں ایک قسم کا تیل ہوتا ہے جس کا وسیع پیانہ پر ادویات میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے درخت کی اوسط اونچائی 200 سے 300 فٹ تک ہوتی ہے۔ یہ آسٹریلیا کا خاص درخت ہے۔ اس براعظم کی تقریباً 75 فیصدی قدرتی نباتات اسی پر مبنی ہے۔ وسیع پیانے پر اس کی کاشت کیلیفورنیا، فلوریڈا، ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل اور روسی خطوں میں ہوتی ہے۔ یوکلپٹس کا تیل خشک پتوں اور سرے کی شاخوں سے کشید کیا جاتا ہے، جس کا خاص طور پر استعمال ناک اور حلق کی بیماریوں، ملیریا اور دوسرے بخاروں کے علاج میں ہوتا ہے۔

اس کا تیل بے رنگ یا زرد رنگ کا اور تیز ہوتا ہے۔ بڑے پیانے پر اس کا استعمال ادویات اور فارمیسی میں ہوتا ہے اور اس کی موثر دافع مفسد خون اور مزیل جراثیم متعدی کی خصوصیات مشہور ہیں۔ سینوئیل (یوک لیف ٹل)، طبی نقطہ نظر سے سب سے اہم جز ہے۔ تجارتی نقطہ نظر سے یہ بہت اہم ہے۔ اس کی بڑی مقداریں صابنوں کو خوشبودار بنانے اور معدنی سلفائیڈس کو ان کی کچی دھات سے علیحدہ کرنے میں کام میں لائی جاتی ہیں۔

ہندوستان میں اس کی پیداوار نیلگری کی پہاڑیوں میں ہوتی ہے۔ تقریباً 12,500 ایکڑ رقبہ میں اس کے مزرعے پائے جاتے ہیں۔ ملک میں تقریباً 50 سال پہلے اس سے تیل کی کشید شروع کی گئی۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ سالانہ تقریباً 24,000 پونڈ تیل حاصل کیا جاتا ہے۔

یوکون (دریا): یہ یوکون اور الاسکا کی دریائے لی وس اور پے لے کے ملنے سے بنتا ہے۔ اس کی لمبائی 2,300 میل ہے۔ اس میں موسم سرما میں تین فٹ کے اسٹیمر وہائیٹ ہارس بحیرۂ بیرنگ تک چلائے جاتے ہیں۔

یوگانڈا (Uganda): مشرقی وسطی افریقہ کا ایک جمہوریہ ہے جس نے 1962 میں آزادی حاصل کی۔ اس کے شمال میں سوڈان، مغرب میں زائرے مشرق میں کینیا اور جنوب میں تنزانیہ اور روانڈا واقع ہیں۔ رقبہ 236,036 مربع کلومیٹر ہے۔ اس میں سے 15,235 مربع کلومیٹر کے علاقے میں جھیلیں ہیں۔ آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 19,577,000 ہے۔ آزادی کے وقت دس ہزار سفید فام باشندے اور ستر ہزار ایشیائی (ہندوستانی نیز پاکستانی) بھی تھے۔ ان میں سے بہت بڑی اکثریت کو اب ملک سے نکال دیا گیا ہے یا وہ حالات سے مجبور ہو کر خود چلے گئے ہیں۔ آبادی کی اکثریت بنٹو ہے۔ لوگ عیسائیت، اسلام اور قدیم افریقی مذاہب کے پیرو ہیں۔ صدر مقام کمپالا ہے۔

یوگانڈا بلند پہاڑوں اور وسیع جنگلوں کا ملک ہے۔ کوہ مارگریٹا اور الکوٹڈرا برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ دریائے سفید نیل (نیل ابیض) یہاں کی مشہور جھیل وکٹوریہ سے نکلتی ہے۔ یہ سارا علاقہ انتہائی حسین ہے۔ ملک کا بڑا حصہ زرخیز ہے۔ بڑے بڑے جنگل ہیں۔ تھوڑا ریگستانی علاقہ بھی ہے۔ پہاڑوں میں معدنیات کے ذخیرے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کا پیشہ کاشت کاری ہے۔ چائے، کافی، روئی اور اون پیدا کئے جاتے اور برآمد بھی کئے جاتے ہیں۔

1988 کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں ابتدائی مدرسوں کے طلبا کی تعداد 2,632,764 اور استادوں کی تعداد 75,561 تھی۔ ثانوی مدرسوں میں

طلبا کی تعداد 260,069 اور اساتذہ کی تعداد 15,437 تھی۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 17,578 طالب علم اور 1,555 استاد تھے۔

رائج سکہ شلنگ ہے۔

برآمدات زیادہ تر کینیا، برطانیہ، مغربی جرمنی وغیرہ کو جاتی ہیں۔ درآمدات امریکہ، برطانیہ، جاپان اور مغربی جرمنی سے آتی ہیں۔ نقل و حمل سڑکوں اور دریاؤں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ 1240 کلو میٹر لمبی ریلوے لائنیں بھی ہیں۔ تانبہ، ٹنگسٹن، ٹن اور فاسفیٹ کی کان کنی ہوتی ہے اور ان کی صنعتیں بھی قائم ہیں۔

تاریخ: دوسرے افریقی ملکوں کی طرح یوگانڈا کے بارے میں بھی مغربی طاقتوں کے آنے سے پہلے کے حالات کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔ سب سے پہلے 1862 میں یوروپی مُہم جُو جان اسپیک (Speke) اور 1875 میں ہنری اسٹانلی (Stanley) نے اس علاقہ کا پتہ چلایا اور ملک کے اندر کا حال معلوم کرنا (exploration) شروع کیا۔ 1877 میں برٹش مشنری یہاں پہنچے۔ 1879 میں فرانسیسی مشنری بھی یہاں پہنچے۔ 1888 میں عرب تاجروں اور مقامی باشندوں نے ان مشنریوں کی نوآبادیوں کو جلا کر دیا، اور مقامی حکمران یوگانڈا کو تھوڑے دن کے لیے نظر بند بھی کر دیا۔ 1890 میں برطانوی حکومت نے مداخلت کی اور یوگانڈا، آتورو اور انکول کی افریقی ریاستوں کو برطانوی ایسٹ افریقہ کمپنی کے قبضہ میں دے دیا۔

1894 میں برطانیہ نے کمپنی کے مقبوضات کو اپنا مقبوضہ قرار دے دیا اور 1890 اور 1918 کے درمیان اطراف کے کئی اور علاقوں اور قبائل پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ جھیل وکٹوریہ اور جھیل روڈلف کا درمیانی علاقہ کینیا کے حوالے کر دیا گیا۔ 1899 میں جھیل وکٹوریہ سے ساحل تک ریل بچھائی گئی اور روئی کی کاشت شروع کی گئی اور ان سے برطانوی تاجروں اور زمینداروں نے، جو یہاں بس گئے تھے، خوب دولت کمائی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب تمام افریقہ میں آزادی کی لہر چلی تو یوگانڈا کو بھی آزادی دینی پڑی۔ ملٹن اُبوٹے وزیر اعظم اور یوگانڈا کے کباکا صدر بنائے گئے۔ 1966 تک حکومت کے اندرونی اختلافات کافی بڑھ چکے تھے۔ چنانچہ فوجی بغاوت کے خطرے کے پیش نظر ملٹن ابوٹے نے صدر کو برخواست کر دیا اور سارا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ 1971 میں عیدی امین کی سرکردگی میں فوج نے بغاوت کر دی اور ابوٹے کی حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی حکومت قائم کر دی۔ اقتدار سنبھالتے ہی عیدی امین ہی نے غیر ملکیوں اور خاص طور پر ایشیائی یوروپی باشندوں کو، جو یوگانڈا کے باشندے نہیں تھے، ملک چھوڑنے کا نوٹس دے دیا۔

1971 سے 1973 تک تنزانیہ کے ساتھ سرحدی جھگڑے چلتے رہے۔

1976 میں عیدی امین نے اپنے آپ کو تاعمر صدر ہونے کا اعلان کر دیا۔ 1978 میں یوگانڈا نے تنزانیہ پر حملہ کر دیا۔ 1981 میں تنزانیہ کے فوجی اپنے وطن واپس چلے گئے۔ 1985 میں ایک بغاوت کے بعد میجر جنرل ٹیٹو اوکلو حکومت کا سربراہ بنا۔ 1991 میں یوگانڈا کے باشندوں میں ایڈس (AIDS) کی مہلک بیماری کے بہت سے معاملات سامنے آئے۔

یوگوسلاویہ (Yugoslavia): یہ ایک وفاقی جمہوریہ ہے جو جنوب مشرقی یوروپ میں واقع ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ بلقان میں ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک، بوسنیا، ہرسکووینا اور کروشیا، شمال میں ہنگری، مشرق میں رومانیہ اور بلغاریہ اور جنوب میں البانیہ اور مقدونیہ واقع ہیں۔ رقبہ 102,173 مربع کلو میٹر (39,439 مربع میل) ہے۔

آبادی 1992 کے اعداد و شمار کے مطابق 10,500,000 ہے۔ سب سے بڑا شہر اور صدر مقام بلگریڈ ہے۔

1946 کے آئین کے مطابق یوگوسلاویہ چھ عوامی جمہوریتوں کا ایک وفاق تھا۔ یہ تھے 1. سربیا (صدر مقام بلگریڈ) اس میں کوسووو اور ووِدوینا شامل تھے۔ 2. کروشیا (صدر مقام زغریب) 3. بوسنیا اور ہرسیگووینا (صدر مقام سراجیوو) 4. مقدونیہ (صدر مقام اسکوپجے) 5. سلووینیا (صدر مقام لُب لیانا) اور 6. مانٹی نیگرو (صدر مقام ٹیٹوگراڈ)۔ وفاقی یوگوسلاویہ میں سربو، کروشین، سلوینی اور مقدونیا کی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ 1990 میں یہ سب آپس سے بالکل الگ الگ ہو گئیں۔

اس ملک کا 80 فیصدی علاقہ پہاڑی ہے۔ سب سے بڑا دریا ڈینیوب ہے۔ اور اس کے کئی معاون ہیں۔ بنیادی طور پر یہ ایک زرعی ملک ہے۔ اگرچہ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد سے یہاں کافی صنعتی ترقی ہوئی ہے۔ گیہوں، مکئی، سن، اور تمباکو کے علاوہ پھل، خاص طور پر انگور کی بڑے پیمانے پر کاشت ہوتی ہے۔ معدنیات کے کافی وسائل ہیں اور ان کی کان کنی ہوتی ہے۔ ان کی صنعتوں کے علاوہ مشینیں بنانے اور کیمیائی اشیا کے بھی کارخانے ہیں۔ اکثر تجارت روس اور سوشلسٹ ملکوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ مغربی یوروپ اور امریکہ سے بھی تجارتی تعلقات ہیں۔ ہندوستان سے تجارت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

برآمدات کا بڑا حصہ مشینوں، موٹر گاڑیوں، اور حمل و نقل کے دوسرے وسائل، کیمیائی اشیا، مختلف دھاتوں اور کپڑے پر مشتمل ہے۔ سالانہ 60لاکھ کے قریب سیاح سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں۔

1990 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد 1,392,789 اور استادوں کی تعداد 61,473، ثانوی مدارس میں 2,344,331 طالب علم، حرفتی مدارس میں 780,071 طالب علم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں285,294 طالب علم تھے۔

تاریخ: موجودہ یوگوسلاویہ کی تاریخ نہایت مختصر ہے۔ یہ مملکت پہلی جنگِ عظیم کے بعد وجود میں آئی۔ اس سے پہلے 1914 میں نہ صرف سربیا (جس میں اس وقت مقدونیا شامل تھا) اور مانٹی نیگرو آزاد ریاستیں تھیں اور کروشیا، سلووینیا اور ہرسکوونیا، سلطنتِ آسٹریا و ہنگری کا حصہ تھے۔

پہلی جنگِ عظیم سے قبل سربیا اس اتحاد کا علم بردار تھا اور یہیں سے پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ جنگ کے بعد بھی سیاسی اور علاقائی جھگڑے چلتے رہے اور آخر کار 1929 کی پیرس امن کانفرنس نے یوگوسلاویہ کی حکومت کو تسلیم کرلیا اور آسٹریا اور ہنگری سے کچھ علاقے لے کر اس ریاست میں ملا دیے گئے۔ بادشاہ الکزینڈر اس کا حکمراں بنا اور یوگوسلاویہ نے فرانس کی سرپرستی میں زیکوسلواکیہ اور رومانیہ سے دوستی کے معاہدے کرلیے تاکہ اگر ہنگری اور بلغاریہ نے اپنے علاقے واپس لینے کی کوشش کی تو اس کا مقابلہ کیا جاسکے۔ لیکن اس کے باوجود اندرونی سکون حاصل نہ ہوسکا۔ مختلف قومیتوں کے علاقوں، خاص طور پر کروشیا اور سلووینیا میں آزادی کی تحریکیں زور پکڑتی رہیں، حتیٰ کہ 1934 میں بادشاہ الکزینڈر کو فرانس کے دورے کے دوران قتل کردیا گیا۔

دوسری عالم گیر جنگ چھڑی تو پھر یوگوسلاویہ کے حکمرانوں نے ہٹلر اور اس کے محور کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ 1941 میں جرمن ایجنٹوں نے یوگوسلاویہ کے حکمراں ایجنٹ کا تختہ الٹ کر اپنی فوجیں وہاں بھیج دیں۔ اٹلی اور البانیا کی فوجیں بھی اس کے حصے بخرے کرنے کے لیے پہنچ گئیں۔ ملک میں خانہ جنگی اور اس کے بعد مارشل ٹیٹو کی سرکردگی میں جرمنی کی آزادی کی گوریلا تحریک بڑے پیمانے پر چھڑ گئی۔ 1944 میں جرمن فوجیں یوگوسلاویہ سے باہر کی گئیں۔ نئی حکومت کے وزیر اعظم جوزف براز ٹیٹو بنے۔ عام رائے کے ذریعہ بادشاہت ختم ہوگئی اور ایک وفاقی جمہوریت نے جنم لیا۔ 1980 تک ٹیٹو پہلے وزیر اعظم پھر صدر مملکت رہے اور انھوں نے بڑے پیمانے پر سوشلسٹ بنیادوں پر ملک کی تعمیر کی۔ 1945 میں اسٹالن سے اختلاف کی بنا پر یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ پارٹی کو کمیونسٹ خاندان سے نکال دیا گیا لیکن اسٹالن کے انتقال کے بعد 1955 میں یہ دوستی بحال ہوگئی اور یوگوسلاویہ اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں کے ساتھ سیاسی، اور معاشی تعلقات پھر سے مضبوط ہوگئے۔ ساتھ ہی ٹیٹو نے مغربی ملکوں اور امریکہ سے بھی تعلقات اچھے رکھے۔ نہرو اور ناصر کے ساتھ ملکر غیر وابستگی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد ہر قسم کے فوجی معاہدوں اور گٹھ جوڑ سے نو آزاد ملکوں کو الگ رکھنا تھا۔ جنگ کے بعد کے 35 برس میں ٹیٹو نے بین الاقوامی سیاست میں نہایت اہم مقام حاصل کرلیا تھا۔

1980 میں ٹیٹو کی وفات کے بعد ملک میں مخلوط قیادت پیدا ہوئی لیکن جم نہ سکی۔ 1987 میں سربیا میں مقامی قیادت کمیونسٹ پارٹی نے علیحدہ کرلی۔ 1989 میں سربیا نے کوسووو کی آزادی کی تحریک کو کچلنے کی کوشش کی۔ گویا اس علاقے میں نسلی اور مذہبی گروہوں میں شدید تناؤ پیدا ہوگیا اور آج بھی ان آزاد ریاستوں میں خانہ جنگی اور نسلی اور مذہبی گروہوں کی جھڑپیں جاری ہیں

زبان و ادب: یوگوسلاویہ ایک وفاقی مملکت رہا ہے اور اس میں کئی زبانیں بولی جاتی تھیں، جن میں سے خاص سرب، کروشی اور مقدونی تھیں۔ سرب اور کروشی زبانوں کی ادبی زبانیں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ لیکن سرب بولنے والے سریلک رسم الخط استعمال کرتے ہیں۔ اور کروشیا اور سلووینی زبانوں میں لاطینی خط استعمال کیا جاتا ہے۔

عہدِ وسطیٰ میں سلووینی زبان میں مذہبی کتابیں لکھی جاتی تھیں لیکن ترکی اور آسٹریائی تسلط میں یوگوسلاویہ کے کلچر کو ترقی کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ البتہ زبانی شاعری نے کافی ترقی کی اور اعلیٰ پایہ کی عوامی (فوک) نظمیں لکھی گئیں۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں ادب نے کافی ترقی کی۔ کروشی زبان کا شہ پارہ "عثمان" آج تک مشہور ہے۔ اس زمانے میں کئی ڈرامے بھی لکھے گئے۔ اٹھارویں صدی میں یوگوسلاویہ کا ادب کچھ زوال پذیر رہا اس لیے کہ اس دور میں آزادی کی تحریک کچل دی گئی اور بیرونی ادب کی نقالی عام ہوگئی۔ اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں قوم پرستی کا ابھار آیا۔ اس کا اثر یوگوسلاویہ پر بھی پڑا۔ چنانچہ کروشیا کے ادیب روسی ادیبوں کا اثر قبول کرنے لگے۔ ایک طرف سلاف (سلاو) اتحاد کی تحریک مقبول ہونے لگی تو دوسری طرف یوروپ میں نپولین کی بڑھتی فتوحات اور خاص طور پر آسٹریا کی شکست نے بڑا جوش پیدا کردیا۔ آخر انیسویں صدی تک یوروپی ادب کی حقیقت پسندی نے یہاں کے شاعروں اور ادیبوں کو کافی متاثر کیا اور سربیا نیز کروشیا، وغیرہ کے ادیبوں نے

اپنے ناولوں میں سماج اور اس میں مختلف طبقات کے رول اور ان کی کشمکش کی کافی حقیقت پسندانہ تصویر پیش کی۔ اس زمانے میں کئی نظمیں اور ڈرامے بھی لکھے گئے۔ روسی ادیبوں، خاص طور پر ٹالسٹائی اور دوستو سکی سے متاثر ہو کر نفسیاتی مسائل پر بھی ناول اور کہانیاں لکھی گئیں۔

بیسویں صدی کے پہلے پچیس برس میں جدیدیت کا رجحان بڑھا اور فرانس اور جرمنی کے ادیبوں سے یہاں کے ادیبوں نے کافی اثر قبول کیا۔ 1930 کے بعد ترقی پسندی کا اثر بڑھا اور مقامی سماجی حالات ادب کا موضوع بننے لگے۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران جب گوریلا لڑائی تیز ہوئی تو اس کے اثر سے کئی انقلابی شاعر اور ادیب پیدا ہوئے۔ آزادی ملنے کے بعد کئی برس تک یہی مسائل ادب کا موضوع بنے رہے۔ سوشلسٹ نظام قائم ہونے کے بعد سوشلسٹ حقیقت پسندی ادب کا سب سے بڑا رجحان بن گئی۔ اب چونکہ یوگوسلاویہ میں تمام قوموں کو یکساں حقوق حاصل ہو گئے ہیں اور ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہیں، اس لیے تمام زبانوں میں ادب ترقی کر رہا ہے۔

یوم برفا: صبح نو بجے سے دوسرے دن صبح کے نو بجے تک فضائی درجہ حرارت صفر درجہ سنٹی گریڈ یا اس سے بھی کم رہے تو برطانیہ میں اس مدت کو یوم برفا کہا جاتا ہے۔ یہی یوم پالا بھی کہلاتا ہے۔

یونان (Greece): یونان یوروپ کے جنوب مشرقی جزیرہ نما بلقان کے بالکل جنوبی سرے پر واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں البانیہ (Albania)، شمال میں سابق یوگوسلاویہ (Yuguslavia) کی مقدونیہ ریاست، شمال مشرق میں بلغاریہ (Bulgaria) اور ترکی اور مشرق میں بحیرۂ ایجین (Aegean)، جنوب میں بحیرۂ روم اور مغرب میں بحیرۂ ایونین (Ionian Sea) واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 131,945 مربع کلو میٹر (50,944 مربع میل) ہے۔ ملک کا تقریباً 75 فیصدی حصہ پہاڑی ہے۔ جہاں سے چھوٹی چھوٹی تیز رو ندیاں بہتی ہیں اور وادیوں کو سرسبز کرتی ہیں۔ شمالی حصہ ملک کے پنڈس (Pundus) پہاڑ اور مشہور اولمپس (Olympus) پہاڑ قابل ذکر ہیں۔ ملک کی آبادی 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق 10,043,000 ہے۔ ایتھنز (Athens) پایہ تخت ہے

یونان خلیج کورنتھ (Korinth) کی وجہ سے دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ شمال میں اٹیکا (Attica)، مقدونیہ (Macedonia) وغیرہ واقع ہیں اور جنوب میں پلوپونیز (Peloponnesus) کا جزیرہ نما ہے۔ ملک کی زبان یونانی (Greek) ہے۔ اس کی ایک بولی وہ ہے جو ملکی زبان کہلاتی ہے اور اس کا استعمال عوام کرتے ہیں اور دوسری زبان وہ ہے جو نظم و نسق اور یونیورسٹی میں استعمال ہوتی ہے۔ اس میں قدیم اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ ملک میں رائج سکہ درچما (Drachma) ہے۔

تعلیم: یہاں 1989 کے اعداد و شمار کے مطابق ابتدائی مدارس میں طلبا کی تعداد 834,688 اور اساتذہ کی تعداد 42,485 تھی۔ ثانوی مدارس میں طلبا کی تعداد 843,732 اور اساتذہ کی تعداد 57,975 تھی۔ اعلیٰ تعلیم، بشمول 6 جامعات، میں طلبا کی تعداد 194,419 اور اساتذہ کی تعداد 13,451 تھی۔

زراعت: یونان بڑی حد تک زرعی ملک ہے۔ کم و بیش 60 فیصدی آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہے اور قومی آمدنی کا تقریباً 85 فیصدی حصہ ان اجناس و اشیا کی برآمد سے وصول ہوتا ہے جو مزرعوں کی پیداوار سے تیار کی جاتی ہیں۔ ملک کی زمین اور موسم بعض خاص اجناس کی پیداوار کے لیے بہت مفید ہیں، مثلاً تمباکو، کپاس، گیہوں، انگور، زیتون، انجیر اور دوسرے پھل۔ جو، چاول، ٹماٹر، پیاز بھی پیدا ہوتے ہیں اور مرغ نیز بھیڑ کی پرورش کی جاتی ہے۔

صنعت: خام دھات کو صاف کرنے (Metallurgy)، جہاز سازی اور غذائی اجناس تیار کرنے نیز سوتی کپڑا اور ادویہ بنانے کی صنعتیں اہمیت رکھتی ہیں۔ یونان کے تجارتی جہازوں کا بیڑہ دنیا کے بڑے بیڑوں میں شمار ہوتا ہے۔ ماہی گیری کی صنعت بھی ساحلی علاقے میں مقبول ہے۔

تجارت: خاص اشیا برآمدات میں پھل، سبزیاں، پٹرولیم سے بنائی ہوئی اشیا کپڑا بنانے کا دھاگہ، تمباکو، لوہا، اور فولاد اور درآمدات میں بھاری مشینری اور اشیائے صرف اور غذائی اجناس شامل ہیں۔

تاریخ: طبقات ارض کے ماہرین کا خیال ہے کہ یونان کی قدیم تاریخ عہد حجری کے متاخر دور (Neolithic Age) کے 40,00 قبل مسیح سے چلی آرہی ہے۔ کانسائی دور (Bronze Age) (2,800 قبل مسیح) کے اہم تمدنی ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یونانی نسل کا افسانوی اہمیت کا حامل شخص ہیلن (Hellen) تھا اس سے چار گھرانے منظر عام پر آئے۔ ڈورین (Dorians) گھرانہ، ایونین (Ionians) گھرانہ، اچی کن (Achicans) گھرانہ اور اکولین (Acolions) گھرانہ۔ ان سب کو ہیلینز (Hellenes) کہتے ہیں اور اس نسبت سے ملک کا نام ہیلا (Hella) پڑ گیا۔ ان میں ڈورین نیز ایونین گروپ اہم تھے جنھوں نے علی الترتیب اسپارٹا اور ایتھنز کی بنیاد رکھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یونانیوں کا اصلی قدیم وطن ایشیائے کوچک (Asia Minor) میں واقع فریگا (Phrygta) تھا۔ یہاں سے وہ بحیرۂ ایجین (Aegean Sea) میں واقع جزیروں میں جا بسے جہاں پہلے سے آریائی نسل کے لوگ بسے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بہتر فکری صلاحیت رکھنے والے یونانیوں میں

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.

ضم ہو گئے۔ دوسری طرف مصر اور سیریا کے ساحلی علاقے تھے جن کے تمدنی اثرات یونانی تہذیب کی تشکیل میں اپنا کام کرتے رہے۔ تروجن کی جنگ (Trojan War) کے بعد یونانی تاریخ کا مستند دور شروع ہوتا ہے۔ ڈورین قوم (Dorians) اسپارٹا اور ایونین لوگ (Ionians) ایتھنز میں تھے۔ اسپارٹا کے لوگ فوجی مہمات اور تجارت میں ممتاز تھے اور ایتھنز نے فکر رسا اور قانون کی بے مثال خدمت کی۔ ڈورین قوم کی مہمات کا نتیجہ یہ نکلا کہ یونانی باشندوں نے، جہاں کہیں جغرافیائی حالات نے مدد کی شہری مملکتیں (City States) قائم کرلیں۔

آٹھویں، ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں ان کی نو آبادیاں بحیرۂ اسود (Black Sea) اور باسفورس (Bosporus) (جہاں بازنطینی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی تھی) سے سسلی (Sicily)، جنوبی اٹلی، جنوبی فرانس، شمالی ساحل افریقہ اور اسپین تک پھیل گئی تھیں اور مختلف علاقوں میں مختلف طرز کی حکومتیں قائم ہوئیں مثلاً سسلی میں مستبد (Tyrant) بادشاہت تھی تو یونان میں چند سری حکومت (Olgarchy) قائم تھی۔ ساتھ ہی ملک میں محدود شہری آزادی کا تصور قائم ہوا جس نے بہت جلد یونان میں سیاسی جمہوریت کے لیے راہ ہموار کی۔ ایران کی شہنشاہیت کا جس نے ایتھنز کو فتح کرنے کا عزم کیا تھا، مختلف شہری مملکتوں نے مل کر مقابلہ کیا اور 490ق۔م میں شکست دی۔ یہ لڑائیاں پچاس سال تک جاری رہیں اور اس جنگ کے آدرے میں یونانی تہذیب پروان چڑھی اور مغربی تمدن کا سرچشمہ بنی جو عظیم قد آور شخصیتیں اس تہذیب نے پیدا کیں ان میں افلاطون (Plato)، سقراط (Socrates) اور ارسطو (Aristotle) شامل ہیں۔ مقدونیہ کے شاہ فلپ دوم کے بیٹے سکندر (323-356ق۔م۔) نے یونانی تہذیب کو یوروپ میں بلقان کی ریاستوں تک، وسط ایشیا، ایران اور ہندوستان میں سندھ اور پنجاب تک پہنچادیا۔

395 عیسوی میں بحیرۂ بالٹک کے ساحل سے آگے بڑھ کر گوتھ (Goth) قوم نے بہت سی شہری مملکتوں کو اپنے قبضے میں لیا لیکن اس سال رومن سلطنت، مشرقی اور مغربی، دو حصوں میں بٹ گئی۔ اور یونان مشرقی سلطنت کا ایک حصہ بنا اور 1453 تک وہ بازنطینی سلطنت کی قسمت سے وابستہ رہا۔

1453 میں ترک سلطان محمد دوم نے اسے فتح کیا اور 1669 میں ترکوں کا اس پر مکمل اقتدار قائم ہوا۔ 1821 میں یونان کی جنگ آزادی شروع ہوئی۔ فرانس نے یونان کی مدد کی اور 1828 میں روس نے ترکی سے جنگ کی اور یونان کی خود مختاری تسلیم کی گئی۔

پہلی جنگِ عظیم میں یوروپ اور ایشیا میں ترکی کے بعض حصے یونان کے قبضے میں آئے لیکن 1922 میں ایشیائی حصے ترکی کو واپس کردیے گئے۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنوں نے یونانیوں کو ہزیمت دی لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو یونان کی آزادی بحال کردی گئی۔ 1954 میں یونان نے ترکی اور یوگوسلاویہ سے مشترکہ مدافعت کے عہدنامے میں شرکت کی۔ اس کے بعد کے دس سال داخلی انتشار کی وجہ سے داغدار تھے۔ 1964 میں فوج نے اقتدار سنبھال لیا اور ملک میں صدارتی پارلیمانی جمہوریہ قائم کی۔ 1976 میں بحیرۂ ایجین (Aegean Sea) میں کنارہ آب کے حقوق کے مسئلہ نے یونان اور ترکی کے تعلقات میں ایک نازک صورت حال پیدا کردی۔ اقوام متحدہ کی مداخلت سے بڑے پیمانے کا فوجی تصادم ہونے سے رکا اور عارضی سمجھوتہ ہوگیا۔

یےوونڈے (یوونڈ) (Yaounde): یہ جمہوریہ کیمرون کا صدر مقام ہے۔ ماضی میں یہ فرانسیسیوں کے زیر تسلط کیمرونس کی راجدھانی تھا۔ دوآلا بندرگاہ سے یہ ریل کے ذریعہ مربوط ہے۔ ان دونوں کے درمیان 191 میل کا فاصلہ ہے۔ یہاں ایک ہوائی اڈہ بھی ہے۔ اس کی آبادی 85,000 ہے۔ یہاں کی تجارتی اشیا میں کافی، کوکو اور کھوپرا شامل ہیں۔ اس کی بنیاد 1888 میں رکھی گئی تھی۔

Digitized by commissionedwriting.com for the IdeaMines collective.